دلِ آباد



پیش لفظ

دل آباد

آنسوؤں کے جھلمل تاروں میں
اُمید کے سرسبز گلزاروں میں
کسی معصوم روح کے ریشمی خواب سوتے ہیں

ریشمی خواب کو چرانے والے
روح پر تاک کر نشانہ لگانے والے
کیسے ظالم کتنے سفاک ہوتے ہیں

سفاک شوریدہ سر لمحوں کی لہریں
جو متاعِ خواب کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہیں
بھولی بھٹکی نیند کے ساتھ لاانتہا خوف سوتے ہیں

خوف کے مگر دو چار پل ہی ہوتے ہیں
دل کی بازی لگانے والے بڑے بے باک ہوتے ہیں
نفرتوں میں سانحے محبتوں میں معرکے ہوتے ہیں

محبتوں میں کمال معتبر ہوتے ہیں
جو دل برباد ہوتے ہیں
وہی دلِ آباد ہوتے ہیں

اُف کتنے ظالم ہوتے ہیں
جو دل آباد کو
دل برباد کہتے ہیں

جنہیں محبتوں کا شعور نہیں
جن کا کوئی محبوب نہیں
وہ کوئی انسان ہوتے ہیں

رفعت سراج
۱۸ اپریل ۲۰۰۹ء

مسماۃ نشاط افزاء بنت فیض علی کاشمیری............آپ کا تعلق ایک معلم خاندان سے ہے اور آپ خود تدریسی پیشے سے وابستہ ہیں............آپ نے ضرور پڑھا ہو گا کہ جس نے ایک انسان کا قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا............؟

جج کی گونجدار بھاری آواز کمرہ عدالت میں بلند ہوئی۔

جناب والا....... .... اگر مقتول خود انسانیت کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو اور انسانیت کو ایک تماشہ سا بنا کر رکھ دیا ہو............کیا تب بھی............؟ نشاط افزاء کی دھیمی آواز خوف سے نہیں جذب سے کانپ رہی تھی۔

دنیا کا کوئی مذہب کوئی قانون ایک عام شہری کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہر قوم اور مذہب کے کچھ معاشرتی اصول وضوابط ہوتے ہیں جو پورے معاشرے کے تحفظ و بقا کی ضمانت دیتے ہیں............اور ان پر عمل درآمد سے ہر انسان کو فائدہ ہوتا ہے............مجرم کو سزا ملتی ہے اور بے گناہ کو نجات............یقیناً یہ بھی آپ جانتی ہوں گی............جج نے اسی انداز میں بات آگے بڑھائی جی یہ سب کچھ میرے علم میں ہے............لیکن گستاخی معاف............کیا جو کچھ قانون کی کتابوں میں درج ہے وہ عملی شکل میں ہماری سوسائٹی میں رائج ہے............ہمارے ہاں تو قانون سے مدد لینے کا تصور ہی انسان کو خوفزدہ کر دیتا ہے............اور بے شمار لوگ اس خوف کی

وجہ سے چپ چاپ ظلم سہنے پر راضی رہتے ہیں............ مجھے کسی طور نجات کا یقین و اعتماد حاصل ہوتا تو میری ذہنی حالت اتنی مخدوش نہ ہوتی کہ میں یہ انتہائی قدم اٹھاتی............

نشاط افزاء نے نظریں جھکا کر کہا آپ کیا سمجھتی ہیں آپ قانون پر تنقید کر کے اپنے اس منفی اقدام کو جائز کہلوانے میں کامیاب ہو جائیں گی......؟ قانون پر تنقید تھی اس لیے قانون دان کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں جو اس کی کیفیت کی ناگواری پر دلیل تھیں۔

میں شعلوں میں گھری ہوئی تھی............ مجھے نجات چاہیے تھی جناب والا............ نشاط افزاء کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

آپ کا کیا خیال ہے......؟ نجات مل گئی......؟ آپ کو اندازہ ہے کہ آپ نے اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن کے امکان کو بھی کھو دیا ہے؟ اگرچہ وکلاء اپنی بحث سمیٹ چکے ہیں۔ اصولاً آج فیصلہ ہو جانا چاہیے تھا............ مگر میں اپنی صوابدید پر تاریخ آگے بڑھا رہا ہوں۔ عدالت برخاست ہوتی ہے............ یہ کہہ کر جج نے کرسی چھوڑ دی............ حاضرین احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ارے یہ سفید چنوں کا سالن تو سمجھ میں آتا ہے............ اچھے گل جائیں تو شوربہ گاڑھا ہوتا ہے نوالہ تو بنتا ہے یہ کالے چنوں کا سالن............ تمہاری کیا مت ماری گئی تھی روبی............؟ نتا نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور ڈھکن ساس پان پر دوبارہ رکھ دیا۔

نتا............ حکیم لوگ کہتے ہیں کالے چنوں میں ہارس پاور ہوتی ہے............ روبی نے اپنے حساب میں بڑی پاور کی دلیل پیش کی۔

ارے تو ہم کونسا گھڑ دوڑ میں حصہ لینے کو بیٹھے ہیں............ کالے چنے کے سالن پر

کوئی رنگ آ سکتا ہے؟ جو کھانا آنکھ کو بھلا نہ لگے وہ منہ میں کیسے جائے............ اس سے تو انسان لہسن مرچ کی چٹنی پیس کر روٹی کھا لے............ طاقت کم لگ رہی ہے تو ڈاکٹر سے کوئی ٹانک لکھوا لو............ کالے چنے کھانے کو جی چاہتا ہے تو ابال کر ہرے مسالے میں تھوڑا فرائی کر و لیمو نچوڑ دو............ بہت مزے کے لگتے ہیں اب یہ پتلے شوربے میں دانے پکڑتے پھریں............ جیسے مچھلی پکڑنے کو پانی میں ڈور ڈالے بیٹھے ہوں نتا روبی کو بے حساب سنا رہی تھیں............ اسی آن کال بیل بجی تھی............ روبی کی تو گویا جاں بخشی ہوئی اس نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔

اوہ............ السلام علیکم............ روبی نے سلام کیا تو پر تجسس نتا کی آواز ابھری۔

کون ہے روبی............؟

ماہ رخ آپی ہیں نتا............ اور شاید انہوں نے کالے چنوں پر آپ کی تقریر سن لی تھی پلیٹ میں کوئی سوغات لیکر آئی ہیں............ روبی کی آواز آئی۔

اچھا ماہ رخ آئی ہے............ آج تو بہت دنوں بعد آئیں بیٹی............ نتا کچن سے نکل کر سامنے آ گئی تھیں اسلام علیکم نتا............ اداس سے چہرے والی رومانہ جو گراؤنڈ فلور کے اپارٹمنٹ کی مقیم تھی یعنی ان کی ہمسائی تھی مسکرا کر جواب دیا۔

جی............ وہ میری طبیعت کافی خراب رہی آج کچھ بہتر محسوس کیا تو تھوڑی کوکنگ کی............ وہ روبی کو پلیٹ تھماتے ہوئے جیسے جبر یہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

تو بیٹی کوئی خیر خبر تو دے دیا کرو............ اکیلی رہتی ہو............ موٹر خود چلاتی ہو۔ ڈاکٹر کے پاس جانا ہو تو چلو ماہ رخ ساتھ چلی جائے............ بہت غلط بات ہے اتنی اپنائیت جتاتی ہو تو ہمیں بھی تو اپنا سمجھو............ نتا نے اسے بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

کیا بخار تھا؟ وہ پوچھ رہی تھیں۔

جی......ساتھ کھانسی بھی بہت تھی.........اس نے جواب دیا۔

پھر تو دفتر بھی نہیں گئی ہوں گی..........؟ آؤ بیٹھو دم لو.........ورنہ میں تو ایک تجرباتی ڈش بنا کر بری طرح پھنس چکی تھی.........روبی نے تشکرانہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے تو اس کے نت نئے تجربے ایک آنکھ نہیں بھاتے..........وقار گھر میں ہو تو چینی جاپانی لاطینی نہ جانے کون کون سے کھانے بنائے گی..........وہ چلا جائے گا تو دیسی کھانوں میں نت نئے تجربے ہوں گے..........اور تو اور میٹھے میں بھی اپنے کرتب دکھاتی ہے..........کسٹرڈ میں سویاں پڑ رہی ہیں دال میں ہرے مسالے کے پکوڑے..........کچی کڑھی میں تلی ہری مرچ..........بعض تو اچھی بن جاتی ہیں بعض کو دیکھ کر تو بھوک ہی مر جاتی ہے..........نتا نے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی۔

وقار صاحب کو تو پسند آ جاتے ہیں ناں..........ماہ رخ نے اپنی مخصوص اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ بے چارہ دل ہی رکھ لیتا ہوگا..........آخر بڑے ارمانوں سے بیاہ کر لایا ہے اسے..........نتا نے جواب دیا۔ نتا..........وقار کی وجہ ہی سے تو مجھے کھانا پکانے میں دلچسپی پیدا ہوئی ہے..........ان کو کھانا کھلانا بھی تو بہت بڑا کارنامہ ہے..........روبی نے کہا۔

ہاں..........جن بچوں کی ماں کھانا بناتی ہے انہیں بیوی کا کھانا میرا مطلب ہے بیوی کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا آسانی سے مطمئن نہیں کرتا..........نتا بولیں۔

وقار صاحب کی والدہ یہاں آتی ہیں......؟ میں نے تو کبھی نہیں دیکھا..........ماہ رخ بری طرح چونک پڑی نتا خاموش سی ہو گئیں۔

وہ تو یہاں نہیں آتیں..........وقار بتاتا ہے کہ ممی جیسا کھانا کوئی نہیں بناتا......

قدرے توقف سے انہوں نے جواب دیا۔

ماہ رخ نے ایک نگاہ دیوار پر لگی وقار کی تصویر پر دوڑائی..........پھر آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی آپ لوگ لنچ کریں میں چلتی ہوں..........تھوڑا ریسٹ کروں گی..........آج کل جلدی تھک جاتی ہوں..........شام کو چکر لگاؤں گی۔

تم بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھا لیتیں..........کیا خبر کالے چنے کھا کر تم بھی شام تک گھوڑوں کی طرح دوڑتی نظر آتیں..........بقول روبی ہارس پاور ہوتی ہے کالے چنوں میں..........نتا گویا جل کر کہہ رہی تھیں۔

ماہ رخ بے اختیار مسکرا پڑی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس کی مردانہ وجاہت کی چہار سو دھوم تھی..........اس کا چہرہ جیسے صبح کا تعارف تھا..........اس کی بلی آنکھوں میں کالے جادو کا سا اثر تھا..........اس کی قامت دل دہلاتی تھی..........اس کی چال دل دھڑکاتی تھی..........اس کی آواز رگوں میں سنسناہٹ پیدا کرتی تھی۔

خاندان واڑوس پڑوس کی دوشیزائیں اس کے خواب دیکھتی نہیں تھکتی تھیں..........ہر گھر میں اس کا انتظار رہتا تھا۔

اس کے ہم عمر احساس کمتری کا شکار ہو چلے تھے۔ یہ سب شاید اس کے ظرف سے زیادہ ہو گیا تھا۔

ہر طلب پر من پسند غذا، لباس، آرام دہ کمرہ جو سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا رہتا تھا..........جانفزاء مشروب، غرض وہ تمام چیزیں جو انسانی نفس کو ابھارتی ہیں اسے میسر تھیں۔ جیسے ٹھنڈا یخ پانی، ہر طرح کا حلال گوشت، پیٹ بھرتے ہی مستی بھری گہری نیند جب نفس مضبوط ہوتا ہے تو ضمیر کی آواز کمزور پڑنے لگتی ہے۔ جب ضمیر کی

آواز کمزور پڑتی ہے تو خود غرضی کمال ہوتی ہے۔

گوشت کے بغیر وہ کبھی کھانا نہیں کھاتا تھا اور کھانا کھا کر کبھی کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ نوکر چاکر وافر میسر تھے جو اسے کلی معذور بنانے کے لئے کافی تھے.......... ایک ''چاکرنیہ'' تو اسے مرحومہ پھوپھی دے گئی تھیں۔ انیس سال کی عمر سانولی سلونی رنگت کمر سے نیچے سیاہ گھنے بال۔ بڑی بڑی روشن مگر سہمی سہمی آنکھیں.......... نام بڑے ارمانوں کے ساتھ ''نعمت'' رکھا تھا جو گھس گھسا کر نمو رہ گیا تھا.......... وہ ہمیشہ اسے ''زحمت'' کہہ کر بلاتا تھا.......... فالتو فارغ وقت میں اس کا دل پسند مشغلہ اسے دق کرنا تھا۔

زحمت.......... زحمت نہ ہو تو ایک گلاس پانی پلانا۔

زحمت ذرا میری بلیو ٹی شرٹ تو استری کر دینا۔

زحمت.......... ایک بڑا کپ کریم کافی تو بنانا.......... مگر اتنی ڈارک نہیں جتنی تمہاری شکل ہے.......... زحمت تم اپنے چہرے پر مرکری بلب لگا کر کیوں نہیں پھرتیں.......... کوئی عقل کا اندھا تم سے ٹکرا بھی سکتا ہے۔ ایک نظر میں تو تم کلیئر نظر نہیں آتیں.......... وہ چھیڑتا اور وہ آنسو پیتی ہوئی اس کے احکامات بجا لاتی رہتی۔

اکثر اہتمام سے تیار ہو کر اس سے پوچھتا.......... کیسا لگ رہا ہوں؟

وہ بھی نظریں جھکا کر جواب دے دیتی.......... اچھے ہیں تو اچھے ہی لگیں گے.......... ہماری طرح ڈارک تو نہیں ہیں جو آسانی سے نظر نہ آئیں.......... یہ کہہ کر جھپاک سے کسی کونے میں غائب ہو جاتی وہ کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کر رہا تھا.......... گھر آنے کے بعد رات گئے تک لڑکیوں کے فون آتے رہتے.......... اکثر تو ایسا ہوتا کہ اپنے موبائیل پر کسی لڑکی سے مصروف گفتگو ہوتا اور دوسرے فون پر بیل رنگ ہونے

لگتی جو نمو ہی ریسیو کرتی.......... اور آگے بڑھ کر ریسیور اسے تھماتی وہ موبائیل والی کو ہولڈ کرا کر دوسرے فون پر کہتا.......... ہاں.......... میں تمہیں پانچ منٹ بعد خود رنگ کروں گا.......... پلیز ویٹ کرنا.......... پھر دوبارہ موبائیل پر شروع ہو جاتا۔

کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا کہ دونوں فون باری باری ہولڈ کرائے جا رہے ہوتے اور تیسری محترمہ بنفس نفیس تشریف لے آتیں۔

اس وقت نمو کو بڑی گدگدی ہوتی اس کا دل چاہتا یہ ساری کی ساری ایک دن اس گھر میں اتفاقاً اکٹھی ہو جائیں پھر خوب مزے کا جلسہ ہو۔

مگر وہ بھی بہت ٹرک سے سب کو چلاتا رہتا تھا.......... بشمول اس کے.......... عموماً اسے چھیڑتے ہوئے کہتا۔

تم بال بال بچ گئیں مجھ سے.......... صاف دکھائی نہیں دیتی ناں اگر ناک کے نیچے کھڑی نظر آ جاتیں تو مجھے شاید تم سے پہلی محبت ہو جاتی.......... خیر وہ تو اب بھی ہو سکتی ہے۔ جہاں دس پندرہ وہاں ایک اور سہی.......... پہلی نہ سہی اکتالیسویں، بیالیسویں سہی۔ لائن میں لگی رہو نیمو گلوگیر آواز میں اسے ٹوکتی.......... رمیض بھائی آپ کو اس طرح کے مذاق نہیں کرنا چاہئیں میں اس گھر کی فرد ہوں.......... میری بھی کوئی عزت ہے.......... یہ کہہ کر حسب عادت وہ گھر کے کسی حصے میں غائب ہو جاتی اور وہ کوئی پھڑکتا جملہ نوک زبان پر روک کر ہاتھ ملتا رہ جاتا.......... بتاؤ.......... اس نائٹ بلب کی بھی عزت ہے۔

بھئی رمیض تم اپنے ایکسپنیس کنٹرول کرو.......... کئی مہینوں سے میرا بجٹ فیل ہو رہا ہے۔ ممی نے رمیض کو فہمائش کی۔

مائی گڈنیس.......... ہمارے ہاں بھی بجٹ بنتا ہے؟ رمیض ٹائی کی ناٹ بناتے

بتاتے رک گیا اور نہایت حیرت سے پوچھنے لگا۔

بجٹ تو بادشاہ بھی بناتے ہیں.......... اسٹوپڈ.......... ممی نے اپنے نئے ہیر اسٹائل کو ہاتھ سے چھو کر محسوس کیا.......... گردن مزید کلفدار ہوگئی۔

اچھا ممی.......... مجھے اپنے گھر کے ''سورس آف ان کم'' تو پتہ ہیں۔ ظاہری بات ہے آپ کو بھی پتہ ہونگے مگر آپ کو پتہ ہے کہ ہماری ماہانہ انکم کیا ہے؟ فکس ڈپازٹ سے کتنا آتا ہے۔ شیئرز سے کیا ملتا ہے۔ کتنی کنسائنمنٹس اوورسیز پہنچیں ان کا پرافٹ کتنا آیا.......... میانوالی کی زمینوں سے کتنی آمدنی ہوئی.......... ربیع کا کتنا منافع ہے۔ خریف کا کتنا.......... گلاس فیکٹری سے کیا حاصل ہوا؟ رمیض نے ماں کی صورت بغور دیکھتے ہوئے سوالات کیے۔

لم سم کا تو مجھے اندازہ رہتا ہے.......... فائنل فیگر زیادہ رکھنے کے لئے میرے دماغ میں طاقت نہیں ہے.......... وہ بے زارکن انداز میں بولیں۔

جب آپ کو فائنل فیگرز ہی نہیں پتہ تو آپ بجٹ اپ سیٹ ہونے کا غم کیوں کرتی ہیں؟ رمیض نے لاپرواہی سے کہا۔

بے تکے پن سے اخراجات کرنے سے تو بادشاہوں کے خزانے خالی ہوجاتے ہیں ابھی بیٹھے بیٹھے سب کچھ مل رہا ہے اس لئے ہری ہری سوجھ رہی ہے.......... کل کو ذمہ داریاں اٹھاؤ گے تو آٹے دال کا بھاؤ پتہ چلے گا.......... ممی نے ناراضگی سے کہا۔

کل کو آپ لوگ کہیں جارہے ہیں؟ آئی مین.......... آپ اور پاپا؟ رمیض نے انجان بننے کی اداکاری کی گویا کچھ سمجھا نہیں۔

اچھا زیادہ ننھا بننے کی ضرورت نہیں.......... فی الحال یہ رکھ لو.......... ابھی میرے پاس یہی ہیں مسز علوی نے ہزار ہزار کے کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

کتنے ہیں.......... رمیض نے ہاتھ بڑھائے بغیر پوچھا۔

تین.......... انہوں نے اختصار سے جواب دیا۔

اونلی..........؟ ان میں کیا ہوگا.......... یہ تو آپ کے بٹلر کی سیلری ہے ممی.......... مجھے نہیں چاہئے رکھ لیں آپ.......... رمیض کا موڈ آف ہوگیا۔

رمیض.......... ہاتھ ہلکا رکھو.......... سب کچھ تو تمہیں بغیر محنت کے مل رہا ہے، اکاموڈیشن، کنوینس، کھانا، کپڑا، فیسیں، پاکٹ منی.......... اور کس کام کے لئے تمہیں بڑے بڑے اماؤنٹس چاہئیں؟ ممی میں کوئی غلط کام تو نہیں کرتا.......... نشہ نہیں کرتا، رمی نہیں کھیلتا.......... ناچ گانا نہیں دیکھتا سنتا پھر آپ مجھ سے اتنی بحث کیوں کرتی ہیں؟ غصہ سے رمیض کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ تھینکس گاڈ.......... میرا اکلوتا بیٹا ریئلی ایسا نہیں ہے.......... بلکہ منہ سے اس طرح کی بات بھی نہ نکالا کرو میری جان.......... تمہاری بہتری کے لئے ہی تمہیں سمجھاتی ہوں سب تمہارا ہی ہے مگر اسے طریقے سے استعمال کرو.......... ابھی تمہاری پریکٹیکل لائف نہیں ہے تو اخراجات اتنے ہیں۔ جب پریکٹیکل لائف شروع ہوگی تو کیا کروگے.......... تمہیں اس گھر کے کچن ایکپینس معلوم ہیں؟ حالانکہ یہاں فیملی ممبرز صرف چار ہیں جبکہ وہ گاؤدی تو کھاتی نہیں سونگھتی ہے۔ پچیس ہزار ماہانہ مہینے میں دسیوں تو ڈنر ہوتے ہیں جو بزنس کا ایک حصہ ہیں موسٹلی بزنس ڈنر کبھی کبھی دوست پھر گاڑیوں کی مینٹیننس نہیں، پٹرول، یوٹیلٹی بلز.......... پارٹیز میں دیے جانے والے تحفے تحائف لاؤنج کے کارپٹ کا کلر فیٹ ہورہا ہے.......... تقریباً سوا لاکھ تک کا آرہا ہے.......... اس لئے میں نے چوکنا کردیا کہ پہلے حساب کتاب چیک کروں تمہارے پاپا سے او۔کے کراؤں تو اٹھاؤں۔

سوا لاکھ.......... یومین ون لیک ٹوئنٹی فائیو تھاؤزینڈ..........؟ چھوڑیں

ممی......ٹوٹکی فائیو روپے اسکوائر فٹ آتا ہے......ممی!......آپ نے تو حد کر دی ہے......مجھے قائل کرنے کے لئے میرے لیول کی دلیل تو لائیں......وہ جھلایا۔

یہ تو حال ہے نہ تو تمہیں روپے کی ویلیو کا اندازہ ہے چیزوں کی ویلیو کا پچیس روپے اسکوائر فٹ وہ کارپٹ ہے جو تمہارے گھر کے تمام زینوں پر پڑا ہے......میں ایرانی قالین کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے ہینڈی کرافٹ کی......جو جتنا خوبصورت ہوتا ہے اتنی اس کی قیمت ہوتی ہے......آئی کچھ عقل میں؟ مسز علوی بھی جواباً جھلائی۔

اتنی دیر میں نمو بھی لاؤنج میں پہنچ گئی تھی......اور رمیض کی نظر اس پر پڑی تھی......سنا ہے ہر شے کی ویلیو ہوتی ہے......اس کی کیا ویلیو ہوگی ممی......رمیض نے فوراً نشانہ لیا۔

اچھا بس......خوامخواہ غریب کو کیوں تنگ کرتے ہو کیا کہتی تمہیں کیا لیتی ہے تمہارا......تمہارے دس کام ہی کر دیتی ہے......مسز علوی نے اس کی توجہ ہٹانے کی غرض سے رمیض کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

ہم نے تو بہت چاہا تھا کہ یہ گریجویشن کرلے مگر اس نے انٹر کے بعد دلچسپی ہی نہیں لی۔ پڑھے لکھے انسان کی بہر حال ایک ویلیو تو ہوتی ہے۔ ابھی بھی کیا گیا ہے ایگزیم دے سکتی ہے۔ گریجویشن کے بعد فارغ وقت میں کہیں ملازمت کر کے چار پیسے کما سکتی ہے۔ اور تمہاری ماں کوئی ترکہ وراثت چھوڑ کر تو گئی نہیں کل کلاں کو شادی بیاہ کا مرحلہ آ جائے گا......کتنی بھی احتیاط کرو اچھا خاصہ خرچہ ہو جاتا ہے شادی پر پہلے تو کھانے پر پابندی لگ گئی تھی لوگ اس بہانے کچھ بچت کر لیتے تھے مگر اب پھر پابندی ہٹ چکی ہے۔ شادی ہوئی تو کھانا بھی پکے گا......سادہ کھانا بھی رکھیں تو بیس بائیس ہزار سے

کم نہیں پکے گا۔ تین ہزار تو کُل ایک ڈش کی بنائی لیتا ہے......چار جوڑے بھی لازمی ہونا چاہیے ایک دو سونے کی......بیڈروم سیٹ ڈیکو پینٹ میں اُٹھائیں تو چالیس ہزار میں پڑتا ہے۔ اب پھر فرنیچر چینج کرنے کا پروگرام ہے عفت......کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تین مہینے پہلے ہی تو تم نے نیا بیڈروم سیٹ لیا ہے......شیخ انجم علوی اپنا موبائیل جیب میں پھنسائے ہوئے اوپر بیڈروم سے زینہ اتر کر نیچے پہنچ چکے تھے۔

حد ہے آپ سے بھی......بال سے پر......پر سے کوا......بس یونہی اڑتی پڑتی اچک کر پورا گوشوارہ سیٹ کر لیا کریں......مسز علوی جھلائیں......میں اپنے بیڈروم کے فرنیچر کی بات نہیں کر رہی تھی......جہیز کے فرنیچر کی بات کر رہی تھی۔

کس کے جہیز کی بھئی......کس کی شادی ہو رہی ہے اور اس کے جہیز سے آپ کا کیا تعلق؟ انجم لوی قدرے حیرانی کے ساتھ پوچھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

ایسے ہی بات چل نکلی تھی......نمو کے ٹاپک پر۔

کیا کوئی پرپوزل آ گیا ہے......؟ خیر جہاں لڑکی ہوتی ہے ایسے سلسلے تو ہوتے ہی رہتے ہیں انشاءاللہ نمو کی شادی پر بہت اچھا جہیز دیں گے نمائشی چیزیں خواہ نہ ہوں مگر ضرورت کی ہر چیز دیں گے......اتنی سیدھی سی ہے میری بیٹی......اور کتنی خدمت کرتی ہے سب کی میری بہن بھی ایسی ہی تھی......بہت کم گو مگر انتھک کام کرنے والی......ہر ایک کے آرام کا خیال کرنے والی۔

انجم علوی کے لہجے میں خلوص و محبت کے اتار چڑھاؤ آسانی سے محسوس کیے جا سکتے تھے نمو تو جھجھکتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔

شادی کا کم سے کم خرچ ایک لاکھ سے کم نہیں ہوتا انجم......مسز عفت علوی نے

ابرو چڑھا کر گویا ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

خیر ہے.........دو لاکھ بھی ہو تو کیا ہے.........اللہ کا کرم ہے فضل ہے کچھ کمی تو نہیں ہے۔؟ وہ بے نیازی سے بولے۔

یہ لیجیے.........میں کچھ مانگ بیٹھوں تو گھر کا بجٹ اب سیٹ ہو جاتا ہے محترمہ کی شادی پر دو لاکھ خرچہ کر دیے جائیں گے.........رمیض نے جتانے والے انداز میں کہا.........دو لاکھ کا سن کر اُس کے تن بدن میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔

ارے میاں.........تم پر تو سال میں جانے کتنی مرتبہ دو لاکھ خرچ ہو جاتے ہیں۔ وہ بے چاری تو ایک مرتبہ ہی خرچ کرائے گی اپنی پوری عمر میں.........روتے کیوں ہو.........تمہاری جیب سے لے گی کیا.........انجم علوی نے سنجیدگی سے بیٹے کو ٹوکا۔

ہاں تو یہ تو آپ کا اکلوتا بیٹا ہے.........رشتے دار تو نہیں.........مسز علوی تیکھے لہجے میں بولیں وہ بھی میری بیٹی ہے.........یتیم یسر نہ ہوتی تو رشتے دار ہوتی اب اس کا کوئی نہیں وہ ٹوٹل Deppending ہے خون کا رشتہ ہے اس لئے میری ذمہ اری ہے۔ میری کہہ رہا ہوں ہماری نہیں.........اس لئے کہ میں آپ دونوں پر کوئی ذمہ داری زبردستی نہیں ڈالوں گا۔ یہ خوشی کا سودا ہوتا.........اللہ کی دی ہوئی توفیق۔

اور ہاں بھئی آپ کی نئی ڈیمانڈ کیا ہے اب.........ویسے انسان فارغ رہے تو زندگی سے اس کے مطالبات بہت بڑھ جاتے ہیں.........خزانے کی چابیاں چالیس اونٹوں پر لدی ہوں تو نظریں مزید خزانوں کی تلاش میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ خیر ابھی میں تمہیں واچ کر رہا ہوں اس لئے کہ تمہاری ایجوکیشنل پر پرفارمنس بری نہیں.........مگر اتنی کمفرٹ ایبل لائف میں دیکھا جائے تو کوئی خاص بھی نہیں۔ اپنی ہاؤ ہاں تو بھئی کیا ہے وہ نئی ڈیمانڈ.........انجم علوی نے بیٹے کے بجائے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا چھوڑیں پاپا.........آپ نے ہمیں پیدا ہوتے ہی جو ماحول دیا.........ہم اسی کے عادی ہیں.........اس سے ہٹ کر تو نہیں چلتے.........آپ کیوں نکتہ اعتراض ڈھونڈتے رہتے ہیں؟ جو کچھ آپ نے دیا وہی تو ہے یہاں.........ماحول، اسٹیٹس، دولت، آسائشات.........رمضان کے روزے، اے سی۔ کمرے میں آرام کر کے رکھتے ہیں.........چاند رات کو عید کی شاپنگ، بقر عید پر تین دنوں میں چھ بکروں کی قربانی.........جس سے ہمیں اپنے مسلم ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور ہم اپنی زندگی کے مختلف مرحلوں میں فل کیے جانے والے فارمز میں مذہب کے کالم میں بڑے کونفیڈنس سے ”اسلام“ لکھ دیتے ہیں.........جیسے ہی مذہب کا خانہ سامنے آتا ہے نظروں کے سامنے مکرم قصائی اور چھ بکرے ناچنے لگتے ہیں.........رمیض اپنی بات کے اختتام پر دل کھول کر ہنسا ربش.........مسز علوی نے مسکراہٹ چھپا کر کہا۔

بہت سخت غلطی ہوئی بیٹا جی مجھ سے.........آپ کو پاکستان اسٹیل کی فرنینس کے آس پاس مزدوری کرانا چاہیے تھی۔ یعنی اولاد کو آرام و محبت دے کر میں نے کوئی بہت بڑا جرم کر دیا۔ جو بیٹا آج میرا جوک بنا رہا ہے۔

بات یہ ہے بیٹے قصور آپ کا بھی نہیں۔ تربیت کرنا ماں کا کام ہوتا ہے اور آپ کی والدہ محترمہ کو کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔

ہر وقت احمقانہ گفتگو نہ نالج نہ سینس.........کیا بنے گا اس قوم کا.........؟ ابھی تک جمہوری تجربات ہو رہے ہیں.........دوسری نسل کا سر سفید ہو گیا.........اور تیسری نسل کا یہ حال ہے جو اس وقت ہمارے صاحبزادے دکھا رہے ہیں۔

ہاں بس آپ شروع ہو جائیں لے آئیں اپنی سیاست.........مسز علوی عاجز آ کر بولیں۔

وہ تو بس آپ رہنے دیں.......... پاپا کو یہ پتہ نہیں ہوتا سی ففٹین (C-15) میں کیا ہو رہا ہے (اسکا اشارہ گھر کے نمبر کی طرف تھا) مگر یہ پتہ رہتا ہے کہ اسلام آباد میں کیا ہو رہا ہے میں چلا می.......... چند ہی لمحوں میں نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم و مغفور کی حقہ بردار روح یہاں داخل ہونے والی ہے اور میں روحوں سے بہت ڈرتا ہوں..........

رمیض نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی اور وہاں سے کھسک گیا۔

انجم علوی نے بڑی تنقیدی نگاہ بیگم کے چہرے پر دوڑائی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپی یہ پرل سیٹ دیکھئے.......... اس مرتبہ وقار نیروبی سے لائے تھے..........

روبی نے لائٹ پنک انڈے کی شیپ والے موتیوں سے بنا نیکلس رومی کو دکھاتے ہوئے کہا۔

ہاں بہت خوبصورت اور قیمتی ہے.......... بہت اچھی لگو گی پہن کر.......... ماشاء اللہ ماہ رخ نے تعریف کی آپ تو بہت ہی سادہ رہتی ہیں کانوں میں ٹاپس تک نہیں پہنتیں۔ حالانکہ آفس جانے والی خواتین تو فل میچنگ کرتی ہیں۔ آپ ڈریس اپ تو اچھی طرح ہوتی ہیں مگر لگتا ہے جیولری کا تو آپ کو بالکل بھی شوق نہیں.......... نہ میک اپ نہ جیولری.......... بڑی اداس تصویر بنتی ہے آپ کی.......... روبی اپنے الہڑ سے انداز میں کہہ رہی تھی.......... آپ کی عمر بھی زیادہ نہیں.......... پھر ان میرڈ ہیں.......... پھر ان میرڈ خاتون تو جب تک ان میرڈ ہوتی ہے لڑکی کہلاتی ہے.......... وہ خود ہی اپنی بات سے محظوظ ہو کر ہنس پڑی۔

بس اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے روبی یہ کوئی خاص بات نہیں.......... چلو کوئی اچھی سی غزلیں تو سنواؤ اپنے شاندار سے سی۔ ڈی پلیئر پر۔ ماہ رخ یوں بولی جیسے بچوں کو

ٹالتے ہیں۔

غزلیں تو وقار بہت شوق سے سنتے ہیں.......... میں تو پاپ ڈوئٹ سانگ پسند کرتی ہوں خواہ وہ کسی زمانے کا ہو۔ روبی اٹھتے ہوئے بولی۔

اکثر چھٹی والے روز ماہ رخ دوپہر کو روبی کے اپارٹمنٹ میں آ جاتی تھی اور کئی گھنٹے اس کے ساتھ گزارتی تھی۔

روبی نے اٹھ کر مہدی حسن کی غزلوں کی بابت رومی سے رائے لی.......... اور اس کی آمادگی کے بعد ڈسک چلا دی..........

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ
کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لئے آ

ماہ رخ فلور کشن پر سر رکھے کارپٹ پر لیٹی آنکھیں موندے بہت مگن سی غزل سن رہی تھی۔ اس شعر کے ختم ہوتے ہی آنکھیں کھول کر روبی کی طرف دیکھا جو دوسری ڈسک الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

اسی بات کو پروین شاکر نے اپنے انداز میں کہا ہے کہ

اس گلی میں اس کے کئی شناسا بھی تو ہیں
وہ کسی اور کے ملنے کے بہانے سے آئے

توبہ.......... چھوڑ کر جانے والے جھوٹوں سے اتنی اٹیچ منٹ.......... توانائی اور وقت کا بہت بڑا نقصان میں نے تو منیر نیازی کا ایک شعر اتفاق سے سن لیا تھا بہت ہی پسند آیا تھا واقعی بندے کو ایسا ہی ہونا چاہیے.......... کہتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں۔

... جو مجھے بھلا دیں گے میں انہیں بھلا دوں گا

سب غرور ان کا خاک میں ملا دوں گا

یہ تو بہت ہی بڑی حماقت ہے یعنی ون سائیڈڈ والی.......... اتنی فضول اور بے کار تو نہیں ہوتی انسان کی زندگی.......... کہ ہواؤں کے پیچھے بھاگتا پھرے۔

شادی سے پہلے جیسے عموماً لڑکیوں کا نوٹس لیا جاتا ہے۔ وہ اسے بہت ''خاص'' بھی سمجھتی ہیں لیکن افیرز و رومانس وغیرہ نے مجھے کبھی اٹریکٹ نہیں کیا کہ آپ اتنے خوبصورت وقیمتی جذبات ایسے تعلق میں ضائع کریں کہ پتہ نہیں یہ ہمارا ہو بھی سکے گا یا نہیں؟ ایسا بے اعتبار سا تعلق؟ مجھے ہمیشہ سے ہر کام سولڈ بیس پر پسند ہے..........

اپنی توانائیاں میں نے کبھی فضول راستوں پر ضائع نہیں کیں میں سوچتی تھی کہ میری شادی ہوگی.......... ایک خوبصورت اور پائیدار پارٹنر شپ ہوگی ایسی پارٹنر شپ جس میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا.......... صبح ساتھ ہوں گے تو رات کو بھی ساتھ ہوں گے.......... اس خوبصورت سے گھر میں میری سادی مصروفیات با مقصد ہوں گی.......... اف اللہ آپی میں تو ان لوگوں کو بے روزگار سمجھتی ہوں جو عشق بگھارتے ہیں پھر ناکامی کے غم مناتے ہیں روتے ہیں اور سوتے ہیں.......... مائی گاڈ.......... ایبسلوٹلی ویسٹ آف ٹائم.......... مائی گاڈ کیا ہو جاتا ہے لوگوں کو؟ روبی نے گویا سر پیٹ کر کہا۔

اب کیا تمہیں اپنے شوہر سے عشق ہو چکا ہے..........؟ ماہ رخ نے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ وہ شیور.......... اور جو ہمارے درمیان وقفے وقفے سے جدائی آ جاتی ہے اس نے تو اس عشق کو چار چاند لگا دیے ہیں.......... روبی اتنا کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ماشاء اللہ.......... بہت لکی ہو.......... تمہاری سوچ اتنی سی عمر میں بہت میچور

ہے.......... عشق کی آنچ تمہارے دل کو ہے مگر تمہارا عشق بہت ''ہوشیار دیوانہ'' ہے.......... ماہ رخ دھیرے سے ہنس کر بولی۔

بھئی اس ''ہوشیار دیوانگی'' میں اپنی بڑی بچت ہے.......... یہ جدائیوں کے زخم پال کر زندگی گزارنا اپنے بس کی بات نہیں۔ اللہ سے پناہ مانگ کر کہتی ہوں.......... اور یہ جو عارضی جدائی ہمارے درمیان آتی ہے نا اس میں بلا کی فینٹیسی ہے.......... میں نت نئے کام کرتی ہوں۔ وقار کے لئے نئی نئی ڈشز کے تجربات کرتی ہوں۔ گھر کی ڈیکوریشن میں تبدیلیاں کرتی ہوں کہ جیسے ہی وقار گھر میں داخل ہوں تو بہت سی خوشگوار تبدیلیاں دیکھ کر خوش ہوں انجوائے کریں یکسانیت بھی بور کر دیتی ہے ناں آپی..........؟ میں نے پورے گھر کے پردوں کے کئی سیٹ بنوائے ہوئے ہیں جو پردے وقار کی چھٹیوں میں لٹکاتی ہوں وہ اس وقت ضرور اتارتی ہوں جب وہ جا کر دوبارہ آتے ہیں صرف پردوں کی تبدیلی ہی سے گھر میں نیا پن آ جاتا ہے.......... اور اس میں زیادہ خرچہ بھی نہیں ہوتا صرف ڈرائی کلین کرانے کا خرچہ..........

روبی ڈسک الٹ پلٹ کرتی جاتی تھی اور بولتی جاتی تھی۔

ماہ رخ مبہوت سی اس کی صورت تک رہی تھی۔

وقار تو تم سے بہت خوش ہوں گے؟ ہیں ناں.......... ماہ رخ نے اپنی بلا کی حسین مگر اداس آنکھوں سے تکتے ہوئے کہا۔

خوش..........؟ روبی بے اختیار کھلکھلائی.......... بھئی وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں میرے لئے یہی کافی ہے کہ وہ قدرے شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

اور سچی بات یہ ہے آپی.......... وقار کہتے ہیں تم تو ''کمانڈ وایکشن'' ہو یعنی بہت نیچرل اور بے اختیار سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیتیں.......... وہ پھر بے اختیارانہ ہنسی۔

پنجابی فلم کی ہیروئن کی طرح اچھل کود کر کے گانا گانے لگتی ہو .... ماہ رخ نے شرارتاً کہا اے .... سچی دل تو یہی چاہتا ہے .... مگر بے چارے وقار ''افورڈ؟'' نہیں کر سکیں گے۔ اسی لئے مجھے یہ گانا بہت بہت پسند ہے۔

ماہی آوے گا تو پھلاں نال دھرتی سجاواں گی
جھلاں گی پکھیاں ...... بڑا کجھ کہن گیاں انکھیاں

(میرا محبوب آئے گا تو زمین پھولوں سے سجاؤں گی اسے دل کے رنگین پلنگ پر بٹھاؤں گی اور پنکھا جھلوں گی اور آنکھیں بہت کچھ کہہ دیں گی)

رُوبی جیسے اپنی ہی بات سے محظوظ ہو کر ہنس ہنس کر لوٹ گئی ماہ رخ کو اس کی بات سے زیادہ اس کے ہنسنے کے انداز پر ہنسی آئی تھی۔

توبہ روبی دیکھنے میں تم کتنی بھولی بھالی گڑیا سی ہو .... اور ہو پوری دادی اماں ...... ماہ رخ ہنسی روک کر بولی۔

شکر ہے آپی آپ ہنسیں تو .... توبہ کتنی مشکل سے ہنستی ہیں .... روبی کے انداز ہنوز تھے۔ یہ ڈسک اسٹاپ کر کے یہ کیسٹ ٹرائی کریں .... اس میں رونا لیلیٰ اور شہناز بیگم کی گائی ہوئی غزلیں ہیں یہ کیسٹ وقار کی فیورٹس میں سے ایک ہے ....
اس نے رومی کو کیسٹ دی جو اس کے قریب ہی آ بیٹھی تھی اور خود بھی ''چھان بین'' کر رہی تھی۔

اس نے کیسٹ لگائی اور رونا لیلیٰ کی کھنک دار آواز سماعت کو خوش آنے لگی۔

ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکائتیں کیسی
خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں یہ وحشتیں کیسی

روبی .... پلیز ڈونٹ مائینڈ .... میں یہ کیسٹ لے جاؤں ایک دو دن کے لئے .... پرامس لوٹا دوں گی۔ ماہ رخ نے فوراً اسٹاپ کیا اور کیسٹ نکالتے ہوئے کہا۔

مائی گاڈ اتنی پسند ہے آپ کو یہ بغیر مجنوں کی لیلیٰ؟ روبی نے بڑے انداز سے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا صرف پسند کی یہ وجہ نہیں۔ اس میں یقیناً بہت اچھا کلیکشن ہو گا پوئٹری کا .... میرا اندازہ ہے۔ کور تو ہے نہیں اس کا .... مگر ٹی۔ ڈی۔ کے (T.D.K) کا انیشیل ماڈل ہے اس لئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ بہت پرانی کیسٹ ہے .... میں ذرا اکیلے میں اچھی پوئٹری انجوائے کرنا چاہوں گی .... ماہ رخ نے جواب دیا۔

ہاں لے جائیں .... بس کوشش کیجئے گا کہ مس پلیس نہ ہو .... کیونکہ وقار کی ...... اوہ ڈونٹ کیئر روبی .... میں سمجھتی ہوں .... ماہ رخ نے اسے مطمئن کیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بھئی ذرا سا زیادہ پڑھ لیتیں تو معلومات ذرا وسیع ہو جاتیں تم نے شاید یہ مشہور مثل نہیں سنی۔

When in Rome, do as Romans do.

یعنی جب روم میں رہتا ہے تو وہ کرو جو رومی کرتے ہیں اردو میں کہتے ہیں جیسا دیس ویسا بھیس۔ اگر ہم ایک سوٹ دوبارہ پہن لیں تو ''بے چارے'' سمجھیں جائیں گے۔ اب تمہاری طرح نہیں کر سکتے۔ جمعے کے جمعے نہانا .... نہاتے نہاتے اتارا ہوا کپڑا ساتھ ہی دھو لیا اگلے جمعے کو پھر پہن لیا .... تم تو ہماری ساکھ بھی خراب کر رہی ہو

لوگ سمجھتے ہوں گے کہ ماموں بے چاری کو کپڑے ہی بنا کر نہیں دیتے یتیم بھانجی کے ساتھ نوکروں سے بھی برا سلوک ہوتا ہے.......... یہ نہیں معلوم کہ بعض لوگ پیدائشی غریبانہ "مزاج کے ہوتے ہیں.......... اللہ انہیں بہت کچھ دیتا ہے مگر وہ سینت سینت کر رکھتے رہتے ہیں اس خوف سے کہ پتہ نہیں ایسی چیز دوبارہ ملے ہی نہیں۔ لائف انجوائے نہیں کرتے انہیں ہمیشہ مفلس ہونے کا خوف ستاتا رہتا ہے.......... اسی خوف میں جیتے جیتے مرجاتے ہیں ان کے مرنے کے بعد ان کی سینت کر رکھی ہوئی چیزیں مال غنیمت کی طرح تقسیم ہو جاتی ہیں لوگ شکر کرتے ہیں کہ شکر ہے یہ مرے اور ہمیں اتنی اچھی اچھی چیزیں ملیں.......... ارے ہٹو پیدائشی غریبوں.......... ماموں کی لینڈ کروزر میں بیٹھ کر دوا لینے ڈسپنسری جاتی ہیں محترمہ.......... اپنی دکھیا صورت کے ساتھ جب چم چم کرتی موٹر سے اترتی ہونگی تو لوگ یہی سوچتے ہونگے کہ بے چاری دولت مند بیوہ.......... عمر کم ہے لگتا ہے تازہ تازہ بیوہ ہوئی ہے.......... رمیض نے تو اس کے لتے لے ڈالے۔ بے چاری یہ کہنے کا گناہ کر بیٹھی تھی۔

رمیض بھائی آپ ایک دن میں دو تین مرتبہ کپڑے چینج کیوں کرتے ہیں۔ وہ دو گھنٹے میں میلے تو نہیں ہو جاتے.......... آپ کونسا کرکٹ کھیلتے ہیں؟

اماں ابا نے اس لئے نعمت نام رکھا تھا کہ عمر بھر خود پر نعمتیں حرام کرلو..........؟ وہ جو لطیفہ کی برتھ ڈے پر ممی تمہارے لئے سوٹ لائی تھیں میں نے تو آج تک پہنے نہیں دیکھا۔ انڈوں پر رکھا ہوا ہے.......... بچے نکلیں گے؟ وہ جھلا کر پوچھ رہا تھا.......... اپنی چچا زاد کی برتھ ڈے کا ذکر کر رہا تھا جس کا نام عفیفہ تھا مگر وہ اپنی ہمیشہ مذاق و استہزاء کرنے کی عادت سے مجبور ہو کر لطیفہ کہا کرتا تھا۔

میں تو احتیاط کرتی ہوں کہ کپڑے جوتے وغیرہ جلدی خراب نہ ہوں..........

ماموں اور ممانی پر فضول میں بار پڑے.......... وہ محبت سے جو کچھ کرتے ہیں میں اس پر ان کی احسان مند ہوں میرے ابا کوئی جائداد تو چھوڑ کر نہیں گئے تھے جو میں اتنے نخرے کرو.......... میں تو اچھی چیزیں اس لئے سنبھال کر رکھتی ہوں کہ تقریباً یا خاص موقعے پر استعمال ہو جائیں گی تو نیا خرچہ نہیں ہوگا.......... اس نے کانپتی آواز میں وضاحت کی۔

وہی تو میں کہہ رہا ہوں.......... پیدائشی کامپلیکیڈ لوگ.......... کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے.......... کوئی یہ نہ سمجھ لے کوئی وہ نہ سمجھ لے۔

کیا ضرورت ہے بھئی اپنا اتنا سر دکھانے کی.......... آپ کے ماموں جان کا فکسڈ سرمایہ اتنا ہے کہ بغیر محنت کئے چار کچن بیٹھے بیٹھے چلا سکتے ہیں.......... مگر تمہاری طرح کنجوس ہیں.......... ایک ہی پر شکر کر کے بیٹھ گئے.......... یہ نہیں کہ اللہ نے اتنا دیا تھا کم از کم شریعت تو پوری کرتے۔ چار گھر ہوتے چار کچن ہوتے.......... اس کچن کا کھانا پسند نہ آتا دوسرے کچن میں جھانکتے.......... وہاں کچھ سمجھ میں نہ آتا تو تیسرے میں چلے جاتے.......... تیسرے میں جا کر مزے نہیں آتا تو چوتھے میں چلتے جاتے.......... کہیں تو مرضی کا مینو (Menue) ملتا.......... مگر بھئی اللہ بچائے مفلسی کے خوف سے.......... وہ عمر شریف کا لطیفہ اس وقت یاد آ رہا ہے کہ میرا باپ بہت کنجوس ہے اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ میں اپنے باپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔

نمو کی سچ مچ ہنسی چھوٹ گئی۔

اور آپ ماموں جان کے بالکل الٹ ہیں.......... ہر معاملے میں فضول خرچ.......... حتیٰ کہ بولنے کے معاملے میں بھی.......... نمو نے بھی تھوڑے چھینٹے اڑائے۔

ہاں تم تو اس لئے کم بولتی ہو جیسے بولنے کا بل بھی آتا ہے.......... وہ چڑ کر گویا ہوا

توبہ.........میں نے تو یونہی ایک ذرا سی بات کہدی تھی اور آپ نے بیس لائنوں کا مضمون پڑھ دیا.........نمو نے یہ کہہ کر وہاں سے کھسکنے کے لئے پر تولے۔

ہاں بس.........تم ساری زندگی ٹوئنٹی لائن Essay تک محدود رہنا اور کمپیوٹر کے کی بورڈ (Key Board) کی دھول صاف کرتی رہنا۔

بھئی مجھے نہیں پتہ مجھے اپنی بلیو ٹی شرٹ چاہئے.........مجھے اس وقت وہی پہننا ہے.........دُھلے کپڑے تم ہی ٹھکانے لگاتی ہو.........وہ اب اصل بات کی طرف آ گیا.........جس پر نمو نے کہہ دیا تھا کہ صبح ہی تو پہن کر گئے تھے یہ کپڑے میلے تو نہیں ہیں۔

میں تو سب کے کپڑے ان کے کمروں میں پہنچا دیتی ہوں.........اب مجھے آپ کی بلیو ٹی شرٹ کا کیا پتہ.........دُھلتی تو دُھلے کپڑوں ہی میں ملتی.........وہ عاجز آ کر کہہ رہی تھی۔

اللہ کی بندی نہیں ہے وارڈ روب میں.........وہ بھی جھلایا۔

تو پھر آپ اپنے ڈریسنگ میں دیکھیں.........وہاں نہ لٹک رہی ہو.........ہر وقت تو کپڑے بدلتے رہتے ہیں.........بھول گئے ہوں گے.........وہ جان چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ جاؤ.........تم ہی دیکھ کر آؤ.........مجھے جلدی میں ویسے بھی کوئی چیز نہیں ملتی.........میں خاصہ لیٹ ہو گیا ہوں.........وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا اور وہ وہاں سے یوں دوڑی کہ اس کے پاس سے ہٹنے کا کوئی بہانہ تو ملا۔

تھوڑی دیر بعد بہت خوش خوش ہاتھ میں مطلوبہ شرٹ لیے لاؤنج میں آئی.........میں کہہ رہی تھی ناں وہیں ہوگی۔

لیکن میں اب کیا کروں؟ جب کپڑے دھل رہے ہوتے ہیں تو تمہارا کام ہے کہ ڈریسنگ میں لٹکے کپڑے ماسی کو دو.........جاؤ اسے پانچ منٹ میں دھوؤ.........اسپنر

میں نچوڑ دو.........اور استری سے خشک کرو۔

توبہ.........سو تو ٹی شرٹ ہوں گی آپ کے پاس.........کوئی اور پہن لیں.........جب دیر ہو رہی ہے تو۔ وہ نڈھال سے انداز میں بولی۔

نہیں مجھے یہی پہننا ہے.........وہ کہتی ہے میں اس میں بہت اچھا لگتا ہوں.........وہ جھلایا وہ کون.........نمو چونکی۔

وہی جس کے ساتھ مجھے ڈنر کرنا ہے.........اب تمہاری بھابی تو نہیں کہہ سکتا۔

بھابی تو جانے کون خوش نصیب بنے گی تمہاری.........نمو.........ہری اپ.........میں واقعی لیٹ ہو رہا ہوں جب تک میں شاور لیتا ہوں تم یہ ٹی شرٹ ریڈی کرو.........وہ بڑے بے رحم انداز میں حکم صادر کرتا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ابھی میں کوئی اسٹینڈ نہیں لے سکتا مدحت.........بھائی ابھی تو باپ کا دست نگر ہوں۔ میری بات میں وزن کہاں ہوگا بلکہ ایک زور کی جھاڑ پڑے گی میاں پہلے اپنے پاؤں پر تو کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں پال رہے ہیں اب کیا تمہارے بیوی بچوں کو بھی پالیں گے؟

لیکن رمیض.........فارگاڈ سیک.........بہت گڑ بڑ ہو جائے گی.........میرے تایا نے ایک آفت اتاری ہوئی ہے.........بابا کے پاس بیٹھ کر بڑے بڑے پروگرام سیٹ کر رہے ہیں کہ برابر والی دونوں کوٹھیاں خالی پڑی ہیں ان کے آنرز سے بات کرو چار سو بندہ بارات میں ہوگا.........تین دن بارات ٹھہرانا ہوگی.........جن کی خاطر مدارت بیٹی والوں کے ذمے ہوگی۔ باراتی تین دن تک شہر کی سیر کریں گے ٹرانسپورٹ کا انتظام کرنا ہوگا۔

میرے والد نے اپنی کنڈیشنز بتائی ہیں.........سوچو تو کتنا سیریس معاملہ ہو چکا ہے رمیض اگر تم نے کچھ نہ کیا تم میں زہر کھالوں گی..........وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مائی گڈنیس..........یار میری بات آخر کیوں نہیں سمجھ رہیں؟ میں اس وقت کوئی بھی سٹینڈ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ فرض کرو اگر میں تمہاری خاطر ان سب کو چھوڑ کر تم سے کورٹ میرج کرلوں تو مجھے عاق کر دیا جائے گا..........اور خالی ہاتھ رمیض تو تمہارے والد صاحب کو بھی قبول نہ ہوں گا..........گلے میں پٹا ڈال کر اپنے شاندار پتیل کے چمکدار گیٹ کے باہر باندھ کر فوٹو سیشن کروائیں گے۔

میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی رمیض.........مجھے اس کی پرواہ نہیں کیا ہوتا ہے یا کیا ہوگا.........اگر وہ مجھے گولی ماردیں گے تو ماردیں..........مگر میں تمہاری ہو کر مرنا چاہتی ہوں۔ اس کے انداز میں ضد وخودسری اور نڈر پن نمایاں تھا۔

یہ تم انڈین فلمیں جو آج کل عشق عاشقی کے ٹاپک پر آرہی ہیں کم دیکھا کرو۔ ورنہ خواہ مخواہ کوئی بڑا نقصان اٹھا بیٹھو گی..........یونہی ایک دن ریموٹ سے کھیل رہا تھا پتہ نہیں کون سا چینل تھا کوئی تازہ فلم چل رہی تھی..........عشق ہو رہا تھا کہ جمعہ بازار کے اسٹال سے خریداری ہو رہی تھی۔ مدحت بی سیریس پلیز وہ اسے سمجھانے لگا۔

اس کا مطلب ہے تم مجھ سے فلرٹ کر رہے تھے..........میرے خلوص کی انسلٹ کر رہے تھے..........تماشہ بنا رہے تھے میرا..........تم نے کیا سوچ کر میری انسلٹ کی..........؟ میں کوئی تھرڈ کلاس لڑکی ہوں..........میرا اسٹیٹس لیول تم سے ہائی ہے..........جتنا تم لوگ سال بھر میں کھاتے ہو اتنا تو ہمارے مزارعے بچا کر پھینک دیتے ہیں۔ مجھے ادھر ادھر سے سننے کو ملتا تھا کہ تمہاری بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں ہیں لیکن میں سوچتی تھی تم بہت سوشل ہو..........ویل فیئرڈ ہو اس وجہ سے تمہاری دوستیاں

کوئی عجوبہ بات نہیں..........چھ چھ گھنٹے رات کو فون کرنے والا بندہ..........کیا ہے تمہیں لڑکیوں کو بے وقوف بنا کر..........اپنی مارکیٹ ویلیو چیک کرتے ہو......؟ اتنا کامپلیکس ہے؟ اتنا بہت کچھ ہوتے ہوئے؟ یا وداؤٹ کنڈیشنز و باؤنڈنگز لائف انجوائے کرنا چاہتے ہو بغیر خرچ کے..........مدحت کف اڑا رہی تھی۔

شٹ اپ..........کس حساب میں آپ میری اتنی انسلٹ کر رہی ہیں محترمہ..........میں نے کب آپ سے کمٹمنٹ کی تھی..........اور شکر ہے کہ نہیں کی تھی..........اس بہانے تمہاری حقیقت کھل کر سامنے آگئی..........بہت غرور ہے تمہیں اپنی دولت کا..........یہ سین واقعی کچھ عرصہ بعد ضرور چلتا جب ہماری شادی ہو جاتی..........تمہارے مزارعے تو بھوکے مرتے ہیں..........ایک ووٹ کے بدلے ایک وقت کی روٹی دیتے ہو تم لوگ ان مظلوموں کو..........بچا کر پھینک دیتے ہیں..........ہمارے گھر میں چار بندے کھانا کھاتے ہیں اور دس نوکر..........ڈیلی..........ساتھ باندھ کر بھی لے جاتے ہیں اپنے گھروں کو۔

کم از کم وہ فیوڈل لارڈ نہیں ہیں جن کے مزارعوں کو ووٹ کے بدلے روٹی ملتی ہے..........ہماری زمینوں پر وہ جو کچھ اگاتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔ وہاں اپنے جانور پالتے ہیں..........دیسی گھی کھاتے ہیں اور دودھ لسی پیتے ہیں..........اتنی خالص چیزیں جو تمہیں بھی میسر نہیں..........بنے پھرتے ہیں نواب کی اولاد..........کمٹمنٹ نہیں کی تھی تو کیوں چھ چھ مرتبہ فون کرتے تھے..........؟ ہفتے میں دس مرتبہ میرے ساتھ لنچ ڈنر کرتے تھے..........کیوں اپنا پیسہ خرچ کرتے تھے مجھ پر؟ تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوا؟ مدحت پھر چلا چلا کر زہر اشق کرنے لگی۔

مجھے خوبصورت لڑکیوں کی کمپنی اچھی لگتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں..........عشق و

شق مجھے کسی سے بھی نہیں ہوا.......... تم اگر دس کلو سونا پہن کر گھر سے بھاگ آؤ کہ میں تم سے شادی کرلوں تو میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں .... جو بغیر چھان بین کسی کو اپنے گلے کا ہار بنالوں .... میں شادی کیرکٹر بیس پر کروں گا .... کسی موڈیسٹی (باحیا) ان پچ لڑکی سے .... اب تم یہاں سے چلی جاؤ اور آئندہ خیال رکھنا کہ پھر کسی فلرٹ کے ہتھے نہ چڑھ جاؤ .... بائے فار ایور .... رمیض نے تو بالکل آنکھیں ماتھے پر رکھ کر خدا حافظ کہہ دیا تھا۔

اونہہ .... ابھی محترمہ میرے عشق میں زہر کھا رہی تھیں اور ابھی اپنی دولت کا رعب جمانے لگیں جاؤ .... بہت دولت ہے تمہارے پاس .... خرید لو کوئی خوبصورت اسمارٹ سا بندہ .... یونہہ .... راہ چلتوں پر مرنے والیوں سے شادی کروں گا میں .... آج مجھ پر ریجھ گئیں کل کوئی مجھ سے زیادہ اچھا مل گیا تو ادھر چکر کاٹیں گی۔ میں اپنے بچوں کو یہ بتاؤں گا کہ تمہاری ماں کو مجھ سے بہتر کوئی مل گیا تھا اس لئے وہ چلی گئی اب اس کے بغیر گزارا کرو .... رمیض اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا لہجے میں بلا کا زہر تھا .... جیسا انسان خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے .... میں وہ تھرڈ کلاس لڑکی نہیں ہوں جو بندے بدلتی پھرتی ہیں .... میں تمہیں ایک اچھا انسان سمجھ رہی تھی جو میری بہت بڑی غلطی تھی .... تم تو وہ خود غرض انسان ہو۔

بس .... میں مزید اپنی تعریف و توصیف نہیں سن سکتا اب آپ تشریف لے جاسکتی ہیں اور اگر چیخ چیخ کر حلق میں کانٹے پڑ گئے ہوں تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی میں آپ کے لئے منگوا سکتا ہوں اس سے زیادہ خدمت نہیں کرسکتا۔

میں تمہارے فادر سے بات کروں گی۔

کہ وہ تمہارے ساتھ میرا نکاح پڑھوا دیں .... ؟ خیر تم ٹرائی کر دیکھو ....
وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

جی نہیں .... ان سے کہوں گی اپنے ہونہار سپوت کا دھیان رکھیں .... یہ شریف لڑکیوں کو بے وقوف بناتا ہے کسی غلط سلط کے ہتھے چڑھ گیا تو شوٹ بھی ہوسکتا ہے۔ مدحت اس مرتبہ بہت آہستہ آواز میں چبا چبا کر بولی۔

تم نے جو زیادتی میرے ساتھ کی ہے .... اس کا نتیجہ قدرت تمہیں ضرور دکھائے گی .... ایک دن تمہیں بہت کچھ بھگتنا پڑے گا مگر تمہارے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ ہوگا .... یہ میری بددعا ہے۔ مدحت مزید بولی .... مگر اس مرتبہ اس کی آواز میں شکستگی نمایاں تھی۔

اوہ .... مائی اللہ والی .... شکرانہ پڑھو اپنے گھر جا کر .... کہ عزت بچ گئی .... کسی اور کے ہتھے چڑھ گئی ہوتیں تو اس وقت خودکشی کرنے کا سوچ رہی ہوتیں .... میرا یہ احسان یاد رکھنا بھولنا نہیں .... اور آئندہ احتیاط کرنا .... بعض لوگ لڑکی کو چائے پلانے کے بہانے لے جاتے ہیں اور دو ٹکے کا کر کے واپس کرتے ہیں .... وہ حقارت آمیز لہجے میں گویا ہوا وہ کوئی اور ہوتی ہوں گی جنہیں اپنی ویلیو کا اندازہ نہیں ہوتا ہوگا .... ہم جیسی لڑکیاں جب اکیلی باہر نکلتی ہیں تو اپنی عزت کی حفاظت بھی کرنا جانتی ہیں .... تمہارے جیسے سورما ہوتے ہوں گے اپنے گھر کے .... مائی فٹ .... بہت اچھا ہوا تمہاری اصلی جلد معلوم ہوگئی اگر بدقسمتی سے ہماری شادی ہوگئی ہوتی تو پندرہ دن کے اندر اندر طلاق ہو جاتی .... اب تم اتنی مہربانی کرو وہ جو گفٹس میں نے تمہیں دیے تھے وہ ڈسٹ بن میں پھینک دو مگر وہ جو وشنگ کارڈز میں نے تمہیں دیے تھے مختلف موقعوں پر وہ مجھے واپس کر دو ....

مدحت نے جانے کے لئے پر تولے لیکن بھئی...... وہ کیسے جانے دوں تمہیں......ان کے ذریعے تو بلیک میل کروں گا تمہیں اتنی موٹی سونے کے انڈے دینے والی مرغی......اتنی آسانی سے ہاتھ دھولوں بھئی......؟ رمیض نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

یہ بھی کر دیکھنا...... بہت ہے میرے پاس...... ابھی لے لو......

اکٹھا......تھرڈ ریٹ خاندان کے تو ویسے بھی ثابت ہو ہی گئے ہو...... کچھ اور مطالبات بھی ہیں تو وہ بھی بتا دو کوئی حسرت رہ نہ جائے......لگتا ہے تم لوگ بلیک میلنگ کے ذریعے ہی خوشحال ہوئے ہو آئی...... مین نو دولتیے...... جوانی میں تمہارے باپ کا بھی......

شٹ اپ......رمیض چلایا اور چٹاخ ایک طمانچہ مدحت کے منہ پر رسید کیا۔

خبردار میرے باپ کو اگر درمیان میں لائیں...... میں بہت دیر سے تمہاری بکواس اس لئے برداشت کر رہا تھا کہ تم اس وقت میرے گھر میں کھڑی ہو...... میری بات ہے مجھ تک محدود رہو۔

مدحت رخسار پر ہاتھ دھرے سناٹے میں کھڑی رہ گئی تھیں...... پھر جیسے ہڑ بڑا کر نیند سے جاگی اور چیل کی طرح جھپٹی...... اور رمیض کا چہرہ کھسوٹنے لگی۔

دونوں یکلخت گتھم گتھا ہو گئے۔

اور بہت صبر سے بیٹھی نمو سے اب رہا نہ گیا......وہ ایک کونے سے گویا ان کے پاس اُڑتی ہوئی آئی اور مدحت کو کھینچنے لگی۔

رمیض بھائی...... پلیز...... بہت بری بات ہے......عورت پر ہاتھ اٹھانا بہت بڑی بد اخلاقی ہے...... شرم کیجئے...... ویسے بھی یہ ہماری مہمان

ہیں...... یہ آپ نے بہت غلط حرکت کی...... اس وقت اگر یہ آپ کو بری طرح بھی مارتیں تو آپ کو مار کھا لینا چاہئے تھی اس لئے کہ آپ اپنے گھر میں ہیں......

دوسرے یہ لڑکی ہیں عورت ہیں...... وہ کھینچا تانی کے ساتھ ساتھ رمیض کو بھی لعن طعن کرنے لگی۔

تو تم دیکھ نہیں رہیں...... کتنی دیر سے یہ اپنی اوقات دکھائے جا رہی ہے...... جب میں نے ٹاٹا کہہ دیا تھا تو شرافت سے گئی کیوں نہیں......؟ شریف ہوتب ناں......رمیض تو گویا احساس توہین سے پاگل ہو رہا تھا۔

دیکھ رہی ہو اس کی کچھ لگتی......؟ اب یہ میرے کیرکٹر پر بھی اٹیک کر رہا ہے......مدحت اپنے بال درست کرتی ہوئی نمو کی طرف دیکھ کر غرائی جوان دونوں کے درمیان ہاتھ کھولے کھڑی تھی یعنی دو طرفہ متوقع حملے سے بچاؤ کی پوزیشن لئے کھڑی تھی۔

ہونہہ...... کیرکٹر...... تم جیسی لڑکیوں کا بھی کوئی کیرکٹر ہوتا ہے...... وہ اپنا کالر درست کرتا ہوا اوپر جانے والے چکر دار زینے کی طرف بڑھ گیا......اور نمو نے غضب ناک ہوتی مدحت کا بازو تھام لیا۔

چھوڑیں...... آپا...... بس جانے دیں...... ختم کریں یہ قصہ......

اس نے اپنی جانب سے بڑی دلسوزی کے ساتھ معاملہ رفع دفعہ کرنے کی کوشش کی۔

آپا......؟ میں آپا ہوں تمہاری......؟ مدحت چلائی...... گویا گدھے کے کان اینٹھے...... فیڈر پیتی ہو......؟ ''مم مم'' کھاتی ہو، مانی پیتی ہو......؟؟ قد دیکھا ہے اپنا بلکہ ناپا ہے...... تین انچ مجھ سے بڑا ہی ہوگا...... تم سب ہی ڈرامہ ہو۔ بڑی آئی ''ننھی'' مدحت نے اسے پرے دھکیلا اپنا پرس اٹھایا......اور باہر کی راہ لی۔

نمو ہکا بکا اسے جاتا دیکھنے لگی تھی............ وہ تو اس کی جان بخشی کرا رہی تھی بڑا اچھا صلہ دیا محترمہ نے............ وہ حیران ہو کر سوچنے لگی۔

☆☆☆☆☆

آؤ نیا...... وعلیکم السلام............ بلکہ آداب و تسلیم............ بہت دنوں میں راستہ بھولیں۔ خیریت تو رہی ناں............ سمن نے اپنی دیرینہ دوست کا پرتپاک استقبال کیا۔

ہاں بھئی مصروفیت تو خاصی رہی............ اب ہم تمہاری طرح لینڈ لیڈی تو نہیں ہیں ناں؟ نوکری کے لئے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں............ ڈھونڈ رہے ہیں پر نہیں ملتی............ نیا صوفے پر گر کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی............ گویا میلوں کا سفر پیدل طے کر کے رہی ہو............ ہاں مجھے تمہاری مشکلات کا بخوبی احساس ہے۔ میں تو سہیل کو بھی کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ تمہارے لئے کوئی اچھی سی نوکری دیکھیں۔ تمہاری ذمہ داریاں بھی ان کو بتا چکی ہوں............ اچھی سی نوکری............ انیقہ بی۔اے پرائیویٹ کے لئے کوئی اچھی سی جاب............ تمہارا صاحب اثر و رسوخ شوہر تو مجھے وزیر تعلیم کی پرائیویٹ سکریٹری بھی لگوا سکتا ہے............ مگر کیا کریں ان کے پاس فرصت نہیں............ یا انہیں تمہاری بات کا یقین نہیں............ ورنہ ایسے ایسے معمولی کام تو وہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر کر سکتے ہیں نیا نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

ارے نہیں ایسی کوئی بدگمانی اپنے دل میں نہ لاؤ............ الیکشن کی وجہ سے وہ آج کل واقعی بہت مصروف رہتے ہیں۔ سمن نے شوہر کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران سہیل صدیقی لاؤنج میں داخل ہوئے۔ راؤ سلک کا گرے چم چم کرتا ہوا کرتا وہائٹ شلوار بلیک ویسٹ کوٹ............ پاؤں میں بلیک کلر لیدر کا کھسہ۔

انہوں نے ایک نظر دونوں پر ڈالی۔

اسلام علیکم مخدوم صاحب............ نیا نے مودبانہ سلام کیا۔

وسلام............ مس نیا۔ کیسی ہیں آپ؟ اور یہ آپ مجھے اتنے تکلفات سے کیوں مخاطب کرتی ہیں۔ سیدھا سیدھا سہیل بھائی ٹھیک نہیں............ وہ تکلفات سے منع کر رہے تھے اور خود بہت تکلف سے مسکرا رہے تھے۔

بس جی............ ہمیں آپ سے بے تکلفی بجتی نہیں یونہی دل میں خیال آتا ہے کہ آپ کے مزاج نازک پر ہماری زبردستی کی رشتے داری بار نہ گزرے............ نیا اپنی ازلی صاف گوئی سے مجبور تھی ٹکڑا توڑ جواب دے کر مسکرانے لگی۔

اتنی دھان پان سی ہیں آپ۔ اتنا نہ سوچا کریں۔ زیادہ سوچ بیچار سے بھی وزن کم ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے بڑی شان بے نیازی سے اندرونی لابی کی طرف بڑھ گئے۔

واہ کیا چال ہے گویا زمین کا سینہ چیر رہے ہوں............ نیا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سمن کی طرف دیکھ کر کہا۔

یہ مخدوموں کی چال ہے............ روائتی چال............ یہ سب اس طرح چلتے ہیں...... بڑے مخدوم درمیانے مخدوم............ چھوٹے مخدوم............ بہت چھوٹے مخدوم۔ سمن نے جملے کے اختتام پر بہت زور سے قہقہہ لگایا۔

جو بہت چھوٹا مخدوم تم پیدا کرو گی یقیناً وہ بھی ایسے ہی چلے گا۔ نیا نے اسے چھیڑا سمن اس کی بات سن کر یکلخت اداس ہوگئی۔ جیسے بات کرنا ہی بھول گئی ہو۔ پتہ نہیں میرے نصیب میں اپنی کوکھ کا مخدوم کہلانا ہے بھی یا نہیں؟ گود میں آ کر نہ مخدوم جیتا ہے نہ مخدومہ۔ سمن کی آواز بھرا گئی۔

آئی ایم..........سوری..........ثمن میرا مقصود تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ پاگل تم اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہو..........؟ نیا شرمساری ہو کر کہہ رہی تھی۔

مایوس..........؟ چار سال میں تین جانیں اپنی کوکھ میں پال کر سپرد خاک کر چکی ہوں اتنا کہہ کر وہ ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آج کل تو میڈیکل ورلڈ میں روز ہی کرشمے ہو جاتے ہیں۔ کیا معلوم اس مرتبہ تمہیں کوئی اچھا سا معالج مل جائے اور اللہ تمہیں خوشی دکھائے۔

پلیز ثمن خاموش ہو جاؤ..........میں بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں۔ نیا اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

تم گلٹی فیل نہ کرو نیا..........مجھے تو یوں بھی رونے کا بہانہ چاہئے ہوتا ہے۔ ہر وقت دل کا پیالہ بھرا رہتا ہے۔

تم ایک عورت ہو..........ایک لڑکی ہو..........میرا دکھ محسوس کرو..........نو ماہ تک ایک بوجھ بہت خوش خوش اٹھائے پھرتی ہوں..........پھر ایک قیامت درد مسلسل سہتی ہوں..........اور جب ہوش آتا ہے تو جھولی خالی ہوتی ہے۔

شوہر کی خاموشی..........جو کہ اس کے دکھ کی علامت ہوتی ہے۔ مگر مجھے ملامت لگتی ہے۔ جیسے اسے خوشی سے محروم رکھنے کا گناہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہو..........اتنا کہہ کر ثمن دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

نیا نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگا لیا..........

ثمن..........یہ بات کہنے والی نہیں میری جان..........تمہارے دکھ کو ہر وہ عورت سمجھ سکتی ہے جس کو اللہ نے ایک حساس دل دیا ہو..........اندھیرے ہوتے ہیں تو روشنی کی باتیں ہوتی ہیں۔ چراغوں کا ذکر ہوتا ہے۔

اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اس دکھ کے موسم میں کسی آنے والی خوشی کی آس رکھو..........حوصلہ کرو۔ کیا عجب کہ اللہ تمہاری مراد پوری کر دے..........تمہیں اس مرتبہ خوشی سے مالا مال کر دے..........ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانے کی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں..........اور آنے والی کسی خوشی کی امید کرنے پر کوئی پابندی نہیں..........کوئی ہمیں روک نہیں رہا۔ نیا اسے بہت پیار بھرے لہجے میں اسے سمجھانے لگی۔

تمہیں تو ان فیوڈل لارڈز کا پتہ ہی ہے..........ان لوگوں کو اپنی جائداد زمینیں سب رشتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہیں..........یہاں تک کہ بعض اوقات تو یہاں خون کے رشتوں کا پاس نہیں رہتا..........ثمن آنسو روک کر بھرائی آواز میں کہہ رہی تھی۔

سہیل بھائی تمہیں کچھ کہتے ہیں۔ نیا نے قدرے فکرمندی سے پوچھا۔

نہیں کہتے تو کچھ نہیں ہیں..........ثمن اتنا کہہ کر چپ ہو گئی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ نیا جو عورت اپنے شوہر کی محبت وارفتگی سے نہال رہی ہو..........وہ اس کی معمولی سی سرد مہری بھی نہیں سہہ سکتی۔

اس کی گرم جوشی میں تھوڑی سی کمی بھی محسوس کرے تو ٹوٹ جاتی ہے۔ سو طرح کے وہم ستانے لگتے ہیں..........سکون برباد ہونے لگتا ہے۔ ثمن نے کانپتی آواز میں اپنی دلی حالت بیان کی اور آنکھیں پونچھنے لگی۔

یہ تو ہے مگر سہیل بھائی سطحی سوچ رکھنے والے مرد نہیں ہیں..........یورپ میں تعلیم حاصل کی ہے ان کی سوچ کا کینوس یقیناً وسیع ہوگا..........ان کی سوچ روایتی قبائلی نہیں ہو سکتی اب پیدا ہونا تو اپنے اختیار میں نہیں ہوتا..........وہ پیدا یہاں ہوئے ہیں سب خون میں پیوست رشتے یہاں ہیں..........مگر انسان کی سوچ کو قیدی یا پابند نہیں بنایا

جاسکتا اللہ کا شکر کرو کہ تمہیں ایک باشعور اور تعلیم یافتہ زندگی کا ساتھی ملا ہے۔

تم بلاوجہ کے مفروضوں میں الجھ کر اپنا چین سکون برباد مت کرو.........کوئی نہ کوئی مسئلہ سب ہی انسانوں کے ساتھ رہتا ہے.........اللہ سے اچھی امید رکھو سمن نیا نے اس کا شانہ دبا کر بہت پرخلوص و دوستانہ لہجے میں سمجھایا۔

اپنے آپ کو بہت سمجھاتی ہوں.........لیکن کبھی کبھی سہیل کو بہت چپ چپ سا دیکھتی ہوں تو دل و دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگتی ہیں۔ دعا کرو اللہ مجھے سکون دے۔ سمن نے اداس لہجے میں دعا کی استدعا کی۔

یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے.........ہر لمحے تمہارے لئے دعا ہے۔ بلکہ جب سے تمہیں اپنے لئے جاب کے لئے کہا ہے شرم سی بھی محسوس ہوتی ہے کہ تم کہیں مجھے خود غرض ومطلبی نہ سمجھ بیٹھو۔

بخدا سمن.........میں نے اپنا سمجھ کر تمہیں کہا ہے.........عتیقہ اور شاذاب کی میڈیکل کی تعلیم کا خرچہ.........شاداب تو بہت کہتا ہے کہ آپی میں ہوم ٹیوشن کر لیتا ہوں مگر میں سوچتی ہوں اس کا ذہن بٹ جائے گا.........اتنی تھکا دینے والی پڑھائی کے بعد ٹیوشن پڑھانا پھر اپنی اسٹڈی کے لئے بھی وقت نکالنا.........اس کی شاندار پروگریس متاثر ہوسکتی ہے.........اور پھر میری اپنی زندگی کا مصرف کیا جب میرے قابل بہن بھائی کو اس مشکل وقت میں مجھ سے تعاون نہ ملے.........میں ان کی سگی بڑی بہن ہوں میرا فرض ہے کہ میں ان کو کامیاب زندگی گزارنے کے لئے ہر طرح کا تعاون کروں۔

نیا نے سادہ سے انداز میں بات کی۔

یہ تو تمہاری بڑائی ہے نیا.........یہ تو تمہاری خوشیاں انجوائے کرنے کی عمر ہے۔ جو تم اپنی فیملی پر قربان کر رہی ہو.........انشاء اللہ تمہاری یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے

گی۔ میں سہیل سے کہوں گی کہ وہ جلد از جلد یہ کام کر دیں.........تم فکر نہ کرو۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی فائنشلی مسئلہ ہے تو میں اپنی حد تک اس سلسلے میں تمہاری کوئی ہیلپ کر سکتی ہوں؟ سمن نے پیشکش کی۔

بہت شکریہ سمن.........فی الحال اتنا بڑا مسئلہ اس لئے نہیں کہ امی نے عتیقہ اور شاداب کی فیس جمع کرانے کے لئے اپنے دو کنگن سیل کئے تھے کافی وزنی تھے اچھے پیسے مل گئے تھے.........فیس جمع ہوگئی کچھ پیسے بچے تو راشن پانی چل رہا ہے.........وہ جو گھر میں دو، دو کانیں نکالی تھیں...... چار ہزار وہاں سے آ رہا ہے.........نیا نے صاف صاف بات کی۔

اوہ.........میرے خدا.........عورت کو زیور کتنا پیارا ہوتا ہے.........کم از کم تم مجھے تو اپنی پریشانی بتا سکتی تھیں.........مجھ سے بطور قرض لے لیتیں.........جاب ملنے کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے واپس کر دیتیں.........اگر خودداری کا اتنا ہی بھوت سوار ہے.........بتاؤ۔ بے چاری آنٹی کے کنگن سیل ہوگئے.........؟ سمن بہت تاسف سے کہہ رہی تھیں۔ ارے ہٹاؤ.........دیکھتے ہی دیکھتے چلتے پھرتے بندے یہاں سے وہاں ہو جاتے ہیں جن کا عموماً نعم البدل نہیں مل پاتا.........ان زیورات کی زندہ جانوں کے سامنے کیا حیثیت ہے.........امی کونسا پہنتی تھیں ابو کی ڈیتھ (Death) کے بعد تو انہوں نے کبھی ہاتھ میں ایک چوڑی نہیں ڈالی.........نیا لاپرواہی سے بولی۔

تو تمہارے کام آ جاتے، عتیقہ کے کام آ جاتے.........سونا خریدنے جاؤ تو دام اور بیچنے جاؤ تو دام اور.........

چھوڑو بھی.........ہم دونوں بہنوں کو ان کنگنوں ونگنوں کا شوق نہیں ہے۔ اور کوئی گھاٹے میں نہیں گئے ہیں.........پینتیس روپے تولے کے زمانے کے تھے

ہزاروں میں گئے ہیں........ انسان کے اہم کام بروقت ہونا چاہئے........ چیز دن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی........ نیا نے اپنے حساب سے مضبوط دلیل دی۔

☆☆☆☆☆

نیا فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور آداب بجالائی۔

''خوب رہو امی (بیٹی)........ خیر ہے نا؟ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

''جی بی بی جان...... اللہ کا شکر ہے بالکل خیر ہے۔ آپ سنائیں' آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ پچھلی مرتبہ میں آئی تھی تو آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ سمن نے بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' نیا نے پوچھا۔

''بس طبیعت کا کیا بولیں۔ یہ تو اب اسی طرح چلتی رہے گی۔ بلڈ پریشر تو ہر وقت کا ہائی، فکرات بہت ہیں نا' کیا کریں؟ زمینوں کے مقدمے چل رہے ہیں۔ بچل ہاری کی پندرہ سال کی بیٹی پھندا لگا کر مرگئی وہ وڈیروں کے سر، ساتھ کے گوٹھ میں اس کا عاشق ہوتا تھا۔ بولتا ہے وڈیروں کی زیادتی ہے۔ دوسرے اس کی بے اولادی کا غم۔ سہیل میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی نشانی تو وڈیروں کو ملنا چاہیے نا؟'' وہ نیا سے پوچھنے لگیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے بی بی جان! پر اس میں سمن کا کیا قصور...... وہ بے چاری تو دکھ پر دکھ اٹھا رہی ہے۔ اللہ کی مرضی' نیا نے قدرے جز بزسی ہو کر سمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''قصور تو نصیب کا ہوتا ہے۔ ہر بندہ بشر تمنائیں تو کرتا ہے۔ اتنے ارمانوں سے سہیل کی شادی کی تھی۔ ساتھ کے سارے گوٹھ کو ولیمے کی روٹی کھلائی تھی۔ سات دن گھر میں شادیانے بجوائے تھے۔ راتوں کو مردانے میں مجرا ہوا۔ پر ہمیں یہ خوشی راس نہ آئی۔ ہم غیروں میں کب شادی بیاہ کرتے ہیں؟ اس کے جوڑ کی بہت تھیں میرے بھائیوں کے گھر بھی اور بڑے مخدوم کے بھائی کے گھر بھی۔ بلکہ بڑے مخدوم کی بہن کے گھر تو چار بیٹھی تھیں۔ دو کی عمریں نکل گئیں ایک پر ''جن'' آ گیا۔ دوسری کا قرآن پہ حق بخشوا دیا۔ وہ ابھی بیٹھی ہیں۔ سہیل کی ضد تھی ایک ہی ایک بچہ تھا کیا کرتے ایک جوان بیٹے کو سانپ نے ڈس لیا۔ ایک یہی تھا بس اس کی خوشی میں خوش تھے۔ اس کی خوشی کی خاطر جانے کتنوں کی ناراضی مول لینا پڑی۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، اپنوں کا دل دکھانے کی سزا تو نہیں مل رہی ہمیں۔''

وہ بڑی یاسیت سے کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ گویا محسوس کرنے لگیں کہ واقعی ان سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا۔ اور انہیں حالت افسوس میں رہنا چاہئے، نیا نے ذرا کھنکار کر گلا صاف کیا۔ جیسے تقریر کرنے کی تیاری کر رہی ہو۔

''بی بی جان! مذہب اور شریعت تو ہمیں اس بات پر پابند نہیں کرتے کہ ہم قرابت داروں میں ہی رشتے ناتے کریں۔ بلکہ شریعت تو ہمیں لڑکا، لڑکی کی رضامندی کے لیے پابند کرتی ہے۔ اس لیے قرابت داروں سے رشتہ نہ کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ دوسرے دل دکھانے کی بات تو آپ خواہ مخواہ احساس جرم میں مبتلا نہ ہوں۔ کیوں کہ دل دکھانے کا عمل اس صورت میں ہوتا ہے، جب آپ کسی سے عہد کر کے توڑ ڈالیں۔ جب آپ کا کوئی عہد نامہ ہی کسی کے ساتھ نہیں تھا تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں پڑتی''

وہ تو ٹھیک ہے امی! (بیٹی) پر اپنے ہی اپنوں سے آس لگاتے ہیں۔'' بی بی جان کو شاید اپنوں کی بیٹی نہ لینے کا قلق ابھی تک تھا۔

''تو خواہ مخواہ آس لگانا اچھی بات تو نہیں ہوتی۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ سمن کو بہو بنا کر بہت پچھتا رہی ہیں۔ حالانکہ اصولی طور پر دیکھا جائے تو سمن بہت اچھی بہو ہے۔ نہ اور لڑکیوں کی طرح اسے کپڑوں، جیولری کا خبط ہے نہ کوئی اور فضول شوق۔

تمیز، تہذیب، فرمانبرداری کسی بات کی کمی نہیں۔ بلکہ یہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو زیادتی بھی برداشت کرلیتے ہیں۔ میں تو ذرا سی زیادتی برداشت نہیں کرسکتی۔ بی پی شوٹ کرجاتا ہے''۔

''یہ واقعی غلط نہیں...... سمن بہت اچھے مزاج کی بچی ہے۔ بس ہماری بھی تو تمنائیں ہیں۔ انسان اولاد پیدا کرتا ہے تو پھر خواب بھی دیکھتا ہے۔ ایک بات تمہارے لیے کہ بیٹی ذات کے مزاج میں دھیرج ہونا چاہیے۔ عورت کا مزاج ٹیڑھا ہو تو گھر میں سکھ نہیں اترتا'' بی بی جان کو نیا کی بات خاصی بھاری گزری تھی۔

''معاف کیجئے گا بی بی جان! گھر عورت کی محنت اور برداشت سے مضبوط ہوتا ہے۔ مگر اس میں مرد کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ تو تالی نہیں بجتی۔ خیر چھوڑیں۔ آپ کو مجھ پر غصہ آنے لگے گا۔ آپ ہماری بزرگ ہیں۔ بہر حال ہم سے زیادہ بہتر سوچ سکتی ہیں''۔

سمن برابر نیا کو آنکھوں سے اشارے کررہی تھی۔ لہٰذا نیا نے اس کی خاطر بڑے اچھے انداز میں بحث کو سمیٹا۔ ''چلوں میں...... گولی کھانا ہے۔ گولیاں تو میری جان سے چمٹ گئی ہیں۔ سمن اپنی سہیلی کو روٹی مانی پوچھو''

بی بی جان بھی شاید راہ فرار ڈھونڈ رہی تھیں۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

سمن نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

''بس یار آج موڈ ہی نہیں بنا یونیورسٹی جانے کا۔ رات کو بہت دیر سے سویا تھا''

''کیوں؟ ظالم یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ چھت پر مچھر بہت تھے، ورنہ تارے ہی گن لیتا۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن، تارے گننے کے الگ مارکس ہوتے ہیں۔

بندے کے تیس نمبر آرہے ہوں تو گریس مارکس ہو جاتے ہیں۔ مجنوں تو پوزیشن ہولڈر رہے۔ ہاہا...... ہا......''

اپنی ہی بات سے لطف اندوز ہوکر رمیض نے بڑا بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

''بی زحمت...... ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلانا...... شادی سے پہلے مرد ذات کو بہت بولنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ شادی کے بعد اسے خاموشی اختیار کرنا ہوتی ہے۔'' وہ پھر ہنسا۔

کئی روز کے اخبار اکٹھے کرتی نمو نے اپنے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے رمیض کی طرف دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے یار......! وہی ہے اپنی مسکین سی کزن ...... ہاں تو سنتی ہے تو سنتی رہے، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے بھئی...... اگر ہے بھی تو سمجھو نہیں ہے۔ میں نے تو کبھی پروا نہیں کی نہ تمہیں پروا کرنے کی ضرورت ہے۔ پانی اسے ٹہلانے کے لیے نہیں منگایا میری جان......! میں تو منگاتا ہی ہوں۔ وہ میرا ساقی ہے۔ ہاہا...... ہا......''

نمو اتنی دیر میں واپس آچکی تھی، پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔

''او بندہ خدا صرف ساقی۔ اس سے زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ ہم تو آپ کے مے خوار ہیں، اس دن تم نے جو بلیک ڈریس پہنا تھا۔ یقین کرو تم لیڈی آف دی ایوننگ لگ رہی تھیں۔ یقین کرو اگر میں شادی شدہ ہوتا تو تم سے شادی کرنے کا فیصلہ کرکے فوراً بیوی کو طلاق دے دیتا''

وہ نمو سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے بڑے انداز سے کہہ رہا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ......'' نمو بڑبڑائی تھی۔ اور واپس پلٹ کر اخبار سمیٹنے لگی تھی۔

''یار یہ اسپورٹس کار تمہیں برتھ ڈے پر گفٹ میں ملی تھی؟ میں تو تمہارے ساتھ ساتھ تمہاری اس کار پر بھی مرمٹا ہوں۔ میرے والد مجھے سال میں دو مرتبہ اسپورٹس کار

خرید کر دے سکتے ہیں، مگر یار بہت کنجوس ہیں۔''

''میں لے لوں...... فار ایور؟ او تھینکس ...... میں آرہا ہوں۔ اپنے شوفر سے کہو اس کی صفائی وغیرہ اچھی طرح کر دے اور تیل پانی چیک کرلے'' یہ کہہ کر رمیض نے موبائل آف کر دیا اور ٹانگیں پھیلا کر سیٹی پر ایک مشہور گیت کی دھن شروع کر دی اور نمو کو بغور دیکھنے لگا۔

نمو نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور بال سمیٹ کر خاصے آف موڈ میں بولی۔

''بری بات ہے رمیض بھائی! یہ کوئی مذاق ہوتا ہے کیوں بے چاری لڑکیوں کو بے وقوف بناتے ہیں؟''

''اچھا...... بس بڑی آئی حکیم سعید......'' ہمدرد (وقف) پاکستان میں جاتا ہوں انہیں پکڑنے......؟ کہیں کھڑا ہوں آجائیں گی پوز دیتی ہوئی۔ ایک دوپٹہ بردار محترمہ نے بلا مبالغہ ایک سو آٹھ مرتبہ میرے سامنے کھڑے ہو کر دوپٹہ درست کیا تھا۔ اگر میری وجہ سے کوئی تھوڑی دیر کے لیے خوش ہو جاتا ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' وہ ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

''یہ تھوڑی دیر کی خوشی کسی کے لیے عمر بھر کا روگ بھی بن سکتی ہے۔ کوشش کرنا چاہیے کہ ہمیں زندگی میں کوئی بددعا نہ دے۔'' وہ ایک مڑا تڑا اخبار سیدھا کرتے ہوئے رسانیت سے بولی۔

''اچھا بس تقریر بند کرو...... میں گھر سے پروگرام بنا کر کسی کو روگ لگانے نہیں جاتا'' وہ اس کی نصیحت پر بری طرح جھلایا۔

''خود تم کسی لائق نہیں ہو، نہ خوشی دینے کے، نہ خوشی لینے کے، چاہتی ہو دوسرے

بھی تمہاری طرح روتے پیٹتے زندگی گزاریں''

اور وہ مدحت والے کیس کا کیا بنا......؟'' وہ اس کی لتاڑ سننے کے بعد بڑے سکون سے گویا ہوئی۔

''تمہیں کیوں اتنی فکر ہے بھئی۔ جو کیا ہے خود بھگتے گی۔ شریف لڑکیوں کی طرح اسے شادی کر لینا چاہیے۔ ضرورت کیا ہے عشق محبت کے چکروں میں پڑنے کی۔ ذرا سی لفٹ کرواؤ گلے ہی پڑ جاتی ہیں۔'' وہ بڑی بے حسی سے کہہ رہا تھا اور نمو آنکھیں پھاڑ کر اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''لیکن قصور صرف لڑکیوں ہی کا تو نہیں ہوتا...... آپ لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی تو ہوتی ہے۔'' نمو نے دبے دبے لہجے میں ڈرتے ڈرتے تنقید کی۔

''جی نہیں ہماری حوصلہ افزائی نہیں ان کی حوصلہ افزائی۔ خود راستہ دیتی ہیں۔ لڑکوں کا کیا بگڑتا ہے، سوچتے ہیں چلو جسٹ فار انجوائے منٹ......'' وہ استہزائیہ انداز میں جی کھول کر ہنسا۔

''اب یہ کون ہیں؟ نئی ہیں یا پچھلی قطار ہی میں سے ایک ہیں؟'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

''نئی ہیں محترمہ ڈپارٹمنٹ پوچھتے ہوئے ٹکرائی تھیں۔ آرمی آفیسر کی بیٹی ہیں۔ جم خانہ جاتی ہیں، سوئمنگ کرتی ہیں۔ دادا بہت بڑے لینڈ لارڈ ہیں۔ پوتی کو اسپورٹس کار دلاتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں اسے الیکشن میں کھڑا کروں گا۔ سفید دوپٹہ پہنا کر۔ سب کی واریاں (باریاں) لگ گئیں۔ ہم بیٹھے ہیں۔ ہم بھی کھڑے ہوں گے۔'' وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''پھر تو آپ ان ہی سے شادی کرلیں۔ وزیراعظم کے شوہر کہلائیں گے ایک

دن۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''وزیراعظم بن جائے، پھر سوچیں گے'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''پھر وہ آپ کو کب گھاس ڈالیں گی؟ کسی اسلامی ملک کے وزیراعظم یا بادشاہ پر ہی ڈورے ڈالیں گی'' نمو اخبارات کا ڈھیر اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کبھی کبھی تو تم دور کی کوڑی لاتی ہو۔ حیرت ہوتی ہے۔ میرے علاوہ تو کوئی ڈھنگ کی کمپنی بھی تمہیں میسر نہیں۔ تھوڑا بہت میری ہی صحبت کا اثر ہوگا'' وہ تعریف و تنقید ساتھ ساتھ کر رہا تھا۔

''اللہ نہ کرے مجھ پر آپ کی کمپنی کا اثر ہو'' وہ ایک ہاتھ سے اخبار سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے کان چھو کر بولی۔

''ہاں ناں...... تم اچھی کمپنی کے قابل ہی کہاں ہو، کسی میٹرک پاس P.T.C ٹیچر ہی کے پلے بندھو گی ایک دن......'' وہ چڑ کر بولا۔

نمو سر جھکا کر باہر نکل گئی اس کا رخ اوپر بنے اسٹور کی طرف تھا۔

''ذرا اس فیوز بلب کے نخرے دیکھو......'' وہ بڑبڑایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''اُفوہ...... بڑی مصروفیت ہے بھئی۔'' ماہ رخ نے اندر قدم رکھتے ہی روبی کی بھاگ دوڑ نوٹ کی۔

''آیئے آپی.........! اسلام علیکم۔'' روبی اسٹول سے چھلانگ مار کر نیچے اتر آئی۔ ملگجے کپڑوں اور بکھرے بالوں میں اس کی مصروفیت کی کہانی مترشح تھی۔

''خیریت وہے گھر میں کوئی دعوت وغیرہ ہے کیا؟'' ماہ رخ نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ارے نہیں۔ وقار آرہے ہیں آج رات۔ دو بجے کی فلائٹ سے'' روبی نے خوشی سے چمکتے چہرے پر اس طرح ہاتھ پھیرے جیسے دھول مٹی صاف کر رہی ہو۔

''اوہ!'' ماہ رخ کے چہرے پر یک لخت گہری سنجیدگی نمایاں ہوگئی۔

''ننا کہیں گئی ہوئی ہیں؟'' ماہ رخ نے فوراً ٹریک بدل دیا تھا۔

''گوشت، چکن وغیرہ لینے گئی ہوئی ہیں۔ آج قصائی کی ہفتہ وار شامت آئی ہے'' روبی نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اچھا تو تم اب چند ہفتوں تک ہمارے ہاتھ نہیں لگو گی۔'' ماہ رخ نے ایک کرسی پر ٹکتے ہوئے روبی کو چھیڑا، جس کے انگ انگ سے الوہی خوشی کے رنگ پھوٹ رہے تھے۔

''ارے...... اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آپ پتا نہیں اتنا تکلف کیوں کرتی ہیں؟ وقار کے آنے کے بعد آنا ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ بھی کہہ رہے تھے کہ تم اپنی پڑوسن کا اتنا تذکرہ کرتی ہو، مگر کبھی ان کا دیدار نہیں کرایا۔ ملا عمر کی عقیدت مند تو نہیں۔ میرا مطلب ہے پورا برقعہ تو نہیں پہنتی ہیں۔ اس مرتبہ وقار آجائیں تو میں آپ کو کھانے پر بلاؤں گی۔ کوئی حرج تو نہیں نا؟'' روبی نے ایک ترکیب سوچی پھر اس کی تائید یا رائے طلب کی۔

ماہ رخ نے جانے کس دھیان سے چونک کر اس کی صورت دیکھی پھر خفیف سا مسکرا کر بولی۔

''نہیں، نہیں، حرج تو کوئی نہیں۔ بس یونہی کباب میں ہڈی بننا اچھا نہیں لگتا۔ اتنا ترس ترس کر تم لوگ ملتے ہو۔'' وہ ہنسی۔

''ہماری تو پھر چوبیس گھنٹے کی کمپنی رہتی ہے، اگر ایک آدھ گھنٹہ کوئی اور بھی شامل ہو

جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چلیں خیر یہ بات تو چھوڑیں۔ وقار کے آنے کے بعد کی بات ہے۔ ابھی کی بات یہ ہے کہ آپ کو لال قلعہ والی ڈشز میں سے کوئی بنانا آتی ہے۔ خاص طور پر بکلاوہ کی ترکیب معلوم ہے؟'' روبی نے فوراً موضوع تبدیل کر دیا۔

''لال قلعہ تو تم جیسے لوگ جاتے ہیں اور پارٹنرشپ انجوائے کرتے ہیں۔ ہم جیسے تن تنہا لوگ لال قلعہ جا کر کیا کریں گے''۔ ماہ رخ اداسی سے مسکرائی۔

''سوری'' بس میں نے یونہی اپنی دھن میں پوچھ لیا۔'' روبی نے شرمسار ہو کر معذرت کی۔

''کوئی بات نہیں۔ تم تو بس اسی بے ساختگی کی وجہ سے ہی مجھے اچھی لگتی ہو'' ماہ رخ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپی......؟ ایک بات کہوں۔ آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟ روبی نے بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شادی......؟'' ماہ رخ یوں چونکی جیسے کوئی انہونی بات کہی ہو۔ پھر مسکرا کر بولی۔

''بے وقوف شادی کرتے نہیں ہیں، شادی ہو جاتی ہے۔ بس سمجھو ہوئی نہیں، ہو جاتی تو ٹھیک تھا۔ نہیں ہوئی تو بھی ٹھیک ہے''

''ایک بات میرے ذہن میں کبھی کبھی آتی ہے مگر میں نے کبھی آپ سے کہی نہیں۔'' روبی جھجک کر رک گئی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ صرف نظریں اٹھا کر ماہ رخ کو دیکھ رہی تھی۔

''بھئی کہہ دیا کرو۔ میں تمہاری بات کو انجوائے کرتی ہوں۔ برا نہیں مانتی۔'' ماہ رخ نے اسے تسلی دی۔

''ہاں تو وہ کیا بات ہے جو آج تک نہیں کہی؟'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''ہماری سوسائٹی میں کوئی ان میرڈ لڑکی تنہا نہیں رہتی۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ جب کہ آپ کے پیرنٹس بھی الحمدللہ حیات ہیں۔'' روبی نے قدرے آہستہ ٹون میں دل کی بات بالآخر کہہ دی۔

ماہ رخ یکلخت خاموش سی ہو گئی۔

''ہو سکتا ہے آپ کا فائننشلی کوئی مسئلہ ہو۔ اس کا ذکر آپ نے خیر کبھی کیا تو نہیں۔ بہرحال جب آپ کی امی سے ملاقات یاد آتی ہے کہ ایک مرتبہ عیدالفطر پر میں آپ کے ہاں گئی تو وہ آئی ہوئی تھیں۔ دیکھنے میں تو وہ خاصی 'ویل آف'' محسوس ہوئی تھیں۔ بلکہ آپ کے مقابلے میں تو خاصی ''ماڈ'' لگتی ہیں۔ پھر کیا مسئلہ ہے آپ بالکل اکیلی کیوں رہتی ہیں؟'' روبی نے بہت زور دیا تھا۔ ''اکیلی'' پر۔

''یہ دیکھو کواڑ بھی کھلا ہوا ہے۔ ہزار مرتبہ سمجھایا ہے لاک لگا کر رکھا کرو۔ A-04 اور A-112 میں ڈاکہ پڑ چکا ہے۔ اللہ اپنا کرم کرے سب پر'' ننا شور کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

''ننا! آپی آئی ہیں۔ بس ان کو سامنے دیکھ کر سب کچھ بھول جاتی ہوں' روبی نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لیتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... اچھا ماہ رخ...... کیسی ہو بیٹی؟'' ننا بھی ماہ رخ کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

''السلام علیکم، ابھی تو ٹھیک سے گرمیاں بھی نہیں آئیں۔ اور آپ پسینے سے نہا رہی ہیں'' ماہ رخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے توبہ......... بہت تیز دھوپ ہے۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ اوپر سے قصائی کی دوکان پر وہ رش کہ جیسے گوشت مفت بٹ رہا ہے۔ پھر اس پر سے باتیں اتنی بناتا ہے۔ دیکھ لو گوشت بڑی جھک جھک کرنا پڑتی ہے۔ حرام خور انگریزی بولتا ہے۔ میں

پوچھ بیٹھی کہ گوشت گائے کا تو نہیں مار بڈھی گائیں کاٹتے ہیں۔ بچھیا ہی کا ہے نا؟ بولتا ہے میری اماں! شک کرنے سے آدھے سر میں درد رہنے لگتا ہے۔ ''جینوئن بچھیا'' کا قیمہ دے رہا ہوں۔ بکرے کے گوشت کو بھول جاؤ گی۔ روبی! قیمہ ''بڑے'' ہی کا بولا تھا نا؟'' نانا نے یوں پوچھا کہ وہ بھول نہ گئی ہوں۔

روبی اور ماہ رخ ''جینوئن بچھیا'' پر ہنس رہی تھیں۔ روبی ہنسی روک کر بولی۔

''جی نانا! بڑے ہی کا کہا تھا۔ مٹن کتنا لیا ہے؟ وقار تو چکن پسند ہی نہیں کرتے۔ مجبوری میں کھا لیتے ہیں'' روبی تھیلے میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''دو کلو لیا ہے۔ چار سو میں آیا ہے۔ توبہ توبہ اتنا مہنگا کر دیا ہے۔ بڑے کنبے والے تو بکرے کے گوشت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اچھا بھلا برسوں ایک سو دس ایک سو بیس چلا۔ پھر ایک دم بڑھتے بڑھتے آج دو سو پر پہنچ گیا۔ اور تم سناؤ ماہ رخ! اچھی تو ہو۔ یہ باتیں تو عمر بھر کی ہیں کہ کھانا پینا روز کا۔''

نانا نے موضوع خود ہی بدل دیا اور عین پنکھے کے نیچے بیٹھ کر گریبان کھینچ کھینچ کر اندر تک ہوا لینے لگیں۔

''جی نانا! میں ٹھیک ہوں۔ میری پھپھو آ رہی ہیں اسپین سے انہیں لینے جا رہی ہوں ائر پورٹ، سوچا روبی سے بھی ہیلو ہائے کرتی چلوں۔''

''آپ کی پھپھو......!'' روبی جاتے جاتے حیرت سے پلٹی'' آپ نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ آپ کی پھوپھی ہیں؟''

''یہ کوئی خاص خبر ہوتی ہے، روبی! انسان تو ازل سے رشتوں کی زنجیر میں بندھا ہوا ہے'' ماہ رخ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''شادی کے بعد گئی ہوں گی تمہاری پھوپھو۔ تمہارے پھوپھا کا روزگار ہو گا ادھر؟''

نانا ذرا ہوا کھا کر ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہو گئی تھیں۔

''میری پھپھو نے شادی نہیں کی۔'' ماہ رخ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تو پھر تمہارے دادا کا رہنا بسنا ہو گا وہاں؟'' نانا نے اعتماد سے نشانہ لیا۔

''میرے دادا کا انتقال تو اسی وقت ہو گیا تھا جب پھپھو دو سال کی تھیں۔'' ماہ رخ قدرے مسکرا کر بولی جیسے نانا کی الجھن سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔

''اے تو بیٹی وہ اسپین میں کیسے بس گئیں؟ یہاں دھرا ہے اسپین؟'' نانا اس مرتبہ جھلا سی گئیں۔

''نانا! پھپھو آ جائیں گی ناں تو میں آپ سے ملواؤں گی۔ آپ ڈائریکٹ ان سے سب کچھ پوچھ لیجئے گا۔ میں چلتی ہوں۔ تھوڑی سی شاپنگ بھی کرنا ہے اور کار کی ٹیوننگ بھی کرانا ہے۔'' ماہ رخ جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا بولیں بیٹی! ہم تو الجھن میں پڑ گئے۔ کنواری بچی اسپین کیسے پہنچ گئی؟'' نانا کو تو بس ایک کھوج سی لگ جاتی تھی۔

''کیوں نانا! کنوارے کیا اسپین نہیں جا سکتے؟ کوئی ''حج'' ہوتا ہے وہاں کہ بغیر محرم کے نہیں ہو گا۔'' روبی بھی جھلا گئی۔

''توبہ ہے بھئی، کیا منہ زور بچے ہیں آج کل کے''

نانا نے پیشانی پر بائیں ہاتھ کی انگلیاں ٹکا کر روبی کو گھورا۔ ماہ رخ ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''سہیل......! ایسی کوئی انہونی تو نہیں ہو گی۔ مرد چار شادیاں کر سکتا ہے۔ ہم ثمن کو طلاق تو نہیں دلوا رہے۔ اسے جو کچھ مل رہا ہے ہمیشہ ملتا رہے گا۔ تم دونوں کو

برابر سمجھتا تو کسی کا دل خراب نہیں ہوتا۔'' بی بی جان آج صبح سویرے سہیل کو گھیر کر بیٹھ گئی تھیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں بی بی جان......؟'' سہیل تو بیٹھے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''میں تو ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں نے سمن سے پسند کی شادی کی ہے۔ '' وہ بمشکل اپنا غصہ ضبط کر رہے تھے۔

''دوسری شادی کسی وجہ سے ہی کی جاتی ہے، ہمیں کوئی شوق تو نہیں ہے۔ لیکن سوچو ذرا اتنا کچھ بنایا ہے۔ تمہارے باپ دادا نے۔ کون ہے تمہارے بعد یہ لاکھوں کروڑوں کی جائیداد سنبھالنے والا۔ سب تمہاری پھوپھیوں کے پاس چلا جائے گا۔ ان کی اولادیں عیش کریں گی۔'' بی بی جان بھی ناراض سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''ہاں تو وہ بھی اپنے ہی ہیں۔ عیش کرلیں گے تو کوئی حرج نہیں۔'' سہیل نے بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں ان کے پاس اپنا کم ہے کیا۔ ہم بھی انسان ہیں، اپنی اولاد کو پھلتا پھولتا دیکھنے کا ارمان رکھتے ہیں۔ صرف ایک عورت کی خاطر اپنے خاندان کا نام ونشان مٹا دیں۔ ایسا کیا ہے اس میں جو دوسری عورت میں نہیں ہوسکتا۔؟'' بی بی جان اس وقت سخت غصے کی کیفیت میں پوچھ رہی تھیں۔

''ساری عورتیں ایک جیسی ہی ہوتی ہیں بی بی جان! بس اپنے اپنے دل کی بات ہوتی ہے۔'' سہیل نے بردباری سے ماں کو جواب دیا۔

''جو بھوکے مرتے ہیں ان سے پوچھو ''دل'' کیا بلا ہے؟ یہ سب ہری ہری اچھے وقتوں میں سوجھتی ہے۔'' بی بی جان جل کر بولیں۔

''یعنی ایک بے قصور عورت کو میں عمر بھر کے لیے اذیت میں مبتلا کر کے خود خوشیوں

میں کھیلوں میری اس سے کمٹ منٹ ہے، وہ بھاگ کر یہاں نہیں آئی۔ میں نے آسرا دیا تھا اس کو۔ تب اس نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیا'' سہیل کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ مگر وہ کمال ضبط کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔

'تو ہم یہ کب کہہ رہے ہیں کہ اسے چھوڑ دو' بی بی جان کی آواز بلند ہونے لگی۔

''وہ تو آپ یا کوئی اور کہہ بھی نہیں سکتا۔ اس لیے سب ہی کو اندازہ ہے کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ بس پلیز...... آئندہ آپ مجھ سے اس موضوع پر بات مت کیجئے گا'' سہیل نے قصہ کوتاہ کرنے کی غرض سے کہا۔

''آئندہ تو جانے کب آئے۔ مگر آج شام تمہارے بابا تمہیں اپنا فیصلہ سنائیں گے۔ تمہاری ہونے والی نئی دلہن کا تعارف کرائیں گے۔ بارات کا دن تاریخ بھی بتائیں گے''۔

''سبحان اللہ! کیا بات ہے آپ لوگوں کی۔ ہم جیتے جاگتے انسان ہیں بی بی جان! دیواریں نہیں کہ جن پر جب چاہا نیا رنگ وروغن کر دیا۔ اچھی بات ہے کہ آپ نے مجھے ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش کی۔ بابا بلائیں گے حاضر ہو جائیں گے۔ جو سنائیں گے، سن لیں گے۔ اس کے بعد کا کام تو ہمارا ہوگا نا۔'' سہیل یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

بی بی جان دروازے کو آگ برساتی نظروں سے گھورنے لگیں۔

سمن اندر اپنی دھن میں آئی تھی۔

بی بی جان! سہیل کیا باہر گئے ہیں......؟'' وہ قدرے حیرت والجھن سے بی بی جان کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''باہر ہی گیا ہوگا، مردذات کو دس کام ہوتے ہیں باہر...... چوڑیاں پہنا کر بٹھا دو اسے، ہر وقت سہیل سہیل، پتہ نہیں آج کل کی عورتیں کیسی ہیں؟ ہم تو کہیں رات کو مرد کو

سامنے دیکھتے تھے، ورنہ ہر وقت اوطاق میں چائے، شربت، مانی (روٹی) بھجواتے رہتے تھے۔ فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔ شرم آنا چاہیے عورت ذات کو...... اتنا گلے کا ہار بنائے رکھتی ہے پھر بھی گود خالی''

''بی بی جان پھٹ پڑی تھیں اور سمن ہکا بکا ان کی صورت تک رہی تھی کہ آخر اس نے ایسا کیا کہہ دیا کہ بی بی جان انگارے چبانے لگیں۔

''بی بی جان! وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا اس لیے پوچھ رہی تھی۔'' وہ خوفزدہ سے انداز میں وضاحت کرنے لگی۔

''چھوڑو ان ڈاکٹروں ماکٹروں کو...... پیسہ کھینچنے کو دوکان سجا کر بیٹھتے ہیں۔ نامرادی کا مرض ہو تو ڈاکٹر علاج نہیں کرتا۔ امی (بیٹی)'' بی بی جان یہ کہہ کر وہاں رکیں نہیں، تیزی سے باہر نکل گئیں۔

سمن حیران پریشان اپنی جگہ کھڑی رہ گئی بہت عرصے بعد اس نے آج ساس کو بہت غصے میں دیکھا تھا ورنہ شاید سہیل کی خاطر وہ ذرا رعایت ہی کرتی تھیں۔

''لگتا ہے...... وہ قطعی مایوس ہو چکی ہیں اور شاید اب مجھے ان کا یہ انداز اکثر دیکھنا پڑے گا''

''یا اللہ بس تو ہی میرا مددگار ہے۔'' اس نے بے بسی کے عالم میں اللہ کو یاد کیا۔ چند قطرے آنکھوں سے ٹپک پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے

وہ بت ہے یا خدا دیکھا نہ جائے

رمیض بڑی ترنگ میں گاتے ہوئے پاؤں سے جرابیں کھینچ رہا تھا۔

''اوفوہ، کیا ''نئی'' ہے؟ نمو نیٹے کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے اوپر جانے کے لیے زینہ چڑھ رہی تھی رک کر شرارت سے ٹوکا تھا۔

''کیا بات ہے اپنی............ ایک ستارہ ملتا ہے اس کے بعد آگے ایک نیا جہان، روز ہی اقبال یاد آتے ہیں۔ کتنے ستارے ہیں ہمارے مقدر میں اور ان سے آگے روشن روشن جہاں، ہمارے لیے ہی تو کہا تھا شاعر مشرق نے، محبت مجھے ان جوانوں سے ہے، ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند۔''

''توبہ ہے رمیض بھائی! کچھ تو لحاظ کریں۔ اقبال کے جوانوں سے اپنا موازنہ کریں۔ اور تھوڑا سا شرما لیجیے''

''اچھا، اپنی حد میں رہو اور کھسک جاؤ یہاں سے۔ لگتا ہے حملہ ہونے والا ہے بلیک آؤٹ ہو گیا ہے''۔

''کیا مدحت آ رہی ہے؟'' وہ شرارتاً بولی اور تیزی سے زینہ چڑھ گئی۔

اُوپر پہنچ کر اس نے سانس درست کی اور کپڑوں کا ڈھیر واشنگ مشین پر دے مارا۔ اور تیز تیز سانس لینے لگی۔ اسی لمحے زینے پر کسی کے دوڑنے کی آواز اس نے سنی اور متوجہ ہوئی۔ دیکھا تو رمیض آ رہا تھا۔

''او...... بی زحمت وہ پچھلے مہینے والی آ گئی ہے۔ میں نے اس کی کار دیکھی ہے، یار! اس وقت تو آرمی آفیسر کی بیٹی کو آنا تھا۔ بڑی پرابلم ہو جائے گی۔ جاؤ اس سے کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں''

''میں کیوں کہوں......؟ ایک کو دائیں بٹھا لیجیے ایک کو بائیں۔ دونوں خوش ہو جائیں گی'' وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

''یار کسی اور وقت بدلہ لے لینا............ اس وقت تو انسان بن جاؤ۔'' اس نے

جیسے منت کی۔۔

''تو اتنا کسی کو فری کرتے ہی کیوں ہیں کہ وہ سیدھا گھر پہنچ جائے۔ میں کچھ نہیں کرسکتی۔ ویسے بھی جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ آپ کو بھی تو ممانی جان نے بچپن میں بتایا ہوگا''۔

''بڑی پارسا بنتی ہے...... لوں گا ایک دن سارا حساب کتاب۔ ذرا آج کے کرائسس سے نکل جاؤں'' اس نے منہ پر ہاتھ پھیر کر دھمکی دی۔

''میں جارہی ہوں، دھمکی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مہمان سے یہ کہنے کہ رمیض بھائی گھر پر نہیں ہیں۔ آپ ویٹ کریں۔ ابھی ایک اور بھی آنے والی ہیں۔ آپ ان کے ساتھ گفتگو کرکے وقت پاس کرلیجئے'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے پھوٹ لی۔

نیچے آئی تو ایک بہت اسٹائلش سی محترمہ ٹی شرٹ وجینز میں ملبوس گلے میں ڈارک گلاسز لٹکائے خوشبوؤں میں مہکی لاؤنج میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کی شخصیت کی خاص بات ان کے گھنے سیاہ دراز بال تھے، جو کمر نیچے تک تھے اور برابر تھے۔

نمو کو دیکھ کر قدرے چونکیں، بڑی ادا سے مسکرائیں۔

''رمیض کہاں ہے؟''

''آپ کون......؟'' نمو نے پوچھا۔

''میں......؟؟ میں نازش زمان خان...... آپ......؟'' وہ بڑے اسٹائل سے کہہ رہی تھی۔

''وہ رمیض بھائی تو گھر پر نہیں ہیں۔'' نمو نے نظر جھکا کر جواب دیا۔

''رمیض بھائی! آر یو سسٹر......؟'' نازش زمان خان نے ملگجے سے کپڑوں میں ملبوس سادہ سی چوٹی بنائے ہوئے 'عام سی لڑکی'' کو تعجب سے دیکھا۔

''جی سمجھ لیں...... ڈائرکٹ سسٹر نہیں ہوں کزن ہوں۔ اسی گھر میں رہتی ہوں۔''

نمو نے وضاحت کی۔

''اوہ......!'' نازش زمان خان نے خاص انداز میں ہونٹ سکیڑے۔

''وہ تو کہتا ہے میں اس وقت گھر پر ہوتا ہوں، میرے شام سات بجے شروع ہوتی ہے۔ میرا ٹینس کا موڈ ہورہا تھا۔ اسے لینے آئی تھی۔ کہاں گیا ہے؟ بتا کر نہیں گیا'' نازش نے کوفت و مایوسی کے موڈ میں دریافت کیا۔

''وہ مجھے بتا کر نہیں جاتے۔'' نمو نے سادگی سے جواب دیا۔

''اس کی ممی کو پتا ہوگا؟'' نازش کا موڈ بے حد خراب ہورہا تھا جانے سارے راستے کیا خواب دیکھتی آئی تھی۔

''ان کی ممی بھی گھر پر نہیں ہیں۔'' نمو نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

'ٹھہرو...... میں اس کے موبائل پر چیک کرتی ہوں کہ اس وقت وہ کہاں ہے'' نازش نے اپنا موبائل سامنے کرکے بٹن پش کرنا شروع کیے۔ پھر موبائل کان سے لگالیا۔

''اوہ کیا مسئلہ ہے بھئی۔ آف بھی نہیں ہے، میسج پر بھی نہیں لگا ہوا۔ رنگ برابر جارہی ہے۔ آخر اٹینڈ کیوں نہیں کررہا؟ کہیں سوئمنگ تو نہیں کررہا۔'' نازش بڑبڑائی پھر موبائل آف کرکے نمو کی طرف پلٹی۔

''آئے تو بتادینا۔ کہنا مجھے فوراً رنگ کرے۔ میں ویٹ کررہی ہوں گھر پر۔ یعنی اپنے گھر پر۔ مائی گاڈ...... بالکل ہی پلے بوائے ہے۔ بالکل بھی سیریس نہیں۔ خیر میں اسے ٹھیک کرلوں گی''

نازش زمان خان کو خود پر گویا بہت اعتماد تھا۔ بڑے ناز و انداز تھے۔ یعنی ان کے ہوتے کوئی مرد کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ اتنی ''توپ'' چیز ہیں۔

نمو کو اس کے اسٹائل پر ہنسی آرہی تھی مگر وہ ضبط کر رہی تھی۔ (آپ سے بھی بڑی بڑی مہارانیوں کو لڈو کی گوٹیں بنا کر کھیل رہا ہے)

"آپ بے فکر رہیں۔ میں ان کو بتا دوں گیا" نمو نے تسلی دی۔

"بیٹھیں آپ...... چائے...... کافی، یا کولڈ ڈرنک...... جو آپ پسند کریں"

"اوہ تھینکس...... اس وقت تو رمیض کے بچے نے سارا موڈ ستیاناس کر دیا ہے۔ میں چلتی ہوں، بائے......" وہ بڑے اسٹائل سے ہاتھ اونچا کر کے انگلیاں نچا کر بولی، اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"توبہ...... یہ لڑکیاں چلنے کا بھی اسٹائل بناتی ہیں۔ بولنے کا بھی۔ کچھ بھی تو رئیل نہیں۔ تھکتی نہیں۔ پوز کرتے کرتے، میرے اللہ......" نمو نے سر تھام کر سوچا۔

"چلی گئیں مارلن منرو......؟" اسے پشت سے رمیض کی آواز سنائی دی وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی۔

"جی چلی گئیں۔ مگر بہت اداس تھیں"

"آپ کا موبائل کہاں رکھا ہے رمیض بھائی؟" وہ آپ کو رنگ کر رہی تھیں تو میں پریشان ہوگئی کہ یہیں کسی کونے میں نہ پڑا ہو" نمو بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"ارے پڑا بھی ہوتا تو ہم ہینڈل کر لیتے۔ چھ گھنٹے پارلر میں دس گھنٹے سونے میں چار گھنٹے کھانے پینے میں، دو گھنٹے فون کالز کے، دو گھنٹے سڑکوں پر پٹرول پھونکنے کے۔ ان فضول لڑکیوں کے چوبیس گھنٹوں کی ڈویژن ہے۔ ان کا اپر چیمبر زیادہ کام نہیں کرتا۔ ان کو سنبھالنا کوئی مشکل کام نہیں"

"فضول لڑکیاں......؟ ان کو کہہ رہے ہیں جن کے ساتھ لائف انجوائے کر رہے ہیں۔ آخر ان ہی میں سے آپ کو اپنا لائف پارٹنر بھی چوز کرنا ہے" نمو نے جاتے جاتے

رک کر اسے چھیڑا۔ کبھی کبھی وہ ہمت کر لیتی تھی اور یہ رمیض کے موڈ پر منحصر تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ ان میں سے لائف پارٹنر......؟" رمیض نے زور سے سر پر ہاتھ مارا" اگر میں نے کبھی ایسی حماقت کی تو تم ممی پاپا سے کہنا، مجھے فوراً سائیکالوجسٹ کے پاس لے جائیں۔ یقیناً میرا ذہنی توازن بگڑ چکا ہوگا۔

اے میری پیاری "شب تاریک" کزن۔! شادی تو میں فارنر (غیر ملکی) لڑکی سے کروں گا۔ دراز قامت، سلم، مرکری ٹیوب کی طرح چم چم کرتی گولڈن بال، کلرڈ آنکھیں......" ہائی جینک کانشس، صاف ستھری، جیسے نیا نویلا "بالی شوز" وہ تصور ہی تصور میں مزے لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"عورت خواہ ایسٹ کی ہو یا ویسٹ کی مثال دینے کے لئے آپ کو "شوز" ہی ملتے ہیں" نمو نے تنقید کا پتھر پھینکا اور وہاں سے پھوٹ لی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"خیریت تو ہے ثمن......! میں ایک جگہ انٹرویو دینے گئی ہوئی تھی، واپس آئی تو امی نے بتایا کہ تم نے فون کیا تھا اور کہا تھا میں تمہارے پاس فوراً پہنچوں...... میں تو صبح سن کر ہی پریشان ہوگئی۔ کیا بات ہے میری جان!"

اس نے ثمن کی تھوڑی چھو کر بہت فکر مندی سے پوچھا اور ثمن جیسے ریت کی طرح بکھر گئی۔ نیا کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"نیا...... بی بی جان اور بابا، سہیل کی دوسری شادی کر رہے ہیں۔" اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے بتایا۔

"واہ...... بھئی، سبحان اللہ...... اور سہیل بھائی وہ دودھ پیتے بچے ہیں، لوگ ان کو گود میں اٹھا کر نکاح پڑھوا دیں گے۔ دوسری سے بھی اولاد نہ ہوئی تو تیسری شادی کرا

دیں گے۔ وہاں بھی بات نہ بنی تو چوتھی کرا دیں گے۔ لوگ ان کی شادیاں کراتے رہیں گے اور وہ کرتے رہیں گے۔" نیا نے سمن کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر خفگی سے کہا۔

"وہ لوگ تیاریاں کر رہے ہیں، سہیل کو پریشرائز کر رہے ہیں۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں۔" سمن نے بے بسی سے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ سہیل بھائی دوسری شادی کر لیں۔" نیا نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"تمہیں نہیں پتا...... یہاں دولت کی کثرت کی وجہ سے ہر وقت شطرنج کی بساط بچھی رہتی ہے۔ میرے دماغ میں ان چالوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔" سمن پھر دھواں دار رونے لگی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا...... سہیل بھائی ہیں نا مقابلہ کرنے کے لئے۔ تم کیوں اپنا دماغ خراب کرتی ہو۔ بے وقوف نہیں تو......"

"ایک تو میں ہر وقت دکھ سے ٹوٹتی رہتی ہوں۔ اس پر سے یہ قیامت۔" سمن نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اور دوپٹے سے آنسو پونچھنے لگی۔

"نیا...... میں نے سکھ کا وقت بہت تھوڑا دیکھا۔ ہے ماں کے بغیر ساری زندگی کاٹی ہے۔ بھابیوں کے موڈ دیکھ دیکھ کر دن سے رات کرتی تھی۔ شادی کے بعد دو سال تک ایسا لگا۔ جیسے میری زنجیریں کٹ گئیں۔ اور میں پر لگا کر ہواؤں میں اڑتی پھر رہی ہوں۔ مگر ایک خواب کی طرح یہ وقت گزر گیا۔" وہ اتنا کہہ کر پھر آنسو پونچھنے لگی۔

"کیا سہیل بھائی نے تم سے کچھ کہا......؟ یا تم انہیں بدلا ہوا محسوس کر رہی ہو؟" نیا نے ایک خیال کے تحت بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ تو آج کل اتنے مصروف ہیں کہ بہت کم ملاقات ہو پاتی ہے۔ باہر سے ان

کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ بتا رہے تھے وہ بھی ایک ڈیڑھ مہینے کے لئے انگلینڈ جائیں گے۔" اتنا کہہ کر سمن خاموش ہو گئی اور اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

"تو تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ ماحول چینج ہو جائے گا تمہارے موڈ پر بھی پوزیٹو اثر پڑے گا"

"" "وہ خود کہتے تو بات تھی۔ میں خود کیوں کہوں۔ وہ لے جانا چاہتے تو خود کہہ دیتے" سمن نے آہستہ آواز میں کہا۔

"مائی گاڈ۔ اتنا تکلف شوہر کے ساتھ............ سیدھے سیدھے کہو، میں بھی ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ یہاں اکیلی نہیں رہوں گی"

"کوئی مان ہی نہیں رہا۔ سارا اعتماد کھو چکی ہوں۔ اپنی خواہش کے اظہار کی قوت ہی نہیں مجھ میں۔" سمن رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں بھئی؟" نیا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا دیا ہے میں نے انہیں؟ کس برتے پر ان سے اپنے ارمان پورے کرنے کو کہوں؟" سمن نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

نیا نے سر پیٹ لیا۔ "تم تو واقعی احساس کمتری کا شکار ہو چکی ہو۔ بھئی تو تمہارا کیا قصور ہے کیا تم نے جان بوجھ کر سب کچھ کیا ہے؟ ان لوگوں کو اتنی عقل نہیں ہے؟" نیا جیسے جھلا کر کہہ رہی تھی۔

"ایک ترکیب آئی ہے میرے ذہن میں......" اچانک نیا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

سمن نے بھی جیسے اس کے انداز پر خود میں ایک ولولہ پیدا ہوتا ہوا محسوس کیا۔ بولی نہیں بس سوالیہ نظروں سے نیا کی صورت تکنے لگی۔

"ان ظالم لوگوں کے ساتھ ایسا کرنا دھوکا نہیں کہلائے گا۔ تم ایک کھیل کھیلو، سہیل

بھائی کو اعتماد میں لے کر۔'' نیا نے ترکیب بتانا شروع کی۔

''کیسا کھیل؟'' سمن حیران ہوئی۔

''وہ یہ کہ تم یہ اعلان کر کے یہاں سے غائب ہو جاؤ کسی دوسرے ملک کہ تم پریگننٹ ہو۔ پھر ایک بچہ کہیں سے اڈاپٹ کر کے یہاں واپس آ جاؤ۔ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں گے یہ لوگ۔ بچہ تمہیں کہیں سے بھی مل سکتا ہے۔ ایدھی سینٹر سے بھی۔ وہاں آئے دن خالی جھولوں میں لوگ نوزائیدہ بچے ڈال جاتے ہیں۔ کسی بہت غریب خاندان سے بھی مل سکتا ہے۔ تم ان کو بھاری اماؤنٹ کی آفر کر کے بچہ لے سکتی ہو۔ آئے دن اخبارات میں تو تم پڑھتی ہی رہتی ہو کہ کسی نے غربت و افلاس سے تنگ آ کر اپنے بچوں کو مار کر خود بھی خودکشی کر لی۔ بھوک کی دوزخ سے جلتا پیٹ بہت بڑا عذاب ہوتا ہے سمن! کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کسی غریب گھر سے تمہیں چند گھنٹے کا پیدا ہوا بچہ مل جائے۔ بچے کی پرورش یہاں کوئی مسئلہ نہیں۔ آیا، نوکرانیاں، تمہاری ساس، تم تو بس ایک بچہ حاصل کر کے ان کے حوالے کر دو...... اور اس دن رات کی اذیت سے نجات حاصل کرو۔''

نیا نے اپنے خاص ترنت پھرت انداز میں ترکیب بتائی اور سمن کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''ترکیب تو تمہاری واقعی اچھی ہے۔ مگر یہ سب سہیل کے تعاون کے بغیر نہیں ہو سکتا نیا!'' سمن نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر سہیل بھائی کو تم سے واقعی محبت ہے تو وہ تمہیں ایزی کرنے کے لیے سب کچھ کریں گے۔ ہاں اگر ان کے اپنے دل میں کوئی تبدیلی آ چکی ہے تو پھر تمہاری قسمت...... یہ تو پھر ان کا امتحان ہوگا۔'' نیا نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''نیا...... اب تک تو اس احساس کی قوت مجھے سنبھالے ہوئے ہے کہ سہیل مجھ سے پر خلوص محبت کرتے ہیں۔ خدانخواستہ یہ مان بھی کھو بیٹھی تو کیسے جیوں گی......؟'' سمن خوفزدہ سے انداز میں کہہ کر نیا کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''دکھ سچے ہوں تو قوت بن جاتے ہیں۔ وہم و گمان کی زندگی جینے والے لوگ بہت کمزور ہوتے ہیں سمن! آج تم ہر قسم کا اعتماد کھو چکی ہو، حتیٰ کہ جس شوہر کی محبت کا ذکر کرتے تم نہیں تھکتیں اب تمہیں وہم ستانے لگا ہے کہ اندر سے وہ بھی نہ بدل گیا ہو۔ اگر وہ نہیں بدلا تو تمہیں یقین ہونا چاہیے۔ اگر وہ بدل چکا ہے تو بھی تمہیں آگاہ ہونا چاہیے، خود کو دھوکا دے کر کتنا وقت گزار سکو گی اس دنیا میں؟'' نیا اس وقت بڑی بے رحم سچائی کے ساتھ بات کر رہی تھی۔

''واقعی...... تم بہت دل گردے والی ہو نیا! اگر مجھے کسی طرح پتا چل گیا کہ سہیل وہ نہیں رہے تو میں شاید اسی وقت ''کارڈیو'' میں ایڈمٹ ہو جاؤں گی۔'' ثمن نے نیا کو سراہتے ہوئے خود خوف سے جھرجھری لی۔

''یہی وہ خود فریبی ہوتی ہے سمن! جس کا نتیجہ بہت خوفناک ہوتا ہے۔ حقائق کا سامنا کرنے کی ہمت ہو تو انسان بڑے سے بڑے بحران سے گزر جاتا ہے اور اپنی بہتری کے لیے کچھ سوچ سکتا ہے۔ نجات کا راستہ نکال سکتا ہے۔

خود فریبی بہت خطرناک مرض ہوتا ہے ثمن! وہ جس من پسند نتیجے کے لالچ میں خود کو دھوکا دے رہا ہوتا ہے، جب وہ نتیجہ اس کے ہاتھ میں نہیں آتا تو وہ خود کو سنبھال نہیں پاتا۔ تم خود میں ہمت پیدا کرو۔ خدانخواستہ اگر سہیل بھائی بدل گئے ہیں اور اس کا ثبوت بھی مل جاتا ہے تو پھر یہ سوچنا ہوگا کہ تمہیں زندگی کس طرح گزارنا ہے۔ کون سا راستہ جینے کے لیے منتخب کرنا ہے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ سہیل بھائی تمہارے ساتھ

مخلص ہیں تو اس احساس کو تمہاری قوت بن جانا چاہیے اور تمہیں ان کے قدم سے قدم ملا کر اس صورت حال سے نمٹنا چاہیے''

نیا اتنا کہہ کر چپ ہوگئی اور سمن کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''تم بہت ہمت والی ہو نیا! میری دعا ہے کہ قدرت کبھی تمہاری ہمت کو نہ آزمائے''سمن نے بڑے سوز کے ساتھ دعا کی۔

''اب تم رونا دھونا چھوڑو اور سہیل بھائی کو تلاش کرو۔ ان کو سامنے بٹھا کر اس نئی سچویشن پر صاف صاف بات کرو۔ اگر وہ اپنے والدین کے فیصلے کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں تو یہ سن کر لمبی لمبی نہ لیٹ جانا۔ بلکہ اپنے حق اور بے گناہی کے سبب زبردست مزاحمت کرنا۔ گھیرا تنگ کر دینا۔ صاف صاف کہہ دینا۔ اگر وہ دوسری شادی کرتے ہیں تو تم سے بحیثیت شوہر کوئی واسطہ نہ رکھیں اور اپنی نئی زندگی شروع کر دیں۔ یہ نہیں کہ جب دل چاہا ادھر جب دل چاہا ادھر۔ یہ خیال دل سے نکال کر دوسری شادی کریں کہ اب پہلی سے وہ کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ تمہاری بے رخی کا یہ پتھر بھی ان کے لیے اچھی خاصی سزا بن جائے گا''

''کوشش کروں گی کہ جس ہمت کی توقع تم مجھ سے کر رہی ہو، وہ پوری ہو۔ اف یہ زندگی کی کٹھن آزمائشیں۔ بندہ فزیکل ورک کیے بغیر ہی یوں شل ہو جاتا ہے۔ گویا پہاڑ کاٹ کر بیٹھا ہو''سمن کھڑی ہوگئی اور اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''ایک منٹ...... میں کولڈ ڈرنک لے کر آتی ہوں، اتنی ٹیچنگ کے بعد تو حلق بھی سوکھ چکا ہوگا''سمن بادل نخواستہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''کھانا کھانے سے تو ان لوگوں نے انکار کر دیا ہے۔ بس شام کی چائے ہوگی۔ نمو!

ایسا کرنا آج کل بہت اچھا فروٹ آیا ہوا ہے فروٹ چاٹ ضرور بنا لینا۔ کچھ اسنیکس و مٹھائی وغیرہ اور دیکھو ڈرائنگ روم کے کشن کے کور چینج کر دینا''

''خیریت تو ہے ممی! کون سے مہمان آ رہے ہیں؟ بڑی تیاریاں ہیں بھئی؟''

رمیض بن ٹھن کر نیچے اتر رہا تھا۔ اس نے ماں کی ہدایات سن لی تھیں۔

''نمو کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ یہ پڑوس والی مسز برلاس ہیں ناں، ان کا کوئی بھتیجا ہے۔ پڑھائی لکھائی میں کمزور تھا تو باپ نے کاروبار کرا دیا تھا۔ کاروبار میں اچھا چل رہا ہے۔ باقی باتیں تو براہ راست بات چیت سے ہی معلوم ہوں گی۔''مسز علوی نے بڑے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''ہیں...... یہ کیا...... آپ نمو کی شادی کر رہی ہیں؟''رمیض چونک پڑا۔

''کیوں...... کیا اس کی شادی نہیں کرنا۔ عمر بھر بٹھا کر رکھنا ہے''مسز علوی نے پلٹ کر تعجب سے پوچھا۔

''میرا کیا بنے گا ممی! میرے اتنے سارے کام۔ سب سے زیادہ اہم کام میری سو پچاس فون کالز جو یہ اٹینڈ کرتی ہے۔ بیس پچیس جھوٹ بول کر میری جان بچاتی ہے۔ مجھے تو بہت پرابلم ہو جائے گی۔''وہ پریشان ہو کر کہہ رہا تھا۔

''تو کون سا چٹ منگنی پٹ بیاہ کر رہے ہیں ہم لوگ۔ ایک سال تو شادی میں لگ جائے گا۔ اتنے تم اپنا بندوبست کر لینا''مسز علوی رمیض کے مذاق کا سنجیدگی سے جواب دے رہی تھیں۔

''بندوبست کیا مطلب؟ اب میں کوئی نئی پھوپھی زاد ڈھونڈتا پھروں گا''رمیض نے حیرت سے کہا اور ماں کی نظر بچا کر نمو کو آنکھ ماری وہ گھبرا کر جھاڑن سے صوفہ جھاڑنے لگی۔

''بھئی اس دوران میں تم بھی اپنے لیے کوئی ڈھنگ کی لڑکی پسند کرلو۔ نمو نے عمر بھر کا ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوا تمہارا۔ یہ تو قسمت سے اچھا رشتہ مل رہا ہے۔ ورنہ ہماری لڑکی میں کوئی ایسی خاص خوبی نہیں کہ اتنا اچھا رشتہ ملتا۔ شکل صورت بھی عام سی ہے۔ تعلیم بھی خاص نہیں۔ باپ بھی سرمایہ دار نہیں۔ ویسے ان سب باتوں سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔ یہ تو قسمت کی بات ہوتی ہے۔ بڑی بڑی حسین لڑکیاں دو دن گھر نہیں بسا پاتیں۔ ان کی کم عمری ہی میں دو دو شادیاں ہو جاتی ہیں۔ کچھ بھی ہو نمو میں گھر بسانے والی ساری خوبیاں موجود ہیں اور اس میں برداشت بھی بہت ہے، جو پریکٹیکل لائف میں بہت ضروری ہوتی ہے''

''مسز برلاس کو اس میں کیا خاص بات دکھائی دی۔ کہیں وہ موصوف بھی ہماری زحمت کی طرح فیوز بلب تو نہیں؟''

''ربش...... مائنڈ یور لینگویج پلیز...... ہر وقت کا مذاق بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اللہ کا شکر ہے ہاتھ پاؤں سے درست ہے۔ ذمہ دار ہے۔ چیپ (Cheap) نہیں ہے۔ مسز برلاس نے یہی کچھ نوٹ کیا ہوگا۔ ویسے بھی دنیا بہت پریکٹیکل ہو چکی ہے۔ اب لوگ صرف لڑکی کی صورت دیکھ کر بہو بنانے کا نہیں سوچتے۔'' مسز علوی عجلت بھرے انداز میں کہہ کر اپنے موبائل پر نمبر پش کرنے لگیں۔

''اچھا...... تب ہی میں نوٹ کر رہا تھا کہ آج صبح سے یہ بہت خوش ہے'' وہ نمو کو چھیڑنے لگا۔ پھر ماں کی نظر بچا کر اس سے تھوڑا قریب ہوا۔

''وہ بی زحمت! ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ وہ تمہاری ''مدحت آپا'' ہے نا بہت بڑا سٹیکر بن کر چپک گئی ہے۔ اس نے اپنے والد کو صاف انکار کر دیا ہے اور میرا نام بتا دیا ہے۔ میں اسی وجہ سے گھر سے غائب ہو رہا ہوں۔ مدحت کے والد محترم آج کسی بھی

وقت پاپا سے ملنے آئیں گے۔ یہ مجھے مدحت نے نہیں بتایا ہے، بلکہ اس کے ایک نادان دوست کی مخبری ہے۔ میں اس کے بابا سے نہیں ملنا چاہتا۔ البتہ اپنے پاپا کو فیس کرلوں گا۔ اٹینشن رہنا۔ بائے، بائے ممی۔''

مسز علوی موبائل کانوں سے لگائے ہوئے تھیں۔ اشارے سے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔

رمیض نے جواب دینے کے بجائے صرف ہاتھ ہلا دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ یوں لگتا تھا گویا اسے گھر سے باہر نکلنے کی جلدی ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''نیا...... کچھ کر رہی ہو کیا؟''

''نہیں امی! کچھ خاص نہیں۔ کوئی خاص بات، کچھ فکرمندی دکھائی دے رہی ہیں'' وہ ماں کو متفکر دیکھ کر خود بھی پریشان ہوگئی۔

''بات تو بہت خاص ہے۔ سوچ رہی تھیں تمہیں بتاؤں یا نہیں۔ مگر تمہیں بتائے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔'' وہ اٹک اٹک کر کہہ رہی تھیں۔

''ظاہر ہے امی! اگر کوئی گھر کی بات ہے تو میرے نوٹس میں تو ضرور ہونا چاہیے۔'' نیا بھی متفکر سی ہوگئی۔

''شاداب سے متعلق بات کرنا ہے تم سے'' آمنہ بیگم نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

''کیا ہوا شاداب کو......؟ ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہے'' نیا نے حیران ہو کر ماں کی صورت تکی۔

''اللہ اسے ٹھیک ٹھاک ہی رکھے بیٹا...... آمین۔ مگر میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ آج کل وہ رات کو بہت لیٹ آنے لگا ہے۔ پہلے تو دو بجے تک آجاتا تھا۔ مگر آج صبح

چار بجے آیا تھا۔ میں پوچھتی ہوں تو کہتا ہے کہ اپنے دوست کے ہاں کمبائن اسٹڈی کرتا ہوں۔ میں یقین کر لیتی تھی۔ مگر میں نے اس کے پاس موبائل فون بھی دیکھا ہے۔ اس کی پاکٹ منی اتنی تو نہیں ہوتی کہ وہ بچت کر کے اتنا قیمتی موبائل لے سکے۔ میں نے سختی سے پوچھا تو اس نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ اپنی عزت کی خاطر میں خاموش ہوگئی۔ مگر اسے یہ ضرور کہا کہ میں تمہاری آپا سے بات کرتی ہوں۔ وہی تم سے نمٹے گی۔ ماں کی ممتا کو تو تم لوگ کمزوری بناتے ہو۔'' آمنہ بیگم یہ کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

''پھر کچھ بولا نہیں۔ جب آپ نے یہ سب کچھ کہا؟''

''بولا تھا، اسی جواب نے تو میرے وہم کو یقین میں بدلا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے، صحیح نہیں ہے۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

نیا آنکھیں پھاڑ کر ماں کی صورت دیکھنے لگی۔ ''کیا بولا تھا امی......؟''

کہنے لگا۔ ''آپا کیا مجھے گولی مار دیں گی۔ میں لڑکا ہوں، مرد ہوں، اگر میں کچھ کرنا چاہتا ہوں تو میرے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ میڈیکل کے اسٹوڈنٹ کو ایک ہزار روپیہ پاکٹ منی دے کر سمجھتے ہیں اس کے سارے مسئلے حل کر دیے۔ کسی کو میرے معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا اچھا برا سمجھتا ہوں۔ ماں بہن کی ریسپکٹ اپنی جگہ آپ لوگ میرے گاڈ فادر نہ بنیں۔''

''یقین کرو نیا! میں تو اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ شاداب تو وہ لگ ہی نہیں رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پر خدانخواستہ آسیب آ گیا ہو۔ بدلی ہوئی نظر، بدلا ہوا لہجہ۔ میں ساری رات نہیں سوئی نیا! ایک بیوہ کی عمر بھر کی پونجی۔''

بانو بیگم دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''ارے......امی! اتنا چھوٹا دل نہ کریں۔ میں دیکھتی ہوں اس رستم پہلوان کو۔ یہ

کوئی خاص بات نہیں۔ اس قوم کے جوانوں کو شارٹ کٹ سے عیاشی کے لوازمات حاصل کرنے کا خبط ہوگیا ہے۔ لگتا ہے وہ کوئی بیڈ کمپنی جوائن کر رہا ہے۔ مگر آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں دیکھتی ہوں اسے۔ رونے دھونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ رونا دھونا ہمارے مسائل کا کبھی حل نہیں ہوا کرتا۔ پلیز آپ خود کو سنبھالیں۔''

''ماشاءاللہ، کتنی ہمت والی ہے میری بیٹی اور کتنی سمجھدار'' بانو بیگم نے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چوم لی۔ ''اللہ میری بیٹی کا نصیب اچھا کرے۔''

''جن کے پاس دعا کرنے والی ماں ہو، انہیں کس بات کا غم......؟ میں تو آپ کی دعاؤں کے لالچ میں ہمت والی بنی ہوئی ہوں۔''

اس نے ہنستے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اگرچہ اس کے اپنے ذہن میں بگولے سے اٹھ رہے تھے لائق خوبصورت، اکلوتا بھائی اس کے ساتھ ہی کسی منفی تصور سے جیسے دل بیٹھتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''ہیں! تم جاتی ہو وہاں......وقار سے کبھی سامنا نہیں ہوا......؟'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔ باقاعدہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں خود حساب کتاب سے جاتی ہوں وہاں پھوپھو......جن دنوں وہ ادھر ہوتا ہے میں وہاں نہیں جاتی۔ روبی ہی چکر لگا لیتی ہے۔''

''مائی گڈنیس، روبی...... وقار کی بیوی۔ تمہیں جیلسی فیل نہیں ہوتی اس سے؟'' مومنہ کے چہرے پر گہرا دکھ صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''اس بے چاری سے کیوں جیلس ہوں؟ اس کا قصور کیا ہے؟ ماہ رخ نے دھیمی آواز میں نظریں جھکا کر جواب دیا پھر بولی۔

''پھوپھو! یقین کریں مجھے تو روبی سے محبت ہوگئی ہے۔ جب تک اس سے بات نہ کرلوں، اسے دیکھ نہ لوں۔ چین نہیں آتا۔ یقین کریں وہ ہے بھی بہت پیاری، بہت بے ساختہ کوئی تصنع، بناوٹ نہیں۔ اتنا دل کھول کر صاف صاف بولتی ہے کہ بس، میں بہت انجوائے کرتی ہوں'' ماہ رخ مسکرا کر کہہ رہی تھی اور مومنہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''شاباش ہے بھئی تمہیں۔ ماشاءاللہ اور پھر سبحان اللہ'' مومنہ اس کا شانہ تھپکنے لگی۔

''فیکٹ از فیکٹ پھوپھو! ہم کسی بے قصور کے لیے کیوں نیگیٹو فیلنگز سے خود کو شل کریں؟'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''کچھ بھی سہی۔ عورت کبھی اس کیس میں اتنی حقیقت پسند نہیں ہوتی'' مومنہ نے ایک طرح سے اسے سراہا۔

اسی لمحے کال بیل بج اٹھی تھی۔ ماہ رخ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ ''شاید روبی ہو'' وہ یہ کہہ کر دروازہ کھولنے لگی۔

''آہا...... ننا ہیں۔ السلام علیکم! خیریت روبی کے بغیر......؟'' ماہ رخ نے پرجوش انداز میں نناکا سواگت کیا۔

''اے ہٹاؤ۔ آج روبی کو اپنا ہوش نہیں۔ میں، تم اسے آج کہاں دکھائی دیں گے۔ میں تو تمہاری پھوپھی کی وجہ سے نیچے اتری ہوں کہ اب تک تو پہنچ گئی ہوں گی۔ بڑی ہمت والی پھوپھی ہے تمہاری، اسپین میں کھاتی کماتی ہے۔ یہاں نکمی اولادیں۔ چار چار بیٹے مار ماں باپ کو جھوائے دے رہے ہیں۔ نہ کمانے دھمانے کے، نہ کوئی اور ہنر۔''

ایک سانس میں بولتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئیں تو مومنہ بھی پرشوق انداز میں

ان کے سواگت کو کھڑی ہوگئی تھی۔

''بہت خوشی ہوئی آپ کے آنے سے۔ پھوپھو خیریت سے پہنچ گئیں۔ ابھی روبی ہی کی بات ہو رہی تھی۔ یہ ہیں میری پیاری پھوپھو مومنہ...... اور یہ ہیں روبی کی نانی جان، اصل میں روبی کی والدہ کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ انہوں نے ہی روبی کو پالا ہے۔ یعنی یہ روبی کی ماں بھی ہیں اور نانی بھی۔''

''السلام علیکم......!'' مومنہ نے مؤدبانہ سلام کیا۔

ننا نے تنقیدی نگاہ مومنہ پر ڈالی۔ باریک چیک کی سرخ اوپن شرٹ بلیک جینز، سرخی مائل براؤن بال جو جدید انداز میں سیٹ کیے ہوئے تھے۔ چہرہ البتہ میک اپ سے عاری۔

''نہ جانے تمہارے ماں باپ نے کیا سوچ کر تمہارا نام مومنہ رکھا ہوگا۔ اب یہ تھوڑی پتا ہوگا کہ بیٹی مردوں کی طرح کمانے دھمانے اسپین جائے گی۔ برا نہیں ماننا بیٹا! میری بات کا'' ننا نے اپنی صاف گوئی کی زیادتی کو خود ہی محسوس کرلیا۔

''ارے نہیں، آپ ہماری بزرگ ہیں۔ آپ کی بات کا کیا برا ماننا۔ آپ پلیز بیٹھیے نا۔'' مومنہ نے فراخدلی سے ان کی تنقید برداشت کر کے انہیں مودبانہ انداز میں نشست پیش کی۔ اس کے چہرے پر رواداری کی مظہر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

''بیٹی ماہ رخ! یہ تمہاری پھوپھی تو تمہاری ہم عمر ہی دکھائی پڑتی ہیں؟ اے تو کیا ساس بہو کے ساتھ ساتھ بچے ہو رہے تھے''

وہ پھر اپنی رو میں بول گئیں۔ ماہ رخ اور مومنہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ ننا خود بھی معصوم بچے کی طرح انہیں ہنستا دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''اے تو کیا غلط بولی میں......؟ ایک جیسی دکھائی دے رہی ہو۔ ماہ رخ نے بتایا

پھوپھی بھی سگی ہو"

"واقعی، میں اس کی بالکل سگی پھوپھو ہوں اور اس سے پورے دس سال بڑی ہوں" مومنہ نے ہنس کر وضاحت کی۔

"اوئی...... دس برس ماشاءاللہ، ایک دو نہیں پورے دس برس۔" نتا تو واقعی حق دق سی دونوں کو باری باری تکنے لگیں۔

"یہ پاکستانی غذا کھاتی ہے۔ ساتھ میں غم، ہم اسپین میں خالص غذا کھاتے ہیں اور غم کو درخت کے ساتھ زنجیر سے باندھ کر رکھتے ہیں" مومنہ نے قہقہہ لگا کر اچھی طرح سے وضاحت کی۔ اس کے انداز کے ہر رنگ میں واقعی بے فکری جھلکتی تھی۔

"ماشاءاللہ جیتی رہو۔ اللہ عمر بھر ہنستا کھیلتا رکھے۔ میری بچی! میں بیٹھوں گی نہیں۔ روبی نے تاکید کی تھی کہ نتا بے فکر ہو کر بیٹھ نہ جانا۔ وقار بھی کسی گھڑی میں پہنچنے والا ہے۔ ماہ رخ! اپنی پھوپھی کو لے کر آنا ہماری طرف۔ بہت خوشی ہوئی تمہاری پھوپھو سے مل کر" نتا یہ کہہ کر واپسی کے لیے دروازے کی طرف پلٹ گئیں۔

☆☆☆☆☆

"آپ آہستہ آواز میں بات کریں۔ گھر میں مہمان بیٹھے ہیں۔" انجم علوی، سردار عمردراز صاحب سے درخواست کر رہے تھے۔

"آپ کے بیٹے نے ہمارا تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔ آپ کو اونچی نیچی آواز کی پڑی ہوئی ہے۔ ہماری نیندیں حرام ہو گئیں۔ آپ اسے میرے سامنے بلائیں بٹھا کر بات کریں۔ پرائی بچیوں کو شادی کا "لارا" دے کر خراب کرتا ہے۔ کل کو وہ بڑا بلیک میلر بھی بن سکتا ہے۔ آپ کی اکلوتی اولاد ہے، آپ کو فکر ہونا چاہیے" سردار صاحب پر انجم علوی کی درخواست کا مطلق اثر نہ ہوا۔

"میں بہت معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ بات کبھی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جب تک خود لڑکی حوصلہ افزائی نہ کرے۔ بیٹی ذات جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے، ماں باپ کی اس پر گہری نظر ہونا چاہیے۔ لڑکوں کا کیا ہے۔ ان کا کچھ بگڑتا ہے؟ آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیے۔ اسے احساس دلائیے کہ نیک بچیاں ماں باپ کی عزت کی خاطر بہت کچھ برداشت کرتی ہیں۔ اور ماں باپ ہمیشہ اپنی اولاد کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی فیصلے کرتے ہیں۔ میرے بچے نے اگر کسی بچی کے ساتھ یہ غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے تو میں اسے ضرور لعنت ملامت کروں گا۔ مگر سردار صاحب! محض اپنی بچی کی وجہ سے آپ ایک پورے خاندان کو اپنی خواہش کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ میرا وعدہ ہے اگر میرا بیٹا مان جاتا ہے تو مجھے اس کی شادی کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ اگرچہ میں نے طے کیا تھا، جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو جاتا میں اس کی شادی نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کی بچی اتنی سیریس ہے اور کچھ بھی کر سکتی ہے تو میں اتنی گنجائش ضرور نکالوں گا کہ کسی ناسمجھ اور بے گناہ بچی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا نقصان نہ ہو۔ آپ جس انداز میں مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اس سے تو یہی لگتا ہے کہ آپ نے گن پوائنٹ پر نکاح پڑھوانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مگر میں آپ سے ریلیکس رہنے کی درخواست کروں گا۔ ہم بچوں کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتے کہ وہ ہمیں کھلونا بنا کر کھیلیں۔ میرے گھر میں بچی کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں۔ ورنہ میں آج ہی کسی فیصلہ کن مرحلے تک پہنچ جاتا۔ امید ہے آپ موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے آج ہمارے ساتھ تعاون کریں گے"

انجم علوی اگرچہ اندر سے بری طرح تپ رہے تھے، مگر موقع کی نزاکت کی وجہ سے وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہے تھے۔

"خیر ہے آپ بات کریں مہمانوں سے۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں۔ رمیض بھی آ ہی جائے گا گھنٹے دو گھنٹے میں۔" سردار صاحب! اطمینان سے مزید پھیل کر بیٹھ گئے۔

"جی......!" انجم علوی ان کے انداز پر چونک پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انجم علوی نے بڑی بے بسی سے سردار صاحب کی طرف دیکھا۔

مسئلہ یہ ہے کہ رمیض کے گھر واپس آنے کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا...... آپ کب تک اس کا انتظار کریں گے۔ آپ نے ایک بات مجھ تک پہنچا دی...... اب آگے میرا کام رہ جاتا ہے کہ میں اس سے باز پرس کروں اور اصل بات معلوم کروں۔

اجی.......... علوی صاحب آپ اس سے کیا اصل بات پتہ کریں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ اس نے ہماری بچی کے ساتھ زیادتی کی ہے.......... سردار صاحب کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

خدانخواستہ سردار صاحب.......... پلیز غصہ کنٹرول کریں.......... اللہ نہ کرے کسی کی بیٹی کے ساتھ زیادتی ہو ہم تو دعا کرتے ہیں کہ اللہ نے جس کو بیٹی یا بیٹیاں دی ہیں ساتھ عزت کے اپنے اپنے گھر کی ہوں۔ انجم علوی نے کمال ضبط اور سمجھداری سے سردار صاحب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

علوی صاحب.......... آپ کی بات ٹھیک ہے۔ آپ کو مل کر میرے تاثرات اچھے ہیں.......... لیکن آپ خود کو میری جگہ رکھ کر ذرا سوچئے.......... اگر آپ نے بڑے بھروسے کے ساتھ کہیں بیٹی کا باپ بن کر زبان دے دی اور بعد میں پتہ چلا کہ بیٹی نے ناں کر دی ہے اور کسی صورت شادی پر رضامند نہیں.......... تو آپ کیا کرتے؟ کیا

آج کے دور میں اس بات پر بیٹی کو گولی ماری جا سکتی ہے؟ جبکہ ہم نے خود اس کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر کا رستہ دکھایا؟ سردار صاحب اب بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

میں آپ کی پریشانی سمجھ رہا ہوں سردار صاحب.......... میرے ہاں اللہ کی مرضی سے صرف ایک اولاد ہوئی مگر میری بھانجی بچپن ہی سے میرے پاس سے میری بہن کی ڈیتھ ہو گئی تھی میں اپنی خوشی سے اپنے گھر لے آیا تھا.......... اسے بھی میں اپنی بیٹی ہی سمجھتا ہوں آج اس کے رشتے کے سلسلے میں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں.......... انجم علوی نے بڑی دھیرج بڑے سبھاؤ سے بات کی۔

آپ سمجھ رہے ہیں ناں سردار صاحب.......... اگر یہ تکرار یا بات چیت ان کے کانوں میں پڑ گئی تو اس بچی کے رشتے کے سلسلے میں کوئی بدمزگی بھی ہو سکتی ہے.......... وہ مزید گویا ہوئے۔ آپ کی بات سولہ آنے.......... مگر آپ کی بات سن کر ایک خیال میرے دل میں آیا ہے اگر مانیں تو عرض کروں...... سردار صاحب نے اپنی بھاری پپوٹوں والی آنکھیں پوری کھول کر انجم علوی کی طرف دیکھا۔

جی جی ضرور.......... اس وقت جو صورت حال تھی انجم علوی اس لحاظ سے جتنا بھی تعاون سردار صاحب کے ساتھ کر سکتے تھے کر رہے تھے۔

جب آپ کی بھانجی گھر میں موجود تھی اور بیٹا بھی اللہ نے دیا تو آپ نے بچی کا رشتہ باہر کیوں کرنے کا سوچا.......... یہ مدحت والی بات تو آج کل کی ہے ناں؟ سردار صاحب نے وکیلوں کی طرح نکتہ اٹھایا۔

انجم علوی سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے.......... پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوئے۔

سردار صاحب آپ کی طرح یہ بات پتہ نہیں کتنے لوگوں کے ذہن میں آئے

گی......مگر آپ آج کل کے بچوں کا مزاج جانتے ہیں ہر معاملے میں اپنی مرضی کرتے ہیں۔ میری بھانجی اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہے......اسٹیٹس والے ماں باپ کی بیٹی نہیں ہے۔ اس میں ایسی کوئی ظاہری خوبی نہیں جس کی بنیاد پر وہ اعلیٰ حیثیت والے شوہر کے لئے قابل فخر ہو۔ سیدھی سادی گھریلو محنتی بچی ہے۔ ہم اپنے بچے کا مزاج جانتے ہیں کیوں ان کے سامنے ایسی بات کرتے کہ شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا..........اور بچے کے سامنے اپنی بات کھوتے..........بندہ بھرم سے بھاری رہتا ہے سردار صاحب.......... انجم علوی نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔

بہت بڑی بات کی آپ نے..........آپ واقعی ایک بڑے انسان ہیں۔ یقین کریں میں بہت غصے میں آپ سے ملنے آیا تھا مگر جس طرح آپ نے بات چیت کی اس نے میرا غصہ جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ آپ جیسے انسان کا بیٹا اتنا غیر ذمہ دار ہو سکتا ہے یقین نہیں آتا......سردار صاحب آخر کار انجم علوی کی ضبط و برداشت کے سامنے زیر ہو گئے۔

ہر انسان فطرت پر پیدا ہوتا ہے سردار صاحب..........ہم اولاد کے لئے اچھی اور نیک تمنائیں تو کر سکتے ہیں مگر ان کو نیک فطرت اور نیک مقدر نہیں دے سکتے.......... انجم علوی کا لہجہ اس مرتبہ تھکا تھکا سا تھا۔

علوی صاحب......میں چلتا ہوں آپ مہمانوں کو دیکھئے اور رمیض سے بات کیجئے اسے احساس دلائیے کہ اس کی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی وجہ سے کسی کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے..........انجم علوی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

بہت شکریہ سردار صاحب..........آپ بالکل فکر نہ کریں میں رمیض سے بات کروں گا اور اس بات چیت کے بعد آپ سے فون پر بات کروں گا اور اگر ضرورت

محسوس ہوئی تو آپ کی اور رمیض کی بھی بات کرادوں گا..........یہ کہہ کر انجم علوی نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ گویا اپنی طرف سے الوداع کہہ دیا۔

سردار صاحب نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دبایا..........جو انجم علوی کے لئے ان کے نیک جذبات کی ترجمانی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ سری پائے ننا نے بطور خاص آپ کے لئے بنائے ہیں کہہ رہی تھیں.......... پرائے دیس میں کہاں ملتے ہوں گے سویرے سویرے سری پائے..........روبی خوشی سے چہکتے ہوئے وقار کو بتا رہی تھی..........خوشی اس کے روم روم سے روشنی کی صورت پھوٹ رہی تھی۔

لاحول ولا قوۃ..........صبح سویرے سری پائے..........!!! اتنی ہائی کیلوریز والا ناشتہ؟ ناشتے کے نام پر پورا ''ڈنر'' ناشتہ کرکے فارغ ہوں گے تو ہمیں چیئر سے اٹھائے گا کون اللہ کی پڑھی لکھی بندی..........وقار نے گویا سر پیٹ کر کہا تھا۔

یہ لیں..........بے حساب لوگ سری پائے، نہاری، روغنی نان، پراٹھے ناشتے میں کھاتے ہیں ننا نے کون سی انوکھی بات کر ڈالی؟ روبی حیران ہو کر پوچھ رہی تھی۔

بھائی یورپ میں لوگ اس لئے کھاتے ہیں کہ زندہ رہیں اور کام کریں.......... یہاں اکثریت کھانے کے لئے زندہ ہے..........یار تمہیں تو اپنے شوہر کے مزاج پسند ناپسند کا پتہ ہونا چاہئے..........خواہ مخواہ ننا کو رات سے مشکلات میں ڈالا ہوا ہوگا..........وقار نے آف موڈ میں کہا تو روبی پریشان سی ہو گئی..........پھر آہستگی سے بولی۔

اپنا موڈ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے..........آپ کو پسند نہیں تو نہ

کھائیں......نتا بے چاری نے تو ایک طرح سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

یہی تو کہہ رہا ہوں کہ ایک بوڑھی کمزور خاتون کو اپنی عیاشی کے لئے محنت مشقت پر لگانا کوئی انسانیت تو نہیں ہے۔

عیاشی..........!! روبی نے آنکھیں پھاڑیں۔

دوسروں کے قیمتی گھنٹے اپنے آرام و مزے کے لئے استعمال کرنا میرے نزدیک عیاشی ہے اگر میرے لئے کچھ کرتی ہو تو ٹھیک ہے.......... لیکن نتا کو بڑھاپے میں تھکانے کی ضرورت نہیں ناشتہ لگاؤ.......... آج تو میں نتا کی خاطر سری پائے کھالوں گا.......... مگر آئندہ خیال رکھنا خیریت تو ہے وقار..........؟ اس مرتبہ تو آپ بہت بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں.......... روبی نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

..........تھکا ہوا آیا ہوں. مسلسل چھتیس گھنٹے کا سفر تھا.......... اب اس تھکاوٹ میں تمہیں لطیفے کیسے سناؤں......؟ وقار جھلایا۔

تھکے ہوئے تو آپ ہمیشہ ہی آتے ہیں یہ کوئی نئی بات تو نہیں.......... مگر یہ انداز تو پہلے نہیں تھا.......... روبی واقعی الجھن میں پڑ گئی تھی۔

اب تم بیٹھی معمہ ہی حل کرتی رہو گی یا سری پائے کا ناشتہ بھی کراؤ گی؟ وقار نے اس مرتبہ ذرا اچھا موڈ بنا کر بات کی.......... تو جیسے روبی کی جان میں جان آئی.......... مگر اب اس نے کوئی بات نہیں کی.......... چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئی۔

کیا بات ہے روبی وقار ابھی سو کر نہیں اٹھے..........؟ نتا نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو کچھ سمجھ نہیں آئی بس یونہی پوچھ لیا۔

اُٹھے ہوئے ہیں.......... کہہ رہے ہیں تھکاوٹ بہت ہے.......... آرہے ہیں میں ناشتہ لگاتی ہوں.......... وہ بجھے بجھے انداز میں کہہ کر کچن میں گھس گئی۔

نتا نے اس کے انداز کا پھیکا پن بہت محسوس کیا تھا.......... پریشان سی ہو کر اس کے پیچھے پیچھے چلی آئیں اور اس کو سوچ میں ڈوبا پا کر اور پریشان ہو گئیں۔

شوہر مہینوں بعد گھر آئے تو بیوی صبح کو نئی نویلی دلہن کی طرح تر و تازہ دکھائی دیتی ہے۔ در و دیوار سے خوشیاں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں.......... تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔؟ نتا سے رہا نہ گیا تو پوچھ بیٹھیں۔

شاید کوئی آفیشل پرابلم ہو گی.......... بہت ٹینشن میں دکھائی دیتے ہیں.......... روبی نے اپنے حساب سے بات بنائی۔

اللہ رحم کرے.......... گھر سے بے گھر ہیں روزی کی خاطر مرد کو یہ بے سکونی کیا کم ہے۔ اس پر سے کام میں بھی ٹینشن.......... تم اس کا خیال رکھو.......... سوال جواب کر کے دق نہ کرو.......... تھکا ہوا گھر لوٹا ہے.......... گھر میں سکھ دو.......... خود ہی سکون میں آجائے گا۔ نتا کو روبی کے مزاج اندازہ تھا اس لئے اسے خصوصی تاکید کی۔

نہیں میرے دل میں کچھ کھٹک سی ہے نتا.......... وقار نے شادی کے بعد جتنی مرتبہ سفر کیا اور واپس آئے ان کا تھکاوٹ والا انداز میں نے کبھی نہیں دیکھا.......... روبی کو عجیب سی تشویش لاحق ہو چکی تھی۔

خدانخواستہ.......... خبر نہیں اس کی طبیعت اچھی نہ ہو.......... ٹھنڈے ملکوں سے ایک دم گرمی میں آ گیا اس سے بھی طبیعت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ نتا روبی کی ہر تشویش کے جواب میں کوئی مثبت پہلو ڈھونڈ لاتی تھیں تاکہ روبی کو تسلی ہو۔

ہو سکتا ہے.......... وہ یہ کہہ کر پلیٹیں ٹیبل پر لگانے لگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رمیض..........! انجم علوی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

رمیض دبے پاؤں زینہ چڑھ رہا تھا ٹھٹک کر رک گیا..........کاندھے پر باتھ گاؤن ہاتھ میں ریکٹ تھے۔

یہ رات کے ڈیڑھ بجے کہاں سے آ رہے ہو؟ اور چوروں کی طرح گھر میں داخل ہو رہے ہو؟ انجم علوی کی آواز میں اس مرتبہ خاصی سختی تھی۔

ایسے ہی پاپا..........کیا جوانی ہے آج کل کے نوجوانوں کے..........یہ کام اور محنت کی عمر ہوتی ہے اور بچے اس عمر میں بیس بیس گھنٹے لائف انجوائے کرتے ہیں..........غلطی ہم جیسے باپوں ہے..........ہوش سنبھالنے سے پہلے سب ہی کچھ دے دیتے ہیں اولاد کو..........ان کو کیا پڑی ہے کہ محنت کر کے خود تھکائیں..........محنت کرنے کے لئے باپ جو زندہ ہے..........وہ اب برسنے لگے تھے۔

..........آخر ہوا کیا ہے.....؟ کیوں اتنی رات کو اتنے ایموشنل ہو رہے ہیں؟ رمیض نے ڈرنے کے بجائے جھلا کر پوچھا۔

میرے کمرے میں آؤ اپنی یہ خرافات رکھ کر..........انجم علوی یہ کہہ کر پلٹ گئے۔

رمیض نے چند لمحے کچھ سوچا پھر بھاگ کر زینہ چڑھ گیا..........ایک اندیشہ اس کے دل پر منڈلانے لگا پرانی جل پریوں میں سے کوئی چڑیل بن کر تو نہیں آ گئی تھی آج۔ چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق سوچ فوراً اس کے ذہن میں آئی تھی..........گاؤن پھینک کر ریکٹ ٹیبل کی دراز میں رکھے پھر آئینے میں خود کو دیکھ کر کالر ٹھیک کیا بال ہاتھوں سے سنوارے اور سیٹی پر دھن بجاتا کمرے سے باہر نکل آیا..........انجم علوی کا بیڈ روم گراؤنڈ فلور پر تھا۔

ہاں بھئی..........مال دار باپ کا بیٹا ہونا بھی آسان نہیں..........چوبیس گھنٹوں کا احسان تین سو پینٹھ دن..........وہ باپ کی جھاڑ پر بہت تلخ ہو کر سوچ رہا تھا۔ بیڈ روم

کے دروازے پر رک کر اس نے ناک (Nock) کیا۔

ہوں آ جاؤ..........انجم علوی کا لہجہ ہنوز تھا۔

وہ دروازہ پش کر کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو مسز علوی چونک کر اٹھ بیٹھیں اور باری باری باپ بیٹے کی صورت تکنے لگیں۔

خیریت! انہوں نے انجم علوی کی طرف دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا۔

بیٹھو! انہوں نے بیوی کا سوال نظر انداز کر کے رمیض سے کہا۔

میں ٹھیک ہوں پاپا..........آپ بات کریں..........رمیض نے اکھڑ پن سے کہا۔

آج سردار صاحب تشریف لائے تھے..........تم نے غالباً ان کی بیٹی سے شادی وغیرہ کی کمٹ منٹ کی تھی اس لئے وہ باپ کاٹے کیا ہوا رشتہ قبول نہیں کر رہی..........ان کے گھر میں سخت ٹینشن ہے۔ تمہارے پاس اس سچویشن کا کیا حل ہے؟ انجم علوی نے مختصر بات کے بعد اس سے دریافت کیا۔

میں اب اتنا بے وقوف بھی نہیں ہو کہ راہ چلتی لڑکی سے شادی کی کمٹ منٹ کرنے لگوں..........وہ کیا سوچ کر یہاں تشریف لائے..........ان کو شرم آنا چاہئے..........رمیض پہلے تو سٹپٹایا پھر سنبھل کر بولا۔

ان کو شرم آنا چاہئے مگر تم کو بالکل شرم نہیں آنا چاہیے۔ انجم علوی دانت پیس کر بولے۔

آخر مسئلہ کیا ہے؟ مسز علوی بستر سے اتر کر دونوں کے درمیان کھڑی ہو کر پوچھنے لگیں۔ فکر و پریشانی نے ان کے چہرے کی تازگی ماند کر دی تھی۔

تمہاری کارکردگی سامنے آرہی ہے .... یہ ہے تمہاری Ability ایک اولاد ملی تمہیں وہ بھی تم سے سنبھالی نہ گئی .... دنیا کی عورتیں دس دس بچے پیدا کرتی ہیں اور ان کی تربیت کرتی ہیں انجم علوی بیوی پر برس پڑے۔

ارے تو پتہ تو چلے ہوا کیا ہے؟ کیا کیا ہے اس نے۔ مسز علوی بھی جواباً جھلائیں۔

کھڑا ہے ناں تمہارے سامنے پوچھ لو اس سے اس کے کارنامے .... انجم علوی دھاڑے۔

کیا بات ہے رمیض .... کیا کر بیٹھے ہو؟ مسز علوی رمیض سے پوچھنے لگیں۔

مجھے تو خود بھی نہیں پتہ ممی کہ پاپا کیوں ناراض ہو رہے ہیں......؟ رمیض ناراضگی سے بولا سردار صاحب کا ذکر کر رہے ہیں کہ میں نے ان کی بیٹی سے شادی کا وعدہ کیا تھا......... ممی میں اتنا بے وقوف تو نہیں ہوں کہ اپنا کیریئر چھوڑ کر شادی کے چکر میں پڑ جاؤں .... وہ بے وقوف لڑکی خوامخواہ گلے پڑ رہی ہے۔ رمیض پھر بولا۔

ٹھیک تو کہہ رہا ہے یہ۔ ساری دنیا کو پتہ ہے کہ یہ انجم علوی کی اکلوتی اولاد ہے۔ روپیہ پیسہ بھی بہت ہے .... خوبصورت ہے کوئی شرعی عیب نہیں .... خود ہی لوگ اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اب کیا یہ جنگل میں رہنے لگے .... آج کل کی لڑکیاں تو خود آپے میں نہیں ہیں پکے پھل کی طرح گری جاتی ہیں .... مسز علوی بڑبڑانے لگیں۔

پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ...... تم سب بچیوں کی انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں اپنے بیٹے کو بے عیب ثابت کرنے کے لئے دوسروں پر کیچڑ اچھالنا زیب نہیں دیتا۔

لو...... جب لوگ خوامخواہ میرے بچے پر الزام تراشی کریں گے تو جواب میں ہم

سے کچھ نہیں سنیں گے ہم بھی عزت دار لوگ ہیں۔ اپنی بیٹی کو کنٹرول کریں .... شرم آنی چاہئے اپنی بیٹی کی کارکردگی بتا رہے ہیں دوسروں کے گھر میں بیٹھ کر .... یہ باتیں تو وہ ہوتی ہیں جو عزت دار لوگ ہر قیمت پر چھپانے کی کوشش کرتے ہیں .... مسز علوی برہمی سے کہہ رہی تھیں۔

اوہ بھئی یہ کچھ کر کے آیا ہے تو اس گھر میں یہ قیامت برپا ہو رہی ہے۔ اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے تو وہ مصلحتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ نادان عورت .... انجم علوی چلائے بہت عزت کی بات تھی ہمارے لئے .... گھر میں بچی کے رشتے کے لئے معزز لوگ آئے بیٹھے ہیں اور دوسری طرف ایک شخص چلا چلا کر ہمارے بیٹے کے کارنامے بیان کر رہا ہے۔ انجم علوی پھر چلائے۔

اوہو......... وہ چلانے والا غلط ہے میرے بچے پر کیوں چلا رہے ہیں؟ مسز علوی آگ بگولہ ہو گئیں۔

او بھئی .... کوئی بھی بیٹی والا اس طرح پرائے گھر میں بیٹھ کر شور نہیں کرتا .... پوچھو اس سے اس نے ضرور کچھ کیا ہے .... انجم علوی نے غضبناک ہو کر کہا۔

مسز علوی حق دق سینے پر ہاتھ رکھ کر رمیض کی طرف دیکھتی ہیں ...... آنکھوں میں سوال ہے تشویش ہے خوف و ہراس ہے۔

رمیض ماں کا چہرہ دیکھتا ہے پھر نظر چرا کر کہتا ہے ...... بائی گاڈ ممی .... میں نے کچھ نہیں کیا۔ مسز علوی انجم علوی کی طرف پلٹتے ہوئے۔

کوئی بی جمالو آئیں بھس میں چنگاری ڈالی اور چلی گئیں اب یہ کھڑے ہم ... بیٹے کا دماغ خراب کر رہے ہیں .... یہ کوئی بات ہوئی بھلا .... رمیض ......

تم میرے ساتھ چلنا صبح سردار صاحب کے ہاں.......... جتنا شور وہ یہاں مچا کر گئے ہیں.......... میں ان کے گھر میں بیٹھ کر ان کا دماغ ٹھکانے لاتی ہوں.......... ارے ہم کوئی ایسے ویسے لوگ ہیں جس کے جو منہ میں آئے ہمیں سنا کر چلا جائے۔

مجھے تمہاری اس بات سے اتفاق ہے.......... تم ضرور جانا .... اکیلی نہیں.......... بیٹے کے ساتھ اگر یہ واقعی چلا جائے۔

اب تم جاسکتے ہو.......... اتنا کہہ کر انجم علوی نے لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلا دیا رمیض چپ چاپ باہر چلا گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سہیل ...... آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں؟ سمن نے ڈرتے ڈرتے پوچھا......

کچھ نہیں...... وہ بس یونہی سر میں درد سا ہے.......... سہیل نے پیشانی دباتے ہوئے کہا...... دبادوں؟ سمن نزدیک ہوئی۔

ہوں.......... سہیل نے ہنکارا بھر کے آمادگی کا اشارہ دیا۔

سمن اس کا سر دبانے لگی۔

کیا شام کو بابا سے آپ کی کوئی بات ہوئی ہے.......... اس نے آہستگی سے پوچھا۔ بلایا تو تھا میں نہیں گیا.......... سہیل نے آہستگی سے جواب دیا۔

پھر تو وہ بہت سخت ناراض ہوں گے۔ سمن ڈر گئی۔

میں صرف اصولی ناراضگی کی پرواہ کرتا ہوں.......... سہیل نے ناگواری سے جواب دیا۔ ان کے پاس اتھارٹی ہے سہیل.......... وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں.......... آپ کو شاید اتنا مسئلہ نہ ہو مگر مجھ پر یہ زمین مزید تنگ پڑ جائے گی۔ سمن نے آزردگی سے کہا۔

میں ہوں نا تمہارے ساتھ.......... سہیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

لیکن میں جاہل عورتوں کی طرح اپنی تکلیفوں کی پل پل کی رپورٹ آپ کو نہیں دے سکتی ایسے صرف جلتی پر تیل پڑتا ہے۔ حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

تم مجھے بتاؤ نہ بتاؤ تمہارا چہرہ تو کتاب ہے جو میں آسانی سے پڑھ لیتا ہوں۔

اس طرح سے کیسے کٹے گی سہیل......؟ وہ غمگین لہجے میں پوچھنے لگی۔

لوگوں کی اس سے بھی بری بری کٹ جاتی ہے.......... ہو سکتا آگے کچھ اچھا ہونے والا ہو۔ آنے والے وقت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا سمن...... ہمت سے ان حالات کا مقابلہ کرو.......... رونے سے وقت تو نہیں بدل جاتا.......... سہیل نے اس مرتبہ اسے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

میں بہت کمزور ہوں سہیل.......... یہاں بہت طاقتور لوگ ہیں حکمرانی و پیسے کی طاقت کے بل پر جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں.......... سمن نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

تو پھر تم بتاؤ ان حالات کو آسان بنانے کے لئے اگر تمہارے پاس کوئی حل ہے؟ سہیل نے ٹھنڈے لہجے میں اس سے رائے مانگی۔

حل ہے تو سہی مگر آپ کے تعاون کے بغیر کچھ ہوگا نہیں.......... سمن نے اس مرتبہ جوش سے کہا۔

اگر میری اور تمہاری بہتری کے لئے حل ہوا تو میں کیوں تعاون نہیں کروں گا..........؟ سہیل نے تعجب سے کہا اور بتاؤ.......... کیا حل ہے..........؟

سمن کچھ دیر خاموش رہی...... جیسے تانا بانا بن رہی ہو پھر توقف کے بعد گویا ہوئی۔

سہیل ہم کوئی بچہ اڈاپٹ نہ کر لیں؟

سہیل نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہا ہو۔

سمن بابا جان کو جائداد زمینوں کا وارث چاہئے اپنا خون.......... وہ دوسرے کے

خون کو اپنا یہ سب کچھ نہیں دیں گے.........ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔

تو ہم انہیں بتائیں کیوں؟ سمن نے جلدی سے کہا۔

لو.........حد ہو گئی جیتا جاگتا بچہ سامنے آئے گا تو بتانے کی ضرورت ہو گی؟ سہیل نے چڑ کر کہا۔ اور سیدھی سی بات ہے کسی اور خون کو اپنانے کا حوصلہ مجھ میں بھی نہیں۔ اور یہ بڑی بے اصولی کی بات ہے کہ ہمارے خون کے رشتے موجود ہیں جن کا جائداد و زمینوں پر پورا حق ہے۔ جائز حق ہم ان سے یہ حق چھین کر کسی لے پالک کو دے دیں.........سہیل نے قطعی انداز میں بات کی۔ تو پھر تو یہ دوزخ ہی میرا مقدر ہے۔ سمن نے مایوسی سے کہا۔

تمہارا ہی نہیں میرا بھی.........دونوں ساتھ ساتھ ہی یہ آگ کا دریا پار کریں گے سہیل نے کہا۔

اگر دونوں تک بات رہے تب تو ٹھیک ہے.........یہاں تو تین کا سلسلہ کبھی بھی شروع ہو سکتا ہے۔ سمن نے اداسی سے کہا۔

تیسرا کوئی پکا پھل ہی ہو گا جو بابا سائیں توڑ کر میری جھولی میں ڈال دیں گے۔ سہیل نے چڑ کر جواب دیا۔

ہر وقت کے وہم اور وسوسے مجھے اندر سے کھوکھلا کر رہے ہیں.........سمن کی آواز رندھ گئی اتنا مایوس ہونے کی بھی ضرورت نہیں سمن.........حوصلہ پکڑو.........سہیل نے اس کا ہاتھ دبا کر تسلی دی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ہائے ہائے روبی یہ کیا بنا لیا.........پاؤ بھر ملائی گوبھی پر ڈال دی.........نانا نے اپنا سر پیٹ لیا نانا یہ بہت اچھی ڈش بنتی ہے.........بغیر مرچ کی بہت ٹیسٹ ہوتا ہے روبی نے پرجوش انداز میں وضاحت کی۔

لو بتاؤ.........پیالہ بھر بالائی گوبھی کے چار پھولوں پر اونڈھاؤ گی تو ٹیسٹ کیوں نہیں آئے گا جیسے پھول نہ کھانا ہو گا وہ پھول ہٹا کر بالائی سے روٹی تو کھائے گا.........نا بری طرح سلگیں نا آپ تو روایتی کھانوں کی عادی ہیں آپ کو یہ ڈشز کبھی سمجھ نہیں آئیں گی.........وقار اخبار رول کرتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوا اور گرہ لگائی۔

اے بیٹا.........تو تم بھی تو روائتی کھانے کھا کر ہی پلے بڑھے ہو.........دیس بدیس گھومتے تو چار دن ہی ہوئے ہیں.........نانا نے وقار کو بہت محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میری امی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے نانا.........ان کے بارے میں تو یہ مشہور ہے کہ وہ جس ہانڈی میں چمچ چلا دیں اس میں ذائقہ آ جاتا ہے.........وقار نے صوفے پر آرام سے بیٹھ کر ماں کی تعریف کی۔

اے ہاں.........ہمارے مقدر میں نہیں تھا کہ تمہارے خاندان سے میل ملاقات رہے۔ تمہاری ماں نے ابھی تک دل بڑا نہیں کیا.........نانا نے صاف گوئی سے کہا۔

نانا ہم جو کچھ کرتے ہیں جواب میں ان کا ردعمل ہی تو پیش آتا ہے.........وقار نے بردباری سے کہا۔

بیٹا جو اپنے بیٹے کی عزت ہو اس کو تو عزت دینا چاہئے ناں.........نانا نے ذرا اداسی سے جواب دیا چھوڑیں نانا سب کی اپنی اپنی زندگی اپنی اپنی مرضی ہوتی ہے.........ہم تو کہتے ہیں جیو اور جینے دو پھر بھی بیٹا.........ماں باپ ساتھ ہوں تو اچھا لگتا ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم آہستہ آہستہ ان کو راضی کر لو گے بیاہی بیٹی سسرال سے بھاری ہوتی ہے.........آگے آل اولاد بھی ہوتی ہے۔

کوشش تو کر رہا ہوں نا.......... اتنا وقت ہی نہیں مل پاتا.......... وقار نے سنجیدگی سے کہا اور اخبار پھیلا کر بیٹھ گیا۔

اے روبی.......... ماہ رخ کی پھوپھی آئی ہوئی ہیں اور وقار بھی آئے ہوئے ہیں...... انہیں کھانے پر بلاؤ کسی وقت.......... نتا کو کچن جاتے جاتے ایک دم دھیان آیا۔

میں دیکھتی ہوں نتا.......... وقار کا موڈ تو سیٹ ہو جائے پہلے.......... روبی نے قدرے تلخی سے کہا۔ کون پھوپھی؟ وقار نے چونک کر نتا سے پوچھا۔

ارے وہ پڑوسن ہے ناں ماہ رخ.......... اس کی پھوپھی آئی ہے اسپین سے.......... اللہ کی شان عورتیں تن تنہا اسپین میں نوکریاں کر رہی ہیں.......... حلیہ بالکل انگریزوں جیسا نام مومنہ.......... نتا اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھیں۔

اور وقار حیران پریشان نتا کی صورت دیکھ رہے تھے۔

مومنہ.......... کیا عمر ہے ان کی؟ وہ سوال کرتے ہوئے کسی سوچ میں تھے۔

ارے جوان جہان ہیں.......... آج شادی کر دو بال بچوں والی ہو جائیں گی.......... جنے آج کل کی پڑھی لکھی لڑکیوں کو کیا ہو گیا ہے.......... شادی نہ کرنے کا بھی فیشن ہو گیا ہے۔ ارے سوچنے کی بات ہے عورت کما دھما کر اگر جمع کر رہی ہے تو کس کے لئے...... ؟ مر مرا جائیں خدانخواستہ تو قومی خزانے میں ہی جمع ہو گیا سمجھو.......... نتا بڑبڑائیں۔

وقار اپنی جگہ گم صم سے بیٹھے سب کچھ سن رہے تھے۔

یہ لوگ کس فلور پر ہیں نتا...... ؟ وہ گومگو کی کیفیت میں پوچھ رہے تھے۔

نیچے والے فلور پر ہیں.......... تم ملک سے باہر تھے تب یہ لڑکی آئی تھی ادھر روبی

سے اچھی دوستی ہوئی ہے.......... نتا بولیں۔

روبی سے.......... ؟ وقار نے پھر کسی دھیان سے چونک کر روبی کی صورت دیکھی۔

اچھی ہیں سیدھی سادھی.......... اداس اداس سی.......... مگر لوگ (Loving) نیچر کے ہیں۔ اکیلی رہتی ہیں.......... پرفیکٹ ہیں مگر پتہ نہیں زیادہ آنا جانا نہیں ہے۔ میں نے بھی کبھی کریدنے کی کوشش نہیں کی.......... خوامخواہ کیا کسی کو ہرٹ کرنا.......... اگر کسی کو کوئی مسئلہ ہو بھی تو اسے خود ہی فیس کرنا ہوتا ہے.......... ایک تو کوئی ویسے بھی پریشان ہو اور ہم لوگ بھی اسے پریشان کریں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کوئی خود سے بتا دے وہ الگ بات۔

وقار ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے.......... روبی مجھے بہت ضروری کام سے جانا تھا.......... خاصا لیٹ ہو گیا ہوں.......... مغرب تک ہی واپسی ہو گی.......... وقار نے اخبار ٹیبل پر ڈال دیا اور اپنے بیڈروم کی طرف چلے گئے۔

اے لو...... یہ بیٹھے بٹھائے کون سا کام یاد آ گیا.......... ؟ نتا نے روبی کی طرف دیکھا۔

جب چار دن کے لئے آتے ہیں تو دسیوں کام بھی ساتھ لاتے ہیں.......... روبی نے جھلا کر کہا اور کچن میں گھس گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسز علوی بہت زور شور سے سردار صاحب کے گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

مدحت چونکہ اوپر سے ان کی گاڑی دیکھ چکی تھی اس لئے اس نے جلدی سے ماں کو مطلع کر دیا تھا اور خود اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

مسز علوی نمو کو ساتھ لائی تھیں.......... سردار صاحب کی بیگم ایک سو پانچ کلوگرام

کے وزن پر نہایت قیمتی کپڑے پھنسائے بڑی خوش مزاجی سے ان کا سواگت کر رہی تھیں۔

آؤ بہن جی.......... بہت ذکر سنا ہے آپ کا مدحت سے.......... تشریف رکھیے.......... پھر چہرہ موڑ کر ملازم کو آواز دی.......... شفیق ٹھنڈا لاؤ۔

مسز علوی نے بڑے آف موڈ میں ان کو منع کر دیا۔

دیکھیں جی آپ ٹھنڈے گرم کے چکر میں نہ پڑیں۔ سردار صاحب کو بلائیں۔

بیگم سردار نے اپنا پھسلتا دوپٹہ درست کیا اور بولیں۔

دیکھیں بیگم صاحبہ.......... نیک شگون کے طور پر آپ جب آ ہی گئی ہیں تو موڈ اچھا کریں۔ اللہ خیر کرے گا.......... یہ آپ کی بچی ہے؟ انہوں نے نمو کی طرف دیکھ کر بڑے لاڈ بھرے لہجے میں پوچھا۔

ارے بھئی.......... نیک شگون..........؟ ویک شگون یہ کیا کہانی بنا رہی ہیں آپ...... آپ کی بیٹی نے ہمارا چین حرام کر دیا ہم اس کے شگن کریں گے.......... ذرا کچھ ہوش کی باتیں کریں.......... مسز علوی تو جیسے الٹ پڑیں۔

آرام سے بہن.......... آرام سے.......... زیادہ غصہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ ہائی بی پی سے بڑے مسئلے ہو جاتے ہیں بیگم سردار نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا۔

سردار صاحب کو بلائیے میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے مسز علوی نے پھر سے پھوڑے......

جی جی.......... وہ آتے ہیں.......... آپ آرام سے بیٹھیں چار باتیں اور سنانا ہوں تو سنا لیجیے۔ ہم تو بیٹی والے ہیں.......... بیگم سردار نے بڑے تحمل سے کہا۔

بیٹی والے..........؟ کیا مطلب .... میں کیا یہاں رشتے ناتے کرنے آئی

ہوں.......... میں سردار صاحب سے یہ کہنے آئی ہوں.......... وہ سردار ضرور ہوں گے مگر بیٹی کے باپ ہیں۔ انہیں دوسرے گھر میں شور مچاتے ہوئے یہ سوچ لینا چاہئے کہ وہ اپنی بیٹی کی کہانی سنا کر زیادہ نقصان کس کو پہنچا رہے ہیں.......... ایسے ہوتے ہیں عزت دار لوگ......؟ عزت والے کو ہمیشہ دوسرے کی عزت کا بھی خیال رہتا ہے۔ مسز علوی نے رک کر پرس سے رومال نکالا اور پسینہ پونچھنے لگیں۔

آپ کی بات سولہ آنے درست بہن.......... بس سردار صاحب کی عادت ہے جلدی گرمی کھا جاتے ہیں آپ برا نہ منائیں حوصلہ رکھیں.......... دیکھیں آپ نے بھی اپنے بچے کی شادی کہیں نہیں کرنا ہے اور ہم نے بھی کہیں نہ کہیں بیٹی بیاہنی ہے.......... ٹھنڈے دماغ سے سوچیں اور یہ مسئلہ حل کریں۔

مسز علوی تو بھڑک گئیں اور بمشکل ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالیں.......... غضبناک نظروں سے بیگم سردار کو گھورتے ہوئے بولیں۔ ہماری طرف سے کہیں بھی آپ اپنی بیٹی کا رشتہ کریں.......... میں آپ سے کوئی اس کا رشتہ مانگنے آئی ہوں.......... سو دفعہ لڑکوں کو بدنام کرتی ہیں.......... توبہ.......... توبہ۔

آپ ماں ہیں آپ کو اپنے بچے کی غلطی نظر نہیں آئے گی.......... بیگم سردار اس مرتبہ ذرا الجھی ہوئی تھیں تو پھر یہ جملہ آپ خود پر بھی فٹ کر لیجیے.......... مسز علوی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

میرے بیٹے نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ کسی قیمت پر بھی مدحت سے شادی نہیں کرے گا۔ سردار صاحب کو بلائیں ان کے سامنے بات کرنا چاہتی ہوں ورنہ وہ پھر میرے گھر میں پہنچ کر چلا چلا کر اپنی بیٹی کے کارنامے بیان کریں گے.......... مسز علوی

نے انگارے چباتے ہوئے کہا میری بیٹی کے کارنامے نہیں آپ کے بیٹے کے کارنامے ....اس مرتبہ بیگم سردار بھی ذرا غصے سے بولیں۔

نہ دن دیکھنا نہ رات جب دیکھو چلا آرہا ہے..........دو دو گھنٹے فون پر بات چیت چل رہی ہے.......... بے وقوف بنا رہا تھا میری بچی کو..........؟ وہ پھر ناگواری سے گویا ہوئیں۔ سبحان اللہ..........ایک لڑکا آپ کے سامنے آپ کی بیٹی کو بے وقوف بنا رہا ہے اور آپ دیکھ رہی ہیں دو جوتے لگا کر گھر سے کیوں نہیں نکال دیا۔ مسز علوی استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئیں ایسی مسکراہٹ جو جان جلا کر خاک کر دے۔

ارے میں تو اسے اچھے گھر کا لڑکا سمجھ رہی تھیں.......... آج کل دوسرا وقت چل رہا ہے۔ پسند کی شادیاں ہو رہی ہیں اسے کوئی عیب کی بات بھی نہیں سمجھا جاتا..........

ہمارے خاندان میں بھی تعلیم حاصل کرنے بہت زور ہے ملک سے باہر بھی جا رہے ہیں پڑھنے کے لئے۔ ہم تو یہی سمجھے تھے ناں کہ جب لڑکا لڑکی کے پیچھے رات دن پڑا ہوا ہے تو اس سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہے۔ ہماری بچی بھی اور طرح کی ہوتی تو پرواہ نہ کرتی مگر وہ تو دل کو لگا بیٹھی ہے.......... سوکھ کے کانٹا ہو رہی ہے.......... کھانا پینا زبردستی کا ہے۔ ظاہر ہے ماں باپ کو تو دکھ ہوتا ہے ناں.......... بیگم سردار بولتے بولتے سانس لینے کو رکیں۔

مسز علوی بغور ان کی بات سن رہی تھیں۔ نمو تو ایسے بیٹھی تھی جیسے اس تمام قصے کی ذمہ دار اور مجرم وہی ہو۔

اوروں کی بچیوں کے ساتھ ایسا ہو جاتا ہوگا.......... مگر لوگ اپنی عزت کی خاطر چپ کر جاتے ہیں اور اندر ہی اندر تکلیف اٹھاتے ہیں ایسے لوگوں کی وجہ سے رمیض جیسے بچوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔.......... معاف کرنا۔

وہ میری بچی کو کھلونا سمجھ کر کھیل رہا تھا..........؟ بیگم سردار اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

آپ بولیں...... میں نے آپ کی بات پوری سنی تاکہ آپ کو گلہ نہ ہو کہ آپ کی بات نہیں سنی پھر اپنی سنائی.......... لیکن اب آپ میری بات بھی غور سے سنیں۔ دیکھیں مردذات تو آزاد پنچھی ہوتا ہے یہ تو ایک فرض کی ہوئی بات تھی کہ شاید ان دونوں کی شادی ہو گی.......... یوں بھی ہوتا ہے شادی شدہ مرد پہلی بیوی سے چھپ کر دوسری شادی کر لیتا ہے......شادی ایک پکا کام ایک ذمہ داری آپ اپنی بچی کو سمجھائیں کہ ہمیں پریشرائز کرنے کے لئے اپنے والدین کو ہمارے سر پر سوار نہ کرو لڑکا راضی نہیں تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

مردذات ہے ہم اگر زبردستی اس سے اپنی پسند کا کام لیں تو وہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے خطرناک کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گولی مار دے گا مطلب یہ کہ وہ مدحت کو نکاح کے بعد ایک گھنٹے نہ بسائے واپس بھیج دے.......... یہ زیادہ نقصان والی بات نہیں ہے.......... ابھی تو کسی کا بھی کچھ نہیں بگڑا.......... جو جہاں ہے ٹھیک ہے.......... مسز علوی نے عقل کی بات سردار صاحب کی بیگم کے دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی۔

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بیگم صاحبہ.......... مگر میری اکلوتی بیٹی مر جائے گی..........

آپ ذرا اس کی حالت دیکھیں.......... بیگم سردار کی آواز رندھنے لگی۔

ایک لمحے کو تو مسز علوی کا دل بھی پانی ہو گیا.......... بہرحال انہوں نے دکھ محسوس کیا۔ میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں ضرور کچھ کرتی.......... لیکن شادی کے معاملے میں میں اس پر دباؤ نہیں ڈال سکتی.......... دباؤ والی شادیوں کے نتیجے بھی اچھے نہیں نکلتے۔

آپ یقین کریں اس کی تو بہت سی لڑکیوں سے دوستی ہے.......... گھر بھی آتی ہیں کھانا بھی کھاتی ہیں ساتھ چائے بھی پیتی ہیں.......... رمیض بھی ان کے گھر جاتا ہے۔

تو اس کا مطلب ہے وہ بہت گھر خراب کرے گا..........؟ بیگم سردار نے بے ساختہ بات کاٹی گھر خراب کرنے کی کیا بات؟ جب ساتھ پڑھتے ہیں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ بات چیت کرتے ہیں تو یہ دوستیاں برابری کی بنیاد پر ہوجاتی ہیں.......... لڑکا لڑکی کے مل بیٹھنے کا مطلب شادی تو نہیں ہوتا.......... مسز علوی کا لہجہ ازسرنو تلخ ہوگیا۔

اتنی بات ہم بھی سمجھتے ہیں بیگم صاحبہ.......... مگر اس نے مدحت سے شادی کی واضح بات چیت کی ہے اس نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس کا کوئٹہ میں بنگلہ ہے شادی کے بعد وہ مدحت کے ساتھ وہیں رہے گا.......... اب آپ بتایئے ہمیں تو نہیں پتہ تھا ناں کہ آپ کا بنگلہ کوئٹہ میں بھی ہے۔ بیگم سردار بولیں تو مسز علوی سوچ میں پڑ گئیں.......... پھر توقف کے بعد بولیں۔

میں اس سے باز پرس کرتی ہوں.......... لیکن آپ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں اسے زبردستی شادی پر رضامند کرلوں گی.......... پھر نمو کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ چلو نمو.......... نمو مٹی کے مادھو کی طرح بیٹھی فلاسفروں کی سی سنجیدگی کے ساتھ دونوں کے خیالات سے مستفید ہو رہی تھی ایک دم کھڑی ہوگئی۔

آپ کو بھی اللہ نے بیٹی دی ہے۔

بھانجی ہے یہ میری.......... مسز علوی نے تیزی سے بات کاٹی...... اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اس طرح نہیں آپ کھانا وانا تو کھا کر جائیں جو مسئلہ ہے وہ اپنی جگہ مگر اس وقت تو ہماری مہمان ہیں.......... بیگم سردار نے تکلفاً کہا۔

اوہ.......... تھینکس.......... بس آپ بچی کو سمجھائیں کہ زندگی اللہ کی امانت ہے؟

اسے کھیل نہ بنائے چلو نمو.......... انہوں نے نمو کو ہنکایا.......... خدا حافظ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دیکھو رمیض.......... اگر واقعی تم مدحت سے شادی کرنا چاہتے ہو تو مجھے اور تمہارے پاپا کو کوئی اعتراض نہیں ہے.......... ضرور تم نے کوئی ایسی بات کی ہے جو وہ لوگ اتنے کونفیڈنس سے ہمارے سر پر نازل ہو رہے ہیں.......... خوبصورت ہے، ویل ایجوکیٹڈ ہے...... ویل آف ہے۔ بری تو نہیں ہے۔ فی الحال انگیج منٹ کر دیتے ہیں شادی دو تین سال بعد کرلیں گے..........

نو.......... ممی.......... وہاٹ آر یو سے انگ؟ (What are you saying?) مجھے شادی کرنا ہوتی تو میں سیدھے سیدھے آپ سے بات کرتا.......... یہ لونگ پلے (Long Play) چلاتا۔ جو ہوگئی.......... خوامخواہ بلیک میل کر رہی ہے وہ.......... رمیض تو گویا اپنی جگہ سے دو فٹ اونچا اچھل پڑا تھا.......... مائی گاڈ.......... منگنی.......... شادی..........!!

کوئٹہ والے بنگلے کا تذکرہ کیا تھا مدحت سے؟ مسز علوی نے مشتبہ نظروں سے رمیض کا چہرہ دیکھا.......... تو کر دیا ہوگا یونہی.......... وہ اپنی امارت کا رعب جھاڑ رہی ہوگی تو میں نے بھی اپنی پراپرٹی کی تفصیلات بتا دی ہوں گی.......... یہ کوئی خاص بات تو نہیں۔

مسزلوی نے سوچتی ہوئی نظریں ایک مرتبہ پھر رمیض کے چہرے پر جما دیں۔

اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں ممی..........؟ میں سچ کہہ رہا ہوں.......... میری اس سے شادی وغیرہ کی کمٹ منٹ نہیں ہوئی.......... خوامخواہ پھنسا رہی ہے مجھے۔

میں تمہیں آج کا دن دے رہی ہوں خوب سوچ لو.......... لڑکی بری نہیں مسز علوی

یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور نمو کو آواز دینے لگیں...........نمو.........نمو.......نمو جو اس پاس ہی تھی بھاگی دوڑی آئی۔

جی ممانی جان...........؟ دونوں ماں بیٹے کو بڑی پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی۔

او۔ بھائی میری شکل کیا دیکھ رہی ہو؟ ممی نے بلایا ہے...........ایسی پریشان حال صورت بنائے رکھتی ہے جیسے اس کے سر پر بم پھٹا ہو...........رمیض نے اسے بے لفظ سنا ڈالیں۔

اور...........کس حساب میں تم اس پر چڑھ دوڑے...........؟ اپنا غصہ اس پر اتارنے کی ضرورت نہیں۔

ہاں نمو بیٹا دیکھو خانساماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور تمہارے ماموں کے ساتھ دو چار بندے ڈنر پر آ رہے ہیں اس کے ساتھ ذرا لگ جاؤ تا کہ کھانا وقت پر تیار ہو جائے۔

وہ نمو سے بڑی محبت سے گویا ہوئیں یہ بھی ان کی مہربانی تھی کہ وہ کام محبت سے لیتی تھیں ورنہ انحصار کرنے والوں کے جذبات کا خیال کون رکھتا ہے۔

ٹھیک ہے ممانی جان آپ نے خانساماں کو مینو تو بتا دیا ہے ناں...........وہ جاتے جاتے پلٹی ہاں وہ میں اس کو بتا چکی ہوں...........میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے پہلے تم مجھے ایک کپ چائے دے دو۔

نمو سر جھکا کر چلی جاتی ہے۔اس کے نکلتے ہی رمیض ماں سے کہتا ہے۔

ممی ایک بات میری غور سے سن لیں...........آپ جو مجھے مدحت کے بارے میں سوچنے کے لئے ایک دن دے رہی ہیں ناں...........یہ فضول ہے...........ایک دن تو کیا میں ایک منٹ غور کرنا نہیں چاہتا اس کو کہیں سیدھے سیدھے شادی کر لے بہت بچت ہو رہی ہے۔

ہاں تو پھر تم اسے سمجھاؤ یہ عذاب تم نے ڈالا ہے ہمارے سر پہ...........مسز علوی برہم ہوئیں۔

ممی میں تو اس کی تقریباً انسلٹ کر چکا ہوں بہت ہی ڈھیٹ لڑکی ہے...........مجھے تو یہ خاندان ہی بلیک میلر لگتا ہے...........مجھے کیا پتہ تھا بھتنی بن کے چمٹ جائے گی میں تو کبھی ہیلو ہائے بھی نہ کرتا رمیض ماں کو ہم خیال بنانے کے لئے بڑے بھولپن سے کہہ رہا تھا اور کمال کی اداکاری تھی...........ماں کا دل تو فوراً پسیج گیا...........بولیں۔

ٹھیک کہہ رہے تم...........ایسے ہی لوگوں کو اپنی عزت کی پرواہ نہیں ہوتی وہ صرف اپنا ٹارگٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں...........بھلے سے دس جوتے لگا دو...........ہم نے تو پہلی مرتبہ دیکھے ہیں ایسے بیٹی والے...........مسز علوی نے انگلیاں ملا کر پیشانی کو چھوا جیسے عاجز آ کر بولا جاتا ہے۔رمیض نے کامیابی کے احساس کے ساتھ گہری سانس لی۔

بلا کا اطمینان تھا پھر ماں کو پکا کرنے کی غرض سے بولا۔

ممی پپا کو بھی سمجھا دیجئے گا...........مجھ پر شاؤٹ کرنے کی ضرورت نہیں...........

ارے وہ سردار صاحب ہی انہیں چڑھا کر گئے تھے...........میں نمٹ لوں گی ان سے...........اللہ بچائے ایسے لوگوں سے بتاؤ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے میرے بچے کے...........اس کے کیریئر کا معاملہ ہے ڈسٹرب ہو گیا تو اس کی اسٹڈی کتنی متاثر ہو گی۔

وہ اٹھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ماہ رخ کچن میں کھڑی جلدی جلدی چپاتیاں ڈال رہی تھی کہ مومنہ چہرے کا مساج کرتی وہیں چلی آئی...........ماہ رخ نے اس کی طرف دیکھا...........اور مسکرا کر بولی۔

آپ اپنی کتنی کیئر کرتی ہیں تب ہی تو نتا کہہ رہی تھیں کہ پھوپھی بھتیجی ہم عمر دکھائی

دیتی ہیں.........ہاں تو کرنا چاہئے.........صرف اس ایک ''موٹے'' کے لئے ہم محنت کریں جس کے بال اڑنا شروع ہو گئے ہوں.........ہائی کیلوریز ڈائٹ لے لے کر جس کی توند نکل آئی ہو.........ذرا کاغذ ہاتھ میں آیا اور وہ لگا جیب میں عینک ٹٹولنے.........اس کے لئے ہم سلمنگ کورس کریں۔ خود کو فریش رکھیں اس خوف سے کہ وہ ہمیں نظر انداز کر کے دوسری کا تعاقب نہ شروع کر دے؟

چولہے بھاڑ میں جائیں ایسے موٹے.........ہم آئینہ دیکھتے ہیں ہم خود کو اچھا لگنا چاہتے ہیں خوف وغم تو ہم نے پالے ہی نہیں.........ایسا ''دبلا'' ہی نہیں پالا جو آج موٹا ہو جاتا اور ہمیں چوبیس گھنٹے ٹینس رکھتا.........مومنہ کا انداز اتنا برجستہ اور بے ساختہ تھا کہ ماہ رخ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

پھپھو.........آپ کی سائیکولوجی سمجھ نہیں آئی......؟ اتنی خوبصورت ہیں فٹ ہیں۔ آپ کا کبھی دل نہیں چاہا کہ کوئی آپ کو ٹوٹ کر چاہتا آپ اس سے بے پناہ محبت کرتیں.........ایک خوبصورت سے گھر میں آپ دونوں خوش رہتے۔

ہم سے بڑی بڑی حسیناؤں نے یہ پریکٹیکل کیے ہیں.........برجی بارودت جنگل میں درندوں کے ساتھ ٹائم پاس کر رہی ہے.........سلمیٰ آغا کا ہر پریکٹیکل فلاپ.........کہتی ہے ہیٹ زیادہ ہو گئی تھی اس لئے کیلوکولیشن ٹھیک نہیں آئی.........''ہم'' کیا کر سکتے تھے۔

مدھو بالا کو جوانی میں ہارٹ ٹربل ہو گئی.........پیاری سی مدھو بالا، عالم بالا کی ہو گئی.........مینا کماری کمال امروہوی کی پراپرٹی بڑھاتے بڑھاتے خود گھٹتی گئی.........اف بے چاریاں خوابوں والیاں.........

اور پھر دور کیوں جاؤ خود کو دیکھ لو.........تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ ردی کی

ٹوکری میں ڈال دیا کسی نے ہاتھ منہ پونچھ کر.........کتنا سمجھایا تھا تمہیں.........؟ برا تو لگے گا تمہیں دکھ بھی ہو گا مگر ہمیں بھی دکھ ہوتا ہے تمہیں یہ زندگی گزارتا دیکھ کر۔

بس پھوپھو مقدر کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے ورنہ خوشی کسے عزیز نہیں ہوتی کون اپنی خوشیوں کو دائمی وامر بنانا نہیں چاہتا۔

بھئی مجھے تو وہ پہلی نظر میں ہی قابل اعتماد دکھائی نہیں دیا تھا۔ مگر تم پر تو جانے اس نے کیا طلسم پڑھ کر پھونکا تھا کہ تمہاری سمجھ میں کسی کی بات نہیں آ رہی تھی۔ مومنہ نے صاف گوئی سے کہا۔

تو بھگت تو رہی ہوں.........اب لعن طعن کا کیا فائدہ؟ جب انسان خود سزا کے عمل سے گزر رہا ہو ماہ رخ نے کچھ بھرے لہجے میں کہا تو مومنہ نے اسے بے ساختہ گلے سے لگا لیا۔

پگلی.........یہ لعن طعن نہیں ہے تیرے دکھ پر دکھ کا اظہار ہے.........ہمیں اللہ نے بہت سی فکروں سے دور رکھا ہوا ہے.........ہم اپنی پسند سے جی رہے ہیں لیکن جب تیری طرف دیکھتے ہیں تو بس جیسے ناچتے ناچتے مور کی اپنے پیروں پر خوشی خوشی نظر پڑ جاتی ہے۔

ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بعض اوقات انسان اپنی خوشی کی خاطر کتنا خود غرض ہو جاتا ہے ایک خوشی کتنے لوگوں کا روگ بن جاتی ہے.........اسی لئے میں نے اپنی دنیا الگ تھلگ کر لی ہے کہ ساتھ دینے والو کے ذہن پر بوجھ نہ بن جاؤں.........ماہ رخ کے لہجے میں گھرے دکھ کی کاٹ تھی۔

یہ تو تم نے خود کو دھوکہ دیا ہے.........خون کے رشتے پاس ہوں یا دور اپنی خوشی اور اپنے دکھ کے اثرات سورج کی شعاعوں کی طرح پہنچتے رہتے ہیں.........مجھے تو اب

بتاؤ کہ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے............ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

اپنے بارے میں............؟ ماہ رخ یوں ہنسی جیسے کوئی لطیفہ سنا ہو۔

سوچنا کیا جیسے گزر رہی ہے گزر جائے گی............ بالآخر ماہ رخ نے جواب دیا پھر مزید بولی۔ آپ بھی تو اکیلے زندگی گزار رہی ہیں............ اکیلے رہنا کوئی مسئلہ تو نہیں۔

میری بات اور ہے............ میری زندگی میں کوئی پن کرنے والا حادثہ نہیں ہے۔ ہر وقت رسنے والا کوئی زخم نہیں ہے............ ذہن کو بوجھل رکھنے والی کوئی الجھن نہیں ہے۔ مگر تمہارا معاملہ اور ہے............ تمہیں ایزی ہونے کے لئے کوئی حل ڈھونڈنا چاہئے............ ورنہ یہ ہر وقت محسوس ہونے والا دکھ کوئی فزیکل پرابلم بھی بن جاتا ہے............ مومنہ نے اپنائیت سے سمجھایا۔

فی الحال تو میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے ایک روٹین لائف گزر رہی ہے سو گزر رہی ہے۔ ماہ رخ نے بے نیازی سے جواب دیا۔

کسی اور کو بے وقوف بنانا............ پڑوس میں رہتی ہو اور کچھ محسوس نہیں کرتیں............ انسان ہو یا کوئی اور مخلوق ہو؟ مومنہ نے خفگی سے کہا۔

ماہ رخ چپ سی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سہیل............ تو مرد بچہ ہے............ تیری عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ مرد اگر حیثیت وصحت والا ہو تو چار شادیاں کر سکتا ہے............ اللہ نے تجھے سب کچھ دیا ہے تو شہر میں چار کوٹھیاں خرید کر چار عورتیں رکھ سکتا ہے............ ان کو اچھا کھلا پہنا سکتا ہے............ عقل والا ہے سب کا خیال رکھ سکتا ہے ہم تجھے تین شادیاں کرنے کے لئے نہیں کہہ سکتے............ نہ کہہ رہے ہیں دوسری شادی کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں تیری

باغ باڑی ہو گی تو اپنی اولاد میں خوش ہو گا تب تجھے پتہ لگے گا کہ تیرے ماں باپ تیرے بھلے کی بات کرتے تھے............ ایک اکیلی عورت کے ساتھ تو کب تک خوشی ڈھونڈتا رہے گا مخدوم عبدالرب صدیقی اپنا زور خطابت دکھا کر خاموش ہو گئے مگر سہیل کا جھکا سر نہ اٹھا جیسے وہ گہری سوچ میں گم تھے۔

ابا............ کچھ بات آ رہی ہے سمجھ میں............؟ مخدوم صاحب سہیل کی طویل خاموشی سے خوش فہمی کا شکار ہو چلے۔

آپ اور دوسرے لوگ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہ غلط نہیں ہے............ لیکن ابھی میری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا بابا سائیں اور نہ ہی میری بیوی بوڑھی ہو چکی ہے۔ ابھی اس کی عمر صرف ستائیس سال ہے............ آج کل تو تیس تیس سال کی عمر میں لڑکیوں کی شادیاں ہو رہی ہیں............ پھر مایوسی کا مطلب کیا............؟ میں خواہش کا غلام بن کر ایک بے قصور عورت کو کیوں دکھ دوں میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی؟ سہیل اس مرتبہ چڑ کر بولے تھے۔

ابا............ اس کو مرض ہے............ وہ صحت مند نہیں ہے اگر مرض نہ ہوتا تو مایوسی بھی نہ ہوتی۔ کہ کسی سے اس کا علاج معالجہ ہو رہا ہے............ کوئی چھوٹی موٹی تکلیف ہوتی تو ٹھیک ہو جاتی اس میں پیدائشی خرابی ہے کوئی............ ابا............ ''مینوفیکچرنگ فالٹ'' ہے سمجھو............ مخدوم صاحب کو اب غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

لیکن اس کا ثبوت بھی تو ہو............ سہیل نے اپنا دکھتا سر تھام لیا۔

مردہ بچے پیدا کر رہی ہے یہ ثبوت نہیں آنکھ کا دھوکہ ہے؟ مخدوم صاحب برہم ہوئے۔ سہیل پھر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے............ پھر چند لمحے کے توقف کے بعد گویا ہوئے............ بابا سائیں............ آپ نے جو کہنا تھا کہہ دیا میں نے سن لیا............

اب آپ میری بھی سن لیں۔ تیری ہی سن رہے ہیں.......... چل تو اور بتا.......... مخدوم صاحب غصہ ضبط کرتے ہوئے بولے۔ دیکھو بابا سائیں.......... اس مسئلے کا سادہ سا حل یہ ہے کہ میں سمن کو لے کر یہاں سے چلا جاتا ہوں.......... اس کے ہر وقت سامنے رہنے سے آپ لوگوں کو نئی نئی سوچ ملتی رہتی ہے۔ جب سامنے نہیں ہوں گے تو آپ لوگ بھی ٹھنڈے دماغ سے کچھ سوچیں گے.......... اور ایک دم سے کچھ کرنے کا جوش نہیں چڑھے گا.......... ہوسکتا ہے اس عرصے میں اللہ ہم پر اپنا کرم کر دے.......... سہیل نے دھیمے پن سے ایک حل پیش کیا۔

بہت اچھا حل ہے.......... اب ہم ایک بانجھ عورت کے لئے تجھے شہر میں پچاس لاکھ کی کوٹھی خرید کر دیں.......... واہ.......... مخدوم صاحب بھڑک اٹھے۔

میں نے یہ کب کہا کہ آپ ہمیں پچاس لاکھ کی کوٹھی خرید کر دیں.......... ہم اپنے رہنے کا بندوبست خود کر لیں گے چرغے مرغے نہیں کھائیں گے دال روٹی کھا کر سکون سے تو رہیں گے۔

بی بی جان جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی کان لگائے باپ بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں تڑپ کر اندر آئیں تو کہیں نہیں جائے گا.......... ایک ہی ایک میری آنکھوں کا نور.......... مجھے پتہ ہے تجھے یہ پٹی سمن نے پڑھائی ہے جو چپ ہوتا ہے وہ گھنا بہت ہوتا ہے.......... خبردار جو تو نے جانے کی بات کی انہوں نے جھک کر سہیل کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

آپ لوگ دوسری شادی کی بات کرنا چھوڑ دیں میں نہیں جاؤں گا.......... یہ چوبیس گھنٹے کے ٹینشن والا ماحول مجھے بہت جلد بیمار کر دے گا.......... سہیل نے زچ ہو کر کہا۔

ہم تیری خوشی کی بات کرتے ہیں اور تجھے ٹینشن ہوتا ہے۔ مخدوم صاحب برہم ہوئے۔

لیکن یہ میری خوشی کی بات نہیں ہے.......... اللہ نہیں چاہتا تو اللہ کی مرضی.......... ہم ایسے ہی ایک دوسرے سے راضی ہیں۔ سہیل یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اگر تجھے یہ زمین جائداد چاہئے تو تجھے دوسری شادی کرنا ہوگی.......... جو رشتہ ہم نے تیرے لیے دیکھا ہے وہ سمن کی طرح نہیں ہے پیچھے سے خالی.......... زمین جائیداد جہیز میں لائے گی مخدوم صاحب اسی طرح برہم لہجے میں بولے۔

اتنا کس کے لیے چاہ رہے ہیں آپ لوگ جو ہمارے پاس ہے۔ سات پشتوں تک وہ کافی ہے۔ سہیل جھلائے۔

ہماری بات تو اگلی پشت تک بھی نہیں جا رہی تو سات پشتوں کی بات کر رہا ہے۔ بی بی جان جل کر بولیں۔

اس کو بتا دو مہرو اس کی بات کر چکے ہیں یہ اپنی بیوی کو بتا دے۔ اب اور کوئی بحث نہیں ہوگی جمعے کو اس کا نکاح ہے.......... مخدوم صاحب فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

سہیل نے بری طرح چونک کر باپ کی شکل دیکھی اور پھر ماں کو دیکھا۔

میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے میں پرائمری پاس گوٹھ کا جوان نہیں ہوں.......... جسے گوٹھ کے باہر کی دنیا کی خبر نہ ہو.......... میں سمن کو لے کر جا رہا ہوں.......... سہیل نے کہا اور تیزی سے باہر نکلنے لگے۔ بی بی جان دوڑ کر سہیل سے لپٹ گئیں۔

تو نے گھر سے باہر قدم نکالا تو میری لاش پر سے گزرے گا سہیل۔

جانے دو مہرو.......... اسے بھی آٹے دال کا بھاؤ پتہ لگنے دو.......... ایک عورت کے لئے ماں باپ ٹھکرا رہا ہے اسے قدرت سبق سکھائے گی.......... مخدوم صاحب نے بیوی کو ٹوکا۔

ارے چولہے میں پڑے سبق وبق.......... میں اپنے بچے کو ادھر سے نہیں جانے دوں گی۔ مخدوم صاحب ہمارا ایک ہی ایک بچہ ہے.......... جوانی کا جوش ہے آپ تو عقل پکڑو۔ ٹھیک ہے ابھی اس کی عقل میں بات نہیں آ رہی تھوڑے دن بعد آ جائے گی.......... بی بی جان نے زار وقطار رونا شروع کر دیا عورت ذات کبھی کوئی کام سیدھا نہیں ہونے دیتی.......... عقل میں فتور رکھا ہے ناں قدرت نے عورت کے پیچھے جانے دو اسے ایسی ناخلف اولاد جس کو باپ کی دی ہوئی زبان کا پاس نہیں۔

تف ہے اس پر.......... جا بچہ سائیں جا.......... ہم تجھے بھول گئے سمجھ۔

اگر تو اس کے پیچھے گئی تو تجھے تین طلاقیں.......... مخدوم صاحب دھاڑے۔

مہر النساء تو یوں بدکیں جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو.......... ایک لمحے کو تو سہیل نے پریشان ہو کر باپ کی شکل دیکھی.......... مگر رکے نہیں۔

بی بی جان نے مخدوم عبدالرب صدیقی کے پاؤں پکڑ لئے۔

مخدوم سائیں.......... میرے بڑھاپے پر ترس کھاؤ.......... میرے لال کو روک لو.......... میرے بڑھاپے پر تیری اولاد کو رحم نہیں آتا جسے نو مہینے تو نے پیٹ میں رکھا.......... تیرا میرا تو خون کا رشتہ بھی نہیں ہے۔

سہیل نے باہر نکلتے نکلتے سنا.......... بی بی جان یوں بلک بلک کر رو رہی تھیں جیسے خدانخواستہ فوتگی ہو گئی ہو۔

☆☆☆☆☆

شاداب.......... ایک منٹ ذرا میری بات سنو.......... شاداب دبے پاؤں اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ نیا نے پیچھے سے آواز دی.......... شاداب رک گیا۔

رات کے پونے تین بج رہے ہیں.......... اس وقت تو پبلک کونینس بھی نہیں

ہوتی.......... کہاں سے آ رہے ہو۔ کوئی پتہ ہے گھر سے باہر جاتا ہوں تو گھر واپس ہونے کا طریقہ بھی پتہ ہوتا ہے۔ آ گیا ہوں نا گھر..........؟ اب کیا مسئلہ ہے......؟ شاداب چڑ کر جواب دے رہا تھا۔

نیا اس کے لہجے پر بری طرح چونک پڑی.......... جیسے اس پر آسیب آ گیا ہو آواز لہجہ دونوں ہی بدلے ہوئے محسوس ہوئے۔

کتنا بڑا احسان کیا ہے تم نے گھر واپس آ کر.......... وہ طنزیہ بولی۔

اگر آپ کو پسند نہیں تو کل سے گھر نہیں آؤں گا۔

کیا بدتمیزی ہے؟ دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا..........؟ یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا.......... نیا غصے سے بھڑک اٹھی۔

بھئی.......... آپ لوگ مجھے کچھ کرنے بھی دیں گے یا میں آپ لوگوں پر ہی انحصار کر کے جائز و ناجائز احکامات بجالاتا رہوں.......... شاداب جھلا کر بولا۔

نیا ہکا بکا اس کی صورت دیکھنے لگی۔

ہم تم سے کون سے ناجائز احکامات بجا لانے کو کہہ رہے ہیں بھئی.......... وہ حواسوں میں آ کر برافروختہ ہو گئی۔

بھئی میں لڑکا ہوں آزاد ہوں اگر اپنی بہتری کے لئے کچھ کرنا چاہوں تو یہ میرا حق ہے۔ 2 بجے آ رہے ہو تین بجے آ رہے ہو.......... یہ کیا بات ہوئی..........؟ وہ بڑبڑایا۔

لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو اور بقول تمہارے بہتری کے لئے کر رہے ہو تو اپنے گھر والوں کو اعتماد میں کیوں نہیں لیتے؟ جو بڑے ہوتے ہیں وہ کچھ غلط محسوس کرتے ہیں تو ٹوکتے بھی ہیں۔ اور آج کل تو وقت ہی ایسا ہو گیا ہے کہ لوگوں کو لڑکیوں سے زیادہ لڑکوں

پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر طرف سبز باغ دکھانے والے کھڑے ہیں.......... نیا خود پر قابو پا کر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی اور ہم بھی فیڈر نہیں پیتے کہ کوئی ہمیں سبز باغ دکھائے اور ہم دیکھنے بیٹھ جائیں.......... ہمیں اپنا اچھا برا پتہ ہے.......... شاداب نے بڑی بدتمیزی سے جواب دیا۔

بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں اپنا اچھا برا پتہ ہے اب لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ کیا اچھا کر رہے ہو تا کہ ہم لوگ خوش ہوں اور تمہیں ہر ممکن تعاون فراہم کریں.......... نیا نے پرسکون انداز میں کہا۔

بتا دوں گا کسی مناسب موقع پر.......... شاداب نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔ اچھی بات ہے تو اسے دیر تک چھپانے کا مطلب؟ نیا کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی پتہ نہیں اس وقت وہ بات آپ کو اچھی لگے نہ لگے اور سب مل کر مجھے زنجیریں پہنا کر روکنے کی کوشش کریں اور میں راستے ہی میں مارا جاؤں۔

نیا کا دل اس کے انداز پر سکڑا اور پھیلا اعصاب ٹھٹھر سے گئے.......... اس کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے.......... اس نے نہایت تشویش کے ساتھ شاداب کا چہرا دیکھا۔ شاداب جو کچھ اچھا ہوتا ہے وہ بس اچھا ہوتا ہے.......... جو بات تمہیں اچھی لگ رہی ہے وہ ہمیں کیوں بری لگے گی.......... صاف صاف بات کرو.......... کیا کر رہے ہو۔ کس کی کمپنی جوائن کی ہوئی ہے۔ اس نے قطعیت سے سوالات کئے لہجے میں کوئی رعایت نہیں تھی۔

ڈاکے مار رہا ہوں...... یہ سمجھ لیں۔ شاداب نے جھلا کر کہا اور آگے قدم بڑھائے۔

تو ڈاکے مار کر یہاں کیوں آتے ہو.......... ڈاکے ڈالنا شروع کر دیے اور کوئی پناہ گاہ نہیں بنائی نیا کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور طنز بھی۔

پالوں گا.......... فی الحال آپ لوگ مجھ پر اپنے احکامات صادر نہ کریں۔ بہت مہربانی ہوگی اب تو صبح ہونے والی ہے دو گھڑی کے لیے بھی یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ نیا بیخ پا ہو کر بولی۔

غلطی ہوگئی.......... آئندہ نہیں آؤں گا.......... مگر آپ لوگ شرافت سے اس مکان میں جو میرا قانونی حصہ ہے وہ دے دیجئے گا.......... شاداب اتنا کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ نیا تو جیسے چکر کھا کر گرتے گرتے بچی.......... قانونی حصہ......!!! اوہ میرے خدا.......... یہاں تک سوچنے لگا۔

آنکھیں بالکل ماتھے پر رکھ لیں دو دن میں خون سفید.......... وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی.......... یہ کیا ہو گیا اچانک.......... کون لوگ مل گئے ہیں اسے.......... جنہوں نے پلک جھپکتے میں اپنوں سے چھین لیا.......... سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سمن.......... سہیل نے کمرے میں جا کر سمن کو آواز دی۔

سمن فون پر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی سہیل کی آواز سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

خیریت......؟ سمن نے فکرمندی سے سہیل کا چہرہ دیکھا.......... کہ سہیل کے تاثرات غیر معمولی تھے۔

ضروری سامان پیک کر لو.......... بھاری چیزیں میرا مطلب ہے کپڑے وغیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں بہت ضروری چیزیں بس..........

سمن اٹھ کھڑی ہوئی اور سہیل کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

کہاں جانا ہے؟ وہ بہت حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

اجی مجھے خود بھی نہیں پتہ کہ کہاں جانا ہے..........بس ایک سوٹ کیس تیار کرنا۔ اپنے اور میرے کپڑے اسی میں رکھ لینا..........اور بس جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کوئی نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہو۔

پھر بھی پتہ تو چلے ہوا کیا ہے..........کیوں جا رہے ہیں کہاں جا رہے ہیں......؟

سمن بہت پریشان ہوں بعد میں پتہ کر لینا سب کچھ..........اس وقت بہت جلدی کرو۔

سمن کھلے بال سمیٹ کر جوڑا باندھنے لگی ساتھ ساتھ سوچنے لگی کہ کیا کچھ رکھنا ہے ایک سوٹ کیس میں کیا کچھ آ سکتا ہے۔

اس نے اسٹور سے سوٹ کیس نکالا اس کی دھول مٹی جھاڑی اور وارڈ روب کھول کر کپڑے منتخب کرنے لگی..........ذہن بری طرح الجھ گیا تھا سیدھا کام بھی بھاری لگ رہا تھا..........دیکھ سمن..........آج جو کچھ تو کر رہی ہے..........مولا سائیں نے چاہا تو ایک دن تیرے آگے آئے گا..........اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے تو جیتے جی میری اولاد مجھ سے چھین رہی ہے۔ ہم نے اسے پالا پوسا لکھایا..........شہزادوں کی طرح اس کے ناز نخرے اٹھائے۔ اگر تو دل بڑا کر لیتی تو آج اس گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوتیں..........بی بی جان کی آنسو بھری آواز سن کر سمن اپنی جگہ سے اٹھی اور کپڑے ہاتھ میں لئے ان کی طرف پلٹی..........اور ان کی غیر حالت دیکھ کر گویا بدحواس ہو گئی آگے بڑھ کر ان کا بازو تھام لیا۔

آپ بیٹھیں بی بی جان مجھے تو آپ کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی..........اس نے نرمی سے کہا چل منحوس پیچھے ہٹ..........خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا..........بانجھ بدنصیب۔

بغیر چتوں کی مولی تو نے آج مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا......اللہ سائیں تجھے سمجھے۔

سمن تو اتنی بدلحاظ زبان پر جیسے تھر تھر کانپنے لگی۔

بی بی جان یقین کریں میں نے سہیل سے کچھ نہیں کہا.......... مجھے تو کسی بات کا پتہ ہی نہیں۔ سمن نے باقاعدہ گڑگڑا کر کہا۔

ہاں تیرے جیسی چلتر عورتیں تو بھولی بن کر کام دکھاتی ہیں..........اللہ سائیں کیسا مقدر بنایا میرا..........ایک کو سانپ نے ڈس لیا اور دوسرے کو عورت نے.......... خاک پڑے اس پر وہ روتی ہوئی واپس ہو گئیں۔

سمن ایک سکتے کی کیفیت میں کپڑے سینے سے لگائے کھڑی تھیں..........خوف سے دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

سہیل نے اندر داخل ہو کر سمن کی حالت زار دیکھی..........تو چونک پڑے۔

اوفوہ بھئی کیا ہوا ابھی تک سوٹ کیس تیار نہیں کیا...... سمن جلدی کرو کیا سوچ رہی ہو؟

سمن نے خالی خالی نظروں سے سہیل کی طرف دیکھا۔

سہیل لگتا ہے کوئی بہت ہی بڑی بات ہو گئی ہے..........آج تو بی بی جان رو رو کر کوس رہی ہیں..........سمن کے حلق سے بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

بہت بڑے جہنم سے بچنے کے لئے اس چھوٹے جہنم سے گزرنا پڑے گا سمن اس کے سوا محبت کرنے والوں نے ہمارے لئے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا۔

ہری اپ سمن..........میں تو ویسے ہی اس فیوڈل سسٹم میں گھٹن محسوس کرتا ہوں۔ نجات کا راستہ مل رہا ہے میں کھونا نہیں چاہتا..........تھوڑا سا وقت گزر جائے سب ٹھیک ہو جائے گا..........بس دیر مت لگاؤ.......... سہیل یہ کہتے ہوئے دوبارہ باہر چلے گئے اور سمن جیسے کسی دوزخ میں گھری ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

امی آپ ٹھیک کہہ رہی تھیں میں تو سمجھی تھی شاید آپ نے کچھ زیادہ محسوس کر لیا ہے

نیا بہت دکھ کے ساتھ ماں سے کہہ رہی تھیں.......... حد ہو گئی امی اتنی بے مروتی۔ وہ تو
شاداب ہی نہیں رہا.......... امی مجھے ساری رات نیند نہیں آئی.......... مگر میں نا امید
نہیں ہوں۔ آپ دیکھئے میں کیا کرتی ہوں۔

نیا کی ماں دہل سی گئیں.......... اور خوفزدہ ہو کر پوچھنے لگیں۔

تم.......... تم کیا کرو گی..........

میں اب کھوج لگاؤں گی کہ کالج جا بھی رہا ہے یا نہیں.......... اور اگر کالج جا رہا
ہے تو کالج کے بعد کہاں جا رہا ہے.......... کن لوگوں سے اس کی دوستی ہوئی۔

اے بیٹی تم لڑکی ذات..........

چھوڑیں امی.......... اب یہ وہ زمانہ نہیں ہے.......... عورت ذات، مرد ذات،
ہندو ذات، مسلم ذات سب کام کر رہے ہیں.......... جو کام نہیں کر رہا اس کی کوئی
حیثیت نہیں.......... میں جو کرنا چاہتی ہوں آپ مجھے کرنے دیں۔

پتہ نہیں بیٹی کہیں خطرناک لوگ نہ ہوں تم اخباروں میں پڑھتی ہی رہتی ہو..........
اور آج کل تو یہ تنظیمیں وغیرہ بھی بہت ہو گئی ہیں.......... کیسے پلے پلائے ہاتھوں سے نکل
رہے ہیں.......... اللہ ہم پر رحم کریں۔

اسی بات کا تو خطرہ ہے.......... مگر امی میرا ایک بھائی ہے.......... جو بہت اچھا
تھا کبھی ہمارے لئے مسئلہ نہیں بنا.......... ایسے ہی تو میڈیکل میں نہیں پہنچ گیا تھا..........وہ
سفید پوش گھرانے کا لڑکا.......... جس کے پاس کوئی معمولی سی سورس بھی نہیں
تھی.......... میرٹ پر ہی اتنا آگے بڑھا تھا نا.......... اب ہم بزدلوں کی طرح دیوار سے
چپک کر اپنی پونجی لٹنے کا تماشہ دیکھیں؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.......... نیا بہت جوش سے
بول رہی تھی.......... اور ماں کا کلیجہ کانپ رہا تھا.......... بیٹی تم کنواری بچی ہو کل کو تمہیں

تمہیں اپنے گھر کی کرتا ہے.......... ذرا ہوش و حواس قابو میں رکھ کر کرنا جو بھی کرنا
ہو.......... وہ سمجھانے لگیں۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوتی ہے ساتھ ہی کال بیل بھی رنگ ہوتی ہے۔ یہ بڑا
غیر معمولی انداز ہوا کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنے والا بہت جلدی میں ہے۔

نیا اپنی جگہ سے اٹھی ہے.......... میں دیکھتی ہوں امی۔

وہ پانچ فٹ بڑے گیٹ کا ذیلی دروازہ کھول کر دیکھتی ہے اور خوشی سے چیخ پڑتی
ہے۔ ارے.......... سمن.......... اتنے بلند نصیب ہمارے.......... وہ گیٹ پر ہی سمن کو
گلے سے لگا کر کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آؤ.......... سمن.......... آئیں مخدوم صاحب..... زہے نصیب.......... یقین
نہیں آ رہا کہ ہمارے غریب خانے پر آپ تشریف لائے ہیں.......... اب وہ سمن کے
ساتھ سہیل سے بھی مخاطب ہوئی۔

نہیں بس شکریہ.......... میں سمن کو یہاں چھوڑنے آیا تھا.......... سمن میں چلتا
ہوں.......... سہیل نے کہا اور پلٹنے لگے۔

آپ کہاں جا رہے ہیں.......... سمن خوفزدہ سی ہو کر پوچھنے لگی.......... نیا حیران
سی دونوں کو کبھی سوٹ کیس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہ

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مجھے کچھ ضروری کام ہیں وہ نمٹا کر میں واپس آؤں
گا.......... یہ تمہاری بہت اچھی دوست ہیں.......... یہاں اپنی باتیں کر کے ذرا ایزی
فیل کرو پھر میں تمہیں اگلا پروگرام بتاؤں گا کب تک آئیں گے۔ سمن پریشان ہو کر پوچھ
رہی تھی۔

سمن......... اس مقام تک آ چکا ہوں پھر بھی تمہاری یہ پریشانی، بدحواسی......... بڑے دکھ کی بات ہے۔ سہیل کے لہجے میں دکھ کرچیوں کی طرح بکھرا ہوا تھا۔

سمن ایک دم سنبھل گئی......... ٹھیک ہے سہیل......... آپ جائیں۔

سہیل سوٹ کیس گیٹ کے اندر کر کے واپس پلٹ گئے۔

نیا نے گیٹ بند کیا اور سوٹ کیس اٹھا لیا......... سمن نے اسے روکا۔

رہنے دو نیا......... میں اٹھا لیتی ہوں۔

اوفوہ......... چھوڑو یہ تکلفات۔ پتہ نہیں کہاں سے تھکی ہاری آ رہی ہو......... شکل دیکھی ہے اپنی جیسے میلوں پیدل چلی ہو......... نیا سوٹ کیس اٹھا کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ دونوں اندر آئیں تو نیا کی امی دونوں کے سامنے آ گئیں۔

السلام علیکم آنٹی......... سمن نے سلام کیا۔

انہوں نے اسے گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا......... اچھی تو ہو......

جی آنٹی......... دعا ہے آپ کی.........

آؤ بیٹھو......... میں یہاں بیٹھی تم لوگوں کی بات چیت سن رہی تھی مگر سہیل کی وجہ سے گیٹ پر نہیں آئی......... کبھی آمنے سامنے بات چیت نہیں ہوئی ناں......... بس ایک جھجک سی ہے اگرچہ ہمارے بیٹے ہی کی طرح ہے۔ میں سوچ رہی تھی شاید نیا اصرار کر کے انہیں اندر لے ہی آئے......... خیر......... آنے کو تو کہہ گئے ہیں ناں.........؟ توبہ اس وقت تو واقعی تم تھکن سے چور چور دکھائی دے رہی ہو......... خیریت ہے ناں......... اپنی گاڑی سے آئی ہوں گی.........؟ نیا کی امی نے پے در پے سوالات کر ڈالے۔

سمن صوفے پر بیٹھ کر اپنے بکھرے بال سمیٹنے لگی۔

نہیں آنٹی......... گوٹھ سے تو بس میں چلے تھے......... پھر بس اسٹاپ سے یہاں ٹیکسی میں آئے ارے......... بڑی حیرت ہوئی سن کر تمہارے پاس تو کاریں جیپیں ہوتی ہیں...... نیا کی امی نے واقعی تعجب سے کہا ساتھ ہی اسی تعجب کے ساتھ نیا کی طرف دیکھا۔

چھوڑیں امی......... ہوگا ان لوگوں بلکہ ان ”بڑے لوگوں“ کا ایڈونچر......... نیا نے ہنستے ہوئے بات کا گہرا اثر توڑنے کی کوشش کی اندر سے تو وہ بھی کچھ کھٹک رہی تھی......... پہلے یہ محترمہ ذرا استالیں، کھانا وغیرہ کھالیں پھر یہ خود ہی بتائیں گی کہ ہم ان کو آج کیسے یاد آ گئے.........؟ نیا نے ہلکے پھلکے انداز میں بات کر کے ماحول کو ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی جو کہ ہر پرامید......... پرعزم انسان کی نمایاں خوبی ہوتی ہے۔

سمن یہ گھنٹوں کا سفر ہوتا ہے......... اب تو تم نہا دھو کر فریش ہو جاؤ......... راستے کی دھول مٹی اتارو......... امی نے اتنی مزیدار طاہری اور ہرا ابھرا رائیتہ بنایا ہوا ہے کہ سوچ سوچ کر منہ میں پانی آ رہا ہے۔

سمن بھی خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہے اور مسکرا کر کہتی ہے۔

واقعی اس وقت تو شاور لینے کو دل چاہ رہا ہے......... اتنی گرمی اس پر سے سندھ کی حسین وجمیل چمکتی ہوئی دھول......... سمن نے اچھے موڈ میں بات کر کے اپنے حساب سے میزبانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

اُف کتنی محبت وطن ہو تم......... سندھ کی دھول بھی حسین وجمیل نظر آتی ہے۔ نیا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

یہ بات نہیں ہے نیا......... پتہ ہے کیا ایک مرتبہ میں امی کے ساتھ چھٹیاں

گزارنے نانا جان کے پاس لاہور گئی ہوئی تھی۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو ہماری ایک
ہمسفر خاتون نے جو کہ بڑی زندہ دل و گرم جوش سی تھیں روہڑی کا اسٹیشن آنے سے پہلے
ہی کھڑکی کا شٹر گراتے ہوئے کہا تھا.......... بڑی بے زاری سے کیوں کہ وہ فل میک
اپ میں تھیں یہ لیجئے سندھ شروع ہوگیا.......... آنے لگی اندر حسین و جمیل
دھول..........اگر دو قوم پرست آمنے سامنے ہوتے تو سمجھ جھگڑا شروع ہوگیا تھا۔

ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹی.......... برداشت تو آج کل مزاجوں میں رہی نہیں..........
جسے دیکھو لڑنے مرنے کو تیار بیٹھا ہے.......... ایک ذرا سا بس میں ساتھی عورت کو اتنا
کہہ دیا کہ آپ تھوڑی سیدھی ہو کر بیٹھ جائیں ترچھی بیٹھنے کی وجہ زیادہ جگہ گھرتی
ہے.......... لو بھئی وہ تو علی علی کرتی چڑھ دوڑیں وہ سنائیں کہ اللہ دے اور بندہ
لے.......... اپنی کار کیوں نہیں خرید لیتیں۔ پیلی ٹیکسی سے چلی جاتیں.......... دروازے
پر بھی بگھی بندھوا لو.......... میں مارے حیا کے چپ رہی کوئی اور ہوتی تو سوچو بس میں
ایک قیامت برپا ہو جاتی.......... بیچ مرد بیٹھے ہوں تو ہماری آواز اونچی نہیں
نکلتی.......... عورت اور حیا کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے.......... یہی اپنی بچیوں کو
سمجھاتے ہیں...... دنیا کی امی بولتے بولتے کچھ سوچنے لگیں۔

پتہ نہیں.......... دل تنگ کیوں ہوگئے ہیں.......... جلدی کیوں پڑ گئی ہے۔ کسی کو
اپنی جگہ رکھ کر سوچنے کی عادت کیوں ختم ہوگئی ہے؟ وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی
تھیں لہجہ دکھی تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اے غم دل کیا کروں.......... اے وحشت دل کیا کروں
کیا کروں۔ کیا کروں

رمیض جوتوں سمیت صوفہ کم بیڈ پر دراز پاؤں ہلاتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

نمو نے ویکیوم کا سوئچ آف کرتے ہوئے تعجب سے رمیض کی طرف دیکھا۔

خیریت تو ہے رمیض بھائی.......... آپ اور غم..........؟ آپ کو پتہ ہے غم کیا
ہوتا ہے؟

ارے میری کوئل.......... تم نے تو نیلام گھر والا بڑا دلچسپ سوال کر ڈالا..........
اچھا صحیح جواب پر انعام کیا ملے گا..........؟ بات کے اختتام پر اس نے بلند قہقہہ لگایا۔

ایک کپ اچھی سی چائے پلا دوں گی وہ دوبارہ ویکیوم چلاتے ہوئے بولی۔

ظاہر ہے انسان اپنی حیثیت کے مطابق ہی انعام کا تعین کر سکتا ہے۔ تو بی بی
آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ غم شاعروں کی پسندیدہ ڈش ہے...... عاشقوں کے
گلے کا ہار ہے۔

اور میری نظر میں یہ ایک دو فٹ لمبے دانتوں والا جن ہے.......... جس پر نظر
پڑتے ہی خوف سے کپکپی طاری ہو جائے.......... دنیا میں اگر مجھے کسی شے سے خوف
آتا ہے تو وہ غم ہے.......... پتہ نہیں لوگ غم کے ساتھ اتنی لمبی زندگی کیسے گزار لیتے
ہیں.......... کوئی غم سے ہار مان کر خودکشی بھی کر لیتا ہے.......... ٹو مچ.......... اینڈ نا
نسنس.......... اتنی پیاری زندگی اتنی فالتو تو نہیں ہے جو حماقتوں کے ہاتھوں گنوا دی
جائے.......... پتہ نہیں غمزدہ لوگوں کی کیا سائیکولوجی ہوتی ہے۔

توبہ استغفار کریں رمیض بھائی.......... کون اپنی پسند سے غمگین زندگی گزارنا چاہتا
ہے یہ تو قسمت کی بات ہوتی ہے۔

اے میری عالم فاضل مگر ڈارک سی کزن.......... صرف سوچ ہی کا تو فرق ہے۔ غم
ملتا ہے تو جان کیوں نہیں چھڑاتے.......... گلے کا ہار کیوں بنا لیتے ہیں......؟ اچھا سوچ

لینے سے کیا عجیب سے کچھ جاتا ہے............؟ وہ بڑے آرام سے کہہ رہا تھا۔

نمو ایک گہری سانس لیکر اس کی طرف دیکھتی ہے۔

اتنی بڑی بڑی باتیں آپ کیسے کر لیتے ہیں رمیض بھائی..........ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے کہنا تو دور کی بات۔

یہ حال ہے تم لوگوں کے حوصلے کا تب ہی تو تم لوگ بد نصیبی پر راضی ہو جاتے ہو۔ رمیض لاپرواہی سے بولا۔

توبہ کریں رمیض بھائی توبہ..........نمو تو لرز کر رہ گئی۔

ایسا کرو......میری طرف سے تم کر لو۔تمہارے پاس فضول وقت بہت ہے۔نمو دکھ اور صدمے سے دل پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

رمیض اس پر ایک نگاہ ڈالتا ہے اور مسکرا کر کہتا ہے..........او بھائی میں مسلمان ہوں مجھے اس بات سے بہت چڑ آتی ہے جب کوئی اپنی پارسائی جھاڑنے کے لئے مجھے گنہگار ثابت کرنے پر تل جاتا ہے..........پھر میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ اپنی پارسائی کی نمائش کے لئے اور کتنا زور مار سکتا ہے۔

نمو کی جیسے جان میں جان آئی۔

اصل بات یہ نہیں ہے رمیض بھائی کہ ہم خود کو نیکو کار بتانے کے لئے آپ کو ٹوکتے ہیں۔لیکن اللہ کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے سب کو احتیاط کرنا چاہئے۔یوں تو وہ سب کی نیت جانتا ہے.........نیت کے مطابق ہی نتیجہ ملتا ہے۔

اچھا بس بس..........اتنی ڈارک ملانی نہیں چلے گی..........تھوڑا سا چہرہ نورانی کرو خیر چھوڑیں..........ہم تو مانتے ہیں کہ ہم ڈارک ہیں..........تو برا کیوں مانیں..........میں تو آپ سے یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ آپ گورے رنگ کا زمانہ بھی

ہو گا نہ پرانا۔گاتے گاتے یہ طلعت محمود کا غمگین گیت کیسے گانے لگے۔

اوہ..........رمیض نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹوں کا زاویہ بنایا۔

کوئی خاص بات نہیں بس اتنی سی بات ہے کہ ممی سے چیک لینے ان کے کمرے میں گیا تو وہاں ممی تو ملی نہیں..........البتہ پاپا واش روم میں تھے اور ڈریسنگ میں چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ جو رکھا ہوتا ہے اس پر یہ گیت بڑی تیز آواز میں بج رہا تھا۔لگتا ہے تمہارے ماموں کے دل پر زبردست چوٹ لگی ہے..........جوانی میں کوئی زبردست ایکسیڈنٹ ہوا ہے..........حالانکہ وہ سات آٹھ بچوں کی ماں بن چکی ہوں گی اور 100Kg ویٹ گین کر چکی ہوں گی..........اور آپ کے ماموں ابھی تک ان کو چاند ستارہ ماہ رخ ماہ جبیں نازنین وغیرہ سمجھے بیٹھے ہوں گے۔

نمو نے مسکراہٹ دبا کر رمیض کی طرف گھورا۔

میرے ماموں آپ کے بھی کچھ لگتے ہیں..........یاد کریں۔

فرصت ملی تو کوشش کروں گا..........ویسے بی زحمت..........اگر تم کوشش کرو تو ممی سے ہسٹری پتہ چل سکتی ہے سنا ہے بعض لوگ اپنے ناکام عشق کی کہانی کبھی کبھی جذباتی ہو کر اپنی بیگم کو سنا دیا کرتے ہیں..........بیگم کے سامنے ذرا بندے کی مارکیٹ بنتی ہے کہ کوئی محترمہ ان کے شوہر پر مرمٹی تھیں وہ اتنی کمال شے رہے ہیں ماضی میں..........

تھوڑا سا شرمالیں اپنے باپ کے متعلق کوئی اس طرح باتیں کرتا ہے۔اور مجھے پتہ ہے میرے ماموں بہت اچھے ہیں انہوں نے اس طرح کے غلط کام نہیں کئے..........وہ شروع ہی سے بہت گریس فل ہیں......نمو نے سخت برا منایا تھا۔

اچھا یہ غلط کام ہوتے ہیں۔ہیر رانجھا، سسی پنوں، شیریں فرہاد، عمر ماروی۔رومیو

بیوٹیت......... یہ سب غلط کام کر کے مشہور ہوئے ہیں..... جبھی کتنے اچھے تھے یہ غلط کام کرنے والے..... فلمیں ڈرامے بنانے والے، فائنسرز کی تجوریاں بھر گئیں۔ مالا مال ہو گئے لوگ......... دکھ اٹھا کر فاختائیں چلی گئیں کوے ابھی تک انڈے کھا رہے ہیں۔ رمیض نے اپنے حساب سے بڑی وزنی بات کی۔

تو آپ بھی فائنسر کی اسی قسم کی خدمت کا ارادہ رکھتے ہیں......... جو آپ کی اسٹوری بھر پور بنا سکتی ہے اسے تو آپ نے ڈراپ کر دیا اور جو روز اپنے رانجھے بدلتی ہیں ان کو لیکر گھومتے ہیں۔ نمو نے جرأت کر کے کہہ ہی دیا۔

کون اسٹوری بھر پور بنا سکتی تھی.........؟ تمہارا مطلب مدحت .... اوہ نو......... وہ کوئی سیریس ویریس نہیں ہے ڈرامہ کر رہی ہے......... آج کل کی لڑکیاں کسی کے لیے سیریس ہو کر اپنا ٹائم ویسٹ کریں اتنی احمق نہیں ہیں......... وہ تو اپنا انسلٹ فیل کر رہی ہے......... یہ پرابلم ہے اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں......... رمیض نے لاپرواہی سے کہا۔

ایسے تو نہ کہیں رمیض بھائی......... سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں......... وفاداری اور غداری ہمیشہ یہ دونوں رخ دنیا میں رہے ہیں......... ایک ہی انسان بیک وقت کسی سے وفا کر رہا ہوتا ہے اور کسی سے بیوفائی۔

کاش میں تمہیں اپنی ''بڑی آپا'' بنا سکتا......... رمیض نے تمنا کی......... کیا فلسفہ کیا بزرگی ہے......... ماشاءاللہ......... رمیض نے چھیڑا۔

نمو جھکی ہوئی ویکیوم کر رہی تھی اس باعث اس کی موٹی دراز چوٹی آگے پڑی ہوئی تھی وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور چوٹی پیچھے کی۔

فلسفہ کی کیا بات ہے ایک فیکٹ ہے کل مصطفیٰ زیدی پر ایک مضمون پڑھ رہی تھی۔

ان کی محبوبہ شہناز گل ان کے قریب بے ہوش تھیں اور زیدی صاحب دنیا چھوڑ چکے تھے دنیا پر یہ راز کھل گیا کہ وہ زیدی صاحب کو بے پناہ چاہتی تھیں......... اور آپ کو پتہ ہے وہ کون تھیں.........؟

مجھے کیا پتہ یہ تو میری پیدائش سے پہلے کی کہانی لگتی ہے......... رمیض نے برجستہ کہا۔ کہانی تو خیر میری بھی پیدائش سے پہلے کی ہے۔ بہرحال وہ ایک بڑے معزز آدمی کی بیگم تھیں ان کے شوہر کا نام سلیم تھا۔

اُف کتنی بے وفا انارکلی نکلی تھی بے چارے بیسویں صدی کے سلیم کو......... رمیض نے تاسف کا اظہار کیا۔

اب دیکھ لیں ایک عورت کسی سے وفا کا سرٹیفکیٹ لے رہی ہے اور کسی سے بے وفائی کا ایک ہی انسان کے اندر دونوں خصوصیات اپنے کمال پر نظر آرہی ہیں......... ان دونوں خصوصیات سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی اس لئے آپ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ مدحت آپ کے لیے سیریس نہیں ہے صرف اس کی انا کا مسئلہ ہے......... کیا ثبوت ہے آپ کے پاس......... اس کے خلوص کو غلط رنگ دینے کے لئے۔

اوہ......... تو بھئی......... تم کیوں اس کی اتنی وکالت کر رہی ہو.........؟ تمہارا انٹرسٹ ہے......... خواہ مخواہ پاپولر ہونے کے لئے ایشو بنا رہی ہے۔

نمو نے ایک گہری سانس لی اور ویکیوم کا پلگ نکالتے ہوئے بولی۔

اف کتنے ظالم ہیں آپ رمیض بھائی......... سچی اس کی حالت بہت خراب ہے......... مجھے بہت ترس آرہا ہے۔

اس لیے کہ تمہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا......... ذرا نکاح ہونے دو اپنی مدحت آپا کا ڈپلیکس میں میک اپ کرانے کے بعد وکٹورین برائیڈل پوز بنا کر اپنے

دولہا کے ساتھ فوٹو کھنچوائے گی...... ہانسنس...... سن عیسوی سے پہلے کی خبطی روح! آئندہ میرے سامنے مدحت کا نام نہ لینا میرے نئے گولے گنڈے کے کلر فیڈ ہونے لگتے ہیں...... سن رہی ہو...... مائنڈ یور بزنس۔

نمو ویکیوم کلینر کھینچتی مسکراتی ہوئی باہر نکل جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دیکھا میں نے کیا کہا تھا...... سہیل بھائی نے اتنی چاہ کے ساتھ تم سے شادی کی ہے وہ اتنی آسانی سے تم سے نہیں بدل سکتے...... نیا نے اپنے درست آئیڈیا پر بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔

سہیل نے اپنی زندگی کا بہت مشکل فیصلہ کیا ہے...... یہ کوئی آسان کام نہ تھا...... سمن نے کہا اس کے چہرے پر اعتماد کے احساس نے عجیب سا سکون بکھیر دیا تھا۔

سہیل بھائی نے پہلی مرتبہ مشکل کام نہیں کیا ہے...... تم سے شادی کرنا بھی ان کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا...... ایک طرح سے انہوں نے بہت مضبوط روایت توڑی تھی...... نیا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

اس روایت شکنی کے نتیجے میں تو دلوں کے بغض آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے تھے مگر میں بہت صبر سے کام لے رہی تھیں...... ایک ایک لمحہ جبر کا تھا...... بہترین لباس، بڑی سی کھانے کی ٹیبل جس پر جیسے من وسلویٰ اتر رہتا تھا...... پاؤں تک دھلانے کو تیار نوکرانیاں مگر گھٹن ایسی کہ جیسے کوئی لوہے کے تابوت میں بند ہو...... صرف سہیل کے ذہنی سکون کی خاطر خاموش رہتی تھی کہ میری تکلیفوں کی تفصیلات سن کر وہ بہت ڈسٹرب ہو جائیں گے اور حاصل کچھ بھی نہ ہوگا...... سمن آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

بس یہ تمہارا صبر ہی رنگ لایا ہے...... اور صبر ایک دن ضرور رنگ لاتا ہے...... نیا نے کہا ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... صبر ایک تکلیف دہ سفر ہے مگر اس کی منزل ضرور ہوتی ہے آج ہمارے پاس دولت وحشمت کا احساس نہیں ہے مگر ذہنی سکون ایسا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ میں اس دلدل سے نکل آئی ہوں...... جہاں خوف میں سوتی تھی اور اندیشوں میں جاگتی تھی۔

اللہ...... سہیل بھائی جیسا مخلص شریک سفر ہر ایک کو دے۔ نیا نے بڑے جذب سے دعا کی آمین...... سمن نے بھی بڑے اہتمام سے آمین کہا۔

واقعی سمن آج تم بہت خوبصورت نظر آ رہی ہو...... آزادی، اعتماد، اور خوشی کے رنگوں نے تمہیں لمحوں میں بدل دیا ہے...... میں تمہارے پاس سے ہو کر جب واپس آتی تھی تو تمہارا اداس زرد چہرہ...... مجھے کھل کر ہنسنے نہیں دیتا تھا۔ نیا نے بہت محبت سے سمن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا...... لان کے خوبصورت پرنٹ کے تیز رنگوں نے بھی سمن کو بہت فریش کر دیا تھا۔ بالوں کو سمیٹ کر اس نے جوڑا بنایا ہوا تھا...... قمیض کا گہرا گلا...... کہنیوں سے اوپر چھوٹی آستینوں سے جھانکتے دودھیا بازو...... جو وہ گھٹنوں کے گرد لپیٹے بڑے بے تکلف اسٹائل میں بیٹھی ہوئی تھی...... پنک چمکدار لپ اسٹک...... بڑے بڑے سونے کے بالکل سادہ بالے...... چھوٹی سی مگر بھاری بل وار ڈیزائن کی چین گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ اللہ تمہیں میری نظر سے بچائے...... تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا سمن آج میں کتنی خوش ہوں...... جی چاہتا ہے تمہیں ڈھیر سارا پیار کروں...... نیا کا انداز بہت بے ساختہ تھا سمن بے اختیار مسکرا پڑی۔

میں تمہاری محبت وخلوص کی بہت قدر کرتی ہوں نیا........ یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ بہت سی محرومیوں کے باوجود مجھے محبت وخلوص بھی کمال ملا ہے........ اللہ کا بڑا احسان ہے........سمن نے تشکرانہ انداز میں کہا۔

نیا نے اسے کھینچ کر گلے سے لگالیا۔

ایک بات تو بتا سمن........اس نے سنجیدگی سے کہا

ہوں........سمن متوجہ ہوگئی۔

یہ جو تیرے انداز میں تکلف سا ہے........خود سے کبھی چھونے کی کوشش نہیں کرتی۔ بڑا فاصلہ سا رکھ کر بات کرتی ہے........کیا سہیل بھائی کے ساتھ بھی تیرا یہ انداز ہے نیا شرارت سے پوچھ رہی تھی........مجھے تو لگتا ہے سہیل بھائی تیری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوں گے تو جلدی سے دیوار سے چپک کر کھڑی ہو جاتی ہوگی۔

سمن جھینپ کر مسکرا پڑتی ہے۔

سہیل کو مجھ سے یہ شکایت تو ہے کہ میں کبھی ان سے کھل کر نہیں ملی ٹوٹ کر نہیں ملی کبھی کبھی شرارت سے کہتے ہیں........بھائی آپ نے تو سارا لوڈ (Load) اس غریب پر ڈالا ہوا ہے۔

ہا........ہاہا........نیا کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

ہاں........ہا........تو پھر کیوں ترساتی ہے اتنے چاہنے والے کو........نیا نے گویا لتاڑا۔

بس اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے........تم تو بچپن سے دیکھ رہی ہو........کیا نئی بات ہے؟ سمن نے بڑی سادگی سے کہا۔

آج تک تیری ان اداؤں کے جال میں ہی تو پھنسے ہوئے ہیں........نیا اٹھتے

ہوئے بولی........اچھا چلو باہر صحن میں بیٹھتے ہیں۔امی بھی وہیں ہیں۔چائے پئیں گے سموسے کھائیں گے امی کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کیا خبر اتنی دیر میں سہیل بھائی بھی آجائیں........چلو........اٹھو۔

سمن پاؤں نیچے لٹکا کر سلیپر پہننے لگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مومنہ Red ٹی شرٹ اور Blue جینز میں اپنے لمبے سیدھے بال کھولے تیزی سے زینہ چڑھ کر اوپر آرہی تھی........کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

اوہ سوری........اس نے ریلنگ مضبوطی تے تھام کر اوپر سے آنے والے کو راستہ دیتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ساتھ ہی نظریں اٹھائیں۔

وقار دم بخود سا مومنہ کو دیکھ رہا تھا۔

آ........آپ........؟ اس کے منہ سے بمشکل نکلا........آپ ادھر......وہ پھر کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا۔

السلام علیکم وقار صاحب........کیسے مزاج ہیں......بلکہ یہ سنائیے کیسی گزر رہی ہے۔مومنہ نے بھی اپنے اعصاب کنٹرول کیے اور بہت چبا چبا کر پوچھا۔

الحمدللہ........میں بالکل ٹھیک ہوں......آپ........یہاں......آپ تو........

جی......میں تو اسپین میں ہوتی ہوں لیکن اپنی بھتیجی اور رشتے داروں سے ملنے پاکستان آتو سکتی ہوں۔یا نہیں........؟ ناممکن بات تو نہیں ہے؟

جی........شیور........شیور وقار اب کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

میری وہ بے وقوف سی بھتیجی اسی بلڈنگ میں ہوتی ہے آپ کی پڑوسن۔آپ کی مسز کی بیسٹ فرینڈ........میرا خیال ہے آپ کو پتہ ہے۔؟ مومنہ اسے بہت کڑا تول

رہی تھی۔

وقار بری طرح چونک کر مومنہ کی صورت دیکھتا ہے..........پھر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر گہری سانس لیکر کہتا ہے۔

تو کسی وقت اوپر آئیں ناں..........جب اتنی دوستی چل رہی ہے۔اس کے انداز میں اسی مرتبہ بہت اعتماد تھا۔مومنہ بڑی گہری نگاہ اس پر ڈال کر بڑے معنی خیز انداز میں کہتی ہے۔

کوئی مسئلہ تو نہیں ہو جائے گا آپ کے لئے؟

وقار کا انداز ایک دم بدل جاتا ہے مومنہ کی طرف بڑی تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے آپ مسئلہ پیدا کریں گی تو مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔

مومنہ طنزیہ انداز میں جوابی حملہ کرتی ہے۔

ہم جیسے احمق لوگ آپ کے لئے کیا مسئلہ پیدا کر سکتے ہیں۔البتہ آپ نے ہمارے لئے مسائل کے انبار لگا کر رکھ چھوڑے ہیں۔اینی ہاؤ..........آپ اپنا کام کریں۔میں کسی وقت آپ سے تفصیلی ملاقات کرنا چاہوں گا۔جگہ آپ طے کریں۔

مجھے کسی سے کوئی میٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں..........اونلی ویسٹ آف ٹائم۔

میٹنگ بہت ضروری ہے مسٹر وقار۔

یہ چیپٹر کلوز ہو چکا ہے آپ بھول رہی ہیں..........وقار ایک اسٹیپ نیچے اترتے ہوئے کہتا ہے میں پاکستان سے باہر تھی اس لئے آپ ہلکے کندھے لئے گھوم رہے تھے..........مومنہ نے کہا..........اگر آپ پاکستان میں ہوتیں تو کیا مجھے شوٹ کر دیتیں؟ وقار نے تلخی سے جواب دیا۔آپ کا اصل روپ تو ہم سب دیکھ چکے ہیں مسٹر وقار..........مگر ابھی اس کہانی کا انجام باقی ہے..........مومنہ یہ کہہ کر تیزی سے زینے

چڑھ گئی۔

وقار پلٹ کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے اور زہریلے لہجے میں کہتا ہے۔

ہونہہ..........''بلیک میلرز''

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ماہ رخ نے دروازہ کھولتے ہی مومنہ میں کوئی غیر معمولی پن نوٹ کیا۔

بھئی ابھی تک اس نے پاؤڈر کاپی تیار نہیں کی بڑا رش ہے..........میں تو واپس آ گئی مومنہ نے اندر آ کر صوفے پر گرتے ہوئے ماہ رخ کو بتایا۔

ہاں آج کل ایگزام وغیرہ ہو رہے ہیں ناں تو اسٹوڈنٹس کا بھی رش ہوگا..........ماہ رخ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔

ہاں شاید یہی بات ہوگی..........مومنہ نے تائید کی۔

یہ ڈاکومنٹس مجھے بہت جلدی میل کرنا ہیں..........ورنہ میری جاب خطرے میں پڑ جائے گی۔جلدی میں یہ ضروری کام کرنا بھول گئی..........صرف تین دن ہیں اب میرے پاس..........T.C.S بہت مہنگا پڑے گا مگر کیا کریں مجبوری ہے..........اور تم کیا کر رہی ہو۔حسب عادت کچن میں جھک مار رہی ہو..........؟ مومنہ نے اپنی بات پوری ہوتے ہی ماہ رخ کی طرف دیکھ کر گویا اس کی خبر لی۔

آپ کے لئے بہت مزے کی سوئیٹ ڈش بنا رہی ہوں۔ ماہ رخ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ہاں خوب سوئیٹ کھلاؤ مجھے..........پھوپھو کے بجائے ''خالہ اماں'' بنا کر رخصت کرنا۔مومنہ مزید پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

اتنی سی سوئیٹ سے کچھ نہیں ہوتا..........اور پھر کس کے لئے سنبھال رہی ہیں خود کو؟ ماہ رخ نے مسکرا کر کہا اور دوبارہ کچن کا رخ کیا۔

بات سنو ماہ رخ.........مومنہ نے جاتی ہوئی ماہ رخ کو آواز دی۔

جی.........ماہ رخ پلٹ کر بولی۔

ایک خاص خبر سنو گی؟ مومنہ نے اس کے اندر تجسس جگایا۔

ماہ رخ نے بڑے شوق کا اظہار کیا.........ارے خاص خبر کوئی اجازت لیکر سناتے ہیں۔؟ جلدی سے سنائیں بہت دن ہو گئے خاص خبر سنے ہوئے۔

وقار سے مل کر آرہی ہوں میں اس وقت.........مومنہ نے گویا بم پھوڑا۔

ماہ رخ کو تو گویا برقی جھٹکا لگا تھا پھر وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت سی ہو کر مومنہ کی شکل دیکھنے لگی کیا دیکھ رہی ہو اس طرح......؟ ایسا تو ایک دن ہونا ہی تھا.........اس طرح تو دیوانے بھی نہیں جیتے۔ ساتھ محنت کر کے گزر اوقات کرنے والی.........یہ کیا زندگی ہے احمق لڑکی.........کوئی تمنا کوئی امنگ کوئی مقصد.........کچھ بھی نہیں..... ایک شخص اتنا پاورفل ہے کہ اس نے تمہیں زیرو کر کے رکھ دیا.........اور تم مجرموں کی طرح منہ چھپا کر کونے میں بیٹھ گئیں.........وہ شادی کر کے لائف انجوائے کر رہا ہے.........مومنہ بولتی چلی گئیں.........اس کی محبت اس کا خلوص اس کے جذبات کی تندی سے آشکار تھا۔

لیکن پھوپھو.........اب کیا ہو سکتا ہے.........؟ جس راہ کی کوئی منزل نہ ہو.........اور آس پاس ستانے کو کسی درخت کی چھاؤں کا آسرا بھی نہ ہو اس راہ پر چلنے کا فائدہ ماہ رخ نے دکھ سے ٹوٹتے لہجے میں بالآخر مومنہ کی شعلہ فشانی کا جواب دیا.........یہ تم نے طے کیا ہے کہ راہ کی منزل نہیں.........کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اب کچھ نہیں ہو سکتا اور تمہیں ناامید ہو جانا چاہئے.........اور مسلمان کو تو اس طرح کی ذہنیت سوٹ ہی نہیں کرتی.........کیا سیکھ رہی ہو تو تم اپنی نماز سے کیا حاصل کیا ہے تم

نے پانچ وقت کی حاضری سے.........صرف ٹکریں.........چپ چاپ اس کے زیر سایہ بیٹھی ہو۔ اس کا گریبان کیوں نہیں پکڑا.........؟ مومنہ نے برہمی سے سوال کیا۔

پھوپھو.........اس موضوع پر اس سے بات کرنا میں اپنی انسلٹ سمجھتی ہوں.........میں اسے اپنی زندگی کا افسوس ناک واقعہ سمجھ کر بھلا چکی ہوں۔ میرا اس سے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے.........میں اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں ہوں۔ آپ اتنا آگے تک کیوں سوچ رہی ہیں......آپ نے کوئی بات دیکھی ہے مجھ میں؟ یا یہ فیل کیا ہے کہ میں اس کو مس کر رہی ہوں؟ ماہ رخ نے اب کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی تاکہ مومنہ مزید پر جوش نہ ہو۔

لو.........یہ کیا بات ہوئی.........کچھ غلط لکھا گیا تھا.........تم ربڑ اٹھاتی اور مٹا دیا.........؟ مومنہ برافروختہ ہو کر پوچھنے لگی۔

کوئی فائدہ.........ماہ رخ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ہم تو نہیں مانتے اس سراسر نقصان کو جس میں ہمارا کوئی قصور ہی نہیں۔ مارے کاہلی کے تم اپنے سارے حقوق اٹھا کر طاق میں رکھو اور اے۔ سی چلا کر لمبی تان کر سوتی رہو.........میں تو اس سے نمٹتی ہوں اب اچھی طرح.........مومنہ نے دھمکی دی

صرف میرا مزید تماشا بنے گا اور تو کچھ حاصل نہیں ہوگا.........ماہ رخ نے بڑے ٹھہراؤ اور سنجیدگی سے کہا۔

ارے تو ہم تماشے کے لئے یہ بھاگ دوڑ کریں گے......؟ تلوں میں سے تیل نکالیں گے دیکھنا.........یہ صرف پاکستان کے کام چوروں کا انداز ہے کیا کچھ نہیں نتیجہ نکال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اتنی گندم اگاتے ہیں اتنی گندم کھاتے ہیں۔ دس دانے گندم کا حق ادا نہیں کرتے جس گھر چلے جاؤ خاتون خانہ کچن میں پسینے پسینے ہو رہی ہے۔ ایک پکار ہی

ہے۔ آٹھ دس کھا رہے ہیں.......... او بھئی کھانا کھانے والوں پر کارآمد کام کرنا فرض ہے.......... ورنہ دوسری صورت میں حرام خوری کہلاتی ہے یہ.......... ماہ رخ میں یہ مبینہ زیادتی ہضم نہیں کرسکتی.......... میں جو کچھ کروں مجھے کرنے دو میرے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش مت کرنا.......... بس.......... یعنی کہ حد ہوگئی.......... مومنہ شدید غصے میں اپنی جگہ سے اٹھی اور واش روم میں گھس گئی.......... تاکہ ٹھنڈے پانی کا شاور لے کر آگ ٹھنڈی کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آج کل تو ہر کام کی مشین بن گئی ہے اور ان مشینوں کے ساتھ انسان خود بھی مشین بن گیا ہے..... کھٹ سے حلیم تیار کھٹ سے کوفتے تیار.......... اوفوہ ایک وہ زمانہ کہ کڑھی صبح سے چڑھ گئی چولہے پر..... زمانے بھر کے اہتمام.......... گھر بھر کی عورتیں ہاتھ بٹا رہی ہیں ہمارے ہاں ایک خواجہ سرا ہوتا تھا ڈیوڑھی میں...... ''نواب بیگم'' سارے محنت کے کام اس کے ذمے تھے۔ کوفتے بنتے تو اس دن قیمہ سل پر باریک کرنے کی ڈیوٹی اس کی ہوتی تھی ہماری بچی نئی نئی دلہن تھیں طے پایا کہ آج کوفتے نئی دلہن بنائے گی..........

نئی دلہن بھی اپنا سلیقہ ثابت کرنے کے لئے جت گئیں مگر بھئی کرنا خدا کا کوفتے ہانڈی میں پڑتے ہی کھیل کھیل ہوگئے.......... دلہن چچی الزام ڈالیں نواب بیگم کے سر کہ انہوں نے کوفتے کا قیمہ ٹھیک سے نہیں کوٹا اس لیے کوفتے ٹوٹ گئے.......... نواب بیگم کہیں کہ دلہن چچی ہانڈی میں چمچ اتنے زور سے چلا رہی تھیں جیسے حلیم کو گھوٹا لگا رہی ہوں۔ ننا بتا رہی تھیں اور روبی ہنس ہنس کر لوٹ رہی تھی۔

وقار اپنا موبائل ہاتھ میں پکڑے لاؤنج میں داخل ہوا تو وہاں کا منظر دیکھ کر کچھ الجھ گیا۔ جیسے کچھ سمجھ نہ آئی ہو پھر روبی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ناگوار سے انداز میں

بولا مجھے شام سات بجے ضروری کام سے جانا ہے۔ میں تمہارے کوفتے کباب نہیں کھا سکوں گا بہتر تھا تم میرے کپڑے وغیرہ تیار کردیتیں۔

روبی اس کے لہجے پر ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

بہت برا لگنے لگا ہے میرا ہنسنا بولنا......؟ وہ تیکھے لہجے میں پوچھ رہی تھی..........

ایکچوئلی میں بہت ڈسٹرب ہوں.......... سب کچھ برا لگتا ہے ان دنوں.......... وقار نے ننا کا لحاظ کرتے ہوئے ذرا خود پر کنٹرول کیا۔

اللہ رحم کرے بیٹا.......... کیا پریشانی ہے.......... کچھ منہ سے تو بولو.......... بولنے سے بھی جی ہلکا ہوجاتا ہے.......... ہم تمہارے اپنے ہیں بیٹا.......... تمہیں گم صم دیکھ کر ہمیں دکھ ہوتا ہے.......... میں تو روبی سے کہہ بھی رہی تھی کہ وقار کو ضرور کوئی پریشانی ہے۔ ورنہ اس طرح تو وہ کبھی دکھائی نہیں دیا۔

وقار نے ننا کی طرف دیکھا پھر روبی پر ایک نظر ڈالی۔

ہر بات گھر میں بتانے والی نہیں ہوتی ننا.......... ہیں کچھ آفیشل پرابلمز..........

روبی میرے براؤن شوز نکال دینا.......... میں لیٹ ہوجاؤں گا۔

روبی بجھے بجھے انداز میں بولی۔

کتنا لیٹ ہوجائیں گے.......... کہیں جاتے ہیں تو بارہ تو بج ہی جاتے ہیں..........

وقار موبائل کے بٹن پش کرنے لگا.......... ننا نے مارے پریشانی کے کئی مرتبہ سر پر دوپٹہ درست کیا۔ پھر کارنر ٹیبل سے تسبیح اٹھا کر دانوں پر انگلیاں چلانے لگیں۔

وقار آہستگی سے چلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو روبی بھی پیچھے پیچھے چل پڑی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ پھٹ پڑی۔

کیا مسئلہ ہے بھئی.......... ہر طرح سے تو خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہوں پھر بھی

موڈ آف۔ کیا کروں میں.......... آپ خود بتا دیجئے.......... ہر چیز پر اعتراض.......... کچھ کہنا ہے تو کھل کر کہیں اتنا تکلف کیوں کر رہے ہیں۔

روبی.......... خاموش رہو.......... میں اس وقت کسی قسم کی بات چیت کے موڈ میں نہیں ہوں وقار نے برہمی سے کہا۔

کیوں بھئی کیوں چپ رہوں......؟ کیا کیا ہے میں نے جو خوامخواہ مجھے کئی دن سے سولی پر لٹکایا ہوا ہے.......... کہیں اور دل لگ گیا ہے بری لگنے لگی ہوں میں؟ وہ بھی بھڑک کر بولی بس تم عورتوں کی پہنچ یہیں تک ہوتی ہے.......... دنیا میں اور بھی ضروری کام ہوتے ہیں.......... صرف عورت ہی کے مسئلے نہیں ہوتے.......... روبی بیگم.......... وقار نے تلخی سے جواب دیا اوفوہ روبی بیگم.......... بیگم تو کبھی کہا نہیں آج روبی کے ساتھ بیگم لگا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں مجھے بیگم، خانم، سلطانہ، بانو بنانے کی میں صرف روبی ٹھیک ہوں۔ روبی کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

تم میرے شوز دے دو میں ابھی چلا جاتا ہوں یہاں سے.......... وقار نے موبائل ٹیبل پر پٹخ دیا۔

ہاں چلے جائیں.......... بڑا احسان کیا ہے تین مہینے بعد تشریف لا کر.......... پتہ نہیں تین مہینوں میں کس کی عادت پڑی گئی ہے.......... روبی بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

وقار نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر ضبط کی کڑی منزل طے کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ممانی جان.......... مدحت کی امی آئی ہیں.......... نمو نے بیڈ روم میں آ کر مسز علوی کو مطلع کیا جو بالوں میں رولر لگائے کسی شام کے فنکشن کی تیاری شروع کر چکی تھیں۔

حلیہ بھی ایسا تھا گویا دیر تک ان کا بیڈ روم سے باہر آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا.......... ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھلے گلے کی کاٹن کی نائٹی میں ملبوس اپنے بازوؤں پر خدا معلوم کیا مل رہی تھیں۔ نمو کی اطلاع پر مارے بدمزگی کے ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

اوفوہ بھئی کیا مصیبت ہے.......... اچھی خاصی غنڈہ گردی ہے یہ تو.......... کونسا ہم نے ٹھیکرے کی مانگ توڑی ہے جو پیچھا لے لیا ہے ان لوگوں نے.......... وہ آئینے میں نمو کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں.......... نمو کے پاس بھلا کیا جواب ہو سکتا تھا وہ تو ان کے جواب کے انتظار میں چپ سادھے کھڑی تھی۔

مسز علوی نے وال کلاک کی طرف دیکھا دن کے گیارہ بج رہے تھے.......... پھر جار کا ڈھکن بند کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

رمیض ہے گھر میں..........؟

نمو نے ان کی طرف یوں دیکھا جیسے اس واقعے کی وہ ذمہ دار ہو آہستگی سے بولی۔

جی......انہوں نے ٹیرس سے سردار صاحب کی کار دیکھ لی تھی مجھے یہ کہہ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئے.......... کہ اگر وہ آرمی بھی ساتھ لائی ہیں تو مجھے بلانے کی ضرورت نہیں۔

مسز علوی نے سوچتے ہوئے جار ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

چلو اچھا ہوا رمیض گھر پر ہے.......... ابھی میں یہ سارا حساب کتاب کر دیتی ہوں یہ روز روز کی چخ چخ تو ختم ہو.......... لاؤ وہ میری نماز کی چادر دو.......... یہ رولر لگے ہوئے چینج کیسے کروں؟ کہاں بٹھایا ہے چوہدرانی کو......؟ وہ جلے بھنے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

نمو نے آگے بڑھ کر بڑی پھرتی سے وارڈ روب سے چادر نکالی اور ان کو تھماتے ہوئے بولی ڈرائنگ روم میں..........

تم چلو میں میں آ رہی ہوں.......... مسز علوی نے کہا اور چادر جھٹک کر کھولنے
لگیں۔ نمو باہر نکل گئی۔

کتنا فضول فالتو وقت ہوتا ہے لوگوں کے پاس.......... نمو نے باہر نکلتے نکلتے ان
کی بڑبڑاہٹ سنی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسز علوی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو بیگم سردار کو دیکھ کر چونک
پڑیں.......... بیگم سردار کا چہرہ اتنا پھیکا پھیکا سا لگا۔ جیسے وہ کئی دن کی بیماری کے بعد بستر
سے اٹھی ہوں مسز علوی کی ذہنی کیفیت ان کے حال پر نظر پڑتے ہی بدل گئی۔

آف وہائٹ چکن کی بڑی سی چادر.......... پاؤں میں سادہ سی چپل.......... ملگجے
سوتی کپڑے.......... آنکھیں ایسی جیسے کئی راتوں سے سوئی نہ ہوں۔

السلام علیکم.......... انہوں نے اٹھ کر مسز علوی کو سلام کیا اور مصافحے کے لئے
ہاتھ بڑھایا۔ مسز علوی نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور بہت مروت واخلاق
سے بولیں۔

تشریف رکھئے.......... آپ کی طبیعت اچھی دکھائی نہیں دیتی۔

بیگم سردار خاموشی سے بیٹھ گئیں اور رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

بہن.......... میں بہت پریشان ہوں.......... میری بچی مر رہی ہے۔

اللہ نہ کرے.......... کیسی باتیں منہ سے نکال رہی ہیں.......... بچی ہے..........
یہ بڑی جذباتی سی عمر ہوتی ہے یہ میرا اور آپ کا کام ہوتا ہے کہ ایسے بچوں کو عقل کی راہ
دکھائیں.......... بچے تو بچے ہوتے ہیں.......... عمر چھوٹی، تجربہ کم.......... پریشانی میں
خود کو سنبھال نہیں پاتے.......... مسز علوی نے بڑے سبھاؤ اور رواداری سے بات کی۔

آپ کی بات غلط نہیں ہے بہن.......... ہم اپنی سی کوشش کر رہی ہیں..........
بلکہ بعض اوقات تو اپنی ہی بچی پر بہت غصہ آتا ہے.......... اس کی نادانی پر دل کڑھتا
ہے۔ بہت سمجھایا.......... اس کے باپ نے برادری میں جہاں اس کا رشتہ دیا ہے۔
وہاں کوئی کمی نہیں.......... لڑکا پڑھا لکھا ہے صورت شکل اچھی ہے۔ روپیہ پیسہ بہت
سات بھائیوں کی زمینداری اور کاروبار ہے آپس میں اتفاق ہے پچاس بندوں کی روٹی
ایک جگہ پکتی ہے.......... بہویں بیٹیاں دکھائی دیتی ہیں.......... اب اس کا نصیب ہی
کھوٹا ہے تو وہ میں کہاں سے لاؤں.......... کہتی ہے رمیض نے عمر بھر ساتھ رہنے کی
بات دسیوں مرتبہ کی ہے میرا ذہن اس کے علاوہ کسی کو قبول نہیں کرتا.......... آپ یقین
کریں بہن بستر سے لگ گئی ہے وہ..........

مسز علوی سر جھکا کر سنتی رہیں.......... نمو ذرا فاصلے پر بیٹھی تھی مگر اس کے چہرے
سے ظاہر تھا کہ وہ یہ سب سن کر بہت دکھ محسوس کر رہی ہے۔

معاً مسز علوی نے سر اٹھایا اور نمو کی طرف دیکھا۔

نمو رمیض کو بلا کر لاؤ یہ بات آج اپنے انجام تک پہنچ جانا چاہئے.......... وہ جیسے
خود کلامی کے انداز میں بولیں۔

نمو باہر نکل گئی۔ مسز علوی نے بیگم سردار کی طرف دیکھا اور بولیں۔

دیکھیں مسز سردار ایک بات تو آپ بھی دل سے مانیں گی کہ مرد آزاد فطرت پر ہوتا
ہے فرض کریں میں رمیض کو زبردستی اس شادی پر رضامند کر لیتی ہوں تو کیا وہ اس
زبردستی کے بعد مدحت کو وہ سب کچھ دے سکے گا جس کی وہ جائز حقدار ہوگی۔ اگر وہ
شادی کر کے خدانخواستہ اسے چھوڑ دے تو کیا یہ زیادہ بڑا نقصان نہیں؟ ابھی تو بہت بچت
ہو رہی ہے دوسرے اگر وہ اسے نہ چھوڑے اس سے منہ موڑ کر چلے اس کے سر پر سوتن لا

کر بیٹھا دے تو کیا یہ سسکتی ہوئی زندگی قابل برداشت ہوگی؟ آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر مگر میں کیا کروں وہ کہتی ہے میں خودکشی کرلوں گی۔ بیگم سردار نے بے بسی سے کہا۔

لاحول ولاقوۃ.......... اتنی فالتو ہے یہ زندگی؟ کیا ہوگیا ہے آج کل کے بچوں کو؟ یہ فلمیں ڈرامے دیکھ دیکھ کر خود کو کوئی کردار سمجھنے لگتے ہیں.......... اتنی پڑھی لکھی بچی کو ایسی احمقانہ باتیں سوٹ تو نہیں کرتیں۔ اتنی بے وقوف تو گاؤں دیہاتوں کی لڑکیاں نہیں ہوتیں کھانے پیتے گھرانوں میں تو لڑکیاں فیشن کے طور پر بھی فلرٹ کرتی ہیں..........

یہ وہ زمانہ کہاں کہ لوگ دل لگا کر سارے دھندے چھوڑ ایک کونے میں پڑے رہیں.......... دنیا سمت کر نقطہ ہو رہی ہے.......... پتہ نہیں آپ کی بچی کا کیا معاملہ ہے۔ شاید آپ مائنڈ کریں مگر میں آپ کو مشورہ دوں گی کہ آپ مدحت کو کسی سائیکلوجسٹ کو دکھائیں.......... یہ سب کچھ بہت ابنارمل ہو رہا ہے.......... اس کے ساتھ ساتھ ہم سب لوگ سائیکی پشینٹ بن جائیں گے.......... جیسے نشتر سے پھوڑا صاف کرتے ہیں.......... تاکہ مستقل آرام آجائے اس معنی میں مسز علوی نے بہت صاف گوئی سے بات کی۔

اسی وقت نمو اندر آئی تھی۔

رمیض بھائی شاور لیکر آتے ہیں.......... میں گئی تو واش روم میں تھے.......... وہ بہت فکر مند اور پریشان نظر آرہی تھی.......... جیسے ماحول کی کشیدگی کا سارا بوجھ اس اکیلی کے کاندھوں پر ہو۔

آپ کا پلہ بھاری ہے بہن.......... جو مرضی کہہ لیں ہم برا نہیں مانیں گے۔ بلکہ یہی کہیں گے کہ آپ کا کہا سر آنکھوں پر.......... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں..........

بڑا زور تھا مجھ میں بڑا غرور.......... سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات.......... شیش محل،

رنگ محل سب کچھ آج میری اکلوتی بیٹی میرے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے.......... جیسے مٹھی سے ریت پھسلتی ہے اور میں بے بسی سے دیکھ رہی ہوں.......... اپنے مالک سے دن رات توبہ کر کر کے اسکی زندگی مانگ رہی ہوں.......... بیگم سردار چادر سے منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

مسز علوی یوں چپ ہوگئیں کہ مزید بات کرنے سے بہتر ہے رمیض کا انتظار کرلیا جائے۔ بیگم سردار سسکیاں بھرتی رہیں۔

مسز علوی نے نمو کو کہا۔

نمو آنٹی کے لئے سوفٹ ڈرنک لاؤ.......... میرا خیال ہے سیون اپ ڈائٹ ہوگی۔ مسز علوی نے بیگم سردار کے جثے پر نظر دوڑائی۔

رہنے دیں بہن یہ تکلفات.......... یوں بھی بہت زحمت دی آپ بس مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی ضرور پلا دیں۔

نمو نے دونوں طرف کی Conversetion ساعت کی......اور باہر چلی گئی۔

رمیض ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو منظر ہنوز تھا بیگم سردار رو رہی تھیں اور اس کی اپنی ماں خاموش تماشائی کی طرح بیٹھی تھیں.......... اس نے نمو کو نظروں ہی نظروں میں تلاش کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے بیگم سردار کو سلام کیا۔

السلام علیکم آنٹی..........

بیگم سردار تو جیسے رمیض کی آواز سنتے ہی نئے سرے سے جی اٹھیں۔ فوراً چادر سے آنکھیں پونچھیں اور بڑے گرم جوش انداز میں رمیض کے سلام کا جواب دیا.......... اور پرشوق نگاہ اس پر دوڑائی۔

بلیک جینز اور اپنی پسندیدہ یلو (Yellow) ٹی شرٹ میں بہت نکھرا نکھرا نظر آرہا

تھا۔ تازہ شیو، شاور، پرفیوم.......... کسی ماڈل کی طرح تیار جس پر کیمرے فوکس ہو
آؤ رمیض.......... بیٹھو.......... ہمیں تو آپس میں جو بات کرنا چاہئے تھی
کر چکے...... اب تم آنٹی سے ڈائریکٹ بات کرو.......... غلط فہمی، خوش فہمی، دورس
جو کچھ بھی ہے وہ دور کرو مسز علوی نے نہایت سنجیدگی سے رمیض کو مخاطب کیا۔

میری طرف سے تو کوئی بات ہی نہیں تھی آنٹی.......... اور جو ایشو مدحت
اٹھایا تھا اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔ اب کیا مسئلہ ہے؟ واٹس اے پرابلم
واٹس پزل......؟ رمیض بڑے اعتماد اور اس سے بھی زیادہ بے حسی سے بات کر
تھا...... وہ بھی کھڑے کھڑے بیگم سردار کی نظریں جھکی ہوئی تھیں.......... وہ بہت توجہ
اس کی بات سن رہی تھیں انداز ایسا تھا کہ صدمے اور مایوسی کی انتہا پر دل بیٹھا جا رہا ہو۔
اپنا تمام تر حوصلہ جمع کر کے بمشکل گویا ہوئیں۔

رمیض پیچھے سے ہم دیہاتی.......... کٹر دیہاتی لوگ ہیں.......... ہمارے ہا
دھی بیٹی کی ہر بات پردے والی ہوتی ہے.......... ہم سے غلطی ہوئی دولت کی زیادتی
ہماری مت مار دی.......... ہم اپنی چال بھول کر شہری کوا بن گئے.......... انگریز
سیکھی۔ پھر انگریزی بولنے والوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کیا ان کی لڑکیوں کی طر
اپنی لڑکی کو پڑھایا لکھایا.......... اور یہ بھول گئے کہ سب کچھ سیکھا پڑھا جا سکتا ہے لیکن
بیٹے مٹی کا اثر کیسے ٹوٹے..........؟ میری بیٹی جھوٹ نہیں بول رہی اس کی جو حالت
اس حالت میں انسان میں جھوٹ سوچنے بنانے بولنے کی طاقت نہیں ہوتی..........
بیٹا تمہیں وہ اچھی لگی تھی تو تم نے بات اتنی بڑھائی تھی۔

آنٹی.......... پلیز.......... بلیومی.......... میں آپ سے کہہ چکا ہوں میں
بات نہیں بڑھائی کوئی کمٹ منٹ نہیں کی.......... وہ کیوں ہمیں پریشان کر رہی ہے؟

ایک بات میں صاف صاف بتا دوں کہ میں گن پوائنٹ پر بھی اس سے شادی پر رضامند
نہیں ہو سکتا لائف پارٹنر کے لئے میری آئیڈیالوجی اور قسم کی ہے اور وہ میں آپ کو بتانے
کا پابند نہیں ہوں.......... وہ یہ کہہ کر ماں کی طرف بڑھا اور بولا۔
ممی اب تو ایزی فیل کریں آپ کے سامنے بات ہو گئی ہے ناں..........؟ آنٹی کو
کولڈ ڈرنکس وغیرہ پلائیں.......... اور کے.......... بائے.......... مجھے ایک بجے آئی۔
ٹی کالج پہنچنا ہے.......... ضروری کام ہے.......... پھر لنس.......... پھر کوچنگ
لینے.......... لاسٹ سوئمنگ.......... آئی۔ ایم.......... سو بزی آنٹی.......... کاش
میں آپ کے لئے کچھ کر سکتا۔ سو.......... سوری.......... فار دیٹ.......... وہ یہ کہہ کر
بڑی تیزی سے پلٹ گیا۔

سردار صاحب کی بیگم کے ہاتھ میں چادر کا پلو تھا جس سے وہ مسلسل آنکھیں پونچھ
رہی تھیں وہ پلو ہاتھوں میں تھامے پتھر کے بت کی طرح رمیض کو جاتا دیکھتی
رہیں.......... پھر ایک دم سٹپٹا کر سامنے دیکھا۔ مسز علوی اور نمو انہی کی طرف دیکھ رہی
تھیں مسز علوی انہی اپنی جانب دیکھتا پا کر نظریں چرا گئیں۔

نمو ہاتھ میں پکڑی ٹرے لئے ان کے نزدیک آ گئی.......... آنٹی پلیز..........
اس نے ٹرے ان کے آگے کی۔

بیگم سردار نے گلاسوں پر نظر دوڑائی.......... اور پانی کا گلاس اٹھا لیا..........
اگرچہ سیون اپ کا بھی کوئی کلر نہیں ہوتا مگر بیگم سردار کو بڑی پریکٹس تھی.......... سیون
اپ کے گلاسوں میں اٹھتے بلبلے اور سادہ پانی کے گلاس کا سکون انہوں نے اس حال میں
فرق کر لیا تھا ٹھنڈا یخ پانی انہوں نے بہت سکون سے پیا.......... گلاس واپس رکھا چادر
سے چہرہ پونچھا.......... اور اٹھ کھڑی ہوئیں.......... اور رندھی ہوئی آواز میں مسز علوی

سے مخاطب ہوئیں .... بہت بہت شکریہ .... بہن .... بہت وقت دیا
آپ کا .... لیکن میری بچی .... میری بچی کے لئے دعا کیجئے .... خدا حافظ
مسز علوی مارے رقیق القلبی کے ان کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔
میں شام کو ایک پارٹی اٹینڈ کرنے سے پہلے مدحت کے پاس آؤں گی اس کی
خیریت کے لئے .... ہم سب کی توجہ محبت سے وہ یقیناً بہت جلد سنبھل جائے گی
انہوں نے بیگم سردار کے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے ان کی دلجوئی کی۔ بیگم
سردار جواب میں خاموش رہیں .... شاید دل بہت بھرا ہوا تھا پیمانہ چھلکنے کے خوف
سے زبان خاموش تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رات کے کھانے پر نیا کی امی نے اچھا خاصہ اہتمام کیا تھا .... سمن کی وجہ سے
اتنا زیادہ نہیں سہیل صدیقی کی وجہ سے کہ وہ پہلی مرتبہ ان کے مہمان ہونے والے تھے
سمن تو اتنا اہتمام دیکھ کر اچھی خاصی شرمندہ ہوگئی۔ اسے احساس تھا کہ نیا مسلسل ملازمت
کی کوشش میں لگی ہوئی ہے اس کے فائنینشلی حالات اچھے نہیں ہیں اسے بہت گلٹی فیل
رہا تھا .... وہ فرشی دسترخوان پر بکھرے لوازمات کو دیکھ کر کہے بنا رہ نہ سکی ....
نیا .... اتنی غیرت .... اتنا تکلف .... اگر تم اس طرح کرو گی تو میں کیسے
سکوں گی یہاں ......؟

حد ہے تم سے زیادہ خوش فہمی کی ضرورت نہیں تمہارے لئے یہ اہتمام نہیں کیا یہ سہیل
بھائی پہلی مرتبہ ہمارے گھر کھانا کھائیں گے .... سمجھیں۔

گیارہ تو بج گئے ہیں ابھی تک تو آئے نہیں نہ ہی فون آیا .... اگر آئے بھی
کھانا کھا کر ہی آئیں گے۔ تم نے اور آنٹی نے بلاوجہ اتنی محنت کی۔

گیارہ بج گئے ہیں تب ہی تو کھانا لگا دیا ہے .... پریشانی اللہ معلوم کہاں کہاں
پھر رہے ہوں گے سہیل بھائی۔ لیکن تمہیں ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں .... وہ
حوصلے والے مرد ہیں اپنے مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالیں گے کوئی شیر خوار بچے نہیں ہیں جو شہر
میں گم ہو جائیں گے نیا نے خالی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے تسلی دی۔

نیا ٹھیک کہہ رہی ہے سمن تم سکون سے کھانا کھاؤ ...... تمہارا شوہر کوئی عام آمی نہیں
ہے اس کی بہت پہنچ ہے .... شہر کے امیر رئیس اس کے ملنے جلنے والے ہیں ....
وہ کچھ نہ کچھ کر کے ہی تمہارے پاس آئے گا .... نیا کی امی نے بھی اسے پرسکون
کرنے کی کوشش میں حصہ لیا۔ نہیں ...... میں اس وجہ سے پریشان نہیں ہوں .... پتہ
نہیں انہوں نے تو فون بھی نہیں کیا ان کے پاس تو موبائل ہوتا ہے .... شام کو جب
میں نے ٹرائی کی تھی تو میسج پر لگا ہوا تھا میں یہی سمجھی وہ سفر کر رہے ہیں .... ان کا
موبائل کچھ ڈسٹرب ہے۔ گاڑی وغیرہ میں سگنل ٹھیک نہیں آتے۔

نیا نے بریانی کی ڈش اٹھا کر اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا .... ہو سکتا ہے
اس خراب میں اور خرابی آ گئی ہو اور اس وجہ سے فون نہ کیا ہو۔

قدم قدم پر P.C.O ہیں اس شہر میں .... کمیونیکشن تو مسئلہ ہی نہیں ...... سمن
نے یہ دلیل مسترد کر دی۔

اللہ سے خیر کی دعا مانگو سمن .... اللہ کرم کرے گا۔ تسلی سے کھانا کھاؤ۔ جو انسان
دنیا جہان کی نعمتوں کو ٹھکرا کر تمہاری خوشی کے لئے باہر نکلا ہے وہ تم سے غافل ہوگا ......؟
نیا کی امی نے اپنی پختہ عمری اور تجربات کی روشنی میں بہت اعتماد سے اسے سمجھایا ...... سمن
خاموشی سے کھانا کھانے لگی .... قطعی خاموشی طاری ہوگئی۔ سمن کے ہاتھوں میں
پڑے پرانی وضع کے بھاری کنگن ہاتھوں کی حرکت کی وجہ سے کھنک رہے تھے اور نہایت

خاموشی کی وجہ سے کنگنوں کی کھن کھن ماحول میں بہت انوکھا سا ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

سوری مجھے ذرا دیر ہوگئی.........اصل میں میں عشاء کی نماز میں مصروف ہوگئی تھیں......سوچا امی نے آج اتنے مزیدار کھانے بنائے ہیں کہ محلے والے تجسس سے بے حال ہیں کہ کس کے گھر دعوت ہو رہی ہے.......... پیٹ فل ہو جائے تو اللہ اللہ کرتے ہوئے اونگھ آنے لگتی ہے۔خالی پیٹ اللہ اللہ کرو تو بڑا نرالہ سماں بندھتا ہے.......... جیسے خالی مٹکے میں سکہ گرنے کا شور ہوتا ہے..........عتیقہ عجیب سا شور کرتی بندھا دوپٹہ کھولتی اندر آئی اور دھپ سے بیٹھ گئی تھی اور ننھے بچوں کی طرح کھانے کے لوازمات پر نظریں دوڑا رہی تھی۔

روکھے پھیکے سے ماحول میں اس کی آمد سے خوشگوار سے جھونکے کا احساس پیدا ہوا تھا معاً عتیقہ کو دھیان آیا..........اس نے ان تینوں کے چہروں پر نظر ڈال کر پوچھا۔ ہیں..........سہیل بھائی نہیں آئے ابھی تک.......... باراتی موجود دولہا غائب..........

عتیقہ نے شوخی سے کہا۔

ثمن نے مسکرا کر عتیقہ کی طرف دیکھا۔اور بولی۔

بھئی مذاق میں بھی ایسی مثال نہ دو میرا تو خوف سے دل بیٹھ بیٹھ جاتا ہے۔بس دولہا بنتے بنتے رہ گئے دوبارہ سے۔تمہارے سہیل بھائی۔

اونو..........رئیلی؟عتیقہ نے تائید کے لئے بہن کی طرف دیکھا۔

نیا خاموش رہی..........نیا کی امی نے عتیقہ کو ٹوکا۔

آرام سے کھانا کھاؤ چلبلی ڈاکٹر صاحب.......... بدمزگی والی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں خیر سے آتے ہونگے سہیل۔

پھر سے خاموشی چھا گئی.......... برتنوں کی چمچوں کی آوازیں.......... کنگنوں کی

کھن کھن......اس خاموشی کے بیچ انسانوں کی موجودگی کا احساس دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسز علوی بیگم سردار کے ہمراہ مدحت کے بیڈروم میں داخل ہوئیں۔اس وقت وہ سیاہ بارڈر والی آف وہائٹ ساڑھی میں ملبوس تھیں بڑا معقول سا پارٹی میک اپ تھا۔قیمتی پارٹی ویئر پرس بغل میں دبایا ہوا تھا خوشبوؤں میں مہک رہی تھیں۔

کمرے میں داخل ہوئیں تو ایک لمحے کو کچھ سجھائی نہیں دیا۔بیگم سردار اختر نے جھٹ آگے بڑھ کر لائٹ آن کی..........اور بولیں۔لہجے میں بلا کا دکھ تھا۔

اسی طرح اندھیرا کیے پڑی رہتی ہے ہر وقت..........دن میں بھی پردے ہٹانے نہیں دیتی زبردستی کرو تو رونے لگتی ہے۔

بیگم سردار بول رہی تھیں اور مسز علوی ششدر سی مدحت کو دیکھ رہی تھیں۔وہ برسوں کی بیمار نظر آ رہی تھی سلیولیس ٹاپ شرٹ اور ٹراؤزر پہنے ہوئی تھی ٹراؤزر کے پائنچوں میں فرل لگی ہوئی تھیں..........اس ڈریس میں وہ کمزوری کے باعث چودہ پندرہ سال کی نوخیز لڑکی دکھائی دے رہی تھی..........مسز لوی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔

اس نے آہستہ آواز میں سلام کیا..........مسز علوی نے سر کی جنبش سے اس کا سلام قبول کیا اور کرسی کھینچ کر مدحت کے قریب بیٹھ گئیں۔

بیٹا یہ کیا حالت بنا رکھی ہے..........؟ کیوں اپنے پیرنٹس کو پریشان کیا ہوا ہے؟ تم پڑھی لکھی لڑکی ہو..........کوئی لاعلم اور ان پڑھ نہیں ہو..........کیا رکھا ہے ان باتوں میں؟ بیٹے پریکٹیکل لائف بہت مختلف ہوتی ہے۔میری بات اس لئے توجہ سے سنو کہ کوئی وقت تھا میں بھی تمہاری عمر کی لڑکی تھی..........اپنی شادی پر بہت خوش تھی.......... بہت

ارمانوں سے کپڑے گہنے بنائے تھے......... تصور یہ تھا کہ اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ لائف انجوائے کروں گی......... گھوموں گی پھروں گی اس کی دلچسپ باتیں سنوں گی......... صبح شام زبردست طریقے سے ڈریس اپ ہوا کروں گی۔ میرا لائف پارٹنر مجھے ہر ہر طرح ایڈ مائر کرے گا۔ خوشیاں ہوں گی......... پلیئر ہوگا......... لیکن شادی کے بعد سے اب تک اس بات کو ترس رہی ہوں کہ تمہارے انکل کو کب فرصت ملے گی کب وہ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر مجھ سے بات کریں گے شادی کے بعد کیونکہ بزنس نیا نیا تھا تمہارے انکل اس کو پھیلانے جمانے میں اتنے مصروف رہے کہ انہیں تو میرا پسندیدہ کلر تک پتہ نہیں تھا......... بس پھر بچہ ہوگیا......... گھر کے دھندے شروع ہوگئے شادی سے پہلے کے سب خواب تعبیر پانے کے لئے آج بھی تمہارے انکل کی فرصت کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں ان کے ساتھ بزنس ڈنر میں جانے کے لئے اچھی طرح تیار ہوتی ہوں اور وہ میری تیاری دیکھنے کے بجائے سوچ رہے ہوتے ہیں کہ آج کس کس پوائنٹ پر بات چیت مناسب رہے گی......... ساتھ ساتھ پوچھتے بھی جاتے ہیں......... آپ تیار ہوں ناں......؟ تب میں جل کر جواب دیتی ہوں۔

کب سے فوٹو کھنچوانے کی غرض سے آپ کے سامنے کھڑی اپنی گردن کا اینگل درست کر رہی ہوں......... مسز علوی نے رک کر مدحت کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی آیا کہ ان کی اس دلچسپ بات پر وہ مسکرائی یا نہیں......... مگر مدحت کی آنکھیں یوں بند تھیں جیسے وہ بڑے انہماک سے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

میں تمہاری عیادت کے لئے آئی ہوں۔ تمہاری امی نے جو کچھ بتایا سن کر رہا نہیں گیا پارٹی اٹینڈ کرنے سے پہلے تمہارے پاس آئی ہوں......... لیوا ٹ بیٹا......... کیوں خود کو ضائع کر رہی ہو......؟ یقین کرو اگر رمیض شادی پر تیار ہو جاتا تو میں آج

بارات لے کر تمہارے گھر آجاتی......... مگر وہ تیار نہیں ہے کہتا ہے میں نے تو مدحت سے شادی کے بارے میں کبھی سوچا تک نہیں......... اب بتاؤ کوئی گنجائش ہے جس کی بیس (Base) پر ہم اس سے اصرار کر سکیں......... دیکھو وہ تم سے کسی قیمت پر شادی نہیں کرے گا۔ اس لیے تم خود کو سنبھالو......... اور اپنے پیرنٹس کا کہنا مانو......... شاباش......... یہ زمانہ کہاں ہے وہ جب عشق و محبت کے پیچھے لوگ بن باس لے لیا کرتے تھے......... سارے دھندے چھوڑ کر نکلے ہو جاتے تھے......... آج کل تو نہ لڑکے ایسی باتوں کی پرواہ کرتے ہیں نہ لڑکیاں بس لائف انجوائے کرتے ہیں......... اب تو بچے بہت مچیور ہوگئے ہیں......... معاً بولتے بولتے ان کی نظر مدحت کے چہرے پر پڑی اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو ٹپک کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔

ان کا دل تڑپ گیا......... آخر وہ اس بیٹے کی ماں تھیں جس نے اس لڑکی کو روگ لگایا تھا انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

میری جان جہاں تمہارے پیرنٹس تمہاری شادی کر رہے ہیں وہاں چپ چاپ شادی کر لو......... لائف پارٹنر کے ملتے ہی تمہاری لائف میں آٹو میٹک چینج آجائے گا......... اور اس کی محبت پا کر تم سب کچھ بھول جاؤ گی۔

مدحت اتنا سن کر منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

آنٹی اتنا آسان ہوتا تو میرا یہ حال ہوتا......... ان دو سالوں میں رمیض نے مجھے اس طرح باؤنڈ رکھا کہ میں ایک لمحے کے لئے اپنا ذہن ادھر ادھر نہیں کر سکی......... وہ رو رہی تھیں......... اور بول رہی تھی مسز علوی ایک لمحے کے لئے سوچ میں پڑ گئیں......... کیونکہ فطرت سے بری نہیں تھیں اس لئے مارجن رکھ کر بات کرنے کی عادی تھیں......... چند لمحے توقف کرنے کے بعد گویا ہوئیں۔ مدحت......... میری

جان......... ایک اصولی سی بات ہے......... میں تمہاری بات تسلیم کر لیتی ہوں
میرے بیٹے نے زیادتی کی......... تمہیں سبز باغ دکھائے پھر مکر گیا مگر تم یہ سمجھ
کوشش کرو کہ اسے پریشرائز کر کے اس شادی پر مجبور بھی کرتے ہیں اور وہ شادی
کر لیتا ہے تو کیا وہ اسے مردانہ انداز میں اپنی توہین سمجھتے ہوئے تمہیں تکلیف نہیں د
گا......... وہ کبھی بھی تمہیں خوشی نہیں دے سکے گا اور نہ خوشی دینے کی کوشش کرے گا
رہی ہونا میری بات......... تو بیٹے عمر بھر کا عذاب خریدنے سے بہتر ہے کہ اپنے بڑ
کا فیصلہ قبول کر لو......... انشاءاللہ تمہیں بہت خوشیاں ملیں گی......... یوں اپنی زن
برباد مت کرو......... اچھا بیٹا میری بات پر غور ضرور کرنا......... اب میں
ہوں......... پھر آؤں گی......... تم شادی پر تیار ہو جاؤ تمہیں بہت اچھا گفٹ بھی دوں
گی......... تمہیں تمہارے دولہا کے ساتھ میریٹ میں ڈنر بھی دوں گی......... کم از
میری جان......... دل کے بجائے دماغ سے کام لو......... تمہاری بہت بچت
جائے گی یہ کہہ کر مسز علوی بیگم سردار کی طرف پلٹیں۔

اب میں چلتی ہوں......... جب تک مدحت بالکل فٹ نہیں ہو جاتی میں آ
رہوں گی......... آپ بھی ہمت سے کام لیں......... اس کے ساتھ خود کو کمزور
کریں۔ٹھیک؟ کچھ ٹھنڈا گرم تو بہن......... بیگم سردار مسز علوی کے اتنی توجہ دے
بہت ممنون نظر آ رہی تھیں......... وضع داری نباہنے لگیں۔

کوئی بات نہیں...... آج تو میں ویسے بھی انوائیٹ ہوں......... پھر سہی۔اللہ
حافظ۔بائے مدحت......... وہ بیڈ روم سے باہر نکل گئیں......... مدحت کی آنکھیں
بند تھیں مگر آنکھوں کے گوشوں سے آنسو ٹپک رہے تھے......... بیگم سردار مسز علوی
پیچھے چل پڑی تھیں۔



فون کی بیل مسلسل رنگ ہو رہی تھی۔

نمو کچن سمیٹ کر باہر آئی تھی...... اس نے ریسیور اٹھایا......... اور بولی.........
ہیلو......... دوسری طرف بیگم سردار روتے ہوئے مسز علوی کا پوچھ رہی تھیں۔

ممانی جان تو ابھی واپس نہیں آئیں......... ماموں جان اسلام آباد میں
ہیں......... رمیض بھائی کا مجھے کچھ پتہ نہیں......... وہ جواب دے رہی تھی مگر خوف و
اندیشے سے اس کا دل دھڑک رہا تھا......... بیگم سردار کا رونا عام انداز کا رونا نہیں
تھا......... اسے ان کے رونے کی وجہ پوچھتے ہوئے پتہ نہیں کیوں خوف آ رہا
تھا......... وہ چپ تھی۔

بیگم سردار اسی طرح روتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

آپ نمو بات کر رہی ہو ناں بیٹی؟

نمو نے تھوک سے حلق تر کرتے ہوئے کہا۔

جی......... جی......... نمو ہی بات کر رہی ہوں آنٹی۔

بیٹی......... تمہاری مامی آئیں تو بتا دینا میری بیٹی ان کا انتظار کر رہی ہے۔ہم نے
کچھ بویا تھا آج کاٹ لیا ہے......... میری بیٹی چلی گئیں......... میری بیٹی
مر گئی......... نمو کی تو ٹانگیں کانپنے لگیں ریسیور ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

جی......... اس کے منہ سے یونہی نکلا۔

مر گئی وہ حرام موت......... خودکشی کر لی اس نے......... بیگم سردار پاگلوں کی
طرح اتنی زور سے چیخیں کہ نمو کو یوں محسوس جیسے کسی نے اس کے کانوں میں کانٹوں بھری
شاخ پھنسا دی ہو۔

دوسری جانب ریسیور کے ایئر پیس سے گھر میں موجود لوگوں کا شور سنائی دے رہا تھا

بیگم سردار کی آواز خاموش ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شاید حادثہ نمو جیسی نرم دل حساس لڑکی کے لیے ایٹمی دھماکہ تھا...... وہ پتھر کے
کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ نظریں دیوار پر جمی تھیں ریسور کان سے لگا تھا......
میں شائیں شائیں ہو رہی تھی نظروں میں مدحت کی کئی تصویریں ایک ساتھ متحرک تھیں
جدید تراش خراش کے ملبوسات خوشبوؤں میں مہکتی، چمکتے ہوئے تراشیدہ
زندگی سے بھرپور ہنسی، بے فکری، شانِ بے نیازی، تسخیر کا غرور، اپنائیت کا مان، چا
جانے کا گھمنڈ...... چاہنے کی الوہی مسرت۔ ہر تصویر رنگوں سے بھرپور۔

کچن میں خانساماں نے برتن کھڑکائے تو وہ چونک پڑی۔ بے جان سے انداز
ریسور کریڈل پر رکھا اور وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

''یہ کیا ہو گیا......؟ یہ مدحت نے کیا کیا......؟'' وہ سوچ سوچ کر شل ہو رہی تھی
اتنی قیمتی زندگی...... اتنا بے قیمت مصرف...... کیا کوئی کسی سے اتنی شدت سے
کر سکتا ہے کہ باقی کسی جذبے میں شدت نہ رہے؟ یہ محبت ہے یا دیوانگی؟

اتنا چاہنے والے کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہوگی؟ کیا جو محبت کرتا ہے اس کا دماغ
اور سمت کام کرنے کی قوت کھو دیتا ہے؟ اس کی سوچ صرف ایک پوائنٹ پر ٹھہر جاتی
یہ تو بہت غلط ہو گیا۔ کسی انسان کی وجہ سے کسی کو اپنی زندگی سے یہ مذاق نہیں
چاہیے...... زندگی میں تو بہت سے کام ہوتے ہیں...... جو بہت محنت اور وقت مانگتے
خدانخواستہ میری وجہ سے اگر کسی کو رنج پہنچے اور وہ بیمار پڑ جائے تو میں شاید کھانا بھی
سکوں...... ہنسنا مسکرانا بھول جاؤں...... اللہ سے سینکڑوں مرتبہ توبہ استغفار کروں
پھر بھی شاید میرا ضمیر مطمئن نہ ہو۔

کتنا سمجھاتی ہوں رمیض بھائی کو...... آخر وہ ہو گیا نا جس کا ازالہ ممکن نہیں۔ وہ
ٹائم واسپیس سے آزاد کسی اور جہاں میں پہنچی ہوئی تھی۔ دکھ سے دل بار بار جیسے ڈوبتا
جاتا تھا۔

''رات کو تو الو جاگتے ہیں...... کوئلیں کب سے جاگنے لگیں......؟ مراقبہ کر رہی ہو
اچھی بات ہے۔ کیا پتا یہ چہرہ سچ مچ نورانی ہو جائے'' رمیض کی آواز اچانک ابھری تھی،
وہ بری طرح چونک پڑی اور آواز کی سمت دیکھا۔

رمیض ایک پاؤں کارپٹ پر دوسرا زینے پر رکھے مسکرا رہا تھا۔ وہ ریڈ کلر کی ٹی
شرٹ اور آف وہائٹ ٹراؤزر پہنے ہوئے تھا۔ سوئمنگ کے بعد نہانے دھونے کی وجہ سے
بہت فریش نظر آ رہا تھا۔

نمو خالی خالی آنکھوں سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی اس کا انداز غیر
معمولی تھا اس لیے رمیض کو نوٹس لینا پڑا...... چہرے پر فوراً سنجیدگی چھا گئی۔ اس نے
زینے پر رکھا پاؤں نیچے رکھ لیا اور پوچھا۔

''واٹس اے پرابلم مس زحمت......؟''

''رمیض بھائی......!'' وہ بولتے رک گئی جیسے گلے میں پھندا لگ گیا ہو۔

اب رمیض اس کے انداز پر واقعی فکر مند ہو گیا اور اس کے قریب چلا آیا۔ وہ
صوفے کی بیک تھامے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اتنی رات اور وہ گم صم پتھر کے بت کی طرح
ساکت...... جبکہ گھر میں سب سے پہلے وہ سوتی تھی...... کیونکہ دن میں آرام کرنے کی
عادت نہیں تھی...... یہ سب کچھ روٹین سے ہٹ کر تھا اور رمیض کے لیے یہ بات فکرمندی
کی تھی۔ وہ کچھ بولا نہیں بس سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ر...... رم...... رمیض بھائی......!'' اتنا کہہ کر وہ چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ

کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''مائی گاڈ......! کیا بات ہے نمو؟'' رمیض اب بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

''رمیض بھائی...... آپ کی مدحت اس دنیا سے چلی گئی''

رمیض ایک لمحے کو تو اس بری طرح چکرایا جیسے روشنی سے ایک دم اندھیرے میں آ گیا ہو۔

''مائی گاڈ...... کیا مذاق ہے یہ؟''

''یہ مذاق نہیں ہے رمیض بھائی ابھی ان کی امی کا فون آیا تھا...... ممانی جان ابھی تک گھر واپس نہیں آئیں انہوں نے ممانی جان کو فون کیا تھا'' نمو روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مگر کیسے بھئی؟ وہ سیریسلی بیمار تو نہیں تھی'' رمیض کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا۔

''انہوں نے خودکشی کی ہے'' نمو اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

''او...... نو......'' رمیض کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''بے چاری اتنی سیدھی سادی تھی کہ اتنی بے وقوف بن گئی تھی۔'' نمو سسکتے ہوئے بولی۔ اسی لمحے پورچ میں مسز علوی کی کار داخل ہونے کی آواز آئی۔

رمیض بری طرح سٹپٹا گیا۔

''نمو......! دیکھو تم فوراً اپنے کمرے میں چلی جاؤ...... ممی بہت تھکی ہوئی ہوں گی...... پلیز انہیں ایک دم سے یہ نیوز مت سنانا...... ہری اپ...... جلدی سے اپنے کمرے میں جاؤ''

نمو آنکھیں پونچھ کر بہت اعتماد سے بولی۔

''رمیض بھائی......! یہ غلط بات ہو گی...... ممانی جان کو اسی وقت ان کے گھر جانا چاہیے، مدحت کی امی کو تسلی دینا چاہیے۔ اگر ابھی ممانی جان کو نہیں بتایا تو وہ کل مجھ پر

بہت ناراض ہوں گے، اس لیے کہ مدحت کے گھر جانے سے ان کو پتہ چل جائے گا کہ مدحت کی امی نے یہاں فون کیا تھا پھر وہ میری کلاس لیں گی۔ اور کیا آپ نہیں جائیں گے؟ دو سال سے وہ آپ کے ساتھ تھیں۔ کچھ نہیں دیا کم از کم کندھا تو دے دیں'' بولتے بولتے اس کی آواز پھر بھرا گئی۔

رمیض نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف اور فوراً زینہ چڑھ گیا۔

نمو ایک دم الرٹ ہو گئی۔ اس کے کان پورچ کی طرف لگے ہوئے تھے کھٹاک سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی مسز علوی کی ہیل کی کھٹ کھٹ...... چند لمحوں ہی میں وہ لاؤنج میں تھیں۔ نمو پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑیں...... ستا ستا چہرہ، روئی روئی آنکھیں...... ان کا دل گویا بیٹھنے لگا...... عموماً وہ لیٹ آورز میں گھر آتی تھیں تو گھر کی تمام تیز روشنیاں بجھی ہوئی ہوتی تھیں۔ زیرو پاور کے بلب روشن ہوتے تھے...... سب کمروں کے دروازے بند کچن میں تاریکی...... آج تو لائٹس بھی آن تھیں...... دروازے بھی کھلے ہوئے تھے اور نمو غالباً ان کا انتظار بھی کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے نمو......؟ تم سوئیں نہیں پونے دو بج رہے ہیں۔'' مسز علوی کی آواز اندیشوں سے بوجھل تھی۔

''جی...... ممانی جان میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔'' نمو کی آواز پر آنسوؤں کا اثر غالب تھا، مسز علوی ایک مرتبہ پھر چونک پڑیں انہوں نے اپنا پرس صوفے پر پھینک دیا اور ساڑھی کا آنچل سنبھالتی حواس باختہ سی نمو کی طرف بڑھیں۔

''خیریت ہے نا......؟'' ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔ جیسے خود ہی خوف زدہ ہوں۔

''ممانی جان! مدحت کی امی کا فون آیا تھا۔'' نمو پھر بولتے بولتے رک گئی جیسے سمجھ

نہ پا رہی ہو کہ یہ اندوہ ناک خبر کیسے سنائے۔

''ہاں، ہاں.......... پھر.......... مدحت ٹھیک تو ہے نا۔ آج میں نے اسے بہت سمجھایا تھا'' وہ جلدی سے بولیں مگر پریشانی چہرے پر واضح تھی۔

''شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔'' نمو کی آواز بھاگئی، آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک ابھرنے لگی۔

''خ۔ خراب ہو گیا تھا...... ؟ تھا...... تھا کیا مطلب؟'' انہوں نے تشویش بھری نظروں سے نمو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ممانی جان! وہ چلی گئی۔ اس نے خودکشی کر لی۔'' نمو نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

مسز علوی دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئیں اور دایاں ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

''مائی گاڈ...... یا اللہ.......... وہ کون سا گناہ تھا میرا کہ ایک بددعا میرے پیچھے لگ گئی۔ اوہ.......... مائی گاڈ...... نمو...... وہ فل آف لائف...... کیوٹ سی لڑکی...... مر گئی ہے؟ اتنی جلدی...... نمو...... بیٹا...... مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ...... مجھے چکر آ رہے ہیں۔'' مسز لوی نے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

نمو ان کی حالت سے پریشان فوراً پانی لینے دوڑ گئی۔

پانی لے کر واپس آئی تو مسز علوی ہنوز سر تھامے بیٹھی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں۔

''ممانی جان...... ! پانی......'' نمو نے انہیں متوجہ کیا۔

مسز علوی نے گلاس تھام کر ہونٹوں سے لگایا اور یوں غٹا غٹ پی گئیں جیسے میلوں پیدل دھوپ میں چل کر آئی ہوں۔ گلاس خالی کر کے انہوں نے منتظر کھڑی نمو کو تھما دیا۔

''اور لاؤں ممانی جان......؟'' نمو نے پوچھا۔

مسز علوی نے سر کے اشارے سے منع کر دیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ

گئیں...... نمو نے گلاس وہیں کارنر ٹیبل پر رکھ دیا اور مسز علوی کی طرف یوں دیکھنے لگی گویا ان کے کچھ بولنے کی منتظر ہو۔

''آہ...... یہ تو عمر بھر کو ایک کانٹا چبھ گیا نمو! یعنی کہ حد ہو گئی حماقت کی...... تھوڑی سی عقل سے ہی کام لے لیتی...... دنیا جہان کی نعمتیں ہاتھ پھیلائے کھڑی تھیں...... ماں باپ کو روگ لگ گیا نا عمر بھر کو.......... رمیض سے لاکھ درجے اچھے لڑکے پڑے ہیں۔ بلکہ رمیض تو نکما ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے لڑکے میں کیا خوبی جو باپ کی دولت اور اسٹیٹس پر سوسائٹی میں عزت بنائے پھرتا ہو...... ابھی تو اس میں اتنی صلاحیت بھی نہیں کہ کما کر اپنے کمرے کے اے۔ سی کا بل ہی ادا کر سکے''

دکھ اور رنا گہانی نے مسز علوی کی سوچ کو ارتکاز دے کر بے حد غیر جانبدار کر دیا تھا۔ وہ بہت بے رحمی سے تجزیہ کر رہی تھیں۔ جیسے اپنے بیٹے کے بارے میں بات نہ کر رہی ہوں کسی ایرے غیرے کا ذکر کر رہی ہوں۔

وہ اپنی پیشانی ملتے ہوئے اچانک کسی دھیان سے چونکیں۔

''رمیض کہاں ہے نمو......؟''

وہ اپنے کمرے میں ہیں ممانی جان!'' نمو نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

''تم نے اسے بتایا؟'' مسز علوی نے نمو کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی میں بتا چکی ہوں، آپ کو بتانے سے منع کر رہے تھے مگر میں نے کہا کہ ممانی جان کو بعد میں بھی پتا تو چل ہی جائے گا پھر وہ ناراض ہوں گی''

مسز علوی سن رہی تھیں اور آنکھیں غصے سے سلگ رہی تھیں۔

''نمو! رمیض سے کہو ابھی میرے ساتھ مدحت کے گھر چلے...... میں اب ڈرائیو کرنے کے لائق نہیں ہوں...... تم بھی چلو...... کسی کے گھر میں قیامت اتری ہوئی ہے

اس وقت اور اس قیامت میں صرف میرے بیٹے کے نام کا شور ہے، بلاؤ اس کو، میں گاڑی میں اس کا ویٹ کر رہی ہوں'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر دوبارہ باہر نکل گئیں۔

نمو تیز قدموں سے زینے کی طرف بڑھی تھی۔

نمو نے دروازے پر دستک دی۔

رمیض کی بہت محتاط سی آواز ابھری۔ ''کون......؟''

''جی............ میں ہوں............ رمیض بھائی دروازہ کھولیں''

رمیض نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا اور قدرے پریشان سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ممانی جان باہر گاڑی میں بیٹھی ہیں...... وہ کہہ رہی ہیں انہیں اسی وقت مدحت کے گھر جانا ہے۔ وہ اس وقت ڈرائیو نہیں کر پائیں گی۔'' نمو نے نظریں جھکا کر کہا۔

''تو تم نے آتے ہی یہ بیڈ نیوز انہیں سنا دی۔؟'' وہ بگڑ کر بولا۔

''جن لوگوں کا بھی مدحت سے کسی نہ کسی حوالے سے تعلق رہا ہوگا۔ ان سب کو یہ بیڈ نیوز مل چکی ہوگی۔'' نمو نے ہر قسم کی مصلحت بالائے طاق رکھ کر صاف صاف کہا۔

''اوکے...... میں آرہا ہوں...... تم صرف اس دنیا میں لوگوں کی مشکلات بڑھانے آئی ہو...... ناؤ بی آف......'' وہ دھڑ سے دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

نمو تھکے تھکے انداز میں واپس پلٹ گئی۔

نیچے آکر اس نے وہ چادر اوڑھی جو وہ باہر جاتے ہوئے اوڑھتی تھی، پھر کچن میں آکر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا اور پورچ میں چلی آئی۔

مسز علوی ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

''رمیض کہاں ہے......؟'' وہ اسے تنہا دیکھ کر الجھیں۔

''آرہے ہیں''

''وہ...... نمو مجھے ابھی ابھی خیال آیا کہ یہ میں نے پارٹی ویئر قسم کی تیاری کی ہوئی ہے۔ آخر موت کا گھر ہے...... بہت عجیب سا لگے گا میں ابھی پانچ منٹ میں چینج کر کے آتی ہوں'' مسز علوی یہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئیں۔

''جی ممانی جان'' وہ یہی کہہ سکی۔

ان کے اندر جاتے ہی رمیض آگیا اور کار کے اندر نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔

''ممی کہاں ہیں......؟'' وہ بہت پزل اور تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔

''آرہی ہیں، اندر کام سے گئی ہیں'' نمو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''تم سب لڑکیاں ہوتی ہی احمق ہو...... دوسرے کے لیے صرف پرابلمز کری ایٹ کرتی ہو...... بے کار فضول'' وہ بڑبڑانے لگا۔

''وہ مر چکی ہے رمیض بھائی! اب اس پر رحم کریں'' نمو نے تلخی سے کہا۔

رمیض خاموش سا ہو کر اسٹیئرنگ پر بازو جما کر مسز علوی کی راہ دیکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مسز علوی باہر آگئیں۔ سادہ سے کاٹن کے کپڑوں میں سر پر کالا دوپٹہ اوڑھے ہوئے چہرہ بھی دھلا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک نظر رمیض پر ڈالی اور برابر والا دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں۔

چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا تھا۔ رمیض نے مسز علوی کے بیٹھتے ہی کار تیزی سے موڑی۔

''کار آہستہ چلاؤ...... آل ریڈی بہت ڈسٹرب ہوں'' مسز علوی نے ٹوکا۔

''ممی! میں اندر نہیں جاؤں گا۔ آپ کو ڈراپ کر کے واپس آجاؤں گا۔ جب آپ کو آنا ہو مجھے پندرہ بیس منٹ پہلے فون کر دیجئے گا'' رمیض نے کار کشادہ سڑک پر ڈالتے ہوئے قطعی انداز میں کہا۔

''کیوں......؟ تمہارے دل میں کوئی چور ہے؟ سردار صاحب اور ان کی بیگم تو خالی

ہو گئے، اب ان کو تم سے کیا سروکار...... موت پر تو انجانے بھی کندھا دے دیتے ہیں۔ تمہارا تو بہت عرصے ساتھ رہا ہے......'' مسز علوی ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''اس کے پیرنٹس تو مجھے یوں دیکھیں گے جیسے میں نے مرڈر کیا ہے۔ زیادہ آؤٹ ہو گئے تو خوامخواہ میرا تماشا بن جائے گا۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں؟'' وہ چلایا۔

''تمہاری ماں ہونے کے ناتے تماشا تو میرا بھی بن سکتا ہے۔ مگر مجھے اس کی پروا نہیں اس وقت مجھے ان لوگوں سے صرف ہمدردی ہے۔ اگر تمہاری ماں ہونے کے ناتے میں کوئی مس بی ہیوئیر ڈیزرو کرتی ہوں تو مجھے فیس کرنا چاہئے۔ میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔ اچھی لڑکی تھی۔ میری بہو بن سکتی تھی''

''پلیز ممی .... فار گاڈ سیک .... آپ دوسروں کی حماقتوں کی سزا مجھے مت دیں۔ ہر شخص اپنے پرسنلز کا ذمہ دار ہے...... ساری دنیا میں لڑکے لڑکیاں ساتھ اسٹڈی کر رہے ہیں، اب جو بھی میرے گلے میں لٹک جائے میں اس سے شادی کرلوں؟'' وہ بری طرح بگڑ کر بولا۔

مسز علوی نے گہری سانس کھینچی اور خاموش ہو گئیں اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

نمو خالی خالی نظروں سے رمیض کی پشت دیکھ رہی تھی۔ اس کے دھیان میں نہیں تھا کہ بیک مرر میں رمیض کو وہ صاف نظر آ رہی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روبی بہت گہری نیند سو رہی تھی۔ وقار نے بہت آہستگی سے اسے چھو کر جگایا۔ روبی نے نیند بھری آنکھوں سے وقار کی طرف دیکھا۔ پھر وال کلاک کی طرف دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔

روبی نے سوئے سوئے لہجے میں حیران ہو کر پوچھا۔

''آپ سوئے نہیں؟''

''تین دن سے ناراضی چل رہی ہے...... تین دن اس مرد کے لیے بہت ہوتے ہیں، جو ویسے ہی اپنی بیوی سے بہت دن جدا رہتا ہو''

روبی کو بہت کچھ یاد آ گیا اور ساتھ ہی نئے سرے سے غصہ بھی...... فوراً وقار کی طرف سے پیٹھ موڑ لی۔ یہ اس کی طرف سے ناراضی کا اظہار تھا۔

''بڑی جلدی خیال آ گیا؟'' وہ بڑبڑائی۔

''دیر سے سہی آ تو گیا...... یار'' جب بھی ایسا موڈ دیکھا کرو تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا کرو، میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گا...... بلاوجہ کی حجت وتکرار ٹینشن کا عرصہ طویل کر دیتی ہے۔ کیا مجھ پر اعتماد نہیں۔ میرا خراب موڈ دیکھ کر الٹا سیدھا نہ سوچا کرو۔ ملا کی دوڑ مسجد تک اور میری تم تک......'' وقار نے اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

''لیکن اگر ٹینشن کی وجہ بیوی کو بتا دیا جائے تو وہ کوشش کر کے ماحول کو بہتر بنا سکتی ہے، ایک انسان احمقوں کی طرح مٹا جا رہا ہے، بجھا جا رہا ہے دوسرے کے مزاج نہیں مل رہے۔ تو کیا غصہ نہیں آئے گا''

''میری جان یہ سوچ کر ایزی رہا کرو کہ کوئی ٹینشن کوئی بدمزگی ہمارے درمیان کبھی فاصلہ پیدا نہیں کر سکتی۔ میری تو ساری دنیا تمہاری ذات میں سمٹی ہوئی ہے۔ روبی! میں تم پر اندھا اعتماد کرتا ہوں۔ میرے اعتماد کو کبھی دھچکا نہ پہنچانا''

وقار ایک دم چپ ہو گیا۔ روبی گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں وقار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو وقار! توبہ استغفار۔ میں تو آپ کی دیوانی ہوں...... میرا

پہننا اوڑھنا، ہنسنا مسکرانا صرف آپ کے دم سے ہے" اس نے وقار کے سینے پر سر رکھ کر اور اپنی فطری بے ساختگی کا مظاہرہ کیا۔

"وقار! آپ کو کیا پتہ جب آپ یہاں نہیں ہوتے تو سب سے زیادہ یہاں ہوتے ہیں جب آپ پاکستان میں ہوتے ہیں تو دس جگہ میرا دماغ لگا ہوا ہوتا ہے لیکن جب آپ باہر ہوتے ہیں تو میرا دل و دماغ صرف ایک پوائنٹ پر ٹھہرا ہوا ہوتا ہے کہ وقار کے آنے میں اب اتنے دن رہ گئے ہیں اور اب اتنے دل چاہتا ہے کیلنڈر کی تاریخیں جلدی جلدی کاٹ کر خود کو دھوکہ دوں" وہ جذب کی کیفیت میں بولتی جا رہی تھی۔ وقار بالکل خاموش تھا۔

"پتا ہے وقار! میں کیوں اتنی خوش رہتی ہوں۔ مجھے آپ کی محبت پر بڑا مان ہے بہت ناز ہے...... آپ سے ملنے سے پہلے میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ دنیا اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے" وہ پھر بولی اور وقار کی طرف ہنوز خاموشی تھی۔

روبی کو بھی اس کی مسلسل خاموشی نے چونکا دیا اس نے وقار کے سینے سے اپنا سر اٹھا کر وقار کا چہرہ دیکھا۔ وقار کی آنکھیں بند تھیں۔ گھنی مونچھوں تلے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ روبی بہت محبت و لگن سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ معاً اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وقار کی آنکھوں کے گوشوں پر آنسو چمک رہے تھے۔ روبی نے دہل کر اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ اور سہمے سہمے انداز میں اپنی انگلیوں کی پوروں میں اس کے آنسو جذب کیے اور دیوانوں کی طرح اس کی آنکھیں چوم لیں۔

"و...... وقار! کیا بات ہے۔ وقار بتائیں...... ورنہ میں بھی رو پڑوں گی"

وقار نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور روبی کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"روبی! میری جان! پلیز تم کبھی مت رونا ورنہ میری ساری عمر کی محنت اکارت ہو جائے گی۔

"پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں۔ آپ تو بہت مضبوط اور حوصلہ مند ہیں وقار!" روبی کے لہجے میں ہنوز خوف کا تاثر تھا۔

"جو عمارت بہت مضبوط ہوتی ہے روبی! وہی بہت شور سے ٹوٹتی ہے۔ کچی مٹی تو بے آواز ڈھے جاتی ہے۔ مگر تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے لئے میں بہت مضبوط ہوں"

"وقار! میں آپ کی اپنی ہوں نا۔ اگر کوئی مسئلہ ہے تو شیئر کر لیں۔ مجھ پر بھروسا کریں"۔ روبی نے بہت محبت سے اس کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں...... سب مسئلے تمہارے زندگی میں شامل ہوتے ہی ختم ہو گئے روبی! مگر کبھی ایسا ہوتا ہے نا کہ چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے پھر نکل بھی جاتا ہے مگر دکھن کافی دیر تک رہتی ہے جو یاد دلاتی رہتی ہے کہ یہاں کانٹا چبھا تھا"

"آپ کو کانٹا چبھا تھا وقار؟" روبی نے بڑے دکھ سے پوچھا۔ سوال معنی خیز تھا۔

"ہاں مگر نکل چکا ہے" وقار نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"دکھن تو ہے نا؟" روبی نے محبت سے چور لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ـــ مگر ہلکی پڑ چکی ہے" وہ اسی طرح آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے بولا۔

"انشاءاللہ ختم بھی ہو جائے گی" روبی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"وقار! ـــ کبھی دل بہت بھرا ہوا ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا۔ کانٹا کہاں اور کب چبھا تھا دکھ شیئر ہو جائے تو ہلکا پڑ جاتا ہے"

"یہ تو شاید میں تمہیں کبھی نہ بتا سکوں...... مگر تم میرا اعتماد کرو، میں سینٹ پرسنٹ تمہارے ساتھ پرخلوص ہوں۔" وقار نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین نہ ہوتا تو میں کسی بیماری میں مبتلا ہو کر کبھی کی مر چکی ہوتی۔ میری زندگی اب اس اعتبار سے مشروط ہے۔" روبی نے بہت محبت سے اس کے بازو پر ہاتھ پھیرا۔

"تھینک یو روبی! اور آئی ایم سوری۔ میں نے جس جذبے سے تمہاری میٹھی نیند خراب کی تھی وہ اب دھواں بن کر اڑ چکا ہے۔ تم مائنڈ نہ کرنا میں اب سونا چاہتا ہوں"

"ٹھیک ہے، آپ سو جائیں۔ اس وقت گہری اور پرسکون نیند آپ کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ آپ موجود ہیں، میرے قریب ہیں اور صرف میرے ہیں۔ میرے سکون کے لیے یہی بہت ہے۔ میں خوش ہوں۔ آپ کچھ فیل نہ کریں، بے فکر ہو کر سو جائیں"

روبی نے بہت محبت سے جواب دیا۔ وقار نے اس کی طرف سے پشت کر لی۔

روبی تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ وہ چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سمن سو کر اٹھ چکی تھی مگر بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ چہرے پر فکرمندی اور گہری سوچ کا عکس تھا اور ایک ٹک چھت کو گھور رہی تھی۔

نیا کمرے میں داخل ہوئی اور اسے جاگتا پا کر کھڑکیوں سے پردے سرکا دیے اور مسکرا کر اس کی طرف پلٹی۔ "اٹھو بیٹا آنکھیں کھولو۔ بستر چھوڑو منہ دھولو"

سمن اپنے دھیان سے چونکی۔ سنبھل کر مسکرائی اور اٹھ بیٹھی۔ اور چاروں طرف نظریں دوڑائیں جیسے وال کلاک تلاش کر رہی ہو۔

"کیا ٹائم ہوا ہے"

نیا دھپ سے بستر پر بیٹھ گئی۔ ٹائم کچھ بھی ہوا ہے مگر اچھا ہے، شاداب کے کمرے میں سہیل بھائی تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہے ہیں"

سمن کے تو پورے وجود میں بجلیاں دوڑ گئیں۔ فوراً پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے اور چپل ٹٹولنے لگی پھر ایک دم چونک کر بولی۔

"مذاق کر رہی ہو؟ اتنی صبح صبح...... وہ کیسے آ گئے؟

"اتنی صبح صبح نہیں رات دو بجے آ گئے تھے۔ امی نے گیٹ کھولا تھا۔ مجھے بھی صبح اٹھ کر پتہ چلا کہ سہیل بھائی آ چکے ہیں۔ امی کہنے لگیں سہیل نے منع کر دیا تھا کہ سمن سو چکی ہے تو اسے نہ اٹھائیں" سمن بغور سن رہی تھی۔

"رات دو بجے آئے تھے؟ کہاں سے...... آ کر کھانا دانا کھایا تھا؟ وہ بڑی پرجوش نظر آنے لگی تھی۔

"یہ سب تو میں نے پوچھا نہیں بلکہ مجھے پوچھنے کا دھیان ہی نہیں آیا۔ تم خود پوچھ لینا۔ مجھے تو ان کی آمد کا سن کر اس لیے خوشی ہوئی کہ تمہیں چین آ جائے گا"

"شاداب کا کمرہ کہاں ہے نیا! میں پوچھتی ہوں ابھی ان کو...... یہ کیا بات ہوئی اتنا پریشان کیا...... کہیں بھی تھے فون تو کر سکتے تھے" وہ بڑبڑاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"اب بس رہنے دو...... صبح صبح حملہ مت کر دینا۔ پتہ نہیں وہ رات دو بجے تک کس پریشانی میں تھے پہلے تو جا کر یہ معلوم کرو۔ ان کو کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟ نیا نے سمجھایا اور خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی پھر سمن کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

"آؤ...... میں تمہیں شاداب کے کمرے تک پہنچا دیتی ہوں۔ مگر بات سنو...... اگر وہ سو رہے ہوں تو جگانا مت۔ رات دو بجے تو آئے تھے پتہ نہیں کس وقت سوئے ہوں گے اور پتہ نہیں یہاں آنے سے پہلے تک کس پریشانی میں تھے۔" نیا نے تاکید کی۔

سمن قدم آگے بڑھاتے ہوئے رک گئی اور پلٹ کر نیا کی طرف دیکھا۔

"شاداب بھی کمرے میں ہے نیا؟" اس نے پوچھا۔

''نیا کے چہرے پر سایہ لہرا گیا...... اس نے منہ سے بولنے کے بجائے سر کے اشارے سے نفی میں جواب دیا اور سمن کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

سمن دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ سہیل شاید بہت تھکے ہوئے تھے اس لیے بہت گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور غور سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ بہت خوبصورت چہرہ جس کا ہر نقش بہت موزوں تھا۔ ایسا فوٹوجینک چہرہ جس کو کسی بھی زاویے سے فوکس کیا جائے۔ تو تصویر کمال بنے۔ وہ اکثر کہتی تھی کہ سہیل آپ کی پلکیں اتنی خوبصورت ہیں اگر کسی خاتون کی ہوتیں تو اسے بہت ناز ہوتا۔ وہائٹ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ اپنی عمر سے بہت کم دکھائی دے رہے تھے.......... سمن تذبذب میں پڑ گئی کہ جگائے یا نہیں، خدا معلوم کب آنکھ لگی ہو.......... پنکھا فل اسپیڈ سے چل رہا تھا۔

سمن بار بار اپنے اڑتے بال سمیٹتی تو ہاتھوں کی حرکت سے کنگن کھنکنے لگتے تھے شاید اسی وجہ سے سہیل کی نیند ٹوٹ گئی انہوں نے آنکھیں کھول کر سمن کو دیکھا۔ گہری نیند کی وجہ سے شاید ایک دم سے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کچھ دیر آنکھیں کھول کر سوچتے رہے پھر نیند بھری آواز میں پوچھا۔ ''کیا ٹائم ہوا ہے سمن''

''نو بج رہے ہیں۔ اگر آپ سونا چاہتے ہیں تو سو جائیں میں تو یہ پوچھنے آئی تھی کہ رات آپ بہت لیٹ ہوگئے تھے مجھے بہت پریشانی ہو رہی تھی۔ کم از کم فون ہی کر دیتے'' سمن بولی۔

''اصل میں بہت مشکل میں پھنس گیا تھا.......... جہاں جہاں اپنے کاموں سے گیا وہاں بابا صاحب کے فون پہلے ہی پہنچ چکے تھے.......... جہاں جاتا لوگ سمجھانے بجھانے کا سلسلہ شروع کر دیتے.......... شہر والی کوٹھی کی طرف گیا تو وہاں تالے لگے ہوئے ہیں کوئی ملازم کوئی چوکیدار نہیں.......... جو بھی اپارٹمنٹ کرائے کے لیے دیکھنے

گیا کسی میں پانی کا مسئلہ جہاں چوبیس گھنٹے پانی وہاں ایڈوانس بہت مانگ رہے ہیں......اب میں اتنا کیش لے کر تو نہیں نکلا۔ اپارٹمنٹ لینے کے بعد اس میں دس چیزیں ضرورت کی بھی رکھنا ہوں گی''

سہیل دھیرے دھیرے بتانے لگے تھے، وہ ہمہ تن گوش تھی۔

''آپ اپارٹمنٹ لے لیں۔ یہ میرے ہاتھوں میں تقریباً دس تولے سونا ہے۔ اسے بیچ کر ہم ضرورت کی چیزیں لے لیں گے۔'' سمن نے تجویز پیش کی۔

''انشاء اللہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ میرے ایک دو ایسے دوست ہیں جن سے مجھے فوراً ایک لاکھ تک کیش مل سکتا ہے.......... میں جاب کی بات بھی کر کے آیا ہوں۔ فی الحال ہمارا لائف اسٹائل لوئر مڈل کلاس والوں کا رہے گا...... تمہیں کچھ عرصہ تکلیف تو ہوگی''

سمن نے ایک دم بات کاٹ کر کہا۔

سہیل! میرا تعلق مڈل کلاس سے ہے۔ مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوگی۔ مجھے تو اس بات پر بہت شرمندگی ہے کہ آپ کو میری وجہ سے کتنی مشکل زندگی گزارنا پڑ رہی ہے۔ جب کہ میں نے آپ کو کچھ بھی تو نہیں دیا'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

سمن! محبت صرف محبت ہوتی ہے۔ محبت میں سودے بازی نہیں ہوتی۔ اگر تم نے کچھ نہیں دیا تو یہ تمہاری کوتاہی نہیں ہے ایسا نہیں تھا کہ تم دے سکتی تھیں مگر تم نے نہیں دیا تم اس طرح کی سوچوں سے خود کو پریشان نہ کیا کرو۔ جو کچھ ہمارے مقدر میں ہے وہ ہمیں مل کر رہے گا اور جو نہیں ہے، وہ ساری دنیا کا تعاون بھی ہمیں مہیا نہیں کر سکتا''

سہیل کے انداز میں بلا کا تحمل تھا، سکون تھا۔

مجھ جیسی کم حوصلہ بہت جلد خوفزدہ ہونے والی، کمزور اعصاب لڑکی کے لئے تو آپ

جیسے لائف پارٹنر کا ساتھ کسی نعمت سے کم نہیں۔ شکر ہے اللہ کا۔'' سمن نے تشکرانہ انداز میں کہا پھر سہیل کی طرف دیکھ کر بولی جو دوبارہ آنکھیں بند کر چکے تھے۔

''سہیل...... مجھ میں ایسی کوئی خاص بات تو نہیں۔ نہ میں بہت حسین ہوں، نہ اپنے باپ کی بھاری جائیداد کی وارث ہوں نہ کسی اعلا عہدے تک پہنچانے والی اعلا تعلیم ہے۔ میرے حساب سے تو مجھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔'' سمن بڑی سادگی وسچائی سے کہہ رہی تھی۔

سہیل بے ساختہ مسکرا دیے۔

''کیا کسی عورت کو پیار کرنے کے لیے یہ کچھ ہونا شرط ہے۔ اگر کوئی صاحب جائداد عورت سے پیار کرتا ہے تو مطلب وہ کنکریٹ کی عمارتوں سے پیار کر رہا ہے۔ اگر کوئی حسین عورت سے پیار کر رہا ہے تو وہ صرف اس کی صورت کی پوجا کر رہا ہے۔ اگر کوئی ایگزیکٹو قسم کی خاتون سے اظہار محبت کر رہا ہے تو وہ اس کی ہینڈسم سیلری سے پیار کر رہا ہے۔ تو کیا سمن کے لیے یہ اعزاز نہیں کہ کوئی صرف سمن کو چاہتا ہے، اس کی کسی دنیاوی خوبی کی وجہ سے نہیں چاہتا۔ عہدہ، دولت، جوانی حسن...... یہ کسی وقت بھی رخصت ہو سکتی ہیں۔ یہ رخصت ہوئیں تو سمجھو محبت بھی رخصت ہوئی۔ سمن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے مگر دنیا کی سب سے عظیم نعمت بہت بڑی قوت ہے جسے محبت کہتے ہیں۔ بلا مشروط محبت۔ کسی بھی وجہ سے چھن جانے کے خوف سے آزاد محبت۔

سہیل نیند سے بیدار ہوئے تھے اس لیے ان کی بھاری آواز مزید بوجھل محسوس ہو رہی تھی، سمن چند لمحوں کے لیے سوچتی رہی ہونٹ کاٹتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے خاموش، بے آواز۔

''اتنا بڑا خزانہ کس کو ملتا ہے۔ اتنا خوش قسمت کون ہوتا ہے۔ مجھے تو اپنی خوش قسمتی

سے خوف آ رہا ہے'' سمن کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

سہیل نے حیرت سے اس کی صورت دیکھی۔ ''خوف!!''

''ہاں لگتا ہے میں جلدی مر جاؤں گی.......... اتنے خوش قسمت تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو جلدی مرنا ہوتا ہے''

سہیل کا قہقہہ بے ساختہ اور بہت جاندار تھا۔

سمن کچھ سمجھی نہیں۔ خجل سی ہو گئی اور سہیل کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

''اچھا بھئی کس کتاب میں درج ہے یہ فارمولا؟'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگے۔

''کتاب میں درج تو نہیں...... مشاہدے کی بات ہے۔'' سمن شرمندہ سی ہو کر بولی۔

''اچھا بھئی...... ویسے بڑے کام کی بات آئی ہے مشاہدے میں'' سہیل نے شرارت سے کہا اور اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگے۔

''مثلاً'' انسان کی شادی بہت خوش قسمت خاتون سے ہو جائے تو یقینی بات ہے کہ وہ دنیا سے جلدی رخصت ہو جائے گی۔ ویکنسی نکل آئے گی اور کسی اور خوش قسمت خاتون کا بھلا ہو سکتا ہے...... بابا سائیں فضول میں کلیشز پیدا کر رہے ہیں''

سمن ہنس پڑی۔ ''اچھا چلتی ہوں۔ نیچے نیا انتظار کر رہی ہو گی۔ ناشتہ بھی شاید تیار ہو چکا ہو گا۔ نیا کی امی بے چاری بہت خاطر تواضع کر رہی ہیں۔ رات بھی کھانے پر دیر تک آپ کا انتظار کیا، بہت کچھ پکایا تھا'' سمن اٹھتے ہوئے بولی۔

''تم ان کو منع کرو سمن! وہ ہماری وجہ سے زیر بار نہ ہوں۔ ویسے ہی اس فیملی کی فائنشلی پوزیشن اسٹرونگ نہیں ہے''

''میں تو خیر جتنا منع کر چکی ہوں آپ کو نہیں پتا مگر خیر چھوڑیں کوشش کریں کہ ہم

لوگ جلد سے جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے، بس اب تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے نکلوں گا۔ کسی نے دو کمروں کے اپارٹمنٹ کا بتایا ہے وہاں جاؤں گا اگر ایگریمنٹ ہو جاتا ہے تو میں شام کو آ کر تمہیں لے جاؤں گا" سہیل نے بستر سے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

سمن باہر آ گئی۔

نیچے نیا واقعی اس کی منتظر تھی۔ سمن کو دیکھ کر شرارت سے مسکرائی۔

اتنی دیر کیا سہیل بھائی کی تھکن اتار رہی تھی؟ اس نے چھیڑا۔

سمن نے اس کی پشت پر دھپ لگائی۔

"ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی تو یہ حال ہے۔ شادی کے بعد تو عصمت چغتائی کی طرح کی کہانیاں لکھنے لگو گی"

"عصمت چغتائی نہیں سعادت حسن منٹو...... تم ہمیں شادی شدہ ہونے کا اعزاز دلوانے کی بھی کوشش تو کرو" دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"مقدمے چلے تھے منٹو پر سوچ لو......" سمن ہنستے ہوئے بولی۔ ان کی ہنسی کی آواز سن کر نیا کی امی نے کچن سے جھانکا۔

"سمن بیٹی! اگر سہیل تیار ہیں تو ناشتا لگا دوں؟

"جی آنٹی وہ تیار ہو رہے ہیں...... میں بھی ذرا منہ ہاتھ دھو لوں۔ ابھی دس منٹ رک جائیں" سمن یہ کہہ کر کامن واش روم میں چلی گئی اور نیا کچن کی طرف۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چلو اچھا ہوا تم بھول گئے

اک بھول ہی تھا میرا پیار۔ او۔ ساجنا

ریڈیو آن تھا کسی اسٹیشن سے فرمائشی گیت چل رہا تھا۔

ماہ رخ آنکھیں بند کیے صوفے پر پاؤں سمیٹ کر پتہ نہیں کس دھیان میں تھی۔

کھٹ کی آواز کے ساتھ ریڈیو آف ہو گیا اور پٹ سے ماہ رخ نے آنکھیں کھول دیں۔

سنڈے منا رہی ہو رو دھو کر؟ مومنہ گیلے بال تولیے سے آزاد کرتے ہوئے بولی، لہجے میں اسکول پرنسپل والا تحکم و رعب تھا۔

ماہ رخ بے اختیار مسکرا پڑی۔ "یہ میرا سلیکشن نہیں ہے پھوپھو! کسی اور دکھیارے کی فرمائش ہے" ماہ رخ نے وضاحت کی۔

"کسی اور دکھیارے کی۔ کیا مطلب۔ تم خود کو دکھیاروں میں کاؤنٹ کرتی ہو؟"

"ماشاءاللہ...... ویسے کسی کونے میں بیٹھ کر ماضی کا غم کرنے سے وقت اچھا پاس ہو جاتا ہے۔" مومنہ نے پھر اس کی کلاس لی۔

ماہ رخ نے بڑی دلچسپی سے مومنہ کی طرف دیکھا۔

"اللہ نظر بد سے بچائے آپ کو لیکن پھوپھو دکھ ہی تو حقیقت ہے۔ خوشی تو دھوکا ہوتی ہے۔ تتلی سے بھی ہلکے پر ہوتے ہیں پھر سے اڑ جاتی ہے۔ دکھ پہاڑ ہوتا ہے جہاں تخلیق ہوا وہاں جم گیا"

"واہ...... تمہیں تو ناکامی محبت سے بڑا فائدہ ہوا۔ فلاسفر بن گئیں اتنا خوبصورت جملہ کسی دانشور کے سامنے کہہ بیٹھتیں تو وہ تمہاری بلائیں لینے لگتا۔" مومنہ نے حقیقتاً بڑے خوشگوار موڈ میں اسے داد دی۔

"پتہ نہیں یہ جملہ کتنا فلسفیانہ اور کتنا خوبصورت ہے میں نے تو اپنی جانب سے ایک سچی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔" ماہ رخ افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"خیر تمہاری سچائی سے قطع نظر ایک تلخ سی بات میں تم سے ضرور کہوں گی۔ ہر بات

ہرٹ شو کا ایک سائیڈ افیکٹ ہوتا ہے۔ دکھ کے سامنے بھری بھری مٹی کی طرح ڈھے جانا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ جتنا بڑا دکھ ہو اتنی ہی مضبوطی بندے میں پیدا ہو جانا چاہیے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ دکھ ملا اور ہم ایک کونے میں جا پڑے۔ اندھیرا کیے پردے گرائے بال بکھرائے پڑے رو رہے ہیں۔ ایسے میں کسی کی نظر پڑ گئی تو وہ ترس کھانے لگا، تمہاری مظلومیت پر تاسف کا اظہار کرنے لگا۔ پھر جو اس کے ہاتھ لگا اسے تمہارے دکھ کی کہانی سنانے لگا۔ لو بھئی ایک زمانے میں چرچا ہونے لگا کہ فلاں کونے میں ایک دکھی پڑا ہوا رو رہا ہے"

مومنہ تو اپنے خاص انداز میں بول رہی تھی مگر ماہ رخ کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

"توبہ ہے پھوپھو! آپ سے بھی حد ہے" ہنستے ہنستے ماہ رخ کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا پونچھتے ہوئے بولی۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ ایسی کی تیسی دکھ دینے والوں کی۔ جن کے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں وہ تو سینہ ٹھونک کر گھوم رہے ہیں لائف انجوائے کر رہے ہیں اور جو ان کے ہاتھوں مارے گئے ان پر عرصہ حیات تنگ ہے یہ کیا بات ہوئی؟"

"مینٹینس (نان نفقہ) دے رہا ہے تمہیں؟ مومنہ نے اچانک ہی پینترا بولا کہ ماہ رخ کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ حواس باختہ سی مومنہ کی صورت تکنے لگی پھر نظریں جھکا کر بولی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں پھوپھو! وہ ایک گلاس پانی دینا گوارا نہ کرے مینٹینس دے گا"

مومنہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لی۔

"مائی گڈنیس مرنا نہیں ہے اس شخص نے؟"

"اللہ نہ کرے" ماہ رخ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"پڑے گا ایک......" مومنہ نے ہاتھ دکھایا۔ "خبردار...... پاروتی، سرسوتی، سیتا

گیتا قسم کی خاتون بننے کی کوشش کی تو۔ تمہیں اس سے کیا لینا دینا بھئی بڑی آئی کہیں سے سی ساوتری۔ کرتی ہوں میں اس کا حساب کتاب۔ تم دیکھنا ذرا۔ بھیا بھابی کو تو تم چلا گئی ہوگی مگر مجھے نہیں چلا سکتی۔" مومنہ اپنے گیلے بال انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے بولی اس سے پیشتر ماہ رخ کچھ بولتی۔ کال بیل بجی۔ مومنہ چونک کر کھڑی ہو گئی اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا سامنے ایک باؤل ہاتھ میں تھامے روبی کھڑی تھی۔

"السلام علیکم...... بوتھ آف یو" وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام" روبی اندر آ گئی اور مومنہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

ماہ رخ، روبی کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آج کیا سوغات بھیجی ہے نتا نے؟" ماہ رخ نے باؤل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حلیم چکن حلیم" روبی نے باؤل اس کی طرف بڑھایا۔

مومنہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے بڑے ناقدانہ انداز میں روبی کو دیکھ رہی تھی۔ روبی گہرے فیروزی بڑے بڑے پھولوں والے لان کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھی۔ بال بالکل گیلے مگر سلجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر میک اپ کا کوئی شائبہ نہیں تھا ہونٹوں پر پیازی کلر کی لپ اسٹک کی چمک سے پتہ چلتا تھا کہ لپ اسٹک لگی ہوئی ہے۔

"اتنی صبح چکن حلیم......واہ" ماہ رخ نے بے ساختہ کہا مگر دوسرے ہی لمحے مومنہ پر نظر ڈالی کر چور سی ہو گئی جیسے کوئی غلط بات کہہ بیٹھی ہو۔

"صبح صبح کہاں آپی! دس بج رہے ہیں" پھر تھوڑا سا شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

"ہم لوگ تو خیر ابھی آدھ گھنٹہ پہلے ہی سو کر اٹھے ہیں۔ البتہ سنڈے کے حساب سے یہ واقع صبح ہے۔ مگر صبح دس بجے تک نتا آج کی تاریخ کے اسی فیصد کام نپٹا چکی ہیں"

''واہ آپ کی ننا تو آپ کے لیے بہت بڑی نعمت ہیں'' مومنہ نے کہا۔ پھر بولی
یہ جو آپ اتنی فریش نظر آتی ہیں روبی! تو یہ ننا کا کمال ہے۔ لائف انجوائے کرنے کے
لیے فل سپورٹ ہے ان کی''

مومنہ کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔ ماہ رخ نے فہمائشی انداز میں مومنہ کو دیکھا۔

''یہ بات نہیں ہے۔ وقار ہوتے ہیں تو ہم اتنے فریش نظر آتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے
کہ جب وقار یہاں ہوتے ہیں تو ننا اسپیشلی خیال رکھتی ہیں۔ ورنہ اور دنوں میں اگر میں سات
بجے کے بعد بستر پر نظر آؤں تو ننا بے بھاؤ کی سناتی ہیں۔ دن چڑھ گیا نہ نماز کے نہ روزے
کے۔ اللہ نے اس لیے اتنی نعمتیں دی ہیں کہ اسے بھول کر پڑے سوتے رہو۔ بیوی جن نعمتوں
سے جان ٹھنڈی رکھتی ہو، اس دینے والے کا اٹھ کر شکر تو ادا کیا کرو۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

روبی نے ہنستے ہوئے ننا کے اسٹائل کی تصویر کشی کی۔

''کتنی اجلی۔ کتنی میچور ہیں ننا۔ واقعی بات تو وہ سچی کہتی ہیں۔ کتنا واضح نیٹ اینڈ
کلین آئی۔ کیو ہے ان کا''

ماہ رخ نے تعریف کی۔ مومنہ خاموشی سے سنتی رہی، ماہ رخ باؤل لے کر کچن میں
چلی گئی۔

مومنہ نے روبی کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

''نہیں پھوپھو...... اوہ سوری میں نے آپ سے اجازت تو لی نہیں۔ آئی مین۔ کیا
میں آپ کو پھوپھو کہہ سکتی ہوں؟'' روبی قدرے جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''اوشیور...... وہائے ناٹ آپ مجھے پھوپھو، خالہ آپا، باجی...... سب کچھ کہہ سکتی
ہیں سوائے ممانی، چچی، بھابھی، تائی وغیرہ کے'' مومنہ نے شوخی سے جواب دیا۔

روبی بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کتنی دلچسپ ہیں آپ۔ انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ وارم، فل آف لائف اسٹیم
ایسے لوگ ہی تو دنیا کو بے رنگی سے بچائے ہوئے ہیں'' روبی نے سراہا۔

''تھینکس۔ آپ خود بھی بہت اچھی ہیں روبی!'' مومنہ کی آواز یکلخت سنجیدگی کا
عنصر غالب آ گیا وہ کچن کی طرف دیکھنے لگی یوں جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

ماہ رخ باؤل دھو کر اب ان کے درمیان آ چکی تھی۔

''اوفوہ! ننا منع کرتی ہیں آپ کو پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ ننا کہتی ہیں پڑوس میں
کھانے پینے کی چیزوں کو ہدیہ کرتے ہیں تو برتن دھو کر واپس نہیں لیتے۔ محبت کم ہو جاتی
ہے'' روبی نے بڑی سادگی سے کہا۔

مومنہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی مگر وہ فوراً ہی سنبھل گئی نارمل
اور خوشگوار موڈ میں بولی۔

''شاید اسی وجہ سے محبتیں چھوڑ مروتیں تک ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ لوگوں نے پہلے
برتن دھو کر واپس کرنا شروع کیے ہوں گے، اس کے نتیجے میں ادھر ادھر کا آنا جانا ہی ختم
ہو گیا، مجھے یاد ہے۔ عید پر ہم بچے بہت اچھے سے کپڑے جوتے پہن کر سویاں لے کر،
پڑوسیوں کے ہاں جاتے تھے۔ اور شب برات پر رنگ برنگ حلوے۔ اور اس کام سے
بہت خوش ہوتے تھے اب بھی شاید ایسا ہوتا ہے۔ مگر کم ہو گیا ہے''

''ننا کے بارے میں، میں گارنٹی سے کہہ سکتی ہوں کہ کوئی عظیم انقلاب بھی ان کو
اپنی ڈگر سے نہیں ہٹا سکتا مجھے یہاں بھیج دیا خود حلیم دینے، دو تین فلیٹوں میں گئی ہوں گی''
روبی ہنس کر بولی۔ ''خدانخواستہ جنگ ہو جائے مگر شب برات پر حلوہ ضرور بنے گا۔
مجھے بھی ایک روز کہہ رہی تھیں کہ وہ گھر تو کاغذ کے پھول ہوتے ہیں جن کا لوگوں سے
اچھا میل جول نہیں ہوتا اچھے دل سے میل ملاپ رکھنے سے ہر نعمت میں برکت ہوتی

ہے'' ماہ رخ بولی۔

''آہ...... ہا!'' مومنہ نے معنی خیز انداز میں ماہ رخ کی طرف دیکھا۔ اور بولی۔
کتنے اچھے اچھے لوگ ہیں دنیا میں۔ مگر آزمائشیں بھی ان کی ہوتی ہیں۔ بے چار
ننا۔ وہ یہ کہہ کر برس اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگی۔

روبی نے الجھ کر سوالیہ نظروں سے ماہ رخ کی طرف دیکھا ماہ رخ جلدی سے درا
کچن میں گھس گئی اور وہیں سے بولی۔

''روبی! چائے پیو گی؟ میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔ چائے تقریباً تیار رہی ہے''

''نہیں آپی! تھینکس...... ناشتہ تو وقار کے ساتھ ہی کروں گی۔ وہ میرا ویٹ ک
رہے ہوں گے۔ بائے'' روبی پر اچانک ہی عجلت سوار ہوگئی وہ بڑی تیزی سے درا
کھول کر باہر نکل گئی۔

''اللہ...... رخی! کتنی سادہ سی ہے یہ روبی۔ کیا لک ہے اس نوسرباز کی۔ اکیس
صدی کا شیطان...... اور یہ کتنی انوسنٹ''

''چھوڑیں پھوپھو! تکلیف دہ باتوں کا کیا بار بار ذکر کرنا...... ممکن ہے وہ اس
ساتھ واقعی مخلص ہو'' ماہ رخ نے موضوع چینج کرنے کی کوشش کی۔

''میرا دل دکھ سے پھٹنے لگتا ہے رخ! یہ اسی طرح آ جاتی ہے گیلے بال لہراتی صبح صب
مومنہ کے لہجے میں اس مرتبہ زور کے بجائے شکستگی تھی ماہ رخ جواب میں خاموش رہی۔

''تم نے بہت بزدلی کا مظاہرہ کیا ماہ رخ......! حق پر ہوتے ہیں تو پاؤں جما کر کھڑ
ہوتے ہیں۔ یوں ریت بن کر نہیں بکھرتے کہ دوسرے روندتے ہوئے گزر جائیں''

''پھوپھو! پتھر بن کر جمے رہنے سے بھی کیا حاصل ہوتا ہے جب کسی کو ہر حال میں ا
درست ہونے کا غرور ہو'' ماہ رخ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا کہ اب مومنہ دوبارہ

کلاس شروع کر دے گی اور اس بیرسٹر کی طرح اعتماد سے جس نے کبھی کوئی مقدمہ نہ ہارا ہو۔

''ہاں بس سب کچھ اپنے بیڈ پر لیٹ کر فرض کر لو اور فارغ ہو جاؤ'' مومنہ نے واقعی ڈپٹ کر کہا۔

''مجھے بہت جلد وقار سے میٹنگ کرنا ہے۔ وہ تم نے سنا تو ہوگا کہ ہر سیر کا سوا سیر ہوتا ہے۔ بہت موج اڑا چکے موصوف اور تم بہت آرام کر چکیں۔ اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے'' مومنہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

ماہ رخ کچن میں مصروف تھی کچن کھلا ہوا تھا دونوں کے درمیان کوئی دیوار و در حائل نہیں تھا اس نے پلٹ کر مومنہ کو دیکھا۔

''پھوپھو! بس رہنے دیں جب دلوں میں نہ مٹنے والے فاصلے پیدا ہو چکے ہوں تو ہر بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ روبی اس کے ساتھ خوش ہے اس کا گھر بسا ہوا ہے۔ ہماری وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے گی۔ اس کا تو کوئی قصور نہیں۔ پھر اس کو عمر بھر کے لیے کیوں اذیت میں مبتلا کیا جائے؟ اس کی دوسری شادی سے پہلے تک ہمیں مہلت ملی تھی۔ کچھ کیا جا سکتا تھا اگر نہیں کیا تو ہماری غلطی ہے۔ روبی کی زندگی کیوں ڈسٹرب کی جائے'' ماہ رخ بہت سنجیدہ ہو کر بات کر رہی تھی۔

''غلطی تمہاری نہیں وقار کی ہے۔ جس کی غلطی ہو، بھگتان اس کو بھگتنا چاہیے۔ وہ کس حساب میں لائف انجوائے کر رہا ہے'' مومنہ بھڑک کر بولی۔

''زیادہ نیک پروین بننے کی ضرورت نہیں سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو دوسروں کو خود پر ظلم کرنے کی کھلی اجازت دے دیتا ہے۔ میرے خون میں انگارے دوڑ رہے ہیں اور مجھے تم پر حیرت ہے۔ یا پھر مجھ سے سچ بات کرو کیا تم نے کہیں کچھ Loose کیا ہے؟'' مومنہ نے بغور ماہ رخ کا چہرہ دیکھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا پھوپھو...... میرا ضمیر مطمئن ہے۔ تب ہی تو سکون سے گزر بسر ہو رہی ہے۔ مگر میں روبی کے ساتھ زیادتی کرنا نہیں چاہتی۔ وہ تو بے چاری بالکل بے قصور ہے اور اتنی خوش باش ہے کہ اتنی خوش گوار زندگی کے لوگ خواب دیکھتے ہیں" ماہ رخ نے پھر سنجیدگی سے کہا۔

"او بھئی...... یہ پینڈورا بکس ایک دن کھلے گا ضرور...... وہ اس کی بیوی ہے داشتہ نہیں شادی کی ہے اس نے۔ شادی کبھی چھپتی نہیں ہے۔ ہمارے ذریعے روبی کو اگر پتہ نہ چلا تو کسی اور کے ذریعے پتہ چل جائے گا۔ مجھے تو وقار کی ماں پر حیرت ہے کس طرح سے انہوں نے بیٹے کے فراڈ میں تعاون کیا ہے۔ آتی ہیں وہ ادھر۔ روبی نے بتایا تو ہوگا۔؟"

"کبھی دیکھا بھی نہیں نہ شاید روبی نے کبھی ذکر کیا" ماہ رخ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تو بھئی یہ کون لوگ ہیں کہ لڑکے کا کوئی آگا پیچھا نہیں دیکھا نہ کوئی چھان بین جانچ پڑتال، اٹھا کر لڑکی تھما دی ان لوگوں کا ضرور کوئی ویک پوائنٹ ہوگا۔ ایسے کون کسی کو اپنی بیٹی دے دیتا ہے۔ ابا جان کہتے تھے دو آنے کی مٹی کی ہانڈی خریدتے ہیں تو اسے بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ چٹخی ہوئی تو نہیں ہے۔ خیر جب وقار سے بات ہوگی تو بہت کچھ پتہ چل جائے گا" مومنہ نے مطمئن انداز میں کہا۔

"آپ وقار سے کیا بات کریں گی؟" ماہ رخ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تم سے مطلب؟ تم جلدی سے کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ لاؤ پہلے "فراڈیوں" کا چکن حلیم ہی کھلا دو۔ دوبارہ گرم کرنے کے بعد تو اس کا ٹیسٹ ختم ہو جائے گا"

مومنہ ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

ماہ رخ نے بغیر کسی تاخیر کے حلیم پیش کر دی۔

مسز علوی پر شدید ڈپریشن طاری تھا۔ دو روز سے وہ مسلسل دوائیں کھا رہی تھیں۔

جب بھی نمو سے سامنا ہوتا بس یہی بات کہتیں۔

"نمو...... ! لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔ میری نظروں کے سامنے بار بار اس کا چہرہ آ رہا ہے۔ جیسے سونے جاگنے والی گڑیا۔ جسے اٹھا دو تو آنکھیں کھول دے لٹا دو آنکھیں بند کر لے"

نمو پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ انہیں دیتے ہوئے دکھ سے کہتی۔

"مانی جان! جو ہونا تھا ہو چکا آپ خود کو سنبھالیے۔ ہمارا تو اس قصے میں کوئی قصور نہیں رمیض بھائی پر تو کوئی اثر ہی نہیں۔ آپ کیوں اتنا محسوس کر رہی ہیں" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"نمو...... بیٹا...... ! اسے ضرور احساس ہوگا مگر شاید وہ اپنی انا سے مجبور ہے۔ ظاہر نہیں کر رہا ہے"

"سوری ممانی جان! اب اگر انہیں احساس ہو بھی تو کیا فائدہ۔ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اس کا نتیجہ بھی سوچ لینا چاہیے"

"مجھے بہت وقت لگ جائے گا سنبھلنے میں نمو! اتنا بڑا ایکسیڈنٹ اور ڈائرکٹ ذمہ داری میرے بیٹے پر۔ جیسے ہی خیال آتا ہے میرے دماغ میں دھماکے ہونے لگتے ہیں۔ ابھی تو تمہارے ماموں کو بھی فیس کرنا ہے، مائی گاڈ"

"ممانی جان...... ! آپ کا یا ماموں جان کا کوئی قصور تو نہیں ہے پھر بھی توبہ استغفار کرتے رہیے، سنا ہے اس سے بھی دل کو بہت سکون ملتا ہے" نمو کے لہجے میں بہت دکھ تھا۔

"ادھر آؤ نمو!" انہوں نے اشارے سے نمو کو بلایا۔

نمو ان کے قریب چلی آئی۔

مسز علوی نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''نمو! تم بہت چھوٹی سی تھیں جب تمہارے ماموں تمہیں یہاں لائے تھے۔ رمیض پانچ سال کا تھا۔ اور کوئی بچہ نہیں تھا۔ میں خاصا ایزی فیل کرنے لگی تھی لیکن تمہیں دیکھ کر میں نے اچھا فیل نہیں کیا تھا۔ سوچا تھا کہ ایک ذمہ داری ایک دردسری لاحق ہوگئی ہے۔ مگر تم نے اپنی عمر سے زیادہ سمجھداری کا مظاہرہ کیا۔ یہ گھر سنبھالا۔ مجھے بےفکری دی۔ لیکن آج میں سوچ رہی ہوں۔ اس وقت تمہارا وجود میرے لیے کتنی بڑی نعمت ہے اگر تم نہ ہوتیں تو یہ اتنا بڑا گھر مجھے اپنی قبر محسوس ہوتا''

یہ کہہ کر انہوں نے پھر اپنا سر تھام لیا۔

''میں نے کبھی کچھ محسوس نہیں کیا ممانی جان! آپ میری طرف سے بالکل بےفکر رہیں۔ کوئی جھوٹا کھانا تو نہیں کھلایا۔ پرانا کپڑا تو نہیں پہنایا۔ میرے ابو کوئی ترکہ چھوڑ کر نہیں گئے تھے پھر بھی آپ نے مجھے اچھے اداروں میں تعلیم دلوائی مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے''

''او...... مائی گاڈ!'' مسزلوی نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ ''میں پتہ نہیں کہاں کہاں خود کو گلٹی قرار دیتی ہوں اور تم......؟ ایک میرا اپنا بیٹا اتنا کچھ اس کے لیے کرتی ہوں پھر بھی اس کو شکایت ہی رہتی ہے''

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور رمیض اندر آ گیا ماں پر نظر پڑتے ہی چونک پڑا۔

''کیا ہوا ممی؟ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ ماں کی آنکھوں میں آنسو اس کے لیے شاید حیرت انگیز بات تھی۔

''ممانی جان دو دن سے بہت ڈپریس ہیں۔ رات بھی نیند کی گولی کھا کر سوئی تھیں۔'' نمو نے جتانے والے انداز میں مطلع کیا۔

''کیوں...... کیا ہوا...... ممی! آپ کو کیوں ڈپریشن ہو رہا ہے؟'' رمیض نے الجھ کر پوچھا۔

''تم اپنا کام بتاؤ...... کس کام سے آئے ہو۔ پیسے ویسے ہی لینے آئے ہو گے، ورنہ ماں کا دھیان ہی کب آتا ہے۔ میرے پاس سو دو سو سے زیادہ کیش نہیں ہے۔ میں بینک نہیں جاسکی۔ مجھے خود پرابلم ہو رہی ہے''

''اونو...... ممی میں کوئی بے غیرت ہوں جو بس کچھ مانگنے ہی آؤں گا۔ میں آپ سے پیسے ویسے لینے نہیں آیا۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ میں چند دوستوں کے ساتھ ایک ہفتے کے لیے نادرن ایریا کی طرف جا رہا ہوں اگر ہزار دو ہزار کی آپ کو اس وقت ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیں۔ میرے پاس بینک جانے کا ٹائم نہیں ہے ورنہ میں آپ کی ضرور ہیلپ کرتا''

''بہت بہت شکریہ۔ آفرین ہے میرے بیٹے تم پر'' وہ جل کر بولیں۔

''نمو......! ممی کا خیال رکھنا۔ خوامخواہ اتنا سیریس لے رہی ہیں جیسے ہم نے کوئی مرڈر کیا ہے۔ سوئی سائیڈ اٹیمپٹ سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایب نارمل تھی بلکہ مجھے تو وہ پوری فیملی ہی ایب نارمل لگتی ہے۔ تھینکس گاڈ...... اللہ نے جان بچائی'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور باہر نکل گیا۔

مسز علوی اور نمو حیرت سے منہ کھولے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

سہیل تو اپارٹمنٹ سیٹ کرنے کے چکر میں لگے ہوئے تھے۔ وہ کمروں کا اپارٹمنٹ مل گیا تھا ثمن سے کہہ کر گئے تھے کہ وہ تیار رہے شام کو آ کر لے جائیں گے۔

ثمن بھی اپنے گھر کے احساس سے بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ میلے کپڑے صبح ہی دھو کر ڈال دیے تھے نیا اور ان کی امی سے باتیں کرتی وہ بہت مطمئن اور خوش نظر آ رہی تھی اس کو خوش دیکھ کر نیا بھی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''مجھے تو اس بات کی بہت خوشی ہے کہ تم جو اتنے اندیشوں میں مبتلا رہتی تھیں اور

میں سہیل بھائی کی وکیل بن کر تمہیں دلاسے دیتی تھی وہ غلط نہیں تھے۔ وقت نے سچ کو آخر ثابت کر دیا۔" نیا مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"جہاں شدتیں ہوتی ہیں وہاں اندیشے وسوسے بھی بہت ہوتے ہیں۔ تم نیوٹرل ہو کر سوچتی تھیں اس لیے بہر حال ہم تمہیں اپنا "پیر" نہیں مان سکتے" سمن نے کپڑے الگنی سے کھینچتے ہوئے شرارت سے کہا۔

نیا کی امی بھی ہنس پڑیں۔ "تمہیں ہلکا پھلکا دیکھ کر واقعی خوشی ہو رہی ہے۔ اللہ تمہاری خوشیوں کو قائم و دوائم رکھے آمین"

"نیا! تم تو شاید اسکول وسکول میں پڑھا رہی تھیں۔ کیا میری وجہ سے چھٹیاں لی ہیں؟" سمن کو اچانک خیال آیا۔

"ارے نہیں بھئی.......... چھوڑ دیا میں نے اسکول...... مائی گاڈ...... صبح ساڑھے سات بجے بلا رہے ہیں تین بجے چھوڑ رہے ہیں...... میں بچوں پر سختی کر رہی تھی بہت ڈسٹرب کر رہے تھے۔ پرنسپل کی طرف سے فرمان جاری ہوا...... پیرنٹس کو خوش رکھیے نوٹ بکس پر کام نظر آنا چاہیے...... بچوں کو سیدھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیرنٹس مائنڈ کرتے ہیں......بھئی سولہ سو روپے میں میں اتنا بڑا بلنڈر نہیں کر سکتی تھی"

"کیا ہوگا اس ملک کا" نیا کی امی نے اظہار افسوس کیا۔ اسی لمحے کال بیل بجی۔ نیا گیٹ کی طرف چلی گئی۔ اور پھر سولہ سو روپے میں بھی کٹوتیاں کرنے کے بہانے۔ پہلے مہینے نیا کو تیرہ سو انیس روپے ملے تھے۔ اتنی کاٹ چھانٹ بتاؤ"

"پھر گیٹ کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔ کون ہے نیا؟

"مہمان ہیں امی!"

نیا کی امی اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کے ساتھ سمن بھی دھلے کپڑے بازوؤں میں

سمیٹ کر آگے بڑھی۔ نیا کی آواز آ رہی تھی۔

"پلیز آپ لوگ بیٹھیے۔ میں سمن کو بلاتی ہوں۔

"ہم خود ہی اس کے پاس چلتے ہیں اماں...... آرام کر رہی ہے کیا ہماری بہو؟"

سمن تو اپنی جگہ پتھر بن گئی۔ یہ تو اس کی ساس مہر النساء کی آواز تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سمن کی تو ٹانگیں بے جان ہو گئیں اور اعصاب مفلوج، اس کی تو سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے۔ پتھرائی ہوئی سی اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے اس کی ساس مہر النساء کی آواز آئی تھی۔

چند لمحوں کے وقفے سے وہ سب اندر آ گئیں۔ نیا کی والدہ بانو بیگم ان کو ڈرائنگ روم میں لے گئی تھیں، وہاں سے بھی مہر النساء کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔

"ہم کو ادھر بیٹھنا نہیں ہے، ہم جلدی میں ہیں، بس آپ سمن کو بلا دو۔ ہمیں اس سے ضروری بات کرنا ہے" جبکہ بانو بیگم انہیں آرام سے بیٹھنے کی تاکید کر رہی تھیں۔

اسی لمحے نیا سمن کے پاس آ گئی۔ پریشان و حواس باختہ سی۔ سمن کو پتھر کی طرح ایک جگہ جما دیکھا تو آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"اللہ رحم کرے۔ شر تو یہاں تک آ پہنچا۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں ناں۔ تم پریشان مت ہو۔ آؤ اندر چلتے ہیں۔ پتا تو چلے کہ یہ معزز خواتین کس سلسلے میں تشریف لائی ہیں"

سمن نے اپنا سر تھام لیا۔

"نیا! مجھے چکر آ رہے ہیں۔ ان سے مجھے کسی اچھائی کی امید نہیں۔ ضرور انہوں نے کوئی تانا بانا بنا ہے"

''کچھ بھی سہی۔ فیس تو کرنا ہے۔ ان کی آمد کی وجہ تو معلوم کرنا ہے۔ تم سے ملے بغیر تو وہ یہاں سے جائیں گی نہیں۔ ان سے جھوٹ بھی نہیں بولا جا سکتا کہ تم یہاں نہیں ہو، کیونکہ وہ جس اعتماد سے یہاں آئی ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ انہیں پورا یقین ہے کہ تم یہاں ہو۔ اگر ہم جھوٹ بول دیں کہ تم یہاں نہیں ہو تو وہ اتنی تیز ہیں کہ سارے گھر کی تلاشی لے ڈالیں گی۔ چلو شاباش۔ ہمت سے کام لو''

نیا نے اس میں ہمت وحوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

سمن نے کپڑے نزدیک پڑی بان کی چارپائی پر پھینک دیے اور دوپٹہ سر سے اوڑھ کر نیا کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو ''چلیں؟''

نیا نے اس کا ہاتھ تھاما اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ سمن یوں چل رہی تھی جیسے خود کو گھسیٹ رہی ہو۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو مہر النساء سمن کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور بڑے جذباتی انداز میں دونوں ہاتھ پھیلا کر سمن کی طرف بڑھیں۔ سمن نے آہستہ آواز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام میری اماں...... میں صدقے اور قربان۔ غصے میں ہے میری بہو۔ خفا ہے اپنی بی بی جان سے'' مہر النساء نے سمن کو گلے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ ان کے پیار میں جتنی شدت تھی۔ اس سے کئی گنا شدت سمن کے خوف میں تھی۔

''میرا گھر سونا کر کے آ گئی۔ تو میری بیٹی ہے اور سہیل میرا بیٹا۔ سب کچھ تو ہے میرے پاس۔ شکر ہے مولا سائیں کا۔ برادری والے تو باتیں بناتے ہی ہیں، ہم بھی ان کی باتوں میں آ گئے تھے۔ چل، میں اپنی بیٹی کو لینے آئی ہوں۔'' مہر النساء سمن کو پیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور سمن کا کلیجہ بھی کانپ رہا تھا اور ٹانگیں بھی۔

''بی بی جان! سہیل تو کہیں گئے ہوئے ہیں۔ آپ ان کے آنے کا انتظار کریں'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''خیر ہے، سہیل تو اس گھر کا مالک ہے جب مرضی آ جائے۔ اسے پتہ چلے گا کہ تو گھر چلی گئی ہے اور راضی خوشی گئی ہے تو وہ خود پیچھے پیچھے پہنچ جائے گا اس کا گھر ہے، اسے کوئی روک سکتا ہے۔ چل تو اپنا سامان سمیٹ۔ تیرے بغیر تو وہ حویلی مجھے کھانے کو دوڑتی ہے۔'' مہر النساء نے چمکارتے ہوئے ان خواتین کی طرف دیکھا جو ان کے ساتھ آئی تھیں۔

ان کی نظروں کے تعاقب میں سمن نے بھی خواتین کی طرف دیکھا۔ ایک مہر النساء کی چھوٹی بہن خیر النساء تھیں۔ دوسری سہیل کی پھوپھی خدیجہ تھیں اور ساتھ ان کی بڑی شادی شدہ بیٹی طاہرہ تھی۔ تینوں کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ طاہرہ کی مسکراہٹ سے تو اسے اور زیادہ خوف محسوس ہونے لگا۔ شادی کے پہلے دن سے حویلی سے نکلنے تک طاہرہ نے کبھی اس سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔ جب حویلی آتی تھی ماحول میں کشیدگی طاری ہو جاتی تھی جو اس کے جانے کے بعد کئی دن تک محسوس ہوتی رہی تھی۔

ادھر ادھر سے سنائی دیا تھا کہ وہ سہیل سے محبت کرتی تھی اور سہیل کی شادی سے پہلے مہینہ مہینہ آ کر رکتی تھی۔ سہیل کے کرتے کاڑھتی سیتی تھی۔ کچن میں نت نئی ڈشز بناتی تھی۔ اس نے کبھی سمن سے مسکرا کر بات نہیں کی تھی۔ آج وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ بات سمن کے خوف کو مزید بڑھا رہی تھی۔

''بی بی جان! آپ بیٹھیں، ٹھنڈا پانی پئیں۔ سہیل کام سے فارغ ہو کر سیدھے یہیں آئیں گے اگر وہ واپس چلنے پر رضامند ہو جاتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے حویلی سے مجھے لے کر نکلے تھے۔ میں نے ان سے نہیں کہا تھا۔

میں تو ان کے ساتھ ساتھ ہوں۔ وہ کہیں بھی رہیں۔'' وہ آہستہ آواز اور نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے بہن! آپ سہیل کا انتظار کریں۔ جب تک میں کھانا تیار کرتی ہوں۔ آپ لوگ آرام سے بیٹھیں۔ ویسے بھی بہت دور کا سفر کر کے آئی ہیں۔'' نیا کی امی یعنی بانو بیگم نے بھی سمن کی تائید کی۔

''ارے ہم کون سا گدھا گاڑی میں آئے ہیں۔ مہنگی والی موٹر میں بیٹھ کر آئے ہیں جس میں پیٹ میں پڑا پانی نہیں ہلتا۔ ٹھنڈا اتنی کہ سردی لگنے لگتی ہے''

مہر النساء نے اب اپنے فطری انداز میں جواب دیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا کتنا دماغ ہے۔

''وہ ٹھیک ہے بہن! اللہ آپ کو بہت دے۔ سفر میں تو بیٹھے بیٹھے بھی تھکن ہو جاتی ہے'' بانو بیگم نے بہت رواداری سے جواب دیا۔

''ہمیں جلدی ہے۔ ہم بیٹھیں گے نہیں۔ اپنی بیٹی کو لینے آئے ہیں اور اسے لے کر جا رہے ہیں۔'' مہر النساء نے سمن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

سمن خوف زدہ ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''بی بی جان! میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ آپ سہیل کو آنے دیں پھر وہ جیسا کہیں میں چلی چلوں گی۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ چہرے پر بے بسی تھی۔

''ادی! سہیل کا تو گھر ہے اس کو کوئی روکے گا۔ وہ سنے گا کہ بی بی جان لینے آئی تھیں تو وہ خود چلا آئے گا۔'' اب طاہرہ بولی تھی۔

''تو کیوں پریشان ہو رہی ہے سمن! ہم غیر تو نہیں ہیں۔ تیرے اپنے ہیں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ تو برسوں سے ہمارے ساتھ ہی رہ رہی تھی۔'' مہر النساء بولتے بولتے

بانو بیگم کی طرف پلٹیں۔

''بہن! آپ اس کو سمجھاؤ۔ یہ ہماری بہو نہیں بیٹی ہے۔ اس کے آنے سے ہمارا گھر خالی ہو گیا ہے۔ ان کے بغیر وہ گھر، گھر نہیں''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بہن! مگر جن حالات میں سہیل نے وہ گھر چھوڑا ہے اور اسے لے کر نکلے ہیں۔ اس حساب سے تو اب دوبارہ اسے سہیل کے ساتھ ہی وہاں جانا چاہیے''

بانو بیگم نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

مہر النساء ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

''آپ بھی بیٹی والی ہو، وہی بیٹی اپنے گھر میں ہی بجتی ہے۔ آپ کو تو چاہیے کہ اسے پہلی فرصت میں اس کے گھر بھیجیں، الٹا اسے روک رہی ہیں''

''بہن! میں اسے کیوں روکوں گی۔ میرا کیا غرض ہے کیا لالچ ہے مگر یہ ہمارے پاس سہیل کی امانت ہے۔ وہ ہم پر بھروسا کر کے اسے یہاں چھوڑ کر گیا ہے۔ آئے گا تو ہم ہی سے پوچھ گچھ کرے گا'' بانو بیگم نے پھر رسانیت سے جواب دیا۔

''پوچھ گچھ کرے گا تو بول دینا تیری ماں آئی تھی۔ لے گئی'' مہر النساء نے ترخ کر جواب دیا۔

''چل سمن! موٹر میں بیٹھ''

سمن نے بے بسی سے نیا اور بانو بیگم کی شکل دیکھی۔

''ٹھیک ہے سمن! چلی جاؤ یہ تمہاری ساس ہیں۔ تمہارے شوہر کی ماں اور ہم غیر لوگ۔ ہم اس سے زیادہ زور نہیں ڈال سکتے'' بانو بیگم نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ مہر النساء سے نہیں جیت پائیں گے۔ صرف مفت کی تو تکار ہو گی۔

سمن نے ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو روکے اور باہر نکل گئی۔ یہ کہتے ہوئے کہ میں

بیگ لے کر آتی ہوں۔ نیا اس کے پیچھے پیچھے بھاگی۔

سمن سیدھی صحن میں آئی اور چارپائی پر پڑے کپڑے تہہ کرنے لگی۔

"سمن! تم جا رہی ہو ان کے ساتھ؟" نیا نے فکرمندی سے پوچھا۔

"پھر کیا کروں؟ دیکھ تو رہی ہو، وہ کوئی بات سن ہی کب رہی ہیں۔ برے طریقے سے بھی بولتیں تو مزاحمت کا بہانا مل جاتا، کس قدر پیار محبت جتا رہی ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ" سمن نے بے بسی سے کہا۔

"لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ خواتین کوئی گیم کھیل رہی ہیں۔ پرخلوص نہیں ہیں" نیا نے اسی طرح فکرمندی سے جواب دیا۔ پھر ایک دم سوچ کر بولی۔

"تم ایسا کرو، ذرا ہمت سے کام لو اور صاف صاف منع کر دو کہ میں سہیل کے بغیر نہیں جاؤں گی پھر دیکھو، جواب میں یہ خواتین کیا کرتی ہیں۔ شوٹ تو بہر حال نہیں کریں گی" نیا نے اسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو ڈر سا لگ رہا ہے" سمن نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"او بھئی۔ تم اکیلی تو نہیں ہو۔ میں اور امی ہیں ناں۔ دیکھ لیں گے جھوٹوں سے ڈرنا تو بری بات نہیں بہت ہی بری بات ہے۔ اللہ بھی سچ کی مدد کرتا ہے" نیا نے پھر اسے حوصلہ دلایا۔

سمن نے کپڑے تہہ کرتے ہوئے کچھ دیر سوچا پھر نیا کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ ہمت تو کرنا ہی پڑے گی۔ کسی بہت بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے یہ کرنا تو ضروری ہے۔ بی بی جان پر تو اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مگر جو خواتین ان کے ساتھ ہیں۔ وہ تو تلوار کی نوک پر بھی بیٹھ جائیں تو ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا"

سمن ہاتھ میں پکڑی قمیص چارپائی پر پھینک کر واپس ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔

نیا بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

سمن ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ بی بی جان سمیت دونوں خواتین اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا بہن! ہم چلتے ہیں۔ آپ نے ہمارے بچوں کی دیکھ بھال کی، آپ کا بہت بہت شکریہ۔" بی بی جان نیا کی امی بانو بیگم سے بڑے عاجزانہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

اس سے پیشتر بانو بیگم جواب میں کچھ کہتیں، سمن بول پڑی۔

"بی بی جان! میں سہیل کے بغیر دوبارہ واپس حویلی نہیں جاؤں گی۔ آپ یا تو سہیل کا انتظار کریں یا رات کو دوبارہ آ جائیں" سمن نے بڑے اعتماد و فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

تینوں خواتین ہکا بکا سی سمن کی صورت تکنے لگیں جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہوں پھر ایک دم بی بی جان غضب ناک انداز میں نیا سے مخاطب ہوئیں۔

"یہ بہت چالاک لڑکی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ ادھر حویلی آتی ہے تو گھنٹوں کمرہ بند کر کے اسے پٹیاں پڑھاتی ہے۔ اسی نے پھر سمن کو بھڑکایا ہے۔ یہ تو اپنا بیگ لینے گئی تھی۔ اسی کے سکھانے میں آ کر جانے سے انکار کر رہی ہے۔ اللہ بچائے ایسی چلتر چھوکریوں سے۔ توبہ توبہ کنواری کا یہ حال ہے شادی کے بعد کیا کرے گی۔ عقل سے کام لے سمن ایسی ہوشیار سہیلیاں ہی بعد کو سوکنیں بنتی ہیں"

مہرالنساء ایک تواتر سے شروع ہو گئیں۔

بانو بیگم تڑپ کر کھڑی ہو گئیں۔

"بس بہن! بہت ہو گئی۔ آپ اپنے گھر کا رستہ دیکھیں۔ خوامخواہ کمہار پہ بس نہ چلا تو گدھے کے کان اینٹھنے لگیں۔ میری معصوم بچی نے آپ کا کیا بگاڑا ہے بھئی"

"امی! آپ چھوڑیں۔ یہ سہیل بھائی کی والدہ ہیں۔ ہمارے گھر آئی ہیں" نیا نے

فوراً اماں مزید بولنے سے روکا۔

''اتنی دیر سے ہم سہیل کی والدہ ہی کو عزت دے رہے تھے ورنہ ہماری کون سی رشتہ داری ہے ان سے۔ چوہدرانی، وڈیرانی ہوں گی اپنی حویلی میں۔ ہم تو کنواں کھودتے ہیں پانی پیتے ہیں۔ ان کے ہاں کیا کھانے جاتے ہیں۔ کسی کی شریف بچی پر اس طرح کی الزام تراشی انہیں زیب نہیں دیتی، وہ بھی ہمارے ہی گھر میں کھڑی ہو کر ہم ہی کو سنا رہی ہیں۔ حد ہو گئی'' بانو بیگم کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔

''ارے جاتے ہیں۔ ہم یہاں کون سا گرہستی بنانے آئے ہیں ہمارے گھر میں آگ لگ رہی ہے اس چھوکری سے۔ یہ تو چاہتی یہی ہے کہ اس کی سہیلی بھی کوارٹروں میں رہے۔ موٹا جھوٹا پہن کر زندگی گزارے۔ حسد تو عورت ذات میں پورا ہوتا ہے چل سمن سامان اٹھا ہم کون سا پرائی بیٹی کو اغوا کرنے آئے ہیں۔ اپنی بہو کو لے جا رہے ہیں دھوم سے بیاہ کر لے گئے تھے۔ ساری دنیا کو خبر ہے کہ یہ مخدوموں کی بہو ہے سات گوٹھ نے اس کے ولیمے کی روٹی کھائی تھی۔ عزت ہے ہماری۔'' مہر النساء نے غضب ناک ہو کر کہا۔

''ہونہہ! عزت تھی تو گھر سے نکلنے کیوں دیا تھا'' بانو بیگم نے طنز کیا۔

''میں تو روکتی تھی۔ سہیل کا باپ مرد ذات وہ مجھے روکتا تھا ورنہ میں اپنے بیٹے کو کبھی گھر سے نکلنے نہ دیتی۔ چل سمن! تو کیا پرائے لوگوں کی باتوں کو دھیان سے سن رہی ہے'' مہر النساء نے بات کرتے ہی پھر سمن کا پیچھا لیا۔

سمن جو خواہ مخواہ کی تو تکار سے پریشان کھڑی تھی۔ ایک دم گڑبڑا گئی اور بانو بیگم سے بولی۔

''آنٹی! چھوڑیں میں بی بی جان کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ سہیل شام کو آئیں تو آپ بتا دیجئے گا۔ اب تک بی بی جان کے ساتھ ہی تو کٹ رہی تھی زندگی۔ سہیل تو چند

حصوں کے لیے آتے تھے۔ چوبیس گھنٹے تو بی بی جان کے ساتھ ہی گزرے تھے'' سمن بہت گھبرا رہی تھی۔ اس کی پرامن طبیعت اس جنگی ماحول سے پریشان ہو گئی تھی۔ نیا اور بانو بیگم ہکا بکا سمن کی صورت تکنے لگیں۔

''سمن! اتنا گھبرانے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم میاں بیوی کے درمیان کوئی بہت بڑا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے'' نیا نے بے خوف انداز میں پھر سمن کو سمجھایا۔

سمن نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ کیا کرے۔

اچانک نیا نے اس کا بازو پکڑا اور کھینچتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ وہ سب کی سب ایک لمحے کو کچھ سمجھ ہی نہ پائیں۔

مہر النساء نے سب سے پہلے اپنے اوسان درست کیے اور اپنے ساتھ آئی ہوئی دونوں خواتین سے مخاطب ہوئیں۔

''چلو اٹھو۔ ہم سمجھ لیں گے اچھی طرح۔ یہ لوگ ہمیں جانتے نہیں ہیں'' اتنا کہہ کر تیزی سے باہر کی طرف بڑھیں دونوں خواتین بھی ان کے پیچھے چل پڑیں۔

بانو بیگم گم صم سی اپنی جگہ کھڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مومنہ نے روبی کے اپارٹمنٹ تک تیزی سے زینہ چڑھ کر سانس درست کی اور اپنی کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والی نانا تھیں مومنہ کو دیکھ کر ایک دم گرم جوش ہو گئیں۔

''آؤ آؤ بیٹی! خیر سے بسم اللہ۔''

مومنہ اندر داخل ہو گئی۔ نانا نے دروازہ بند کر دیا اور اسے لے کر لاؤنج میں آ گئیں۔

''میں ابھی روبی سے تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی کہ پتہ نہیں تم آئیں کیوں نہیں، میں تو

بہت کہہ چکی‘‘

نتا نے یوں خوشی سے نہال ہو کر کہا گویا کوئی دیرینہ قریبی رشتے دار مدتوں بعد گھر آیا ہو۔

’’بس کچھ مصروفیت ہی ایسی رہی کہ دن میں وقت ہی نہیں مل پا رہا تھا۔ رات کو فرصت ہوتی تو سوچتی آپ لوگ شاید سونے والے ہوں۔‘‘ مومنہ نے ست رنگے لکڑی کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور لاؤنج میں نظریں دوڑائیں جو کسی آرٹ گیلری کا نمونہ دکھائی دے رہا تھا۔

’’اے بیٹی خدا کی مار ہے اس شہر پر۔ راتوں کو جاگتے ہیں، دن چڑھے تک سوتے ہیں۔ نو دس بجے تک تو کھانے سے فارغ ہوتے ہیں اگر یہ دونوں کہیں باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں تو رات گئے تک ان کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہوں۔‘‘ نتا بولیں۔

’’تو آپ بھی ساتھ چلی جایا کریں۔ اکیلی بور ہوتی ہوں گی‘‘ مومنہ نے ادھر ادھر نظریں گھما کر روبی کو دیکھنے کی کوشش کی۔

’’میں بور تو خیر نہیں ہوتی۔ کوئی نہ کوئی کام سامنے رہتا ہی ہے۔ یہ تو بہت کہتے ہیں کہ نتا ساتھ چلیں۔ میں سوچتی ہوں اتنے اتنے دن بعد وقار آتا ہے۔ چلو میاں بیوی ذرا گھوم پھر لیں۔ خوش ہو لیں۔ کوئی بال بچہ گود میں آ گیا تو پھر کہاں یہ وقت ملے گا۔ نئی نئی شادی ہے۔ یہی دن ہوتے ہیں جب میاں بیوی بے فکری سے سیر تفریح کر لیتے ہیں۔‘‘ نتا نے بڑی تفصیل سے جواب دیا۔

’’روبی سو رہی ہے کیا؟‘‘ روبی ابھی تک نظر نہیں آئی تھی لامحالہ پوچھنا پڑا۔

’’نہیں وہ تو جاگی ہوئی ہے وقار البتہ سو رہا ہے۔ میرا خیال ہے واش روم میں ہوگی۔ میں تو کچن میں لگی ہوئی ہوں، میں دیکھی ہوں‘‘ نتا اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

’’ارے نہیں آپ بیٹھیں جب گھر ہی میں ہے تو آ جائے گی۔ کیا روبی کا کوئی

سلسلہ ہے؟‘‘ مومنہ نے پوچھا

’’کیا سلسلہ؟‘‘ نتا سمجھیں نہیں۔

’’آپ کہہ رہی تھیں ناں کہ گود میں بچہ آ جائے گا‘‘ مومنہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

’’جو دنیا میں ہوتا چلا آ رہا ہے، اس حساب سے بات کر رہی تھی‘‘ نتا نے وضاحت کی۔

’’اوہ۔‘‘ مومنہ نے ذرا اطمینان کا سانس لیا۔

’’روبی شادی سے پہلے سے آپ کے ساتھ رہتی ہے نتا یا شادی کے بعد اس کی تنہائی کے خیال سے آپ اس کے ساتھ رہ رہی ہیں‘‘ مومنہ نے لاؤنج کی آرائش کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

نتا ایک دم سے چپ ہو گئیں۔ جیسے کوئی خلاف توقع سوال سن لیا ہو۔ اپنا دوپٹہ گود میں پھیلا کر کشیدہ کاری دیکھنے لگیں جیسے جواب کی مہلت لے رہی ہوں، کچھ سوچ رہی ہوں۔ مومنہ ان کی خاموشی پر خجل سی ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کچھ غلط کر بیٹھی ہو۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

’’بیٹی! تم اور ماہ رخ مجھے بہت اپنی اپنی سی لگتی ہو۔ میں تم دونوں سے غلط بات نہیں کر سکتی۔ اصل میں میں روبی کی سگی نانی نہیں ہوں۔ میں جس محلے میں رہی تھی وہاں سب چھوٹے بڑے مجھے نتا ہی کہتے تھے۔ میرے سب عزیز ہی تقریباً ہندوستان میں بستے ہیں۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ ڈاکٹری پڑھا ہے، وہ اکیس سال کا تھا جب میرے شوہر کی وفات ہوئی۔ بہت تو نہیں اتنا کچھ تو تھا کہ بیٹا سہولت سے ڈاکٹری پڑھ گیا۔ پرائے دیس چلا گیا وہیں شادی کر لی۔ تین چار مہینوں میں پیسے بھیج دیتا ہے۔ کبھی کبھی اپنے بیوی بچوں کے فوٹو چار سال سے کہہ رہا ہے پاکستان آؤں گا مگر آتا نہیں۔ دس سال ہو گئے اسے گئے ہوئے

اب تو خوف آتا ہے کہ اس کی صورت ہی نہ بھول جاؤں۔" بولتے بولتے ثنا کی آواز بھرا گئی۔

مومنہ کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اسے یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا۔

"تو آپ اپنے بیٹے سے کہیں وہ یہاں نہیں آ سکتا تو آپ کو وہاں بلا لے۔ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے" مومنہ نے اندھیرے میں ایک چراغ جلانے کی کوشش کی۔

"بس بیٹی! کوئی انہونی تو نہیں۔ جب بچے بیوی بچوں والے ہو جاتے ہیں تو طرح طرح کے گورکھ دھندوں میں پھنس جاتے ہیں۔ میرا بیٹا تو ایسا نہیں تھا کہ ماں کا خیال نہ کرے اس کی ولایتی بیوی کو شاید یہ منظور نہ ہوگا اور ہم اس میم سے کس بات کا گلہ کریں۔ ہمارے اپنے وطن میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ بعض عورتیں تمام عمر سوت برداشت کرتی ہیں اور اکثر سے ساس برداشت نہیں ہوتی۔ بوڑھے ماں باپ الگ گھر میں پڑے رہتے ہیں۔ بہو بیٹا دوسرے گھر میں، میں تو ڈر کے مارے خود بھی وہاں جانا نہیں چاہتی۔ میں نے سنا ہے کہ ان لوگوں نے بڈھوں کے لیے اسپتالوں کی طرح کے گھر بنائے ہوئے ہیں، انہیں وہاں رکھتے ہیں۔

میرا تو سوچ کر ہی جی گھبراتا ہے جدھر نگاہ اٹھاؤ، اسی طرح کے بڈھے ہی بڈھے، بڑھاپے میں اپنی آل اولاد کی تو رونق ہوتی ہے جو دل کو زندہ رکھتی ہے۔ اس سے تو میں یہاں ٹھیک ہوں۔ اپنے حساب سے رہتی ہوں۔ کوئی پابندی تو نہیں ہے"

ثنا اس ٹاپک سے قطعی ہٹ چکی تھی جو مومنہ کی آمد کا حاصل وصول تھا۔ عموماً دیگر بڑے بوڑھوں کی طرح صرف اپنی دلچسپی سے تعلق رکھنے والی بات پر بولے جا رہی تھیں مومنہ بہت صبر و خندہ پیشانی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اتنی آس ضرور تھی کہ جب ثنا اپنے دل کی بھڑاس نکال چکیں گی تو مومنہ کے سوال کی طرف آئیں گی جس کا جواب انہوں نے ادھورا دیا ہے۔

"یقین کرنا بیٹی! ہمارے شوہر کی سگی دادی نے اللہ کے حکم سے بڑی لمبی عمر پائی اور مرتے دم تک میرے ہی پاس رہیں۔ اسی برس کی ہوئیں تو مرض جنون کی آزمائش میں مبتلا ہوئیں۔ پورے نو برس اس کیفیت میں میرے ساتھ رہیں جو کر سکتے تھے وہ کیا۔ لوگ میرے حال پر ترس کھاتے اور کہتے کہ انہیں پاگل خانے میں داخل کرا دیں۔ مگر میرے شوہر رضامند نہ ہوئے۔ جو علاج معالجہ کرا سکتے تھے۔ کرایا کوئی کمی کسر نہ چھوڑی اور آج کل یہ حال کہ چلتے ہاتھ پیر والی ساس بہوؤں سے برداشت نہیں ہوتی آہا"

ثنا کی آپ بیتی کا جانے یہ کون سا موڑ تھا اختتام سے پہلے کے کس مرحلے پر تھی کہ روبی ہاتھ گاؤن پہنے تولیے میں بال لپیٹے لاؤنج میں چلی آئی۔

"ارے پھپھو آئی ہیں" وہ بے ساختہ پرجوش انداز میں بولی تھی۔ پھر ایک دم سے خجل سی ہو گئی۔

"سوری۔ پتہ نہیں کہیں آپ مائنڈ نہ کرتی ہوں۔ ماہ رخ آپی کی وجہ سے ایک دم میرے منہ سے پھوپھو نکل جاتا ہے"

"بھئی۔ میں کسی قسم کے لقب القاب پر مائنڈ نہیں کرتی۔ تم ایزی فیل کرو۔ تم پھوپھو کہتی ہو، مجھے اچھا لگتا ہے۔ برا تو نہیں لگتا۔ اب ہوئی ہے تمہاری صبح۔ بڑی عیاش قوم ہے یہ۔ وقت کی قدر و قیمت کا تو احساس ہی نہیں" مومنہ نے مصنوعی خفگی سے جھاڑ پلائی۔ روبی شرمندہ سی ہو کر ہنس پڑی۔

"وہ اصل میں اکثر رات کو بہت لیٹ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کہیں انوائٹ ہوتے ہیں۔ کبھی خود ہی باہر ڈنر کے لیے چلے جاتے ہیں۔ بس دو چار روز کی ہے یہ بھاگ دوڑ۔ وقار کے جاتے ہی سب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔" روبی یہ کہتے ہوئے موڑھے پر بیٹھ گئی اور سر سے تولیہ کھول کر بال خشک کرنے لگی۔

''کب جا رہے ہیں وقار؟'' مومنہ نے اب خاصی سنجیدگی سے سوال کیا۔

''بس اسی ماہ کے آخر تک چلے جائیں گے۔ جاتے ہیں تو لگتا ہے، آنے پر صدیاں ہیں۔ آتے ہیں تو جیسے وقت پر لگا کر اڑ جاتا ہے۔''

مومنہ چند لمحے کے لیے خاموش سی ہو کر رہ گئی۔ پھر خود ہی کو اپنی اچانک خاموشی کا احساس ہوا تو سنبھل کر مسکرائی۔

''انتظار میں بھی بہت حسن ہوتا ہے۔ کم از کم تمہاری زندگی حسین تو ہے اور دوری محبت بڑھاتی ہے'' مومنہ روبی اور نتا کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے بڑے شگفتہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اس کا ذہن ہنوز نتا کے جملے میں اٹکا ہوا تھا کہ وہ روبی کی سگی نانی نہیں ہیں۔

اب ان کی صورتیں دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ نتا کی بات غلط نہیں ہو سکتی اس لیے کہ روبی کے نین نقش اور نتا کی آنکھ ناک میں کہیں کسی موروثی مشابہت کا شائبہ تک نہ تھا۔ روبی کا چہرہ بالکل گول۔ آنکھیں بڑی بڑی شریر سی۔ دہانہ چھوٹا ہونٹ بھرے بھرے۔ ابرو کی تراش میں گولائی کا تاثر۔ ناک چھوٹی سی مگر کھڑی جبکہ نتا کی ناک ان کے چہرے کی سب سے خاص چیز تھی۔ ایرانی عورتوں کی طرح بالکل ستواں اور سائز میں بڑی آنکھیں چھوٹی تھی ہونٹ باریک بھنچے ہوئے۔ روبی کی رنگت گندمی اور نتا کی سرخ و سفید تھی۔ روبی کا قد درمیانہ اور نتا سرو قد تھیں۔

اکثر بچے ننھیال پر بالکل نہیں جاتے مگر کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوتی ضرور ہے جو ان کو ''ہم قبیلہ'' ثابت کرتی ہے۔ نتا اور روبی تو ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھیں۔ مومنہ کو دھیان ہوا کہ ان کی تو زبان میں بھی فرق ہے۔ اگرچہ بولتی دونوں ہی اردو ہیں مگر روبی کی اردو اتنی نکھری ہوئی نہیں ہے جیسی نتا کی ہے۔ نتا بولتی ہیں تو ان کا ایک ایک لفظ ان کو ''اہل زبان'' کے کنبے کا ایک فرد ثابت کرتا ہے۔

''چھوڑیں پھوپھو! اتنی زیادہ دوری محبت نہیں ٹینشن بڑھاتی ہے۔ ہر وقت ذہن بس اندازوں و اندیشوں میں الجھا رہتا ہے۔ وہ جو ادا جعفری نے کہا ہے ناں کہ۔

تم پاس نہیں ہو تو عجیب حال ہے دل کا
یوں جیسے کہیں کچھ رکھ کے بھول گئی ہوں

روبی نے آہستہ آواز میں نتا کی طرف دیکھتے ہوئے شعر پڑھا۔ کوشش یہ تھی کہ نتا نہ سن پائیں جس سے نانی نواسی کے مابین لحاظ کا پتہ چلتا تھا۔

شعر پڑھ کر روبی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔

''کتاب ڈیپ فریزر میں اور پانی کی بوتل الماری میں، قدم کہیں۔ ذہن کہیں''

''تمہیں کیا اندیشے ستاتے ہیں؟ کیا وقار پر اعتماد نہیں؟ مومنہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''باؤلی ہے یہ تو۔ ایسا نیک فطرت بچہ ہے کہ پوچھو مت۔ ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا ہے اسے۔ اب کیا آسمان سے تارے توڑ لائے۔ اللہ نے بے حساب دیا ہے۔ ابھی پار سال ہی ہزار گز کا پلاٹ خریدا ہے کلفٹن میں کہ اپنی مرضی کا گھر بنائے گا۔ اس پر روبی کے نام کی تختی لگائے گا۔ وہ چھوٹی کار لے رہا تھا کہ وہ تو یہاں ہوتا نہیں ہے۔ روبی کے لیے چھوٹی ٹھیک ہے۔ دیکھ بھال آسان ہوتی ہے۔ یہ بولی وہ کیا ہوتی ہے کریلا کرولا۔ مار مجھے تو نام بھی یاد نہیں ہوتے اس عمر میں''

نتا پیشانی پر ہاتھ مار کر جھلائیں۔ پھر بولیں۔ ''اس نے وہ لا کر کھڑی کر دی۔ یہ بولی۔ سفید کیوں لے آئے۔ سفید کار یں برت کر میرا تو جی اوب گیا ہے۔ صفائی بہت کرنا پڑتی ہے۔ تو بولا ایک سال برت لو، آئندہ سال دوسرے لے لیں گے۔ ذرا جو پیسے کا دماغ ہو۔ شادی سے اب تک میں نے اسے کوٹ پتلون میں نہیں دیکھا۔ مار وہ ململ کی طرح ہلکی قمیص (ٹی شرٹس) اور وہ کڑک سی پتلون (جینز) جسے پانی میں بھگو کر نکالو تو لگتا

ہے لوہا کھینچ رہے ہیں پہنے پھرتا ہے۔ اتنی تو سادگی ہے۔ کھانا وہ جو دودھ پیتے بچے پسند کریں۔ بغیر نمک مرچ کی مرغی، بکھن سلائس، کبھی پنیر ڈبل روٹی میں ابلا ہوا انڈا ملک شیک اپنا تو جیسے اس کا خرچا ہی نہیں۔

اللہ نظر بد سے بچائے اتنا کماتا ہے مہینے بھر میں کہ پاکستان میں لاکھوں بنتے ہیں۔ اس کے باوجود کسی قسم کی کوئی لت نہیں۔ سگریٹ پیتا ہے مگر میں نے کبھی پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ڈبیہ دیکھی ہے اس کے کمرے میں۔ جنے کس وقت میں پیتا ہے۔ یہ تو آج کل نکے لونڈے لپاڑے بھی پیتے پھرتے ہیں۔ دن بھر میں دو ایک سگریٹ پی لی تو کیا ہوا۔ عیاشیوں کی طرف تو دھیان نہیں ہے۔ شکر ہے مولا کا مگر یہ بہت ناشکری کرتی ہے اور مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے'' ننا نے وقار کی شان میں وہ قصیدہ خوانی کی کہ مومنہ ان کی صورت تکتی رہ گئی۔

''بس یونہی کبھی کبھی خوف سا محسوس ہوتا ہے کہ وقار گڈ لکنگ ہیں۔ ویل آف ہیں۔ کہیں کوئی بہت شاندار سی عورت ان کو اپنے جال میں نہ پھنسا لے۔'' روبی نے بچوں کی سی معصومیت سے کہا۔

ننا نے بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''اے تو وہ دودھ پیتا بچہ ہے۔ اس کی اپنی عقل نہیں۔ تم سے شادی سے پہلے اس نے سو طرح کی اچھی بری لڑکیاں دیکھی ہوں گی۔ تم سے زبردستی شادی نہیں کی۔ اپنی مرضی سے کی ہے''

''وہ سب ٹھیک ہے ننا! مگر اس طرح ہو جاتا ہے دنیا میں'' روبی نے اپنی بات پر زور دیا۔

''لگتا ہے تم وقار سے بے پناہ محبت کرتی ہو۔ جہاں شدت ہوتی ہے وہاں اندیشے بھی ستاتے ہیں۔ وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ

شدتوں میں ہے دلوں کو عجب دھڑکا سا

خیر تم کوشش کیا کرو کہ اپنی سوچ پوزیٹو رکھو۔ اللہ سے دعا کرو۔'' مومنہ نے اپنے دو ٹوک انداز میں موضوع تمام کیا۔

''بیٹی! تم اتنی لائق اور سمجھ دار ہو، تم نے شادی کیوں نہیں کی؟'' ننا اپنی بات دل میں زیادہ دیر نہ رکھ سکیں، بہرحال پوچھ بیٹھیں۔

''سمجھ دار لوگ ہی تو شادی نہیں کرتے ننا!'' مومنہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ روبی اور ننا بھی مسکرا پڑیں۔

''ماشاء اللہ۔ کس بات کی کمی ہے تم میں۔ رشتے تو بہت آئے ہوں گے'' ننا نے ناقدانہ نگاہ مومنہ پر دوڑائی۔

''رشتے تو لڑکیوں کے آتے ہی ہیں ننا! ایک بے چارہ تو ایسا ہے، اس نے میری آس میں ابھی تک شادی ہی نہیں کی۔'' مومنہ نے ہنس کر بتایا۔

''تو بیٹی! اسی سے کرلو، جب اتنی سچی محبت کرتا ہے'' ننا نے کمال سادگی سے برجستہ کہا۔

''جب وقت تھا۔ تب نہیں کی، اب کیا کرنا''

''اب ایسا بھی وقت نہیں گیا۔ تمہیں اگر وہ اچھا نہیں لگتا تو وہ دوسری بات ہے'' ننا بولیں۔

''چھوڑیں ننا! شادی سے پہلے مرد کچھ اور ہوتے ہیں، شادی کے بعد کچھ اور۔ میں ایک شخص کے دو رنگ برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اہلیت نہیں ہے مجھ میں''

اسی لمحے وقار روبی کو آواز دیتا لاؤنج میں آ گیا تھا۔ چمک دار سلیپنگ سوٹ میں بکھرے بالوں کے ساتھ۔

''اتنی دیر سے فون کی بیل بج رہی تھی، ساری نیند ہی خراب .....' وہ بولتے بولتے رک گیا۔ اس کی نظر مومنہ پر پڑی تھی۔ ایک دم سنبھلا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے نظریں چرا کر بڑے روڈ اور فارمل انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ کیسے ہیں آپ'' مومنہ کا لہجہ بھی عجیب سا ہو گیا۔

''آئی ایم فائن تھینکس''

''اصل میں دروازہ بند تھا اور رات کو میں نے فون کی بیل ہلکی کر دی تھی، اس لیے باہر آواز نہیں آئی''

''یہ فون تم یہاں لاؤنج میں رکھو۔ اندر موبائل تو ہوتا ہے نا اور ایک کپ چائے لے آؤ، پلیز۔'' وقار نے مومنہ کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا جیسے وہ موجود ہی نہ ہو۔

روبی بھی اس کے اکھڑ انداز پر شرمندہ سی ہو گئی اور مومنہ سے نظریں چراتی کچن میں چلی گئی۔ مومنہ نے وال کلاک پر نظر ڈالی اور بولی۔

''شاید اس وقت میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ دن کے گیارہ بجے بھی یہاں نیند خراب ہوتی ہے۔ آئی ایم سوسوری''

''ارے نہیں پھوپھو! آپ کے آنے کا تو ان کو پتا بھی نہیں ہوگا۔ وہ تو فون کی بیل سے ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ ایکچوئلی رات بہت لیٹ سوئے تھے نا۔'' روبی نے جھٹ کچن ہی سے وضاحت کر ڈالی۔ وہ بہت شرمندہ ہو رہی تھی۔

''ہاں بیٹی! ایسی کوئی بات نہیں، تم آرام سے بیٹھو۔ روبی چائے کے ساتھ وہ دہی پھلکیاں بھی لے آنا، ابھی ابھی بنائی تھیں میں نے۔ مجھے تو گرمیوں میں ہلکی پھلکی چیزیں بہت پسند ہیں''

''ارے نہیں نتا! آپ کوئی تکلف نہ کریں، میں چلتی ہوں۔ ابھی میرا کچھ کھانے کا موڈ نہیں، میں نے بھی ناشتہ دیر سے ہی کیا ہے۔ آپ لوگ اپنا کام کریں میں پھر آؤں گی'' مومنہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماہ رخ نہیں آئی بہت دنوں سے اسے بھی ساتھ لے آتیں'' نتا بولیں۔

''وہ تو آفس گئی ہوئی ہے نتا! مجھے بھی تو نصلیٹ کے آفس جانا ہے۔ ٹھیک''

''تم تو ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئیں، عجیب سا لگ رہا ہے'' نتا الجھن میں پڑ گئی تھیں۔

''ارے نتا! میں رات کو آ جاؤں گی، آپ فکر نہ کریں۔'' مومنہ نے انہیں تسلی دی۔

روبی بھی اسے روکتی رہ گئی مگر وہ رکی نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسز علوی کی حالت خاصی سنبھل چکی تھی اور اس میں خود ان کی اپنی قوت ارادی کا بھی دخل تھا۔ ہر دوسرے روز وہ ڈرائیور کے ساتھ سردار صاحب کے گھر چلی جاتی تھیں۔ خاصی دیر تک مدحت مرحومہ کی والدہ کی دل جوئی کرتی تھیں۔ وہ جو ایک پن مسلسل چبھتی رہتی تھی، اس دوران وہ چبھن ہلکی پڑ جاتی تھی۔ بیگم سردار کا تو سارا دم خم ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ اپنی بیٹی یا رمیض کے موضوع پر کوئی بات نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ اور ان کے شوہر مسز علوی کے دل جوئی کے مل سے بہت ممنون نظر آتے تھے اور اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ اس سارے معاملے میں مسز علوی قطعی بے قصور ہیں۔

علوی صاحب اسلام آباد سے آ چکے تھے، رمیض ابھی نادرن ایریا کی سیاحت سے واپس نہیں لوٹا تھا۔ مسز علوی نے علوی صاحب کو اس حادثے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ پتا نہیں انہیں ڈر سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ مزید چیخ و پکار برداشت کرنے کی قوت اپنے اعصاب میں نہیں پا رہی تھیں۔ نمو کو بھی انہوں نے منع کر دیا تھا کہ وہ ابھی اپنے ماموں کو کچھ نہ بتائے۔ وہ ویسے ہی رمیض سے نالاں رہتے ہیں۔ کہیں باپ بیٹے میں مزید ٹکراؤ کا راستہ نہ کھل جائے۔

دوسرے نمو کی منگنی کا سلسلہ بھی شروع ہو رہا تھا۔ لڑکے والے ذرا دھوم دھام سے

خوشی کرنا چاہ رہے تھے۔ ان کے ہاں یہ پہلی شادی ہو رہی تھی۔ ان کے ارمان رہ جاتے تھے۔ ان کے حساب سے انجم علوی کو بھی تیاریاں کرنا پڑ رہی تھیں۔ طے یہ پایا تھا کہ دونوں طرف سے ڈیڑھ ڈیڑھ سو مہمان ہوں گے۔ دولہا دلہن کو ایک ہی دن انگوٹھی نہیں پہنائی جائے گی بلکہ پہلے دولہا والے انگوٹھی پہنانے آئیں گے، دوسرے دن دلہن کی طرف سے دولہا کی رسم کی جائے گی۔ گویا خاصے بڑے فنکشن کا اہتمام ہو رہا تھا۔

مسز علوی کے بازاروں کے چکر بھی شروع ہو گئے تھے۔ انجم علوی نے تقریب کے سلسلے میں کیش ان کو دیا تو اس سے بھی ذرا بہل گئی تھیں کہ شاپنگ ان کی کمزوری تھی۔ اس عمل سے وہ بہت خوش ہوتی تھیں۔ بقول انجم علوی کوئی ان کی بیگم کو رات دو بجے جگا کر پوچھے کہ شاپنگ پر چلنا ہے تو وہ بستر سے پہلے اتریں گی، آنکھیں بعد میں کھولیں گی، جبکہ نمو کو بازاروں میں گھومنے سے سخت الرجی تھی۔ اس کے تو عید کے کپڑے بھی مسز علوی لا کر دیتی تھیں۔ وہ گھر کی چار دیواری میں بہت پر سکون اور خوش رہتی تھی۔

مسز علوی کا گھر چوبیس گھنٹے شیشے کی طرح چمکتا تھا۔ خاص طور پر کچن تو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ الیکٹرک اوون کو بارہ سال ہو گئے تھے لگے ہوئے اور دیکھنے سے یوں لگتا تھا کہ آج ہی فٹ کیا گیا ہے۔ دوپہر کو وہ بہت کم آرام کرتی تھی، کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی تھی۔ ہاتھ پاؤں ہر لمحے مصروف۔

ایک مرتبہ انجم علوی نے بہت محبت سے کہہ دیا تھا۔

"بیٹا! گھر میں نوکر تو ہیں نا، کیوں اپنے آپ کو اتنا تھکاتی ہو" وہ وہ مسکرا کر بڑی سادگی سے بولی تھی۔

"ماموں جان! اللہ نے آپ کو اتنی اچھی اچھی چیزیں دی ہیں۔ نئی قیمتی اور خوبصورت۔ میں ان کو انجوائے کرتی ہوں، ان کو کام میں بھی لاتی ہوں، ان کو صاف بھی

کرتی ہوں جس مقصد کے لیے لائی گئی ہیں وہ مقصد بھی حاصل کرتی ہوں۔ بڑا مزہ آتا ہے ماموں جان!"

انجم علوی نے بے ساختہ قہقہہ لگا کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور بولے تھے۔

"کمال کر دیا نمو! بھئی پھر تو یہ اللہ نے تمہیں دی ہیں۔ مجھے رمیض کو یا تمہاری ممانی جان کو نہیں دیں۔ میں گھر میں کم ہوتا ہوں رمیض کا بھی یہی حال ہے۔ تمہاری ممانی جان کو شاپنگ فنکشنز، آؤٹ ڈور کاموں سے فرصت نہیں۔ صرف تم ہی گھر میں رہتی ہو، سب کچھ استعمال کرتی ہو تو یہ سب کچھ تمہارا ہی ہوا اور بیٹے! واقعی یہ سب کچھ تمہارا ہے، ماموں سمیت" ماموں کی اتنی محبت پا کر نمو کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

اور جب سے اس کی شادی کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اکثر کونوں کھدروں میں چھپ چھپ کر روتی تھی۔ یہ گھر تو اس کی راجدھانی تھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ بے گھر ہونے والی ہو۔ اجنبی، انجان لوگ جن کے بارے اسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اچھے لوگ ہیں، اچھا لڑکا ہے۔ جب بھی کوئی شادی ہوتی ہے، یہی جملے سنائی دیتے ہیں۔ ہر طرف سے "سب اچھا ہے" کی خبر سنائی دیتی ہے۔

لڑکا گھر آیا تو باوجود اصرار کے سامنے نہیں گئی۔ اس نے دبے لفظوں میں بس اتنا کہہ دیا تھا کہ ماموں جان کو پسند ہے، میرے لیے یہی کافی ہے۔ اب جبکہ زور و شور سے منگنی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، تب بھی اس نے خریدی گئی اشیاء پر ایک نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی تھی۔ خوشی کے ان لمحوں میں بھی اسے مدحت کا دھیان آتا رہتا تھا۔

وہ بھی تو ایک لڑکی تھی، اس کے بھی تو خواب تھے، سب کچھ تھا اس کے پاس کسی شے کی کمی نہ تھی، بس ایک رمیض ہی تو نہ تھا۔

اس کی آنکھ سے چند قطرے ٹپک پڑتے۔

کوئی منوں مٹی تلے بڑی نیند سو رہا ہے۔
کوئی زندگی کے لمحے لمحے سے لطف کشید کر رہا ہے۔
ایک امنگوں بھرا دل تھا جو ساکت ہوا پھر پیوند خاک ہوا۔
ایک امنگوں بھرا دل ہے جس کے دروازے پر ''ڈونٹ ڈسٹرب'' کا بورڈ لگا ہوا ہے۔
کسی نے زندگی کھوٹے سکے کی طرح ٹھکرا دی۔
کوئی ندیدوں کی طرح چن چن کر اپنی جھولی میں ڈال رہا ہے۔
کسی پر زندگی کے رنگ بوجھ بن گئے، اس نے آنکھیں ہی بند کر لیں۔
کسی کو رنگوں کا خزانہ مل رہا ہے اور وہ ''ھل من مزید'' پکارتا ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا ہے۔

مسز علوی اور نمو جب ایک دوسرے کے ساتھ ہوتیں جیسے ان کے درمیان مدحت موجود ہو، کچھ بول رہی ہو اور وہ دونوں سن رہی ہوں۔

''تمہاری بے حسی نے کتنوں کو سوچ لگا دی اور تمہیں سوچنے کی فرصت نہیں'' نمو نے تھکے تھکے انداز میں لاؤنج میں پڑے شاپنگ بیگ اٹھاتے ہوئے سوچا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سہیل ساری کہانی سن کر فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو سمن! اب ہمارا یہاں مزید ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ تھینک گاڈ کہ تم ان کے ساتھ نہیں گئیں''

''یہ تو سر سے پاؤں تک تیار ہو گئی تھی، بہت ڈرپوک ہے۔ وہ تو نیا نے اس کو سمجھایا ہمت دلاتی۔ یہ جانے کے لیے بولی تو مانو میرے پاؤں تلے زمین سرک گئی'' بانو بیگم بولیں۔

سہیل نے سمن کی طرف دیکھا۔ سمن نے مجرموں کی طرح نظریں جھکا لیں۔

''وہ بہت اچھی طرح بات کر رہی تھیں۔ میں کیا کرتی پھر۔'' سمن آہستہ سے بولی۔

''ان کی کوئی اچھی پلاننگ ہی ہو گی جو اچھی طرح بات کر رہی تھیں۔ گزرے ہوئے چھ سالوں میں بھی تو اچھی طرح بات ہو سکتی تھی۔ اچھی طرح بات ہوتی تو آج یہ نوبت آتی۔ کیا حماقت کرنے جا رہی تھیں'' سہیل کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

''چلو بیٹا! چھوڑو اس قصے کو، جو ہوا سو ہوا۔ یہ اچھی بات ہوئی کہ شہر میں تم نے اپنا ٹھکانا کر لیا۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ تمہیں ہمت دے'' بانو بیگم نے ماحول کی بدمزگی دور کرنے کی کوشش کی تاکہ دونوں کے درمیان مزید تکرار نہ ہو بلکہ وہ تو شرمندہ سی ہو رہی تھیں کہ انہوں نے سہیل کو یہ بتایا ہی کیوں کہ وہ جانے کو تیار ہو گئی تھی۔

''میں اس تکلیف دہی پر آپ لوگوں سے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔'' سہیل اپنی جگہ شرمندہ ہو رہے تھے۔

''کیسی بات کر رہے ہو بیٹے! سمن بھی مجھے اپنی بچیوں کی طرح پیاری ہے۔ ہم سے جو ہو سکتا ہے، وہ ہم ضرور کریں گے۔ ہمیں اپنا سمجھو بیٹا! یہ تو غیریت کی باتیں ہیں۔ ہاں ہم سفید پوش لوگ ہیں۔ روپیہ پیسہ ہمارے پاس نہیں۔ ہاتھ پیروں سے حاضر ہیں'' بانو بیگم کے لہجے میں اتنا خلوص تھا کہ سہیل کا سر جھکا کا جھکا رہ گیا۔

''نئے سرے سے گرہستی شروع کر رہے ہو، ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں'' وہ پھر بڑے شفقت آمیز لہجے میں بولیں۔

''بہت بہت شکریہ آنٹی! بہر حال میں فون پر اتنی بات ضرور کروں گا اپنی ماں سے کہ انہوں نے آپ کو کس حساب میں پریشان کیا تاکہ آئندہ وہ احتیاط کریں''

''چلو سمن! جلدی کرو، تمہیں فلیٹ میں پہنچا کر مجھے ایک ضروری کام سے بھی جانا ہے'' سہیل نے چپ کھڑی سمن کو ٹوکا تو وہ جلدی سے اپنا سامان اٹھانے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ن کی آمد پر منگنی کی تاریخ رکھی گئی تھی۔

آج رات منگنی کی تقریب تھی، آج رمیض بھی سیر و تفریح کے بعد واپس آ رہا تھا۔ انجم علوی کی کوٹھی پر چراغاں ہو رہا تھا۔ وہ بے انتہا خوش تھے۔ ان کی مرحومہ بہن کی بیٹی کو ایسا رشتہ ملا تھا جس کی سب لوگ تمنا کرتے ہیں اور وہ بہ احسن طریق اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہے تھے، یہ خوشی کیا کم تھی۔

بنگلہ کی چراغاں، چہل پہل سے تو یوں لگتا تھا کہ گویا شادی کی تقریب ہے۔ شہر سب سے مشہور کیٹرنگ کمپنی آرائش و ڈنر کا انتظام کر رہی تھی۔

مسز علوی نمو کو مہندی تو لگوا لائی تھیں مگر دلہن بننے کے لیے نمو نے دبے الفاظ میں پارلر جانے سے انکار کر دیا تھا کہ فالتو میں بہت پیسے خرچ ہوں گے، منگنی ہی تو ہے۔

مسز علوی نے اسے سمجھایا بجھایا کہ پارلر کے میک اپ کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ دوسرے یہ وہ مواقع ہوتے ہیں جب یادگار تصویریں بنتی ہیں اور یہ خوبصورت لمحے محفوظ کیے جاتے ہیں۔ یہ بہت وزنی دلیل تھی۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے پارلر گئی۔ مسز علوی اسے خود اپنی فیورٹ بیوٹیشن کے حوالے کر کے آئیں۔ وہ چار گھنٹے میں رہی ان چار گھنٹوں میں مسز علوی تین مرتبہ پارلر آئیں۔ کبھی کپڑے، جیولری لے کر کبھی یونہی اس کی تیاری کا جائزہ لینے۔

ان کی توجہ و فکر کو دیکھ کر بیوٹیشن نے ہنستے ہوئے نمو سے کہا تھا ”میں نے آج تک ایسی ”مامی“ نہیں دیکھی۔“

نمو نے برجستہ انداز میں کہا۔

”اچھی مامی کے لیے اچھا ماموں ہونا شرط ہے۔ ماموں کو خیال نہ ہو تو مامی کو کیا پڑی“

بیوٹیشن اور اس کی ہیلپرز نے یہ جملہ بہت انجوائے کیا۔ بیوٹیشن نے اس کے آہستہ سے چپت لگا کر کہا تھا۔

”تم چھوٹی سی ہو تم مگر بھئی بہت سمجھ دار ہو“

منگنی کا لباس بہت قیمتی اور خوبصورت تھا۔ مسٹرڈ اور میرون کلرز کا کنٹراسٹ تھا۔ نہایت باریک و نفیس کام والی پشواز تنگ پائجامہ، بڑا سا دوپٹہ۔

اس نے پہلی مرتبہ اتنے بھاری کپڑے پہنے تھے۔ پہلی مرتبہ اہتمام سے میک اپ ہوا تھا۔ مسز علوی تو اس پر نظر پڑتے ہی مبہوت سی ہو گئی تھیں۔ ایک دم اسے سینے سے لگا کر بولیں۔

”ارے یہ نمو ہے، ماشاء اللہ۔ نظر نہ لگ جائے میری۔ تمہارے سسرال والے تھوڑے دقیانوسی روایت پرست ہیں۔ میں تو چاہ رہی تھی لڑکے کو ساتھ ہی انگوٹھی پہنا دیں جس کی بن رہی ہو، کم از کم آج وہ تو تمہیں دیکھ لیتا۔ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ“ مسز علوی جو ویسے ہی محفل پسند اور زندگی سے بھرپور تھیں، آج گھر میں اتنی بڑی تقریب ہو رہی تھی، کیسے خوش نظر نہ آتیں۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو مہمانوں کی آمد شروع ہوئی تھی۔ مسز علوی اسے اپنے بیڈروم میں بٹھا کر یہ کہہ کر چلی گئیں۔

”یہاں تم آرام سے بیٹھو گیسٹ آ جائیں اور تمہاری سسرال والے تو تمہیں لان میں لے جائیں گے“

نمو گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر آزادی کے احساس کے ساتھ آنکھیں موند کر بیٹھی ہی تھی کہ رمیض کی آواز بہت قریب سے سنائی دی۔ شرارت سے بھرپور آواز۔

”یہ ممی کے کمرے میں کون لڑکی ہے؟“

نمو نے جھٹ آنکھیں کھول کر آواز کی سمت دیکھا۔ رمیض اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ دلچسپی و حیرت کا تاثر اس کی نگاہ میں واضح تھا، ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ نمو کو اپنے

روپ کا احساس ہوا تو حیا سے نظریں جھکا گئیں۔

"یہ وہی لڑکی ہے جو ہمارے گھر میں جھاڑو لگاتی پھرتی ہے جس کے پاس ہمیشہ سرف اور وم کی خوشبوئیں آتی ہیں"

نمو خاموش نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ بلیک پینٹ اور تیز چمک دار سرخ رنگ قمیض میں بہت صحت مند و تر و تازہ دکھائی دے رہا تھا۔

"مائی گاڈ......... آج تو تم کوئل کے بجائے کبوتری لگ رہی ہو۔ کیا کر ہیں یہ پارلر والے۔ کیا دو تین گھنٹے بلیچ کے ڈرم میں بٹھا کر رکھتے ہیں۔ یار! تم دو مرتبہ پارلر چلی گئیں تو تمہاری تو کایا پلٹ جائے گی۔ مجھے اس بے قصور بندے حسد ہونے لگے گا۔ میرے گھر کا اتنا اچھا سامان اٹھا کر لے گیا اور میں ٹاپتا رہ گیا"

اسی طرح رہی۔

رمیض اس سے کچھ فاصلے پر بیڈ پر بیٹھ گیا اور شرارت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا

"کیا منگنی والے روز بولتے نہیں ہیں۔ پنڈت جی! ایم ساری، آئی مین مولا صاحب ناراض ہوتے ہیں۔ منگنی ونگنی سنا ہے، ہندوانہ رسم ہے اس لیے میرے منہ پنڈت نکل گیا تھا۔" اسی لمحے بڑی عجلت میں مسز علوی کمرے میں داخل ہوئیں ان کی رمیض پر پڑی تو موڈ قدرے آف ہو گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ باہر مہمان آ رہے ہیں انہیں انٹرٹین کرو۔" بولا۔

رمیض اٹھ کھڑا ہوا اور اسی طرح شرارت سے نمو کی طرف اشارا کرتے ہوئے بولا

"ممی! یہ لڑکی کون ہے۔ دیکھی دیکھی سی لگ رہی ہے۔ اچھی خاصی بیوٹی فل ہے" وہ بات کے اختتام پر قہقہہ مار کر ہنسا۔

مسز علوی غصے سے بولیں۔

"شٹ اپ۔ ڈونٹ بی سلی۔ رمیض۔ ذرا خیال کرو۔ اب یہ نمو نہیں ہے جس کو چک پھیریاں لگواتے تھے۔ یہ ولید کمال کی منگیتر ہے جو آنے والے دنوں میں اس کا شوہر کہلائے گا۔ کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کزن وغیرہ کی غیر ضروری بے تکلفی برداشت نہیں کرتا، ایسی غیر ذمہ دارانہ باتوں سے کسی کی لائف بھی ڈسٹرب ہو سکتی ہے۔ نمو نے ہمارے ساتھ بہت اچھے طریقے سے وقت گزارا گھر کی دیکھ بھال کی، بڑوں کی عزت کی، ان کو ہمیشہ عزت دی۔ اب ہمیں اس کی خوشیوں کا خیال رکھنا ہو گا۔ بس یہ اتنے دنوں کے لیے ہمارے پاس تھی۔ آج سے یہ کسی اور کی امانت ہے۔ اب اس کے ساتھ سوچ سمجھ کر بات کرو"

نمو مسز علوی کے منہ سے یہ کلمات سن کر ضبط نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہیں...... ہیں...... نمو...... بری بات۔ سارے میک اپ کا ستیاناس ہو جائے گا۔ کوئی ضرورت نہیں رونے کی۔ سب لڑکیوں کو ایک دن اپنے گھر جانا ہوتا ہے۔ بری بات۔" مسز علوی تو اس کے رونے سے حواس باختہ ہو گئیں۔ ہزاروں روپے داؤ پر لگ رہے تھے، رمیض نے حیران ہو کر ماں سے پوچھا۔

"ممی......! یہ اس بری طرح کیوں رو رہی ہے۔ کہیں آپ لوگ زبردستی اس کی شادی تو نہیں کر رہے۔" مسز علوی نے گویا سر پیٹ لیا۔

"عموماً لڑکیاں اپنی منگنی اور شادی کے موقع پر روتی ہیں۔ ایک عمر جہاں گزرتی ہے، وہ جگہ وہ لوگ چھوٹنے کا دکھ تو ہوتا ہے نا" رمیض پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر شرارت سے مسکرایا۔

"مجھے یاد رکے تو یہ بہت رویا کرے گی۔ ہے نا، نعمت ابرار علی!"

"رمیض......... رمیض...... بولنے سے پہلے کچھ سوچ سمجھ بھی لیا کرو۔ کچھ عقل

پکڑ، احمق'' مسز علوی نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا۔

''یہ لیں اس میں سوچنے سمجھنے والی کون سی بات ہے۔ آخر یہ اس ''بلی'' کو بھی تو یاد کیا کرے گی جسے دودھ ملائی کھلاتی ہے چکن کھلاتی ہے۔ میں تو پھر ایک خوبصورت انسان ہوں'' رمیض اسے بہت دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ماں نے گھورا تو جلدی سے باہر نکل گیا۔

اگلے دن سب گھر والے جو تھے ہی کتنے اور قریبی رشتے دار، دوست احباب جن میں اکثریت مسز علوی کے دوستوں کی تھی۔ لڑکے کو انگوٹھی پہنانے گئے۔ تقریباً بائیس تیئس کاریں تھیں جو لڑکی والوں کی طرف سے روانہ ہوئی تھیں مختلف اوقات میں۔ جتنی دھوم دھام لڑکے والے چاہ رہے تھے۔ انجم علوی نے کوشش کی تھی کہ ان کو مایوسی نہ ہو۔

لڑکے کا جوڑا بھی جدید انداز کا اور قیمتی تھا، ساتھ میں اس کی ماں۔ تینوں بہنوں کے کپڑے، لڑکے کے والد اور ایک چھوٹے بھائی کے کپڑے۔ لڑکے کے دیگر لوازمات کے ساتھ ایک خوبصورت رولیکس ریسٹ واچ پلاٹینیم کی انگوٹھی بھی آرڈر پر تیار کرائی گئی تھی جو سادہ تھی مگر خوب وزنی تھی۔ سیمسونائٹ کا ایک نیا سوٹ کیس خریدا گیا تھا جس میں یہ تمام چیزیں لڑکے والوں کے ہاں پہنچنا تھیں۔

نمو کو یہ سب پسند نہیں آیا تھا، وہ فطرتاً سادہ مزاج تھی۔ اسے اس اسراف سے بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی۔

سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد وہ تنہا ادھر ادھر کام میں مصروف۔ یہی سوچ رہی تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اگر اس طرح سے نہ ہوتا تو کیا فرق پڑتا۔

فون کی گھنٹی اسے خیالات کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

اس نے آگے بڑھ کر ریسور اٹھایا اور بہت محتاط لہجے میں بولی۔ ''ہیلو''

دوسری جانب سے کھنکتی ہوئی نسوانی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''ہیلو...... ارواح بات کر رہی ہوں۔ رمیض ہیں؟'' نمو چونک پڑی۔

ارواح...... یعنی ایک روح نہیں۔ آج کئی ''روحیں'' اکٹھی ہو کر رمیض کا پوچھ رہی ہیں اور وہ اس ''تاریخی موقع'' پر گھر پر موجود نہیں ہے۔

''آپ کے پاس ان کا موبائل نمبر نہیں ہے'' اس نے اسی طرح احتیاط سے پوچھا۔

'کوئی رسپانس نہیں ہے، میسج پر بھی نہیں ہے۔ پتا نہیں خراب نہ ہو، ورنہ میں انہیں ان کے موبائل پر ہی رنگ کرتی ہوں۔ آپ کون بات کر رہی ہیں'' ارواح نے پوچھا۔

'جی میں ان کی کزن بات کر رہی ہوں'' نمو نے آہستگی سے جواب دیا۔

''او...... رمیض کے ہاں گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ کہاں سے آئی ہیں آپ! آواز تو آپ کی بہت پیاری ہے، دیکھنے میں بھی اچھی ہوں گی۔ شیور، اینی وے۔ رمیض گھر پر نہیں ہیں کیا؟ لڑکی نے سوالات تو کر ڈالے تھے مگر شاید جوابات سے اسے دلچسپی نہیں تھی۔

''جی رمیض بھائی گھر پر نہیں ہیں۔ وہ آئیں گے تو میں بتا دوں گی۔'' نمو نے جواب دیا۔

''آپ ان کی دوست بات کر رہی ہیں؟'' نمو نے فون بند کرنے سے پہلے فارمیلٹی کے طور پر پوچھا۔

''دوست......'' ارواح قہقہہ مار کر ہنسی۔

''بھئی۔ ہماری کورٹ شپ چل رہی ہے''

''جی......؟'' نمو جیسے شاکڈ ہوئی۔

''جی!'' ارواح نے بڑی ادا سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

نمو ریسور ہاتھ میں تھامے سوچتی رہ گئی۔ مدحت کی مرقد پر پڑے پھول تو اس
کے آنسوؤں کی شبنم سے ابھی بھی تازہ دکھائی دے رہے ہوں گے۔ ابھی تو ان کی
خوشبو اس شہر کی ہوا کے بازوؤں میں ہوگی۔ پتا نہیں یہ نئی بدنصیب کون ہے مگر اب میں
کسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے مدحت نہیں بننے دوں گی، چاہے کچھ ہو جائے‘‘ اس
نے جیسے عزم کیا۔

’’میری اتنی استطاعت ہی نہیں، اتنا حوصلہ ہی نہیں کہ مزید خون ناحق کے ا
دیکھوں۔ تم تو فارن آئٹم کی تلاش میں ہو۔ یہ تو لوکل ہے پھر ایک نیا تماشا‘‘ نمو کے سر
میں درد ہونے لگا۔ اس نے آہستگی سے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رات کے گیارہ ساڑھے گیارہ کا عمل تھا۔ جب کال بیل رنگ ہوئی تھی۔ آج بہت
دنوں بعد شاداب اس وقت گھر میں موجود تھا۔ بانو بیگم کی عادت تھی کہ وہ دس ساڑھے
دس تک لازمی سو جاتی تھیں اور علی الصبح بیدار ہوتی تھیں، اسی لیے ان کے سب کام وقت
پر انجام پاتے تھے۔ وقت پر ناشتہ، لنچ، ڈنر، کپڑوں کی دھلائی، شاپنگ، ملنے ملانے
لیے جانا۔ تقریبات میں بھی وہ باقاعدگی سے جاتی تھیں اور اس طرح سے اپنے گھر
امور نمٹا کر جاتی تھیں کہ گھر واپس آ کر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اگر عشا
کی نماز کا موقع نہ ملا ہو تو گھر آ کر نماز پڑھتیں اور سو جاتیں۔ آج بھی وہ اپنے ٹائم پر
گئی تھیں۔ صحن میں بستر لگا کر پیڈسٹل چلا کر سوتی تھیں۔ عتیقہ اپنے کمرے میں اسٹڈی
رہی تھی۔ عتیقہ اور نیا کا بیڈروم ایک تھا۔ ایک کمرہ چھت پر تھا، وہ شاداب کے قبضے
تھا۔ شاداب ابھی نیچے ہی تھا۔ نیا کچن میں برتن دھو رہی تھی، اس لیے گیٹ شاداب
نے کھولا تھا۔ نیا کی سماعتیں گیٹ کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں کہ اس وقت کون آ سکتا ہے؟

شاداب کی موجودگی کی وجہ سے احتمال تھا کہ شاید اس سے ملنے کوئی آیا ہے۔ جب سے
شاداب نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی تھی، وہ شاداب سے بہت کم بات کرتی تھی اور یہ
دیکھ کر افسوس بھی کرتی، شاداب کو اس بات کی پروا بھی نہیں تھی کہ کوئی اس سے بات کرتا
بھی ہے یا نہیں۔

اسی لمحے شاداب نے کچن کے دروازے میں آ کر جھانکا اور بڑے اکھڑے
اکھڑے انداز میں اطلاع دی۔

’’کچھ گیسٹ آئے ہیں امی سے ملنے۔ امی تو سو رہی ہیں آپ دیکھ لیں‘‘

’’گیسٹ‘‘ نیا الجھ گئی۔ ’’کون سے گیسٹ آ گئے ہیں جنہیں شاداب نہیں جانتا‘‘

وہ گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی کچن سے باہر آ گئی اور دروازے کی طرف بڑھی مگر
بہت آگے جانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ مہرالنساء گیٹ پر تنہا کھڑی نظر آ گئی تھیں۔
نیا نے بہرحال انہیں سلام کیا اور انہیں اندر آنے کی لیے کہا۔

’’اولاد کی خاطر بے غیرت بنے ہیں پھر آئے ہیں تمہارے دروازے پر۔ سہیل
آ گیا ہے تو اسے باہر بھیج دو، بڑی مہربانی ہوگی تمہاری۔‘‘ مہرالنساء روکھے پھیکے انداز
میں بات کر رہی تھیں۔

’’سمن اور سہیل بھائی تو مغرب سے پہلے یہاں سے چلے گئے تھے۔ آپ اندر
آ جائیں پانی وانی پی لیں۔‘‘

’’بس...... بڑی مہربانی تمہاری۔ اگر وہ چلا گیا ہے تو اس کا پتا تو تمہارے پاس
ہوگا، وہ دے دو۔‘‘

’’سوری بی بی جان! وہ لوگ بہت جلدی میں یہاں سے گئے، ایڈریس وغیرہ کی
طرف تو دھیان ہی نہیں ہوا کسی کا۔ سمن کا فون آئے گا تو پوچھوں گی‘‘ نیا نے بہت احترام

سے جواب دیا۔

''کیسی حرفوں کی بنی ہوئی چھوکری ہے تو۔ ٹیکہ جھومر بن کر ساتھ پھرتی ہے سمن کے اور تجھے اس کا پتا نہیں معلوم۔ کسی اور کو چلا جا کر۔'' مہرالنساء برہم ہونے لگیں۔

''آپ یقین کریں، مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ انہوں نے شہر کے کس علاقے میں فلیٹ لیا ہے۔ سہیل بھائی بہت جلدی میں تھے۔ انہوں نے تو چائے تک نہیں پی۔''

''سہیل ہماری اولاد ہے۔ آج نہیں تو کل ماں کے پاس ہوگا مگر میں تجھے اچھی طرح پوچھوں گی۔ حویلی میں تو آئندہ تیرا سایہ بھی پڑنے نہیں دوں گی۔''

مہرالنساء دھمکیوں پر اتر آئیں۔ ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ عتیقہ بھی پریشان ہو کر باہر نکل آئی اور شاداب بھی آدھا زینہ طے کر کے واپس پلٹ آیا اور آج کل جو اس کا قطعی اور بے مروت اسٹائل بن گیا تھا اسی اکھڑپن سے نیا سے پوچھنے لگا۔

''یہ ملکہ عالیہ کہاں سے تشریف لائی ہیں اور یہ کیا طریقہ ہے رات کو کسی کے گھر میں بات کرنے کا'' مہرالنساء تو شاداب کے انداز گفتگو پر مزید برہم ہو گئیں اور نیا سے بولیں۔

''یہ چھوکرا تیرا بھائی ہے، تیری ماں نے اس کو بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی۔ تیرے جیسے چھوکرے تو حویلی میں حقہ تازہ کرتے ہیں، جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔'' مہرالنساء نے نخوت بھرے انداز میں کہا۔

''شاداب! بری بات یہ سمن کی ساس ہیں، ہمارے گھر آئی ہیں'' نیا نے مہمان کو عزت دیتے ہوئے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ کی سہیلی ان کے ساتھ گزارا کیسے کرتی ہیں بھئی! دوزخ کی داروغہ لگتی ہیں یہ تو'' وہ تلخی سے کہہ کر پلٹنے لگا۔

''دیکھو ان غریبوں کو، پیٹ میں روٹی ہو نہ ہو، منہ میں زبان کتنی لمبی ہے'' مہرالنساء تو اسی ٹھسے سے بات کر رہی تھیں جو ان کا خاصا تھا اور حویلی میں چلتا تھا۔

''مائی گڈنیس'' شاداب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس کا کامپلیکس سمندر کے جھاگ کی طرح ابل پڑا۔

''آپا! ان کو روانہ کرو یہاں سے ورنہ کچھ ہو جائے گا خوامخواہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بھوکے ہاری کو ایک روٹی نہیں دیتے اور نئے ماڈل کی کار خریدنے جاتے ہیں تو شوروم کے مالک کو ایک لاکھ OWN MONEY دیتے ہیں''

''شاداب! پلیز بری بات'' عتیقہ نے بھی مداخلت کی۔ اسے شاداب کی طبیعت کا اچھی طرح پتا تھا۔ وہ بہت آگے بھی بڑھ سکتا تھا۔

اور نیا پر گویا بوجھ آ پڑا تھا کہ آخر وہ کس منہ سے بی بی جان کو اپنے گھر سے جانے کے لیے کہے۔ اس نے بہت رسانیت سے کہا۔

''بی بی جان! یقین کریں، میرے دل میں آپ کے لیے بہت احترام ہے۔ میں آپ سے غلط بیانی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی''

''ارے بس بس، تو بڑی پکی سہیلی بنتی ہے سمن کی۔ نکاح پڑھوا لے سہیل سے۔ چوبیس گھنٹے کا ساتھ ہو جائے گا۔ کیا پتا تجھے ہی بچہ ہو جائے۔ وہ منحوس تو بانجھ ہے، کبھی نہیں ہرے گی۔ میں نے اس کا پاؤں دیکھا ہے ہمارے پیر بھی ایسا بولتے ہیں''

شاداب عقاب کی سی سرعت سے مہرالنساء کی طرف بڑھا تھا جیسے حملہ آور ہو رہا ہے۔ اس نے گیٹ وا کرتے ہوئے مہرالنساء کو مخاطب کیا۔

''او......... وڈیرنی! اپنے گھر کا راستہ دیکھو۔ کبھی بھول کر دوبارہ یہاں نہ آنا، ورنہ خود ذمہ دار ہوگی۔ یہ جو چھوٹا سا کھلونا دیکھ رہی ہو نا۔ اس کا لائسنس ہے اس غریب

"کے پاس" شاداب کے ہاتھ میں سیاہ چمکتا ہوا ننھا منا سا ریوالور تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بانو بیگم اور نیا دیوانہ وار شاداب پر جھپٹ پڑیں۔

"شاداب! یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اوسان قابو میں رکھو، اس وقت تم ان کے گھر میں نہیں ہو، یہ تمہارے گھر میں ہیں اور جب کوئی آپ کے گھر میں ہو اور جوتے بھی مارے تو اس کو بے عزت نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کچھ بھی کرے، آخر کار اپنے گھر چلا جائے گا۔ بہت غلط حرکت کی ہے اس وقت تم نے، چلو تم اندر، تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ شاباش ہٹو ادھر سے" بانو بیگم اسے قابو کرنے میں لگ گئیں۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ سب خیال گھر والوں ہی کو رکھنا چاہیے جو گھر میں آئے ہیں ان کو سب کچھ الاؤ (اجازت) ہے۔ ان پر کوئی اخلاقی ذمہ داری نہیں۔ میرے سامنے کوئی میری بہن کی عزت اچھال رہا ہے اور میں اس کی عزت کا خیال کروں، آپ ڈر رہی ہیں کہ یہ لوگ بااثر لوگ ہیں۔ ہمارے گھر کو آگ لگوا دیں گے، لگوا دیں۔ میں بھی ان کے کھیت کھلیانوں کو آگ لگا دوں گا۔ ان لوگوں کا صدیوں سے یہی حال ہے۔ ملکی خزانے پر ناگ بنے بیٹھے ہیں۔ غریبوں کو اور غریب بنا رہے ہیں تاکہ وہ اتنے کمزور ہو جائیں کہ ان سے اپنا حق مانگنے کا تصور بھی نہ کرسکیں"

"شاداب.......... شاداب......" نیا نے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔ "بات سنو ایک منٹ، پلیز"

"چھوڑیں آپا! آپ جیسے ڈرپوک لوگوں نے ان کو ظلم پر مضبوط کر دیا ہے۔ آپ نے کس کی اجازت سے ان ظالموں سے دوستی بڑھائی۔ یہ آپ کے لیول کے ہیں؟ آپ کی دوست تو احمق تھی جوان لوگوں سے رشتہ داری کر بیٹھی۔ آپ تو عقل پکڑیں، آپ کی دوست

اب وڈیرنی ہے، اس کا آپ کا کیا جوڑ۔ نکالیں ان کو دھکے دے کر۔"

شاداب پر جیسے خون سوار ہو گیا تھا۔ بانو بیگم اور نیا بمشکل اس کو قابو میں کر رہی تھیں۔ مہر النساء بھی اس کے جنون کو دیکھ کر اڑان بھرنے کو تیار تھیں۔

"اس کو سنبھالو اسلحہ لے کر پھر رہا ہے۔ یہ تم لوگوں کا حال ہے۔ ایک سانس میں بول رہا ہے۔ الیکشن لڑے گا، کچی آبادی کا ہیرو بنے گا۔ یہ چھوکرا تو مجھے دہشت گرد دکھائی دیتا ہے"

"اور بہن! بات سن اس کے ہاتھ میں پستول کا مطلب ہے کہ یہ تیرے ہاتھ سے گیا۔ غیروں کے ہمدرد بنے پھر رہے ہو، اپنا تو سنبھالو۔ چل خیر النساء! ان کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ان کو بڑا مخدوم ہی راستہ دکھائے گا"

مہر النساء اندر سے تو بہت ڈر گئی تھیں مگر بظاہر بڑے اعتماد سے بول رہی تھیں۔

شاداب' ماں بہن سے خود کو چھڑانے کی بھرپور مزاحمت کر رہا تھا اور وہ چاہ رہی تھیں کہ مہر النساء جلد سے جلد یہاں سے چلی جائیں، اس لیے کہ شاداب کی جنونی مزاحمت ان کی اپنی جسمانی قوت سے بہت زیادہ تھی۔ دونوں شل ہو رہی تھیں، جبکہ عتیقہ نے اس کا ریوالور والا ہاتھ دونوں ہاتھوں سے تھام کر اونچا کیا ہوا تھا۔

بہرحال مہر النساء وہاں سے نکل گئیں۔ ان کی گاڑی بہت بڑی تھی غالباً جو انہوں نے گلی کے کونے پر کھڑی کی تھی ورنہ اتنے شور شرابے پر ان کا ڈرائیور تو آ ہی جاتا۔

ان کے نکلتے ہی بانو بیگم نے دوڑ کر گیٹ بند کیا۔

تینوں شاداب کو کھینچتے ہوئے اندر کی طرف بڑھیں۔

"آج کے بعد آپا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گی، نہ ہی سمن آپا سے دوستی ورنہ" اتنا کہہ کر شاداب تیزی سے زینہ چڑھ گیا۔

بانو بیگم دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئیں اور سر تھام لیا اور عتیقہ سے بولیں۔

"جی! ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ اللہ توبہ" ساتھ ہی انہوں نے توبہ بھی کر ڈالی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نمو سارے کام دھندوں سے فارغ ہو کر لاؤنج میں پڑے صوفے پر لیٹ گئی اور بہت اطمینان سے آج کے اخبارات کا مطالعہ کر رہی تھی کہ ملازمہ نے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔

نمو نے گھڑی کی طرف دیکھا، رات کے دس بج رہے تھے۔ انجم علوی اپنے بیڈ روم میں تھے مسز علوی اپنی کسی دوست کے ساتھ ڈنر کرنے گئی ہوئی تھیں۔ رمیض شام سات بجے آ کر دوبارہ کہیں چلا گیا تھا، لہٰذا اب مہمان سے اسے ہی نمٹنا تھا۔ وہ اخبارات تہہ کر کے سوچتے ہوئے انداز میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سامنے ایک بہت حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ بلیک پینٹ، ریڈ ہاف سلیوز اوپن شرٹ، ہاتھ میں کی رنگ، کندھے پر بلیک کلر کا لیدر بیگ۔ نمو کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور مردانہ انداز میں مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"آئی ایم ارواح، ہاؤ آر یو؟"

نمو چونک پڑی۔ اس نے ارواح کا ہاتھ تھام کر نئے سرے سے اس کا جائزہ لیا۔ خوشبوؤں میں نہائی ہوئی، بالوں میں بہت خوبصورت کلر تھا، سرخ و سنہرا پن دونوں جھلک رہے تھے۔

"تشریف رکھیے" نمو نے کہا۔ "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں، رمیض بھائی تو گھر پر نہیں ہیں" اس کے انداز میں سرد مہری تھی۔

"بہت تنگ کرتا ہے یہ رمیض کا بچہ۔ کہاں تو ایک دن میں بارہ تیرہ کالیں کرتا ہے اور کبھی دو دن بات نہیں کرتا مگر میں اسے دیکھ لوں گی"

"آپ! یہیں قریب ہی رہتی ہیں" نمو نے بیزاری سے پوچھا۔

"نہیں اتنا قریب بھی نہیں۔ البتہ رمیض کے دل میں رہتی ہوں۔ میں تو چاہتی ہوں ہماری جلد از جلد شادی ہو جائے، اسی طرح یہ چھلاوا قابو میں کیا جا سکتا ہے" ارواح نے بڑی شان سے کہا۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آپ سے شادی کریں گے؟" نمو نے ذرا تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جو شادی کرنا چاہتا ہے، ظاہر ہے وہی کہے گا" اب ارواح نے حیرت سے نمو کو دیکھا۔

"وہ ہر خوبصورت لڑکی سے یہ بات کہتے ہیں۔ تھوڑے "سائیکی" ہیں۔" نمو نے بہت اطمینان سے بتایا۔

"وہاٹ، سائیکی؟ یہ کیسے پاسیبل ہے وہ ایجوکیشن لے رہا ہے۔ جیم خانہ جاتا ہے بہت شاندار گفتگو کرتا ہے" ارواح کا حیرت سے برا حال تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت شاندار گفتگو کرتے ہیں ہر لڑکی ان سے گفتگو کے بعد بہت خوش نظر آتی ہے، ہر لڑکی سے وہ یہی کہتے ہیں کہ تم دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو میں تم ہی سے شادی کروں گا۔ اس لیے کہ تم سے زیادہ خوبصورت اور آئیڈیل لڑکی مل ہی نہیں سکتی اگر میں نے تمہیں مس کر دیا تو اپنا سب کچھ کھو دوں گا ساری زندگی ایک کمی کا احساس رہے گا" نمو نے ایک تواتر سے کہا لہجہ ہنوز تلخ تھا۔

ارواح کی تو جیسے حیرت سے آنکھیں باہر ابل پڑیں۔

"آپ کو یہ سب ڈائیلاگ کیسے پتا، کیا آپ سے بھی یہ سب کچھ کہہ چکے ہیں؟" ارواح نے اب ذرا اپنی حیرت قابو میں کر کے کہا۔

"ارے ہم اس لائق نہیں ہیں۔ ان کے اسٹینڈرڈ سے میچ نہیں کرتے۔ اس لیے

بال بال بچ گئے۔رنگ ہمارا کالا ہے، مرحوم باپ نے ترکے میں کوئی جائیداد نہیں چھوڑی، تعلیم ہماری عام سی ہے، کمپیوٹر کی دھول جھاڑ سکتے ہیں استعمال کرنا نہیں آتا۔ چیٹنگ کو مدتوں چیٹنگ (Cheating) پڑھتے رہے۔ کہیں سے سن لیا کمپیوٹر میں ''ونڈوز'' (Windows) ہوتی ہیں۔رات بھر ادھر ادھر سے اس کی کھڑکیاں ڈھونڈتے رہے۔ اس سے آپ ہمارے ''علم وفضل'' کا اندازہ لگالیں۔وہ مجھ جیسی لڑکی سے کبھی اتنی حسین باتیں کر سکتے ہیں؟ بہن ہوں ان ڈائرکٹ...... پتہ نہیں کس طرح برداشت کر رہے ہیں''

نمو نے تفصیل سے اس لیے جواب دیا تاکہ ارواح مکمل طور پر مطمئن ہو جائے کہ رمیض اس سے اس طرح کی باتیں کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

ارواح نے الجھن بھری نظروں سے نمو کی طرف دیکھا۔

''یورسوئیٹ نیم؟'' (Your Sweet Name)

''نعمت ابرار علی۔'' نمو نے مختصراً کہا۔

''یہ جو ڈائیلاگ آپ ابھی دہرا رہی تھیں۔آپ نے ایڈیوم کیے ہیں یا خود سنے ہیں؟'' ارواح نے تشویش کے انداز میں سوال کیا۔

''آپ نے نوٹ نہیں کیا کہ میں نے یہ سب ڈائیلاگز ایک سانس میں سنائے ہیں، اسی سے سمجھ لیں کہ کتنی مرتبہ سنے ہوں گے کہ از بر ہو گئے ہیں''

''اگر یہ فٹ فاٹ سا نظر آنے والا ینگ مین ''سائیکی'' ہے تو آپ لوگ اس کا علاج کیوں نہیں کراتے؟''

ارواح ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے وہ بہت ضبط کر رہی تھی۔

''بہت مرتبہ ٹرائی کیا مگر یہ ہر مرتبہ ہاسپٹل سے فرار ہو جاتے ہیں۔'' نمو نے سکون

سے جواب دیا۔

''مائی گاڈ! ہاسپٹل میں بھی ایڈمٹ ہوا ہے؟'' ارواح کی تو جیسے روح پرواز کرنے لگی۔

نمو جواباً کچھ نہ بولی۔چپ چاپ بیٹھی اپنا پاؤں ہلاتی رہی۔

''کہیں تم جیلس ہو کر مجھے اس کے خلاف بھڑکا تو نہیں رہی ہو کہ اس نے تمہیں کبھی لفٹ نہیں کرائی''

ارواح اچھی خاصی ہوش مند لڑکی تھی دوسرے اسے رمیض کے سائیکی ہونے کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

''خدانخواستہ میرا دماغ خراب نہیں ہے جو میں ان کی لفٹ کی تمنا کرنے لگوں۔ میری طرف سے وہ سو بار آپ کو یا آپ کی طرح کی کسی اور کو مبارک ہوں۔بلکہ میں تو یہ چاہوں گی آپ کسی طرح ان کو گھیر گھار کر شادی کر لیں تاکہ وہ کسی کنارے تو لگیں'' نمو نے لاپروائی سے کہا۔

'اتنا شاندار سا تو ہے وہ کیا تمہارے دل میں اس کے لئے کوئی خواہش پیدا نہیں ہوئی؟'' ارواح نے بڑی تولتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''جو ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ان کے لیے وہ شاندار ہیں۔میری تو خود ایک شاندار اور گریس فل بندے سے منگنی ہو چکی ہے۔ولید کمال نام ہے میرے منگیتر کا''

نمو بہت اعتماد سے بات کر رہی تھی پھر ایک دم ارواح سے پوچھنے لگی۔

''آپ کبھی رمیض بھائی کے بیڈروم میں گئی ہیں؟''

''نہیں ایسا اتفاق نہیں ہوا۔'' ارواح کی سمجھ میں نہیں آیا تو الجھن میں پڑ گئی۔

''آئیے میرے ساتھ ایک منٹ کے لیے۔نمو اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ارواح تجسس کی کیفیت میں اس کے پیچھے چل پڑی۔

نمو زینہ طے کر کے اسے رمیض کے بیڈ روم میں لے آئی، دروازہ کھلتے ہی
ائیر فریشنر کی مہک نے دونوں کا استقبال کیا۔

''واؤ سپر لگژری بیڈ روم''۔ ارواح نے چاروں طرف نظر دوڑا کر بے ساختہ داد
دی اور ایک ایک چیز دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

''آف وہائٹ کارپٹ۔ آف وہائٹ زمین اور گولڈن بڑے بڑے پتوں والے
پردے گولڈن بیج والا فرنیچر ایک کونے میں بالکل گولڈن گھوڑا جس پر چابک تھامے ایک
حبشی گھڑ سوار۔ دوسرے کونے میں گرین آرٹیفیشل گھنے سے پودے کے نیچے بربر کا
مجسمہ ایک دیوار پر گولڈ فریم میں ایک نادر قسم کی پینٹنگ۔ ایک پنجرے میں بند پرندہ اور
پنجرے سے باہر ایک دوزانو بیٹھی ہوئی حسین عورت جس کے بال بکھرے ہوئے اور سر
جھکا ہوا آنکھیں بند تھیں۔ اس کے ایک پاؤں میں زنجیر بندھی تھی اور زنجیر کا دوسرا سرا پنجرے
سے بندھا ہوا تھا''

''مائی گاڈ! کتنی شاندار پینٹنگ ہے'' ارواح پینٹنگ کے بالکل قریب کھڑی داد
دے رہی تھی۔

''یہ ہے حقیقت میں رمیض بھائی کی آئیڈیل عورت، آپ تو کبھی بھی ایسی عورت
بننا پسند نہیں کریں گی''

یہ کہہ کر اٹالین طرز کے دریچے کی طرف بڑھی پردے سرکائے اور دریچے کے پٹ
وا کر دیے۔ ارواح اس کی ایک ایک حرکت بہت دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کھڑکی اس گھر کے لان کے رخ پر کھل رہی ہے۔ کھڑکی کھلتے ہی بہت حسین سی
سینری سامنے آجاتی ہے مگر یہاں سے ایک اور چیز بھی اندر آتی ہے'' وہ پر اسرار انداز
میں مسکرائی۔ ارواح نے الجھن بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ کیا......؟''

''کھڑکی کھلتی ہے تو پھولوں کی خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ کافور کی خوشبو بھی آتی رہے''

''کافور......سوری......!''

''کافور............حیرت ہے آپ کافور نہیں جانتیں؟ کیا آپ کے ہاں لوگ
مرتے نہیں ہیں پیدا ہونے کے بعد آج تک کوئی واپس نہیں گیا......؟

ارواح بری طرح پریشان ہو کر بولی۔ ''کہاں......؟''

''اوہ بھئی! اللہ میاں کے پاس؟'' نمو نے زچ ہو کر کہا۔

ہر دنیا پرست عیش پرست انسان کی طرح ارواح نے بھی موت وغیرہ کی بات کو
خاصا مائنڈ بھی کیا اور خوفزدہ بھی ہوئی۔

''ہاں تو کافور......؟''

''بھئی! ڈیڈ باڈی کو اسپیشلی یہ خوشبو لگائی جاتی ہے اس سے ڈیڈ باڈی جلدی خراب
نہیں ہوتی اور ڈیڈ باڈی کی روح میں یہ خوشبو ہمیشہ کے لیے جذب ہو جاتی ہے۔ پھر
مرنے والے کی روح کہیں بھی جاتی ہے تو اس خوشبو سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی روح آئی
ہوئی ہے اس کی کھڑکی سے اکثر یہ خوشبو آنے لگی ہے''

ارواح تو بری طرح خوفزدہ ہو کر نمو کو دیکھنے لگی۔

''بھئی! مجھے ان روحوں وغیرہ کی جمع یعنی Pllural Noun ہیں۔ پھر تو آپ
کو خود سے بھی خوف آتا ہوگا۔'' نمو طنزیہ انداز میں دھیرے سے ہنسی۔

''مجھے تو رمیض کے بجائے تم سائیکی کیس لگ رہی ہو'' ارواح نے باہر کی طرف
رخ کرتے ہوئے نمو سے کہا۔

''سب سچ بولنے والوں کو یہ الزام اپنے سر اٹھانا ہوتا ہے کہ وہ پاگل ہیں۔ جھوٹ

کی دنیا میں کھوٹ سکہ رائج الوقت .... جب اشرفیاں چمک رہی تھیں تو دور دور
لوگ بھی چمک رہے تھے۔ کچرے سے کاغذ بنتا ہے اور اس کاغذ سے ڈالر دینار۔ آ
بس رمیض بھائی سے یہ پوچھے گا کہ تمہارے کمرے کی کھڑکی سے کافور کی خوشبو کیوں آ
ہے۔ کیا تمہارے کمرے میں مدحت کی رُوح آتی ہے''

نمو کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی تیر گئی۔ اس نے کھڑکی کے پٹ بند کر دیے
پردے برابر کر دیے۔ سپر لگژری بیڈ روم اپنی حیثیت کھو چکا تھا کافور، روح، مدحت
کھڑکی۔ دماغ بس اب ادھر ہی گھوم رہا تھا۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گی۔ سوری میں آپ سے پوچھنا ہی بھول گئی''

''تھینکس! اب میں چلتی ہوں اووہ ہاں ایکسکیوزمی یہ مدحت کون تھی؟'' ارواح
نے جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

''یہ بھی آپ رمیض بھائی سے پوچھیے گا۔'' نمو کا لہجہ اب قطعی سپاٹ تھا۔

ارواح اتنی تیزی سے باہر نکل گئی جیسے اس کے پیچھے بھوت لگے ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''اس نیچ کی یہ مجال'' مخدوم عبدالرب غصے سے کانپ رہے تھے۔

''اس کو پتا نہیں مہر النساء کن لوگوں کی بیٹی ہے اور کس کی زال (بیوی) ہے۔
جی ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر نیچی آنکھ کر کے بیٹھتا ہے۔ اور یہ لوگ روٹی ر
ڈھونڈتے جن کے جوتوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں۔ ہم اسے تہہ خانے والی جیل
سڑوا دیں گے''

مخدوم صاحب اضطراری کیفیت میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے پھنکار رہے تھے۔

''آج اولاد کی خاطر اتنی ذلیل ہوئی ہوں'' مہر النساء روتے ہوئے کہہ رہی تھیں

''قصور ہمارا بھی ہے مہرو! اس یتیم غریب کو بہو بنا کر ہم نے خود اپنے پاؤں پر
کلہاڑی ماری ہے جس حیثیت کی بہو لائے ہیں ظاہر ہے اس حیثیت کے اس کے ملنے
جلنے والے ہوں گے یہ نیچ لوگ جو ایوانوں کے باہر بیٹھ کر بھوک ہڑتال کا ڈرامہ تو کر سکتے
ہیں مگر ایوانوں کو کبھی اندر سے نہیں دیکھ سکتے'' مخدوم صاحب کہہ رہے تھے۔

''کاش ایسی ذلت دیکھنے سے پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی'' مہر النساء برابر جلتی پر
تیل چھڑک رہی تھیں۔

''تو آسرا کر مہر......! ہم اس ذلت کا بدلہ لیے بغیر چھوڑیں گے نہیں'' مخدوم
صاحب نے لاڈلی بیگم کو دلاسہ دیا۔

''اور اس گھنی کو دیکھو شکل سے کیسی مسکین نظر آتی ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے
میری بہو کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اندر لے گئی۔ سمن تو تیار ہو گئی تھی مخدوم صاحب'' مہر
النساء نے مزید دہائی دی۔

''بے وقوف لوگ ہیں۔ عقل ہوتی تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتے۔ تو بول تو اٹھوا لیتے
ہیں اس طرح سے پورے گھر کو ایک ساتھ ہی سزا مل جائے گی۔ غلام صدیق کی بیٹی کی
طرح ہم اسے قتل نہیں کریں گے خود ہی زہر کھا کر مر جائے گی اگر کسی غیرت مند کی اولاد
ہو گی'' مخدوم عبدالرب کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

''ایسے لوگوں کو ایسی ہی سزا ملنا چاہئے مخدوم صاحب!'' مہر النساء کے آنسو تھم گئے
تھے۔ اچھی خاصی ٹھنڈک پڑ گئی تھی کلیجے میں۔

''گھروں میں غصہ ناراضی ہو ہی جاتی ہے۔ ایرے غیرے مفت میں ٹانگ
اڑائیں تو ذلیل ہی ہوتے ہیں۔ خون کے رشتے کچی ڈور نہیں ہوتے جو غصے ناراضی سے
ٹوٹ جائیں اور کبھی نہ جڑیں''۔ ''مخدوم صاحب! میں قبر میں اتر جاؤں گی مگر یہ ذلت

نہیں بھولوں گی'' مہرالنساء نے پھر رونا شروع کر دیا۔

''تو بہت جلدی یہ سب کچھ بھول جائے گی۔ ذرا دیکھنا ہم کرتے کیا ہیں۔ پہلے تو اپنا بیٹا تو گھر لے آ۔ تیری بہو بہت ہوشیار ہے اس نے کالا علم کرایا ہے تیرے بیٹے پر ورنہ وہ ماں کو چھوڑ کر جانے والا نہیں تھا''

''تو منحوس اپنی گود ہری کرنے کے لیے کوئی سفید علم کیوں نہیں کرا لیتی؟ گود خالی کرانے کا علم ہوتا ہے تو گود ہری کرنے کا بھی تو ہوتا ہوگا'' مہرالنساء پونچھتے ہوئے جل کر بولیں۔

مخدوم عبدالرب نے لمحے بھر کو کچھ سوچا پھر کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وقار کے موبائل پر بیل ہو رہی تھی اس نے ٹیبل لیمپ روشن کر کے آنے والی کال کا نمبر دیکھا گہری نیند سے جاگنے کی وجہ سے ایک دم سے تو سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ اس نے گہری نیند سوئی ہوئی روبی پر ایک نظر ڈالی اور موبائل کان سے لگائے کھلی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا اور سوئی سوئی آواز میں بولا۔

''ہیلو......!''

دوسری طرف مومنہ کی آواز ابھری۔

''ہیلو السلام علیکم! میں مومنہ بات کر رہی ہوں کیسے مزاج ہیں؟''

''جی اچھا ہوں آپ نے کیسے زحمت کی؟'' اس نے بہت سخت لہجے میں پوچھا۔

''آپ نے ہماری زندگی سراسر زحمت کر دی۔ البتہ آپ پر رحمت خداوندی رہی کہ آپ ہم جیسے شریف لوگوں سے ٹکرائے۔ خیر میں کوئی فضول بات کرنا نہیں چاہتی۔ آپ سے ایک میٹنگ کرنا چاہتی ہوں۔ ٹائم اور جگہ آپ سیٹ کریں۔ ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہیں میں کوئی غیر نہیں آپ کی اسمارٹ سی ''پھوپھی ساس'' ہوں''

مومنہ اسی طرح امنگ سے ترنگ سے بات کر رہی تھی جو اس کی فطرت ثانیہ تھی۔

''میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق ہی نہیں جس میں کسی میٹنگ یا بات چیت کی گنجائش ہو''

''یہ تو آپ اس لیے کہہ رہے ہیں تا کہ آپ کی آرام دہ زندگی کا مزہ خراب نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے آپ ہماری مصلحت کوشی امن پسندی اور شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہماری شرافت تو اس بات سے ثابت ہے کہ ہم روبی کو کوئی تکلیف دیے بغیر خاموشی سے سب معاملات طے کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بے چاری تو خود ٹریپ ہوئی ہے۔ اسے کیوں خوامخواہ پریشان کیا جائے'' مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''جی وہ بے چاری ٹریپ ہوئی ہے اور آپ مجھے بلیک میل کر رہی ہیں'' وقار نے روبی پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر برہمی سے کہا۔

''لینگویج پلیز۔ زیادتی کرنے والوں کو یہ اسٹائل سوٹ نہیں کرتا یہ زیادتی در زیادتی والی بات ہے، میں ماہ رخ نہیں ہوں جو تمہارے الفاظ کی بازیگری کی تاب نہ لاسکوں۔ ورنہ میں اوپن طریقے سے جو کچھ کروں گی۔ بعد میں اس کا گلہ نہ کرنا'' مومنہ بھی برہم ہوگئی۔

''ٹھیک ہے مجھے اتنا تو پتہ ہے کہ آپ اپنی بات منوائے بغیر میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی میں آپ سے ہر ٹاپک پر بات کرنے کو تیار ہوں مگر میری ایک بات آپ کو بھی ماننا ہوگی'' وقار نے اس مرتبہ قدرے سکون سے بات کی۔

''او کے شیور! تم منواؤ مجھ سے اپنی بات اگر ماننے والی بات ہوگی تو مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا'' مومنہ کے تمام حواس چوکس ہو گئے۔

''آپ پہلے ماہ رخ سے میری ایک میٹنگ کرائیں۔ اس کے بعد میں آپ سے

بات کروں گا۔ ورنہ آپ کا جو جی چاہے کریں۔ آگ لگادیں میرے ہنستے بستے
بم فٹ کردیں جو مرضی کریں میرے ہاتھ صاف ہیں۔ آپ لوگ مجھے بلیک میل
کرسکیں گے۔ روبی بہت Loving لونگ اور سمجھ دار ہے۔"

وقار نے پھر تلخی سے کہا جو لاشعوری طور پر اس کے لہجے میں در آئی تھی۔

"بہت افسوس کی بات ہے وقار! تم بے قصور لوگوں کو دکھ کے اندھے کنوئیں
پھینک کر خود دوبارہ سے اپنی زندگی بنا کر اب الزمات بھی لگاؤ گے؟ خسارے میں ہم
ہیں۔ بلیک میلر اور دھوکے باز بھی ہم ہیں" مومنہ نے اب غصے کے بجائے شدید
کیفیت میں کہا۔

"بہر حال میں مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا ایک روز آپ خود حقیقت کی تہہ
اتر جائیں گی۔ مجھے ماہ رخ سے ایک دو باتیں کرنا ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ آپ
سے بات کرنا چاہ رہی ہیں اگر آپ اس معاملے میں دلچسپی نہ لیں تو مجھے ماہ رخ سے
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ او کے۔" یہ کہہ کر وقار نے فون بند کر دیا۔

وہ بہت آہستہ آواز میں بات کر رہا تھا اور روبی کی طرف سے بہت کانشس
اگرچہ روبی ہنوز گہری نیند کی کیفیت میں نظر آرہی تھی مگر پھر بھی اس نے روبی کے قریب
جا کر نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے اور آنکھوں کا بہت غور سے جائزہ
چند لمحے بغور دیکھتا رہا کہ شاید وہ جاگ گئی ہو اور کچھ سن لیا ہو اور کچھ ظاہر نہ کرنے
لیے سوتی بن گئی ہو۔

وہ دیکھتا رہا یہاں تک کہ اطمینان ہو گیا کہ وہ واقعی سو رہی ہے۔ پھر وہاں سے ہٹ
کر اس نے اپنی سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر اٹھایا اور آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے
باہر نکل گیا۔ نیند ہوا ہو چکی تھی اور کچھ زخموں میں جو دل کے کسی کونے کھدرے میں چھپے

ہوئے تھے سوزش ہونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"میری رات وقار سے فون پر بات ہوئی ہے" مومنہ نے ناشتہ کرتے ہوئے ماہ رخ کو بتایا۔ ماہ رخ اسی طرح خاموشی سے نظریں جھکائے چائے کے گھونٹ بھرتی رہی۔

"وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے" مومنہ نے اس کی صورت تکتے ہوئے مزید کہا۔

"اس کی تو اب ضرورت ہے نہ گنجائش۔" ماہ رخ نے آہستگی سے جواب دیا۔

"ہاں بس تم اپنی اس خانقاہ میں بیٹھی خود ہی تیل کی خود ہی گھی کی پکاتی رہو" مومنہ جل کر بولی۔

"ہاں تو پھوپھو پھر کیا کروں جب سب کچھ لا حاصل نظر آ رہا ہو۔" ماہ رخ نے اسی طرح نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"بات تو کرو دیکھو تو وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ پھر اس کے بعد مجھے اسٹیپ اٹھانے میں آسانی رہے گی" مومنہ نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرا دل نہیں چاہتا نہ ان کی شکل دیکھنے کو نہ ان کے سامنے بیٹھنے کو بات کیا خاک کروں گی" ماہ رخ پر مومنہ کے سمجھانے کا مطلق اثر نہ ہوا۔

"اچھا یوں سمجھو یہ میرے مشن کا ایک حصہ ہے۔ میری خاطر صرف ایک بار اس سے ملو۔ آخر پتہ تو چلے کہ اس کے دل میں کیا ہے وہ تم سے سب کچھ ختم ہونے کے بعد آخر کیا بات کرنا چاہتا ہے" مومنہ نے پھر بڑے تحمل سے کہا۔

ماہ رخ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی۔ نظر کے زاویے سے پتہ چلتا تھا کہ اس کا ذہن کہیں دور کے مناظر میں الجھا ہوا ہے۔

مومنہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو یہ کوئی بہت کٹھن کام تو نہیں ہے۔ شوہر ہے وہ تمہارا، تم نے ایک عرصہ اس کے ساتھ گزارا ہے'' جب ماہ رخ کچھ نہ بولی تو مومنہ ضبط نہ کرسکی بول پڑی۔

''ٹھیک ہے پھوپھو! میں سن لیتی ہوں ان کی بات کہ میرے پاس تو کرنے کو کوئی بات نہیں ہے مگر میں کسی ہوٹل، ریسٹورنٹ، یا پبلک پلیس پر ان سے نہیں ملوں گی۔ اگر وہ بات کرنا چاہیں تو یہاں میرے گھر میں بات کریں''

''اوکے، یہ کوئی سخت کنڈیشن نہیں ہے۔ جو یہ خطرہ ہو کہ وہ منظور نہیں کرے گا۔ میں اس سے کہہ دیتی ہوں کل سنڈے ہے وہ کسی بھی وقت یہاں آجائے۔ ٹھیک'' ماہ رخ خاموش رہی۔

''دیکھو پورے اعتماد کے ساتھ اس کا سامنا کرنا۔ گھبرانے، رونے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پھاڑ نہیں کھائے گا تمہیں۔ دیکھو تو وہ طرم خان بات کیا کرتا ہے'' مومنہ نے بھتیجی کا مورال بلند کرنے کی شعوری کوشش کی۔

ماہ رخ اب پھر خاموش تھی۔

''بہت بور ہو رخی! اس کو تم نے راستہ بدلنے میں بہت سہولتیں دیں۔ ایسی ایسی کرپٹ عورتیں ہیں جن کا طوطی بول رہا ہوتا ہے مٹھی میں بند رکھتی ہیں مردوں کو ایک تم اتنی پڑھی لکھی خوبصورت خاندانی مگر گوتم بدھ کا مجسمہ۔ اللہ بھی ان کا حال نہیں بدلتا جن کو اپنا حال بدلنے سے خود ہی دلچسپی نہ ہو۔ کہیں کچھ لوز نہ چھوڑنا۔ لوہا گرم ہے چوٹ لگنے کی دیر ہے''۔

مومنہ یہ کہتے ہوئے اٹھی اور واش بیسن پر جا کر ہاتھ دھونے لگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سمن! نیا کے ہاں جا کر پتہ کرنا چاہیے بی بی جان دوبارہ وہاں ضرور گئی ہوں گی،

کیونکہ وہ جب شہر آتی ہیں تو قاضی ماموں کے ہاں ایک دن ضرور رکتی ہیں۔ اور شہر میں ہوتے ہوئے وہ دوبارہ اس طرف نہ گئی ہوں ناممکن سی بات ہے۔'' سہیل کین کی چیئر پر بیٹھے اخبار بھی دیکھ رہے تھے۔

''میرا خیال ہے وہ دوبارہ نہیں گئی ہوں گی کیوں کہ ان کو پتا تھا کہ شام یا رات کو تو آپ بھی وہاں موجود ہوں گے۔'' سمن نے الجھ کر کہا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ تمہیں تو اس لیے زبردستی لے جا رہی تھیں کہ تمہاری وجہ سے میں خود بھی حویلی پہنچ جاؤں گا۔ مجھ سے ملاقات ہو جاتی تو ظاہر ہے پھر مجھے مجبور کرتیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں وہ وہاں ضرور گئی ہوں گی'' سہیل نے اعتماد سے کہا۔

''تو جا کر پتا کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ آرام سے چلے جائیں گے گھر تو ذرا سیٹ ہو جائے میں فون کر کے پوچھ لیتی ہوں'' سمن نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

''چلو ایسا کر لیتے ہیں۔ اصل میں مجھے اس بات کی فکر ہے کہ تم نے بتایا تھا کہ بی بی جان اچھے موڈ میں رخصت نہیں ہوئی تھیں۔ اور یہ بہت خطرناک بات ہے جب تک وہ کسی سے اپنی انسلٹ کا بدلہ نہ لے لیں۔ چین سے نہیں بیٹھتیں اتنا تو شاید تمہیں بھی اندازہ ہو چکا ہوگا''

سہیل بظاہر اطمینان سے بات کر رہے تھے مگر لہجے میں فکرمندی پوشیدہ تھی۔ پیشانی پر شکنیں بھی تھیں۔

''ہاں تو کیا ہوا۔ گئی ہوں گی تو وہاں ہمیں نہ پا کر واپس چلی گئی ہوں گی'' سمن نے موبائل کے نمبر پش کرتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

سہیل ذرا طنزیہ انداز میں مسکرا دیے۔

"ماشاءاللہ ساتھ ہی سبحان اللہ! یعنی الٹے پاؤں واپس چلی گئی ہوں گی۔ بھئی! وہ ہمارا پتہ پوچھتے ہوئے ان کے پیچھے پڑ گئی ہوں۔ یہی پتا کرنا ہے کہ کیا ہوا؟" سہیل کی بات مکمل ہوتے ہی سمن نے جلدی جلدی نیا کا نمبر ملا دیا۔

دوسری طرف نیا کی امی تھیں۔

سمن نے سلام وخیریت کے بعد فوراً مطلب کی بات کی۔

دوسری طرف بانو بیگم کہنے لگیں۔

"بس بیٹی! کچھ نہ پوچھو جو نہ ہوا سو کم ہوا مگر شکر ہے خیریت رہی، مگر تمہاری ساس بہت غصے میں واپس ہوئیں بس اب بات ختم کر لینا۔ میل ملاقات کے وقت یہ باتیں دہرانا مت۔ ہم دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تم لوگوں میں اتفاق دے محبت دے۔ ساتھ مل کر رہو خوش رہو آباد رہو۔ اور اپنی سناؤ گھر سیٹ ہو گیا؟"

سمن ذہنی طور پر کہیں دور پہنچ گئی تھی۔ ایک دم چونک پڑی اور سہیل کے چہرے پر نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔

"جی بس ہو ہی گیا چھوٹا سا تو اپارٹمنٹ ہے کچھ ضروری شاپنگ کے لیے ابھی سہیل کے ساتھ باہر نکل رہی ہوں۔ موقع ملا تو آپ کی طرف بھی چکر لگاؤں گی۔ اچھا خدا حافظ"

اس نے موبائل آف کرنے میں جلدی اتنی کی کہ دوسری طرف کے الوداعی کلمات ادا ہونے کا انتظار نہیں کیا۔ پھر سہیل کی طرف بڑھی اور موبائل تھما کر بولی۔

"بانو آنٹی بتا رہی ہیں کہ بہت بات بڑھ گئی تھی اور بی بی جان بہت غصے میں واپس گئی ہیں۔ تفصیل تو انہوں نے نہیں بتائی لیکن ان کے لہجے سے محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ خاص ہی ہوا ہے"

سہیل نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میرے حساب سے تو کوئی خاص نہیں ہوا۔ معاملات انڈر کنٹرول رہے۔ مجھے تو یہ فکر تھی کہ وہ دو چار گن مین لے کر نہ پہنچ گئی ہوں۔ ایزی فیل کرو اس طرف جائیں گے تو تفصیل بھی پوچھ لیں گے" سہیل نے گھڑی پر نظر ڈال کر سمن کو چلنے کا اشارہ کیا اور بولے۔

"چلو سمن! تھوڑی بہت شاپنگ کر لیتے ہیں پھر مجھے ضروری کام سے تین بجے کہیں پہنچنا ہے"۔

سمن جلدی سے بڑی سی چادر لپیٹنے لگی۔ چہرہ بھی آدھے سے زیادہ چھپا لیا تھا۔ شادی کے بعد سے یہ اس کا وہاں کا روایتی پردہ تھا۔ مخدوم فیملی کی تمام خواتین اسی انداز میں پردہ کرتی تھیں اس پردے کے باوجود کالے شیشوں والی گاڑی میں سفر کرتی تھیں۔

سہیل اپنا والٹ چیک کر رہے تھے۔ سمن نے ذرا فکرمندی سے پوچھا۔

"پیسے ویسے تو ہیں نا؟"

"پیسہ بہت ہے یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں سمن! ایزی فل کرو۔ چلو کمانڈر آگے بڑھو"

سہیل کا موڈ خوشگوار تھا "ایزی فیل کرو" تو یوں بھی ان کا تکیہ کلام تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کرٹن کی شاپنگ کے بعد وہ کراکری شاپ کی طرف بڑھے تھے کہ ان کی حویلی کا پرانا نوکر سامنے آ گیا۔ غلام بخش چانڈیو دست بستہ سلام عرض کر کے شاپنگ بیگ سہیل کے ہاتھ سے لینے لگا۔

سہیل منع کرنے لگا۔

”مائی باپ! ہمارے ہوتے ہوئے آپ بوجھ اٹھائیں جی کو اچھا نہیں لگتا“ فدویانہ انداز میں گویا ہوا۔

”غلام بخش اس وقت ہم حویلی میں نہیں ہیں اور نہ تم اس وقت ہمارے نوکر ہو کرنے کی ضرورت نہیں تم سناؤ خیریت سے ہو؟“

سہیل نے خاصے روڈ اور سنجیدہ انداز میں بات کرتے ہوئے قدم آگے بڑ دیے۔سمن پیچھے چل پڑی۔

”خیریت کدھر سائیں! آپ کی ماں تو آپ کا غم کر کے بہت روتی ہے نیند گولیاں دے کر اس کو سلاتے ہیں آپ سے تو حویلی میں رونق تھی ادھر تو اب یوں لگتا کوئی بستا ہی نہیں۔غصہ تھوک دیں سائیں،اپنی ماں کو سنبھالیں“ غلام بخش چانڈیو ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔

”ہم کسی سے ناراض نہیں ہیں غلام بخش! بی بی جان کو تسلی دینا ہم ادھر بہت آرام سے ہیں وہ ہمارے لیے پریشان نہ ہوں“ سہیل نے پھر بہت تکلف سے بات کی۔

”آپ کے غم میں آپ کی بی بی جان بستر سے لگ جائے گی۔اس کا آپ کے ہے کون سائیں! ہم بھی آپ کے بغیر بہت اداس ہیں“ غلام بخش چانڈیو نے نمک حلالی مظاہرہ کرتے ہوئے پھر سہیل کا دل نرمانے کی کوشش کی۔

”غلام بخش! اگر کوئی اور بات ہے تمہارے پاس تو کرو ورنہ ہمیں ادھر اپنا کام کرنے دو۔حویلی میں کہہ دینا دوزخ سے باہر آ کر ہم بہت خوش ہیں اب کوئی ہمیں پریشان وریشان نہ کرے“ سہیل نے اب قدرے ناراضی سے کہا۔

”مالک! آپ شہر والی کوٹھی میں رہتے ہیں؟“ غلام بخش چانڈیو نے پوچھا۔

”نہیں ایک چھوٹا سا گھر ہے کرائے کا مگر ادھر سکون کی ہوا ہے۔ماں باپ

لیے یہ بات کافی ہونا چاہیے کہ ان کی اولاد سکون میں ہے“ پھر سمن کی طرف متوجہ ہوئے۔

”چلو سمن! جلدی کرو میں لیٹ ہو جاؤں گا“ پھر غلام بخش چانڈیو سے مخاطب ہوئے۔

”اللہ حافظ غلام بخش“

غلام بخش چانڈیو ٹوپی اتار کر اپنے سفید بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

”یہ کیا تم ابھی تک سر جھاڑ منہ پہاڑ بیٹھی ہو؟ وقار بس آتا ہی ہوگا۔ میں اپنے کام سے نکل رہی ہوں تھوڑا سا وقت ہے تم اپنا حلیہ درست کر لو۔“ مومنہ بالوں میں برش چلاتے ہوئے ماہ رخ کے بیڈروم میں اس کا جائزہ لینے چلی آئی تھی۔

”میرے حلیے کو کیا ہوا میں اس کے لیے بناؤ سنگھار کروں۔کیا یہ میری مزید توہین نہیں؟ اسے اس بات سے کیا غرض کہ میں اچھی لگ رہی ہوں یا بری“ ماہ رخ نے خاصے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا حلیہ اچھا نظر آنا کسی اہم بات چیت کا پلس پوائنٹ ہوتا ہے۔سخت لہجوں اور رویوں میں نرمی آ جاتی ہے۔گفتگو کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اعتماد پیدا ہوتا ہے۔“ مومنہ نے اس کے مغز میں کچھ بٹھانے کی کوشش کی۔

”رہنے دیں پھوپھو! اب ہمارے درمیان اس قسم کے لوازمات کی کوئی اہمیت نہیں رہی“ ماہ رخ نے بے دلی سے جواب دیا۔

”بے وقوف! میں چاہتی ہوں آج کی میٹنگ فیصلہ کن ہو اور بہت کچھ طے ہو جائے تاکہ ہم اس کے خلاف قانونی جنگ کے بکھیڑوں سے بچ جائیں۔ چلو خیر میں اصرار نہیں کروں گی معلوم نہیں اس وقت تم پر کیا بیت رہی ہے او کے میں چلتی ہوں۔تمہارا

گھر ہے آنے والا کوئی اجنبی نہیں تمہارا قانونی شرعی شوہر ہے تم کو تسیدنس سے یہ سچوایشن فیس کرو۔'' مومنہ بالوں میں برش کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی ماہ رخ نے کال بیل کی آواز سنی اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا جیسے باہر آگرے گا وہ واقعی دل تھام کر کھڑی ہوگئی اور مومنہ بھی گویا الٹے پاؤں واپس آگئی۔

''ماہ رخ! وہ آگیا ہے میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔ میں نکل رہی ہوں تم آجاؤ ہری اپ شاباش''

مومنہ عجلت بھرے انداز میں ہینڈ بیگ اپنے کاندھے پر لٹکاتے ہوئے بولی۔

ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر ماہ رخ کا شانہ دبا کر گویا حوصلہ دیا اور اسی عجلت بھرے انداز میں واپس پلٹ گئی۔

ماہ رخ نے دھڑکتا دل قابو کیا۔ دوپٹہ درست کیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بیڈروم سے باہر آگئی۔ لاؤنج کا کچھ حصہ کانپتے قدموں سے پار کیا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ بمشکل نظریں اٹھائیں اور بہت ہی آہستہ آواز میں گویا زیر لب سلام کیا۔

وقار آف وہائٹ ٹی شرٹ اور بلیک پینٹ میں بہت نکھرا نکھرا فریش سا نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ آنکھوں میں اجنبیت و بے گانگی۔ وہ بیٹھا تھا بیٹھا ہی رہا۔ نہ ہی سلام کا جواب دیا۔ ماہ رخ خاموشی سے اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

وقار نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی۔ لائٹ براؤن ملگجے سے کپڑے الجھے ہوئے تراشیدہ بال، چہرہ ستا ہوا اور پھیکا پھیکا سا نظریں جھکی ہوئیں۔

''یہ تم لوگوں نے کیا ڈرامہ شروع کر دیا ہے؟ اور تمہاری ''اسپین مارکہ'' پھوپھو کیوں اتنی ایکٹو ہو رہی ہیں پیسہ چاہیے تم لوگوں کو؟'' وقار کا لہجہ برہم اور خفا خفا تھا۔

ماہ رخ نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

''ایک کشتی جس میں آپ میرے ساتھ سوار تھے آپ نے اسے کنارے نہیں لگایا۔ بیچ طوفان میں چھوڑ کر غائب ہوگئے۔ اس کشتی کو کنارا چاہیے'' ماہ رخ نے بہت سنجیدگی سے ناپا تلا جواب دیا۔

''میں نے تمہیں شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں طلاق کے پیپرز سائن کر کے نہیں دوں گا تم خود کورٹ سے خلع کے لیے رجوع کرو۔ اب اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہاری مرضی۔ اب کس حساب میں مجھے ڈسٹرب کیا جا رہا ہے؟'' وقار نے اس کی طرف دیکھ کر بہت ناراضی سے کہا اور اضطراری کیفیت میں کی رنگ سے کھیلنے لگا۔

''آپ نے محض اپنی سوچ اپنے خیال میں محدود ہو کر بڑے بڑے فیصلے کر لیے۔ اگر میں نے خلع نہیں لیا تو میری قانونی بیوی کی حیثیت ثابت ہے۔ جو میرے قانونی حقوق ہیں وہ آپ ادا کرنے کے پابند ہیں''

''میری نظر میں تمہاری انسانی حیثیت مشکوک ہے اور تم اپنے قانونی حقوق کی بات کر رہی ہو۔ جو تمہارے ہمدرد تھے اور جن کی تم ہمدرد تھیں۔ آج بھی ہوں گی۔ ان سے یہ امداد طلب کیوں نہیں کرتیں؟'' وقار نے شدید برہم انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''میں نے تو اپنے ماں باپ سے امداد طلب نہیں کی، جو دنیا میں سب سے زیادہ ہمدرد ہوتے ہیں'' ماہ رخ نے اسی طرح دھیمے پن سے جواب دیا۔

''یہ بات نہیں ہے اصل میں وہ خود تمہارے ہر معاملے سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ تم جیسی عورت سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی۔''

''آپ جیسے لوگ محض مفروضوں کی بنیاد پر انسانوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مگر ہر زیادتی کرنے والے کو یاد رکھنا چاہئے کہ مکافات عمل بھی کوئی شے ہے۔ اس

دنیا میں اگر اللہ نے کسی کو زیادتی کی قوت دے کر مضبوط کر دیا ہے تو اس کا مطلب ہے
اس کے دل میں خرابی ہے اور قدرت اس کی اصلاح نہیں چاہتی'' ماہ رخ کے لہجے میں
اب اعتماد تھا۔

''سبحان اللہ! تمہیں تو ٹھوکروں نے دین دار بنا دیا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی۔ مگر
جیسی عورت اگر نیک پروین بن بھی جائے تو معاشرہ تو اسے معاف کر سکتا ہے شوہر نہیں۔
مجھے حیرت ہے تمہیں حقوق کی بات کرتے ہوئے شرم کیوں نہ آئی'' وقار کی آنکھوں میں
اب نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

''اور مجھے حیرت ہے کہ آپ اتنے ناسمجھ کیوں ہیں؟ جو عورت آرام سے یہ
حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، وہ آٹھ گھنٹے تھکا دینے والی نوکری نہیں کرتی۔ نہ
کرائے کے اپارٹمنٹ میں رہتی ہے'' ماہ رخ نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''یہ بھی تمہارا کوئی کارڈ ہوگا بہرحال میں کسی قسم کے تمہارے حقوق کو تسلیم نہیں
کرتا۔ میں ایدھی ٹرسٹ میں دو لاکھ سالانہ چندہ تو دے سکتا ہوں مگر تمہیں ایک روپیہ بھی
نہیں دے سکتا۔ جاؤ جا کر عدالتوں کے دروازے پیٹو۔ منصفوں کے پاؤں پکڑو''

''تمہارے حریص چچا نے تمہارا حق مہر پانچ لاکھ روپے لکھوایا تھا۔ تمہیں طلاق
دینے کی صورت میں مجھے پانچ لاکھ دینا ہوں گے۔ جبکہ میں اپنی محنت کی کمائی سے ایک ٹکا
دینے کا بھی روادار نہیں۔ تمہیں آزادی سے غرض ہے تو خلع لے لو۔ میرے خلاف نان
نفقہ کا کورٹ میں دعویٰ کر دو میں شرطیہ کہتا ہوں۔ تمہیں الٹا وکیل کے اخراجات ہی جیب
سے دینا پڑیں گے مگر مجھ سے کچھ نہیں ملے گا'' وقار کے انداز میں بھرپور اعتماد تھا۔

''تو پھر ایسا کر کے دیکھ ہی لیتے ہیں جب غلط کو ڈر نہیں تو درست کس حساب سے
خوفزدہ ہو، آپ نے پیسہ بچانے کے لیے اس میٹنگ کا تکلف کیا۔ بڑی زحمت ہوئی آپ

کو اب آپ جا سکتے ہیں'' ماہ رخ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

وقار ایک لمحے کو اس کا اعتماد دیکھ کر الجھن میں پڑ گیا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہاری جو رہی سہی عزت ہے وہ کورٹ میں گنوا دو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں
تمہاری طرف سے بھیجے گئے نوٹس کا آج سے انتظار کروں گا''

ماہ رخ پر نظر ڈالے بغیر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ ماہ رخ کی نظریں وقار کے وجود
پر نہیں اس کے رخصت ہوتے قدموں پر تھیں۔

اس کے باہر نکلتے ہی وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر
جیسے ضبط کھو بیٹھی ہو اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نمو پر آج صفائی ستھرائی کا بھوت سا سوار ہو گیا تھا۔ صبح سے نوکرانی کو لیے اوپر
نیچے اس کے چکر لگ رہے تھے۔ مسز علوی رات گئے گھر لوٹی تھیں ابھی ان کی صبح نہیں
ہوئی تھی انجم علوی تو اپنی پابندی وقت کے لیے مشہور تھے ٹھیک آٹھ بجے گھر سے نکل
جاتے تھے۔ ساڑھے آٹھ پونے نو کے درمیان رمیض بھی چلا جاتا تھا۔ بس پھر اس کے
کام شروع ہو جاتے تھے۔ سارے گھر کو چمکا کر نہا دھو کر بڑے اہتمام سے ناشتہ کرتی
تھی۔ اکثر اکیلے کبھی کبھی مسز علوی کے ساتھ۔ آج ذرا صفائی کی وجہ سے ناشتہ بھی دیر سے
کر رہی تھی بے بی پنک اور شاکنگ پنک پرنٹ والا بہت خوبصورت لان کا تھری پیس
سوٹ پہنے ہوئے بہت اطمینان سے ناشتہ کر رہی تھی۔ بال گیلے اور لٹوں کی صورت میں
بکھرے ہوئے تھے۔ بالوں کی نوکوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جانے کس دھیان میں گم تھی
کہ ملازمہ نے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے ہاتھ
اسی جگہ رک گیا۔

"کون ہیں نام پوچھا؟ کس سے ملنا چاہ رہے ہیں؟" اس نے کئی سوال کر ڈالے
"آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں نعمت بی بی سے ملنا ہے" ملازمہ نے روبوٹ کی طرح جواب دیا۔

"مجھ سے؟" نعمت کو سخت حیرانی لاحق ہوئی۔ خصوصاً اس سے ملنے تو کبھی کوئی نہیں آیا وہ بھی کوئی حضرت...... رمیض کی فرینڈز ہی رمیض کو ڈھونڈتی آ جاتی تھیں تو ان سے بات چیت ہو جاتی تھی۔

وہ دوپٹہ درست کرتی اٹھ کر چل دی۔ چہرے پر الجھن سی تھی۔

سوچوں میں الجھی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو بری طرح چونک گئی۔ سامنے ایک گندمی رنگت، چوڑی اٹھان والا جوان لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ نمو کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بہت ویل ڈریس تھا۔ کلائی میں بندھی رسٹ واچ سے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھی۔ جس سے اس کے بیش قیمت ہونے کا پتہ چلتا تھا۔ نمو کا دل پوری قوت سے سمٹ کر پھیلا۔ آنے والے کی نظر خاص تھی معمول کی نہیں تھی۔ نمو کی چھٹی حس نے خبردار کیا۔ اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

"ولید کمال" آنے والے نے فوراً ہی تعارف کروا کر صورت حال واضح کر دی۔

نمو کی تو جیسے ٹانگیں کانپنے لگیں۔ (ولید کمال مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں)

"تشریف رکھیے، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا بس ایک دو ضروری باتیں بلکہ سوال کرنا تھا آپ سے اس لیے آپ کو زحمت دی" ولید کمال کا انداز گفتگو بہت کمال اور آواز غضب کی تھی۔

"پلیز بیٹھیں نا، کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے" ولید کمال اس کی گھبراہٹ بھانپ کر اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

نمو جلدی سے بیٹھ گئی۔ نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

"مجھے انگیجمنٹ کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کی فیملی کو میرے بارے میں بہت سی باتوں سے لاعلم رکھا گیا ہے اور وجہ یہ بتائی گئی کہ ان باتوں کو نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ ایسے کوئی بم دھماکے نہیں ہیں پھر بھی شادی ایک بھاری ذمہ داری کا نام ہے ایک اسٹرونگ کمٹ منٹ۔ وہ دو بندے جنہوں نے زندگی کا سفر ایک ساتھ شروع کرنا ہے، انہیں ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ شادی کے بعد انکشافات شروع ہو گئے اور پارٹنرز کا ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھنے لگا"

ولید کمال کی تمہید سے تو نمو کا دل ہی جیسے ڈوبنے لگا اس نے بہت ہمت کر کے ولید کمال کی طرف دیکھا۔ گھنی مونچھوں تلے بھرے بھرے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ کا عکس تھا۔ اس نے گھبرا کر پھر نظریں جھکا لیں۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے پیرنٹس میرے حقیقی پیرنٹس نہیں ہیں مجھے بچپن میں اڈاپٹ کیا گیا تھا۔ دوسرے میری پیدائش ال لیگل (غیر قانونی) ہے۔ میں کسی کا بھانجا، بھتیجا، بھائی، ماموں، چچا، تایا وغیرہ نہ ہوں نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔ میرے جیسے لوگوں کا کسی سے کوئی سچا حقیقی رشتہ نہیں ہوتا اس کی صرف ماں ہوتی ہے جس کے وجود سے یہ رسوائی پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی نگاہ میں میں پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ میرے موجودہ پیرنٹس کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہو رہی تھیں بیٹے کے شوق میں مجھے اڈاپٹ کیا گیا۔ حالانکہ انسان اپنی پیدائش پر قادر نہیں مگر سوسائٹی کے معززین ایسے بچے سے تعلق وہ بھی دور تک قائم کرنا پسند نہیں کرتے، میں نے ممی سے کہا تھا یا تو آپ میری شادی کے بارے میں نہ سوچیں اگر ایسا کرنا چاہیں تو میری حقیقت بتا کر یہ اسٹیپ لیں پہلے تو مجھ

سے یہ کہا گیا کہ تم مرد ہو تمہیں ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا دنیا کی نظریں تم ہمارے بیٹے ہو بس یہی بہت ہے جب میں نے اصرار کیا تو میری بڑی بہن نے کہا کہ ہاں یہ بات ہوگئی ہے کہ تم اڈاپٹڈ ہو دوسری بات بتانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا اس میں کیا قصور ہے جو تمہیں دنیا کی نظر میں گرایا جائے پھر کچھ اس طرح سے مجھے مورلی پریشرائز کیا گیا کہ میں نے ان لوگوں کی اسپرٹ اور محبت دیکھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔ لیکن اندر کی جنگ نے مجھے اتنا بے چین کیا کہ میں آپ سے ملنے چلا آیا کہ کوئی بات نہیں ابھی تو صرف انگیجمنٹ ہی ہوئی ہے۔ بہر حال میں حقیقت بیان کر چکا آپ کی مرضی آپ باقی گھر والوں کو یہ سب بتا دیں یا اپنے طور پر جو فیصلہ کرنا چاہیں کر ڈالیں۔ لیکن کچھ بھی کریں دل کی آمادگی سے کریں دنیا کی خاطر یا میری ہمدردی میں نہ کریں۔ مجھے بے رحم و بے درد لوگوں کی نشانی جان کر کریں۔ سوچیں جب انہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں تھی تو دوسروں کو کیا پڑی ہے۔''

نمو تو پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی سن رہی تھی۔ حیا تو اس کی اوڑھنی تھی اس کی قبا تھی۔ جس کے قصور سے بھی حیا آئی تھی وہ اس سے کتنی کھلی بات کرنے آیا تھا اس کے ہونٹ تو یوں سلے ہوئے تھے گویا اس کے پاس کرنے کو کوئی بات ہی نہیں تھی، وہ ولید کمال کی خاموشی کو محسوس کر کے خواہ مخواہ اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی ایک محسوس ہونے والا دکھ اسے اندر سے کاٹ رہا تھا۔

اس نے دوسری مرتبہ پھر ہمت کی اور ولید کمال کی طرف دیکھا۔ اب ولید کمال کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ نمو کی آواز کا منتظر تھا۔

''مذہب اسلام میں سب سے سخت سزا ال لیگل ریلیشن شپ کے لیے ہے۔ قتل کا بدلہ قتل۔ یعنی، یعنی بندے کا سر قلم۔ چند منٹ میں کہانی ختم پلک جھپکتے ہی اس دنیا سے اس

دنیا کا سفر۔ ناک کے بدلے ناک کان کے بدلے کان.......... سزاؤں کی اس فہرست میں سب سے سنگین سزا عورت مرد کے غیر شرعی تعلقات کے لیے ہے۔ اور میں دنیا کے سب سے عظیم قانون ساز پر نثار ہوں کہ اتنی سخت سزا طے کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ سوسائٹی میں کوئی یہ گناہ کرنے کا تصور ہی نہ کرے اس لیے کہ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی زندگی بے قصور ہوتے ہوئے بھی ایک اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور یہ انسانیت پر بھاری ظلم ہے۔

آپ میری ذہنی حالت کا اندازہ کریں کہ اگر اس ملک میں شرعی سزائیں عملاً نافذ ہو جائیں اور ایسے غیر ذمہ دار جوڑے کو عوام کے سامنے سنگساری کا حکم ہو تو پہلا پتھر میں ماروں گا۔

ولید کمال کے لہجے میں ایسا کچھ خاص تھا کہ نمو نے بدحواس ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ولید کمال نے اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کر نظریں جھکا لی تھیں۔

ولید کمال اب پھر خاموش تھا اور نمو کا رواں رواں کھڑا ہو چکا تھا۔ حلق میں جیسے پھنس گیا تھا کہ بات کرنا محال تھی ذہن کو ایک دم دھچکا سا لگا تھا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی گم سی ہوگئی۔

ولید کمال نے نمو کی خاموشی کو بہت محسوس کیا اور ایک تنقیدی نظر اس پر دوڑائی۔

''آپ کچھ بھی نہیں بولیں گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر میں اجازت چاہوں گا'' ولید کمال نے آستین اونچی کر کے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

نمو ایک دم گڑبڑا سی گئی سمجھ میں نہ آیا کہ فوراً کیا بولے۔

''اوہ پلیز! آپ تشریف رکھیے میں آپ کے لیے کچھ لاتی ہوں'' بلا آخر اتنا تو بول ہی پڑی۔

''تھینکس، آپ یہ روٹین کے تکلفات رہنے دیں اور ایک بات یہ نوٹ کریں کہ میں یہ سب باتیں آپ کے گارجین سے بھی کر سکتا تھا۔ مگر میں نے نہیں کیں اور آپ سے ڈائرکٹ بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ مے بی پاسبل کہ وہ شدید ری ایکٹ کرتے کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوتا اور وہ آپ کی برین واشنگ بھی ساتھ ساتھ شروع کر دیتے۔ مگر آپ بھی ایک انسان ہیں آپ کی اپنی بھی کوئی سوچ ہو سکتی ہے ہو سکتا ہے آپ اپنے منگیتر کے لیے مارجن رکھ کر سوچیں اور میرے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیں کیوں کہ سفر تو پھر دو ساتھیوں ہی نے طے کرنا ہوتا ہے۔ اگر میرے ساتھ چلنے پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں کوئی کراہیت نہیں تو دوسروں کی رائے کی پھر کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ بہر حال انسان ہوں ہمسفر کی تمنا و طلب تو مجھے بھی ہے مگر زبردستی کا سودا منظور نہیں، آپ بہت اچھی طرح ہر پہلو سے غور کریں اور جو بھی فیصلہ کریں مجھے آگاہ کر دیں خاموشی کا مطلب آمادگی ہوتا ہے۔ خاموش رہیں تو اچھی بات نا منظور ہو تو بولڈلی کہہ دیں۔ میں مائنڈ نہیں کروں گا بلکہ مجھے خوشی ہو گی کہ میں نے فاؤل نہیں کھیلا'' وہ کچھ رکا اور پھر بولا۔

''بہر حال میں آپ سے مل کر مایوس نہیں ہوا آپ نے فروخت شدہ ڈائمنڈ کی پیکنگ دیکھی ہے؟'' ولید کمال نے کھڑے ہو کر عجیب سا سوال کر ڈالا۔

نمو اس انوکھے سوال پر الجھن میں پڑ گئی۔ درحقیقت ایسا کوئی اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔

''چھوٹے سے ٹرانسپیرنٹ باکس میں قید ڈائمنڈ کئی قسم کے کورز میں پیک ہونے کے بعد ایک چھوٹی سی مخملیں تھیلی میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ سرخ مخملیں تھیلی اتنی پیاری لگتی ہے کہ الفاظ اس کی دلکشی بیان کرنے سے قاصر ہیں اور جب یہ پتا ہو کہ اس تھیلی میں ڈائمنڈ ہے تو شوق و تجسس درجہ کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ غلاف در غلاف لپٹے ڈائمنڈ کی چکا چوند دیکھنے کی ایک تڑپ ہوتی ہے۔ لمحہ لمحہ بھاری لگتا ہے ایک پارسا عورت کے سامنے ایک ڈائمنڈ کی کوئی حیثیت نہیں''

اس کے الفاظ کی وادیوں میں سرگرداں تھی اور وہ ڈرائنگ روم سے باہر بھی نکل گیا

تھا۔ نمو یوں چونکی جیسے دیر سے سوتی ہوئی جاگی ہو۔

ایک خواب کا سا احساس تھا کوئی آیا آ کر چلا بھی گیا۔ ڈرائنگ روم خالی تھا جیسے کوئی آیا ہی نہیں۔ اور وہ دیر سے اکیلی بیٹھی ہوئی ہو۔

وہ گم صم سے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اور خالی خالی آنکھوں سے اس طرف دیکھنے لگی جہاں کچھ دیر قبل ولید کمال بیٹھا ہوا تھا۔

''اچھی بات ہے انگیجمنٹ کے بعد رومانس پیریڈ وہاٹ اے فینٹیسی''

رمیض کی اچانک آمد اور اس کا ذو معنی جملہ۔ نمو ایک لمحے کو گھبرا سی گئی جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ رمیض نے اس کی گھبراہٹ نوٹ کی تھی اور شرارت سے گویا ہوا۔

''گھبرانے کی کیا بات ہے تمہیں بھی زندگی کے رنگوں سے کھیلنے کا حق ہے۔ تھوڑا رنگ ڈارک ہے تو کیا ہوا دل ڈارک نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے بندہ ہینڈسم ہے''

نمو کو کوئی جواب سجھائی نہیں دے رہا تھا اس کی نظریں مجرم کی طرح جھکی ہوئی تھی۔ رمیض عین درمیان میں کھڑا تھا۔ نمو کو اس کے پاس سے گزر کر باہر جانا محال لگ رہا تھا۔

''روز آتا ہے پرائیویسی میں؟'' رمیض نے پھر شریر انداز میں سوال کیا۔

''نہیں آج پہلی مرتبہ آئے تھے'' نمو نے گھبرا کر جلدی سے وضاحت کی۔

خیر اگر روز بھی آتا ہے تو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بڑی دھوم دھام سے انگیجمنٹ کی ہے ساری دنیا کو پتا ہے وہ تمہارا فیانسی ہے۔ میں تو بائی چانس آ گیا ہوں بہت ضروری اسائنمنٹ بھول گیا تھا چلو اس بہانے تمہاری سرگرمیوں کا بھی پتہ چل گیا''

''بائی گاڈ رمیض بھائی! وہ آج فرسٹ ٹائم آئے تھے'' نمو پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

''ارے تو بھئی! میں کچھ کہہ رہا ہوں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے مجھے تو تم پر ترس آتا تھا کہ یہ بھی کیا ہے بے چاری اور کیا اس کی جوانی ہے جیسے سونا تہوار۔ اچھی بات ہے

تمہاری ڈل لائف بھی کچھ کلرفل ہوئی اور پھر وہ بھی آخر انسان ہے اس کا دل بھی چاہتا ہوگا تم سے ملنے باتیں کرنے کا آخر اس کے سینے میں بھی تو دل ہے۔ رمیض کو اس کا یہ روپ بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ گھبرائی، بوکھلائی صفائیاں پیش کرتے ہوئے۔ وہ اسے تنگ کرنے کا یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

نمو جیسے ہار مان کر صوفے پر دھپ سے بیٹھ گئی اور ایک ہاتھ سر پر رکھ لیا۔

''لو تم تو سر پکڑ کر رونے بیٹھ گئیں سخت نحوست ہوتی ہے۔ تمہیں تو نور جہاں کا مشہور پرانا گانا گانا چاہیے۔

میں چھج پتاشاں ونڈاں

آج ماہی ملیا مینوں

(میں چھاج بھر کے بتاشے بانٹوں گی آج مجھے ماہی ملا ہے)

''رمیض بھائی! نمو روہانسی ہوگئی۔

''یہ اچھا نہیں ہے؟ اچھا تو عطاء اللہ نیازی کے فوک گالو...... مثلاً۔

وگدی اے راوی وچ

ٹاں کنگھیاں۔ ٹاں کنگھیاں

مینوں آج پتہ لگا ماہی نال منگیاں

(بہتی ہوئی راوی میں کنگھیاں بہادوں۔ مجھے تو آج پتہ چلا کہ میں اپنے ماہی کے لیے مانگ لی گئی ہوں)

نمو نے اب گھور کر رمیض کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

''آج کل انگلش چھوڑ کر پنجابی گیت سن رہے ہیں؟'' وہ اب اسے چھیڑنے لگی۔

''ہاں آج کل ایک پنجابی مٹیار گلے پڑی ہوئی ہے پورا سرسوں کا کھیت۔ انتہائی

خوش مزاج جیسے ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار'' رمیض قہقہہ مار کر ہنسا۔

''یہ آج کل کی بات ہوگی پرسوں تک تو روحوں سے رومانس چل رہا تھا'' اب نمو نے بھی بدلہ لیا۔

رمیض ذرا چونکا پھر مسکرایا۔

''وہ تو ابھی بھی جاری ہے۔ روحوں کو خوش کرنا تو ثواب کا کام ہے'' وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

نمو ایک دم سنجیدہ ہوگئی اور رمیض کے خوش باش چہرے پر نظر دوڑا کر بولی۔

''تو چار قل مدحت کے لیے بھی پڑھ لیا کریں...... زندہ کو خوش نہیں کیا تو اس کی روح کو ہی خوش کر دیں''

''اچھا بس۔ بوریت پھیلانے کی ضرورت نہیں'' رمیض کا موڈ آف ہونے لگا پھر کھوجتی نظروں سے نمو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ارواح آئی تھی یا اس کا فون آیا تھا؟ ایکچوئلی آج کل میں اسے ذرا اوائیڈ کر رہا ہوں۔ ایک پرابلم ہے بعد میں بتاؤں گا...... اگر وہ میری موجودگی میں کسی دن آجائے تو کہہ دینا میں گھر پر نہیں ہوں'' رمیض نے خود پر کنٹرول کر کے نارمل انداز میں تاکید کی۔

ہونہہ...... یہ خوب ہے بلیوں کو چھچھڑے دکھا کر چھچھڑے سمیت بھاگ جاتے ہیں۔ اتنا سیریس ایکسیڈنٹ ہوا...... آفرین ہے آپ پر ذرا بھی نہیں بدلے آپ......؟'' نمو نے بڑے دکھ سے کہا۔

''اچھا...... بس زیادہ تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں لپکتی ہیں بلیاں چھچھڑوں کی طرف خود پر کنٹرول کریں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''بس بیٹے! اپنا دل برا نہ کرنا۔ ہم تو ان کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے تھے کہ تمہاری ماں

ہیں اور ہماری مہمان ہیں۔مگر ان کے منہ سے کچھ کلمات ایسے نکل گئے کہ مجھے غصہ آ
بیٹے اپنی کنواری بچی کے لیے نامناسب بات پر ماں کو غصہ آجانا فطری سی بات ہے''
بانو بیگم شرمساری سی ہو کر سہیل سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ سب کچھ بھول جائیں آنٹی! بی بی جان کے مزاج میں برداشت کم
مجھے اندازہ ہے کہ وہ کیا کچھ کہہ سکتی ہیں''سہیل نے رواداری سے کام لے کر کہا۔

''بیٹے! غصہ، ناراضی اپنوں ہی میں ہوتا ہے۔تم نے بھی ساری زندگی شہزادوں
طرح گزاری ہے۔ وہ تمہارے اپنے ہیں۔ وہاں سب کچھ تمہارا اپنا ہے۔ میری ما
ماں کی بات رکھ لو، واپس چلے جاؤ۔میرا خیال ہے، اس اکھاڑ پچھاڑ سے کچھ سبق لے
وہ بھی احتیاط کریں گے۔آخر ان کو احساس تو ہو گیا ہے نا کہ بیٹے کی جدائی کتنا کٹھن مر
ہے''بانو بیگم نے سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں سہیل بھائی!''نیا نے بھی ماں کی تائید کی۔

''میں اس سلسلے میں سوچوں گا۔میرے لیے تو اس گھر کے دروازے ہر وقت کھ
ہیں۔اصل مسئلہ تو سمن کا ہے۔مجھے نیا اسٹیپ لینے سے پہلے بہت کچھ سوچنا ہے''سہیل
نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے جواب دیا پھر کسی خیال سے ذرا چونک کر بولے۔

''بی بی جان دوبارہ آئی تھیں۔ پھر تو کوئی بدمزگی والی بات نہیں ہوئی؟ وہ
ایڈریس مانگ رہی ہوں گی۔آپ نے کیا کہا؟''

بانو بیگم نیا کی طرف دیکھ کر ایک لمحے کو خاموش سی ہو گئیں جیسے کوئی جواب نہ بن پڑ رہا ہو۔

''بیٹے! دن میں اتنی بدمزگی نہیں ہوئی تھی جتنی رات کو ہو گئی۔شاداب ذرا آپے
سے باہر ہو گیا تھا۔جس کے لیے میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں۔ بھائی کی
بس غیرت کھا گیا تھا''وہ ندامت سے چور انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''اوہ...........''سہیل کی پیشانی پر لکیریں کھنچ گئیں۔

''ان کے ساتھ اور کون تھا۔ایک گن مین ہوگا۔ایک ڈرائیور ہوگا''سہیل سوچ
سوچ کر بول رہے تھے۔بانو بیگم نے ان کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا۔

''گاڑی تو شاید گلی کی نکڑ پر کھڑی تھی۔وہ میں نے نہیں دیکھی۔اس لیے پتا نہیں کہ
گاڑی میں اور کون کون بیٹھا تھا۔دن میں جب آئی تھیں تو ساتھ میں تمہاری خالہ اور ایک
پھوپھی زاد بہن بھی تھیں''

''شاداب نے کیا کہا تھا بی بی جان سے؟''سہیل بہت سیریس ہو رہے تھے۔

بانو بیگم پھر نیا اور سمن کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

نیا نے گلا صاف کیا اور سہیل سے بہت معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

''سہیل بھائی! مجھے یہ بتاتے ہوئے بہت شرم محسوس ہو رہی ہے کہ میرا لائق قابل
بھائی بری صحبت کا شکار ہو گیا ہے۔تعلیم سے اس کی توجہ ہٹ گئی ہے۔شاید وہ فرسٹریشن
میں مبتلا ہو گیا ہے۔اس کی وجہ سے آج کل ہمارے گھر میں بہت ٹینشن چل رہی ہے۔
اس کے پاس ہر وقت ایک لوڈڈ ریوالور ہوتا ہے جس کا اس کے پاس لائسنس ہے خدا
معلوم وہ اسے کس ذریعے سے ملا ہے وہ احمق اسے پاور سمجھ بیٹھا ہے''

نیا بولتے بولتے رک گئی جیسے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو۔یہ بتانا کتنا کٹھن
مرحلہ تھا کہ سہیل کی ماں پر نیا کے بھائی نے ریوالور تانا تھا۔

سہیل نے نیا کے بولنے کا انتظار کیا پھر اس کی خاموشی کی خود مفہوم پہنا دیا۔

''شاداب نے ریوالور نکال لیا تھا؟''انہوں نے بانو بیگم سے پوچھا۔

دونوں ماں بیٹی خاموش رہیں۔سمن نے بدحواس ہو کر سہیل کی شکل دیکھی تھی۔

سہیل چند ثانیے سر جھکا کر کچھ سوچتے رہے پھر نیا کی طرف دیکھ کر بولے۔

"یہ شاداب سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔ اس سے کہیے گا۔ اپنا خیال رکھے وڈیرا اپنی بےعزتی کا بدلہ ضرور لیتا ہے۔ یہ بہت غلط ہوا۔ مائی گاڈ"

سہیل بےقراری کیفیت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

سمن سینے پر ہاتھ دھرے سہیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ احتیاط کیجیے گا۔ میں فی الحال یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کر گزریں مگر وہ کوئی نہ کوئی کارروائی کریں گے ضرور۔ میرا باپ اگر یہ سب بھول بھی جائے تو بی بی جان ان کو بھولنے نہیں دیں گی" سہیل بہت فکرمندی وتشویش سے بہت ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہے تھے۔

بانو بیگم نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور سہمے ہوئے انداز میں سہیل کو دیکھ کر بولیں۔

"بیٹے! آپ کچھ کریں دیکھیں نا اس سارے قصے میں ہمارا قصور کیا ہے۔ بس مشکل گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا۔ میں تو بہت برداشت سے کام لے رہی تھی مگر آپ کی والدہ مسلسل زیادتی کر رہی تھیں۔ جوان خون ہے۔ بچہ ہے۔ ہوش کے بجائے جوش سے کام لیتا ہے۔ آپ میری طرف سے اپنی والدہ سے معافی مانگ لیں"

"آپ حوصلہ رکھیں۔ پریشان مت ہوں۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ بس فی الحال آپ احتیاط سے کام لیجیے۔ میں بی بی جان کو سمجھانے کی کوشش کروں گا" سہیل نے بردباری سے کہا۔

"پھر بھی بیٹا! کچھ اندازہ تو ہو کہ ہمیں کس قسم کی احتیاط کرنا چاہیے" بانو بیگم ازحد پریشان ہو چکی تھیں۔

"میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جس ماحول میں میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ اس کو مدنظر رکھ کر ہی یہ بات کہہ رہا ہوں۔ آپ کا ایک ہی بیٹا ہے، اللہ اس کی حفاظت کرے۔ پھر بیٹیوں کا بھی ساتھ ہے۔ بس یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے احتیاط کیجیے" سہیل نے یہ کہہ کر ریسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی۔

"چلو من!" انہوں نے سمن سے کہا تو وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور نیا کی طرف بڑھی اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سہیل بی بی جان کو سمجھا لیں گے۔ اب تو وہ ویسے بھی ان سے دور ہیں۔ وہ ان کی بات مان کر انہیں خوش کرنا چاہیں گی تاکہ ان کا بیٹا ان کے پاس واپس چلا جائے۔ ٹھیک؟"

نیا بھی ماں کی طرح فکرمند نظر آ رہی تھی، ایک دم چونک کر خیال کی دنیا سے باہر آئی اور زبردستی مسکرا کر بولی۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ موت زندگی اللہ کے اختیار میں ہے۔ تم میری طرف سے ایزی فیل کرو"

"اچھا آنٹی! ہم چلتے ہیں" وہ بانو بیگم سے بولی۔

"بیٹی! کھانا کھا کر چلی جاتیں۔ ابھی تو تمہارا کچن بھی سیٹ نہیں ہوا ہوگا۔ باہر سے منگواؤ گی جو بھی دال دلیہ ہے حاضر ہے" بانو بیگم خود پر قابو پا کر آداب میزبانی نبھانے لگیں۔

"پھر سہی۔ اتنے دنوں سے یہیں کھا پی رہے ہیں۔ اچھا خدا حافظ" وہ یہ کہہ کر سہیل کے پیچھے چل پڑی جو اس سے پہلے قدم بڑھا چکے تھے۔

نیا اور بانو بیگم ان کے پیچھے گیٹ تک خدا حافظ کہنے آئی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"سہیل تو مجھے فکر میں ڈال گئے ہیں۔ شاداب کو کیسے سمجھایا جا سکتا ہے۔ اس کی طرف سے تو میں پہلے ہی پریشان ہوں"

بانو بیگم رات کو صحن میں پڑی چارپائی پر لیٹی نیا سے باتیں کر رہی تھیں، عتیقہ اوپر کمرے میں اسٹڈی میں مصروف تھی وہ یوں بھی اتنی مصروف رہتی تھی کہ بہت کم فرصت

میں باتیں کرنے بیٹھتی تھی۔ اب بھی وہ کھانا کھا کر کتابیں اٹھا کر اوپر چلی گئی تھی۔

اور جس وقت سمن اور سہیل گھر آئے تو وہ کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ اس لیے اسے اس نئی سچویشن کا کچھ علم ہی نہیں تھا۔ گزشتہ رات کی بدمزگی پر اس نے بس ایک دو جملے کہے تھے کہ شاداب کو بہر حال یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کون سا زر، زن، زمین کا مقدمہ چل رہا تھا۔

''اب کیوں اتنی ٹینس ہو رہی ہیں۔ ہم سے زیادہ فکر تو سہیل بھائی کو ہوگی جو ہمیں احتیاط کی ہدایت دے کر گئے ہیں۔ اور وہ پہلی فرصت میں کچھ نہ کچھ کریں گے''

نیا ماں کے پاؤں دباتے ہوئے بولی اگرچہ فکر مند وہ بھی تھی مگر ماں کی تسلی کی خاطر خود کو پرسکون ہی ظاہر کر رہی تھی۔

''اللہ جانے بیٹی! یہ شاداب کو اچانک کیا ہو گیا۔ اچھا بھلا چل رہا تھا اپنے راستے پر۔ جانے کس کی نظر لگ گئی۔''

''ہاں امی! اب تو ہمارا سب سے بڑا دکھ ہی یہی ہے۔ فرسٹریشن کے شکار نوجوان کو پھانسنے کے لیے ہر رنگ، ہر نسل کے گرگے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جوان کو سپر لگژری زندگی کا جھانسہ دے کر آسانی سے شکار کر لیتے ہیں۔ میرا تو دماغ جیسے ابھی تک سن ہے۔ یقین نہیں آ رہا کہ اس کے پاس وہ ریوالور واقعی اصلی ہے یا یونہی شو میں نقلی رکھا ہوا ہے''

نیا بہت گہرائی میں اتری ہوئی تھی۔

''بیٹی! اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ نامراد پستول نقلی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے کبھی کھیل کھلونے کے طور پر بھی ہتھیار نہیں خریدا۔ ہمیشہ نئے سے نئی بال اور نئے سے نئے بیٹ پسند کرتا تھا۔ اور جو خون رات اس کی آنکھوں میں اترا ہوا تھا۔ وہ اس ہتھیار کی قوت کا اعتماد تھا۔ میں رات بھر نہیں سوئی۔ یا اللہ یہ آگ کا کھیل کس نے اس کے ہاتھ

میں دے دیا؟ اس کو ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی کون سی زمینیں جائیدادیں ہیں جو دشمنیاں چل نکلی ہوں۔ گھر میں کون سے خزانے دفن ہیں جن کی حفاظت کی نیت سے ہتھیار پاس رکھے پھرتا ہے۔ وہ یہ ہتھیار کہاں استعمال کرتا ہے؟ کس کو ڈراتا ہے؟ اور کیوں؟ بیٹی کہاں بھول ہوئی مجھ سے۔ یہ کیسی سزا طلبے ہوئی میرے لیے''

بانو بیگم آنکھوں پر دوپٹہ رکھ کر رونے لگیں۔

''امی پلیز۔ حوصلہ رکھیں میں اپنے طور پر کھ کر تو رہی ہوں۔ ایک سے بات کی ہے، بہت اپروچ والے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے مجھے تسلی دی ہے کہ وہ جلد ہی شاداب کی ایکٹوٹیز کا پتا چلا لیں گے جیسے ہی پتا لگ جاتا ہے کہ وہ کن لوگوں میں اٹھ بیٹھ رہا ہے اور وہ اس سے کیا کام لے رہے ہیں بس میں پھر اس سے نمٹ لوں گی''

نیا نے ماں کو اچھی امید دلاتے ہوئے کہا۔

''منہ اندھیرے ہی نکل گیا۔ میں نماز کی تیاری کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ابھی نماز سے فارغ ہو کر اس سے بات کروں گی، پوچھوں گی کہاں سے لایا ہے۔ کس مقصد کے لیے لایا ہے۔ رات تو وہ کمرے میں بند ہو گیا تھا۔ میں نے مصلحتاً نہیں چھیڑا کہ کہیں غصے میں پھر اٹھ کر گھر سے باہر نہ چلا جائے۔ گھر میں موجود ہے۔ کم از کم دل کو سکون تو ہے۔ لو وہ صبح سویرے ہی نکل گیا۔ میں سمجھ رہی تھی۔ تم اٹھی ہوئی ہو۔ شاید تم اس سے کوئی بات کرو۔ نماز پڑھ کر تمہیں جھانکا تو سو رہی تھیں۔ جلدی سے پھر تمہیں اور عتیقہ کو اٹھایا کہ نماز قضا ہو جائے گی''

''صبح پانچ بجے تو آنکھ لگی ہو گی امی! پھر کہاں چھ بجے کھل جاتی۔ رات کو مجھے بھی نیند نہیں آئی۔ بس افسوس سا ہوتا رہا کہ جو کچھ ہوا اچھا نہیں ہوا''

''بس اب تو ہر نماز میں اور ہر وقت یہ دعا مانگتی ہوں کہ اللہ میرے بچے کو ہدایت دے کر ہدایت اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے''

ان کی آواز پھر آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''پونے بارہ ہو چکے ہیں۔ دیکھ لو، ابھی تک نہیں آیا۔ اللہ جانے کہاں پھر رہا ہوگا مارا مارا اس اندھیرے میں'' وہ سسکنے لگیں۔

اوپر سے زینہ اترتی عتیقہ ماں کی سسکیاں سن کر تقریباً دوڑتے ہوئے زینہ اتر کر نیچے صحن میں آئی اور حواس باختہ سی ہو کر پوچھنے لگی۔

''آپا! کیا ہوا؟ امی کیوں رو رہی ہیں؟''

''ایسے ہی بس شاداب کا خیال آ گیا تو رونے لگیں'' نیا نے نظریں چرا کر بات بنانے کی کوشش کی اور ماں کے لیے پانی لینے کچن کی طرف چلی گئی۔

''حد ہو گئی امی! وہ دودھ پیتا بچہ ہے۔ بہترین کھانا کھا کر کسی شاندار سی کار میں بیٹھا شہر میں گھوم رہا ہوگا۔ کون سا بھوکا پیاسا یا بے چھت ہوگا۔ برا کر رہا ہے تو برا ہی دیکھے گا۔ آپ کیوں رو رو کر اپنا حال برا کر رہی ہیں''

عتیقہ کے انداز میں دکھ بھی تھا اور غصہ بھی۔

''اللہ نہ کرے بیٹی! کہ وہ برا دیکھے۔ دعا کرو، اللہ اسے ہدایت دے۔ عمر بھر کی پونجی ہے وہ'' وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگیں۔

''آپا پروفیسر ذاکر کے ساتھ کوششیں تو کر رہی ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے پاس ریوالور ہے، اس کا مطلب ہے، وہ غلط ہاتھوں میں ہے۔ بس اس کو کسی دن رنگے ہاتھوں پکڑنا ہے۔ پھر نمٹیں گے اس سے۔ ابھی تو وہ یہ کہتا ہے کہ آپ لوگ مجھے غلط سمجھتے ہیں۔ میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔'' عتیقہ چارپائی کی پٹی پر بیٹھ کر ماں کو دلاسا دینے لگی ساتھ ہی بڑی محبت سے اپنی انگلیوں کی پوروں سے ماں کے آنسو پونچھنے لگی۔

نیا پانی لے کر آ گئی تھی۔

بانو بیگم اٹھ کر بیٹھ گئیں اور پانی کا گلاس تھام کر دو چار گھونٹ پانی پی کر گلاس واپس نیا کو تھما دیا۔

''رات تو اس نے حد ہی کر دی۔ بہت بدتمیزی کی۔ خواہ مخواہ تماشا بنایا۔ لڑ بھڑ کر اپنے گھر چلی ہی جاتیں۔ احمق کہیں کا۔ ہیرو بن رہا ہے آج کل......'' عتیقہ بڑبڑائی۔

''ہم دونوں ابھی یہی باتیں کر رہے تھے۔ شکر ہے مالک کا جس نے نیک فطرت بچیاں عطا کیں۔ لوگ بیٹوں کی تمنا میں پاگل ہوئے جاتے ہیں۔ خدانخواستہ بیٹا غلط راستے پر چل پڑے تو دنیا میں اس سے بڑا غم کوئی نہیں۔ اے اللہ مجھ پر میری طاقت سے زیادہ نہ ڈالنا'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگیں۔

نیا گلاس کچن میں رکھنے چلی گئی۔ عتیقہ نے مارے لاڈ کے ماں کو بازوؤں میں لے لیا۔ جیسے ان کو بہلا رہی ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''میں نے آپ سے صاف کہہ دیا تھا پھوپھو! کہ ان سے بات کرنا فضول ہے'' ماہ رخ نے مومنہ سے کہا جو خاصی دیر میں پہنچی تھی اور آتے ہی دن کی کارروائی کی رپورٹ لے رہی تھی۔

''کیوں فضول ہے؟ میں یہی چاہتی تھی کہ وہ کوئی فیصلہ کن بات کرے تاکہ ہمیں کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچاہٹ نہ ہو۔ گاڑی ایک واضح ٹریک پر چلے۔ بہت اچھا ہوا اس نے دوٹوک بات کر لی۔ اپنے گھر میں بیٹھا خود ہی فرض کیے جا رہا ہے۔ لیکن کورٹ میں مفروضے نہیں دلائل و ثبوت چلتے ہیں وہ جس بنیاد پر تمہارے ساتھ زیادتی کر چکا ہے اور مسلسل ہٹ دھرمی و حق تلفی کا مظاہرہ کر رہا ہے اس کا اسے واضح ثبوت پیش کرنا ہوگا

ورنہ جان نہیں چھوٹے گی۔"

مومنہ اپنے بالوں سے کلپ اتارتے ہوئے بہت سکون سے بات کر رہی تھی۔

"یہاں تو قانون بھی بکتا ہے پھوپھو! خدا معلوم کسی طرح سے ثبوت بھی تیار کرلیں۔ اس سے تو میری مزید رسوائی ہوگی۔ اس وقت کم سے کم عزت سے تو بیٹھی ہوں۔ دنیا میں چرچا تو نہیں ہے۔"

ماہ رخ نے مومنہ کی متوقع جھاڑ کے خوف سے ذرا دبے دبے انداز میں کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم نے مایوس نہیں کیا۔ اب ایسا بھی اندھیر نہیں۔ پاور والوں کے فیصلے بھی اسی ملک میں ہوئے ہیں۔ جو واقعی اپنی پاور کے زعم میں مارے گئے۔ ایک بے قصور لڑکی پندرہ پندرہ گھنٹے اپنی ہڈیاں گھس رہی ہے۔ حقیقی رشتوں کو ایک طرح سے کھو چکی ہے، اسے ہی پھانسی بھی لگے گی۔ چکی بھی وہی پیسے گی۔ مجھے ذرا دیکھنے تو دو کہ کیا کرتا ہے۔ اپنا رشتے دار تمہارے سر پر بٹھاتے ہوئے اس نے کچھ آگے پیچھے نہیں دیکھا تھا وہ اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہوگا یا تمہیں پتا ہونا چاہیے تھا؟ تم ذرا کورٹ کی کارروائی میں وکیل استغاثہ کے دلائل تو سننا پھر تمہیں پتا چلے گا صحیح معنوں میں کہ بال کی کھال کیسے نکالتے ہیں۔"

مومنہ اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی جو لاؤنج کی آرائش کا ایک حصہ تھا۔ خوبصورت گولڈن فریم میں بیضوی وضع کا آئینہ جو کھڑے ہونے والے کے آدھے سراپے کا احاطہ کرتا تھا۔ مومنہ کی پشت پر ماہ رخ بھی صوفے پر بیٹھی آئینے میں نظر آ رہی تھی...... جس کا مومنہ بغور جائزہ لے رہی تھی۔

"چلیں ٹھیک ہے پھوپھو...... جو آپ چاہتی ہیں کرلیں۔ مجھے جو کرنے کے لیے کہیں گی میں آپ کی بات مانوں گی۔ مجھے آپ اپنے ساتھ سمجھیں۔ بلکہ میں تو آپ کی

شکر گزار ہوں کہ آپ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں میرے دکھ کو اپنے دکھ کی طرح محسوس کرتی ہیں، اپنے بہت سے کام چھوڑ کر اپنا قیمتی وقت میرے لیے استعمال کر رہی ہیں۔"

ماہ رخ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"بے وقوف! اللہ نے یہ خون کے رشتے بنائے ہی اسی لیے ہیں کہ ایک دوسرے کا خیال کریں۔ ایک کو دوسرے سے مورل سپورٹ ملے اور انسان تنہائی کی وحشت سے گھبرا کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھا بیٹھے جس سے اس کی دنیا و آخرت ہی برباد ہو کر رہ جائے۔ تم سے خون کا رشتہ ہے۔ قبیلے خاندان کا رشتہ ہے۔ تم اکیلی نہیں ہو تمہارا ایک پورا خاندان ہے۔ اس وقت جو بھی تم سے تعلق و رشتہ رکھتا ہے اس پر اخلاقی فرض ہے کہ تمہیں بھی ایک انسان کی طرح جینے کا حق دلائے۔ میں کوئی تم پر احسان کر رہی ہوں......؟ یہ میرا فرض ہے۔"

مومنہ نے آگے بڑھ کر ماہ رخ کا سر سینے سے لگا لیا۔

سچائی پر مبنی اپنائیت کے رویے سے ماہ رخ کو یوں محسوس ہوا جیسے چاروں اور نور ہی نور پھیلتا جا رہا ہے...... جیسے پیاسے کو تپتی دھوپ میں ٹھنڈا پانی پینے کو ملا ہو۔ جیسے لو کی فضا میں اچانک سرمئی بادل چھا گئے ہوں۔

☆☆☆☆☆

"بی بی آپ کا فون ہے۔"

ملازمہ نے سلائی مشین پر کچھ سیتی ہوئی نمو کو بتایا جو ٹیرس پر ٹھنڈی ہوا میں بہت دل لگا کر سلائی کر رہی تھی۔

"کس کا فون ہے؟ نام نہیں پوچھا؟"

نمو نے دھڑکتے دل کو قابو میں کرتے ہوئے پوچھا۔ کیونکہ "آپ کا" فون ہے کہا

گیا تھا صرف ''فون ہے'' نہیں کہا گیا تھا۔

''جی انہوں نے نام تو نہیں بتایا۔ بس بولے اپنی نمو بی بی سے بات کرا دیں''

ملازمہ نے سادگی سے جواب دیا۔

لفظ ''بولے'' ہی سے اس کے اعصاب سنسنانے لگے اسے تو جیسے اسی جواب کی توقع تھی۔ وہ بکھرے ہوئے کپڑے ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مغرب کی اذان میں ابھی چند منٹ باقی تھے مگر سارے گھر کی لائٹیں روشن ہو چکی تھیں۔ اس نے یوں دوپٹہ درست کیا جیسے کسی سے ملنے جا رہی ہو۔

تیزی سے زینہ اتر کر لاؤنج میں آئی اور دھک دھک کرتے دل کو سنبھال کر بہت آہستہ سے بولی۔ ''ہیلو......!'' دوسری جانب سے ولید کمال کی آواز ابھری۔

''السلام علیکم......کیسی ہیں......؟''

''جی......و......وعلیکم السلام............اچھی ہوں''

وہ یوں بولی جیسے حلق میں گٹھلی پھنسی ہو۔ ساتھ ہی آس پاس بھی دیکھتی جاتی تھی کہ کہیں سے رمیض آتا تو دکھائی نہیں دے رہا۔

''اس میں کیا شک ہے کہ آپ اچھی ہیں۔ اچھی ہیں تو ملنے آئے تھے۔ اچھی ہیں تو بات کر رہے ہیں''

اس دن کے مقابلے میں آج ولید کمال کے لہجے میں تازگی تھی۔

اس لہجے پر نمو کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ بات کرنا دوبھر ہو گئی۔

''ہیلو......میری آواز آ رہی ہے؟'' خاموشی کا وقفہ بڑھا تو ولید کمال نے ذرا تفکرانہ پوچھا۔

''جی......جی......آ رہی ہے'' وہ جلدی سے گھبرا کر بولی۔

''فی الحال یہ کوئی رومانٹک کال تو نہیں کہی جا سکتی، اس لیے کہ آپ کی طرف سے

کسی قسم کا جواب موصول نہیں ہوا، اس لیے وقت ضائع کیے بغیر صرف یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ آپ کا ذہن آخر کار کس پوائنٹ پر ٹھہرا......؟''

ولید کمال کی آواز سے اب بھرپور سنجیدگی چھلک رہی تھی۔

نمو جواب میں خاموش رہی۔ اصل میں وہ خود کو سنبھال رہی تھی۔

''پلیز نعمت......! آپ جواب دیں، مکمل کونفیڈنس سے...... یہ نہ سوچیں کہ میں ڈس ہارٹ ہو جاؤں گا یا مجھے شاک پہنچے گا............ دیکھیئے اگر آپ اسی طرح خاموش رہیں تو میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ آپ کی خاموشی کا مطلب O.K ہو گا۔ یعنی آپ کی طرف سے اجازت ہے جب مرضی بارات لے کر آ جاؤں۔ مجھے تو آپ کو اپناتے ہوئے بے پناہ مسرت ہو گی کہ میری لائف پارٹنر کو ساری حقیقت معلوم ہے۔ میرے گھر آ کر اسے انکشافات کے شاک نہیں لگیں گے۔ خدا کے لیے نعمت! کچھ بولیے''

ولید کمال زچ ہو کر اصرار کرنے لگا۔ اس کے قطعی انداز پر نمو ایک دم گڑبڑا سی گئی۔ بے ساختہ منہ سے نکلا۔

''وہ......اس سارے قصے میں آپ کا کیا قصور ہے......؟''

''تھینکس نعمت ابرار علی! اصل میں آپ بہت انوسنٹ ہیں، ناتجربہ کار ہیں۔ ماں باپ کی فطری محبت کے احساس سے محروم ہیں۔ اس لیے آپ ایسا سوچ رہی ہیں۔ وگرنہ ہر کوئی اس طرح نہیں سوچتا۔ لوگ ہمدردی کرتے ہیں۔ انسانیت پر لیکچر دیتے ہیں لیکن جب عملی طور پر ایسے بندے کو اپنانے کا وقت آتا ہے تو وہ جواز در جواز کے دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اچھا ایک بات بتائیں''

ولید کمال بات کرتے کرتے ایک دم سوالیہ انداز پر آ گیا۔

نمو نے آہستگی سے کہا......''جی......؟''

''فرض کریں۔ شادی کے بعد آپ کے ماموں اور ممانی پر یہ ہولناک انکشاف ہوتا ہے کہ میں خاندانی نہیں ہوں تو آپ اس سچویشن کو کس طرح فیس کریں گی......؟''

ولید کمال پوچھ رہا تھا۔

''پھر کیا ہو سکے گا......شادی تو ہو چکی ہوگی'' نمو نے بڑے بدحواسی میں برجستہ کہہ دیا۔

دوسری طرف ولید کمال کا بڑا ابھرپور اور بے ساختہ قہقہہ ابھرا نمو نے گھبرا کر ریسور رکھ دیا اور آنکھیں بند کر کے سانس درست کرنے لگی۔

''کس کا فون تھا نمو؟'' مسز علوی کی آواز بہت قریب سے ابھری نمو نے ایک دم آنکھیں کھول کر آواز کی سمت دیکھا۔ مسز علوی گھریلو حلیے میں بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ننھا منا سا موبائل ان کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

''وہ......کسی کا بھی نہیں......'' وہ بے حد محجوب سی ہو کر نظریں چرانے لگی۔ چوروں کا سا انداز تھا۔

مسز علوی نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔

''رمیض کی کسی دوست کا فون تھا؟''

''نن......نہیں تو ممانی جان......! دوست دوست کا فون تو نہیں تھا......'' اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

مسز علوی کے چہرے پر الجھن کے آثار ظاہر ہوئے۔

''رمیض کا تھا......خیریت......ہے نا......؟''

''نہیں......رمیض بھائی کا فون نہیں تھا......شکیل انکل کے ہاں سے تھا'' اب اسے بتانا ہی پڑا۔

''ولید کا فون تھا۔ تمہاری ساس کا تو ہو نہیں سکتا۔ اس لیے کہ ابھی دو منٹ پہلے''

مجھ سے بات کر رہی تھیں''

''جی......ممانی جان انہی کا تھا'' وہ یوں بولی جیسے کسی بہت بڑے جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔

''بے وقوف؟'' مسز علوی نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ انگیجمنٹ کے بعد عموماً لڑکے اپنی منگیتر کو فون وون کر ہی لیتے ہیں بلکہ ساتھ آؤٹنگ وغیرہ پر بھی چلے جاتے ہیں......ویسے فون خیریت ہی کا تھا نا......؟''

معاً مسز علوی کو بولتے بولتے کچھ خیال آیا۔ اس کو تولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''جی......جی......سب خیریت ہے''

وہ جلدی سے اتنا کہہ کر وہاں سے گویا بھاگ کھڑی ہوئی۔

رمیض اپنی شام کی تیاری کر کے نیچے اتر رہا تھا کہ ماں پر نظر پڑی جو اکیلی کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''خیریت ممی......آج کون سا لطیفہ سن لیا ہے کہ اکیلے میں بھی مسکرا رہی ہیں......؟''

اس نے ذرا تعجب سا پوچھا۔

''ارے لطیفہ وطیفہ نہیں نمو پر ہنسی آ رہی ہے......پتہ نہیں کس کی روح اس میں سمائی ہے آج کل کی لڑکیوں والی تو اس میں کوئی بات ہی نہیں......وہ ولید کا فون آ گیا تو پریشان ہو گئی''

''اوہ......!'' رمیض نے شرارت بھرے انداز میں ہونٹ سکیڑے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"چھوڑیں ممی...... آپ کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ فون پر کیوں گھبرا رہی ہے؟
سامنے بیٹھ کر باتیں کرتی ہے تب کیوں نہیں گھبراتی؟"

"اچھا......!! ولید آیا تھا کب......؟ تم سے ملا تھا......؟" مسز علوی کے لیے یہ بڑا
حیران کن قسم کا انکشاف تھا۔

"مجھ سے تو خیر ایک منٹ کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ میں اندر آ رہا تھا اور وہ موصوف
اندر سے باہر تشریف لا رہے تھے۔"

رمیض نے اپنی دانست میں کوئی دھماکہ کیا۔

"اوہ......تو......" مسز علوی کے منہ سے بے یقینی کے انداز میں بے ساختہ نکلا۔
پھر رمیض کی طرف دیکھ کر بہت سنجیدگی سے بولیں۔

"نمو تو مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتی۔ اتنا اہم مہمان گھر آیا اور اس نے مجھے
بتایا نہیں کمال ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"ولید کہیے، ممی......کمال تو شاید اس کے فادر کا نام ہوگا...... میں تو سمجھا کہ اس نے
آپ کو لازمی بتایا ہوگا۔ اسی لیے آپ سے ذکر بھی نہیں کیا...... ذرا پوچھیے تو اس نے آپ
کو بتایا کیوں نہیں"

رمیض کو اس سے بدلہ لینے کے خیال ہی سے گدگدی ہو رہی تھی۔

"ہاں خیر پوچھوں گی تو سہی۔ لیکن میرا خیال ہے وہ شاید شرم محسوس کر رہی ہوگی۔
زمانے بھر کی بیک ورڈ ہے۔ ابھی تم اس کی حالت دیکھتے......کونفیڈنس تو جیسے اس میں نام
کو بھی نہیں۔ آج کل کی لڑکیاں تو خود فون کرتی ہیں...... تم کہاں جا رہے ہو......؟"

معاً مسز علوی نے کہا۔

"جم خانہ جا رہا ہوں...... روز جاتا ہوں"

رمیض نے بے نیازی سے کہا۔

"ضرور جاؤ مگر اپنے اندر ذرا ذمہ داری کا احساس پیدا کرو۔ اب میں تمہاری
طرف سے مزید کوئی ٹینشن افورڈ نہیں کر سکتی"

مسز علوی نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ آج یوں بھی وہ غضب ڈھا رہا تھا۔ ڈریسنگ
بھی غضب کی تھی اور خوشبوئیں بھی قیامت۔ بجائے اس کے کہ وہ اس کے حسن و جمال کو
دیکھ کر فخریا خوشی محسوس کرتیں انہیں خوف سا آیا۔

"بس ممی......نو لیکچر۔ نو ایڈوائس"

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا......اور جیسے جان بچا کر وہاں سے بھاگا۔ مسز علوی اس کو جاتا
ہوا دیکھ رہی تھیں اور بہت گہری سوچ میں تھیں۔ پھر ایک دم انہوں نے نمو کو آواز دینا شروع
کی اور تھکے تھکے انداز میں ایک صوفے پر بیٹھ گئیں اور پشت سے کمر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"جی......ممانی جان......!" نمو فوراً ہی چلی آئی۔ اندر بہت محتاط سا تھا۔

"ایک گلاس بہت ٹھنڈا پانی پلاؤ جان......!" انہوں نے لمحے کے لیے آنکھیں کھولیں۔

نمو فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔ مسز علوی اپنے نئے ماڈل کے موبائل سے کھیلنے
لگیں۔ مدھری دھنیں لاؤنج میں ابھرنے لگیں۔

نمو فٹافٹ پانی کے گلاس کے ساتھ دوبارہ حاضر ہو چکی تھی۔ مسز علوی نے سیدھے
ہاتھ سے گلاس تھاما اور مسکرا کر نمو کی طرف دیکھا۔

"جن کے بچے بڑے ہو چکے ہوں، ان کے لیے اچھا کھلونا ہے"

انہوں نے موبائل سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

نمو جواب میں مسکرا دی......اور بولی۔

"اس میں تو شاید کیمرہ بھی ہے ممانی جان......" اس نے موبائل کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے پوچھا۔

’’بہت کچھ ہے اس میں گانے سنو...... فلم دیکھو۔ بیٹھو ذرا۔ کھڑی کیوں ہو؟ اور مجھے ایک بات سچی سچی بتاؤ‘‘

مسز علوی نے آناً فاناً ٹریک چینج کر دیا۔

نمو...... الجھن بھرے انداز میں ان کے مقابل بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

’’ولید آیا تھا یہاں؟‘‘

انہوں نے نمو کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے نارمل انداز میں پوچھا۔

’’جی......!‘‘ نمو نے سر جھکا کر مختصر جواب دیا۔

’’تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں...... اس کی آمد چھپانے کا مقصد‘‘ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں اور ان کی سنجیدگی سے نمو گھبرا گئی۔

’’وہ...... میں سمجھی رمیض بھائی نے آپ کو بتا دیا ہوگا‘‘ اسے ایمرجنسی سچویشن میں بروقت جواب سوجھ گیا۔

’’مائی گاڈ...... وہ گھر میں ٹکتا ہی کب ہے جو مجھے کچھ بتائے۔ ویسے ہی ملنے آ گیا تھا یا کوئی خاص بات؟‘‘

مسز علوی کو اچھی خاصی فکر لاحق ہو چکی تھی...... ان کی نظر میں ٹھیک ٹھاک قدامت پرست تھے نمو کے سسرال والے...... انہوں نے یہ سوچ کر رشتہ منظور کر لیا تھا کہ نمو کی کوئی الٹرا ماڈ قسم کی لڑکی نہیں ہے۔ بخیر و خوبی ان میں ایڈجسٹ ہو جائے گی۔ اس لیے انہیں تجسس تھا کہ ’’لڑکے‘‘ کی آمد کا بنیادی مقصد کیا تھا۔ نمو پر تو وہ اتنا اعتماد کرتی تھیں کہ اس کے متعلق کوئی غلط سوچ ان کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔

نمو اندر ہی اندر تو بہت سٹپٹا رہی تھی مگر بہرحال اس نے بہت اعتماد سے جواب دیا۔

’’ویسے ہی آ گئے تھے‘‘...... اس وقت گھر میں کوئی تھا بھی نہیں...... وہ زیادہ دیر بیٹھے بھی نہیں۔ ایک کپ چائے تک نہیں پی‘‘

’’بالکل ہی ڈل ہو...... کیسی لڑکی ہو، اپنے منگیتر کو ایک کپ چائے پینے پر مجبور نہیں کر سکیں‘‘

مسز علوی نے خوشگوار موڈ میں گویا یہ ٹاپک ختم کیا اور اس کی بات پر یقین کر لیا۔ نمو نے سکون کا سانس لیا کہ آسانی سے خلاصی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

’’سہیل کا فون ہے‘‘ مخدوم صاحب نے خفا خفا انداز میں موبائل مہر النساء کی طرف بڑھایا۔

مہر النساء پر تو شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جلدی سے موبائل تھام کر کان سے لگا لیا۔

’’میرا لال...... سہیل...... بیٹا...... بی بی جان بات کر رہی ہوں...... خیریت سے ہے میرا بچہ؟ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھیں۔

دوسری جانب سہیل کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا...... پہلے انہوں نے سلام کیا پھر بولے۔

’’آپ خیریت سے ہیں بی بی جان...... طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟‘‘

’’ارے میرا چاند! میری آنکھوں سے دور ہو گیا ہے۔ خیریت کیسے ہو گی...... سہیل! تیری ماں مر جائے گی...... بیٹے ماں سے خفا نہیں ہوتے‘‘

وہ بھرائی آواز میں بولیں۔

’’بی بی جان......! یہ کیسے محبت کرنے والے رشتے ہوئے ہیں جو زندگی بھر کا سکون چھین لیتے ہیں اگر یہ محبت ہے تو دشمنی کسے کہتے ہیں۔ مجھے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ میں نے خوشی اور شوق میں تو حویلی نہیں چھوڑی‘‘

’’بیٹے......! ابھی ہماری محبت کی سمجھ تجھے نہیں آئے گی...... اللہ بے اولاد کی خوشی

دکھائے۔ جب خود باپ بنے گا تو سمجھ آئے گی ماں باپ کی محبت ...... بیٹے! ہم تو تیرا ہی بھلا چاہ رہے تھے کہ تیرا نام آگے چلے۔ تیری بھی کوئی نشانی دنیا میں ہو......"

"چھوڑیں بی بی جان......!" سہیل نے ماں کی بات کاٹ دی اور بولے۔

"بی بی جان! اس وقت میں نے گلے شکوے کرنے اور سننے کے لیے فون نہیں کیا۔ بہت ضروری بات کرنا ہے آپ سے"

"ہاں...... ہاں...... بول تو سہی۔ میرے کان ترس گئے تیری آواز کو"

مہرالنساء مخدوم صاحب کی طرف دیکھ کر بہت جذباتی انداز میں بولیں۔

"آپ میری تلاش میں نیا کے گھر گئی تھیں؟" سہیل پوچھ رہے تھے اصل مقصد کی طرف پیش قدمی تھی۔

"ہاں...... گئی تھی مگر بیٹے! ان لوگوں نے تیری ماں کی بہت بے عزتی کی۔ اتنی بے عزتی تو ہم نے کسی ہاری (کاشتکار) کی نہیں کی ہوگی...... بیٹے! میں تمہیں کیا بتاؤں...... نیا کا بھائی تو غنڈہ ہے۔ ارے اس نے مجھ پر پستول تان لیا...... ارے تیرا ہی لحاظ کرلیا ہوتا"

مہرالنساء نے سہیل کو جذباتی کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا.......... باقاعدہ رونے لگیں۔

مخدوم صاحب پشت پر ہاتھ باندھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"بی بی جان! وہ کم عمر جذباتی سا لڑکا ہے۔ آپ اس کی بات کو سیریس نہ لیں۔ ان کے گھر والوں کو بھی اس بات پر دکھ ہے اور وہ بہت شرمندہ ہیں۔ آپ بھول جائیں اس بات کو......"

"ارے...... کیسے بھول جاؤں......؟" مہرالنساء نے تڑپ کر سہیل کی بات کاٹ دی۔ اور بولیں "اتنی بے عزتی کہ دکھ و غم لگ گیا میری جان کو۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ بلڈ پریشر کی گولیاں کھا کر سو رہی ہوں...... میں گولی کھا کر نہ سوؤں تو سوچ سوچ کر میرے دماغ کی نس پھٹ جائے اور تو کہہ رہا ہے بھول جاؤں...... کیسے نیچ لوگوں سے سمن نے دوستی لگائی ہے تو نے غیر برادری کی لڑکی سے شادی کر کے ہمیں تو مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ سمن کو دوستی کرنے کے لیے سارے شہر میں یہی گھر ملا تھا۔"

"بی بی جان......! پلیز آپ میری بات سنیں......" مہرالنساء نان اسٹاپ شروع ہوئیں تو سہیل کو مجبوراً ٹوکنا پڑا۔

"بی بی جان! وہ بچہ ہے...... بچے ہی ایسی حماقتیں کر جاتے ہیں...... اس کی ماں نے آپ کو اپنے گھر سے جانے کے لیے تو نہیں کہا...... آپ کی عزت ہی کی ہوگی۔ میں انہیں جانتا ہوں۔ وہ بہت صبر والی ہیں...... دکھی عورت ہیں۔ بیوہ ہیں۔ ایسا احمق بیٹا تو ان کے لیے دکھ پریشانی اور بے عزتی ہی کا باعث ہے۔ آپ اس واقعے کو جانے دیجیے"

"سن رہے ہیں مخدوم صاحب...... سہیل کہہ رہا ہے، اس لڑکے کی بدتمیزی کو بھول جاؤں"

مہرالنساء نے گویا شوہر سے فریاد کی۔

"زن مرید ہے تیرا بیٹا...... مہرو...... جو اس کی ذال (بیوی) کہے گی وہ ہی بولے گا۔ اسی لیے ماں کو بھی چھوڑ دیا۔ اسے ہماری عزت کی پرواہ کب ہے۔ اگر اسے پروا ہوتی تو برادری میں ہماری ناک نیچی نہ کرتا۔ ہماری بات رکھتا...... ہمارا کہا مانتا...... ذاکر کی بیٹی کم عمر ہے جوان ہے۔ ساری برادری میں اس کے برابر خوبصورت چھوکری نہیں...... سمن تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں...... ہم اس کا برا کر رہے تھے......؟ اتنی خوبصورت لڑکی ٹھکرا کر ماں باپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اور تو مری جاتی ہے اس اولاد کے

لئے مخدوم صاحب انگارے چباتے ہوئے لاؤنج سے باہر چلے گئے۔

سہیل دوسری طرف مخدوم صاحب کی لعن طعن سن رہے تھے۔ مکمل جملے تو سمجھ میں نہیں آئے بس اڑتی پڑتی سماعت سے ٹکرائی تو اندازہ ہو رہا تھا کہ مزاج برہم ہے۔

”بی بی جان! میں آپ کا بیٹا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ دشمنی بڑھانے سے فائدہ کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ اس میں صرف نقصان اور ہر وقت کی پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ آپ اس کو بچہ سمجھ کر معاف کر دیں۔ میں آپ کو بعد میں فون کروں گا۔ بابا سائیں کو میرا اسلام بولیں“

یہ کہہ کر سہیل نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بی بی جان کو ایک دم سلسلہ منقطع ہونے کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے موبائل کو گھورتی رہ گئیں۔

”کیا فرما رہا تھا ہمارا ہونہار سپوت؟“

مخدوم صاحب اندر آ کر مہرالنساء سے مخاطب ہوئے اور موبائل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

”میں تو سمجھی تھی کہ ماں کی محبت میں ٹیلی فون کیا ہے۔ اس نے نیا کے خاندان کی سفارش کے واسطے فون کیا تھا اپنی ماں کی بے عزتی کا ذرا احساس نہیں“

مہرالنساء نے مخدوم صاحب کے ہاتھ میں موبائل رکھتے ہوئے کہا۔

”تجھے سمجھا رہا ہوں اتنے دن سے۔ اسے ماں سے محبت ہوتی تو ماں کو چھوڑ کر کیوں جاتا پر تجھے یقین نہیں آتا کیا سفارش کر رہا تھا“

مخدوم صاحب نے کرتے کی جیب میں موبائل ڈالا اور صوفے پر بیٹھ کر سوال کیا۔

”بولتا ہے نیا کا بھائی بچہ ہے...... ابھی بچہ ہے وہ ہتھیار اٹھائے پھر رہا ہے۔ اسے مخدوموں کے مقام کا نہیں پتہ۔ ہم سے زیادہ حق جتا رہے تھے سمن پر اگر مجھے غصہ آ گیا تھا تو ٹھیک ہی آیا تھا۔ ایک دن روٹی کھلا کر اتنا حق بن گیا ان کا پچاس تولے سونا، سو جوڑے کپڑا برّی میں چڑھا کر اپنی بہو بنایا تھا۔ سات گوٹھ کو ولیمے کی روٹی کھلائی تھی۔ بہو بن کر ہماری زمینوں میں حصے دار بن گئی۔ ہمارا اس پر کوئی حق نہیں“

”تجھے پتہ نہیں مہرو! اس میں بھی ان لوگوں کی سازش ہے۔ تیرے بہو بیٹے کو اس واسطے اپنا رہے ہیں کہ سہیل زمینوں کا مالک ہے۔ ان کو بہت کچھ دے سکتا ہے۔ اس لڑکے کو کوئی کاروبار کرا سکتا ہے۔ لڑکیوں کی شادیوں پر سرمایہ دے سکتا ہے۔ آج کل کوئی فالتو میں اتنے لاڈ پیار نہیں کرتا۔ کر رہا ہے ناں تجھ سے سفارش کتنی فکر ہے ان لوگوں کی۔ باہر کی پڑھائی کر کے اس کا خون سفید ہو گیا ہے۔ نمک حرامی کے سوا اس نے کچھ نہیں سیکھا گوروں سے خطا کھائے گا۔ سکھاتے ہیں اس کو بھی سبق“

مہرالنساء نو بیاہتا کے سے ناز و انداز کے ساتھ اپنا دوپٹہ درست کرنے لگیں۔ چہرے پر بہت سکون تھا۔

میں بوڑھی جان، دم کا بھروسا نہیں کہ دن کا میرا تمہارا ساتھ۔ قدرت کی طرف سے کوئی روک رکاوٹ ہو تو الگ بات۔ جان بوجھ کر کسی کو ماں بننے کے حق سے محروم رکھنا یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے تمہیں خم ٹھونک کر اپنے مرد سے بات کرنا چاہیے''

نتا نے روبی کی توجیہہ پر بہت ''مائنڈ'' کیا تھا۔

''خیر۔ یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں نا...... وقار تو دو چار دن یہاں ہوتے ہیں...... میں مصروفیت ڈھونڈتی پھرتی ہوں''

روبی نے سچائی سے نتا سے اتفاق کیا۔

''اور نہیں تو کیا'' اتفاق کرنے پر نتا کی طرف سے بے ساختہ جملہ آیا۔

اسی لمحے کال بیل بجی تھی۔ نتا نے سامنے پھیلی ہوئی سبزی پر نظر ڈال کر روبی کی طرف دیکھا۔ کال بیل بجے یا فون کی گھنٹی نتا بڑی ایکسائیٹڈ ہو جاتی تھیں۔ بڑے شوق سے دروازہ کھولتی تھیں بہت تجسس سے ریسور اٹھاتی تھیں ہر آن ہر لمحہ ''ویلکم'' کی حالت میں ہوتی تھیں۔

روبی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے یونیفارم میں کوریئر کمپنی کا نمائندہ تھا۔ ہاتھ میں ایک لفافہ اور فارم اور بال پوائنٹ تھا۔

''وقار محمد شیخ صاحب ہوتے ہیں یہاں؟'' وہ روبی سے پوچھنے لگا۔

''جی، جی میرے ہزبینڈ ہیں یہیں ہوتے ہیں''

روبی نے اشتیاق سے لفافہ تھام کر الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ ادھر سائن کر دیجیے''

پوسٹ مین نے فارم اسے تھما کر نشان دہی کی اور پین روبی کو تھما دیا۔ روبی نے وقار کے نام کے سامنے سائن کر دیے اور پین واپس کر دیا۔ لفافہ پر Sender کی جگہ لکھے ہوئے مندرجات اسے چونکا گئے۔ کوئی لیگل نوٹس تھا۔ روبی الجھن بھرے انداز

میں دروازہ بند کر کے نتا کے قریب چلی آئی۔

''چٹھی ہے؟ کس کی ہے؟''

نتا نے اپنی مصروفیت میں سے مہلت نکال کر روبی کے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''چٹھی تو نہیں کہہ سکتے۔ لیگل نوٹس ہے بیرسٹر معظم پراچہ کی طرف سے'' روبی نے فکر مندی سے لفافے کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

''یہ کیا ہوتا ہے بیٹی؟'' نتا سمجھیں نہیں۔

''کورٹ کی طرف سے دعوت نامہ ہوتا ہے نتا'' روبی نے وضاحت کی۔

''اے ہے اللہ رحم کرے کسی اسمگلنگ کے چکر میں تو نہیں پھنس گیا وقار۔ پیسے والے کے تو دشمن بھی بہت ہوتے ہیں''

نتا تو بری طرح خوف زدہ ہو گئیں۔

''پتا نہیں اب وقار آئیں گے تو پتا چلے گا کہ کیا مسئلہ ہے''

روبی نے لفافہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے متفکر انداز میں جواب دیا۔

''اے تو تم پڑھی لکھی ہو۔ کھول کر پڑھ لو'' نتا نے تعجب سے روبی کی شکل دیکھی۔

''ایٹی کیٹس کے خلاف ہے نتا اور وقار تو بہت مائنڈ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں خط جس کے نام ہو اسے ہی کھولنا چاہئے۔ پاپا بھی کسی کے نام آیا لفافہ کھولنے پر بہت ناراض ہوتے تھے''

روبی نے جواب دیا۔ پانچ چھ بجے تک وقار آ ہی جائیں گے۔ پتا چل جائے گا ہو گا کوئی آفیشل مسئلہ ان کی کون سا زمینیں جائدادیں ہیں۔ جن کا تنازعہ چل پڑا ہو'' اب روبی نے ذرا مطمئن انداز میں بات کی۔

''توبہ بھئی۔ کورٹ کچہری کا تو نام ہی ڈرانے کو کافی ہے۔ پہلے قرآن پر ہاتھ رکھو پھر جج کے سامنے بیان دو۔ کتنا نازک کام ہے حلف اٹھا کر بولنا بڑی آزمائش کی بات

ہے۔ زیر زبر بھی جھوٹ بول دیا تو مانو حلف ہی جھوٹا ہو گیا۔ ذرا دیر میں ایمان برباد۔ اللہ دشمن کو بھی بچائے ان چکروں سے“

ننا نے نہایت نفاست سے پالک کے پتے اکٹھے کرتے ہوئے اللہ سے پناہ مانگی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ واقعی کورٹ کچہری بھی اللہ کا عذاب ہی ہے۔ بندہ پھنس جائے تو کوئی دوسرا کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتا لیکن وقار کی طرف سے مجھے اطمینان ہے۔ وہ بہت محتاط اور فیئر ہیں۔ اس قسم کے چکروں میں پڑنے کے بجائے وہ کوئی دوسرا حل ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے ویسے بھی وہ امن و سکون کو بہت اہمیت دیتے ہیں آفیشل پرابلمز میں تو اس طرح کے نوٹس ان کے کام کا حصہ ہی سمجھیں۔ خیر چھوڑیں اس قصے کو دو کپ چاول بھگو دوں ننا؟ بگھارے بینگن ابلے ہوئے چاول کے ساتھ زیادہ مزے کے لگتے ہیں“

روبی نے فوراً ہی دوسرا موضوع شروع کر دیا۔

”ہاں دو کپ بہت ہیں۔ اصلی باسمتی ہیں۔ خوب پھولتے ہیں“ ننا نے جواب دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نمو تو واقعی مبہوت سی رہ گئی۔ واقعی کیا غضب کی تھی بقول رمیض ”پنجابی مٹیار“ دھانی کلر کا کرتا اورنج تنگ پائجامہ اورنج چنا ہوا دوپٹہ لمبے سیاہ دراز بالوں کی ٹائٹ سی چوٹی بڑے بڑے سادہ سے رنگ کانوں میں جھول رہے تھے موٹی سی بل دار ڈیزائن کی چھوٹے سائز کی چین گلے میں۔ بائیں کلائی میں میچنگ ڈائل کی رسٹ واچ۔ میک اپ کے نام پر صرف اورنج شیڈ کی لپ اسٹک۔ بے داغ صاف شفاف صحت مند جلد اس کی شخصیت کی سب سے خاص بات تھی۔ قد تقریباً پانچ فٹ سات انچ تو ہو گا۔

”رمیض ابھی تک تیار نہیں ہوا کمال ہے۔“ آنے والی لڑکی کو انتظار کے خیال ہی

سے بہت کوفت ہوئی۔

”اوفوہ! رمیض بھائی کی تیاری جیسے پارلر میں دلہن تیار ہو رہی ہو۔ توبہ“ نمو نے کان کی لوئیں چھو کر کہا۔

”بہن ہو رمیض کی؟“ نو وارد لڑکی نے ناقدانہ نظروں سے نمو کا جائزہ لیا۔

”ان ڈائرکٹ بہن سمجھ لیں۔ کزن ہوں۔ تشریف رکھیے“ نمو نے اپنی ناگواری چھپاتے ہوئے اخلاق برتا۔

”اوہ! بہت دیر کر دی ہے رمیض نے۔ اس نے تو لڑکیوں کو بھی مات کر دیا۔ اتنی دیر تو لڑکیاں بھی نہیں لگاتیں“

لڑکی نے رسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے بے قراری سے کہا اور بیٹھ گئی۔

”آپ کا کوئی اچھا سا نام بھی ہو گا؟“ نمو نے ایک مرتبہ پھر لڑکی کے سراپے کا جائزہ لیا۔

”اوہ یس۔ شامہ نام ہے میرا۔ شامہ فیروز ملک اور آپ کا نام؟“ لڑکی نے یونہی سرسری سے انداز میں پوچھ لیا۔

”نعمت“ نمو نے مختصراً کہا۔

”اوہ خیر کسی کے لیے تو نعمت ہوں گی“

شامہ نے اس کا یوں جائزہ لیا جیسے وہ کوئی حقیر سی شے ہو۔ اس وقت واقعی اس کا حلیہ بھی بہت خراب ہو رہا تھا ملگجے سے کپڑے، صبح کا منہ دھلا ہوا تھا۔ بال گھر کے کاموں کی بھاگ دوڑ کے دوران پریشان ہو چکے تھے۔

اسی آن گیٹ پر ہارن سنائی دیا۔ نمو عادتاً متوجہ ہو گئی۔ گیٹ پر چوکیدار رہتا ہی تھا۔ ذرا دیر بعد پورچ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے روشن ہوا پھر لائٹس آف ہو گئیں۔ نمو کو یکا گمان ہوا کہ مسز علوی آئی ہوں گی...... وہ دوبارہ شامہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی کہ

ارواح خوشبوؤں کا طوفان بنی اندر داخل ہوئی۔

نمو اور شامہ پر نظر ڈال کر بڑے اسٹائل سے ہاتھ ہلا کر ''ہائے'' کہا اور دھپ سے شامہ کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''گھر پر ہے یا آج بھی اڑا ہوا ہے؟'' ارواح نے مسکرا کر بڑی لاپروائی سے پوچھا۔

''گھر پر ہیں۔ تیار ہو رہے ہیں۔ یہ ان کی دوست ہیں شامہ۔ ان ہی کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ انہیں لینے آئی ہیں''

نمو کو اس وقت بڑا لطف آ رہا تھا۔ عجیب سی گدگدی ہو رہی تھی۔

''اوہ اچھا۔ آپ رمیض کی فرینڈ ہیں' نیو فرینڈ۔ اس کے کہ رمیض نے کوئی تذکرہ نہیں کیا کبھی'' ارواح نے اب بڑی خاص نظروں سے شامہ کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا۔

''اوہ یس۔ دوستی تو ہماری نئی ہے مگر لگتا ہے ہم ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ آپ رمیض کی کلاس فیلو ہیں؟''

شامہ نے اپنے خاص بے نیاز و شاہانہ اسٹائل میں پوچھا۔

''ہوں۔ کلاس فیلو بھی ہوں اور بھی بہت کچھ ہے ہمارے درمیان''

ارواح بڑے اعتماد سے مسکرائی۔

''مثلاً کیا ہے؟''

شامہ کی بھنویں تن گئیں۔ لہجہ کھردرا سا ہو گیا اور بڑی عجیب نظروں سے ارواح کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''چھوڑیں...... ابھی بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چاند چڑھتا ہے۔ دنیا دیکھتی ہے؟

اپنی ہاؤ بھئی نمو! اس روز تو تم نے بہت ڈرایا، سچی ساری رات نیند نہیں آئی۔ اصل میں ابھی تک رمیض میرے ہاتھ نہیں لگا ورنہ میں اس روح کے بارے میں کنفرم کرتی جو اس کے بیڈروم میں آتی ہے۔ وہ کیا نام بتایا تھا تم نے اس لڑکی کا''

ارواح ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

''مدحت!'' نمو نے اس کی مشکل آسان کی۔

''اوہ یس مدحت۔ تم نے بتایا تھا کہ اس کے بیڈروم کی ونڈو سے کافور کی خوشبو آتی ہے۔ مائی گاڈ! میں شادی کے بعد اس بیڈروم میں تو ہرگز نہیں رہوں گی''

ارواح نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر بڑی ادا سے کہا۔

''آپ کی یہاں کسی سے شادی ہونے والی ہے؟''

شامہ نے بڑے تعجب سے ارواح سے پوچھا۔

''کسی سے کیا اس گھر میں صرف ایک بندہ ہی تو ویکنٹ ہے''

ارواح نے شان بے نیازی سے جواب دیا اور نظریں جھکا کر پاؤں ہلاتے ہوئے سرخوشی کی کیفیت میں مسکرانے لگی۔

''وہ آپ سے شادی کرے گا؟'' شامہ پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے سے شادی کریں گے''

ارواح کے قہقہے میں بڑی تازگی تھی۔

''شٹ اپ پلیز۔ نمو اگر یہ مذاق ہے تو اسے ختم کریں۔ وہ میرے علاوہ کسی سے شادی کر ہی نہیں سکتا''

شامہ نے بڑے قطعی اور دوٹوک انداز میں کہا۔ اس نے سخت برا مانا تھا۔ پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

''میرا خیال ہے میں آپ دونوں کے لیے کولڈ ڈرنکس لے آتی ہوں۔ ساتھ ساتھ

آپ دونوں سے ریکویسٹ ہے کہ آپ ابھی لڑائی نہ کریں۔ بلکہ دونوں مل کر یہ پوچھیں کہ ”مدحت“ کون تھی۔ اس نے خودکشی کیوں کی“

”سوسائیڈ۔ اونو بٹ وہائے؟“

ارواح نے چونک کر نمو کی شکل دیکھی۔ اسی لمحے رمیض سیٹی پر کوئی دھن چھیڑتا بڑی تیزی میں لاؤنج میں داخل ہوا کچھ بولنے ہی لگا تھا کہ ایک دم ٹھٹکا سا گیا مگر بڑی مہارت سے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

”ہیلو ایوری باڈی۔ ہاؤ آر یو؟ سوری میں کچھ لیٹ ہو گیا۔ ایکچوئلی یونیورسٹی سے دیر سے نکلا تھا۔ نمو! کوئی خدمت بھی کی مہمانوں کی یا باتوں ہی سے انٹرٹین کر رہی ہو“

”فی الحال ہمیں کسی انٹرٹینمنٹ کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہی ہوں اگر تم پسند کرو تو مجھ سے میرے گھر آ کر ملنا“

شامہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر ارواح کی طرف دیکھ کر بولی۔

”مس ارواح! پہلے آپ پوچھ لیں...... مدحت کون تھی؟ اس نے سوسائیڈ کیوں کی؟“

یہ کہہ کر شامہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

رمیض کو مدحت کے ذکر سے شاک لگا تھا۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے نمو کی طرف دیکھا۔ نمو نظریں چرا کر ایک پینٹنگ دیکھنے لگی۔

”ہاں ناں رمیض بتاؤ ناں یار! یہ بے چاری مدحت کون تھی اس نے سوسائیڈ کیوں کی۔ تمہاری کزن نے تو مجھے ڈرا کر رکھ دیا ہے۔ رئیلی اس کی روح آتی ہے تمہارے کمرے میں۔ بھئی مجھ سے شادی سے پہلے تم اپنا بیڈروم ضرور چینج کر لینا فار گاڈ سیک“

ارواح اپنی ترنگ میں بولے چلی جا رہی تھی اور رمیض دانت پیس کر نمو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوا اور کون ان چڑیلوں کو یہ اطلاعات پہنچا سکتا تھا۔

”رمیض! یہ تمہاری فرینڈ ناراض ہو کر کیوں چلی گئی۔ بھئی بڑا غصہ ہے۔ مجھے تو جیلس لگتی ہے۔ میں نے شادی کی بات کی تو اس نے خاصا مائنڈ کیا۔ تم ڈکلیئر کیوں نہیں کر دیتے کہ تم مجھ سے شادی کرنے والے ہو مجھے تو لگتا ہے اسے خاصی خوش فہمی ہے۔ ہے ناں نمو؟“

ارواح اپنی ترنگ میں بولتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی نمو سے تائید بھی لے رہی تھی۔ جواب میں نمو کا سر جھکا رہا۔ اسے رمیض کے تاثرات کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

”تم تیار ہو اگر کہیں اور پروگرام نہیں ہے تو چلو میریٹ میں ڈنر کرتے ہیں۔ اتنے دنوں بعد تو ہاتھ لگے ہو۔ کیا خیال ہے؟“ ارواح رمیض سے مخاطب تھی۔

”سوری ارواح! اس وقت تو میں بزی ہوں۔ ایکچوئلی شامہ کو بھی میرے پروگرام کا پتا نہیں تھا ایسے ہی آ گئی تھی خود ہی پروگرام بنا کر۔ تم تو اپنی کار میں آئی ہو گی ورنہ میں تمہیں ڈراپ کرتے ہوئے چلا جاتا“

رمیض نے رسٹ واچ کی طرف یوں دیکھا جیسے لیٹ ہو رہا ہو۔

”اوہ یس۔ میں تو اپنی گاڑی کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ خیر کل کا رکھ لو۔ کل تو ویسے بھی ویک اینڈ ہے۔ ویک اینڈ پر ڈنر کرنے کا اپنا مزہ ہے۔ بہت دن ہو گئے ہیں ویسے بھی تمہارے ساتھ لنچ ڈنر کیے ہوئے“

ارواح اپنے سنہرے لمبے سیدھے بالوں کو بڑی ادا سے پیچھے کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ اس وقت وہ میرون پینٹ اور وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس تھی۔ رنگت میں بھی سنہرا پن تھا۔ لاؤنج کی خوبصورت آرائش کے درمیان وہ بھی ایک شاندار ڈیکوریشن پیس دکھائی دے رہی تھی۔

”کل تو بہت مشکل ہے پاسیبل ہے کہ میں میرپور خاص چلا جاؤں اپنے دوست

کے ساتھ کئی ہفتوں سے یہ پروگرام ڈیلے ہو رہا ہے۔ واپس آ کر تم سے بات کروں گا چلو
پھر میرے ساتھ ہی نکل چلو۔ یہاں بیٹھ کر کیا کرو گی؟''

اس نے نمو کو گھورتے ہوئے ارواح سے کہا۔

نمو اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ایک مرتبہ بھی اس نے رمیض کی طرف نہیں
دیکھا تھا۔ اسے دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی کہ بے چارے کی شام برباد ہو گئی۔ جانے
کون کون سے سپنے سجا کر شامہ اسے لینے آئی تھی۔ اس وقت تو رمیض کا دل چاہ رہا ہوگا
اسے شوٹ کر ڈالے۔ ہائے وہ بے چاری شامہ جس کی قیامت قسم کی تیاری کو رمیض نے
توجہ سے دیکھا تک نہیں۔ البتہ اچھی اچھی شکلیں اچھے اچھے کلرز کے ڈریسز دیکھ کر وہ
خاصی فریش ہو گئی تھی۔

رمیض اور ارواح کے اٹھتے ہی اس نے سکون کا گہرا سانس لے کر آنکھیں
موند لیں اور صوفے سے پشت ٹکالی۔

مگر ایک دم رمیض کی آواز پر بری طرح اچھل پڑی۔

''تم سے واپس آ کر نمٹوں گا۔ تمہارے پیٹ میں کیوں ہر وقت درد ہوتا ہے......؟
تمہارے جیب سے کیا جاتا ہے بھئی۔ آتا ہوں میں تھوڑی دیر میں''

وہ دھمکی دے کر دوبارہ باہر نکل گیا نمو اسے جاتا دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

وقار کی گھر میں داخل ہوتے ہی بڑے سائز کے لفافے پر نظر پڑی تھی۔ ثنا بھی
بہت بے چینی سے وقار کا انتظار کر رہی تھیں۔ روبی البتہ نارمل تھی اس نے روٹین کے
انداز میں وقار کا استقبال کیا اور اس کے آنے کے بعد کے کاموں کی طرف متوجہ ہوئی
یعنی واش روم میں تولیہ لٹکانا اس کے کپڑے ڈریسنگ میں پہنچانا، چائے اسنیکس وغیرہ

کی تیاری وہ کام جو عموماً شوہروں کی آمد کے بعد بیویاں کرتی ہیں۔

وقار نے ثنا سے سلام دعا کرنے کے دوران لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تھا۔ اس
کی پیشانی پر گہری لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ اس نے ایک اچٹتی نگاہ ثنا پر ڈالی جو پر تجسس انداز
میں اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اس نے کچھ سوچا اور پھر لفافہ لے کر اپنے بیڈ
روم میں چلا گیا وہاں روبی وارڈروب میں سر گھسائے ملی۔ وقار سیدھا اپنے بیڈ کی طرف
بڑھ گیا۔ سرہانے تکیے پر گول تکیہ جمایا اور جوتے اتار کر ٹیک لگا لی وہ بہت احتیاط سے
لفافہ چاک کر رہا تھا۔

روبی کے ایک ہاتھ میں کپڑے تھے۔ دوسرے سے اس نے وارڈروب کا پٹ بند
کیا اور وقار کی طرف دیکھ کر ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی۔

میٹینس کلیم تھا۔ مندرجات مختصر تھے۔ وقار پڑھتا جا رہا تھا اور آنکھوں میں شدید
غصے کی کیفیت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے پڑھ کر نوٹس تہہ کر دیا اور بیڈ سے پاؤں لٹکا
کر بیٹھ گیا پھر دوبارہ نوٹس کھولا اور پڑھنے لگا۔

''خیریت ہے نا......؟''

ڈریسنگ سے باہر آتی روبی کی نظر بلا ارادہ وقار کی طرف اٹھ گئی تھی۔ اسے وقار
کے چہرے کے تاثرات غیر معمولی لگے تو چونک کر پوچھ بیٹھی۔

وقار ایک دم سنبھل گیا اور جلدی سے نوٹس تہہ کر کے لفافے میں رکھنے لگا۔

''ہاں خیریت ہی ہے'' اس کا لہجہ سرد سا تھا۔

''مگر آپ کا چہرہ تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے...... کس سلسلے میں آیا ہے یہ نوٹس؟''
روبی اب ذرا فکرمند ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ تم اپنا کام کرو''

وقار نے بڑی سردمہری سے جواب دیا اور لفافہ اپنے بریف کیس میں رکھنے لگا۔

''توبہ۔ ذرا سی دیر میں ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کبھی راستے میں بھی نہیں ملے''

روبی چڑ گئی بڑبڑاتی ہوئی بیڈروم سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی نانا نے آلیا۔

''خیریت ہے ناں۔ کیوں آیا ہے کورٹ سے لفافہ پوچھا تم نے؟'' نانا نے بے تابی سے پوچھا۔

''خیریت ہی بتا رہے ہیں'' روبی نے آف موڈ میں جواب دیا اور کچن میں چلی گئی۔

''چلو شکر ہے۔ خیریت ہو گی تو خیریت بتا رہا ہے۔ پریشانی کی بات ہوتی تو تمہیں بتا دیتا۔ بیوی سے کیا چھپانا'' نانا نے مطمئن ہو کر کہا۔

''چھوڑیں نانا! مجھے تو وہ بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں میرا تو سارا کونفیڈنس ختم ہوتا جا رہا ہے''

روبی کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

''اے ہٹاؤ بیٹی! عمر بھر کا ساتھ ہے۔ کیا چھوٹی چھوٹی باتوں پر جان جلانا۔ وہ تمہارا خیال کرتا ہے۔ تمہیں پریشانیوں فکروں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ تم نے مرد دیکھے نہیں۔ ذرا سر پر کوئی فکر پڑی گھر ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ پڑوس کو پتا چل جائے کہ اس گھر میں پریشانی آئی ہے''

''ویسے آپ غلط نہیں کہہ رہی ہیں نانا! وہاں جب ہم لوگ پشاور میں رہتے تھے نا۔ میں خاصی چھوٹی تھی اس وقت۔ ہمارے برابر والی کوٹھی میں گلزار صاحب ہوتے تھے۔ توبہ بھئی بہت ہی ہنگامہ پرور۔ گھر میں آتے ہی وہ اودھم اُتارتے کہ ہم اپنے گھر بیٹھے ڈرتے تھے''

روبی ماضی کی ایک یاد دہراتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ وقار پر آیا ہوا غصہ فوراً فو چکر ہو گیا۔

''دیکھ لو پھر تمہارے مرد کے آنے کا پتا چلتا ہے نہ جانے کا بڑے قرینے کا بچہ ہے

گھر کا، اپنے مالک کا......''

''لیکن نانا! وہ تو ڈرنک کرتے تھے۔ ایسے لوگ تو سمجھیں ابنارمل ہی ہوتے ہیں''

روبی ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کیا کرتے تھے؟'' نانا الجھیں۔

''وہ میرا مطلب ہے۔ نشہ کرتے تھے'' روبی نے وضاحت کی۔

''اے ہے سو بلاؤں کی ایک بلا جس گھر میں یہ بلا گھسی خاک ہو گیا۔ ایسے لوگ تو بیویوں کے ساتھ مار پیٹ بھی بہت کرتے ہیں۔ بہت دکھی عورتیں ہوتی ہیں یہ۔ اللہ سے پناہ مانگو اور شکر ادا کرو کہ اللہ نے تمہارا واسطہ ایسے مرد سے نہیں ڈالا۔ الحمدللہ رب العالمین''

نانا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ واقعی گلزار صاحب کی بیگم بہت دکھی تھیں۔ امی کے پاس آ کر رو پڑتی تھیں چار بیٹے تھے۔ ان کے بیٹی کوئی نہیں تھی کہتی تھیں اتنا پیسہ اتنی دولت مگر میری اور بچوں کی کوئی عزت نہیں ہے۔ عید کے شوز دلانے باٹا اسٹور لے گئے۔ وہاں بچے کی کسی ضد پر غصہ آ گیا بھری شاپ میں شروع ہو گئے جو منہ میں آیا بکنے لگے۔ توبہ اتنی ذلت۔ بے چاری نے ایک مرتبہ رو رو کر بتایا تھا''

''ہاں تو اس وقت بھی نشے میں ہی ہوں گے جو عورت ذات کو دو کانوں میں ذلیل کر رہے تھے'' نانا نے روبی کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

''کون نشے میں تھا نانا......''

وقار اچانک ہی باہر آ گیا تھا۔ بہت تعجب سے نانا سے پوچھ رہا تھا۔

نانا ایک دم گڑبڑا گئیں۔ دونوں کے لیے ہی وقار کی باہر آمد غیر متوقع تھی۔ دونوں

یہی سمجھ رہی تھیں کہ وہ واش روم میں ہوگا۔

"روبی اپنے پشاور کے کسی ہمسائے کا قصہ سنا رہی تھی کہ بیوی بچے بہت اچھے تھے مگر مرد بہت ہنگامہ کرتا تھا ویسے ہی مردوں کے مزاج پر بات ہو رہی تھی تو ذکر آ گیا"

نانا نے جلدی سے وضاحت کی۔

"یہ بہت خوف ناک درندے ہوتے ہیں نا...... اپنے دشمن سے بھی کہو کہ ان سے بچے۔ گھر کی ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی خواہ اپنا ہو یا کسی اور کا۔ میری سمجھ میں آج تک ایک بات نہیں آئی کہ یہ لوگ فیملی لائف کیوں گزارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تو بالکل تنہا رہنا چاہیے۔ اپنی توجہ سے نہ جانے کتنے بے قصور انسانوں کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ آگ سے بنے ہوئے شیطان جس جگہ کھڑے ہوں آگ لگ جائے"

وقار کا لہجہ سنگین اور زہریلا تھا۔ روبی اور نانا حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگیں...... کہ ان کے چھیڑے ہوئے موضوع میں وہ اچانک آ کر اتنا گہرائی سے شامل ہو گیا تھا۔

"روبی یار! ایک کپ اچھی سی چائے پلاؤ۔ سر میں بہت درد ہے"

وقار نے روبی اور نانا کی کیفیت محسوس کر کے فوراً موضوع تبدیل کر دیا۔

"چینج نہیں کر رہے آپ؟" روبی نے وقار کے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

ایسا ابھی تک ہوا نہیں تھا کہ وہ گھر آ کر شاور لینے سے پہلے چائے طلب کرلے۔

"موڈ نہیں بن رہا۔ تھکن بھی بہت ہے اور سر میں درد بھی۔ ذرا جلدی بنانا۔ میں پھر ریسٹ کرنا چاہتا ہوں"

اب وقار کے انداز میں واقعی تھکاوٹ جھلکنے لگی تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے واپس پلٹ گیا۔

"تم مانو نہ مانو روبی۔ کورٹ سے جو کاغذ آیا ہے اس میں ضرور کوئی ایسی بات ہے جو بچے کے سر میں درد ہو گیا"

نانا کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ یہ حقیقت تھی جب سے نانا ان کے پاس آئی تھیں، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وقار نے شاور لینے سے پہلے کبھی چائے پی ہو۔ اس کا معمول ہوتا تھا کہ گھر آ کر شاور لیتا اچھی سی ڈریسنگ کرتا۔ من پسند پرفیوم لگاتا اور بہت اہتمام سے روبی کے ساتھ چائے پیتا۔

"ہاں تو ظاہر ہے نا! کورٹ سے مبارک باد کے لیٹر تو نہیں آتے" روبی جھلا کر بولی۔

"وہ نہیں بتائیں گے نا! خواہ میں سر کے بل کھڑی ہو جاؤں"

وہ چائے تیار کرتے کرتے کچن سے ہی بات کر رہی تھی۔

"اے بیٹی! ادھر آؤ میری بات سنو۔" نانا نے رازدارانہ انداز میں ذرا آواز نیچی کر کے روبی کو پاس بلایا۔ روبی ہاتھ میں پکڑا کپ رکھ کر ان کے قریب چلی آئی "جی نانا؟"

"بیٹی! خیر سے پڑھی لکھی ہو۔ لفافہ تو کھل ہی چکا ہے، سو جائے تو پڑھ لینا۔ باہر ملک میں نوکری کرتا ہے۔ نوکری کا کوئی مسئلہ نہ ہو۔ بچہ پریشان دکھائی دے رہا ہے"

"ہاں تو یہ کوئی چھپانے والی بات تو نہیں۔ میں تو خود چاہتی ہوں یہ نوکری جائے۔ یہیں رہیں۔ اچھا خاصہ پیسہ ہے۔ کوئی بزنس کر لیں۔ بلاوجہ گھر سے دور رہتے ہیں۔ ایسی خاص ضرورت تو نہیں"

روبی اپنے صاف گو بقول نانا احمقانہ انداز میں بولی تھی۔

"تمہارے منہ میں خاک......"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"یہ اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں کہ کس نے کس زمین سے رزق اٹھانا ہے۔ اس دنیا میں کہیں اتنی بھوک ہے کہ لوگ دانے دانے کو ترستے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر سوتے

ہیں۔ چوری کرتے ہیں، ڈاکے ڈالتے ہیں۔ دنیا و آخرت برباد کرتے ہیں۔ شکر کرو اس پروردگار کا جس نے تمہیں پیٹ کا غم نہیں دیا۔ منہ پھاڑ کر بول دیتی ہو۔ توبہ کرو اللہ سے دنیا میں صرف مرد ہی تو نہیں ہوتا کہ بس اس تک اپنا ذہن لگائے رکھو، یتیموں غریبوں کا خیال کرو۔ علاج معالجہ کراؤ خاندان میں آنا جانا کرو۔ لوگوں کے دکھ درد بانٹو۔"

ثنا نے روبی کو بے حساب سنا ڈالیں۔ روبی شرمندہ سی ہو کر دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

"نیا! شاداب رات کو نہیں آیا۔ میں نے تمہیں اٹھا کر اس لیے نہیں بتایا کہ تم بھی میرے ساتھ پریشانی میں وقت کاٹو گی۔ ذرا دیر آنکھ نہیں لگی سو طرح کے وہم دل کو ستاتے رہے۔ اللہ رحم کرے ہمارے حال پر۔"

بانو بیگم نیا سے بولیں جو ناشتہ تیار کرنے کی غرض سے کچن میں داخل ہوئی تھی۔

"امی! وہ جس قسم کی سرگرمیوں میں پڑا ہوا ہے، یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اس کی بڑی مہربانی کہ وہ رات کو دیر سے سہی گھر آ جاتا ہے۔"

نیا نے پرسکون انداز میں جواب دیا اور فریج سے آٹا نکالنے لگی۔ بانو بیگم اس کا سکون دیکھ کر متعجب سی تھیں۔

"اے تو بیٹی! اپنے سب دھندے نمٹا کر نیند بھی تو آتی ہوگی کہیں سوتا بھی تو ہوتا ہوگا۔"

"توبہ امی! آپ تو بہت ہی سیدھی ہیں۔" نیا نے ان کی بات کاٹ کر قدرے تلخی سے کہا۔

"یہ لوگ آسائشوں اور عیاشیوں کے لیے تو یہ راستے چلتے ہیں۔ وہ تو اتنا اونچا جا رہا ہے کہ چند گھنٹے جو یہاں گزار لیتا ہے، وہ اسے بوجھ لگتے ہوں گے۔ اب تو اسے پرانے بوسیدہ سے پلنگ پر نیند بھی نہیں آتی ہوگی۔ آپ اس کے غلط راہ چلنے کا غم تو کر لیا کریں کہ یہ اختیار سے باہر کی بات ہے البتہ بھوک پیاس نیند کی فکر نہ کریں۔ اسے وہ

سب حاصل ہو چکا ہے جو ماں باپ نہیں دے سکے۔ آپ سکون سے ناشتہ کریں۔ حنیفہ کو اٹھا دیں، اسے آج جلدی جانا ہے۔ رات کو بتا رہی تھی۔"

نیا نے اطمینان سے کہا اور جلدی جلدی پیڑے بنانے لگی۔ ساتھ ہی چولہے پر دھری کیتلی کا ڈھکن اٹھا کر اندازہ کیا کہ پانی کھولنے میں کتنی دیر ہے۔

بانو بیگم خاموشی سے کچن سے باہر چلی گئیں۔

نیا اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ نئی دھوپ دیواروں پر اتر آئی تھی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے سوچا امی دیکھ لیں گی اپنے کام میں لگی رہی۔ مگر جب گھنٹی متواتر بجتی رہی تو اسے کچن سے باہر آنا پڑا اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ امی اوپر ہوں گی سوچتے ہوئے وہ چھوٹے سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی جہاں ٹیلی فون سیٹ رکھا تھا۔ عموماً لوئر مڈل کلاس گھرانوں میں فون کو بھی کوئی آرائشی شے سمجھا جاتا ہے اور اسے ڈرائنگ روم میں سجایا جاتا ہے۔ اس نے ریسیور اٹھایا دوسری جانب سہیل تھے۔

"السلام علیکم...... سہیل بات کر رہا ہوں"

"جی وعلیکم السلام سہیل بھائی! خیریت ہے ناں؟ ثمن کیسی ہے؟" اتنی صبح سہیل کے فون نے فکرمند کر دیا۔

"ٹھیک ہے سب خیریت ہے۔ بس ویسے ہی آپ لوگوں کی خیر خیریت کے لیے فون کیا ہے۔ آپ لوگ خیریت سے ہیں ناں......؟"

"جی شکر ہے سب خیریت ہے۔ ناشتہ بنا رہی تھی۔ اس لیے فون اٹینڈ کرنے میں دیر لگی۔ میں سوچ رہی تھی کہ امی اٹھا لیں گی مگر شاید وہ اوپر کمرے میں ہیں" نیا نے شرمندہ سے انداز میں کہا۔

"شاداب ٹھیک ہے۔ کیا کر رہا ہے؟" سہیل نے اس کی معذرت نظرانداز کر کے

اپنی بات کی۔

"ٹھیک ہی ہوگا۔ اللہ اسے ٹھیک رکھے" نیا نے اب تاسف اور دکھ کے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ وہ گھر پر نہیں ہے۔ صبح صبح کہیں چلا گیا۔" سہیل نے اب قدرے فکر مندی سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ اصل میں رات کو گھر ہی نہیں آیا۔ کہیں مرغ مسلم زیادہ کھا لیا ہوگا۔ نیند آ گئی ہوگی مستی بھری۔ وہیں کہیں سو گیا ہوگا" نیا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ بس آپ لوگوں کی خیر خیریت کے لیے فون کیا تھا۔ اور کوئی خاص بات نہیں۔ خدا حافظ"

سہیل نے فوراً ہی فون بند کر دیا تھا۔

نیا چند لمحے سوچتی رہ گئی پھر ریسیور رکھ دیا۔ پلٹی تو سامنے عتیقہ کھڑی تھی۔

"کس کا فون تھا آپا؟" وہ بھی فکر مند نظر آ رہی تھی۔

"سہیل بھائی کا۔ ویسے ہی خیریت کا فون کیا تھا" وہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"اتنی صبح صبح؟" عتیقہ نے اس کو مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"ان کی والدہ دھمکی دے چکی ہیں۔ بے چارے فکر کر رہے ہوں گے کہ خدانخواستہ کچھ ہو نہ جائے" نیا نے آرام سے جواب دیا اور کچن میں گھس گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رات کو روبی وقار کے سونے کا انتظار کر کے خود ہی سو گئی تھی۔ اسے ضرور کوئی پریشانی تھی کہ وہ سو نہیں پا رہا تھا۔ کبھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی کمرے سے باہر چلا جاتا تھا۔ روبی نے ایک آدھ مرتبہ بات کرنے کی کوشش کی، لیکن جواب میں خاموشی پا کر پھر اس کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

وقار شاید صبح کو سویا تھا۔ اس لیے نو بجے تک سوتا رہا۔ اس کے سونے کے باوجود روبی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے بریف کیس کی تلاشی لیتی کہ ایسا نہ ہو، وہ جاگ جائے اور صبح صبح کوئی بدمزگی ہو جائے۔ مگر جیسے ہی وہ اٹھ کر واش روم گیا۔ روبی اس کے بریف کیس میں گھس گئی۔ نمبروں والا بریف کیس تھا۔ بدحواسی اور عجلت میں اسے نمبر بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے اس نے دو تین نمبر ٹرائی کیے۔ ان میں ایک لگ گیا۔ بریف کیس کھول کر اس نے جلدی جلدی کاغذات پلٹ کیے بالآخر ایک سائیڈ کی جیب سے وہ مطلوبہ لفافہ برآمد ہو ہی گیا۔ لفافہ کھل چکا تھا اس لیے اس نے فوراً ہی کاغذ نکال لیا۔ ہائی کورٹ کے وکیل عباس رضوی کی طرف سے نوٹس تھا۔

روبی کھڑکی کے قریب آ کر روشنی میں نوٹس پڑھنے لگی۔ پہلی مرتبہ تو جیسے سب کچھ اس کے سر سے گزر گیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا۔

"وائف...... کس کی وائف؟" اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ یوں لگا اس سے پڑھنے میں غلطی ہو رہی ہو" ماہ رخ ڈاٹر آف احتشام الحق۔ ماہ رخ؟ کون سی ماہ رخ۔! اس کے ہاتھوں میں لرزہ طاری تھا۔ نوٹس بھی تھرتھرا رہا تھا۔ مین ٹیننس کلیم تھا گزشتہ تین سال کا۔ جرم تھا پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کا۔

روبی نے بمشکل خود کو سنبھالا اور کانپتے ہاتھوں سے نوٹس واپس لفافے میں رکھ دیا اور پھر بریف کیس میں اسی طرح رکھ کر جیسے رکھا ہوا تھا۔ بریف کیس بند کر دیا اور نمبر اپ سیٹ کر دیے۔ بہت زور سے چکر آ رہے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ ایک لمحے کے اندر ساری ہستی پلٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ جتنا مضبوط بھروسے کا تعلق تھا۔ اسی قوت کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ خود کو سنبھالتی بستر تک آئی اور بھر بھری مٹی کی طرح ڈھے گئی۔

باہر نتا اسے متواتر آوازیں دے رہی تھیں لیکن وہ "جی" کہنے کے بھی قابل نہیں

تھی۔ اسی لیے پریشان ہو کر کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔

''روبی! روبی! بیٹی کیا سو رہی ہو؟'' وہ باہر ہی سے پوچھ رہی تھیں۔

''آ جائیں نتا! ویسے ہی لیٹی ہوں'' اس نے بہ وقت تمام کہا۔ نتا فوراً اندر آ گئیں اور اسے بستر پر لیٹا دیکھ کر تیر کی طرح اس کی جانب آئیں۔

''خیریت بیٹی؟ جی اچھا ہے۔ دشمنوں کی طبیعت خراب تو نہیں'' وہ پریشان ہو کر اس کا ماتھا کلائی چھو چھو کر دیکھنے لگیں۔

''نتا.........! ایک گلاس پانی پلا دیں۔ پلیز میرا حلق خشک ہو رہا ہے'' وہ بہت کمزور آواز میں بولی۔

نتا بنا کچھ بولے تیزی سے باہر چلی گئیں جتنی تیزی سے گئی تھیں اتنی تیزی سے واپس آ گئی تھیں۔ ہاتھ میں گلاس تھا۔ روبی کو جلدی سے سہارا دے کر اٹھایا اور گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ روبی نے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا اور دوبارہ گرنے کے انداز میں بستر پر اوندھی لیٹ گئی۔

''بیٹی! یہ اچانک تمہیں کیا ہوا؟ ابھی تو بھلی چنگی کچن میں کام کر رہی تھیں؟'' نتا تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ روبی جواب میں خاموش رہی۔

''اے ہے بیٹی! وہ جو کورٹ سے کاغذ آیا تھا، وہ تو نہیں پڑھ لیا تم نے۔ اس میں ہی کوئی بری خبر میرے منہ میں خاک ہو گی۔ یہ اچانک کیا حالت ہو گئی۔ تمہاری''

نتا نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ روبی نے کرب و اذیت کی شدت سے آنکھیں کس کے بند کر لیں۔

''بیٹی! یہ اچانک چکر خوشی کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ۔ کیا خبر کوئی خوشی اس گھر میں آنے والی ہو۔ ورنہ اس سے پہلے تو کبھی تمہیں صبح صبح چکر کر

نہیں آئے''

''نتا! میرا دل ڈوب رہا ہے'' روبی نے کانپتی آواز میں کہا۔

''میری بچی! حوصلہ رکھو نتا قربان جائے'' نتا اس کا ہاتھ تھام کر چومنے لگیں۔ اور بولیں۔

''ابھی وقار سے کہتی ہوں، ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے ایک منٹ ٹھہرو میں گلوکوز لے آتی ہوں تھوڑی طاقت آئے گی تو اٹھ بیٹھو گی۔ گھرانے کی ضرورت نہیں۔ ہمت سے کام لو۔ ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی'' وہ باہر نکلتے ہوئے بولی جا رہی تھیں۔

نتا گلوکوز لے آئیں اور روبی کو بڑے پیار سے پلانے لگیں۔ روبی کے ہونٹوں سے گلاس لگا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے نتا کو دیکھ رہی تھی۔ نتا تو جیسے اس کی اس حالت سے خوف زدہ سی ہو گئیں۔ روبی نے گلاس خالی نہیں کیا بلکہ ہاتھ سے ایک طرف ہٹا دیا۔ اور نتا کا بایاں بازو کس کر تھام لیا۔ ایک طرف سے دبوچ کیا۔ اور بغیر پلک جھپکائے دیوار کو گھورنے لگی۔

''نتا! میں مر جاؤں گی۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ میں مر جاؤں گی'' اس کی آواز میں ایک وحشت سی تھی۔ نتا نے گلاس سرہانے رکھ کر اسے خود سے لپٹا لیا۔

''میں صدقے میں قربان اپنی بچی پر، مریں میری بچی کے دشمن۔ دودھوں نہاؤں پوتوں پھلو۔ ارے! تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے'' وہ اسے سینے سے لگا کر کہہ رہی تھیں۔

''بس نتا! بہت کچھ دیکھ لیا۔ اتنا دیکھ لیا جو مرنے کے لیے کافی ہے'' وہ سرد لہجے اور وحشت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہائے اللہ اتنی سی دیر میں کیا آسیب آ گیا۔ بھلی چنگی کمرے میں گھسی تھی۔ بتا تو سہی روبی! وقار نے کچھ کہہ دیا ہے۔ ایسا کچھ تو خیر وہ بھی تجھ سے نہیں کہہ سکتا کہ تیرا یہ حال ہو جائے۔ ہتھیلی کا چھالہ بنا کر تو اس نے رکھا ہوا ہے تجھے''

نتا اب اندر سے بہت ڈری ہوئی تھیں۔ ان کے اپنے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

''نتا! یوں لگ رہا ہے جیسے میرے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ یا تو میں مرجاؤں گی یا پاگل ہوجاؤں گی۔ نتا! مجھے بچالو''

وہ ایک دم نتا کی گود میں منہ چھپا کر بری طرح رونے لگی۔ بلک بلک کر باقاعدہ آواز کے ساتھ۔

نتا تو بدحواس ہوکر وقار کو آواز دینے لگیں۔

'وقار۔ ارے بیٹا! جلدی آؤ دیکھو تو اسے کیا ہوگیا ہے۔ اے بیٹا! بعد کو نہا دھو لینا۔ جلدی سے باہر آجاؤ میں ذرا اس پر کچھ پڑھ کر پھونک دوں۔ کسی نامراد کی نظر لگ گئی میری بچی کو یا کوئی بری ہوا چھو گئی۔ بیٹا جلدی آنا''

ایک منٹ سے بھی کم دورانیے میں واش روم کا دروازہ کھل گیا تھا اور باتھ گاؤن لپیٹے وقار تیزی سے ان دونوں کی طرف بڑھا تھا۔ روبی پر نظر پڑتے ہی اس نے سوالیہ نظروں سے نتا کی طرف دیکھا۔

''اسے ایک دم سے کیا ہوگیا نتا۔ ابھی تو بالکل ٹھیک تھی'' وہ تشویش سے روبی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں تو خود پریشان ہوگئی ہوں۔ میرا خیال ہے بیٹا! فوراً ڈاکٹر کو دکھاؤ، اللہ نے چاہا تو کوئی اچھی خبر ہی ملے گی''

نتا نے اچھی امید کا سہارا لیا ہوا تھا۔

''اوہ......'' وقار نے اب اطمینان کی گہری سانس لی۔

''روبی! خود کو سنبھالو یار! بس میں دو منٹ میں آتا ہوں'' وہ دوبارہ واش روم میں چلا گیا۔

''ہاں بیٹی! ہمت کرو۔ میں بھی اپنا پان کا بٹوا اور چادر لے لوں۔ گھبراؤ نہیں، اللہ نے چاہا تو اچھی خبر ہی سنو گی''

ایک نیک امید اور اچھی آس میں کتنی توانائی ہوتی ہے۔ وہ نتا کی چال سے پتا چلتا

تھا۔ روبی پر ہنوز سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ وقار فوراً ہی ڈریس اپ ہوکر باہر آگیا تھا اور گیلے بال تولیے سے رگڑ کر خشک کر رہا تھا بلیک جینز اور میرون ٹی شرٹ میں اس کا صاف رنگ مزید نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ فل ہائٹ تھی اس کی دیکھنے میں وہ فورسز کا بندہ لگتا تھا، بال بھی اس کے فوجیوں کی طرح بہت نفاست سے بنے ہوتے تھے۔ ایسا ہیئر اسٹائل کہ کانوں کا پچھلا حصہ اور گردن بالکل صاف دکھائی دیتی تھی۔ بقول اس کے کہ اس کے ڈاکو مینٹس کام بڑی جلدی ہوجاتے ہیں۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی ''آرمی افسر'' آیا ہے روبی کھلی آنکھوں سے بغیر پلک جھپکائے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ وقار آئینے کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔ روبی کی کیفیت پر مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔ اور اپنا ہاتھ اس کے رخسار پر رکھتے ہوئے بولا۔

''کیا ہوا جان؟ لگتا ہے کوئی گفت وفٹ دینا چاہ رہی ہو۔ وہ لاسٹ ایر ہماری افشاں بھابی نے تم سے میرج انورسری پر پوچھا تھا نا کہ روبی تم نے وقار کو کیا گفٹ دیا ہے تو تم نے کہا تھا کہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ میں سمجھی صرف گفٹ لینا ہے تو بھابی نے کہا تھا کہ کچھ دیا نہیں تو دینے کا وعدہ کرلو۔ لگتا ہے وعدہ پورا کر رہی ہو''

وہ مسکرا رہا تھا اور روبی آنکھیں پھاڑے اسے گھور رہی تھی۔

''ٹیک ایزی یار! ہوجاتا ہے ایسے''

وہ اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت مار کر دوبارہ اپنے بال سنوارنے لگا۔

نتا چادر اوڑھ کر اندر آگئیں۔ ''چلو اٹھو بیٹی۔ تم تیار ہونا وقار میاں! بس جلدی نکل چلو مارے میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ذرا روبی کو سہارا دے کر اٹھاؤ''

وقار اپنا والٹ جیب میں ڈال کر اور گاڑی کی چابی اٹھا کر روبی کی طرف بڑھا۔ اور اسے اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا۔ روبی نے اس کا ہاتھ ایک طرف کر دیا۔

’’خدا کے لیے آپ لوگ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ رحم کریں مجھ پر۔ احسان کریں مجھ پر۔ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ پلیز‘‘

وہ اپنا پورا زور لگا کر چیخی تھی۔

ننا تو ایک دم بدک کر پیچھے ہٹ گئیں۔ اور آیتیں ورد کرنے لگیں۔

البتہ وقار نے اس کی پیشانی پر جھک کر ہاتھ رکھا۔ اور بڑی نرمی سے بولا۔

’’کیا بات ہے روبی! ایزی پلیز۔ کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ ہو سکتا ہے وہ مسئلہ اسی وقت حل ہو جائے‘‘

’’نہیں ہو سکتا اسی وقت۔ میں نے کہا نا مجھے چھوڑ دیں بالکل اکیلا۔ مجھے نہیں کرنا حل کوئی مسئلہ وسئلہ‘‘ وہ پھر ہذیانی انداز میں چیخی۔

ننا نے دو قدم آگے بڑھ کر اس پر پھونکیں ماریں اور دور ہٹ کر پھر کچھ پڑھنے لگیں۔

’’اچھا چلو اٹھو شاباش ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ کوئی ڈوز وغیرہ مل جائے گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی‘‘ وقار نے پھر اسے نرمی سے چھو کر بات کی۔

روبی نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا ’’ہٹیں ایک طرف۔ میں ننا کے کمرے میں جا رہی ہوں۔ کوئی نہ آئے وہاں۔‘‘ وہ بڑے جوش میں اٹھی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی مگر ایک دم دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر دھڑام سے نیچے گر گئی۔ وقار تقریباً دوڑ کر اس کے قریب پہنچا اور دونوں بازوؤں میں اٹھا کر باہر کی طرف بڑھا۔ ننا اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ وہ برابر کچھ پڑھتی جا رہی تھیں۔

’’چھوکرا تو اٹھا لیا ہے مہرو! روڑی (پتھر) کوٹ رہا ہوگا۔ حرام کی کھا رہا تھا۔ حلال کی کھائے گا تو ہوش آ جائے گا۔‘‘

مخدوم عبدالرب بڑے مزے لے کر چائے پیتے ہوئے مہرالنساء سے مخاطب ہوئے۔

’’تو ٹھیک ہوا ناں یہ ادھر ہوگا تو خبر نہیں کتنے بندوں کی زندگی بچ گی۔ اسے تو وہ آگ کا کھلونا مل گیا تھا۔ اپنا شوق پورا کرتا اور کتنے گھروں میں آگ لگاتا۔ مخدوم صاحب! آپ کو بڑا ثواب ہوگا اللہ سائیں راضی ہوگا۔ کیا خبر اللہ سائیں خوش ہو کر آپ کو وارث دے دے۔ ٹھیک بولی میں‘‘

مہرالنساء نے محبوب بیوی کے سارے اسٹائل دکھاتے ہوئے کہا۔

’’تو بالکل ٹھیک بولی۔ اللہ سائیں تیری زبان مبارک کرے۔ بغیر وارث ہم ذلیل ہو رہے ہیں برادری میں کہ کیسے مرد ہیں۔ عورت ذات کی کمی ہے؟ ایک سے وارث نہ ملے دوسری کر لو۔ دوسری سے نہ ملے تیسری کر لو۔ تیسری بھی بنجر ہو تو چوتھی کر لو۔ چاروں ہری نہ ہوں تو نامرادوں کو طلاق دے کر چار اور کر لو۔ وارث کے بغیر دھرتی سے عزت نہیں ملتی۔ لوگ ہمارے سامنے ہمارے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ پیٹھ پیچھے ہماری مردانگی پر ہنستے ہوں گے۔ مہرو! بڑی ذلت کی زندگی جی رہے ہیں ہم۔ بات سمجھنے کی ہے‘‘

مخدوم عبدالرب نے بڑے دل شکستہ انداز میں کہا تو مہرالنساء تڑپ کر رہ گئیں۔

’’آپ ٹھیک بولے مخدوم صاحب! پر ہماری اولاد کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تو پتا نہیں کتنی منتیں مان چکی ہوں‘‘

’’تو نے کیا منت مانگی ہوگی مہرو! جو ہم مانگ چکے ہیں‘‘ مخدوم عبدالرب نے بڑے غرور سے کہا۔

’’وہ کیا مخدوم صاحب؟‘‘ مہرالنساء نے بڑے پرشوق انداز میں پوچھا۔

’’ہم سوہاریوں کو وہ زمین دے دیں گے جس زمین پر وہ پچاس سال سے کام کر رہے ہیں‘‘

’’اللہ سائیں مراد پوری کرے۔ سو غریبوں کا بھلا ہو‘‘ مہرالنساء نے ہاتھ اٹھا کر دعا

کرتے ہوئے کہا۔

''اب یہ بولیں مخدوم صاحب! یہ چھوکرا کتنے دن کے واسطے چاغی کی جیل میں آپ نے رکھا ہے؟''

''اس کے ہوش تو چار دن ہی میں ٹھکانے آجائیں گے۔ پر ہم اس کے ساتھ ایک اور کھیل کھیلنے جارہے ہیں۔ وہ تجھے ہم بعد کو بتائیں گے۔ تو بھی کیا یاد کرے گی''

مخدوم عبدالرب کے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

مہرالنساء کے چہرے پر اشتیاق وحیرت کے تاثرات واضح تھے مگر وہ اب پوچھ نہیں سکتی تھیں کہ مخدوم صاحب نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ''بعد کو'' بتائیں گے''

''ان کو شدید قسم کا شاک لگا ہے۔ کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے ان کے ساتھ۔'' ڈاکٹر برآمدے میں کھڑا وقار اور ننا سے بات کررہا تھا۔

''نو...... نو...... وہ تو صبح اٹھی تو بالکل سیٹ بالکل نارمل تھی۔ نارمل انداز میں بات چیت کررہی تھی، کیوں ننا؟'' وقار نے حیرت سے جواب دیتے ہوئے ننا سے بھی تائید چاہی۔

''ہاں بالکل...... وہ تو کچن میں روزانہ جس طرح کام کرتی تھی، آج بھی اسی طرح کام کررہی تھی بلکہ ہنسی مذاق بھی کررہی تھی۔' ننا نے وقار کی تائید کی۔

''ہاؤ اسٹرینج!'' ڈاکٹر بے اختیار بولا اور بڑی الجھن میں وقار کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ دونوں کے درمیان کوئی ایسی بات ہوئی ہو جس کو انہوں نے بہت سیریس لیا ہو'' ڈاکٹر نے وقار سے پوچھا۔

''مجھ سے تو کوئی خاص بات ہی نہیں ہوئی۔ بس ناشتے کا پوچھا تھا کہ کس وقت کریں گے؟ کیا بناؤں اور بس۔'' وقار اب بھی بہت حیران ہو کر جواب دے سکا تھا۔

''میری سمجھ سے باہر ہے۔ میں نے انکا بہت اچھی طرح چیک اپ کیا ہے۔ یہ

بہت شاکڈ ہیں۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ ان سے پوچھنے کی کوشش کیجئے گا'' ڈاکٹر نے وقار سے کہا۔

وقار ننا کی طرف مڑا۔ ''ننا! کوئی فون وون تو نہیں آیا تھا صبح صبح؟''

''اے بیٹا! منہ اندھیرے سے اٹھی ہوتی ہوں۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے تو تم لوگوں کی نیند خراب ہونے کے خیال سے جلدی سے چونگا اٹھا لیتی ہوں۔ آج تو کوئی گھنٹی ہی نہیں بجی'' ننا بھی حیران پریشان ہو کر کہہ رہی تھیں۔

''کمال کی بات ہے۔ دیکھئے ڈاکٹر سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے ٹریٹ منٹ میں مشکل ہو جاتی ہے'' ڈاکٹر مشتبہ نظروں سے وقار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''مائی گاڈ ڈاکٹر! ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے بھی پتا ہے کہ ڈاکٹر سے حقائق چھپانے سے نقصان ہی ہو سکتا ہے فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔'' وقار نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... خیر دیکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ مکمل ہوش میں آجائے گی۔ تو ہم پتا لگانے کی کوشش کریں گے۔ آپ ایزی رہیں۔ انشاء اللہ...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں''

ڈاکٹر نے ننا کی طرف دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اے اللہ...... میری بچی پر رحم کرنا''

ننا دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگیں۔ وقار کے چہرے پر تفکر کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا بے قراری سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ صبح کا منظر ابھی تازہ تھا۔ بلیک سوٹ میں نکھری نکھری روبی اسے جگانے آئی تھی۔ مسکراتی ہوئی خوش باش، تروتازہ۔ اچانک کیا شاک پہنچ گیا۔ نہ گھر میں کوئی آیا نہ گیا نہ کوئی خاص عام فون آیا۔ سوچ سوچ کر اس کے اعصاب شل ہونے لگے۔ مگر دماغ کسی نقطے پر ٹھہر کر

نہیں دے رہا تھا۔

وہ بے چینی سے روبی کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''ابھی منگنی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ شکیل صاحب کی بیگم شادی کی تاریخ مانگ رہی ہیں''

ناشتے کی ٹیبل پر مسز علوی نے انجم علوی کو تازہ ترین سے مطلع کیا۔

''اچھا۔ واقعی وہ لوگ تو بہت جلدی دکھا رہے ہیں۔ وجہ نہیں پوچھی''

انجم علوی بھی چونک سے گئے تھے۔

''یہ لیجیے بھئی۔ منگنی ہوگئی۔ لڑکی پر ان کی مہر لگ گئی۔ ان سے وجہ کیوں پوچھنے لگے۔ آپ سے بھی حد ہے۔'' مسز علوی جھلا کر بولیں۔

''ہاں خیر وجہ ہونا کوئی ضروری تو نہیں۔ ہماری تمہاری شادی بھی بغیر وجہ کے ہوگئی تھی۔ آج تک وجہ سوچ رہے ہیں'' انجم علوی نے خوشگوار موڈ میں بیگم سے چھیڑ چھاڑ کی۔

''اتنا عرصہ کیوں پریشان رہے وجہ مجھ سے پوچھ لیتے۔ وجہ یہ تھی کہ آپ باہر جا رہے تھے اور آپ کی اماں کو اختلاج رہنے لگا تھا کہ لڑکا باہر سے میم نہ لے آئے۔ ان کا انگریزی بولنے والی کے ساتھ گزارا کیسے ہوگا؟ وہ چلتے پھرتے بہو کو صلواتیں سنائیں گی تو وہ سمجھے گی کیسے؟ پھر صلواتوں کا اثر کیسے ہوگا۔ وہ سوکھے ٹکڑوں کی ڈش پکانے کے لیے کیسے کہیں گی؟''

مسز علوی نے بھی شوہر کے خوشگوار موڈ کو مدنظر رکھ کر بات کی۔

مسز علوی کی بات پر انجم علوی کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

''بڑی بات ہے بھئی۔ اتنی پرانی شادی اور آپ لوگ دوستوں کی طرح ہنس رہے ہیں''

رمیض بھی تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آ پہنچا تھا۔ ہمیشہ کی طرح خوش باش، تروتازہ۔

''وہ بیٹا جی! نئی نئی شادی تو بہت ہچکولے کھاتی ہے۔ پرانی شادی ہو جائے تو ہنسنے کی فرصت ملتی ہے۔ کیوں بیگم؟''

انجم علوی نے بیگم سے تائید طلب کی۔

''مطلب یہ کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی شادی نے بہت ہچکولے کھائے ہیں''

رمیض پلیٹ اپنے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

''عام سی بات ہے عموماً ایسا ہوتا ہے۔ زیادہ سیریس لینے کی ضرورت نہیں۔ ضروری نہیں کہ تمہاری شادی بھی ہچکولے کھائے''

انجم علوی نے بیٹے پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر خوش مزاجی سے جواب دیا۔ جبکہ مسز علوی ناشتے کے لوازمات رمیض کے سامنے رکھتی جا رہی تھیں۔

''ویسے خیریت تو ہے؟ آج یہ صبح صبح شادی وادی کی باتیں کیوں شروع ہوگئیں؟'' رمیض نے ناشتہ شروع کرتے ہوئے پوچھا۔

''نمو کی شادی سر پر آ پہنچی ہے۔ اس لیے''

مسز علوی نے شوہر کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔ خود تو وہ دیر سے ناشتہ کرتی تھیں مگر شوہر کو بڑے اہتمام سے ناشتہ کراتی تھیں۔ اکثر رمیض بھی باپ کے ساتھ ناشتہ کرتا تھا دونوں کے جانے کے بعد وہ گھنٹہ دو گھنٹہ سوتی تھیں پھر اٹھ کر ناشتہ کرتی تھیں وجہ یہ تھی کہ وہ بہت لیٹ سوتی تھیں پھر دن میں نیند پوری کرتی تھیں۔

''مثلاً کتنا سر پر آ پہنچی ہے؟ دو تین مہینے تو ہیں ناں ابھی؟'' رمیض نے ماں سے پوچھا۔

''دو تین مہینے یہ لو بھئی ان کا بس نہیں چل رہا کہ وہ اگلے ہفتے بارات لے آئیں۔ رات ہی نمو کی ساس کا فون آیا تھا، تاریخ مانگ رہی ہیں اسی ماہ کی۔ اس مہینے کی چار

تاریخیں تو نکل گئیں باقی بچے چھبیس دن۔کتنا کام ہوتا ہے شادی کا۔سب سے اہم ہو
کارڈز کا چھپنا پھر پہنچانا"

مسز علوی بڑی ٹینشن میں آ چکی تھیں۔

"تو وہ کہہ رہی ہیں ناں اس مہینے کے لیے۔آپ اپنی سہولت کے مطابق بات کیجئے۔اس مہینے نہ سہی اگلے مہینے سہی" رمیض نے لاپروائی سے کہا۔

"اس طرح کی بات تو تب ہوتی ہے جب کوئی صلاح مشورہ کر رہا ہوتا ہے، وہ تو فیصلہ کن انداز میں بات کر رہی تھیں۔یہاں تک کہہ رہی تھیں کہ آپ لوگ جہیز وہیز کی تیاری نہ کریں۔اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔بس ہم تو چاہ رہے ہیں کہ نمو جلد از جلد ہمارے گھر آ جائے"

مسز علوی نے کہا تو انجم علوی کے چہرے پر بڑی مطمئن سی مسکراہٹ کا عکس لہرایا۔ کتنا چاہا جا رہا تھا ان کی لاڈلی بھانجی کو۔

"تو ٹھیک ہے جیسے وہ کہہ رہے ہیں۔آپ کر دیں۔اچھا ہے پیسہ بچ رہا ہے"
رمیض اپنے لاابالی پن سے بولا تھا۔

"یہ خوشی ہوتی ہے بیٹا جی! خرچا نہیں ہوتا۔خرچا ہوتا ہے بیماری میں یا مقدے میں۔بیٹی کو چار چیزیں دیتے ہیں تو اس کی سسرال میں عزت ہوتی ہے۔کہنے کو تو سب ہی کہتے ہیں کہ ہمیں جہیز نہیں چاہیے لیکن جب دلہن اپنے ساتھ تحائف لے کر جاتی ہے تو سب خوش بھی ہوتے ہیں"

انجم علوی چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولے۔

"آپ یہ بتائیے اگر ان لوگوں کو تاریخ کے لیے بلانا ہے تو کس دن بلاؤں؟"
مسز علوی نے لاحاصل بحث کو ختم کرتے ہوئے کام کی بات کی۔

"کل ہالو۔شادی تو کرنا ہی ہے۔ان کی خوشی سہی۔" انجم علوی نے جواب دیا۔

"جب شادی اتنی جلدی ہی کرنا تھی تو اتنی دھوم دھام سے منگنی کرنے کی ضرورت کیا تھی۔نکاح کر لیتے اور ایک ماہ بعد رخصتی" مسز علوی نے جھلا کر کہا۔

"اب بھی ان کی مرضی۔ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔سب ارمان اسی پر نکالیں گی۔ رمیض کی شادی پر تم تو آسمان سے فرشتوں تک کو بلالو گی کہ میرے اکلوتے بیٹے کی شادی ہے آخر"

انجم علوی نے پھر بیگم سے چھیڑ چھاڑ کی۔لفظ شادی ہے ہی ایسا۔کسی کے گھر میں شادی کا ذکر ہونے لگے تو در و دیوار سے خوشیاں پھوٹنے لگتی ہیں۔

"مائی گاڈ ممی! میری شادی پر فرشتوں کو انوائیٹ مت کر بیٹھیے گا کبھی اس رش میں وہ بھی آ جائیں جو بندوں کو واپس لے جانے کے لیے آتے ہیں"

رمیض نے شرارت سے ماں سے کہا اور نیپکن سے منہ صاف کرنے لگا۔

"بے سوچے سمجھے فضول بولنے کی عادت ہے۔ویسے ہی تم نے اپنے ماں باپ کو بہت خوش رکھا ہوا ہے" مسز علوی نے خفگی سے کہا۔

"بیٹا! صبح صبح ماں کا موڈ خراب نہیں کرتے"

انجم علوی نے ماحول کو خوشگوار کرنے کے لیے مسکرا کر بیٹے سے کہا۔

"اتنی مشکل سے تو ہم سیٹ ہوئے ہیں۔اتنا شدید ڈپریشن رہا مجھے۔سیر بھر ٹیبلیٹس تو کھا چکی ہوں گی۔" مسز علوی کا موڈ درحقیقت آف ہو چکا تھا۔

"اسٹاپ دس ٹاپک ممی۔ہم پاگلوں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔اگر ہمارے جہاز ڈوب جائیں تو کیا ہم زہر کھالیں گے یا خود کو شوٹ کر لیں گے؟ اس دنیا میں ایک سے ایک بندے کی کمی ہے؟ ایک مس ہو جائے تو اس سے بہتر دس سامنے کھڑے ہوتے

ہیں۔ فار گاڈ سیک۔ آپ لوگ مجھے خطا وار ثابت کرنے کے لیے زور نہ لگائیں۔ مجھے کچھ ہوا تو نقصان آپ ہی کا ہوگا''

رمیض یہ کہہ کر تیزی سے کرسی دھکیل کر اٹھا اور ڈائننگ روم سے باہر چلا گیا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے وہ۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب بس کرو''

انجم علوی نے بھی اب سنجیدگی سے کہا تھا۔

مسز علوی خاموشی سے کھلی چیزیں پلیٹوں سے ڈھانپنے لگیں۔

نمو بڑی نکھری نکھری سی دکھائی دے رہی تھی۔ شام ڈھلے غسل کرنے کی وجہ سے وہ نئے سرے سے چاق و چوبند ہو گئی تھی۔ اب اس کا پروگرام تھا کہ چائے پیتے ہوئے ٹی۔ وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھے گی۔ چائے کا کپ تھامے کچن سے باہر آئی تو لاؤنج میں فون کی گھنٹی سنائی دی۔

دل بڑے خوشگوار انداز میں دھڑک اٹھا۔ لاشعوری طور پر اسے ایک خاص فون کا انتظار تو رہنے لگا تھا۔

اس نے روح میں گنگناتے سات سروں کے درمیان ریسیور اٹھایا اور بہت آہستگی سے ہیلو کہا۔

''السلام علیکم!'' ولید کمال کی آواز بھی خوشگوار جذبات سے بوجھل تھی۔

''نعمت ابرار علی! دو تین مرتبہ کی مختصر بات چیت سے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ آپ کو بحیثیت انسان اپنی قیمت کا ٹھیک ٹھیک۔ اندازہ نہیں۔ آپ خود پر واضح نہیں ہیں۔ کیوں؟''

''میں، میں سمجھی نہیں'' نمو نے اسی طرح دھیمے لہجے میں حلق تر کرتے ہوئے بمشکل کہا۔

''آپ بہت گھبرا جاتی ہیں بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ ڈر خوف، گھبراہٹ، آخر کیوں؟ آپ کو کیا کچھ کم ملا ہے؟'' ولید کمال بڑی اپنائیت سے سوال کر رہا تھا۔

''اپنا اپنا مزاج اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے۔'' اس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''ایک سمجھ دار و باشعور انسان کو چاہیے کہ وہ متوازن ہونے کی کوشش کرے۔ حد سے زیادہ عاجزی و انکساری کو ہماری سوسائٹی میں بڑی ہنرمندی سے بلیک میل کیا جاتا ہے۔ قدر نہیں ہوتی۔ میں وثوق سے کہہ رہا ہوں اگر آپ کونفیڈنٹ نظر آئیں تو سامنے ایک بہت شاندار سی پرسنالٹی ہوگی''

ولید کمال دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔ نمو کے دل میں کہیں کچھ چھن کر ٹوٹا۔ یوں کہ جیسے مزید ذات میں کچھ کم ہو گیا ہو۔ دیکھنے والے کو ایک اور کمی اس میں نظر آ گئی۔ وہ بجھ سی گئی۔ اور بڑے شکستہ سے انداز میں بولی۔

''آپ نے آج نشان دہی کے لیے یہ فون کال کی ہے؟''

''ارے نہیں بھئی لاحول ولا قوۃ۔ بھئی میرا دل چاہ رہا تھا آپ سے بات کرنے کا، اب میں چھوٹتے ہی آپ سے کہتا کہ نعمت! میں اس وقت آپ کو بہت شدت سے یاد کر رہا تھا، لگتا ہے مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے تو آپ جھٹ ریسیور رکھ دیتیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ حسین کلمات میں آپ سے کبھی کہہ بھی نہیں سکتا۔ یہ تو ایک ساتھ سفر طے کرتے ہوئے کسی مقام پر آپ کے دل کی گواہی ہوگی۔ صرف ایک منگنی کی انگوٹھی پہناتے ہی اتنا بڑا دعویٰ کوئی احمق ہی کر سکتا ہے''

نمو جو اس کے شروع کے رومانی کلمات سن کر حواس باختہ سی ہونے لگی تھی۔ فوراً سنبھل گئی جیسے سکون کا سانس لیا کہ آئندہ بھی اس قسم کے فلمی ڈائیلاگ کا کوئی ''خطرہ'' نہیں۔

''وہ تو بس ایسے ہی ایک بات کر دی تھی کہ انسان کو اپنی ویلیو کا اندازہ ہونا چاہیے نہ اپنی صلاحیت سے کم اور نہ صلاحیت سے زیادہ۔ ہم جتنا خود کو کم ظاہر کرتے ہیں۔ سمجھیں یہ معاشرہ ہمیں دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر مزید بٹھا دیتا ہے۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ میری بات؟''

ولید کمال نے چونک کر پوچھا۔ ایک گہری خاموشی سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ سیکنڈ پارٹی رابطہ منقطع کر چکی ہے۔

"جی......جی......میں بہت توجہ سے سن رہی ہوں" نمو نے اس مرتبہ بہت اعتماد سے کہا۔

"میں آپ کو ایک فلسفی شاعر کا چھوٹا سا پیراگراف سناتا ہوں۔ یقین کریں مجھے اتنا اچھا لگا تھا کہ ازبر ہو گیا ہے۔ آپ سے پہلے یہ میں نے کسی کو نہیں سنایا۔ فرماتے ہیں"

"انسان ایک تو خود ہی حقیر تھا پر ان لوگوں نے اسے اور بھی حقیر بنا دیا جن کا وجود دوسروں کی پستی، درماندگی اور عاجزی کا تماشہ ہے۔ بعض انسانوں نے اپنے آپ کو بڑی گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ اچھا راستہ ہے۔ یہ بہت ہی برا راستہ ہے اس راستے پر چلنے والوں کو نفرتوں، مذمتوں کی بدترین مسافت "طے" کرنا پڑتی ہے۔ کیا وہ لوگ اپنے آپ کو پسندیدہ سمجھیں گے جن سے نفرت کی جاتی ہو جنہیں بوجھ کی طرح برداشت کیا جاتا ہو۔ لوگ آخر اس قدر احمق کیوں ہوتے ہیں؟ میں لوگوں کی حماقتوں اور سفاہتوں سے عاجز آ گیا ہوں"

یہ ان لوگوں کی بابت اظہار خیال ہے۔ جو ہمہ وقت حالت تردد میں رہتے ہیں۔ اپنی صلاحیت استعمال کرنے کے بجائے اپنی ذات استعمال کے لیے دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مضبوط بنیے مضبوط نظر آیئے نعمت! مجھے مضبوط عورت بہت اچھی لگتی ہے۔ بتایئے آپ صرف اس بات پر پسینے پسینے ہو سکتی ہیں کہ آپ کا منگیتر فون پر اظہار محبت کر رہا ہو جبکہ پتا ہے وہ نہ آپ کو چھو سکتا ہے نہ ہی زبردستی اپنے گلے سے لگانے کا ارمان پورا کر سکتا ہے"

"ہائے اللہ!" نمو نے گھبرا کر جلدی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"اوہ میرے خدا! یہ تو بہت بولڈ ہیں" وہ سینے پر ہاتھ دھرے سانس درست کر رہی تھی پھر ایک دم حواسوں میں آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ کہیں کسی نے اس کی یہ کیفیت دیکھ تو نہیں لی پھر بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

پہلی بار عورت "اظہار محبت" پا کر سرور و نشے کے جس مقام کو چھوتی ہے دنیا کی کسی زبان کے الفاظ وہاں تک اڑان نہیں بھر سکتے۔

سامنے "جام جم" دھرا تھا۔ دنیا سات رنگ کا لبادہ اوڑھے ہتھیلی پر دھری تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روبی کے ہوش میں آتے ہی وقار اور ننا اسے گھر لے آئے۔

روبی پچھلی سیٹ پر بالکل خاموش لیٹی تھی۔ ننا وقار کے پہلو میں بیٹھی مسلسل آیات کا ورد کر رہی تھیں۔

وقار نے بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے ڈرائیو کرتا ہوا گتھیاں سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا گھر آ کر ننا روبی کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں۔

روبی چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی اور ننا اس کی حالت پر چھپ چھپ کر اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

وقار خود فریش جوس نکال کر لایا اور روبی سے پینے کے لیے اصرار کر رہا تھا اور وہ برابر انکار کر رہی تھی۔

ننا بھی آ کر اس کی خوشامد کرنے لگیں۔

"اے بٹی! کچھ پیٹ میں پڑے گا تو جی سنبھلے گا۔ دل کی بات بولو گی تو دل ہلکا ہو گا"

"آپ لوگ اس وقت جو مجھ پر بہت بڑا احسان کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں"

روبی نے سوئی سوئی سی آواز میں کہا جیسے کہ عموماً رونے سے آواز بھاری سی ہو جاتی ہے۔

وقار نے گہری اور جانچتی سی نظر روبی پر ڈالی پھر گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے نتا سے کہا۔

"ٹھیک ہے نتا! آپ اسے فی الحال اکیلا چھوڑ دیں"

وہ یہ کہہ کر نتا سے پہلے باہر چلا گیا۔ روبی نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

وقار لاؤنج میں آ کر اپنا موبائل لے کر بیٹھ گیا تھا۔ چند منٹوں کے بعد نتا بھی اس کے قریب ہی آ کر بیٹھ گئیں اور وقار کی مصروفیت کا جائزہ لینے لگیں۔

"بیٹے! ایک بات پوچھوں سچ سچ بتانا"

نتا وقار سے بہت تکلف سے بات کرتی تھیں بقول ان کے ہمارے ہاں داماد کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے۔

وقار کی انگلیوں کی حرکت رک گئی اس نے نتا کی طرف دیکھا۔

"جی نتا! بولیں میں توجہ سے سن رہا ہوں"

"بیٹے! کل ایک کاغذ آیا تھا کورٹ سے۔ خیریت ہے ناں کوئی پریشانی والی بات تو نہیں؟"

وقار نے چونک کر نتا کی شکل دیکھی۔ چہرے پر ایک دم پریشانی کی لکیریں کھنچ گئیں۔

"جی خیریت ہے۔ آپ کو کس نے بتایا تھا، روبی نے؟"

وقار کا ذہن ایک دم تیزی سے کام کرنے لگا۔ تمام خوابیدہ حواس ایک دم چارج ہو گئے۔

"وہی بتائے گی بیٹا! اب میں تو انگریزی پڑھی ہوئی نہیں ہوں۔ یہ سوچ رہی تھی کہ کوئی خاص بات تو نہیں کہ تم روبی سے ذکر کر بیٹھے ہو اور وہ برداشت نہ کر سکی ہو۔ اور تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی گھر میں جس سے اسے صدمہ پہنچتا۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں میں۔ اگر کوئی اور بات بھی ہے تو وہ بھی تمہارے ذریعے ہی اس تک پہنچی ہوگی۔ میرے ساتھ تو اس کی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ جس سے اسے دکھ پہنچتا"

نتا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

وقار کا ذہن بڑی سرعت سے کام کرنے لگا۔ مگر وہ نتا کے سامنے خود کو پرسکون ہی ظاہر کر رہا تھا۔

(اس کا مطلب ہے، روبی نے وہ نوٹس پڑھ لیا ہے؟)

اس نے موبائل بڑی بے دلی سے ٹیبل پر ڈال دیا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے نتا! اور روبی کے مطلب کی تو بالکل نہیں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ رات تک انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اس نوٹس کا روبی سے کوئی تعلق نہیں۔ قانونی نوٹس تو آتے رہتے ہیں، یہ بھی ہمارے کام کا ایک حصہ ہوتے ہیں"

وقار نے اپنی طرف سے نتا کو مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کی تاکہ نتا کی مداخلت ختم ہو اور وہ سکون سے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرے۔

"اچھی بات بیٹا! چلو میں تمہارے کھانے پینے کا کچھ کرتی ہوں۔ صبح سے ایسے ہی پھر رہے ہو" نتا خاصی مطمئن ہو گئی تھیں۔

نتا کے اٹھتے ہی وقار دوبارہ اپنے بیڈروم میں چلا گیا اور سیدھا بریف کیس کی سمت جلدی سے بریف کیس کھولا۔ بریف کیس سے ایسا کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی تلاشی لی گئی ہے۔ اس نے سائیڈ کی جیب سے نوٹس نکالا اور ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ یقیناً روبی نے نوٹس پڑھا ہے کیونکہ لفافہ جتنی صفائی سے اس نے بند کیا تھا اب وہ اس طرح سے بند نہیں تھا۔ نوٹس کا معمولی سا حصہ لفافے کے کھلے منہ سے جھانک رہا تھا۔ ظاہر سی بات ہے روبی نے جس کیفیت میں نوٹس لفافے میں واپس رکھا ہوگا۔ اس میں وہ اتنی باریکیوں کا خیال رکھنے کے قابل تو نہیں رہی ہوگی۔ اس نے لفافہ ٹھیک طرح سے بند کر کے دوبارہ بریف کیس میں رکھ دیا اور بریف کیس بند کرتے ہوئے پلٹ کر روبی کی

طرف دیکھا۔ وہ خود بازو آنکھوں پر دھرے چت لیٹی تھی۔

وقار پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ پھنسا کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اب اس کے اندر ایک ٹھہراؤ کی کیفیت تھی۔

تاب لاتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

کے مصداق اگلے مرحلے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پہلی بار وہ آئینے کے سامنے کھڑی بغور جائزہ لے رہی تھی۔ گورے، کالے، گندمی، سنہری رنگوں کے بہت سے چہرے ہوتے ہیں۔ مگر ایک رنگ جس کا کوئی نام نہیں ہوتا ہے جو ہر دیکھنے والی آنکھ کو محسوس تو ہوتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے بھی آج اپنا آپ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ گرین نیٹ کا کرتا۔ سی گرین تنگ پائجامہ اور ہم رنگ دوپٹہ۔ بغیر کسی وجہ کے کانوں سے چھوٹے رنگ اتار کر اس نے بڑے بڑے بالے کانوں میں ڈالے تھے گولڈ کے چھوٹے چھوٹے موتیوں سے بنی چھوٹی سی چین گلے میں ہر وقت ہی پڑی رہتی تھی، بالکل لائٹ پنک لپ اسٹک یونہی کھڑے کھڑے ہونٹوں پر لگائی تھی۔ سرمے کی سلائیاں بھی آنکھوں میں پھیر لی تھیں۔ دھیرے دھیرے دھیمی آواز میں کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔

اچانک مسز علوی کمرے میں وارد ہوگئیں۔ وہ اپنی جگہ جھینپ گئی اور وہ اپنی جگہ ٹھٹک گئیں۔

''کہیں جا رہی ہو؟'' انہوں نے خوشگوار حیرت سے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔

''نہیں تو۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

مسز علوی کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے

شرارت سے بولیں۔ ''کوئی آ رہا ہے؟''

نمو کی سانسیں اٹکس پٹس ہوگئیں۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ممانی جان'' وہ اسی طرح نظریں جھکائے ہوئے بولی۔

''کمال ہے۔ اتنی اچھی طرح تو تم عید پر بھی تیار نہیں ہوتی کہہ کہہ کر تمہیں تیار ہونے کے لیے بھیجتی ہوں۔ آج ایسا کیا خاص ہے۔ برتھ ڈے بھی نہیں ہے تمہاری۔ وہ دو مارچ کو ہوتی ہے جو تمہیں کبھی یاد نہیں ہوتی صرف تمہارے ماموں کو یاد ہوتی ہے۔ اور مارچ بھی جا چکا۔ واقعی آج میں بہت حیران ہوں مگر خوش بھی ہوں۔ یہی تو عمر ہوتی ہے یہ سب کچھ کرنے کی، اس عمر میں جو پہن اوڑھ لو سب بجتا ہے۔ شکر ہے، تمہیں اس طرف دھیان تو ہوا۔ ویسے یقین کرو بہت اچھی لگ رہی ہو۔ میں ابھی ولی کو فون کرتی ہوں کہ وہ تمہیں کہیں ڈنر کے لیے لے جائے۔ ویسے بھی وہ لوگ شادی جلدی کرنے پر بہت زور دے رہے ہیں۔ شادی سے پہلے تھوڑا سا انجوائے کرلو۔ پھر تو پریکٹیکل لائف شروع ہو جائے گی۔ سارے رومانس کا سمجھو ستیاناس''

وہ اسے شانوں سے تھام کر دیکھ رہی تھیں۔

''ہائے اللہ۔ ممانی جان! میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ''

نمو تو ایک دم حواس باختہ ہوگئی۔

''کیوں بھئی۔ اتنا کماتا ہے، تھوڑا سا خرچا ہو جائے گا تو اسے کیا فرق پڑے گا۔ گاڑی نہیں تو۔'' وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولیں۔

''ان کے سامنے بیٹھ کر مجھ سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔'' وہ سٹپٹا کر بولی۔

''ساری عمر اب اس کے سامنے ہی بیٹھ کر کھانا ہے۔ پوچھوں گی تم سے ذرا شادی ہو لینے دو'' مسز علوی نے اس کی حالت پر ہنستے ہوئے کہا تو نمو کو ڈھیروں شرم آ گئی۔

''یقیناً اس کا فون وون آیا ہوگا۔ جو اس پتھر میں جونک لگی ہے۔ بہرحال اچھا چنج ہے۔ مبارک ہو، تمہیں اللہ کرے تم ہمیشہ اسی طرح خوش رہو۔'' مسز علوی نے اب سنجیدگی سے کہا۔

''میں تو اصل میں اس وقت تمہارے پاس اس لیے آئی تھی کہ تمہارے ماموں کے ساتھ چار پانچ بندے ڈنر پر آ رہے ہیں۔ بہت کچھ بنا ہوا ہے۔ اور دیکھ لینا۔ مجھے تو بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ کچھ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے میں کینسل نہیں کر سکتی۔ وہ گیسٹ اسپیشلی لاہور سے آئے ہیں۔ بری سی بات ہے'' وہ مزید بولیں۔

''کوئی بات نہیں ممانی جان! میں دیکھ لیتی ہوں۔ آپ ایزی ہو کر جائیں'' نمو نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''بڑے کام سنبھالے ہوئے ہیں میرے۔ تمہاری شادی کے بعد مجھے بڑی پرابلم ہوگی۔ مگر بھئی شادی تو کرنا ہی ہے۔ بیٹی کو بلاوجہ بٹھانا بھی اچھا نہیں ہوتا'' وہ جاتے جاتے بول رہی تھیں۔

''رمیض بھائی کی دلہن آ جائے گی تو یہ سب وہ سنبھال لے گی۔ فکر کی تو کوئی بات نہیں۔'' نمو نے اپنی دانست میں ان کو تسلی دی۔

''آج کل کی بہویں اتنے ہیڈک نہیں پالتیں۔ شادی کے اگلے دن الگ ٹھکانے کے لیے پر تولتی ہیں بیٹی پھر بیٹی ہوتی ہے۔ رمیض خود کون سا ذمہ دار ہے جو اپنی بیوی کو ذمہ داری کا احساس دلائے گا۔ میں ایسی کوئی امید نہیں رکھتی''

مسز علوی نے صاف گوئی سے کہا اور باہر نکل گئیں۔

نمو آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی اور ڈنر کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''نیا بیٹی اٹھو، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے''

بانو بیگم نے گہری نیند میں ڈوبی نیا کو شانہ ہلا کر جگایا۔ لہجے میں بڑی کمزوری و تھکن سی تھی۔ نیا ایک دم ہڑبڑا کر جاگ گئی اور نیند بھری آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

''بیٹی! ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دو۔ مجھ میں تو جیسے پیر اٹھانے کی طاقت نہیں''

بانو بیگم نے اسی طرح شکستہ سے انداز میں کہا تو نیا ایک دم پلنگ سے اتر گئی۔

''امی! آپ بیٹھیں۔ میں پانی لاتی ہوں۔ ویسے خیریت ہے نا؟''

نیند تو جیسے اڑن چھو ہو گئی۔ فکر و پریشانی نے آ گھیرا اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔

نیا نے ماں کو تھام کر پلنگ پر بٹھایا اور پانی لینے چلی گئی۔

اور فوراً ہی پانی لے آئی تھی۔ ماں کو گلاس تھمایا اور ان کی صورت تکنے لگی۔ وہ ایک دم سے بہت بوڑھی بوڑھی نظر آنے لگی تھیں۔ آہستہ آہستہ پانی کے گھونٹ لینے لگیں۔ نیا ان کے قدموں میں نیچے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی۔

''شاداب نہیں آیا ابھی تک اس لیے پریشان ہیں؟'' وہ بہت دکھ سے پوچھ رہی تھی۔

''بیٹی! دوسرے دن کی دوسری رات بھی ختم ہو گئی'' بانو بیگم کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''اُفوہ امی! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟ وہ بیٹا کس کام کا جس کو اتنا بھی احساس نہ ہو کہ اس کی ایک ماں بھی ہے، جو اس کا انتظار کرتی ہے۔ جسے خون کے رشتوں سے زیادہ دولت پیاری ہے۔ کیا لگتا ہے وہ ہمارا ہم کیوں اس کا رستہ دیکھیں۔ کیوں

سوچ سوچ کر کڑھیں۔ اس سے تو لاکھ درجے اچھی لاڈو دادی ہیں جن سے چلا نہیں جاتا ہے۔ ضعیفی کی انتہا پر ہیں پھر بھی خود کو گھسیٹ کر آپ کے پاس آپ کی خیر خیریت پوچھنے آتی ہیں"

اس نے مثال کے طور پر محلے کی سب سے پرانی نشانی کا ذکر کیا۔ اندر سے اس کا دل کرچی کرچی تھا وہ اپنے دکھ کی شدت کا اظہار کسی اور انداز میں کر رہی تھی۔ اس کی فطرت تھی کسی کے بھی سامنے آنسو بہانا کبھی اچھا نہیں لگا اور ماں کے سامنے تو بہا بھی نہیں سکتی تھی کہ ماں تو پھر مزید بکھر جاتیں۔

"یوں نہ بولو بیٹی! ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ناں جانے کس وقت وہ اسے صراطِ مستقیم کی طرف موڑ دے۔ کوکھ سے گود میں آیا۔ پھر اونچا پورا ہو گیا دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہرا بھرا درخت ہے میرا۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے کلیجے میں بیٹی! دھیما بولو، اچھا بولو اللہ سے بھائی کے لیے دعا مانگو اتنا پیارا اتنا سیدھا اتنا بھولا میرا بچہ نہ جانے کن شیطانوں کے ہتھے چڑھ گیا۔"

وہ دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر رونے لگیں۔

نیا نے ماں کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

"امی حوصلہ کریں آپ کی جمع پونجی ہے تو ہمارا بھی تو بہت کچھ ہے۔ تھرڈ پروفیشنل شروع ہوا اس کا تو میں خواب دیکھنے لگی کہ بس اب بہت قریب وقت آ گیا ہے میرا بھائی ڈاکٹر بن جائے گا جب کوئی میرا تعارف کسی سے کرائے گا کہ یہ ڈاکٹر شاداب کی بڑی بہن ہیں...... تو مجھے کتنا اچھا لگے گا۔ ہائے امی مجھے تو اپنی ہی نظر لگ گئی"

اذیت کے خنجر نے ایک شگاف سا اس کے دل میں ڈال دیا۔ ہوک سی اٹھنے لگی۔

"اللہ نہ کرے بیٹی! دعا کرو اللہ اس آزمائش کا عرصہ مختصر کر دے۔ میرا پھول جیسا

بچہ واپس میرے پاس آ جائے۔ اللہ بادشاہ ہے بیٹی! کون جانے کون سی گھڑی قبولیت کی ہو"۔

نیا نے چپکے سے اپنی آنکھیں پونچھیں اور نیچے رکھا پانی کا خالی گلاس اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھیں امی! پریشانی سے حاصل تو کچھ بھی نہیں ہوگا، وہ کوئی دودھ پیتا بچہ تو ہے نہیں جو کھیلتے کھیلتے دور نکل گیا ہو۔ اور گھر کا رستہ بھول گیا ہو۔ انشاء اللہ وہ آ جائے گا۔ ابھی ذرا نیا نیا جوش ہے۔ دولت کی اور بارود کی قوت کو انجوائے کر رہا ہے۔ دو دن سے گھر نہیں آیا تو اس کا مطلب ہے۔ آج وہ جلدی گھر آ جائے گا۔ انشاء اللہ۔ آپ تھوڑی دیر سو جائیں۔ مجھے پتا ہے آپ آج رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوئی ہوں گی۔" نیا نے کہا ماں کی اذیت سے وہ تکلیف میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔ تمہارے منہ سے امید بھری باتیں سن کر دل ذرا قابو میں آیا ہے۔ اوسان ٹھکانے پر آئے ہیں۔ عتیقہ بھی رات دو بجے تک جاگ کر اپنی پڑھائی کرتی رہی۔ مگر میں اس کے پاس نہیں گئی کہ اسے کیا پریشان کروں، اس کے امتحان قریب ہیں۔ پڑھائی کا حرج ہوگا۔"

وہ باہر صحن کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ جہاں ان کا پلنگ بچھا ہوتا تھا اور پیڈسٹل لگا ہوتا تھا۔ وہ گرمیوں کے موسم میں کبھی کمرے میں نہیں سوتی تھیں۔

"آپ نے اچھا کیا۔ اس کا یہ وقت بہت قیمتی ہے۔ بس آپ تھوڑی دیر سو جائیں۔ ورنہ صبح تک آپ کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے خدانخواستہ۔ انشاء اللہ شاداب آج گھر آ جائے گا"

نیا نے ماں کو تقویت دینے کے لیے پھر خاص طور پر یہ جملہ دہرایا۔ جس کا بانو بیگم پر

خاطر خواہ اثر بھی نظر آ رہا تھا۔ گمشدہ نیند اب ان کی آنکھوں میں اترنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روبی دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند سو رہی تھی وہ شام سات بجے تک سو گئی تھی۔ ننا نے بصد اصرار اس کو سوپ وغیرہ پلا دیا تھا پھر دوائیاں دے دی تھیں۔ شام کے سات بجے ہی اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگی تھیں۔ وقار نے اور ننا نے بھی خاموشی کی فضا میں تھوڑا بہت کھا لیا تھا۔ ننا تو کھانے کے بعد اپنی نماز و تسبیحات وغیرہ میں مشغول ہو گئی تھیں۔

وقار کار کی چابی اٹھا کر گھر سے نکل گیا تھا۔ رات تقریباً ایک بجے واپس آیا تو روبی اسی طرح گہری نیند سو رہی تھی۔ مگر وقار کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہ تھا۔ کافی دیر بالکنی میں کھڑا سگریٹ پھونکتا رہا۔ دوبارہ کمرے میں آیا تو یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ روبی جاگ رہی تھی اور بستر کے بجائے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وقار کمرے میں داخل ہوا تو روبی نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف گھورنا شروع کر دیا۔

وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس کے نزدیک آیا اور آہستگی سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا ”کیسی طبیعت ہے روبی؟“

”کچھ کہہ نہیں سکتی۔ شاید ہمیشہ کے لیے خراب ہو گئی ہے۔“

روبی نے سوئی سوئی سی آواز میں جواب دیا۔

”ایسا نہیں ہوگا تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ بعض اوقات ہم بہت اندھیرا دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر اندھیرے کی اس چادر کے پار روشنی موجود ہوتی ہے۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ جو کچھ تم نے جانا وہ ادھورا ہے۔ بلکہ ایک طرح سے تمہیں سرے سے کچھ پتا ہی نہیں“

وقار کی آواز بہت دھیمی تھی۔

روبی نے چونک کر وقار کی شکل دیکھی۔ پھر نظریں جھکا لیں۔

”ایک چاہنے والے کے لیے یہ اذیت کیا کم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اس کے دل میں کوئی اور بھی بسا ہوا ہے۔ جسے اس نے چھوا بھی ہے، پیار بھی کیا ہے۔ لائف بھی انجوائے کی ہے۔ اس کی رفاقت میں خوشیاں بھی سمیٹی ہیں۔ وہ جس کے دل کو کوری تختی سمجھا گیا تھا۔ اس پر کبھی نہ مٹنے والی تحریریں نقش ہیں۔ اتنی بڑی منافقت ایک سچا پیار کرنے والے کے ساتھ اس سے بڑا دکھ دنیا میں کیا ہوگا“

روبی اسی طرح خوابیدہ آواز میں بغیر رکے بولتی چلی گئی۔

”یہ سب تمہارے مفروضے ہیں، ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جب تمہیں حقیقت پتا چلے گی تو تمہیں میری کمپنی پر پہلے سے زیادہ اعتماد ہوگا۔ پہلے سے زیادہ خوشی محسوس کرو گی کسی عورت کے لیے اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی کہ اسے کسی نے اتنی اہمیت دی کہ کوئی اور عورت اس کے مقام کو چھو نہیں سکتی۔ تم تو اتنی اچھی اتنی انوسنٹ ہو کہ تمہیں دھوکہ دینا یا تم سے جھوٹی محبت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خود کو سنبھالو میں تمہیں بہت کچھ بتاتا ہوں۔ تم سے زیادہ اہمیت میرے دل میں کسی کی نہیں ہو سکتی۔ میں تمہارے خلوص کا بہت قدردان ہوں۔ تمہارے ساتھ بہت خوش ہوں۔“

وہ محبت سے روبی کے بال سنوارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

روبی سر اٹھا کر بے یقینی سے اس کی صورت تکنے لگی۔ وقار بڑے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ روبی نے نظریں جھکا لیں۔

”میں آپ کی ایک ایک بات پر یقین کر لیتی ہوں لیکن آپ کو یہ تو بتا دینا چاہئے تھا کہ میں جسے نیا ملبوس سمجھ کر خوش ہو رہی تھی، وہ نیا لباس نہیں بلکہ ”اترن“ ہے“

وقار نے بڑی گہری نظروں سے روبی کا جائزہ لیا وہ خوابیدہ سے حال میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وقار کے ہونٹوں پر بڑی نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"روبی! نیا یا پرانا لباس یہ کوئی خاص بات نہیں بات صرف خلوص کی ہے۔ اگر عورتوں کو بالکل نیا لباس عطا ہوتا ہے مگر وہ اس لباس کی قدر نہیں کرتیں، دھجیاں بکھیر دیتی ہیں۔ اپنے مقام سے گر جاتی ہیں۔ ہر طرح کے خلوص و محبت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ دل کا ناسور بن جاتی ہیں، یادداشت کا زخم ہوتی ہیں۔ نئے لباس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ لباس اگرچہ نیا نہ ہو مگر صاف ستھرا ہو، پاک صاف ہو۔ نیا لباس جس پر راہ چلتے گندے پانی کے چھینٹے پڑ جائیں اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی۔ وہ پرانے مگر صاف ستھرے لباس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

روبی تمہیں پیوند لگا لباس ضرور ملا ہے۔ مگر یہ صرف تمہارا ہے۔ چند دنوں کے لیے عاریتاً نہیں ملا ہے۔ اس یقین سے کبھی مت ہٹنا۔ ورنہ سچی خوشیوں سے محروم ہو جاؤ گی۔ وہ مفروضے جن کی کوئی حیثیت ہے نہ اہمیت تم سے زندگی کا حسن چھین لیں گے۔ جب قدرت نے تمہاری جھولی بھری ہوئی ہے تو تم وہم و گمان میں اپنے آپ کو مت الجھانا۔ مزید یہ کہ بہت جلد مزید حقائق تمہارے سامنے آجائیں گے اور تم مطمئن ہو جاؤ گی۔"

وقار بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گیا۔

روبی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی چند ثانیے ساکت سی بیٹھی رہی پھر سر اٹھا کر وقار کی طرف دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

"اتنا اعتبار کیا تھا کہ شادی کر لی تھی مجھ سے۔ اسی اعتبار کا سہارا لو۔ انشاء اللہ تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔"

وقار نے بہت پیار سے اس کے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر مجھ سے اس طرح ملیں کہ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے اوجھل نہ ہو۔"

روبی نے اب بڑے اعتماد اور قطعی پن سے بات کی۔

"ایسا ہی ہو گا۔ میری کتاب زندگی کا ورق ورق تمہارے سامنے کھلا ہو گا۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میرے اندر کوئی گلٹ نہیں ہے۔" وقار نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"اگر آپ میرڈ تھے تو آپ نے یہ بات کیوں چھپائی؟ کیا یہ بہت بڑا دھوکا نہیں؟" روبی نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ضرور ہوتا اگر میرے نزدیک اس شادی کی کوئی اہمیت ہوتی۔ بس ایک ناگوار سا حادثہ ہے وہ، اسی لیے میں تمہارے ساتھ مطمئن اور خوش ہوں۔" وقار نے اسی طرح بڑے اعتماد سے بات کی۔

"ماہ رخ" نام پڑھ کر تو مجھے چکر سا آ گیا۔ میں سمجھی یہ پڑوس والی ماہ رخ۔ مگر وہ تو اتنی اچھی ہیں کہ کوئی انہیں اپنا کر چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

روبی اپنی فطری سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

لمحے بھر کو وقار چونکا مگر سنبھل گیا۔ اور روبی سے بڑے پیار بھرے انداز میں بولا۔

"روبی جان! کچھ کھالو۔ تم نے صبح سے اب تک صرف ایک گلاس جوس اور ایک کپ سوپ پر گزارا کیا ہے۔"

"جب تک مجھے ساری حقیقت معلوم نہیں ہو جاتی مجھ سے کچھ کھایا پیا نہیں جائے گا۔ آپ کو کیا معلوم میرے دل و دماغ میں کیسی آندھیاں چل رہی ہیں۔" روبی کے انداز میں ضد سی تھی۔

"ابھی کورٹ ٹرائل شروع ہو گا۔ بہت کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔ صرف یہ بتاؤں گا کہ میں نے بہت ارمانوں سے اور بزرگوں کی تائید سے آج سے پانچ سال پہلے شادی کی تھی مگر وہ شادی ایک سال بھی نہیں چلی۔ میں اس وقت شاید بہت احمق تھا۔ مجھے تب ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ میں کن لوگوں میں پھنس رہا ہوں جب انہوں نے پانچ لاکھ

روپے حق مہر کی بات کی تھی۔ اتنے بڑے بڑے مہر وہی لوگ لکھواتے ہیں جو کسی بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ اور اپنی سیکیورٹی کے بندوبست کرتے رہتے ہیں۔ جنہیں کچھ مل کر چھن جانے کا خوف ہوتا ہے۔ میں اس وقت اس کرپٹ لڑکی کی محبت میں اتنا اندھا ہو چکا تھا کہ مجھے کسی بات پر توجہ دینے کا ہوش نہیں تھا۔''

''یہ اتنی اندھی محبت یکا یک اڑنچھو کیسے ہو جاتی ہے؟''

روبی نے وقار کی بات کاٹ کر تلخی سے کہا اور کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر جا لیٹی۔ اسے لفظ ''اندھی محبت'' سن کر از حد تکلیف ہوئی تھی۔ فی الحال وہ اس سے بھی تو بے پناہ محبت کا اظہار کر رہا ہے۔ کیا معلوم یہ محبت کب بیزاری میں تبدیل ہو جائے۔

اسے یاد آنے لگا کہ وقار پر اکثر دورے سے پڑتے ہیں۔ یکا یک وہ اجنبی سا لگنے لگتا ہے اس دورانیے میں وہ کتنی اذیت سے گزرتی ہے۔ جب وہ اس کے ساتھ اجنبی کی طرح ہوتا ہے تو کیا اس وقت وہ پرانی محبت کا غم منا رہا ہوتا ہے۔؟

''روبی! شادی، اعتماد اعتبار کے بندھن کا نام ہے۔ اگر یہی نہ ہو تو یہ بندھن اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔ پھر ایک ایسی زنجیر بن جاتا ہے جس میں دو قیدی بندھے ہوئے ہوتے ہیں بعض لوگوں کی کچھ مصلحتیں ہوتی ہیں۔ وہ یہی قیدیوں جیسی زندگی برداشت کر لیتے ہیں۔ مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، میں منافقت سے بھری بوجھل زندگی برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی لیے میں نے وہ زنجیر فوراً سے پیشتر اتار پھینکی''

''کیا وہ آپ سے شادی کے بعد کسی اور میں دلچسپی لینے لگی تھیں؟''

روبی اتنے بڑے بیان سے بھی کچھ اخذ کر سکی۔

''وہ مجھ سے شادی سے پہلے ہی سے کسی اور میں انٹرسٹڈ تھی۔ اس کے لالچی بزرگ اسے طلاق دلوا چکے تھے۔ مجھ سے شادی کے وقت وہ طلاق یافتہ تھی۔'' وقار نے گویا

دھاکہ سا کیا تھا۔

روبی ہکا بکا سی اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔

''آپ کا مطلب ہے، وہ آپ سے شادی سے پہلے شادی شدہ رہ چکی تھیں؟'' وہ ہونق سی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

اسی دوران وقار کے موبائل کی رنگ ہوئی تھی۔ بڑی پیاری سی رنگ تھی جیسے علی الصبح چڑیاں چہچہا رہی ہوں۔'' وقار نے آنے والی کال کا نمبر دیکھا۔ اور روبی سے یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''روبی...... شکاگو سے کال ہے۔ میں بالکنی میں ہوں۔ یہاں سگنل ٹھیک نہیں آتے''

روبی کی بلا سے شکاگو سے کال تھی یا خلائی شٹل سے۔ وہ تو اپنی جگہ حیران پریشان سی بیٹھی سوچ رہی تھی۔ ''اللہ اتنا بڑا دھوکہ ہوا تھا ''ان'' کے ساتھ، لیکن میرے ساتھ بھی تو دھوکا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ دھوکا ہوا تو انہوں نے دوسری کا ہاتھ تھام لیا۔ مگر میں تو یہ نہیں کر سکتی۔'' اسے نئے سرے سے چکر آنے لگے۔

☆☆☆☆☆

رات کے دو بج چکے تھے۔ تینوں باہر صحن میں پلنگ پر یوں بیٹھی تھیں جیسے کسی بہت بڑے نقصان کی خبر ملی ہو۔ بانو بیگم کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔ نیا اور عتیقہ ماں کے شانوں پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھیں۔

''امی حوصلے سے کام لیں آ جائے گا۔ اتنی ذمہ داری کا احساس ہوتا تو ان غلط سلط راستوں پر کیوں چلتا۔ آپ گھرائیں نہیں۔ خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو ہمارا کیا ہو گا؟ یہ بھی تو سوچیے۔

نیا ماں کی دلجوئی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عین اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ تینوں

کے چہروں پر گویا زندگی دوڑنے لگی۔

"یا اللہ میرے بچے کا فون آیا ہو۔ یا اللہ وہ خیریت سے ہو۔"

بانو بیگم پر جوش انداز میں پلنگ سے اتر کر اندر کی طرف تقریباً بھاگتے ہوئے گئیں۔ وہ دونوں بھی ان کے پیچھے دوڑی تھیں۔

بانو بیگم نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو جی کون۔ میں شاداب کی والدہ بات کر رہی ہوں۔ جی جی وہ گھر پر ہے۔"

اتنا کہہ کر انہوں نے نیا کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں بیٹی کون ہے۔ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔"

انہوں نے مایوسی کی کیفیت میں ریسیور نیا کو تھما دیا۔ نیا نے فوراً بڑی بے تابی سے ریسیور تھام کر کان سے لگالیا۔

ہیلو...... جی......؟ کون...... جی...... جی...... میں نیا بات کر رہی ہوں...... نیا نے الجھن بھرے انداز میں کہا اسے فون کرنے والے کی آواز قطعی اجنبی محسوس ہوئی تھیں...... بانو بیگم متفکر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

مخدوم صاحب بات کریں گے آپ ہولڈ کریں........... اجنبی آواز یہ کہہ کر خاموش ہوگئی نیا کا دل دھک دھک کرنے لگا...... مخدوم صاحب......؟!!! مجھ سے کیا بات کریں گے...... وہ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔

ہیلو.......... ایئر پیس میں مخدوم صاحب کی گھمبیر بارعب آواز ابھری...... جو سماعت سے زیادہ دل کو بھاری تھی۔

نیا نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولی۔

اسلام علیکم...... بابا سائیں...... خیریت ہے ناں...... آج بات کرکیسے یاد کیا۔؟

خیریت تو آپ بولو اماں...... کیسے ہو آپ لوگ...... مخدوم صاحب کا انداز و لہجہ بڑا عجیب سا تھا نیا مزید پریشان ہوگئی اور ماں کی طرف دیکھ کر بولی۔

جی.......... میں سمجھی نہیں۔

ہم کون سا تجھ سے عربی میں بات کرتے ہیں اماں.......... بھائی تیرا ٹھیک ہے ناں؟ خیریت سے ہے؟

مخدوم صاحب کا انداز وہ اب بھی نہیں سمجھ سکی۔

جی.......... پتہ نہیں...... اللہ کرے خیریت سے ہو دو دن سے گھر نہیں آیا.......... اس لیے ہمیں اس کا حال احوال نہیں پتہ.......... نیا ہچکچاتے ہوئے بولی۔

ہم تجھے اس کا حال احوال بتائیں گے پر تجھے حویلی آنا ہوگا...... ہم نے تجھے اس وقت اس بات کے واسطے ہی فون کیا ہے۔

نیا بری طرح چونک پڑی اور ماں کے متفکر چہرے پر نظر دوڑا کر بولی۔

شاداب حویلی میں ہے..........؟

میری بات کرانا نیا...... شاداب سے......؟ بانو بیگم نے تڑپ کر ریسور کی طرف ہاتھ بڑھایا نیا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا۔

وہ حویلی میں نہیں ہے...... حویلی میں عزت والے لوگ ہوتے ہیں یا ان کی جوتیاں سیدھی کرنے والے...... عزت والوں کی جوتیاں سیدھی کرنا بھی عزت کی بات ہوتی ہے۔ ہم اسے اس لائق بھی نہیں سمجھتے...... بھائی کی خیریت پتہ کرنا ہے تو حویلی آ جانا اور خبردار سہیل کو سفارشی بنانے کی کوشش مت کرنا.......... ورنہ ڈھونڈتی پھرے گی بھائی کو زندگی بھر...... اور سنو اکیلی آنا اپنی عقل سے پیدل ماں کو ساتھ مت لانا.......... بیٹا پیدا

کر کے احسان کیا ہے اس نے دھرتی پر نہایت غرور، بدمزاجی، بدلحاظی سے کہہ کر مخدوم صاحب نے فون بند کر دیا۔

نیا ایک دم خالی الذہن ریسور کان سے لگائے پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ بانو بیگم اسے اس کیفیت میں دیکھ کر حواس باختہ سی ہو گئیں۔

نیا.......... بیٹی.......... کیا ہوا..........؟ کیا کہہ رہے ہیں مخدوم صاحب.....؟

مخدوم صاحب ہیں یا ان کی بیگم؟ نیا نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا اور آہستگی سے ریسور رکھ دیا..........اور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

آپا.......... خیریت ہے ناں......؟ عتیقہ جو دروازے کے فریم میں تصویر کی طرح ایستادہ تھی آگے بڑھ کر نیا کو شانوں سے تھام کر بولی۔

خیریت نہیں ہے عتیقہ.......... شاداب مخدوم صاحب کی گرفت میں جا چکا ہے.......... نیا نے مردہ آواز میں کہا کیا کریں گے میرے بچے کا وہ.......... کیوں قید کیا ہے اسے؟ بانو بیگم نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

پتہ نہیں کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے حویلی میں بلایا ہے..........صرف مجھے..........اور دھمکی دی ہے کہ سہیل بھائی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے.......... نیا نے نظریں جھکا کر سپاٹ لہجے میں مزید بتایا۔

ہیں......؟ تمہیں کیوں بلایا ہے.......... کیا بات کریں گے تم سے اسے آزاد کرنے کے لئے تم سے پیسہ مانگیں گے؟ انہیں پتہ تو ہے کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں میرے پاس پیسہ کہاں..........کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی کیا خبر تمہیں بھی وہیں بٹھا لیں...... بانو بیگم خوف و پریشانی میں توازن کھوتی جا رہی تھیں۔

ہاں آپا.......... یہ لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں.......... آپ کو وہاں جانے کی

ضرورت نہیں۔ عتیقہ نے ماں کی تائید کی تشویش میں مبتلا وہ بھی نظر آنے لگی تھی۔

لیکن شاداب کی وجہ سے نہیں تو امی کی وجہ سے مجھے وہاں جا کر ان کی بات تو سننا ہو گی شکر کرو فون کر کے بلا رہے ہیں.......... پتہ نہیں سہیل بھائی کی وجہ سے اتنا لحاظ کر رہے ہیں.......... ورنہ یہ تو سیدھے سیدھے بندے اٹھواتے ہیں.......... کیوں کہ قانون جیب میں رکھتے ہیں اس لئے خواہش کے زور مارنے کے بعد انتظار کی اذیت برداشت کرنا ان لوگوں کے بس کی بات نہیں..........صبر، انتظار، قانون یہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو ایک وقت کھا کر دوسرے وقت کی فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں...... آپ لوگ بس اب کچھ نہ کہیں اور مجھے حویلی جانے دیں.......... یہ تو طے ہے کہ وہ مجھے گولی نہیں ماریں گے.......... بے عزت کرنا چاہتے تو اٹھا کر لے جاتے.......... مجھے خود تجسس ہے کہ وہ مجھ سے آخر بات کیا کرنا چاہئے ہیں.......... پلیز امی..........انتہائی نازک سچویشن کے وقت رو دھو کر کام خراب نہیں کرنا چاہیے اس وقت کچھ کرنا ہوتا ہے..........تب ہی مسئلہ حل ہوتا ہے.......... میں سونے جا رہی ہوں مجھے صبح سات بجے اٹھا دیجئے گا.......... میں آٹھ بجے تک حویلی کے لئے نکل جاؤں گی۔

نیا نے اس طرح بات کی کہ بانو بیگم اور عتیقہ اس سے مزید کوئی بات نہ کریں۔ اس وقت اس کے دماغ میں سناٹا اتر رہا تھا..........وہ اب کچھ اور نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

بہت سے انسانوں کو یہ تجربہ بھی ہوتا ہے.......... کہ قیاس آرائی اور اندازوں کا کھیل وقت کا زیاں ہے..........سوچ کے گھوڑے دوڑا کر بھی سامنے دھول بگولے ہوتے ہیں.......... ہر حادثے کا ایک نام ہوتا ہے.......... جو قیاس آرائی کے گرفت میں کبھی نہیں آتا.......... حادثے کو کسی بھی وقت پیش آنا ہوتا ہے.......... جس وقت پیش آتا ہے اپنے نام و پہچان کے ساتھ پیش آ جاتا ہے.......... قیاس آرائی کا حاصل تو

صرف خفت ہے.......... نیا کچھ تو پیدائشی ہی میچور تھی پھر یتیمی کی تیز دھوپ نے اسے سائے کی اہمیت کا شعور دے کر ننگے پاؤں کی مسافت پر ڈال دیا.......... دھوپ میں ننگے پاؤں چلنے والا راستہ طے کرنے کی عجلت میں ہوتا ہے قیاس آرائی تو بے فکروں خوش وقتوں کا کھیل ہے۔

وہ اپنے بستر پر اوندھی لیٹ کر سونے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ دماغ میں اسوقت جمود کی کیفیت طاری تھی۔

☆☆☆☆☆

امی.......... آپ یہ پراٹھے وراٹھے رہنے دیں..... ایک کپ چائے اور دو سلائس سینک دیں۔ بھوک ووک نہیں ہے.......... نیا نے کچن میں آ کر کہا.......... بانو بیگم پراٹھے کا توا چولہے پر رکھ چکی تھیں اور گھی کی خوشبو سارے گھر میں پھیل رہی تھی اسی وجہ سے نیا کو اندازہ ہوا کہ کچن میں کیا ہو رہا ہے اس نے فوراً آ کر ماں کو ٹوک دیا تھا۔

بانو بیگم نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا.......... وہ لان کے ہلکے پھلکے کپڑے پہنے تھی اور سادہ سی چوٹی بنائے ہوئے تھی چہرہ میک اپ سے عاری تھا.......... بے خوابی کی سرخی آنکھوں میں تھی۔

بیٹی راستے میں تین گھنٹے تو لگ جائیں گے اور وہاں کونسا تم دعوت میں جا رہی ہو جو کوئی تمہارے لیے دستر خوان سجائے بیٹھا ہوگا.......... بھوک تو لگ ہی جائے گی.......... ایک پراٹھا اور دو شامی کباب باندھ دیتی ہوں.......... بھوک لگے تو کھا لینا.......... اللہ ہمارے حال پر رحم کرے اور تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے.......... وہ متفکر انداز میں کہہ رہی تھیں۔

چھوڑیں امی.......... روزہ بھی تو رکھتے ہی ہیں.......... فرض کریں بہت ہی

بھوک نے ستایا تو راستے میں بسکٹ سموسے وغیرہ لے کر کھا لوں گی.......... مجھے تو بس وہاں پہنچنے کی جلدی ہے۔ نیا یہ کہہ کر دوبارہ باہر آ گئی.......... سامنے ہی عتیقہ مل گئی۔

آپا.......... بہت خطرناک قسم کے لوگ ہیں.......... خیال رکھئے گا.......... وہ بھی بہت فکر مند نظر آ رہی تھی۔

تم پریشان مت ہو.......... میرا اس گھر میں برسوں سے آنا جانا ہے.......... سب کو اچھی طرح جانتی ہوں بہر حال گولی نہیں ماریں گے.......... تم فضول میں پریشان مت ہو.......... اس نے عتیقہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آپ آدھا گھنٹہ رک جائیں تو میں ماریہ (دوست) سے آپ کو موبائل لا دوں تاکہ کوئی ایسی ویسی بات ہو خدانخواستہ تو آپ فوراً سہیل بھائی سے فون پر کونٹیکٹ کر لیں۔ عتیقہ کو ایک آئیڈیا سوجھا تھا۔

کوئی ضرورت نہیں.......... مجھے کوئی ڈر خوف محسوس نہیں ہو رہا صرف یہ جاننے کی جلدی ہے کہ انہوں نے مجھے کیوں بلایا ہے.......... تم ایزی رہو.......... تیار ہو کر کالج جاؤ.......... کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں.......... اس نے ریسٹ واچ پر نظریں دوڑاتے ہوئے غائب دماغی کی کیفیت میں اسے تسلی دی..........

بانو بیگم چائے اور سلائس لیکر باہر آ چکی تھیں.......... مگر اب قطعی خاموش تھیں۔

☆☆☆☆☆

نمو کو بڑی حیرانی ہو رہی تھی کہ آج رمیض دوپہر بارہ بجے تک بھی سو کر نہیں اٹھا تھا۔ مسز علوی تو آج صبح دس بجے اپنے ویلفیئر ٹرسٹ کے ہفتہ وار اجلاس میں شرکت کے لئے گھر سے جا چکی تھیں وہ اپنے روٹین کے کاموں سے فارغ ہو کر ذرا ستانے کو بیٹھی تو انٹر کام کی گھنٹی بج اٹھی.......... لامحالہ اوپر سے رمیض ہی رنگ دے رہا ہوگا وہ سوچتے

ہوئے اٹھی اور ریسور اٹھالیا جی............؟ وہ بولی۔

ہاں نمو......ایک کپ چائے بنا کر اوپر آنا مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے..........

اتنا کہہ کر رمیض نے ریسور رکھ دیا تھا۔

الٰہی خیر..........اتنی سنجیدگی......؟ اور پھر مجھ سے کوئی ضرورت کام..........اتنی اہمیت۔ زہے نصیب وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

اسی ادھیڑ بن میں اس نے الیکٹرک کٹیل استعمال کر کے منٹوں میں چائے بنائی اور رمیض کے کمرے کی طرف چلی۔

اسٹیپ مکمل ہوتے ہی سامنے رمیض کے بیڈ روم کا دروازہ تھا اس نے آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

ہوں..........آ جاؤ نمو......رمیض کی آواز میں ہنوز سنجیدگی کا تاثر غالب تھا۔ نمو دروازہ پش کر کے اندر چلی آئی مگر رمیض پر نظر پڑتے ہی چونک پڑی..........بہت عرصے بعد اس نے رمیض کی بڑھی ہوئی شیو دیکھی تھیں..........گلابی چہرے پر سیاہ بال دور ہی سے نظر آ رہے تھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے رمیض بھائی؟ نمو نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑی فکر مندی سے پوچھا۔

رمیض ہاتھ گاؤن کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی میں کھڑا باہر جھانک رہا تھا ایک دم یوں چونکا جیسے کہیں دور پہنچا ہوا تھا اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ نمو پر ڈالی اور آگے بڑھ کر چائے کا کپ اٹھالیا..........اور ایک گھونٹ بھرنے کے بعد بولا۔

''میرا کوئی فون وون تو نہیں آیا رات سے اب تک..........؟

نہیں......آپ کے فون تب ہی آتے ہیں جب آپ کا موبائل آف ہوتا ہے؟ اس کی بیٹری کم ہوتی ہے..........میں نے تو بہر حال آپ کا کوئی فون اٹینڈ نہیں کیا۔ نمو

اپنے حافظے پر زور ڈالتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

کوئی ملنے بھی نہیں آیا..........رمیض دوبارہ کھڑکی میں جا کر کھڑا ہوا اور چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے باہر جھانکنے لگا۔

نہیں......کیا کسی نے آنا تھا؟ نمو نے گہری کھوجتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

ویسے ہی پوچھ رہا تھا......رمیض کی آنکھوں میں سرخی تھی جیسے وہ رات بھر جاگتا رہا ہو۔ نمو اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھیں..........وہ اس کی سنجیدگی سے واقعی فکر مند ہو رہی تھی..........بڑی سے بڑی بات کی پرواہ نہ کرنے والا ہر آن ہر پل اپنی خوشیوں کی حفاظت کرنے والا..........اتنا سنجیدہ کیوں ہو رہا ہے..........پریشانی والی بات تو تھی۔

نمو..........مجھے اس وقت سیریسلی تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے..........کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا..........نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

نمو بری طرح چونک پڑی پھر مسکرا کر بولی۔

اللہ سے مدد مانگتے ہیں مشکل وقت میں..........بھلا میں بے چاری سی آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔

طنز نہیں نمو..........میں سیریس ہوں..........رمیض نے اس کی مسکراہٹ پر توجہ دیے بغیر سنجیدگی سے کہا۔

مسئلہ کیا ہے؟ میرے لئے تو آپ کی یہ اداسی و سنجیدگی قیامت سے کم نہیں..........موت ووت کو تو آپ کوئی اہمیت نہیں دیتے..........کچھ موت سے بھی بڑا حادثہ ہو گیا ہے کیا؟ وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

پہلی بات تو یہ نوٹ کرو نمو کہ آج کے بعد میں گھر پر کسی سے نہیں ملوں گا۔ خواہ میل

ہو یا فی میل .... گھر کے نوکروں کو بھی سمجھا دینا۔ اگر کوئی میرے ریفرنس سے بھی
ڈیڈی سے ملنے آئے تو بھی ملنے نہیں دو گی۔

سیدھی سیدھی بات کریں رمیض بھائی .... مجھے الجھن ہو رہی ہے......... نمو
بے صبری سے بولی رمیض چند لمحوں کے لئے خاموش سا ہو گیا .... پھر نمو کی طرف
سے پشت کرتے ہوئے بولا .... وہ اس روز لڑکی نہیں آئی تھی ...... شامہ۔

شادی ہو رہی ہے اس کی ......؟ نمو نے تیزی سے بات کاٹ کر گرہ لگائی۔

میری طرف سے سو بار ہو جائے اسکی شادی .... پوری بات تو سنو ......
حالانکہ مجھے یہ بات کرتے ہوئے اچھا محسوس نہیں ہو رہا مگر مجبوری ہے۔ مدحت والے
ایکسیڈنٹ کے بعد ممی ڈیڈی سے بات کرنا آسان نہیں رہا۔ رمیض پہلے جھلایا بعد میں
رسانیت سے بولنے لگا۔

نمو اب نئے سرے سے فکر مند ہو گئی اور دھک دھک کرتے دل کو سنبھالنے لگی۔ وہ
رمیض کی طرف سے کسی دھماکے کا انتظار کر رہی تھی۔ بارے خدا اس نے مدحت کا نام لیا
تھا۔ وہ نام جو اس کی اپنی سماعت پر گراں بار تھا۔

نمو یہ لڑکی بہت بڑی بلیک میلر ہے .... مجھے نہیں پتہ تھا کہ لڑکیوں کی یہ قسم بھی
ہوتی ہے وہ خود کو بہت بڑے زمیندار کی بیٹی شو کرتی ہے۔ ایجوکیٹی ہے نہیں .... دو نمبر
ہے .... دو نمبر ......؟!! نمو نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں .... یہ کیا ہوتا
ہے .... مطلب پاکستانی نہیں ہے کسی دوسرے ملک سے تعلق ہے ......؟

رمیض نے زور سے اپنے سر پر ہاتھ مارا جیسے عاجز آ گیا ہو۔

جنرل نالج تو تمہاری زیرو ہے ...... پتہ نہیں کیا گھاس کھودتی رہیں آج تک ......
جھلایا اب بھئی مجھے نہیں پتہ کہ عورتوں کے نمبر بھی ہوتے ہیں ...... ہمارے ہاں تو بڑی منجھلی

منجھلی، چھوٹی کہنے کا رواج ہے عورتوں کو۔ کسی کے ہاں پانچ چھ بھابیاں بھی ہوں تو بھی
نمبر نہیں لگائے جاتے کہ ایک نمبر بھائی، دو نمبر بھابی، تین نمبر ......

فار گاڈ سیک نمو .... جوک نہیں .... میں سیریس بات کر رہا ہوں تم سے۔
رمیض کو واقعی غصہ آ گیا کہ ایک تو ویسے ہی نازک مزاج تھا دوسرے کوئی آفت سی بھی
پڑی ہوئی تھی سر پر نمو فوراً خاموش ہو گئی۔

میرا مطلب ہے کہ یہ لڑکی بلیک میلر ہے ...... یہ اسلام آباد کی بہت بڑی ''میڈم''
کی پالی ہوئی ہے .... میرا مطلب ہے ریڈ لائٹ ایریا سے Belong کرتی ہے۔
(M.B.A) لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کی کلاس فیلو ہے .... ایسی عورتوں کو
ایم۔ بی۔ اے کرنے کی کیا ضرورت ہے .... نمو بھی اب سنجیدگی سے بات کر رہی
تھی۔ اس نے رمیض کی بات کاٹ کر بے تابی سے پوچھا تھا۔

بس ایسے ہی کہہ دیا تھا .... ذرا سا غور کرو ...... M.B.A کرنے والی کے یہ
انداز ہوتے ہیں گھر میں آ گئی تھی تو کچھ تو کہنا ہی تھا۔

ایک رات میں گھر آ رہا تھا .... تو اس نے بڑے سنسان روڈ پر ہاتھ دے کر
مجھے روکا تھا اس کی کار کا بونٹ کھلا ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کار خراب ہو گئی ہے۔

اتنی خوبصورت اسٹائلش لڑکی سنسان روڈ پر آپ سے ہیلپ مانگے اور آپ نہ
رکیں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بھلے سے کار خراب بھی نہ ہو۔ نمو کا لہجہ لاشعوری طور پر تلخ و
طنزیہ ہو گیا یہ تو اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی
پتہ تھا کہ اپنی رنگین مزاجی کے ہاتھوں ہی یہ برا وقت بھی آیا ہے .... اس لئے اس
کے اندر ایک تلخی سی گھل گئی۔

میں نے اسے کہا کہ بھئی میری زیرو میٹر نازک سی کار ہے میں اس میں آپ کی یہ

بھاری بھرکم سی سٹی (City) باندھ کر تو نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کار لاک کر کے اللہ
حوالے کریں میں آپ کو آپکی منزل تک پہنچا دیتا ہوں.......... صبح آپ کسی مکینک
کینک کو ساتھ لے آئیں وہ تیار ہوگئی...... میں نے اسے بفرزون کے ایک بڑے
پر ڈراپ کر دیا تھا۔

صرف ڈراپ کر دینے سے بات اتنی بڑھ گئی......؟ نمو اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہ پا سکی۔

ظاہر ہے اتنا لمبا راستہ تھا بات چیت تو ہو جاتی ہے ناں آئی مین انٹروڈکشن وغیرہ
رمیض نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی چور نظروں سے نمو کا چہرہ دیکھا۔

پھر فون کالز کا سلسلہ شروع ہو گیا ہوگا.......... لنچ ڈنر اکٹھے ہونے لگے ہوں
گے...... پھر شادی وغیرہ پر ڈسکس ہوئی ہوگی.......... اب یقیناً مدحت والا کیس بن گیا
ہے اس لئے آپ پریشان ہو رہے ہیں.......... لیکن رمیض بھائی میں اس سلسلے میں
آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔ اگر میں کسی قابل ہوتی تو مدحت کو خودکشی کرنے سے روک
لیتی.......... کیا یہ محترمہ بھی خودکشی کی دھمکی دے رہی ہیں؟ نمو از حد سنجیدہ ہو چکی تھی۔

نہیں.......... یہ دوسری قسم کی ہیں محترمہ یہ خودکشی نہیں کرتیں نہ دھمکی دیتی ہیں بلکہ
دوسروں کو خودکشی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ رمیض نے یہ کہتے ہوئے نمو کی طرف سے پشت کر لی۔

ہائیں..........!! نمو بری طرح چونک پڑی.......... لو بتاؤ کوئی دنیا میں ایسا بھی
ہو سکتا ہے جو اس زندگی سے پیار کرنے والے کو خودکشی پر مجبور کر دے۔ اس نے نہایت
تعجب سے رمیض کی طرف دیکھا تھا۔

سوری.......... میں کچھ سمجھی نہیں.......... دنیا کے کسی حادثے میں یا کسی قانون
میں تو اتنی صلاحیت نہیں ہو سکتی کہ وہ آپ کو اتنا بدل دے کیا آپ زندگی سے بیزار ہو
جائیں.......... نمو نے بڑے اعتماد اور قطعی پن سے کہا۔

بھئی بتایا ناں.......... کہ یہ دو نمبر ہے.......... رمیض بری طرح جھلایا۔

پلیز پہلے تو میری معلومات میں یہ اضافہ بلکہ گراں قدر اضافہ فرمائیں کہ یہ ایک نمبر
اور دو نمبر کا کیا سلسلہ ہے.......... مجھ جیسی گھر کی چار دیواری میں بند پرائیویٹ
گریجویٹ انٹر بھی گورنمنٹ کالج سے اور گورنمنٹ کالج بھی دادا جان کی پیدائش سے
پہلے کا.......... اساتذہ بھی ریٹائرمنٹ سے قریب تھکے ہارے.......... جنہوں نے
وکٹورین عہد کا سلیبس ہمیں رٹایا۔ بھلا ہم وسیع معلومات کہاں سے حاصل کرتے کہ ہمیں
شوق بھی نہیں تھا ورنہ ماموں جان سے انسائیکلوپیڈیا ہی منگا کر پڑھ لیتے.......... نمو جل
کر کہہ رہی تھی حالانکہ فطری سنجیدگی کی وجہ سے بہت کچھ سمجھ رہی تھی مگر اس وقت انجان
بننے میں ذرا مزہ آ رہا تھا۔

یہ باتیں انسائیکلوپیڈیا میں نہیں ہوتیں احمق.......... بھئی دو نمبر عورت کمرشل عورت
کو کہتے ہیں جو پیسے کے لئے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ قیمتی گفٹ دے دو، اچھا
کھانا کھلا دو تفریح کرا دو کچھ پیسہ ویسہ ہاتھ پر رکھ دو.......... وہ خوش ہو جاتی ہے اور
مہربان کو خوش کر دیتی ہے.......... یہی اس کا کام یا بزنس ہوتا ہے.......... رمیض نے
اس کی جہالت پر ماتم کرتے ہوئے اچھی طرح وضاحت کر دی۔

اوہ.......... تو آپ پر کیا مصیبت آئی تھی کہ اس سے دوستی شروع کر دی۔ آپ
کے پاس ایک نمبر والیوں کا رش کم ہے جو بے چاریاں آپ پر فدا ہوئی جاتی ہیں۔
سینکڑوں روپے کی فون کالز کرتی ہیں ہزاروں روپے کا پٹرول پھونک کر آپ کو ڈھونڈتی
پھرتی ہیں.......... نمو نے عاجز آ کر اسکی کلاس لے ڈالی.......... اندر سے پریشان بھی
ہو رہی تھی کہ خدا معلوم اس پر کونسا پہاڑ ٹوٹا ہے جو اتنا پریشان نظر آ رہا ہے۔

بس یار پہلے پتہ نہیں تھا ناں.......... پتہ ہوتا تو پھنستا کیوں.......... رمیض تھکے

تھے لہجے میں کہہ رہا تھا کیا مطلب......... کیسے پھنس گئے کیا خفیہ شادی کر لی ہے؟ نمو نے بدحواس ہو کر اس کی شکل دیکھی اتنا بھی احمق نہیں ہوں......... نمو یار ابھی تو اس سے دوستی کو دو مہینے بھی نہیں ہوئے۔ اور وہ مجھے اپنے ہونے والے بچے کا باپ بنا رہی ہے مجھ پر ذمہ داری ڈال رہی ہے......... ایم سوری مجھے ذرا کھل کر بات کرنا پڑ رہی ہے مگر میں کیا کروں ممی سے یہ بات نہیں کہہ سکتا وہ الٹا مجھے ہی بلیم کریں گی اور مجھ ہی پر شک کریں گی۔

نمو کے پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی......... اتنی بری طرح بدحواس ہوئی کہ گویائی ہی سلب ہو گئی۔ رمیض بھائی......... وہ ہکلا کر رہ گئی۔

پیسہ مانگ رہی ہے آپ سے.........؟ نمو نے نظریں جھکا کر بہت آہستہ آواز میں پوچھا۔ نہیں...... کہہ رہی ہے کہ مجھ سے شادی کرو...... میرا ہمیشہ سے یہ خواب تھا کہ میرا ایک سوشل اسٹیٹس ہو...... میں شوہر اور بچوں والی گھریلو زندگی گزاروں......... میڈم مجھے اپنی دولت بڑھانے کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے......... بکنگ وہ کرتی ہے......... ایڈوانس وہ لیتی ہے......... خرچہ وہ لیتی ہے اپنا بڑھاپا محفوظ کرنے کے لئے ہمیں گنڈیری کی طرح نچوڑ رہی ہے......... جو پیسہ ہماری اپنی کمائی ہے وہ اسے کیوں دیں؟ اس سے جان اسی طرح چھوٹ سکتی ہے کہ میری شادی ہو جائے۔

لیکن یہ کیا طریقہ ہے کسی سے شادی کرنے کا......... نمو کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اور جب آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ ٹھیک لڑکی نہیں ہے تو آپ نے اس سے اسی وقت دوستی ختم کیوں نہیں کی...... اور پھر پریشانی کی کیا بات ہے آپ شادی کرنے سے انکار کر دیں...... وہ کیا کر لے گی آپ کو شوٹ تو نہیں کرے گی خدانخواستہ......... نمو نے خفا خفا سے انداز میں مسئلے کا حل پیش کیا لیکن وہ کہہ رہی ہے کہ وہ ہر صورت میرا بچہ

پیدا کرے گی۔ اسے مجھ سے عشق ہے۔ وہ نشانی کھونا نہیں چاہتی......... میں اعتراف کرتا ہوں ایک رات وہ بہت قیامت لگ رہی تھی مجھ سے تھوڑی سی بھول ہو گئی......... مگر اس بات کو تو ابھی مشکل سے بیس بائیس دن ہی ہوئے ہیں۔ اتنی جلدی آئی......... مین......... میرا مطلب یہ ہے کہ یہ میری بھول کا رزلٹ نہیں ہے۔ وہ آل ریڈی پریگنٹ تھی اس نے صرف مجھے پھنسانے کے لئے یہ چکر چلایا ہے......... یہ بچہ جس کا ہے وہ اسے پے منٹ کر کے راستہ پکڑ چکا ہوگا......... اور یہ میڈم کے ساتھ مل کر ہماری دولت و پراپرٹی پر قبضہ جمانے کے لئے یہ پلاننگ کر رہی ہے......... ہو سکتا ہے اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ وہ یہ کھیل کھیل چکی ہو......... اسلام آباد میں ان لوگوں کی کروڑوں کی پراپرٹی ہے......... وہ جادو کے چراغ سے تو نہیں بنی ہوگی......... بچے کو قانونی حیثیت دے کر اپنے لئے بھی فیسلیٹیز حاصل کرنے کا پلان ہوگا۔ اس لئے کہ میں شیور ہوں کہ بچہ میرا نہیں ہے۔

ہونہہ......... لوگ اپنی حقیقی اولاد کو ڈس اون (Disown) کر دیتے ہیں۔ آپ پر کتنا داؤ زور چلا سکتی ہے۔ آخر ہے تو ایک عورت ہی......... نمو اب خود کو سنبھال چکی تھی اور بہت پر سکون انداز میں بات کر رہی تھی۔

تم بات نہیں سمجھ رہیں......... وہ بلیک میلر لڑکی ڈیڈی سے ملنے کو کہہ رہی ہے۔ اور تمہیں اپنے ماموں جان کا پتہ ہے مدحت کے لئے بھی بارات لے جانے کو تیار ہو گئے تھے......... وہ تو اسی کو سچا سمجھیں گے رمیض کے لہجے میں اس مرتبہ تلخی تھی۔

توبہ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا......... بھئی صاف صاف کہہ دیں کہ میں شادی نہیں کر سکتا جو کرنا ہے کر لو۔ نمو اب بہت پر سکون نظر آ رہی تھی۔

اتنا آسان ہوتا تو میں اس وقت تمہارے ساتھ کیوں جھک مارتا.........؟ رمیض

بری طرح جھلا کر جیسے برس پڑا۔

ان لوگوں کے بہت اوپر تک تعلقات ہوتے ہیں.......... کہہ رہی تھی کہ کرائم برانچ کا ایک بڑا افسر اس کا ماموں ہے وہی ڈیڈی سے بات کرنے آئیں گے.......یار میرا باپ تو آل ریڈی میرے خلاف ہے۔

ان خواتین کے ''ماموں'' بھی ہوتے ہیں؟ نمو کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا پھر خود ہی جھینپ بھی گئی۔

اوہ بھائی سو دو سو ڈالر دے کر جتنے مرضی ماموں بنالو........ چچا تایا بنالو......... ممانیاں پھوپھیاں تو دو دو ڈالر میں بھی مل جائیں گی.......... تم پتہ نہیں کون سی دنیا میں رہتی ہو۔ کتنے بزدل ہیں آپ......؟ نمو کو جیسے اسے ہارا ہوا دیکھ کر بہت رنج ہو رہا تھا۔

بات بزدلی کی نہیں ہے.......... بھئی اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ بچہ تو میں تمہارے باپ کے حوالے کروں گی خواہ تم مجھ سے شادی کرو یا نہ کرو.......... پھر تمہیں پتہ ہے میرے باپ نے تو مجھے انڈر گارمنٹس میں گھر سے نکال دینا ہے.......... پورے کپڑے بھی نہیں دیں گے...... رمیض الجھن بھرے انداز میں بولا۔

ہوں تو آپ نے بھی تو اپنی خوب گڈ ول (Good will) بنائی ہوئی ہے ماموں جان کی نظروں میں نمو نے طنزیہ کہا۔

جو زیادہ ہوشیار بنتے ہیں ایک دن اسی طرح پھنستے ہیں.......... وہ مزید گویا ہوئی اب وہ بھی خاصی الجھن میں دکھائی دے رہی تھی۔

اگر میں اسے تیس بتیس لاکھ کا بنگلہ گفٹ کر دوں تو یہ کیس خود بخود ختم ہو جائے گا اس قسم کی عورتیں یہی کچھ چاہتی ہیں۔

تیس بتیس لاکھ۔ نمو نے آنکھیں پھاڑیں۔

بھائی.......... ان کا بہت اونچا اسٹیٹس ہے گیارہ بارہ لاکھ کا اپارٹمنٹ نہیں لیں گی بھی آپ کے پاس تو پچیس ہزار بھی نہیں ہوں گے۔ گیارہ بارہ لاکھ کا ذکر کیا خود کو بہلانے کے لئے کر رہے ہیں؟'' نمو نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اسے بھی پتہ ہوگا ناں تب ہی تو میری فیملی کو انوالو کر رہی ہے.......... رمیض نے سنجیدگی سے کہا پھر نمو کی طرف ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر کہا۔

یار۔ سر میں درد ہو رہا ہے ایک کپ چائے تو پلا دو.......... تم سے ڈسکس کر کے کچھ ہلکا تو ہو گیا ہوں کالی ہو تو کیا ہوا........ اپنی تو ہو.......... وہ اپنی فطرت سے کب باز آنے والا تھا۔

ہوں تو مزہ چکھا رہی ہیں ناں گوریاں میں لوکل سے شادی نہیں کروں گا فارنر (Foreigner) سے شادی کروں گا.......... نمو نے نقل اتاری اور جلدی سے بھاگ گئی۔

عین اسی وقت رمیض کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ رمیض نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا اور نمبر دیکھا پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے تکیے کے نیچے دبا دیا اور اپنی بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرنے لگا.......... نگاہ میں گہری سوچ کا عکس واضح تھا!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نمو کچن میں آکر خود ہی چائے بنانے لگی۔ ابھی تیس چالیس منٹ پہلے ہی تو اسے چائے دی تھی.......... اس نے کبھی اتنی جلدی دوبارہ چائے نہیں پی تھی وہ بہت کم چائے پیتا تھا۔ فریش جوسز کا وہ رسیا تھا اسنیکس سے زیادہ فروٹنگ کو ترجیح دیتا تھا.......... اسے اپنے حسن اور فٹ نیس کا بڑا خیال رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ بہت کم بیمار پڑتا تھا اگر پڑتا بھی تھا تو بہت جلد Survive کر جاتا تھا۔ اس کی صحت قابل رشک اور چہرے کی تازگی

بے مثال تھی۔ آج کی دو کپ چائے اس بات کا ثبوت تھی کہ واقعی وہ بہت ڈسٹرب ہے خدا ہی جانے کہ بات کتنی بڑھی ہوئی ہے اور اس نے نمو کو کتنی بتائی اور کتنی چھپائی ہے؟ نمو کو سب سے زیادہ صدمہ اس بات کا تھا کہ وہ بہت پستی میں چلا گیا تھا۔ اس نے خود کو کمزور ثابت کر دیا تھا۔ وہ معصوم سی لڑکی تو یہ سمجھتی رہی تھی کہ بس وہ لڑکیوں کے والہانہ داؤ انداز سے لطف اندوز ہوتا ہے.......... خوبصورت ویل ڈریسڈ لڑکیوں کی کمپنی میں بچوں کی طرح خوش ہوتا ہے...... اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ اتنی گری ہوئی حرکت بھی کر سکتا ہے......وہ بھی اتنی خطرناک لڑکی کے ساتھ.......... ہائے اللہ لوگ اتنا آگے کیسے چلے جاتے ہیں؟ اس نے تو ایک جگہ پڑھا تھا کہ ''حیا'' عورت کے لئے خوب ہے اور مرد کے لئے خوب تر.......... تو وہ اس پر بہت دنوں تک سوچتی رہی تب یہ نکتہ آشکار ہوا کہ مرد فطرتاً آزاد ہے اگر وہ گناہ کرے تو اس پر اس گناہ کا ظاہراً کوئی نشان نہیں پڑتا.......... وہ جتنی مرضی ''حدود'' توڑ ڈالے گرفت میں نہیں آتا.......... اس کے باوجود اگر مرد حیا کی پابندی سے خود کو باندھتا ہے تو اپنے اعلیٰ اخلاقی شعور کا ثبوت دیتا ہے اور فرض شناسی کی واضح مثال ہوتا ہے.......... اسی لئے ''حیا'' کو نصف ایمان کہا گیا کہ حیا اسی میں ہوگی جسے ہر وقت اللہ کی اپنے ساتھ موجودگی کا احساس ہوگا۔

رمیض بھائی آپ نے تو حد کر دی.......... اتنے کمزور ہیں آپ......؟ ابھی سے آپ کا یہ حال ہے اس معاملے میں ماموں جان پر انحصار ہے...... میں کم از کم ظالم کی مدد ہرگز نہیں کر سکتی۔ آپ یہ زیادتی کسی معصوم کے ساتھ بھی تو کر سکتے تھے.......... آج ایک بے کار، فضول کالی پیلی سی لڑکی اس قابل ہوگئی کہ آپ اس سے ہیلپ مانگ رہے ہیں.......... جو لوگ اللہ کی لگائی ہوئی پابندیوں کو خود پر لاگو نہیں کرتے پھر قدرت اپنی قوت کا مظاہرہ کرتی ہے اور اس طرح شکنجہ کستی ہے کہ انسان کو راہ نجات نظر نہیں آتی۔

آپ نے تو گناہ کبیرہ کیا ہے.......... میں اس ظلم میں آپ کی شریک بنوں تو میرا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔

توبہ.......... توبہ.......... ٹھیک ہے...... بہت اچھا ہوا .... پتہ نہیں اس حادثے کے بعد کتنی احمق لڑکیوں کی جان چھوٹے گی۔

اب قید ہیں آپ اپنے کمرے میں.......... یہ خود ساختہ قید جانے کتنوں کی رہائی ہے۔ اب کم از کم چین سے تو بیٹھیں گے.......... نعمت بھی کسی کسی سے ہضم ہوتی ہے۔

میری تو یہ خواہش ہے کہ شامہ آپ پر روز گرفت سخت سے سخت تر کرتی رہے۔ خدا معلوم آپ کا ضمیر روشن ہو جائے آپ سدھر جائیں.......... اور تو کوئی راستہ آپ کے سدھرنے کا نظر نہیں آ رہا۔

میں نے تو پڑھا تھا کہ دولت تو آزمائش کے لئے دی جاتی ہے۔ اس میں بے شمار لوگوں کا حق حصہ ہوتا ہے.......... دولت کی آمد کا ایک راستہ بنا دیا جاتا ہے مگر وہ بہت سے لوگوں کے لئے ہوتی ہے.......... صرف ایک شخص کو لائف انجوائے کرنے کے لئے نہیں دی جاتی۔ ابھی آپ ڈیپینڈنگ ہیں تو یہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹ ہیں کل کو یہ سب کچھ آپ کے ہاتھ میں آ جاتا ہے اور آپ خود مختار ہو جاتے ہیں تو آپ کیا غضب ڈھائیں گے..........؟

نمو بہت ٹینشن میں تھی خیالات کی یلغار تھی.......... اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ وہ چائے تیار کر چکی تھی.......... مگر اب خود لے کر جانا نہیں چاہتی تھی اسے تو اپنے اچھے سے ماموں کا بہت خیال آ رہا تھا.......... کہ وہ کتنی تکلیف محسوس کریں گے.......... جب ان کو یہ سب پتہ چلے گا۔ عزیز..........! اس نے ملازم لڑکے کو آواز دی جو لاؤنج میں ڈسٹنگ کر رہا تھا۔ اور اس کی آواز پر فوراً ہی آ گیا تھا۔

یہ اوپر چھوٹے صاحب کو دے آؤ اس نے چھوٹی سی ٹرے کی طرف اشارہ کر کے
کہا اور خود کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نیا جس وقت حویلی میں داخل ہوئی دھوپ کی شدت کمال پر تھی۔ اس نے لینن کی
بڑی سی چادر اوڑھی ہوئی تھی اور اندر کپڑے پسینے سے بھیگ کر جسم سے چپکے ہوئے تھے
نوکر تو اس کو سب ہی پہچانتے تھے۔

سب نے اچھے انداز میں اس کا خیر مقدم کیا وہ اپنی روٹین کے انداز میں وسیع و
عریض لاؤنج کی طرف بڑھی تو بوڑھے ملازم قادر بخش ے اسے راہ میں ہی روک
لیا...... اور بولا بی بی...... آپ کو اوطاق پہنچانے کا حکم ہے...... مخدوم
سائیں آپ سے ادھر ملاقات کریں گے...... ملازم بہت مؤدبانہ عرض کر رہا تھا۔

اوطاق؟!! نیا بری طرح چونک پڑی دل دھک دھک کرنے لگا......
مخدوموں کی خاص مہمان گاہ تو صرف مرد مہمانوں کے لئے مخصوص تھی...... وہاں
عورتوں کا کیا کام......؟ کوئی اور مہمان بھی آیا ہوا ہے ادھر...... اس کے ذہن میں جو
الجھن سی در آئی تھی اسے رفع کی خاطر اس نے پوچھا...... آس یہ تھی کہ شاید شاداب
کو وہاں بٹھایا ہوا ہو...... نہیں بی بی سائیں...... ادھر تو بڑے مخدوم اکیلے آپ کا
انتظار کرتے ہیں۔ ملازم نے مؤدبانہ جواب دیا۔

اکیلے......؟ بی بی جان نہیں ہیں وہاں؟ نیا نے پر تفکر لہجے میں پوچھا۔

حویلی کی عورتیں ادھر اوطاق میں کدھر جاتی ہیں...... بوڑھے نوکر نے سادگی سے
جواب دیا نیا کو بہر حال اوطاق میں تو جانا ہی تھا۔ اس کی مرضی تو نہیں چل سکتی تھی اسے
بات چیت کرنے کی غرض سے بلایا گیا تھا اب بلانے والے کی مرضی کہ وہ کہیں بھی بٹھا کر

بات کرے قادر بخش کوئی نیا چھوکرا تو حویلی میں آتے نہیں دیکھا تم نے؟ وہ قادر بخش کے
پیچھے پیچھے چلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

نہیں...... نیا چھوکرا ادھر کوئی نہیں ہے...... قادر بخش نے مختصراً جواب دیا۔

نیا اب خاموشی سے اس کی تقلید میں قدم بڑھا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اوطاق کے دروازے پر گھنی چق والا سفید جالی کا پردہ لہرا رہا تھا...... اندر غالباً
پنکھا فل اسپیڈ سے چل رہا تھا۔

قادر بخش اسے باہر ٹھہرا کر اندر مخدوم صاحب کو اس کی آمد کی اطلاع دینے گیا اور
فوراً ہی واپس آ کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

نیا نے دل سنبھالا چادر درست کی اور پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئی...... مخدوم
عبدالرب صدیقی اپنے چھوٹے سے اسٹائلش حقے کا پائپ منہ میں دبائے بڑے ٹھسے
سے بیٹھے تھے اور دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے سفید کلف دار شلوار قمیص مکلف پگڑی
تلوار مار کہ مونچھیں...... بھینچے ہوئے ضدی فطرت کے مظہر باریک ہونٹ......
کشادہ روشن پر اعتماد آنکھیں...... نیا متعدد بار ان سے ملی تھی مگر آج ان کے کروفر
سے اسے یونہی خوف سا آ رہا تھا۔

السلام علیکم...... اس نے سر جھکا کر سلام کیا۔

مخدوم صاحب نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلا دیا...... نیا آگے بڑھی اور انہوں نے
دست شفقت سے اس کا سر محض چھوا۔

بیٹھو...... ہمیں پورا یقین تھا کہ تم وقت سے یہاں پہنچ جاؤ گی۔ بہت اچھا ہوا
کہ تم آ گئیں۔ ان کی بھاری بارعب آواز اوطاق میں گونجی...... بیٹھو اماں......

سانس لو......... پانی مانی لو......... انہوں نے سامنے ٹیبل پر دھرے جگ گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

پیاس تو اسے واقعی غضب کی لگ رہی تھی......... اس نے گلاس بھر کر منہ سے لگانے میں کوئی آسرا نہیں کیا ایک گلاس خالی کر کے اس نے دوسرا بھرا اور اب سکون سے مخدوم صاحب کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئی......... اور دو چار گھونٹ مزید پانی پیا۔

پاؤں تو تیرا اچھا ہے اماں......... اچھی نیت سے چلے گی تو ضرور بھاگوان ہوگی......... مہرو تجھے کوئی تیز چھوکری سمجھتی ہے مگر ایسا نہیں ہے تیرا پیر بتاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ مخدوم صاحب اس کے پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے بہت مطمئن انداز میں کہہ رہے تھے۔

نیا نے ہڑبڑا کر پہلے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا پھر مخدوم صاحب کی طرف......... وہ جس رویے کی توقع کے ساتھ حویلی میں داخل ہوئی تھی مخدوم صاحب اس سے الٹ پیش آ رہے تھے۔

بابا سائیں......... میں کچھ سمجھی نہیں......... اس نے جھجکتے ہوئے کہا......... اور پھر اپنے پیروں کو بہت غور سے دیکھنے لگی کہ پاؤں ہی تو ہیں اور کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں ان میں؟

اماں جس عورت کے پیر کی انگوٹھے کے برابر والی انگلی انگوٹھے سے بڑی ہوتی ہے وہ عورت بہل چلتر ہوتی ہے مرد کو اپنی مٹھی میں رکھتی ہے۔ شیطانی کھوپڑی ہوتی ہے اس کی ایسی ایسی چالیں چلتی ہے کہ......... ہمیشہ شہ لیتی ہے مات دوسرے کی......... ہم تجھ پر ایک بڑی بلکہ بہت بھاری ذمہ داری ڈالنا چاہتے ہیں اس واسطے آج تجھے غور سے دیکھا ہے سمجھ ہمارا دل تیرے سے راضی ہے......... ایسا ہوتا ہے ایک گھر میں کئی بچے ہوتے ہیں سب کا مزاج الگ الگ ہوتا ہے......... تیرا بھائی اور طرح کا تھا.........

اِس بہنوں میں رہا تو بھید نہیں کھلا......... آزادی ملی تو اپنی فطرت دکھائی......... فطرت اپنی ہی فطرت کے رنگ کی طرف کھینچتی ہے۔ بدی بدی کی طرف اور نیکی، نیکی کی طرف......... مخدوم صاحب سانس لینے کو رکے مگر شاداب کے ذکر پر نیا کی سانس رک گئی تھی......... وہ ہمہ تن گوش تھی مخدوم صاحب کے رکتے ہی اسے موقع ملا۔

بابا صاحب اس کی عمر چھوٹی ہے......... ابھی عقل کے بجائے جذبات سے کام لیتا ہے آپ لوگ اسے معاف کر دیں......... آئندہ وہ کبھی اس قسم کی غلطی نہیں کرے گا۔

اماں......... ہمارے گھر کی عورتیں عزت والی پردہ دار عورتیں ہوتی ہیں کوئی ان کی طرف میلی نگاہ سے دیکھے تو اس کی آنکھیں ضائع کر دی جاتی ہیں......... اس نے مہرو کی جو بے عزتی اپنی چوکھٹ پر کی وہ بھولنے والی بات نہیں وہ داغ لگایا ہے دل کو جو قبر میں ساتھ جاتا ہے......... تو اچھا بولی کہ معاف کر دو......... اماں اس نے ہمارے باغ سے کوئی جام (امرود) توڑا ہے جو اسے معاف کر دیں......... جس عزت کے ساتھ آج ہم حویلی میں بیٹھے ہیں وہ ہماری بارہ پشتوں کی محنت ہے۔ انگریزوں سے خیرات میں نہیں ملی۔ مخدوم صاحب کا لب و لہجہ یکلخت بدل گیا۔

نیا ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگی......... معاف نہیں کریں گے تو پھر کیا کریں گے کیا سزا تجویز کریں گے۔ انجانے خدشات سے دل کانپنے لگا۔

اماں صبر سے سننے والی بات ہے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں......... اسرار کو ہم نے تیرے سر پر ہاتھ رکھا ہے......... تو حویلی آتی جاتی رہی ہے تجھے ادھر عزت ملی ہے......... مخدوم صاحب نے جیسے اس کی اڑی اڑی رنگت بھانپ کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

نیا خود کو سنبھال کر ان کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔

اللہ سائیں کے کرم سے ہمارے پاس بہت کچھ ہے مگر لوٹ کا پالا نہیں ہے......قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے.........اگلوں کا خون پسینہ ان زمینوں میں بسا ہے تو کھیت ہیں...... پھول پات دیکھے ہیں پر اب ہم سے نیند روٹھ گئی ہے.........خبر نہیں کس گناہ کی سزا میں ہمیں بنجر بہو ملی ہے۔ یہ اتنا سب کچھ ایک دن لٹ جائے گا......... پڑھی لکھی ہے تو بتا شرع روکتی ہے دوسری شادی سے؟ جو عیاشی کے لئے کئی کئی شادیاں کر لیتے ہیں ان کو کیا ہوتا ہے؟ یہ تو ہماری ضرورت ہے بے وارث مریں گے تو روح مر کے بھی چین نہیں پائے گی نیا حیران پریشان ہو کر مخدوم صاحب کی طرف دیکھنے لگی۔

یہ شاداب کا کیس ڈسکس کرنے کے بجائے اس کے لئے کوئی سزا تجویز کرنے کے بجائے اپنا دکھڑا سنانے کیوں بیٹھ گئے؟

معاً ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکا۔

ہو نہ ہو یہ سہیل بھائی کی دوسری شادی کے لئے مجھے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور شاید یہی شرط شاداب کی رہائی کے لئے رکھیں گے۔ یہ چاہیں گے کہ میں سمن کو کسی طرح مجبور کروں کہ وہ سہیل کی دوسری شادی کے لئے خود انہیں مجبور کرے۔

میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکی بابا سائیں.........اس نے نظریں جھکا کر آہستگی سے کہا بات پوری ہوگی تو سمجھ بھی آ جائے گی.........تو اتنا تو سمجھ رہی ہے کہ ہم وارث کے لئے پاگل ہو رہے ہیں۔ مخدوم صاحب نے گہری سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

آپ کی خواہش برحق ہے مگر یہ اللہ کی مصلحت ہے بابا سائیں۔ بچے تو ہوئے ہاں ناں وہ بانجھ تو نہیں ہے......؟ کیا خبر اس مرتبہ اللہ اسے زندگی والا بچہ دے۔ نیا نے بڑے قرینے سے مخدوم صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی۔

اس طرح تو عمر گزر رہی ہے.........ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے.........

ہیں وارث چاہئے اتنی زمین ہے کہ گھنٹوں موٹر چلتی ہے۔ اس کو سنبھالنے والا چاہئے۔ بعض عورتوں کو بیماری ہوتی ہے وہ مردہ بچے پیدا کرتی رہتی ہیں۔ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کے بعد ہمارا نام ونشان بھی مٹ جائے گا.........کیا مرد بچہ چار چار شادیاں نہیں کرتا.........ہم یہ تو نہیں کہہ رہے کہ وہ سمن کو طلاق دے.........ہم اسے حویلی میں لے آئے ہیں ہماری عورت حویلی میں آنے کے بعد کبھی چھوڑی نہیں جاتی وہ بھی ہمارا مال اور عزت ہوتی ہے دو شادیاں کرنے میں کوئی برائی نہیں اگر دونوں سے بچے مل جائیں تو اور زیادہ اچھی بات ہے ہماری تو دعا ہے اللہ سہیل کو سات بیٹے دے۔ مخدوم صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

شاداب کی رہائی کی قیمت کیا ہے بابا سائیں پہلے آپ یہ بتا دیں۔ نیا سے اب تجسس کا غلبہ برداشت نہیں ہوا اس نے اپنے مطلب کی بات کی۔

صبر اماں صبر......تیرا بھی ایک ہی بھائی ہے پر وہ تو تم لوگوں کے لئے سزا ہے۔ رہا ہو کر وہ کونسا کمشنری کرے گا.........شہر میں ڈاکے ہی مارے گا.........ہم چاہتے ہیں کچھ دن تم دونوں بہن بھائی ساتھ رہو اس کے بل سیدھے ہو جائیں گے وہ گھر چلا جائے گا۔ تجھے بھی سکون ہوگا اور تیری ماں کو بھی۔

جی......؟ نیا تو ایک دم ہی حواس باختہ ہو گئی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے.........

(کیا مجھے بھی شاداب کے ساتھ قید میں رکھا جائے گا؟)

گھبرانے کی ضرورت نہیں.........مخدوم صاحب نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔ مگر نیا کے اندر ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔ اسے اب کسی تسلی تشفی سے ڈھارس نہیں مل سکتی تھی.........حویلی میں داخل ہوتے وقت بھوک محسوس ہو رہی تھی مگر اب وہ بھی اڑ چکی تھی۔

ہم تجھ سے کام کی بات بعد کو کریں گے ابھی تجھے اس واسطے ادھر بٹھایا تھا کہ تا کہ

تجھے تسلی ہو آرام ہو کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں.......... اب تو اندر حویلی میں جا رونی
مانی کھا آرام کر سفر بھی لمبا اور بیٹھے بیٹھے تو تھک گئی ہو گی.......... مخدوم صاحب پرسکون
لہجے میں بات کر رہے تھے نیا کے لئے تو ان کے یہ انداز و اطوار معمہ بن رہے
تھے.......... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخر اس سے کیا کام لیں گے اور اس مجرم بھائی کی
بہن کے ساتھ اتنے حسن سلوک کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں.......... وہ بیتابی کی آخری
حدود کو چھو رہی تھی اور مخدوم صاحب وقفہ لے رہے تھے۔

مجھے بھوک نہیں ہے بابا سائیں آپ جو بات کرنا چاہتے ہیں وہ کرلیں۔ اس نے
اب بڑے اعتماد سے بات کی۔

تو پہلے اپنی ماں کو اندر جا کر اپنی خیر خیریت کا ٹیلی فون کر.......... آرام سے رونی
مانی کھا گھبرانے کی ضرورت نہیں تو ہماری مہمان ہے.......... ہم تیرے ساتھ کوئی
بدسلوکی نہیں کریں گے.......... انشاء اللہ.......... ابھی یہ ہمارے بھی آرام کا وقت
ہے.......... آج صبح سے گوٹھ کے لوگوں سے ملاقات کر رہے تھے.......... بہت تھک
گئے ہیں.......... مہرو اپنی بہن کے گھر گئی ہوئی ہے۔ اندر زرینہ اور مائی لاسی ہے وہ تیری
خدمت کریں گی.......... پہلے اپنی ماں کو ٹیلی فون ضرور کرنا ادھر وہ پریشان ہوتی ہو گی۔

مخدوم صاحب نے اپنی کلاہ اتار کر ٹیبل پر رکھی اور حقے کا پائپ منہ میں دبا کر کش
لگانے لگے۔ ان کا انداز اتنا قطعی تھا کہ نیا کو مزید بولنا فضول لگا وہ اٹھ کھڑی
ہوئی.......... دماغ دس سمتوں میں دوڑیں لگا لگا کر شل ہو رہا تھا.......... وہ تھکے تھکے
قدموں سے اوطاق سے باہر آ گئی۔

☆☆☆☆☆

روبی ایزی چیئر پر نیم دراز ہلکے ہلکے جھول رہی تھی آنکھیں چھت کی طرف تکی تھیں

کھلے بال آدھے بیک پر اور آدھے بائیں شانے پر پڑے تھے وہ اپنے خیال میں قطعی گم
تھی یوں کہ آس پاس سے بالکل بے خبر.......... نتانے دو تین مرتبہ کسی بہانے سے اس
کے قریب آ کر کچھ رکھا اٹھایا مگر روبی نہ چونکی نہ انداز میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی..........
خاموشی کا اتنا طویل عرصہ نتا کے معمولات کے صریحاً خلاف تھا۔

اپنے لئے چائے بنا رہی ہوں.......... تم پیو تو تمہارے لئے بھی بنا دیتی
ہوں.......... بالآخر وہ بولیں۔ اب روبی ذرا چونک کر اپنے دھیان سے باہر آئی۔

جی نتا بنالیں.......... دل تو چاہ رہا ہے..... آتشی گلابی اور پیازی پرنٹ کے شلوار
قمیض میں روبی بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی چہرے پر بھولپن کا تاثر تو فطری تھا
اب اس میں اداسی کا رنگ بھی شامل تھا جو دل کو کھینچتا تھا۔

نتا نے قفل ٹوٹنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور جلدی سے کچن میں چائے بنانے چلی
گئیں.......... روبی کچھ لمحے سوچتی رہی پھر جیسے حواسوں میں آ کر اطراف کا جائزہ لیا
اور اٹھ کھڑی ہوئی ٹی وی اور سی۔ ڈی پلیئر کے پاس آ کر ڈسک الٹ پلٹ کرنے لگی پھر
ایک ڈسک لگا کر ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں دوبارہ ایزی چیئر پر بیٹھ گئی.......... لاؤنج
میں موسیقی بکھرنے لگی.......... گیت روبی کو جچا نہیں اس نے ریموٹ سے فارورڈ
کیا.......... دوسرا گیت درمیان سے شروع ہوا۔

؎ عمر بھر سو نہ سکیں گے
کسی کے ہو نہ سکیں گے

اچھا صلہ دیا.......... وفا کا۔ اچھا صلہ دیا۔ او ساتھی رے۔ روبی کی آنکھوں میں نمی
اترنے لگی اس نے ریموٹ سے ریوائنڈ کیا۔ پھر پلے کیا۔ یہی اشعار دوبارہ سے کمرے
میں گونجے.......... روبی نے پھر ریوائنڈ کیا پھر پلے کیا.......... تین چار مرتبہ۔ یہی عمل

دہرایا.........اب اس کے رخساروں پر خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے اس نے نتا کی آنکھ بچا کر ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے اور اٹھ کر دوسری ڈسک لگا دی۔

استاد امانت علی کی زندہ جاوید غزلیں تھیں...... پرسوز، پراثر، دل پزیر، دل نشین، زمان و مکان کی قید سے آزاد کر کے سرور کے کسی طلسمی جہاں میں پہنچانے والی آواز۔ یہ غزلیں وقار کا انتخاب تھیں۔ غزلوں کی کیسٹس ڈسکس وہی لاتا تھا۔

بڑی پیاری غزل ساعت کو خوش آئند گی۔ روبی کی تمام توجہ اب غزل کی طرف تھی شاید اپنا ذہن ادھر ادھر کرنے کی یہ لاشعوری کوشش تھی۔

ے تو سنتا صرف مجھی کو پہچان اگر جو ہوئی
انصاف سے تو خود کہتا یہ کنکر ہے یہ موتی
میرا پیار تجھے سمجھائے، آ میرے پیار کی خوشبو

نتا چائے بنا کر لے آئی تھیں ان کی غضب کی نگاہ سے روبی کی آنکھوں کا بھیگا پن چھپا نہ رہ سکا صرف چند مخصوص اشعار بار بار سننے کو بھی انہوں نے بہت اہمیت دی تھی اگرچہ بہت کچھ محسوس کر رہی تھیں مگر وضع داری سے تجاہل برت رہی تھیں۔

انہوں نے بہت محبت بھرے انداز میں روبی کو چائے کا کپ تھمایا اور خود ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئیں اور بظاہر غزل سنتے ہوئے چائے کے گھونٹ بھرنے لگیں۔ گاہے گاہے ایک اچٹتی نگاہ روبی پر ڈالتی تھیں روبی بھی ان کو قریب پا کر خود کو سنبھال چکی تھیں...... چلو شکر ہے تمہاری طبیعت کل سے بہتر محسوس ہو رہی ہے۔ کچھ اس رنگ میں خاص بات ہے جو رنگ پہن لے اچھا دکھائی دیتا ہے انہوں نے روبی کے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا زندگی کی اسی دھوپ چھاؤں سے گزرتے ہوئے وقت کٹتا جاتا ہے..... دکھ سکھ ہر انسان کے ساتھ ہیں........ ساری بات اپنی

اپنی ہمت کی ہوتی ہے۔

روبی نے ایک نظر نتا کی طرف دوڑائی پھر خاموشی سے چائے پینے لگی۔

اس دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے اسی لئے دعا یہ کرنا چاہئے کہ اللہ آفتوں و بلاؤں سے محفوظ رکھے..........اور طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالے.........آمین۔

سب حوصلے سے جینا چاہتے ہیں نتا........ لیکن بعض حادثے بہت توڑ پھوڑ کرتے ہیں سنبھلنے سنبھالنے میں وقت لگ جاتا ہے..........روبی نے غمزدہ لہجے میں اپنی بات کی۔

اللہ جیتا رکھے بیٹی.......... یہی زندگی ہے.......... ہماری بڑی بھاوج ہیں اسی کا سن لگ رہا ہوگا........ ان کی اور میری عمر میں بہت فرق ہے۔ وہ بڑے بھائی کی بیوی ہیں اور میں گھر میں سب سے چھوٹی.......... اللہ نے بہت حسن و جمال دیا تھا........میری ماں ان کی صورت پر ہی ریچھ گئی تھیں........ چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوا تھا.......قضائے الٰہی سے میرے بھیا کا اور ان کا ساتھ تین مہینے سے بھی کم کا رہا۔ بھائی جنت مکانی ہوئے بھاوج نے عدت ختم ہوتے ہی کہہ دیا کہ وہ ساری زندگی اپنی ساس کے ساتھ رہیں گی اس لئے کہ ان کو کھ میں ان کے شوہر کی نشانی ہے........ اب یہی میرا ٹھکانہ ہے دوسری شادی کے لئے انہوں نے صاف منع کر دیا تھا کہ ان سے اس موضوع پر کبھی بات نہ کی جائے........ بھائی کی وفات کے آٹھ مہینے بعد چاند سا بیٹا پیدا ہوا بہت خوش ہوئیں کہ بس اب اس کے سہارے زندگی بہت بھلی گزر جائے گی بچے کو اچھی جگہ پڑھایا.......اسکوٹر کا اسے بہت شوق تھا جو بیس برس کا ہوا تو ماں سے اصرار کر کے اسکوٹر خرید لی......کہ کالج یونیورسٹی جانے میں سہولت رہے گی..........شکل میں اپنی ماں کی شباہت تھی۔ اسکوٹر آئے چوتھا روز ہوگا کہ........ بولتے بولتے نتا کی آواز

بھر آ گئی.......... چند لمحے کے لئے خاموش ہو کر آنسو پیتے گئیں۔

چوبیس برس کی محنت اک پل میں ٹھکانے لگ گئی.......... اسے کہتے ہیں ہونی
اسے کہتے ہیں ناشدنی.......... اور اسے ہی کہتے ہیں حادثہ.......... چھوٹے چھوٹے
افسوس ناک واقعات جن کا تاثر وقتی ہو کونے کھدرے میں بیٹھ کر ان کا ماتم نہیں کر
چاہیے۔ پھر یہ سمجھانے کے لئے کہ سختی کیا ہوتی ہے قدرت واقعی سخت ڈال دیتی ہے۔
اپنے مرد سنگ ہو گھر بھر بار والی ہو اللہ کے فضل و کرم سے رزق کشادہ ہے.......... کچھ ہو
گئی ہے تو جھیلنے کی کوشش کرو.......... دو چار دن کا بوجھ ہے.......... اللہ ہلکا کر دے
گا.......... سب چھوڑ چھاڑ اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ جاؤ گی.......... تو زندگی بوجھل ہو جائے
گی.......... بھول، چوک، خطائیں انسان کے خمیر میں ہے کچھ نہ کچھ تو ہونا ہوتا ہے نا
اس دنیا میں اسی طرح زندگی طے ہوتی ہے۔ اٹھو شاباش نماز پڑھو.......... تلاوت
کرو.......... کسی سکھی سہیلی سنگ بات چیت کر کے جی بہلاؤ۔ گھڑی دیکھتی رہو گی تو بارہ
بہت دیر میں بجیں گے.......... اے وہاں وہ میں مچھلی میں مسالہ لگانا بھول گئی۔ اچھی
تازہ نظر آئی تو صبح سویرے لے آئی تھی.......... وقار کو تو فرائی مچھلی یوں بھی بہت پسند
ہے روبی ٹکر ٹکر ننا کی شکل دیکھ رہی تھی.......... اعلیٰ درجے کی حیرت۔

بھول چوک خطا انسان کے خمیر میں ہوتی ہے.......... ننا یہ کیا بولیں اس نے تو ننا
سے کچھ نہیں کہا.......... کیا وقار نے ننا سے کوئی بات کی ہے مگر کب.......... چار کمروں کے
اپارٹمنٹ میں کوئی ایسی خاص جگہ تو نہیں کہ دو افراد باتیں کریں اور تیسرے کو پتہ نہ چلے

اس طرح کیا دیکھ رہی ہو بیٹی.......... کوئی معمہ تو نہیں دیا تمہیں کرنے کو۔ سمجھانے
کو بولی تھی۔ مجھ سے تمہارا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا جاتا بیوی۔ اٹھو ہنسو بولو۔

ننا.......... آپ نے بھول چوک خطا کا ذکر کن معنوں میں کیا میں کچھ سمجھی نہیں۔

روبی نے اب ذرا ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

ننا نے اپنی تجربہ کار، جہاں دیدہ نگاہیں ایک لحظے کو روبی کے چہرے پر جمائیں پھر
کچن کی طرف رخ کرتے ہوئے بولیں۔

اس دنیا میں سارے مسئلے کسی نہ کسی غلطی بھول چوک ہی سے پیدا ہوتے ہیں بیٹی۔
کوئی نرالی بات نہیں کی میں نے.......... ان کے انداز میں بے نیازی تھی۔ روبی نے
سکون کا سانس خارج کیا۔

اگر کوئی انسان کھلی غلطی کرتا ہے ننا تو اسے اپنی غلطی کے نتائج کی ذمہ داری خود ہی
اٹھانی چاہئے.......... بے قصور غیر متعلقہ لوگوں کو ملوث نہیں کرنا چاہئے.......... وہ
بڑے ست سے انداز میں کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

اپنی غلطی کو غلطی مانتا کون ہے.......... سو حیلے ہزار جواز پیدا کر لئے جاتے ہیں اور
سارا زور اسی بات پر لگا دیا جاتا ہے کہ دنیا یہ تسلیم کرے کہ ہم نے غلطی نہیں
کی.......... اگر لوگ اپنی غلطی مان کر اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرنے لگیں تو سب جنگی
مزاج ٹھنڈے پڑ جائیں.......... جنگیں ختم ہو جائیں.......... ہتھیار ڈھلنا بند ہو جائیں
بیٹی.......... آہ.......... ہا۔ بات مکمل کر کے ننا نے ایک ٹھنڈی آہ بھی بھری۔

ہائے ننا کسی کو ایسی اذیت میں مبتلا کرنا تو قتل سے بھی بڑا جرم ہوا جس اذیت سے
انسان روز مرتا ہے.......... اور زندگی کو بوجھ سمجھنے لگا ہو.......... روبی کی آواز یکلخت
آنسوؤں سے بھیگی ننا کے تو ایک دم ہاتھ پاؤں پھول گئے.......... فریج کھولے کھڑی
تھیں ڈور دھاڑ سے بند کر کے روبی کے پاس دوڑی چلی آئیں.......... اور ایک دم
اسے گلے سے لگا لیا.......... اور سر پر ایک بوسہ دے کر بولیں۔

ننا صدقے و قربان جائے اللہ نہ کرے میری بچی کسی ایسی اذیت میں مبتلا

ہو.........حوصلے سے میری بیٹی.........اتنے کم ہمت نہیں بنتے.........میاں بیوی کی کوئی رنجش ہو تو خود ہی بیٹھ کر دور کرنے کی کوشش کرنا چاہئے.........عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے بچی کوئی مذاق تو نہیں.........خبردار کڑھنے سلگنے کی ضرورت نہیں۔

نا.........میں کرچی کرچی ہو کر بکھر رہی ہوں.........نا مجھے ضرور کچھ ہو کر رہے گا.........ناز مین اچانک اتنی سخت ہوگئی ہے کہ چلنا محال لگنے لگا ہے۔ روبی نا کے سینے میں چہرہ چھپائے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

وقار فوراً اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولکر لاؤنج میں آ گیا تھا.....تفکر کی لکیریں اس کی پیشانی پر کھنچی ہوئی تھیں۔ نا اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

میاں سنبھالو مزاج میں بچپنا بہت ہے لگتا ہے کچھ سخت پڑ گئی ہے.........میرے بوڑھے دل میں تاب نہیں۔ مجھ سے اس کا رونا نہیں دیکھا جاتا.....میاں بیوی کو مشکل وقت میں ایک دوسرے کو سنبھالنا چاہئے.........یہ تو طے ہے کہ جب اچھا نہیں تھمتا تو برا بھی نہیں تھمتا۔

وقار چونکا۔

آپ سے کچھ کہا ہے روبی نے؟ اس کی نگاہوں میں پریشانی سی جھلکی۔

بیٹے.........ہر دم ساتھ رہنے والے اگر ایک دوسرے کو سمجھتے ہوں تو کہنا سننا ضروری نہیں ہوتا.........ہم نے بھی گھر گرہستی کی ہے ہو جاتی ہیں میاں بیوی کے بیچ ہزار باتیں.........مجھ سے تو یہ کچھ نہیں بولی.........چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ جاؤ اسے کمرے میں لے جاؤ میں اپنا کام کرلوں۔ نا نے بڑے رکھ رکھاؤ سے بات کی اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔ وقار روبی کو تھام کر بیڈ روم میں لے آیا۔ روبی ہنوز سسکیاں لے رہی تھی۔

وقار نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور اس کو شانوں سے تھام لیا۔

تمہارے جذبات بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں.........ابھی تم کچھ نہیں جانتیں۔ جب جان جاؤ گی تو پہلے سے زیادہ اعتماد کے ساتھ میرے ہمراہ وقت گزارو گی۔

روبی.........جان.........ایک پیاسے سے زیادہ پانی کی اہمیت کا اندازہ کس کو ہوگا۔ اگر کسی کو شدید پیاس میں ٹھنڈا پانی میسر آجائے تو اس کی خوشی اور طمانیت کا اندازہ تو لگایا جاسکتا ہے.........روبی میں بہت پیاسا تھا.........تم میرا ٹھنڈا پانی ہو.........ٹیک ایزی۔ میں ہر قدم تمہارے ساتھ اٹھا رہا ہوں۔ صرف تمہارا ہوں۔ یقین کرو.........مت پریشان ہو وقار کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ روبی ایک دم پرسکون سی ہوگئی.........اس نے نظریں اٹھا کر وقار کی طرف دیکھا۔

کیا میں نے تم سے شادی کے بعد کسی خاتون کے ساتھ پانچ منٹ بھی گزارے.........میں جب پاکستان میں ہوتا ہوں تو کام کے علاوہ جو وقت بھی ملتا ہے تمہارے قریب ہی ہوتا ہوں ناں۔ باہر ہوتا ہوں تو تمہیں پتہ ہوتا ہے کہ میں کہاں ہوں؟ کیا کام کررہا ہوں۔۔ وہ روبی سے بہت محبت کے ساتھ بات کررہا تھا۔

وقار میں آپ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتی ہوں۔ میرے لئے تو یہ خیال ہی اذیت ناک ہے کہ کوئی اور عورت بھی میری طرح آپ کے قریب رہ چکی ہے۔

کوئی حیثیت نہیں ہے اس قربت کی.....اس تعلق سے جو وقتی خوشی میسر آئی تھی اس خوشی سے کہیں بڑا زخم ملا ہے.........جو اس عورت سے وابستہ کسی خوشی کی یاد کو بھی ذہن میں جمنے نہیں دیتا.........میری خوشی کا ہر حوالہ تم ہو.........وقار نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی.........اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے تاثرات میں غضب تھا شدت تھی۔

☆☆☆☆☆

نمو ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سامنے زعفرانی کرتا شلوار دوپٹے میں ملبوس شامہ بڑے انداز سے مسکرا رہی تھی۔

السلام علیکم۔ نمو قدرے چونکی پھر سنبھل کر بولی۔

گھر ہی میں چھپا بیٹھا ہوگا باہر تو سب جگہ ڈھونڈ لیا.......... کیا کر رہا ہے؟ شامہ نے سلام کا جواب دینے کے بجائے سیدھے سیدھے مطلب کی بات کی۔

گھر پر تو نہیں ہیں.......... گھر میں تو ان کا دل ہی نہیں لگتا۔ ویسے خیریت تو ہے ناں آپ کیوں انہیں تلاش کر رہی ہیں.......... قرض ورض تو نہیں لے لیا آپ سے۔ پاکٹ منی تو وہ پندرہ بیس دن میں صاف کر دیتے ہیں۔ نمو نے اب ذرا شگفتہ انداز میں بات کی اگرچہ وہ اندر سے خاصی مضطرب ہو رہی تھی۔

ہیں..........؟ اکلوتا بیٹا ہے علوی صاحب کا روپے پیسے کے لئے پریشان ہوتا ہے۔ شو تو ایسے کرتا ہے کہ باپ کے خزانے کا چیف اکاؤنٹنٹ ہے.......... شامہ نے ابرو اونچے کر کے نمو سے بڑے طنزیہ انداز میں بات کی۔

ایسی بات نہیں ہے.......... ماموں جان نے کبھی ان کو فضول خرچیوں کے لئے پیسہ نہیں دیا۔ وہ بہت حساب کتاب سے چلتے ہیں ان کی پاکٹ منی فکس ہے۔ ہاں اپنی ممی سے ان کا ادھار قرض چلتا رہتا ہے۔ نمو نے وضاحت کی۔

خیر یہ تو وقتی ہے۔ ہے تو سب کچھ اسی کا.......... تم بھی کزن ہو تمہارا بھی شیئر نہیں ہوگا۔ شامہ سے بے نیازی سے کہا۔

اچانک نمو کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے اس نے بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے شامہ کو دیکھا مس شامہ آپ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔ وہ آپ سے شادی نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆

شامہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ حیرت وغصے سے اس نے نمو کا گھورا جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ جواب میں کیا بولے۔ پھر ایک دم جیسے پھٹ پڑی۔

”تو پھر کیا تم سے کرے گا؟“ وہ بہت بدلحاظی سے بولی تھی۔

”مجھ سے کرنا ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا خوش قسمتی سے نہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہیں گے نہ میں ان سے۔ یوں بھی میری شادی کہیں اور طے ہو چکی ہے۔ سوری میں ذرا ادھوری بات کر گئی۔ مجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ نہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں نہ آپ سے۔ بھلے سے آپ دو بچے ان کے سر لگا دیں یا چار وہ Own نہیں کریں گے۔ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں۔“ شامہ بھونچکی سی ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”مائی گڈنیس ...... یعنی وہ تمہارے ساتھ مل کر کرپشن کرتا ہے“۔ وہ خونخوار ہو کر بولی۔

”فائدہ؟...... اگر فرض کریں وہ میرے ساتھ مل کر کرپشن کرتے ہیں تو ہم دونوں کو کوئی فائدہ تو ملنا چاہیے۔ آپ نے کچھ پیسہ ویسہ دیا ہے کیا رمیض بھائی کو......؟“ نمو بہت اطمینان سے بات کر رہی تھی۔

”ارے تم تو بہت سیاسی لڑکی ہو۔ دیکھنے میں تو ایک دم گاؤدی لگتی ہو“۔ شامہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”یعنی کہ برباد بھی میں ہوں اور پیسہ بھی میں دوں۔ واہ بھئی واہ...... ہائیں......“ نمو نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اطمینان بھی بہت تھا۔

”بڑی انڈراسٹینڈنگ ہے بھئی تم میں۔ ڈبل گیم کھیل رہی ہو؟ بہت سی لڑکیوں کی طرح کہ محبت کسی اور سے شادی کسی اور سے۔“ شامہ نے بھی جوابی حملہ کیا۔

ین کر رہی تھیں، ہلکا ہونا چاہتا تھا ہو گیا۔ اب مجھے اور کچھ بات نہیں کرنا۔ ویسے بھی جب زینہ چڑھ کر اُوپر جاتا ہوں تو ادھر سے گزرتے ہوئے میرے دماغ میں دھماکے ہونے لگتے ہیں۔''

''کون ہے پھوپھو؟ کس سے باتیں کر رہی ہیں؟'' ماہ رخ کی آواز آئی۔

مومنہ دم بخود سی کھڑی تھی ایک دم چونک پڑی وقار آگے بڑھ چکا تھا مومنہ نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ ماہ رُخ تولیے میں بال لپیٹے حیران و فکرمند سی کھڑی دیکھ رہی تھی۔ مومنہ نے پلکیں جھپکے بغیر چند ثانیے اس کی صورت تکی وہ اس وقت بالکل غیر حاضر کیفیت میں تھی۔

''کیا ہوا پھوپھو کون آیا تھا...... کس سے بات کر رہی تھیں؟'' مومنہ کی کیفیت سے ماہ رخ بہت پریشان ہو گئی تھی۔

''وقار آیا تھا۔'' مومنہ نے جواب دیا اور آہستگی سے چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔ چہرے پر گہری سوچ تھی۔

''کیوں آئے تھے...... اب کیا ہو گیا۔ آپ نے بلایا تھا؟'' ماہ رُخ نے بڑی تشویش سے سوالات کیے۔

''نہیں۔ اب اسے یہاں کیوں بلاؤں گی۔ کوئی ضرورت بھی نہیں۔ ایک منٹ تم یہاں بیٹھو مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔ بالکل ٹھیک ٹھیک جواب دو۔'' مومنہ ہنوز گم صم کیفیت میں تھی۔

ماہ رخ کا دل کانپنے لگا۔ مومنہ جیسی ایکٹو لڑکی کا یوں گم صم ہونا کوئی معمولی یا عام بات نہیں تھی۔ وہ اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''جی...... کہیے میں سن رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم عرفان بھائی اور بھابی کے پاس کتنا عرصہ رہیں؟''

''شاید چھ سال'' ماہ رُخ نے حافظے پر زور ڈالتے ہوئے اُلجھن بھرے انداز میں جواب دیا۔

''تمہاری پہلی شادی انہوں نے کرائی تھی؟'' مومنہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''پہلی بھی اور دوسری بھی...... لیکن پہلے صرف نکاح ہوا تھا رُخصتی نہیں ہوئی۔ اس لیے اس کو شادی تو نہیں کہا جا سکتا۔'' ماہ رُخ نے مجرموں کی طرح نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''ماہ رخ! ماہ رُخ! مائی گاڈ...... تم نے مجھ سے یہ بات چھپائی۔ مجھ سے؟ میں جو تم پر اتنا بھروسہ کرتی ہوں۔ کم از کم تمہیں میرے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' مومنہ نے بہت دکھ سے کہا تھا۔

''پھوپھو اس نکاح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مجھ جیسی لاوارث لڑکی کو لوگ کھلونا بنا کر کھیلتے ہیں۔ میں اس اذیت ناک حادثے کو یاد نہیں کرنا چاہتی۔''

''لاوارث کیسے ہو گئیں۔ ماں باپ نہیں تھے تمہارے؟ اس وقت تو تم خود انہیں چھوڑے بیٹھی ہو۔ اگر تمہاری اور بھائی بھابی کی رضامندی نہیں تھی تو عرفان بھائی نے اتنا بڑا اسٹیپ کیسے لے لیا۔ تم نے بھی تو آمادگی کا اظہار کیا ہوگا۔ تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر تو نکاح نہیں پڑھایا گیا ہوگا۔ مجھ سے صاف صاف انداز میں بات کرو ماہ رخ اُلجھاؤ نہیں۔'' مومنہ برہم ہو گئی۔

''آپ کو یہ تو پتہ ہے پھوپھو۔ ابا جان نو سال قبل دیوالیہ ہو گئے تھے۔ فیکٹری کو تالے لگ گئے تھے۔ ایک مزدور لاپتہ ہو گیا تھا اس کو کئی ہفتے تلاش کیا گیا پھر فیکٹری کے گودام سے اس کی لاش نکلی تھی اور مزدوروں نے آفت مچا دی تھی کیوں کہ اس مزدور کو

فیکٹری ہی میں قتل کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے ابا جان مسلسل کرائسس میں آ گئے تھے۔ اپنا ذاتی گھر انہوں نے ممی کے بار بار کہنے کے بعد بھی بنانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ یہ کہتے تھے کہ میں اتنا بڑا سرمایہ دار نہیں ہوں کہ لاکھوں روپیہ کنکریٹ کی شکل میں بلاک کر دوں۔ چھوٹے سرمایہ دار روپیہ کو رولنگ میں رکھتے ہیں۔ روپیہ گردش میں رہتا ہے تو مزید روپیہ پیدا ہوتا ہے۔

ڈیفنس والی کوٹھی کا کرایہ پچیس ہزار تھا۔ فیکٹری کو تالا لگا تو کرائے کی کوٹھی بھی چھوڑنا پڑی۔ عرفان چچا نے اپنی انیکسی خالی کرائی اور ہم لوگ وہاں شفٹ ہو گئے اور مزید برے دن شروع ہو گئے۔'' ماہ رخ نے رک کر گہری سانس لی اور آنکھیں موند کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی جیسے دیر بعد سانس لے کر اپنی حالت سنبھال رہی ہو۔

''عرفان بھائی کی اتنی حیثیت تو ہے کہ وہ اپنے بھائی کی فیکٹری کو تالا لگنے سے بچا سکتے تھے۔'' مومنہ نے اُلجھتے ہوئے ماہ رخ کی طرف دیکھا۔

''ابا جان آل ریڈی عرفان چچا کے مقروض تھے مزید کیسے مانگتے؟'' ماہ رخ نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

''ویسے بھی عرفان چچا نے پہلے ہی جتا دیا تھا کہ پشاور میں ان کے ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا وہ ابھی تک قصاص و دیت کے مسئلے میں پھنسے ہوئے ہیں اور بنک سے لون لے رہے ہیں۔'' ماہ رخ نے مزید بتایا۔

''ہاں خیر یہ تو انہوں نے مجھے بھی فون پر بتایا تھا۔ خود تو وہ کبھی فون نہیں کرتے تھے۔ میں نے ہی کیا تھا تو بتایا تھا۔'' مومنہ نے کہا۔

''ہم سب بہن بھائیوں میں عرفان بھائی ہی سب سے الگ ہیں۔ ابا جان تو انہیں بنیا کہتے تھے۔ پیسے کو تو دانتوں سے پکڑ کر رکھتے ہیں۔ البتہ زبانی محبت اتنی جتاتے ہیں

جیسے دنیا میں ان سے زیادہ محبت کرنے والا شخص آج تک پیدا نہیں ہوا۔ ان جیسا شخص بنک سے پیسہ نے اور سود کے ساتھ واپس کرے ہوں تی پیدا نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں تم لوگوں کو انیکسی بھی کس دل سے دی ہو گی۔ یہی سوچتے رہتے ہوں گے کہ دس ہزار مہینے کا Loss ہو رہا ہے۔ یقیناً وہ بھائی کو کرائسس سے نکالنے کے لیے کوئی موٹی آسامی لائے ہوں گے۔ تمہارے لیے جو سسر کے گرتے ہوئے کاروبار کو سنبھالا دے اور بھائی جلد سے جلد اسٹیبلش ہو کر انیکسی چھوڑ دیں......اور دس ہزار مہینے کی بچت شروع ہو۔ وہ تو جو ہیں سو ہیں ہماری بھابی ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں............ پھر کیا ہوا؟ پھر وہ رشتہ لے آئے۔ تمہارا نکاح پڑھا دیا؟'' مومنہ نے تلخ تبصرہ تمام کر کے ماہ رخ سے سوال کیا۔

ماہ رخ جو سر جھکائے مومنہ کے ارشادات سن رہی تھی۔ ایک دم کسی دھیان سے چونکی ذرا خجل سے ہو کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''رشتہ......؟ ہونہہ!! ایک نمبر کا شرابی جواری۔ اس نے دولت ہی جوئے سے کمائی تھی۔ پتہ نہیں عرفان چچا نے اسے کیسے گھیرا تھا جو وہ ہم جیسے قلاشوں کے ہاں رشتہ کرنے پر رضا مند ہو گیا تھا۔'' ماہ رخ بہت دکھ سے بتا رہی تھی۔

''تو تمہیں دیکھتے ہی سوچا ہو گا کہ ایک کروڑ کا جوا تو وہ تمہاری Base پر کھیل سکتا ہے۔ یہی سنا ہے ہم نے کہ عادی جواری تو بیوی تک داؤ پر لگا کر کھیلتے ہیں''۔ مومنہ نے زہریلے لہجے میں بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

ماہ رُخ پھر خاموش سی ہو گئی۔ ''بتاؤ عرفان بھائی کو تو اللہ نے دو بیٹیاں بھی دی ہیں۔ تب بھی انہیں اللہ سے خوف نہیں آیا؟ بھائی کی اولاد بھی تو اپنا خون ہوتی ہے۔'' دکھ سے بولتے ہوئے مومنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آواز بھرا گئی اور ایک دم چپ سی ہو گئی جیسے خود کو سنبھال رہی ہو۔ بھائی نے بغیر چھان بین کے کیسے رشتہ قبول کر لیا تھا وہ

تو عرفان بھائی کے مقابلے میں بہت سمجھ دار اور غیر جذباتی ہیں۔'' مومنہ اُلجھے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ظاہر ہے ابا جان پر فائنشلی اتنا پریشر تھا کہ وہ تو بالکل ہی گم صم ہو کر رہ گئے تھے۔ عرفان چچا نے ابا جان سے یہ کہا تھا کہ یہ بندہ سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے اسٹرونگ پارٹی ہے۔ پیسہ اس کا ہوگا اور محنت آپ کی ہوگی۔ آپ جلد ہی کرائسس سے نکل جائیں گے۔ ابا جان کی تو وہ حالت تھی کہ جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت لگتا ہے۔ ظاہر ہے وہ شاطر و گھاگ تھا پھنسا لیا۔ انہیں دیکھنے میں تو لگتا بھی معقول تھا۔ باتیں بڑے ڈھب سے بناتا تھا۔ اتنی مٹھاس، عاجزی و خاکساری شو کرتا تھا کہ سامنے والے کے سارے ہتھیار کند کر دیتا تھا۔'' ماہ رخ روانی سے بتا رہی تھی۔ مومنہ بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

''ہاں خیر یہ تو دیکھنے میں بھی آیا ہے کہ ڈرنک کرنے والے جواری قسم کے لوگ اخلاق کے بہت اچھے نظر آتے ہیں۔'' مومنہ نے سوچتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''کرپشن چھپاتے ہیں ناں اخلاق کی آڑ میں۔'' ماہ رخ نے تلخی سے اضافہ کیا۔

''تمہیں اس کی بیڈ ہیبٹس کا کیسے پتہ چلا؟ تمہاری رخصتی تو نہیں ہوئی تھی؟'' مومنہ نے چونک کر سوال کیا تھا۔

''نکاح کے بعد وہ اکثر عرفان چچا سے اجازت لے کر مجھے ڈنر پر لے جاتا تھا۔'' ماہ رخ نے نظریں جھکا کر جواب دیا جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔

''اوہ'' مومنہ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

''کبھی او ور تو نہیں ہوا۔ ایسے لوگ بڑے رنگین مزاج اور عیاشی کے متلاشی ہوتے ہیں۔'' مومنہ نے آنکھیں کھول کر ماہ رُخ کا چہرہ بغور دیکھا۔

''کوشش تو کرتا تھا صاف کہتا تھا کہ تم غیر نہیں ہو میری بیوی ہو۔ زیادہ مریم بننے کی

ضرورت نہیں۔ پہلے پہل تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ ڈرنک کیے ہوئے ہے لیکن ایک دن زیادہ چڑھا گیا اور ویٹر کو معمولی سی بات پر بری طرح پیٹ ڈالا۔ بعد میں خود بھی نیچے گر گیا۔ میں تو خوف سے خود ہی بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ اس پر شرمندگی اور بے عزتی کا شدید احساس.........''

''بہت سے لوگوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ آپ کے کون ہیں؟ میں نے ظاہر ہے کہہ دیا کہ میرے شوہر ہیں...... پھر کیا کہتی؟ تب ہوٹل کے منیجر نے مجھے الگ لے جا کر کہا کہ میم آپ کے ہزبینڈ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔ ہم ان کو کسی روم میں لٹا دیتے ہیں۔ ہوش میں آئیں گے تو خود ہی گھر چلے جائیں گے۔ آپ بل پے کر دیں اور گھر چلی جائیں۔ پھوپھو میرے پاس تو پیسے بھی نہیں تھے۔ میں نے نیچے بیٹھ کر آصف کا والٹ نکالا تو منیجر نے کہا کہ میم آپ یہ والٹ اپنے ساتھ لے جائیں۔ بعد میں کہیں یہ مس پلیس ہو گیا تو آپ کے ہزبینڈ ہوٹل کی انتظامیہ کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ صرف ڈرائیونگ لائسنس اور N.I.C ان کی پاکٹ میں ڈال دیں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ بل اور روم کا کرایہ دے کر رسید لی اور والٹ میں رسید رکھ کر اپنے پرس میں رکھ لیا اور ٹیکسی کر کے بہت بری حالت میں گھر آئی۔ بہت دکھ تھا، اتنا کہ دماغ کی شریانیں پھٹی جا رہی تھیں۔ اتنا بڑا دھوکہ...... اتنا بڑا مذاق زندگی کے ساتھ۔ اتنی ذہنی اذیت تھی پھوپھو کہ میرا رواں رواں دعا کر رہا تھا اللہ مجھے موت دے دے۔ ایک پوری ذلت بھری زندگی میرے سامنے تھی۔ زندگی تو اپنے معنی ہی کھو چکی تھی۔''

ماہ رخ اپنی جگہ سے اُٹھی اور مومنہ کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ''پھوپھو اتنے گہرے زخم لگے تھے کہ آج تک خون رِس رہا ہے۔'' وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مومنہ کو الگ روحانی اذیت لاحق ہو چکی تھی۔ وہ اسے محبت

سے تھکنے لگی۔

''مائی گاڈ ماہ رخ! اپنوں کے درمیان بلکہ خون کے رشتوں کے درمیان ہوتے ہوئے اتنی اذیت ناک زندگی۔ میری جان!! تم میں کہاں اتنی ہمت وصلاحیت تھی۔ پتہ نہیں پھر فطرت نے تمہیں اتنا کیوں آزمایا۔ اب یہی دیکھ لو۔ میں اتنے دنوں سے تمہارے ساتھ ہوں مگر تم نے منہ سے کچھ نہیں پھوٹا۔ ایسے ریت کی طرح بکھر کر جینے سے تو واقعی بہتر ہے کہ انسان مرجائے۔''

آخر کیا چیز روکتی ہے انسان کو وہ درست کیوں نہیں منواتا۔ غلط کے سامنے مزاحمت کیوں نہیں کرتا۔ میری برداشت سے باہر ہیں ایسے لوگ جو خود پر ظلم ڈھانے کی اجازت دے کر مظلومیت کی تصویر بن کر بیٹھ جائیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ تم نے مجھ سے غلط بیانی کی۔ میں جو تمہیں فل مورل سپورٹ دے سکتی ہوں۔ تم نے تو کہا تھا کہ وہ وقار کا کوئی دوست تھا جس کی وجہ سے وقار نے تم پر شک کر کے تمہیں چھوڑ دیا؟'' مسائل کی بھرمار اور وقت کی سنگینی نے مومنہ کو ہمیشہ سے زیادہ ایکٹو و پریکٹیکل کر دیا تھا۔ وہ ماہ رخ کے آنسو بھی پونچھ رہی تھی اور حقائق کا سراغ لگانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

''میں نے آپ سے جھوٹ نہیں بولا پھوپھو! وہ وقار کا دوست آج بھی ہوگا اس لیے کہ وہ وقار کا بزنس پارٹنر بھی ہے۔ وہ وقار کی کوٹھی کے گیسٹ روم میں رہتا تھا۔ وقار نے بتایا تھا کہ اس کا دوست ہے بزنس پارٹنر بھی ہے تنہا ہے۔ ''چھڑا'' ہے کوئی رشتے دار نہیں ہے اس کا شہر میں۔''

''پہلے تو تم یہ بتاؤ تمہیں اس شیطان سے نجات کس طرح سے ملی تھی؟ وقار تو پھر اس کے بعد ڈسکس ہوگا۔ یہ تو مجھے پتہ ہے کہ وقار کی اور تمہاری یہ لومیرج تھی۔ ظاہر ی بات ہے یہ سلسلہ آصف سے نجات کے بعد ہی شروع ہوا ہوگا؟''

''پھوپھو اس حادثے کے بعد میں اس سے کبھی نہیں ملی۔ چچا جان اور چچی جان تو دن رات مجھے سمجھاتے تھے کہ جہاں بے حساب دولت ہوتی ہے وہاں مرد لوگوں کے بہت سے شوق بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ اپنے بیوی بچوں کو بھی تو بہت کچھ دے رہے ہوتے ہیں۔ جو منہ سے نکالتے ہیں حاضر ہو جاتا ہے۔ اکیلے تو عیش نہیں کرتے اپنے بچوں کو بھی تو عیش و آرام سے رکھتے ہیں۔ شوفر اے وان سواری، مہنگے اور اعلیٰ تعلیمی ادارے، اصلی اور بہترین غذا، قیمتی ملبوس، بغیر محنت بغیر فکر دنیا کی ہر شے جیبوں میں بے حساب دولت تو جادو کی چھڑی ہوتی ہے۔ ایسی ہی زندگی کے تو انسان خواب دیکھتا وغیرہ وغیرہ۔''

عین اسی لمحے کال بیل رنگ ہوئی۔ دونوں اپنے اپنے دھیان سے چونک پڑیں۔

''اب کون آ گیا؟'' مومنہ خود کلامی کے انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ دروازے کی سمت بڑھی اور ماہ رخ جلدی جلدی اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔

دروازہ کھلتے ہی ثنا کی پاٹ دار چھنی ہوئی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''وعلیکم السلام! لو بھئی میں خود ہی چلی آئی۔ مانو کہ بچیاں اعتکاف میں بیٹھ گئیں۔ کوئی چلہ کاٹ رہی ہیں، کہاں تو ہر دم کا آنا جانا، کہاں یہ حال کہ روبی بستر پر پڑی ہوئی ہے کوئی خیر خبریت پوچھنے تک نہیں آیا۔''

مومنہ اور ماہ رخ دونوں چونک پڑیں اور فوراً ہی ایک دوسرے سے نگاہ چرا لی۔ مومنہ سنبھل کر مسکرائی اور ثنا کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''واقعی ثنا کئی دنوں سے واقعی بڑی مصروفیت ہے۔ ایم سوری! روبی کو کیا ہوا؟'' وہ دوسرے پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''بیوی! تم سے کیا چھپانا۔ اڑوس پڑوس سے چھپتا بھی کیا ہے۔ اچھی بھلی ہنستی کھیلتی بستر سے لگ گئی۔ دوائیاں کھا کھا کر سو رہی ہے۔ جانے کیا بات چل رہی ہے میاں بیوی کے درمیان منہ سے کچھ بتاتے بھی نہیں ہیں۔''

مومنہ اور ماہ رُخ نے بے اختیار ایک دوسرے کی صورتیں دیکھیں اور فوراً ہی نظریں چرا لیں۔

''ابھی بھی سو رہی ہے۔ وقار اپنے کسی کام سے تھوڑی دیر پہلے نکل گیا تھا۔ ایسا سناٹا ہے گھر میں کہ ہول آنے لگا۔ سوچا چلو تم دونوں ہی کو دیکھتی چلوں۔'' ننا پریشان نظر آ رہی تھیں۔

''کیا ہو گیا اچانک روبی کو؟'' مومنہ نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا مسئلہ ہے۔ کورٹ سے کوئی کاغذ آیا تھا وقار کے نام...... ہو گا اس کے دفتر کا کوئی مسئلہ۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ روبی کیوں دل پر لے بیٹھی۔ مردوں کے روزی روزگار کے ہزار جھمیلے ہوتے ہیں۔ حلال روزی کمانا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا۔ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں۔ میری بچی تو بستر ہی سے لگ گئی ہے۔'' ننا فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ دونوں گویا چوری بنی سن رہی تھیں۔

''آپ پریشان نہ ہوں ننا! میں آؤں گی روبی کی خیریت پوچھنے۔ کوشش کروں گی کہ وہ اپنی پریشانی مجھ سے ڈسکس کر لے۔ میں تو اسے اپنی چھوٹی بہن ہی سمجھتی ہوں۔ ننا وہ ہے بھی بہت اچھی۔ وہ دونوں میاں بیوی بہت اچھی لائف گزار رہے ہیں۔ وہ اپنے مسئلے کا حل نکال لیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ انسان کی زندگی میں بہت سی خوشیوں کے درمیان آ جاتی ہیں وقتی پریشانیاں۔'' مومنہ بہت خلوص اور اپنائیت سے ننا کو تسلی دے رہی تھی۔

''اللہ تمہارا کہا پورا کرے آمین۔'' ننا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کی۔

''ماہ رخ ننا کو اچھی سی چائے بنا کر پلاؤ اور مجھے بھی۔ مجھے عرفان بھائی کی طرف جانا ہے۔'' مومنہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

''وہاں جا کر کیا کریں گی؟'' ماہ رخ نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

''تم پریشان مت ہو کوئی معرکہ کرنے نہیں جا رہی ہوں۔ ابھی تو تم سے پوری بات ہی معلوم نہیں ہوئی۔ سمجھو فوج ابھی بیرکوں میں ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اصل میں میرا ایک کمرشل پلاٹ ہے اس کی فائل ہے وہاں وہ لوں گی۔ میں اسے سیل کر چاہ رہی ہوں۔ تاکہ اپنا گھر خریدوں۔ تمہیں بھی کرائے کے گھر سے نجات ملے۔ جب تک میں باہر ہوں وہ تمہاری ملکیت ہو گی۔ تم تو بے وقوف لڑکی ہو دو دو رئیسوں سے پالا پڑا پھر بھی بے گھر کی بے گھر۔''

''مل جائے گی آپ کو فائل؟'' ماہ رخ نے اُٹھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

''میں مومنہ ہوں، ماہ رخ نہیں۔ فالو کرو مجھے۔ سیکھو کچھ مجھ سے۔ رات کو آؤں گی تو فائل میرے ہاتھ میں ہو گی یا تو میرے پلاٹ کی یا ان کی کوٹھی کی۔ عرفان بھائی جس باپ کے بیٹے ہیں میں بھی اسی باپ کی بیٹی ہوں۔'' مومنہ نے بڑے اعتماد سے قہقہہ لگایا۔

ننا ہونق سی ہو کر ان کی جملے بازی پر غور کر رہی تھیں اور ٹکر ٹکر ان کی صورتیں دیکھ رہی تھیں۔ ''دو دو رئیسوں سے؟'' ننا کی سوئی ایک جگہ اٹک کر رہ گئی تھی۔

''جی ننا...... میرا مطلب کہ ایک میرے بڑے بھائی یعنی ماہ رخ کے والد دوسرے سے چھوٹے بھائی۔ ان کی بات ہو رہی تھی۔''

''یہ تو خیر واقعی سوچنے والی بات ہے کہ تمہارے بھائی اگر رئیس ہیں تو ان کی بیٹی

کرائے کے گھر میں کیوں رہتی ہے۔ پانچ سات ہزار کی نوکری کیوں کرتی ہے۔"
مومنہ نے نتا کو صحیح کام سے لگا دیا تھا۔ ماہ رُخ مسکراہٹ دباتی کچن میں چلی گئی اور مومنہ لباس بدلنے۔

☆☆☆☆☆

عصر کی نماز کے بعد نیا کو دوبارہ اوطاق میں طلب کیا گیا۔ نیا اوطاق میں داخل ہوئی تو مخدوم عبدالرب صدیقی بڑے چاق و چوبند نظر آئے۔ حلیہ بھی چینج تھا، سفید کپڑوں کے بجائے بادامی رنگ کی قیص شلوار میں ملبوس تھے اور سر پر مکلف پگڑی کے بجائے شیشے لگی ٹوپی تھی۔

انہوں نے ابرو اُٹھائے سر نہیں اُٹھایا۔ نیا چادر اچھی طرح لپیٹے سر جھکائے مودبانہ سر جھکا کر کھڑی ہوگئی اور اگلے حکم کا انتظار کرنے لگی۔

"بیٹھو...... کھڑی کیوں ہو؟ آسرا رکھو پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ بھائی تیرا بالکل خیریت سے ہے۔ ہم تجھ سے غلط بات نہیں کریں گے۔ نہ ہمیں کسی نقصان کا خوف ہے جو جھوٹ بولیں گے۔ تو آرام سے بیٹھ اور سکون سے ہماری بات سن اور ٹھنڈے دل سے غور کر کے ہمیں جواب دے۔" مخدوم صاحب نے بڑی نرمی سے بات کی جس سے نیا کو واقعی ڈھارس ہوئی تھی اور وہ پرسکون انداز میں بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھو اماں! ہم خاندانی رئیس لوگ ہیں۔ سات پشتوں سے زمینوں کے مالک ہیں۔ ہمارے مزارع بھی خاندانی ہیں اور ہمارے گھر کے نوکر بھی۔ مولا سائیں نے بہت عزت دی اور ہم اس کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ہمارا مال کھا لے تو ہم تھوڑا غم کرتے ہیں لیکن کوئی ہماری عزت خراب کرے تو ہم سزا دیے بغیر چین نہیں بیٹھتے۔"

"وہ میں آپ سے عرض کر چکی ہوں ناں بابا سائیں۔ وہ کم عمر بھی ہے اور کم عقل بھی۔ اس نے کوئی پروگرام بنا کر یہ حرکت نہیں کی۔ بہنوں کی عزت پر بات آئی تو جوش میں آ گیا۔" نیا نے گھبرا کر ان کی بات کاٹی تھی۔

"پوری روٹی کھاتا ہے، پوری نیند سوتا ہے، ہتھیار سے کھیلتا ہے، کدھر کو بچہ ہے۔ آج اس کا بیاہ کر دے سال بعد بچے کا باپ بھی بن جائے گا۔ اماں کیا بات کرتی ہے۔ اب وہ ہمارے دشمنوں میں سے ہے اس نے ایک بہت عزت والی عورت کی بے عزتی کی ہے۔ ہم پھر بھی کوئی ظالمانہ یا خطرناک بدلہ نہیں لے رہے اور لمبی چوڑی بات کرنے کے بجائے تجھ سے صاف صاف معاملے کی بات کرتے ہیں۔ تیرا نکاح سہیل کے ساتھ ہو جاتا ہے تو ہم اسے نکاح کے فوراً بعد تیری ماں کے قدموں میں پہنچا دیں گے۔"

نیا پر تو کوئی آسمان سا ٹوٹا تھا۔ دہل کر سینے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ چند ثانیے کے لیے تو گویائی ہی سلب ہوگئی۔ پتھرائی پتھرائی نظروں سے مخدوم صاحب کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ پھر بڑی مشکل سے تھوک نگل کر بولی۔

"کیا بات کر رہے ہیں بابا سائیں!! سمن میری دوست ہے اور دوست نہ بھی ہوتی تو میں کسی عورت کے ساتھ اس طرح کی زیادتی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ شاداب کی سزا کہاں ہوئی؟ یہ تو میری سزا ہوئی۔ سمن کی سزا ہوئی، سہیل بھائی کی سزا ہوئی۔"

"کتنی بے وقوف لڑکی ہے تو اپنی نیک بختی کو سزا کہہ رہی ہے۔" مخدوم صاحب کی شاہانہ طبع آناً فاناً ظاہر ہوئی۔ لہجہ تیکھا ہو گیا بلا لحاظ نیا کی بات قطع کی تھی۔

"مخدوموں کی بہو بننا تو وہ عزت ہے کہ عام لڑکی تو ایسی عزت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی اور ہم بھی تجھے یہ عزت اپنی غرض کو دے رہے ہیں۔ ابھی بڑی نامرادی کی زندگی

جی رہے ہیں اور ایسا بھی تیری سہیلی اور سہیل کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ برادری کی سب لڑکیاں وہ ٹھکرا چکا ہے اس لیے کہ وہ دوسری شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ سمن کو دکھ دینا نہیں چاہتے...... بابا سائیں کمال کرتی ہے۔ عورت کو سب کچھ مل رہا ہے۔ ساتھ میں دوسری کو بھی وہی سب کچھ مل رہا ہے تو اس میں دکھ کی بات کدھر آ گئی۔ دکھ کی بات تو تب ہوگی ناں جب ایک آئے گی اور پہلے والی سے سب کچھ چھین لے گی۔ خود رانی بن جائے گی اور اسے بھکارن بنا دے گی۔'' مخدوم صاحب اب بہت تیکھے انداز پر آ گئے تھے۔

''سب چیزیں روپے پیسے سے نہ تولیے بابا سائیں! جس عورت کو اپنے شوہر سے لگاؤ اور سچی محبت ہو وہ خزانے بھی قبول نہیں کرتی کہ اسے شوہر کی محبت و توجہ میں حصہ داری برداشت نہیں ہوتی۔ وہ جیتے جی مر جاتی ہے۔ سمن سہیل بھائی سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ...... مرد ذات کوئی زمین ہے کہ عمر بھر کو ایک کے نام رجسٹری ہو گئی؟'' مخدوم صاحب بھڑک اُٹھے۔ ''مرد کی تو شان بڑھتی ہے چار چار ذال (بیوی) والا تو بڑی عزت والا سمجھا جاتا ہے کہ مرد بچہ ہے۔ چار گھر کا بادشاہ۔ تیری سہیلی تو ایک روگ ہے ایک مرض ہے۔ اس نے میرا شیر جیسا بیٹا گیدڑ بنا دیا ہے۔ گیدڑ سنگھی سنگھائی ہے۔ خون کے رشتے ٹھکرا رہا ہے۔ اس عورت کے پیچھے جس کی ہڈی (نسب) کا نہیں پتہ۔

ہم تجھے صاف صاف بتا رہے ہیں کہ ہمیں ہر قیمت پر وارث چاہیے۔ اگر ہمارا چھوٹا بیٹا زندہ ہوتا تو ہم سہیل پر زور نہیں دیتے۔ کیا خبر مولا سائیں اس کو بیٹا دے دیتا۔ ہم تو یہ سوچ کر تجھ سے بات کر رہے ہیں کہ تم سہیلیاں ہو ایک دوسرے سے محبت بھی کرتی ہو۔ ایک دوسری سے تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ تم اس کا فائدہ سوچو گی وہ تمہارا''

ایسا کوئی کام ہو جانے کے بعد ہم سہیلیاں کب رہیں گی۔'' نیا نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''پھر اپنے بھائی کی خاطر دل بڑا کر...... تیرا بھائی ہمارا مجرم ہے اسے ہم نے سزا سے تو گزارنا ہی ہے۔ یہ اتنی سی بات تیری عقل میں نہیں آ رہی کہ سزا بھی ایسی دے رہے ہیں جس سے تمہیں گھاٹا نہیں پڑ رہا۔ ہم تیری اور سہیل کی شادی خفیہ رکھیں گے۔ اسے تو سزا سمجھ۔ اس لیے کہ اب ہم برادری میں اور ذلیل ہونے کو تیار نہیں۔ برادری تو یہی کہے گی ناں کہ دوسری بہو بھی باہر سے لایا ہے۔ مخدوم اس کو برادری والے بیٹی نہیں دیتے۔ تجھے بچہ ہوا تو ہم برادری کو یہی بتائیں گے بچہ سمن کو ہوا ہے۔''

نیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے مخدوم صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

''میرے خدایا!! اتنا بڑا منصوبہ تیار ہو چکا۔'' ذہن ایک دم ماؤف سا ہونے لگا۔ عجیب احساسِ بے بسی لاحق ہو چکا تھا۔ وہ مقام تھا جہاں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ اُف اتنا باوقار سراپا اور دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانے والا ایسا شیطانی وجعلساز دماغ۔ ایسا کیا کر دیا شاداب نے؟ قتل سے بھی بڑی سزا...... یعنی روز مرنا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور بے آواز رخساروں پر پھسلنے لگے۔ اس نے دونوں ہاتھ مخدوم صاحب کے سامنے جوڑ دیے۔

''بابا سائیں!! آپ مجھے عمر بھر کے لیے حویلی کی نوکرانی بنا دیجیے۔ آپ کی جوتیاں سیدھی کرتے ہوئے یہیں وقت کاٹ لوں گی۔ مگر یہ عمر بھر کی ذلت میری جھولی میں نہ ڈالیے۔''

''ہم تجھے سہیل کی رکھیل (داشتہ) نہیں بنا رہے۔ تیرا نکاح ہوگا تجھے زمین میں حصہ دیں گے۔ تیری اولاد سے تجھے بڑی ماں کہلوائیں گے۔ تجھ سے ملانے کو لایا کریں

گے۔ تجھے ترسائیں گے نہیں۔ بھروسا رکھ۔'' وہ تیزی سے بات کاٹ کر بولے۔

بے رحمی و شقاوت کے پتھر اس کے دل پر پڑ رہے تھے اور وہ حیرت، تاسف و دکھ کی
انتہا پر خود پتھر بنی کھڑی تھی۔ اچانک ایک خیال کے تحت اس کے وجود میں بجلی سی دوڑنے
لگی۔ آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔

''بابا سائیں!! یہ تو آپ نے میرے لیے سوچا ہے اپنے حساب سے نرم سزا تجویز
کی۔ مگر آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ اگر میں آپ کی دی ہوئی یہ سزا قبول بھی کرلوں تو سہیل
بھائی اس پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ ابھی تو انہوں نے حویلی چھوڑی ہے اس کے بعد
تو ملک ہی چھوڑ جائیں گے۔'' نیا کی آواز میں اس مرتبہ بڑا جوش اور بھرپور توانائی تھی۔

''ہمیں پتہ ہے سہیل راضی نہیں ہوگا۔ مگر اسے تو راضی کرے گی۔ اسی کی وجہ سے
تیرے بھائی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اب تم دونوں مل کر اس مسئلے کا حل نکالو گے۔ حل تو ہم نے
نکال لیا ہے بس تم دونوں اس پر عمل کرو گے۔'' مخدوم صاحب کا لہجہ دوٹوک اور سفاک تھا۔

''میں تو شاید ایسا مر کر بھی نہ کرسکوں۔ آپ شاداب کے بدلے مجھے قید کرلیں،
چکی پسوالیں۔ پتھر کٹوالیں اور جو سخت سزا دے سکتے ہوں دے دیں۔ مگر مجھے یہ سزا قبول
نہیں۔ میرا اکلوتا بھائی ہے ہم سب کو بہت پیارا ہے۔ میری ماں کی تو پونجی ہے۔ مگر دنیا
میں ہماری طرح بہت سی بہنیں ہوں گی جن کو صرف ایک بھائی ملتا ہوگا۔ مگر قضائے الٰہی
سے وہ بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہوگا۔ ان کی طرح ہم بھی ہاتھ ملتے ہوئے زندگی کے دن
گن لیں گے۔'' نیا کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''کیسی لڑکی ہے تو۔ بھائی کھونے پر رضامند ہے اور فائدے کی زندگی ٹھکرا رہی
ہے؟'' مخدوم صاحب غضب ناک ہو کر کہہ رہے تھے۔

''یہ فائدے کی زندگی کہاں ہے بابا سائیں؟ یہ تو روز کی موت ہے۔ اس زندگی

میں تو ہر لمحہ ضمیر کی مار ہے۔'' نیا نے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

''کیا دوسرا نکاح وہ بھی ضرورت کے تحت کرنا شریعت کے خلاف ہے؟ دین سے
خارج ہو جاتا ہے بندہ؟'' مخدوم صاحب نے ابرو تان کر تیز نگاہ سے نیا کو دیکھا۔

''جس شریعت کا آپ سہارا لے کر اپنے فائدے کا راستہ نکال رہے ہیں اس
شریعت نے اخلاقیات پر بھی زور دیا ہے اور کسی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنا اس کے اعتماد کو
ٹھیس پہنچانا، بدترین اخلاق ہے بابا سائیں!!...... جو بندہ معاف نہ کرے تو اللہ بھی
معاف نہیں کرتا۔''

''تو اتنی بڑی اُستانی تھی تو اپنے بھائی کو اچھے سبق کیوں نہیں پڑھائے؟ ہمیں دین
سکھا رہی ہے۔ ہم جاہل ہیں؟ یہ بال دھوپ میں سفید کیے ہیں؟ سیدھی سیدھی بات کو
اُلجھا رہی ہے۔ تجھے گدی کرسی کی ذمہ داری ملی ہوتی تو تو ہمیں اور ہمارے مسئلے کو سمجھ سکتی
تھی۔ ابھی تم لوگوں کو کیا معلوم ایک وقت کھاتے ہیں دوسرے وقت کے غم میں پڑ جاتے
ہیں۔ ایران کے بادشاہ نے اولاد کے لیے ولی عہد کے لیے تین شادیاں کیں۔ تیرے
پیدا ہونے سے پہلے کی بات ہے پر تو پڑھی لکھی ہے تجھے پتہ ہوگی۔ ثریا اس کی پہلی بیوی،
فوزیہ شاہ فروقی کی بہن، اس کی دوسری بیوی، فرح دیبا اس کی تیسری بیوی جس سے
اسے اولاد ملی...... ولی عہد ملا۔ ایسا جشن منایا تھا شاہ نے کہ دنیا آج تک نہیں بھولی۔ اتنی
اہمیت ہوتی ہے دولت کے ساتھ وارث کی...... آئی سمجھ؟'' مخدوم صاحب نے جتایا۔

''جی...... مجھے معلوم ہے ولی عہد کے لیے بہت کچھ کیا جاتا ہے اور آپ کو یہ بھی یاد
ہوگا کہ جب ایران کا ولی عہد تخت سنبھالنے کے لائق ہوا تو تخت ہی نہ رہا۔ یہ اُن مظلوم
عورتوں کی بددعا ہوگی جو اولاد پیدا نہیں کرسکیں فطرت سے لڑ نہ سکیں۔'' ایک قیمتی نکتہ نیا
کے ذہن میں آیا تو اسے نوک زبان پر روکا نہیں مبادا اس دلیل کے سبب ہی مخدوم

صاحب اپنے منصوبے پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

''اب تو ہمیں بددعا بھی دے گی؟ ہم تجھے بھائی بھی واپس دے رہے ہیں اور سر پر بھی بٹھا رہے ہیں ''بھولے لوگ'' ہو بھئی تم'' مخدوم صاحب چبا چبا کر اور جتا جتا کر بولے۔

''میں آپ کو بددعا نہیں دے رہی۔ آپ میرے لیے واجب الاحترام ہیں۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ انسان صبر و انتظار کرلے تو بعید نہیں اللہ اسے وہ سب دے دے جو وہ چاہ رہا ہے۔ صرف اپنی تدبیروں کی طرف ہی کیوں دیکھتا ہے؟''

انسان پر کوسش (کوشش) فرض ہوتی ہے اماں...... چڑیا گھونسلے سے اُڑتی ہے تو دانہ ملتا ہے۔'' مخدوم صاحب مکمل تیاری کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔

''کوشش کرتے ہوئے یہ دیکھ لینا بھی ضروری ہوتا ہے کہ بلاوجہ کسی انسان پر ایسا بوجھ تو نہیں ڈالا جا رہا جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو اور پھر میں تو بالکل بے قصور ہوں میرے لیے سسکتی ہوئی زندگی کی سزا کس حساب سے طے ہو رہی ہے۔'' نیا نے ہر طرف بند راستے دیکھ کر صاف صاف بات کی کہ کوئی بات زبان پر روک لینے سے کوئی فائدہ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔

''تو کدھر سے بے قصور ہے تو نے ہماری بہو کو اس کی ساس کے ساتھ جانے سے زبردستی روکا۔ تیرا کیا حق بنتا تھا؟ سہیلی کا رشتہ زیادہ ہوتا ہے یا خاوند کی ماں کا؟'' مخدوم صاحب نے کڑے تیور کے ساتھ نیا کو دیکھ کر ڈپٹ کر پوچھا۔

''میں نے اسے اکیلے جانے سے منع کیا تھا سہیل بھائی کے ساتھ جانے سے نہیں۔ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ کہیں جا رہی ہے تو ہزار مرتبہ جائے میں روکنے والی کون ہوتی ہوں۔'' نیا نے جھکی نظروں کے ساتھ جواب دیا۔

''بہرحال اب تو بھلے اپنی حمایت کے واسطے آسمان سے فرشتے لے آ۔ ہم نے تجھے اپنی بات کہہ دی۔ تجھے بھائی کی آزادی چاہیے تو ہماری بات پر غور کر ورنہ بھول جا کہ تیری ماں نے کوئی نابکار بیٹا پیدا کیا تھا یا پھر اپنی سہیلی کو مجبور کر کہ وہ سہیل کو برادری کی کسی لڑکی سے نکاح کرنے پر راضی کرلے۔'' مخدوم صاحب نے حتمی بات کی۔

''بابا سائیں یہ میں کیسے کر سکتی ہوں؟ مجھے پتہ ہے سہیل بھائی دوسری شادی نہیں کریں گے۔ کرنا ہوتی تو حویلی کیوں چھوڑتے؟'' نیا نے دھیمی آواز میں مضبوطی سے بات کی۔

''آپ کو پتہ نہیں کہ ثمن خود سہیل بھائی سے دوسری شادی کے لیے اصرار کر چکی ہے۔ وہ تو ان سے اتنی محبت کرتی ہے کہ ان کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ وہ کہتی ہے کہ اولاد سہیل بھائی کا حق ہے۔ میں اپنی کسی خامی کی وجہ سے انہیں اس حق سے کیوں محروم کروں؟ وہ ان سے سچی محبت کرتی ہے اس لیے ان کے پاس سب کچھ دیکھنا چاہتی ہے مگر وہ نہیں مانتے کہ ان کی اس محرومی میں ثمن کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے ہے تو وہ ثمن کو کیوں سزا دیں؟'' نیا دھیمے اور پرسکون لہجے میں مخدوم صاحب کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی مبادا ثمن کی ''اسپرٹ'' دیکھتے ہوئے وہ ثمن پر رحم کر دیں۔

''یہ تو تو بہت اچھا بولی۔ اب تم دونوں سہیلیاں مل کر حویلی کو وارث دو۔ ہم تیری ماں کا وارث واپس کر دیں گے۔ ہماری وڈیرہ برادری میں ناک نیچی ہو رہی ہے۔ ہم چاہتے تو کوئی لاوارث لے آتے اور بتاتے کہ ہماری بہو کو بچہ ہوا ہے۔ پر ہمارے آس پاس خون کے رشتے موجود ہیں۔ ہم ایک بے نشان بچے کو سب کچھ دے دیں اور خون کے رشتوں کا حق ماریں ہماری طبیعت اس پر راضی نہیں ہوتی۔ جب میرا بیٹا باپ بن سکتا

ہے تو کوئی حرامی حلالی اس کی گود میں کیوں ڈالیں؟ اب تو جا... ہم تجھے تین دن دیے ہیں تو سوچ سمجھ کر ہمیں جواب دے۔'' مخدوم عبدالرب صدیقی نے شیشے کے کام والی ٹوپی سر سے اُتاری اور اضطراری انداز میں اپنا تقریباً ''فارغ البال'' سر سہلانے لگے۔

''آپ اپنے کسی نوکر سے کہہ دیں وہ مجھے بس میں بٹھا دے۔ بس یہاں سے بہت دور ملتی ہے۔'' نیا نے تھکے تھکے انداز میں درخواست کی۔

''ابھی تو گھر نہیں جائے گی۔ حویلی میں رہے گی۔ اپنی ماں کو ٹیلی فون کر دے۔'' مخدوم صاحب نے ٹوپی دوبارہ سر پر جماتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

نیا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا پھر بے بسی سے سر ڈال دیا۔

☆☆☆☆☆

''توبہ ہے رمیض بھائی آپ نے تو عورتوں کو بھی مات کر دیا۔ ایسے سر منہ چھپا کر کونے میں بیٹھ گئے ہیں بے وقوف کبوتر کی طرح جو آنکھیں بند کر کے سمجھتا ہے کہ بلی بھاگ گئی۔'' تھوڑی دیر قبل دھوبی کپڑے دے گیا تھا۔ نمو اس کے کپڑے لے کر کمرے میں آئی تھی۔

''یہ بات نہیں ہے نمو! یہ جو دو نمبر عورتیں ہوتی ہیں ناں بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ کیوں کہ وہ ہر طرح سے صرف مال حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ یہی ان کا مقصد حیات ہوتا ہے اس کے لیے وہ سب کچھ کر سکتی ہیں۔ میں اکیچوئلی اس سے جان چھڑانے کے لیے مختلف آئیڈیاز سوچ رہا ہوں اس لیے ذرا پرائیویسی میں ہوں۔ وہ مجھے گولی تو نہیں مارے گی۔ ذرا مجھے سوچنے دو'' رمیض نے اُلجھن بھرے انداز میں جواب دیا۔

''یعنی کہ حد ہوگئی۔ عمر کٹ گئی آپ کی مہ رخوں سے پیچ لڑاتے، بے وقوف بناتے ابھی تک آپ کو ایک نمبر، دو نمبر کی پہچان نہیں ہوئی''۔ نمو نے طنزاً کہا

''یار کیا پتہ چلتا ہے۔ کسی کی شکل پر تھوڑا لکھا ہوتا ہے۔ کالے سیاہ برقعے پہن کر بھی نکلتی ہیں یہ لوگ۔ فائیو سٹار ہوٹلز کے پیچھے اندھیروں میں رکشے سے اُترتی ہیں، خوشبوؤں کا طوفان اندھیرے میں برپا ہو جاتا ہے۔ برقعے اُتار کر بیگ میں رکھتی ہیں، برش سے بال ٹھیک کرتی ہیں اور ہوٹل میں داخل ہو جاتی ہیں۔ وہی کپڑے پہنے ہوتی ہیں جو آج کل سب پہن رہی ہوتی ہیں۔ بہت سر جھکا کر شرافت سے چل رہی ہوتی ہیں کوئی کیسے پہچانے گا؟''

''آپ کو کیسے پتہ کہ ہوٹل کے پیچھے اندھیروں میں رکشوں سے اُترتی ہیں؟'' نمو نے مشکوک انداز میں رمیض کا ستا ہوا چہرہ دیکھا۔

''اوہ بھئی! ایک دن کار پارک کر رہا تھا تو نظر پڑ گئی۔ ہوٹل میں بہت بڑا فنکشن تھا، پارکنگ کی جگہ نہیں مل رہی تھی...... وہ ڈھونڈ رہا تھا۔'' رمیض نے عاجز آ کر جواب دیا۔

''چلیں پھر آپ پرائیویسی میں بیٹھ کر مسئلے کا حل سوچیں اور میں چڑیلوں کے فون ریسیو کرتی رہوں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ شامہ آئی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا اُوپر بھیج دوں آپ کے پاس۔ پھر سوچا کہ اوپر خطرناک جنگ شروع نہ ہو جائے خواہ مخواہ ممانی جان اور ماموں جان کو ٹینشن ہوگی۔'' نمو باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔

''شامہ آئی تھی؟ کیا کہہ رہی تھی؟'' رمیض اس کے پیچھے لپکا۔ نمو رک گئی پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ ''وہی جو آپ سے کہہ چکی ہے۔ آپ سے ملنے کے لیے بے قرار تھی۔'' نمو نے آرام سے جواب دیا۔

''ہونہہ!! مجھ سے ملنے کے لیے نہیں دولت کے لیے بے قرار ہوگی۔ مائی فٹ......'' وہ دانت پیس کر بولا۔

”لگ تو یہی رہا ہے کہ اس مرتبہ آپ ٹھیک ٹھاک پھنس گئے ہیں۔ اب میں اس سے بات نہیں کروں گی۔ آپ خود ہی اسے ڈیل کریں اگر غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے تو پھر بھگتیں۔ میری جان کیوں عذاب میں ڈال رہے ہیں؟“ نمو نے تلخی سے کہا۔

”یار میں ویسے ہی پریشان ہوں رحم کرو مجھ پر۔“ رمیض جھلایا۔

”ہونہہ!! جو لوگ دوسروں پر رحم نہیں کرتے انہیں اپنے لیے بھی کسی سے رحم نہیں مانگنا چاہیے۔“ وہ پھر تلخی سے بولی۔

”تم انگیج منٹ کے بعد بہت پراؤڈ ہو گئی ہو۔ تم کالی تھیں تمہیں تمہاری اوقات سے زیادہ مل گیا ہے جو تم سے ہضم نہیں ہو رہا۔ مگر یہ مت بھولو اتنا اچھا رشتہ تمہیں میرے باپ کی گڈوِل کی وجہ سے ملا ہے۔ ورنہ تمہیں کون پوچھتا؟“ رمیض بہت ٹینس تھا نمو پر بری طرح برس پڑا۔

”آپ بھی اپنے باپ کی گڈوِل سے بہت کچھ اچھا بہتر یا بہترین حاصل کر سکتے تھے۔ کیوں نہیں کیا کسی نے روکا تھا آپ کو؟“ نمو یہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ چھپاک سے باہر نکل گئی۔ نمو کی پشت کی طرف گھورتے ہوئے رمیض نے اپنی ہتھیلی پر گھونسہ مارا تھا۔

☆☆☆☆☆

مسز علوی کمرے میں داخل ہوئیں تو اسی وقت انجم علوی کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ مسز علوی کئی ڈیزائن کے شادی کارڈز اُٹھائے ہوئے تھیں۔ غالباً ڈیزائن او کے کرانے اس وقت انجم علوی کے پاس آئیں تھیں۔ دوسرے ولید کمال کے والدین تاریخ لینے Coming Sunday کو آنا چاہ رہے تھے۔ اس سلسلے میں بھی فائنل کرنا تھا۔ انجم علوی نے ریسیور کان سے لگایا تو وہ ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔

”ہیلو!! والسلام...... جی بول رہا ہوں۔ اوہ یس...... ہی از مائی ڈیئر سن۔ آئی

ڈونٹ نو...... ہو از شامہ؟ اوہ شیور۔“ انجم علوی بات کر رہے تھے اور مسز علوی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

انجم علوی بہت توجہ سے Caller کی بات سن رہے تھے۔ چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بہت سنجیدہ بات ہو رہی ہے۔ دوسری طرف کی بات مکمل ہونے کے بعد انہوں نے ایک نگاہ مسز علوی کے چہرے پر دوڑائی اور کھنکار کر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں محتاط ہوئے۔

”دیکھئے میم...... میں فوراً سے بیشتر سمجھ چکا ہوں کہ میرا بیٹا بلکہ احمق بیٹا اس مرتبہ کن لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ کوئی بات نہیں ہر عاقل بالغ کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا پورا حق ہے جو جیسا کرے گا خود بھگتے گا۔ اللہ کی عدالت میں بھی یہی معیار ہوگا نہ بیٹا باپ کا کیا بھگتے گا نہ باپ بیٹے کے کیے کی سزا کاٹے گا۔ اس لیے میرا جواب بلکہ فائنل جواب سن لیجیے۔ میں نے یہ دولت وراثت میں حاصل نہیں کی۔ میرا باپ محکمہ زراعت میں ایک درمیانے درجے کا افسر تھا۔ ایماندار افسر اگر وہ راشی ہوتا تو سرحد کے زمینداروں سے اتنا کچھ لے لیتا کہ مجھے اور میری اولاد کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ ایمانداری کی وجہ سے اس نے اتنی تکلیفیں اُٹھائیں کہ اسے وقت سے پہلے افسری چھوڑنا پڑی۔ اس نے اپنی جمع پونجی سے مجھے بہترین تعلیم دلائی۔ انڈسٹریل انجینئرنگ کی یہی تعلیم جو آج تک میرے کام آ رہی ہے۔“

انجم علوی نے رک کر ذرا سانس لی اور دم بخود کھڑی بیگم کو ایک نظر دیکھ کر پھر بات شروع کی۔ ان کا انداز اتنا قطعی، ٹھوس اور بے رحم تھا کہ مسز علوی خوفزدہ سی ہو رہی تھیں۔

”اس لیے میم...... آئی ایم سوری۔ آپ ایسا کریں میرے بیٹے کو کسی طرح بھی کنونس کر کے اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے جائیں۔ یقین کریں میں قیامت

تک آپ کا ممنونِ احسان ہوں گا اور آپ کے حق میں دعائے خیر کرتا رہوں گا۔ کان کھول کر سن لیجیے۔ میں آپ کے سامنے اپنی کلائی سے راڈو یا رولیکس اُتار کر کسی غریب کو تو دے سکتا ہوں مگر بیٹے کی خاطر آپ جیسوں کو کبھی نہیں دوں گا۔ آئندہ مجھے رنگ کرنے کی زحمت نہ کیجیے گا۔ آپ کو مجھ سے کچھ ملے گا تو نہیں اُلٹا آپ کا بل ہی بنے گا۔ خدا حافظ۔'' موبائل آف کر کے انجم علوی نے غضبناک نظروں سے مسز علوی کی طرف دیکھا اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ مسز علوی تو اندر ہی اندر کانپ گئیں۔

''سبرینہ! آج تمہارے لاڈ پیار کا سب سے شاندار رزلٹ آیا ہے۔ مبارک ہو بہت مارویلس قسم کی اچیومنٹ ہے۔ جی چاہ رہا ہے تمہیں سونے میں تول دوں۔'' انجم علوی کا حرف حرف انگارے کی طرح سلگ رہا تھا۔

''کک...... کیا ہو گیا؟'' وہ بدحواس ہو کر پوچھنے لگیں۔

''اسلام آباد کی نامی گرامی میڈم عالیہ کا فون تھا۔''

''یہ کون ہے۔'' مسز علوی نے بے تابی سے بات کاٹ کر پوچھا۔

''ایک نمبر کی بلیک میلر۔ ریڈ لائٹ ایریا کا کام ماڈرن اسٹائل میں کر رہی ہے۔ میں ایک سفارتی تقریب میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ حرام کما کما کر اتنی پھول گئی ہیں محترمہ اگر کورے یا آلٹو میں بیک سیٹ پر بیٹھ جائیں تو برابر میں دوسرا نہیں بیٹھ سکتا۔ ایک نظر انہیں دیکھ کر پہلا خیال یہی آیا تھا ان کے جنازے کو کندھا دینے والوں کا حال کیا ہو گا۔ مگر خیر یہ اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں۔ اُنہیں تو ہم جیسے آنکھوں کے اندھوں کو سزا دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ کوئی لڑکی تمہارے بیٹے کے سر منڈھ رہی ہیں۔ دو آپشن ہیں یا تو بہو بنا لو یا اپنے وارث کے لیے پچاس لاکھ کی مالیت تک کی کوٹھی گفٹ کرو۔ اب جو تم کہو۔ میں تو ظاہر ہے تمہاری رائے کا محتاج ہوں۔ جیسے آج تک

نے اپنی مرضی چلائی ہے۔'' انجم علوی چبا چبا کر کہہ رہے تھے۔

مسز علوی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جیسے انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ مردہ ہاتھوں سے کارڈ ایک طرف اُچھال کر وہ انجم علوی کے قریب آئیں جو انہیں سخت نظروں سے گھور رہے تھے۔

''کون سے وارث کے لیے کوٹھی مانگ رہی ہے؟'' وہ حیران پریشان ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

''ارے بھئی وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے یا نہیں ہوئی۔ تمہاری اولاد کی وجہ سے آج میں نے دنیا کی سب سے ننگی گالی کھائی ہے سبرینہ۔ وہ کہہ رہی تھی اگر بیٹی ہوئی تو میری جانشین ہو گی۔ اس کے نام کی تختی لگاؤں گی گیٹ پر رمیض انجم علوی کی ولدیت کے ساتھ۔ اگر بیٹا ہوا تو طبلہ نواز ہو گا سنا تم نے؟'' انجم علوی دھاڑے۔

''یہاں وہاں گلیوں میں ہمارے وارث رُلتے پھریں گے۔ بہت غرور تھا تمہیں بیٹا پیدا کرنے کا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ اللہ مجھے بے اولاد رکھتا۔ اس لیے میں نے دن رات کولہو کے بیل کی طرح جت کر تم لوگوں کے لیے یہ عیش و آرام کی زندگی حاصل کی تھی؟ جب تم میں ماں بننے کے ڈھنگ ہی نہیں تھے تو اولاد پیدا ہی کیوں کی تھی؟ یہ سب تمہاری غفلت و غیر ذمہ داری کا نتیجہ ہے۔'' انجم علوی چیختے چیختے ہانپنے لگے۔

''جھوٹ بول رہی ہے بے غیرت۔ میرا بیٹا یہ چیپ حرکت، ایسی حماقت نہیں کر سکتا۔ اتنا بھی احمق نہیں ہے۔ آپ ایزی فیل کریں میں خود نپٹ لوں گی اس حرافہ سے۔ ارے ہم کوئی حلوہ ہیں جو وہ دو نوالوں میں حلق سے اُتار لے گی۔'' مسز علوی اب حواسوں میں آ کر پرفارم کرنے لگی ''وارث'' لفظ سن کر تو ان کی پرانی بیٹری چارج ہو کر کام کرنے لگی۔

''ہاں تمہیں نپٹنا۔ میں کسی کے سامنے نہیں جاؤں گا اور اپنے ہونہار پوت کو کہہ دینا میں اسے عاق کر دوں گا مگر اپنی خون پسینے کی کمائی بلیک میلروں کو نہیں دوں گا۔ تمہارے باپ نے جو کچھ دیا تھا اس سے ڈبل تم پر خرچ ہو چکا ہے ان اٹھائیس سالوں میں.....''
انجم علوی پھر دھاڑے۔

''انجم!! انجم! ٹیک ایزی۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیوں اتنا ٹمپر لوز کر رہے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں ناں میں دیکھ لوں گی۔ میرے بھی کوئی ہاتھ پیر بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ میرے پاس بھی اپروچ ہے اثر و رسوخ ہے۔'' مسز علوی نے انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں!! اسی اثر و رسوخ کے زعم میں تم ماری جا رہی ہو۔ مدحت کے کیس میں بھی تمہارا اثر و رسوخ کام آیا تھا ہے ناں؟'' انجم علوی غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ ان کے حساب سے تو اب حد ہی ہو گئی تھی۔

''مدحت کا قصہ رہنے دیں۔ وہ ایک معصوم اور جذباتی لڑکی تھی اسے مال و دولت سے نہیں رمیض سے پیار تھا۔ وہاں اثر و رسوخ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مگر یہ بلیک میلرز کا کیس ہے میں ان پر الٹا کوئی کیس بنوا دوں گی۔'' مسز علوی نے ناراض انداز میں جواب دیا۔

''کیس بنوا دو گی۔ ہونہہ!! ہمارے تمہارے جیسے تو ان کی باہر کی پاکٹ میں پڑے رہتے ہیں۔ اب تم جاؤ یہاں سے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ بس میرے کان میں آئندہ کچھ نہ پڑے۔ ورنہ کسی کے لیے بھی اچھا نہیں ہوا۔'' انجم علوی نے اسی سابقہ انداز میں دھمکی دی۔

''او کے.....او کے!! کہہ تو دیا ناں کہ میں خود ڈیل کر لوں گی۔'' مسز علوی نے بھی

ریلیکس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ڈیل نہیں ہو گی کوئی ہمارے اکاؤنٹ سے ایک کوڑی اُن کے اکاؤنٹ میں نہیں جائے گی سنا۔ ورنہ میں تم ماں بیٹے کی شکل نہیں دیکھوں گا عمر بھر.....''

مسز علوی نے ایک نگاہ شوہر پر ڈالی اور گہری سوچ میں گھری کمرے سے باہر چلی گئیں۔ انجم علوی بیڈ سے اُترے اور کمرے کی لائٹ آف کر دی۔

☆☆☆☆☆

مسز علوی نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ پش کیا دروازہ لاک تھا۔ اندر سے رمیض کی آواز آئی ''کون؟''

''ہاں!! رمیض دروازہ کھولو۔'' انہوں نے متفکر لہجے میں کہا تھا۔

دروازہ فوراً کھل گیا تھا۔ وہ تو اس کا حال دیکھ کر چونک پڑیں۔ وہ سونے کی تیاری کے بعد بھی فریش اور تیار محسوس ہوتا تھا اور اس وقت یہ حال تھا جیسے طویل بیماری سے اُٹھا ہو۔ ماں تھیں آخر تڑپ کر رہ گئیں۔

''رمیض!! طبیعت ٹھیک ہے ناں..... نمو بتا رہی تھی کل بھی تم سارا دن اپنے کمرے میں بند رہے اور آج بھی دروازہ بند کیے بیٹھے ہو۔ اینی پرابلم؟'' وہ اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھیں۔

''اوہ!! بس ممی..... آئی ایم آل رائٹ بس ویسے ہی ریسٹ کا موڈ ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ نظریں چرا کر کہہ رہا تھا۔

''اچھا اب ماں کو زیادہ بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے اس لڑکی کا ڈرائنگ روم میں اسے ملنا چاہتی ہوں۔ فون پر بات چیت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔'' مسز علوی نے وقت ضائع کیے بغیر مقصد کی بات کی۔ یوں بھی ان پر عجلت سوار ہو چکی تھی۔

شوہر کے تلخی انداز نے ہر کام سے ان کا ذہن ہٹا دیا تھا۔

"کون لڑکی؟ کس کی بات کر رہی ہیں مام......؟" رمیض پریشان بھی تھا اور نظر بھی چرا رہا تھا۔

"وہی جس کی ان داتا "گاڈ مدر" (God Mother) نے تمہارے باپ کے کان کھجائے ہیں۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"یو مین......شامہ کی مدر نے ڈیڈی کو فون کیا تھا۔" وہ سٹپٹا کر پوچھ رہا تھا۔

"بھئی تمہیں پیدا کیا، تمہاری ناز برداریاں کیں، تمہاری غلطیاں اگنور کیں آج اسی کا تو اتنا شاندار رزلٹ دے رہے ہو تم۔ ہیں تمہارے پاس پچاس لاکھ؟ میرے پاس تو نہیں ہیں۔ تمہارے ڈیڈی تو ایک کوڑی، دمڑی نہیں دیں گے۔ یہی ایک حل ہے کہ یہ کوٹھی مورگیج (رہن) کر کے کسی بنک سے لون لیتے ہیں۔ یہ کوٹھی میرے نام ہے میں اسی کو برباد کر سکتی ہوں اور تو کچھ نہیں ہے میرے پاس تمہاری عیاشیوں پر لٹانے کے لیے۔ مگر ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھو تمہارے باپ نے مجھے تم پر پیسہ خرچ کرنے سے منع کیا ہے۔ اگر میں یہ کوٹھی مورگیج کرتی ہوں تو ساتھ ہی مجھے تمہارا باپ طلاق دے دے گا۔ ظاہر ہے میں تو بہت بڑی قصوروار ہوں آخر تمہیں پیدا کیا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی غلطی تو نہیں ہے۔" وہ دانت پیس پیس کر بول رہی تھیں۔ رمیض ان کی طرف سے پشت کیے ہوئے سن رہا تھا۔

"فار گاڈ سیک ممی!! مجھے کسی سے بھی فائنینشلی سپورٹ نہیں چاہیے۔ میں تو خود ان کرپٹ خواتین کو روپیہ بھی دینا نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو انہیں کوئی اماؤنٹ کس حساب سے دوں؟" وہ جھلایا۔

"کچھ نہیں کیا تم نے؟ بالکل صاف ہیں تمہارے ہاتھ؟" وہ غضبناک ہوئیں۔

"ہاں! میں نے کچھ نہیں کیا۔ ون ڈزن سے زیادہ میری گرل فرینڈز ہیں پوچھ لیجیے ان سے۔ میں ان کے ساتھ کھاتا پیتا ہوں۔ جم خانہ جاتا ہوں، ان کے ساتھ اسپورٹ میں حصہ لیتا ہوں۔ کرپٹ نہیں ہوں میں اور نہ ہی میری گرل فریڈز ہوٹلز میں بلز Pay کرتی ہیں۔ بھلے وہ کتنی ویل آف (Well off) ہوں۔" وہ اسی طرح پشت کیے جواب دے رہا تھا۔

"چور بھی کبھی اپنے آپ کو چور کہتا ہے؟ میری طرف دیکھ کر مجھ سے صاف اور سچی بات کرو۔ مجھے گھمانے پھرانے کی کوشش کرو گے تو مسئلے کا حل نہیں نکلے گا۔ تمہارے باپ کو اسلام آباد سے کالز آتی رہیں گی اور اس گھر کو کسی بھی وقت آگ لگ جائے گی۔ میں تمہاری ماں ہوں مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں۔ سن رہے ہو؟" اس مرتبہ مسز علوی نے ذرا دھیمے انداز میں بات کی۔

"ممی......سیدھی سی بات ہے۔ یہ تو آپ کو پتہ چل ہی گیا ہے کہ وہ کس قسم کی خواتین ہیں۔ اُس کی صرف مجھ سے تو دوستی نہیں ہوگی۔" وہ جھلا کر کہہ رہا تھا۔

"تم نے کبھی کسی ہوٹل میں اس کے ساتھ Stay کیا ہے۔" وہ وکیلوں کے انداز میں نکتہ اُٹھا رہی تھیں اور کسی نتیجے پر پہنچنا چاہ رہی تھیں۔ "جھوٹ مت بولنا رمیض......"

"اوفو ممی!! وہ تو پتہ نہیں کس کس کے ساتھ ہوٹلز میں Stay کر چکی ہو گی ان تین مہینوں میں......" وہ چڑ کر کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دو۔ احمق لڑکے تم اس وقت جس کے ہتھے چڑھے ہو وہ ایک نمبر کی شاطر عورت ہے۔ اس ملک کے عیاشوں کی منظورِ نظر۔ ٹڈ لسٹ میں بھی وہ "سامان" بھیجتی ہو گی۔ اگر تم اس لڑکی کے ساتھ کسی ہوٹل میں Stay کر چکے ہو تو ہوٹل کے ریکارڈ میں یہ انٹری ہو گی۔ وہ ہر صورت بچہ تمہیں دے گی۔ خواہ وہ

ایدھی والوں کے جھولے سے چرا کر لائے۔ اس لیے کہ اُسے تم سے پچاس لاکھ کی
پراپرٹی لینا ہے۔ تم جیسے احمقوں کی تلاش میں بو سونگھتی پھرتی ہیں یہ عورتیں۔ تم پڑھائی میں
اچھے جا رہے تھے اس لیے ہم تمہاری اسٹڈی پر زور دے رہے تھے۔ ہمیں پتہ ہوتا کہ تم
ان چکروں میں پڑ جاؤ گے تو ہم تمہاری شادی کر دیتے تمہاری لائف باؤنڈ ہو جاتی۔ اب
تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم تمہاری حماقتوں کے ہاتھوں برباد ہونے والے ہیں۔ نمو کی
شادی ہونے والی ہے اس کے سسرال والوں کو یونہی کوئی سن گن مل گئی تو نمو پر اس کا کیا
اثر پڑے گا کچھ اندازہ ہے تمہیں؟ وہ ڈانٹتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''ممی پلیز!! آپ ان خواتین کے ہاتھوں ٹریپ نہ ہوں۔ کچھ نہیں کرسکتیں وہ۔
آپ مجھے کچھ عرصے کے لیے باہر بھجوا دیں۔ مجھے بس ٹکٹ کے پیسے دے دیں۔ باقی میں
خود کچھ کرلوں گا۔'' رمیض نے جھنجلا کر کہا۔

''ہاں تم فلائی کر جاؤ اور تمہارے پیرنٹس یہاں بیٹھ کر تمہارا کیا بھگتیں''۔ وہ خفگی
سے بولیں۔

''ممی آپ تو ایسے بات کر رہی ہیں جیسے رئیلی میں کریمنل ہوں۔ آپ اتنا ٹرسٹ
کر رہی ہیں ان کرپٹ لیڈیز پر؟'' وہ بری طرح جھلا کر بولا۔

''میں یہاں کورٹ لگانے نہیں آئی۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے آئی ہوں۔ اسی
وقت اسی حلیے میں میرے ساتھ چلو۔ ثامہ کے گھر......'' وہ قطعی انداز میں بولیں۔

''تو اس کا پتہ تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ کس وقت گھر پر مل سکتی ہے۔ وہ گھر میں ٹکتی ہی
کب ہے؟'' رمیض منمنایا۔

''تو اس کا موبائل نمبر تو تمہارے پاس ہوگا۔ پتہ کرلو اس وقت وہ کہاں ہے؟''
مسز علوی نے اس کے ہتھیار کند کیے۔

''اگر تمہاری کرپشن پروف ہوگئی رمیض تو میں ثامہ کے ساتھ تمہاری شادی کردوں
گی۔'' رمیض نے بدحواس ہو کر ماں کی شکل دیکھی۔

''اوہ نو ممی!! یہ تو کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ میں اسے شوٹ کردوں گا۔ جیل چلا جاؤں گا
مگر اس سے شادی نہیں کروں گا۔ میرے لیے یہ دو نمبر عورتیں ہی رہ گئی ہیں؟'' وہ ایک
دم غصے میں آگیا۔

''تم جیسے لوگ ہی ان عورتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیتے ہیں۔ تمہارے جیسے
لوگوں کی وجہ ہی سے ان کا بزنس چمکتا ہے۔ تم لوگوں کے سہارے ہی یہ برے راستوں پر
قدم جما کر چلتی ہیں۔ اگر یہ بائی نیچر کرپٹ ہوتی ہیں تو تم لوگوں کے تعاون سے ان کی
کرپشن کو چار چاند لگتے ہیں۔ میری اٹھائیس سال کی گرہستی تمہاری وجہ سے داؤ پر لگ گئی
ہے۔ میری طرف سے تم کسی رعایت کی اُمید ہرگز نہ رکھنا۔ اپنے بالوں میں برش چلاؤ
اور چلو میرے ساتھ۔ ہری اپ...... ورنہ چھوڑ دو یہ گھر، سمجھ لو مرگئی تمہاری ماں۔ میرا
دماغ ماؤف ہونے لگتا ہے یہ سوچ کر کہ آخر تم کس مٹی سے بنے ہو؟ مدحت والا
ایکسیڈنٹ بھی تمہیں سیریس نہیں کرسکا۔ آخر تم اور کتنے بڑے ایکسیڈنٹ کا انتظار کر رہے
ہو؟'' اس مرتبہ مسز علوی دکھ کی شدت سے مغلوب ہو کر کہہ رہی تھیں۔

''ممی...... بلیوی...... وہ بلیم کر رہی ہے۔ بلیک میل کر رہی ہے۔ پلیز سمجھیں......''
رمیض عاجز آکر بولا۔

''ہاں تو بہت کچھ سمجھنا ہی تو چاہ رہی ہوں اسی لیے تو تمہیں ساتھ لے کر اس سے
ملنے جا رہی ہوں۔'' وہ اسی طرح ٹھوس انداز میں بولیں۔

رمیض نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور بے دلی سے موبائل، والٹ اور کی
رنگ ٹیبل سے اُٹھانے لگا۔ بلیک جینز کی جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔

"برش تو کرلو" مسز علوی نے ٹوکا۔

"میں ٹھیک ہوں......بس چلیں آپ۔" وہ ناراض اور بےزار انداز میں کہہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

بات سنو مومنہ!! تم چھوٹی ہو چھوٹوں کی طرح بات کرو۔ ہم نے ان کا بھلا سوچا تھا برا نہیں۔ یہ تو ہوتا ہی ہے اس دنیا میں اچھائی کرو اور جوتے کھاؤ۔ بس جاتی اس کے ساتھ؟ کیوں خلع کے لیے ضد کی۔ نکما، جاہل اور غریب تو نہیں تھا۔ کیا مرد شادی کے بعد غلط راستوں پر نہیں چل سکتا اور بھئی جس ہائی سوسائٹی کو وہ موو کرتا ہے وہاں یہ سب چلتا ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ برا نہیں کیا تھا اس نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری تھی"۔

علینہ بھابی ایک سانس میں بولتی چلی گئیں۔ مومنہ نے کئی مرتبہ بولنے کے لیے منہ کھولا پھر بند کرلیا۔ اتنی تواتر سے الفاظ آ رہے تھے کہ درمیان میں "چوں" کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

"وہ سب ٹھیک بھابی جان کہ آپ نے یہ سب خلوصِ نیت سے کیا مگر اسی ہمدردی و خلوص سے آپ ماہ رُخ کو اپنی بہو بھی تو بنا سکتی ہیں۔ جبران اور ماہ رُخ ہم عمر ہی تو ہیں۔ آپ نے تو حد کر دی۔ اپنی جان بچا کر آپ نے اسے ایک وحشی کے حوالے کر دیا۔ اس نے تو بڑی ہمت دکھائی کہ خلع لے لیا۔"

"ارے تو دوسرا تو اپنی مرضی سے کیا تھا اسے کیوں چھوڑ دیا؟" علینہ بھابی نے ہاتھ نچا کر کہا اور پھر کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔

"بی بی! ہم نے تو کان پکڑ کر توبہ کی۔ آئندہ تمہارے خاندان میں کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کریں گے۔ او بھئی! کب تک ہم تمہارے بھائی کو بھرتے؟ ہمارے بال بچے نہیں ہیں؟ ذلیل کر کے رکھ دیا اس لڑکی نے ہمیں۔ خلع لیتے ہی وقار کو پھانس لیا۔ ہم پھر بھی کچھ نہیں بولے چپ چاپ نکاح پڑھایا اور رخصت کر دیا۔ لو اس کے ساتھ بھی نہیں

بن کی وہ تو نہیں لائے تھے۔ خود لائی تھی ڈھونڈ کر اپنا بر۔ بھائی بھابی تو ہر بات میں ان پھنسے تھے اس لیے کہ ان کی جیب سے پیسہ نکلوانا ہوتا تھا۔ اپنا بھی ڈبو دیا جوان سے لیا وہ بھی ڈبو دیا۔ ارے بھئی کب تک کرتے رہیں ہم" علینہ بھابی پھر ایک سانس میں بولیں۔

"اوہ بھئی مومنہ آئی ہوئی ہے۔ اتنے دور کے مہمانوں سے کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے بھئی۔" عرفان قاسم ڈارک گلاسز آنکھوں سے اُتارتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

"السلام علیکم بھائی!" مومنہ نے سروقد کھڑے ہو کر سلام کیا۔ دل میں بہت دُھند ہی سگا بھائی تھا خون کا رشتہ تھا۔ چہرے پر نگاہ پڑتے ہی دل میں نرمی سی اُترنے لگی۔

"وعلیکم السلام!! وعلیکم السلام!! اتنے دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے بھائی کے پاس ایک دن رکنے کے لیے نہیں آئیں......کیا ناراض ہو؟" عرفان قاسم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی شفقت سے کہا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ علینہ بھابی اس دوران میں اپنے چہرے کے تاثرات کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ بار بار ننگے بازو پر ساڑھی کا آنچل پھیلاتیں جو بار بار پھسل رہا تھا۔

"بس کچھ ڈاکومنٹیشن پرابلم چل رہی تھیں۔ آفسز کے چکر لگ رہے تھے پھر ماہ رُخ بالکل اکیلی نظر آئی تو اسے کمپنی دے رہی تھی۔" مومنہ نے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

عرفان قاسم کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ چہرے پر بےزاری، سختی اور سنجیدگی چھلکنے لگی۔ "ہاں بھئی یہ ماہ رُخ کا تو واقعی مسئلہ ہی ہو گیا ہے۔ بھائی صاحب الگ اس کی وجہ سے بیمار رہنے لگے ہیں۔ وقار سے علیحدگی کے بعد تو وہ بالکل ہی الگ تھلگ ہو گئی ہے۔ ظاہری بات ہے دکھ ہوتا ہے۔" عرفان قاسم لہجے میں زمانے بھر کا غم

سمجھ کر کہہ رہے تھے۔

''ہاں تو اس کے ساتھ زیادتی کی حد ہی تو ہوگئی ہے۔ دوسری شادی کی ناکامی کا باعث اس کی پہلی شادی ہی ہے۔ اسے آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔'' مومنہ کے لہجے میں لاشعوری طور پر تلخی در آئی تھی۔

''پہلی شادی نہیں تھی صرف نکاح ہوا تھا۔'' علینہ بھابی نے تیزی سے تصحیح کرتے ہوئے کہا۔

''وہی...... داغ تو موجود ہے۔ ہلکا گہرا ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھائی صاحب کی فائنشلی قسم کی غلطیوں کی ذمہ داری ماہ رُخ پر تو نہیں تھی۔ مگر ہرجانے، تاوان، سزا سب اس کے ذمے لگ گئے۔ اب وہ کس دل سے رشتے داروں سے تعلق مضبوط بنائے۔ ان کے ساتھ خوش گپیاں کرے۔'' مومنہ نے بھاوج کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ماہ رُخ کا مقدمہ لڑنے آئی ہو مومنہ!! میں سمجھا بھائی کی محبت میں ملنے آئی ہو۔'' عرفان قاسم نے ہلکی سی ناراضگی کا مظاہرہ کیا۔

''بھائیوں کے گھروں میں اس کا مقدمہ لڑنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ ایک بات نکلی تو دل کی بات کہہ دی۔ دنیا میں ہر مسئلے کا حل دولت ہی نہیں ہوتی پھر اس بے چاری کا لوگوں کے مسئلے سلجھانے کے لیے استعمال کیوں کیا گیا؟'' مومنہ نے دکھ سے کہا۔

''اوہ تو بھئی ہم غلط تھے ہم نے غلطی کی تھی۔ دوسری مرتبہ تو اس نے آزادی سے اپنی مرضی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ خوش کیوں نہیں رہ سکی۔ وہ تو شرابی جواری راشی نہیں تھا؟'' عرفان قاسم لحاظ کرتے ہوئے غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

''وہی میں کہہ رہی تھی مومنہ سے کہ ہم نے قدم قدم پر ساتھ دیا۔ روپے پیسے سے مدد کی رہنے کو ٹھکانہ دیا اس کا حاصل کیا ہے ذلت، بدنامی، طعنے۔ اسی لیے ہم نے

لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ عرشیہ کی شادی پر کارڈ دیا تھا نہیں آئے۔ چلو ہماری جان چھوٹی وہ کیا ہے کہ تم رُوٹھے ہم چھوٹے۔'' علینہ بھابی تو چھوٹی مرچ چبا کر بات کرتی تھیں۔

''بھابی کچھ اچھا ہوگیا ہوتا تو وہ ایسا کیوں کرتے؟ دلوں میں کدورتیں کیوں پیدا ہوتیں؟ جس طرح انسان اپنی بیٹی کے معاملے میں ہر طرح کی احتیاط سے کام لیتا ہے سو طرح کی چھان بین کرتا ہے پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتا ہے اسی طرح کسی اور کی بیٹی کے معاملے میں کیوں نہیں کرتا؟''

''اب تو تم سمیت سب ہی یہی کہیں گے۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ برا کیا تو بندے نے اچھا کیا تو اللہ نے۔ اب ان باتوں کو دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اچھا بھئی ٹھیک ہے ہم نے جان بوجھ کر برا کیا۔ ہم نے مان لیا۔'' عرفان قاسم نے بھی خفگی کا مظاہرہ کیا۔

''وہ اسے بڑی چاہت سے لے جا رہا تھا۔ پانچ لاکھ روپیہ تو اس نے صرف زیورات کے لیے دیا تھا کہ آنٹی جیولری آپ ماہ رخ کی پسند سے لیں۔ اپنی کوٹھی کی رینوویشن پر لاکھوں خرچ کیے۔ یوں اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہا تھا جیسے کسی ریاست کی شہزادی کو بیاہنے جا رہا ہو۔ مگر بھئی یہ لڑکی جانے کس مٹی کی بنی ہے۔ بہتیرا سمجھایا کہ دنیا میں ایسے ایسے ٹیڑھے مزاج کے مرد ہوتے ہیں ایک کوڑی کما کر نہیں لاتے اور عورت کو پیر کی جوتی سمجھ کر خدمت لیتے ہیں۔ اتنا چاہنے والا مرد کسی عورت کو مل جائے تو اس کی قسمت چمک جاتی ہے۔'' علینہ بھابی نے پھر تبصرہ کیا لگتا تھا بھری بیٹھی ہیں اور آج انہیں دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا ہو۔

''بھابی آپ ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیے ایسا لائف پارٹنر جو چوبیس گھنٹے میں بارہ گھنٹے بے خبری کی کیفیت میں رہتا ہو وہ اپنی لائف پارٹنر کو کیا خوشی دے سکتا ہے؟

بیوی کو اپنے شوہر سے ہزاروں مسئلوں پر ڈسکس کرنا ہوتی ہے کچھ روٹین کے فیصلے ہوتے ہیں اور بہت سی باتیں جو انہیں آپس میں کرنا ہوتی ہیں۔ کیا دولت ایک جیتے جاگتے انسان کا نعم البدل بن سکتی ہے؟ بہرحال عرفان بھائی بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ اب تذکرے سے حاصل بھی کیا ہوگا۔ میں ابھی تقریباً ایک ماہ ہوں۔ اس دوران میں ماہ رخ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اگر موقع ملا تو آپ کے پاس رکنے کے لیے آؤں گی۔'' مومنہ ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر کھڑی ہوگئی۔

''اپنا بھی تم کچھ سوچ لیتیں تو اچھا تھا۔ ابھی بھی وقت گیا تو نہیں۔ دنیا ہمیں ٹوکتی ہے کہ تمہارا کچھ کیوں نہیں کرتے؟ تم پتہ نہیں کیا سوچے بیٹھی ہو؟'' علینہ بھابی نے بھی خود پر قابو پا کر رواداری اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا۔ عرفان قاسم کی سخت مزاجی اور بدلحاظ طبیعت انہیں فوراً ہی جامے میں ڈال دیتی تھی۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر وہ کچھ کھائے پیئے بنا ناراض انداز میں واپس چلی گئی تو وہ اچھا خاصہ ہنگامہ کر دیں گے گھر میں۔ مزاج بھلے سے ٹیڑھا تھا مگر تھی تو چھوٹی اکلوتی بہن...... خون کا رشتہ۔

''بس بھائی مجھے تو آپ اجازت دیں۔ ایڈووکیٹ سے بھی ٹائم لیا ہوا ہے۔ ماہ رُخ بھی وہاں پہنچے گی اور میرا انتظار کرے گی۔ بھوک بالکل بھی نہیں ہے۔ موقع ملا تو ڈنر آج آپ کے ساتھ کرلوں گی۔

''ایڈووکیٹ سے...... خیریت'' عرفان قاسم اور علینہ دونوں چونکے تھے اور پھر ماہ رُخ کا ذکر بھی۔

''جی وہ وقار پر مین ٹین نیس اور ووآؤٹ پرمیشن سیکنڈ میرج کے سوٹ فائل کیے ہیں اس سلسلے میں۔'' مومنہ نے بتایا اب اس پر واپسی کی عجلت سوار تھی۔

''ہونہہ!'' علینہ بھابی طنزیہ مسکرائیں۔ ''جس سے مین ٹین نیس سے بھی بہت

زیادہ مل رہا تھا۔ اسے تو ٹھوکر ماردی اب دوسرے سے مانگنے کے لیے ٹھوکریں کھا رہی ہے۔''

''اس بے وقوف کو احساس تک نہیں تھا کہ وہ تو ایک پرائیوٹ فرم میں اوور ٹائم لگا کر بمشکل آٹھ ہزار، کما رہی ہے۔ اس میں اپارٹمنٹ کا کرایہ بھی یوٹیلٹی بلز بھی اور اپنا خرچہ بھی چلا رہی ہے۔ وہ تو میں نے اسے کورٹ ٹرائل پر تیار کیا ہے کہ وہ اپنے رائٹ کے لیے لڑے۔'' مومنہ نے بیگ کندھے پر لٹکا کر گلاسز آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے وضاحت کی۔

''جو شخص بغیر اجازت دوسری شادی کرنے کی جرأت کر سکتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے کسی مضبوط بنیاد پر ہی یہ قدم اُٹھایا ہے۔ مرد کو اگر اپنی بیوی سے پرخلوص محبت ہو تو وہ اس کے سر پر سوکن کبھی نہیں بٹھائے گا۔ اس لیے کہ یہ بہت بڑا مینٹل ٹارچر ہے جو کوئی محبت کرنے والا شوہر اپنی بیوی کو کبھی دینا پسند نہیں کرے گا۔ اس نے دے دیا نان ونفقہ اور تم نے لے لیا۔ دینا ہوتا تو عدالت کچہری میں پھنسنے سے پہلے ہی دے دیتا۔'' عرفان قاسم نے استہزائیہ انداز میں گرہ لگائی۔

مومنہ نے ڈارک گلاسز سے جھانک کر بھائی کو دیکھا اور بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئی ''اسے کوئی خوش فہمی ہوگی بھائی۔ عموماً بہت سے لوگ خوش فہمی کے ہاتھوں ہی مارے جاتے ہیں۔ اوکے...... بائے۔'' وہ یہ کہہ کر رُکی نہیں تیزی سے باہر نکل گئی۔

علینہ بھابی نے شوہر کی طرف دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی۔ عرفان قاسم ریسٹ واچ دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆☆

''ہیلو!! کون؟ امی...... السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! میری بچی کہاں سے بات کر رہی ہو؟''

''میں ابھی حویلی ہی میں ہوں امی''

''خیریت ہے ناں بیٹی!! میں تو انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ میرے دو بچے میری آنکھوں سے دور ہیں۔ کیا بات ہے تم ابھی تک وہاں سے نکلی کیوں نہیں؟'' بانو بیگم کے لہجے کی تڑپ آگ کی طرح نیا کے دل کو چھو گئی۔

''جی امی...... آپ بالکل مطمئن رہیں میں بالکل خیریت سے ہوں۔ حویلی میں میرے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہیں ہوئی بلکہ وہ لوگ میرا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں''۔ نیا نے انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

''دیکھو بیٹی بہلاوے نہیں سچی بات کہو۔ اگر خیریت ہے تو تم وہاں کیوں ہو؟ شاداب ابھی تک گھر کیوں نہیں آیا؟ تمہاری ملاقات ہوئی شاداب سے؟ کیسا ہے میرا بچہ؟'' بانو بیگم کے حرف حرف میں وہم و بے اعتمادی کی لہریں رواں تھیں۔

''امی میں نے کہا ناں آپ پریشان نہ ہوں۔ دیکھیں اگر خدانخواستہ میرے ساتھ کوئی مسئلہ ہوتا تو میں آپ کو حویلی سے فون کس طرح کر سکتی تھی۔ کون کرنے دیتا مجھے اپنی ماں سے بات۔ بابا سائیں نے مجھے خود تاکید کی کہ اپنی ماں کو فون کر دو وہ پریشان ہو رہی ہو گی۔'' نیا نے دلیل سے سمجھایا۔

''اچھا......'' بانو بیگم کے لہجے میں اب بھی بے یقینی تھی۔

''جی امی...... کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انشاء اللہ شاداب بھی آپ سے جلد ملے گا۔ عقیقہ کیا کر رہی ہے؟'' نیا نے سنجیدگی سے اور اعتماد سے بات کی اور بہن کی خیریت معلوم کی۔

''سر پکڑے بیٹھی ہے بے چاری کہہ رہی تھی امی مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا۔ لگتا ہے

بس میری قسمت میں یہیں تک پڑھنا تھا۔'' بانو بیگم کی آواز بھرا گئی۔

''توبہ اللہ! کیا ہو گیا ہے سب کو۔ ایسے ہمت ہارے ہوئے ہیں جیسے اندلس میں کشتیاں جلا کر اُترے تھے اور سرینڈر ہو گئے۔ ایسی جنگ میں شکست مان رہے ہیں جو ابھی شروع ہی نہیں ہوئی۔ یہ تو حال ہے اس قوم کی آرام طلبی کا۔'' نیا اندر سے ڈسٹرب تو تھی حوصلہ شکن باتیں سن کر بری طرح چڑ گئی۔

''اے بیٹی! تم تو حویلی پہنچ کر سیاستدان ہی بن گئیں۔ گھر در بھول بھال ملک و قوم کی باتیں کرنے لگیں۔ اللہ نہ کرے کہ ہمیں کوئی جنگ درپیش ہو۔ ہم اس لائق کہاں ہیں اپنا آپ بچا کر سنبھال کر بیٹھ جائیں یہی بہت ہے۔''

''تم لاکھ کہو کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ مگر ایمانداری کی بات ہے کہ بھروسہ کیسے کریں۔ بھائی کو تمہارے اُٹھا لیا، تمہیں حویلی میں مہمان بنا کر بٹھا لیا، دشمنوں میں نام لکھا ہے اور ہم تمہاری طرف سے بے فکر ہو کر لمبی تان کر سو جائیں؟ کوئی عقل کی بات کرو نیا'' بانو بیگم بھی جھلا کر بات کر رہی تھیں۔

''میں سہیل سے فون پر بات کرتی ہوں۔ میرا تو دل بیٹھا جاتا ہے۔'' وہ مزید بولیں

''ار...... رے...... امی یہ غضب نہ کر دیجیے گا۔ سہیل بھائی کو تو ہوا بھی نہیں لگنا چاہیے۔ ورنہ شاداب کا مسئلہ بہت اُلجھ جائے گا۔ میں کل دن میں واپس آ جاؤں گی۔ خدا حافظ'' نیا نے فوراً ریسیور رکھ دیا۔ اس سے پیشتر کہ بانو بیگم مزید وکیلوں کی طرح پوائنٹس اُٹھاتیں اور واقعی کسی صحیح کے پوائنٹ پر اٹک جاتیں۔

☆☆☆☆☆

رمیض نے موبائل پر میسج دے دیا تھا کہ وہ اسے اس کے اپارٹمنٹ میں ملنے آ رہا ہے اور ویٹ کرے۔ لہٰذا جب دونوں ماں بیٹا اس کے ٹھکانے پر پہنچے تو وہ بڑی نک سک

سے تیار اس کا انتظار کر رہی تھی لیکن مسز علوی کو رمیض کے ساتھ دیکھ کر وہ خاصی ٹھٹک گئی۔ مگر "پکی" تھی فوراً خود کو سنبھال لیا اور بڑی خوش اخلاقی سے انہیں اندر آنے کو کہا اور ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔ مسز علوی بڑی ناقدانہ نظروں سے اس کو تول رہی تھیں۔ بہت قیمتی اور خوش رنگ لباس، چمکدار سیاہ بالوں کی چوٹی، ناک میں ڈائمنڈ لونگ کے لشکارے، کانوں میں بڑے بڑے بالے اور اس پر قیامت کی ہوش رُبا خوشبوئیں۔

مسز علوی نے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ سپر لگژری اپارٹمنٹ کی ایک ایک شے سے مکین کی امارت کا اظہار ہو رہا تھا۔ رمیض بہت خاموش اور بے زار سا تھا مسلسل کی رِنگ سے کھیل رہا تھا۔ اس نے ایک نگاہِ غلط بھی شامہ پر نہیں ڈالی تھی۔ شامہ نے دونوں ماں بیٹا کو بڑے خاص اسٹائل میں تشریف رکھنے کو کہا۔ مسز علوی فوراً بیٹھ گئیں اور ایک مرتبہ پھر شامہ کا ناقدانہ جائزہ لیا۔

"ارے رمیض بیٹھو ناں...... کھڑے کیوں ہو؟ اور یہ تمہارا حلیہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی ٹریجڈی فلم کے ہیرو کی Look آ رہی ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اس کی آنٹی؟" رمیض سے بولتے بولتے اس نے ساتھ ہی مسز علوی سے اس کی خیریت پوچھ لی۔

رمیض اور مسز علوی جواب میں خاموش رہے۔ شامہ مسلسل مسکرا رہی تھی اور بڑے چہکتے ہوئے لہجے میں اس نے آدابِ میزبانی نبھاہے۔

"چائے، کافی یا کولڈ......؟ ہاجراں! گل سُن"۔ اس نے ملازمہ کو آواز دی تھی جو فوراً ہی آ موجود ہوئی تھی۔ جیسے کال کی منتظر ہی تھی۔

"اوہ نو تھینکس! ہمارا خیال ہے تم سے ٹو دی پوائنٹ بات کر لیں۔ نہ تمہارے پاس وقت ہوگا اور نہ ہی ہمارے پاس زیادہ وقت ہے۔"

"بالکل کریں آنٹی لیکن چائے ٹھنڈا ساتھ ہی چلے تو کوئی حرج نہیں"

"نو تھینکس! میں چائے پی کر گھر سے چلی ہوں، موڈ نہیں"

"اور رمیض؟" شامہ نے رمیض کی طرف دیکھا۔

"میرا موڈ نہیں۔ ممی تم سے کوئی بات کرنا چاہ رہی تھیں جلدی میں تھیں بس انہیں ساتھ لے آیا۔ ویسے ہمارے درمیان کسی قسم کے تکلفات کی اب کوئی ضرورت بھی نہیں۔ بہت پی چکا ہوں تمہاری چائے کافی۔ That's enough۔" رمیض نے سرد مہر انداز میں جواب دیا۔

"بہت ناراض ہو۔ خیر! ہاں آنٹی آپ کیا بات کر رہی تھیں"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ World Values بہت چینج ہو چکی ہیں لیکن ایسٹرن سوسائٹی اپنی بہت سی ویلیوز کو کسی خزانے کی طرح اب بھی سنبھالے ہوئے ہے۔ ہم پیدا نہیں ہوئے تھے اس وقت کی بات ہے۔ تقسیم ہندوستان کے وقت بہت سے ایسے کیسز ہوئے تھے کہ لڑکیوں نے بلوے کے وقت اپنی عزتیں بچانے کے لیے اجتماعی خودکشی کر لی تھی۔ عورت کے پاس اس کی عصمت سے زیادہ قیمتی شے کوئی نہیں ہوتی اور رہی مرد ذات کی بات تو بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ مرد کا کیا بگڑتا ہے نہائے دھوئے کنوارے کے کنوارے۔ عورت کو خود احتیاط کرنا چاہیے اس کی اپنی عزت کی حفاظت کا خود احساس ہونا چاہیے۔ آخر اس کی اتنی ہمت کیسے ہوتی ہے کہ وہ پرائیویسی میں کسی سے فری ہو جائے؟" مسز علوی نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں بات شروع کی۔ شامہ الجھن بھری نظروں بلکہ قدرے ناگواری سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اللہ نے ایسی بھول چوک کو صاف صاف بے حیائی کہا ہے۔ اس سے بھی بڑی بے حیائی یہ ہے کہ عورت خود دنیا میں ڈھنڈورا پیٹے عزت دار عورت کے لیے تو یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ چلو مان لیا کہ شیطان کا حملہ کامیاب رہا تو میڈیکل تو اتنی ترقی کر چکی

ہے کہ گناہ چھپانے کے سو طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ میرا بیٹا لاپرواہ ہے، غیر ذمہ دار اور نان سیریس ہے لیکن میں اس سے زیادہ تمہیں غلط سمجھتی ہوں۔ اگر تم کوئی شریف لڑکی ہوتیں تو میں تمہیں اپنی بہو بنانے کے بارے میں سیریسلی سوچ لیتی لیکن میرا اکلوتا بیٹا ہے میں کسی بے حیثیت لڑکی کو اپنے گھر میں کبھی عزت نہیں دے سکتی۔

''آنٹی لینگویج پلیز!! آپ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر میری انسلٹ کر رہی ہیں۔ اپنے بیٹے کو اور شہہ دے رہی ہیں کہ میری طرح وہ اور لڑکیوں کو برباد کرے۔'' شامہ غصے سے آگ بگولہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''لڑکیوں کو خود برباد ہونے کا شوق ہوگا تو برباد ہوں گی۔ کیوں اتنا حوصلہ بڑھاتی ہیں مرد کا؟ پرانے زمانے کی عورت تو شادی کے بعد بھی شوہر کے قابو میں نہیں آتی تھی اتنی حیا ہوتی تھی ان میں۔ مگر تم تو اچھے گھروں کی لڑکیوں کی طرح ڈسکس ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس لیے کہ تم خاندانی نہیں ہو۔'' مسز علوی کے حملے ہر مصلحت سے عاری ہو چکے تھے۔ اندھا دھند تھے۔

''آنٹی پلیز! میں بہت برداشت کر رہی ہوں لیکن آپ مسلسل زیادتی کر رہی ہیں۔'' شامہ نے رمیض کی طرف دیکھتے ہوئے بہت ضبط کرنے کی کوشش کی۔

''آپ نے کیسے کہہ دیا کہ میں خاندانی نہیں ہوں۔ کیا شکل پر لکھا ہوتا ہے؟'' وہ تیز تیز سانس لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اسلام آباد میں جو وہ موٹی بارہ من کی دھوبن میڈم عالیہ بیٹھی ہوئی ہے تمہارے باپ نے کتنے لوگوں کے سامنے اسے قبول کیا تھا۔ نام بھی پوچھا ہے اس سے کبھی اپنے باپ کا؟'' مسز علوی کا حرف حرف انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔

''وہ میری ماں ہیں۔ آپ ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیجیے۔ اپنی انسلٹ تو شاید برداشت کی جا سکتی ہے مگر کوئی اپنی ماں کی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتا۔'' شامہ بھی غصے سے چیخنے لگی۔

''لڑکی آرام سے بات کرو۔ تمہیں پچاس لاکھ کی ضرورت ہے، آواز نیچی کرو۔ تم ضرورتمند ہو ہم نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ پورے پاکستان میں تمہارا Network ہے۔ اس شہر میں تم کتنی ہو؟'' مسز علوی غصے سے بے قابو ہو چکی تھیں۔ رمیض کسی بت کی طرح ساکت دخاموش تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ اس پورے شہر میں صرف آپ ہی عزت دار ہیں اور باقی سب لوگ درختوں میں اُگے ہیں؟'' شامہ نے دانت پیس کر رمیض کی طرف دیکھا۔

''باقی سب لوگوں کا تو مجھے پتہ نہیں۔ مگر تمہارے بارے میں کہہ سکتی ہوں کہ تم ضرور کسی درخت میں اُگی ہو گی۔ شریف لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے باپ بھائی ہوتے ہیں وہ اتنی بولڈ ہوتی ہیں کہ اِل لیگل بچہ کرنے کا ۵۰ لاکھ مانگتی ہیں۔ شریف لڑکی تو اس صورت حال میں شرم سے ہی مر جائے۔ بجائے اس کے کہ پراپرٹی کا مطالبہ کرے۔''

''بہت خوب ہمارے گھر میں بیٹھ کر ہمیں ہی گالیاں دے رہی ہیں۔'' شامہ طنزیہ مسکرائی۔ ''مگر ہم مائنڈ نہیں کریں گے اور کچھ ہے سنانے کے لیے تو سنا دیجیے۔'' وہ ڈھٹائی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔

مسز علوی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور بڑے تیکھے انداز میں گویا ہوئیں۔

''پچاس لاکھ میں بڑا دم ہوتا ہے بی بی۔ لوگ جیلوں میں سڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر انہیں یقین ہو کہ باہر آنے کے بعد پچاس لاکھ ان کے قدموں میں پڑے ملیں گے۔''

"ارے اتنی بڑی رقم ہے آپ کی نظر میں یہ۔ آج کے دور میں پچاس لاکھ کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اربوں روپے کی بات ہوتی ہے آج کل بازاروں میں۔ وہ تو ہم لوگوں نے آپ کی فائنشلی پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے ایک طرح سے آپ کے ساتھ ذرا نرمی کی یا سمجھیں کہ رمیض پر ترس کھالیا۔" شامہ بات کے اختتام پر قل قل کر کے ہنس پڑی۔

"ہاں بھئی حرام کی کمائی میں تو پچاس لاکھ کی واقعی کوئی حیثیت نہیں۔ جب ناچ رہی ہوتی ہیں تو کوڑے کرکٹ کی طرح ان پر تماش بین نوٹ برساتے ہیں۔" مسز علوی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا ناں پیاری سی آنٹی آپ گالیاں دے کر خوش ہیں تو ہم بھی خوش ہیں۔" شامہ نے پھر ہنس کر دل جلایا۔

"واقعی آپ کچھ نہیں لیں گی؟ فریش پائن ایپل جوس تیار ہے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا لاؤں۔" اس نے بڑی مصنوعی معصومیت کے ساتھ پوچھا۔

"تم پیو جوس۔ فٹ رہو۔ تمہاری فٹ نیس پر تمہاری روٹی روزی کا انحصار ہے۔ میں صرف یہ سمجھانے یا کہنے آئی ہوں کہ آیندہ تمہارا یا تمہاری "گرو" کا فون ہمارے ہاں آیا تو میں تمہیں بہت اچھا سبق سکھاؤں گی۔ گولی نہیں ماروں گی۔ تیزاب سے تمہاری شکل خراب کرادوں گی جس کی بیس پر تم ہم شریف شرفاء کو بلیک میل کرتی ہو۔" مسز علوی غرائیں۔

"کیا پاکستان میں صرف لمبے ہاتھوں والی میڈم عالیہ ہی ہے۔ تم اوور اسٹیمیٹ ہو گئی ہو احمق لڑکی۔ میں اپنی اور اپنے خاندان کی عزت بچانے کے لیے بہت کچھ کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔ ٹیڑھے لوگوں کے ساتھ بہت ٹیڑھی بھی ہو سکتی ہوں۔ بلیک میلنگ

تو مجھے آؤٹ کر دیتی ہے..... چلو رمیض۔"

"یعنی کہ آپ پیسہ دینے نہیں دھمکی دینے آئی تھیں۔" شامہ طنزیہ مسکرائی پھر رمیض کے قریب آکر اس کا رخسار ہلکے سے چھو کر بولی۔

"ہائے اللہ! کیسا گگلو سا بنا کھڑا ہے۔ بالکل ننھا منا...... جیسے منہ میں زبان ہی نہیں۔ بس اس کے بدلے میں جیسے اس کی مما ہی بولتی ہیں۔ کچھ دنوں میں ایک بچے کا باپ بن جائے گا اور لک ایسی دے رہا ہے جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔"

رمیض کی آنکھوں میں گویا خون اُتر آیا۔ ایک دم آؤٹ آف کنٹرول ہو کر اس نے پوری قوت سے شامہ کے رُخسار پر تھپڑ رسید کیا تھا۔

مسز علوی ایک دم بوکھلا گئیں۔ رمیض کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے بولیں۔ "یہ کیا کر رہے ہو۔ چھوڑو...... ہمیں ان کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تھپڑ وپڑ نہیں مارنا بھئی اس کی شکل بگاڑنا ہے۔"

"تم نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ تھوڑا سا مارجن مل رہا تھا تمہیں سوچ رہے تھے کہ چلو غریب غرباء ہیں تیس لاکھ لے لیتے ہیں۔ تیس لاکھ میں بھی تمہارے بچے کو اچھا گھر مل جائے گا۔ مگر اب ساٹھ لاکھ سے کم پر ڈن نہیں ہوگا۔ او کے...... بائے۔"

شامہ نے بڑے انداز سے کہا اور بڑے پیار سے رمیض کا رخسار چھوا۔ "جاؤ تیزاب کا بندوبست کرو۔ لیٹ ہو رہے ہو تم لوگ۔" یہ کہہ کر وہ ایک طرف بنے کمرے میں غائب ہو گئی۔ رمیض کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ مسز علوی اسے بازو سے کھینچتی باہر کی طرف چلیں۔

☆☆☆☆☆

"ہیلو!! جی کون؟" نمو وہیں کھڑی میگزین وغیرہ ترتیب سے رکھ رہی تھی کہ فون کی

گھنٹی بجی۔ وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔

"السلام علیکم!! اب بھی بتانا ہوگا کہ کون" ولید کمال کی بھاری مخموری سی آواز سماعت سے ٹکرائی تو جلدی سے یوں اضطراری انداز میں دوپٹہ سیٹ کرنے لگی گویا وہ سامنے کھڑا ہوا ہو۔

"جی وعلیکم السلام!" اس نے سنبھل کر بڑے وقار اور سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ولید کمال نے عام سے انداز میں روٹین کا سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ بس چھوٹے چھوٹے گھر کے کام...... یہ تو چلتے رہتے ہیں۔" نمو نے جواب دیا۔

"یعنی آپ چلتی رہتی ہیں۔ اچھی بات ہے۔ میں ایکچوئلی اس وقت گاڑی میں ہوں اور آپ کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہوں۔ آرہا ہوں آپ کے پاس...... کیا آج ایک کپ چائے آپ کے ہاتھ کی مل جائے گی؟"

نمو ایک دم پریشان سی ہوگئی اور وال کلاک کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر گلا صاف کر کے خاصے اعتماد سے بولی "وہ اس وقت گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔ ممانی جان اور رمیض بھائی بھی کہیں گئے ہوئے ہیں اور ماموں جان تو سائٹ پر ہوں گے۔ وہ فیکٹری میں ایکسٹینشن کا کام ہو رہا ہے تو وہ آج کل لیٹ ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن نہ تو مجھے ماموں جان سے ملنا ہے نہ ممانی جان اور رمیض سے۔ مجھے تو آپ سے ملنا ہے۔ آپ تو گھر پر دستیاب ہیں؟" ولید کمال کے لہجے میں محسوس کی جانے والی لطافت تھی۔ نمو تذبذب میں پڑ گئی پھر ذرا حوصلہ کر کے بولی۔

"وہ میرا خیال ہے آپ سے تمام ضروری باتیں تو ہو گئیں۔ اب کوئی ایسی خاص بات تو نہیں جو کلیئر کرنا ضروری ہو یا نہ ہونے سے فرق پڑتا ہو؟"

"آپ کا خیال ہے ناں میرا تو نہیں۔ ہو سکتا ہے میں مزید کوئی خاص بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔ پھر......"

"پھر یہ کہ آپ اُس وقت تشریف لائیں جب گھر میں میرے علاوہ کوئی دوسرا فرد بھی ہو۔"

"سبحان اللہ! ماشاء اللہ! میں کسی ملک کا وزیر خارجہ ہوں اور خارجی امور پر چونکہ بات چیت کرنا چاہتا ہوں اس لیے سامنے پینل کا ہونا ضروری ہے۔" ولید کمال نے بے تکلفی سے کہا تھا اور اس کے لہجے میں مسکراہٹ کا عکس تھا۔

نمو جھینپ گئی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ "میں معذرت خواہ ہوں آپ کو آنے کے لیے نہیں کہہ سکتی۔ یوں سمجھ لیں کہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"میں آپ کا منگیتر ہوں اور یہ اعلانیہ منگنی ہے۔ میرا خیال ہے آپ کے ہاں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا" ولید کمال اب سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

"منگنی سے کیا ہوتا ہے یہ کوئی باضابطہ رشتہ تو نہیں ہے۔ ایک کمٹ منٹ سی ہوتی ہے اور پھر میرے اور آپ کے درمیان اس طرح کے معاملات بھی نہیں ہیں جن کی وجہ سے ملنا بات کرنا ضروری ہو جاتا ہو۔ کوئی بہت ہی ضروری بات ہو تو ماموں جان یا ممانی جان سے کر لیجیے گا۔ میری طرف سے معذرت قبول کیجیے۔"

"مجھے تو آپ کا جملہ کچھ یوں لگا کہ جیسے ہمارا کیس کورٹ میں پہنچ گیا ہو اور کہا جا رہا ہو کہ اب جو بات ہوگی ایڈووکیٹ کے Through ہوگی۔" ولید کمال کا ہنسنے کا انداز سہانا تھا۔ نمو خاموش رہی۔

"میں نے کچھ مائنڈ نہیں کیا نعت...... ٹھیک ہے جیسے آپ ایزی فیل کریں۔ میں دو منٹ بعد چیک کر لوں گا۔ اگر ماموں یا دونوں میں سے کوئی بھی گھر پہنچ گئے تو میں

...Within تھرٹی منٹس آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ ایسا کیجیے لان میں چیئرز وغیرہ ارینج کر لیجیے میں آپ سے کھلی فضا و کھلی ہوا میں بات چیت کروں گا۔ میرا اوپن ایئر میں بیٹھنے کا موڈ ہے۔ اوکے...... دیٹس آل۔'' ایئر پیس میں خاموشی چھا گئی۔

نمو نے آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ ذہنی خلجان میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اہم ترین بات تو وہ کر چکا۔ اللہ رحم کرے اب اور کون سی خاص بات رہ گئی؟ اچھا بھلا صاف ذہن تھا۔ اندیشوں کے جالوں سے اَٹ گیا۔

☆☆☆☆☆

فون کی گھنٹی کئی مرتبہ بجی تھی مگر نیا نے یہ سوچ کر دلچسپی نہیں لی کہ حویلی میں اس کا فون کیوں آنے لگا۔ تو وہ کیوں اٹینڈ کرے۔ آرام سے بیٹھی کروشیا سے بیل بناتی رہی۔

کل کا دن اور پوری رات گزر گئی مگر ابھی تک بی بی جان کے درشن نہیں ہوئے تھے۔ حویلی کے جس حصے میں وہ مقیم تھی وہ اس کا دیکھا بھالا تھا۔ تمام راہداریاں ہال اس کے ساتھ بڑا ہال بیڈ رومز جن میں سے صرف سمن اور سہیل کا بیڈ روم آباد تھا باقی اس نے ہمیشہ بند ہی دیکھے تھے۔ بی بی جان کی خواب گاہ فرسٹ فلور پر تھی کہ نیچے کی نسبت اوپر سکون اور خاموشی ہوتی ہے۔ نیچے نوکر چاکر بہت شور کرتے ہیں آنا جانا رہتا ہے۔ وہ سمن و سہیل کے بیڈ روم کے برابر والے بیڈ روم میں ٹھہرائی گئی تھی۔ جو سمن کے بیڈ روم کے مقابلے میں سادہ تھا۔ البتہ پردے اور کارپٹ گہرے سرخ کلر کے تھے جن پر نظر ڈال ڈال کر اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ ناشتہ اس نے کمرے ہی میں کیا تھا۔ پھر اِدھر اُدھر کچھ دیر ٹہل لگائی مخدوم صاحب کے ''زریں خیالات'' پر غور و خوض کرتی رہی۔ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے عقل کے گھوڑے دوڑاتی رہی۔

اسی دوران ایک نوکرانی اُوپر کے حصے سے زینہ اُترتی اس کی طرف آتی دکھائی

دی۔ نیا اپنی جگہ اسے دیکھ کر رُک گئی تھی۔

''ابھی اِدھر فون کی گھنٹی بجے گی تو آپ اُٹھا لینا۔'' وہ مشینی انداز میں کہہ کر واپس پلٹ گئی۔ نیا کو ایک دم خیال آیا کہ فون کی گھنٹی چند سیکنڈ بجنے کے بعد بند ہو گئی تھی۔ وہ دوبارہ بجنے کا انتظار کرنے لگی۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا کہ خدا جانے فون پر کون بات کرے گا۔

جیسے گھنٹی بجی اس نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا اور گلا صاف کر کے فل اٹینشن ہو کر بولی۔

''ہیلو!!''

''شاداب بات کر رہا ہوں آپا...... کیسی ہیں آپ؟''

نیا کے تو جیسے دماغ میں دھماکہ ہوا۔ چند سیکنڈ تو جیسے اسے یقین ہی نہیں آیا کہ شاداب کی آواز سن رہی ہے۔

''کہاں سے بات کر رہے ہو شاداب؟'' اس نے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

''آپ کی دوستیاں نباہ رہا ہوں آپا...... لوئر مڈل کلاس (Lower Mid Class) کے لوگوں کو اصل میں شوق بھی بہت ہوتا ہے اپر کلاس کے ساتھ فرینڈ شپ بہت آنر کی بات سمجھتے ہیں۔ ان کے ساتھ کھا پی کر فوٹو کھنچوا کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ میری ان فیوڈل لارڈز سے کوئی خاندانی دشمنی نہیں چل رہی تھی۔ آپ کے شوق کی قیمت چکا رہا ہوں اس ویرانے میں جہاں سر اُٹھا کر دیکھو تو چاروں طرف پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ کھانا ملتا ہے۔ پانی پینے کے لیے اِدھر اُدھر کٹورا لے کر گھومتے ہیں مگر پانی نہیں ملتا۔ سارا دن دھوپ میں جلتے ہیں۔ دور دور کوئی سایہ نہیں ملتا۔ مگر آپ کی تو حویلی میں بہت خاطر مدارت ہوتی ہوگی آپ کو کتنا اچھا لگتا ہوگا کہ

تنے بڑے لوگ آپ کو جانتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ کے ملنے جلنے والوں
میں شمار ہوتے ہیں۔ بھلے سے جب جی چاہے آپ کو آپ ہی کے گھر میں آ کر ذلیل کر
دیں اور اگر آپ ذلت برداشت نہ کر سکیں اور اپنے انسان ہونے کا حق استعمال کریں تو
دوستی ایک سیکنڈ میں خاندانی دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔'' نیا کا دل جیسے کٹ کر ٹکڑے
ہونے لگا۔ اذیت سے اس کی آنکھیں بند تھیں ہونٹ دانتوں تلے دبے تھے۔ اس کا
بھائی ایک کٹورا لے کر پانی ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور وہ حویلی میں مشروبات پی رہی ہے۔
اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''شاداب! چندا میری دوستی سمن سے ہے حویلی کے لوگوں سے نہیں۔ مجھے کیا پتہ تھا
اس دوستی کی اتنی بھاری قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اگر کسی کو بہت کچھ پہلے سے پتہ چل جائے
تو وہ کیوں اپنی جان مشقت میں ڈالے۔ تم بہادر ہو ہمت سے کام لو۔ میں صرف تمہاری
وجہ سے حویلی آئی ہوں اور تم بہت جلد خود کو آزاد دیکھو گے۔ انشاء اللہ'' وہ شاداب کو
حوصلہ دیتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنے آنسو بھی پونچھ رہی تھی۔

''کیوں آئی ہیں آپ حویلی......؟'' شاداب سب کچھ بھول کر اب بہت فکرمندی
سے پوچھ رہا تھا۔

''خود نہیں آئی ان لوگوں نے بلایا تھا تمہارے سلسلے میں بات چیت کرنے کے
لیے۔'' نیا کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔

''کس قسم کی بات چیت...... میں کسی دوسرے ملک کا باشندہ ہوں جو سفارتی
مذاکرات ہوں گے؟ میں ظالموں کی ''نجی جیل'' (Personal Prison) میں
ہوں جب یہ بندہ غائب کراتے ہیں تو اس کی کبھی کوئی خبر سننے کو نہیں ملتی۔ صاف صاف
بتائیے کیا سودے بازی کر رہے ہیں یہ آپ سے...... کم از کم آپا آپ کو ان خطرناک

لوگوں سے ملنے نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ کی عزت کی وجہ سے تو میں یہاں بھوکا پیاسا مر رہا
ہوں اور گندی زمین پر سو رہا ہوں اور آپ نے اتنا Highly رسک لے لیا۔ آپ تو بہت
سمجھدار ہیں آپا۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' شاداب چلانے لگا۔

''شاداب!......شاداب!......سکون سے میری بات سنو۔ سہیل بھائی کی وجہ سے
یہ حدود میں رہنے پر مجبور ہوں گے۔''

''جی آپ کے سہیل بھائی کے ہوتے ہوئے تو مجھے قیدی بنایا ہوا ہے؟'' شاداب
نے تمسخرانہ جواب دیا۔

''لیکن میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں شاداب اور سیدھی سی بات ہے اگر انہوں نے
حد سے گزرنا ہوتا تو تمہارے بجائے مجھے اُٹھوا لیتے۔ ان کے کچھ مقاصد ہیں اور وہ
حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ مگر تم یقین نہ سہی اُمید رکھو کہ سہیل بھائی
سے جیسے ہی میرا کومیکٹ ہوتا ہے تم آزاد ہو جاؤ گے۔ مگر خدارا شاداب اس کے بعد
تمہیں اس واقعے کو بھولنا ہوگا۔ قبائلی دشمنی کی بنیاد نہیں رکھو گے۔ تم پڑھے لکھے ہو اور یہ
جہالت کی بات ہے۔''

''یہ بہت بعد کی بات ہے آپا...... باہر آئیں گے تو غور کریں گے۔'' شاداب پھر
اپنی فطرت کے حساب سے بات کر رہا تھا۔ اس کا جملہ مکمل ہوتے ہی رابطہ منقطع ہو گیا اور
نیا حیران پریشان سی ریسیور سامنے کر کے گھورنے لگی جیسے ابھی اور کچھ کہنے کا جوش تھا بھائی
کی آواز سننا اچھا لگ رہا تھا۔ ایک نا اُمیدی، بدمزگی کا احساس حواس پر غالب آ گیا۔ اس
نے بے دلی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

شدید اذیت سے وہ بے کل تھی۔ بھوکا پیاسا لاڈلا بھائی اس کی دوستی کی قیمت ادا کر
رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

نمو اپنے بیڈ پر نیم دراز کوئی ناول پڑھ رہی تھی۔ مطالعہ اگرچہ سرسری تھا بظاہر لگتا تھا کہ منہمک ہے۔ دل میں عجیب سے اندیشے آ رہے تھے کہ اب اور کون سی ضروری بات رہ گئی ہے جو ولید کمال اس سے کرنا چاہتا ہے۔ خدا معلوم وہ اتنی صلاحیت بھی رکھتی ہے یا نہیں کہ وہ کوئی گنجلک مسئلہ اس کے سامنے رکھے تو وہ اس کا کوئی حل بھی ڈھونڈ سکے۔

فون آئے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اب تو ہر لمحہ اس کی آمد متوقع تھی۔ وہ بغیر پڑھے صفحات اُلٹتی جا رہی تھی۔

اسی دوران مسز علوی اندر داخل ہوئیں۔ نمو ان کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھی اور بڑے غور سے ان کی صورت تکتے ہوئے بولی۔

''آپ کب آئیں ممانی جان؟''

''ابھی ابھی آئی ہوں۔ وہ یہ بتانے آئی ہوں کہ ولید کمال بھی آیا ہوا ہے وہ تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ہماری پرمیشن مانگ رہا تھا۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا۔ وہ یہاں اس گھر میں بیٹھ کر ہی تو باتیں کرنا چاہ رہا ہے بالفرض وہ اگر تمہیں کہیں باہر بھی لے جانا چاہتا تو ہم اسے منع نہ کرتے۔ ہم اس پر خواہ اعتماد نہ کریں تم پر تو کرتے ہیں۔ دیکھو اسے اچھی طرح انٹرٹین کرنا۔ میرے سر میں شدید درد ہے۔ میں زینکس لے کر لیٹ رہی ہوں مجھے بالکل ڈسٹرب نہ کرنا۔ میں بیس منٹ والے روم میں جا رہی ہوں بیڈ روم میں لیٹوں گی تو تمہارے ماموں کے آنے کے بعد جو کھٹر پھٹر ہو گی اس سے میں نئے سرے سے ڈسٹرب ہو جاؤں گی۔ بتا دینا ویسے انجم کو کہ میں بیس منٹ والے بیڈ روم میں ہوں۔ او کے......'' وہ عجلت کے انداز میں بول کر واپس جانے کے لیے قدم بڑھانے لگیں۔

''آپ کے لیے چائے بھجوا دوں ممانی جان؟'' نمو فکرمندی سے ان کی نڈھال سی حالت نوٹ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں بس تھینکس۔ فی الحال تو میں اپنے دماغ کو ہر طرف سے بند کر کے بے خبر ہونا چاہتی ہوں۔ لگ رہا ہے جیسے میرا سر پھٹ جائے گا۔'' وہ بےزار سے لہجے میں کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔

نمو ان کا یہ غیر معمولی انداز دیکھ کر پریشان سی ہو گئی تھی۔ چند لمحے کے لیے اپنی جگہ پر گم سم سی کھڑی ہو کر کچھ سوچنے لگی پھر فوراً ہی خیال آیا کہ باہر لان میں ولید کمال اس کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ لاؤنج میں کھڑی ہو کر اس نے اپنا دوپٹہ درست کیا خود اپنی حالت پر کنٹرول کیا اگرچہ دل اندر بڑے زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ ذہن کی سوئی گویا ایک جگہ اٹکی ہوئی تھی کہ اتنی خاص بات کے بعد اب کون سی خاص بات ہو گی؟ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی برآمدے میں آ گئی۔ سامنے ہی لان تھا اور ولید کمال بھی عین مقابل نظر آ رہا تھا۔ وہائٹ چیئرز ہلکی روشنی میں تک رہی تھیں۔ ایک پر ولید کمال سفاری سوٹ میں بیٹھا سگریٹ کا دھواں اُڑا رہا تھا۔ اس نے اپنے اوسان کنٹرول کیے اور نظریں جھکائے اُس کی سمت بڑھنے لگی۔ اندازہ تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے اس احساس سے گویا اس کی ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں۔ بمشکل چند میٹر کا فاصلہ طے ہوا وہ اس کے قریب پہنچی اور آہستہ آواز میں سلام کیا۔

''السلام علیکم......''

''وعلیکم السلام...... مجھے یقین ہے اس وقت تو کم از کم آپ میں بہت اعتماد ہو گا کہ اس وقت آپ کی ممانی جان گھر میں موجود ہیں۔'' ولید کمال کے لہجے میں لطیف سا مزاح تھا۔

"تشریف رکھیے......" وہ بولا۔

نمو بلدی سے بیٹھ گئی۔ پرپل آرگنڈی کے سادہ کرتے سفید شلوار دوپٹے میں وہ بہت نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ ولید کمال نے بڑے پرشوق انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

نمو اس کی نظروں کی گرمی محسوس کر رہی تھی نظر اُٹھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے دوپٹے کے آنچل سے کھیلنے لگی۔

"رمیض گھر پر نہیں ہیں؟" ولید نے اچانک غیر متعلق سوال کر ڈالا۔ مگر نمو نے اسے معمول کی بات کی طرح لیا اور لمحے بھر کو نظریں اُٹھا کر بولی۔

"ان کے آنے جانے کی ٹائمنگ سیٹ نہیں ہے۔ بہت سی ایکٹویٹیز میں بزی رہتے ہیں۔"

"ہاں خیر بندہ تو ایکٹو لگتا ہے۔" ولید کمال نے تائید کی۔

"اور ماموں جان......؟ ممانی سے تو ابھی ملاقات ہوئی ہے۔ غالباً ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" اس نے مزید بات آگے بڑھائی جیسے نمو کو ایزی کرنے کی شعوری کوشش کر رہا ہو۔

"جی بس ایسے ہی سر میں درد ہے شاید...... آج کافی بزی رہی ہیں شاید اس لیے۔" نمو نے پرسکون اور پراعتماد انداز میں جواب دیا۔ گویا ولید کمال اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔

"ماموں جان تو آٹھ نو بجے تک آ ہی جاتے ہیں۔ کبھی کبھی خاصے لیٹ بھی ہو جاتے ہیں۔" نمو نے ایک due سوال کا بھی جواب دیا اور ولید کمال کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔ تجسس کی کیفیت تو اپنی جگہ تھی۔ آخر وہ ضروری بات کرنے آیا تھا۔

اب دونوں کے درمیان بہت محسوس ہونے والی خاموشی ہلکورے لینے لگی۔ ولید کمال نے اپنی پاکٹ سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر نکالا اور نمو کی طرف دیکھا۔

"میں اس لیے اوپن ایئر میں سٹنگ چاہ رہا تھا کہ میرا اسموکنگ کا موڈ تھا۔ جو بات میں کرنا چاہ رہا ہوں اس دوران اسموکنگ میری مجبوری ہے۔" اس نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر جلا کر سگریٹ سلگانے لگا۔ نمو کی اچانک یونہی اتفاق سے اس پر نگاہ اُٹھ گئی تھی۔ وہ چند ثانیے مبہوت سی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ بڑا شاندار سا کسی انگلش فلم کا ہیرو دکھائی دے رہا تھا۔

ولید کمال نے لائٹر آف کر کے مسکراہٹ دباتے ہوئے دھواں منہ سے نکالا اور چور نگاہوں سے نمو کا دیکھنا دیکھا اور جیسے انجوائے کیا۔

نمو اس کی توجہ محسوس کر کے جھینپ سی گئی اور خود کو سنبھال کر بڑی سنجیدہ سی صورت بنا کر بیٹھ گئی۔ وہ ضروری بات شروع کرنے والا تھا۔ وہ یوں الرٹ تھی جیسے گیت سے پہلے سازوں کی آواز پر سامعین اٹینشن ہو جاتے ہیں اور گلوکار کے منہ کھلنے کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔

"میں اپنی بات کرنے سے پہلے ایک وضاحت کرتا چلوں کہ آپ کا ڈائرکٹ اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یوں سمجھیں میں ایک سنیئر ساتھی کے سامنے دل کی بھڑاس نکال رہا ہوں۔" ولید کمال نے سگریٹ کا کش لگا کر دھواں فضا میں بکھیرا۔

نمو نے واقعی اطمینان کا سانس لیا کہ بات کا تعلق اس کی ذات سے نہیں تو کہ گھر کی بات ہے وہ پیچھے "کام" بھی چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ البتہ بات سے دلچسپی اپنی جگہ تھی۔

"ایک بیڈ نیوز (Bad News) آپ کو سنانا ہے۔ مگر وہ Bad صرف میرے

"لیے ہے۔" ولید کمال بڑی خوبی سے کلام کر رہا تھا اس کے کلام میں ابہام نہیں تھا صرف
تجسس تھا۔ نمو البتہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی کہ لفظ Bad ہے ہی ایسا۔

"میری ماں کا پتہ چل گیا ہے۔" اس نے گویا دھماکہ کیا۔

نمو ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگی۔ (اگر پتہ بھی چل گیا ہے تو اس سے فائدہ؟) وہ
سوچنے لگی آج کل میں بہت ڈسٹرب ہوں نمو...... جیسے چاروں طرف سے شعلوں میں
گھرا ہوا ہوں۔ میرے پاس ایک لائسنس کے ساتھ ریوالور ہے جو میں نے آج تک
استعمال نہیں کیا۔ جب میرے دماغ میں بہت زور زور سے دھماکے ہونے لگتے ہیں تو
میرا دل چاہتا ہے کہ اسے یوز کروں۔ وہ بہت ہی آہستہ اور گمبھیر سی آواز میں بول رہا تھا۔
نمو کے تو گویا پاؤں تلے زمین سرک گئی۔ منہ کھلا ہوا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"نعمت ابرار علی مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں خود پر کنٹرول کھو رہا ہوں۔" وہ یہ کہہ کر
کش لگانے لگا۔

نمو کی تو جیسے گویائی سلب ہو گئی تھی۔ بلکہ ساؤنڈ بکس ہی ناکارہ ہو گیا تھا کہ "ہوں"
کہنے کی بھی صلاحیت نہیں تھی۔

"آپ نے اکثر اخبار میں خبریں پڑھی ہوں گی کہ فلاں شخص نے یا فلاں خاتون
نے خود کو آگ لگا لی۔ ایک ذرا سی انگلی جل جائے تو دیر تک جلن ڈسٹرب کرتی رہتی ہے۔
ذرا اس شخص کے ذہن میں جھانکیے جس نے خود کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے پر
عمل بھی کیا۔ اسے بھی پتہ ہوتا ہے کہ آگ کی سوزش کیا ہوتی ہے۔ پھر بھی وہ بڑی جرأت
سے یہ قدم اُٹھاتا ہے۔ یعنی اس کے اپنے اندر وہ دوزخ کی آگ دہک رہی ہوتی ہے کہ
باہر کی آگ کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔" ولید کمال دھیرے دھیرے بول
رہا تھا اور نمو کی ٹانگیں محاورتاً نہیں سچ مچ کانپ رہی تھیں۔ بلکہ اسے تو اچھی خاصی خجالت

ہو رہی تھی کہ کہیں ولید کمال کی نظر اس کی لرزتی ٹانگوں پر نہ پڑ جائے۔ ولید کمال
اب خاموشی سے کش لگا رہا تھا اور نمو خود کو سنبھال رہی تھی۔ خاصی دیر بعد وہ گلا صاف
کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولی۔

"اگر آپ کسی انتہا سے گزر جاتے ہیں تو اس سے آپ کو فائدہ؟"

"اگر انسانی نفسیات اتنی آسان ہوتی اور متصادم رویوں کے گہرے اثرات نہ
ہوتے تو نیکی بدی کے فلسفے بھی Create نہ ہوتے نعمت ابرار علی...... خدا کی بنائی ہوئی
جنت ہر وقت ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہوتی۔"

"عقل کنٹرول کا نام ہے اور دل آزادی کا۔ میں نے بتایا ناں کہ میں کنٹرول کھو رہا
ہوں۔ آپ اپنی عقل سے مجھے کنٹرول کر سکتی ہیں تو ٹرائی بیسٹ کریں ورنہ فی الحال تو
آپ میری پابند نہیں ہیں۔ اپنی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھ کر اگر کوئی فیصلہ کرتی ہیں تو یہ آپ
کا right ہے۔ میں تو آپ کو بے رحم حقیقت بتا رہا ہوں کہ آپ تو شاید سوچتی ہوں گی
کہ فرصت کے لمحوں میں میرا فیانسی میرے بارے میں سوچتا ہوگا جبکہ حال یہ ہے کہ دماغ
میں شعلوں کے سوائے کچھ نہیں۔" ولید کمال نے سگریٹ کا بچا ہوا ٹکڑا گھاس پر پھینکا اور
جوتے کی ٹو سے مسلنے لگا۔

"اس ملک میں بڑے بڑے اچھے ماہر نفسیات موجود ہیں۔ آپ ان میں سے کسی
سے کنسلٹ کریں۔ ان کے پاس اس کیفیت سے نجات حاصل کرنے کا ضرور کوئی علاج
ہوگا۔" نمو اپنے اوسان بحال کرنے میں خاصی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اب دماغ
ایمرجنسی پچویشن میں کام کر رہا تھا۔ اس نے برجستہ انداز میں بڑا صائب مشورہ دیا۔

ولید کمال گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت اچھے ہاتھوں میں پہنچا دیا۔ اچھی تعلیم، شاندار کیریئر،

پیار محبت سب کچھ آپ کو مل گیا۔ اب آپ کو ان خاتون کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔'' اس مرتبہ ولید کمال کی گہری خاموشی نے نمو کو اپنی بات مکمل کرنے کا حوصلہ دیا۔

''قسمت سے آپ بچپن ہی میں اپنی والدہ سے محروم ہو گئیں۔ اللہ نے آپ کو اچھے ہاتھوں میں پہنچا دیا۔ کیا آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی والدہ کو سوچنا چھوڑ دیا؟ وہ اب آپ کو کبھی یاد نہیں آتی؟ نعمت اس دنیا میں چند رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ آپ کی ذات آپ کے حافظے کا حصہ ہوتے ہیں۔ اب انہیں اگنور نہیں کر سکتے۔''

''پتہ ہے کیا...... درحقیقت یہ آگ کیوں اتنی شدت سے دہک رہی ہے؟ میری ماں ایک شریف نیک انسان کو گزشتہ پچیس سال سے بے وقوف بنا رہی ہے۔'' ولید کمال نے ایک اور نیا انکشاف کیا۔ نمو کا منہ حیرت سے پھر کھل گیا۔

''اس کا شوہر ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر ہے۔ آج کل پیش امامی کر رہا ہے محکمہ اوقاف سے وابستہ ہے۔ میری ماں اس کے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں کی بھی ماں ہے اور بڑی شریفانہ زندگی گزار رہی ہے۔''

''تو...... ولید صاحب ''توبہ'' کی اہمیت تو ہے ناں...... کیا یہ اچھی بات نہیں کہ ایک عورت نیک اور اچھی بن جائے......''

''مائی فٹ...... نیک اور اچھی عورت...... سب حدود و قیود توڑنے کے بعد نیک اور اچھی عورت ہونہہ...... ٹھیک ہے پھر اس کے شوہر کے یہ سب پتہ ہونا چاہیے کہ یہ عورت اب بہت اچھی بن چکی ہے پہلے اچھی نہیں تھی ایک بے نام بچہ بھی پیدا کر چکی ہے۔ مگر اس نے یہ سب بہت پہلے کیا تھا...... اب نہیں کرتی۔ نو سو چوہے ضرور کھائے مگر اب تو حج بھی کر چکی ہے۔ نانسنس...... توبہ کرنے کے لیے لاکھوں غلطیاں کیا کم ہیں؟''

''کردار تو انسان کی ٹوٹل قیمت ہوتی ہے نعمت ابرار علی...... جیسے پھل خریدنے

نکلتے ہیں تو داغ دھبہ دیکھ کر خریدتے ہیں۔ اسی خوانچہ فروش کے پاس ایک کونے میں داغ اور عیب والا پھل بھی رکھا ہوتا ہے جس کے دام کم ہوتے ہیں اور وہ بتا بھی دیتا ہے کہ یہ مال زیادہ اچھا نہیں ہے اس لیے اس کے دام کم ہیں۔ اب خریدنے والے کی مرضی وہ بے داغ خریدے یا داغدار۔ آپشن ہوتا ہے اس کے پاس۔ داغ دار پھل اچھے مال میں مکس کر کے بیچا جائے تو یہ بے ایمانی ہوتی ہے۔ ایک انسان کے ساتھ پچیس سال سے بے ایمانی ہو رہی ہے...... نعمت''۔

''چھوڑیں ولید صاحب! اس طرح کی بے ایمانی تو پتہ نہیں دنیا میں کہاں کہاں ہو رہی ہوگی۔ سب اپنی اپنی قبر میں جائیں گے اپنے اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے۔'' نمو اس کی وحشتوں سے گھبرا کر بے ساختہ بولی۔

''تو میں کون سا دنیا کے غم اپنی جھولی میں بھرنے کا خواہش مند ہوں۔ مگر اس عورت کو اگنور نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے میں دنیا کی شرمناک گالی کھا رہا ہوں۔'' وہ غضب ناک ہو کر بڑے اضطراری انداز میں نیا سگریٹ نکالنے لگا۔

''کون دے رہا ہے آپ کو گالی؟ کس کو پتہ ہے...... آپ کیوں اپنا ذہن خوامخواہ اُلجھا رہے ہیں۔'' وہ عاجز سی آ کر بولی۔

''اگر آپ کے پاس سائنس رہی ہے تو آپ نے ''ایجوکیشن'' نہیں پڑھی ہوگی۔ رشتوں، رویوں کے ہجوم سے ایک نیا انسان منظر عام پر آتا ہے نعمت...... نسب کی تو اتنی اہمیت ہے کہ معاذ اللہ لوگ بناسپتی سید تک شو کرتے ہیں خود کو۔ جبکہ حدیثؐ ہے کہ جس نے اپنا نسب بدلا وہ ہم میں سے نہیں۔ اندازہ لگائیں کہ لوگ نسب کی خاطر اپنا دین تک برباد کر لیتے ہیں۔ آپ کہہ رہی ہیں کہ میں خواہ مخواہ اپنا ذہن اُلجھا رہا ہوں۔''

''آپ کی تکلیف کا احساس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی میں تو......'' وہ دبے دبے

انداز میں بولی۔

ولید کمال خاموش ہو گیا جیسے بڑی توجہ سے کچھ سوچ رہا ہو۔ پھر ایک دم چونک کر جلدی سے لائٹر جلا کر سگریٹ سلگانے لگا اور جلدی جلدی دو تین کش لگا کر لائٹر جیب میں ڈال لیا۔

''اصل میں میری سائیکالوجی تھوڑی پیچیدہ ہو گئی ہے اور میں چاہتا ہوں میں اپنے اصل کے ساتھ آپ کے سامنے خود کو پیش کروں۔ اس لیے کہ ابھی ہماری شادی نہیں ہوتی ہے ابھی آپ کے پاس گنجائش ہے۔ مجھے اکثر خیال آنے لگا ہے کہ معلوم نہیں میں آپ کو خوش بھی رکھ سکوں گا یا نہیں۔ کہیں میرا ساتھ آپ کے لیے عذاب نہ بن جائے۔ اس سارے قصے میں آپ کا کوئی قصور بھی نہیں۔ سوچتا ہوں کہ ایک انوسنٹ سی لڑکی کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہو رہی؟'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا اور نظریں نمو کے سراپے پر دوڑ رہی تھیں۔

نمو کا دل ایک لمحے کو کسی اتھاہ میں ڈوبا...... (پتہ نہیں لوگ اتنے ظالم کیوں ہوتے ہیں کسی کو اتنا انوالو کرنے کے بعد ڈھیر سارا سوچنا کیوں شروع کر دیتے ہیں؟)

''اچھی بات ہے کہ آپ اتنا کچھ سوچ رہے ہیں۔ قسمت میں خوشی نہ ہو تو شادی سے بھی کیا ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ بہت اچھی توقعات کے ساتھ شادی کرتے ہیں اور بظاہر بھی سب کچھ بہت اچھا نظر آ رہا ہوتا ہے مگر ایسی شادی کو بھی فلاپ ہوتے دیکھا گیا ہے دنیا میں خوشی حاصل کرنے کا کوئی پیمانہ بھی تو نہیں ہے۔'' نمو نے بڑے اعتماد سے جواب دیا تھا۔

ولید نے بڑی پرشوق نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

''اللہ آپ کو بری نظر سے بچائے ماشاءاللہ آپ اپنی عمر سے کہیں زیادہ میچور ہیں۔

مطلب یہ ہے شادی ہر حال میں آپ مجھ سے ہی کریں گی؟'' اس کے لہجے میں شوخی و شرارت کا تاثر تھا۔ نمو پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا پلکوں پر منوں بوجھ آ پڑا۔

''کہتے ہیں شادی تو ایک جوا ہے۔ آپ یہ جوا کھیلنے کے لیے تیار ہیں اور بازی بھی بہت بڑی لگا رہی ہیں۔ ویل ڈن!! یہ تو طے ہے کہ شادی ہو جانے کے بعد میں انتہائی حالات میں بھی اپنے پارٹنر سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکوں گا۔ خواہ خدانخواستہ تعلق ایک بوجھ ہی کیوں نہ بن جائے۔ ہم کٹر قسم کے لوگ نباہ دیتے ہیں خواہ خودکشی کر کے مر جائیں مگر زندہ رہتے ہوئے تعلق نہیں توڑتے...... آزمائش شرط ہے۔''

نمو کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ بیٹھی اپنے ہاتھوں سے کھیلتی رہی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ خاتون پیش امام صاحب کو یا تو ساری سچائی بتا دیں ورنہ میں بتا دوں گا۔ مجھے اس معصوم شخص پر رحم آ رہا ہے۔ وہ بے چارہ دین مذہب کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہے اور یہ خاتون اس کو مسلسل بے وقوف بنا رہی ہے۔ اتنے اچھے انسان کے ساتھ وہ عورت جس پر ''حد'' لگتی ہے۔ مائی گاڈ عورت اتنی ظالم بھی ہوتی ہے؟'' ولید کمال اپنی اُنگلیوں سے پیشانی دبانے لگا۔

نمو کا ایک مرتبہ پھر خون خشک ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ جواب میں کیا کہے۔ بالآخر اسے بڑا برمحل جواب سوجھ گیا اس نے کھنکار کر خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

''ہو سکتا ہے اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہو۔ اس کے نتیجے میں ان کو یہ اچھی زندگی ملی ہو۔''

''نانسنس...... بھئی وہ خاتون دو انسانوں کی مجرم ہے۔ جب تک یہ دونوں اسے معاف نہ کریں اللہ کیوں معاف کرنے لگا۔ یہ حقوق اللہ کا نہیں حقوق العباد کا مسئلہ ہے مادام۔''

"آپ وہ گھر سوکھے پتوں کی طرح بکھیر دیں گے تو کیا آپ کو سکون مل جائے گا؟" نمو نے بڑی ہمت کر کے صاف صاف بات کی۔

"نعمت ابرار علی شریف گھرانوں کی خواتین کرپشن کر کے عزت دار خاتون ہونے کا تاج سر پر سجا سکتی ہیں تو کمرشل عورتوں کو گری ہوئی نظروں سے دیکھ کر زیادتی کس خوشی میں کی جاتی ہے۔ سوسائٹی ان کو کیوں خوشی خوشی نہیں اپناتی؟ انصاف کے ایسے دوہرے معیار جہاں ہوتے ہیں وہاں پھر اللہ کا عذاب ہی نازل ہوتا ہے۔ نعمت میں آپ سے کوئی مشورہ لینے نہیں آیا۔ جو کچھ میرے دل میں ہے وہ زبان کے راستے باہر نکالنے آیا ہوں۔ یہ اس سے کہیں بہتر تھا کہ میں کسی حد سے گزر جاتا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" کش کھینچتے ہوئے اس نے تائید بھی طلب کی۔

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ واقعی یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ اچانک کوئی انتہائی قدم اُٹھا لیتے۔" نمو نے رسانیت کے ساتھ اس کی تائید کی۔ ولید کمال خاصی دیر خاموش رہا تو نمو نے نظروں کو اُٹھایا اور اس کا جائزہ لیا۔ پھر بولی۔

"اس شر کا پودا پھوٹا کہاں...... کہاں ملا آپ کو آپ کا دشمن؟" نمو نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

جواب میں ولید کمال کا قہقہہ اتنا بھرپور تھا کہ نمو کو اپنے احمق ہونے کا واضح گمان ہوا۔ ہونق سی ہو کر رہ گئی۔

"نعمت بی بی!! بعض انسانوں کے نصیب میں بالکل آرام نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی کھوج ان کے سر ڈال دی جاتی ہے۔ کہیں یہ کھوج معرفت کہلاتی ہے کہیں عشق، اپنے اپنے انٹرسٹ کی بات ہے۔ مجھے بھی لاپتہ و بے نشان بنا کر ایک خاص کھوج پر لگا دیا۔ میری نفرت میری معرفت ٹھہری۔ آخر شدتوں ہی کو تو یہ اتنے اچھے برے نام دیے گئے

ہیں۔" وہ رک کر فضا میں دھواں بکھیرنے لگا۔

"اصل میں تو آپ کا سب سے بڑا اور خاص دشمن وہ ہے جس نے آپ کو یہ اذیت ناک حقیقت بتائی۔ جب آپ کو گود لیا گیا ہوگا اس وقت تو آپ شیر خوار ہوں گے۔ آنکھ کھولتے ہی جن کو دیکھا انہیں ہی آپ نے اپنا ماں باپ سمجھا ہوگا اور جنہوں نے آپ کو اتنی محبت سے گود لیا وہ خود تو آپ کو حقیقت بتانے سے رہے۔ پہلے تو آپ اس دشمن کے بارے میں سوچئے جس نے آپ کی پرسکون زندگی میں آگ لگائی ہے۔" نمو اب بہت سکون سے بات کر رہی تھی کہ اس وقت ان کے درمیان تلخ حقیقت موضوع تھی۔

☆☆☆☆☆

رُوبی ایک دم تڑپ کر اس کے بازو کے حلقے سے نکل گئی۔

"نہیں...... استغفراللہ! میں خود ایک عورت ہوں وقار۔ میں تو اپنے سامنے کسی عورت کو اس قدر ذلیل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ جیسے ساری جان سے کانپتی ہوئی بولی۔

پھر وقار کو چند ثانیے غور سے دیکھ کر بولی "اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کتنے سخت مزاج اور بے رحم ہیں۔ جب کسی سے کوئی واسطہ نہ تعلق تو اسے معاف بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ خواہ مخواہ خود کو ان دیکھی آگ میں جلانے کا فائدہ؟"

"یہی میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم محض بدگمانی کی آگ میں جل رہی ہو۔ میں تمہارے ساتھ سینٹ پرسینٹ سنسئر ہوں اس کے باوجود اگر پروف ہو جاتا ہے کہ میں نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔ تو کیا تم مجھے کھلے دل سے معاف کر دو گی اور پہلے کی طرح میرے ساتھ ہنستے کھیلتے زندگی گزارو گی؟" وقار نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر بڑی سنجیدگی سے اس سے سوال کیا تھا۔

روبی ایک لمحے کو لاجواب سی ہو کر رہ گئی۔ جیسے سوچ میں پڑ گئی ہو۔

''میں اگر آپ کے ساتھ نہ رہنے کا فیصلہ کر لوں تو ٹوٹلی ایک طرف ہو جاؤں گی اور اتنی محبت اور اعتماد کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد اتنا لحاظ تو کروں گی کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ دوں، آپ سے انتقام لینے کے منصوبے نہ بناؤں۔ بس جب کنارا کر لیا تو سو کر لیا۔ البتہ ایک سنگین حادثے سے جنم لینے والا دکھ مجھے ہمیشہ دُکھی اور افسردہ رکھے گا۔''

''یہ زریں خیالات محض خیالات ہیں اس لیے کہ ابھی تمہارے پاس میری دھوکہ دہی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ تمہارے سب کانشس (لاشعور) میں ایک آس ایک اچھی اُمید موجود ہے۔ ابھی تم اعتبار اور بے اعتباری کے درمیان جھول رہی ہو، کچھ کنفرم نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوتا روبی...... دھوکہ کھانے کا عذاب تو اتنا شدید ہوتا ہے کہ بعض لوگ سائیکی پیشنٹ بن جاتے ہیں۔ ان کی قوتِ عمل صفر ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ اتنے Shocked ہو جاتے ہیں کہ I.C.U میں پہنچ جاتے ہیں۔ میں بہت زیادہ لٹریری تو نہیں ہوں مگر مطالعہ کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں نے کسی بزرگ کا قول پڑھا تھا کہ دنیا میں ایمان کے بعد دوسری بڑی نعمت پاک دامن بیوی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگاؤ کہ مرد کی زندگی میں عورت کا کتنا اہم رول ہے۔

چلو خیر! میں تمہیں اس سے ملوا دیتا ہوں اور پرامس کرتا ہوں کہ کوئی ایسا عمل نہیں کروں گا جس سے تمہیں روحانی تکلیف ہو اور تم میرے خلاف فتوے جاری کرو۔ میرا مقصد تو تمہارے سامنے حقائق ظاہر کرنا ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قطعی سنسیئر ہیں تو پھر شک و شبہات سے اپنی پرسکون زندگی کیوں برباد کریں؟ اب یہ بتاؤ تم کس وقت میرے ساتھ چلو گی؟''

روبی خالی خالی نظروں سے وقار کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جیسے بڑی اُلجھن میں پڑ گئی ہو۔

پھر سر جھکا کر آہستگی سے بولی ''نہیں فی الحال میں خود میں ہمت نہیں پا رہی لیکن میں چلوں گی ضرور۔''

''او کے تم جس وقت کہو گی میں تمہیں لے چلوں گا۔ مگر پلیز روبی اپنا خیال کرو جس بات کی کوئی ہیں نہیں، کیوں کڑھ کڑھ کر اپنی صحت برباد کر رہی ہو۔'' وقار نے جیسے اس کی منت کی۔ روبی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے بیڈ روم سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ رمیض اور انجم علوی گھر پر تھے جبکہ بیگم علوی کسی کی ویڈنگ اینورسری میں شرکت کرنے گئی ہوئی تھیں اور ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ وہ گھر سے باہر ہوتی تھیں تو نموان کے آنے سے پہلے کبھی اپنے بیڈ روم میں نہیں جاتی تھی۔ بہت لیٹ ہو جاتیں تو کوئی فلم لگا کر لاؤنج میں لیٹ جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ بڑی دلچسپ فلم دیکھنے میں محو تھی کہ گارڈ نے انٹرکام پر اسے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔ اس نے تفصیل پوچھی تو معلوم ہوا کہ صرف ایک خاتون ہیں۔ گاڑی میں ان کے علاوہ ڈرائیور اور ایک اسلحہ بردار سیکورٹی گارڈ ہے۔

نمو اُلجھن میں پڑ گئی کہ ابھی تک اس طرح کی تو کوئی مہمان خاتون اس گھر میں نہیں آئی تھیں۔ نمو نے پوچھا کہ وہ کس سے ملنا چاہتی ہیں تو جواب ملا کہ بیگم صاحبہ سے اور یہ بھی بتایا کہ مہمان خاتون کو بتا دیا تھا کہ بیگم صاحبہ گھر پر نہیں لیکن وہ کہتی ہیں کہ وہ ان کا ویٹ کریں گی۔ کیوں کہ وہ بہت دور سے آئی ہیں اور ضروری کام ہے۔

تب نمو نے انہیں اندر بھیجنے کو کہا اور ریموٹ سے ٹی وی آف کر کے باہر انٹرنس پر آ گئی۔ گیٹ کھلا اور وہائٹ Baleno کار اندر پورچ میں آ کر ٹھہر گئی۔ پہلے اگلے

دروازے سے گارڈ اُترا پھر اُس نے پچھلا دروازہ کھولا تو باہر ایک گوشت کا پہاڑ نظر آیا۔
بلیک جارجٹ کی ساڑھی اور ہم رنگ سلیولیس بلاؤز میں ملبوس خاتون کو دیکھ کر نمو کے جیسے ہوش ہی اُڑ گئے۔ بال یو (U) شیپ میں کٹے ہوئے تھے جس سے مزید گول گول سی دکھائی دے رہی تھیں وہ بہرحال آگے بڑھی اور سلام کیا۔ گویا مہمان کا خیر مقدم کیا۔ خاتون نے بڑی تیکھی ناقدانہ نظروں سے نمو کے سراپے کا جائزہ لیا۔

''کام کرتی ہو ادھر؟''

''جی نہیں...... میں انجم علوی کی بھانجی ہوں۔ یہیں رہتی ہوں۔'' نمو گڑبڑا کر بولی تھی۔

''اوہ! کب تک آجائیں گی مسز علوی۔ آئی مین تمہاری آنٹی؟''

''ایک ڈیڑھ تو بج سکتا ہے۔ اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ آپ تشریف لائے اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھے...... پلیز''

اشارہ پاتے ہی خاتون گویا گیند کی طرح لڑھکنے لگیں۔ نمو کی تقلید میں وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور ایک صوفے میں دھنس گئیں کہ نمو کو صوفے کی فکر پڑ گئی۔

''وہ تمہارا کزن گھر پر ہی ہے یا وہ بھی کہیں نکلا ہوا ہے آوارہ گردی کو۔ اس ملک میں اگر باپ کے پاس بہت دولت ہو تو زیادہ تر لڑکے حرام خور ہی نکلتے ہیں۔'' مہمان خاتون نے گویا فوراً ہی پتھر برسائے۔

نمو اندازِ تکلم پر ان کی شکل آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ مگر فوراً ہی خود پر قابو پالیا اور کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔

''وہ گھر پر ہی ہیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے آج وہ باہر نہیں گئے۔''

''اسٹوپڈ...... بیماری کی ایکٹنگ کر رہا ہے۔ عورتوں کی طرح منہ چھپا کر بیٹھا ہوا

'' پھر ایک دم چونک کر بولیں۔

''ارے وہ میرے گارڈ کو تو اندر بلاؤ اسے کس بات کی سزا ہے۔ باہر کھڑا سوکھ رہا ''نمو بوکھلا کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوہ سوری!! میں تو بھول ہی گئی۔'' وہ جلدی سے گارڈ کو بلانے دوڑی اور باہر آ کر اشارے سے گارڈ کو اندر آنے کے لیے کہا۔

(توبہ! جان کتنی پیاری ہے موٹی کو۔ جیسے گارڈ ساتھ ہوگا تو عزرائیل بھی اسے دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ جائے گا) اپنے بولنے ہڑبڑانے پر وہ خود ہی پر جھنجھلا رہی تھی۔

گارڈ ذرا فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

''اُدھر صوفے پر بیٹھ جاؤ یار محمد...... اور دیکھو الرٹ رہو۔ اس گھر کی مالکن بہت خطرناک عورت ہے۔ اس نے بچی کو تیزاب سے جلانے کی دھمکی دی ہے۔''

نمو پھر پٹر پٹر ہونقوں کی طرح خاتون کی شکل دیکھنے لگی۔ اسے تعجب ہوا تھا کہ مہمان خاتون اس کی ممانی کو ''خطرناک عورت'' قرار دے رہی تھیں۔

''وہ...... آپ کیا پینا پسند کریں گی۔ چائے، کافی یا کولڈ......'' نمو کو کچھ نہ سوجھا تو آداب میزبانی نباہنے لگی۔

''ارے ہم دشمنوں کے ہاں کھانا پینا نہیں کرتے۔ کیا بھروسہ زہر ملا دیں کھانے پینے میں۔ گاڑی میں میرا پانی رکھا ہوتا ہے۔ تھینکس'' خاتون بولتی نہیں تھیں پتھر برساتی تھیں۔ نمو تو بے چاری جیسے دبک کر بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں مسز علوی کے جلد آنے کی دعا کرنے لگی۔

''کچھ پڑھا لکھا بھی تم نے یا ممانی کے گھر میں نوکر بنی ہوئی ہو۔'' مہمان خاتون گہری خاموشی سے اُکتا کر نمو کا انٹرویو کرنے لگیں۔

"جی میں نے انٹر کیا ہے گریجویشن کی تیاری ہے۔" نمو ہڑبڑا کر بولی۔

"اتنے بڑے صنعتکار کی بھانجی ہو۔ کم سے کم "او لیول" تو کر لیتیں۔ تمہیں تو ڈھنگ سے انگریزی بولنا بھی نہیں آتی ہوگی۔ وہ پاکستان بننے سے پہلے والے ٹیچرز کی طرح کی انگریزی ہی آتی ہوگی۔ دولت بہت ہے تمہارے ماموں کے پاس مگر دل نہیں خرچ کرنے کا۔" خاتون بولتی کیا تھیں لگتا تھا بے نقط سنا رہی ہوں۔

نمو کے پاس ان کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا اور خود ان سے باتیں کرنے کی اس میں صلاحیتیں نہ تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ان سے بات کرے بھی تو کیا۔ نہ اتہ نہ پتہ بالکل انجان خاتون۔ جن کا بایو ڈیٹا معلوم کرنے کا تو وہ خود میں حوصلہ ہی نہیں پا رہی تھی۔

گارڈ تو یوں لگتا تھا کہ کوئی روبوٹ ہے۔ عجیب سا ماحول تھا نمو کو گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ دس پندرہ منٹ خاموشی جبکہ تین نفوس ایک جگہ موجود مذاق بات نہیں ہوتی۔ وہ بے زار ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ پلیز ویٹ کریں۔ ممانی جان آئیں گی تو گارڈ انہیں انفارم کر دے گا۔"

خاتون نے تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"میرا خیال ہے میری یہاں کوئی ضرورت تو نہیں۔ اپنے بیڈ روم میں جا رہی ہوں۔ یہ تو بیڈ ٹائم ہے۔" میں اس وقت تک سو جاتی ہوں۔

"ارے تمہیں کام نہ دھام کوئی ایکٹیویٹیز نہیں۔ جب مرضی پڑ کر سو جاؤ۔ اس ملک کی عورتوں کی اکثریت یہی کر رہی ہے۔ شوہر کما رہے ہیں، بیٹھی بیٹھی کھا رہی ہیں۔ بچے پیدا کر کر کے احسان کر رہی ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں یہیں بیٹھی رہو۔ کیا معلوم کہیں اُلٹے سیدھے فون کر کے لاء اینڈ آرڈر کی سچویشن کری ایٹ (Create) کر دو۔"

نمو ایک دم بدحواس سی ہو کر دوبارہ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔

(یا اللہ! یہ کس ڈیزائن کی خاتون ہیں۔ لگ رہا ہے یہ ہمارے گھر نہیں آئیں ہم ان کے گھر آئے ہیں)۔

خدا خدا کر کے گیٹ پر ہارن بجنے کی آواز آئی اور نمو کو یوں محسوس ہوا کہ طویل قید سے جیسے جان چھوٹی ہو۔ ایک دم پرجوش سی ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مم...... ممانی جان آ گئیں۔ میں بھیجتی ہوں اُنہیں"

"یہیں بیٹھی رہو۔ گارڈ بتا دے گا انہیں۔ میری "بلینو" پورچ میں کھڑی ہے دیکھیں گی تو گارڈ سے پوچھ لیں گی۔"

نمو نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا (تو یہ اس قدر محتاط ہیں محترمہ اتنا دھڑکا ہے انہیں تو۔ بلیٹ پروف اور ہیلمٹ پہن کر گھر سے باہر کیوں نہیں نکلتیں؟)

چند منٹوں بعد واقعی مسز علوی افتاں و خیزاں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور خاصی پریشان سی ہو کر خاتون اور نمو کو باری باری دیکھ کر گویا صورت حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

مہمان خاتون کو اُٹھنا محال تھا پھر بھی اُٹھیں اور مردانہ انداز میں مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"میڈم عالیہ۔ اسلام آباد سے ہوٹل اور ہوٹل سے سیدھی یہیں آ رہی ہوں۔"

مسز علوی کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ ناگواری کی لکیریں پیشانی پر گہری کھنچ گئیں۔ انہوں نے بڑی ناقدانہ نظروں سے میڈم عالیہ کا جائزہ لیا۔

''بڑا خرچہ کیا بڑی تکلیف کی۔'' ان کے لہجے میں بہت محسوس کرنے والی بات تھی۔

''خرچہ تو آپ جیسے سخیوں سے ضروری ہو گیا تھا۔ آپ نے میری پھول سی بچی کو ہراساں کر دیا۔ وہ اتنی ڈپریسڈ ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی نہیں جا رہی۔ ٹرنکولائزر کھا کر سو رہی ہے۔'' میڈم عالیہ نے بڑے ڈھب سے بات شروع کی۔

مسز علوی جو تھکن سے چور مضمحل سی گھر میں داخل ہوئی تھیں ایمرجنسی صورت حال نے انہیں آناً فاناً فٹ اور چوکس کر دیا۔

''ایسی حرفوں سے بنی لڑکی کو پھول سی کہہ کر پھولوں کی انسلٹ نہ کریں۔ وہ کیوں ٹرنکولائزر کھائے گی وہ تو ہم شرفاء کھائیں گے۔'' وہ بڑے تیز لہجے میں بولی تھیں۔

''ہونہہ!! شرفاء......'' میڈم عالیہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کھینے لگی۔

''وہ ایدھی والے روز باہر رکھے جھولے سے شرفاء کی اولاد اُٹھاتے ہیں۔ ارے اللہ کا شکر ادا کریں ہم آپ کی اولاد یتیم خانے میں نہیں پہنچانا چاہتے خود پرورش کرنا چاہتے ہیں۔ صرف اس کا خرچہ مانگ رہے ہیں آپ سے۔''

''کس نے کہہ دیا ہے کہ وہ ہماری اولاد ہے۔ پہنچا دیں اس کو یتیم خانے جہاں سینکڑوں لاوارث پل رہے ہیں ان میں ایک اور سہی۔ ہم لوگ ایسے گئے گزرے نہیں کہ ہماری اولاد کو ایسے ویسے لوگ پالیں۔ پتہ نہیں کوکھ میں کس کی نشانی لیے بیٹھی ہے اور میرے بیٹے کو پھانس رہی ہے۔'' مسز علوی تو جیسے ہذیانی ہو گئیں۔ نمو ان کی حالت دیکھ کر ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور آہستگی سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ریلیکس ہونے کا اشارہ کیا۔

''بچہ تو وہ آپ کے بیٹے ہی کا ہے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ چلیں آپ ہمیں پچاس لاکھ ایک کروڑ نہ دیں ایسا کریں اپنے بیٹے سے شامہ کا نکاح پڑھا دیں اور شرفاء کی طرح

اسے گھر لے آئیں بچہ بھی گھر میں اور بچے کی ماں بھی۔ بات ڈھک چھپ جائے گی سب کی عزت رہ جائے گی۔ معصوم بچہ دربدر ہونے سے بچ جائے گا۔ کہیے کیسا آئیڈیا ہے؟'' ڈھٹائی، خود اعتمادی، گھمنڈ اور بہت کچھ تھا اس گوشت کے پہاڑ میں۔

''ارے جب کہہ دیا نہیں ہے وہ ہمارا بچہ۔ ہم کیوں اِدھر اُدھر کا گند اپنے گھر میں اُٹھا کر لائیں۔ ایسی بہو لائیں جس کی ماں کا پتہ نہ باپ کا۔ وہ بھی ایسی کہ پیٹ میں جانے کس کا بچہ۔ پورے شہر میں ہم ہی سب سے زیادہ بے وقوف نظر آ رہے ہیں۔ جاؤ میڈم اپنے گھر کا راستہ دیکھو۔ آدھی رات کو نکلتی ہو شکار کو؟ چلو نمو اپنے کمرے میں چلو۔ یہ عورتیں تو اسی طرح رات کے اندھیرے میں ''بزنس'' کرنے نکلتی ہیں۔ اپنا بھی وقت خراب کر رہی ہیں میڈم عالیہ اور ہمارا بھی۔'' مسز علوی اعلیٰ درجے کی بدلحاظی کرتی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آرام سے بیٹھ کر بات کریں مسز علوی! یہ ہماری انسانیت تھی کہ پچاس لاکھ لے کر تمہاری کالک چھپا رہے تھے مگر اب ایک کروڑ سے کم نہیں لوں گی۔ ایک کروڑ یا شامہ سے رمیض کا نکاح یا......'' میڈم عالیہ نے ''یا'' کہتے ہوئے سیٹ چھوڑ دی۔

''یا......؟'' مسز علوی اور نمو نے چونک کر میڈم عالیہ کی طرف دیکھا۔

''ایک ہی بچہ ہے آپ کا۔ اولاد سے محرومی کا دکھ آپ سے سہا نہیں جائے گا۔ شامہ پر تیزاب پھینکنے والا تو کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ہوش کی دوا کرو مسز علوی! غور کرو۔ آخر مقابلے پر کون ہے۔ بغیر محنت کھانے پینے کو مل رہا ہو تو زیادہ تر بیگمات کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ چلو یار محمد! ہماری بات ختم ہوئی۔'' میڈم عالیہ نے پینترا بدلا اور گارڈ کو آرڈر دیا۔ وہ ممی کی طرح اُٹھ کر باہر چل دیا۔ میڈم عالیہ نے ہاتھ اُٹھا کر انگلیوں سے وی (V) کا نشان بنایا گویا جلتی پر تیل چھڑک کر خود بھی گارڈ کے پیچھے چل پڑی۔

مسز علوی نے پیشانی پر ہاتھ رکھا اور دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ نمود دوڑ کر پانی لینے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

نیا کو یوں بھی نیند مشکل ہی سے آئی تھی اور اب سوئے ہوئے دیر نہیں ہوئی تھی کہ مسلسل دستک سے آنکھ کھل گئی۔ گہری نیند سے جاگنے پر ایک دم تو یہی سمجھ نہ آئی کہ وہ کہاں ہے۔ دستک دوبارہ شروع ہوئی تو ذرا حواس جاگے۔

''کون ہے؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ آواز پر نیند کا تاثر غالب تھا۔

''ادی! دروازہ کھولیں۔ بڑے مخدوم آپ کو بلاتے ہیں۔ بولتے ہیں جلدی آئیں نیچے والے ڈرائنگ روم میں۔'' ملازمہ نے پیغام پہنچایا اور چلی گئی۔

کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے دو بج رہے تھے۔ تشویش اور فکر سے اس کے اعصاب جھنجھنانے لگے۔ اس نے سرہانے رکھی چادر لپیٹی اور بستر سے اُتر آئی۔ پاؤں میں چپل ڈالی وہی سادہ سی چپل جو گھر سے پہن کر چلی تھی۔ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آئی۔ حویلی میں سناٹا طاری تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی راہداری سے گزر کر ڈرائنگ روم کی طرف آئی۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند تھا۔ اس نے آہستگی سے دستک دی۔

''ہاں بھئی دروازہ کھلا ہے آ جاؤ...... خیر ہے۔'' مخدوم صاحب کی آواز سماعت سے ٹکراتی۔

نیا نے ہینڈل گھمایا اور دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہو گئی لیکن حیرت کا اتنا شدید جھٹکا تھا کہ اپنی جگہ پر رُک گئی۔ سامنے سہیل بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پہلو میں ان کے والد محترم۔

''آؤ...... آؤ!!! اماں رُک کیوں گئیں۔ حیران کیوں ہو رہی ہو؟ سہیل اپنے گھر میں آیا ہے۔ وارث ہے اس حویلی کا مالک ہے۔ جب چاہے آئے اس کو کوئی روک سکتا ہے؟'' مخدوم صاحب بڑی محبت و لگاوٹ سے سہیل کی طرف دیکھ کر کہہ رہے تھے۔ سہیل کا سر جھکا ہوا تھا۔ انہوں نے ابھی تک نیا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''نیا نے سلام کیا۔'' سہیل کو سامنے پا کر اسے بڑا حوصلہ سا ہو رہا تھا۔ یوں جیسے تیز دھوپ میں چلتے چلتے اچانک سایہ دار درخت نظر آ گیا ہو۔ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کا آسرا مل گیا ہو۔ سہیل نے بہت دھیمی آواز میں سلام کا جواب دیا تھا۔

''بیٹھو اماں! کھڑی کیوں ہو؟ اتنی رات کو اچانک سہیل کو دیکھ کر تو ہماری خوشی سے حالت غیر ہے۔ اس کی ماں تو نیند کی گولی کھا کر سوئی ہے اسے تو جگانا ٹھیک نہیں۔ مریضہ ہو گئی ہے بیٹے کے غم میں۔ اچانک خوشی اور اچانک غم اس کے لیے اچھا نہیں۔'' مخدوم صاحب تو اتر سے بولے۔

نیا آہستگی سے نزدیکی صوفے پر بیٹھ گئی اور سہیل کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے وہ کوئی خوشخبری سنانے کو آئے ہوں۔

''آپ کیسی ہیں انیقہ؟...... مجھے تو آپ سے اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ آپ کو بتا نہیں سکتا۔'' سہیل بہت پروقار اور ٹھہرے انداز میں بات کر رہے تھے۔

''الامان...... شرمندگی کس بات پر؟ بیٹھی ہے سامنے پوچھ لو۔ حویلی میں اس کو پہلے سے زیادہ عزت دی ہے۔ نوکر چاکر اس کی خدمت کر رہے ہیں۔'' مخدوم صاحب کا لہجہ قدرے تیکھا ہو گیا۔

''یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ واقعی یہاں میرے ساتھ کسی نے مس بی ہیو نہیں کیا۔ سب ہر طرح سے خیال رکھ رہے ہیں۔ بس مجھے تو صرف اپنے بھائی کی فکر ہے۔ آپ

اسے آزاد کر دیں یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا جو ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" نیا
کو سہیل کی موجودگی سے خاصا اعتماد حاصل ہوا تھا۔ وہ بہت خود اعتمادی سے بات کر
رہی تھی۔

"میں آپ سے یہی درخواست کرنے حاضر ہوا ہوں بابا سائیں۔ ہمارے گھریلو
جھگڑوں میں ان بے قصور لوگوں کو شامل نہ کریں۔ ان کی ماں ایک بیوہ دکھی عورت ہے
اسے ستانا اچھا نہیں۔ انہیں اپنی دنیا میں رہنے دیں۔ ہم اپنے مسئلے خود حل کریں......"

"دیکھ سہیل! ابھی تیرے سر پر سرداری کا کلاہ نہیں۔ تجھے وقت کی نزاکت کا
اندازہ نہیں اور تو ہماری بات بھی نہیں سمجھ رہا۔ اس کی ماں کو ہم نے تاکید کی تھی کہ وہ تجھے
ابھی کچھ نہ بتائے ہم خود سب کچھ بتا دیں گے مگر اس نے وعدہ خلافی کی۔ پھر بھی ہم نے
غصہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ تو سامنے آیا تو ہم سب کچھ بھول گئے اور یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ تو
آ گیا۔ اب جو بات ہوگی تیرے سامنے ہوگی۔ ہمارا بھی وقت بچے گا اور تیرا بھی۔"
مخدوم صاحب اپنی دھن میں بولتے جا رہے تھے۔

سہیل سوالیہ اور اُلجھن بھری نظروں سے باپ کو دیکھنے لگے۔ شاداب کی رہائی
سے زیادہ ضروری بات کیا ہو سکتی ہے؟

دیکھ ابا! زمین بھی بڑی محنت سے ہاتھ لگتی ہے اور عزت بھی۔ ہماری زمین ہماری
عزت ہمارے پرکھوں کی صدیوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ جو زمین والے بغیر وارث ہوتے
ہیں ان کی برادری میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔ تیری بیوی ہماری برادری میں دوسری غیر
عورت ہے۔ پہلی غیر برادری کی عورت تیری پھوپھی پر سوت بن کر آئی تھی۔ میری بہن
بہت عمر کی ہو گئی تھی اس کے جوڑ کا رشتہ برادری میں نہیں مل رہا تھا۔ ہم اپنی عورت باہر نہیں
دیتے کہ اس کے ساتھ زمین بھی باہر جاتی ہے۔ پھر میرے ایک رشتے کے چچا نے ہمت

کی اور میری بہن کا رشتہ اپنے بیٹے سے مانگا۔ وہ پندرہ سال کا تھا اور میری بہن پینتیس
سال کی۔ پورے بیس سال کا فرق تھا۔ وہ بھی بڑی زمینوں والے ہیں۔ میری بہن کو
شادی کے دس سال تک اولاد نہیں ہوئی۔ اس کا خاوند اب پورا جوان بچہ تھا۔ پچیس سال
کا گبرو جوان۔ اس کی ماں یعنی میری چاچی اس کی اولاد کے واسطے تڑپتی تھی۔ لڑکے نے
میری بہن کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ وہ شہر میں کسی رئیس کی بیٹی پر فدا ہو گیا۔ میرے
چاچا نے مجھ سے اجازت مانگی کہ بیٹا اولاد چاہتا ہے اور میری بہن اتنی عمر کی ہو گئی ہے کہ
مشکل ہی ہے کہ بچہ ہو۔

ہم نے قربانی دی۔ ہم اس بات پر بھی خوش تھے کہ ہماری بہن اکیلی تو نہیں سر پر
سائیں تو موجود ہے۔ ہماری بہن نے بھی سب کے بھلے کا سوچا اور بڑا دل کر کے قربانی
دی۔ اپنے ہاتھ سے رئیس کی بیٹی بیاہ کر لائی۔ اس کو پانچ بیٹے ہوئے۔ سب کو خوشیاں مل
گئیں۔ چاچا کو وارث مل گئے وہ پھر سے جوان ہو گیا۔ وہ پانچوں بچے میری بہن کی گود
میں پلے۔ وہ اس کو اپنی سگی ماں مانتے ہیں۔ پہلے اس کو سمجھتے ہیں بعد میں دوسروں کو۔
میری بہن نے قربانی دی اسے سب کچھ مل گیا۔ اس کا خاوند بھی اس کی اتنی عزت کرتا ہے
کہ شاید ہی کسی خاوند نے اپنی بیوی کو اتنی عزت دی ہو۔ ادھر اپنی حویلی میں وہ ملکہ ہوتی
ہے۔ بابا دوسروں کا بھلا کرنے والوں کا اپنا بھی بھلا ہوتا ہے۔ جب میری بہن یہ سب کچھ
کر سکتی ہے تو دوسری عورت کیوں نہیں کر سکتی؟ ابا! اس کو اپنے خاوند سے محبت تھی تو اس
نے قربانی دی۔ محبت کا مطلب صرف لینا ہی تو نہیں ہوتا۔ محبت تو دینے بانٹنے کا نام
ہے۔"

"آپ کی بات کا مطلب [illegible] سمجھ نہیں پا رہے ہم بابا سائیں! اس وقت ان باتوں
[illegible] کیوں؟ ہم تو شاداب کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں۔" سہیل نے اُلجھن بھری

نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ہم اسی سلسلے میں بات کر رہے ہیں ابا! غور سے ہماری بات سن۔ اس بات سے شاداب کا بھی تعلق ہے۔'' سہیل پھر اُلجھ کر باپ کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

''بات یہ ہے کہ تو حویلی کے اندر ہو یا حویلی سے دور...... یا سات سمندر پار۔ تو ہمارا بیٹا ہے۔ یہ تعلق یہ رشتہ جنگوں طوفانوں میں بھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ تو ہمارا وارث ہے...... ہمارے بعد ادھر کو گدی نشین ہے۔ پھر تیرے بعد یہ گدی خالی ہے۔''

''چھ بابا سائیں! پھر وہی باتیں۔ میں یہاں یہ باتیں کرنے نہیں آیا ہوں۔ میں حویلی چھوڑ چکا ہوں وراثت چھوڑ چکا ہوں۔ ہاں مگر میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑا وہ مجھے چھوڑ دیں تو الگ بات ہے۔ مجھے آپ یہ بتایئے شاداب اپنی ماں کے پاس کب جا رہا ہے۔ جو بھی آپ کا جواب ہے دیجیے۔ پھر میں اپنے طور پر کچھ کرتا ہوں۔ میں تو اپنی نظروں میں گر گیا ہوں۔ ہمارے جھگڑوں میں یہ بے چارے مفت میں مارے جا رہے ہیں۔''

''اپنی خوشی سے مارے جا رہے ہیں۔ کس نے کہا تھا ان سے کہ ہمارے بیچ میں پڑیں۔ ہماری بہو کو زبردستی روکیں۔ پھر ہماری پردہ دار عورت کی بے عزتی کریں۔ تو کیسا بیٹا ہے اس لڑکے کی جان بخشی مانگ رہا ہے جس نے تیری عزت والی ماں کو اپنے گھر بے عزت کیا۔ اس پر ہتھیار اُٹھایا۔'' مخدوم صاحب ایک دم غضبناک ہو گئے۔

''ہو گئی غلطی۔ ہم لوگوں سے بھی ہو جاتی ہیں غلطیاں۔ اس پر آپ نے اس غریب کو بھی حویلی میں زبردستی مہمان بنا لیا ہے۔ اس سے کون سے مذاکرات چل رہے ہیں۔ اس کو بلانے کا کیا مقصد ہے؟ خدا کے لیے بابا سائیں ختم کریں یہ قصہ۔'' سہیل عاجز آ کر کہہ رہے تھے۔

''ختم کریں...... ابا قصہ تو اب شروع ہوا ہے۔ ابھی جو بات ہم نے اس سے کرنا تھی وہ کر چکے اب جو بات ہوگی وہ تجھ سے ہوگی۔ تیری ملاقات تو اس واسطے اس چھوکری سے کرائی ہے کہ تجھے تسلی ہو کہ ہم نے اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی۔''

''ہو گئی ہماری تسلی۔ اب آپ اسے صبح سویرے رخصت کر دیں۔ اس کی ماں پر رحم کریں۔'' سہیل شدید غصہ بڑے کمال سے ضبط کر رہے تھے۔

''جاؤ اماں! ابھی تم آرام کرو۔ ہم سہیل سے ضروری بات کر لیں۔ ابھی اس کی ماں بھی سوتی ہے۔'' اچھا موقع ہے سکون سے بات کرنے کا۔

نیا نظریں جھکا کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

دونوں باپ بیٹا خاموشی سے گویا اس کے باہر جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ لہٰذا وہ آہستہ قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اسے اندازہ تھا کہ مخدوم صاحب سہیل سے کیا بات کریں گے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کان لگا کر ان کی بات چیت سنے۔ مگر ایک خوف مانع تھا کہ حویلی کا کوئی نوکر نہ دیکھ لے۔ کیا خبر مخدوم صاحب نے کسی کو اپنی خدمت کے لیے جگایا ہوا ہو۔ ایک نوکرانی تو جاگ ہی رہی ہوگی جو اسے بلانے آئی تھی۔ اس خیال کے ساتھ ہی اندر جھاگ سا بیٹھ جاتا ہے وہ اپنی جگہ واپس آ جاتی ہے۔ نیند تو اُڑ چکی تھی۔ اندیشوں وسوسوں کے آسیب اسے گھیرے ہوئے تھے۔ شاداب کا خیال آتا تو ایک ہوک سی دل میں اُٹھتی تھی۔ گھر میں تھا تو اس کی سرگرمیوں پر غصہ آتا تھا اس کی بدتمیزیوں پر جان جلتی تھی۔ آنکھ سے دور ہو گیا تو بس یہی یاد رہ گیا کہ ایک بھائی ہے چھوٹا بھائی، پیارا بھائی، خون کا رشتہ، یہ ہوا تو کیا ہوا؟ یوں ہوا تو کیا ہوا، بھائی تو ہے نا! اسے تکلیف نہیں ہونا چاہیے۔ اسے بھوک کی دوزخ میں نہیں جلنا چاہیے۔ بھوکا تو اسے کبھی رہنے کا تجربہ نہیں ماسوائے رمضان کے روزوں کے۔ گھر میں

اگر پکانے کو کچھ نہ ہوتا تو بیسن کی روٹی یا کچے چٹنی کے ساتھ بنا دیتی تھی۔ مگر کھانے کے ٹائم پر ہمیشہ کھانا ملتا تھا خواہ چٹنی روٹی سہی۔

پانی کو ترس رہا ہے۔ اسے کب اندازہ ہوگا کہ ایک کٹورا پانی کی بھی کبھی اتنی اہمیت ہوگی۔ وہ چت لیٹی سوچ رہی تھی آنسو خاموشی سے آنکھوں سے پھسل کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ اگر میرے بھائی کو کچھ ہوا خدانخواستہ تو کیا میں زندگی میں کبھی کھل کر ہنسوں گی۔ ہنسنا تو بڑی بات کیا مسکرا سکوں گی۔ میری ماں! ہائے...... اسے بے چاری کے پاس اچھی اُمیدوں کے علاوہ اور کیا ہے۔ پتہ نہیں سہیل بھائی اس صورت حال سے کیسے نمٹیں گے؟ انہیں تو اپنے ہاں کے تمام معاملات کا پتہ ہوگا۔ اپنی پرسنل پریزن (Prison) کا بھی پتہ ہوگا۔ وہ جائیں اور شاداب کو نکال لائیں۔ ان کو اپنے ظالم باپ سے مذاکرات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لامتناہی سوچیں اسے سونے نہیں دے رہی تھیں۔ وہ یونہی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

دل ایک دم سے کوئی کرشمہ چاہنے لگا۔ اللہ کرے ابھی دروازے پر دستک ہو۔ دروازہ کھلے تو سامنے سہیل بھائی ہوں اور وہ اسے دیکھتے ہی فوراً کہیں چلو نیا! میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔

بے بسی اب کرامت اور کرشمے کی تمناؤں پر لے آئی تھی۔

☆☆☆☆☆

''باباسائیں! اتنی ناممکن سی باتیں آپ کتنے آرام سے کر لیتے ہیں۔ مجھے غصہ نہیں آ رہا حیرت ہو رہی ہے۔'' سہیل غصے کی انتہا سے گزر آئے تو مقامِ بے بسی پر آ کر ٹھہر گئے کہ بات کرنے والا وہ تھا جس کے سامنے حدود کی خاردار تاریں تنی ہوئی تھیں۔

مگران کے ذہن میں بگولے سے اُٹھنا شروع ہو گئے: ایسا کیا ہو گیا ہے۔ آخر؟

کوئی معرکہ سا ہے یا معرکہ کا اندیشہ ہے۔

''ابا! جو بات آدمی کے دماغ میں آ سکتی ہے وہ ممکن ہو سکتی ہے۔ جو نہیں ہو سکتی وہ دماغ میں کیسے آ سکتی ہے۔ نکاح کرنا ناممکن بات ہے۔ ایک عورت ایک مرد کا رشتہ قائم ہونا کوئی ناممکن بات ہے؟''

''باباسائیں! میل جول تعلقات کے کچھ اپنے قاعدے قرینے ہوتے ہیں۔ ایک دم سے کسی سے بدل جانا رشتہ تعلق سب کچھ بدل دینا، کوئی مذاق ہے۔ جب میں کسی سے بھی دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا تو نیاسے تو پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں شاداب کو لینے جا رہا ہوں بس باباسائیں بہت ہو گیا۔'' سہیل بہت ضبط، لحاظ سے کام لے کر بات کرتے کرتے ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''شاداب تمہارا کیس نہیں ہے۔ جس طرح تم میرے اکاؤنٹ سے میرے دستخط کے بغیر پیسہ نہیں نکلوا سکتے اسی طرح میرے مجرم کے لیے بھی تم کچھ نہیں کر سکتے۔

ابا! ابھی ہم تمہیں یہ نہیں بولیں گے کہ تم ناخلف ہو حویلی سے نکل جاؤ۔ زندگی بھر اپنی شکل نہ دکھانا۔ یہ تو ہم نے تمہیں کبھی کہا ہے نہ کہیں گے۔ ہم ایسا والا غصہ کر کے اپنے واسطے گڑھا کھودیں گے؟ تم تو ہماری ساری جمع پونجی ہو ابا (بیٹا) پھر تمہاری مرضی تم سمن کے ساتھ جدھر بھی رہو۔ اس وطن میں رہو یا ولایت میں۔

مخدوم سہیل! ابھی بھری جوانی ہے ابھی وارث کی اہمیت کا تمہیں اندازہ نہیں۔ جب سفید سر کے ساتھ اس گدی پر بیٹھو گے پھر سوچ لگے گی تمہیں جو تم کل سوچو گے وہ ہم آج سوچ رہے ہیں۔'' مخدوم صاحب نے بات مکمل کی اور دونوں ہاتھ چہرے پر یوں پھیرنے لگے جیسے دھول مٹی صاف کر رہے ہوں۔

''اگر میں پھر بھی انکار کرتا ہوں تو شاداب کے لیے آپ نے کیا سوچا ہے۔''

سہیل اب بہت رسانیت سے بات کر رہے تھے۔

''ہم تمہیں کیوں بتائیں کہ کیا سوچا ہے؟ تم اُڑان بھرو جاؤ۔ نکال سکتے ہو شاداب کو تو جا کر نکال لاؤ۔ ہم نے تمہیں زنجیر سے تو نہیں باندھا ناں ابا؟'' مخدوم صاحب شانِ بے نیازی سے گویا ہوئے۔

''پہلے ہم بولتے تھے برادری کی کسی چھوکری سے نکاح کر لو ابھی ہم تم کو یہ نہیں بولتے۔ اب ہماری ضد ہے تمہارا دوسرا نکاح نیا کے ساتھ ہوگا۔ شاداب کی بہن کے ساتھ۔ یہ شاداب کی سزا ہے اور نیا کی عزت۔

چھوکری ادھر ہی ہے سویرے کو تیرا نکاح پڑھا دیں گے۔ شام تک شاداب اپنی ماں کے پاس پہنچ جائے گا۔ تم دو چار دن حویلی میں گزار کر سمن کے پاس چلے جانا۔ آتے رہنا ادھر حویلی میں ہماری وہ بہو رہے گی جو ہمیں وارث دے گی۔ جاؤ جا کر آرام کرو اب تم سے سویرے بات ہوگی۔ ہم بہت تھک گئے ہیں۔ بڑھاپے میں اتنی بڑی ''زمیندارا'' سنبھالنا مذاق بات نہیں ہوتی وہ بھی مرے ہوئے دل کے ساتھ۔ جس کو وارث نہ ملا ہو اس کا دل تو مرا ہوا ہوتا ہے۔'' وہ اٹھ کر چل دیے۔ سہیل کا سر جھکا ہوا تھا جو جھکا ہی رہا۔

☆☆☆☆☆

''پھر چپ ہو گیا۔ کچھ نہیں بولا؟'' مہر النساء نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر مخدوم صاحب نے مہر النساء کو سہیل کی آمد کا بتایا تھا تو خوش ہو کر وہ اُٹھیں اور جیسے دوڑنے کے لیے تیار ہوئیں۔ خوشی سے توازن کھونے لگیں۔ مخدوم صاحب نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

''ابھی بیٹھو۔ اسے سونے دو۔ رات بہت دیر سے سویا تھا۔ خبر نہیں کب

ہوگا؟''

''میرے کو تو یقین نہیں آ رہا۔ مولا سائیں نے میری سن لی۔ آ گیا اسے ماں کا خیال۔'' احساسِ تشکر سے مہر النساء کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''زیادہ خوشی کرنے کی ضرورت نہیں۔ تیرا بیٹا خود سے نہیں آیا۔ نیا کی ماں نے اسے بھیجا ہے اپنا بیٹا لانے کو۔''

''اپنا بیٹا! کون سا بیٹا مخدوم صاحب؟'' اچانک پیش آنے والے واقعات انسان کو منتشر سا کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات پھر سیدھی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ یہی حال مہر النساء کا تھا۔

''تیری طرح اس کے پاس بھی تو ایک ہی بیٹا ہے۔'' مخدوم صاحب نے اپنی مرصع ٹوپی نئے سرے سے سیٹ کی۔

''تو وہ اِدھر کہاں ہے۔'' وہ حیرانی سے پوچھنے لگیں۔

''ابھی تو اس مسئلے کو چھوڑ ہم نے تجھے اس کے آنے کی وجہ بتائی ہے۔ وہ آیا نہیں بھیجا گیا ہے۔ ہم نے اس عورت کو کہا بھی تھا کہ سہیل کو اس کی خبر نہیں ہونا چاہیے ورنہ تیرا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ وہ باز نہیں آئی۔ پر ہماری بھی گوٹ پھنسی ہے ہم بھی ذرا آسرا کر رہے ہیں۔ صبر سے کام لے رہے ہیں۔ رات اس کو بتا دیا ہے کہ سویرے ہم اس کا نکاح نیا کے ساتھ پڑھا دیں گے۔ اور نیا کا بھائی اپنی ماں کے پاس شام تک پہنچ جائے گا۔''

مہر النساء تو گویا بے ہوش ہوتے ہوتے بچیں۔ مارے بدحواسی کے اول فول ہو گئیں۔

''آپ...... نکاح پڑھا لیں گے نیا سے مخدوم صاحب؟''

''بے وقوف عورت ہمیں نکاح کرنا ہوتا تو تیرے سے پوچھ کر کرتے اور اب کرتے۔ ہمارے پاس تو وارث تھا۔ ذال (بیوی) بھی اچھی تھی۔ ہمیں کوئی ضرورت

نہیں تھی دوسرے نکاح کی۔ ہم سہیل کے دوسرے نکاح کی بات کر رہے ہیں'' مخدوم صاحب جھلا کر بولے تھے۔

''وہ راضی نہیں ہوگا مخدوم صاحب۔ سارا جھگڑا ہی اس بات کا چل رہا ہے۔'' مہر النساء اب خود کو سنبھال کر مایوسی سے بولیں۔

''راضی نہیں ہو رہا تب ہی تو یہ کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔ ورنہ ہم دوسری بھی باہر سے کیوں لاتے۔ برادری میں نہ کرتے۔ یہ تو قدرت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ تیری بے عزتی کا بدلہ بھی لے رہے ہیں اور اپنا کام بھی نکال رہے ہیں۔''

''تو آپ نے نیا کو اس واسطے بلایا تھا؟'' وہ جیسے اب سمجھیں۔

''نہیں...... اس واسطے نہیں صرف بات چیت کے واسطے۔ پہلے ہم نے سوچا تھا دونوں کو الگ الگ بٹھا کر بات کریں گے راضی کریں گے۔ پھر نیا کو اس کی ماں کے پاس بھیج دیں گے اور ادھر اس کا نکاح پڑھا کر رخصت کر کے حویلی لائیں گے۔ پھر اس کو شہر کی کوٹھی میں بھیج دیں گے۔ وہ تو اللہ نے سہیل کو خود ہی بھیج دیا۔ نیا کی ماں نے سفارشی بنا کر بھیجا ہے۔ اب ہم یہ موقع نہیں گنوائیں گے۔ بس جو کرنا ہے سو کرنا ہے۔ اس کی ماں کو بھی ادھر بلوا لیں گے۔ سمن کے بغیر آیا ہے۔ اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا۔ ہمیں اُس چھوکرے کا کیا کرنا ہے مہرو۔ ہم تو بس ''گوٹی'' لال کر رہے ہیں اپنی۔ تجھے سہیل کے لیے تڑپتا دیکھتے ہیں تو اس کی ماں کا خیال بھی آ جاتا ہے۔ تجھے پوتا مل جائے گا تو تو ویسے ہی معاف کر دے گی۔ یہ تو وہ خوشی ہوگی کہ بندہ سات خون معاف کر دے۔ ابھی تو شور نہیں کر چپکی بیٹھی رہ ہم جو کر رہے ہیں خاموشی سے دیکھ۔ بابا مذاق ہے کوئی اتنی زمین جائیداد اور بے وارث۔''

''ہائے مخدوم صاحب! بڑا مشکل قدم اُٹھایا ہے آپ نے۔ دونوں بڑی پکی

سہیلیاں ہیں۔'' مہر النساء ہاتھ مسلتے ہوئے بولیں۔

''ابھی دیکھنا کتنی پکی سہیلیاں ہیں۔ پکی سہیلیاں ہیں تو ایک دوسرے کے لیے قربانی دیں مفت میں پکی سہیلیاں؟'' وہ تمسخرانہ مسکرائے۔

''سوکن کب سہیلی ہوتی ہے۔ یہ تو وہ رشتہ کہ چون (آٹے) کا پتلا بنا کر کسی عورت سے کہو کہ یہ تیری سوکن ہے تو وہ جل مرے۔ نہیں مانے گی وہ۔'' مہر النساء پھر مایوسی سے بولیں۔

''ابھی تو تماشہ دیکھ۔'' مخدوم صاحب جانے کس تصور میں مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

مسز علوی نے رمیض کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی تھی۔ انداز دھڑ دھڑانے والا تھا۔ ماتھے پر شکنیں تھیں چہرے پر تناؤ۔

''کون؟'' رمیض کی نیند سے بوجھل آواز آئی۔

''ہاں کھولو۔'' انہوں نے جھلا کر کہا۔

دروازہ کھلا مسز علوی نے بری طرح دروازے کو دھکیلا جیسے کوئی زور آور لہر اپنا راستہ بناتی ہے۔ رمیض ان کے انداز پر گھبرا کر خود ہی ایک طرف ہو گیا۔

''خیریت ممی؟'' وہ بہت فکر مندی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری جیسی اولاد ہوتے ہوئے خیریت ہو سکتی ہے؟'' وہ اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور کر بولیں۔

''اب کیا ہو گیا؟ وہ بھی رات کے دو ڈھائی بجے۔'' وہ نظریں چرا کر بولا۔

''دن رات ہوتے ہیں ان کے جن کی زندگی میں سکون ہوتا ہے۔ ہماری قسمت میں سکون کہاں۔ اسی وقت چلو میرے ساتھ۔ تمہیں شمامہ کے حوالے کرتی ہوں۔ آخر

ایک دن تو کسی نہ کسی کے حوالے کرنا ہی ہے ناں۔ ایک کروڑ تو نہیں دوں گی۔ اتنی مہنگی تفریح نہیں کراؤں گی اکلوتی اولاد سہی۔ ایک کروڑ...... پتہ ہے ایک کروڑ کس طرح ہاتھ لگتے ہیں؟ کبھی دو سو روپے کماؤ ایک دن میں تو پتہ چلے۔ دو سو روپے کا تو تم لنچ کرتے ہو۔ ایک سو ستر کا کلب سینڈ وچ، دو کولڈ ڈرنک۔ وہ بھی Red Onion کے خوبصورت ماحول میں بیٹھ کر۔ اس ملک میں دو سو روپے میں پتہ نہیں کتنے لوگ اپنی فیملی کو تین ٹائم دو دن کھلاتے ہیں اور ہم ایک کروڑ کا چیک لکھ کر بیٹے کی تفریح کی قیمت ادا کریں۔ تم ماں کی نرمی سے شاید اوور اسٹیمیٹ ہو گئے تھے۔'' وہ سانس لینے کو رکیں۔

''تو آپ سے کہہ کون رہا ہے ان سے Deal کرنے کے لیے۔ بک رہے ہیں تو بکنے دیں۔'' وہ ماں کی طرف سے پشت کر کے قدرے ناراض لہجے میں گویا ہوا۔

''ہاں ناں میں ہی تو ان کو Deal کرنے کے لیے گھر پر بلا رہی ہوں؟'' مسز علوی دانت پیس کر بولیں۔

''ابھی آئی تھی وہ موٹی ڈیل کرنے۔ شکر کرو تمہارا باپ سو رہا تھا ورنہ پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔ دھمکی دے کر گئی ہے کہ سوچ لیں۔ آپ کا ایک ہی بیٹا ہے۔ رمیض! جو لوگ خود کو ہوشیار سمجھتے ہیں وہ ایک دن اسی طرح پھنستے ہیں۔''

''کون آئی تھی؟'' رمیض نے چونک کر پوچھا۔

''وہی شامہ کی Stamped مدر...... اور کون'' بڑے کروفر سے باڈی گارڈ کے ساتھ آئی تھی۔

''ایک کروڑ مانگ رہی ہے۔ ہیں تمہارے پاس ایک کروڑ؟ اگر نہیں تو جاؤ جا کر اپنے باپ سے مانگ لو۔'' وہ رمیض کو شعلہ بار نگاہوں سے گھور کر بولیں۔

''او مائی گاڈ! ممی میں اسے شوٹ کر دوں گا۔'' رمیض غصے کی شدت سے کانپنے لگا۔

''ہاں پھر ہم تمہاری ضمانتیں کرانے کے لیے لاکھوں برباد کریں گے۔'' وہ بھڑک کر بولیں۔

''مگر ایک کروڑ سے تو کم کا خرچہ ہوگا'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا

''انسانی خون سے ہاتھ رنگنا کوئی چھوٹی بات سمجھتے ہو؟ ایک قاتل کا ٹائٹل جس بندے کو مل جائے اندازہ ہے وہ سوسائٹی میں کس طرح زندگی گزارتا ہے۔ مختصر یہ ہے تمہارے پاس اپنی ہر غلطی کا حل موجود ہے۔'' وہ طنز کے معنوں میں بولیں۔ ''مگر وہ بھی اپنے باپ کے پیسے کے بل بوتے پر۔ اگر باپ کے پیسے کا سہارا نہ ہو تو تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیا ہر وقت آپ لوگ اپنے پیسے کا احسان جتاتے رہتے ہیں۔ میں اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق آپ کے گھر میں پیدا نہیں ہوا۔ آپ کے ہاں پیدا ہوا تو آپ نے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔ ساری دنیا کے ماں باپ کرتے ہیں اپنی حیثیت کے مطابق۔''

''ہاں اگر ماں باپ اپنے بچوں کو بہت اچھی طرح رکھتے ہیں تو بچوں کو ان کی قدر کرنا چاہیے۔ تاکہ ان کی زندگی دوبھر کر دیں اور موت کو زندگی سے بہتر سمجھیں۔''

''وہ عورت اب اس دروازے پر دوبارہ نہیں آنا چاہیے۔ یہ کس طرح ممکن ہے اب تم سوچو۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر تمہارا باپ تمہارے لیے کوئی حتمی فیصلہ کرتا ہے تو پھر تم مجھے کچھ نہ کہنا۔'' وہ یہ کہہ کر واپس پلٹنے لگیں۔

''یو مین ممی...... حتمی...... فائنل؟ کس قدر پیاری ہے آپ لوگوں کو یہ دولت۔ اگر یہ میرے کام نہیں آتی تو کس کے لیے جمع کر رہے ہیں؟'' وہ تمسخرانہ کہہ رہا تھا۔

''کسی کے پاس کتنی ہی لامحدود دولت ہو اپنی خوشی سے حرام راستے کبھی نہیں لٹاتا۔

خواہ وہ اسٹیمیٹ کر چکا ہو کہ یہ دولت اس کی کئی زندگیوں کے لیے بہت ہے۔ تمہارا باپ تو ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی محنت کی کمائی کا ایک روپیہ بھی برباد نہیں کرتے۔ تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ تمہارے باپ میں روپیہ برباد کرنے والی کوئی عادت نہیں۔ نہ اس نے کبھی نشہ کیا نہ جوا کھیلا۔ پیسہ استعمال کرنا اور بات ہے اور برباد کرنا دوسری بات۔ میں کیا کوئی بڑے سے بڑا وکیل بھی تمہارے باپ سے اس میڈم کو ایک کوڑی نہیں دلوا سکتا۔ یہ مسئلہ حل کرواور جان چھڑاؤ ہماری اس عذاب سے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ تم مدحت ہی سے شادی کر لیتے۔ شادی بہر حال مرد کو باؤنڈ تو کر ہی دیتی ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر رُکی نہیں تھیں تیزی سے باہر نکل گئی تھیں۔

رمیض کی ساری نیند ہوا ہو چکی تھی۔ وہ بہت ڈپریسڈ نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

''بابا سائیں پلیز! مجھ سے اس ٹاپک پر کوئی بات نہ کریں۔ میں نے رات کو بھی آپ کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور سو گیا تھا۔ اس لیے کہ مجھے اپنا پتہ ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں۔ البتہ آپ کی بات سے مجھے دھچکہ سا ضرور لگا تھا۔ آپ پلیز شاداب کو چھوڑ دیں اور نیا کو اس کے گھر جانے دیں اور یہ قصہ ختم کریں۔'' سہیل نے دوٹوک انداز میں بات کی۔

مخدوم صاحب سر جھکائے بہت تحمل سے سن رہے تھے۔ سہیل کے خاموش ہوتے ہی انہوں نے سر اُٹھایا اور بہت غور سے سہیل کا چہرہ دیکھا۔

''تم ٹھیک بولے۔ تمہیں پتہ ہے کہ تم کیا کر سکتے ہو اور کیا نہیں تو ابا اسی طرح ہمیں بھی پتہ ہے اپنا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں۔ تم شاداب کو بھول جاؤ اور اس کی ماں سے بولو وہ بھی بھول جائے۔ یوں بھی وہ کون سا اس کے کہنے میں تھا۔ ایسی اولاد سے تو

بہتر ہے بندہ بے اولاد ہی رہے۔ ابھی تم جاؤ اپنی ماں سے مل ملاقات کرو۔ اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ بولتی تھی سہیل کے ساتھ ہی کروں گی۔''

سہیل پوری آنکھیں کھولے باپ کی شکل دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں غم و غصے کی کیفیت تھی۔

''بابا سائیں! شاداب صرف آپ کی زندگی تک ہی قید ہے ناں۔'' وہ بے ربط سے ہو رہے تھے جیسے الفاظ یکجا نہ کر پا رہے ہوں۔

''ہاں تو ابا تم ہمارے مرنے کی دعا کرو۔'' مخدوم صاحب بڑے تحمل سے کہہ رہے تھے۔

''ابا! ہمارے مرنے کے بعد بھی تمہیں اس کا نام نشان نہیں ملے گا۔ ہتھیاروں سے کھیلتا تھا ناں۔ ایک روز ماں سے تو جدا ہونا ہی تھا ناں۔ ہتھیاروں سے کھیلنے والے ایک دن دوسرے کے ہتھیار کا نشانہ بنتے ہیں ناں۔ یہی ہوتا ہے ناں دنیا میں؟'' وہ مزید بولے

''مجھے مرتے دم تک اس بات کا دکھ رہے گا کہ میں جہاں پیدا ہوا وہ ماحول وہ لوگ میرے حساب سے کبھی میرے تھے نہ ہو سکتے تھے۔ وہ غریب لوگ ہیں بابا سائیں۔ دکھے دل کی بددعا سے ڈریں۔'' اس مرتبہ سہیل کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''تو بھی ہماری بددعا سے ڈر سہیل۔ ہمارا دل بھی بہت دکھا ہوا ہے۔'' مخدوم صاحب نے برجستہ کہا تھا۔

''آپ کے پاس پیٹ کا غم نہیں ہے۔ یہ غم جس کے پاس ہو اس کے پاس بہت غم ہوتے ہیں۔'' سہیل نے اس مرتبہ خاصے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''اپنی ماں کی طرف دیکھ۔ ایک عورت کے پیچھے اسے کتنا دکھ دے رہا ہے۔ وہ تجھے

دیکھ دیکھ کر جیتی تھی۔ اوروں کے دکھ تجھے نظر آتے ہیں اپنے ماں باپ کی طرف نہیں دیکھتا؟" مخدوم صاحب کے انداز میں بھی ناراضگی تھی۔ مگر وہ خود کو حد میں رکھنے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔

"بابا سائیں! وہ بے خطا ہے دکھ سے مر جائے گی۔ ورنہ میں آپ لوگوں کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا چاہے دوسری سے میرا دل نہ ملتا اور اسے مجھ سے کچھ بھی نہ ملتا۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اس سارے قصے میں سمن کا تو کوئی قصور نہیں ہے ناں۔" اب سہیل نے دوسرے ڈھب سے بات کی اور احساس دلانے کی کوشش کی کہ انہیں اپنے ماں باپ کا بھی احساس ہے مگر وہ کسی بے قصور کو دکھ دینا نہیں چاہتے۔

"اسی واسطے تو ہم نے تمہیں یہ نہیں بولا کہ اسے طلاق دے کر دوسری کرو۔ ہم اسی لیے اسے بھی رکھنا چاہتے ہیں کہ ہمیں پتہ ہے کہ اس کا قصور نہیں ہے اور ہم نے تمہیں یہ کبھی بھی نہیں کہا کہ وہ قصوروار ہے۔ ہم تو وارث چاہتے ہیں۔ سمن کو بھی اس حقیقت کو ماننا چاہیے کہ اس کے چھوٹے دل کی وجہ سے ہماری سات پشتوں کی محنت ٹھکانے لگ رہی ہے۔ اب تم جاؤ اور اپنی ماں کے ساتھ روٹی مانی کھاؤ۔ یہ حویلی تمہاری ہے اس کے دروازے تم پر کبھی بند نہیں ہوں گے۔ جب چاہے ماں سے ملنے آؤ۔ مگر آج کے بعد ہمارے تمہارے درمیان شاداب کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔"

سہیل سر جھکائے کچھ سوچتے رہے۔

"بابا سائیں! آپ کو مجھ پر رحم نہیں آتا۔ میں آپ کی اولاد ہوں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ میں کتنے پریشر میں زندگی گزار رہا ہوں۔ آپ دونوں کی ناراضگی کا میرے دل پر بوجھ ہے۔ دوسری طرف سمن کا بھی خیال رہتا ہے کہ اسے میرے گھر میں آ کر خوشی کے چار دن نہیں ملے۔ کیا دیا ہے اسے میں نے۔" سہیل شکستہ سی آواز میں کہہ رہے تھے۔

"سیدھی سی بات کو ابا تم نے خود مقدمہ بنا لیا ہے۔ ہم کون سا تم دونوں کے درمیان جنگ کرانا چاہتے ہیں۔ اگر اسے تم سے واقعی محبت ہے تو تمہارا آگے تک کا بھلا سوچے۔ ہم اس کے ہیں ہمارا سوچے۔ سب کچھ اسے دیں اسے کچھ نہیں دینا چاہیے؟ یہ محبت نہیں خودغرضی ہے۔ ہوس ہے...... لالچ ہے۔"

سہیل نے سر تھام لیا۔ آنکھیں بند تھیں۔

"بابا سائیں ہمارا سر درد سے پھٹنے لگا ہے۔ بس اب آپ کچھ نہ بولیں۔ صرف شاداب کی بات کریں۔"

"شاداب؟ کون شاداب؟ کس کی بات کر رہو ہو ابا؟" مخدوم صاحب نے اچانک پینترا بدل لیا۔

سہیل نے چونک کر سر اُٹھایا۔ چند ثانیے کے بعد دوبارہ جھکا لیا۔

"ہم واپس جا رہے ہیں بابا سائیں۔ ہمارا دماغ کچھ کام نہیں کر رہا۔ اگر ہم کچھ دیر رک گئے تو یقیناً ہمارے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ باپ ہونے کے ناطے مخدوم صاحب کے دل کو کچھ ہوا تو مگر انا کے نقاب میں بھی سات پشتوں کی تاربنت تھی۔ جتنی پشتوں کا اثاثہ ہاتھ میں تھا اتنی پشتوں کی انا بھی تو وراثت کا حصہ تھی۔ خاموش بیٹھے رہے۔ سہیل خاموشی سے اوطاق سے باہر نکل گئے۔ مخدوم نے سر اُٹھا کر ہلتے پردے کو دیکھا ان کی نگاہوں میں تعجب تھا۔

☆☆☆☆☆

نیا کو بڑی کھوج سی تھی کہ سہیل اس وقت کہاں ہیں۔ کس حال میں ہیں۔ مخدوم صاحب کے ساتھ مذاکرات کا کیا نتیجہ نکلا۔ وہ خود ان کے سامنے تو جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو اسے اندازہ تھا کہ مخدوم صاحب نے کیا باتیں کی ہوں گی آپشن دیا ہوگا۔

شاداب کے معاملے میں کیا بات ہوئی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ اصل سوال تو یہ تھا۔

ناشتہ اس کے کمرے میں آ گیا تھا جو اس نے برائے نام کیا۔ اسے صرف ایک کپ چائے سے دلچسپی تھی۔ ذہن کھانے پینے کی طرف سے بالکل ہٹا ہوا تھا۔

کافی دیر بعد نوکرانی ٹرالی لینے آئی تو نیا نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نیا کو اور نیا اس کو اچھی طرح جانتی پہچانتی تھی۔

''حفیظہ چھوٹے مخدوم صاحب سو کر اُٹھ گئے؟ بی بی جان سے ملاقات ہوگئی؟''

حفیظہ نے تعجب سے نیا کی صورت تکی۔

''وہ تو چلے بھی گئے۔ اس نے غور سے نیا کو دیکھتے ہوئے اطلاع دی۔''

''چچ...... چلے گئے۔'' وہ بے ساختہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بی بی! بڑے مخدوم صاحب بولتے ہیں ابھی کوئی بی بی جان کو نہ بتائے کہ چھوٹے مخدوم واپس چلے گئے ہیں۔ ہم خود اسے بتا دیں گے۔''

''واقعی چھوٹے مخدوم چلے گئے ہیں؟'' نیا کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تم نے خود دیکھا ہے ان کو جاتے ہوئے حفیظہ؟''

''جی بی بی جی! میں ادھر او طاق میں چائے لے کر گئی تھی وہ وہاں نہیں تھے۔ برتن رکھ کر واپس باہر آئی تو وہ اپنا بیگ لے کر حویلی سے باہر جا رہے تھے۔''

''میرے خدایا! نیا نے بے اختیار ہو کر اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا...... شاداب!''

اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ''ہائے میرا بھائی! میں بھی جا رہی ہوں حفیظہ۔ مخدوم صاحب کو بتا دینا...... میری ماں مر جائے گی۔'' وہ دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ جو ایک رہی سہی سی آس اُمید تھی وہ بھی ہاتھ سے گئی اور ایک وحشت سی اس کے اندر ناچنے لگی۔

''ہائے امی! ہم تو خالی ہو گئے۔'' وہ کمرے سے باہر نکل کر دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

پھر ایک دم اپنے چھوٹے سے سفری بیگ کا خیال آیا تو اُلٹے پاؤں کمرے میں آئی۔ چادر ٹھیک سے لپیٹی، بیگ کاندھے پر لٹکایا، تیزی سے باہر نکل کر مین گیٹ کا رُخ کیا۔ چال میں تیزی تھی جیسے پیچھے سے آ کر کسی کے پکڑ لینے کا اندیشہ ہو۔ گیٹ تک آتے آتے اس کی حالت مزید خراب ہو چکی تھی۔ سینہ پیٹ پیٹ کر ماتم کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

''ہائے شاداب!...... ہائے میری ماں...... لوگو! ہمارا گھر بھی لے لو تم۔ ہمارے برتن کپڑے بھی لے لو۔ ہمیں کسی دیوار میں زندہ چن دو کہ مرنے سے پہلے سر پھوڑ پھوڑ کر ماتم تو کر لیں۔ اتنی بری طرح ہم لٹے ہیں تو کیا ہمیں ماتم کرنے کا بھی حق نہیں......؟

مگر ہم تم لوگوں کے سامنے ماتم کیوں کریں...... تم ہمارے لیے کیا کر سکتے ہو؟''

اس کے حواس جواب دے چکے تھے۔ اس کے چہرے سے وحشت و دیوانگی برس رہی تھی۔ اسے آس پاس اردگرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ اس نے بڑی بے خبری کی کیفیت میں گیٹ وا کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

چوکیدار نے اسے متوجہ کیا۔

''آپ باہر نہیں جا سکتے ہو بی بی جی! حکم نہیں ہے۔''

تب نیا نے گیٹ کی طرف توجہ سے دیکھا۔ گیٹ پر قفل پڑا تھا۔ اب اس نے وحشت زدہ سی ہو کر چوکیدار کی طرف دیکھا۔

''تمہارے سائیں کو تو دولت کے آسرے نے بے حس بنا رکھا ہے۔ تم کیوں اتنے بے حس ہو؟ اللہ کا خوف نہیں ہے تمہیں''

''یہ ہماری نوکری ہے بی بی جی۔ آرڈر ماننے کی تو ہمیں تنخواہ ملتی ہے جس سے ہم اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالتے ہیں۔'' چوکیدار نے سادگی سے جواب دیا۔

''ظلم میں شریک ہو۔ حرام کمارہے ہو اور اپنے گھر والوں کو بھی حرام کھلا رہے ہو۔ دیکھو مجھے یہاں سے جانے دو۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ وہ دیوانی سی ہو رہی تھی۔''

چوکیدار خاموش رہا۔

''دیکھو مخدوم سہیل بھی تو چلے گئے ہیں ناں'' وہ جیسے منت کرنے لگی۔

''وہ مالک ہے اسے آنے جانے سے کون روک سکتا ہے؟ پر آپ کے لیے آرڈر نہیں ہے۔'' چوکیدار نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

نیا کو چکر آنے لگے۔ اس نے بیگ زمین پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

ایک نوکرانی کسی روبوٹ کی طرح اس کے قریب آئی اور بیگ اُٹھا لیا...... اور دوسرے ہاتھ سے نیا کا بازو تھام لیا۔

ذہن میں اچانک اتنی تاریکی اُتر آئی تھی جیسے چمکتے سورج کو پورا گہن لگ گیا ہو اور روشن دن آناً فاناً رات میں تبدیل ہو گیا ہو۔ نوکرانی اسے تھام کر اندر لے جا رہی تھی اور وہ خود کو گھسیٹ رہی تھی۔ ذہن کی اسکرین پر شاداب کی مختلف تصویریں اُبھر رہی تھیں۔

اس نے پہلی اور آخری مرتبہ چھوٹے سے شاداب کے رخساروں پر دو طمانچے لگائے تھے۔ اس نے شاید جھوٹ بولا تھا۔ اپنے حساب سے اس نے اسے یہ سزا دی تھی۔ مگر اسے مدتوں افسوس رہا کہ اس نے ننھے سے شاداب کو اتنے کس کے تھپڑ کیوں مارے تھے۔

مجھے پتہ ہوتا شاداب تجھے تقدیر اتنی زور زور سے طمانچے لگائے گی تو میں کبھی تیرے پھول سے رخساروں پر اتنے زوردار طمانچے نہ لگاتی۔ ہائے میں نے تجھے کیوں مارا تھا؟ وہ قریبی ستون سے پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر نہیں بلکہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''چلا گیا؟'' مہرالنساء کی آنکھیں تعجب سے پھٹ گئیں۔ بے یقینی سے مخدوم صاحب کی طرف دیکھنے لگی۔ ''کیا بولے آپ...... چلا گیا......؟''

''پھر آ جائے گا...... یہ اس کی حویلی ہے۔ اس کی ماں ہوتی ہے ادھر۔ آسرا کر مہرالنساء پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' مہرالنساء ان کی بات کاٹ کر پھٹ پڑیں۔

''کہاں تک آسرا کروں...... کہاں سے حوصلہ لاؤں؟ چولہے میں گئیں آپ کی زمینیں اور بھاڑ میں گئی یہ ساری دولت۔ میرا بچہ رات سے حویلی میں تھا۔ ادھر ہوتے ہوئے اس کی صورت کو ترسا دیا۔ ایک بیٹا ہے میرا۔ ترستی ہوں اس کی صورت کو۔ آگ لگ جائے اس پوری زمینداری کو۔ بارہ بج رہے ہیں میں نے مانی ٹکڑ منہ میں نہیں ڈالا کہ بیٹے کے ساتھ کھاؤں گی۔ کیا کروں مخدوم صاحب آپ کی اس دولت کو میرا پیٹ بھی خالی ہے اور گود بھی۔ ارے آگ کیوں نہیں لگ جاتی اس دنیا کو۔ مہرالنساء کی خوشی ایک دم دکھ کے دھچکے میں تبدیل ہوئی تو اعصابی نظام تلپٹ ہو گیا۔ وہ چلاتے چلاتے بے ہوش ہو گئیں۔ آج کل تو وہ یوں بھی بیمار تھیں۔ وہ تو مخدوم صاحب ان کو آنے والے وقت کے اچھے خواب دکھا رہے تھے تو تھوڑی سنبھلی ہوئی تھیں۔

''حفیظہ! چوپڑی...... ادھر آؤ سنبھالو اپنی مالکن کو۔ ہم اُدھر اوطاق میں جاتے ہیں۔ اس کو دودھ وودھ پلا کر دوائی کھلاؤ۔ ابھی ہم ڈاکٹر کو بلاتے ہیں۔'' ادھر مخدوم صاحب نوکرانیوں کو ہدایت دے کر باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆

مخدوم سہیل صدیقی جس وقت اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تو جیسے تھک کر چور ہو رہے تھے۔ من بہت بے تابی سے ان کا [illegible] رہی تھی۔ [illegible]

اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ جلدی سے ان کے ہاتھ سے بیگ لیا۔ ان کے نیپر سامنے لا کر رکھے اور بہت غور سے ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو اتنے غور سے؟" کیا غور سے دیکھنے سے انسان کو ٹھیک ٹھیک پڑھا جا سکتا ہے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تھکے تھکے لہجے میں سوال کر رہے تھے۔

سمن ایک دم گڑبڑا سی گئی۔ پھر شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"وہ تو بس ایسے ہی دیکھ رہی تھی کہ خیر سے حویلی سے ہو کر آ رہے ہیں۔ خیریت تو رہی ناں؟ یہ ہرگز نہ سوچئے گا کہ مجھے آپ کے حویلی جانے پر اعتراض ہے۔ وہاں آپ سے بہت پیار کرنے والی ماں ہوتی ہے جو یقیناً آپ کا انتظار کرتی ہو گی۔ آپ کو تو حویلی ضرور جاتے رہنا چاہیے۔ میں تو یہ دیکھ رہی تھی کہ شاداب سے متعلق کوئی اچھی خبر لائے ہیں یا؟ خالہ جان کے چار پانچ فون آ چکے ہیں کہ کچھ پتہ لگا۔ سہیل آ گئے یا نہیں۔ نیا تو ان کے ساتھ ہی آئے گی؟

اوہ ہاں......! نیا آئی آپ کے ساتھ؟ گھر چھوڑتے ہوئے آئے ہوں گے۔"

اب وہ بڑی فکر اور سنجیدگی سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"ابھی میں بہت تھکا ہوا ہوں سمن! سب کچھ پتہ چل جائے گا تمہیں۔ کوئی بات تم سے چھپاتا تو نہیں ہوں۔ پلیز پہلے ایک گلاس پانی تو پلاؤ۔"

سمن درحقیقت اپنی عجلت پر شرمندہ سی ہو گئی۔ واقعی کم از کم پہلے ان کو آرام سے بیٹھ کر پانی تو پینے دینا چاہیے۔ سات گھنٹے کا سفر وہ بھی مسلسل بیٹھے بیٹھے۔ وہ جلدی سے پانی لینے چلی گئی۔ سہیل خالی خالی نظروں سے اس راستے کی طرف دیکھنے لگے جہاں سے گزر کر وہ کچن میں گئی تھی۔

واپس آئی تو وہ ہنوز اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ اب البتہ "in" تھے۔ سمن سامنے سے آ رہی تھی وہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بہت خوبصورت سی گرین اور پرنٹ کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ نہائے ہوئے شاید زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ بال ابھی گیلے تھے اور اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اُجلی رنگت غسل کی وجہ سے مزید نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ قد اس کا پورا تھا اور چال خوبصورت۔ انہوں نے ایک دم نظریں دوسری طرف موڑ لیں۔ عورت کچھ محسوس کرے نہ کرے محبوب کا دیکھنا بہت کچھ محسوس کرتی ہے۔ سمن نے ان کی نگاہوں کو بھی محسوس کیا تھا اور نگاہ چرانے کو بھی۔ خوشی اور اپنائیت کی چمک کے بجائے نظروں میں عجیب اُلجھن سی تھی۔ سمن کا دل بیٹھ گیا۔

(حویلی میں اور کیا سنا ہو گا۔ مجھے لعن طعن ہو رہی ہو گی برا بھلا کہا گیا ہو گا۔ اور کیا سنا ہو گا وہاں؟)

اس نے خاموشی سے گلاس سہیل کو تھما دیا۔ وہ پانی پینے لگے اور گلاس واپس لینے کے لیے منتظر کھڑی تھی۔ سہیل نے گلاس سمن کو تھما دیا اور اپنا بیگ لانے کے لیے کہا۔

سمن گلاس رکھ کر جلدی سے بیگ لے کر آ گئی۔ سہیل نے بیگ کھولا اور اپنا شب خوابی کا لباس نکالا اور سمن سے بڑے عام سے انداز میں بولے۔

"سمن ایک گلاس گرم دودھ دے دینا۔ میں شاور لے کر دوسرے کمرے میں سوؤں گا۔ میں اکیلا سونا چاہتا ہوں۔ میرا موبائل بھی آف ہے۔ یوں سمجھو "نو ڈسٹرب کا بورڈ" لگا ہے کمرے کے باہر۔"

سمن اُلجھن بھری نظروں سے چند لمحے سہیل کی طرف دیکھتی رہی۔ مگر جیسے کچھ بولا نہ پائی اور خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وسوسے واندیشے تو اب سانس کے ساتھ لگے تھے۔ وسوسوں میں سوتی تھی اور اندیشوں کے ساتھ جاگتی تھی۔ شادی کے بعد پہلی مرتبہ اس طرح ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک چھت کے نیچے ہوتے ہوئے الگ الگ کمروں

ئیں تھے۔

کیا ہے یہ زندگی جس میں ہر سانس خوف کی قیدی ہو۔ ایسی زندگی سے تو موت ہی اچھی۔ ایسی زندگی کی زنجیریں ٹوٹنے کا احساس کتنا خوش کن لگنے لگا ہے۔ وہ دودھ گرم کرتے ہوئے سوچ رہی تھی اور رُخساروں پر بہتے ہوئے آنسو اُنگلیوں کی پوروں سے صاف کر رہی تھی۔

جب کسی لڑکی کی محبت کی شادی ہو رہی ہوتی ہے وہ منزل سے خوشیوں کی معراج لگ رہی ہوتی ہے۔ جیسے اب دنیا میں کوئی غم نہ رہا، جو چاہا سو پالیا۔ زندگی شہنائیوں و شادیانوں کا دوسرا نام محسوس ہو رہی ہوتی ہے۔ جبکہ شادی شدہ لوگ اسے پریکٹیکل لائف بتا رہے ہوتے ہیں۔ مگر خوشیوں کے ہجوم میں پریکٹیکل لائف کے فلسفے کی طرف ذہن متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ خوش رنگ لباس، خوشبویات، دن رات من چاہے ساتھی کی رفاقت۔ سرور کی نیند، احساسِ مسرت کے ساتھ بیداری۔ ایسا سنہری روپہلی انقلاب جو زندگی کا حاصل لگتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ دو ساتھ رہنے والوں کے درمیان زندگی کی تلخ حقیقتیں رنگوں کی پھوار کو دونوں ہاتھ سے پرے ہٹاتے ہوئے داخل ہوتی ہیں۔ رنگوں کا پردہ ادھر ادھر سرکتا ہے تو انسان دم بخود سا ہو کر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ جو زندگی کا حاصل سمجھا تھا وہ منزل نہیں ایک موڑ تھا کہ

ع ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

یوں بھی ہوتا ہے کہ محبت کی شادی کے بعد جوڑے میں مزید انڈر اسٹینڈنگ اور محبت ہو جاتی ہے لیکن کوئی نہ کوئی مسئلہ ان کے درمیان رہتا ہے جسے وہ باہمی تعاون سے حل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یعنی ہوش مند انسانوں کی طرح حقائق کو قبول کرتے ہیں۔ کامیاب ہوتے ہیں تو کامیابی کی خوشی کا احساس مشترکہ ہوتا ہے، ناکام

ہوتے ہیں تو تاسف کے احساس میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتے۔

اس کے اور سہیل کے درمیان شادی کے بعد محبت بڑھی ہی تھی۔ کوئی ایسی شکایت ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوئی تھی جو ایسی بدمزگی پیدا کرتی کہ دلوں میں فاصلے پیدا ہونے لگتے۔ اس کے باوجود زندگی خوف و اندیشے کی دھول سے اٹ رہی تھی۔

اس نے گہری سانس لے کر دودھ گلاس میں ڈالا۔ تھوڑی سی شکر ڈال کر چمچ چلایا، گلاس طشتری میں رکھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اس طرف چلی آئی جہاں آج رات سہیل کا ڈیرہ تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو سہیل کھڑکی سے باہر جھانکتے ملے۔ وہ چھکا چھک دھواں اُڑا رہے تھے۔ سمن نے گلاس تپائی پر رکھ دیا۔

سہیل نے اس کی موجودگی محسوس کرنے کے باوجود زاویہ تبدیل نہیں کیا تھا۔ سمن نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور چپ چاپ باہر نکل گئی اور کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔

☆☆☆☆☆

کل رات کا منظر بار بار ڈسپلے ہو رہا تھا۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہے تھے یا واقعی وہ حقیقت تھی۔ انتہائی پیار محبت کے مظاہرے کے بعد جب مخدوم صاحب نے بلا تکلیف دو ٹوک لہجے میں کہا۔

”سہیل! تم نیا سے شادی کر لو۔ یتیم بچی ہے۔ عزت کا ٹھکانہ مل جائے گا۔ پھر دونوں سہیلیاں ایک دوسری کا خیال رکھیں گی۔ تمہارا بھی خیال رکھیں گی۔ برادری کی بیٹی لینا ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں مگر ہمیں ڈر ہے کہ تم سمن کی محبت میں اسے نظر انداز کر دو گے۔ وہ واپس میکے جا کر بیٹھ گئی تو برادری میں ہم ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ ابا! سب بیٹی

والوں کا یہ ارمان ہوتا ہے کہ ان کی بیٹی شاد و آباد رہے، پھلے پھولے۔ پر ہمیں تم سے اچھی اُمید نہیں۔ جب ایک عورت کی خاطر تم ماں باپ کو چھوڑ کر جا سکتے ہو تو دوسری بیوی کی تمہاری نظر میں کیا حیثیت ہوگی۔ بس ہم نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ تم دوسری شادی نیا سے کرلو۔ سمن سے تو تمہیں اندھی محبت ہے۔ نیا کا بھی لحاظ کرو گے۔ اس کی ماں کا بھی احساس کرو گے کہ تمہیں اس خاندان سے بہت ہمدردی ہے۔

مخدوموں کے ہاں شاداب کی بہن آجائے گی تو اس کا بھی سارا زور ٹوٹ جائے گا۔ ہمیشہ سر جھکا کر ہاتھ باندھ کر بات کرے گا۔ ہم تیرے سے پکا وعدہ کرتے ہیں نواب شاہ کی شوگر مل کی آمدنی کا پچیس فیصد نیا کی ماں کو ماہانہ دیں گے جب تک اس کے دونوں بچے کسی قابل نہیں ہو جاتے۔

پرانے وقتوں میں بادشاہ کو وارث ملتا تھا تو وہ چالیس دن عوام کو روٹی کھلاتا تھا۔ خزانے کا منہ کھول دیتا تھا تو کیا ہم وارث کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے؟''

سہیل سر جھٹک کر سگریٹ سلگانے لگا۔ مخدوم صاحب کی آواز کی بازگشت بھر سماعت سے ٹکرائی۔

''ماں باپ کی قدر کر سہیل۔ خزانے لٹا کر بھی یہ دولت نہیں ملتی۔ تو روگ لگا رہا ہے ماں باپ کو۔ زیادہ دن نہیں جئیں گے۔ ایسی کسی خوشی کا یقین ہی نہیں جو غم کم کردے، پیاس بجھادے۔''

سہیل کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ سمن اندر بیڈ روم میں تھی دروازہ بند تھا۔ وہ بالکنی میں آ کھڑے ہوئے۔ زیادہ رات ہونے کی وجہ سے ٹریفک کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ خاصی خاموشی تھی۔ دور پٹرول پمپ کی لائٹس جگمگا رہی تھیں۔ وہیں نظریں جم گئیں۔ دوسری شادی نیا سے...... یہ کہیں زیادہ بہتر ہے۔ برادری کی سیاست سے بھی بچیں گے

پھر زمینوں والی لڑکی سے شادی کرنا کوئی آسان بات تو نہیں۔ بھرے کو بھرنے کی بجائے اس طرف کیوں نہ دیکھا جائے جہاں کسی کو سہولت ملتی نظر آرہی ہو۔

سہیل کو ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے والدین کو زیادہ عرصے تک ان کی جائز خواہشات کے سامنے بند نہیں باندھ سکتے۔ ماں کی محبت، تڑپ، بیماری کا اثر ان کے دل پر کیوں نہ ہوتا آخر وہ ان کی حقیقی ماں تھی۔ جب سے حویلی سے واپس ہوئے تھے ایک کانٹا سا دل میں چبھا ہوا تھا ماں سے ملے بغیر واپس ہوئے تھے۔ کتنا تڑپی ہوگی۔

جس طرح سمن سے ان کو محبت ہے ان کے ماں باپ کو بھی تو ان سے ہوگی۔ بلکہ زیادہ شدید ہوگی کہ یہ وہ حقیقی رشتہ ہے جو قیامت تک مضبوط اور ان مٹ ہے۔

سمن کو سمجھانا ہوگا...... مگر کہیں وہ گھل گھل کر مر نہ جائے۔

نہیں تو پھر نیا کو سمجھانا ہوگا کہ وہ اچھے اسٹیٹس اور اپنی دوست کے لیے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے۔ مگر یہ تو بہت ناممکن سی بات ہے۔ وہ پھر اُلجھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

یہ پھر اسی طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ سمن کو پتہ ہی نہ چلے۔ اس کے ساتھ روٹین لائف گزارتے ہوئے آہستہ آہستہ مائنڈ میک اپ کیا جائے۔

دوسرے وہ شاداب...... ان کی ہٹ دھرمی سے ایک پورا گھر متاثر ہو رہا ہے۔ خدا معلوم مایوسی کی انتہا پر پہنچ کر مخدوم صاحب اس کے لیے کوئی انتہائی فیصلہ کرلیں۔

آخر شل اعصاب کے ساتھ وہ ایک فیصلے پر ٹھہر گئے۔

سمندر اُتر گیا...... بادباں لہرانے لگے۔

☆☆☆☆☆

''کیا بات ہے بہت چپ چپ ہو؟'' سمن ناشتہ لگا رہی تھی اور خیالوں میں کھوئی کھوئی نظر آرہی تھی۔ سہیل نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"رات نیند ہی نہیں آئی۔ آپ پاس نہیں تھے تو بس عجیب سی الجھن رہی۔" سمن بولی

"اچھا...... اصل میں مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا جاگتا رہوں گا تو سگریٹ سلگاتا رہوں گا اور تم ڈسٹرب ہو گی۔" سہیل نے ناشتہ شروع کرتے ہوئے وضاحت کی۔

"نیند کیوں نہیں آ رہی تھی آپ کو...... حویلی میں کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟" کھوج تو یوں بھی تھی۔ موقع ملتے ہی اس نے دل کی بات کی۔

"ہاں بس وہاں تو خاص باتیں ہی ہوتی ہیں۔"

"وہی آپ کی دوسری شادی" سمن نے تیزی سے بات کاٹ کر کہا

سہیل خاموش رہے۔

"میں تو آپ سے کب سے کہہ رہی ہوں کہ خواہ مخواہ آپ میری وجہ سے اتنی مشکلات اُٹھا رہے ہیں۔ مجھے آپ پر اعتماد ہے کہ آپ مجھے بہرحال بیچ منجدھار میں تو نہیں چھوڑیں گے لیکن آپ کا مسلسل انکار آپ کی زندگی کو مشکل سے مشکل تر بناتا چلا جائے گا۔" سمن نے بڑے پرسکون انداز میں کہا تو سہیل چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"بڑا حوصلہ کر رہی ہو؟" وہ بہت آہستہ آواز میں بولے

"آپ کی محبت کا امتحان ہے تو میری محبت کا بھی تو امتحان ہے اور پھر حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا ایک موڑ ایسا بھی آ سکتا ہے جب آپ کو اتنی بڑی محرومی کی ذمہ دار میں نظر آؤں گی۔ تو آپ کے دل میں نقش میری تصویر کے رنگ پھیکے پڑنے لگیں گے۔ اس لیے کہ اولاد انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے۔"

سہیل بہت خاموشی سے اس کی بات سن رہے تھے۔ انہوں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ سمن چائے تیار کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک اُداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

"جی بڑے مخدوم صاحب! آپ کی خاموشی معنی خیز ہے۔ کل رات کوئی فیصلہ ہو گیا کیا؟"

"ہاں ہو گیا...... اس فیصلے پر عمل درآمد ہوتے ہی سیلاب اُتر جائے گا اور بحالی کا کام شروع ہو جائے گا۔"

چمچ چلاتے چلاتے سمن کا ہاتھ ساکت ہو گیا جیسے قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہو۔

"بہت اچھا کیا...... یہ تو آخر ہونا ہی تھا۔ آپ نے یونہی اتنے دن مشکلات میں گزارے۔ میں تو حویلی ہی میں آپ کو اجازت دے چکی تھی۔ ہر انسان کی طرح سکون کی خواہش آپ کو بھی تو ہے۔ یہ ہر وقت کی اکھاڑ پچھاڑ تو یوں بھی مجھے مار دیتی۔ اگر اب دل کو کچھ کمی ہے بھی تو ساتھ کسی کو کچھ دینے کی خوشی بھی تو سہارا دے گی۔"

سہیل اب بھی خاموش رہے۔

سمن نے چائے کا کپ ان کے سامنے رکھا اور چند لمحے اپنی اُنگلیوں سے کھیلتی رہی۔ پھر کھنک کر گلا صاف کیا اور بولی "بس ایک درخواست ہے آپ سے......"

سہیل نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور چائے کا کپ اُٹھا کر سپ لینے لگے۔ "آپ دوسری شادی کے بعد اتنا خیال کیجیے گا کہ دوسری بیوی کا مجھ سے آمنا سامنا نہ ہو۔ حتیٰ کہ آپ مجھے اس کا نام بھی نہ بتائیں۔ اس طرح سے میں بہت بڑی روحانی کمزوری سے بچی رہوں گی اور زندگی بوجھل بھی نہیں لگے گی۔ آپ میرے ساتھ ہیں میرے لیے یہی بہت ہے۔"

سہیل کے ذہن کے اردگرد ایک جالا سا بنا ہوا تھا جسے سمن نے لمحے بھر میں کاٹ ڈالا جس نے کام نہایت آسان کر دیا تھا۔

"سمن! سروں پر حکومت کرنا آسان ہوتا ہے مگر دلوں پر حکومت کرنا بہت مشکل

ہے۔ میرے دل نے تمہیں اپنایا تھا۔ میرے گھر میں آسانی سے کوئی بھی آ سکتا ہے مگر دل میں تو نہیں۔ تم میرے مادی جسم کی نہیں روح کی ضرورت ہو۔ تمہارا وجود میرے لیے اطمینان کی انتہا ہے۔ یہ منصب تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔''

سمن نے بڑے ضبط سے اشک پیے۔

''مجھے یقین ہے سہیل! تب ہی تو ایک دن آپ کو دوسری شادی کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔''

''لیکن بہت مرتبہ ڈانواڈول بھی تو ہوئیں اسی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تو میں نے بابا سائیں سے ٹکر لی۔''

''آپ نے کیوں اتنی اہمیت دی؟ آپ فیصلہ کر لیتے۔ ہم بھی دل کو سمجھا ہی لیتے۔'' وہ اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''شراکت کا احساس کوئی مذاق بات تو نہیں ہوتی سہیل......''

سہیل خاموشی سے چائے کے سپ لیتے رہے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔

''سمن! مجھے آج ہی حویلی جانا ہوگا تا کہ رات تک شاداب اپنے گھر پہنچ جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ خالہ جان کہیں اسپتال نہ پہنچ جائیں۔''

''ٹھیک ہے۔ واقعی مجھے تو خود ان لوگوں کی بہت فکر ہے۔ نیا تو پتہ نہیں کیا کیا کوشش کر رہی ہوگی۔ جب فون کیا گھر پر ہی نہیں ملی۔ کس مصیبت میں پڑ گئی بے چاری ہم لوگوں کی وجہ سے۔'' سمن برتن سمیٹتے ہوئے تاسف سے کہہ رہی تھی۔

سہیل خاموش رہے۔

سمن نے ایک نظر سہیل کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا کر بے تاثر لہجے میں پوچھنے لگی۔

''شادی کر کے واپس آئیں گے یا کچھ دن لگیں گے ابھی شادی میں؟ بابا سائیں نے رشتہ تو دیکھ ہی لیا ہوگا۔ شاید بات چیت بھی کر چکے ہوں۔''

سہیل بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھے اور سمن کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ سمن کے خاموش آنسواِن کا گریبان بھگونے لگے۔

☆☆☆☆☆

''کہاں ہیں آپ کے ہونہار و قابل فخر صاحبزادے؟'' انجم علوی آگ بگولہ ہو کر لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے اور جیسے سبرینہ پر اُلٹ پڑے۔

وہ ایک دم دہل کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''خیریت!!! اپنے کمرے ہی میں ہوگا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔'' انہوں نے اچانک حربہ کے تحت اس کی ''طبیعت'' کا بھی ذکر کر دیا تا کہ غصے کی آگ کچھ دھیمی ہو۔

''کوئی طبیعت وبیعت خراب نہیں ہے...... ڈرامہ کر رہا ہے۔ نہ کام نہ دھام نہ کوئی ہر وقت دماغ میں خناس بھرا رہتا ہے۔ اتنی بددعائیں سمیٹے گا تو زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ بات سنو......!'' وہ بولتے بولتے خصوصی طور پر متوجہ کر کے بولے۔

سبرینہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اس سے پہلے کہ مرا بی پی شوٹ کر جائے...... میں پیرالائز ہو جاؤں یا میرا ہارٹ فیل ہو جائے اسے اسی وقت اس گھر سے روانہ کر دو۔''

''جی!!'' سبرینہ ہکا بکا سی ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''ہم دن رات اس لیے محنت کرتے ہیں تا کہ ہمیں سوسائٹی میں عزت کی نظر سے دیکھا جائے۔ لاقانونیت سے اس لیے بچتے ہیں تا کہ مرنے کے بعد لوگ عزت یاد

کریں۔ کیا ہم انسان نہیں ہیں؟ ہمارا دل نہیں چاہتا آرام کرنے کے لیے۔ ہم کیا انوکھی چیز کھاتے ہیں جو ہم تھکتے نہیں۔ ایسی ناشکری اولاد کو فوراً میرے گھر سے نکال دو۔ میں ایک لمحہ بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چوبیس سال سے سانپ کو دودھ پلا رہا ہوں۔ ارے میں کہہ رہا ہوں نکلوا سے کھڑی میری شکل کیا دیکھ رہی ہو۔ اگر زیادہ ہمدردی محسوس ہو رہی ہے تو تم بھی اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ جو بھی تمہارا قانونی حصہ بنتا ہے تمہیں مل جائے گا۔ اس پر چار دن بیٹے کو اور عیاشی کرا لینا۔'' انجم علوی بری طرح دھاڑے۔

سبرینہ تو گنگ کھڑی رہ گئی تھیں۔ ان کی تو جیسے عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ ایسی اچانک افتاد تھی۔ اسی لمحے رمیض تیزی سے زینہ اُترتا نظر آیا اور آ کر ماں کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پیشانی پر ناگواری کی علامت تھی ماں سے پوچھنے لگا۔

''واٹس اے پرابلم ممی؟''

''ارے بھئی! تم تو خود سب سے بڑی پرابلم ہو اس گھر کی۔ اپنی ضرورت کی چار چیزیں رکھو اور اسی وقت میرا گھر چھوڑ دو۔'' انجم علوی براہِ راست حملہ آور ہوئے۔

''ہونہہ!! میرا گھر...... میرے نانا کی دولت سے یہ سب بہار نظر آ رہی ہے۔ آپ کا گھر کہاں سے ہو گیا۔ خواہ مخواہ میری بے قصور ماں پر Shout کر رہے ہیں۔ یہ کوئی انسانیت ہے؟'' وہ ناراضگی سے گویا ہوا۔ سبرینہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہ کرنے لگیں۔

''واہ!! انسانیت...... تمہیں مطلب پتہ ہے انسانیت کا۔ تم تو درندے ہو۔ نفس کا غلبہ ہے تم پر۔ صرف اپنا فائدہ سوچنے والے خودغرض۔ نانا کی دولت...... تمہارے نانا کے پندرہ لاکھ کو دن رات کی محنت سے کروڑوں کے پھل پھول اُگائے ہیں اور ان پندرہ

لاکھ کا حساب صرف تم ماں بیٹے سے کروں تو تین لاکھ اکسرسائز کی مد میں تم دونوں پر خرچ ہو چکے ہوں گے۔ تمہاری ماں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔ عافیت اسی میں ہے کہ تم اسی وقت یہ گھر چھوڑ دو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ اب میرے دروازے پر تمہارا نام لیتا ہوا کوئی نہیں آنا چاہیے۔ شرم نہیں آتی ہاتھ کالے کر کے باپ سے بدتمیزی کرتا ہے۔'' وہ برا بھلا کہتے پھر سبرینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

سبرینہ ایک گھنٹے کے اندر اندر اسے یہاں سے روانہ کر دو۔ ورنہ میں تمہیں بتا رہا ہوں اسے دھمکی نہ سمجھنا...... یا تو اسے شوٹ کر دوں گا یا خود کو۔ اِٹس فائنل'' وہ یہ کہہ کر اپنے بیڈروم میں چلے گئے۔

سبرینہ لب بستہ سی کھڑی ان کو جاتا دیکھتی رہیں۔ پھر جیسے ہڑبڑا کر نیند سے جاگیں اور آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''یہ تو ہونا ہی تھا ایک دن اندازہ ہو رہا تھا مجھے۔'' وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے میں اوورکونفیڈنٹس ہو گیا ہوں گا۔ میں ان کی واحد اولاد ہوں انہیں اگنور کر کے کوئی سولیوشن نکالنا چاہیے۔''

نمو دیر سے کچن میں کھڑی یہ سب کچھ سن رہی تھی اور کانپ رہی تھی۔ اس نے ہوش سنبھالنے کے بعد آج پہلی مرتبہ انجم علوی کو پہلی مرتبہ اتنا دھاڑتے اور بدلحاظی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ضرور کچھ خاص بات ہوئی تھی کہ وہ کنٹرول کھو رہے تھے۔ رمیض کی بات سن کر اس نے دل ہی دل میں سبحان اللہ کہا۔ کیا قابل دید ڈھٹائی تھی۔

یعنی یہ کچرا پھیلائیں اور والد صاحب سمیٹیں۔ اس نے آگے بڑھ کر کولر سے گلاس میں پانی لیا اور ایک سانس میں چڑھا گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ سوکھے دھانوں پر پانی پڑا۔

''فی الحال تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم یہ گھر چھوڑ دو۔'' مسز علوی نے سنجیدگی وآہستگی سے رمیض سے کہا تھا۔ کوشش کی تھی کہ ان کی بات کوئی نوکر یا نمونہ سن سکے۔ مگر نموکو کچن میں سب کچھ سنائی دے رہا تھا۔

''میں تو نہیں جاتا۔ آپ ڈیڈی سے کہیں وہ کہیں اور شفٹ ہو جائیں۔ بہت لائف انجوائے کی ہے۔ اب میرا وقت ہے۔ یہ سب کچھ میرا ہے میں کیوں چھوڑ کر جاؤں......؟'' وہ برہم ہو کر بولا۔

''نئی نادانی مت دکھاؤ رمیض کوئی بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ میں انہیں سمجھا لوں گی۔ مگر اس وقت ان کو کوئی نہیں سمجھا سکتا۔''

''شوٹ کریں گے مجھے......؟'' وہ پھنکارتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''غصے میں انسان پاگل ہو جاتا ہے رمیض! یہ جتنے ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں ہنسی خوشی کے ماحول میں نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے اس میڈم عالیہ نے تمہارے ڈیڈی سے کوئی ایسی بات کی ہے کہ وہ اپنے کنٹرول میں نہیں ہیں۔ غصہ ذرا دھیما پڑے تو پوچھوں ان سے کیا بک رہی ہے وہ۔ شاباش تم اس وقت کچھ ضروری چیزیں پیک کرو اور کسی ہوٹل میں چلے جاؤ...... میں موبائل پر تم سے کونٹیکٹ رکھوں گی۔'' مسز علوی صورت حال سنبھالنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں استعمال کر رہی تھیں۔

''وہ تمہیں عاق بھی کر سکتے ہیں۔ میں جانتی ہوں ان کو غصہ کبھی کبھی آتا ہے مگر جب آتا ہے تو کوئی ان پر غالب نہیں آ سکتا۔'' رمیض کسی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے یہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ بات سمجھو...... بے وقوف! کسی طرح بلا تو ٹلے۔ چلو شاباش...... جلدی کرو۔ وہ غصے کی آگ میں نہیں غصے کے جہنم میں جل رہے ہیں۔'' مسز علوی اسے بازو سے پکڑ کر زینے کی سمت بڑھیں۔

''ممی اگر ڈیڈی نے مجھے عاق کیا ناں تو یاد رکھیں میں دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔ اس کو بھی اور اس کی موٹی گائے کو بھی۔ چھوڑوں گا نہیں۔ بتا دیجیے گا ڈیڈی کو......''

''تب ہی تو کہہ رہی ہوں بات بڑھاؤ نہیں ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو۔'' وہ بیٹے کی خوشامد کرتے ہوئے بولیں اور اسے آگے کی طرف چلنے پر مجبور کرنے لگیں۔

رمیض پورچ میں کھڑا ماں سے اُلجھ رہا تھا۔ ''میں نہیں جاؤں گا رکشہ ٹیکسی سے...... ڈرائیور سے کہیں مجھے پرل کانٹی نینٹل چھوڑ کے آئے۔''

اور وہ سمجھا رہی تھیں کہ تمہارا باپ تمہیں دیارِ غیر کے لیے الوداع نہیں کہہ رہا۔ گھر سے نکال رہا ہے۔ فی الحال تم کار یوز نہیں کر سکتے۔ وقتی غصہ ہے۔ یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ ابھی تم یہاں سے جانے کی کرو۔''

مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... اشتعال سے اس کا ذہن دہک رہا تھا۔ یہ سب ہونا اسے اپنی اعلیٰ درجہ کی توہین محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا اصرار تھا وہ شوفر کے ساتھ اپنی گاڑی میں جائے گا۔ مسز علوی کی بے بسی دیدنی تھی۔

اسی لمحے پورچ سے باہر کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ لمحہ بھر کو بحث مباحثہ ساکن ہو گیا۔ دونوں ماں بیٹا گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔

چوکیدار گیٹ سے باہر جھانک رہا تھا۔

پھر وہیں سے بولا ''میم صاحب! مہمان آئے ہیں''

مسز علوی تو ساری جان سے ٹھنڈی پڑ گئیں (ہائے اللہ! کہیں وہ موٹی تو نہیں آ گئی) انہوں نے سوچا ''کون ہے؟'' اندیشے سے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

''وہ...... پہلے بھی آئے ہیں۔ بی بی کا منگنی جن کے ساتھ ہوا ہے۔''

''وہ......'' مسز علوی نے اطمینان کی سانس لی۔ ''گیٹ کھولو...... مہمان کو بلاؤ''

گیٹ کھلا، ولید کمال اندر داخل ہوا اس نے کار باہر ہی کھڑی کی تھی کہ پورچ میں
تین کاریں پہلے ہی کھڑی تھیں اور گیٹ سے باہر نظر آ رہی تھیں۔
بلیک جینز اور کریم کلر ٹی شرٹ میں ملبوس وہ بہت فریش نظر آ رہا تھا۔ مسز علوی
رمیض کے ساتھ برآمدے کے آخری اسٹیپ پر کھڑی تھیں۔
''سیدھا ان کی طرف بڑھا اور مسز علوی کو سلام کرتے ہوئے مصافحے کے لیے
رمیض کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ رمیض کے چہرے پر اعلیٰ درجے کی بے مروتی اور بدلحاظی
صاف نظر آ رہی تھی۔ اس طرح اپنا ہاتھ ولید کمال کے ہاتھ میں دیا جیسے اس کی سات
پشتوں پر احسان کر رہا ہو۔
''ارے بھئی کہاں کی تیاری ہے؟'' اس نے بڑے خوشگوار موڈ میں سوٹ کیس کی
طرف دیکھ کر استفسار کیا اور دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مسز علوی تو نگاہ چرا گئیں اس
وقت ان کو سخت ترین خجل کا سامنا تھا۔ وہ زندگی کے بہت بڑے کرائسس سے گزر رہی
تھیں۔ سامنے ہونے والا داماد کھڑا تھا۔ اسے گرم جوشی سے خوش آمدید کہنا چاہیے تو
شادی سے پہلے تو عموماً گھرانوں میں داماد کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط کی جاتی
کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جائے کہ شادی کے بعد بیٹی کے لیے مشکل بن جائے۔
''آپ کی اس گھر میں وہ پوزیشن تو نہیں ہے کہ آپ آنے جانے کے بارے میں
دریافت کرنے لگیں۔ فرض کریں جہنم میں جا رہا ہوں۔ ویسے اتنی شرمیلی بنتی ہے۔
صاحب جب دل چاہا تشریف لے آتے ہیں۔ اس گھر میں دوسروں کے لیے بھی
ہے۔'' رمیض تو گویا اس وقت احساس توہین سے ذہنی توازن کھو چکا تھا۔ آن کی آن میں
باپ کے گھر کا غرور اور باپ کے مال کا فخر چھن گیا تھا۔ ہوش و حواس کیسے قائم رہتے
ولید کمال تو ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''واٹس اے پرابلم مسٹر! آپ کس لینگویج میں بات کر رہے ہیں؟'' میں نے
یہاں آنے کی باقاعدہ پرمیشن لی ہے۔'' ولید کمال برہم تاثرات کے ساتھ گویا ہوا۔
''ہاں! اس گھر میں لوگوں کو ہر طرح کی پرمیشن حاصل ہے۔'' رمیض زہر خند کے
ساتھ گویا ہوا۔
''آبجیکشن ...... ہر طرح کی نہیں۔ انسان کو حدود کا شعور ہونا چاہیے۔ گدھے
گھوڑے برابر نہیں ہوتے۔''
''آنٹی! یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ لگتا ہے یہ اس رشتے سے خوش نہیں
ہیں؟'' ولید کمال اُلجھن بھری نظروں سے مسز علوی کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔
''ارے نہیں بیٹا! یہ ذرا ڈسٹرب ہے۔ تم مائنڈ نہیں کرو۔ چلو آؤ اندر ڈرائنگ روم
میں۔ سوری بیٹا! اگنور کر دو۔ اب تم اس گھر کے ایک فرد ہو خود کو غیر نہ سمجھو۔ یہ تمہارا گھر
ہے۔ تم پر یہاں آنے جانے کی کوئی پابندی نہیں ہے۔
پلیز بیٹا! ٹیک ایزی......'' مسز علوی تو عجیب عذاب میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ رمیض کو
چھوڑ ولید کمال کو سنبھالنے میں لگ گئیں۔
''جی میں فیل کر رہا ہوں کہ کوئی مسئلہ ہے۔ آپ لوگ خاصے ڈسٹرب ہیں۔ ٹھیک
ہے میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔ آپ لوگ اپنی پرابلم سولو کریں۔ نو پرابلم اوکے؟'' مسز
علوی نے بے اختیار ولید کمال کا بازو تھام لیا۔
''او...... نہیں پلیز! تم بیٹھو ولید میں تمہارے لیے چائے بنواتی ہوں۔ کوئی ایسا
خاص مسئلہ نہیں ہے۔ یہ جا رہا ہے...... میں آتی ہوں ابھی ڈرائنگ روم میں۔ بیٹا پلیز!
آنٹی کی بات نہیں مانو گے؟ آنٹی بھی نہیں اب تو تم مجھے اپنی ماں ہی سمجھو بیٹا!'' مسز علوی
بہت پریشان اور اُلجھی ہوئی تھیں۔ مگر بڑے صبر و ضبط سے صورت حال قابو میں کرنے کی

کوشش کر رہی تھیں۔ رمیض کی بدتمیزی کے بعد تو اچھا خاصا کام بڑھ گیا تھا۔

ولید کمال نے چند ثانئے سر جھکا کر کچھ سوچا۔ پھر رمیض کے سوٹ کیس پر ایک نظر ڈال کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

''بھاگ جاگ گئے کلو کے ہمارے گھر میں آ کر۔ مالک خیمے سے باہر اُونٹ اندر۔'' وہ سوٹ کیس اُٹھا کر پاؤں پٹختا باہر کی سمت چلا۔ پھر تھوڑا آگے جا کر رُکا اور پلٹ کر دل شکستہ ماں سے مخاطب ہوا۔

''ممی دو چار روز میں سب ٹھیک ہو جانا چاہیے...... ورنہ پھر بعد میں مجھے کچھ مت کہیے گا۔'' مسز علوی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے تسلی دی۔ وہ گیٹ پار کر گیا۔

مسز علوی نگاہ بچا کر ڈرائنگ روم کے بجائے نمو کے کمرے کی طرف گئیں۔ آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

نمو نے دروازہ کھولا اور مسز علوی کو سامنے پا کر ایک لمحے کو بری طرح گھبرا گئی۔ کچھ ان کے چہرے کے تاثرات بھی غیر معمولی تھے۔

''خیریت ممانی جان......؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں ہاں!! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خیریت ہے۔ وہ ولید کمال ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے اُسے انٹرٹین کرو۔ میں ذرا فریش ہو کر ٹیبلیٹ لے کر آتی ہوں۔ انہوں نے اسے ایزی کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹیبلیٹ......؟ کس چیز کی ممانی جان......؟'' تھوڑی دیر پہلے کے واقعے سے بہت زیادہ سہمی ہوئی تھی۔ تشویش سے مسز علوی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آج گھر میں جو صورت حال تھی اس کے سبب ولید کمال کی آمد کی خبر نے بھی دل میں کوئی ہلچل نہیں مچائی۔ انجم علوی کے چیخنے دھاڑنے سے تو وہ بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔

''ایسے ہی سر میں درد ہے۔ کبھی کبھی ایک دم سے بی پی شوٹ کر جاتا ہے تو لے لیتی ہوں۔ تم جاؤ...... وہ اکیلا بور ہو رہا ہوگا۔ تمہارے ماموں جان کو تو فی الحال میں ڈسٹرب نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے شاید وہ سو رہے ہیں۔''

''وہ...... رمیض بھائی......!!'' نمو نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''چلا گیا......'' مسز علوی کے لہجے میں گہرے دُکھ کی کاٹ تھی۔

نمو کے دل پر بھی ایک عجیب سا بوجھ آ پڑا۔

اس نے بے اختیار مسز علوی کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں ممانی جان...... ماموں جان کا غصہ اُتر جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ہاں بیٹے دعا کرو۔ اس لڑکے کو تو اپنے بھلے کا شعور ہی نہیں۔ کسی رشتے کا پاس نہیں۔ سوائے دولت کے اس کے دماغ میں کوئی دوسری بات ہی نہیں۔ میں کب تک دونوں باپ بیٹے کے درمیان آڑ بن کر کھڑی رہوں گی۔'' مسز علوی کی آواز بھرا گئی پھر وہ رکیں نہیں تیزی سے پلٹ گئیں۔

نمو نے گہری سانس لے کر اپنا دوپٹہ درست کیا اور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

آج طرزِ ملاقات ہی دوسری ٹھہری۔

نمو کی تمام لطیف حسیات خوف و اندیشے کی آغوش میں آنکھیں موندے پڑی تھیں۔ دوسری جانب ولید کمال شک و شبہات کی آندھیوں کی زد میں تھا۔

''السلام علیکم!'' نمو نے سنجیدگی و وقار سے سلام میں پہل کی۔

ولید کمال نے آہستگی سے نظریں اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ ملگجے کپڑے، اُلجھے

ہوئے بال۔ جتنی دیر اسے ڈرائنگ روم میں آنے میں لگی اتنی دیر میں تو تھوڑا بہت حلیہ درست کیا جا سکتا ہے۔ اس کی نگاہ میں اُلجھن واضح تھی۔

''وعلیکم السلام! آپ خیریت سے ہیں ناں...... لگتا ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کی؟'' ولید کمال کے لہجے میں عجیب سی کھوج تھی۔

''نہیں...... نہیں۔ اللہ کا شکر ہے میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

''یہ آپ کا کزن کیا محاذ پر جا رہا ہے؟ آپ کی ممانی جان اسے رخصت کرتے ہوئے بہت اپ سیٹ نظر آ رہی تھیں اور یہ الگ بات کہ سیٹ تو آپ بھی نظر نہیں آ رہیں۔

ولید کمال ماحول دیکھ کر اور پورچ میں رمیض کا انداز دیکھ کر اچھا خاصا اپ سیٹ ہو رہا تھا۔

''میں نے کہا ناں ایسی کوئی بات نہیں۔ رمیض بھائی تو اکثر کہیں نہ کہیں جاتے ہی رہتے ہیں۔'' نمو نے بڑی مشکل سے بات کی۔

''رمیض بھائی!'' ولید کمال کا لہجہ بلا کا معنی خیز تھا مگر نمو کی اُڑان اتنی نہیں تھی کہ وہ چونکتی یا نوٹ کرتی۔ سادگی سے اپنی اُنگلیوں سے کھیلتی رہی۔

''آج آپ کے رمیض بھائی نے میری بہت عزت افزائی کی۔ کہیں آپ نے انہیں رازدار تو نہیں بنا لیا؟ ہماری حقیقت جان لینے کے بعد کسی سے اسی قسم کی عزت افزائی کی توقع کی جا سکتی ہے۔'' وہ بڑی زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

نمو کے سر پر تو جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا۔ حواس باختہ سی ہو کر ولید کمال کی طرف دیکھنے لگی۔ پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

پھر اپنی کیفیت پر خود ہی شرمندہ ہو کر خود کو متوازن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی

''اس طرح کا سمجھتے ہیں آپ مجھے؟'' وہ ملول سی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''میں تو خود عاجز آ چکا ہوں۔ اس دنیا میں انسان سمجھتا کچھ ہے نکلتا کچھ ہے۔ میں ...اقدام خودکشی کے بارے میں بہت سوچا ہے۔ آخر یہ کون لوگ ہیں جو زندگی کو اتنی ...ارت سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ جبکہ انہیں آگے کا بھی کچھ علم نہیں۔ موت کا ادراک و شعور ...نہیں کہ زندگی کا اگلا دروازہ موت کے عنوان سے کس سمت کھلتا ہے۔ زندگی کے بعد موت مٹ جانے کا نام ہے یا کوئی نیا مرحلہ شروع ہو رہا ہے۔''

''معاف کیجیے گا میں آپ کی بات کاٹ رہی ہوں۔ بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے موت و زندگی کا فلسفہ بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے اور یہ کہ زندگی کے بعد ہر ذی نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس کے بعد قیامت کا دن طے ہے جیسے حساب کتاب کا دن یا یوم النشور بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی دوبارہ زندگی کے شعور کے ساتھ نئی زندگی۔

کیا جس مذہب کے آپ علمبردار ہیں اس مذہب پر آپ کا عقیدہ مضبوط نہیں؟'' ...نمو کو اس کی نازک موضوع پر تذبذب کی کیفیت بہت کھلی تھی۔

''آپ میری بات ہی نہیں سمجھیں۔ میں خودکشی کرنے والے کی ذہنیت کیفیت کا تجزیہ کرتے ہوئے بات آگے بڑھا رہا تھا کہ خودکشی کرنے والے اور خودکشی کا ارادہ کر کے خود کو روکنے والے جو اقدامِ خودکشی کر لیتے ہیں ان کی ذہنی حالت آئی مین سائیکالوجی ...اور جو اذیت کی انتہا پر زندگی سے نفرت کرنے کے باوجود خود کو خودکشی سے باز رکھتے ہیں ...بنیادی ایمان کی قوت ہی ہوتی ہے جو انہیں اذیت برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے اور ...حرام موت مرنے سے بچا لیتی ہے۔ میں خود اپنے آپ کو ہر وقت ترازو میں تولتا رہتا ...ہوں جیسے کہ اس وقت آپ لوگوں کے مختلف، عجیب اور معنی خیز رویوں نے میرے دل و دماغ کی دنیا تہس نہس کر دی۔ یعنی ایک معمہ سا جسے سلجھانے کی ہر کوشش بے سود۔ مسلسل

سفر کے بعد آخری راستہ وہ بھی بند گلی۔ اسی مقام پر انسان کو خیال آتا ہے کہ کیا رت زندگی سے اچھی نہیں ہوگی؟ یہ کتنا روح فرسا احساس ہے کہ آپ ٹھنڈی ہوا کی طلب میں کھڑکی کھولیں اور کھڑکی کھلتے ہی لو چلنے لگے۔ میری کچھ اچھا حاصل ہونے کی آس ٹوٹ رہی ہے نعمت۔ مجھ سے کچھ مت چھپائیں آپ؟ صاف صاف بتائیں رمیض آپ کے اور میرے رشتے سے خوش نہیں ہے......؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس نے میری انتہائی انسلٹ کی ہے۔ کوئی مارجن نہیں رکھا۔ کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ دروازہ بند نہیں کیا لاک کر دیا ہے۔ اگر آپ لوگوں کا انٹرنل افیئر تھا تو آپ تک محدود ہونا چاہیے تھا آنے والے گیسٹ پر اس کا اثر نہیں پڑنا چاہیے تھا۔ مگر اُس نے ڈائریکٹ مس بی ہیو کیا۔ آپ کے اور میرے مشترکہ مستقبل کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ مجھ سے کھل کر بات کریں۔ بتائیں اس نے ایسا کیوں کیا؟'' ولید کمال نہایت سنجیدگی اور رعایت سے عاری لہجے میں بات کر رہا تھا۔ نمو کی تو ٹانگیں کانپنے لگیں، عقل خبط ہونے لگی۔ وہ بہت صاف اور سیدھی بات کر رہا تھا مگر نمو کو یوں محسوس ہوا جیسے Math میں انتہائی کمزور بچے کو الجبرا کا دقیق فارمولہ پروف کرنے کو دے دیا گیا ہو۔

حلق خشک ہو گیا۔ شدت سے پانی کی طلب ہوئی مگر بے بسی سے اپنے پاؤں پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ اس پر قیامت کہ وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر بھول چکا تھا کہ پلکیں بھی جھپکتے ہیں۔ شاید سانس لینے کا عمل بھی اسے شاق گزر رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد کسی نتیجے پر پہنچنے کا خواہش مند تھا۔

''آپ کی خاموشی مجھے مزید اُلجھا دے گی۔ آپ پورے کونفیڈنس سے مجھ سے بات کر سکتی ہیں نعمت۔'' وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں پھر مخاطب ہوا۔

''وہ...... بب...... بس...... گھروں میں مسئلے ہو ہی جاتے ہیں۔ آپ اتنا سیریس نہیں۔ ان کی تو عادت ہی ایسی ہے۔ خود سری بہت ہے...... اکلوتے ہیں ناں۔'' آخر نمو کو مناسب جواب سوجھ ہی گیا۔ جواب دیتے ہی اوسان بھی بحال ہونے لگے۔

اسی دوران مسز علوی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور بہت رواداری اور خوش اخلاقی سے مسکرا کر نمو سے مخاطب ہوئیں۔

''ارے نمو! تم نے ابھی تک ولید کو چائے نہیں پلائی۔ حد ہو گئی۔ گرم گرم پکوڑے ہی کھلا دو اپنے ہاتھوں سے بنا کر۔'' پھر ولید کمال سے بولیں

''یہ پکوڑے بہت مزے کے بناتی ہے۔ ہمارے ہاں بازار سے تو پکوڑے اسنیکس وغیرہ آتے ہی نہیں ہیں۔ سب کچھ یہ خود بناتی ہے۔''

ولید کمال جواب میں خاموش رہا۔ نمو موقع غنیمت جان کر جلدی سے باہر چلی گئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی مسز علوی نے ولید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر معذرت کی۔

''سوری ولید! رمیض کی طرف سے میں معذرت کرتی ہوں۔ میں تو خود عاجز ہوں اس کے موڈ سے۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ نیکسٹ ٹائم تم اس سے ملو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ یوں ملے جیسے کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ احساسِ ذمہ داری نہیں ہے۔ بچہ بنا ہوا ہے ابھی تک۔'' مسز علوی نے دل و جان سے کوشش کی کہ ولید کمال آج کے واقعے کو اہمیت نہ دے۔ مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا اپنی ریسٹ واچ کو مسلسل دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

نیا چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ عقل ساتھ نہ دے رہی ہو۔ اس نے آج کھانا بھی نہیں کھایا گیا تھا۔ ذہن مسلسل شاداب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اُف! کیا حال ہو چکا ہوگا اب تک اُس کا......

اسے دل میں کوئی پن سی چبھتی محسوس ہوئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس پرے خود پر پڑی افتاد۔ اس نے کروٹ لی اور بازوؤں میں منہ چھپا کر آنسو بہانے لگی۔

دروازے پر دستک پڑی تو وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھی۔ جب تک وہ اس کمرے میں تھی ہر دستک معنی خیز تھی۔ اس نے سوچا مخدوم صاحب کو کوئی نیا آئیڈیا سوجھا ہوگا اور اسے طلب کیا ہوگا۔ نوکرانی پیغام لے کر آئی ہوگی۔

سب ٹھیک ہے...... سب منظور ہے۔ شاداب کو آزادی کا احساس ملنا چاہیے۔ اس کی ماں کو سکون ملنا چاہیے۔ کیا ہو جائے گا دو بول پڑھ کر ایک کونے میں پڑی رہوں گی۔ میرے کون سا خواب ہیں...... میری کون سی تمنائیں ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے تو جی رہی ہوں۔ میں نے کب اپنا گھر بسانے کے خواب دیکھے ہیں۔

وہ جذبات کی تند آندھی میں گھری اپنی جگہ سے اُٹھی اور کھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

مگر اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ سامنے مخدوم سہیل کھڑے تھے۔

"السلام علیکم! آپ......" وہ بے ترتیب سا بولتی ہوئی بستر کی طرف بڑھی اور دوپٹہ اُٹھا کر ٹھیک سے اوڑھنے لگی۔

"وعلیکم السلام! آپ پلیز دو منٹ کے لیے ڈرائنگ روم میں آئیں۔" وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ کر پلٹ گئے۔ نیا رکی نہیں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ سہیل ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آپ کب آئے......؟ آپ تو غالباً چلے گئے تھے۔" نیا تذبذب کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

"ہوں چلا گیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی پہنچا ہوں۔ خاص طور پر آپ سے

ضروری بات چیت کرنے کی نیت سے۔ اس وقت جو کچھ میں آپ سے کہہ رہا ہوں آپ حوصلے اور سکون سے سنیں۔ اس کے جواب میں پھر آپ جو کچھ کہنا چاہیں گی اسی اسپرٹ سے پھر میں سنوں گا۔" سہیل اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

نیا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ نت نئے اندیشے ہولانے لگے۔ اتنی رات کو مجھ سے ضروری بات کرنے آئے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ اللہ کرے شاداب خیریت سے ہو۔ اس نے دل ہی دل میں دعا کی اور سہیل کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ بار بار پیشانی سے پسینہ بھی پونچھتی جاتی تھی۔

"نیا! مجھے آپ سے یہ بات کرتے ہوئے بہت دکھ محسوس ہو رہا ہے۔" سہیل نے بات شروع ہی کی تھی کہ نیا نے تڑپ کر کاٹ دی۔

"وہ شاداب تو خیریت سے ہے ناں...... دیکھیں آپ کے ہوتے ہوئے اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" سہیل نے ہاتھ اُٹھا کر اشارے کی زبان میں اس کو تسلی دی۔

"آپ یہ اطمینان رکھیں کہ جب تک آپ حویلی میں موجود ہیں انشاء اللہ شاداب کو کچھ نہیں ہوگا۔ بات تب بگڑے گی جب آپ حویلی والوں کو مایوس کر کے یہاں سے چلی جائیں گی۔ اس لیے کہ پھر میں بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔ میں برسوں سے یہاں کے ماحول سے بہت دور رہا ہوں۔ میں نے زیادہ عرصہ ملک سے باہر گزارا ہے۔ تقریباً تیرہ چودہ سال۔ وہ آپ جانتی ہی ہیں کہ میں نے باہر اسٹڈی کی ہے۔ میں یہاں کے سسٹم سے قطعی الگ تھلگ رہا ہوں۔ بہت سے معاملات آج بھی میری نظروں سے اوجھل ہیں۔"

"پھر اور کون سی ضروری بات ہے۔" نیا کے دل کو اطمینان ہوا تو وہ سکون سے بات کرنے لگی۔

سہیل سر جھکا کر کسی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر سر اُٹھا کر سرسری نظر نیا پر ڈالی اور بولے

''آپ جانتی ہیں کہ میں اور سمن آج کل بہت بڑے کرائسس سے گزر رہے ہیں۔ یہ دولت اب ہمارے لیے نعمت کے بجائے سزا بن رہی ہے۔ زمینداروں کے ہاں وارث کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ فطری خواہش ہے۔ اگر سمن سے میری لومیرج نہ ہوئی ہوتی تو شاید کافی پہلے میرے اندر بھی ذہنی انقلاب آچکا ہوتا اور یہ حقیقت ہے کہ اولاد کی زنجیر نہ ہونے کے باوجود میری نظر میں سمن کی آج بھی وہی اہمیت ہے جو اس سے شادی کرتے وقت تھی۔

اس کرائسس کے دوران ایک بات مجھے بہت پنچ کرتی رہی کہ جس طرح سمن سے مجھے گہری محبت اور لگاؤ ہے اسی طرح میری ماں بھی تو مجھ سے بہت کرتی ہے اور میں خودغرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اپنے دل کا خیال رکھ رہا ہوں۔ اگر میں اور سمن باہمی تعاون سے ان کو وہ کچھ دے دیں جو یہ چاہ رہے ہیں تو بہت سے لوگوں کو سکون مل جائے گا۔ شاید سمن کے اس قسم کے تعاون کے بعد تو اس کا اور میرا رشتہ اور مضبوط ہو جائے گا۔ مجھے ہر دم اس کی قربانی کا پاس رہے گا۔ اس لیے کہ حالات نے جو رُخ اختیار کیا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔'' نیا نے بہت توجہ سے سنتے ہوئے گہری سانس لی۔

''گویا آپ نے دوسری شادی کا فیصلہ کرلیا؟ تو یہ باتیں تو آپ کو سمن سے کرنا چاہیے تھیں آپ مجھ سے کیوں کر رہے ہیں؟'' اس نے اب ذرا تعجب سے سوال کیا۔

''اس لیے کہ میں دوسری شادی آپ سے کر رہا ہوں۔''

ایک لمحے کو تو نیا کو کچھ سمجھ ہی نہ آئی۔ ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''شاداب کی رہائی کے لیے یہ بابا سائیں کی شرط ہے۔'' سہیل دھیرے سے بولے

''یہ کیا بات ہوئی؟ آپ کے اپنے خاندان میں بھی تو بہت سی لڑکیاں ہیں۔ بلکہ میں نے تو سنا ہے کہ آپ کے کچھ قریبی رشتے دار خود آپ کے ہاں رشتہ کرنے کے خواہشمند ہیں۔'' نیا نے بہرحال خود پر قابو پا کر حقیقت کو فیس کرنے کی کوشش کی اور اپنی اُلجھن بیان کی۔

''ہاں! مگر اس طرح میں بہت باؤنڈ ہو جاؤں گا۔ سمن اور زیادہ مسائل میں گھر جائے گی۔'' وارث دینے کے بعد وارث کی ماں مجھے ہر طرح سے بلیک میل کر سکتی ہے۔ میں اپنی برادری کے لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ سمن کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے میں آزاد نہیں رہوں گا۔ جب کہ میں اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

نیا پٹر پٹر ان کی طرف دیکھتی رہی۔ جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ وہ اپنی بات کن الفاظ میں ان تک پہنچائے۔ ایک دھچکہ سا لگا تھا دل پر۔

''دوسری شادی کرنے کے بعد دوسری بیوی کے ساتھ آپ کا کیا معاملہ رہے گا؟''

''وہ آزاد ہوگی۔ اس پر گھریلو ذمہ داریاں اور شوہر کی ضروریات کا خیال رکھنے کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ اس کا اپنا ذاتی گھر ہوگا جہاں وہ اپنی مرضی سے زندگی گزارے گی۔''

''سمن نے یہ بات مجھے کئی مرتبہ بتائی ہے کہ نیا شادی کی خواہش نہیں رکھتی۔ کہتی ہے وہ اس گھر کا مرد ہے۔ اسے ابھی اپنی فیملی کے لیے بہت کچھ کرنا ہے...... تو ٹھیک ہے۔ شادی آپ کو باؤنڈ نہیں کرے گی۔''

''اتنا آسان ہے یہ سب کچھ......؟''

''ہاں! فیصلہ کی گھڑی سے پہلے سب کچھ مشکل اور ناممکن ہوتا ہے اور فیصلے کے بعد

سب کچھ آسان۔"

"آپ مائنڈ مت کیجیے گا۔ میری حیثیت ایک بیوی کی تو نہیں ہوگی۔ میں تو "رکھیل"(داشتہ) ہوں گی پھر......"

"ارے نہیں...... آپ کو اس کا مطلب پتہ نہیں۔ رکھیل تو وہ ہوتی ہے جس کے پاس مرد اپنی شرعی و قانونی بیوی کا حق مار کر آتا ہے۔ قانون و اخلاق کے ضابطے توڑتا ہے۔ آپ سے بات کرنے سے پہلے میں اپنی بیوی سے بات کر چکا ہوں۔ اس کی اجازت کے بعد بات آگے بڑھا رہا ہوں۔

"آپ...... آپ ثمن سے سب کچھ کہہ چکے۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ثمن نے یہ سب کچھ جان کر بھی آپ کو اجازت دے دی۔" حیرت و دکھ سے نیا کی حالت غیر ہونے لگی۔

"اس نے مجھے دوسری شادی کی اجازت دی ہے۔ ایکس، وائی، زیڈ کسی بھی خاتون سے اسپیشلی آپ کے بارے میں اس سے کچھ ڈسکس نہیں ہوا۔" سہیل نے سنجیدگی و وقار سے جواب دیا۔

"اور یہ نہیں سوچا آپ نے کہ اگر ایسا ہو گیا اور بعد میں اسے پتہ چلا تو دکھ سے اس کی کیا حالت ہوگی۔ میں اس کی نظروں میں گر جاؤں گی۔ دنیا سے اس کا اعتماد اُٹھ جائے گا۔"

"ایسا تب ہوتا جب میرا آپ سے افیئر چلنے کے بعد شادی ہوتی۔ میں تو رہوں گا اسی کے ساتھ تو وہ کیوں ری ایکٹ کرے گی۔"

"شاداب کا کیس اسے بھی پتہ ہے۔ اسے بھی زندہ شاداب چاہیے۔ بابا صاحب نے اپنے کیس میں شاداب کو مہرہ بنا کر استعمال کیا ہے۔ آپ میں بہت کچھ برداشت

پڑے گا۔ اس لیے کہ یہ صورتِ حال میری جذباتیت کی وجہ سے پیدا ہوئی اور ایک بے گناہ خاندان خواہمخواہ متاثر ہوا......

بس مجھے یہی بات کرنا تھی آپ سے۔ میں بابا صاحب کو صبح یہ سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے شاداب رہا ہو کر اپنے گھر جائے گا۔ اس کے بعد...... آپ چاہیں تو خالہ جان کو یہاں بلا کر سب کچھ بتا دیں تاکہ جو بھی سادہ سی تقریب ہو اس میں وہ بھی شریک ہوں۔"

"امی سے تو بھولے سے بھی ذکر مت کر دیجیے گا۔ خدانخواستہ انہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ماں ہیں میری۔ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں میرے لیے بہت اچھے خواب دیکھتی ہیں۔" بات کرتے کرتے نیا کا دل بھر آیا۔ پھر وہ بول نہیں سکی خود کو سنبھالنے لگی۔

سہیل گھڑی پر نظر ڈال کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"وہ ایک منٹ...... میں امی کو شاداب کی رہائی کی خوشخبری تو سنا دوں؟" اس نے جاتے ہوئے سہیل کو روکا۔ موبائل تو ہوگا آپ کے پاس۔

سہیل نے ابرو اُٹھا کر بہت متانت سے اُس کا چہرہ دیکھا۔

"حویلی میں قدم قدم پر فون سیٹ رکھے ہیں۔ آپ جدھر سے مرضی اور جتنی مرضی بات کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ کا بھائی اپنے خاندان کے لیے نعمت ثابت ہو۔ آمین"

سہیل باہر چلے گئے۔ پندرہ بیس منٹ بہت سی باتیں ہوئیں۔ جو ابھی تک گڈمڈ تھیں۔ مگر حاصل وصول یہ تھا کہ نیا خود کو پھول کی طرح ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کسی طرف سے اچانک شاداب نکلتا نظر آئے اور وہ دوڑ کر اپنے سینے سے لگا لے۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دے۔ اللہ کرے کسی بہن سے اس کا بھائی جدا نہ ہو۔ اسے سکون وخوشی کا حقیقی ادراک حاصل ہوا۔ تو دل سے دعا مانگی۔

☆☆☆☆☆

''ہیلو!!! امی...... نیا بات کر رہی ہوں۔ السلام علیکم''

''جی...... جی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپ کو خوشخبری سنانا تھی۔ شاداب صبح تک گھر پہنچ جائے گا۔''

''میں...... میں ابھی حویلی میں ہوں۔ یہاں سب لوگ میرا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔ مجھے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہے۔ میں پرسوں صبح تک آپ کے پاس آجاؤں گی۔ دعا کیجیے۔''

''جی جی...... میں نے آپ سے کہا ناں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ وہ میں نے مخدوم صاحب سے اپنی نوکری کے لیے بھی کہا ہوا تھا۔ جب سمن یہیں تھی تب سے کہہ رہی ہوں۔ اس وجہ سے مجھے ایک دو دن لگ رہے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔''

''اچھا...... امی خدا حافظ۔'' اس نے مزید سوالات سے بچنے کے لیے جلدی سے خدا حافظ کہہ دیا۔ رسیور رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

وسیع لاؤنج میں بیٹھ کر حویلی کا بہت سا حصہ ایک نظر میں سامنے آجاتا تھا۔ وہ ادھر اُدھر نظر دوڑانے لگی۔

شاندار و مضبوط تعمیر، قیمتی اشیاء، قدم قدم پر ایرانی قالین و غالیچے۔ بڑے بڑے مخملی گاؤ تکیے، کشن، انٹیک قسم کی اشیاء و فرنیچر۔ بڑے بڑے ریشمی پردے۔

یہ سب اس کے اختیار میں آرہا تھا لیکن کس طرح؟

''کاش اسے کسی سے محبت ہو جاتی۔ کاش کوئی اس سے محبت کرتا۔ تو یہ زندگی اینٹیں چننے کی مزدوری میں تو صرف نہ ہوتی۔ زندگی کا کوئی مقصد نہیں تو چلو یونہی سہی اینٹیں چنتے ہیں۔ دوسروں کے لیے گھر تعمیر کرتے ہیں، مزدوری کر کے ایک طرف جا کر

خوب رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھو کر دو روٹی کمائیں۔ پھر کہیں کسی کونے میں ٹانگیں سیدھی کر کے گہری نیند سو جائیں۔

اس دنیا میں ہر کوئی اپنے ذمہ لگا کوئی نہ کوئی کام انجام دے رہا ہے۔ شاید ہم اس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نوکری اتنی بری بھی نہیں۔ کام کٹھن ہے مگر تنخواہ بھی اچھی ہے وہ بھی سہولتوں کے ساتھ۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ آنکھیں نم تھیں۔

☆☆☆☆☆

''سبرینہ پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ بہت بڑے بگاڑ سے بچنے کے لیے بولڈ اسٹیپ لینا ہوں گے۔ ورنہ ہم خدانخواستہ ہر طرح سے خالی ہو سکتے ہیں۔ اس ملک میں عموماً دولت مندوں کی اولاد اسی قسم کی حرکتیں کر رہی ہے۔

خود ہی سوچو یار! بغیر دماغ تھکائے، ہاتھ پاؤں ہلائے، دنیا جہان کی نعمتیں میسر آ رہی ہوں تو کس احمق کا دل چاہے گا کہ وہ مزے چھوڑ کر محنت کرے۔

چار روز اسے باہر دھکے کھانے دو۔ تھوڑے دن اسے جنت سے باہر کر کے حقیقت کی دوزخ سے تعارف کراؤ۔'' انجم علوی آنسو بہاتی بیگم کو رسانیت سے سمجھا رہے تھے۔

''اس مرتبہ آپ اسے معاف کر دیں۔ انشاءاللہ آئندہ......''

''نہیں سبرینہ بہت ہو چکا۔ تمہیں پتہ ہے اس بلیک میلر عورت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کن کن لوگوں کے دروازے بجانا پڑ رہے ہیں۔ وہ لوگ جن کے ساتھ میں نے کبھی پانی پینا گوارا نہ کیا۔ آج میں ان سے ملنے کے لیے ٹائم مانگ رہا ہوں۔ باقاعدہ ریکویسٹ کر رہا ہوں۔ کیا کیا ہے میں نے جو اس ذلت سے گزر رہا ہوں۔ کیا یہ دولت میں نے ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہے؟ ہیروئن فروخت کرتا ہوں یا

اسمگلنگ کرتا ہوں۔ میری پوری زندگی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔
تمہارے والد نے دولت مندوں کو نظرانداز کر کے تمہارے لیے میرا انتخاب کیا تھا۔ کیا دیکھا تھا انہوں نے صرف میری محنت اور دیانتداری۔ اس کے باوجود اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں زمانے بھر کی ذلت سے دوچار ہوں۔ وہ موٹی دھمکی دیتی ہے کہ وہ بچہ لے کر انصار برنی ٹرسٹ میں جائے گی اور بچے کے رائٹ کے لیے اخباری جنگ کرے گی۔"

"نہیں سبرینہ! خواہ تم مجھے چھوڑ دو مگر میں اب کوئی رِسک نہیں لوں گا۔ اگر تم نے خفیہ ذرائع سے اس کو ہیلپ دی تو یاد رکھو مزید گہرا گڑھا کھودو گی۔ خود بھی گرو گی اور اسے بھی گراؤ گی۔ دنیا و آخرت میں اس کی سب سے بڑی مجرم اس کی اپنی ماں ہوگی۔ کوئی محنت کرنے سے مرتا نہیں ہے۔ وہ بھی نہیں مرے گا۔ البتہ بیٹھے بیٹھے ہائی کیلوریز لینے سے بندہ مر سکتا ہے۔" وہ یہ کہہ کر عجلت کے انداز میں کوٹ پہننے لگے۔

مسز علوی بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ مگر اب الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"پتہ نہیں اس سوسائٹی میں کتنے اِل لیگل بچے پیدا ہوتے ہیں خاموشی سے ادھر ادھر کر دیے جاتے ہیں کون پوچھتا ہے۔" اب وہ بڑبڑائی تھیں۔

"اوہ بھئی! یہ بچہ نہیں ہے۔ ایشو ہے ایک کروڑ کا چیک ہے۔ وہ اِل لیگل تو کہہ ہی نہیں رہی۔ وہ تو یہ کہہ رہی ہے کہ تمہارے بیٹے نے جعلی نکاح نامے پر اس سے نکاح کا ڈرامہ کیا تھا۔ اس لیے اس کی بیٹی نے بچہ ضائع نہیں کرایا کہ وہ اس کے شوہر کی نشانی ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ!" مسز علوی نے اب اپنا سر تھام لیا۔ واقعی ان کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔

"اس وقت کہاں جا رہے ہیں آپ؟" وہ کمزور سی آواز میں پوچھنے لگیں۔

"ایسے پانی کی تلاش میں جس سے شکل پر لگی یہ کالک ڈھل سکے۔" وہ ناگ کی طرح پھنکارے تو مسز علوی نے دم سادھ لیا۔

☆☆☆☆☆

"تم نے دیکھا کل وقار کا سارا دم خم نکلا ہوا تھا کورٹ میں۔ ابھی اور پتہ چلے گا ان۔ لوگ بھی خوب ہیں بیڈ روم میں بیٹھ کر مفروضے گھڑ کر پورے پورے سالم انسان استعمال کر لیتے ہیں اور کیا سینہ تان کر چلتے ہیں۔" مومنہ اپنے موبائل سے کھیلتی ہوئی بہت پرجوش محسوس ہو رہی تھی۔

"میرا خیال ہے تمہیں کم از کم اس سے اتنا تو ملنا چاہیے کہ تین چار کمروں کا اپنا اپارٹمنٹ خرید لو۔" وہ اب مستقبل کے منصوبے بنانے لگی۔

"بس پھوپھو! ابھی سے اتنے ہوائی قلعے بھی نہ بنائیں۔" ماہ رُخ چائے بناتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"ماہ رُخ!" مومنہ نے بڑے خاص انداز سے اسی کا نام لیا۔

"جی پھوپھو!" اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اگر تمہارے پاس اچھا بولنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو پلیز خاموش رہا کرو۔ ویسے بھی تو تم خاموش ہی رہتی ہو۔ کیا فرق پڑے گا تمہیں۔"

ماہ رُخ بے اختیار ہنس پڑی۔ مومنہ کو پھر کچھ خیال آ گیا تو ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"ماہ رُخ! یہ کیس تو انشاءاللہ بہت جلد نمٹ جائے گا۔ اس کے بعد کا کیا سوچا ہے تم نے یعنی خلع لو گی...... دوسری شادی کرو گی۔ کچھ سوچا ہے اس ٹاپک پر؟"

"پہلے تو کریکشن کر لیں پھوپھو...... کہ فرض کریں اگلی شادی کرنے کا طے ہو جائے تو دوسری نہیں تیسری ہوگی۔ خود آپ ایک نہ کریں اور مجھے ٹیسٹنگ (Testing) پر لگا

دیں۔ میں الزبتھ ٹیلر کی طرح عمر بھر شادیوں کے تجربے کرتی رہوں۔ لاحول ولا قوۃ۔"

"ارے بھئی! مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تم جیسی لڑکیوں کی شادی ضرور ہونا چاہیے اور کم از کم پانچ چھ بچے ہونا چاہئیں۔ تم لوگوں کی پروٹیکشن کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔" مومنہ نے اپنے مخصوص انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"بس پھوپھو! بہت ہو گیا۔ مجھے تو لفظ شادی ہی سے خوف آنے لگا ہے۔" ماہ رُخ نے بہت دکھ سے کہا تھا۔

"ہاں! تو یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ وہ تمہارا پہلا شوہر وقار سے کیسے ملا؟ اس نے کیا گل کھلائے کہ وقار نے تم سے خاموشی سے علیحدگی اختیار کر لی؟" مومنہ کو اچانک دھیان آیا۔

"کیا گل کھلائے؟ وہ تو انتقام کی آگ میں جل کر توازن کھو چکا تھا۔ اس دیوانگی میں جانے کیا کیا بکا ہوگا۔ خیر میں آپ کو پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ میں چائے پی کر تھوڑا سا رَیسٹ کرنا چاہتی ہو پھوپھو۔ اب تو بہت جلد شل ہو جاتی ہوں پھوپھو۔ جیسے اندر سے کھوکھلی ہو گئی ہوں۔" ماہ رُخ کا لہجہ اندر کی شکستگی کا پتہ دے رہا تھا۔

"بزدلوں کی عموماً یہی حالت ہو جاتی ہے۔ کڑھتے رہیں گے تو یہی حال ہوگا انسان کا۔ فیس کرنا چاہیے، مقابلہ کرنا چاہیے۔ وہ الیکشن کے زمانے میں ایک نعرہ تو تم نے سنا ہی ہوگا۔ گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو...... یہ سلوک کرتی ہے دنیا ڈرنے والوں کے ساتھ" ماہ رُخ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "توبہ ہے پھوپھو......"

☆☆☆☆☆

برادری کے سربرآوردہ افراد اور چند خواتین کی موجودگی میں دس لاکھ حق مہر پر انیقہ عرف نیا کا نکاح عصر و مغرب کے درمیان ہو گیا۔ سندھ کے روایتی انداز کے لباس

ما دہ دلہن بنی تھی۔ بی بی جان نے اپنے بھاری زیورات اُسے پہنائے تھے۔

نکاح کے وقت بی بی جان اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔ فوراً اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چومی اور بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

"مولا سائیں تیرے قدموں سے ہماری حویلی میں پیار آئے۔ اس حویلی میں برے سہل کے بچے کھیلیں، تیرے بھاگ جاگیں، سات بیٹوں کی ماں بنے تو۔"

ہرالنساء اس وقت خوشی سے بے قابو ہو رہی تھیں۔ ان کی ہم جولیاں، رشتہ دار مبارک باد دے رہی تھیں۔

"اس کی شکل پہ لکھا ہے ادی تجھے اس سے پوتے ہی پوتے ملیں گے۔ سات پوتوں لما زمین بانٹے گی تو۔" ایک رشتہ دار خاتون نے مہرالنساء کو مزید خوش کرنے کے لیے زاقاً کہا۔

"تیرے منہ میں گھی شکر...... حور بانو! مولا تجھے بھی سب کچھ دے۔" مہرالنساء زشی سے مغلوب ہو کر بولیں۔

جبکہ نیا کی کیفیت یہ تھی نہ خوشی کا احساس تھا نہ غم کا۔ ایک پہاڑ کے نیچے سے گزر آئی تھی اور اس کرامت پر لب بستہ بیٹھی تھی۔ کسی لفظ کا مطلب سمجھ نہیں آ رہا تھا جیسے بس ختلف آوازوں کا شور تھا۔

"پوپری! او پوپری!" مہرالنساء نے نوکرانی کو آواز دی جو آواز سن کر بھاگتی ہوئی آئی اور بولی "جی بی بی جی!"

"چھوکری! بھاگ کر جا ایک پیالی میں کھیر لے کر آ۔ اپنی بہو کو کھلاؤں گی اپنے ہاتھ سے۔" پھر خود ہی بولیں

"نہیں ابھی اپنے ہاتھ سے نہیں۔ میرے بیٹے کو تو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ اللہ نہ

کرے ایسا کسی کے ساتھ ہو۔ سہیل کی سب سے بڑی پھوپھی کو بلاتی ہوں۔ گیارہ بچوں
کی ماں ہے۔ مولا سائیں ان سب کو جیتا رکھے۔ دیکھ پوپری ادی کشور کدھر کو ہے۔ بول
بی بی جان بلاتی ہیں۔ ساتھ کھیر بھی لے کر آ۔ چل شاباش! جلدی جا۔'' مہر النساء سے تو یہ
خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ عجیب سی بے قراری لاحق تھی۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا
کچھ کر ڈالیں۔

''ادی نظر کا ٹیکہ تو لگا دے اپنی بہو کو۔'' ان کی کزن حور بانو قل قل ہنسی۔

''ارے میں نے تو نکاح سے پہلے دو بکرے صدقہ کیے ہیں۔ اللہ کی امان میں
رہیں میرے بیٹا بہو۔ ٹیکہ بھی لگا دیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر نیا کو دیکھنے لگیں۔

''ادی بہو تو تیری وہ بھی چاند سی ہے۔ پر اس چاند میں داغ ہے۔'' کسی عاقبت
اندیش خاتون نے بے تکے پن سے گفتگو میں حصہ لیا۔

''ارے آج میں بہت خوش ہوں۔ اپنی پہلی بہو کے واسطے بھی دعا کرتی ہوں۔
مولا اسے بھی ہری کر دے۔'' مہر النساء کی فراخدلی کی کوئی حد نہیں تھی آج۔

''بہت ہی مزہ آئے گا ادی! تو بھی اس کو سوا مہینہ نہلائے گی کبھی اس کو۔'' ایک
اور خاتون نے مذاق کیا۔ سب خواتین قہقہے لگا کر ہنسنے لگیں۔

اتنی دیر میں چوپری اڈی کشور کو لے آئی ساتھ کھیر بھی۔ مہر النساء نے ایک طرف
ہو کر بڑی نند کے لیے جگہ بنائی۔

''ادی! اپنے مبارک ہاتھوں سے میری بہو کا منہ میٹھا کرا دعا دے۔ اللہ اس سفید
دودھ کی برکت سے میری بہو کو ہمیشہ ہرا بھرا رکھے۔ چند آوازیں برجستہ اُبھریں۔ آمین''

''نیا! اماں تو بھی دعا کر...... خوشی کا وقت ہے۔ کوئی بھی دعا مانگ لے۔ مولا
سائیں قبول کرے گا۔ میرا دل کہتا ہے اس وقت جو بھی دعا مانگے گا مراد پائے گا۔ اس

وقت حویلی میں سچی خوشیوں کا نور پھیلا ہوا ہے۔'' مہر النساء لاڈ سے کہہ رہی تھیں۔
نیا نے ایک نظر ڈھلتی عمر والی اور چند عمر رسیدہ عورتوں پر ڈالی۔ ایک بھی لڑکی نہیں
تھی نہ اس کی کوئی سگی سہیلی نہ سہیل کی کوئی کزن۔

اذیت کی ایک لہر اس کی رگ جاں کو رگیدتی گزر گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے
بڑے جذب سے دعا مانگی ''یا اللہ! قیامت تک کسی لڑکی کو میرے جیسی دلہن نہ بنانا''

باہر کھانا شروع ہو چکا تھا۔ اشتہا انگیز خوشبوئیں اندر کمرے تک آ رہی تھیں جن کو
سونگھنے کے بعد موجود خواتین میں عجیب سی بے چینی شروع ہو چکی تھی۔

''ادی! دلہن کو کھانا کدھر کھلانا ہے؟'' مہر النساء کی ایک کزن نے خود جلدی کھانے
کا حل ڈھونڈا۔

''تو بھی ادھر ہی کھا لے دلہن کو بھی اِدھر ہی کھلا دے۔ میں چوپری کو بولتی ہوں
ادھر ہی کھانا لگا دے گی۔ دلہن کو ذرا ٹھیک سے کھلا دینا اس نے دوپہر کو بھی بہت تھوڑی
روٹی کھائی تھی۔'' مہر النساء تاکید کرتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد پوپری دستر خوان بچھانے اندر آ گئی۔

☆☆☆☆☆

رات گیارہ بجے کے لگ بھگ اسے حجلہ عروسی میں پہنچایا گیا تھا۔ صرف تازہ
پھولوں سے کمرے کی آرائش کی گئی تھی۔ بیڈ کے چاروں اطراف گلاب اور چنبیلی کی
لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ گلدانوں میں بھی اصلی پھول مہک رہے تھے۔ دروازے کے
دونوں جانب باسکٹ میں تازہ پھول بھرے ہوئے تھے۔ کھڑکی کے پردوں کے متوازی
پھولوں کی لڑیاں تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل پر پھولوں کے ڈھیر تھے۔ کمرے میں اتنے پھول
تھے کہ فطری مہک نے مشامِ جان معطر کر دیا تھا۔ نیا نے اپنی ساری زندگی ایک جگہ اتنے

سارے پھول پہلی مرتبہ دیکھے تھے۔ اس کے دل سے آواز آئی کہ یہ پھولوں کی آرائش بی بی جان کے دل کی کیفیت کی ترجمانی کر رہی ہے۔ دروازہ بند ہوتے ہی اور تنہائی کا یقین ہوتے ہی اس نے خود کو ایزی کیا اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی اور گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ اس وقت اس کا ذہن بالکل ماؤف تھا۔ کسی قسم کے مثبت منفی خیالات اس وقت اس پر حملہ آور نہیں تھے۔

دیکھو حیرت کا ایک مقام یہ بھی ہوتا ہے کہ ذہن خالی ہوتا ہے اور احساسات منجمد۔ وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ بہت سارا رونا چاہتی تھی مگر کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ جیسے آنسوؤں کے سوتے ہی خشک ہو چکے ہوں۔

وہ دیر تک اس طرح آنکھیں موندے نیم دراز سی بیٹھی رہی۔ خاصی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ اسے کمرے میں آئے بہت دیر ہو چکی ہے۔ آنکھیں کھول کر کلاک کی طرف دیکھا حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

''اوہ خدایا! وہ ڈھائی تین گھنٹے سے اسی طرح بیٹھی ہوئی ہے؟'' اس نے اپنے آپ سے سوال کیا خود بخود ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

''ہونہہ!! میری کون سا ارمانوں بھری محبت کی شادی ہے کہ دولہا کو میرے پاس آنے کی جلدی یا خواہش ہوگی۔''

وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور پہلے دوپٹہ اُتار کر صوفے کی بیک پر ڈالا پھر تیز روشنیاں بجھا دیں۔ صرف ایک مدھم سی فینسی لائٹ جلا کر دوبارہ بستر پر آ گئی اور گاؤ تکیہ ایک طرف ہٹا کر تکیے پر سر رکھ کر کروٹ کے بل لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔

ایک ہنگام محشر کے بعد سکون کا احساس تو بہت گہرا تھا جیسے بپھری ہوئی موجوں پر اُچھلتی کشتی بالآخر کنارے پر آ لگی ہو۔ مگر ایک پھانس سی بھی دل میں کہیں گڑی تھی۔

ایک پیاس سی تھی کہ حلق میں کانٹے سے پڑے تھے ساتھ ہی یہ احساس کہ شاید سمندر پی کر بھی یہ پیاس کم نہ ہوگی۔

درد ایسا کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

والی کیفیت تھی۔ یہ بھی طے تھا کہ خوف و اندیشوں اور مائل سے بھری زندگی سے چھٹکارے کا احساس بہت بہت طاقتور تھا۔ وہ پوری شعوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کا ذہن سمن کی طرف متوجہ نہ ہو۔ کم از کم آج کی رات وہ سمن کو لمحے بھر کے لیے بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ جانے کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

بہت کڑا دل کر کے جب سہیل حجلہ عروسی میں داخل ہوئے تو وہ بے خبر سو رہی تھی۔ سہیل نے سکون کا گہرا سانس لے کر بہت احتیاط سے دروازہ لاکڈ کیا اور گلے سے پھولوں کے ہار اُتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیے اور ایک اُچٹتی نگاہ سوتی ہوئی نیا پر ڈالی۔ ایک معنی خیز و افسردہ سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

''اچھا کیا سو گئیں۔ آج کی رات تمہیں دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہ تھا نیا! دو ماؤں کو بیٹے مل گئے۔ اتنا مہنگا سودا طے ہوا جس کی قیمت آخری سانس تک چکانا ہے۔ میں اکیلا اس فیوڈل سسٹم میں کیا انقلاب لے آتا؟'' انقلاب تو زندہ انسانوں کی بھینٹ مانگتا ہے۔ چلو بہت ساری زندگیوں کو زندگی کا توانا احساس دینے کی خاطر ہم دو تین لوگ آہستہ آہستہ اپنی خوشی سے مر جائیں۔''

افسردہ مسکراہٹ تلخ مسکراہٹ میں تبدیل ہو گئی وہ اپنا شب خوابی کا ڈریس نکال کر ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆

یوں بولی جیسے زور سے کرنٹ لگا ہو۔

روبی حواس باختہ سی کبھی وقار کو کبھی ماہ رُخ کو دیکھتی تھی۔ پھر بمشکل گویا ہوئی ''و...... وقار...... یہ ماہ رُخ آپی''

''کیا ہوا روبی؟'' ماہ رُخ نے خود کو فوراً سنبھال لیا تھا۔

''اس بے قصور کی زندگی میں آگ لگا کر پوچھ رہی ہو کیا ہوا۔ تمہاری جگہ کوئی عزت دار باحیا لڑکی ہوتی تو کسی کونے میں چھپی ہوتی۔ مگر تم اور تمہارے خاندان کا تو کاروبار ہی یہی ہے۔ لڑکی کے تھرو مرغا پھانسو، سرمایہ لوٹو اور جان چھڑاؤ۔''

''نہ میں نے آپ سے سرمایہ طلب کیا تھا نہ آپ کو چھوڑا تھا۔ شرم مجھے نہیں آپ کو آنا چاہیے۔ اپنی بیوی کو بے یار و مددگار چھوڑ کر دوسری شادی رچانے چل دیے۔ کیا لیا ہے میں آپ سے؟ کتنا لوٹا ہے؟'' ماہ رُخ کسی مدفن میں دفن دکھی با آواز بلند کراہنے لگی۔

''و...... و...... وقار...... یہ...... ماہ رُخ آپی...... آپ کی......'' روبی متوحش نظروں سے ماہ رُخ کو دیکھتے ہوئے بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''یہی ہے وہ معصوم صورت ناگن جس نے پہلے مجھے ڈسا اور اب تمہیں عذاب میں ڈال دیا۔''

''تمہیں من ٹین نینس نہیں دوں گا، نان نفقہ بیوی کا ہوتا ہے۔ یہ تو کسی اور کی بھی بیوی ہے۔ پہلے کہیں اور سے مین ٹین نینس وصول کرو پھر مجھ سے بات کرنا۔ رہی دوسری شادی بلا اجازت کرنے کی بات۔ میں تمہیں بیوی ہی نہیں مانتا تو اجازت کیسی؟''

''تو طلاق کیوں نہیں دی؟ کیوں جان نہیں چھوڑی اس کی؟'' مومنہ دروازے تک آتے آتے بہت کچھ سن چکی تھی۔ قریب آ کر اس نے وقار کو بڑی تپتی نظروں سے گھورتے ہوئے ڈپٹ کر پوچھا۔

''پہلے یہ اپنے پہلے شوہر سے علیحدگی کا ثبوت دکھائے مجھے۔ تب ہی تو دوسری شادی کنفرم ہو گی۔''

''غصے نے تمہاری عقل پر تالا ہی ڈال دیا ہے۔ ہم کورٹ میں گئے ہیں تو ایسے ہی بغیر ثبوت، بغیر بندوبست کے چلے گئے ہیں۔ ایک تو تم نے اس پر ظلم کیا اب اسے ننگی گالیاں بھی دے رہے ہو۔

ویسے بھی جب کورٹ میں مقدمہ شروع ہو چکا ہے تو تمہیں ماہ رُخ سے براہِ راست بات کرنے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس طرح کی حرکتیں کرو گے تو ایک اور مقدمہ بن جائے گا تم پر۔

اور ہاں! یہ تم روبی کو یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟'' مومنہ نے بڑی بدلحاظی سے ابرو تان کر پوچھا۔

''اسے یہ سمجھانے کے لیے کہ اس کے علاوہ میری زندگی میں کوئی عورت نہیں ہے۔ اس ناگن نے میرے خوشیوں بھرے گھر میں زہر پھیلا دیا ہے۔'' وقار نے بڑی نفرت سے ماہ رُخ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ...... یہ سب کیا ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔ یہ ماہ رُخ آپی'' روبی کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ سے سر تھام کر بڑی بے بسی سے پوچھ رہی تھی۔

''تسلی ہو گئی...... دیکھ لیا اپنی آنکھوں سے؟ کیا حیثیت ہے اس عورت کی میری نظر میں۔'' وقار روبی کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے جنونی کیفیت میں پوچھ رہا تھا۔

''ہوش و حواس میں رہ کر بات کریں مسٹر وقار! آپ گھر کے اندر نہیں پیسج میں کھڑے ہو کر ہمیں ذلیل کر رہے ہیں۔ بہت برداشت کر لیا میں نے۔ ایکسٹریم پر کچھ بھی

کر سکتی ہوں۔ بہتر ہے آپ یہاں سے فوراً تشریف لے جائیں۔“

”اور تم کیوں کھڑی ہو یہاں اندر جاؤ۔ تمہیں تو اس کے سامنے ایک سیکنڈ کے لیے بھی کھڑا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ ساتھ ہی مومنہ نے ماہ رُخ کا بازو پکڑ کر اندر جانے پر مجبور کیا۔ ماہ رخ نے مزاحمت نہیں کی اور خاموشی سے اندر چلی گئی۔

”میں خاموشی سے ایک طرف ہو گیا تھا مگر آپ لوگوں کو عزت راس نہیں آئی۔“ وقار نے شدید غصے سے جاتی ہوئی ماہ رخ کو گھورتے ہوئے کہا۔

”شٹ اپ! چلے جاؤ یہاں سے۔ ہم جب بھی ملیں گے کورٹ میں ملیں گے۔“ مومنہ نے یہ کہہ کر دھڑ سے دروازہ بند کر لیا۔

روبی نے خالی خالی آنکھوں سے وقار کی طرف دیکھا۔

”تمام کرپٹ لوگ اسی طرح بہت پکے اور ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ دولت کی خاطر پل پل رنگ بدلتے ہیں۔“ وقار نے روبی سے نظریں چرا کر کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر آہستگی سے واپسی کے راستے کی طرف مڑ گیا۔

روبی نے ایک نظر بند دروازے کی طرف دیکھا پھر خود بھی خاموشی سے وقار کے پیچھے چل پڑی۔

☆☆☆☆☆

ماہ رخ اندر آ کر چپ چاپ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی تھی۔ روبی کو سامنے پا کر اسے آج بہت عجیب سی Feelings ہو رہی تھیں۔ اپنی طرف سے تو وقار نے پورا زور لگا کر اسے ایک غلط عورت ثابت کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی تھی۔

”اُف! روبی کے ساتھ تو بہت ہی زیادتی ہوئی۔ کیا سوچتی ہو گی وہ میرے بارے میں کیسی خوش نظر آتی تھی۔ کتنا مان تھا اسے شوہر کی محبت پر۔ چہرے پر ہر آن خوشی کے

پہلی رنگ چمکتے تھے۔ چچ چچ...... یہ کیا ہو گیا بے چاری کے ساتھ۔“ وہ بہت ہمدردی اور تاسف سے سوچ رہی تھی۔

”ڈرامے باز نہیں تو...... بیوی کے سامنے خود کو انوسنٹ ثابت کرنے کے لیے ڈرامے کر رہا ہے۔“ مومنہ بڑبڑاتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔ ماہ رُخ چونک کر خیال کی دنیا سے باہر آئی اور پلٹ کر مومنہ کی طرف دیکھا۔

”مجھے تو روبی پر ترس آ رہا ہے پھوپھو۔“ وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔

”خود پر کبھی نہیں آیا؟“ مومنہ نے کڑے تیور کے ساتھ ماہ رُخ کو گھورا۔

”پھوپھو! یہ تو ماننے والی بات ہے ناں کہ چچا جان اور ابو کو وقار کو شادی سے پہلے سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا۔ اگر وقار کو یہ فیل ہوا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تو غلط تو فیل نہیں کیا۔“ ماہ رُخ دکھ بھرے انداز میں مگر دبے دبے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”ہاں! ٹھیک ہے ہمارے بڑوں نے غلطی کی لیکن وہ بھی تمہارا بھلا سوچ رہے تھے۔ مجبور تھے اس لیے کہ طلاق کا لیبل لگ جانے کے بعد کسی لڑکی کو کنوارا اور بہت اچھا رشتہ ملنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن تمہیں تو اس سے کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ نہ تمہاری رخصتی ہوئی تھی تم تو جیسی تھیں ویسی کی ویسی وقار کے نکاح میں آ گئی تھیں۔ اگر وقار کو تمہارے طلاق یافتہ ہونے کا بتا دیا جاتا تو وہ اپنے طور پر بہت کچھ فرض کر کے پیچھے ہٹ جاتا۔“

”اتنا تو سب ہی کو اندازہ ہو گا کہ وقار پر کبھی نہ کبھی حقیقت تو کھلے گی۔ اس وقت اسے آرام سے ساری حقیقت بتائی جائے گی تو وہ بھی تمہارے انوسنٹ ہونے کو تسلیم کر لے گا۔ چھان بین بھی کرے گا تو جو سچ ہے وہی پتہ چلے گا۔ اتنا مضبوط رشتہ قائم ہونے کے بعد وہ ایک لمحے میں تو چھوڑنے یا کوئی انتہائی قدم اُٹھانے کا فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ پُرمخلص ساتھی ہونے کی صورت میں تمہاری اس ماضی کی ٹریجڈی پر ہمدردی ہی محسوس

کرے گا۔" مومنہ ایک تواتر سے بولتے بولتے لمحہ بھر کو رُکی۔ پھر ماہ رُخ کے کاندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر تاسف بھرے لہجے میں دوبارہ گویا ہوئی۔

"وقار نے جس طرح رات کی تاریکی میں تمہیں تنہا کر کے گھر سے چلے جانے کا فیصلہ کیا یہ غلط بات تھی۔ اسے تم سے بات کرنا چاہیے تھی خواہ لعن طعن ہی کرتا۔ مگر اس کے بعد تمہاری بات تو سنتا۔"

"آپ کچھ بھی کہیں۔ روبی کے دکھوں کے ہم سب ذمہ دار ہیں۔" ماہ رُخ نے آہستگی سے مومنہ کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹائے اور چیئر پر یوں بیٹھ گئی جیسے بہت تھک گئی ہو۔

"نہیں۔ اس کے دکھوں کا ذمہ دار صرف وقار ہے۔ ہماری جس غلطی کی وجہ سے اس نے تمہیں ہمیشہ کا دکھ دیا خود اس نے بھی وہی غلطی کی۔ اسے شادی سے پہلے روبی کو سب کچھ بتانا چاہیے تھا۔ تم تو نکاح کے بعد بھی طلاق تک اپنے باپ کے گھر میں تھیں۔ جبکہ وہ تو باقاعدہ شادی شدہ زندگی گزارنے کے تجربے سے گزر چکا تھا۔"

مومنہ نے اپنی فطرت کے مطابق بلا رعایت صاف صاف بات کی۔ وہ وقار کی عجلت اور ظلم کو کوئی اور نام دینے کو تیار نہیں تھی۔

"اُف پھوپھو! مجھے تو روبی کا خیال آ رہا ہے۔ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی۔ میرے خدایا!" ماہ رُخ نے جیسے چکراتا ہوا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بے ساختہ کہا۔

☆☆☆☆☆

"نتا! آپ فوراً ضروری سامان باندھیے۔ میں اس فراڈ انسان جو انسانیت کے نام پر دھبہ ہے اب ایک منٹ نہیں رہ سکتی۔" روبی نے اوپر جا کر صوفے پر بیٹھ کر چند منٹ تک سانس درست کیا۔ پھر ایک دم ہسٹریائی انداز میں چلا کر نتا سے کہا۔

نتا تو جیسے کچن سے گرتی پڑتی باہر آئیں۔ ادھر ادھر دیکھا وقار اپنے کمرے میں بند ہو چکا تھا۔ رُوبی کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔

"ارے میرے مولا! کیا ہو گیا میری بچی کو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اور جیسے تڑپ کر روبی کو گلے سے لگا لیا۔

"نتا! بس...... اب ایک منٹ نہیں۔" ماہ رُخ آپی جیسی معصوم اور سادہ لڑکی کو یہ شخص دھوکہ دے چکا ہے۔ پتہ نہیں اور کس کس کو دھوکے دیے ہوں گے۔ اس ظالم کے نزدیک عورت ایک کھلونا ہے۔ پتہ نہیں اس نے تو دوسرے ملکوں میں بھی شادیاں کی ہوئی ہوں گی۔ تب ہی تو مجھے ساتھ نہیں لے جاتا۔ مجھے یہاں انتظار کی گھڑیاں گزارنے کو دے کر جاتا ہے۔ تھینک گاڈ! مجھے بہت جلد اس کی اصلیت پتہ چل گئی۔

بس نتا! اب اُٹھ جائیں آپ۔ ایک منٹ گزارنا مشکل ہو رہا ہے اس گھر میں۔ میں اس فراڈ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ بس نتا جلدی کریں۔" روبی جیسے ذہنی توازن کھو چکی تھی۔ ہر مصلحت سے بے نیاز دیوانہ وار نتا کو جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی۔

"ارے میرے مولا! خدانخواستہ یہ تو آسیب کی نشانیاں ہیں۔ ارے وقار میاں! کہاں ہو؟ ارے اس کو آ کر سنبھالو۔" نتا دیوانہ وار بیڈ روم کی طرف دوڑیں

"مت آواز دیں اس درندے کو۔ یہی ہے میرا آسیب۔ نتا! مت اسے میرے سامنے بلائیں۔ میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔" وہ اتنے زور سے چلائی کہ نتا اسی رفتار سے دوڑتی پھر اس کے پاس پلٹ آئیں۔ ملے جلے شور کے نتیجے میں وقار باہر آ چکا تھا اور بڑی تشویش اور فکر مندی سے روبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نتا! میں لٹ گئی برباد ہو گئی۔ اس سے بڑا دھوکہ کسی عورت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلیں گی تو میں اکیلی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ نتا پلیز!

پلیز نتا!" روبی اب تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"ارے میاں! کیا ہو گیا آن کی آن میں؟" نتا نے بے اختیار روبی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر روئی روئی سی آواز میں وقار سے پوچھا۔

اسی دوران روبی بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا سر ڈھلک گیا تھا۔ وقار بڑی بے بسی کی کیفیت میں اس کی طرف بڑھا تھا۔

☆☆☆☆☆

بے ہوش رُوبی کو متفکر نظروں سے دیکھتے ہوئے وقار جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔ نتا روبی کو مسلسل ہوش میں لانے کے ٹوٹکے آزما رہی تھیں اور سر اُٹھا کر بار بار وقار کی طرف ہراساں نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"میاں! ایسا بیٹھے بٹھائے ہو کیا گیا؟ مانو ہفتہ سے اُوپر ہو گیا بچی سنبھل کر نہیں دے رہی۔ کوئی بات ہے بیٹا تو مجھے تو بتاؤ۔ بھلے سٹھیا گئی ہوں مگر بڑے بوڑھے اپنے تجربے کی وجہ سے کوئی کام کی بات سمجھا سکتے ہیں۔" نتا بے قراری سے روبی کے پاؤں کے تلوے سہلاتے ہوئے محتاط انداز سے پُر تفکر لہجے میں وقار سے کہہ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا نتا! بس یہ خوامخواہ شک میں پڑ گئی ہے۔ بہت کچھ خود ہی فرض کر بیٹھی ہے اور اُلجھ رہی ہے۔"

"تو وقار میاں آپ ہی کو سمالنا (سنبھالنا) ہوگا۔" نتا نے روبی کے چہرے کو تشویش بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے برجستہ کہا۔

"کوشش کر رہا ہوں نتا! میں کسی ڈاکٹر کو دیکھتا ہوں۔ کیونکہ لفٹ خراب پڑی ہے اور روبی کو اس حال میں لے کر نیچے اُترنا بہت مشکل ہے۔"

وقار نے اپنے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے کرنے کی کوشش میں دو تین گہرے

گہرے سانس لیے اور اپنے کمرے سے اپنی ضروری چیزیں اُٹھانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ نتا بے ہوش روبی کو بے بسی سے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

"پھوپھو! ان کا گھر ٹوٹ جائے گا اور یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہوگا۔" ماہ رُخ مومنہ کے پاس کچن میں چلی آئی تھی جو اپنے لیے بلیک کافی بہت سکون سے تیار کر رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ اس دنیا میں کوئی ظلم کے خلاف زبان نہ کھولے۔ اپنا حق نہ مانگے اس خوف سے کہ لوگ ٹینس ہو جائیں گے؟" مومنہ نے کڑے تیوروں کے ساتھ ماہ رُخ کو گھورا۔

"جس شخص کے دل میں میری کوئی جگہ نہیں اس کی دولت سے مجھے کیا سکون ملے گا۔ میں تو آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ پلیز! آپ روبی سے ایک میٹنگ کریں۔ اسے سمجھائیں کہ میرا اب وقار سے کوئی واسطہ ہے نہ تعلق۔ وہ اسی کا ہے۔ وہ خوامخواہ اپنا گھر خراب نہ کرے......اور کسی قسم کا شک اپنے دل میں نہ رکھے۔ میں اور وقار ایک دوسرے کے لیے مر چکے ہیں" ماہ رُخ نے بہت سکون اور اعتماد سے اپنا عندیہ پیش کیا۔

"مائنڈ یور اون بزنس! یہ ان کے مسئلے مسائل ہیں۔ وقار کو خود عقل سے کام لینا چاہیے اور روبی کو ہینڈل کرنا چاہیے۔ جس نے تمہیں مفت کے عذابوں میں ڈالا۔ اس کی خوشیوں کے بندوبست کروں؟"

"ذرا اس سے پیسہ وصول ہو جائے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ اسپین سے جاؤں گی۔ اگر تم ایکٹو ہو جاؤ اور زندہ انسانوں کی طرح جیو۔" مومنہ نے کافی کا مگ اُٹھایا ایک سپ لیا اور باہر کی طرف قدم بڑھایا۔ ماہ رُخ اسے باہر کی طرف آتا دیکھ کر پہلے خود ہی نکل گئی۔ اس کے چہرے پر اب بے بسی تھی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ مومنہ کو کسی

طرح قائل نہیں کر سکتی۔ دونوں لاؤنج میں آ چکی تھیں۔ مومنہ نے ایک اُچٹتی ہوئی نظر ماہ رُخ پر دوڑائی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تم کیوں گلٹی فیل کر رہی ہو؟ تم نے روبی کا حق مارا ہے؟ اس کا شوہر چھیننے کی کوشش کی ہے؟ بے وقوف نہیں تو......''

''اسی لیے اس دنیا میں ظلم کا بول بالا ہے۔ لوگ اپنا حق مانگتے ہوئے خود کو مجرم سمجھنے لگتے ہیں۔ ٹیک اِٹ ایزی ماہ رُخ۔ انہیں بھی اپنا گھر پیارا ہوگا بچے نہیں ہیں وہ۔''

مومنہ اسی طرح پرسکون انداز میں بات کر رہی تھی۔

''جی پھوپھو! خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' ماہ رُخ نے گہری سانس کھینچی اور بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆☆☆

کمرے میں عجیب سا شور سن کر نیا ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ دو تین خواتین کمرے میں ادھر اُدھر آتی جاتی نظر آئیں۔ اس نے کلاک کی طرف دیکھا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے وقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی خاتون نے کمرے کی تیز لائٹس آن کر دی تھیں۔ لہٰذا کمرے میں تو رات ہی کا منظر تھا۔ بڑی گہری نیند سوئی تھی۔ رات بھر جاگی تھی کیا؟'' ایک نسبتاً جوان عورت نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی بلکہ باقاعدہ بستر پر دونوں ہاتھوں کا بوجھ ڈال کر آنکھوں میں جھانکا۔ نیا نے گھبرا کر نظریں چرالیں۔

''جیجی (جی جی) بولتی ہے دُلہن کو بولو نہا دھو کر تیار ہو جائے۔ وہ تمہارے ساتھ ہی ناشتہ کرے گی۔'' خاتون کا اشارا غالباً سہیل کی والدہ مہر النساء کی طرف تھا۔

نیا ابھی تک نیند کے حواسوں میں تھی۔ اسے جیسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس نے

پردے سرکاتی دوسری اجنبی خاتون کی طرف دیکھا جو بڑھاپے کی سرحدوں تک آ پہنچی تھی۔ بھاری سا جسم اور مہندی سے رنگے بال۔ قدرتی کالے بالوں کے درمیان مہندی کی لالی سے چمکتے بال جو بڑھتی عمر کی چغلی کھا رہے تھے۔ جبکہ تیسری خاتون مکمل بزرگی کے درجے پر فائز ہو چکی تھی۔

نیا کے بیڈ پر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ چکی تھیں۔ نیا نے نظر ملتے ہی ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا تو انہوں نے ہاتھ لمبا کر کے نیا کے سر پر رکھا اور خالص سندھی میں دعاؤں سے نوازا۔

''مخدوم زادہ تو سویرے کا اُٹھا بیٹھا ہے۔ شکل سے خوش دکھائی نہیں پڑتا۔ بیٹھا اوطاق میں اخبار پڑھتا ہے۔ دل چھوٹا نہ کرنا، ابھی وہ بانجھ بنجر دل میں بستی ہے۔ سمجھ سے کام لینا جلدی اپنا بنا لیا۔ اللہ سائیں تیرے کو ایک دفعہ میں دو بیٹے دے۔ پھر تو سمجھ مخدوم زادہ تیری مٹھی میں۔''

پہلی والی جوان خاتون جو نیا کے لیے قطعی نیا چہرہ تھا پھر چھیڑ چھاڑ کرنے لگیں۔ ساتھ ہی سہیل کا تازہ ترین حال احوال بھی سنا دیا۔

نیا کو ان کی بات سے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ وہ سہیل کا ذکر کر رہی تھیں۔ ساری رات گزر گئی اور وہ اِدھر نہیں آئے۔ ایک ہوک سی دل میں اُٹھی۔ کس طرح آتے...... دل بدلنا تو ناممکن ہے۔ ابھی تو نظر بدلنا بھی مشکل ہوگا۔ ایک گرم جلتی ہوئی سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔

''تو زیور پہن کر سوگئی؟'' مخدوم زادے نے تیرا زیور نہیں اُتارا۔ اچانک وہی جوان عورت کچھ اُلجھ کر اس سے پوچھنے لگی۔

نیا ایک دم حواس باختہ سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"نہ کپڑے بدلے نہ زیور اُتارا۔" مہندی رنگے بالوں والی خاتون نے بھی تعجب سے نیا کا جائزہ لیا۔

نیا کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ بے بسی سے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔
تینوں خواتین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کنائے کیے۔ پھر نوجوان خاتون نے اس کے قریب منہ کر کے سرگوشی میں کہا "جیجی نے ہم تینوں کو اسی واسطے ادھر بھیجا تھا۔ مخدوم زادے کی شکل پر کوئی خوشی نہیں ہے۔ چپ ہے جیجی سے بھی بات نہیں کی۔ مگر دیکھ ابھی کسی کو کچھ نہیں بتانا بھلے کوئی پوچھے۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جیجی کی بھانجی ہوں بخت آور نام ہے میرا۔ مگر دس برس اپنے بخت کو روئی ہوں۔ تین سوکنیں آئی تھیں مجھ پر۔ بانجھ نہیں تھی تین بیٹیاں پیدا کی تھیں۔ پر بیٹے کی خاطر میرے خاوند نے نکاح پر نکاح کیا۔ دوسری سے بیٹا نہیں ہوا، تیسری سے بیٹا نہیں ہوا، چوتھی ہری نہیں بانجھ نکلی۔ آخر میرے کو ہی بیٹا ہوا بیاہ کے پندرہ سال بعد۔ سارا راج پاٹ اب میرا ہے۔ تو بھی صبر سے کام لے گی تو سب کچھ تیرا ہو جائے گا۔" اپنی دانست میں بخت آور نئی نویلی دلہن کو حوصلہ دے رہی تھی۔

"جیجی بھی صبر کر لیتیں کیا پتہ سمن کو بیٹا ہو جاتا۔" نیا نے شدید کرب کو سینے میں دبا کر آخر کار لب کھول دیے۔ لہجہ سپاٹ اور آواز دھیمی تھی۔ "وہ تو بنجر ہے ڈاکٹروں نے بتا دیا ہے۔ ورنہ جیجی مخدوم زادے کی دوسری شادی کے لیے پاگل نہ ہوتی۔" سامنے بیٹھی بزرگ خاتون نے نہایت تلخ لہجے میں جواب دیا۔ جیسے سمن کے ذکر سے اُسے کوفت ہو رہی ہو۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تیرا نکاح ہو گیا ہے مخدوم زادے سے کسی وقت تو بیٹھے گا تیرے پاس۔ تو اس کے آگے پیچھے پھر اس کی خدمت کر۔ جوان ہے، خوبصورت

ہے، نکاح میں ہے، آ جائے گا اس کا دل تجھ پر۔" بزرگ خاتون اُستادوں کی طرح سمجھانے لگی۔

(بیٹے کی ضرورت انہیں ہے مجھے نہیں۔ میں کیوں آگے پیچھے پھروں۔ اچھا ہے وہ زیادہ سے زیادہ سمن کے ساتھ رہیں۔ کتنی اکیلی ہو گئی ہے وہ) نیا سوچ رہی تھی۔

"تو جلدی سے تیار ہو جا۔ جیجی، سائیں اور مخدوم زادہ تیرے ساتھ ناشتہ کریں گے۔ چل بانو! جیجی راہ دیکھتی ہو گی۔" بزرگ خاتون اُٹھتے ہوئے مہندی رنگے بالوں والی خاتون سے بولیں اور آگے بڑھ کر نیا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ بخت آور نے نیا کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ حویلی تیری ہے۔" اپنی دانست میں دلاسہ دے کر وہ بھی دونوں خواتین کے پیچھے چل پڑی۔

ان کے باہر جاتے ہی نیا تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور اندر سے دروازہ لاک کر دیا اور وہی کھڑی ہو کر جانے کیا کیا سوچنے لگی۔

کبھی گھر کی طرف ذہن جاتا تھا کبھی سمن کی طرف اور کبھی شاداب کی طرف۔ جسے عمر کوٹ کی مشقت اور غلامی سے بچانے کے لیے اسے اپنے مقدر کے پتھر توڑنا تھے۔ آخری سانس تک مشقت...... آخری سانس تک غلامی۔ دوشیزگی کے سارے خواب بے رنگ تھے۔

☆☆☆☆☆

"میں اسے شوٹ کر دوں گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ (گالی) کمرشل ہے۔" رمیض اپنے بہت ہی قریبی رازدار دوست کے پاس بیٹھا دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔

"وہ مر جائے گی تمہارے ہاتھوں اور تم مزے اُڑاؤ گے؟ یار کچھ عقل سے کام لو۔" اس کے دوست فہد نے اس کے کاندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

"میرے اندر جو آگ بھڑک رہی ہے وہ تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔" مفت میں ایک بچہ میرے سر پر مار رہی ہے۔ یہ تو بہت ہی بڑا بلنڈر ہے اور میں اسے چھوڑ دوں۔ گھر سے بے گھر کر دیا مجھے۔ وہاں سب کچھ میرا تھا جواب چاند کی طرح دور ہو گیا ہے۔"

"Take it easy رمیض! ان شکاری عورتوں کے جال میں تو پتہ نہیں کتنے لوگ پھنستے ہوں گے۔"

"تب ہی تو اتنے ٹھاٹ باٹ سے رہتی ہیں کوئی انکم ٹیکس نہیں دیتیں۔ مجھ سے بھی دو لاکھ لے چکی ہے۔" رمیض نے دانت پیس کر بے ساختہ کہا۔

"دو لاکھ؟ اتنا تھا تمہارے اکاؤنٹ میں؟" فہد جو خود بھی اسٹوڈنٹ تھا حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"ممی سے لیے تھے ہزار ہزار بہانے بنا کر تب ہی تو آج کل وہ اتنی سختی کر رہی تھیں۔ پانچ سو بھی اتنی مشکل سے دیتی تھیں جیسے پانچ لاکھ دے رہی ہوں۔"

"کیا کہہ کر لیتی تھی تم سے...... کیا ڈرامہ کرتی تھی؟" فہد دو لاکھ کی بربادی پر اچھا خاصہ غمزدہ ہو چکا تھا۔

"ایک مرتبہ تو ماں کی بیماری کی کہانی سنا کر لیے کہ ممی کا کڈنی کا آپریشن ہے۔ انہوں نے حال ہی میں ایک گھر خریدا ہے اس لیے اس وقت فائنشلی پوزیشن ذرا ویک ہے۔ اس کے ماموں مڈل ویسٹ میں ہیں وہ ایک مہینے کے اندر اندر پیسے بھجوا دیں گی تو میں واپس کر دوں گی۔ یار! وہ تو رو بھی رہی تھی۔ یار! ڈرامے میں اصلی آنسو کیسے نکل

سکتے ہیں۔" بولتے بولتے رمیض کو اچانک خیال آیا تو حیران سا ہو کر فہد سے پوچھنے لگا۔

"اندر کہیں چاقو سے کٹ لگا کر مرچیں چھڑک لی ہوں گی۔ دو لاکھ میں بڑی پاور ہے۔ آسانی سے تو نہیں ملتے۔" فہد نے جل کر کہا۔

"اس وقت اس نے مجھ سے صرف ایک لاکھ لیے تھے۔" رمیض نے نظریں جھکا کر ذرا وضاحت کی۔

"اکٹھے نہیں لیے۔ ایک مرتبہ پچیس ہزار دوسری مرتبہ چالیس ہزار۔ پھر دس پندرہ ہزار کی قسطوں میں لیے۔" رمیض نے مجرموں کے سے انداز میں کہا۔

"تم چونکہ اس پر فدا ہو رہے تھے چنانچہ تم نے ماں کو چونا لگا کر اس کی بلکہ اس بے چاری اور غریب کی مدد کی۔" فہد نے اب تمسخرانہ کہا۔

"کوئی فدا ودا نہیں ہو رہا تھا۔ یار! وہ میرا اتنا خیال کرتی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے پراٹھے بنا بنا کر کھلاتی تھی۔" رمیض کے انداز میں سرشاری سی تھی۔

"ڈان (Dawn) کا پراٹھا سات آٹھ روپے میں پڑتا ہے۔ کاہل کام چور روز ایک پیکٹ بھی کھاتا تو مہینے میں بارہ سو کے پراٹھے کھا لیتا۔ پراٹھا کھانا کوئی مسئلہ ہے ایک پیکٹ لاؤ نان اسٹکن پین گرم کرو۔ دو تین منٹ اُلٹ پلٹ کرو پراٹھا تیار۔ تو نے ایک دو مہینے میں ایک لاکھ کے صرف پراٹھے کھائے۔ یعنی کہ حد ہو گئی عیاشی کی۔" فہد نے اسے جی بھر کر لعن طعن کی۔

"یار! بات پراٹھے کی نہیں۔ پراٹھا بنانے والی کی ہوتی ہے۔" رمیض نے بڑی سادگی سے وضاحت کی۔

"لعنت ہے تجھ پر۔ پراٹھوں کی خاطر ایک عورت کے ہاتھوں یرغمال بن گیا۔" فہد نے برافروختہ ہو کر کہا۔

''یار! تو کبھی عورت کے ہاتھوں بے وقوف نہیں بنا۔ تجھے نہیں پتہ مسئلہ پراٹھوں کا نہیں ہے۔''

''خدا نہ کرے مجھ پر اتنا برا وقت آئے کہ لاکھوں روپے کے صرف پراٹھے کھاؤں۔'' فہد نے برا مان کر ابرو تان کر برجستہ کہا۔

''میری صرف ایک گرل فرینڈ ہے اور میرے پاس چار موبائل مگر ''سم'' (Sim) ایک ہے۔ نہ میں بے وقوف بنتا ہوں نہ دوسروں کو چانس دیتا ہوں کہ وہ مجھے بے وقوف بنائیں اور صاف بات ہے میں خود ڈپنڈڈ ہوں تمہاری کوئی فائننشلی ہیلپ بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے میری مانو جا کر باپ کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لو۔ پندرہ بیس منٹ کی پرفارمنس کے بعد بہر حال وہ معاف کر دیں گے۔ آفٹر آل ان کی اکلوتی اولاد ہو۔'' فہد نے بڑی صاف گوئی سے بات کرتے کرتے پرخلوص مشورہ دیا۔

''معاف تو وہ تب ہی کریں گے جب وہ دونوں ماں بیٹی اس دنیا سے روانہ ہو جائیں گی۔ میرے باپ کی دولت نے تو ان کے ہوش گم کیے ہوئے ہیں۔'' رمیض کے چہرے پر مایوسی بہت واضح تھی۔

''بھئی! اس طرح تو باپ غصہ کرتا ہی ہے مگر غصہ اُتر بھی جاتا ہے۔ تم کونٹیکٹ کرو شرمندگی ظاہر کرو وہ معاف کر دیں گے۔ اندر سے تو وہ بھی یہی چاہ رہے ہوں گے کہ تم ان سے معافی مانگ لو اور گھر واپس آ جاؤ۔'' فہد نے پھر سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یار! وہ گھر پر فون کر رہی ہیں۔ ڈیمانڈ کر رہی ہیں۔ میرے خلاف چارج شیٹ بنا رہی ہیں پڑھ پڑھ کر۔ اور یار حد ہو گئی وہ تو کوئی جعلی نکاح نامہ بھی پیش کرنے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں والد صاحب چاہیں گے کہ میں ان کے پاس چلا جاؤں۔ ان کے ہر فون پر ان کا غصہ بڑھ رہا ہو گا۔'' رمیض اب بے بسی کی کیفیت میں جواب دے رہا تھا۔

''نکاح نامہ! مگر نکاح نامے پر تو تمہارے سائن ہونا بھی ضروری ہیں۔ جعلی سہی مگر تمہارے جعلی سگنیچر وہ کیسے کر لیں گی۔ اتنے ٹیپکل سگنیچر ہیں تمہارے۔'' فہد اب پریشان ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''یار! یہ ایک جعلساز گروپ ہے جس کا پورے ملک میں نیٹ ورک ہے۔ جعلی دستخط کرنے والا کوئی ایکسپرٹ بھی تو انہوں نے اپنی ٹیم میں رکھا ہو گا۔'' رمیض نے اب جھلا کر وضاحت کی۔

''ہاں! تو یوں کہو تم کسی مافیا کے ہتھے چڑھ چکے ہو۔'' اس مرتبہ فہد کے انداز میں مایوسی تھی۔ سارا جذبہ و جوش خروش جھاگ بن کر بیٹھ چکا تھا بلکہ وہ خاصہ متفکر نظر آ رہا تھا۔

''یار! پیسہ لے کر بھی جان چھوڑ دیتے وہ تو ایک بچہ بھی میرے سر لگا رہے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد تو اور زیادہ بلیک میل کریں گے۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو'' رمیض کو زندگی میں پہلی مرتبہ شدید بے بسی اور گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔

''خیر! کرائسس آتے ہیں تو ان سے نکلنے کا کوئی حل بھی ہوتا ہے۔ اس وقت میں بھی ڈسٹرب ہوں اور تمہارا ذہن بھی کچھ سوچنے کے قابل نہیں۔ تم ریسٹ کرو۔ کوئی گولی کھا کر سو جاؤ۔ سو کر اُٹھو گے تو شاید عقل کچھ کام کرے۔ Take it easy۔'' فہد اتنے شدید بحران کا تصور کرتے ہی رسی تڑا کر بھاگنے کا پروگرام بنانے لگا۔

''ہاں یار! میں سونا چاہتا ہوں۔ بیس گھنٹوں سے جاگ رہا ہوں۔'' رمیض کے لہجے سے تھکن کا تاثر بہت واضح تھا۔

''مگر اس وقت میرے پاس کوئی گولی وغیرہ نہیں ہے۔ پتہ نہیں نیند آئے گی بھی یا نہیں۔'' اس نے مدد طلب نظروں سے فہد کی طرف دیکھا جو کھڑا ہو چکا تھا اور کمرے سے باہر جانے ہی والا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں۔ تم ایزی فیل کرو۔ جب تک چاہو اس گیسٹ روم میں رہ سکتے ہو۔ کھانے پینے کی بھی فکر مت کرنا۔ بابا تمہیں یہیں پہنچا دیا کریں گے۔ اوکے۔"

"تھینک یو یار!" رمیض گرنے کے انداز میں بیڈ پر دراز ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

بابا سائیں! آپ مجھے یہ بتائیں شاداب اپنے گھر چلا گیا یا نہیں؟" سہیل اوطاق میں باپ کے پہلو میں سر جھکائے بیٹھے تھے اور دھیمی آواز میں پوچھ رہے تھے۔

"ابا! وہ تو کبھی کا اپنے گھر پہنچ گیا ہوگا۔ تیرا نکاح ہوا اور ہم نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔ یہ سوچ کر کہ اب نکاح کے بعد تیری ذال (بیوی) تجھ سے پہلے اپنے بھائی کی بات کرے گی۔ تیرے سر میں درد ہوگا۔" عبدالرب صدیقی بڑی محبت و شفقت سے بات کر رہے تھے۔ بلکہ پیار سے سہیل کے سر پر ہاتھ بھی پھیر رہے تھے۔

"میں اس کے گھر فون کر کے شاداب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی آواز سننا چاہتا ہوں۔" سہیل نے قدرے ہچکچاتے ہوئے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور ضرور۔ تجھے اجازت کی تو ضرورت نہیں ہے ابا! سامنے پڑا ہے ٹیلیفون۔ ابھی بات کر۔" عبدالرب صدیقی نے شان بے نیازی اور بڑے اعتماد سے کہا۔

ایک لمحے کو سہیل نے باپ کی طرف بے یقینی سے دیکھا پھر اُٹھ کر فون سیٹ کے قریب چلے گئے اور نمبر ڈائل کرنے لگے۔

دوسری طرف رنگ پاس ہو رہی تھی اور سہیل کے دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔ آخرکار رسیور اُٹھا لیا گیا۔ رسیور اُٹھانے والی عتیقہ تھی۔ ایئر پیس میں اس کی نازک سی آواز اُبھری۔

"ہیلو......!!"

"السلام علیکم! سہیل بات کر رہا ہوں۔" سہیل نے بہت آہستہ آواز میں بات کی۔

"سہیل بھائی! کیسے ہیں آپ......؟ کہاں سے بات کر رہے ہیں؟" عتیقہ ایک دم پرجوش سی ہو گئی۔

"آپ سنائیں عتیقہ! سب خیریت ہے ناں......؟ آپ لوگ ٹھیک ہیں۔ شاداب کی کوئی خیر خبر؟" سہیل نے دھڑکتے دل سے آخرکار شاداب کی بات کی۔

"جی سہیل بھائی! اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے۔ شاداب بھی صبح سویرے گھر آ گیا تھا مگر اس کا موڈ بہت خراب تھا۔ امی بتا رہی تھیں کہ وہ آتے ہی اُوپر کمرے میں جا کر سو گیا تھا اور ابھی تک سو رہا ہے۔ شکر ہے وہ بالکل خیریت سے ہے۔ البتہ امی بہت پریشان ہو کر بتا رہی تھیں کہ وہ بہت کمزور نظر آ رہا تھا اور اس کا رنگ بھی بہت جلا ہوا اُڑا رک سا فیل ہو رہا ہے۔" بولتے بوتے عتیقہ کی آواز بھرا گئی۔

"آپ کی ملاقات نہیں ہوئی اُس سے؟" سہیل یوں بول رہے تھے جیسے احساسِ جرم سے نڈھال ہوں۔

"نہیں...... جب وہ آیا تو میں سو رہی تھی۔" عتیقہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

"امی کہہ رہی تھیں اس کا موڈ اتنا خراب تھا کہ ڈر کے مارے انہوں نے مجھے جگایا نہیں۔" عتیقہ نے مزید کہا

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔" سہیل نے تسلی دی۔

"آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں سہیل بھائی! آپا ابھی تک آپ کی حویلی سے ابھی نہیں آئیں۔ امی بہت پریشان ہیں۔ آپ سمن آپا کے پاس ہیں؟" عتیقہ ہنوز پریشان سی ہو کر بات کر رہی تھی۔ بہن کا پوچھ رہی تھی۔

''وہ بھی جلد آپ کے پاس پہنچ جائیں گی۔ آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کو جھوٹی تسلی نہیں دے رہا بالکل ٹھیک خبر آپ کو دے رہا ہوں کہ انیقہ بالکل خیریت سے ہیں اور بہت جلد آپ کے پاس پہنچ جائیں گی۔ انشاءاللہ''

''میں آپ کی بات پر شک نہیں کر سکتی۔ آپ نے کہا اور میں بالکل پرسکون ہو گئی۔'' عتیقہ کے انداز میں اب سکون کا تاثر واضح تھا۔

''بنڈل آف تھینکس! امی کو سلام کہیے۔ پھر بات ہو گی۔'' سہیل نے ریسور آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا۔

ریسور رکھ کر پلٹے تو عبدالرب صدیقی چھڑی پر دونوں ہاتھوں کا بوجھ ڈالے بغور ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سہیل نے لاشعوری طور پر ان کی طرف سے نظر چرا لی۔

''ہو گئی تسلی ابا!......؟'' وہ بڑی نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

''جی بابا سائیں......'' انہوں نے مختصراً جواب دیا۔

''شکریہ بھی نہیں بولے گا باپ کو......؟'' وہ اپنی دانست میں بیٹے سے پیار کا اظہار کر رہے تھے۔ مسکرا کر کہہ رہے تھے۔

''سودے بازی ہوئی ہے بابا سائیں......شکریہ تو سب لوگوں کو انیقہ کا ادا کرنا چاہیے جس کی قربانی سے ہر طرف سکون اُتر آیا ہے۔''

''جو قربانی دیتا ہے وہی پھل پاتا ہے۔ وہ مخدوموں کی ماں بنے گی۔ یہ اس کی قربانی کا پھل ہو گا۔ اتنی بڑی عزت......کوئی چھوٹے گھر کی لڑکی تو ایسا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی۔'' عبدالرب صدیقی کے لہجے سے ''نسب'' کا افتخار جھلک رہا تھا۔

''دونوں ماؤں کو اپنا اپنا بیٹا مل گیا۔ اللہ سائیں اب تجھے بھی بیٹا دے گا۔''

''واللہ اعلم!'' سہیل نے زیرلب کہا اور اوطاق سے باہر چلے گئے۔

نیا کے واش روم جانے سے پہلے ہی ایک ملازمہ بھاری کام دار جوڑا لے کر آ گئی تھی۔ پیچھے پیچھے مہرالنساء زیورات کے ڈبے اُٹھائے آ گئی تھیں۔

نیا تو ویسے ہی بستر سے اُتر کر کھڑی ہوئی تھی۔ مہرالنساء کو دیکھ کر ایک دم جھجک کر اپنی جگہ کھڑی ہو گئی اور سر جھکا کر آداب بجا لائی۔

مہرالنساء نے آگے بڑھ کر نیا کی پیشانی چومی اور مسکرائیں۔

''خیر سے بڑا بھاگوان پیر ہے تیرا۔ میرا بھائی پندرہ برس بعد آج جہاز سے کراچی پہنچا ہے۔ انگریز سے شادی کی تھی اس نے۔ بڑوں نے اس کا حقہ پانی بند کر دیا تھا۔ پر اب تو نہ باپ رہا نہ دادا۔ نہ نانا ماموں، رو رو کر اس کو بلاتی تھی۔ آج سویرے سویرے خوش خبری سنی ہے۔ اللہ سائیں تجھے بھاگ لگائے۔'' مہرالنساء نے ایک دم بازو سے پکڑ کر نیا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ تازہ لگی ہوئی مہندی کی خوشبو، خس کا عطر، موتیا کے پھولوں کے بالے، خوشبوؤں میں بسی مہرالنساء کی قربت مشام جاں معطر کر گئی۔ بہت کدورت تھی دل میں مگر خوشبوؤں نے ہر منفی جذبے کو وقتی طور پر سلا دیا۔

''بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔'' نیا نے دھیمی آواز میں ساس کو مبارک باد دی۔

''تیرے کو بھی مبارک باد۔ تیرا بھائی بھی اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔'' اب مہرالنساء کے لہجے میں قدرے سنجیدگی اور تلخی تھی۔

نیا نے چونک کر مہرالنساء کی شکل دیکھی......اتنی جلدی؟ شکر ہے مالک اس نے دل ہی دل میں کہا اور لمحے بھر کو آنکھیں موند لیں۔

''ایک بات تیرے کو بتا دیتی ہوں بھلے تو برا مان۔ تیرے ساتھ، تیری ماں کے ساتھ اب رشتہ داری ہے۔ مگر تیرا بھائی کبھی حویلی نہیں آئے گا۔ وہ ہمارا مجرم ہے، اپنے مجرم کو ہم حویلی میں عزت نہیں دیتے۔ گرہ سے باندھ لے۔'' مہرالنساء بڑی صاف گوئی

سے بات کر رہی تھیں۔

''سزا تو اس کو مل گئی بی بی جان! اس کی بہن حویلی والوں کی غلام ہے۔ اب اس پر غصہ کیوں؟'' نیا نے بھی جرأت لب کشائی کر ہی ڈالی۔

''اس کے تو دلدر دور ہوئے ہیں۔ پاس پیسہ نہیں تھا تو پستول لے کر ڈاکے مارتا تھا۔ اب سہیل بہت کچھ دے گا تیرے گھر والوں کو۔'' مہرالنساء کے لہجے میں ان کا فطری گھمنڈ اُمنڈ آیا تھا۔ نوکیلی آریائی ناک مزید تیکھی محسوس ہو رہی تھی۔ جس میں ہیرے کی کنی کی نہیں اے کلاس ہیرے کی لونگ دمکتی رہتی تھی۔

''وہ ڈاکو نہیں ہے بی بی جان! میرا بھائی ہے مجھے پتہ ہے۔'' نیا کا دل اتنی بڑی تہمت پر رونے لگا۔ بمشکل اشک روکتے ہوئے بولی۔

''تو بچی ہے۔ جب جوان بچہ ہر نعمت کو ترستا ہے تو چھیننے کے لیے ہتھیار اُٹھا لیتا ہے۔ تو کیا افسر کا گارڈ لگا ہوا ہے جو جیب میں پستول رکھتا ہے؟'' وہ تیکھی چتون سے نیا کو دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں بات کر رہی تھیں۔

''وہ آج کل لڑکے سیاست میں پڑ جاتے ہیں تو..........'' نیا کچھ وضاحتی بیان دینے لگی تو مہرالنساء نے بات کاٹ کر بڑے اعتماد اور رعونت سے کہا۔

''بات کرتا ہے تو کفن پھاڑتا ہے۔ بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں۔ چور اُچکوں، ڈاکو لٹیروں کی طرح بات کرتا ہے۔ تو بہن ہے تو تو پردہ پوشی کرے گی۔ ایک ڈاکو مرتا ہے تو دنیا سکون کا سانس لیتی ہے لیکن اس کی موت پر اس کی ماں بہن تو روتی ہے ناں۔ رشتہ ہی ایسا ہے۔''

''خیر!! مجھے اپنی بات دہرانے کی ضرورت نہیں۔ تجھے میری بات سمجھ آ گئی ہوگی۔ تو نہا دھو کر تیار ہو جا۔ گھر کی عورتیں تیرے ساتھ ناشتہ کریں گی۔ پو پری آ کر تیرے بال

ہٹا دے گی۔ بہت آرام سے بال سلجھاتی ہے۔ ٹھیک ہے...... میں جاتی ہوں۔''

مہرالنساء نے روایتی انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اس عمل میں اب پہلے کی طرح سے جوش و خروش نہیں تھا۔

ابھی شاداب کی طرف سے پیدا ہونے والا کینہ سینے میں دہک رہا تھا۔ ایک تلخ واقعے کا از سرِ نو ذکر پھر اسی ماحول میں پہنچا دیتا ہے۔ وہ بھی اس وقت ذہنی لحاظ سے حویلی سے کہیں دور پہنچ چکی تھی۔ نیا پتھر کا بت بنی انہیں جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''ممانی جان! وہ کوئی دودھ پیتے بچے تو نہیں ہیں۔ کسی دوست کے گھر یا ہوٹل میں آرام سے بیٹھے ہوں گے۔'' نمو ممانی کو سوپ پلانے کے جتن کر رہی تھی۔ رات سے اب تک وہ رو رو کر نڈھال ہو چکی تھیں۔ آنکھیں سوج کر نیم باز سی ہو رہی تھیں۔ ناک رگڑ رگڑ کر سرخ انگارہ کر لی تھی۔ اب سر پر ہاتھ رکھے گم صم اور چپ چاپ لیٹی ہوئی تھیں اور کھانے پینے سے مسلسل انکار کر رہی تھیں۔ یہ کہہ کر کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔

''نمو! وہ لا اُبالی اور غیر ذمہ دار ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے جو میڈم عالیہ اس کے بارے میں کہہ رہی ہے۔ وہ اتنا بڑا اقدم نہیں اُٹھا سکتا کہ ماں باپ کو بتائے بغیر نکاح کر لے۔ میں ماں ہوں۔ دنیا کچھ بولے مگر میرا اپنا دل بھی تو کچھ بولتا ہے۔'' مسز سبرینہ ہمطوی بڑے دل سوز لہجے اور بھرائی ہوئی آواز میں ٹشو پیپر سے ناک رگڑتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ممانی جان! رمیض بھائی اتنے گئے گزرے ہر گز نہیں ہو سکتے۔ صاف ظاہر ہے دونوں ماں بیٹی نے دولت کی خاطر ان کو جال میں پھنسانے کی سازش کی ہے۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں ماموں جان سب سنبھال لیں گے۔ آخر رمیض

بھائی ان کی اولاد ہیں۔ وہ بھی اکلوتی اولاد۔'' نمو ان کو پرسکون اور مطمئن کرنے کی حتی الوسع کوشش کر رہی تھی۔ انہوں نے رات سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ نیند کی گولی لے کر سوگئی تھیں، صبح نو بجے سو کر اُٹھی تھیں اور نئے سرے سے رونا دھونا شروع کر دیا تھا۔

''پلیز ممانی جان! آپ یہ سوپ تو پی لیں۔ رات سے آپ نے کچھ نہیں کھایا۔'' نمو نے جیسے منت سماجت شروع کر دی۔

''یقین کرو نمو بھوک ہی نہیں لگی۔ بھوک لگے تو کچھ کھانے کو بھی جی چاہے۔'' وہ گلوگیر آواز میں کہہ رہی تھی بولتے بولتے چند قطرے آنکھوں کے کناروں سے ٹپک گئے۔

''ممانی جان پلیز!! رمیض بھائی پانچ منٹ بھوک برداشت نہیں کر سکتے۔ کھا پی کر کہیں سو رہے ہوں گے اور آپ...... سب ٹھیک ہو جائے انشاءاللہ۔'' وہ انہیں بچوں کی طرح بہلانے لگی۔

''اچھا رکھ دو میں پی لوں گی۔ کل سے ابھی تک اس نے مجھے فون نہیں کیا۔ ضدی ہے اور ضد میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اللہ نہ کرے غلط ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔ آج کل اچھے اچھے گھروں کے لڑکے کرائمز میں ملوث ہو رہے ہیں۔ کوئی بڑی رقم کا لالچ دے کر اسے استعمال کر سکتا ہے۔'' وہ ان گنت اندیشوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔

''یہ نوبت آنے تک ماموں جان Cool down ہو جائیں گے۔ وہ بھی تو باپ ہیں بہت کچھ سوچ رہے ہوں گے۔'' نمو نے باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑی بردباری اور سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آخر مجھے فون کیوں نہیں کر رہا مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا۔ مسلسل اس کا سیل آف مل رہا ہے۔'' مسز علوی بہت تشویش سے کہہ رہی تھیں۔

''سو رہے ہوں گے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے وہ سیل بند کر کے سوتے ہیں۔'' نمو نے

پھر دلاسہ دینے والی بات کی۔

''کتنا سوئے گا؟ رات سے اب تک سو رہا ہے؟'' وہ بڑبڑائیں۔

نمو نے اب بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ پھر سر جھکا کر ان کے بیڈروم سے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

نیا ناشتے کی وسیع و عریض ٹیبل پر خاندان کی اہم خواتین کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مہرالنساء اپنی مخصوص جگہ اور نیا ان کے دائیں طرف بیٹھی تھی۔ آتشی گلابی خاص سندھی ڈیزائن کا کرتا شلوار اور بڑا سا کام سے بوجھل دوپٹہ۔ اس پر سیر بھر سونے کے زیورات، دونوں ہاتھوں میں درجن درجن سونے کی چوڑیاں، کنگن کی جوڑی کے ساتھ تھیں۔ نیا کو تو ہاتھ ہلاتے ہوئے بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔

''اڈی تیری یہ بہو پہلی والی سے زیادہ خوبصورت ہے۔ عمر بھی کم ہے۔ میں غلط کہہ رہی ہوں۔'' مہرالنساء کی نسبتاً جوان بہن حورالنساء نے بڑی چاہت سے نیا کو دیکھتے ہوئے بہن کے ساتھ خیال آرائی کی۔

''خوبصورت تو وہ بھی بہت ہے مگر بنجر ہے ناں شکل پر نحوست ہے ویرانی ہے۔'' مہرالنساء نے بڑی بے رحمی سے تجزیاتی جواب دیا۔

نیا کے ہاتھ میں پوری کا نوالہ تھا اس کا ہاتھ جتنا اُٹھا تھا وہیں رُک گیا۔ اس کی عزیز ترین دوست کو بھرے مجمع میں منحوس کہا جا رہا تھا۔ دکھ سے جیسے کلیجہ پھٹ گیا اور سمن کی اُداس صورت نظروں میں گھوم گئی اور دل سے ہُوک اُٹھی۔

''جیجی! کنوار (دلہن) کچھ کھا نہیں رہی، شرماتی ہے۔'' مہرالنساء کی ایک سسرالی رشتے دار نے انہیں متوجہ کیا۔

"یہ بادام کا حلوہ کھا۔ میں تجھے پھل میوے کھلاؤں گی مانی (روٹی) کو بھول جا۔ اب سائیں میٹھی صورت والا پوتا دے گا مجھے۔" مہرالنساء نے حلوہ نیا کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے لاڈ کیے۔

"ادی سہیل سویرے سے دکھائی نہیں پڑا۔ شہر تو نہیں چلا گیا؟" حورالنساء نے اب ذرا متفکر سا ہو کر پوچھا۔

"وہ باہر اوطاق میں اپنے بابا کے ساتھ ہے۔ لوگ مبارکباد دینے آ رہے ہیں ناں۔ سب لوگ بہت خوش ہیں۔ سب کو چھوٹے مخدوم کی آرزو ہے۔ میرے سہیل سے سب بہت پیار کرتے ہیں۔ خیال بھی تو بہت کرتا ہے وہ گوٹھ والوں کا۔" مہرالنساء کا بیٹا اب ان کے پاس تھا۔ دوسری شادی کا ارمان پورا ہو چکا تھا۔ اب وہ سر سے پاؤں تک خوشیوں میں بھیگی بات بات پر فخر کر رہی تھیں۔

"اڈی! سہیل کے ساتھ کنوار (دلہن) کا فوٹو تو بنوا لے۔ حویلی میں نہیں سجائے گی؟" حورالنساء نے مزید نکتہ اُٹھایا۔

"بولتی ہوں سہیل کو۔ اچھا یاد دلایا۔" مہرالنساء نے تائیدی جواب دیا۔

نیا آہستہ آہستہ چمچ سے حلوہ کھا رہی تھی۔ اسے شدت سے چائے کا انتظار تھا۔ اسے صبح سویرے چائے پینے کی عادت تھی اور آج دن چڑھ چکا تھا۔ سر بھاری سا ہو رہا تھا مگر موقع ایسا تھا کہ ایک کپ چائے کے لیے متوجہ کرنا بہت بھاری کام تھا۔

اسے اپنے گھر کی بادشاہی یاد آئی۔ جب دل چاہا ایک کپ چائے بنا کر پی لی۔ گھر کا خیال آتے ہی گھر والے یاد آنے لگے۔ امی کتنی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ شاداب تو بہت برہمی کا اظہار کر رہا ہوگا۔ وہ تو ویسے ہی اکھڑ دماغ اور فرسٹریشن کا شکار ہے۔ جب بھی سامنا ہوگا اسے بے بھاؤ کی سنائے گا۔ وہ سہیل سے بات کرے گی

کہ اسے آج ہی گھر جانا ہے۔ ورنہ امی کی حالت خراب ہو جائے گی۔ عتیقہ کالج جائے گی یا امی کو سنبھالے گی۔

"او پوپری چاء تو لے آ۔ آج تو سویرے سے چائے نہیں پی۔" وہی مہندی رنگے بالوں والی خاتون جو صبح کمرے میں مل چکی تھیں آواز بلند بولیں۔

نیا کو چائے کا سن کر ایک گونہ اطمینان سا ہوا۔ شکر ہے چائے کا امکان پیدا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں پوپری چائے سے بھرا ہوا سا فلاسک اُٹھائے ڈائننگ میں آئی۔ نیا نے بلاارادہ ساس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ جانے کیا سمجھیں۔

میری نو کو چائے نہیں دودھ پلا پوپری۔ چائے تو رنگ روپ پھونک دیتی ہے۔ چائے کے خلاف فتویٰ صادر ہوا اور نیا کا دل ڈوب گیا۔ اس نے ترسی ہوئی نظروں سے فلاسک کی طرف دیکھا اور پلیٹ میں چمچ رکھ کر پلیٹ ایک طرف سرکا دی۔

ساس کا تو نام ہی برا اور جو چائے پر پابندی لگائے تو وہ تو پھر بہت ہی ظالم ساس۔ مگر یہ اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھا۔ اب مروت ولحاظ سے کام لینا دوبھر تھا۔

اس نے مہرالنساء کی طرف دیکھا اور بڑے اعتماد سے کہا "بی بی جان! مجھے دودھ کی نہیں چائے کی عادت ہے۔ آہستہ آہستہ چھوڑ دوں گی۔"

"اڈی! کنوار کو پینے دے چائے۔ ابھی کوکھ میں روح تو نہیں اُتری۔" حورالنساء نے اپنے حساب سے بذلہ سنجی کا اظہار کیا سب خواتین ہنس پڑیں۔ جیسے کوئی دلچسپ لطیفہ سنا ہو۔

"پوپری کنوار کو چائے دے۔ شہری چھوکری ہے اور شہر میں خالص دودھ کہاں۔" حورالنساء نے مہرالنساء کے کچھ کہنے سے پہلے ہی دلہن کی مضبوط حمایتی کا کردار ادا کیا۔

نیا کی جیسے جان میں جان آ گئی۔ پوپری نے حکم کی فوراً تعمیل کی تھی۔

☆☆☆☆☆

روبی ہوش میں آ چکی تھی۔ وقار ایک چھوٹا سا بیگ اُٹھا کر ڈاکٹر کے ساتھ ہی اپارٹمنٹ سے نکل گیا تھا۔ نا کچن میں سوپ بنا رہی تھیں اور شدید اعصابی جنگ سے تھکی تھکی نڈھال سی تھیں۔ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ آخر ایک دم سے کیا ہوگیا ہے۔ ان کی سوچ تو ایک جگہ آ کر ٹھہر جاتی تھی کہ اس ہنستے بستے جوڑے کو نظر بد لگ گئی ہے اور اب ڈاکٹر کی نہیں بلکہ جھاڑ پھونک کی ضرورت ہے۔

"چائے بناؤں روبی؟" وہ کچن ہی میں کھڑی با آواز بلند پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں نا! پلیز ایک کپ چائے تو پلا دیں۔ سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔" روبی کی آواز میں تھکن کا تاثر تھا۔

"ساتھ کچھ کھا لو۔ ایک آدھ رس یا سلائس؟" نا تو اس کا حال دیکھ کر ادھ موئی سی ہو چکی تھیں۔

"نہیں ناں! مجھے صرف ایک کپ چائے دے دیں۔" روبی نے بچوں کی طرح مچل کر کہا۔

نا مزید اُلجھن سے بچنے کے لیے خاموشی سے چائے تیار کرنے لگیں۔ بوائلر کا پلگ لگا کر انہوں نے جھانک کر بے قراری سے روبی کو دیکھا۔

ملگجا سا پرنٹڈ لباس، بکھرے بال، سوجھی آنکھیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ پلٹ کر بوائلر کا سوئچ آف کیا اور ٹی بیگ کپ میں رکھ کر پانی ڈالنے لگی۔

"وقار میاں ڈاکٹر کو کیا اپنی گاڑی میں چھوڑنے گئے ہیں؟ ابھی تک نہیں لوٹے۔"

"مت لیں میرے سامنے یہ نام۔ میں تو چاہتی ہوں وہ اب کبھی میرے سامنے نہ آئے۔ روبی پاگلوں کی طرح چلائی۔ نا بری طرح دہل کر رہ گئیں۔

"اللہ نہ کرے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔" وہ باآواز بولنے سے تو احتراز کر رہی

تھیں مگر دل ہی دل میں دعا کیے بغیر نہ رہ سکیں۔ بوڑھی جان تھی۔ سارا جسم لرزنے لگا تھا۔ ہنستا بستا گھر ماتم کدہ بن رہا تھا۔ ان کے اندر تو قیامت برپا ہو چکی تھی۔

لرزتی کانپتی چائے کا کپ لیے روبی کے قریب آئیں اور محتاط نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے چائے کا کپ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"نا! مجھے ایک نیند کی گولی بھی دے دیں۔ میں بے خبر ہو کر سونا چاہتی ہوں۔ جب تک جاگتی رہوں گی دماغ میں آندھیاں چلتی رہیں گی۔ کہیں برین ہیمبرج نہ ہو جائے۔" روبی نے کپ ہاتھ میں تھام کر کمزور آواز میں کہا۔

"بیٹی! خالی پیٹ نیند کی گولی نقصان کرے گی۔ بیٹا خالی پیٹ تو یوں بھی نیند نہیں آتی۔ کچھ پیٹ میں پڑے گا تو خود بخود نیند آ جائے گی۔" نا منت اور عاجزی سے اُسے سمجھانے لگیں۔

روبی نے خون آلود سی نظروں سے نا کی طرف دیکھا اور کپ سائیڈ ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھ دیا اور غرا کر بولی۔

اپنے مشاہدے، تجربے اپنے پاس رکھیں۔ آپ کے تجربات میرے مرض کی دوا نہیں اس لیے کہ جو میرے ساتھ ہوا وہ آپ کے ساتھ نہیں ہوا۔ آپ جوانی میں بیوہ ہو گئیں بہت خوش قسمت ہیں۔ اچھی یادوں کے سہارے عمر کٹ گئی۔ اگر میں بھی شادی کے فوراً بعد بیوہ ہو جاتی تو میرے حق میں بہت اچھا ہوتا۔ یہ روز روز کی موت تو نہ مرتی۔

نا جو ہکا بکا اس کی صورت تک رہی تھیں آگے بڑھ کر بے ساختہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولیں "خدانخواستہ! اللہ تمہاری بادشاہت سلامت رکھے۔ سر پر تاج دھرا ہے اللہ اسے بیتا رکھے۔"

"نہیں! اسے مر جانا چاہیے یا پھر مجھے مر جانا چاہیے۔" روبی ہسٹریائی انداز

میں چلائی۔

نتا کا تو کلیجہ کانپ گیا۔ اس کی ذہنی حالت بہت مخدوش ہو چکی تھی۔ اب کہیں جا کر نتا کو صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس سے قبل تو خوش فہمی سی تھی کہ شاید عقل کی بات سمجھانے سے وہ کنٹرول ہو جائے۔

سوچ نے بھراتا لے کر اونچی اُڑان بھری۔ انہوں نے بڑی گہری نظروں سے روبی کی طرف دیکھا۔ چہرے پر پڑی لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔

کچھ دل نے کہا اور ڈوب سے گیا۔ عمر کی کئی منزلیں سرکتے سرکتے ان کو وہ نصاب پڑھا چکی تھیں جس میں رویوں سے معنی نکالنے کا ہنر درج ہوتا ہے۔ الفاظ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

چند لمحے سناٹے میں رہنے کے بعد انہوں نے ایک سرد آہ کھینچی۔ ایک نظر کلاک کی طرف دیکھا اور چپ چاپ روبی کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے چھوٹے سے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ جو بات دل نے کہی تھی اس پر ہر زاویے سے غور کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ انہیں جاتا ہوا دیکھ کر روبی نے خاموشی سے کپ دوبارہ اُٹھا لیا۔

اب اس کی آنکھوں کے سوتے خشک تھے۔ نمی کے بجائے وحشت اور کاٹ تھی۔ کوئی عزم مصمم تھا، کچھ طے ہو گیا تھا۔ ذہن ایک نکتے پر مرتکز تھا طوفان سے پہلے کا سناٹا تھا۔

☆☆☆☆☆

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ آدھا گھنٹہ خاندان کی جید باحیثیت خواتین کے ساتھ بیٹھی رہی۔ پھر ایک دم ماں سے بات کرنے کی تڑپ جاگی۔ وہ اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اپنی دھن میں اندر داخل ہوئی تھی مگر سامنے سہیل کو پا کر ایک دم جھجک کر رُک گئی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ سہیل وہاں نظر آئیں گے۔ نکاح کے بعد وہ پہلی

مرتبہ ان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو رات اس کے پہلو میں چار گھنٹے گزار کر باہر اوطاق میں چلے گئے تھے جس کی خبر بھی نہ ہوئی تھی اسے۔

''آیئے! رُک کیوں گئیں؟ آپ کا گھر ہے۔ آپ کا کمرہ ہے۔'' سہیل نے خود پر قابو پا کر اخلاقیات کا مظاہرہ کیا۔

سمن کی شادی کے بعد سے جانے کتنی مرتبہ وہ سہیل کے روبرو آئی تھی۔ عزیز ترین دوست کا شوہر تھا۔ جس کو عزت کرانا آتی تھی۔ دوسروں کو بہت عزت دیتا تھا۔ وہ انہیں ایک بہترین رشتے دار کی حیثیت سے دیکھتی ملتی تھی۔

سہیل کی آواز نے فسوں توڑ دیا۔ وہ بڑے وقار سے قدم بڑھاتی فون کے قریب چلی آئی۔ اس وقت صرف وہ اپنی ماں سے بات کرنے کی دُھن میں تھی اور اس دھن میں اس بلا کی شدت تھی کہ وہ کچھ اور سوچنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔

''وہ میں امی سے بات کرنا چاہتی ہوں بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے سہیل سے گویا اجازت طلب کی جواب اپنے کرتے کی آستین فولڈ کرتے ہوئے اپنے لیے کوئی جائے پناہ سوچ رہے تھے۔

پہلے تو اتنا تکلف نہیں تھا۔ حویلی کی مالکن بننے کے بعد اتنا تکلف۔ سہیل نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے لطیف لہجے میں بات کرنے پر مجبور تھے۔ وہ ان کی منکوحہ تھی۔ اس کے بہت سے حقوق ثابت تھے جو وہ ادا کرنے کی ہمت نہیں پا رہے تھے۔ اچھی بات سے ہی کچھ بوجھ اُتارنے کی کوشش کی۔

نیا نے نہ تاثرات دیے نہ کوئی جواب۔ خاموشی سے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

سہیل وارڈ روب میں خواہ مخواہ کچھ ڈھونڈنے لگے لیکن ہمہ تن گوش تھے کہ وہ ماں سے کیا باتیں کرنا چاہ رہی ہے۔ دوسری طرف ایئر پیس میں شاداب کی آواز اُبھری تھی۔

نیا نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا۔

سہیل نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ شاداب نے اُٹھا لیا تھا۔'' اُس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بے ساختہ کہا۔

یہ وہی بھائی تھا جس کے وہ کان کھینچتی تھی۔ جھاڑ پلاتی تھی۔ بڑے اعتماد سے بات کرتی تھی۔ بڑی ہونے کے ناتے چھوٹے بھائی پر اس کا خاصہ اثر تھا۔ وہ بھی تھوڑا اس سے دبتا تھا کہ ''آپا'' اس گھر کا باپ بھی تھی۔

''تو کیا ہوا؟ بات کر لیتیں اُس سے خیر خیریت پوچھ لیتیں۔ سہیل نے اُلجھی اور سوالیہ نظروں سے نیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''خیر خیریت؟'' نیا نے جیسے جتائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ کر تمسخرانہ کہا۔

''وہ مجھے خیریت بتائے گا۔ اس کی حالت تو ابھی زخمی شیر جیسی ہوگی اور مجھے گھر میں نہ پا کر تو وہ پاگل ہو رہا ہوگا۔'' اس مرتبہ نیا کا لہجہ نرم دھیما تھا۔

''گھر جانا چاہتی ہو؟'' سہیل نے گہری نظروں سے نیا کا چہرہ دیکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔

نیا نے اب چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اندر ایک جوش سا پیدا ہوا۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اب وہ کس طرح گھر جائے گی؟ پتہ نہیں یہ لوگ اسے آسانی سے جانے دیں یا نہ جانے دیں۔ وہ بے تاب سی ہو کر سب کچھ بھول بھال کر سہیل کے قریب چلی آئی۔

''پلیز! مجھے گھر چھوڑ دیں۔ یقین کریں میرا گھر جانا بہت ضروری ہے۔ ورنہ شاداب ایک قیامت برپا کر دے گا۔'' اس کے انداز میں منت سماجت سی تھی۔

''او کے! یہ کوئی ناممکن سا کام نہیں۔ میں ابھی آپ کو ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیتا

ہوں۔ مگر دیکھیں شاداب آپ کے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرے تو آپ پہلی فرصت میں مجھے فون پر بتا دیجیے گا اور اسے یہ ضرور سمجھانے کی کوشش کیجیے گا کہ آپ اس کی آزادی کے سلسلے میں ہی بھاگ دوڑ کر رہی تھیں۔ تاکہ اس کے دل میں آپ کی قدر و اہمیت تو پیدا ہو۔'' سہیل متفکر انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''بھائی ہے وہ میرا۔ آپ فکر نہ کریں میں اسے سنبھال لوں گی۔'' نیا نے بڑے اعتماد سے کہا جس سے سہیل کو ایک گونہ تقویت پہنچی۔

''اچھی بات ہے۔ ویسے بھی ماشاء اللہ آپ بہت باہمت ہیں۔'' سہیل نے نئے رشتے کی نزاکت کو محسوس کرانے کی شعوری کوشش میں قدرے شگفتہ انداز میں بات کی۔

ان کے لہجے کی خاص لہروں نے نیا پر نفسیاتی اثر ڈالا۔ وہ کترا کر رُخ موڑتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

''آپ بابا سائیں اور بی بی جان سے اجازت لے لیں۔ مجھے گھر پہنچنے کی بہت جلدی ہے۔ امی تو ویسے ہی پیشنٹ ہیں۔ لمبا ٹینشن افورڈ نہیں کر سکتیں۔''

''او کے۔ آپ کوئی ضروری چیزیں رکھنا چاہیں تو رکھ لیں۔ میں بابا سائیں سے بات کر کے آتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر سہیل کمرے سے فوراً چلے گئے۔ نیا نے گویا سکون کی سانس بھری اور اپنی چھوٹی موٹی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ اب وہ ذہنی لحاظ سے ماں کے گھر میں پہنچی ہوئی تھی اور اگلا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''سہیل! ابا ہوش کر۔ ابھی تو برادری والے تیرا ولیمہ کھائیں گے۔ ناں ناں وہ ابھی ادھر سے نہیں جائے گی۔'' عبدالرب صدیقی نے صاف انکار کر دیا۔

''اور یہ بھی تو دیکھ وہ چھوکرا اپنے گھر پہنچ گیا ہے۔ مسئلہ کر سکتا ہے۔ کوئی حرکت کر بیٹھا تو ہمیں پھر غصہ آ جائے گا۔ اب نیا ہماری بہو ہے اس کی بہن بعد میں۔'' عبدالرب صدیقی نے مزید کہا اور اخبار اُٹھا کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اب اس موضوع پر وہ مزید بات نہیں کریں گے۔ سہیل نے بڑی بے بسی سے باپ کی طرف دیکھا۔

سہیل کو اسی طرح خاموش کھڑا دیکھ کر عبدالرب صدیقی نے ابرو تانے اور بڑی رکھائی سے بولے ''زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ابا۔ تو جائے گا تو وہ تیری بھی اسی طرح بے عزتی کرے گا جس طرح تیری ماں کی کی تھی۔ پھر ہم سے برداشت نہیں ہوگا۔''

''میں وہاں نہیں جاؤں گا بابا سائیں۔ نیا کو ڈرائیور چھوڑ کر آ جائے گا۔'' سہیل نے فوراً وضاحت کر دی۔

''اسے لینے تو جائے گا؟'' عبدالرب صدیقی نے اسی طرح آف موڈ میں پوچھا۔

''لینے بھی نہیں جاؤں گا۔ آ جائے گی خود ہی۔ جیسے پہلے آ گئی تھی۔'' سہیل بھی اب قدرے چڑ کر بولے تھے۔ نیا کی طرف سے ملنے والا فوری ٹینشن اب باپ کی ضد۔ دماغ اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

''وہ نہیں جائے گی ختم بات۔ ہم اس کی ماں سے بات کرتے ہیں، بتاتے ہیں اس کو کہ اس کی بیٹی اب ہماری بہو ہے۔ حویلی کی عزت ہے۔'' عبدالرب صدیقی نے بڑے پرجلال انداز میں کہا سہیل بری طرح پریشان ہو گئے۔

''بابا سائیں! آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ نیا کی ماں انجائنا کی پیشنٹ ہے۔ ان کو اس طرح کی خبر اچانک دینا ان کی زندگی سے کھیلنے کے برابر ہے۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ میں نے آپ کی اور بی بی جان کی بات مان لی ہے۔ اپنی ماں کے قریب ہوں اور ان سے ہمیشہ کے لیے دور ہونا بھی نہیں چاہتا۔ آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں۔

نیا کو بھی تو اپنی ماں پیاری ہے۔ وہ اس طرح اس کے غائب ہونے پر کتنی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ یہ تو سوچئے۔''

''تو مت کھیلو اس سے۔ صاف صاف بتاؤ۔ تیرا بیٹا زندہ سلامت تیرے پاس ہے شکرانے پڑھ۔ اس بہانے تیری بیٹی کو بھی سکھ مل گیا اور تم لوگوں کو بہت کچھ ملے گا۔'' عبدالرب صدیقی کی بات اپنی جگہ تھی۔

''وہ تو ظاہر ہے ایک نہ ایک دن ان کو بتانا ہی ہے۔''

''ابھی کیوں نہیں؟'' عبدالرب صدیقی نے برہمی سے پوچھا۔

''بابا سائیں پلیز! ایک بار اسے جانے دیں۔ اس کے بعد وہ آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جائے گی میری آپ سے درخواست ہے۔ آپ کے دل میں اس وقت شاداب کے خلاف غم وغصہ ہے۔ اس لیے آپ نیا کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ کیا میری اتنی بھی حیثیت نہیں کہ باپ سے اپنی کوئی بات منوا سکوں؟'' سہیل نے اچھی طرح خود پر قابو پا کر اب بہت نرمی اور شائستگی سے بات کی۔

عبدالرب صدیقی اب ذرا سا پگھلے اور بڑی شفقت سے گویا ہوئے۔

''ابا! تو بھی تو بابا کی بات سمجھنے کی کوشش کر۔ ہمیں اس کے بھائی سے خطرہ ہے وہ پستول رکھتا ہے۔ بہن کو گولی نہ مار دے۔ ابا! نیا اب ہمارا خزانہ ہے اور سب لوگ اپنے خزانے کی حفاظت کرتے ہیں۔'' عبدالرب صدیقی نے غور سے بیٹے کی شکل دیکھی دیسے اپنی مضبوط دلیل کا ردعمل دیکھ رہے ہوں۔

''ابھی تو وہاں کچھ نہیں بتایا جا رہا۔ تو یہ نوبت کیوں آئے گی؟'' سہیل نے اسی طرح نرمی اور تحمل سے جواب دیا۔

''جب اِدھر دوبارہ آئے گی تو کیا بہانہ کر کے آئے گی؟'' عبدالرب صدیقی نے

ماہر وکیل کی طرح نکتہ اُٹھایا۔

''وہ موقع محل دیکھ کر اپنی ماں کو بتا دے گی اور آپ کی طرح وہ اپنی ماں کا بھی خزانہ ہے۔ وہ تو خود ہی محتاط ہوں گی۔ بیٹے کو بتا کر کیوں قیامت اُٹھائیں گی۔'' سہیل کی ٹون میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

''اچھا ابا! تو ہماری اولاد ہے۔ ایک وقت میں انسان اولاد کے سامنے مجبور ہو جاتا ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا ہماری بہو کو کوئی نقصان پہنچا تو ہم اس کے خاندان پر زندگی حرام کر دیں گے۔'' بیٹے کی بات رکھ کر انہوں نے پھر اپنی بات اُونچی رکھنے کی کوشش کی۔ وہ سچ مچ سہیل کی استقامت کے سامنے بے بس سے ہو گئے تھے۔

''بہت شکریہ بابا سائیں! انشاء اللہ جو بھروسہ آپ نے مجھ پر اور نیا پر کیا ہے ہم اسے ہر صورت قائم رکھیں گے۔ بس آپ بی بی جان سے بات کر لیجیے۔ آپ سے بات منوانا زیادہ مشکل نہیں۔ مگر میں بی بی جان کو نہیں سمجھا سکتا۔'' سہیل نے پرسکون ہو کر باپ سے ایک اور درخواست کر ڈالی۔

''تو فکر نہ کر۔ ہم تیری ماں کو سمجھا لیں گے۔ بس بہو کو جلد سے جلد حویلی واپس آنا چاہیے۔'' عبدالرب صدیقی نے اب معمول کے انداز میں شانِ بے نیازی سے بات کی اور اپنا سر سہلانے لگے۔

سہیل کے سر سے ایک عظیم بوجھ اُترا۔ وہ نیا کو خوشخبری سنانے بڑی تیزی سے حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے تھے۔

☆☆☆☆☆

''خیریت سائیں آج دن کی روشنی میں اِدھر کیسے؟'' مہر النساء اپنے بیڈ پر دراز ایک ملازمہ سے پاؤں دبوا رہی تھیں۔ شوہر کو اندر آتے دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھیں۔ ان

کی حیرت بجا تھی کیوں کہ عبدالرب صدیقی کا سارا دن اوطاق یا زمینوں پر گزرتا تھا۔ ملازمہ مالک کو سامنے پا کر خاموشی سے باہر چلی گئی۔

عبدالرب صدیقی بیڈ کے سامنے پڑے بھاری بھرکم صوفے پر ڈھے گئے۔ مہر النساء بہت تشویش بھری نظروں سے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''تیری بہو نے میکے جانے کی اجازت مانگی ہے۔ اس کو ہنسی خوشی رخصت کر دے۔ جلدی واپس آ جائے گی۔'' عبدالرب صدیقی نے بلا تمہید بات شروع کر دی۔

مہر النساء ہکا بکا ان کی شکل تکنے لگیں جیسے حیرت سے اعصاب منجمد ہو گئے ہوں۔

''نہ سائیں نہ! کوئی بھروسہ نہیں۔ جب تک میری بہو ''ہرے'' گی نہیں میں اس کو حویلی سے جانے نہیں دوں گی۔ شہری لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ نا بابا ناں......'' مہر النساء کے انداز میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''دیکھ مہر! بات نہیں بڑھا۔ اب کہیں نہیں جاتی وہ۔ وہ مخدوموں کی بہو ہے کوئی عام لڑکی نہیں۔ گدی مل رہی ہے اس کو۔ پڑھی لکھی ہے، اچھا برا سمجھتی ہے۔ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' عبدالرب صدیقی نے انہیں بہلانے کے انداز میں نرمی سے کہا۔

''اس کا بھائی ڈاکو ہے۔ ہتھیار رکھتا ہے۔ مار ڈالے گا بہن کو مخدوم صاحب آپ سمجھیں۔ حویلی میں اس کی بہن بھائی مانگنے آئی تھی اور مخدوم زادے سے نکاح پڑھا لیا۔ آپ نے دیکھا نہیں اس چھوکرے کو؟ جتنا اُوپر اتنا زمین کے اندر۔ بابا! بہت خطرناک ہے۔'' مہر النساء کا انداز قطعی تھا۔

''ہم نے بھی یہی سمجھایا تھا سہیل کو۔ پر وہ ضامن بنا ہے۔ وعدہ کیا ہے اس نے ہم سے۔ تو فکر مت کرو۔ آخر نیا اب اس کی ذال (بیوی) ہے ہم سے زیادہ اسے فکر ہو گی۔''

''ہم نے زبردستی اس کی ذال بنایا ہے۔ اس کی بلا سے جاتی ہے تو جائے۔ وہ تو

سوچتا ہوگا یہ اپنے گھر جائے تو میں بھی سمن کے پاس جا کر بیٹھوں۔ وہ منحوس تو ویسے ہی اس پر تعویذ گنڈے کرا رہی ہوگی تاکہ وہ اس کا غلام بنا رہے اور ماں باپ کو چھوڑ دے۔ بنجر بانجھ، منحوس......'' مہرالنساء تو جیسے ہتھے سے اُکھڑ گئیں۔

''آرام سے مہرو۔ بھلے وہ بانجھ ہے مگر تعویذ گنڈے والی نہیں۔ اب کیوں اسے گالیاں دے رہی ہے۔ تیرے بیٹے نے تیری بات مان لی دوسری شادی کر لی چھوڑ دے اب اسے اس کے حال پر۔'' عبدالرب صدیقی کو عرصہ تک ساتھ رہنے والی بہو پر قدرتی طور پر رحم آ گیا کہ اب اس کے پاس رہا کیا ہے۔ مرد ہونے کے ناطے فطری غیر جانبداری اپنی جگہ تھی۔

''چھوڑ دیا۔ میں تو اس کا نام بھی لینا نہیں چاہتی۔ ڈائن نے میرا بچہ ہی چھین لیا تھا مجھ سے۔ وہ تو اب سائیں نے میرے حال پر رحم کیا۔'' مہرالنساء تلخی سے بڑبڑائیں۔

''جا بہو کو ہنسی خوشی رخصت کر مہرو۔ وہ تیار بیٹھی ہے۔'' عبدالرب صدیقی نے فیصلہ کن انداز میں مگر نرمی سے کہا۔

''ابھی تو برادری نے ولیمہ بھی نہیں کھایا۔'' مہرالنساء شوہر کے پُرسکون رویے سے مطمئن تو نظر آنے لگی تھیں مگر ولیمہ بھی فوراً یاد آ گیا۔

''ولیمہ بھی کھلا دیں گے۔ آ جائے گی دو چار روز میں ماں کو سمجھا کر۔ آسرا کر۔''

''اچھا جاتی ہوں۔ اللہ سائیں اب مجھے اور آزمائش میں نہ ڈال۔'' وہ بڑی بے بسی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''دولت کی طاقت سے ہمیں غلام بناتے ہیں۔ نوٹ دکھا کر ووٹ لیتے ہیں۔ انہی کے کھلیانوں کو آگ لگاتا تو ہمارا مشن ہے اور میری بہن کو دیکھو ابھی تک ان کی مہمان بنی ہوئی ہے۔'' شاداب اپنے موبائل پر کوئی نمبر ڈھونڈتا آنگن میں ٹہلتے ہوئے غرا رہا تھا۔

''اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں زندگی دی، جان بچ گئی۔ جانے میری بچی نے کتنی منتیں کی ہوں گی۔ پاؤں پڑی ہوگی بھائی کی خاطر۔ رو رو کر بھیک مانگی ہوگی تمہاری زندگی کی۔'' نیا کی ماں بیٹے کی ناسپاس گزاری پر دل برداشتہ سی ہو کر بولیں۔

''کیوں...... کیوں...... کیوں؟ مانگی کھٹملوں سے میری زندگی کی بھیک۔ خون پیتے ہیں سالے۔ جا کر دیکھیں ان ویرانوں کو جہاں انسان جانوروں کی طرح رکھے جاتے ہیں۔ یقین ہی نہیں آتا کہ اتنی ترقی کرنے والی اس دنیا میں ایسے مقامات بھی ہیں۔ وہاں کیوں نہیں جاتیں انسانی حقوق کی تنظیمیں۔ کیوں نہیں جاتے جرنلسٹ اگر جانتے ہیں تو کیوں نہیں لاتے دنیا کے سامنے۔ کیوں انسانوں کو کھل کر جینے کے لیے وسائل نہیں دیتے؟''

''بس کرو شاداب! یہ گھر ہے تمہارا جلسہ عام نہیں۔ کچھ نہیں ہوتا ان تقریروں خطابوں سے۔'' عقیقہ جو اندر رات کے لیے کھانے کی تیاری کر رہی تھی کچن سے جھانک کر شاداب کو ٹوکنے لگی۔

''اسی طرح کرتے ہیں لوگ۔ مرے جاتے ہیں موت کے خوف سے۔ جو موت سے ڈرتا ہے تو کیا موت سے بچ جاتا ہے۔ چھوٹی آپا میرے پاؤں کے چھالے دیکھیں۔ پتر کی زمین پگھلے ہوئے لوہے کی طرح تپتی ہے اور انسان ننگے پاؤں ایک چپاتی اور پتلی دال کے لیے مشقت کرتے ہیں۔ کس نے اجازت دی ہے ان لوگوں کو غلام بنانے کی۔ میں اگر پہلے انگارہ تھا تو اب شعلہ بن کر بھڑک رہا ہوں۔ مر جاؤں گا مگر ان جونکوں کو تھوڑا بہت سبق سکھا کر ہی مروں گا۔''

''پاگل ہوا ہے شاداب...... ! نیا کی ماں نے خوفزدہ ہو کر اسے ٹوکا۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ٹھیک سے اپنی پڑھائی کرو اور دنیا میں کچھ کر کے دکھاؤ۔ تاکہ تمہاری بھی کچھ

عزت ہو۔'' انہوں نے سرزنش کی۔ وہ دُھلے کپڑے تہہ کر رہی تھیں۔

'' مجھے نہیں چاہیے جھوٹی عزت۔ میں ڈاکٹر بنوں تو عزت ملے۔ آئی جی بنوں تو عزت ہو۔ میں انسان ہوں عزت ویسے ہی میرا حق ہے۔'' شاداب نے تخت سے اُترتی ماں کو اسی ٹون میں جواب دیا۔

'' جو دوسروں کی عزت کرتے ہیں انہی کو عزت ملتی ہے۔'' ماں نے فہمائشی انداز میں گھور کر سمجھانے کی کوشش کی۔

عین اسی وقت کال بیل بجی تھی۔ تینوں کی توجہ دروازے کی طرف منتقل ہوگئی تھی۔

'' میں دیکھتا ہوں۔'' شاداب نے موبائل جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

'' ایک منٹ تم رکو شاداب...... میں دیکھتی ہوں۔'' بانو بیگم دیوانہ وار اس کے پیچھے لپکیں۔ انجانے خدشوں سے دل لرز رہا تھا۔ نیا ابھی تک گھر واپس نہیں آئی تھی۔

شاداب نے ان کی پکار سنی ان سنی کرتے ہوئے گیٹ کھول دیا تھا اور جیسے چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹا تھا۔ سامنے بڑی سی چادر اوڑھے سفر بیگ دونوں ہاتھوں سے بمشکل تھامے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اس نے گیٹ سے باہر شاداب کی بلند آواز سن لی تھی اس لیے بھائی کو گلے لگانے کا جذبہ تو سہم کر کسی کونے میں جا دُبکا تھا۔ فی الحال تو بھائی کو فیس کرنے کا مرحلہ بڑا کٹھن تھا۔

شاداب بہن کو سامنے پا کر وقتی طور پر اپنا سارا غصہ و جوش بھلا بیٹھا تھا۔ بہن دور کے سفر سے آئی تھی۔ اس کی زندگی کے لیے جانے کہاں کہاں خاک چھان کر واپس آئی تھی۔ شکر ہے کہ واپس آ گئی تھی۔ وہ بہن جو اس کی بہن بھی تھی اور باپ بھی۔

'' السلام علیکم!'' وہ سنجیدگی سے سلام کر کے ایک طرف ہوگیا۔ بانو بیگم بھی شاداب

کی پشت کے پیچھے کھڑی تھیں۔ شاداب کے ایک طرف ہوتے ہی وہ بے قراری سے آگے بڑھی تھیں۔ نیا نے ایک قدم بڑھایا تھا اور انہوں نے دو قدم...... اور وہیں گیٹ پر اسے گلے سے لپٹا لیا تھا۔

'' میری بچی...... ماں صدقے جائے۔ تو بہ جان سولی پر ٹنگی تھی کہ ابھی تک گھر کیوں نہیں آئی۔ شکر ہے پروردگار کا۔'' وہ اسے زور سے دباتے ہوئے بڑی جذباتی ہو کر کہہ رہی تھیں۔ عتیقہ نے آگے بڑھ کر نیا کا بیگ دہلیز سے اُٹھایا اور آہستہ آواز میں سلام کیا۔

نیا نے ماں سے الگ ہو کر اسی طرح آہستہ آواز میں جواب دیا اور ماں کو پیار سے تھام کر اندر کی طرف بڑھی۔ عتیقہ نے گیٹ بند کیا اور دونوں کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی برآمدے میں آ کر رُک گئی۔ شاداب ایک موڑھے پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

نیا نے چادر اُتاری اور تہہ کرنے لگی۔

'' خیریت رہی ناں بیٹا! اُن لوگوں نے تمہیں پریشان تو نہیں کیا؟'' بانو بیگم بے قراری نظریں نیا کے چہرے پر دوڑاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

شاداب نے خاص انداز میں نظریں اُٹھا کر نیا کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔ عتیقہ بیگ وہیں رکھ کر ان کی باتیں سن رہی تھی اور ذرا فکرمندسی ہو کر شاداب کو بھی گاہے گاہے دیکھ لیتی تھی۔

''نہیں امی...... ان لوگوں نے میرا بالکل مہمان کی طرح خیال رکھا۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ شام کو بی بی جان نے سفر سے روک دیا تھا کہ تم اکیلی رات کو سفر کرو گی اچھا نہیں لگتا۔ صبح سویرے چلی جانا تاکہ مغرب تک گھر پہنچ جاؤ۔''

نیا نے نظریں چراتے ہوئے ماں کو تسلی آمیز جواب دیا جسے سن کر وقتی بانو بیگم بہت پرسکون نظر آنے لگیں'' بڑی مہربانی اُن کی کہ اتنا خیال کیا ورنہ میں تو بہت ڈر رہی تھی۔''

''آپ لوگ اسی طرح ڈرتے رہیں اور ظلم کے ہاتھ مضبوط کرتے رہیں۔ انقلاب آ جائے گا اور آپ سب لوگ چین سے ہنسی خوشی رہنے لگیں گے۔'' شاداب نے تمسخرانہ انداز میں مداخلت کی۔

''ہمیں کسی انقلاب ونقلاب کی آرزو نہیں ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں۔'' بانو بیگم نے ناگواری سے جواب دیا۔

شاداب موڑھا چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ طنزیہ اور زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

''ایسے ڈرپوک لوگوں کی سرزمین پر انقلاب آ بھی کیسے سکتا ہے۔ انقلاب تو خون مانگتا ہے۔ Blood shed گناہ گاروں بے گناہوں کی لاشوں کے ڈھیر۔''

''ارے اللہ توبہ!! منہ بند کر لڑکے۔'' بانو بیگم نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا اور بلا رعایت بیٹے کو زور سے ٹوکا۔

''کیسے ہو شاداب؟'' نیا نے بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی اور عام سے انداز میں شاداب سے خیر خیریت پوچھی۔

''آپ مہمان بنیں وڈیروں کے ہاں مرغ مسلم اور بریانیاں کھا رہی تھیں اور میں اس وقت میں لائن میں لگا ہوا پتلی دال کا انتظار کر رہا تھا۔''

''میں حویلی میں مرغ مسلم بھی کھانے نہیں گئی تھی شاداب۔ تمہیں مزید پتلی دال سے بچانے کے لیے گئی تھی۔ تاکہ تم جلد سے جلد گھر آ کر ماں کے ہاتھ کی بنی ہوئی مہکتی ہوئی مزیدار دال کھاؤ۔'' نیا نے بڑے اعتماد اور وقار سے جواب دیا۔

''ابھی آپ ہی تو بتا رہی تھیں کہ آپ کو وہاں مہمان بنا کر رکھا ہوا تھا۔'' شاداب نے مشکوک اور کڑی نظروں سے نیا کی طرف دیکھ کر استہزائیہ کہا۔

''ہاں! غلط نہیں کہا۔ اس لیے کہ سمن کی شادی کے بعد میں کئی مرتبہ حویلی جا چکی ہوں اور اس کے ساس سسر سے ملاقات ہوتی رہی ہے۔ پہلی مرتبہ نہیں گئی تھی وہاں۔'' نیا نے بہت محتاط انداز میں سنبھل سنبھل کر جواب دیا۔

''لیکن اس مرتبہ آپ سمن آپا کی سہیلی بن کر نہیں شاداب کی بہن بن کر گئی تھیں۔ بلکہ ایک خراب لڑکے کی درخواست گزار بہن بن کر۔ کتنے تعجب کی بات ہے انہوں نے آپ کو ایز اے گیسٹ ٹریٹ کیا۔ عقل سے بالاتر بات ہے۔ میں آخری سانس تک یقین نہیں کر سکتا۔''

نیا نے اب ذرا بدحواس سی ہو کر شاداب کی طرف دیکھا۔

''ہاں تو جب غلطی ہوئی تھی تو اعتراف کر لیا اور جب غلطی کا اعتراف کر لیا جاتا ہے تو سامنے والے کا غصہ ویسے ہی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔'' نیا کو بروقت مناسب جواب سوجھ گیا۔ دل ہی دل میں اس نے شکر ادا کیا ورنہ تو درحقیقت لاجواب سی ہو گئی تھی۔

''حیرت ہے۔ یقین نہیں آتا۔ بہرحال میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ کوئی میرے گھر والوں کو میرے گھر میں میری آنکھوں کے سامنے ذلیل کرے میں برداشت نہیں کر سکتا اور کیوں کروں؟ کیا دولت کی بیس پر انسانوں کو ذلیل کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے اور دوسری بات غلطی فرض کریں میں نے کی تھی تو اعتراف بھی مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میری غلطی کا اعتراف آپ نے کیا اور ان کی تسلی بھی ہو گئی؟'' شاداب نے عجیب اور تمسخرانہ انداز میں نیا کی طرف دیکھا۔

''کیا وکیلوں کی طرح نکتے نکالے جا رہے ہو؟ تم گھر آ گئے۔ نیا بھی وہاں سے خیر خیریت کے گھر واپس آ گئی۔ اب یہ طومار باندھنے کا مقصد؟'' بانو بیگم شاداب کے انداز جرح کرنے سے عاجز آ گئی۔

"شکر ہے آپا ساتھ خیریت کے واپس آ گئیں۔ مگر میں خیریت سے واپس نہیں آیا۔ میرے ہاتھ پاؤں کے زخم ٹھیک ہونے میں ابھی کئی دن لگیں گے اور یہ زخم شاداب کی روح پر لگے ہیں۔ چھوڑوں گا نہیں فیوڈل لارڈ کو" شاداب نے غرا کر کہا اور اُوپر جانے کے لیے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

"پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ اتنے حیثیت طاقت والے لوگ، انہیں للکار کر اسے کیا ملے گا؟ پتہ نہیں دوسرے بچوں کی طرح سکون سے کیوں نہیں رہتا۔ کن چکروں میں پڑ گیا ہے۔" بانو بیگم پژمردہ اور نڈھال سے انداز میں کہتی ہوئی کپڑے اُٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

نمو مغرب کی نماز ادا کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سبرینہ نیند کی گولی کھا کر دیر سے سو رہی تھیں یوں بھی نمو نے ان کے کمرے میں فون کا پلگ نکال دیا تھا کہ کہیں اسی موٹی عورت کا فون نہ آ جائے۔ انجم علوی ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔

نوکر اپنے کوارٹرز میں تھے۔ لامحالہ فون اسی کو اٹینڈ کرنا تھا۔

"ہیلو......!" اس نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں اور بڑے محتاط انداز میں کہا۔

"ہیلو...... میں عالیہ بات کر رہی ہوں۔ شامہ کی مدر۔ کہاں ہے وہ الو کا پٹھا؟" لہجے میں بلا کی جہالت اور بدتمیزی تھی۔

"آپ کس سے بات کرنا چاہ رہی ہیں؟" نمو نے بڑے صبر سے اور دھیمے لہجے میں بات کی۔

"رمیض کے باپ سے بات کراؤ۔ وہ بے غیرت تو نہ جانے کہاں منہ چھپا کر بیٹھ گیا ہے۔ وارداتیا نہیں تو......"

"کتنے میں خریدا ہے آپ نے پاکستان...... آج کل تو سستے میں مل گیا ہوگا؟"

اپنے پیارے ماموں کے لیے اتنا بدتمیز انداز اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ بہت ہو گئی تھی۔ اس نے بھی بدلحاظی سے پوچھا۔

"لڑکی اپنی اوقات میں رہو۔ تم وہی ہو ناں جو اُس رات رمیض کے گھر میں ملی تھیں۔ اس گھر کی نوکرانی لگ رہی تھیں۔ بعد میں تم نے بتایا تھا کہ تم انجم علوی کی بھانجی ہو؟" میڈم عالیہ بھوکی شیرنی کی طرح غرا کر کہہ رہی تھی۔

"شکر ہے نوکرانی ہی لگ رہی تھی۔ طوائف تو نہیں لگ رہی تھی ناں؟"

نمو نے طیش کی لہریں دبا کر بڑے سکون آمیز انداز میں موٹی کی جان جلائی۔

"جانتی نہیں ہو مجھے۔ چار بندے بھیج کر اُٹھوا لوں گی۔ پھر پوچھوں گی طوائف کیا ہوتی ہے۔ اس "بنئے" سے بات کراؤ سیدھی طرح جو اکلوتے بیٹے کی خاطر ایک کروڑ بھی ڈھیلا نہیں کر سکتا۔ قبر میں لے کر جائے گا؟" اَپر کلاس نہیں سپر کلاس ہے تیرے ماموں کی۔ دنیا کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا ہے۔ مڈل کلاسیوں کی طرح رہتا ہے تاکہ کوئی قرضہ مانگنے نہ آ جائے۔" جہالت اپنی انتہا کو چھو رہی تھی اور نمو کو کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ موٹی سامنے ہو تو ریسیور اس کی کھوپڑی پر توڑ دے۔

"اگر وہ سپر کلاس ہیں تو آپ کو کیا تکلیف ہے؟ محنت کر کے کماتے ہیں آپ سے چھین کر نہیں لاتے۔" نمو نے دانت پیس کر جواب دیا۔

"ہونہہ!! ٹیکس چور کروڑوں بچاتا ہے سالانہ۔ میری بیٹی کے ساتھ زیادتی کی ہے اس کے بیٹے نے۔ تاوان تو دینا ہوگا۔ چین سے تو بیٹھنے نہیں دوں گی۔ کمزور سی لڑکی کو فون پر بٹھا رکھا ہے۔ فون کیوں نہیں اٹینڈ کر رہا۔ ڈرگ رہا ہے؟" میڈم عالیہ مسلسل انگارے چبا رہی تھی۔

"بہت ڈر لگ رہا ہے۔ تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ موٹی ہتھنی سے کون نہیں ڈرے گا؟"

یہ کہہ کر نمو نے ریسیور رکھ دیا۔ سینے میں کچھ ٹھنڈک سی پڑ گئی تھی۔ گہرا سانس کھینچ کر اس نے فون کا پلگ نکال دیا اور دھپ سے صوفے پر گر گئی۔

"یا اللہ! یہ کیسا عذاب نازل ہوا ہے اس گھر پر؟" وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

جوں جوں رات کے سائے گہرے ہو رہے تھے ننا کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ وقار ڈاکٹر کے ساتھ گھر سے گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ روبی کب سے پڑی سو رہی تھی۔ مغرب کے وقت ننا نے دبے پاؤں کمرے میں جا کر ہلکی روشنی کا بلب جلا دیا تھا۔ اندھیرے میں ان کا دل بہت گھبراتا تھا۔ وہ تو مغرب کے وقت بستر پر لیٹنے سونے ہی کے خلاف تھیں۔ مگر اس وقت صورتِ حال ہی خلافِ معمول تھی اور اس وجہ سے سب کچھ خلافِ معمول تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد انہوں نے بڑی دل سوزی سے اس گھر کے سکون کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ انتہائی گھپ اندھیرے میں آخر کار دعا کے چراغ ہی سے روشنی ہوتی ہے۔ نماز کے بعد وہ بالکنی میں جا کر کھڑی ہو گئیں۔

اچانک خیال آیا کہ وہ ماہ رُخ اور اس کی پھوپھو کو بلا لائیں اور روبی کی خراب حالت کا بتائیں۔ کچھ تو تنہائی کا احساس دور ہوگا۔

کیا خبر اتنی دیر میں روبی بھی اُٹھ جائے۔ کچھ اس کا بھی دل بہل جائے گا۔ وہ گھر میں پھیلے وحشت ناک سناٹے سے نجات کے لیے راستے ڈھونڈنے لگیں۔

پھر کسی خیال پر ٹھہر کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دوبارہ روبی کے بیڈروم میں آئیں۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کہیں اُٹھ نہ گئی ہو۔ مگر اندر قدم رکھتے ہی احساس ہوا کہ صورتِ حال میں دور تک کسی تبدیلی کے آثار نہیں۔ وہ مایوس اور تھکے تھکے انداز میں واپس لاؤنج

میں چلی آئیں۔

"اللہ رحم کرے۔ وقار میاں کہاں اٹک کر رہ گئے؟" وہ اندیشوں میں گھری ماہ رُخ کے پاس جانے کے لیے اپنی وہ مخصوص چادر اوڑھنے لگیں جو وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے استعمال کرتی تھیں۔

☆☆☆☆☆

"میں ایڈووکیٹ کے پاس جا رہی ہوں۔ گیارہ بجے تک واپسی ہوگی۔" مومنہ جلدی جلدی ضروری چیزیں ہینڈ بیگ میں ڈالتے ہوئے ماہ رُخ سے کہہ رہی تھی۔

ماہ رخ کل صبح آفس جانے کے لیے اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ اس نے ایک لحظے کے لیے نظر اُٹھا کر مومنہ کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر دوبارہ اپنا کام کرنے لگی۔

"میں نے بھی ایسا لائر کیا ہے کہ وہ اس ظالم کو سبق سکھا کر ہی دم لے گا۔ پچاس لاکھ تو سمجھو وقار کے اکاؤنٹ سے نکلے ہی نکلے۔ پھر تم اپنا ذاتی اپارٹمنٹ خرید لینا۔ کرائے کی جھک جھک سے تو جان بچے گی۔ سیلری تمہاری اچھی ہے۔ بہت اچھی طرح گزارا کر سکتی ہو۔ میں پوری کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں اسپین میں اپنے ساتھ ہی رکھوں۔ وہاں بہت پاکستانی ہیں۔ کوئی سمجھ میں آیا تو وہیں تمہاری شادی کر دوں گی۔" مومنہ بڑے عجلت بھرے انداز میں بول رہی تھی۔ ساتھ ہی ادھر ادھر شاید گاڑی کی چابی بھی ڈھونڈ رہی تھی۔

"میری شادی؟ اب بھی آپ میری شادی کا سوچ رہی ہیں؟" ماہ رُخ نے عجیب سی تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر پوچھا۔

"اب بھی کیا مطلب؟ بڈھی ہو گئی ہو۔ ساری زندگی فراڈ لوگوں کو یاد کر کے گزارنے کا پروگرام ہے۔ نانسنس...... فضول سے لوگوں کی وجہ سے عمر بھر خوشیاں خود پر

حرام کر لینا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔'' مومنہ نے جانے کے لیے قدم بڑھا لیے تھے جواب دینے کی خاطر لحہ بھر کو توقف کیا۔

''مگر میں تو شادی شدہ ہوں۔ ڈوورس تو نہیں ہوئی......'' ماہ رُخ دبے دبے انداز میں گویا ہوئی۔

''وہ بھی ہو جائے گی۔ آخر اتنی بھاگ دوڑ کیوں کر رہی ہوں؟'' مومنہ نے قطعی اور لاپرواہ انداز میں بات کی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

ماہ رُخ جیسے سناٹے میں کھڑی رہ گئی۔

''پھوپھو تو بس مشین ہی بن کر رہ گئی ہیں۔ جذبات تو جیسے رہے ہی نہیں کوئی مذاق ہے۔ ابھی اس کے ساتھ ابھی اُس کے ساتھ۔ عورت نہ ہوئی تماشہ ہو گیا۔'' آنسو دل پر ٹپکنے لگے۔ اس نے ایک آہِ سرد کھینچی اور استری پر ہاتھ رکھ دیا۔ عین اسی وقت نتا پریشان حال اندر آ گئیں۔ ماہ رُخ ان کا غیر معمولی انداز بھانپ کر چونک سی گئی اور سنبھل کر سلام کیا۔

''السلام علیکم نتا......! خیریت! کہاں سے آ رہی ہیں؟'' اس نے سوئچ آف کرتے ہوئے کھوجتی متجسس نظریں نتا کے چہرے پر دوڑائیں۔

''کہاں سے آؤں گی بیٹا! اُوپر ہی سے آ رہی ہوں۔ مار دل گھبرا رہا تھا۔ گھر ہے کہ جیسے کھانے کو دوڑ رہا ہے۔'' نتا نے نڈھال سی ہو کر صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا؟ روبی کہیں گئی ہوئی ہے۔'' ماہ رُخ نے اندیشے سے چور لہجے میں جیسے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ارے وہ کہیں جانے کے قابل ہی کہاں ہے۔ تم نے تو آنا جانا بند کیا ہوا ہے۔ آتی تو دیکھ لیتیں اس کا حال۔ ارے اسے تو دن رات کا ہوش نہیں ہے۔ جانے بچی کو کیا

ہو گیا۔ ہنسی کھیلتی بچی کو کس کی نظر لگ گئی۔ میرے سنگ چلو اُوپر...... ذرا اس کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔'' نتا جذباتی ہو کر ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ارے آپ بیٹھیں ایک منٹ میں آپ کے لیے کچھ ٹھنڈا لاتی ہوں۔ بہت پریشان نظر آ رہی ہیں۔'' ماہ رُخ نے آگے بڑھ کر ان کے شانوں پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر زبردستی بٹھانے کی کوشش کی۔

''ارے بیٹا! میرا کسی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔ بس تم میرے سنگ چلو۔'' نتا اب نڈھال بیٹھی تھیں۔

''وقار کیا واپس چلے گئے ہیں؟'' ماہ رُخ نے یوں پوچھا جیسے وہ کوئی چوری کر رہی ہو۔

''کیا بتاؤں...... اچانک کیا مصیبت آ گئی ہے۔ ابھی جہاز پر تو نہیں گیا۔ مگر آج صبح سے گھر سے نکلا ہوا ہے ابھی تک نہیں لوٹا۔ کوئی بات ہو گئی ہے میاں بیوی میں۔ مجھے تو حیرت ہے کہ روبی کو اس حال میں چھوڑ کر وہ آخر گیا کہاں؟'' نتا کی پریشانی تشویش میں بدل رہی تھی۔

ماہ رُخ نے سراسیمہ سی ہو کر نتا کی شکل دیکھی۔ دل بیٹھنے لگا۔ چلا گیا...... کیا رُوبی کو بھی اس کی طرح چھوڑ کر کسی تیسری کی تلاش میں۔ اب دکھ زہر بننے لگا۔ محبت کی باتیں کرنے والے کیا اتنے بے درد بے حس ہو سکتے ہیں۔ اس کے سینے سے ہوک سی اُٹھی۔ اس نے اُداس نظروں سے اپنی سونی کلائیاں دیکھیں۔ مدتوں سے اس نے چوڑی کنگن نہیں پہنے تھے۔ کانوں میں روبی کے ننھے ننھے سے ٹاپس کب سے پڑے ہوئے تھے۔ ڈھیروں زیور ڈبوں میں بند پڑا تھا۔ اسے تو اب یاد بھی نہیں تھا کہ اس کے پاس زیورات میں کیا کچھ ہے۔ وقار نے شادی پر ڈھیروں جیولری دی تھی۔ اس کی ماں کی طرف سے تو

صرف ایک سیٹ اور چار چوڑیاں تھیں وہ بھی انہوں نے پتہ نہیں کس طرح دی تھیں۔ بال بال تو قرضے میں بندھا تھا۔

اس نے سوچتے سوچتے معاً چونک کر ننا کی طرف دیکھا۔ وہ بہت لٹی پٹی سی محسوس ہوئیں۔

''روبی کو ٹمپریچر ہے نا؟'' اس نے جیسے انجان سی بن کر پوچھا۔

''ارے بیٹا! کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر اسے تکلیف کیا ہے۔ سر جھاڑ منہ پھاڑ پڑی رہتی ہے۔ نہ کھاتی پیتی ہے نہ ڈھنگ سے سوتی ہے۔ آنکھیں دیکھو تو لگتا ہے کہ جیسے روتی رہتی ہے۔ یا اللہ! میرا تو سر پھٹا جا رہا ہے۔'' بولتے بولتے ننا نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

ماہ رُخ کا دل پانی بن کر بہنے لگا۔ اس نے بڑی بے بسی سے ننا کی طرف دیکھا۔

''ارے تمہاری پھوپھی بھی نظر نہیں آ رہیں۔ کیا واپس چلی گئیں؟'' معاً ننا کو مومنہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

''نہیں ابھی تو یہیں ہیں۔ ایک مہینہ ابھی رُکیں گی۔'' ماہ رُخ نے آہستگی سے جواب دیا اس کا ذہن روبی کی طرف لگا ہوا تھا۔ اسے خود یاد نہیں رہا کہ مومنہ تو اس کے خاص کام سے گئی ہے۔

''کہاں گئی ہوئی ہے۔ گھر میں تو نظر نہیں آ رہی؟'' ننا نے ادھر اُدھر نظریں دوڑا کر پوچھا۔

''اوہ...... ہاں! وہ ایک ضروری کام سے گئی ہیں۔ ایک دو گھنٹے میں آ جائیں گی۔''

''ہاں! ماشاءاللہ بڑی ہمت والی بچی ہے۔ اللہ اسے بھی نیک بر دے اور تمہیں بھی۔ آمین۔'' ننا نے بڑے خلوص سے ''اجتماعی دعا'' کی اور ساتھ آمین کی مہر بھی لگائی۔

''ہماری سوسائٹی میں تو جیسے شادی مقصدِ حیات ہے۔ شادی سے بھی زیادہ ضروری کام ہوتے ہیں۔ انسان دکھی انسانیت کی خدمت بھی کر سکتا ہے۔ اپنا بوجھ خود اُٹھانے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔'' ماہ رُخ بے ساختہ بولی تھی جیسے لفظ شادی نے تن من میں شعلے بھڑکا دیے ہوں۔

''یہ بات نہیں بیٹا۔ عورت ذات کی فطرت ہی اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ گھر بار اور بال بچوں کے ساتھ ہی سجتی ہے۔'' ننا روایتی عورت کے تصور سے ہٹ ہی نہیں سکتی تھیں۔ محروم جوانی کی دہائیاں اس بڑھاپے کا زادِ راہ تھیں اور اب کوئی جوان تنہا عورت ان سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔

تجھ سے بچھڑ کر دیکھا نہ گیا کسی کا ملاپ
شجر پر بیٹھے ہوئے پرندے اُڑا دیے ہم نے

ماہ رُخ نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جانے کس دھیان میں شعر پڑھ ڈالا۔

''اللہ نہ کرے بیٹی! اللہ بچائے اس حسد جلن کی آگ سے۔ اپنی تو ساری زندگی تنہا کٹ گئی۔ مشکل سے چار دن کا ساتھ تھا۔ مگر اب کوئی بچی اکیلی نہیں دیکھی جاتی۔ دل چاہتا ہے کہ اللہ اس کا دل آباد کر دے۔ اس کا گھر آباد کر دے آمین۔'' ننا نے یوں صفائی پیش کی جیسے ان پر کھڑے کھڑے کسی نے الزام لگا دیا ہو۔

''ارے نہیں ننا! مجھے تو بس یونہی ایک شعر یاد آ گیا تھا۔ مگر یہ آپ کے لیے نہیں تھا۔ خیر! ایک منٹ میں آپ کے لیے کچھ لے آؤں۔''

''نہیں نہیں میں چائے پی چکی ہوں۔ سر میں بہت درد ہو رہا تھا۔ بس تم میرے ساتھ چلو میں تو تمہیں لینے آئی ہوں۔ کیا خبر تم سے باتیں کر کے روبی کی طبیعت کچھ بہل جائے۔'' ننا تو ایک دم ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ شاید روبی کے اکیلے ہونے کا خیال

آ گیا تھا۔

''مم...... میں'' ماہ رُخ ایک گڑبڑا سی گئی۔ ''میں کیا کروں گی نا...... روبی شاید ریسٹ کے موڈ میں ہو۔ بلاوجہ ڈسٹرب ہو جائے گی۔'' اسے فوراً ہی مناسب جواب سوجھ گیا۔

''کوئی ریسٹ ویسٹ نہیں کر رہی۔ اوندھی پڑی بس روئے جاتی ہے، کچھ نہیں بتا رہی۔ شاید تمہیں اپنے دل کا حال بتا دے۔ تمہاری تو بہت دوستی ہے ناں اُس کے ساتھ۔'' نتا جیسے منت سی کرنے لگیں۔

ماہ رُخ ایک عذاب میں گھر گئی۔ روبی کے سامنے تو اب وہ کسی صورت جا ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر نتا کو کچھ پتہ ہوتا تو بھی اس صورت میں تو نتا اس سے مدد لینے آ ہی نہیں سکتی تھیں۔

''رات ہوگئی ہے نتا! میرا خیال ہے وہ دوا وغیرہ لے کر اب سو جائے گی۔ میں صبح آ کر اس کی خیر خیریت پوچھ لوں گی۔ ابھی میرا ایک ضروری فون بھی آنے والا ہے۔ آفس کے بہت اہم کام سے۔ ورنہ شاید میں چلتی۔'' ماہ رُخ نے بہانہ ڈھونڈا اور نتا کو کچھ جتانے کے لیے کلاک کی طرف دیکھنے لگی۔

''اچھا بیٹی! تمہاری مرضی۔ نوکر ڈرائیور تک وہ ہاتھ میں ٹیلی فون لیے گھوم رہے ہیں تم نے نہیں لیا ابھی تک۔ حالانکہ تم تو نوکری والی ہو۔'' نتا نے مایوس اور نڈھال سے انداز میں بات کی۔

''وہ ہے میرے پاس مگر میں ہر ایک کو اپنا نمبر نہیں دیتی۔ پھر لوگ چھوٹے چھوٹے کام پر بھی ڈسٹرب کرنے لگتے ہیں۔''

ایک جھوٹ نبھانے کے لیے ستر جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ یہ کہاوت اب مصداق آ

رہی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹی! اللہ مالک ہے۔ حیرت ہے روبی کا حال سن کر بھی تمہارا دل نہیں چاہا اس سے ملنے کو۔ میری بدنصیب بچی۔'' نتا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور سر جھکا کر باہر کی طرف چل پڑیں۔

ماہ رُخ نے ان کی طرف دیکھا۔ منوں بوجھ دل پر آ پڑا۔ کیسا عجیب موڑ ہے زندگی کا۔ میں مجرم نہیں ہوں مگر مجرموں کی طرح جینا پڑ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

☆☆☆☆☆

''یار ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ اب تمہیں میرے کمرے میں ہی سونا پڑے گا۔'' فہد نے اندر آتے ہی بغیر توقف کے بولنا شروع کر دیا۔

''خیریت...... کوئی مجھے تلاش کرتا کیا یہاں تک آ پہنچا ہے؟'' رمیض نے قدرے حواس باختہ سا ہو کر فہد کی شکل دیکھی۔

''نہیں یار! وہ اسد بھائی کے کوئی دوست ہیں وہ اچانک آ گئے ہیں۔ رات یہیں رُکیں گے۔ ایک گیسٹ روم میں پہلے ہی ایک مہمان رُکے ہوئے ہیں۔ ایک انکل ہیں میڈیکل چیک اپ کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔'' فہد نے قدرے بے زاری سے جواب دیا۔

''اسد بھائی کے دوست کہاں سے آئے ہیں...... کیا فارن سے؟'' رمیض بہت بدمزہ ہو رہا تھا۔ وہ ایسے کمرے میں سو ہی نہیں سکتا تھا جہاں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو۔ پانچ سال کی عمر تک وہ آپا کے ساتھ سوتا رہا تھا۔ اس کے بعد سے وہ ہمیشہ اکیلا سویا تھا۔ فہد کے ساتھ ایک ہی بیڈ پر۔ نو...... نو...... اسے تصور کرتے ہی جیسے جھرجھری سی

آ گئی۔ ایک جھماکہ سا ذہن کے پردے پر ہوا۔ اسے اپنا سپر لگژری بیڈ روم یاد آیا۔ وہ بیڈ روم نہیں تھا ایک دنیا تھی۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کمرے میں اپنی مرضی سے سونے جاگنے کے احساس کے ساتھ......

''کیا اسد بھائی کے دوست کچھ دن رُکیں گے؟'' اس نے ذرا ہچکچاتے ہوئے اپنے برے وقتوں کے اچھے ساتھی سے پوچھا جس کی دوستی اور خلوص پر اسے اندھا اعتماد تھا۔ کچھ وہ اس کا مقروض تھا جس کی وجہ سے ذرا اس سے دبا ہوا رہتا تھا۔ مختلف اوقات میں وہ رمیض سے ایک لاکھ سے اُوپر رقم لے چکا تھا۔ اس کے لیے یہ زیادہ آسان راستہ تھا کہ چند دن رمیض کو اپنے ہاں پناہ دے دے۔ نہ کہ اس کا قرض واپس کرے۔ وہ خود اسٹوڈنٹ تھا۔ باپ بھائی پر انحصار کرتا تھا۔ فوری طور پر روپے پیسے سے تو رمیض کی ہیلپ نہیں کر سکتا تھا۔

''باہر سے تو نہیں آئے۔ ایکچوئلی وہ Sea man ہیں۔ ان کا اپنا گھر ہے اسی شہر میں۔ شاید ان کی مسز کہیں گئی ہوئی ہوں اور وہ ایک آدھ دن بھائی کے ساتھ گزارنا چاہ رہے ہوں۔ بھائی کے کلاس فیلو ہیں اور بیسٹ فرینڈ ہیں۔ اکثر اپنی مسز کے ساتھ کھانے پر آتے ہیں۔ خیر لیو اٹ۔ فی الحال تو بھائی نے گیسٹ روم خالی کرنے کا آرڈر دیا ہے۔ واش روم سے اپنی چیزیں اُٹھا لو اگر وہاں تم نے کچھ رکھا ہوا ہے۔'' فہد پر ایک دم سے عجلت طاری ہو گئی۔

''میں کون سا ''نگ'' بنا کر گھر سے نکلا ہوں۔'' رمیض نے تلخ لہجے میں بہت جل کر کہا۔

''میں اس تھرڈ کلاس شامہ کو چھوڑوں گا نہیں۔ ایک فائر کروں گا صرف اس کی شہ رگ پر۔'' نئے سرے سے اپنی دربدری کا احساس جاگا تو جیسے پھر سے خون کھولنے لگا۔

''احمق ہو۔ اس عذاب سے جان چھڑانے کی کوئی ٹرک سوچو۔ مزید عذاب میں ...نے کی پلاننگ کر رہے ہو۔'' فہد نے بہت نیوٹرل اور پرسکون ذہن سے کام لیتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

''یار کمرشل عورت اتنی خطرناک ہوتی ہے۔'' رمیض اب بڑی سادگی اور حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''تم کیا سمجھ رہے تھے کہ پانچ سو روپے کا کھانا کھا کر ٹھنڈی ہو جاتی ہے؟ ان کو ...ہت خرچہ کر کے جینے کی عادت ہوتی ہے۔ شوہر کی پراپرٹی یا انشورنس پالیسی اور کماؤ بیٹوں کا آسرا تو ہوتا نہیں ہے۔ یہ جوانی میں اپنے بڑھاپے کے بندوبست کے لیے بغیر ذرا کو سیو (Save) محسوس کر ہی نہیں سکتیں۔ ایک کروڑ اس سے لیں گی، ایک کروڑ فلاں سے ایک کروڑ تمہارے باپ سے۔''

''دے ہی نہ دیں ایک کروڑ۔'' رمیض نے بات کاٹ کر تلخی سے کہا۔

''فار اگیزامپل بات کر رہا ہوں یار!'' فہد بریک لگنے پر تھوڑا سا جھلایا۔

''وہ تو میں سمجھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنے فادر پر غصہ آ رہا ہے۔ دو کروڑ تو انکم ٹیکس دیتے ہوں گے۔ ایک کروڑ دے کر میری جان نہیں چھڑا سکتے۔''

اس نے ادھر ادھر پڑے ہوئے کپڑے اُٹھاتے ہوئے بڑے برہم انداز میں کہا:

''بعض لوگوں کو دولت اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ مگر تم کیوں اتنے ...پلرنڈ ہو رہے ہو۔ آج نہیں تو کل سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ تمہارا تو کوئی بھائی بھی نہیں ...نہ آدھا اس کے پاس چلے جانے کا خطرہ ہو۔'' فہد نے اپنی عمر اور عقل کے حساب سے ...نا منطقی بات کی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ اگر وہ بیس سال مزید زندہ رہتے ہیں تو میں ادھر ادھر ٹھوکریں

کھاتا رہوں؟" رمیض نے چڑ کر

"میں تو تمہیں کہہ رہا ہوں کہ ان سے معافی مانگ لو۔ غلطی کا اعتراف کر لو۔ باپ ہیں ہو سکتا ہے انہیں رحم آ جائے۔"

"جس بندے کے پاس بے حساب پیسہ ہو وہ کسی کا رشتہ دار نہیں ہوتا۔ اس کا سب سے مضبوط رشتہ دولت سے ہوتا ہے۔" رمیض تو کئی گھنٹوں کی بے آرامی سے بے حد چڑچڑا ہو رہا تھا۔ ہر لفظ سلگ رہا تھا۔ ماں نے کیا شہزادہ بنا کر پالا تھا۔ باپ نے جیسے جلاوطن کر دیا تھا۔ باپ کی طرف سے دل میں کدورت کی تہیں چڑھنا شروع ہو گئی تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے ابھی تمہیں بھی بہت غصہ ہے اور انہیں بھی دو تین دن خاموشی سے گزار لو۔ سب آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ کرپٹ خواتین بھی سر پٹکنے کے بعد کسی اور شکاری کی طرف چل پڑیں گی۔ دوکانداری زیادہ دیر تو خراب نہیں کر سکتیں۔"

فہد نے بڑی سنجیدگی سے اپنی عمر سے بڑی بات کی۔ اس لیے کہ رمیض نے اچانک کے گھر پناہ طلب کر کے اسے سخت امتحان میں ڈال دیا تھا۔ باپ تو اس کے ریٹائرڈ کرنل تھے خاصے ضعیف ہو چکے تھے۔ گھر کی باگ ڈور بڑے بھائیوں کے ہاتھ میں تھی اور وہ خود بڑے بھائیوں پر انحصار کرتا تھا۔ اس کے بھائی ہی اس کے تمام تعلیمی اور ہر قسم کے اخراجات برداشت کر رہے تھے۔ پھر اس سے عمر میں بھی بہت بڑے تھے۔ دو بڑے بھائیوں کے بعد اس کی تین بہنیں تھیں جو اب شادی شدہ زندگی گزار رہی تھیں۔ ان تینوں کے بعد وہ تھا۔ سب سے چھوٹا اور لاڈلا۔ مگر ماں بہنیں ہی اس کے ناز نخرے اُٹھاتی تھیں۔ بھائی فوجی چھاؤنیوں میں پلے بڑھے تھے ان کی زندگی میں ڈسپلن اور اصول سے زیادہ کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ فہد ان سے ڈرتا تھا اور ان سے خلاف اصول کوئی بات نہیں منوا سکتا تھا۔ اسے رمیض کی خاطر جھوٹ بولنا پڑا تھا کہ اس کے گھر

اچانک بہت سے مہمان آ گئے ہیں اور وہ اسٹڈی نہیں کر پا رہا۔ اس وجہ سے تین چار روز یہاں رہنا چاہ رہا ہے۔ ریزن بہت اسٹرونگ تھی۔ اخلاقی طور پر وہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔

"چلو یار! کدھر ہے تمہارا بیڈروم؟" رمیض بددلی سے اپنا بیگ اُٹھا کر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں...... ہاں...... چلو۔ میرا بیڈ گراؤنڈ فلور پر ہی ہے۔ ممی پاپا کے بیڈروم کے بالکل ساتھ۔ باقی سب بیڈروم اُوپر ہی ہیں۔" فہد نے لائٹس آف کرتے ہوئے جواب دیا اور دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

☆☆☆☆☆

سہیل بیڈروم کا دروازہ لاکڈ کیے کب سے اندھیرے میں بیڈ پر چت لیٹے آنکھیں بند کیے دراز تھے۔ سمن ذہن کے پردے پر قوس وقزح کا ہر رنگ بن کر جھلک دکھا چکی تھی۔ سینے میں دل درد بن کر تڑپ رہا تھا۔ قیامت کی ایک رات آئی اور گزر بھی گئی۔ ابھی تک ایک عورت نے ان کے سینے پر سر رکھ کر اپنائیت کا بھرپور احساس بار ہا دیا تھا۔ دوسری عورت تو ابھی ایک گمان سا تھی۔ منظر سے ہٹتے ہی روح میں اُتری ہوئی من چاہی عورت پھر ان کے سینے سے آ لگی۔ انہوں نے تو کبھی مذاق کی حد تک بھی نہیں سوچا تھا کہ سمن کے علاوہ وہ کسی اور لڑکی کا تصور بھی کریں۔ یہ کیسے ہو گیا......؟

یہ کیسے ہو جاتا ہے؟

وہ بے قرار سے ہو کر اُٹھ بیٹھے اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا سیل اُٹھا لیا اور سمن کو رنگ کرنے لگے۔ یہاں حویلی میں نوکروں اور رشتے داروں کا ہنگامہ محشر اور وہ اس سناٹے میں اکیلی تنہا رو رہی ہوگی۔ اس تصور نے انہیں تڑپا سا دیا۔

رِنگ پاس ہو رہی تھی۔ ان کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ خود سے تو اس نے فون کرنے

کی کوشش ہی نہیں کی۔ اب ان کی کال اٹینڈ بھی نہیں کر رہی۔ دل کو انجانے وہم ستانے لگے۔ یہاں تک کہ ''جواب موصول نہیں ہو رہا'' کی ریکارڈنگ شروع ہو گئی۔ اب وہ ایک دم چوکس سے ہو گئے۔ تمام حسیات نے پوری قوت سے اپنا کام شروع کر دیا۔ دل انتہا پر تڑپ رہا ہو تو ضد بن جاتا ہے۔ وہ اب دیوانہ وار ٹرائی کرنے لگے۔

آخر کار سمن کی نرم اور میٹھی آواز سماعت سے ٹکرائی۔ ''ہیلو......؟''

طمانیت کا گہرا احساس رگ و پے میں اُتر گیا۔ رواں رواں جیسے سجدۂ شکر بجا لایا۔ ''کیا کر رہی تھیں......فون کیوں اٹینڈ نہیں کر رہی تھیں؟'' انہوں نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

''نماز پڑھ رہی تھی۔ سمن نے اپنے مخصوص دھیمے اور پروقار انداز میں جواب دیا۔

''اوہ......سوری! پھر تو میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔ چلو تم نماز پوری کرو میں دس پندرہ منٹ بعد ملاتا ہوں۔ ٹھیک......''

''نماز میں پڑھ چکی ہوں بس دعا مانگنا باقی ہے۔ وہ تو نماز کا اہتمام کیے بغیر بھی مانگتے رہتے ہیں۔ بلکہ سراپا دعا ہی بن چکے ہیں۔'' سمن بہت اچھے اور پرسکون انداز میں بات کر رہی تھی۔

''بہت اچھے کام سے لگا دیا ہے اللہ نے تمہیں۔'' سہیل نے بھی دل کو سمجھا کر سمن کی خاطر بہت خوشگوار انداز میں جواب دیا۔

''ہاں بس مالک کا کرم ہے۔ مجازی خدا کی محبت کا تو مان ہے۔ حقیقی خدا بھی اپنی محبت سے نواز دے تو پار لگ جائیں۔ مالا مال ہو جائیں''

''میرے لیے تو یہ بہت عظیم خوشی ہے کہ تمہیں میری محبت پر اعتبار و یقین ہے۔''

سہیل روحانی مسرت سے سرشار ہو کر کہہ رہے تھے۔

''کسی کی بھی محبت پر یقین کرنے کا کوئی پیمانہ تو نہیں ہے سہیل......یہ تو بس دل کی گواہی ہوتی ہے۔ اکثر جب گہری تنہائی اور گہری سوچ ہو، باہر کے شور پر توجہ نہ ہو تو یونہی کسی مبارک گھڑی دل سچی گواہیاں دینے پر تل جاتا ہے۔ آپ میرے بالکل قریب یا بہت دور کیا فرق پڑتا ہے۔ محبت تو فاصلوں پر انحصار نہیں کرتی۔ آپ بالکل ایزی فیل کریں۔ میری طرف سے بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں گھر کو سجانے بنانے میں اتنی مصروف ہوں کہ اپنا بھی ہوش نہیں۔ آپ کے آنے سے پہلے پہلے میں گھر کو مکمل سیٹ کر چکی ہوں گی۔

آپ نے جو پیسے مجھے دیے تھے وہ سب کے سب خرچ کر چکی ہوں۔ میں اپنے اس چھوٹے سے گھر کو بہت خوبصورت بنانا چاہتی ہوں۔'' سمن اس طرح باتیں کر رہی تھی کہ جیسے اسے کسی تبدیلی کی خبر نہ ہو۔ حالانکہ اسے سب کچھ پتہ تھا کہ وہ حویلی میں کیوں رُکے ہوئے ہیں۔ حویلی آنے سے پہلے وہ ان کے گلے لگ کر کتنا روئی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے حویلی آنے کے بعد وہ لمبے ڈپریشن میں چلی جائے گی۔ مگر اس وقت تو وہ انہیں بہت زیادہ حیران کر رہی تھی۔ چند منٹوں میں اس نے انہیں بالکل ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

''گڈ......سمن! تمہارے دل کی گواہی بالکل سچی ہے۔ مجھے تم سے کوئی چھین ہی نہیں سکتا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ بہت اعتماد سے کہہ رہے تھے۔

''اچھا سچ سچ بتاؤ......میرے آنے کے بعد بہت زیادہ روئی تو نہیں؟'' وہ بہت پیار بھرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

سمن کی ہلکی سی ہنسی ایئر پیس میں اُبھری۔ پھر خوشگوار لہجے میں بولی۔

''میں نے لاؤنج میں ایک بہت خوبصورت پینٹنگ لگائی ہے۔ اتنی خوبصورت کہ

آپ تصور نہیں کر سکتے۔ اس کے نیچے بہت خوبصورت خطاطی میں لکھا ہوا ہے۔

"A Soul have no Ranibow if the eyes have no tears"

(روح میں قوس وقزح کے رنگ نہیں اُترتے اگر آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں)

ایک تیر چلا...... دل میں خلش بن کر اٹک گیا۔ پار نہیں ہوا۔ سہیل تڑپ کر بیڈ سے اُتر گئے۔ بے اختیار اور اضطراب کیفیت تھی۔

''روتی رہتی ہو؟'' انہوں نے بڑے ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ہر وقت نہ کوئی ہنستا ہے نہ کوئی روتا ہے۔ سینے میں پتھر تو نہیں دل ہے۔ دل ہے تو بہانے بہانے سے آنسو بھی آئیں گے۔ یہ کوئی نرالی بات تو نہیں ہے۔ آپ نے آنسوؤں پر توجہ کی روح کی قوس وقزح پر نہیں۔ یہ سارے رنگ ترتیب سے سجاتی ہوں تو آپ کی تصویر بن جاتی ہے۔'' سمن اب کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا سمن میں بہت جلد آؤں گا۔'' وہ لاجواب سے ہو کر دوسری بات کرنے لگے۔

''میں تو اپنا اور گھر کا بہت خیال رکھ رہی ہوں آپ اپنا خیال رکھیں اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ میں جلد آؤں گا۔ مجھے پتہ ہے آپ آئیں گے۔'' وہ اسی طرح بہت اعتماد سے بولی جو کسی بھی لمحے کم پڑتا محسوس نہیں ہوتا تھا۔

''اور کوئی بات کرنا چاہو گی۔ میرا مطلب ہے کچھ پوچھنا چاہو گی۔'' وہ تھوڑا سا ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں...... میں آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ اس لیے کہ جو بتانے والی بات مجھے ہو گی آپ خود ہی بتا دیں گے۔ میں اپنی ایک خوبصورت دنیا بسا کر جی رہی ہوں۔

اس دنیا سے باہر کی کوئی بات نہیں کرنا...... ٹھیک؟ اب آپ آرام سے سو جائیں''

''ٹھیک ہے۔ مگر تم شاداب کی خیر خیریت تو پوچھ سکتی تھیں۔ حیرت ہے تم نے اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی۔ حالانکہ تم بہت ڈسٹرب ہو گئی تھیں۔'' انہوں نے ڈرتے ڈرتے بات چھیڑی۔

''ہاں تو آپ حویلی میں ہیں۔ مجھے آپ کی ذہانت وصلاحیت پر پورا اعتماد ہے۔ آپ کسی کے گھر میں بھڑکتی آگ بجھانے کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور آپ نے کیا بھی۔ پھر نیا بھی بابا سائیں سے ریکوسٹ کرنے گئی تھی۔ مجھے اس کی امی نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ مجھے یقین ہے شاداب گھر پہنچ چکا ہوگا۔'' سمن نے بڑے وثوق اور اعتماد سے جواب دیا۔

اب سہیل نے رگ وپے میں عجیب سی اذیت اترتی محسوس کی۔ وہ مزید بات کرنے کے قابل نہیں رہے اور آہستگی سے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆☆☆

''بچوں سے کیا غلطیاں نہیں ہوتیں؟ ایک دم انتہائی سزا تو نہیں دی جاتی۔ پتہ نہیں کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔'' مسز علوی آنسوؤں سے رندھی آواز میں شوہر کو ذرا منانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''یہ غلطی ہے؟ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ بندہ قتل کرتا ہے تو دو چار لاکھ میں ضمانت ہو جاتی ہے جس غلطی کی قیمت ایک کروڑ لگائی گئی ہے اس میں تو پندرہ بیس قاتلوں کی ضمانت ہو جاتی ہے۔'' انجم علوی بری طرح دھاڑے۔

مسز علوی اپنی جگہ جیسے سہم کر رہ گئیں۔

''لیکن ہم کون سا اس نانگہ کو ایک کروڑ دے رہے ہیں۔'' مسز علوی نے پھر کر

ہمت باندھی۔

"دینا پڑ سکتے ہیں۔ اپنی عزت کی قیمت دینا پڑ جاتی ہے۔ وہ ریڈ لائٹ ایریا کی لڑکی تمہارے بیٹے کی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے۔ ایکسپیکٹ کر رہی ہے۔ کل کو دنیا کے سامنے بچہ لے کر آ جائے گی۔ اس کے Leagal Rights مانگے گی۔ اپنا مین مین نیس Claim کرے گی۔ احمق عورت آنکھوں سے بیٹے کی محبت کی پٹی اُتارو۔ ایک بچہ نہیں سنبھالا گیا تم سے شکر ہے دو چار نہیں ہوئے۔ مجرموں کی کھیپ تیار ہوتی اس گھر میں۔" انجم علوی پھر پوری قوت سے دھاڑے۔

"آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ وہ عورتیں سچ بول رہی ہیں؟" مسز علوی یوں کھڑی ہو گئیں جیسے جان بچا کر بھاگنے کا موقع بھی ساتھ ساتھ ڈھونڈ رہی ہوں۔

"پتہ ہے مجھے ان عورتوں میں ضمیر اور غیرت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ وہ اتنے اعتماد سے جھوٹ بولتی ہیں کہ چیلنج کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تمہارا بیٹا ان کی دنیا میں داخل ہی کیوں ہوا؟" انجم علوی کا بس نہیں چلتا تھا کہ مارے اشتعال کے اپنے سر کے بال نوچنے لگیں۔

"بات بہت وزنی تھی" مسز علوی لاجواب اور بے بس سی ہو کر اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑنے لگیں۔

وہ تو اتنی نڈھال اور جذباتی ہو رہی تھیں کہ انجم علوی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بیٹے کا مقدمہ لڑنے لگیں۔ لمحے بھر کو خیال نہ آیا کہ تھکے ہوئے اور الجھے ہوئے شوہر کو دم لینے کا موقع تو دیں۔

اکثر عورتیں جذباتیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ حرکت کر جاتی ہیں۔ تھکا ہارا مرد گھر میں داخل ہوا اور عورتیں شروع ہو گئیں۔ اس طرح ہر قسم کی بات چیت کا نتیجہ منفی نکلنے کا

امکان ہوتا ہے۔

شاید وہ انجم علوی کو فریش ہونے کا موقع دے کر آرام سے بات کرتیں تو وہ کچھ غور و خوض کرنے کے موڈ میں آ جاتے۔ اس وقت تو انہوں نے جیسے بھوکے شیر کو للکار دیا تھا۔

"گیٹ آؤٹ...... میرے سامنے مت آؤ تم انتہائی غیر ذمہ دار عورت ہو۔ ایک اوباش بیٹا تیار کیا ہے۔ اسی دن کے لیے میں محنت کرتا رہا ہوں کہ میری محنت کی کمائی سے طوائفیں اپنا پیٹ پالیں۔ چلی جاؤ میرے سامنے سے مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ...ں کے بغیر رہ سکتا ہوں، اولاد کے بغیر رہ سکتا ہوں تو تمہارے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔"

انجم علوی تو غصے سے پاگل ہو چکے تھے۔

"انجم...... انجم!! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" سبرینہ ہکا بکا سی ہو کر ان کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"میری بات سمجھ نہیں آ رہی تمہیں۔ چلی جاؤ یہاں سے...... دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" وہ اتنی بری طرح دھاڑے کہ مسز علوی لشتم پشتم دروازے کی طرف دوڑیں۔

نموزینہ اُتر رہی تھی۔ انجم علوی کی دھاڑ باہر تک آئی تو وہ سہم کر اپنی جگہ رُک گئی۔ ...اسی سبرینہ کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔ انہیں دیکھ کر یوں فیل ہوا گویا جان بچا کر ...ہٹ بھاگ رہی ہوں۔

بڑی تیزی سے وہ اُوپر جانے کے لیے زینے کی طرف آئی تھیں۔ تیسرے اسٹیپ ...یں ہوش آیا کہ زینے کی اُوپری اسٹیپ پر کوئی کھڑا ہے۔ انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا ...نظر پڑتے ہی خود کو سنبھالنے لگیں اور نظریں چرا کر زینہ چڑھنے لگیں۔ نمو ذرا ایک ...ر کو ہٹ گئی اور مسز علوی اس کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئیں۔

نمو نے وہیں کھڑے کھڑے گردن موڑ کر ان کو اُوپر ایک موڑ پر غائب ہوتے

دیکھا اور گہری سانس لے کر زینہ اُترنے لگی۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی فون کی گھنٹی نے اس کا ارتکاز توڑ دیا۔ دل بڑے زور سے دھڑکا۔ شاید رمیض کا فون ہو۔ شاید ولید کمال کا فون ہو۔ جب سے رمیض اس گھر سے گیا تھا ولید کمال کا ایک فون بھی نہیں آیا تھا۔ رمیض کی اس روز کی بدتمیزی اور ولید کمال کی بدگمانی نے اسے خاصا ڈسٹرب کر دیا تھا۔ مگر گھر کے ماحول میں پھیلے اذیت ناک تناؤ نے اسے ایک نکتے پر ٹھہرا دیا تھا۔ اس لیے کہ ہر انسان ایک حد تک ہی ٹینشن افورڈ کر سکتا ہے۔ آخر کار اُسے نجات کا راستہ نکالنا ہی ہوتا ہے۔ اس نے خود کو سمجھا لیا تھا کہ وہ شخص جو آناً فاناً بدگمان ہو جائے یہ تو مستقبل کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اگر یہیں بات ختم ہو جاتی ہے تو اسے غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا کون سا لو افیئر چلا تھا۔ ماموں ممانی نے رشتہ پسند کر کے منگنی کر دی تھی۔

وہ سوچتی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔ کیوں کہ گھنٹی ہنوز بج رہی تھی۔ نہ ماموں نے بیڈروم میں اُٹھایا تھا نہ ممانی نے اُوپر سے۔ ناچار اسے اٹینڈ کرنا پڑا۔

''ہیلو......'' اس نے بہت محتاط لہجے میں ہیلو کہا۔

''السلام علیکم!'' دوسری طرف سے ولید کمال کی آواز اُبھری اور نمو کے دل نے رسیاں تڑا کر بھاگنے کی کوشش کی۔

''وعلیکم السلام......کیسی ہو؟'' وہ معمول کے انداز میں بات کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں'' اس نے بے حد مختصر جواب دیا۔

''آواز سے تو نہیں لگ رہا۔ کیا ناراض ہو؟'' اس کے بدلے ہوئے انداز نے نمو کو حیران ہی کر دیا۔

''مجھے ابھی اس طرح کا کوئی حق حاصل تو نہیں ہے۔ ابھی میرا اور آپ کا رشتہ

کیا ہے؟''

''رشتہ تو محسوس کیا جاتا ہے۔ مگر تم نے شاید ابھی تک مجھے قبول ہی نہیں کیا۔ شاید میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔ جس بندے کو اپنے باپ کا نام تک معلوم نہ ہو وہ کسی قسم کی عزت افزائی کے قابل ہی کہاں ہوتا ہے۔ مگر میں تم سے سارے سچ کہہ کر بہت خوش ہوں۔ مجھے جھوٹی عزت کے تاج سجانے کا کوئی شوق نہیں۔'' ولید کمال بڑے جارحانہ اور دوٹوک انداز میں بات کر رہا تھا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میری نظر میں آپ کی بہت عزت ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ ساری سچائیاں کہہ ڈالیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ آپ کے ہاتھوں پر کسی جرم کا نشان نہیں۔ انسان اپنی پیدائش پر قادر نہیں ہوتا۔ آپ نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا، کسی کی عزت کو خطرے میں نہیں ڈالا۔ بلکہ مجھے تو یہ سوچ کر اُلجھن ہوتی ہے کہ آپ اپنے ماضی کو کیوں سوچتے ہیں۔ حال آپ کا ہے، مستقبل آپ کا ہے۔ احساسِ جرم انہی کے پاس ہونا چاہیے جنہوں نے کوئی جرم کیا ہو۔'' نمو اپنے اندر طوفان کی طرح اُٹھنے والے جوابات نہ روک سکی اور سب کچھ بھلا کر پرزور تردید کی۔

''کہنا بہت آسان ہے نعمت ابرار علی۔ آپ باپ کے سایے سے محروم ہیں مگر آپ کو کنفرم ہے کہ اس نام کا بندہ آپ کا باپ ہے۔ اس نے آپ کی ماں سے پراپر طریقے سے شادی کی تھی۔''

''اپنے کزن بلکہ بدتمیز کزن ہی کو دیکھیے۔ باپ کے نام اور اسٹیٹس کی وجہ سے کتنا اکڑا پھرتا ہے۔ باپ شے ہی ایسی ہے۔ کسی لائق ہو تو اولاد جیب میں دنیا لے کر پھرتی ہے۔ کتنا گھمنڈ ہے اس لڑکے میں۔ کیا اسے نہیں پتہ کہ میں تمہارا فیانسی ہوں۔'' بولتے بولتے ولید کمال بگڑ اُٹھا۔

''آپ کیوں ایشو پر ایشو بنا رہے ہیں۔ ممانی جان نے آپ سے معذرت تو کی تھی ناں...... اور اب تو ان کے ذکر کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ ماموں جان انہیں گھر سے نکال چکے ہیں۔'' نمو اس کی تسلی کی خاطر شروع ہوئی تھی اسی دھن میں سب کچھ منہ سے نکل گیا۔

''کیوں؟ کیا میرے ساتھ مس بی ہیو کرنے کی وجہ سے؟'' ولید کمال حیران ہو کر پوچھ رہا تھا جیسے یقین نہ آ رہا ہوں۔

''ارے نہیں...... ماموں جان کو تو اس دن والی کوئی بات پتہ ہی نہیں۔ کسی اور وجہ سے۔'' اب نمو نے آئیں بائیں شائیں کے انداز میں جواب دیا۔

''تو پھر کوئی بہت بڑی بات ہوگی۔ کوئی باپ اپنی اکلوتی اور سگی اولاد سے اتنی آسانی سے ہاتھ دھونا پسند نہیں کرتا۔'' ولید کمال کے لہجے میں اب بلا کی سنجیدگی اُتر آئی تھی۔

''بات تو خیر اصول کی ہے اور ماموں جان بہت اصول پرست ہیں۔'' نمو نے واضح انداز میں اور اعتماد سے جواب دیا۔

چند لمحے ایئر پیس میں سناٹا طاری رہا۔ نمو نے جانا کہ رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ اس نے یقین کرنے کے لیے آہستہ سے کہا۔

''ہیلو......؟''

''ہاں! میں سن رہا ہوں اور بہت کچھ جاننے کا تجسس بھی پیدا ہو چکا ہے۔ مگر تم نے تو ابھی مجھ سے کوئی رشتہ تعلق ہی محسوس نہیں کیا تو مجھے راز کی باتیں کیوں بتانے لگیں۔ بہر حال سن کر افسوس ہوا۔ البتہ ایک سوال ذہن میں آ رہا ہے کہ اس نے تم سے تو کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ انکل کو صرف اسی بات پر اتنا اور شدید غصہ آ سکتا ہے۔'' ولید کمال شک کی وادی میں نکل کر اندازوں سے کھیلنے لگا۔

''مائی گاڈ......'' نمو کی تو حیرت سے آنکھیں باہر نکل پڑیں۔ وہ اتنی حیران ہوئی کہ

بولنے کے قابل نہ رہی۔

''ہیلو...... ہیلو!! میری آواز آ رہی ہے؟'' ولید کمال بے صبری سے ہیلو ہیلو کرنے لگا۔ نمو نے ڈوبتے دل اور ہارے ہوئے انداز میں آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆

''نیا بیٹی! دیکھو مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔ ٹھیک ہے میں مریضہ ہوں مگر اللہ نے بہت ہمت دی ہے۔ تم دو دن حویلی میں کیوں رُکیں؟ اسی دن واپس کیوں نہیں آ گئیں؟ بہت برا بھلا کہا ہوگا انہوں نے تمہیں۔ بہت ذہنی اذیت دی ہوگی۔ میں سمن کی ساس کا انداز اپنے گھر میں دیکھ چکی ہوں۔ اللہ معافی! بہت مغرور اور سخت دل عورت ہیں۔ سو نہیں سکی میں۔ میری معصوم بچی دشمنوں کے گھر میں تھی۔''

رات کو جب وہ آنکھیں موند کر اپنے بستر پر لیٹی تو فوراً ہی بانو بیگم پریشان اور اُلجھی ہوئی اس کے قریب آ بیٹھیں۔

''امی! آپ کو پتہ تو ہے ان لوگوں کا اتنی آسانی سے تو وہ شاداب کو آزاد کرنے پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے۔ واپس کیسے آتی۔ کیسے آپ کو ناکامی کی خبر سناتی؟ جس کام کے لیے گئی تھی کر کے آنا تھا ناں......'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کروٹ لی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر رُخسار کے نیچے رکھ لیے۔

''وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے مگر وہ اتنے خطرناک لوگ ہیں۔ ان سے تو کچھ بعید نہیں تم نے بڑا خطرہ مول لیا۔'' اب وہ ذرا پرسکون ہو کر بولی تھیں۔

''خطرہ تو مول لینا ہی تھا امی۔ ایک ہی تو بھائی ہے۔ اصل میں تو اس کی جذباتیت ہی سے سارا کام بگڑا۔ بلاوجہ جوش میں آ گیا۔''

نیا نے انہیں حقیقت پسندی سے سوچنے کے لیے وزنی بات کی۔

"جوان خون ہے۔ جوش میں آ جاتے ہیں بچے۔ پھر وہ ہمیں ہمارے گھر ہی میں اتنا ذلیل کر رہی تھیں۔ جوان بچے کہاں برداشت کرتے ہیں۔" بانو بیگم نے مجرموں کی طرح اپنے بیٹے کی طرف داری کرنے کی کوشش کی۔ بہت دبا دبا لہجہ اور بہت محتاط انداز تھا۔

"کہاں سے ذلیل ہو رہے تھے ہم؟ اپنے ہی گھر میں تو تھے۔ کوئی ہمیں اُٹھا کر باہر تو نہیں پھینک سکتا تھا۔ امی!! آپ کی اس غیر ضروری نرمی ہی سے شاداب ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے۔" نیا کو ایک دم اپنے اُوپر ٹوٹی قیامت نئے سرے سے یاد آ گئی۔ دور تک کے اندھیرے راستے سوچ کر ہی لفظ لفظ سے زہر ٹپکنے لگا۔

"بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتیں۔ عمر دار عورت ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔ اس نے خدانخواستہ خون تو نہیں کیا تھا۔" بانو بیگم نے اسی طرح دبے دبے انداز میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

"خون کر سکتا تھا۔ پستول تو ان پر تانا تھا ناں...... جس پر پستول تانا جاتا ہے وہ تو یہی سمجھے گا کہ اس کو قتل کرنے کا پروگرام ہے۔" اب اس نے بہت ناراض اور تلخ لہجے میں جواب دیا تھا۔ عتیقہ بھی دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی نظر آ گئی تھی۔ نیا نے غیر ارادی طور پر آنکھیں بند کر لیں۔

"آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں امی۔ کوئی ہم پر پستول تان لے تو ہم کیا سمجھیں گے؟" عتیقہ وہیں کھڑے کھڑے بولی۔

"امی شاداب کو سمجھانا ہوگا کہ بارود کے زور پر طاقت ور بننے کا احمقانہ خواب دیکھنا چھوڑ دے ورنہ بہت نقصان اُٹھائے گا۔" نیا نے بے مروت اور بپھرے ہوئے لہجے میں مشورہ دیا۔ ماں کرید رہی تھی اور وہ حویلی میں گزرے ہوئے وقت کی فلم دیکھ رہی

تھی۔ ایک ایک منظر تیر کی طرح اس کے پار ہو رہا تھا۔ وحشت کے طوفان اُٹھنے کو تیار تھے۔ وہ بمشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے ماں کو جواب دے رہی تھی۔

"میں تو خود بہت پریشان ہوں کہ یہ کن چکروں میں پڑ گیا ہے۔ تم یہ کیوں سمجھ رہی ہو کہ میں اس کی حمایت کر رہی ہوں۔ میں تو تمہاری طرف سے فکر مند ہوں۔ یہ جاگیردار ہر کسی عمر کے ہوں بہت عیاش ہوتے ہیں۔ تم خیریت سے رہیں ناں...... تم سے کسی نے کوئی ناجائز مطالبہ تو نہیں کیا؟" ذہن کو بہت تنگ کرتی بات بالآخر زبان پر آ گئی۔ بانو بیگم نے بڑے خوفزدہ انداز میں سوال کیا تھا۔

نیا نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی۔ پھر جیسے بات سمجھ آ گئی۔ ایک گہری سانس کھینچ کر وہ سیدھی ہو گئی۔

"جاگیردار کتنے بھی عیاش ہوں۔ میں تو کوئی کمزور لڑکی نہیں ہوں۔ آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں۔ کوئی میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔ اگر میں کچھ کروں گی تو اس میں میری اپنی مرضی ہوگی۔" آخری الفاظ تک آتے آتے اس کی آواز بالکل مدھم ہو چکی تھی۔

"بیٹی اعتماد تو تم پر اندھا ہے۔ مگر مرد ذات پھر مرد ذات ہے اور عورت بے چاری کمزور۔" بانو بیگم اب ایک دم ہلکی پھلکی ہو کر بات کرنے لگیں جیسے جو کانٹا چبھ رہا تھا وہ نکل گیا ہو۔

"جو خود کو کمزور سمجھ لے گا وہ کمزور پڑ جائے گا۔ بہت رات ہو گئی ہے امی۔ اب میں اور شاداب گھر میں ہیں۔ آپ سکون سے سو جائیں۔" نیا نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے بہت زور سے نیند آ رہی ہو۔

"شکر ہے مالک کا۔ آنکھوں کا نور گھر میں ہے۔ بس یونہی ان لوگوں کے انداز دیکھ کر اندیشے تنگ کر رہے تھے کہ میری بیٹی کوئی پہاڑ سا بوجھ اپنے سر پر نہ اُٹھا لائی ہو۔"

بہرحال اب میں مطمئن ہوں ..... اوہ ہاں''

وہ اُٹھتے اُٹھتے پھر بیٹھ گئیں جیسے کوئی ضروری بات یاد آ گئی ہو۔ نیا اور عتیقہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''وہ سمن کو تو ذرا دیر کا فون کرلو۔ بہت پریشان تھی بے چاری۔ کئی فون کیے اس نے تمہاری خیر خبر لینے کے لیے۔ یہی پوچھتی تھی کہ آنٹی نیا واپس آ گئی۔ جیسے ہی آئے اسے کہیے کہ مجھ سے فون پر بات کرے۔ مجھے پتہ ہے تم بہت تھکی ہوئی ہو لیکن ایک منٹ کو اس سے بات کرلو۔ وہ بھی سکون سے سو جائے گی۔ اس غریب پر بھی ظلم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔'' وہ بڑے دکھی لہجے میں بولتی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آپا! آپ لیٹی رہیں۔ میں فون سیٹ یہیں لے آتی ہوں۔ اچھی خاصی لمبی تار ہے آ جائے گا آپ کے بیڈ تک۔'' عتیقہ کو بہن کی تھکن کا احساس تھا۔ جلدی سے اس کی خدمت کرنے کو تل گئی اور ایک منٹ سے بھی کم وقت میں اس نے فون سیٹ لا کر اس کے پہلو میں رکھ دیا۔ اب تو نیا کو فون ملانا ہی تھا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ آج سمن سے بات کرتے ہوئے اسے بہت خوف سا آ رہا تھا۔ وہ احساسات جو صرف سمن کے لیے مخصوص تھے دھڑکن کی وہ لے جو صرف سمن کے لیے مرتب ہوئی تھی ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے ایک نظر چپ چاپ کھڑی عتیقہ پر ڈالی اور تھوڑا سا اُٹھ کر نمبر ملانے لگی۔

رابطہ ہو گیا۔ رنگ پاس ہو رہی تھی۔ آخر کار سمن کی آواز سماعت تک آئی۔

''ہیلو..... کون؟ آنٹی! السلام علیکم ..... نیا کا پتہ چلا۔ کب تک پہنچ رہی ہے؟ تھینک گاڈ..... آپ کی مصیبت ختم ہوئی۔ شاداب گھر آ گیا۔ مجھے پتہ ہے بے چاری نیا نے کیسے ان کی منتیں کی ہوں گی۔''

''میں نیا بات کر رہی ہوں سمن .....'' نیا نے جیسے بہتے پانی کے آگے بند باندھا۔

''نیا.....؟ واقعی ..... اوہ خدایا شکر ہے میں نے تمہاری آواز سنی۔ ٹھیک ہے نا؟..... کب پہنچیں؟'' سمن تو جیسے خوشی سے دیوانی ہونے لگی۔

''آ گئی تھی مغرب کے بعد۔ تم سناؤ کیسی طبیعت ہے؟'' نیا بہت دبے دبے لہجے میں بات کر رہی تھی جیسے بات کرنا محال ہو۔

''چھوڑو میری خیریت کو۔ مجھے کیا ہوا ہے..... اپنے گھر میں ہوں، مزے میں ہوں۔ مجھے تو تم سے وہاں کی باتیں پوچھنا ہیں۔ کیا ہوا تمہارے ساتھ؟ کس انداز میں ملاقات کی۔ سہیل اس محاذ پر اکیلے تھے۔ کیسے کامیاب ہوئے؟''

''ارے بس بس! ایک ساتھ اتنے ڈھیر سوالات ..... کیا ہم آخری مرتبہ بات کر رہے ہیں؟ آمنے سامنے بیٹھ کر کرلیں گے یہ ساری باتیں۔'' نیا نے بمشکل بدقت لہجے میں خوشگواری کا تاثر اُتارنے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے پھر تم صبح گھر آ جاؤ۔ اکیلی تو ہوتی ہوں میں تمہارے لیے سندھی بریانی بنا لوں گی تمہیں بہت پسند ہے ناں..... ساتھ ہی کچھ اور ہلکا سا..... کل بس تم میرے ساتھ رہو گی۔'' سمن بہت پُرجوش ہو گئی تھی اور ایک دم ہلکی پھلکی بھی۔

نیا کے انداز سے واضح تھا کہ وہ خیریت سے ہے اور وہاں اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہوئی۔

''چلو ٹھیک ہے۔ اب ہم سو جاتے ہیں تاکہ صبح اُٹھ کر دیوانوں کی طرح بے تکان باتیں کریں۔ کتنے ہی دن ہو گئے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔'' نیا نے اسی طرح خوشگوار لہجے میں بات کی۔

''ویسے بھی سندھی بریانی کا نام سن کر تو مجھے شدت سے صبح کا انتظار ہے۔'' اس نے مزید کہا۔

"سہیل کو بھی سندھی بریانی بہت پسند ہے۔ اس میں ہرا مسالہ بہت پڑتا ہے ناں۔ اس وجہ سے سہیل کو رائس کی یہ ڈش بہت پسند ہے۔ اللہ کرے سہیل بھی کل آ جائیں بڑا مزہ آ جائے گا۔" سمن ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہاری ابھی تک بات نہیں ہوئی؟" سہیل بھائی زبان پر آتے آتے خودبخود رُک گیا۔ نکاح کے دو بولوں کا اعجاز۔ کوئی ایک دم سے لباس کی طرح جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔ وہ رُک گئی۔

"کس سے؟ اچھا! سہیل سے؟" سمن پہلے اُلجھی پھر فوراً ہی سمجھ گئی کہ نیا سہیل کی بابت بات کر رہی ہے۔

"تھوڑی دیر کے لیے بات ہوئی ہے۔ ٹھیک ہیں۔ بہت یاد آ رہی ہوں میں۔ بہت پیاری باتیں کرتے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ میں اتنی لکی (Luchky) ہوں کہ سہیل جیسا چاہنے والا مجھے ملا۔" سمن بہت اعتماد بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"ہاں...... ماشاءاللہ! اللہ تمہیں ہر بری نظر سے بچائے۔ تم دونوں ہمیشہ اسی طرح ایک دوسرے سے پیار کرتے رہو۔" نیا نے بڑے جذبے سے دعا کی۔

سہیل تو اس کی سیفٹی وال تھے۔ اس حفاظتی دیوار نے بھائی کے مستقل غم سے بچایا تھا۔ سہیل سے اس کا تعلق ہی کیا تھا لیکن بھائی تو عمر بھر کی پونجی تھا۔ بھائی سامنے تھا سارے گھر کا روحانی سکون اس سے وابستہ تھا۔ اچانک کاغذ پر درج ہونے والا رشتہ بھائی جیسے مضبوط رشتے پر آناً فاناً کیسے غالب آ سکتا تھا؟

"سہیل صرف تمہارے ہیں سمن اور تمہارے ہی رہیں گے۔" اس نے گہری سانس کھینچ کر سوچا۔

"مجھے پتہ ہے تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو۔ میں تو شاید تمہاری محبتوں کا قرض بھی

اُتار ہی نہیں سکتی۔" سمن تشکرانہ کہہ رہی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے سمن تم ہو اس قابل۔ مجھے تو تم سے ملتے ہی محبت ہو گئی تھی۔ تمہارے شوہر کا پھر جانے کیا حال ہوگا۔" نیا نے شگفتہ انداز میں کہا۔

"ارے آج تو تم سہیل بھائی کے بجائے "تمہارے شوہر" یوز کر رہی ہو خیریت تو ہے؟" سمن ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"بھئی شوہر کی اہمیت کا اندازہ کرا رہی ہوں۔" نیا نے سنبھل کر بات بنائی۔ خاموشی سے آ جانے والی تبدیلی کو شاید اس نے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔

"مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ سہیل جیسا دوست اور سچا ساتھی ہر لمحہ میرے ساتھ ہے۔ لوگ تو ہمیں جدا کرنے کے درپے ہیں۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مجھے سہیل پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے انہیں سیکنڈ میرج کی پرمیشن بھی دی ہے۔ جب ان میں کوئی کمی نہیں تو وہ اولاد جیسی نعمت سے کیوں محروم رہیں؟ میں ان کے پاس سب کچھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ دنیا کی ہر نعمت و خوشی۔" سمن بڑے جذبے سے کہہ رہی تھی۔

"کس دل سے تم نے انہیں اجازت دی ہے۔ یقین نہیں آتا۔" نیا نے گویا زیر لب کہا تھا۔

"اسی دل سے جس پر ان کا قبضہ ثابت ہے۔" سمن دھیرے سے ہنسی۔

"اتنا حوصلہ کیسے کر لیا تم نے؟" نیا کا گلا رندھنے لگا۔

"عقل تو قدم قدم پر ڈراتی ہے۔ جرأتیں تو دل ہی کرتا ہے۔" سمن نے اب چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ نیا دم بخود سی ہو کر لب بستہ ہو گئی۔

"اتنا بھروسہ ہے تمہیں اپنے ساتھی پر......؟" بالآخر اس نے کہا کہ کچھ تو کہنا تھا۔

''اپنے آپ پر نہیں ہے مگران پر ہے۔'' سمن نے بڑے وثوق سے کہا۔

''اللہ تمہاری محبت کو، تمہارے بھروسے کو ہمیشہ قائم دائم رکھے آمین۔'' نیا نے پھر زیرلب دعا کی جس میں سو فیصد خلوص تھا۔

''مجھے تمہاری دوستی پر بھی فخر ہے نیا! اچھا ایک بات بتاؤ سچی سچی'' سمن کو جیسے اچانک کوئی خیال آیا تھا۔

نیا جو سمن کے جملے کے زیراثر لاشعوری طور پر احساسِ جرم میں جکڑی ہوئی تھی بمشکل ہمکلام ہوئی۔

''پوچھو...... بھلا میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گی؟'' اس نے دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''کیا حویلی میں سہیل کی دوسری شادی کی تیاریاں وغیرہ ہو رہی تھیں یا بی بی جان نے تمہیں بتایا کہ وہ سہیل کی شادی کب تک کر رہی ہیں؟'' اس مرتبہ سمن کی آواز میں عجیب سا درد آشکار تھا۔

''بے وقوف تم نے اجازت ہی کیوں دی؟ اب کیوں کھوج کر رہی ہو؟'' نیا نے دکھ کی لہر دباتے ہوئے بظاہر خفگی سے کہا۔

''نیا! بی بی جان میرے ساتھ جیسی بھی ہیں۔ سہیل کی تو ماں ہیں اپنے اکلوتے بیٹے کو تو چاہتی ہیں ناں۔ اگر میری وجہ سے انہیں کچھ ہو جاتا تو سہیل ساری زندگی یہی سوچ کر کڑھتے کہ میری وجہ سے وہ اپنی ماں سے محروم ہو گئے اور وہ خود کو اپنی ماں کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتے۔ احساسِ جرم کے ساتھ زندگی گزارنا تو جیسے پہاڑ اُٹھانے جیسا ہے'' نیا...... محبت کے ساتھ گھٹن کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔ پھر محبت تو نہ ہوئی سزا ہوئی۔''
سمن رقت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نیا کا دل اس کی رندھی آواز پر تڑپ تڑپ گیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو سمن۔ اللہ تمہاری محبت کو ہمیشہ اسی طرح قائم رکھے آمین۔ تمہاری سچائی اور خلوص تمہاری فتح کی علامت ہے۔ ٹھیک ہے اب تم بھی آرام کرو۔ مجھے بہت زور سے نیند آ رہی ہے۔ کل ان شاء اللہ تمہارے گھر پر جی بھر کر باتیں ہوں گی۔''

''اللہ حافظ پیاری نیا!'' سمن کے لہجے میں محبت کا رس تھا۔

''اللہ حافظ میری جان!'' نیا نے آہستگی سے ریسیور رکھ دیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ نہ نیند تھی نہ خواب...... دور تک خاموشی۔ جیسے کسی کشش ثقل سے آزاد سیارے پر سفر ہو اور راہ میں رات پڑ گئی ہو۔

☆☆☆☆☆

سہیل بمشکل سونے کی کوشش کر رہے تھے۔ خیالات کی یلغار نیند کی راہ میں حائل تھی۔ دروازے پر آہستگی سے دستک ہوئی تو انہوں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ اُلجھتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھے اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی چونک کر دو قدم پیچھے ہو گئے سامنے بی بی جان کھڑی تھیں۔

''سو گئے تھے ابا......؟'' وہ دلار سے پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں فی الحال تو جاگ رہا تھا۔ خیریت ہے آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟'' وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''بس فکر تو لگی ہے ناں...... میری نئی نویلی بہو حویلی سے باہر ہے۔ جب تک واپس نہ آ جائے فکر تو رہے گی۔'' وہ سہیل کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''آپ لوگوں نے زبردستی اس حویلی کو اس کا گھر تو بنا دیا ہے۔ اب اپنے گھر تو آئے گی ناں کبھی نہ کبھی۔'' سہیل ابھی تک سمن کی آواز کے طلسم کے زیراثر تھے خاصے تلخ

لہجے میں جواب دیا تھا۔

''بچوں کی عقل میں بات نہ آ رہی ہو تو ابا زبردستی کرنا پڑتی ہے ان کے بھلے کو۔ نہ تیرے کو نقصان ہے نہ نیا کو۔ جتنی تنخواہ اُٹھا کر گھر کا خرچہ چلا رہی تھی اب اتنے پیسوں کا ایک جوڑا پہنے گی۔ تیرے کو تیرے بابا سائیں نے اجازت دی ہے تو مہینے کے مہینے اس کی ماں کو پچاس ہزار روپیہ دے اور ادھر حویلی میں دس گاڑیاں کھڑی ہیں۔ نیا کو بول جو پسند ہے اپنی ماں کو دے دے۔'' مہرالنساء نے بڑے مغرورانہ اور شاہانہ انداز میں سہیل کا چہرہ دیکھ کر کہا۔

''وہ ہم سے یہ سب کیوں لیں گے؟ وہ اس طرح کے لوگ نہیں ہیں بی بی جان جو ہماری بخششوں کا انتظار کریں گے۔'' سہیل نے قدرے ناراض لہجے میں بات کی۔

''ارے ہم نے ان کی بیٹی کو عزت دی ہے۔ ہمارے وارث کی ماں بنے گی۔ سارا راج پاٹ اس کا ہے۔ میں ادھر کب تک بیٹھی ہوں۔ اُدھر ہوتی تو ڈاکو کی بہن کہلاتی، اِدھر مخدوم صاحب کی بہو ہے۔ بیٹی سے نوکری کراتے تھے تو شرم نہیں آتی تھی۔ ہم سے پیسہ لیتے شرم آئے گی۔''

''لیکن بی بی جان ابھی ان لوگوں کو یہ نہیں بتانا ہے کہ نیا آپ کی بہو بن چکی ہے۔'' سہیل جیسے زچ ہو کر بولے۔

''پھر کب بتانا ہے؟ تاریخ دی ہے اس نے...... اور ان کو نہیں بتائے گی تو حویلی میں کیسے بسے گی؟'' مہرالنساء نے سہیل کی بات کاٹ کر بڑے تیز و تند لہجے میں پوچھا۔

''یہ بات پہلے ہو چکی ہے بابا سائیں کو سب پتہ ہے۔ تھوڑا سا وقت لگے گا پھر بتا دیں گے۔ ایک دم سے بتانا ٹھیک نہیں۔ اس کی ماں دل کی مریضہ ہے۔ بھائی ابھی قید سے نکل کر گیا ہے۔ آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں بی بی جان!''

''ٹھیک ہے تھوڑا بہت وقت لگے تو خیر ہے...... مگر زیادہ نہیں ہفتہ دس دن میں۔ تم ساتھ بیٹھا کرو۔'' ماں ہونے کی حیثیت سے وہ بس اتنے ہی اشارے کنائے کر سکتی تھیں۔ دوست تو نہیں تھیں کہ واضح انداز میں لطیف باتیں کرتیں۔

''ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔ آپ پریشان نہ ہوں اور جا کر سو جائیں۔'' سہیل نے نظریں چراتے ہوئے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔

''لیکن سمن کو تو ایک دن بتانا ہوگا کہ تیری دوسری شادی اس کی سہیلی کے ساتھ ہو چکی ہے۔ بلکہ تو اسے نکاح سے پہلے ہی فون پر اس کو بتا دیتا تو زیادہ اچھا تھا۔'' مہرالنساء جاتے جاتے پھر پلٹ آئی تھیں۔

''بی بی جان! سمن مجھے دوسری شادی کی اجازت دے چکی ہے۔ اس کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ میری دوسری بیوی کون ہے۔ اس نے آپ لوگوں کے ساتھ اتنی مہربانی کی ہے تو اس کا بھی آپ لوگ خیال کریں۔ اب نیا کا بتا کر اس کے سر پر آسمان تو نہ توڑیں۔ وہ خود کہتی ہے کہ میں آپ کی دوسری بیوی سے کبھی نہیں ملوں گی، نہ اس کے بارے میں بات کروں گی۔ اس کا نام تک جاننا نہیں چاہوں گی۔ تو پھر اسے خواہ مخواہ دکھ کیوں پہنچایا جائے۔ وہ مظلوم تو ہماری خوشیوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال رہی۔ بلکہ......''

سہیل بولتے بولتے رُک گئے جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔ مہرالنساء سپاٹ چہرے کے ساتھ بغور ان کو دیکھ رہی تھیں۔

''بلکہ میں تو آپ سے اور بابا سائیں سے درخواست کروں گا کہ آپ لوگ اب کبھی اپنی زبان پر سمن کا نام نہ لائیں اور نہ ہی میں اسے کبھی حویلی لے کر آؤں گا۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اس کا اب آپ لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں۔'' سہیل کے حرف حرف سے تپش

نکل رہی تھی۔

مہرالنساء چند لمحے دم بخود سی سہیل کی شکل دیکھتی رہیں۔ پھر ایک دم جیسے حواسوں میں پلٹ آئیں اور بڑی ناگواری سے بولیں۔

''یہ تو تو نے ہم پر بڑا احسان کیا۔ ہمارے کس کام کی وہ بنجر۔ تو اسے بٹھا اپنے سر پر کون روکتا ہے۔ نیا ہمارے وارث کی ماں بنے گی۔ وہی حویلی کی مالکن ہوگی۔'' مہرالنساء نے اسی طرح بڑے مغرورانہ انداز میں کہا۔

''نیا کی تقدیر آپ نے کیسے پڑھ لی؟ کیسے پتہ چلا آپ کو کہ وہ آپ کے لیے وارث پیدا کرے گی؟'' سہیل نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔

''جس عورت کی کوکھ سے شہزادے پیدا ہوتے ہیں اس کے تو ماتھے پہ نور رہتا ہے۔ ہم نے بھی ایک عمر گزاری ہے اس دنیا میں۔'' مہرالنساء نے بڑے اعتماد سے کہا۔ اعتماد بھی ایسا کہ سہیل نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی مگر فوراً ہی نظروں کا رُخ موڑ لیا۔

''آپ کی سب باتیں مان لی ہیں بی بی جان! ماں کی محبت کے سامنے ہار گیا۔ ماں کی موت کا ذمہ دار بننے کا حوصلہ نہیں تھا۔ آپ میری صرف ایک بات مان لیں بی بی جان! سمن کو کبھی پتہ نہ چلے کہ نیا میری دوسری بیوی ہے۔'' سہیل کے لہجے میں اس مرتبہ بڑی تھکن اور شکستگی تھی۔

مہرالنساء کو بیٹے کی ٹوٹی ہوئی آواز نے جیسے تڑپا دیا۔ آگے بڑھ کر سہیل کا سر اپنے سینے سے لگا کر بولیں۔

''ہمیں کیا پڑی ہے کہ اُسے بتائیں۔ اللہ ہماری مراد پوری کرے۔ ہمیں کسی سے کیا لینا۔ تو خوش رہ۔ تو نے ماں کی بات رکھی ہے۔ اللہ سائیں نے چاہا تو ہمیشہ سکھی رہے

گا۔ اللہ سائیں تجھے باغ و بہار کر دے۔ آمین''

ماں کے اندر سے پھوٹتی دعاؤں کی ٹھنڈک نے اندر بھڑکتی آگ کو وقتی طور پر جیسے ٹھنڈا کر دیا۔ مہرالنساء نے دونوں ہاتھوں میں بیٹے کا چہرہ تھام کر پیشانی چوم لی۔

میں محبت کی اس قوت کے سامنے بہت بے بس ہوں سمن۔ ورنہ دنیا کی کوئی طاقت میرے وجود کو تقسیم نہیں کر سکتی تھی۔

مہرالنساء کمرے سے باہر جا چکی تھیں اور سہیل پھر گہرے خیالات میں ڈوب چکے تھے۔

☆☆☆☆☆

علی الصبح روبی کی آنکھ کھل گئی تھی۔ حالانکہ وہ ٹرنکولائزر لے کر آدھی رات کو سوئی تھی۔ آنکھ کھلنے کے بعد چند لمحے وہ بالکل خالی الذہن چھت کو گھورتی رہی۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر ایک دم ہڑبڑا کر اپنے پہلو کی طرف دیکھا۔ وہ بیڈ کے بالکل کنارے پر ٹکی ہوئی تھی پورا بیڈ خالی تھا۔ اس نے نظریں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی اور عجلت کے انداز میں بیڈ سے اُتر کر واش روم کی طرف بڑھی اور آہستگی سے ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ذرا سا سر اندر کر کے جھانکا۔ واش روم خالی تھا۔ اس کا ہاتھ بے جان سا ہو کر ہٹ گیا اور جیسے لٹک گیا۔ زندگی کی رمق محسوس نہ ہوتی تھی۔ اسی ہاتھ سے اس نے چوکھٹ تھامنا چاہی تو لگا جیسے سارا ہاتھ بازو تک مفلوج ہو چکا ہو۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے بمشکل چوکھٹ تھامی اور ساتھ ہی پیشانی بھی چوکھٹ سے ٹکا دی۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو بہنے لگے۔

''تو چلے گئے...... غلطی کی تھی تو فیس بھی کرتے۔ میں برا بھلا کہتی تو سنتے۔ میں پاگلوں کی طرح چیختی تو برداشت کرتے۔ میرے اس دکھ کو محسوس کرتے جو تمہاری غیر

ذمہ داری کی وجہ سے میرا نصیب بنا۔ منہ چھپا کر فرار ہو گئے؟ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر، سسک سسک کر مرنے کے لیے۔ ہم سے جھوٹ دھوکہ برداشت کرنے کی اُمید اور خود سے سچائی برداشت نہیں ہوتی۔

''یا اللہ! کیا کوئی حسین خواب دیکھ رہی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔'' اب وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ۔ پتہ نہیں کتنی زندگی باقی ہے۔ جتنی بھی ہے کیسے کٹے گی؟ میں تو خود چھوڑ کر چلی جانا چاہتی تھی۔ مجھے تو تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں تھا مگر تم اتنے سفاک ہو کہ مجھے اس حال میں چھوڑ کر چلے گئے۔ کچھ بھی محسوس نہیں ہوا؟'' روتے روتے اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ وہ وہیں آہستہ سے بیٹھ گئی۔ ایک ہاتھ ابھی تک چوکھٹ پر تھا۔ وہ بے دم سی ہو کر ٹیک لگانا چاہتی تھی مگر دیوار بہت دور تھی۔ اسے کچھ بھائی نہ دیا تو بے بسی سے وہیں کارپٹ پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ دکھ کا پہاڑ سر پر تھا اور پیروں میں دم نہ تھا۔ آسمان سا ٹوٹا تھا...... زمین لرز رہی تھی۔ لوگ موت پر کتنا ماتم کرتے ہیں۔ انہیں کیا پتہ اس دنیا میں موت سے بھی بڑے غم ہوتے ہیں۔ جن پر ماتم کر کے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکالی جا سکتی۔ ایسا کر بیٹھیں تو تماشہ بن جائے۔ موت پر غمگسار اکٹھے کرنا کوئی مسئلہ نہیں۔ محبت میں لٹنے اور دھوکہ کھانے کے بعد بے حساب تنہائی، بے شمار آنسو۔ اس پر مستزاد یہ خوف کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ دھوکہ دینے والے کے ہاتھ صاف، دھوکہ کھانے والے کو رُسوائی کے اندیشے۔ اس کا ذہن لاشعوری حواس کی سرحدوں پر اُڑان بھرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

نیا کب کی جاگ چکی تھی مگر ابھی تک آنکھیں موندے بستر پر تھی۔ ذہن منتشر

ہنوں میں پرواز کر رہا تھا۔ نیا طلوع ہونے والا دن اس سے سوالات کر رہا تھا۔ اس کی دنیا بدل چکی تھی۔ ان دیکھی زنجیروں سے اس کے پاؤں بندھ چکے تھے۔ جبکہ نہ قید تھی نہ آزادی۔ اس کے وجود کی جیسے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ایک استعمال ہونے والی شے تھی۔ ایک گھر کی تمام تر ذمہ داری تو اس کے کاندھوں پر تھی ہی اب کسی کے لیے وارث پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی آن پڑی تھی...... وارث؟ پاگل ہوئے جاتے ہیں لوگ وارث کے لیے۔ اپنے باپ کا وارث بچانے کی خاطر اسے کسی کے لیے وارث پیدا کرنے کی سزا بھگتنا تھی۔ اس نے بے قرار ہو کر کروٹ بدلی۔

وارث کے گود میں آنے تک ایک لامحدود تاریک جنگل کا سفر درپیش تھا۔ وحشت ناک قیامتیں تعاقب میں تھیں جن سے گزر جانے کے بعد بھی زندگی سے چھٹکارا پانے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔

رات ایک موہوم سی اُمید تھی کہ شاید نئے تعلق کو محسوس کرتے ہوئے مخدوم سہیل اسے فون کریں۔ خیر خیریت پوچھیں۔ مگر رات کو ان کو سمن سے بات کرنے کے علاوہ شاید کوئی دوسرا خیال ہی نہ آیا۔

سہیل اور سمن ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔ سہیل نے تو سمن کی خاطر حویلی، زمینیں، دولت حشمت سب کو ٹھوکر مار دی تھی۔ چھوٹے سے تین کمروں کے فلیٹ میں اپنی جنت بسا لی تھی لیکن پھر ماں جیت گئی، سمن ہار گئی۔ ہار ہی تو گئی اس کے شوہر کی زندگی میں ایک اور عورت داخل ہو گئی۔ مصلحتیں محبتوں پر غالب آ گئیں۔

اس کی آنکھوں سے چند آنسو ٹپکے اور تکیے میں جذب ہو گئے۔

اتنی بڑی بات ہو گئی ہے۔ ایک دن گھر والوں کو پتہ تو چلے گا اور جب پتہ چلے گا یہاں تک سوچ کر اس کے اعصاب شل ہو گئے۔

ماں کو قائل کرنا ہوگا کہ ماں تیرا وارث تیرے سامنے لانے کے لیے ایک زندگی کی قربانی شرط ٹھہری تھی۔ وہ بے آواز آنسو بہانے لگی۔ ہر طرف ایک شور سا تھا۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو گیا؟ ایک غیر ذمہ دار لڑکے کی خاطر کتنی زندگیاں سولی پر لٹک گئیں اور جس کی خاطر یہ سب کچھ ہوا شاید وہ خود اسی بہن کو قربانی دینے والی بہن کو گولی مار دے گا۔ جان چھوٹ جائے گی میری۔ پھر تو کوئی میری طرف آس اور مدد طلب نظروں سے نہیں دیکھے گا۔ سب کو اپنے اپنے نصیب پر صبر کرنا آ جائے گا۔ وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی مگر کسی وقت سسکی نکل جاتی تھی۔

''آپا! کیا ہوا......؟'' عتیقہ نے بدحواس ہو کر اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

نیا تو جیسے دم سادھ کر خاموش ہو گئی۔ حرکت کرنے پلکیں اُٹھانے کے قابل نہ رہی۔

''آپا...... آپا! آپ جاگ رہی ہیں؟'' عتیقہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا چہرہ چھو کر پوچھ رہی تھی اور نیا کا یہ حال کہ سانس لینا محال۔

''آپا! کیا ہوا ہے...... کیوں رو رہی ہیں صبح صبح؟ کیا شاداب نے کچھ کہا ہے؟'' عتیقہ بری طرح پریشان ہو چکی تھی۔ اس نے نیا کا چہرہ اپنے سامنے کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس پر جھکی ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا۔ تم پریشان مت ہو۔ بس یہی خیال آ گیا تھا کہ خدانخواستہ شاداب کو کچھ ہو جاتا تو...... شکر ہے وہ اپنے گھر میں ہے۔''

''آپا! آپ مجھے بچوں کی طرح مت بہلائیں۔ مجھے کچھ فیل ہو رہا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ آپ اتنی آسانی سے رونے والی نہیں ہیں۔ آپ کی وجہ سے سب نے میرا نام رونی صورت رکھا ہوا ہے کہ میں فوراً رو پڑتی ہوں۔ مگر آپ میرے مقابلے میں بہت اسٹرونگ ہیں۔ مجھے بتائیں کیا بات ہے؟'' عتیقہ کو اس کی وضاحت پر ذرہ برابر

یقین نہ آیا تھا۔

''آخر انسان ہوں۔ رو بھی سکتی ہوں۔'' اس نے سرہانے رکھے دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''اس بری طرح رو رہی تھیں آپ کہ میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے۔ میں چھوٹی سہی آپ کی بہن ہوں آپ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔ مجھ پر اعتبار نہیں آپ کو؟'' نیا خاموشی سے چہرہ پونچھتی رہی۔

''آپا! ادھر حویلی میں کیا آپ کے ساتھ کسی نے زیادتی کی ہے۔ آپ کی انسلٹ کی ہے۔ اتنا تو مجھے بھی اندازہ ہے کہ اتنی آسانی سے وہ شاداب کو چھوڑنے والے نہیں تھے۔ آپ نے تو وہاں سے آ کر کچھ بتایا ہی نہیں۔ دو دن آپ وہاں رُکیں اور ہم یہاں سولی پر لٹکے ہوئے تھے۔ وہ بہت ظالم لوگ ہیں۔ سمن آپا کا دیکھیں کیا حال کر دیا ہے۔ [illegible] کے آنسو ہیں اُن کی آنکھوں میں۔'' عتیقہ بڑی دل سوزی سے کہہ رہی تھی۔

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ کوئی بات ہوتی تو میں تمہیں ضرور بتاتی۔ مجھے ایک کپ چائے تو پلا دو۔ دس بجے میرا ایک انٹرویو بھی ہے۔ دعا کرنا اگر یہاں بات بن جاتی ہے تو بہت اچھا ہوگا۔ سیلری اچھی ملے گی اور ہاں اگر تمہیں دیر نہ ہو رہی ہو تو میرا نیلا سوٹ پریس کر دینا۔'' نیا نے نان اسٹاپ کلام کر کے گویا عتیقہ کی توجہ بکھیرنے کی کوشش کی۔

عتیقہ نے بے بسی کے انداز میں نیا کی صورت تکی پھر جیسے ہار مان کر اُٹھ گئی۔ نیا بھی اُٹھ بیٹھی اور بکھرے بال سمیٹ کر جوڑا بنانے لگی۔

☆☆☆☆☆

''یار! تم نے بتایا نہیں کہ اچانک تمہارے اور بھابی کے درمیان کیا پرابلم آ گئی ہے۔''

اسد وقار کے بچپن کے دوست ناشتے کی ٹیبل پر بہت فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

''میری پہلی شادی'' وقار نے چائے کا کپ اُٹھا کر مختصراً جواب دیا۔

''مگر وہ تو ختم ہوگئی تھی اب اس کا کیا ذکر۔ تم تو اب بہت سیٹل لائف گزار رہے تھے؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میں نے اپنی دوسری بیوی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میں آل ریڈی میرڈ ہوں۔'' وقار نے نظریں جھکا کر بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''جب شادی ہی ختم ہو چکی تھی تو کہاں سے میرڈ ہوئے سنگل ہی تو تھے۔'' اسد نے لاپرواہی کے انداز میں بات کی۔

''مگر شاید عورتوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔'' وقار کا لہجہ اس مرتبہ خاصہ تلخ تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ ویسے تم ڈوورس تو کر چکے ہو ناں اپنی پہلی بیوی کو؟'' اسد نے سلائس پر بٹر لگاتے ہوئے ایک نگاہ وقار کے چہرے پر دوڑائی۔

''نہیں۔ میں نے اسے اس قابل بھی نہیں سمجھا تھا۔ ایسی عورتوں کو نکاح کی پابندی سے فرق کیا پڑتا ہے۔'' وقار کے لہجے کی تلخی مزید بڑھ گئی۔

''مائی گڈنیس۔ پھر تو بھابی ٹھیک ایشو بنا رہی ہیں۔'' اسد نے صاف گوئی سے کہا۔

''لیکن میرے اس کے ساتھ ٹرمز تو نہیں ہیں اور نہ کبھی ہوں گے آئی ہیٹ ہر۔'' وقار کا لہجہ نفرت کے اثر سے زہریلا ہو رہا تھا۔

''لیکن بھابی تو یہی سوچیں گی کہ جب پراپر سیپریشن نہیں ہوئی تو ٹرمز کسی بھی وقت ہو سکتے ہیں۔ جب اتنی نفرت ہے تو ڈوورس کیوں نہیں کر دیتے۔ مسئلہ کیا ہے؟''

''میرے اکاؤنٹ کا آدھا حصہ اس کے پاس چلا جائے گا۔ جو میں دینا نہیں چاہتا۔ میری محنت کی کمائی پر صرف میری دوسری بیوی کا حق ہے۔''

''کیا نکاح کی ٹرمز اور کنڈیشنز میں یہ سب کچھ طے ہوا تھا؟'' اس مرتبہ اسد کے انداز میں فکرمندی کا تاثر غالب تھا۔

''ہاں! وہ بہت شاطر لوگ تھے۔ مگر مجھے اس وقت سمجھ نہیں آئی تھی۔ میں اس لڑکی کی ظاہری معصومیت سے دھوکہ کھا رہا تھا۔ اس وقت میں یہی سمجھا کہ وہ لوگ اپنی بیٹی کی محبت میں اس کی سیفٹی کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ مجھے فکر اس لیے بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں اس کے ساتھ ٹوٹلی سنسیئر تھا اور سوچتا تھا کہ میرا تو سب کچھ اسی کا ہے تو ان لوگوں کی تسلی کے لیے لکھ دینے میں حرج ہی کیا ہے۔ یار! بڑے فنکار، بڑے جعلساز لوگ تھے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔'' وقار کے لب و لہجے میں نفرت کی لہریں بہت واضح محسوس ہو رہی تھیں۔

اسد نے بڑے افسوس ناک اور ہمدردانہ انداز میں گردن کو جنبش دی۔ سلائس کا ایک چھوٹا سا بائٹ لے کر چند لمحے منہ چلائے ہوئے جیسے کچھ سوچا پھر نظر اُٹھا کر وقار کی طرف دیکھا۔

''تو تم روبی بھابی پر کلیئر کیوں نہیں کر دیتے کہ پہلی بیوی کی تمہاری نظر میں کوئی حیثیت وقعت نہیں ہے۔'' اسد بہت اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں نے اسے کس کس طرح سے سمجھانے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ اس کی تو بس ایک ہی رٹ ہے کہ میں نے اسے دھوکہ دیا ہے۔ یار! دھوکہ تو اس وقت ہوتا جب میں پہلی والی سے بھی مل رہا ہوتا روبی سے چھپ چھپ کر۔ میری زندگی میں اب اس عورت کا ذکر ہی نہیں تو اس کے نام یا ذکر سے اپنی خوشیاں کیوں خراب کریں۔ سمجھ میں نہیں آ رہی اسے میری بات۔'' وقار نے بڑے دکھ سے مگر ذرا جھلا کر کہا۔

''میں اسے اسی وجہ سے اکیلا چھوڑ آیا ہوں کہ وہ ذرا میری غیر موجودگی میں

ٹھنڈے دماغ سے غور وخوض کرے۔ شاید اس کی عقل میں کچھ آ جائے۔ فی الحال تو یہ حالت ہے کہ مجھے دیکھتے ہی اسے دورہ سا پڑ جاتا ہے۔'' وقار بولتے بولتے یک دم خاموش سا ہو گیا اور چائے کا کپ اُٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔

''چچ چچ......'' اسد نے بے ساختہ تاسف کا اظہار کیا۔

''اسد میں روبی سے واقعی بہت محبت کرتا ہوں۔ کسی وقت پر اسے کھونا نہیں چاہتا۔ وہ اتنی اچھی اور سادہ ہے کہ اس سے اچھی ساتھی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' وقار نے کھل کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔

''ٹھیک ہے میں بھابی سے مل کر انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ بلاوجہ کی جذباتیت سے کام لے کر وہ اپنے لیے مسائل کا انبار نہ لگائیں۔ بدگمانی اور شک کا تو کوئی علاج ہی نہیں اس مرض سے خود کو بچائیں اور سکون سے زندگی گزاریں۔'' اسد نے دوستی کے تقاضے نباہنے کے لیے پہلا قدم اُٹھایا۔

''فی الحال تو یہ سفارت کاری بے کار ہے۔ ابھی وہ کچھ نہیں سنے گی۔ کسی کی نہیں سنے گی۔ میرا خیال ہے اسے Calm down ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ میں صبر سے اس وقت کا انتظار کروں گا۔ کیونکہ میں اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''اصولی سی بات ہے جب تم ان سے مطمئن ہو، خوش ہو تو اس شادی کو ہر صورت قائم رہنا چاہیے۔ اگرچہ غلطی تمہاری ہے تمہیں نیا رشتہ جوڑنے سے پہلے سیکنڈ پارٹی کو سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا۔ خواہ تمہارے نزدیک وہ سب کچھ غیر اہم تھا مگر دوسروں کے لیے تو وہ سب کچھ اہم ہو سکتا ہے۔ سب لوگ تمہارے ذہن سے نہیں اپنے ذہن سے سوچیں گے۔'' اسد نے بہت قرینے سے وقار کی غلطی کو جتایا۔

''میں مانتا ہوں کہ میری غلطی ہے۔ مگر وہ تو کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ یار!

اس کی حالت تو اتنی خراب ہو رہی ہے کہ اب تو بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔'' وقار نے بڑے دکھ سے کہا۔

''میں اسی وجہ سے اس کے سامنے سے ہٹ گیا ہوں۔ تاکہ وہ تنہائی میں کچھ غور کرے اپنے دل کی آواز سنے۔'' وقار نے بڑے ٹھہراؤ سے بہت سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تو ٹھیک ہے مگر تمہارا اچانک بغیر بتائے گھر سے چلے آنا بھی تو خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے شدید ڈپریشن میں انہیں خدانخواستہ کوئی اور تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔'' اسد نے متفکر انداز میں کہا۔

''مجھے احساس ہے اس بات کا میں فون پر کونٹیکٹ کروں گا اور گھر سے یوں چلے آنے کی وجہ اسے بتا دوں گا۔'' وقار نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ ٹھیک ہے۔ فون کا کنکشن ہے گیسٹ روم میں۔ میں نوکر سے کہہ کر سیٹ بھجوا دیتا ہوں۔'' اسد نے ناشتہ ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو اسد......'' وقار نے جذبۂ تشکر کے تحت بے ساختہ کہا۔

''نو پرابلم Take it easy......اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہو۔'' اسد نے نشست چھوڑتے ہوئے فراخ دلی سے پیشکش کی۔

وقار کسی گہری سوچ میں تھا یونہی بے معنی سے مسکرا دیا۔

''ٹھیک ہے تم اپنا کام کرو۔ میں چلتا ہوں انشاءاللہ رات کو ملاقات ہو گی۔'' اسد نے وقار کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر کہا اور باہر چل گیا۔ وقار بھی کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆

رمیض نہد کی کھٹر پٹر سے عاجز آ کر آخر اُٹھ بیٹھا۔

''سوری یار! تم میری وجہ سے ڈسٹرب ہو رہے ہو۔ مگر یار وہ ٹیسٹ کے لیے مجھے دس بجے تک پہنچنا ہے۔ ایک گھنٹہ کا سفر ہے۔'' فہد عجلت بھرے انداز میں تیار ہوتے ہوئے معذرت کر رہا تھا۔

رمیض نیند بھری آنکھوں کے ساتھ وال کلاک کی طرف دیکھنے لگا۔ چہرے پر بےزاری اور عجلت واضح تھی۔ اپنا شاندار لگژری بیڈ روم پھر بڑی شدت سے یاد آنے لگا۔ جہاں اس کی اجازت کے بغیر دستک دینا بھی منع تھا۔ وہ جاگ کر خود ملازم کو انٹر کام پر اپنے کام اور ضرورت کی چیز کا بتاتا تھا اور آج یہ حال کہ رات نیند بھی بہت دیر سے آئی تھی۔ اب جا کر گہری نیند ہوئی تو فہد کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کئی بار واش روم کا دروازہ کھلا بند ہوا۔ کئی مرتبہ وارڈ روب کے دروازوں کی چٹک پٹک ہوئی۔ اس پر مستزاد عین آنکھوں کے سامنے ایک ٹیوب لائٹ بھی روشن تھی۔ فہد اسے جان بوجھ کر تنگ نہیں کر رہا تھا اس کی بھی مجبوری تھی۔ B.S کا ٹیسٹ تھا۔ اسے وقت پر پہنچنا تھا۔

''یار! بس پانچ منٹ اور میرے جانے کے بعد تم دروازہ لاک کر کے آرام سے سو جانا کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔'' فہد کو رمیض کے چہرے پر پھیلی بے بسی اور جھلاہٹ دیکھ کر جیسے بڑا گلٹی فیل ہو رہا تھا۔ اس لیے نئے سرے سے معذرت کر رہا تھا اور جلدی جلدی بالوں میں برش چلا رہا تھا۔

رمیض گہری نیند ٹوٹنے کے اثر سے جیسے بالکل ماؤف ذہن بیٹھا ہوا تھا۔

''میں اُسے چھوڑوں گا نہیں۔ جب میں نے کوئی کرائم نہیں کیا تو منہ چھپا کر کیوں بیٹھوں۔ I'll kill her'' رمیض نے اپنے غصے کا سارا بہاؤ شامہ کی طرف کر دیا۔

''اس سے تمہیں کیا ملے گا؟ ذلت اور قید۔ خود پر قابو رکھو۔ پاپا چند دنوں میں نارمل ہو جائیں گے۔'' فہد نے انتہائی جلدی میں بھی عقل استعمال کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''پتہ نہیں وہ ''چند دن'' کتنے ہوں گے؟'' رمیض نے تکیہ ایک طرف سے اُٹھا کر دوسری طرف پٹخا۔

میں Asume that پر لٹکا رہوں۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ تیزاب پھینک کر اس کا چہرہ ڈراؤنا کر دوں گا جس کی بیس پر وہ گھروں میں اور لوگوں کی زندگیوں میں آگ لگاتی ہے۔'' رمیض کی انتقامی حس اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ابھی نیند پوری نہیں ہوئی۔ سو کر اُٹھو گے تو سیٹ ہو جاؤ گے۔ میں امی کو کہہ کر جاؤں گا کہ تمہارا ناشتہ یہیں بھجوا دیں۔ بس میں گیا۔ یہ لو میں نے لائٹ آف کر دی۔ اب تم آرام سے سو جاؤ۔ اب تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ بائے......'' فہد اپنی فائل اور بیگ اُٹھا کر لہراتے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا۔

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی مہیب سناٹا بولنے لگا۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ہجوم میں اتنا شور نہیں ہوتا جتنی باتیں تنہائی کرتی ہے۔

رمیض نے تکیہ سیٹ کیا اور اوندھا ہو کر لیٹ گیا۔ وہ شامہ کے لیے بہت خوفناک پلاننگ کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

انجم علوی صبح نو بجے تک گھر سے نکل جاتے تھے۔ سبرینہ علوی بھی آج خلافِ معمول صبح سویرے اُٹھ گئی تھیں۔ رات بھر نیند کہاں آتی تھی۔ اک اک پل رمیض کی تصویر ذہن کے پردے پر متحرک تھی۔ صبح اُٹھ کر وہ تیار ہوئیں دونوں میاں بیوی کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ انجم علوی بات کرنا نہیں چاہتے تھے اور سبرینہ کی بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ انہوں نے بڑا سادہ لباس پہنا جو بڑی حیرت کی بات تھی۔

زندگی میں صرف ایک ہی بچہ پالا تھا۔نوکر چاکر ہمیشہ سے ساتھ تھے۔بازار بھی جانا ہوتا تھا تو اتنی فرصت تھی کہ نہایت اہتمام سے تیار ہوتی تھیں۔آج لباس بھی سادہ تھا اور چہرہ بھی میک اپ سے عاری۔برائے نام ناشتہ کیا اور نمو کو یہ کہہ کر چلی گئیں کہ میں اپنے N.G.O آفس جا رہی ہوں۔نمو نے بس ان کی طرف خاموشی سے دیکھا۔بولی کچھ نہیں۔

ماموں ممانی کے جانے کے بعد وہ اپنے دل پسند گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔مگر آج کام میں خوشگواری کے احساس کے بجائے بوجھل پن تھا۔چند دنوں میں جیسے گھر کا ماحول یکسر بدل گیا تھا۔انجانے اندیشے دل پر آسیب کی طرح چھائے رہتے تھے۔خبر نہیں اگلی گھڑی کیا ہو جائے۔

وہ گلدان سے باسی پھول نکال نکال کر ایک طرف کارنر ٹیبل پر رکھتی جا رہی تھی۔ اسی وقت باہر سے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔وہ چونک سی گئی۔کون آ گیا۔اس بستی میں تو صبح دوپہر ایک بجے ہوتی ہے۔صبح سویرے کاریں عموماً ایئرپورٹ کی طرف سے آتی ہیں۔ورنہ تو روڈ بالکل سنسان ہی نظر آتے ہیں یا پھر اِکادُکا نوکر سائیکل پر یا پیدل نظر آتے ہیں۔

اس نے لاؤنج کی اٹالین طرز کی کھڑکی سے باہر پورچ کی طرف جھانکا۔چوکیدار کیبن کے ساتھ بنے ہول سے باہر جھانک کر آنے والے سے بات چیت کر رہا تھا۔

شاید ولید کمال......اس خیال کے ساتھ ہی اس نے دوپٹہ سنبھالا اور بہت محتاط سی ہو کر پھر سے اپنا کام کرنے لگی۔کان مگر باہر ہی لگے ہوئے تھے۔

اسی لمحے انٹرکام پر رنگ ہوئی جو دروازے کے قریب دیوار پر لگا ہوا تھا۔نمو نے کانپتے لرزتے دل کے ساتھ رسیور اُٹھایا۔اسے یقین تھا کہ چوکیدار آنے والے کے بارے میں بات کرے گا۔

"ہاں......! زمان خان؟"

"بی بی! او وہی ممان (مہمان) آیا ہے جو پہلے بھی رات کو گارڈ کے ساتھ آیا تھا۔ میڈم عالیہ نام بتاتا ہے۔اس کو اندر بلانا اے؟" وہ اجازت مانگ رہا تھا۔

نمو کے چھکے چھوٹ گئے۔گھر میں نہ ماموں نہ ممانی، نہ رمیض۔وہ اس سے کیا بات کرے گی؟

"زمان خان میڈم کو بتاؤ گھر میں صاحب اور بیگم صاحب نہیں ہے۔وہ پھر کسی وقت آ جائیں۔" اس نے چوکیدار کو اس انداز میں ہدایت دی تا کہ میڈم شک نہ کریں کہ مالکان ان کو اندر بلانا نہیں چاہتے۔ہدایت دے کر اس نے رسیور لٹکا کر سکون کا سانس لیا۔شکر ہی ہے کہ ممانی اور ماموں گھر پر نہیں ہیں۔ورنہ ماموں جان تو ویسے "ریڈ الرٹ" پر لڑنے کو تیار بیٹھے ہیں۔اس نے سوچتے ہوئے پھر اپنا کام شروع کیا۔مگر انٹرکام پر دوبارہ رنگ ہونے لگی تھی۔نمو نے بڑی تشویش کے احساس کے ساتھ رسیور اُٹھایا۔

"ہوں......" ہوں سے زیادہ بولنے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

"بی بی! میڈم بولتا ہے ام اندر بیٹھ کر صاحب اور بیگم صاحب کا انتظار کرے گا۔کیا بولوں؟" وہ بہت محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا جیسے وہ بھی کسی خطرے کی بو سونگھ رہا ہو۔

"مگر وہ تو شاید رات تک ہی واپس آئیں۔میڈم کب تک ان کے انتظار میں بیٹھیں گی؟" اس کے انداز میں اب تشویش کے ساتھ اُلجھن بھی تھی۔

چوکیدار اب اس کی بات باہر منہ کر کے بتا رہا تھا۔نمو سن رہی تھی۔اب چوکیدار نے نمو کو متوجہ کیا۔

"بی بی! میڈم بولتا اے بھلے تمہارا صاحب سویرے آئے ام اندر بیٹھ کر انتظار

کرے گا۔ بولتا اے امارا گارڈ بھی اندر بیٹھے گا۔ دو گن مین اس کے ساتھ اے،'' چوکیدار نے مزید مطلع کیا۔

اب تو نمو کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ٹانگیں کانپنے لگیں مگر یوں لگتا تھا زمین لرز رہی ہے۔

''دو گن مین...... یہ تو ڈاکہ مارنے آئی ہے۔ ایک کروڑ کا چیک لے کر ہی جائے گی۔ ماموں جان اور ممانی کو تو اس کے سامنے آنا ہی نہیں چاہیے۔ یہ تو خون خرابے کا پروگرام بنا کر گھر سے نکلی ہے۔ خوف سے نمو کی بری حالت ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن میں بس یہی بات اٹک گئی تھی کہ ماموں ممانی کو بس اس کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔

مگر پھر وہ اکیلی کیا کرے؟ کیسے بھگتائے اس ناگہانی عذاب کو۔ خوف سے پسینہ ایڑیوں تک بہہ نکلا تھا۔ ہاتھ پاؤں میں لرزش تھی۔ دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ ہائے اللہ! اس کا اصول پرست ماموں تو جان کی بازی لگا دے گا مگر پیسہ نہیں دے گا۔ یا اللہ! رحم کر دے۔ اس نے تڑپ کر اللہ سے رحم کی اپیل کی۔

''جی بی بی! کیا حکم ہے؟ وہ جاتا تو نہیں ہے۔ چوکیدار اُس کی گہری خاموشی پر حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''ہاں...... آں! ٹھیک ہے۔ بھیج دو انہیں اندر۔ ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ حور بی بی (ملازمہ) کو کہو ان کو چائے پانی دے۔ میں اُوپر اپنے کمرے میں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد نیچے آ کر مہمان سے ملوں گی۔'' نمو نے عجلت بھرے انداز میں ہدایات دے کر ریسیور لٹکایا اور جیسے زینے کی طرف سرپٹ دوڑی اور جا کر اپنے کمرے میں دم لیا اور پہلی فرصت میں دروازہ لاک کیا اور پھر دروازے سے پشت ٹکا کر پھولی سانسیں سنبھالنے لگی۔ اب اسے اگلے مرحلے کے لیے غور و خوض کرنا تھا۔ بلا تو اندر نازل ہو چکی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ ماموں ممانی کو تو مطلع نہیں کرے گی۔ ممانی تو شاید خود ہی گھر آنا پسند نہ کریں کہ میڈم مالیہ سے بھڑنے کا کیا فائدہ۔ مگر ماموں تو سب کام چھوڑ چھاڑ کر پہنچ جائیں گے کہ گھر میں ایک خطرناک عورت موجود ہے اور نمو اکیلی ہے۔

معاً اسے ہونے والے ساتھی کا خیال آیا۔ جس کا دھیان اب ہر دم رہنے لگا تھا۔ کسی کے اپنا ہونے کا احساس بھی بڑا طاقتور ہوتا ہے۔ آخر مستقبل کی ہر تصویر میں وہ اسے اپنے ہمراہ ہی تو نظر آ رہا تھا۔ کسی سے وابستگی کا طاقتور احساس اب پنپ تو رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور تو کوئی نہیں ہے۔ جس سے گھر کے اس اہم معاملے پر اعتماد سے بات کی جا سکے۔ وہی ماموں کو اس عورت کے سامنے آنے سے روکنے کی پوری ذمہ داری سے کوشش بھی کر سکتے ہیں۔

اس نے ڈرتے ڈرتے آہستگی سے دروازہ کھولا اور گردن باہر نکال کر ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ عجیب سا خوف تو طاری ہو چکا تھا۔ دھیرے دھیرے قدم رکھتی لاؤنج میں آئی اور فون کرنے لگی۔ نمبر ملایا تو شکر کیا کہ انگیج نہیں تھا۔ دو تین رنگ پاس ہوئیں اور کال ریسیو ہو گئی۔ اسے یہ نمبر ازبر ہو چکا تھا۔ کچھ ایسے نمبر ہوتے ہیں جو ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد ہمیشہ کے لیے یاد ہو جاتے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اس نے صحیح نمبر ڈائل کیا ہے۔

''ہیلو......!'' دوسری جانب سے ولید کمال کی آواز اُبھری۔

''جی...... السلام علیکم!'' نمو نے جیسے کوئی گٹھلی نگلتے ہوئے سلام کیا تھا۔

''اوہ...... زہے نصیب...... وعلیکم السلام بلکہ رحمۃ اللہ وبرکتہ بھی'' ولید کمال اس کی آواز سن کر خوشگوار حیرت سے دوچار ہوا تھا۔ لہجے میں خود بخود شگفتگی اُتر آئی تھی۔

''آخر ہمارے جذبے میں اتنی فورس تھی کہ آپ نے ہمارا نمبر ڈائل کر ہی ڈالا...... امیزنگ! فون تو کر ڈالا ہے تو باتیں بھی کر لیں۔ آج صرف سننے کی نہیں ہوگی۔ پہلے ہی

بتا رہا ہوں۔'' ولید کمال بہت پر جوش ہو رہا تھا۔

'' آپ میری بات تو سن لیں۔'' نمو نے گھبرا کر جیسے مزید بولنے سے روکا۔

'' وہی تو کہہ رہا ہوں۔ فون کیا ہے تو بات بھی آپ کریں گی۔ میں صرف سنوں گا جی بولیں۔'' ولید کمال کی شوخی نمو کے لیے حیران کن تھی۔ جیسے آج اس کی کوئی دیرینہ تمنا پوری ہوئی تھی۔

'' وہ آپ کیا ابھی گھر آ سکتے ہیں؟'' نمو نے بہت ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

'' گھر...... خیریت ہے؟'' اب ولید کمال یک دم سنجیدہ ہو کر پوچھ رہا تھا۔ اتنا تو وہ بھی سمجھتا تھا کہ نمو اس کو تنہائی دور کرنے کے خیال سے تو کبھی نہیں بلا سکتی۔ اس کی حیرت بجا تھی۔

'' وہ آپ کی اس وقت بڑی سخت ضرورت ہے۔'' نمو گڑبڑا کر اُلٹا سیدھا بول پڑی۔

'' صرف اس وقت اور وہ بھی سخت ضرورت۔ مجھے تو یہ جملہ سن کر یوں فیل ہوا جیسے میں اخبار میں 'ٹینڈر مطلوب' ہے کا اشتہار پڑھ رہا ہوں۔'' وہ اس کی ضرورت محسوس کر رہی تھی یہ خوشگوار احساس ہی بہت تھا۔

'' پلیز! آپ سیریسلی میری بات سنیں۔ چاہے آپ کتنا ہی ضروری کام کر رہے ہوں آپ کو آنا پڑے گا۔'' اب نمو بہت فکر مند انداز میں کہہ رہی تھی۔

'' آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں ایسے تو حالات نہیں۔ مگر یہ ایمرجنسی کس سلسلے میں ڈکلیئر ہو رہی ہے؟ تاکہ کچھ مائنڈ میک اپ کرتے ہوئے تو آپ کے آستانے پر حاضر ہوں۔'' ولید کمال بہت گہرا اور کٹر بندہ تھا اسے اپنی ذات پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ فکر مند ہونے کے باوجود بہت پُرسکون انداز میں بات کر رہا تھا۔

'' وہ ایک بہت خطرناک عورت گھر میں بیٹھی ہے۔ آپ آ کر کسی بھی طرح اس کو

چلتا کریں۔ ورنہ بہت مسئلہ ہو جائے گا۔'' نمو کے اوسان اس کے کنٹرول میں نہیں تھے۔ جو سمجھ میں آ رہا تھا بول رہی تھی۔

'' عورت؟ وہ بھی خطرناک......!'' ولید کمال بری طرح چونک پڑا۔

'' ماموں جان اور ممانی جان گھر پر نہیں ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے وہ یہاں سے چلی جائے۔'' نمو اب جلدی جلدی بولی۔

'' رمیض کہاں ہے؟'' ولید کمال اب درحقیقت بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

'' پتہ نہیں ہے کیا آپ کو؟'' ماموں جان انہیں گھر سے نکال چکے ہیں۔ بس آپ آ سکتے ہیں تو آ جائیں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' نمو نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور جیسے خاصی مطمئن ہو گئی کہ اب تھوڑی دیر بعد وہ اکیلی نہیں ہو گی۔ واپس کمرے میں آ کر دروازہ لاک کر دیا اور ایک ایک لمحہ گننے لگی۔

☆☆☆☆☆

'' دیکھو میں تو کچھ ضروری کام نمٹانے نکل رہی ہوں۔ بھول نہیں جانا آج تمہاری زندی صاحب سے میٹنگ ہے ٹھیک تین بجے۔'' مومنہ اپنے بال Straight کرتے ہوئے ماہ رخ کو تاکید کر رہی تھی۔

'' جی ٹھیک ہے۔ مگر اب کیا ڈسکس کرنا رہتا ہے سب کچھ تو بتا چکے ہیں۔'' ماہ رُخ نے عام سے انداز میں پوچھا۔ وہ کچن میں کھڑی اپنے اور مومنہ کے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھی۔

'' ارے بھئی! جب کورٹ ٹرائل شروع ہوتا ہے تو بہت سے پوائنٹ نکل آتے ہیں۔'' مومنہ نے اپنے کام میں لمحہ بھر کا توقف کر کے جواب دیا۔

'' اور ہاں سنو! اپنے اُوپر فالتو کا ڈپریشن طاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مزید

حماقت ہوگی اور نہ ہی روبی سے زیادہ ہمدردی بگھارنے کی ضرورت ہے۔ غلطی تو رُوبی والوں کی بھی ہے انہوں نے بلا چھان بین بغیر دیکھے بھالے بیٹی کیوں دے دی؟'' صرف یہ دیکھ کر کہ بندہ کوالیفائیڈ ہے Sea man ہے ڈالر چھاپتا ہے۔ ہم نے کوئی ٹھیکہ لیا ہے لوگوں کو ان غموں سے بچانے کا جو انہوں نے خود خریدے ہیں۔'' مومنہ نے اپنے مخصوص صاف گو انداز میں کہا اور اپنا موبائل اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ جیسے miss call چیک کر رہی ہو۔

''بعض اوقات تو آپ بہت ظالم لگتی ہیں لیکن پھر میں سوچتی ہوں اگر آپ ظالم ہوتیں تو میرے ساتھ کیوں ہمدردی کرتیں؟'' ماہ رُخ نے الجھے ہوئے انداز میں بظاہر مسکرا کر کہا۔ ذہن تو روبی کی طرف سے ہٹتا ہی نہ تھا۔

''میں تم سے ہمدردی نہیں کر رہی اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ تمہیں احساس دلا رہی ہوں کہ تم انسان ہونے کے ناطے اپنے تمام حقوق کا تحفظ کرو۔ کھلونا مت بنو جس سے اس دنیا کے مطلب پرست خود غرض اور غیر ذمہ دار لوگ کھیلیں۔'' مومنہ نے اب موبائل بیگ میں رکھ کر غور سے ماہ رخ کی طرف دیکھا۔

''اور ایک بات کان کھول کر سن لو اب تم کبھی روبی سے نہیں ملو گی۔ بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ تمہارا کہیں اور بندوبست کر دوں۔ تم کہیں اور شفٹ ہو جاؤ۔ تاکہ نا بھی تمہیں آ کر ڈسٹرب نہ کریں۔'' مومنہ اب کچن میں چلی آئی۔

''وہ بے چاری کیا ڈسٹرب کریں گی؟ ایک پریشان، بے سہارا، دُکھی عورت......'' ماہ رخ نے تاسف سے کہا

''ساری دنیا پریشان اور دکھی ہے تمہارے میرے علاوہ۔ لاؤ بھئی! کچھ کھانے کو دو کام بہت ہیں اور دن رات صرف چوبیس گھنٹے کے۔'' مومنہ ہاتھوں کو آپس میں

رگڑتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر کہہ رہی تھی۔ لہجے میں ناگواری سی تھی۔ ماہ رُخ مسکرا پڑی۔

''پھوپھو! کس کے لیے کر رہی ہیں اتنی بھاگ دوڑ......ڈالر جمع کر رہی ہیں حکومت پاکستان کے لیے؟'' وہ ناشتے کے لوازمات ٹرالی میں رکھنے لگی۔

''چلو......اچھی بات ہے بری تو نہیں اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھلائی کے کام بھی کر رہی ہوں۔ فی الحال تو میرے ورثا......میرے دو بھائیوں کی اولادیں ہیں جن میں تم بھی شامل ہو۔'' وہ ٹرالی دھکیل کر لاؤنج میں نکلتے ہوئے شوخی سے کہہ رہی تھی۔ آپ حقیقی ورثا کے لیے کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ شادی کر لیں ایک دو بچے ہو ہی جائیں۔ میری تیسری شادی کرانے کے درپے ہیں خود نے ایک بھی نہیں کی۔ ماہ رُخ نے اب خبر لینے کے انداز میں بات کی۔ دونوں صوفے پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگیں۔ ماہ رُخ نے چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کچن ہی میں رکھی ہوئی تھی۔ جو کبھی کبھی ہی استعمال ہوتی تھی۔ عموماً ناشتہ وغیرہ ٹرالی میں لگا کر دونوں لاؤنج میں بیٹھ جاتی تھیں۔

''میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں شادی کر کے اپنی صلاحیتوں کا ستیاناس نہیں مارنا چاہتی اور نہ ہی میں اتنی کمزور ہوں کہ مرد کی سپورٹ کے بغیر خود کو ادھورا سمجھوں۔ میں تمہیں سیریسلی بتا رہی ہوں پارٹنر جو جس طرح میں نے آئیڈیالائز کیا ہوا ہے میں اس سے کم پر کمپرومائز نہیں کر سکتی۔ میں کسی فضول سے انسان کے لیے اپنی انرجی ویسٹ نہیں کر سکتی۔'' مومنہ نے اپنی عادت کے مطابق دوٹوک جواب دیا۔ ماہ رُخ نے بہت غور سے ماہ نور کی طرف دیکھا اور پورسیج میں ٹیٹرا پیک دودھ ڈالنے لگی۔ اس کے بعد دودھ کا پیک رکھتے ہوئے بولی۔

''آپ اکیلی رہ سکتی ہیں تو میں بھی رہ سکتی ہوں۔ پھر آپ کو میرے تنہا رہنے پر

اعتراض کیوں ہے؟''

''میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ تم اس سوسائٹی میں رہنے پر مجبور ہو۔ تمہارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ جلد ڈپریشن میں چلی جانے والی خواتین، پریشان اور ستیاناس کر دینے والے لوگوں کو کامیاب بنانے والی خواتین بہت سے عذابوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ انہیں بہرحال ایک مرد کی سپورٹنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مناسب پارٹنرشپ کے ساتھ وہ اسی طرح ایزی فیل کرتی ہیں جس طرح ہم جیسی آزاد منش خودمختار لڑکیاں اپنی آزادی کی حفاظت کرتے ہوئے لائف انجوائے کرتی ہیں۔'' مومنہ نے کافی کا مگ اُٹھا کر صوفے کی بیک سے ٹیک لگالی۔

''اللہ پھوپھو! آپ سے کون جیت سکتا ہے۔'' ماہ رُخ نے جیسے ہار مان لی۔

''اسی کا تو انتظار ہے'' مومنہ نے اب کھل کر قہقہہ لگایا۔ ماہ رُخ بھی مسکرانے لگی اسے یہ سن کر ہی خوشی ہوئی کہ چلو پھوپھو کو انتظار تو ہے۔

''میں تمہیں ہر بارہ گھنٹے بعد اسپین سے فون کر کے یہ نہیں کہہ سکتی کہ Be brave (بہادر بنو) صرف بارہ گھنٹے کے لیے بہادر بننے سے کوئی فائدہ نہیں۔'' مومنہ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور جلدی جلدی کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''میری ہدایات پر سختی سے عمل کرنا۔ بھول جاؤ کوئی روبی نام کی لڑکی تمہاری دوست تھی۔''

''پھوپھو! یہ سلائس تو لیں صرف بوائل ایگ اور کافی۔ ہوگیا آپ کا ناشتہ؟'' مومنہ مگ رکھ کر اُٹھنے لگی تو ماہ رُخ نے ٹوکا۔

''بھئی! مجھے آج بہت اہتمام سے لنچ کرنا ہے اپنے ایک بزنس پارٹنر کے ساتھ۔ وہ بھی پاکستان آیا ہوا ہے۔ شاید اب ہم اکٹھے ہی واپس اسپین جائیں۔'' مومنہ پر اب

روانگی کی عجلت سوار ہو چکی تھی۔

''اللہ کرے ہمیشہ کے لیے اکٹھے بھی ہو جائیں۔'' ماہ رُخ نے بھی شوخی کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں! تم سے یہی اُمید ہے مجھے...... بددعائیں دو مجھے۔ تین شادیاں کر چکا ہے۔ ایک پاکستان میں دو یورپ میں۔ تینوں سے ملا کر سات بچے ہیں۔ پاکستانی بیوی سے چار بیٹے۔ دوسری سے دو بیٹیاں تیسری سے ایک بیٹا۔ میں اتنی فالتو نہیں ہوں کہ لوگوں کے قبیلے بڑھانے کے لیے خدمات انجام دوں۔'' مومنہ نے بیگ کاندھے پر لٹکا کر اپنی جینز تھوڑی سی کھینچ کر اُوپر کی۔ گریبان میں اٹکے ڈارک گلاسز آنکھوں پر چڑھائے اور انگلیوں کو Waves کرتی باہر نکل گئی۔

''کتنی Lucky ہیں پھوپھو...... اپنی پسند، اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ ایک ہم...... بیٹھے دھوکے بازوں کو رو رہے ہیں'' اس پر ڈپریشن طاری ہونے لگا۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔

☆☆☆☆☆

شاداب بہت اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر نیچے آیا تھا۔ تازہ شیو بنی ہوئی، قرینے سے سیٹ بال۔ کل شام سے بالکل مختلف نظر آ رہا تھا۔ بانو بیگم ناشتہ ٹیبل پر رکھ چکی تھیں۔ بیٹے کو اچھے حال میں دیکھ کر خوشی سے سرشار ہو گئیں اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ...... چشم بددور کہا۔

''یہ انڈے کا حلوہ گرم گرم کھالو۔ خاص طور پر تمہارے لیے بنایا ہے۔ تمہیں بہت پسند ہے ناں......'' بانو بیگم نے شیشے کی پلیٹ میں سجا حلوہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ کچن کے سامنے برآمدے میں چار کرسیوں کی ڈائننگ ٹیبل رکھی ہوئی تھی جو عموماً

صرف ناشتے کے وقت ہی استعمال ہوتی تھی۔ دونوں وقت کھانے کے لیے وہ ہمیشہ فرشی دسترخوان لگاتی تھیں۔ بقول ان کے ہم سے میز کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا جاتا۔ بچوں کو بھی عادت پڑ چکی تھی۔

صبح وہ تینوں بہن بھائی ٹیبل پر ناشتہ کرتے اور وہ کچن میں کام کرتی گرم پراٹھے ''سپلائی'' کرتی باتیں بھی کرتی رہتی تھیں۔

''کالج ہی جا رہے ہو ناں یا کہیں اور کا پروگرام ہے؟'' انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔

''کہیں اور کیا مطلب......؟ آپ لوگ بس اسی طرح شک وشبے کرتے رہیں۔ دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں اپنا برا بھلا سمجھتا ہوں۔'' شاداب کا موڈ وہی تھا جو کل گھر میں آنے کے بعد تھا۔

''اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ ماں اتنا بھی نہیں پوچھ سکتی؟ خیر موڈ خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے ناشتہ کرو۔'' بانو بیگم نے گھبرا کر ماحول کو بدمزگی سے بچانے کی کوشش کی اور بہت تحمل ورسان سے بات کی۔

''عتیقہ بھی تیار ہو کر آ چکی تھی۔ بانو بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہ کی کہ شاداب سے بحث وتکرار کرنے کی ضرورت نہیں۔

''آج تم دونوں لیٹ نہیں ہو گئے؟'' نیا نے کمرے سے باہر آ کر شاداب وعتیقہ سے پوچھا۔

''میرے Assisment ہو رہے ہیں۔ روٹین کی کلاسز نہیں ہو رہیں'' عتیقہ نے جواب دیا جبکہ شاداب نے جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

نیا نے ایک گہری نظر شاداب پر ڈالی اور واش بیسن کی طرف بڑھ گئی۔

''تم تو شاید آج نہیں جاؤ گی ناں......؟'' بانو بیگم نے کچن کے دروازے تک آ

کر نیا سے پوچھا۔

''ہاں امی! وہ جاب تو سمجھیں میں نے چھوڑ دی۔'' ایک اور جگہ ٹرائی کر رہی ہوں پہلے وہاں جاؤں گی پھر وہاں سے سمن کے پاس۔ لنچ سمن کے گھر پر ہی کروں گی۔ رات اس سے بات ہو گئی تھی۔'' نیا نے ہاتھوں میں صابن لگاتے ہوئے ماں کو جواب دیا۔

''سبحان اللہ! اب بھی گھر میں سمن کا ذکر ہو رہا ہے۔ کوئی تعلق نہیں ہے آپ کا سمن سے۔'' شاداب نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے ترشی سے کہا۔ تینوں ماں بیٹی ہکا بکا سی رہ گئیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ حد ہو گئی بدتمیزی کی۔ اب وہ سمن آپا سے سمن ہو گئی۔'' نیا نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

''میری کوئی آپا واپا نہیں ہے۔ میری صرف ایک آپا ہے صرف آپ...... رہی سمن تو آئندہ اس اُلو کی پٹھی کا اس گھر میں ذکر نہیں ہونا چاہیے۔'' شاداب نے سمن کو گالی دی تو نیا ہاتھوں میں صابن ملتی تیزی سے اس کے قریب آئی اور بہت برہمی سے گھورا۔

''اس لیے اچھی تعلیم دلا رہے ہیں تمہیں؟ اب تم اتنی بدلحاظی کرو گے کہ میری دوستوں کو میرے سامنے گالیاں دو گے۔ مستقبل کا ڈاکٹر...... اتنا اِل مینرڈ! ہوش میں رہا کرو۔ میں تمہاری بدتمیزیاں امی کی طرح برداشت نہیں کروں گی۔ سمجھے......''

''کیا کریں گی پھر...... زہر کھا لیں گی؟'' شاداب پر اس کی ڈانٹ کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ مزید ڈھٹائی سے بولا۔ بانو بیگم نے دہل کر ہاتھ سینہ پر رکھ لیا۔

''میں کیوں کھاؤں زہر؟ بزدل نہیں ہوں میں۔ سبق سکھا دوں گی تمہیں۔ تمہاری طرح Negative کمپنی موو نہیں کرتی جو Negative انداز میں سوچوں۔ میں نے کیا جرم ہے جو زہر کھا کر مروں۔ خود کو کنٹرول کرو شاداب۔ یہ تم ہمارے ساتھ نہیں اپنے

ساتھ ظلم کر رہے ہو۔ زندگی انسان کو ایک بار ملتی ہے۔ اسے فضول ضائع کرنے والے ہر طرح سے خالی ہاتھ رہتے ہیں۔ بے سمت اُڑنے والے پرندوں کو کچھ نہیں ملتا۔''

''آپا! بس...... مجھے آپ کی ان کتابی تقریروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' شاداب چائے کا کپ پٹخ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''جو بات کتاب میں آتی ہے وہ پہلے ذہن میں آتی ہے اور ضرور کوئی بات، کوئی واقعہ یا حادثہ ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح کی باتیں ذہن میں آتی ہیں۔ کتاب کیا کوئی اور مخلوق لکھتی ہے؟ عقل کی بات عمل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ جب عمل نہیں ہوتا تو وہ کتابی بات بن جاتی ہے۔ بہرحال میں تم پر انحصار نہیں کرتی۔ میری ماں موجود ہے میں صرف اس کی اجازت کی پابند ہوں اور جواب دہ ہوں۔ تم میرے معاملات میں مداخلت یا روک ٹوک کا کوئی حق نہیں رکھتے۔'' وہ بہت دھیمے انداز اور پرسکون لہجے میں اپنی بات کہہ کر آہستہ روی سے اندر کی طرف بڑھنے لگی۔

''احسان جتاتی ہیں۔ کیا میں سمجھتا نہیں ہوں کہ ہر وقت کیا جتاتی رہتی ہیں۔ میں تو خود کوشش کر رہا ہوں کہ اب مزید ان کے احسانات کا بوجھ نہ اُٹھاؤں۔'' شاداب نے کرسی کو زور سے آگے کی طرف دھکیلا۔

''ارے خواہ مخواہ ذرا سی بات کا مقدمہ بنا رہے ہو۔ بڑی بہن ہے تمہاری...... تم سے بے حد محبت کرتی ہے۔ تمہاری خاطر ابھی کتنی مصیبتیں اُٹھا کر آئی ہے۔''

''وہ مصیبتیں بھی انہی کی وجہ سے آئی تھیں اس گھر میں۔ آپ بھول رہی ہیں......'' شاداب اُوپر جانے کے ارادے سے آگے بڑھ چکا تھا۔ پلٹ کر غرایا۔

نیا اندر جا چکی تھی اور وہ جیسے اب شاداب کی زبان سے اُگلنے والا زہر اپنے کانوں میں ڈالنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنی توجہ ہی ہٹالی تھی۔ ذہن ایک دم ماؤف ہو رہا

تھا۔ بانو بیگم کے لیے یہ بہت روح فرسا صورتِ حال تھی۔ وہ ایک دم پسینے میں بھیگ کر دم سادھ کر ڈائننگ کی ایک چیئر پر بیٹھ چکی تھیں۔ عتیقہ بھی بالکل خاموش تھی مگر چہرے پر گہری سوچ کا عکس اور ناگواری تھی۔

اسی وقت شاداب اپنی فائل پکڑے دھپ دھپ کرتا نیچے آیا۔

''آپا کو بتا دیں امی کہ ثمن ہمارے گھر میں نہیں آئے گی اور نہ ہی آپا اس سے کوئی دوستی بگھاریں گی۔ ان دونوں کی وجہ سے میں نے اتنی ذلت اُٹھائی ہے کہ اس سے زیادہ ذلت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

اس نے ماں کے قریب کھڑے ہو کر اپنی بات کی اور تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ عتیقہ نے پریشان نظروں سے ماں کی طرف دیکھا اور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''امی! یہ بہت جذباتی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔ نئی نئی بات ہے ناں اس لیے اتنا غصہ کر رہا ہے۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں آپا سے بھی کہتی ہوں ابھی کہ اس سے مت اُلجھیں۔ تھرڈ پروفیشنل تک تو آ ہی چکا ہے۔ کہیں غصے میں آ کر اپنا کیریئر ہی تباہ نہ کر لے۔ محنت بھی کی ہے، پیسہ بھی لگا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔'' بانو بیگم نے افسردہ لہجے میں گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا اور برتنوں پر نظر ڈال کر دکھ سے بولیں۔

''ناشتہ بھی نہیں کیا ٹھیک سے۔ پتہ نہیں کیوں ہر وقت غصے میں رہتا ہے۔

''امی! اتنا ٹینشن نہ لیں۔ آج کل سب لڑکوں کا یہی حال ہے۔ بہت تیزی میں ہیں۔ سب کچھ پلک جھپکتے میں چاہیے۔'' نیا اپنے بالوں میں برش کرتی آ چکی تھی۔

''وہ تو ہے مگر بیٹا تم بڑی ہو تم ہی ذرا برداشت کرلیا کرو۔ مجھے تو اب اس لڑکے

سے ڈر لگنے لگتا ہے۔'' بانو بیگم نے آس بھری نظروں سے نیا کی طرف دیکھا۔

''میں کیا سب ہی برداشت کر رہے ہیں امی...... مگر غلط بات پر تو ہم ہی نے ٹوکنا ہے ناں......اس کی خودسری تو بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ جب سے اس کے پاس پستول دیکھا مجھے تو سچ ہر وقت کی فکر لگ گئی ہے۔ اس کے پاس کہاں سے آیا۔ کس نے دیا؟'' نیا نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے متفکر انداز میں کہا تو بانو بیگم کا دل جیسے نئے سرے سے ڈوبنے لگا۔ کمزور سی آواز میں بولیں۔

''فکرمند تو میں بھی ہوں۔ اسی لیے تو کہہ رہی ہوں ذرا رسانیت سے اسے قابو کرو۔ غصہ مت دلاؤ۔'' چھوٹا بھائی ہے ذرا پیار سے۔

''اسے غصہ دلانے کی ضرورت ہی نہیں وہ تو ویسے ہی ہر وقت غصے میں رہتا ہے۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھ لوں گی۔'' نیا نے ہاٹ پاٹ کا ڈھکن اُٹھا کر جھانکا۔

''میں گرم پراٹھا لا رہی ہوں۔ تم آرام سے بیٹھ کر ناشتہ کرلو۔'' بانو بیگم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''بس امی! یہ جو رکھا ہوا ہے کافی ہے۔ میں سمن کی طرف جا رہی ہوں۔ دوپہر کو اسی کے ساتھ کھانا کھالوں گی آپ انتظار مت کیجیے گا۔''

نیا نے برش سے بال نکالتے ہوئے کہا اور برش رکھنے کمرے میں چلی گئی۔ عتیقہ جو اس دوران خاموشی سے چائے پی رہی تھی اپنا کپ رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا امی! میں چلتی ہوں۔ میری بس نکل گئی تو خوار ہو جاؤں گی۔'' اس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈال کر کہا۔

''اللہ کی امان میں بیٹی۔ بیگ کہاں ہے تمہارا؟'' بانو بیگم نے اس کی عجلت کی وجہ سے خود بھی ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

''وہ سامنے ہی پڑا ہے کمرے میں۔ اللہ حافظ امی! اللہ حافظ آپا......'' وہ بیگ اُٹھانے کے لیے آگے بڑھتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں بولی اور بیگ اُٹھا کر تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''اللہ حافظ میری بیٹی!'' بانو بیگم خودکلامی کے انداز میں بولیں۔ چہرے پر گہری سوچ کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆

نمو جیسے دم سادھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اندازوں سے کھیل رہی تھی۔ ولید کمال کے آفس سے اس گھر تک بمشکل بیس منٹ کی ڈرائیو ہوگی۔ آدھے گھنٹے میں تو اسے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ جبکہ اسے سچویشن بھی بتا دی تھی اسے تو پر لگا کر آنا چاہیے تھا۔ ہائے کہیں موٹی اُوپر ہی نہ آ جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ نمو کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔

''کون؟'' اس نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''میں ہوں بی بی! نیچے کمال صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔'' حور بی بی کی پس در آواز آئی۔

''اوہ......!'' نمو نے جیسے سکھ کر سانس لیا اور کھڑی ہو کر دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے بولی

''تم چلو...... میں آ رہی ہوں۔''

''پتہ نہیں موٹی کیا اول فول بول رہی ہوگی۔'' اس نے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ یونہی بے سبب ادھر اُدھر نظر دوڑائی جیسے دل کو سنبھالنے کی مہلت لے رہی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ زینہ اُترنے لگی۔

"کیا سمجھتے ہیں یہ پیسے والے خود کو دنیا ان کی جیب میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ دوں گی۔ یہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ بے باپ کی یتیم بچی ہے خوف سے زبان بند کر کے کسی کونے میں بیٹھ جائے گی۔ مجھے نپٹنا آتا ہے۔ چھٹی کا دودھ یاد نہ دلایا تو میرا نام بھی عالیہ نہیں۔"

ڈرائنگ روم سے میڈم عالیہ کے تیز تیز بولنے کی آواز واضح طور پر باہر آ رہی تھی۔

نمو کی تو جیسے ٹانگیں کانپنے لگیں۔

وہ ڈرائنگ روم سے مزید قریب ہوئی تو ولید کمال کی ٹھہری ہوئی پرسکون آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کی بیٹی کا باپ ہی نہیں کوئی بھائی یا ماموں بھی نہیں ہے۔"

نمو کو اس جملے پر اُلجھن سی ہوئی کہ آخر ولید کمال کا یہ بات کرنے کا مقصد کیا ہے۔

"کیچڑ اُچھال رہے ہو مجھ پر؟ میاں ہم شرفاء میں سے ہیں۔ منہ سنبھال کر بات کرو۔" میڈم عالیہ نے غصے سے بھر کر بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

نمو اندر داخل ہو چکی تھی۔ اس نے سب سے پہلے ولید کمال کی طرف دیکھا تھا جو فل سوٹنگ کیے ہوئے بہت گریس فل نظر آ رہا تھا۔ اس کی گہری نظر سے نظر ٹکرائی تو دل بے قابو ہو کر جانے کدھر بھاگا۔ ولید کمال کی آنکھیں بولتی ہوئی آنکھیں تھیں۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ کیا کبھی وہ اس سے آنکھ ملا کر بات کر سکے گی۔

"ادھر آؤ لڑکی...... کیا ڈرامہ چل رہا ہے؟ شکل سے دیکھو کیسی بھولی دکھائی دیتی ہے۔ کہاں منہ چھپا کر بیٹھے ہیں تیرے ماموں ممانی؟" نمو پر نظر پڑتے ہی جیسے میڈم عالیہ پر ہذیان طاری ہو گیا۔

"اسٹاپ...... اینڈ لینگوئج۔ آپ ایک سچ مچ کی شریف لڑکی سے بات کر رہی

ہیں۔ خبردار! یہ میری فیانسی ہے۔ آپ مجھے اپنی پرابلم بتائیں۔ یہ ان ڈور رہنے والی ایک سادہ و بے خبر سی لڑکی ہے۔ آپ پورے اسلحے سے لیس ہو کر ایک لڑکی بلکہ کمزور لڑکی کو ہراساں کر رہی ہیں۔ شرم کریں۔" ولید کمال نے برہم نظروں سے میڈم عالیہ کو گھورتے ہوئے ٹوکا۔

"تمہیں کیا کوئی رشتہ نہیں دے رہا تھا۔ اس بودم میں تمہیں دکھائی کیا دیا۔ اوہ ہاں! شاید ماموں کروڑوں کا جہیز دے رہا ہوگا۔ ورنہ تو......" میڈم عالیہ نے شان بے نیازی سے پہلو بدلا اور سگریٹ سلگانے لگی۔ تمسخرانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

"یہ بہت خوبصورت ہے میڈم! اس کا حسن اس کی پارسائی ہے۔ پارسائی جس کے معنی بھی آپ نہیں جانتیں کہ یہ کس چڑیا کا نام ہے...... مجھے کسی نے ابھی تفصیل نہیں بتائی مگر میں آپ کو ایک نظر دیکھ کر ہی سارا معاملہ سمجھ گیا ہوں۔ آپ وقت ضائع کر رہی ہیں۔ جو شخص اپنی اکلوتی اولاد کو عاق کر چکا ہو وہ آپ کے مطالبات مانے گا......؟"

ولید کمال نے تیکھی نظروں سے کش لگاتی میڈم عالیہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کا تو باپ بھی دے گا۔ میری بیٹی کو کہیں کا نہیں رکھا۔ میں اس پر زندگی حرام کر دوں گی۔ تم لوگ مجھے جانتے نہیں ہو۔" میڈم عالیہ نے غضب ناک ہو کر سگریٹ کی راکھ کارپٹ پر جھاڑی۔

"جانتا ہوں۔ شہنشاہ ایران سے بڑی شخصیت ہیں آپ؟ یاد ہے اُسے اس ملک میں دفن ہونے کے لیے دو گز زمین نہیں ملی جس زمین پر اس نے اور اس کے باپ نے حکمرانی کی تھی۔ آپ منسٹروں پر اکڑ رہی ہیں۔ اگر رات ہی اسمبلی Dissolve......؟ کیبنٹ ٹوٹ گئی اور آپ کو پناہ لینے دوبئی جانا پڑا......؟"

"ارے چپ ہو...... اس کلو سے منگنی کر کے تمہاری تو اپنی زبان بھی کالی ہو گئی۔

میاں! ہم جس گلی میں گھستے ہیں وہاں سے نکلنے کا رستہ پہلے دیکھتے ہیں۔" میڈم عالیہ نے سیخ پا ہو کر ولید کمال کو مزید بولنے سے روکا۔

"تو پھر اپنے اس دیکھے بھالے رستے سے خاموشی سے نکل جائیں۔ ایک لڑکے کی حماقت کی یہاں سے کوئی قیمت نہیں ملے گی۔ لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا ہوگا اور صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جائے گی۔ جس شخص سے آپ دولت لوٹنے آئی ہیں آخر اس کی بھی تو کوئی اپروچ ہوگی۔ قومی خزانے کو فائدہ پہنچا رہا ہے تو اس کی بھی تو کوئی سننے والا ہوگا۔" ولید کمال نے غیر جذباتی انداز میں دلائل سے بات کی۔ وہ میڈم عالیہ سے قطعی مرعوب نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک اکھڑپن جو اس کی ذات کا جزوِ لازم تھا وہ اسی طرح واضح تھا۔

نمو کی اندر ہی اندر خوف سے بری حالت ہو چکی تھی۔ وہ گاہے گاہے فاصلے پر بیٹھے میڈم کے سیکورٹی گارڈ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ اس خطرناک عورت کے سامنے ولید کمال مصلحت کوشی کا مظاہرہ کرے گا مگر وہ تو ایک لمحے کے لیے بھی بدلا ہوا دکھائی نہیں دیا تھا۔

"میرے پاس بہت خوبصورت بیٹیاں ہیں۔ تمہارے ماموں کے پاس یہ خزانہ نہیں ہے۔ ہمارے لیے ہی تو بھرتا ہے وہ قومی خزانہ"

میڈم عالیہ نے بات کا اختتام زبردست طنزیہ قہقہے پر کیا اور بڑے اسٹائل سے کش پر کش لگایا۔ دو تین کش کھینچ کر پھر بڑے اسٹائل سے ہونٹ سکیڑ کر دھوئیں سے کھیلنے لگی۔ جیسے ولید کمال کو مشتعل کرنے کے لیے ہر طرح کے جتن کر رہی ہو۔ تاکہ وہ کسی انتہائی قدم پر آئے اور میڈم کو اپنی پاور کا مظاہرہ کرنے کا موقع میسر آئے۔

ولید کمال کے سامنے موٹی نے اسے کلو کہا تھا۔ احساسِ توہین سے نمو کی بری

حالت تھی۔ اگرچہ ولید کمال نے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا تھا کہ موٹی نے کوئی خاص بات کی ہے۔ ایک سنجیدہ اور ذمہ دار بندے کی طرح اس کی تمام تر توجہ نازک صورتِ حال سے نمٹنے پر تھی۔

اچانک اس نے پینترا بدل کر بڑے تحکمانہ انداز میں نمو کو مخاطب کیا۔

"نمو اٹھو...... میں تمہیں امی کے پاس چھوڑ کر آتا ہوں۔ پھر آ کر میڈم سے بات کرتا ہوں۔" نمو ہکا بکا سی اُس کی شکل دیکھنے لگی۔

"امی......؟" اس کے منہ سے بے ساختہ سوالیہ انداز میں امی نکلا۔ جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو۔"

"ارے بھئی! میری امی...... جلدی اُٹھو۔ تمہیں ان فضول لوگوں کے سامنے بیٹھنا ہی نہیں چاہیے۔ ہری اپ......"

"مم...... میں اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔" نمو پریشان ہو کر بولی۔ (بھلا امی کے پاس لے جانے کیا کیا تک ہے؟) وہ گڑبڑا کر بولی اور سوچنے لگی۔ طرح طرح کے اندیشے سر اُٹھا رہے تھے۔

"آرام سے بیٹھو لڑکی۔ لڑکی بھگا کر لے جانے کا بہت اچھا موقع ملا ہے۔" میڈم عالیہ نے ڈپٹ کر نمو اور ولید کمال کو ایک ساتھ مخاطب کیا۔

"آپ جس کلاس کی خاتون ہیں اس کی سوچ ایسی گھٹیا باتوں سے آگے جا بھی نہیں سکتی۔" ولید کمال نے بڑے پرسکون انداز میں میڈم عالیہ پر حملہ کیا۔

"میں کون؟ تو خواہ مخواہ...... ارے تم ہو کون......؟ اس کے منگیتر ہو میری بلا سے۔ مجھے گھر والوں سے بات کرنا ہے۔ جاؤ میاں! رستہ دیکھو۔" میڈم عالیہ نے سگریٹ کا ٹکڑا آگے جھک کر ایش ٹرے میں یوں مسلا جیسے ولید کمال کی گردن دبا رہی ہو۔

''آپ گھر والوں کا انتظار کیجیے۔ ہوسکتا ہے وہ آپ کو بلینک چیک دے دیں۔ یوں بھی آپ سے بات کرنا میرے لیے باعثِ ذلت ہے باعث افتخار نہیں۔ اٹھو نمو ہری اپ......اور آئندہ کبھی اس طرح کی خواتین کے سامنے مت آنا اور نہ ہی ان کے فون ریسیور کرنا۔ یہ رمیض کے پیرنٹس کا مسئلہ ہے۔ انہیں Solve کرنا چاہیے۔'' ولید کمال نے کھڑے ہو کر بڑے استحقاق سے نمو سے بات کی۔

میڈم صوفے کے ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بہاول خان! لڑکی اُٹھا کر وین میں ڈالو۔'' وہ اپنے گارڈ سے بولی۔

نمو نے خوفزدہ ہو کر زور سے چیخ ماری اور دوڑ کر ولید کمال کا بازو تھام لیا۔ ولید کمال نے سہمی ہوئی نمو کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔ نمو کی تو خوف سے وہ بری حالت تھی کہ اس نے ولید کمال کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اب اسے کوئی دھیان نہیں تھا۔ خیال تھا تو اتنا کہ اس وقت ولید کمال گھپ اندھیرے میں روشنی کی کرن ہے۔ اس کا سر ولید کمال کے سینے سے جا لگا تھا۔ ٹانگوں میں لرزش تھی دل بے قابو تھا۔ حواس منجمد تھے۔

بہاول خان نے حکم کی فوراً تعمیل کی تھی اور نمو کی طرف بڑھا تھا۔ گن اس کے ہاتھوں میں فائر کے لیے ریڈی تھی۔

ولید کمال نے نمو کو چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ نمو خوفزدہ بچے کی طرح ولید کمال کی طرف بڑھی جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے بچالو۔

''نمو! تم ایسا کرو ان کے ساتھ چلی جاؤ۔ ایک کروڑ ملنے تک یہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔ اگر تمہارے ماموں انہیں پیسہ نہیں دیں گے تو میں اپنی فیکٹری کے پیپران کو دے دوں گا۔ بس اتنی سی تو بات ہے۔'' وہ بڑے سکون سے بات کر رہا تھا۔ نمو نے حواس باختہ ہو کر ولید کمال کی شکل دیکھی اور ایک دم ولید کمال کے

بازو سے لپٹ گئی۔

''نہیں نہیں......پلیز! مجھے نہیں جانا ان کے ساتھ۔''

''بہاول خان! لڑکی اُٹھا لو۔ اس میں ویٹ ہی کتنا ہے۔'' میڈم عالیہ نے بڑے کروفر سے غرا کر حکم دہرایا۔

نمو نے پھر چیخ ماری اور بری طرح ولید کمال سے لپٹ گئی۔

''نمو! میں کہہ رہا ہوں ناں جاؤ ان کے ساتھ۔ خبردار! کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔ یہ اپنے پاؤں سے چلتی ہوئی تمہاری گاڑی میں بیٹھے گی۔'' ولید کمال نے نمو سے تحکمانہ کہہ کر گارڈ کو آگے بڑھنے سے روکا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ میرا اعتبار کرو۔ اپنی توہین مت ہونے دو نمو......! جاؤ ان کے ساتھ۔ میں تمہارے ساتھ برا نہیں ہونے دوں گا۔''

''ولید مجھے ان لوگوں سے ڈر لگ رہا ہے۔ میرا دل بند ہو جائے گا۔ میں ان خطرناک لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ پلیز! ولید......یہ نہیں کریں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ مسٹر بہاول خان! تم ایسا کرو مجھ پر دو تین فائر کر کے اسے اُٹھا کر لے جاؤ۔'' وہ اس طرح سے بولا کہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا وہ کس موڈ میں بات کر رہا ہے۔ حل نکال رہا ہے یا غصے کا اظہار کر رہا ہے۔

''نہیں......نہیں۔'' نمو نے بری طرح روتے ہوئے چیخ ماری۔

میڈم عالیہ بھی ششدر سی اُلجھن بھری نظروں سے ولید کمال کو دیکھ رہی تھی جیسے اندازہ لگانا چاہ رہی ہو کہ ولید کمال کیا چاہ رہا ہے۔

''نمو! جاؤ......دیکھو! تمہیں کسی کا ہاتھ نہیں لگنا چاہیے۔ تمہاری خاطر دے دوں گا ایک کروڑ روپیہ۔ اس شرط پر کہ تمہیں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ جاؤ'' ولید کمال نے اسے بمشکل

خود سے دور کرتے ہوئے برف برف لہجے میں بات کی۔

''چلو لڑکی! بڑی خوش قسمت ہو۔ سچا عاشق ملا ہے تمہیں۔ رنگ کالا ہے تو کیا ہوا؟ نصیب تو گورا ہے۔''

میڈم عالیہ نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے نمو کی خوش قسمتی کو سراہا۔

''نمو! چلی جاؤ...... میں کہہ رہا ہوں چلی جاؤ۔ خدا کے لیے چلی جاؤ۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میری ایکچوئل پراپرٹی تم ہو۔ تمہارے سامنے روپے پیسے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پلیز نمو......! میری بات مانو۔ خود چل کر گاڑی میں بیٹھو کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا۔''

نمو کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے۔ میڈم عالیہ بڑے اعتماد سے فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔

نمو یوں چلی جیسے پاؤں تلے انگارے بچھے ہوں۔ میڈم عالیہ نے بھی قدم بڑھائے اور ولید کمال کی طرف دیکھ کر وکٹری کا نشان بنایا اور جان جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ہم بہت جلد ملیں گے۔ 100% یقین ہے۔ او کے...... اس صدی کے ہونہار عاشق۔''

نمو نے پلٹ کر پھر بڑی بے بسی سے ولید کمال کی طرف دیکھا۔ وہ یوں بھی ہتھیار ڈالنے کی خواہش مند تھی کہ ولید کمال کو کہیں کوئی بڑا نقصان نہ پہنچ جائے۔ ولید کمال نے نگاہ چرا کر اپنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ نمو اور میڈم عالیہ آگے اور گارڈ ان کے پیچھے تھا۔

ولید کمال نے گارڈ کی پشت ہوتے ہی کوٹ کی اندرون جیب سے ریوالور نکالا تھا۔ ڈرائنگ روم سے پہلے نمو اور میڈم عالیہ نے قدم باہر نکالے اور گارڈ نے انہیں فالو کیا۔

اس دوران جو چند سیکنڈ کا وقفہ تھا ولید کمال نے اس مختصر ترین مہلت میں گن مین پر فائر کر دیا تھا۔ گولی گن پر لگی تھی۔ گن اس کے ہاتھ سے دور جا گری کیوں کہ یہ سب کچھ خلاف توقع تھا اور گارڈ یا میڈم کو ولید کمال کے Armed (مسلح) ہونے کی اُمید نہیں تھی۔ گھر کا داخلی مین گیٹ پر تھا جو ڈرائنگ روم سے خاصے فاصلے پر تھا۔

گن گرتے ہی ولید کمال نے پے در پے دو فائر کیے۔ دونوں گولیاں گارڈ کے بازو میں لگیں۔ پھر بھی اس نے چیتے کی سی پھرتی سے اپنی گن اُٹھانے کی کوشش کی۔ اس دوران ولید کمال بھاگ کر گن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

نمو ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ گولی کس طرف سے آئی حملہ کس نے کیا۔ بس پاگلوں کی طرح چیخے جا رہی تھی۔ میڈم عالیہ اُفتاں و خیزاں گیٹ کی طرف بھاگ رہی تھی تاکہ باہر گاڑی میں بیٹھے گارڈ سے Help لے۔ اس دوران گھر کا چوکیدار (گن مین) فائر کی آواز پر ان تینوں کے قریب آ چکا تھا۔

''خان! میڈم کو روکو باہر نہیں جانے پائے۔ اندر کرو اسے۔ نمو! بھاگ جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ۔ روم لاک کرو۔ باہر مت آنا۔'' ولید کمال کسی سپہ سالار کی طرح ہدایات دے رہا تھا۔ نمو تو جیسے سر پر پاؤں رکھ کر اندر کی طرف بھاگی۔

میڈم نے بدحواس ہو کر گھر کے چوکیدار کی طرف دیکھا جو اس پر رائفل تانے ہوئے تھا۔

''پرے ہٹ بڈھے مزہ چکھا دوں گی تجھے۔'' وہ چوکیدار کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتے ہوئے غرائی۔

''آسرا نہیں کرو خان! اس کی ٹانگ پر فائر کرو۔ بلکہ دونوں ٹانگوں پر فائر کرو۔'' ولید کمال نے بڑے اعتماد سے چوکیدار کو آرڈر دیا۔

میڈم کو جیسے بریک لگ گئے۔ اس نے پلٹ کر بہت بدحواسی کے انداز میں ولید کمال کی طرف دیکھا تھا۔

"بلکہ خان! آگے سے تم فائر کرو پیچھے سے میں کرتا ہوں۔"

نمو نے بھاگتے بھاگتے ولید کمال کا نیا آرڈر سنا۔ خوف وحشت میں بدل گیا۔

"بہاول خان! سرخاب کو بولو برسٹ کھول دے اس حرامی پر۔" میڈم موت سر پر دیکھ کر پاگلوں کی طرح چلائی۔

ولید کمال جوان کو بھگانے کی نیت سے محض دھمکی سے کام لے رہا تھا اس کا خیال تھا کہ بہاول خان کے بازو پر لگی دو گولیاں کافی ہیں۔ اب میڈم کو بہاول خان کو ایمرجنسی میں لے جانے کی جلدی ہوگی لیکن میڈم کے منہ سے گالی سن کر تو جیسے اس کے چاروں طرف شعلے بھڑک اُٹھے۔ بہاول خان بولنے کے قابل نہیں رہا تھا اس نے بازو پر بایاں ہاتھ رکھا ہوا تھا چہرے پر اذیت کا تاثر تھا۔ ولید کمال کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔

حرامی...... نیزے کی انی کی طرح یہ لفظ اس کے دماغ میں گڑا ہوا تھا۔ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا اس نے میڈم کا نشانہ لیا۔ وہ قطعی کنٹرول کھو چکا تھا۔

نمو نے تو سرپٹ بھاگتے ہوئے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ شاید وہ ولید کمال کو میڈم کا نشانہ باندھتے ہوئے دیکھتی تو پلٹ کر آتی۔ ہزار جتن کرتی مگر ولید کمال کو میڈم پر گولی چلانے نہ دیتی۔

ٹرائیگر پر ولید کمال کی اُنگلی کا دباؤ بڑھا اور بہاول خان نے میڈم کو اپنی طرف بڑی پھرتی سے کھینچا۔ گولی سیدھی گیٹ کی طرف گئی۔

چوکیدار اتنی دیر میں ولید کمال کے ریوالور والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ چکا تھا۔ اس نے عین وقت پر بڑی ہوش مندی سے کام لیا تھا۔

"صاحب! آپ عورت پر فائر مت کریں۔" اس نے ولید کمال کا ریوالور والا ہاتھ پیچھے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس کی نظر میڈم اور بہاول خان کو بھی تول رہی تھی۔

"چھوڑ دو خان! میں اسے جان سے مار دوں گا۔ اس نے گالی دی ہے۔ میں بتاتا ہوں اس کو۔"

وہ دونوں اُلجھ رہے تھے۔ بہاول خان میڈم کو کھینچتا گیٹ سے باہر نکلنے لگا۔

"صاحب! آپ فائر مت کرو۔ باہر گن مین ہے اس کا اور ڈرائیور بھی ہے۔ اس کے پاس بھی اسلحہ ہوسکتا ہے۔ اس کو مت مارو اپنے کو بچاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ ولید کو چھوڑ کر گیٹ کی طرف سرپٹ دوڑا تاکہ گیٹ اندر سے بند کردے۔ ولید کمال نے پھر میڈم کا نشانہ لیا۔ چوکیدار کو شاید اس بات کا اندازہ تھا۔ وہ عین میڈم کے عقب میں ہوگیا۔ میڈم کا قد غیر معمولی اُونچا تھا مگر افغان چوکیدار پھر بھی اس سے اُونچا تھا۔ اب ولید کمال کے لیے فائر کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ گولی چوکیدار کو لگ سکتی تھی۔ چوکیدار نے بہاول خان اور میڈم کو بھاگنے کا پورا موقع دیا۔ وہ جیسے ہی گیٹ سے باہر ہوئے اس نے گیٹ لاک کردیا اور پلٹ کر ولید کمال کی طرف دیکھا جو ناکامی کے احساس سے مزید پاگل ہوگیا تھا۔

اسی وقت باہر سے تڑاتڑ فائر کی آوازیں آئیں۔ چوکیدار ولید کمال کی طرف دوڑا اور پوری قوت سے بازو سے کھینچتا اندر کی طرف بھاگا۔ ولید کمال اس کے آہنی پنجے سے اپنا بازو چھڑانے کے جتن کرنے لگا۔ مگر افغان چوکیدار کی گرفت نے اسے بے بس سا کر دیا۔ چوکیدار نے لاؤنج میں داخل ہوکر اپنی گن ایک طرف پھینکی اور دونوں ہاتھوں سے ولید کمال کے بازو تھام کر پورا دباؤ ڈال کر صوفے پر بٹھایا۔ حور بی بی (ملازمہ) ڈائننگ

کی دیوار سے پوسٹر کی طرح چپکی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''حور بی بی! صاحب کو ٹھنڈا پانی پلاؤ۔'' چوکیدار نے بلند آواز سے حور بی بی کو مخاطب کیا۔

باہر اب فائر کی آواز نہیں تھی۔ شاید میڈم اپنے زخمی گارڈ کو لے کر جا چکی تھی۔
ولید کمال نے اپنی تیز تیز چلتی سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے چوکیدار کی طرف دیکھا۔

''خان! تم نے اچھا نہیں کیا۔ وہ عورت میرے اندر دوزخ کی آگ بھڑکا گئی ہے۔ کاش! میں اس کے سینے میں ایک گولی اُتار سکتا۔'' ولید کمال یوں ہانپتے ہوئے بول رہا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

''یہ آپ کا بہت بڑا غلطی ہوتا صاحب! آپ عزت والا آدمی ہو۔ آپ کے ہاتھ سے خون ہو جاتا سارا زندگی کے واسطے آپ پر اسٹامپ (Stamp) لگ جاتا۔

''ایک اسٹیمپ تو پہلے ہی لگی ہوئی ہے پکی سیاہی سے۔ دنیا کی سب سے پکی اسٹیمپ۔'' ولید کمال جیسے عالم دیوانگی میں بڑبڑایا۔

اسی وقت گیٹ پر گاڑی رُکنے کی آواز آئی...... ساتھ ہی ہوٹر کی۔ چوکیدار ایک دم سیدھا ہوا اور پلٹ کر گیٹ کی طرف دیکھا۔

''لگتا ہے پولیس موبائل ہے۔ آپ اندر بیٹھو صاحب! ام دیکھتا ہے۔'' چوکیدار پر عجلت طاری ہو گئی۔ مگر پھر بھی بڑی ضبط سے کام لے رہا تھا۔ حور بی بی پانی کا گلاس لے کر آ چکی تھی اور ولید کمال کے سامنے کھڑی تھی۔ چوکیدار باہر کی طرف بڑھا۔ اس کے کیبن میں کال بیل بج رہی تھی۔

ولید کمال نے بلا ارادہ پانی کا گلاس تھام لیا تھا۔ اس کی اب ساری توجہ باہر کی

طرف تھی۔ اس نے ایک گھونٹ پانی پی کر گلاس حور بی بی کو واپس کر دیا اور گود میں پڑا ریوالور اُٹھا کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ حور بی بی کی نظر گیٹ کی طرف گئی اور بدحواس ہو کر ولید کمال سے بولی۔

''ص...... صاحب پولس (پولیس)۔

''تم اندر جا کر اپنا کام کرو۔'' ولید کمال نے رُوڈ انداز میں حکم دے کر باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

☆☆☆☆☆

نمو کو کئی منٹ تو اوسان بحال کرنے میں لگے تھے۔ وہ اُوپر لاؤنج میں آ کر کارپٹ پر ڈھے گئی تھی۔ جیسے ہی ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہوا تو نیچے گیٹ سے تواتر سے گن چلنے کی آواز آئی وہ تو پھر جیسے مرنے کو ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ سوائے ولید کمال کے کوئی خیال نہیں تھا۔ اس نے نڈھال سے انداز میں خود کو کھینچا اور بمشکل فون تک پہنچی اور لرزتی اُنگلیوں کو سنبھالتی انجم علوی کا نمبر ملانے لگی۔ اس وقت اسے یہی سجھائی دیا۔

انجم علوی نے اٹینڈ کیا۔ بڑا روکھا لیا دیا انداز تھا۔ شاید وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کی بیگم نے یاد کیا ہے۔

''ہیلو......'' ان کی سرد آواز نمو کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ پھر سے جی اُٹھی۔ مگر منہ سے الفاظ بے ربط نکلے۔

''ماموں...... ماموں جان! آپ آ جائیں...... وہ...... گھر آ جائیں۔'' یہ کہہ کر اس نے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا تھا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔ کسی انتہا

کے تصور کے بعد تو ذہن یوں بھی خالی گنبد بن جاتا ہے۔ بازگشت شور بن جاتی ہے۔

اسی وقت حور بی بی ہانپتی کانپتی گرتی پڑتی اُوپر آئی تھی۔ فوراً ہی اس کی نظر نمو پر پڑ گئی تھی۔ اُس نے خوفزدہ ہو کر پیچھے پلٹ کر یوں دیکھا جیسے کوئی اس کے تعاقب میں ہو۔

حور بی بی کو دیکھ کر اس نے جیسے سکون کا سانس لیا مگر حور بی بی کی حواس باختگی اس کے لیے بہت اہم تھی۔ انجانے خدشات سے دل لرزنے لگا۔

''کیا خبر لائی ہے؟'' اس نے سوچ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''بی بی! وہ پولس (پولیس) آ گئی ہے۔ آپ صاحب کو بلاؤ۔ بڑی بیزتی (بے عزتی) ہوگی۔ خبر نہیں کیا ہوا باہر سے گولیاں چلنے کی آواز آئی تھی۔ ہائے مولا! رحم.....'' حور بی بی کی تھرتھری چھوٹی ہوئی تھی۔

''وہ کہاں ہیں؟ میرا مطلب ہے ولید'' نمو کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

''وہ...... جی...... جو مہمان آئے تھے۔ آپ کی منگنی جن کے ساتھ......''

''ارے بھئی! وہی......'' نمو نے زچ ہو کر اس کی تمہید توڑی۔

''وہ تو جی اندر ہی ہیں۔ خبر نہیں اب پولس سے باتیں کر رہے ہوں۔ وہ جی خیریت سے ہیں۔ میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ جو موٹی سی عورت آئی تھی ناں گارڈ کے ساتھ وہ بھی پتہ نہیں کیا بولتی باہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ بی بی! آپ فوراً صاحب کو ٹیلی فون ملاؤ۔''

''میں نے فون کر دیا ہے وہ آ رہے ہوں گے۔'' نمو نے اب بہت سکون سے بات کی۔ (یہ پولیس کہاں سے آ گئی۔ کیا ولید نے فون کیا ہوگا؟) وہ سوچنے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے آہستگی سے اُٹھی۔

''بی بی! آپ نیچے مت جانا۔ ولید صاحب خود ہی نمٹ لیں گے پولس سے۔'' حور

بی بی نے آگے بڑھ کر نمو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور خوفزدہ انداز میں بولی۔

''نہیں نہیں میں نیچے نہیں جا رہی بلکہ تم بھی ادھر ہی رہو۔ ماموں جان تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ بلکہ جس طرح میں نے ان کو آنے کو کہا ہے وہ تو بہت پریشان ہو گئے ہوں گے۔ ان سے تو گھر تک کا راستہ طے کرنا مشکل ہو جائے گا۔'' نمو کو جیسے پچھتاوا سا ہوا۔

''میں ادھر سے جھانک کر دیکھتی ہوں۔ گیٹ پر پولس ہے یا چلی گئی۔'' حور بی بی نے ٹیرس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور بھاگنے کے انداز میں ریلنگ تک پہنچی۔

نمو نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔ بے قراری اور تجسس اپنے کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ گیٹ سے باہر کا منظر کافی پریشان کن تھا۔

پولیس موبائیل میں کوئی نظر نہیں آیا۔ غالباً سب ہی وین سے باہر آ چکے تھے۔ دو چار ہمسائے بھی پہنچ چکے تھے۔ چوکیدار اور ولید کمال بھی نظر آ رہے تھے۔ بات چیت تو ہو رہی تھی مگر سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ البتہ میڈم عالیہ کی کار اور گارڈ کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

''کیا ولید کو اریسٹ کر لیا جائے گا؟'' ایک خوف کی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر گئی۔ اس کے سامنے ولید نے فائر کیا تھا جس پر وہ چیختی ہوئی اندر بھاگی تھی۔

''ہائے اللہ! کہیں......'' اس کہیں سے آگے سوچتے ہوئے اسے چکر آنے لگے۔

اس نے بے قراری سے دور دور تک نظر دوڑائی کہ شاید انجم علوی کی کار آتی دکھائی دے۔ کار نظر نہیں آئی تو بے قراری بڑھ گئی۔ ایک تو اس شہر میں ٹریفک کا بھی تو مسئلہ ہے۔ کہیں جام ٹریفک میں پھنس گئے ہوں گے۔ ورنہ اب تک تو پہنچ جانا چاہیے تھا۔ وہ بے قراری سے ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ گاہے گاہے نظر باہر کی طرف جاتی تھی جہاں ولید کمال پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بہت اعتماد سے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ بھی اس کو

اور حور بی بی کو دیکھ سکتا تھا اگر اس کی توجہ اپنی جگہ سے ہٹتی۔

''بی بی! آپ صاحب کو دوبارہ فون کریں۔ دیکھیں تو سہی وہ اب کہاں ہیں؟'' حور بی بی سے جیسے صبر کرنا محال ہو رہا تھا۔

''وہ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔ آنے ہی والے ہوں گے۔'' اس نے بے قرار نظریں پھر دوڑائیں۔ ولید کمال اسی اسٹائل میں کھڑا تھا اور بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ جس پر نمو کو بے انتہا حیرت تھی۔

بالآخر انجم علوی کی کار بائیں طرف سے آ کر گیٹ کے باہر رُکتی دکھائی دی۔ شاید بریک لگا کر انہوں نے ہاتھ سے ساتھ ہی ڈور بھی کھولا تھا اس لیے کہ پلک جھپکتے ہی وہ باہر کھڑے نظر آئے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی کہ ان کے گیٹ پر پولیس موبائل ہمسائے اور سب سے بڑھ کر ہونے والا داماد کھڑا ہوا تھا۔

انجم علوی کچھ کہہ رہے تھے ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے تمام افراد سے فرداً فرداً مصافحہ بھی کر رہے تھے۔ چہرے پر گہری تشویش کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

نمو کو جیسے قرار آ گیا۔ ''شکر...... ماموں جان آ گئے۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے لاؤنج کی طرف قدم بڑھائے۔ جیسے انجم علوی کی گھر آمد تمام مسائل کا حل تھی۔ وہ لاؤنج میں آ کر صوفہ کم بیڈ پر دراز ہو گئی۔ آنکھیں بند کرتے ہی ولید کمال سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کیا ہو گا؟ ولید کمال نے فائر تو کیا تھا۔ موتی کچھ نہ کچھ تو کرے گی۔ وہ تو ہمارا گھر چھوڑ کر اب ولید کمال کے پیچھے پڑ جائے گی۔ اگر خدانخواستہ ولید کمال کی چلائی ہوئی گولی سے موتی کا گارڈ expire ہو گیا؟'' خوف سے اُسے جھرجھری آ گئی۔ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

''بی بی! صاحب آ گئے ہیں۔ میں نیچے جا رہی ہوں۔'' حور بی بی تیزی سے زینہ اُترتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نمو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''کس عذاب میں ڈال دیا ہے ہمیں رمیض بھائی آپ نے؟ خود پتہ نہیں کہاں خوار ہو رہے ہوں گے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

☆☆☆☆☆

رمیض نیند پوری کر کے اچھی طرح تیار ہو کر فہد کی بائیک لے کر نکل کھڑا ہوا تھا۔ اسے خود بھی نہیں پتہ تھا کہ اسے کہاں اور کیوں جانا ہے۔ شہر میں دس کروڑ کی مالیت کی کوٹھی ہوتے ہوئے وہ آج بے گھر تھا۔

وہ نارتھ کراچی سے نکلا اور برنس روڈ کا رُخ کیا۔ اس کا ایک کلاس فیلو عمیر وہاں رہتا تھا۔ برنس روڈ پر اس کے باپ کا چلتا ہوا ریسٹورنٹ تھا اور صدر میں بیکری تھی۔ پیسے میں کھیلنے والا لڑکا تھا۔ رمیض کی اس کے ساتھ Chemistry بہت Match ہوتی تھی کہ دونوں باپ کا مال دونوں ہاتھوں سے اُڑاتے تھے۔

اکثر وہ برنس روڈ پر بغیر خرچے کے مٹن کڑاہی اور بنجی کھاتا تھا۔ فہد کے گھر میں روٹین کا سبزی گوشت اور آملیٹ کھا کر دو ہی دن میں اس کی طبیعت اُلجھ گئی تھی۔ برنس روڈ کی فوڈ اسٹریٹ سے تھوڑے ہی فاصلے پر عمیر کا گھر (اپارٹمنٹ) تھا۔ اپنے بزنس کی وجہ سے اس کے والد اپنا چار کمروں کا اپارٹمنٹ چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ اچھے گھر کی تمنا سے بے نیازی کی ساری وجہ تو یہی تھی کہ صبح دس بجے سے رات ایک بجے تک کا وقت تو ان کا ریسٹورنٹ میں گزر جاتا تھا۔ سونے کے لیے ایک بیڈ ان کی ضرورت تھا جو ان کو ملا ہوا تھا۔ عمیر اور دوسرے بچوں کے اصرار کے باوجود وہ بڑا گھر لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ بہت بڑے خرچے کی بات تھی۔ انہیں اپنا بھاری بھرکم بینک اکاؤنٹ بڑے گھر

سے زیادہ پیارا لگتا تھا۔ روزانہ صبح جو دو ڈھائی لاکھ وہ اکاؤنٹ میں جمع کراتے تو جیسے نئے سرے سے پیدا ہو جاتے تھے۔ رمیض کی طرح عمیر بھی ماں کے ذریعے بھاری رقمیں حاصل کیا کرتا تھا۔ باپ سے تو بڑی رقم حاصل کرنے کا تصور بھی محال تھا۔

تیز دھوپ میں بائیک دوڑا کر اس کی حالت غیر ہوگئی۔ پسینے سے شرابور جب وہ شہر کے گنجان آباد علاقے میں داخل ہوا تو ٹمپرامنٹ کھو چکا تھا۔ دل چاہ رہا تھا بائیک کو اُٹھا کر کہیں دور پھینک مارے۔ اپنی ٹھنڈی سواری یاد آ رہی تھی اور سینے سے ہوک سی اُٹھ رہی تھی۔

شامہ تجھ سے تو میں نے نمٹنا ہی نمٹنا ہے۔ اس نے اپنے کلین شیو چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ بائیک ایک طرف کھڑی کر کے پہلے تو ایک ٹھوکر بائیک کو لگائی۔ پھر اپنے ڈارک گلاسز آنکھوں سے ہٹا کر سر پر ٹکائے جیب سے رومال نکال کر چہرہ پونچھا۔ پھر گردن پر رومال رگڑ کر جھٹکا دے کر کھولا اور اُترے پسینے کا جیسے جائزہ لیا۔ رومال دوبارہ جیب میں ڈالنے کی ہمت تو نہیں ہو رہی تھی مگر آئندہ کا بھی سوچنا تھا۔ فوڈ اسٹریٹ تو ویسے ہی جلتے چولہوں کی وجہ سے اُیکسٹرا گرم ہوتی ہے۔ اُس نے عمیر کو یہیں بلا کر کہیں بیٹھ کر اپنا دکھڑا رونا تھا۔ رومال جیب میں رکھ کر موبائل نکالا اور عمیر کو ملانے لگا۔

عمیر بھی گھر پر پڑا سو رہا تھا۔ رمیض کی آواز سنتے ہی مستعد ہوگیا۔ ''کہاں ہو؟'' اس نے فوراً پوچھا تھا۔

''تمہارے بہت قریب سمجھو تمہارے ریسٹورنٹ میں''

''او کے دس منٹ ویٹ کرو میں پہنچتا ہوں۔ یار! صبح تک بازیاں کھیلتا رہا۔ دیر سے سویا تھا اس وجہ سے ابھی تک بیڈ میں ہوں۔''

''زیادہ دیر مت کرنا۔ میں ویٹ کر رہا ہوں۔''

''او کے سمجھو پہنچ گیا۔'' اس نے اپنی طرف سے فون بند کر دیا۔

سمجھنے سے سب کچھ ممکن ہوتا تو میں یہ سمجھنے میں دیر نہ کرتا کہ شامہ مر چکی۔ اس نے موبائل جیب میں رکھ کر گریبان میں پھونک مار کر گرمی کی شدت دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہت تپ کر سوچا تھا۔

☆☆☆☆☆

وقار کو سامنے دیکھ کر جو ذہن میں جھکڑ بگولے چلنا شروع ہو جاتے تھے وہ اس کی دیر تک کی غیر موجودگی کی وجہ سے تھم چکے تھے۔ ذہن قدرے سکون میں آ چکا تھا۔ اس لیے کہ اب دماغ کو ایک اور کام بھی مل چکا تھا اسے یہ بھی سوچنا تھا کہ وقار کہاں ہے۔ گھر کیوں نہیں آ رہا۔

روبی نے آئینے میں اپنا حلیہ دیکھا تو جیسے خود کو اجنبی لگی۔ بکھرے گندے بال، سوکھا خشک چہرہ، ہونٹوں پر پپڑی، آنکھوں میں اُداسی ملگجے کپڑے۔

''یہ میں ہوں؟'' اس نے حیران ہو کر خود سے سوال کیا۔ پھر جیسے سب کچھ بھول بھال اپنا حلیہ ٹھیک کرنے کی دُھن چڑھ گئی۔

''یہ صلہ ہے میری محبت اور خلوص کا؟ چند دنوں میں مجھے قبر کا مردہ بنا دیا۔ میں اس کرپٹ اور فراڈ انسان کی وجہ سے خود کو بے موت مار دوں؟ آخر ماہ رخ بھی تو جی رہی ہے اس کے بغیر اور کتنی اچھی طرح...... ٹوٹل خودمختارانہ زندگی۔ اپنی مرضی سے سونا جاگنا، نہ پیچھے سے کوئی آواز نہ سامنے سے پکار۔ کتنی اچھی طرح ڈریس اپ ہوتی ہے۔ کتنی فریش دکھائی دیتی ہے۔ کتنی پیاری Glow کرتی اسکن ہے۔ یقیناً وقار نے اس کو دھوکہ دیا ہوگا۔ مجھے کہہ رہا تھا کہ ماہ رخ نے اسے دھوکہ دیا ہے۔ مرد کو کوئی لڑکی پھنسانے کے لیے کوئی کہانی تو بنانا ہی پڑتی ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے وارڈروب کا پٹ کھولا۔

زرد اور شاکنگ پنک پرنٹ کا بہت اسٹائلش سوٹ نکالا ساتھ ہی زرد بارڈر والا شاکنگ پنک دوپٹہ بھی۔

وقار سے حقیقت کبھی پتہ چل ہی نہیں سکتی۔ حقیقت تو صرف ماہ رخ ہی بتا سکتی ہے۔ میں آج ہی اس سے ملوں گی۔ وقار مجھے لے کر گئے تھے وہ بے چاری ان کے سامنے کیا بولتی لیکن مجھے یقین ہے وہ تنہائی میں مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دے گی۔ ہم دونوں مل کر اب اس کرپٹ اور فراڈیے سے نمٹیں گے۔

''نتا......!'' اس نے بال کیچر سے آزاد کرتے ہوئے نتا کو آواز دی جو چند منٹ پہلے ہی باہر سے آئی تھیں۔ اتنے دن بعد روبی کی بلند آواز نے تو جیسے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ گرتی پڑتی بیڈ روم میں آئیں۔ سینے پر ہاتھ یوں رکھا ہوا تھا جیسے دل کہیں سے نکل بھاگے۔

''کیا ہوا میری بچی خیریت ہے ناں؟'' وہ روبی کے قریب آ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''میرے لیے جلدی سے گرم گرم سوپ اور ایک بڑا کپ کافی لائیں۔ تاکہ میرا Low B.P کنٹرول ہو۔ اس کے بعد میں ٹھیک سے باتھ لینا چاہ رہی ہوں۔ کئی دن ہو گئے ہیں نہائے ہوئے۔''

''نتا صدقے جائے اپنی بیٹی کے۔ ارے! میں ابھی لائی۔'' وہ تو جیسے دوڑ پڑیں۔

''نتا کافی دودھ میں۔ پانی والی مت بنائیے گا۔''

''اچھا اچھا میری بیٹی! دودھ میں ہی بناؤں گی۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے میں نے اپنی بچی کو بستر سے اُٹھا دیکھا۔ شکر ہے مالک! لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' نتا توریشہ خطمی سی ہو کر کچن میں گھس گئی تھیں۔ کھٹر پٹر برتنوں کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ روبی چیئر پر پاؤں اُٹھا کر

بیٹھ گئی۔

صبح اس نے صرف ایک چھوٹا باؤل دلیہ کھایا تھا لیکن اندر ایسے جذبے جاگ پڑے تھے کہ خون گرم ہو گیا تھا۔ کچھ کرنے کی دھن لگ گئی تھی۔ انتقام نہیں تھا مگر کچھ آگ سی تھی جو انسان کے رگ و پے میں ایندھن بن کر دوڑنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆

مومنہ کے جانے کے بعد ماہ رخ کا آفس جانے کا ارادہ بدل گیا تھا۔ پھر نتا کی آمد اور باتوں نے اس پر ڈپریشن سا طاری کر دیا تھا۔ مضمحل سی بیڈ پر دراز ہو گئی تھی۔ خیالات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اسے بھی مختلف قسم کے خیالات نے آ گھیرا تھا۔ کبھی روبی کی طرف دھیان چلا جاتا، کبھی متوقع کورٹ ٹرائل کی طرف۔

کیسا موڑ ہوتا ہے یہ زندگی کا۔ کبھی جن آنکھوں میں محبت کے دریا بہتے ہیں پھر انہی آنکھوں میں نفرتوں کے آتش فشاں بھی دہکتے ہیں۔ جس کے سینے پر سر رکھ کر نیند آنا شرط بن جاتا ہے وہی نیندیں ویران کر دیتا ہے۔ جن ہاتھوں نے وجود میں پھول کھلائے ہوتے ہیں وہی ہاتھ گردن کا شکنجہ بن جاتے ہیں۔ جس کی مسکراہٹوں سے دل کے آنگن میں چاندنی بکھرتی ہے اسی کے منہ سے نکلے زہریلے الفاظ چہار اطراف گھٹا ٹوپ اندھیرے پھیلا دیتے ہیں۔

اس کے حافظے سے تو وقار کی پسندیدہ خوشبو کی لہریں بھی محو نہیں ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی یونہی چونک پڑتی تھی جیسے وہ قریب آ کھڑا ہو اور ماحول میں وہی خوشبو اُتری ہوئی ہو جس کی اسے عادت پڑ چکی تھی۔

اس کی آنکھوں کے کناروں سے چند آنسو ٹپکے اور کانوں کی طرف بہہ گئے۔

''کیا مقدر ہے میرا...... خوشی آتی ہے کسی بچے کی طرح کھیلتی ہوئی تھوڑی سی

شرارت کر کے بھاگ جاتی ہے۔''

خیالات اتنے اذیت ناک تھے کہ وہ کسی صورت بھی سو نہیں سکتی تھی اور زیادہ دیر وہ یہ بوجھ اٹھا نہیں سکتی تھی۔ وہ بمشکل اُٹھی۔ فریج تک آئی۔ کبھی کبھی جو خواب آور گولی وہ استعمال کرتی تھی۔ نکالی اور گلاس میں پانی لے کر منہ میں ڈالی۔

دن کا وقت تھا مگر اس کے لیے رات تھی۔ نہ وہ کام کر سکتی تھی نہ خیالات کی بھر مار سے نجات حاصل کر سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ وہ چار پانچ گھنٹوں کے لیے بے خبر ہو جائے۔

گولی کھا کر اس نے اپنا سیل سوئچ آف کیا پھر کال بیل کا سوئچ بھی آف کر دیا۔ پردے کھینچے، دروازہ بند کیا اور بستر پر آ گئی۔

اس کے لیے اب اتنا اطمینان بھی بہت تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ سو چکی ہو گی۔ مومنہ کی واپسی تو رات تک متوقع تھی۔

☆☆☆☆☆

''شاہ صاحب! بس اب حد ہو چکی ہے۔ مجھے اس کے پاس جانے دیں۔ مومنہ بھی برابر فون کر کے کہہ رہی ہے آپ لوگ آ جائیں۔'' ماہ رُخ کی والدہ تابندہ بیگم بہت دلسوزی سے کہہ رہی تھیں۔

''ہم نے اس پر اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کیے تابندہ۔ وہ ایک دم سے لاپتہ ہو گئی۔ اس نے یہ سوچا کہ اس کے ماں باپ پر کیا گزرے گی۔ اس معاشرے میں بالکل تنہا بغیر رشتوں کے نظر آنے والی عورت کے بارے میں لوگ کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ عرفان نے اپنی طرف سے بھلائی کی تھی۔ وہ کیوں دشمنی کرے گا ہم سے؟ چلو اس نے برا کیا تھا مگر وقار تو اس کی اپنی پسند تھا۔ کیوں نہیں نباہا اس سے؟ ٹھیک ہے مرد ذات کو غصہ آ گیا تھا یہ بیوی کا کام ہوتا ہے وہ شوہر کو سنبھال، اسے اپنا بنا لے۔'' عفان شاہ جو عرف عام میں شاہ صاحب کہلاتے تھے بہت دکھ مگر تلخ لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''آپ دونوں بھائی کبھی اپنی غلطی نہیں مانیں گے۔ آپ لوگوں کو وقار سے چھپانا نہیں چاہیے تھا۔ نکاح ہی تو ہوا تھا۔ رخصت ہو کر تو نہیں گئی تھی۔''

''طلاق کا دھبہ لگ چکا تھا تمہاری بیٹی پر۔ طلاق یافتہ لڑکی کو کنوارا اور صاحب حیثیت رشتہ بہت مشکل سے ملتا ہے۔ اسی کا بھلا سوچا تھا۔'' شاہ صاحب نے غصے کے اظہار کے لیے اخبار پٹخنے کا راستہ نکالا۔

''اس طرح کی باتیں کبھی زیادہ عرصے کے لیے چھپی ہیں؟ میں نے تو اس وقت بھی کہا تھا۔''

''بہت یاد آ رہی ہے بیٹی تو تم چلی جاؤ اس کے پاس۔ جب اسے زندہ ماں باپ کا خیال نہیں ہوا تو میں کیوں اس سے ملنے جاؤں۔ میں تمہیں نہیں روک رہا۔ ابھی جانا چاہتی ہو تو ابھی چلی جاؤ۔ By air چلی جاؤ۔ مگر مجھ سے ساتھ چلنے کے لیے مت کہنا۔ جب تک دل چاہے اس کے ساتھ رہو۔ جب گھر یاد آئے تو آ جانا۔'' شاہ صاحب کا انداز دوٹوک تھا وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے جیسے تنگ پڑ چکے تھے اُٹھ کر ٹہلنے لگے۔

''شاہ صاحب! وہ ہم سے کچھ نہیں مانگ رہی۔ کوئی تکلیف نہیں دے رہی۔ پھر ناراضگی کی کیا وجہ ہے؟ صرف اس لیے کہ آپ کا بھائی اسے قصور وار کہتا ہے۔ اسے برا بھلا کہتا ہے۔'' تابندہ بیگم بولتے بولتے روہانسی ہو گئیں۔

''وہ غلط نہیں کہتا۔ اس نے زندگی کے مشکل ترین وقت میں میرا ساتھ دیا ہے۔ جب میری فیکٹری نیلام ہوئی تو دونوں لڑکے پڑھ رہے تھے۔ باہر پڑھ رہے تھے۔ اگر اس وقت عرفان میرا ساتھ نہ دیتا تو دونوں بچوں کی تعلیم ادھوری رہ جاتی دس سال کی

محنت برباد ہو جاتی ان کی۔'' شاہ صاحب تابندہ کے عین سامنے کھڑے ہو کر بڑے جوش سے بات کر رہے تھے۔

''تو آپ نے بھی تو عرفان کو اولاد کی طرح پالا تھا۔ اسے اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ بزنس کرایا تھا۔ اس کے پاس کیا تھا ایک چھوٹا سا کمرشل پلاٹ۔ جو اسے اپنے باپ سے ترکے میں ملا تھا۔''

''ہاں تو اُتار دیا تھا ناں اس نے میرا احسان۔ رہنے کو ٹھکانہ بھی دیا تھا۔ بچوں کی تعلیم کا خرچہ بھی دیا تھا۔ ماہ رخ کے لیے بہت اچھا رشتہ بھی ڈھونڈا تھا۔'' شاہ صاحب نے اسی سابقہ ٹون میں جواب دیا۔

''ہاں! بہت اچھا رشتہ لایا تھا۔ صرف دولت دیکھی اور لٹو ہو گیا۔ لڑکی کا کہیں سے رشتہ آتا ہے تو لڑکی والے چھان بین کرتے ہیں، ہر طرح سے اپنی تسلی کرتے ہیں۔''

تابندہ بیگم نے بہت دکھ اور تلخی سے کہا اور قریب پڑی کرسی پر نڈھال سے انداز میں بیٹھ گئیں۔

''بس اسی کو روتی رہنا۔ لڑکی کی اپنی قسمت بھی ہوتی ہے۔ عرفان کوئی اس کا دشمن نہیں ہے۔ بدلہ لے رہی ہے ہم سے۔ جھنڈے پر چڑھا رہی ہے ہمیں۔ اکیلی رہتی ہے۔ لوگ تو لاوارث سمجھتے ہوں گے ناں۔ ماں باپ زندہ ہیں اور وہ یتیم یسیر بنی بیٹھی ہے۔ مومنہ اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ کورٹ کے Through پیسہ دلوا رہی ہے۔ ابھی تک اپنے لیے کچھ نہیں کر سکی تھی۔ کس زعم میں سب کو چھوڑا تھا۔ بارہ ہزار کی نوکری کر رہی ہے۔ کرائے کا گھر ہے۔ اس طرح گزر جائے گی ساری زندگی۔'' شاہ صاحب اب بہت برہم ہو کر بیوی کو گھور رہے تھے۔

''آس تو ہو گی ناں اسے کہ شاید اس کے ماں باپ اس کی خیر خیریت پوچھ لیں۔''

تابندہ بیگم کو اب ضبط کا یارا نہ رہا۔ آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے۔

''رونے دھونے کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی ٹکٹ کا بندوبست کرتا ہوں تم آج ہی اس کے پاس چلی جاؤ۔ ابھی مومنہ وہاں موجود ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر اسے عقل کی بات سکھانا۔''

''بیٹی کے اکیلے رہنے پر اتنی ناراضگی۔ بہن کون سا دونوں بھائیوں کے کنٹرول میں ہے۔ وہ تو سرے سے شادی ہی کے خلاف ہے۔''

''بس......بس! یہیں رُک جاؤ۔ وہ مردوں کی طرح جی رہی ہے۔ بزنس کر رہی ہے۔ ہمیں تنگ نہیں کیا آج تک اُس نے اور شادی کے معاملے پر زبردستی اچھی نہیں ہوتی۔ ماہ رُخ تو شادی کے بعد اکیلی رہ رہی ہے۔ دنیا باتیں بناتی ہے کہ شوہر نے اچانک چھوڑ دیا۔ ماں باپ سے ملتی نہیں ہے۔ اس معاشرے میں اس طرح رہنے والی عورت کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

تم عورتوں کو بات سمجھ تو آتی ہے مگر بہت دیر بعد۔ میں ابھی عدنان کو فون کر کے کہتا ہوں کہ اپنی ماں کی کراچی روانگی کا بندوبست کرے۔ جوان بھائیوں کو شرمندہ کیا ہوا ہے دنیا کے سامنے۔'' شاہ صاحب نے اپنے سفید بالوں والے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ایک نظر بیوی پر ڈالی جو بے آواز رو رہی تھیں اور تیزی سے بیڈروم سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆

عمیر رمیض کو گھر لے گیا تھا کہ ابو تو ریسورنٹ میں ہیں، بہنیں کالج گئی ہوئی ہیں، امی رات سے خالہ کے گھر ہیں۔ اکیلے گھر میں مووی دیکھیں گے انجوائے کریں گے۔ ابھی تک رمیض نے عمیر کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ یونیورسٹی سے جان بچا کر دوستوں سے گپ شپ کرنے

نکلا ہے۔

''ویسے ایک بات یار آج تم نے بڑی عقلمندی کی اس طرف بائیک پر آئے ہو۔ پارکنگ کا بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ بائیک کا کیا کہیں بھی لگا دو۔ مگر یار چینج کر لو۔ تمہاری Look سے میچ نہیں ہو رہی پرانی پرانی سی لگ رہی ہے۔ CD70 لے لو۔ یہ یاماہا تو مجھے بھی مزے کی نہیں لگی۔''

''یہ میری نہیں ہے یار! میں نے ہمیشہ 4W یوز کی ہے۔ آج سے پہلے کبھی دیکھی ہے میرے پاس بائیک۔ ایک مرتبہ شوق میں لی تو تھی بعد میں ایمرجنسی کچھ اماؤنٹ کی ضرورت پڑی تو بیچ دی اور بیچ کر کبھی دکھ نہیں ہوا۔''

''باپ کا مال تھا یار دکھ کی کیا بات۔'' عمیر نے ایک دھپ رمیض کی پشت پر لگایا۔

''تو باپ کا مال ہوتا ہی ہمارے لیے ہے۔'' رمیض کو جیسے صحیح کی لگ گئی (پھر باپ کے مال کا ذکر)۔

''کار کو کیا ہوا؟ کس کی اُٹھا کر لائے ہو؟'' عمیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ پسندیدہ کمپنی کے خیال ہی سے وہ فریش ہو چکا تھا۔

''فہد کی ہے یار! اندر تو چلو بتاتا ہوں تمہیں سب کچھ۔'' اس نے عمیر کو آگے کی طرف دھکیلا۔

''ویسے یار! آج مجھے کچھ خاص فیل ہو رہا ہے مگر سمجھ نہیں آ رہی کیا۔'' عمیر زینہ چڑھتے ہوئے رمیض سے کہہ رہا تھا۔

''جو بھی فیل ہو رہا ہے ٹھیک ہو رہا ہے۔ کچھ خاص مسئلے چل پڑے ہیں۔'' وہ دونوں تیز تیز زینہ چڑھ کر سیکنڈ فلور پر پہنچ چکے تھے۔

''مسئلے؟ تمہارے ساتھ بھی مسئلے ہو سکتے ہیں۔ تم تو دوسروں کے لیے مسئلہ بن

جانے والی شے ہو۔'' عمیر نے چابی گھما کر لاک کھولا اور دروازہ پش کیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر لاؤنج میں داخل ہو گئے۔

''تم بیٹھو۔ پہلے چائے کافی یا ڈائریکٹ لنچ ونچ۔'' عمیر نے آداب میزبانی نبھائے۔

''فی الحال تو کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر سکون سے بیٹھنے دو اور میری پرابلمز Solve کرنے کے لیے میرا ساتھ دو۔''

''Sure...... دوست ہوتا کس لیے ہے۔'' عمیر نے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے روم میں چلتے ہیں یہاں تو آنا جانا رہے گا۔'' رمیض نے پرائیویسی کے خیال سے کہا کیوں کہ عمیر اسے لاؤنج ہی میں لے کر بیٹھ گیا تھا۔

''ابھی دو گھنٹے تک تو ادھر کوئی نہیں آتا۔''

''It's ok'' رمیض کی بے سکونی ایک ایک حرکت سے ظاہر تھی۔ کبھی بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگتا کبھی پہلو بدلنے لگا۔

''ایسا کرتے ہیں کافی کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔'' عمیر تو سر سے پاؤں تک ریلیکس تھا اسے تو ہری ہری سوجھ رہی تھیں۔

''بھاڑ میں گئی کافی (Coffee) مجھے یہ بتاؤ بابو منان ابھی کھارادر میں رہتا ہے۔ کہیں اور تو نہیں چلا گیا؟'' رمیض نے جھلاہٹ کے انداز میں بات کی۔

''اس نے کہاں جانا ہے۔ تمہیں کیا کام پڑ گیا ہے اس ڈفر سے۔'' عمیر نے حیران ہو کر رمیض کی شکل دیکھی۔

''ایک لڑکی کے Face (چہرے) پر تیزاب پھنکوانا ہے۔ اس طرح سے کہ اندھی ہو جائے۔ اندھی بھی اس طرح سے کہ بڑے سے بڑا سرجن بھی اس کی آنکھوں میں نور

نہ اُتار سکے۔

''مائی گاڈ رمیض! تم کریمنل کب سے ہوگئے؟ یہ پیرنٹس کے ساتھ چھوٹے موٹے دھوکے فراڈ تو جوانوں کو جائز ہوتے ہیں مگر یار یہ تو بہت بڑا کرائم ہے۔ You know''

''میں سب جانتا ہوں۔ مگر یہ کرائم نہیں ہوگا ثواب کا کام ہوگا۔ میرے اس عمل سے بہت سی Innocent روحیں آرام پائیں گی۔ پریشان لوگوں کی لسٹ میں اضافہ نہیں ہوسکے گا۔ پتہ نہیں کتنے لوگوں کو سکون کا سانس نصیب ہوگا۔

مجھے تو اب ہر خوبصورت لڑکی سے نفرت ہوگئی ہے۔ ایسا لگتا ہے ہر عورت بیوٹی کیش (Cash) کرانے گھر سے نکلی ہے۔'' رمیض پھنکارنے لگا۔

''مائی گڈنیس...... یار! کیا ہوگیا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' عمیر سچ مچ بہت پریشان ہوگیا تھا بلکہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

''میری طبیعت ٹھیک ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت۔ مجھے واقعی بابومنان کی help کی ضرورت ہے۔ ایک لاکھ مانگے گا تو دے دوں گا۔ میرے، گلے میں پلاٹینم کی چین ہے ہاتھ میں Latest راڈو ہے۔ کیش نہیں ہوسکا تو یہ دونوں چیزیں دے دوں گا بابومنان کو۔ مگر مجھے آج ہی ملوا اُس سے...... آج ہی۔''

''کم از کم مجھے تو بتاؤ ناں ہوا کیا ہے۔ پاسیبل ہے میں تمہیں اس حل سے زیادہ بہتر کوئی مشورہ دے سکوں۔'' عمیر واقعی حیران پریشان تھا۔

''مجھے کسی کے مشورے پر کام ہی نہیں کرنا۔'' رمیض نے جھلا کر کہا۔

''مگر یار!...... پلیز یار! مجھے کچھ بتاؤ تو۔ میں تو حیرت سے مرنے جارہا ہوں۔''

''بتاتا ہوں۔'' رمیض نے دو تین گہرے سانس کھینچے جیسے سوچ رہا ہو کہ کہاں سے

بات شروع کرے۔

عمیر حواس باختہ پوری آنکھیں کھولے بغیر پلک جھپکے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے پلک جھپکی تو کچھ Miss ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆

بیٹھے بیٹھے اس کی کمر میں درد ہونے لگا۔ اس پر عذاب شدید اعصابی تناؤ کہ نیچے مزید کیا ہوا۔ کیونکہ حور بی بی کے نیچے جانے کے بعد جب اس نے ٹیرس سے باہر کے منظر کا جائزہ لیا تو گیٹ پر سوائے چوکیدار کے کوئی نظر نہ آیا۔ اُلجھن پیدا ہونا ایک فطری امر تھا کہ ماموں جان اور ولید کمال کہاں ہیں؟ پولیس موبائل کس وقت گیٹ سے واپس ہوئی۔ ہزار گز پر بنی کوٹھی کا کنکریٹ ایریا چاروں طرف سے سبزے میں گھرا ہوا تھا اور ٹیرس سے مین گیٹ کا فاصلہ تقریباً چالیس میٹر کا تھا۔ جہاں سے آوازیں یا باتوں کا تاثر ٹیرس تک پہنچنا خاصہ مشکل تھا۔

اور گاڑیوں کی آواز سنائی دینا تو روٹین کی بات تھی اس لیے موبائل کی روانگی کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔

اب وہ خود کو اس حد تک تو سنبھال چکی تھی کہ آرام سے نیچے جاسکے۔ اس نے بہت محتاط چلے پیر کی بلی کی طرح زینہ طے کیا۔ دور تک مہیب سناٹا تھا۔ اب نئے سرے سے اس کا دل گھبرانے لگا۔ نہ لاؤنج میں کوئی نظر آیا نہ ڈرائنگ روم میں۔ باہر پورچ والے حصے سے شڑاپ شڑاپ فرش دھونے کی آواز آرہی تھی۔ وہ تجسس کی کیفیت میں اِدھر اُدھر دیکھتی باہر آئی تو دیکھا حور بی بی پائپ لگائے دھلائی کر رہی تھی۔ نمو کو دیکھتے ہی سیدھی ہوکر کھڑی ہوگئی اور بولی ''بی بی! صاحب اور ولید صاحب تو پولیس کے ساتھ چلے گئے۔ صاحب بولتے تھے ابھی آتا ہوں نمو بی بی کو بولنا پریشان نہ ہوں۔ کوئی فکر کی

بات نہیں۔“

”پولیس کے ساتھ گئے ہیں اور کوئی فکر کی بات نہیں۔“ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

”اِدھر اسی نامراد گارڈ کا خون پڑا ہوا تھا صاحب کہہ رہے تھے سرف ڈال کر اچھی طرح دھوؤ۔ بہت ہی پکا جمنے والا خون تھا بے غیرت کا۔ اتنا رگڑا ہے تو صاف ہوا ہے۔ خون ٹپکے دیر ہو جائے تو مشکل سے صاف ہوتا ہے۔“

”توبہ...... دیکھو اس ”جلادن“ کو کیا خون خون کیے جا رہی ہے۔“ نمو نے خوفزدہ نظروں سے ٹائلوں پر نظر دوڑا کر حور بی بی کو دیکھا۔

”وہ حور بی بی! وہ...... ولید صاحب کی کار تو اندر کھڑی ہوئی ہے۔“ انجانے اندیشے اس کی گویائی کو متاثر کر رہے تھے۔

”وہ جی صاحب کی کار میں ان کے ساتھ گئے ہیں۔“

”کہاں؟“ وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی تھی۔

”بی بی مالک لوگ ہیں جدھر جائیں۔ ہم پوچھنے والے کون۔“ حور بی بی نے زور سے پانی کا ریلا جھاڑو سے آگے کیا اور زور سے جھاڑو پٹخی۔

”ہاں!...... ہاں ہاں...... ٹھیک ہے۔“ وہ بے ربط انداز میں کہہ کر واپس اندر کی طرف پلٹ گئی۔

ماموں جان نے ممانی جان کو فون تو لازمی کیا ہوگا۔ وہ آنے ہی والی ہیں غالباً اب تو سب کچھ انہی کے Through پتہ چلے گا۔

وہ اپنی بے تاب کھوج سے عاجز آ کر جیسے خود کو سمجھا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

روبی نے اپنا نئے سرے سے جائزہ لیا۔ آئینے سے رائے لی۔ جو کہہ رہا تھا کہ اب

تم فریش نظر آ رہی ہو۔

پھر وہ ننا کے پاس آئی جو جائے نماز پر بیٹھی شکرانے کے نوافل ادا کر رہی تھیں۔ دھڑا دھڑ سجدے ہو رہے تھے۔

روبی نے ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کیا۔ ننا نے بھی بڑی عجلت میں سلام پھیرا کہ جانے وہ کیوں ان کے پاس آ کھڑی ہوئی ہے۔ سلام پھیر کر روبی کی طرف دیکھا جو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دل ہی دل میں چشم بددور کہتی کھڑی ہوئیں دبا کر پھونکیں ماریں۔

”اللہ میری بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین“

”ننا میں ماہ رُخ آپی کی طرف جا رہی ہوں۔ بہت دنوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔“ روبی نے کہا اور جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

”بہت سیدھی ہے میری بچی۔ کیا حالت ہو گئی تھی ماہ رُخ نے آ کر جھانکا تک نہیں۔ میرے کہنے پر بھی نہیں آئی اور اسے دیکھو ذرا اوسان ٹھکانے آئے اور ماہ رخ کی یاد آئی۔ ضرور وقار میاں کا ٹیلی فون آیا ہوگا۔ تب ہی ماشاءاللہ آج بستر سے اُٹھی ہے۔ شکر ہے جو میں سمجھ رہی تھی ویسا نہیں ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔“ ننا نے دعا کی اور پھر نیت باندھ لی۔

☆☆☆☆☆

ماہ رُخ خواب آور گولی کی وجہ سے بہت گہری نیند میں تھی۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ دستک کیا تھی جیسے سرہانے ڈھول پیٹ رہے تھے۔

”اس گھر میں انسانوں کے ساتھ وابستگیاں کس کی ہیں۔ فضول میں کس کو خیال آیا ہمارا؟“ اس نے جھلا کر تکیہ سر پر رکھ کر کان بند کرنے کی کوشش کی اس لیے کہ [illegible] اسے

پتہ تھا کہ مومنہ تو کسی صورت رات سے پہلے واپس نہیں آئے گی۔

دستک مسلسل ہو رہی تھی۔ تکیہ سر پر رکھنے سے آواز کم تو آ رہی تھی مگر آ تو رہی تھی۔

پتہ نہیں کون ہے۔ گہری نیند ٹوٹنے کی وجہ سے بہت چڑچڑاپن پیدا ہو رہا تھا۔ اسی وقت اسے محسوس ہوا جیسے دستک دینے والا اس کا نام بھی لے رہا ہے۔ اس نے جیسے کان لگا دیے۔

''ماہ رُخ آپی!'' آواز سماعت سے ٹکرائی اور دل سینے کی دیواروں سے۔ وہ تو یوں چونکی جیسے انقلاب آ گیا ہو۔

''اوہ نو...... یہ کیوں آئی ہے؟ لڑنے بھڑنے...... لیکن مجھ سے لڑ بھڑ کر اس کو کیا فائدہ ہو گا۔ جا کر اس فراڈ کو گولی مارے جس کے نزدیک عورت صرف مٹی کا کھلونا ہے۔ ہونہہ......''

روبی کی دو تین مرتبہ وقفے وقفے سے آواز آئی پھر دستکیں بھی بند ہو گئیں اور آوازیں بھی۔

ماہ رخ نے تکیہ ایک طرف پھینک کر جیسے سکون کا سانس لیا۔ ''چلی گئی......''

''سب کچھ جان لینے کے بعد کیوں آئی تھی میرے پاس۔'' اس نے پاؤں پھیلا کر ذرا اعصاب کو سکون دینے کی کوشش کی۔ مگر انجانی بے چینی تو لاحق ہو ہی گئی تھی۔ نہ اس کروٹ چین نہ اس کروٹ چین۔

''میں اپنا ٹھکانہ ہی بدل لیتی ہوں۔ یہاں رہنے سے تو ہر وقت ہی روبی کا سامنا ہونے کا خطرہ ہے۔'' اس نے جیسے فیصلہ کر کے خود کو تسلی دی۔

نیند تو اب رفع دفع ہو چکی تھی۔ اس نے خالی الذہن ہو کر یونہی اپنا موبائل اُٹھا لیا۔ دیکھا تو یاد آیا کہ موبائل تو اس نے آف کیا ہوا تھا۔ سوئچ آن ہوتے ہی کال آ گئی۔

اس نے نمبر دیکھا...... اب پھر ایک نئے دکھ کا سامنا تھا۔ ماں سے اجنبی بن کر بات کرنے سے بڑا دکھ کیا ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی آنے والے ماں کے فون کو اٹینڈ ضرور کرتی تھی۔

اس نے کال ریسیو کی اور گلا صاف کر کے آہستہ آواز میں بولی ''السلام علیکم امی......!''

''وعلیکم السلام بیٹا...... کیسی ہو؟'' تابندہ بیگم کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''شکر ہے امی بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے وہی بات کی جو ہر ماں بیٹی سے سننا چاہتی ہے۔

''اس وقت کہاں ہو گھر پر ہو یا آفس میں؟'' تابندہ بیگم پوچھ رہی تھیں۔

''میں گھر پر ہوں امی...... خیریت ہے ناں؟'' ماں کی تمہید نے اندیشے سے جگائے۔

''ہاں ہاں سب خیریت ہے۔ مومنہ تو تمہارے پاس ہی ہو گی؟'' وہ بالکل پرسکون انداز میں بات کر رہی تھیں۔

''جی! پھوپھو میرے پاس ہی ہیں لیکن ابھی وہ ضروری کام کرنے نکلی ہوئی ہیں۔ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔ کوئی ضروری بات ہے تو ان کے موبائل پر فون کر لیں۔''

''نہیں ایسی کوئی ضروری بات نہیں ہے۔ ضروری بات تو تمہی سے کرنا ہے۔''

تابندہ بیگم نے عام سے انداز میں وہ بات کی جس سے ماہ رخ کا چونکنا یقینی تھا۔

''جی امی! کہیے......'' دھک دھک کرتے دل کو بالآخر سنبھالا۔

''میں آ رہی ہوں تمہارے پاس۔ بہت دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے۔ بس اب صبر نہیں ہوتا۔ ایک وطن میں رہتے ہوئے کوئی ماں اولاد کو دیکھنے سے بھی ترستی ہو۔ کیا یہ بدنصیبی کی انتہا نہیں۔ عرفان نے وقار نے جو کچھ کیا اس کی سزا تم اپنی ماں کو کیوں دے

رہی ہو؟'' تابندہ بیگم کی بولتے بولتے آواز بھرا گئی۔

''امی! باباجان کی ناراضگی کی وجہ سے میں سب کو چھوڑ کر ایک کونے میں بیٹھی ہوں اور آپ میری وجہ سے اپنا گھر ڈسٹرب مت کیجیے۔ آپ باباجان سے مت اُلجھیں۔''

''میں ان کو بتا کر تمہارے پاس آ رہی ہوں چھپ کر نہیں۔'' تابندہ بیگم نے بات کاٹ دی۔

''تو پھر آجائیں امی......''

(میرے پاس بہت آنسو جمع ہو گئے ہیں مگر دامن نہیں ہے کوئی)

اس نے موبائل آف کرتے ہوئے بہت کرب سے سوچا تھا اور بیڈ سے اُتر آئی۔ بہت دیر تک بے خبر سونے کا خواب ٹوٹ چکا تھا۔ ذہن کبھی روبی کی طرف دوڑ رہا تھا کبھی ماں کی طرف۔

☆☆☆☆☆

''اے لو! کیسی خوشی خوشی گئی تھیں کیا منہ لٹکا کر آ رہی ہو۔ خیر تو ہے ناں بیٹی؟''

نتا پیاز کاٹ رہی تھیں۔ روبی کو جو سر جھکائے اندر آتے دیکھا تو آنسوؤں کا پردہ مشکل ہٹاتے ہوئے بولیں۔ انداز میں تشویش تھی۔ فکرمندی تھی۔

''شاید وہ لوگ گھر پر نہیں ہیں۔'' روبی نڈھال سے انداز میں قریبی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''لوگ؟ کون لوگ...... ارے تم تو ماہ رُخ سے ملنے نکلی تھیں۔'' نتا حیرت سے بولیں۔

''میں ماہ رُخ آپی اور ان کی پھوپھو کی بات کر رہی ہوں۔'' روبی نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے غائب دماغی کی کیفیت میں جواب دیا۔

''اے خصم ہمارے گھر نہیں ہمیں کسی کا ڈر نہیں۔ دونوں چھڑی چھڑانگ ہیں۔ آگے

پیچھے کوئی فکریں نہیں۔ گھومنے پھرنے نکلی ہوں گی۔'' نتا نے بیزارکن انداز میں ٹکڑا لگایا۔

پیاز کاٹتے ہوئی عورت سے خوش مزاجی کی توقع کرنا ایسا ہی ہے جیسے بخیل سے خیرات کی توقع کرنا۔ کبھی کسی بخیل کو خوش مزاجی کا دورہ پڑا ہوا ہو اور ایسے میں کوئی خیرات مانگنے آجائے۔ روبی نے سوچتی ہوئی نظر نتا پر ڈالی۔

''اب تو ہمارے بھی خصم (شوہر) گھر پر نہیں۔ کس کے لیے ہانڈی چڑھا رہی ہیں؟ کیوں پیاز کاٹ کاٹ کر اذیت اُٹھا رہی ہیں۔'' اس نے گہری سانس کھینچی اور یوں خاموش ہو گئی جیسے اب مزید کوئی بات نہیں کرے گی۔

''اللہ رکھے۔ گھر ہے اُس کا آئے گا...... ضرور آئے گا۔ اللہ اسے اپنی امان میں رکھے، جیتا رہے۔ سر کا تاج ہے تمہارا۔ وہ اگلے وقتوں کے لوگ کہہ گئے ہیں کہ عورت تو مرد کی جوتی سے بھی بھاری ہوتی ہے۔'' نتا نے اب بہت تحمل اور وقار سے بات کی۔

''What?...... جوتی'' روبی جانے کیا سمجھی انتہائی ناگواری اور حیرت سے نتا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے...... ہم جوتوں کے ساتھ گنے جاتے ہیں؟'' روبی کا تو جیسے B.P شوٹ کرنے لگا۔

''اللہ توبہ! یہ عذاب ہے نئے زمانے کا۔ انگریزی پڑھائیوں کا۔ بچے اپنی زبان نہیں سمجھتے۔''

''ارے بیٹی! کہاوت ہے یہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس گھر کی ڈیوڑھی پر اس گھر کے مرد کا جوتا رکھا ہوتا ہے اس گھر کی بڑی ہیبت ہوتی ہے کہ اس گھر میں مرد رہتا ہے اپنے بیوی بچوں کا نگہبان، ذمہ دار۔ ہر کس و ناکس کی ہمت نہیں ہوتی کہ منہ اُٹھا کر اس گھر میں گھس جائے۔''

نتا نے یوں سمجھایا جیسے کوئی پروفیسر Mathematic کا دقیق فارمولہ مغز میں اُتار رہا ہو۔

''آج سے دو سو سال پہلے برصغیر کی عورت خود کو انسان سمجھ لیتی، مرد ہی کی طرح کا انسان دو ہاتھ، دو پاؤں، ایک دل، ایک دماغ والا انسان۔ ایک کارآمد انسان تو زنجیریں کب کی کٹ چکی ہوتیں۔ وہ وقت پیٹ بھرنے کی خاطر جانوروں والی زندگی سے سمجھوتے کرتی آ رہی ہے۔ اسی لیے مرد اپنی من مانی کرتے ہیں۔ ہر طرح سے حق جتاتے ہیں۔ فرائض یاد نہیں رکھتے۔ ایک مرد کئی عورتوں کی تباہی کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ مگر کیا اسٹیٹس ہوتا ہے صرف اس لیے کہ وہ مرد ہے اور برباد کرنے کا پرمٹ ملا ہوا ہے اُسے؟'' روبی انگارے چبانے لگی۔

''اے بس ہٹاؤ۔ دکھ دینے والی باتوں کو پرے رکھو۔ اتنے دن بعد ذرا طبیعت اچھی ہوئی ہے۔ اللہ اب تم کو آرام دے۔ سکون دے۔ خیر سے وقار اپنے گھر آئے تمہیں اب اپنے مرد کی فکر کرنا چاہیے نہ کہ ماہ رُخ کی خیر خیریت لینے چل پڑیں۔ بیٹی! اسے فون مت ملاؤ۔ مار میرا تو کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا۔ تمہاری طرف سے ذرا اطمینان ہوا تو دماغ وقار کی طرف لگا ہوا ہے۔'' نتا نے خالی پلیٹ کٹی پیاز پر ڈھانپتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''آ جائیں گے نتا! ان کا گھر ہے۔ گھر کی ایک ایک چیز ان کی ہے۔ میں کون سا جہیز میں لائی تھی۔'' روبی کے لہجے میں از سر نو تلخی جھلکنے لگی۔

''فون کر کے پوچھو تو وہ کل سے ہے کہاں؟ مجھ سے زیادہ تو تمہیں فکر ہونا چاہیے۔'' نتا نے اپنا پھیلاوا سمیٹتے ہوئے روبی کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''میں کیوں فون کر کے پوچھوں؟ انہیں بتا کر جانا چاہیے تھا۔ یہ کوئی طریقہ ہے؟''

روبی ایک جھٹکے سے اُٹھی اور قمیض کھینچ کر برابر کرتی اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بلکہ ایک طرح سے پاؤں پٹختی گئی تھی۔ نتا پھر ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''اللہ جانے کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو۔ پنکھے پر ہاتھ ہی دھرنے نہیں دیتی۔'' وہ بڑبڑانے لگیں۔

☆☆☆☆☆

''یار! تم کچھ بھی کہو۔ مگر میں پھر بھی یہ مشورہ دوں گا کہ ابھی اتنا زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ یار! کرائم از کرائم۔'' عمیر نے بڑی سنجیدگی سے کہا انداز میں تشویش بھی تھی۔

''وہ جو کر رہی ہے عبادت ہے؟'' رمیض نے بہت تپ کر برجستہ کہا۔

''وہ تو خیر غلط ہی کر رہی ہے۔ مگر تمہارے فادر اسے ٹیکل تو کر رہے ہیں ناں۔ بقول تمہارے وہ اسے ٹکا بھی نہیں دیں گے۔ جب کچھ دینا ہی نہیں تو اتنا React کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ بک رہی ہے۔ بک بھک کر خاموش ہو جائے گی۔ نیا شکار ڈھونڈے گی۔ تم خواہ مخواہ اپنی کیلوریز ویسٹ کر رہے ہو۔ وہ سین سے غائب ہو گی۔ والد صاحب تمہیں پھر سے گلے لگا لیں گے۔ اینڈ دیٹس آل'' عمیر نے بہت پرسکون انداز میں ڈرامے کا ڈراپ سین اسکیچ کیا۔

''یار! کچھ سننے میں اور پریکٹیکل face کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں اپنے ہی گھر سے نکالا جا چکا ہوں اور تم اس وقت اپنے باپ کے گھر میں بیٹھے چرغے کھا رہے ہو۔ feel کرو یار! میں بے ٹھکانہ ہوں۔ تم کتنے دن مجھے سپورٹ کر سکتے ہو؟ میرا فیوچر ڈارک ہو رہا ہے۔ میری ایجوکیشن ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ اس خطرناک لڑکی کو ٹھیک حالت میں چھوڑنا بہت بڑی بے وقوفی ہو گی۔ پتہ نہیں کتنے بندوں کا بیڑہ غرق کرے گی۔

یار! مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ لڑکی ایسی بھی ہوتی ہے۔'' رمیض کی جھلاہٹ کا اختتام حیرت پر ہوا۔

تم اللہ کی مخلوق کی خدمت کے جذبے سے اس لڑکی کی شکل تباہ کرنا چاہ رہے ہو۔ مگر تم خود کو دھوکہ مت دو۔ Realise کرو تم انتقام اور غصے کی آگ میں بری طرح جل رہے ہو۔'' عمیر نے بڑے مدبرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو کیا نہیں جلنا چاہیے؟ وہ مجھے عشق محبت کے نام پر بے وقوف بنا رہی تھی۔ میری انسلٹ کر رہی تھی۔ فراڈ کا کھیل کھیل رہی تھی میرے ساتھ۔ میں تو سمجھ رہا تھا وہ میرے ساتھ سنسیئر ہے۔'' رمیض نے غصے میں پہلو بدلا اور ٹانگیں پھیلا کر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر یوں بیٹھا جیسے بیڈ پر سید ھا لیٹ گیا ہو۔ غصے کی شدت کی وجہ سے وہ عمیر کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

''ڈونٹ مائنڈ۔ تم کبھی کسی لڑکی کے ساتھ سنسیئر نہیں ہوتے ہو؟''

''ایک لڑکی تو تمہارے ساتھ اتنی سنسیئر ہوئی کہ تمہارا نام لے کر خود کشی کر لی۔ زندگی سے منہ موڑ لیا۔ میں مدحت کی بات کر رہا ہوں۔ یاد نہیں آتی وہ تمہیں۔ جان لٹا دی تم پر۔ کچھ تو جگہ بنی ہوگی اس کی تمہارے دل میں؟'' عمیر نے بڑی چبھتی ہوئی بات کی۔

وہ کر سکتا تھا بڑی سے بڑی بات کہنے کا حوصلہ تھا اس میں کہ اس کا اور رمیض کا بہت پرانا ساتھ تھا۔

''ڈرامہ کیا تھا اُس نے۔ وہ بھی بلیک میلر تھی۔ اس نے خود کشی اس زعم میں کی تھی کہ اس کی جان بچانے کی سر توڑ کوشش کی جائے گی اور وہ بچ جائے گی لیکن اس کی محبت کے جھنڈے گڑ جائیں گے اور میں امپریس ہو جاؤں گا کہ واہ کیا [illegible] ہے کتنا پیار

کرتی ہے مجھ سے۔

غلطی سے اس نے پوائزن کچھ زیادہ لے لیا۔ یہ اس کی اپنی حماقت تھی۔ وہ بچ بھی جاتی تو مجھے ایسی بے وقوف لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جس کو زندگی کی Value کا پتہ نہیں۔ زندگی کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ میری تو عقل میں نہیں سماتی یہ بات کہ انسان کو اپنی زندگی سے بھی زیادہ کوئی عزیز ہو سکتا ہے۔ ڈرامہ بنایا تھا اس نے فلاپ ہو گیا۔''

''چچ چچ...... یار! اتنے سنگدل ہو۔ اب تو وہ دنیا میں نہیں ہے۔ اب تو اسے اچھے انداز میں یاد کر لو۔'' عمیر نے اس کا گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے دبایا۔

''Realistic ہوں۔ ایک ایک پل ہوش وحواس میں جیتا ہوں۔ فضول لوگوں کو یاد کرنے کے لیے فضول ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔ تم سیدھے سیدھے یہ بتاؤ مجھے بابو منان سے ملوا سکتے ہو یا نہیں؟'' رمیض نے پیشانی پر بل ڈال کر عمیر کی طرف دیکھا۔

''یار! میرا دل نہیں مان رہا۔ کسی پیاری سی لڑکی سے اس کا پیارا سا چہرہ چھینتے ہوئے تمہیں کچھ Feel نہیں ہو رہا؟'' عمیر کے ہونٹوں پر محض مروّت ظاہر کرنے والی مسکراہٹ تھی۔

''وہ پیارا سا چہرہ نہیں ہے۔ بھیانک چہرے پر پیارا سا نقاب ہے۔'' رمیض نے برجستہ کہا اور عمیر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

☆☆☆☆☆

نمو گم صم سی بیٹھی آنے والے راستے کو یوں تک رہی تھی جیسے کسی نے آنے کا وقت دیا ہو اور وہ منتظر ہو۔ ابھی تک مسز سبرینہ علوی، انجم علوی اور ولید کمال گھر نہیں آئے تھے۔ ملازم لڑکا باہر مالی کے ساتھ کٹی گھاس اٹھوا رہا تھا۔ ماسی حور بی بی اوپر کے

فلور پر صفائی کر رہی تھی۔ خانساماں سودا سلف لینے جا چکا تھا۔ گھر میں جیسے ایک ہو کا عالم طاری تھا۔

اسی وقت گیٹ پر کار کا ہارن گونجا۔ وہ جیسے اچھل کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے باہر کی طرف بڑھی۔

چوکیدار گیٹ وا کر رہا تھا۔ نظروں کے سامنے سبرینہ علوی کی کار تھی۔ نمو کی جیسے جان میں جان آئی۔ وہ مزید آگے بڑھی اور شیڈ کے نیچے پہنچ کر رُک گئی۔

سبرینہ فرنٹ ڈور کھول کر تیزی سے باہر آئیں چہرے پر تشویش و فکرمندی بلکہ قدرے وحشت دور ہی سے دیکھی جا سکتی تھی۔

ساڑھی کا آنچل گٹھڑی کی صورت کندھے پر پھینک کر وہ شتم پشتم نمو کی طرف بڑھیں۔

''ارے کیا ہو گیا؟ انجم ابھی تک نہیں آئے؟ تم خیریت سے ہو ناں؟'' انہوں نے نمو کو کندھوں سے پکڑ کر سر سے پاؤں تک یوں جائزہ لیا جیسے کوئی حادثے کی نشانی تلاش کر رہی ہوں۔

''ممانی جان......'' نمو ان کے سینے سے لگی بلک بلک کر رونے لگی۔ کب سے آنسوؤں کا طوفان رُکا ہوا تھا جو اشارے میں بہہ نکلا۔

''یا اللہ خیر! کیوں رو رہی ہو؟ کیا ہوا...... خدا کے لیے نمو کچھ بتاؤ بیٹا...... میرا B.P شوٹ ہونے لگا ہے۔'' مسز علوی نے نمو کا سر اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے سراسیمہ انداز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا ممانی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ بس اس عورت کی وجہ سے میں بہت ڈر گئی تھی۔ اکیلی تھی ناں...... کوئی فکر والی بات نہیں ہے۔ ماموں جان کا فون آیا تھا۔ ولید بھی ان کے ساتھ ہیں۔ ماموں جان کہہ رہے تھے کہ سب ٹھیک ہے میں گھر آ رہا

ہوں۔ نمو نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''و...... ولید...... ولید ان کے پاس کیسے پہنچا۔ اے ہے...... ہونے والا داماد ہے۔ اس کو یہ سب کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے تھا۔'' انجم نے مجھے فون کر کے گھر پہنچنے کے لیے کہا اور بتایا کہ وہ موٹی کلموہی گھر پہنچ گئی تھی۔ فائرنگ وغیرہ بھی ہوئی ہے۔ مگر انہوں نے ولید کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ارے اسے کیوں بتا دیا۔ بہت بڑی حماقت ہے یہ'' سبرینہ بولتے بولتے بڑبڑانے لگیں۔

''انہیں ماموں جان نے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے بلایا تھا۔ وہ اپنے گارڈ کے ساتھ دھرنا مار کر بیٹھ گئی تھی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔'' نمو نے جیسے جرم کا اعتراف کیا۔

''اوہ! یہ تم نے بہت بڑی غلطی کر ڈالی ہے نمو۔ داماد پھر داماد ہوتا ہے۔ تمہارے ماموں کو بھی میں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ رمیض کو عاق کر کے وہ اپنا غصہ تو اُتار لیں گے لیکن تماشہ تو سب کا بنے گا۔ اکلوتا بیٹا دربدر پھرے گا تو گھر کی بات کہانی بن کر گلی گلی سننے کو ملے گی۔ مگر ان کی سمجھ میں میری بات نہیں آ رہی۔'' سبرینہ کا انداز غمزدہ بھی تھا اور ناراض بھی۔

آخری الفاظ بولتے ہوئے جیسے چڑ سی گئی تھیں۔ نمو نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔ ہاتھوں کے لمس میں اپنائیت و محبت کی زبان تھی۔ اگرچہ لب خاموش تھے۔ وہ ان کو تھام کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

''کہاں اٹک گئے ہیں...... گھر کیوں نہیں آئے ابھی تک۔ نمو میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔'' مسز سبرینہ علوی نڈھال سے انداز میں صوفے پر ڈھے گئیں۔

''آ رہے ہوں گے۔ آپ ٹینس نہ ہوں۔ انہوں نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد گھر پہنچ جاؤں گا۔''

''ارے وہ صحیح بات کب بتاتے ہیں۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے تو ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچے؟ تم نمبر ملاؤ۔ میں بات کروں گی تو پھاڑ کھانے کو دوڑیں گے۔ تم پوچھو تو اس وقت کہاں ہیں۔ مجھ سے تو ایک منٹ کے لیے بھی صبر نہیں ہو رہا۔'' مسز علوی کے دل کو تو جیسے پنکھے لگ رہے تھے۔

''ممانی جان پلیز! آپ خود کو سنبھالیں۔ پتہ نہیں ماموں جان کس سچویشن سے دوچار ہوں وہ گھر ہی آئیں گے۔'' نمو نے ان کا ہاتھ تھام کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا تم بتاؤ یہ فائرنگ کا کیا قصہ ہے۔ اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ ولید سے کوئی بات ہوئی تھی۔ توبہ میری تو فائرنگ کے تصور سے پھر ٹانگیں کانپنے لگی ہیں۔ بتاؤ! کس نے فائر کیا تھا۔ چوکیدار تو اپنے کیبن میں ہے اس کا مطلب ہے اس نے فائر نہیں کیا۔ ورنہ پولیس اسے لے جاتی۔ تمہارے ماموں سے ہی پتہ چلا تھا کہ پولیس آ گئی تھی تب ہی میرے چھکے چھوٹے۔ یا اللہ! کس عذاب میں پھنس گئے ہیں ہم۔'' وہ بولتے بولتے بے دم ہو گئیں اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''فائر ولید نے کیا تھا ممانی جان''

''ہائے میرے اللہ!'' مسز علوی تو اپنی جگہ سے دو فٹ اُوپر اچھلیں اور خوف سے آنکھیں پھاڑ کر نمو کی طرف دیکھا۔

''کک کیا کوئی زخمی ہوا یا......؟ ہائے اللہ!'' بولتے بولتے مسز علوی کی خوف سے جیسے گھگھی ہی بندھ گئی۔

''ایسے ہی شاید اس کا گارڈ معمولی سا زخمی ہوا تھا۔ اپنے پاؤں سے چلتا ہوا گیٹ سے باہر گیا تھا۔ خدانخواستہ کوئی مرڈر نہیں ہوا۔'' نمو کو یہی مناسب جواب سمجھ میں آیا۔

''ارے مرڈر ہو بھی سکتا تھا۔ ارے احمق لڑکی تم نے اسے یہاں آنے کو کہا ہی

کیوں؟ ابھی اس سے ہمارا رشتہ ہی کیا ہے۔ منگنی ہی تو ہوئی ہے۔ اس کے ماں باپ کو پتہ چلے گا تو وہ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں۔'' مسز علوی نے پھر اپنا سر تھام لیا۔

نمو کے لیے اس طرح کی جھاڑ جھپاڑ نئی بات نہیں تھی۔ یوں بھی وہ گلٹی فیل تو کر ہی رہی تھی۔ گناہ گار کی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ اگر بولنے پر اصرار کیا جاتا تو یہی کہتی کہ ہاں میں نے غلطی کی۔ اب مجھے کفارے کا راستہ بتائیں۔ مگر اس جھاڑ جھپاڑ کے بعد تو مسز علوی خاموش ہی ہو کر رہ گئی تھیں۔ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

''ممپ...... پانی لاتی ہوں آپ کے لیے۔'' نمو نے اب کسی بہانے سے اُٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

''ہاں!...... واقعی اس وقت تو حلق ایسا خشک ہو رہا ہے جیسے چوبیں گھنٹوں سے پانی ہی نہیں پیا۔'' مسز علوی نے کسی دھیان سے چونک کر نمو کی طرف دیکھ کر کہا۔

نمو فوراً ہی وہاں سے کچن کی طرف دوڑی۔ وہ تو پہلے ہی بہت شرمندہ تھی اب تو واقعی احساسِ جرم میں گرفتار ہو چکی تھی۔ بار بار ضمیر تکرار کر رہا تھا۔ یہ میں نے کیا کیا؟ یہ میں نے کیا کیا؟

اس نے کولر سے پانی گلاس میں بھرا۔ گلاس لے کر آگے بڑھی ہی تھی کہ گیٹ پر ہارن سنائی دیا۔ یقیناً اب ماموں جان آ گئے ہیں اور شاید ساتھ وہ بھی۔ کیوں کہ اس کی کار تو یہیں کھڑی ہے۔ سکھ کی سانس لی ساتھ ہی دل نے ترانہ چھیڑا۔

عورت ہو یا مرد ادھورپن تو ایک مستقل خلش ہے۔ مکمل ہونے کی آس میں ہر دل محوسفر رہتا ہے اور مکمل ہونے کی گھڑیاں آس پاس ہی کھڑی محسوس ہو رہی ہوں تو الوہی خوشی سے روح معمور ہو جاتی ہے۔ ایسے ذات کا اعتبار دینے والا۔

بہت جلد ادھورپن کی خلش سے نجات دلانے والا۔ آ چکا تھا۔ دل کی دھڑکن اور

محبوب کے قدموں کی چاپ۔ دونوں مل کر ایک جادوئی سر بنتی ہیں اور وہ بھی اس اعصاب شکن ماحول میں، پرفکر ماحول میں ہزار ہمدرد، لاکھ تسلی دینے والے آ جائیں مگر ایک اکیلے محبوب کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔

روح پرور، جان فزا ہوائیں تو محبوب کی آمد سے مشروط ہیں۔ جن کے محبوب ہوتے ہیں ان کو پتہ ہوتا ہے کہ آہٹوں میں بھی موسیقی ہوتی ہے۔ تلخ حقیقتوں سے پٹی دنیا میں ایک سچے اور مخلص ساتھی کا ساتھ ایمان کے بعد سب سے بڑی دولت ہے۔

لمحوں میں فکر کئی علمی مدارج طے کرگئی۔ لمحوں میں ذہن نے جانے کن بلندیوں کو پا لیا کہ جان میں ٹھہراؤ سا آ گیا۔ بے قراری قرار میں ڈھل گئی۔ اس نے خود کو سنبھال کر لاؤنج میں قدم رکھا اور غیر ارادی طور پر پورچ کی طرف دیکھا۔

انجم علوی اور ولید کمال آہستہ قدموں سے چلتے اندر کی طرف آ رہے تھے اور آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ دونوں کے چہرے پر سوچ کی گہری لکیریں کھنچی ہوئی تھیں اور دور سے نظر آ رہی تھیں۔

اس نے پانی کا گلاس شاہانہ کی طرف بڑھایا جو باہر کار رکنے کی آواز سننے کے بعد دم سادھ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''ممان جان! پانی......'' اس نے انہیں متوجہ کیا تھا مگر وہ بری طرح چونک پڑیں۔

''ہاں...... آں! ٹھیک ہے۔ وہ شاید تمہارے ماموں جان آ گئے ہیں؟'' انہوں نے نمو کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''جی......'' وہ اتنا ہی کہہ پائی کہ وہ دونوں اندر آ گئے۔

انجم علوی نے ایک بے مہر، سرد مہر، پرقہر نگاہ بیوی پر ڈالی جس سے ان کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ ولید کمال کی خاطر خود کو سنبھال کر اٹھی تھیں اور بڑے

پر اخلاق انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

''بیٹھو بیٹا...... نمو چائے کافی کا پوچھ بیٹا۔'' انہوں نے انجم علوی کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے نمو کو بہت محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں آنٹی...... بس اب میں چلوں گا۔ میں آفس سے اُٹھ کر آیا تھا۔ سب کچھ ٹیبل پر اسی طرح پڑا ہے۔ بہت ضروری میلز آج ڈسپیچ ہوں گی۔ ورنہ میں کچھ دیر اور بیٹھ جاتا۔ چائے کافی بلکہ کھانا پھر سہی۔'' ولید کمال کے انداز میں ایک عجیب سی تسلی تھی جیسے وہ محسوس کر رہا ہو کہ سبرینہ علوی اس وقت کس عذاب سے گزر رہی ہیں۔ گزرے ہوئے چند گھنٹوں کا ایک ہلکا سا عکس بھی چہرے پر نہیں تھا۔

سبرینہ تو ڈر کے مارے یہ بھی نہیں پوچھ پا رہی تھیں...... کیا ہوا؟ سب خیریت ہے وغیرہ۔ کہ ادھر انہوں نے منہ کھولا تو انجم علوی ولید کے سامنے ہی نہ شروع ہو جائیں۔ اس لیے کہ غیر متوقع اُفتاد سے عاجز بندے سے کتنی قسم کی مصلحت کوشی کی توقع رکھنا حماقت ہوتی ہے۔

''ٹھیک ہے انکل Take it easy۔ انشاء اللہ! اب کچھ نہیں ہوگا اور انشاء اللہ بہت جلد ہی آپ کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' اس نے بڑی اپنائیت سے انجم علوی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا

''لیکن آزمائے ہوئے کو آزمانے والا بہت بڑا بے وقوف ہوتا ہے۔''

''آپ کا خون تو ہے۔ آپ کسی بھی صورت میں Disown نہیں کر سکتے۔ کوئی تو راستہ نکلے گا۔ بہرحال وہ بہت لکی ہے ایک شاندار ذمہ دار باپ کا بیٹا ہے۔'' نام لیے بغیر وہ بڑے ذومعنی انداز میں انجم علوی کو Cool down کر رہا تھا اور اس کا نتیجہ انجم علوی کے چہرے سے جھلک بھی رہا تھا۔ انہوں نے ایک دم ولید کمال کو کھینچ کر اپنے

گلے سے لگا لیا۔

”قسمت سے تم جیسا بیٹا مل گیا ہے۔ میں آج کی Feelings بیان نہیں کر سکتا۔“

”تھینک یو انکل۔ بس اپنا اور سب کا خیال رکھیں۔“

”Take care آنٹی۔“ وہ سبرینہ سے براہِ راست مخاطب ہوا نظر نمو پر تھی۔ جو اندر کی خوشی کو بمشکل چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

انجم علوی باقاعدہ اسے کار تک چھوڑنے گئے۔ سبرینہ نے نمو کی طرف دیکھا۔

”اندازہ تو یہی ہو رہا ہے کہ بات سنبھل گئی ہے۔ شکر ہے ولید ساتھ ہی چلا آیا ورنہ تمہارے ماموں تو آج کل مجھے کھری کھری سنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔“ مسز علوی نے سکون کا سانس لے کر دوبارہ نشست سنبھالی اور پانی کا گلاس اُٹھا لیا۔

”گاڑی تو یہیں چھوڑ گئے تھے...... آنا تو تھا انہوں نے۔“ نمو نے بڑی بے ترتیب سی بات کی۔ ذہن تو بکھرا ہوا تھا کہ آگے کی کہانی کا سرا ہی نہیں مل رہا تھا۔ بہت کچھ معلوم ہونے کے بعد ہی اطمینان کی مکمل کیفیت حاصل ہو سکتی تھی کہ کیا موٹی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی ہے؟ یا کوئی وقتی ٹھہراؤ آیا ہے؟

☆☆☆☆☆

روبی بے زاری ہو کر اپنے بیڈروم میں آ کر بستر پر دراز ہو گئی تھی۔ دشمن جان کے بغیر اک پل چین بھی نہیں تھا۔ خوابوں کی حسین دنیا کا ایک ایک منظر اسی کے ساتھ سجایا تھا۔ ایک دم سے کوئی نئی دنیا تو نہیں بسائی جاتی۔

اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ جاگتا ذہن، بند آنکھیں، دوہرا عذاب۔ اسی وقت سرہانے رکھے فون سیٹ پر رنگ ہوئی۔

دل بڑے زور سے دھڑکا۔ یقیناً وہی ہے۔ اس نے جلدی سے رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ رسیور اُٹھاتے ہی پھر اندر جنگ شروع ہو گئی۔ از سرِ نو غصے کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پھر سوچا کہ فون اٹینڈ کروں یا نہیں۔ آخر دل نہیں مانا۔

دل نہیں مانتا۔ عقل و دل کی جنگ تو ازلی ٹھہری۔

”ہیلو......؟“ ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر آہستگی سے کہا۔

دوسری طرف واقعی وقار تھا۔

”ہاں روبی! وقار بات کر رہا ہوں...... کیسی ہو؟“ وقار بہت محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔

”آپ کو مجھ سے زیادہ پتہ ہونا چاہیے کہ میں کیسی ہو سکتی ہوں۔“ روبی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”میں اسی لیے تمہارے سامنے سے ہٹ گیا ہوں۔ تمہیں سوچنے غور کرنے کا موقع دیا ہے تاکہ تم تنہائی میں اپنے دل کی آواز سنو۔ کوئی کچھ بھی کہے دل کی اپنی بات ہوتی ہے۔ پکے رنگ کی طرح جم جاتی ہے۔ اس طرف توجہ دو تمہاری طبیعت بہت جلد اچھی ہو جائے گی۔ تمہارا علاج Indoor ہے Outdoor نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ شاید پرسوں ماریشس کے لیے فلائی کر جاؤں گا۔“

”پرسوں؟“ پھر لامحدود فاصلوں پر۔ مجھے بہلا کر بھاگ رہا ہے۔ دل پھر بے ایمان ہوا۔

”یہ اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے؟“ روبی نے سرد اور بے مروّت انداز میں پوچھا۔

"یہی اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے۔" وقار نے اسی ٹون میں جواب دیا جو روبی کی تھی۔

"کب آ رہے ہیں اپنی ضروری چیزیں اُٹھانے۔"

"میری ضروری چیزیں، میرا پاسپورٹ اور ضروری ڈاکومنٹس میرے پاس ہیں۔ ویزہ کارڈ کی صورت کیش ویلیو میرے پاس ہے۔ ضروری کپڑے لے لوں گا۔ ڈونٹ کیئر" وقار کا انداز قطعی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔

"آئی ڈونٹ کیئر اٹ آل (I don't care at all)

روبی کے دل کو وقار کے Cool رویے سے پھر چوٹ لگی۔ اسے ایک دم سے یاد آیا کہ عرصے سے وہی وقار کے ناز اُٹھا رہی تھی۔ وقار نے کب اس کے دل کے ناز اُٹھائے ہیں۔ بیوی ہو کر Mother care دی تھی اسے۔ اس نے تو نہ اس سے فرمائش کیں نہ ضدیں۔ ہر وقت بس اس کو خوش رکھنے کے جتن۔ وہ اسی بات پر خوش رہتی تھی کہ وہ وقار کو پرسکون اور خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ کتنی خوبصورت مصروفیات ہیں اس کی۔

اس نے مردہ دلی سے رسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ پھر توہین محبت ہوئی۔

پھر چند آنسو نکلے۔

☆☆☆☆☆

نیا سمن کے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

سمن تھوڑی دیر پہلے اُٹھ کر کچن میں گئی تھی کہ کافی پیتے ہوئے باتیں کریں گے۔ نیا ایک بجے کے قریب پہنچی تھی۔ اس وقت سمن بریانی بنانے کے آخری مرحلے سے گزر رہی تھی۔ نیا نے ظہر کی نماز ادا کرنے میں یوں عجلت دکھائی جیسے اُسے سمن سے بات چیت کرنے سے پہلے تھوڑی مہلت درکار ہو۔ اس نے ابھی تک سمن کے چہرے کی طرف غور

سے نہیں دیکھا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دل پر منوں بوجھ سا آ پڑا تھا۔ آج وہ جس حیثیت میں سمن کے سامنے آئی تھی ایسا تو وہ زندگی میں کبھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔ سمن سے اسے دلی لگاؤ تھا۔ وہ اس کی رازدار مخلص دوست تھی۔ ایسی دوستی جس سے انسان کو بڑی تقویت رہتی ہے۔ زندگی میں بہت سے رنگ بکھرے رہتے ہیں۔ ایک حسین خواب کی طرح مگر کل وقتی خوشی۔

وہ نماز ادا کر کے فارغ ہوئی تو سمن کپڑے اُٹھا کر نہانے چلی گئی۔ اتنی دیر نیا نے Weekly پرچے کی ورق گردانی کی۔

نہانے کے بعد سمن نے اس سے پوچھا کہ کھانا لگایا جائے یا وہ پہلے نماز پڑھ لے؟ نیا نے اسے سکون سے نماز پڑھنے کے لیے کہا اور مزید یہ کہ ناشتہ لیٹ کرنے کی وجہ سے اسے ابھی بھوک نہیں لگی۔

جتنی دیر سمن نے نماز پڑھی اتنی دیر وہ اس کے بیڈ پر اوندھی پڑی رہی۔ وہ بہت ڈسٹرب تھی۔ سمن کے پاس آنے تک وہ بالکل پرسکون اور پراعتماد تھی مگر سمن کے سامنے آتے ہی اس کے دل و دماغ میں ایک قیامت سی برپا تھی۔

سمن نے نماز ختم کر کے اسے سویا ہوا سمجھا اور کھانا ٹیبل پر رکھنے لگی۔ برتنوں کی آواز پر نیا چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"کیا میں تمہاری کچھ ہیلپ کروں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بڑی دعوت ہو رہی ہے۔ پلیٹیں گلاس پہلے سے رکھے ہوئے تھے۔ بریانی اور رائتہ لا کر رکھ دیا ہے۔ اب شرافت سے کھانا شروع کر دو۔ بہت محنت کر رہی ہوں صبح سے۔" سمن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

نیا نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ گیلے بال اور سیاہ ڈریس میں سمن بڑی کھوئی کھوئی مگر

بہت دلکش لگ رہی تھی۔

''یہ تمہارے پاس سب رنگ ختم ہو گئے ہیں۔ یہ بلیک سوٹ ہی رہ گیا تھا مجھے دکھانے کو؟'' نیا نے اُٹھتے ہوئے تنقیدی انداز میں سوال کیا۔

''ارے یہ تو فیشن کلر ہے آج کل بڑا In ہے۔ وارڈروب کھولی، کپڑے دیکھے۔ پتہ نہیں کیوں دل چاہا کہ بلیک کلر پہنوں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ رنگ کے سلیکشن سے بندے کے موڈ کا پتہ چلتا ہے۔ مگر یہ غلط ثابت ہو رہا ہے۔ میں تو تمہارے یہاں آنے کے خیال سے رات سے بہت خوش ہو رہی ہوں۔

ساتھ ہی یہ خیال بھی کہ تم تازہ تازہ حویلی سے ہو کر آئی ہو۔ سب سے مل کر آئی ہو۔ اسپیشلی سہیل سے۔ تم سے خوب باتیں ہوں گی۔ کوئی خاص بات ہوگی تو تم خود بتا دوں گی۔'' سمن نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بڑی جانچتی نظروں سے نیا کا چہرہ دیکھا۔ اس کا لہجہ یقین واعتماد سے معمور تھا۔

''کیوں تمہیں سہیل سے کوئی اُمید نہیں کہ وہ خاص بات تمہیں بتائیں گے؟'' نیا پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''لگتا ہے وہاں حویلی میں تمہارے ساتھ کچھ غلط ضرور ہوا ہے اور تمہارے اندر غصہ چھپا ہوا ہے۔'' سمن نے ڈش اس کے سامنے رکھتے ہوئے بہت اعتماد سے کہا۔

نیا نے سچ مچ حواس باختہ ہو کر اس کی شکل دیکھی۔

''ارے...... کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے دوستانہ لہجے میں حیرت کا اظہار کیا اور پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔

''بھئی! میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ تم سہیل کا بہت احترام کرتی ہو۔ اور میری شادی سے پہلے ہی سے سہیل بھائی کہتی ہو۔ تمہارا بے مروّت انداز میں سہیل کہنا اس بات کی

گواہی ہے کہ تمہیں ان سے کوئی شکایت ہوئی ہے۔ ان کا پہلے والا مقام اب تمہارے دل میں نہیں ہے لیکن نیا تم اتنا ضرور سوچو کہ اس وقت سہیل بہت انڈر پریشر ہیں۔ ڈکٹیٹر شپ کی تلوار ان کے سر پر لٹکی ہوئی ہے اور شاداب کو جو رہائی نصیب ہوئی ہے یہ سب کچھ سہیل کی وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں نہیں پتہ کہ بابا سائیں سے بات منوانے کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا۔ بلکہ میرا تو اندازہ ہے کہ بی بی جان اور بابا سائیں کو تو خود بخود گولڈن چانس مل گیا۔ انہوں نے تو شرط رکھ دی ہوگی کہ ابھی دوسرا نکاح کر میں شاداب کو آزاد کرتا ہوں۔'' سمن اپنی دُھن میں بولے چلی جا رہی تھی۔ نیا نے بدحواس سی ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا مگر ایک لمحے میں خود پر قابو پا لیا تھا۔

سہیل کی وکالت کرتے ہوئے سمن کے لہجے میں اتنی محبت جھلک رہی تھی کہ نیا کی پلیٹ میں جیسے کنکر پڑ گئے۔ من پسند ڈش کنکروں سے پٹ گئی۔

''لو...... میں بولے چلی جا رہی ہوں۔ تم کچھ نہیں کہہ رہیں۔ سہیل نے تمہیں قسم تو نہیں دی تھی چلتے وقت کہ سمن کو کچھ نہ بتانا'' اس مرتبہ سمن کے انداز میں شوخی تھی۔ وہ بہت غور سے نیا کا چہرہ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''مجھے تو تمہاری خاموشی سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نکاح کے مہمانوں میں شامل تھیں۔''

''اسٹوپڈ...... وہ لوگ اتنے بے وقوف ہیں کہ مجھے نکاح کی تقریب میں شریک کرتے۔'' نیا نے پیار بھری ڈانٹ کی آڑ میں اپنی جان بچائی۔

''بھئی! اگر تم اس وجہ سے کچھ چھپاؤ گی کہ میں ہرٹ ہوں گی تو بے وقوفی ہے۔ مجھے تو حویلی میں رہتے ہوئے یقین سا ہو چکا تھا کہ ایک دن سہیل کی دوسری شادی ہو جائے گی۔ میں نے اپنی جگہ اور بھرم رکھنے کے لیے خود ہی سہیل کو اجازت دے دی۔ کم

ازکم اس حوصلے پر میرا خیال تو رکھیں گے ہمیشہ۔'' سمن نے بڑی سادگی سے کہا اور فورک سے بوٹی اُٹھا کر منہ میں رکھی۔

''تمہیں اپنے شوہر پر اعتماد ہے ناں؟ اگر کچھ ہوا ہوگا تو وہ تمہیں خود ہی بتا دیں گے۔ میرے سامنے البتہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بس اب حویلی کی باتیں ختم اور ہماری اپنی باتیں شروع۔ یار! کیا مزے کی بریانی ہے سچی بات یہ ہے کہ بریانی بنانے کے مقابلے میں تمہیں کوئی ہرا نہیں سکتا۔ کھانے میں مزیدار، دیکھنے میں خوشگوار...... واہ!'' نیا نے عجیب طرح کا شور ڈال دیا۔

''تمہارا بھی جواب نہیں نیا...... ایک سیکنڈ میں مجھے گھما کر رکھ دیا۔ اچھا یہ بتاؤ تمہاری جاب کا کیا نا؟'' سمن نے شرارت سے نیا کو گھورا اور ٹیبل کے نیچے اپنے پاؤں سے نیا کا پاؤں دبایا۔

''آج کل میں پتہ چل جائے گا۔ پرسنل سیکرٹری کی جاب ہے۔ سیلری بھی ہینڈسم ہے۔ مگر پانچ لڑکیوں کے انٹرویو لیے گئے تھے۔ May be'' نیا نے کھانا کھاتے ہوئے بڑے لاپرواہ سے انداز میں جواب دیا۔

''پرسنل سیکرٹری...... واہ! اب تو تم بڑے اسٹائل دکھایا کرو گی۔ مگر بھئی! اپنے ہونے والے Boss کو بھی دیکھ لیا؟'' سمن نے شرارت سے آنکھ ماری۔

''ہیں...... مجھے کیا بھلے 90 سال کا بڈھا ہو۔ میں نے کون سا نکاح پڑھوانا ہے۔'' نیا نے کھیر کا ٹکڑا اُٹھا کر دانتوں سے کاٹا۔

''باس اچھا ہو تو نکاح ہو جانے میں کیا مضائقہ ہے؟'' سمن نے چھیڑا۔

''حرج تو کوئی نہیں۔ مگر ابھی حالات دوسرے ہیں۔ میں تو شادی کا ابھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ عتیقہ اور شاداب ابھی کیریئر کے آدھے راستے میں ہیں۔ شاداب کے لیے تو

میں بہت سیریس ہوں اللہ کرے اس کا میڈیکل مکمل ہو جائے۔ میں تو پہلی فرصت میں اسے باہر بھجوا دوں گی۔ عتیقہ کا کوئی اچھا پرپوزل آ جائے تو فائنل کے فوراً بعد اس کی شادی کر دوں گی۔ ہاؤس جاب مزید تعلیم وہ بھلے بعد میں کرتی رہے۔'' نیا نے اب سنجیدگی سے بات کی۔

''یہ کیا بات ہوئی عتیقہ ڈاکٹر بن کر جاب کرے۔ کچھ عرصہ گھر سنبھالے پہلے تمہاری شادی ہونی چاہیے۔ پھر عتیقہ کو میڈیکل پڑھانے کا کیا فائدہ ہوا؟ تم اتنی محنت کر رہی ہو تو تمہیں کوئی فائدہ تو ہونا چاہیے۔ لیٹ میرج کرو گی تو کوئی شادی شدہ ہی ملے گا۔ آج کل کے لڑکوں کے کتنے نخرے ہیں۔ کم عمر، سلم، گوری، خاندانی۔ ہائی فائی کوالیفائیڈ اور جانے کیا کچھ چاہتے ہیں۔''

''عتیقہ کو میں اپنی مرضی سے نہیں پڑھا رہی۔ اسے خود ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ اس نے پری میڈیکل بھی بہت شاندار نمبروں سے پاس کیا تھا۔ وہ تو مجھ سے اصرار کر ہی نہیں سکتی تھی مگر مجھے تو اس کے شوق کا پتہ تھا ناں...... اس کا شوق پورا نہ ہوتا تو وہ شدید احساسِ محرومی میں مبتلا ہو جاتی۔'' نیا نے کہا اور چمچ میں چاول بھرے۔

اور سمن کی طرف دیکھا جو اس کی طرف بہت ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''تم بہت گریٹ ہو نیا۔ تمہارے بہن بھائی کو تمہاری قدر کرنا چاہیے۔''

''بھلے نہ کریں۔ میری کوئی ان سے سودے بازی نہیں ہے۔'' نیا نے منہ چلاتے ہوئے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

''یہ بہت بڑی قربانی ہے نیا...... عورت کی جوانی تو یوں بھی بڑی مختصر ہوتی ہے۔''

سمن نے بڑی قدرداں نگاہوں سے نیا کا چہرہ دیکھا۔

''شادی خوشی کی انتہا تو نہیں ہے سمن...... مقدر میں خوشیاں ہوں تو کسی بھی بہانے

سے مل جاتی ہیں۔'' نیا نے بڑے وقار سے کہا۔

''تم کتنی میچور ہو نیا...... میں تمہارے مقابلے میں بالکل بھی میچور نہیں۔ سچی بات ہے زندگی بہت حوصلہ مانگتی ہے۔'' سمن نے بڑے جذبے سے کہا

''تم سے زیادہ حوصلہ نہیں ہے میرے پاس۔ تم نے تو اپنا محبوب اپنی رضامندی سے کسی کو سونپ دیا ہے۔'' نیا نے اب خوشگوار انداز میں جملے بازی کی جبکہ اندر دل کی ناراضگیاں قیامت برپا کر رہی تھیں۔

''آہ!...... ہاں...... حوصلہ نہیں نیا۔ محبت کی قوت...... اس وقت کی وجہ ہی سے تو اتنا بڑا بوجھ اُٹھا لیا ہے۔'' اب سمن آزردہ سی ہو کر کہہ رہی تھی۔ پھر ایک دم خود کو سنبھال کر مسکرائی۔

''ٹھیک سے کھاؤ۔ تمہارے اعزاز میں اتنی محنت کی ہے۔''

''ڈونٹ کیئر...... میں اپنے پیٹ کی طرف کم اور تمہاری محنت کی طرف زیادہ توجہ دے رہی ہوں۔'' نیا نے برجستہ جواب دیا۔ پھر دونوں ہنس پڑیں۔

ہنستے ہوئے بھی نیا کی نظر میں سنجیدگی تھی۔

''یہ کیا ہو گیا؟ یہ میں نے کیا کیا؟'' ہنسی میں کتنا ملال تھا۔ سمن کے فرشتے بھی بھید نہیں پا سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆

عمیر نے کیوں کہ ذرا ٹال مٹول سے کام لیا تھا اور شاید رمیض کے اندر لگی آگ کی تپش کا اندازہ کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں تھی۔ رمیض کے اندر مزید غصہ جمع ہونے لگا کہ اتنا اچھا دوست ہو کر بھی وہ اس کی پریشانی اور جذبات کا اندازہ نہیں لگا رہا۔ کیا فائدہ ایسے دوست کا جو آپ کا وقت پر ساتھ نہ دے۔ اگر مجھے کرائے کا بندہ نہیں مل سکا تو

کیا ہوا؟ میں یہ کام خود بھی کر سکتا ہوں۔ بس ذرا احتیاط کرنا ہو گی۔

انتقام کی شدت اس مقام پر تھی جب انسان کی زندگی کا مطلب صرف انتقام ہوتا ہے مقصدِ حیات ہی انتقام بن جاتا ہے۔ انتقام سے ہٹ کر سوچ کسی اور طرف جاتی ہی نہیں۔

عمیر نے کہا تھا وہ شام تک بابو منان سے بات کر کے اسے فون کر دے گا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ عمیر سیریس نہیں ہے۔ وہ اسے ٹال رہا ہے۔ اس نے عمیر سے بابو منان کا کونٹیکٹ نمبر مانگا تو اس نے جواب دیا وہ آج کل انڈر گراؤنڈ ہے اور Unknown نمبر اٹینڈ نہیں کرتا۔ میں شام کو اس سے فیس ٹو فیس مل کر بات کروں گا۔

رمیض کو غصہ تو بہت آیا تھا مگر وہ عمیر سے اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ رقم بھی اس کی طرف نکلتی تھی۔ اُلجھنے کا مطلب تھا پیسے پھنس گئے اور آج کل تو اس کو اپنے بھولے ہوئے ڈوبے ہوئے پیسے شدت سے یاد آ رہے تھے۔ ویسے تو ماں کا بھی بڑا آسرا تھا۔ مگر فی الحال وہ ماں کو بھی تھوڑی اکڑ دکھانا چاہتا تھا۔

اندر جو ہیجان برپا تھا اس کے مطابق تو اسے شامہ کے مقابل کھڑے ہو کر اسے سزا دینا چاہیے تھی۔ تب ہی کلیجے میں ٹھنڈک پڑتی۔ مگر اس عمل کے بعد جو پولیس تھانے کا چکر پڑتا اس سے نپٹنے کی اس میں صلاحیت نہیں تھی۔ باپ کا تو اتنا اثر ورسوخ تھا کہ وہ ریڈ ہینڈڈ پکڑے جانے کے بعد بھی چند گھنٹوں میں گھر واپس آ سکتا تھا اور سارا مسئلہ ہی یہ تھا کہ باپ نے سر سے ہاتھ اُٹھا لیا تھا۔

وہ اِدھر اُدھر بائیک گھماتا جانے کیا سوچ کر سی ویو کی طرف مڑ گیا۔ جیسے تنہائی اور سکون میں کچھ غور و خوض کرنا چاہتا ہوں۔ ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے سامنے رک کر گلاسز آنکھوں پر چڑھا کر یونہی خالی الذہن جھاگ اُڑاتا سمندر دیکھتا رہا۔ مختلف کپلز، بچے،

بوڑھے۔ اُونٹ، گھوڑے، پاپڑ فروش نظروں کے سامنے تھے۔

چند گھروں سے چھپ کر آنے والے جوڑے گیلی ریت پر پاؤں پھیلائے بیٹھے ایک دوسرے میں گم تھے۔

اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ مگر صرف مصیبت مجھ پر آئی ہے۔ اس نے شریانوں میں اُٹھتے طوفان کو بمشکل کنٹرول کیا۔

سمندر پر نظریں جمائے ہوئے ایک جھماکہ سا ہوا۔ آنکھوں میں خوشی ہیرے کی طرح چمکی۔ اسے یاد آیا کہ ہاکس بے پران کا ایک چھوٹا سا ہٹ ہے۔ وہ بمشکل سات سال کا تھا جب انجم علوی نے وہ ہٹ خریدا تھا۔ پھر اس ٹوٹے پھوٹے ہٹ کی رینوویشن کرائی تھی۔ رینوویشن کے دوران وہ تین چار مرتبہ ممی کے ساتھ ادھر آیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہٹ کرائے پر چڑھا دیا گیا۔ آمدنی کا ایک اور ذریعہ بنا۔ ایک مرتبہ وہ کالج کی طرف سے پکنک منانے ہاکس بے آیا تو اس وقت بھی وہ ہٹ خالی نہیں تھا کوئی نیا شادی شدہ کپل جو اندرونِ لاہور سے کراچی سیر کرنے آیا ہوا تھا وہ رُکا ہوا تھا۔ انجم علوی کی کراچی، اسلام آباد، آزاد کشمیر میں بڑی قیمتی جائیدادیں تھیں۔ اسلام آباد میں دو پھلوں کے باغات تھے جو برسہا برس سے ٹھیکے پر دیے جا رہے تھے۔

ہٹ کا خیال آتے ہی اسے یوں لگا کہ مشکل وقت ختم ہوا۔ اس نے ہر طرف سے ذہن ہٹا کر بائیک جیسے ہوا کے دوش پر دوڑائی اور ہاکس بے پہنچ کر سانس لیا۔ اب اسے اپنا ہٹ پہچاننا تھا کیوں کہ کافی مدت سے اس نے ہٹ نہیں دیکھا تھا۔ اس کی اپنی بے سروپا ایکٹویٹیز اتنی زیادہ تھیں کہ کبھی اس طرف دھیان ہی نہیں آیا۔ وہ دھیمی رفتار سے ایک ایک ہٹ کو دیکھتا آگے بڑھنے لگا۔

ذہن کے پردے پر دھندلی سی تصویر اُبھری ڈارک گرے مہرابی بڑی سی ونڈو،

پورے ہٹ پر ڈارک اور لائٹ گرے کلر کا امتزاج۔ مگر شاید دوبارہ کوئی اور کلر ہوا ہو۔ البتہ چوکیدار نظر آ جائے تو وہ پہچان لے گا۔

اس نے نظر آنے والے افراد کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ مگر مایوسی ہوئی کوئی چہرہ بھی حافظے میں ارتعاش پیدا نہیں کر رہا تھا۔

اس نے بائیک ایک طرف کھڑی کی اور پیدل چلنے لگا۔ خستہ حال، نئے رنگ و روغن والے، بالکل کھنڈر مختلف ہٹ دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک ہٹ میں چارپائی پر لیٹا بوڑھا آدمی اسے دکھائی دیا۔ اس سے ضرور معلومات مل سکتی ہیں۔ اس کے اندر ایک ولولہ سا پیدا ہوا۔ اس نے اندر قدم رکھ کر دروازے پر دستک دی۔ بوڑھے نے چونک کر دیکھا اور اُٹھ بیٹھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے رمیض کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رمیض چند قدم مزید آگے بڑھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ دربدری سے پہلے اس طرح کسی شکستہ حال کو اتنے ادب سے سلام کرنے کا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔

''وعلیکم السلام بابو صاحب! آپ کون؟'' بوڑھے نے پاؤں پلنگ سے اُتارے۔

''میں یہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ہمارا اس طرف ایک ہٹ ہے۔ مگر میں بہت عرصے بعد اس طرف آیا ہوں تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' رمیض نے گلاسز اپنی ہتھیلی پر دف کی طرح مارتے ہوئے کھوجتی نظروں سے بوڑھے کا چہرہ دیکھا۔

''مالک کا نام بتاؤ بابو صاحب تو شاید میں کچھ بتا سکوں۔ دو تین ہٹوں کے مالکوں کو تو میں جانتا ہوں۔'' بوڑھے نے نحیف سی آواز میں کہا۔

''انجم علوی......'' رمیض نے نام بتاتے ہوئے ایک لمحے کے لیے پلک نہیں جھپکی۔

''اوہ! علوی صاحب......وہ تو مہینے ڈیڑھ مہینے میں چکر لگا لیتے ہیں۔ کیسے ہیں......

خیریت سے ہیں ناں؟ آپ کے کیا لگتے ہیں؟'' بوڑھے کی کمزور آواز احساسِ اپنائیت و شناسائی سے کانپ گئی۔

''میرے والد ہیں۔'' رمیض نے جیسے بڑی سی گٹھلی نگلی۔

''ارے...... بہت دنوں بعد دیکھا آپ کو۔ ماشاء اللہ! جوان ہو گئے ہیں۔ آپ ٹھیک جگہ آئے ہیں۔ یہ آپ ہی کا ہٹ ہے۔ صاحب مصروف ہوں گے اس لیے آپ کو بھیج دیا ہوگا۔ بیٹھیں بابو صاحب...... بتائیے کیا خدمت کروں۔ چائے بناؤں۔''

''ارے نہیں بس کوئی خدمت ودمت نہیں۔ میں ذرا ہٹ کا جائزہ لے لوں'' رمیض نے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

''بالکل صاحب...... آپ کی چیز ہے۔ صفائی تو میں روز کرتا ہوں۔'' بوڑھا پلنگ سے اُتر چکا تھا اور رمیض کے پیچھے چل رہا تھا۔

دو چھوٹے کمرے ایک واش روم (کامن) چھوٹا سا کچن، چھوٹا سا برآمدہ۔ چھوٹی سی دنیا آرام سے بسائی جا سکتی تھی۔

دونوں کمروں میں ڈبل بیڈ اور بید کی کرسیاں پڑی تھیں۔ کھڑکیوں پر پھولدار موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے تھے۔

''ہے تو سہی ایک ٹھکانہ۔ دوسروں کے بیڈ روم میں اذیت ناک زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے کہ اس ہٹ میں رہا جائے۔ بس شاید گرم پانی کی سہولت نہیں ہوگی۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ رہیں گے تو اس کا بھی بندوبست کر لیں گے۔ فی الحال تو یہ کسی جنت سے کم نہیں۔ گرمی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں شاید مچھر ہوں۔ مگر ان کا تو کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔ یہ ایسا کوئی خاص مسئلہ نہیں۔'' اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔

واش روم ٹائلڈ تھا مگر اس کی صفائی گھر کے واش روم جیسی نہیں تھی۔ گزارا ہو سکتا

تھا۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ جھاگ جھاگ سمندر، لہروں کا شور۔ چند لوگ سمندر میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے۔ بہت خوبصورت نظارہ تھا۔ فطرت کی خوش کلامی کمال پر تھی۔ اس نے پردہ گرا دیا اور پلٹ کر بوڑھے چوکیدار کی طرف دیکھا جو بڑی خاموشی سے اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔

''بابا! ایک کمرے کی بہت اچھی طرح صفائی کر دو اور ہاں واش روم کی بھی۔'' اس نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''مہمان آ رہے ہیں بابو صاحب؟'' بوڑھے نے سادگی سے پوچھا۔

''نہیں...... میں خود یہاں رہوں گا چند دن۔'' رمیض نے سوچتی ہوئی نظریں اب بیڈ پر دوڑائیں جس پر بھدے تیز رنگ بڑے بڑے پھولوں کی چادر پڑی ہوئی تھی۔

''یہ چادر کتنے عرصے سے نہیں دھلی بابا؟'' رمیض کے لہجے میں بدمزگی سی تھی۔

''آپ اس کی فکر نہ کریں بابو صاحب! میں دوسری چادر بچھا دوں گا۔ ابھی سیزن نہیں ہے تو بس ایسے ہی پڑا ہوا ہے۔ چادریں دھلی پڑی ہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

بوڑھے نے بھرپور تسلی دی اور رمیض کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے اگلے حکم کا منتظر ہو۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تم جب تک کمرہ صاف کرو میں کچھ ضروری چیزیں لے کر آتا ہوں۔ کچھ برتن ورتن تو ہوں گے ناں......'' اسے ایک دم خیال آیا۔

''جی صاحب! وہ آپ کے معیار کے تو نہیں ہوں گے۔ دو تین کوپ (کپ) اور گلاس پلیٹیں وغیرہ ہیں۔ آپ دیکھ لیں''

''نہیں...... نہیں...... بس ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں دو تین گھنٹے بعد آؤں گا۔''

وہ بڑی تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ ساری پژمردگی ہوا ہو چکی تھی۔ آخر کار

ایک ٹھکانہ مل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

”تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے تو رک جاؤ۔ رات کو چلی جانا۔ یہاں سے جا کر تمہیں کرنا کیا ہے؟“ سمن نیا کے پہلو میں لیٹی ہوئی بچوں کے انداز میں اصرار کر رہی تھی۔

”امی صبح سے اکیلی لگی ہوتی ہیں سمن۔ جا کر رات کا کھانا ہی بنا لوں گی۔ امی کو ذرا آرام مل جائے گا۔“

”تم کتنی اچھی ہو نیا...... سب کا خیال رہتا ہے تمہیں۔ تمہارے جیسی بیٹی اللہ کسی کسی کو دیتا ہے۔“ سمن نے پیار بھرے انداز میں کہتے ہوئے نیا کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر ایک دم حیران سی ہو کر ہنس پڑی۔

”ارے یہ کیا تم نے رسم سی پوری کی ہے۔ مہندی تو اچھی ہے رنگ اچھا آیا ہے۔ ٹھیک سے لگا لیتیں۔ خوبصورت سے نقش و نگار۔ اتنی سی مہندی لگا کر بڑا تکلف کیا۔“ سمن نے اس کی ہتھیلی پر بنی گول ٹکیہ جس کے اطراف نقطے سے پڑے ہوئے تھے بڑی دلچسپی سے دیکھ کر تبصرہ کیا۔

نیا نے لاشعوری طور پر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ دل خواہ مخواہ زور زور سے دھڑکنے لگا۔ چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق۔

”ارے کسے فرصت ہے مہندیاں لگانے کی۔ بس یونہی......“ نیا نے لاشعوری طور پر اپنی مٹھی بند کرتے ہوئے ذرا کھسیا کر کہا۔

”اتنی اچھی مہندی کم ملتی ہے۔ عرق تو نہیں ہے ناں؟“ سمن نے نیا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کنفرمیشن اس لیے ضروری ہوگئی کہ وہ خواہ مخواہ متاثر نہ ہو رہی ہو۔

”نہیں ہے تو مہندی ہی۔ عرق ہوتا تو دو دن بعد رنگ پھیکا ہو جاتا۔“ نیا نے بے

قابو دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

”تو کتنے دن پہلے لگائی تھی؟“ سمن پوچھنے لگی اسی وقت اس کے موبائل پر رنگ ہوئی تھی۔ نمبر دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ اتر گئے۔

”جی سہیل...... السلام علیکم!“ وہ شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ بات کر رہی تھی۔

نیا کا ذہن ایک دم ماؤف سا ہو گیا۔ خواہ مخواہ چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق وہ مضطرب سی ہو کر بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

سہیل کا فون تھا۔ ہزاروں مرتبہ سمن نے اس کے سامنے سہیل سے بات کی ہوگی مگر آج تو جیسے بہت نرالی سی بات کی طرح یہ سب کچھ محسوس ہو رہا تھا۔

”اللہ سہیل! سچ آج تو میں ایک منٹ کے لیے بور نہیں ہوئی۔ آج نیا نے میرے پاس آنا تھا۔ بس آنکھ کھلتے ہی بڑی ایکسائٹمنٹ سی تھی۔“

کہ نیا آئے گی ڈھیروں باتیں ہوں گی۔

سمن ایک لمحے کو رک کر قدرے کھلکھلا کر ہنسی۔ پھر شوخی سے گویا ہوئی۔

”آخر میرے محبوب کی بستی سے ہو کر آئی ہے۔ ان ہواؤں کی خوشبو ساتھ لے کر آئی ہے جو آپ کو چھو کر گزرتی ہیں۔ یقین کریں مجھے تو اس کے پاس سے آپ کی خوشبو آ رہی ہے۔“

نیا نے بدحواس سی ہو کر ایک لمحے کو سمن کی طرف دیکھا پھر جلدی سے آگے بڑھ کر خواہ مخواہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلدان میں سجے پھولوں کو ادھر اُدھر کرنے لگی۔ سمن کی خاموشی پر اس کا دل دھڑکا۔ جانے دوسری طرف سہیل اس سے کیا بات کر رہے ہیں؟

”یہی مسئلہ ہے اُدھر گوٹھ میں ہر وقت سگنل کی پرابلم رہتی ہے۔“ سمن نے بیزاری سے موبائل بیڈ کے سرہانے رکھتے ہوئے کہا۔

''اب سہیل آئیں گے تو کہوں گی ایک وائرلیس سیٹ لا کر رکھیں۔'' بات ادھوری رہ جانے پر سمن کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' نیا نے یوں پوچھا جیسے اس نے سمن کی بات ہی نہ سنی ہو۔

''ڈسکنکٹ ہو گیا۔'' سمن نے بیڈ سے اُترتے ہوئے اسی طرح آف موڈ میں جواب دیا۔

''ٹرائی کر رہے ہوں گے۔ دوبارہ آ جائے گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے خود ہی آ جائیں۔'' نیا نے اب خود کو کنٹرول کر لیا تھا۔ یوں تسلی دی جیسے بچوں کو بہلاتے ہیں۔

''ابھی تو بی بی جان کے ہتھے چڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ان کے آنے کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ خیر چھوڑو...... میں تو تمہیں بور کرنے لگی۔ چائے بناؤں؟'' سمن ایک دم شرمندہ سی ہو کر بولی۔

''چھوڑو...... تم ریسٹ کرو۔ صبح سے بھاگی پھر رہی ہو۔ میں چلتی ہوں۔''

نیا نے سامنے کلاک پر نظریں دوڑا کر جواب دیا۔ یوں گویا اب وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔

''لو اب تو کہیں جا کر فرصت سے بیٹھے ہیں۔ تمہیں جانے کی پڑی گئی۔ شاداب کے بارے میں تو ابھی میں نے تم سے کوئی بات بھی نہیں کی۔ بابا سائیں نے اسے مہمان بنا کر کہاں رکھا ہوا تھا۔ اتنا تو مجھے یقین ہے کہ سہیل کی وجہ سے انہوں نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہو گی۔ بس یونہی ہم سب کو ذرا اپنا زور اختیار دکھا کر ڈرانے کی کوشش کر رہے تھے دنیا کتنی ترقی کر جائے، پکنک منانے چاند پر جانے لگے مگر جاگیردار نہیں بدلے گا۔ اس کی تو کیمسٹری ہی الگ ہوتی ہے۔'' سمن نے ایک ذرا سا پردہ اُٹھا کر کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بڑے طنزیہ اور تلخ لہجے میں کہا۔

نیا بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ہر وقت سہیل کی وجہ سے کسی نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا رہتی ہے۔ کیا بنے گا اس کا؟ اسی کو شاید اندھی محبت کہتے ہیں۔

''شاداب اگر آنچ تھا تو اب شعلہ بن کر آیا ہے۔ اسے سنبھالنے کے لیے اب مجھے بہت ٹائم چاہیے۔ وہ بابا سائیں کے کسی ہاری کا بیٹا نہیں ہے جو ایک وقت کی روٹی کی خاطر اپنی زبان کاٹ کر پھینک دے۔ وہ میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہے۔ ایک سیاسی پارٹی کو جوان خون سپلائی کرنے کا ٹھیکے دار بنا ہوا ہے۔ اس طرح کے بولڈ اور سر پھرے نوجوان ہی تو موقع پرستوں کے کام آتے ہیں۔ وہ بہت شدید React کر رہا ہے۔ فی الحال وہ کسی کے کنٹرول میں نہیں ہے۔'' نیا نے سمن کو اندھیرے میں رکھنا مناسب نہ سمجھا صاف صاف بتا دیا۔

سمن نیا سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی آنکھیں پھاڑے ششدر سی کھڑی تھی۔

''کیا کہہ رہا ہے؟'' سمن نے ڈوبتا دل بمشکل سنبھالا۔

''بس چھوڑو...... کل ہی تو آیا ہے۔ ابھی تو کہنا شروع کیا ہے۔ دیکھو مزید کیا کچھ کہتا ہے۔''

''میری وجہ سے...... صرف میری وجہ سے تمہارے گھر میں یہ عذاب اُترا ہے۔ میں نے کبھی وہم نہیں کیے۔ مگر اب لگتا ہے کہ بی بی جان ٹھیک کہتی ہیں۔ وہ واقعی منحوس ہوں۔''

''ماں باپ کے سائے سے محروم...... بہن بھائی کی محبت سے نا آشنا...... من چاہے ساتھی سے دور رہنے پر مجبور، بے اولا...... کیا انسان اتنا زیادہ بدنصیب بھی ہو سکتا ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

''نیا! مجھے اپنی بدنصیبی پر صبر کر لینا چاہیے۔ میں کیوں لوگوں کو پریشان کروں...

میری بہتری کے لیے اپنی توانائی، اپنا وقت برباد کریں۔'' بولتے بولتے سمن کی آواز رندھ گئی۔

ایک تو ویسے ہی دل پر بوجھ تھا اس پر سمن کا دل شکستہ اور مایوس انداز نیا تڑپ سی گئی۔ آگے بڑھ کر ایک دم سمن کو گلے سے لگا لیا۔

''نا اُمید ہونے کی کوئی دلیل انسان کے پاس نہیں ہوتی سمن۔ آنے والا وقت اپنے دامن میں کیا لیے آ رہا ہے کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ حوصلہ مت ہارو سمن۔ میری بات کا یقین کرو۔ خلوص کا اپنا ان مٹ اثر ہوتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو کہ تمہیں پرخلوص بے غرض جیون ساتھی ملا۔ زندگی میں کسی عورت کے لیے یہ بڑی زبردست سپورٹ ہوتی ہے۔ تمہارا شوہر صرف تمہارا ہے۔ تمہارے لیے اس سے بڑھ کر اطمینان و خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔''

نیا نے سمن کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے کہا اور اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

''اللہ میرا تمہارا یقین قائم رکھے۔ اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ سہیل کے علاوہ تم بھی بہت بڑی نعمت ہو میرے لیے۔ سگی بہن بھی ہوتی تو شاید میری خاطر اتنا کچھ برداشت نہ کرتی۔'' سمن نے بے اختیار نیا کا گال چوم لیا۔

نیا مسکرا پڑی اور بہت محبت سے سمن کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''بے وقوف! اولاد کو میاں بیوی کے تعلق میں زنجیر سمجھا جاتا ہے۔ مگر کیا تم نے دیکھا نہیں چار پانچ بچے بھی بعض اوقات میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بندھے رہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ علیحدگی ہو جاتی ہے۔ یہاں کوئی فارمولہ نہیں ہے۔ بس مقدر کی بات ہوتی ہے۔'' نیا نے اب قدرے سنجیدگی سے بات کی۔ سمن کے چہرے پر جیسے سکون

اُتر آیا۔

''کتنی باہمت ہو تم...... کتنا حوصلہ ملتا ہے تم سے۔'' سمن کے لہجے میں ستائش تھی۔

''بس بس اب مجھے بانس پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اب میں چلوں گی سمن...... کچھ وقت امی کو بھی دینا چاہتی ہوں۔ وہ شاداب کی وجہ سے بہت ڈسٹرب رہتی ہیں۔ جاب مل گئی تو پھر مصروف ہو جاؤں گی۔''

ٹھیک ہے نیا...... میرا تو دل یہی چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ میرے قریب رہو۔ بڑا سادہ سا جملہ تھا مگر نیا کی روح کی تاروں میں پھر کوئی گرہ پڑ گئی۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر خود کو سنبھالا اور دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھنے لگی۔

''اللہ حافظ سمن......'' وہ گویا زیرِ لب بولی۔

☆☆☆☆☆

عرصے بعد ماں کو سامنے پا کر گویا سارے بند ہی ٹوٹ گئے۔ وہ تابندہ بیگم کے سینے سے لگی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

مومنہ پاس کھڑی دونوں کو الگ کرنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

''ماہ رُخ! کیا ہے...... بھابی جان اتنی دور سے آئی ہیں۔ کچھ تو خیال کرو ماں کا تمہارے رونے سے ان کی کیا حالت ہو رہی ہے۔'' مومنہ نے محبت بھرے لہجے میں ڈانٹ پلائی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ امی میرے سامنے ہیں۔ امی! کیا سچ مچ آپ ہیں۔''

تابندہ بیگم اس کے اس جملے پر تڑپ سی گئیں اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ایک دم اس کی پیشانی چوم لی اور ایک مرتبہ پھر سینے سے لگا لیا۔

''ماں کو بھی ایک پل چین نہیں تھا رُخی...... مگر میں بہت مجبور تھی بیٹی۔ کبھی تیرے

باپ کی طرف دیکھتی تھی، کبھی بھائی کی طرف۔ سوچتی تھی شاید انہیں مجھ پر رحم آ جائے وہ خود ہی کہہ دیں کہ جاؤ بیٹی سے مل آؤ۔"

"کتنی کمزور ہو گئی ہے یہ مومنہ...... ایک نظر میں تو میں اسے پہچانی نہیں۔" تابندہ بیگم نے پھر اپنی ہتھیلی سے آنسوؤں کی دھند ہٹائی۔

"بہت سمجھاتی ہوں اسے۔ کہتی ہوں اپنے آپ پر رحم کرو۔" مومنہ نے بھاوج کے شانے تھام کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے خفا خفا انداز میں ماہ رُخ کی طرف دیکھا۔

ماہ رُخ جلدی سے ماں کے لیے ٹھنڈا پانی لینے کچن میں چلی گئی۔

"کچھ کھائیں گی بھابی جان؟" مومنہ ان کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"پلین میں وہ قیمہ اور بن کھا لیا تھا بھوک تو بالکل بھی نہیں ہے۔" تابندہ بیگم نے اب نظریں دوڑا کر توجہ سے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا۔

"یہ سب کچھ اس نے خود کیا ہے؟ اپنا تو نہیں ہوگا۔ کرائے پر لیا ہوگا؟" تابندہ بیگم نے مومنہ سے استفسار کیا۔ ضرورت کی ہر شے بہت سلیقے سے رکھی نظر آ رہی تھی جو ان کے لیے باعث طمانیت تھی۔ ورنہ وہ تو اکثر یہی سوچتی تھیں کہ پتہ نہیں کس حال میں رہ رہی ہوگی۔

"جی...... جاب کرتی ہے ملٹی نیشنل کمپنی میں۔ سیلری اچھی ہے۔ پھر اکیلی ہی تو ہے۔" مومنہ نے پانی کا گلاس لے کر آتی ہوئی ماہ رُخ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو شکر ہے اپنی گزر بسر تو اچھی طرح کر رہی ہے۔" ماہ رُخ قریب آ چکی تھی اور پانی کا گلاس ماں کو دے رہی تھی۔ تابندہ بیگم نے بڑی پیاسی نظروں سے پھر بیٹی کی طرف دیکھا۔

"پڑھائی لکھائی کام آ رہی ہے امی...... اور مصروفیت بھی ہے۔ وقت گزرنے کا

پتہ ہی نہیں چلتا۔ کب صبح ہوئی کب رات ہو گئی۔"

"بھابی جان اگر یہ شادی نہیں کرے گی تو میں اسے اپنے ساتھ اسپین لے جاؤں گی۔" مومنہ نے مسکرا کر جیسے دھمکی دی۔

"دو مرتبہ نکاح کے بول پڑھے۔ کیا ملا۔ یہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ڈری ہوئی ہے۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر تو پیتا ہی ہے۔ دن رات اس کے سکھ کے لیے دعائیں کرتی ہوں۔"

"اور تم کیا ساری زندگی اسپین میں گنوا دو گی۔ اپنا گھر نہیں بسانا؟ عمر بڑھ رہی ہے اپنا بھی کچھ سوچو مومنہ۔ ساری عمر ایک سی نہیں ہوتی۔ اب بھی شادی کر لو تو ایک دو بچے ہو جائیں گے۔ کوئی بڑھاپے میں پانی پلانے والا تو ہوگا۔"

"چھوڑیں بھابی جان بڑھاپے میں پانی پلانے والے تو اتنے مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں خود پانی پینے کی فرصت نہیں ہوتی۔" مومنہ نے چھوٹا سا قہقہہ لگا کر پھر شادی کی بات کو غیر اہم بنا دیا۔

"پتہ نہیں کیا سوچے بیٹھی ہو۔ ارے تمہیں کسی نے پھانسنے کی کوشش بھی نہیں کی؟ کیا کمی ہے تم میں۔ آج کل تو کمانے والی لڑکیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں لوگ۔" اس مرتبہ تابندہ بیگم نے واقعی حیرت سے مومنہ کو دیکھ کر کہا تھا۔

"ہاتھ دھونے کی چھوڑیں بھابی جان...... لوگ تو نہا دھو کر پیچھے پڑ کر فارغ ہو چکے۔ شادی ٹوٹل Bounding ہے بھابی جان...... اور میں سمجھتی ہوں کہ میں اب اس عمر میں کسی بھی قسم کی Bounding برداشت نہیں کر سکتی۔ کمانے والی عورت ہو یا نکمی جب مرد کے اختیار میں چلی جاتی ہے تو بس وہ صرف بیوی ہوتی ہے اور ہمارے معاشرے میں بیوی کو بس پراپرٹی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے حقوق نہیں ہوتے بس فرائض

کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے اور میں یہ دھاندلی بالکل بھی برداشت نہیں کر سکتی۔" مومنہ نے اب بالکل صاف صاف اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"تو وہیں دیکھ لو...... پاکستانی لڑکے بھی تو ہوں گے وہاں۔ وہ تو یہاں سے جا کر وہیں کے رنگ میں رنگ چکے ہوں گے۔ جب تمہاری سوچ بدل گئی ہے تو اُن کی بھی تو بدلی ہوگی۔" تابندہ بیگم نے بڑی وزنی دلیل کے ساتھ بات کی۔

"ہاں...... وہ بدل گئے ہوں گے مگر یہ تبدیلی ہمارے لیے نہیں ہوئی ہوگی۔ وہاں کسی فارنر سے شادی کریں گے تو اُن کے اصول وقوانین پر چلیں گے۔ اگر ہمیں اپنائیں گے تو انڈیا ایکٹ 1932ء کے مطابق ہی چلیں گے۔"

مومنہ نے اپنے فطری لااُبالی پن سے جواب دیتے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں قید کیا۔

ماہ رُخ کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"توبہ! حد ہے پھوپھو آپ سے بھی...... اب امی کو انڈیا ایکٹ 1932ء بھی پڑھائیں۔"

"اپنی پڑھائیاں اپنے پاس رکھو۔ بڑے سمجھانے والی بات کر رہے ہوں تو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔" تابندہ بیگم اپنی بات غیر اہم بنانے کی کوشش پر قدرے برافروختہ ہوگئیں۔

"بھابی جان! ابھی تو آپ آئی ہیں بعد میں غور وخوض کرلیں گے۔ کچھ کھائیں پئیں آرام کریں۔ بہت دن ہوگئے سیر وتفریح کیے ہوئے۔ کبھی ماہ رُخ کو فرصت نہیں کبھی میں پھنسی ہوئی۔ آج مجھے کہیں نہیں جانا۔ ماہ رُخ نے بھی چھٹیاں لی ہوئی ہیں۔ آج ہم کچھ نہیں کریں گے صرف انجوائے کریں گے۔"

"ٹھیک ہے" مومنہ نے کھڑے ہو کر اس انداز میں کہا جیسے زندگی میں کوئی اُلجھن، کوئی مسئلہ نہ ہو۔"

"ارے سیر وتفریح میں بھی کیا مزہ...... جب زندگی اتنی اُلجھی ہوئی ہو۔ تم نے وقار پر مقدمہ کیا تھا کیا بنا اُس کا؟" تابندہ بیگم آزردہ سی ہو کر ماہ رُخ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"مقدمہ تو کیا ہے۔ ڈیٹیں لگ رہی ہیں۔ اگلے ہفتے پیشی ہے۔ ان ڈائریکٹ دھمکیاں بھی ملنا شروع ہوگئی ہیں کہ پھنسا کر رکھوں گا، آزاد نہیں کروں گا، یہ کروں گا، وہ کروں گا۔" مومنہ نے اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے وقار کی نقل اُتارنے کی کوشش کی۔

"پھنسا کر رکھنے کی بات کر رہا ہے تو بسا لے اپنے گھر میں۔ ہم نے تو اُسے نہیں چھوڑا۔ وہ خود میری بچی کو اکیلا چھوڑ کر روپوش ہوا تھا۔ کیا بگاڑا تھا ہم نے اس کا" تابندہ بیگم ماہ رُخ کے آنے والے متوقع مزید مشکل دنوں کے خیال سے باقاعدہ رونے لگیں۔

مومنہ نے آگے بڑھ کر ان کے شانے تھام لیے۔

"پلیز بھابی جان! اتنا نہیں گراتے خود کو کہ بے ضمیر لوگ روندتے ہوئے گزر جائیں۔ کوئی گارنٹی ہے کہ مرد کے بغیر زندگی عذاب ہوگی اور مرد کے ساتھ پرسکون۔ بندے کی لک ہوتی ہے۔ یہ بھی اب سکون سے جی رہی ہے۔ مجھے بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ آخر حوصلہ ہارنے کی کوئی Logic بھی تو ہو۔" مومنہ بہت ٹھوس اور مضبوط لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"جیتی رہو...... ماشاء اللہ! بڑی ہمت دی ہے اللہ نے تمہیں۔ ایسے اندھیرے وقت میں میری بچی کا ساتھ دے رہی ہو۔ دس مردوں کے برابر ہو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔" تابندہ بیگم کو سچ مچ مومنہ کے حوصلے سے بہت تقویت پہنچی تھی۔ وہ اب

انداز میں ذرا صبر سا تھا۔

''یہ بات ہوئی ناں...... آپ آرام کریں۔ ابھی دن کے گیارہ بج رہے ہیں۔ ہم تین بجے سی سائیڈ کے لیے نکلیں گے۔ ٹھیک...... میں ذرا شاور لے لوں۔''

''رخی میرے لیے ننھا منا سا پیارا سا ناشتہ تیار کرو۔ جانی! لو (Low) کیلوریز......'' مومنہ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''اتنا تکلف کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ سمندر پر تو جا ہی رہے ہیں۔ ہوا کے رُخ پر منہ کھول کر بیٹھ جایئے گا۔ فل آف منرل (Minral) سی بریز (Sea Breeze)۔'' ماہ رُخ نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیتے ہوئے جگہ چھوڑ دی۔

''شکر ہے ٹھیک ٹھاک طریقے سے اپنا گھر کر کے بیٹھی ہے۔ ورنہ میں تو اس کی طرف سے پریشان رہ کر بس بلڈ پریشر کی مریضہ بن چکی ہوں۔'' تابندہ بیگم نے اب بہت پرسکون انداز میں بات کی۔

''تو آپ کی اس سے بات تو ہوتی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا نہیں کہاں رہ رہی ہے؟ کیسے رہ رہی ہے؟'' مومنہ نے پرس سے نیلی فائل نکالتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''یہ تو تسلی ہی دیتی تھی۔ مگر مجھے تو یہی خیال آتا تھا کہ مجھے تسلی دیتی ہے۔ پتہ نہیں حقیقت کیا ہے۔'' تابندہ بیگم نے مومنہ کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! ظاہر ہے دور بیٹھا بندہ تو اندازوں ہی سے کھیل سکتا ہے۔'' مومنہ نے اپنے ناخن غور سے دیکھنا شروع کر دیے تھے۔

''ٹھیک ہے پھر میں ذرا آرام کرتی ہوں۔ تم دونوں آرام سے ناشتہ کرو...... تم تو مجھے لینے ایئرپورٹ آ رہی تھیں۔ سویرے سے اُٹھی ہوئی ہوں گی۔'' تابندہ بیگم بیڈ روم

کی طرف آہستہ خرامی سے بڑھتے ہوئے خودکلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

سمن کے ہاں سے گھر پہنچی تو بانو بیگم پڑوس میں میلاد میں گئی ہوئی تھیں۔ عتیقہ اپنے کپڑے دھونے میں مصروف تھی۔ دونوں کے درمیان بس سرسری سی بات ہوئی تھی۔ مغرب کی اذان تک امی واپس نہیں آئی تھیں۔

وہ نماز پڑھ کر لیٹی تو آنکھ لگ گئی۔ شاید بہت دنوں سے سکون کی نیند نہیں ملی تھی۔ چہار سو پھیلے سناٹے نے اعصاب کو خوابیدہ کر دیا۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ امی کب آئیں۔ شاداب کب آیا۔ جلدی سونے کی وجہ سے صبح پانچ بجے سے پہلے ہی خود بخود آنکھ کھل گئی تھی۔

عتیقہ اور بانو بیگم گہری نیند سو رہی تھیں۔ اس نے اندازہ کیا کہ شاداب اُوپر سو رہا ہوگا۔ وہ اُٹھ کر فجر کی نماز کی تیاری کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد اذانیں شروع ہوگئیں۔ وہ پہلی اذان کے ساتھ ہی نماز کے لیے کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے نیت باندھتے ہی بانو بیگم بھی اُٹھ گئیں۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تو بانو بیگم نماز شروع کر چکی تھیں۔ اس نے اس دوران تھوڑی سی تلاوت کی۔ پھر قرآن بند کر کے دوبارہ لیٹ گئی۔ ذہن فوراً شاداب کی طرف چلا گیا۔ ایک دم ذہن اُلجھ سا گیا۔

ابھی سو کر اُٹھے گا...... پھر بدتمیزی کرے گا۔ پھر گھر کا ماحول خراب کرے گا۔ اس نے شر سے بچنے کا یہی راستہ پایا کہ پڑی سوتی رہے۔ اس کے سامنے ہی نہ آئے تاکہ وہ تیار ہو کر ناشتہ کر کے آرام سے گھر سے روانہ ہو جائے۔

کافی دیر تک تو نیند ہی نہ آئی۔ عتیقہ بھی اُٹھ گئی تھی۔ گھر میں بیداری کے بعد کی

معمول کی آہٹیں اور کھڑ پڑ شروع ہو چکی تھی۔ اس نے ڈرائنگ روم میں لیٹنے کا فیصلہ ہی اس وجہ سے کیا تھا کہ یہاں کوئی بھی دروازہ کھول کر نہیں آئے گا۔

اب بانو بیگم کی فکرمندسی متواتر پکار پر ہڑبڑا کر اُٹھ کر بیٹھی تھی۔ جو کھڑکی کے پردے سرکاتے ہوئے بہت تعجب سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''خیر تو ہے؟ طبیعت ٹھیک ہے بیٹا...... کیا کوئی نیند کی گولی کھا کر سو رہی ہو کل سے؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔ نیا کارپٹ پر کشن سر کے نیچے رکھ کر سوگئی تھی۔ اب بھی وہیں بیٹھی تھی اور نیند کے حواس سے باہر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا ٹائم ہو رہا ہے امی؟......'' اس نے بھاری سی سوئی سوئی آواز میں پوچھا۔

''ساڑھے گیارہ ہو رہے ہیں دن کے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟''

بانو بیگم نے اس کی پیشانی چھو کر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ فکرمندسی ہو رہی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں امی...... آپ پریشان نہ ہوں۔ عتیقہ اور شاداب چلے گئے؟''

اس نے صوفے پر پڑا دوپٹہ اُٹھاتے ہوئے کسلمندی سے پوچھا۔

''عتیقہ چلی گئی...... شاداب رات گھر نہیں آیا۔ تین بجے سوئی تھی اس کا راستہ دیکھتی رہی۔'' اب بانو بیگم نے بڑے دُکھی مگر محتاط انداز میں گویا مطلع کیا۔'' نیا نے بری طرح چونک کر ماں کا چہرہ دیکھا۔

''گھر نہیں آیا......؟ کالج سے واپس آیا تھا شام کو؟'' نیا نے یہ سوچ کر پوچھا کہ شاید وہ گھر آ کر دوبارہ باہر نکلا ہو۔

''نہیں...... تمہارے سامنے ہی گیا تھا ابھی تک نہیں آیا۔'' بانو بیگم نے غمزدہ، مضمحل انداز میں جواب دیا اور خواہ مخواہ کشن ادھر ادھر کرنے لگیں۔ نیا کا دل پھر انجانے اندیشوں سے لرزنے لگا۔ وہ ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی اور ہراساں سی ہو کر ماں کی طرف

دیکھنے لگی۔

''کوئی فون وون بھی نہیں آیا اس کا؟'' اس کی آواز مریضانہ کمزوری کا مظہر تھی۔

بانو بیگم نے نڈھال سے انداز میں سرنفی میں ہلا دیا۔

''اوہ......'' نیا بے دم سی ہو کر صوفے پر دھپ سے بیٹھ گئی اور خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔

''پہلے بھی اکثر راتوں کو غائب ہوتا تھا مگر اب تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے گھر میں ساری بدمزگی اور ٹینشن کی وجہ میں ہوں۔'' وہ پژمردہ سے لہجے میں بول رہی تھیں۔

''جانے کیسی آزمائش ہے۔ میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا۔ تم اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ لو بیٹی۔ اللہ سے اچھی اُمید ہی اس جنگ میں ہمارا ہتھیار ہے۔ منہ سے بولیں یا نہ بولیں سب کے ضمیر تو جانتے ہیں کہ باپ کے دنیا سے جانے کے بعد تم نے اس گھر کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ تم بھی ڈاکٹر انجینئر بن سکتی تھیں مگر تم نے پڑھائی ادھوری چھوڑ دی اور اس گھر کا مرد بن گئیں۔ میرے روئیں روئیں سے ہر لحظہ تمہارے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔''

بانو بیگم نیا کے قریب بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''بس امی آپ کی محبت اور دُعائیں ہی تو مجھے اتنا باہمت بنائے ہوئے ہیں۔ ورنہ میں کیا ہوں ایک کمزور سی لڑکی۔ اللہ آپ کا سایہ میرے سر پر سلامت رکھے۔'' نیا نے اپنا سر ماں کے شانے سے ٹکا دیا۔

بانو بیگم نے نیا کی نظر بچا کر اپنے خاموش آنسو صاف کیے اور اس کے سر پر بوسہ دیا۔

☆☆☆☆☆

سہیل نے اپنی ضروری چیزیں سوٹ کیس میں رکھ کر سوٹ کیس بند کر دیا اور سیدھے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں اُنگلیاں چلانے لگے۔ یہ ایک اضطراری حرکت تھی

جو اندر کے خلفشار کی ترجمان تھی۔ اسی لمحے مہر النساء اپنا مرصع دوپٹہ سنبھالتی ہانپتی کانپتی اندر داخل ہوئیں۔

''ابا......اچانک پروگرام بنالیا۔ ماں کو بھی نہیں بتایا؟'' وہ بالکل قریب آ کر غور سے سہیل کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''بس بی بی جان! اب نیند نہیں آتی۔ وہ اکیلی ہے اُدھر۔ ذمہ داری ہے میری ہر وقت جل جل کر بستر سے لگ گئی تو کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟''

سہیل کے انداز میں بڑی بے مروّتی تھی۔ درحقیقت کل سے اب تک وہ اتنے اُلجھے ہوئے تھے کہ ایک پل قرار نہیں تھا۔ جیسے ہی سمن نے بتایا کہ نیا اس کے پاس بیٹھی ہے انہوں نے بے اختیار فون سوئچ آف کر دیا تھا۔ چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق ان کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ بلکہ دل ہی دل میں نیا کی ہمت پر انہوں نے شاباشی بھی دی تھی۔

''پہلے تو میری بہو کو حویلی لے کر آ...... پھر جتنی مرضی اس بانجھ کی خدمت (خدمت) کر۔'' مہر النساء نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔

''اسے ابھی یہاں لانا اتنا آسان نہیں ہے بی بی جان...... بات کو سمجھیں۔ نہیں سمجھ آ رہی تو بابا سائیں سے سمجھ لیں۔''

''تو پھر میں جاتی ہوں اس کی ماں کے پاس۔ میں کرتی ہوں اس سے بات۔ سمجھاتی ہوں اسے۔ وہ سمجھ لے گی میری بات۔'' مہر النساء کا انداز ہنوز تھا۔

''ایسا ہی کرنا ہوگا......مگر ابھی نہیں۔ کسی بے گناہ کی زندگی داؤ پر لگ جائے گی۔ نیا آپ کی بہو بن چکی ہے۔ اب کسی اور کے گھر میں نہیں بس سکتی۔ یہ حویلی ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔'' سہیل نے زِچ ہو کر اب بہت نرمی اور بہت دھیمی آواز میں

بات کی۔

''اب نہیں ہوتی میری تسلی کسی بات کی۔ اب تو اس کے پاس جا رہا ہے جس نے ساری برادری سے لڑ کر شادی کی تھی۔ اگر اس نے تیرے اُوپر زور ڈالا کہ چھوڑ دے دوسری کو ورنہ میں زہر کھاتی ہوں تو پھر......؟'' مہر النساء کا لہجہ اندیشوں سے پٹا ہوا تھا۔

''وہ ایسی نہیں ہے۔ اس نے تو مقدر سے ہار مان کر مجھے خود دوسری شادی کی اجازت دی ہے اور یہ میں جانتا ہوں کہ کس دل سے دی ہوگی۔ آپ پریشان نہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اتنی بے وقوف نہیں ہے وہ اچھی طرح سے جانتی ہے آپ کو کہ آپ جان دینے کی دھمکی دے کر میری تیسری شادی بھی کرا سکتی ہیں۔'' اس مرتبہ سہیل کے لہجے میں تلخی و جھنجھلاہٹ تھی۔

''دیکھ سہیل ماں کو ظالم نہ سمجھ۔ مجھے تیرا کھلیان ہرا بھرا چاہیے۔ جو سوچتی ہوں تیرے بھلے کو سوچتی ہوں۔ تو مرد ہے...... ماں کا دل نہیں پڑھ سکتا۔'' یہ مہر النساء کا ہر جنگ میں آخری حربہ ہوا کرتا تھا۔ لہجہ نرم اور غمزدہ آنکھوں میں آنسو۔

''مجھے اندازہ ہے بی بی جان کہ آپ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ تب ہی تو وہ کام بھی کر لیا ہے جو کبھی خواب میں نہیں سوچا تھا۔'' سہیل ہمیشہ کی طرح ماں کے آنسو دیکھ کر پگھل گئے اور ماں کو شانوں سے تھام کر نرمی سے سمجھانے لگے۔

''میں دو چار دن بعد پھر آ جاؤں گا۔ آپ وہم نہ کریں بس تھوڑا سا صبر کریں۔ بہت کچھ آپ کی مرضی کا ہو جائے گا۔ ابھی شہر جا کر یہ بھی دیکھنا ہے کہ نیا کا بھائی کوئی مسئلہ نہ کر رہا ہو۔'' سہیل نے ایک اور طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جس پر وہ یوں بدکیں جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''خبردار! اس چھوکرے کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔ بہت خطرناک ہے وہ۔

غریب، یتیم چھوکرا اور ہتھیار رکھتا ہے۔ خیر سبق تو تیرے بابا نے اسے خوب سکھا دیا ہے۔ بھول گیا ہوگا ساری بدمعاشی۔'' مہرالنساء کا موڈ شاداب کے ذکر پر ایک دم آف ہو گیا۔ تنبیہ، تاکید، زعم، اعتماد سب تاثرات خلط ملط ہو رہے تھے۔

''مجھے اس غریب سے کیا لینا۔ اُسے پتہ نہیں سبق ملا یا نہیں۔ البتہ اس نے دو چار لوگوں کو بہت اچھا پڑھا دیا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے اس لڑکے سے بات وات کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ آج ہفتہ ہے میں اگلے ہفتے آپ سے ملنے آؤں گا۔ پھر نیا کو یہاں لانے کی بات کریں گے۔ ٹھیک ہے؟'' سہیل نے بھرپور تسلی دینے کی صرف اس وجہ سے کوشش کی کہ مہرالنساء اب انہیں جانے دیں۔ وہ سمن سے ملنے کو اتنے بے تاب تھے کہ ایک ایک لمحہ صدی بن کر ٹھہرا ہوا لگ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے...... تم جاؤ۔ مگر ہفتے تک ضرور آ جانا۔ بابا سائیں سے نہیں ملو گے؟''

مہرالنساء ایک ہفتے کی بات پر واقعی ٹھنڈی پڑ گئیں اور پیار سے سہیل کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''بابا اس وقت کچہری کر رہے ہوں گے۔ میں نے صبح ان کو بتا دیا تھا۔ میں چلتا ہوں بی بی جان...... ''مانک'' کو بھیجتا ہوں وہ یہ سامان جیپ میں رکھ دے گا۔''

وہ اتنا کہہ کر ایک لمحہ نہیں رُکے تیزی سے اپنے کمرے سے باہر چلے گئے۔ مہرالنساء آنسو بھری آنکھوں سے انہیں جاتا دیکھتی رہیں۔

☆☆☆☆☆

اس نے بڑی ہمت مجتمع کر کے ولید کمال کو فون ملایا تھا۔ چند لمحے رنگ پاس ہونے کے بعد ولید کمال کی آواز ابھری ''ہیلو......؟''

''السلام علیکم!!'' نمو نے گلا صاف کرتے ہوئے آہستگی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام...... رات کی نیند آئی تھی۔ ضرور کوئی کھوج ہوگی ورنہ ایسے تو آپ فون کرنے والے نہیں۔'' ولید کمال کے لہجے میں بڑا خوبصورت رومانس تھا۔ دل کی دھڑکنیں نرم ریشمی پروں کی طرح تھرتھرانے لگیں۔

''ظاہر ہے...... کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ ماموں جان سے پوچھتے ہوئے تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے تو ابھی تک شاید ممانی جان سے بھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔'' نمو نے دل سنبھال کر بڑے وقار سے بات کی۔

''وہ کیا بات کریں گے۔ ہر کام اُلٹ پلٹ کر رہ گیا ہے۔ بہرحال گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ اب وہ محترمہ گھر میں آنے کا تو کبھی تصور بھی نہیں کریں گی۔ لیگل طریقے سے ہینڈل کر لیا ہے۔ باقی انکل نے انہیں کھلی چھٹی دے دی ہے کہ رمیض جہاں نظر آ جائے وہیں اسے پکڑ کر اپنی بیٹی سے نکاح پڑھا دیں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بلکہ دلی خوشی ہوگی کہ جس لڑکی کو اس نے بے وقوف بنایا تھا اب وہ لڑکی ساری زندگی اسے بے وقوف بنائے گی۔ ہائے بے چارا مشرقی شوہر اب جیسے کہ چند دن بعد میں کسی کے ہاتھوں بے وقوف بننے جا رہا ہوں۔''

بات کے اختتام پر ولید کا زبردست اور بھرپور معنی خیز شریر سا قہقہہ نمو کو بری طرح بدحواس کر گیا۔

اس نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا اور ادھر ادھر یوں دیکھا جیسے خطرہ ہو کسی نے ولید کے قہقہے کی آواز تو نہیں سنی؟

وہ جیسے ہی وہاں سے ہلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ نمو نے بے اختیار ہاتھ بڑھایا تھا مگر فوراً ہی خود کو روک لیا اور جھک کر (C.L.I) پر نمبر دیکھنے لگی۔ پی ٹی سی ایل نمبر تھا جو یقیناً ولید کے آفس ہی کا ہو سکتا تھا۔

گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے بزر Low کر دی۔ اب آواز انتہائی کم ہوگئی جو تھوڑے سے فاصلے کے بعد سنائی نہیں دے سکتی تھی۔ البتہ کان وہیں لگے رہے۔ عجیب سی گدگدیاں ہو رہی تھیں۔ مسلسل گھنٹی بھی دلوں کو ایک زنجیر سے باندھے ہوئے تھے۔

آواز گم تھی مگر ہوا کی لہروں پر حسین جذبے تو محوِ سفر تھے۔

☆☆☆☆☆

رمیض پردے گرائے اوندھا لیٹا مختلف النوع خیالات میں اُلجھا ہوا تھا۔ صبح دس بجے اُٹھا تھا۔ بابا نے ایک کپ چائے بنا کر دی تھی۔ چائے پی کر پھر سو گیا تھا۔ اعصابی تناؤ ڈھیلا پڑا تو دل بھر کر سونے کا موقع ملا۔ بلکہ اتنے دن کی بے آرامی کے بعد سو سو کر پیٹ ہی نہیں بھر رہا تھا۔

اس نے تکیے کے نیچے سے اپنی چمکتی دمکتی راڈو نکال کر ٹائم دیکھا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ شام کی آہٹیں شروع ہو چکی تھیں۔ اس نے اپنا آف موبائل آن کیا اور رکھ دیا۔ وہ کسلمندی سے جماہی لیتا ہوا سیدھا ہو گیا۔ اسی وقت اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ اس نے نمبر دیکھا...... فہد کی کال تھی۔

''ہیلو......!!'' اس نے کال اٹینڈ کر کے بڑے فکرے شوخ انداز میں ہیلو کہا۔

''کہاں ہو یار! موبائل بھی بند کیا ہوا تھا۔ فل ٹینشن یار...... حد ہوگئی۔'' فہد کی جھنجھلائی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''میری جان! نو ٹینشن...... تمہاری بائیک کہیں نہیں گئی۔ جہاں ہے بڑی حفاظت سے رکھی ہوئی ہے۔ بال برابر بھی خراش نہیں پڑنے دی۔ I Sweer'' رمیض نے پرزور انداز میں فہد کو یقین دلایا۔

''لاحول ولاقوۃ...... یار کیا تماشہ ہو تم۔ میں تمہیں بائیک کی وجہ سے فون کروں گا۔

نکمے انسان کل سے غائب ہو۔ میں بہت بزی رہا سوچا رات کو شاید تم لیٹ آؤ گے۔ پاسیبل ہے آنٹی نے تمہیں گھر بلا لیا ہو تو تم مجھے فون کر کے بتا دو گے۔ رات ایک بجے سے تمہیں رنگ کرنا شروع کیا تھا اب جا کر کونیکٹ ہوا ہے۔ گھر پر ہو یا یونیورسٹی میں......؟'' فہد نے لعن طعن کے بعد ذرا سکون سے پوچھا۔

''آہ...... ہا...... کیا بتاؤں کہ کہاں ہوں۔ یوں سمجھو حوا کے بغیر جنت میں ہوں۔'' رمیض نے گہری سانس کھینچ کر بڑے انداز سے جواب دیا۔

''تم اور حوا کے بغیر وہ بھی جنت میں؟ دوزخ میں کہتے تو یقین بھی آ جاتا اس لیے کہ یہ حوائیں صرف جنت تک ہی ساتھ نباہتی ہیں۔'' فہد نے اب زوردار قہقہہ لگایا۔

''بات تو تم نے کمال کی ہے۔ مگر یقین کرو میں فی الحال بالکل تنہا ہوں۔ تمہیں تو بائیک کے بغیر بہت پرابلم ہو رہی ہوگی مگر یار جہاں اتنا ساتھ دیا ہے تھوڑے دن اور......'' رمیض نے بڑے درخواست گزار انداز میں کہا۔

''تھوڑے دن بعد کیا اسپورٹس کار خرید رہے ہو؟'' فہد نے مذاق کیا۔

''ابھی تمہارا وقت ہے خوب جان جلاؤ...... فی الحال تو ریکٹ خریدنے کی اوقات نہیں ہے میری۔''

''غم نہ کر پیارے سب کچھ تیرا ہی ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے ایدھی والے Claim نہیں کریں گے۔'' فہد پھر بڑے دل سے ہنسا۔

''آہ...... ہاں...... سائنسدان کہہ رہے ہیں کہ کچھ دنوں کی بات ہے۔ عام انسان بھی (Space) خلا میں چہل قدمی کیا کریں گے۔ کہنے میں کیا جاتا ہے۔'' رمیض نے بڑے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

''پھر شام کو آ رہے ہو ناں...... میں گھر پر ہی ہوں۔'' فہد کو اچانک کال لمبی ہونے

کے خیال نے ستایا۔ آخر ابھی ''پاکٹ منی'' والا لڑکا تھا۔

''دیکھتا ہوں ......'' رمیض نے سستی و کسلمندی سے جواب دیا۔

''او...... کے یار!''

''او...... کے......'' رمیض نے موبائل بیڈ پر پھینک کر زور سے انگڑائی لی اور بیڈ سے اُتر کر کھڑکی کے پردے سرکائے۔ سامنے ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ کچھ لوگ پکنک منا رہے تھے۔ چار پانچ چھوٹے بچے کلرفل بڑی سی بال سے کھیل رہے تھے۔ ایک جوڑا پانی میں آگے تک جا پہنچا تھا۔ غالباً دنیا زمانے سے چھپ کر رومانس انجوائے کر رہا تھا۔ رمیض نے چند لمحے کچھ سوچا پھر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی اس کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کا اگلا پروگرام کیا ہے۔ وہ بڑی مشکل سے ہاتھ لگنے والے اطمینان کو جی بھر کر انجوائے کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

شاداب کی بائیک گیٹ میں داخل ہوئی۔ آٹومیٹک لاک کی چابی اس کے پاس ہوتی تھی۔ خود ہی لاک کھول کر اندر آتا تھا۔

نیا کٹی ہوئی پالک کا تھال لے کر کچن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے شاداب کو دیکھا اور کچن میں جا کر گوشت بھونتی ماں کے پہلو میں جا کر کھڑی ہوئی۔ بانو بیگم کے اندر بھی بائیک کی آواز سے ایک تازگی اور جوش پیدا ہو چکا تھا۔ دیر بعد سہی بیٹا گھر آیا تھا۔ گھر سے باہر نکلے ہوئے بچوں کو اندازہ ہی نہیں کہ ان کے گھر سے نکلتے ہی ماں ان کے انتظار میں بیٹھ جاتی ہے۔

''امی میں اس سے کچھ نہیں پوچھوں گی آپ بات کریں۔ پوچھیں رات بھر اور آج سارا دن کہاں غائب رہا؟'' نیا نے غصہ ضبط کیا مگر ناگواری نہیں چھپا سکی۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہے تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس سے اُلجھنے کی۔ میں خود بات کر لوں گی۔'' وہ ہانڈی نیا کے حوالے کر کے کچن سے باہر چلی گئیں۔

''السلام علیکم!! شاداب کی بے مروّت سی آواز سماعت سے ٹکرائی۔'' اس نے ماں کو سلام کیا تھا۔

''ایک لاکھ مرتبہ وعلیکم السلام!! شکر ہے گھر میں تو نظر آئے۔ ماں کا خیال کر لیا کرو بیٹا۔''

''ہر زندگی کا انجام موت ہے امی۔ کسی بھی وقت اچانک غائب ہو جانے والے رشتوں سے لمبی لمبی اُمیدیں باندھنا فضول ہے۔ آپ ایزی رہا کریں۔ دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں میں۔'' شاداب نے بلا ردوکد زبان سے پتھر برسائے۔

نیا کا خون کھول اُٹھا۔ مگر اس نے خود کو کنٹرول کیا۔

''اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ زندگی میں تو کسی کو مرا ہوا سمجھ کر صبر نہیں آتا۔ باقی جو دکھ اور آزمائش مقدر میں لکھی ہو اس سے تو گزرنا ہی ہوتا ہے۔ کھانا کھایا بیٹا!''

بانو بیگم نے ممتا سے بے بس ہو کر پہلے اس کے پیٹ کی طرف توجہ دی اور بہت نرمی سے پوچھا۔ مبادا وہ خالی پیٹ ہو اور غصے میں آکر کھانا کھانے ہی سے انکار کر دے۔

''میں ایک بجے لنچ کر لیتا ہوں۔ مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔''

شاداب اُوپر جانے کے لیے آگے بڑھ چکا تھا۔ ایک پل کو رُک کر اس نے ماں کو کورا سا جواب دیا۔

''چائے پیو گے......؟'' انہوں نے اس کو دھیما کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

''ابھی نہیں...... تھوڑی دیر بعد۔'' اب ذرا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ غالباً لاشعوری طور پر بہنوں کی طرف توجہ چلی گئی تھی۔ ایک دم ہی کسی خیال کے تحت اس نے

بڑے تند لہجے میں پوچھا۔

''آپا کہاں ہیں......؟'' وہ کیونکہ بہت تیزی سے آگے بڑھا تھا اس لیے کچن میں کھڑی نیا پر اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔

''کچن میں......'' بانو بیگم نے دبی زبان میں جواب دیا۔ جیسے ڈر رہی ہوں کہ نیا باہر آ کر ہنگامہ نہ کر دے۔

''اوہ......'' شاداب کا اوہ نیا کی خاموشی پر حیرت کا اظہار تھا۔ عجیب سے انداز میں مسکرایا اور Key Ring اچھالتا زینہ چڑھ گیا۔ بانو بیگم نے جیسے کھل کر سانس لیا اور دوبارہ کچن میں چلی آئیں۔ نیا انجان بنی اپنے کام میں مصروف تھی۔ وہ خود اندر سے بکھری ہوئی تھی۔ اعصاب شل تھے۔ اس وقت خاموشی اس کا علاج تھی۔ اس نے ماں سے متنازعہ بات چیت سے گریز کیا۔ بلکہ آج کل تو اسے اپنی ماں سے بے پناہ ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ ترس آتا تھا ان پر۔

''عتیقہ ابھی تک نہیں آئی۔ پانچ بج گئے۔'' بانو بیگم نے نیا کے چپ رہنے کو غنیمت جانتے ہوئے دوسرے انداز سے بات کی۔

''پریکٹیکل ہو رہے ہیں ناں...... پھر ایک گھنٹہ کا سفر ہے۔ شام کو تو ویسے ہی ٹریفک جام ہوتا ہے۔''

''جو روڈ سات لاکھ کی آبادی کے لیے تیار کیے گئے تھے اب وہ روڈ کروڑوں لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو اس وقت دیہات میں رہنے والے لوگ جنت میں رہ رہے ہیں۔'' نیا نے ماں کی خاطر مسکرا کر بات کی۔

''تو ایسا کرتے ہیں کسی گاؤں گوٹھ میں چھوٹا سا گھر بنا لیتے ہیں۔ تمہارے اور عتیقہ کے لیے کسی دیہاتی ہی کا رشتہ دیکھ لیتی ہوں۔'' بانو بیگم نے بڑے پیار سے بیٹی کا چہرہ

دیکھ کر مذاق سے کہا۔

کوئی برچھی ترچھی کلیجے میں ترازو ہو گئی تھی۔ وہ ماں سے نظر چرا کر ہانڈی میں تیزی سے چمچ چلانے لگی۔

''سالن جلدی سے تیار کر لو...... شاید شاداب جلدی کھانا کھائے۔ کہہ رہا تھا ایک بجے کھایا تھا۔'' بانو بیگم کو پھر بیٹے کا خیال آیا۔ اب بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ بیٹا گھر میں تھا آنکھوں کے سامنے تھا۔ مگر نیا کو پھر انہوں نے ذات کے ریزے سمیٹنے کا کام دے دیا تھا۔

''وہ سہیل پہلو میں کھڑے تھے۔ وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔ میں کون ہوں؟ مجھے کسی مردانہ رشتے سے ڈھارس کیوں نہیں ہے۔ کیا قدرت نے مجھے اتنا مضبوط جانا ہے؟ بانو بیگم اسے دلیل و تخیل کی جنگ میں دھکیل کر کچن سے باہر جا چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆

آج کل چڑھتے چاند کی تاریخیں ہیں اس لیے سمندر میں بہت تیزی اور شور ہے۔ مومنہ نے اگنیشن سے چابی نکالتے ہوئے کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانکتے ہوئے بپھری ہوئی لہریں دیکھ کر تبصرہ کیا۔

''ہاں...... پتہ نہیں کیوں دور تک پھیلے پانی کو دیکھ کر مجھے بڑا خوف سا محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کی شان دیکھو...... بے حساب پانی مگر جیسے پیالے کے اندر۔ کناروں تک چھلکتا ہوا'' تابندہ بیگم نے مومنہ کے برابر والا دروازہ کھول کر اُترتے ہوئے اپنی دلی کیفیت بیان کی۔

ماہ رخ بھی اُتر چکی تھی اور کھانے پینے کے سامان والی باسکٹ اور ریت پر بچھانے کے لیے جو رلی ساتھ لائی تھی اُتار دی تھی۔ ساتھ ہی سمندر کی لہروں کو بھی بڑی پرشوق

نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کافی لوگ آئے ہوئے ہیں۔ ویسے ان دنوں تو رش ہوتا ہی ہے۔ مگر کلفٹن، سینڈز پٹ کے مقابلے میں ہاکس بے پر بھی زیادہ رش نہیں ہوتا۔'' ماہ رُخ نے کہا۔

''کچھ ہٹس رینوویٹ ہوئے ہیں۔ کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔'' مومنہ اب اپنی جینز کے پائنچے فولڈ کر رہی تھی۔

''دیکھو سمندر میں بہت تیزی ہے پانی میں مت اُترنا۔'' تابندہ بیگم نے مومنہ کو پائنچے چڑھاتے دیکھ کر ٹوکا۔

''لو جب تک سمندر کے پانی سے گیلے نہ ہوں تو پکنک کا کیا مزہ۔'' وہ اپنے اڑتے بالوں کو قابو میں کرتے ہوئے کھلکھلائی۔

''تم بڑی تیراک ہو۔ بس زیادہ بہادر بننے کی ضرورت نہیں۔'' تابندہ بیگم نے اب بڑی سختی سے منع کیا۔

''امی! پھوپھو واقعی بہت بہادر ہیں۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' ماہ رُخ نظروں ہی نظروں میں رلی بچھانے کی جگہ ڈھونڈ رہی تھی۔

سورج آخری مرحلے سے گزر رہا تھا۔ اب زردی سرخی میں ڈھل رہی تھی۔

''اور پھر جان اتنی پیاری ہے بندے کو اگر ڈوبنے لگے تو جان بچانے کی خاطر ماہر تیراک بھی بن سکتا ہے۔'' مومنہ آگے بڑھتے ہوئے بچوں کی طرح کھلکھلائی۔

''ارے ہٹاؤ...... توبہ کیا ڈوبنے تیرنے کی باتیں کرنے لگیں۔ اچھی بات منہ سے نکالو۔'' تابندہ بیگم نے گھبرا کر کہا۔

''پھوپھو...... ! پہلے میرے ساتھ ہی رلی بچھائیں تاکہ اس پر سکون سے بیٹھ جائیں۔'' ماہ رُخ ایک جگہ تلاش کر کے مومنہ کو متوجہ کر رہی تھی۔ ہوا خاصی تیز تھی۔ وہ

اکیلی نہیں بچھا سکتی تھی۔ رلی کھول چکی تھی اور مومنہ کے قریب آنے کی منتظر تھی۔

مومنہ تیزی سے آگے بڑھی اور ماہ رُخ کے ساتھ رلی بچھانے لگی۔ رلی بچھا کر اس نے چھوٹا سا پانی کا کولر فوراً رلی پر رکھ دیا تاکہ رلی اُڑ نہ سکے۔ ماہ رُخ نے چھوٹا ٹیپ ریکارڈر اور کھانے کی باسکٹ رکھی۔ تابندہ بیگم پاؤں سے سلیپر اُتار کر بیٹھ گئیں۔

''مومنہ وہ تم نے ابھی راستے میں شام کا اخبار لیا تھا ناں...... ذرا دینا ابھی خاصی روشنی ہے تھوڑا بہت پڑھ سکتی ہوں۔'' وہ بیٹھ کر اپنا پرس کھولتے ہوئے بولیں۔

''اللہ بھابی جان آپ یہاں اخبار پڑھنے آئی ہیں۔ دیکھیں تو سہی شام کے وقت سمندر کا نظارہ۔'' مومنہ نے بڑے تعجب سے تابندہ بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

''وہ بھی دیکھ رہی ہوں...... تم مجھے اخبار دے دو پھر کھیلو کودو۔ تمہارے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔'' وہ بڑی محبت اور سادگی سے مسکرا کر مومنہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہائے اللہ! ہم ابھی تک چھوٹے ہیں۔ حالانکہ منحوس N.I.C جو ہر وقت بیگم میں ہوتا ہے چھیڑتا رہتا ہے بڈھی گھوڑی لال لگام۔'' مومنہ نے شوخی سے کہا۔

''بڈھے ہوں تمہارے دشمن...... ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' تابندہ بیگم پرس سے اپنی نظر کی عینک نکال رہی تھیں۔ بڑی خفگی سے کہہ رہی تھیں۔

''بڈھے دشمنوں کا کیا فائدہ بھابی جان...... چوٹ برابر کی ہو تو مزہ ہے۔'' مومنہ کار کی طرف اخبار نکالنے کی غرض سے بڑھ رہی تھی۔ ایک ذرا رُک کر برجستہ کہا۔

''اللہ خوش رکھے تمہیں۔ اسی طرح ہنستی مسکراتی رہو۔'' تابندہ بیگم نے بڑے خلوص سے زیرلب مومنہ کو دعا دی۔ جو ان کی بیٹی کے لیے تو ایک بھرپور مرد کا کردار ادا کر رہی تھی۔ پھر سمندر کو تکتی ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''بیٹھ جاؤ تم بھی۔''

''نہیں ...... ابھی تو پھوپھو کے ساتھ واک کروں گی۔ جب تھک جاؤں گی تو بیٹھ جاؤں گی۔'' اس نے کار کا دروازہ کھولتی مومنہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

تابندہ بیگم خاموش ہو کر باسکٹ سے چائے کا فلاسک نکالنے لگیں۔

''میری تو شام کی چائے کا وقت ہو گیا۔ بہت بری عادت ہے نہ پیوں تو سر درد شروع ہو جاتا ہے۔''

''چائے کے ساتھ بسکٹ وسکٹ لے لیں امی۔'' ماہ رُخ نے جھک کر بسکٹ کا پیکٹ باسکٹ میں تلاش کیا۔

''ابھی کچھ نہیں کھاؤں گی۔ دوپہر کا کھانا ہی ڈھائی تین بجے کھایا تھا۔ ابھی تک مانو سینے پر رکھا ہے۔'' تابندہ بیگم نے ہاتھ سے ماہ رُخ کو بسکٹ نکالنے سے روکا۔

مومنہ بھاگتی ہوئی قریب آ چکی تھی۔ اس نے اخبار تابندہ بیگم کو تھمایا اور اپنا ہینڈ بیگ بھی۔ پھر ماہ رُخ کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گئی۔

ساحل پر لوگوں کی ٹولیاں بھی تھیں اور اُونٹ گھوڑے بھی۔ مختلف عمروں کے بچے بھی۔

''گھوڑے پر بیٹھیں ...... مزہ آئے گا۔'' مومنہ نے ماہ رُخ سے صلاح لی۔

''ارے نہیں مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ ان بغیر انجن کی سواریوں سے۔'' ماہ رُخ نے جیسے کانوں کو چھو کر توبہ کی۔

''ارے ...... ہر معاملے میں بزدل ہو۔ گھوڑے کے ساتھ اس کو سنبھالنے والا بندہ تو ہے ناں ...... تم تو بس بادشاہ کی طرح بیٹھو۔ اسٹیرنگ ...... ایکسلیٹر، کلچ سب اس بندے کے کنٹرول میں۔'' مومنہ قریب کھڑے گھوڑے کو چھو کر بولی۔

''نہیں ناں پھوپھو ...... مجھے بالکل شوق نہیں گھوڑوں گدھوں پر بیٹھنے کا۔'' وہ یوں

پیچھے ہٹی جیسے مومنہ اسے گودی میں لے کر گھوڑے پر بٹھا دے گی۔''

''گھوڑوں کی تو بات ہی چھوڑو تم سے ''گدھے'' بھی نہیں سنبھالے جاتے۔'' مومنہ نے اس پر زبردست ہٹ کسی۔

''میں نے تو خیر بہت Riding کی ہے۔ میں تو اس بندے کے بغیر بھی گھوڑے کو اپنی مرضی سے کہیں بھی لے جا سکتی ہوں۔ تم بیٹھی ہو تو بندہ ساتھ لے لوں۔'' مومنہ نے ایک مرتبہ پھر ماہ رُخ سے پوچھا۔

''نہیں ...... بس۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ آپ Riding کریں میں دیکھ کر انجوائے کروں گی۔'' ماہ رُخ مزید دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''نکمی ......'' مومنہ نے ماہر گھڑ سوار کی طرح گھوڑے کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ بلوچ سائیس بڑی دلچسپی سے یہ بات چیت سن رہا تھا اور منتظر تھا کہ ''کسٹومر'' ٹکٹ کٹائے۔ اب بچوں کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ چکی تھی۔ فیشن ایبل خوبصورت میم اس کے گھوڑے کو عزت بخشنے کے لیے تیار تھی جس کے وجود سے ولایتی خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ اتنی خوبصورت میم کو تو وہ چار چکر ''گریبی'' میں لگوا سکتا تھا۔

''تم یہیں ٹھہرو میں تمہارے گھوڑے کو واپس یہیں لے آؤں گی۔''

مومنہ رکاب میں پاؤں پھنسا کر مشتاق گھڑ سوار کی طرح گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئی۔ سائیس لگام اس کو تھما کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ ایک لڑکی کی بہادری پر بہت خوش تھا۔ اس کے باوجود وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے پر تیار نہیں تھی۔ سورج اب بالکل ڈوبنے والا تھا۔ بس گول اور لال ٹکیہ کا آخری کنارا ظاہر تھا اور اُفق پر سرخی پھیل چکی تھی۔

اب روشنی ناکافی تھی۔ تابندہ بیگم نے عینک اُتار کر پرس میں رکھی اور اخبار تہہ کرنے لگیں۔ ساتھ ہی وہ مومنہ اور ماہ رُخ کو بھی نظروں ہی نظروں میں تلاش کر رہی

تھی۔ ماہ رُخ تو ان کو آخر کار نظر آ گئی مگر مومنہ کا دور تک پتہ نہ تھا۔ یہ سوچ کر کہ ادھر ادھر ہی کہیں کھڑی ہوگی کولر سے پانی لے کر چائے کا کپ دھونے لگیں۔ ساتھ ہی لہروں کا منظر بھی دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ کچھ بچے رنگین بڑی سی گیند کے پیچھے بھاگتے ہوئے بہت شور مچا رہے تھے۔ تین چار بچے ایک ٹولی کی شکل میں چھرے والی بندوقیں لیے اپنا اپنا نشانہ آزما رہے تھے۔ ایک دو جوڑوں کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر انہوں نے دل ہی دل میں لاحول بھی پڑھی۔ سورج اب مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔ مغرب کی اذانوں کا وقت تھا انہوں نے کپ باسکٹ میں رکھا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر ماہ رُخ کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی خوشیوں کی دعا مانگی۔ مومنہ دور سے گھوڑا دوڑاتی ہنستی کھلکھلاتی آ رہی تھی۔

''حد ہے اس لڑکی سے بھی۔'' انہوں نے گھڑ سواری کرتی مومنہ کو دیکھا اور اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ماشاء اللہ...... بڑی ہمت دی ہے اللہ نے۔ اب دل ہی دل میں انہوں نے اس کی ہمت و بہادری کو بھی سہارا تھا۔

وہ پانی کے بالکل کنارے پر آ کر رُکی۔ ماہ رُخ کو گھوڑے پر بیٹھنے کے لیے کہہ رہی تھی اور ماہ رُخ نہ کرتی پیچھے ہٹتی جاتی تھی۔ وہ بڑی دلچسپی سے دونوں کو دیکھنے لگیں۔

ایک کروڑ کا لالچ بھی دو تو یہ کہاں بیٹھنے والی۔ انہوں نے بیٹی کا مسلسل انکار دیکھتے ہوئے سوچا اور مسکرانے لگیں۔

ایک دم گھوڑا زور سے بدکا تھا۔ مومنہ نے خود کو سنبھال کر اُس کی لگام کھینچی۔

گھوڑا پھر دوبارہ اسی قوت سے بدکا۔ مومنہ نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ تابندہ بیگم دہل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

سائیس نے گھوڑے کی طرف سرپٹ دوڑ لگائی۔ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا جو تابندہ بیگم

کی سمجھ میں نہ آیا۔

ماہ رُخ بھی زور زور سے ہاتھ ہلا کر مومنہ کو اپنی طرف بلا رہی تھی۔ گھوڑا بری طرح بے قابو ہو چکا تھا۔ بہت سے لوگ متوجہ ہو چکے تھے۔ سائیس نے گھوڑے کی لگام پکڑنے کے لیے جست لگائی مگر گھوڑا یہ جا وہ جا۔ تابندہ بیگم کو تو جیسے چکر آنے لگے۔ معاً ان کے کان میں کچھ لوگوں کی تیز آوازیں آئیں۔ وہ دو بچوں کو پکڑے کھڑے تھے اور ان کی رائفلیں چھین چکے تھے۔

تب تابندہ بیگم کو سمجھ آئی کہ بچے گھوڑے کو چھرے مار رہے تھے جس کی وجہ سے گھوڑا بدکا تھا۔ بچوں کے ایک گارڈین نے بچوں کے سروں پر دو تین ڈھولیں بھی رسید کیں۔

ماہ رُخ دیوانہ وار اس کی طرف دوڑی جا رہی تھی جہاں گھوڑے پر سوار مومنہ جاتی نظر آئی تھی۔ سائیس اس سے بھی زیادہ تیز دوڑ رہا تھا اور چند لمحوں میں ماہ رُخ سے آگے نکل گیا تھا۔

تابندہ بیگم سینہ پر ہاتھ رکھے مومنہ کی خیر و عافیت کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ خوف سے ان کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ کچھ اور لوگ بھی مومنہ کی مدد کی خاطر دوڑ پڑے تھے۔ تابندہ بیگم نے دور سے دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ مومنہ گھوڑے سے پانی میں گری اور جھاگ جھاگ لہروں نے اُسے ڈھانپ لیا۔

مختلف قسم کی چیخوں سے ساحل گونج اُٹھا۔ تابندہ بیگم کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ وہ بمشکل خود کو سنبھال کر وہیں دوبارہ بیٹھ گئیں۔

رمیض ہٹ کے سامنے پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ نہا دھو کر امریکیوں والا حلیہ بنا کر یعنی شارٹ اور سلیولیس پہنے ایک پرانا انگلش میگزین جو کوئی وزیٹر ہٹ میں چھوڑ گیا ہوگا، دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی ساحل کی رونق سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اپنی تنہائی کو انجوائے کر رہا تھا جہاں نہ باپ کی لعن طعن تھی نہ شامہ کی بلیک میلنگ۔

لوگوں کی خصوصاً عورتوں کی چیخ و پکار پر وہ فوراً سمجھ گیا کہ کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ یقیناً ظالم لہریں کسی کو اپنے بازوؤں میں دبوچ کر لے گئی ہیں۔

وہ گولڈ میڈلسٹ اسپورٹس مین جس نے ابھی تک زندگی میں سوائے کھیلنے کودنے کے کچھ کیا ہی نہیں تھا بڑی بے خوفی سے اس طرف دوڑا جہاں حادثہ وقوع پذیر ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔

وہ مجمعے کے قریب پہنچا تو دیکھا گھوڑے کا مالک گھوڑے کی لگام تھامے دل برداشتہ سا کھڑا لہروں کو گھور رہا تھا۔

دو تین بندے مومنہ کو تلاش کرنے سمندر میں کود چکے تھے اور گہرے پانی سے ان کے سر نظر آ رہے تھے۔

رمیض نے ایک بندے سے معلومات کیں تو اس نے بتایا کوئی لڑکی گھوڑے سے گر کر ڈوب گئی ہے۔ یہ سنتے ہی رمیض نے پانی میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اسے اپنی غوطہ خوری پر بہت اعتماد تھا۔ مشکل یہ تھی کہ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھ رہی تھی۔ ایسے میں گہرے پانی میں کچھ نظر آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ماہ رُخ بے ہوش ہو چکی تھی۔ دو تین عورتیں اسے سنبھال رہی تھیں۔ تابندہ بیگم کا وجود تو جیسے پتھرا چکا تھا۔ آنکھیں پھاڑے ایک سمت گھورے جا رہی تھیں۔ لوگ سب سیر و تفریح بھول بھال سمندر کی طرف اور ان لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے جو مومنہ کو تلاش کر رہے تھے۔

رمیض پہلے کودنے والوں سے آگے نکل چکا تھا۔ وقت کی رفتار تھم سی گئی تھی۔ ڈھیروں لوگ مگر خاموش صرف لہروں کی غراہٹ کی ہیبت......

آخر کار ساحل کے کنارے پر رمیض کا سر نمودار ہوا۔ بے ہوش و حواس مومنہ اس کے بازوؤں میں تھی۔ رمیض کنارے پر کھڑا گھٹنوں تک پانی میں ڈوبا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ ملی جلی آوازوں نے جیسے محشر برپا کر دیا۔ کئی نوجوان لڑکے اور مرد رمیض کی طرف بڑھ چکے تھے۔ رُمیض سے پہلے سمندر میں کودنے والے بھی کنارے پر آ چکے تھے۔

''اُلٹا لٹا دو''

''پانی نکالو پیٹ سے......''

''نبض دیکھو......''

''جلدی کرو...... آکسیجن دو......اس کے منہ میں سانس بھرو''

''نہیں پہلے پانی نکالو......''

''ارے اس بچے کو بھی سنبھالو......دیکھو کیا حالت ہو رہی ہے اس کی''

''گہرے پانی میں گیا تھا۔ دیکھو...... بے ہوش نہ ہو جائے۔''

ملی جلی آوازیں تابندہ بیگم کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں اور اُن کا رواں رواں مومنہ کی زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

''کیا شیر جوان ہے......اللہ اس کی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔'' کسی بزرگ خاتون کی دعائیہ صدا بلند ہوئی۔

''یہ بچی جو بے ہوش پڑی ہے اسے بھی تو دیکھو۔ یہ شاید اس ڈوبنے والی کی بہن ہے۔ کوئی مرد نہیں ہے ان کے ساتھ......؟'' ایک مردانہ آواز اُبھری۔

تابندہ بیگم ہمت کر کے اسی طرف آ رہی تھیں جہاں لوگ ہجوم کی شکل میں اکٹھے تھے۔ رمیض کو کسی نے تولیہ پکڑا دیا تھا وہ اپنی آنکھیں پونچھ رہا تھا۔ ابھی تک سانس

پھول رہی تھی۔ کچھ جوان مرد مومنہ کی جان بچانے کی ایمرجنسی ترکیبیں کر رہے تھے۔ مومنہ کے اردگرد لوگ کھڑے تھے۔ اب نہ وہ رمیض کو نظر آ رہی تھی نہ تابندہ بیگم کو۔ دو عورتیں ابھی تک ماہ رُخ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہی تھیں۔

”اس لڑکی کے ساتھ کون ہے؟“ کسی نے با آواز بلند پوچھا۔

”مم...... میں...... میں ہوں اس کے ساتھ......“ تابندہ بیگم کی چال کے ساتھ آواز بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

ایک ادھیڑ عمر مرد جو جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ جینز کے پائنچے ٹخنوں سے اُونچے فولڈ کیے ہوئے اور چہرے پر کھچڑی بالوں کی چھوٹی داڑھی تھی۔ تابندہ بیگم کے قریب آیا۔

”محترمہ! اگر آپ کہتی ہیں تو ہم انہیں قریبی ہاسپٹل میں پہنچا دیتے ہیں۔“ وہ بولا

”گاڑی ہے ہمارے پاس......“ تابندہ بیگم نے نڈھال سی آواز میں جواب دیا۔

”لیکن امی...... اس وقت مجھ سے کار ڈرائیو نہیں ہوگی میرے تو ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔“ ماہ رُخ کی حالت تو ماں سے بھی زیادہ خراب تھی۔

”آپ لوگ کار فی الحال یہیں چھوڑ دیں۔ میں اپنی وین میں چھوڑ دیتا ہوں۔ دیکھیئے اسپتال لے جانے کا فائدہ یہ ہے کہ وہاں پراپر میڈیکل ایڈ مل جائے گی۔ وہی ادھیڑ عمر مرد کہہ رہا تھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ تابندہ بیگم نے دل سنبھالتے ہوئے اتفاق کیا۔

پھر وہ مومنہ کی طرف آئیں۔ ایک غوطہ خور وہاں پہنچ چکا تھا اور مومنہ کو پیٹ کے بل لٹا کر پیٹ پر دباؤ ڈال کر پانی نکال رہا تھا۔ سب پکنک منانے والے یہ منظر اتنے انہماک سے دیکھ رہے تھے جیسے کوئی دلچسپ فلم دیکھ رہے ہوں۔

ادھیڑ عمر مرد اپنی تجاویز Aprove کرانے کے بعد بھیڑ چیرتا ہوا مومنہ کے پاس جا رہا تھا۔ ماہ رُخ ریت پر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ اعصاب جواب دے رہے تھے ہر آن دل کسی خوف کے احساس سے ڈوبڈوب جاتا تھا۔

کوسٹ گارڈ کے کچھ لوگ بھی کسی طرف سے نکل آئے تھے۔ کم از کم اب تابندہ بیگم کو اس احساس سے خاصی تقویت مل رہی تھی کہ اس نازک وقت میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ مومنہ کے پیٹ سے پانی نکالنے میں کچھ زیادہ وقت صرف نہیں ہوا۔ اب اسے سیدھا کر کے لٹا دیا گیا تھا۔

”گھبرائیں نہیں۔ سانس آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی ہے۔“ ایک آواز اُبھری۔

ماہ رُخ اور تابندہ بیگم کے کانوں میں جیسے ہی یہ نوید پہنچی زندگی کی توانائی خون میں از خود دوڑنے لگی۔ ہوش وحواس ٹھکانے آنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے سے بھی دھند ہٹی اور ذہن سے بھی۔ ماہ رخ جلدی سے کولر، باسکٹ، رلی وغیرہ گاڑی میں رکھنے لگی۔

رمیض اب بھیڑ میں کھڑا صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔

تابندہ بیگم کا دھیان اس کی طرف گیا جس کی وجہ سے آج ایک حادثہ المناک حادثے میں تبدیل ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

بھیگے چپکے بال اور جسم سے چپکے ہوئے گیلے کپڑے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے بہت غور سے کارروائی دیکھ رہا تھا۔

تابندہ بیگم آہستہ قدموں سے اس کی طرف بڑھیں اور مامتا بھرے انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

رمیض کا انہماک ٹوٹ گیا۔ اس نے چونک کر اپنے بائیں جانب دیکھا تھا۔ چھ فٹ سے اُونچے قد کی وجہ سے تابندہ بیگم اس کے بس شانے تک ہی پہنچ رہی تھیں۔ رمیض نے

قدرے اُلجھن بھری نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔

''کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں بیٹے...... تمہاری وجہ سے آج بہت بڑی مصیبت ٹل گئی۔ ورنہ ہم تو جیتے جی مر گئے تھے۔ آنکھوں کے سامنے ہنستی کھیلتی بچی کو ہمیشہ کے لیے کھو دینا کوئی چھوٹی آزمائش نہیں تھی۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ بری بلاؤں سے بچائے۔ تمہاری ماں کی مامتا کو ٹھنڈا رکھے۔'' دُعائیہ کلمات ادا کرتے کرتے تابندہ بیگم کی آواز بھرا گئی۔

''ارے آنٹی! بس لک کی بات ہوتی ہے۔ بندے کی جتنی زندگی لکھی ہے وہ تو اسے ملتی ہی ہے۔ میرا کوئی کمال یا احسان نہیں۔ اگر میں موجود نہ ہوتا تو شاید کوئی اور اللہ کا بندہ یہ کام کر جاتا۔'' رمیض سچ مچ شرمندہ ہو گیا۔

اوّل تو اس نے آج تک ایسا کوئی کام ہی نہیں کیا تھا کہ کوئی اس کا ممنونِ احسان ہو کر جذبہ تشکر کا اظہار کرتا۔ کجا کہ ایک خاتون سامنے کھڑی نان اسٹاپ شکریہ ادا کر رہی تھی۔ وہ سچ مچ بوکھلا سا گیا۔

''آپ اسی شہر میں رہتے ہو بیٹا؟ میرا دل چاہ رہا ہے میں آپ کی ماں سے ملوں اور انہیں بتاؤں کہ اللہ نے انہیں کتنا خوش قسمت بیٹا دیا ہے جسے اللہ نے بھلائی کی توفیق دی۔ دعائیں لینے کے قابل بنایا۔'' تابندہ بیگم کی سپاس گزاری عمل مسلسل کی طرح جاری تھی۔

''اوہ...... نو...... آنٹی...... ویل...... آئی مین...... ویلکم'' درماندہ رمیض تو ماں کا ذکر ہوتے ہی حواس باختہ ہو گیا۔ دل کے چور نے کہا کہ بس اب ادھر سے بھاگ کھڑے ہو۔

''آپ نے بتایا نہیں بیٹا آپ کہاں رہتے ہو؟'' تابندہ بیگم تو واقعی مصر ہو گئیں۔

بعض انسانوں میں جذبہ تشکر اسی طرح کمال کا ہوتا ہے جس طرح بعض انسانوں میں احسان فراموشی کمال ہوتی ہے۔

''وہ...... آنٹی میرے پیرنٹس تو آؤٹ آف کنٹری ہوتے ہیں۔ فی الحال تو یہاں صرف میں ہوں۔ میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ آئی مین اکلوتا ہوتا ہوں میں۔ ادھر میرا ہٹ ہے وہ بالکل سامنے۔ وہ ریڈ گرل والے کے بالکل ساتھ والا۔ میں اس وقت آپ کو آئی مین آپ لوگوں کو (اس نے مومنہ کو ملا کر لوگ بنا دیے تھے) ایک کپ کافی پلا سکتا ہوں۔'' رمیض کے لیے اتنی زیادہ اخلاقیات و احسان مندی بڑی بوکھلا دینے والی بات تھی۔ اپنی دانست میں اس نے جوابی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''جیتے رہو بیٹا...... اللہ تمہیں ہر طرح کا سکھ دے۔ چائے کافی اس وقت سب ہمارے پاس موجود ہے۔ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔''

''امی! چلیں ناں...... پھوپھو کو گاڑی میں لٹا دیا ہے۔'' ماہ رُخ تیز تیز چلتی ان کے قریب آ چکی تھی۔ اسے رمیض کی طرف توجہ دینے کا ہوش نہیں تھا۔

''تم سے ڈرائیو ہو جائے گی...... دیکھ لو۔'' تابندہ بیگم کا ذہن فوراً رمیض کی طرف سے ہٹ گیا اور مومنہ کی حالت نظر کے سامنے گھومنے لگی۔

''کوشش کروں گی۔ دماغ میں جیسے ابھی تک آندھیاں چل رہی ہیں۔'' ماہ رُخ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر جواب دیا۔

''اے ہے خدانخواستہ یہ تو ایک اور مشکل میں پڑنے والی بات ہوئی۔ بیٹی اپنے اوسان سنبھالو۔ کسی کی گڑی کو ذرا سا کچھ ہو گیا روڈ پر ہی گھنٹہ لگ جائے گا۔ اتنی گاڑیاں تو کھڑی ہیں۔ پولیس کے دیکھوں کسی کو؟'' وہ فکرمندی سے ماہ رُخ کی طرف دیکھ کر بولیں۔ پھر ایک دم جیسے کوئی دھیان آیا۔ رمیض کی طرف رُخ کیا۔

''بیٹا ماشاء اللہ! آپ تو باہر ملک میں پلے بڑھے ہو۔ گاڑی تو چلانا آتا ہوگی۔ یہ میری ماہ رُخ بہت اچھی ڈرائیو کرتی ہے۔ میٹرک میں ہی کار چلانا سیکھ گئی تھی مگر اس وقت اس کی حالت دیکھ کر مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔''

''نو پرابلم آنٹی......لیکن آپ کو پانچ منٹ ویٹ کرنا ہوگا۔ میں یہ گیلے کپڑے تو چینج کرلوں۔''

''ٹھیک بیٹا......'' پانچ منٹ صبر کرلینا زیادہ بہتر تھا کہ مزید کوئی رسک لیا جائے۔

''دیکھئے بہن......جتنی جلدی ہوسکے آپ ان کو ہاسپٹل لے جایئے ویسے تو حالت خطرے سے باہر ہے۔ ماشاء اللہ سانس ٹھیک محسوس ہورہی ہے مگر دماغ پر حادثے کا گہرا اثر بھی ہوسکتا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں......'' ایک ادھیڑ عمر مرد نے تابندہ بیگم کے قریب آکر ان سے بڑے اخلاق اور ہمدردی سے بات کی۔

''جی بس ہم جارہے ہیں......آرہا ہے بچہ۔'' انہوں نے سامنے دیکھا رمیض ایک اتھلیٹ کی طرح دوڑتا جارہا تھا۔

''ماہ رخ! تم گاڑی میں بیٹھو مومنہ کے ساتھ۔ میں اس بچے کے ساتھ آگے بیٹھ جاؤں گی۔''

ماہ رُخ اپنے چکراتے سر کو سنبھالتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

تابندہ بیگم کو اب پانچ منٹ صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔ وہ مسلسل اس طرف دیکھ رہی تھیں جس طرف رمیض بھاگتا ہوا گیا تھا۔

''بتاؤ......ساری دنیا کی رونق چھوڑ کر بچہ یہاں سمندر کے کنارے پڑا ہے۔ دل نہیں گھبراتا ہوگا اس کا......'' وہ آہستہ آہستہ بڑھنے والے اندھیرے میں گھرے ہٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔ جن کے اصل رنگ اندھیرے کے سائے میں گم

ہوکر آنکھوں کو رنگ کی تمیز سے دور کررہے تھے۔ کسی ہٹ میں جلتا ہوا بلب یوں لگ رہا تھا جیسے طاق میں دیا جل رہا ہو۔

بے صبری کمال کو پہنچی ایک ایک گھڑی وبال محسوس ہونے لگی۔ بہت سے لوگ اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہورہے تھے۔ چند لوگ روانگی کی تیاریاں کررہے تھے۔ بسیط سمندر، فراخ آسمان، تاحد نظر وسعت کا احساس تھا۔ وہ ادھر ادھر نظر دوڑا کر پھر سامنے دیکھنے لگیں۔

ماہ رُخ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ بڑھتا ہوا اندھیرا دیکھ کر انہیں گھبراہٹ ہونے لگی۔ عین اسی لمحے رمیض بھاگتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا تھا۔

''چلیے آنٹی! میں آپ کو Nearest کسی قریبی میڈیکل سنٹر میں چھوڑ دیتا ہوں۔ گاڑی کی چابی؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کی چابی طلب کی۔

''اوہ......وہ تو ماہ رُخ کے پاس ہوگی۔ آپ آئیں بیٹا......'' وہ اس کو ساتھ لے کر گاڑی کی طرف بڑھیں۔

''راستوں کا تو پتہ ہوگا آپ کو......؟'' تابندہ بیگم نے بڑی سادگی سے چلتے چلتے سوال کیا۔

رمیض کا جی چاہا ایک زوردار قہقہہ لگائے۔ ہم تو اس شہر کے Compas (قطب نما) ہیں آنٹی۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔

''ڈونٹ وری آنٹی......میں آپ کو ٹھیک جگہ پہنچا دوں گا۔'' اس نے سنجیدگی کا پوز دیتے ہوئے جواب دیا۔

تابندہ بیگم نے گاڑی کے پچھلے ڈور کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ شیشہ نیچے تھا۔ ماہ رُخ مومنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کسی سوچ میں گم نظر آئی۔

"ماہ رُخ! چابی دو بیٹا......" انہوں نے متوجہ کیا۔

ماہ رُخ نے چونک کر ماں کو اور ان کے ساتھ کھڑے رمیض کو دیکھا اور جیسے اپنی کیفیت پر خفیف سی ہو کر پرس سے چابی نکالنے لگی۔ چابی اس نے ماں کے ہاتھ پر رکھی۔ تابندہ بیگم نے رمیض کو تھما کر اگلا دروازہ کھولا اور بیٹھ گئیں۔ بیٹھتے ہی پلٹ کر مومنہ کی طرف دیکھا۔

"کچھ ہوش میں لگ رہی ہے؟" انہوں نے فکرمند لہجے میں ماہ رُخ سے پوچھا۔

"جی...... ویسے سانس تو ٹھیک لگ رہی ہے میرا خیال ہے Shocked ہیں۔"

ماہ رُخ نے آنسو بھری آنکھوں سے مومنہ کی طرف دیکھا اور پیار سے اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

رمیض اگنیشن میں چابی گھما رہا تھا۔ گاڑی ذرا تردد کے بعد اسٹارٹ ہوئی۔

لمبا سلف لے رہی ہے۔ مکینک کو چیک کروا لیجیے گا اس سے پہلے کہ زیادہ پرابلم کرنے لگے۔ ویسے مہران ہلکی گاڑی ہے۔" بولتے بولتے رمیض کو خود ہی احساس ہو گیا کہ وہ کس ماحول میں گاڑی پر تبصرہ کر رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی بڑی ذہانت سے بات بنائی۔

"ہاں...... مگر لیڈیز کے لیے ٹھیک ہے۔ لیڈیز بہرحال بہت محتاط ڈرائیونگ کرتی ہیں۔"

ہوش سنبھالتے ہی ہونڈا (Honda) فیملی کی لگژری کاریں دیکھی تھیں۔ خود پسندی، احساس برتری جو فطرت کا حصہ تھا وہ تو بے اختیار جھلک ہی جاتا تھا۔

اس نے کلچ سے پاؤں ہٹاتے ہوئے مرر بھی سیٹ کرنا شروع کیے۔

"آنٹی پلیز! آپ اپنی طرف کا مرر تھوڑا باہر کی طرف پُش کریں۔" وہ تابندہ بیگم

کی طرف بہت زیادہ جھک کر تو مرر سیٹ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ابھی تک غور سے تابندہ بیگم کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

البتہ اندر کا بیک مرر سیٹ کرتے ہوئے اس نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر گم صم پریشان حال ماہ رُخ کا چہرہ بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا اور جب ڈرائیو کر رہا تھا یہ چہرہ بار بار دیکھ سکتا تھا۔ مرر کے اینگل میں ماہ رُخ بالکل فٹ تھی۔

کیا قسمت تھی اس کی۔ یہ مختصر سا سفر بھی رنگین تھا۔ اچھے چہرے تو اس کی کمزوری تھے۔ بیک سیٹ پر بیٹھی پریشان حال لڑکی کا چہرہ تو یفطری تاثرات کی وجہ سے اور بھی موہنا رہا تھا۔

"آپ کی یہ بیٹی خاصی بولڈ ہیں۔ پہلے بھی رائیڈنگ وغیرہ کرتی رہی ہیں۔" رمیض نے مومنہ کے بارے میں بات شروع کی۔

"یہ میری نند ہے۔ بیٹی میری یہ ہے جو ساتھ بیٹھی ہے۔ ماشاء اللہ میری نند مردوں کی طرح بزنس کر رہی ہے اور مردوں کی طرح بڑی حوصلے والی ہے۔ پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی۔ شکر ہے پروردگار کا کہ اللہ نے آپ کو وسیلہ بنا کر اس کی زندگی کی حفاظت کی۔ کیسے سامنا کرتی اس کے بھائیوں کا۔ آہ...... ہا" تابندہ بیگم نے ذرا سی گردن موڑ کر مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے سکون کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا بزنس کرتی ہیں؟" رمیض نے یونہی پوچھ لیا کہ کچھ تو جواب میں کہنا تھا۔

"اسپین میں ہینڈی کرافٹ کا شوروم ہے۔ پاکستانی، انڈین، بنگلہ دیش وغیرہ کے آئیٹم ایکسپورٹ کرتی ہے۔ اس کی کسی سہیلی کے میاں کا کاروبار تھا۔ اس کے ساتھ شروع کیا تھا۔ بعد میں وہ دونوں میاں بیوی اسپین میں سیٹل ہو گئے تو یہ بھی چلی گئی۔ پہلے شراکت میں کرتی تھی۔ ماشاء اللہ اب اپنا کام خود دیکھتی ہے۔" تابندہ بیگم نے تفصیل

سے جواب دیا۔

رمیض کی آنکھوں میں حیرت آمیز مسرت چمکی۔ بے ساختہ بولا۔

''ایکسلنٹ ...... کیا اسپین میں سیٹل ہونا اتنا آسان ہے؟ وہاٹ اے بیوٹی فل کنٹری...... شی از موسٹ لکی۔ اسٹرونگ اینڈ انڈیپنڈنٹ وومن۔''

''ابھی شادی نہیں ہوئی اس کی ...... لڑکی ہے۔'' تابندہ بیگم اگرچہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھیں مگر اعلیٰ تعلیم یافتہ شوہر اور بچوں کی ماں تھیں۔ عام انگریزی سمجھنا ان کے لیے مسئلہ نہیں تھا۔ ان کی تصحیح لفظ ''وومن'' کے لیے تھی۔ ان کے خیال میں وومن صرف عورت کے لیے مخصوص تھا جس سے بڑی عمر کی تجربہ کار خاتون کا تصور اُبھرتا تھا۔

''ارے...... وہاٹ اے سرپرائزنگ نیوز۔ اتنا سب کچھ کرلیا مگر شادی نہیں کی۔ کس کے لیے کررہی ہیں پھر یہ سب کچھ۔'' رمیض نے اپنے مخصوص لا اُبالی پن سے موڑ کاٹتے ہوئے بے سوچے سمجھے کہہ دیا۔

ماہ رُخ کو پتہ نہیں اس کا جملہ بڑا Akward سا لگا۔ اس نے ایک نظر رمیض کی بیک پر ڈالی۔

(کچھ زیادہ ہی پرسنل ہو رہا ہے یہ مہربان۔ ایک ہماری امی ...... بس شروع ہو جاتی ہیں؛۔ وہ جز بز ہو کر سوچنے لگی۔ پھر اس نے شعوری کوشش کی کہ وہ اس موضوع سے ہٹ جائیں۔

''امی! مجھے تو یہ فکر ہو رہی ہے کہ پھوپھو کے کپڑے گیلے ہیں۔ ہاسپٹل میں پتہ نہیں کتنی دیر لگے۔ آپ ڈاکٹر سے کہہ کر پہلے ڈرائی کپڑوں کا انتظام ضرور کرائیں۔'' اس نے ماں کا ذہن پھر سے مومنہ کی طرف لگا دیا۔

''ہاں! ...... ہاں ...... ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر وہاں کپڑوں کا انتظام کیسے ہوگا'' تابندہ

بیگم سچ مچ فکرمند ہوگئیں۔

''کسی نرس کا یونیفارم ہی پہنا دیں۔ یہ تو ان کو سوچنا چاہیے کہ پیشنٹ کے لیے کیا کچھ کرنا ہے۔'' ماہ رُخ نے مومنہ کے گال پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ جس کی ٹی شرٹ بھیگ کر چپکی ہوئی تھی اور سانس کا زیر و بم واضح تھا۔

''اوہ گاڈ ...... پہلے آپ لوگ یہ چیک کر لیتے تو میں اپنے کپڑے لے آتا۔ واقعی یہ خاصی دیر سے گیلے کپڑوں میں ہیں۔ ٹمپریچر بھی ہو سکتا ہے۔ خیر ہاسپٹل تو اب وہ سامنے ہے۔ سامنے بورڈ دیکھ رہی ہیں آنٹی سندھ میڈیکل سنٹر کا۔'' اس نے کار کو اسپیڈ دیتے ہوئے تابندہ بیگم سے یوں کہا جیسے برسوں کے شناسا سے بات کر رہا ہو۔

اسپین ...... وہ ڈریم لینڈ (خوابوں کی سرزمین) اس لڑکی کو تو پکڑ کر رکھنا ہے۔ رہنا ہی نہیں ہے یہاں ...... فضول لوگ۔ ایڈونچر، پلیئر کے دشمن۔ کیا رکھا ہے یہاں ......؟ جہاں باپ غلطی معاف نہیں کرتا وہ جگہ رہنے کے قابل ہے؟ رمیض کے سر پر تو آن کی آن شیخ چلی کے انڈوں کی ٹوکری آ گئی۔

بھائی ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر اس کی جان بچاؤ۔ یہ تو لاٹری کا ٹکٹ ہے۔ اس نے ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے جیسے کوئی عزم کیا تھا۔ اب اسے ماہ رُخ کے خوبصورت چہرے میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

سمن نے پورے گھر میں اندھیرا کیا ہوا تھا۔ صرف بالکنی میں ایک سیور روشن تھا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر عجیب سی طبیعت ہونے لگی۔ تنہائی میں جیسے کوئی اژدہا شوں شوں کی آواز میں پھنکار رہا تھا۔ جس سے دل پر وحشت طاری ہو رہی تھی۔ وہ سیدھی بستر پر جا کر لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

یوں گزرتی ہے زندگی؟ جو رشتوں کے بوجھ سے آزاد ہوتے ہیں وحشتیں اور تنہائی زندگی کا حاصل بن جاتی ہیں۔ بی بی جان ٹھیک ہی تو کہتی ہیں منحوس ہی تو ہوں۔ ماں باپ کی ٹھنڈی چھاؤں میں چار دن نہ رہ سکی۔ خالہ ماموں کے رحم وکرم پر پلتی سہیل کی دنیا میں آ بسی۔ پھر اُجڑ گئی۔ یہاں تک سوچ کر اس کا دل بھر آیا۔ بے آواز آنسو آنکھوں کے کناروں سے دائیں بائیں ٹپکنے لگے۔ سسکیوں کو یوں دبا رہی تھی جیسے کوئی سن لے گا تو رونے کا سبب پوچھے گا۔ آنسوؤں کو اس نے البتہ بہنے دیا۔ نہ روکنے کا تکلف کیا نہ پونچھنے کا۔ حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ تنہائی سے فائدہ اُٹھا کر چیخ چیخ کر رو دے۔

اسی لمحے کال بیل کی آواز خالی گھر میں جیسے چیخ بن کر گونجی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ کون آ گیا......؟ نیا تو آ کر چلی گئی اور کس کو میری یاد آ سکتی ہے۔ شاید کوئی پڑوسی...... اس نے جلدی جلدی آنکھیں پونچھیں، دوپٹہ گلے میں ڈالا، ننگے پاؤں دروازے کی طرف بھاگی اور دروازے سے ناک لگا کر محتاط انداز میں پوچھا۔

''کون......؟''

''سہیل......'' باہر سے سہیل کی سنجیدہ و پروقار آواز آئی۔

سمن کا دل زور سے دھڑکا۔ چہرے پر رنگ بکھر گئے۔ اس نے جلدی سے لاک کھول کر دروازہ وا کیا۔ سچ مچ چھوٹا سا سوٹ کیس اُٹھائے سہیل نظروں کے سامنے تھے۔

''السلام علیکم......!'' اس کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ چہرے پر آنسوؤں کا بھیگا پن، آنکھوں میں خوشی، ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

سہیل بہت فکرمندی سے اُسے دیکھتے ہوئے اندر آ گئے اور دروازہ لاک کر دیا۔ سوٹ کیس دیوار کے ساتھ ٹکا کر سمن کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''اچھا تو رونا دھونا ہو رہا تھا۔ یہ بھی اچھی مصروفیت ہے۔'' انہوں نے اس کے

کان میں سرگوشی کی۔

''وہ نہیں......بس...... آپ نے آنے سے پہلے فون کیوں نہیں کیا۔'' وہ شرمندہ شرمندہ سی کوئی بات نہ بنا سکی تو خواہ مخواہ سہیل کی کوئی غلطی تلاش کی۔

''ہوں...... تاکہ تمہیں میرے آنے کا ٹائم پتہ ہوتا تو تم شیڈول کر لیتیں کہ کتنے بجے تک آنسو بہانا ہیں۔ پھر اس کے بعد نہا دھو کر فریش ہو کر مجھے ویلکم کہنا ہے۔

پتہ تھا مجھے......اور پتہ ہے...... نہیں ہے تم میں حوصلہ۔ تم شیئر نہیں کر سکو گی۔ کونوں کھدروں میں بیٹھ کر روتی رہو گی۔''

''اک پل بے خبر نہیں ہوں تمہاری طرف سے۔ ہزاروں کام ہوتے ہیں اور سب کاموں کے بیچ تمہاری موجودگی کا یقین مجھے تھکنے نہیں دیتا۔''

سہیل اسے تھام کر آگے بڑھتے ہوئے بہت پیار سے کہہ رہے تھے۔ اس کے پاس پہنچتے ہی جیسے انہیں دنیا کے ہر مسئلے سے نجات مل گئی تھی۔

بے پناہ سکون...... بے حد اطمینان۔

''کیوں رو رہی تھیں...... مجھ پر بھروسہ نہیں؟ میری دو شادیاں اور بھی ہو جائیں تو تمہاری جگہ کنفرم ہے۔ اس جگہ پر کوئی آ کر بیٹھ جائے کم از کم میری زندگی میں تو یہ ممکن نہیں۔'' وہ اپنی دُھن میں مگن اسے ساتھ لگائے بولے جا رہے تھے۔

''دو شادیاں اور......؟'' اس نے سر اُٹھا کر سہیل کا چہرہ دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

''یعنی دوسری شادی ہو چکی......؟ باقی دو رہ گئی ہیں......'' اس کے منہ سے نکل گیا۔

اتنا بھاری جملہ منہ در منہ سننے کے لیے کسی ولی پیغمبر جتنی قوتِ برداشت کی ضرورت تھی۔ دو شادیاں اور...... جملہ تھا کہ صورِ اسرافیل...... وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔

''ہو چکی......'' سہیل نے وقار اور اعتماد سے جواب دیا۔

سمن نے آہستگی سے ان کا بازو اپنے شانوں سے ہٹا دیا اور ان کے بالکل سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ بہت غور سے ایک ٹک ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ سہیل نے اس کے بکھرے بال پیچھے ہٹائے اور مسکرائے۔

''کیا دیکھ رہی ہو......؟''

سمن جیسے ایک دم حواسوں میں آ گئی اور نظریں جھکا لیں۔ آہستہ سے بولی۔

''کچھ نہیں...... یہی دیکھی رہی تھی ایک ایسی لڑکی سے قریب ہو کر میرے پاس آئے ہیں جس کے تمام حقوق میرے برابر ہیں۔ تو کیا چہرے سے پتہ چل سکتا ہے۔''

اس نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔ اس کے انداز میں اتنی معصومیت تھی کہ سہیل بے ساختہ ہنس دیا اور ایک چپت اس کے سر پر لگائی۔

''بے وقوف...... چہرے یہ سب کچھ بتا دیا کرتے تو اکثر مردوں کو روز گھر سے نکال دیا جاتا۔'' پھر یہ ایک دم سنجیدہ ہو کر سمن کے مزید قریب ہوئے۔ اس کے رُخسار کو پیار سے چھوا۔

''میری جان! سخت آزمائش ہوئی میری۔ مگر میں پتھر کا ہوگیا۔ حالانکہ یہ ظلم ہے مگر میں نے یہ ظلم کیا۔ جب میرے وجود سے زندگی کی حرارت ہی ختم ہوگئی تو تمام اخلاقی قوانین سے میں خود بخود بری الذمہ ہوگیا۔ میں اسے چھو بھی نہ سکا...... نہ حسرت ہے نہ تمنا تھی۔''

''اور ابھی...... دروازے کے پیچھے سے تمہاری صرف آواز سنی اور میرے خون میں طوفان اُٹھنے لگے۔ یہ زندگی تو شاید صرف تمہارے نام ہے سمن۔''

وہ اتنا کہہ کر گہری سانس لینے لگے۔

''پھر اس کا کیا ہوگا جو وارث پیدا کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔'' سمن کو ایک عظیم

سرخوشی کی عظیم قوت نے لمحے میں طاقت ور بنا دیا۔ اب اس کے کھڑے ہونے میں بہت مضبوطی تھی، اعتماد تھا، مان تھا۔ اسے یقین تھا۔ وہ سہیل کے لہجے کی ہر آہٹ سے شناسا تھی کہ سہیل اس وقت بالکل سچ بول رہے ہیں۔ وہ بہت اعتماد سے پوچھ رہی تھی۔

''تمہارے پاس آ کر میں اسے سوچنا بھی نہیں چاہتا۔'' سہیل نے پھر اسے اپنے بازوؤں میں لیا۔

''کیا بے چاری کی شکل اچھی نہیں ہے؟'' سمن کے دل سے سارے بوجھ سرکے تو لہجے میں خود بخود شوخی اُترنے لگی۔

سہیل نے گہری سانس لے کر جیسے تصور میں کچھ دیکھا۔ پھر مسکرا کر جھک کر سمن کے چہرے پر محبت کے پھول کھلائے۔

''میری طرف سے حور پوری ہو...... مجھے اس چہرے کے بعد کسی چہرے کی تمنا ہی نہیں۔'' سمن نے بے اختیار اور خود سپردگی کے انداز میں اپنا سر ان کے سینے سے ٹکا دیا۔ لمحوں میں کائنات محبت کے رنگ سے رنگین ہوگئی۔

☆☆☆☆☆

''آپا چھت پر کتنا سکون ہے...... ہے ناں؟...... گرمی تو اب دن رات ایک جیسی ہے۔'' نیا چھت پر پڑے قوی ہیکل تخت پر لیٹی آسمان کو گھور رہی تھی کہ عتیقہ نہا کر چھت پر چلی آئی۔ نیا کو وہاں لیٹا دیکھا تو یہی خیال آیا کہ وہ نیچے گرمی سے گھبرا کر کھلی ہوا میں آ کر لیٹ گئی ہے۔ اس نے خود گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر شاور لیا تھا۔ وہ تولیے میں بالوں کا پانی جذب کرتی نیا کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

نیا جواب میں بالکل خاموش تھی۔

''میرا فائنل ہو جائے تو میں فوراً ہی کچھ نہ کروں گی۔ آپ پر بہت برڈن ہے۔''

آج بھی شاید آپ کہیں جاب کے لیے گئی تھیں؟'' وہ ٹاول کو بل دیتے ہوئے نیا کی شکل دیکھنے لگی۔

''نہیں...... بتایا تو تھا صبح۔ سمن کی طرف گئی تھی۔'' نیا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''سمن آپا ٹھیک ہیں؟ خیر اب تو سکون سے ہوں گی۔ طعنے مارنے والی ساس سے تو جان چھوٹی بے چاری کی۔ اکیلے گھر میں خوب انجوائے کرتی ہوں گی۔'' عتیقہ نے اپنی عمر کے مطابق بڑی معصومیت وسادگی سے کہا۔

''اکیلے گھر میں بھی بندہ انجوائے کرسکتا ہے۔'' نیا کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے اندھیرے میں چمکتی عتیقہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''قید کے بعد تو آزادی انجوائے کرے گا بندہ۔ توبہ توبہ...... وہ خاتون! وہ تو حویلی کا ''غنڈہ'' ہیں۔'' عتیقہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''حادثات رَویوں کو جنم دیتے ہیں عتیقہ...... ہوسکتا ہے حقیقت میں ایسی بری نہ ہوں کسی......''

''چھوڑیں آپا...... جو عورت کسی کا بیٹا غائب کرا سکتی ہے وہ تو پیدا ہی بری ہوئی ہوگی یعنی مٹی ہی خراب ہے۔ یہ تو نہایت غیر انسانی رویہ ہے۔ کوئی باضمیر انسان تو ایک لمحہ بھی Guilt (احساسِ جرم) کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ آفرین ہے سمن آپا پر...... اتنا عرصہ کیسے ان کے ساتھ گزار لیا۔'' عتیقہ نے نیا کے نظریات سے قطعی اور پرزور اختلاف کیا۔

''بعض اوقات محرومیاں انسان کو غیر متوازن کردیتی ہیں۔'' نیا آسمان کی وسعتوں پر نظر دوڑاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔

''ہیں......!! محروم ہیں وہ......؟ سونے چاندی کے بوجھ سے دبی ہوئی۔ اپنی من مانی کر کے زندگی گزارنے والی...... کیا محرومی ہے انہیں......؟ مال و دولت، شوہر بیٹا، طاقت حکومت، کیا نہیں ملا انہیں۔ ابھی بھی محروم ہیں وہ۔ واہ کیا بات کہی ہے آپ نے۔ ان ظالموں کے چنگل سے نکلے ہوئے آپ کو شاید چوبیس گھنٹے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں گریس مارکس دے کر جنت میں بھیجا گیا تو میں ہنگامہ کردوں گی۔ پھولن دیوی سے کم نہیں وہ......'' عتیقہ نے اتنی بے ساختگی سے مہرالنساء کے لیے نفرت کا اظہار کیا کہ نیا پر چھایا ہوا جمود ٹوٹ گیا۔ وہ بے ساختہ ہنسنے لگی تھی۔ اس وقت عتیقہ اسے بالکل چھوٹی سی بچی کی طرح لگی تھی جسے بھائی کی وجہ سے مہرالنساء انتہائی قابل نفرت لگنے لگی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ جب وہ جنت میں جانے لگیں تو جلدی سے پہلے اندر جا کر گیٹ بند کرلینا۔'' وہ اب عتیقہ کو دیکھ کر بہت محبت سے مسکرائی۔

''آپا...... آپ کی Feeling بھی میری طرح ہی ہونا چاہئیں۔ آپ ان خاتون کے لیے نرمی سے مت سوچیں۔ شیطانیہ ہے وہ۔ شاداب کے زخم دیکھے ہیں آپ نے۔ یہ زخم اسی بے رحم عورت کی وجہ سے ہیں۔'' عتیقہ کی آواز ایک دم بھرا گئی۔ نیا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''بات صرف اتنی سی ہے عتیقہ کہ شاداب بخیریت ہمارے پاس آ گیا ہے۔ اب اگر ہم گزری ہوئی تکلیف کو ہر لمحہ اپنے خون میں دوڑتا ہوا محسوس کریں گے تو مریض بن جائیں گے۔ ناکارہ ہونے لگیں گے۔ ہمیں اب آنے والے کل کو پلان کرنا ہے۔ بلاؤں کی طرح چپکی ہوئی ان مشکلوں سے چھٹکارے کے لیے کچھ کرنا ہے۔''

''آپ اچھا سوچتی ہیں آپا...... آپ جتنی ہمت اور برداشت مجھ میں نہیں ہے۔ شاداب ابھی نیچے اپنے پاؤں کا زخم صاف کر کے ڈریسنگ کر رہا تھا۔ آپا میرا دل چاہا میں پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔ بلاوجہ کتنی تکلیف اُٹھائی ہے میرے بھائی نے۔'' عتیقہ کی آواز بھرا گئی۔

''کچھ ہوا تھا عتیقہ......اور ہو چکا۔ اب ایسا دوبارہ نہیں ہوگا کسی قیمت پر نہیں ہوگا۔ یہ سوچ کر خود کو سمجھاؤ گی تو تمہاری روح پر لگے زخم جلدی اچھے ہو جائیں گے۔'' نیا کا بکھرا ہوا ذہن اس واقعے میں نئے سرے سے اُلجھنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے پھر بھی بہت ضبط سے خود کو سنبھال کر بہن کو تسلی دی۔

''تو کیا یہ زخم میری روح پر لگا ہے۔ آپ کو تکلیف نہیں ہوئی۔'' عتیقہ بات کو کسی اور سمت لے گئی۔

''میری روح کی بات مت کرو عتیقہ یہ زخموں کی عادی ہوتی جا رہی ہے۔ تسلی، بہلاوے، آس اب کسی سہارے میں اٹریکشن نہیں۔'' نیا نے سینے سے اُٹھتی ہوک کو کمال مہارت سے قابو کر کے نارمل لہجے میں جواب دیا۔

''کاش! میں بھی آپ کی طرح مضبوط ہوتی۔'' عتیقہ کو نیا کے پروقار اور ٹھہرے ہوئے لہجے نے جیسے بہت متاثر کیا۔

''میری طرح ہوتیں تو ''کام'' بھی بہت ملتا۔ شکر کرو کہ میری طرح نہیں ہو۔ بات بات پر رو پڑنے والی عورت کو فطرت کی طرف سے سہارے بھی بہت ملتے ہیں۔ مضبوط عورت کو اس کی آخری سانس تک خوب ٹھوک بجا کر پرکھا جاتا ہے۔ میری جان! کبھی بھول سے بھی میری طرح بن جانے کی دُعا مت کرنا۔'' نیا نے یہ کہہ کر بازو آنکھوں سے پر رکھ لیا۔

''آپ کتنی گریٹ ہیں آپا......'' عتیقہ نے جھک کر بڑی محبت سے اس کے بازو پر بوسہ دیا۔ نیا سیلاب کے خطرے سے دوچار تھی۔ اس کی ساری توجہ حفاظتی اقدامات کی طرف تھی۔ اب وہ بالکل خاموش تھی۔

☆☆☆☆☆

''نتا! میں سوچ رہی ہوں کہیں جاب کر لوں مصروف ہو جاؤں گی۔ دن بھی بہت لمبے ہو گئے ہیں اور راتیں بھی۔ دن نکلتا ہے تو لگتا ہے ختم ہی نہیں ہو رہا۔ رات ہوتی ہے تو کٹ کر نہیں دیتی۔'' روبی صوفے پر دراز گم صم سی بات کر رہی تھی۔

''اللہ تمہاری گود ہری کرے گا تو اتنی مصروف ہو جائے گی کہ نیند کو ترسو گی۔ چھ مہینے جیسے تیسے گزار لو بیٹا اس دوران شاید وقار......''

''نتا......! پلیز نتا......! یہ نام مت لیا کریں۔ اتنی مشکل سے سنبھالتی ہوں خود کو آپ پھر......'' روبی جیسے ایک دم بدلحاظ ہو گئی۔

''یہ نام تو اب زندگی کے ساتھ بندھا ہے بیٹی...... اب اس کی نشانی تمہاری آنکھوں کے سامنے عمر بھر رہے گی۔ اس کا کیا کرو گی؟'' نتا نے اس کی بات نظر انداز کر کے بڑے حوصلے اور اعتماد سے بات کی۔

''ہاں تو کیا......نشانی ہونا اور بات ہے ذکر ہونا اور بات ہے۔ ایک فضول سے انسان کا ذکر بھی کیوں کیا جائے۔'' روبی مارے غصے کے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''گھاٹے کے سودوں میں یہ بچہ ہی تو میرا پرافٹ ہے۔ میں اسے اپنی زندگی کا مشن بنا لوں گی۔ بہترین تعلیم دوں گی۔ بہترین انسان بناؤں گی۔ اس کو شروع ہی سے سمجھا دوں گی کہ ہر انسان بس ایک وجود ہے۔ رشتوں سے سہارے ڈھونڈنے والے کہیں کے نہیں رہتے۔ اتنے مضبوط بنو کہ لوگ سہارے کے لیے جب کسی کو سوچیں تو آپ کی تمنا کریں۔''

روبی بڑے جوش اور بہت مضبوط لہجے میں بات کر رہی تھی۔ وہ ڈپریشن سے نکل آئی تھی اور اب آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کر رہی تھی۔

''بچے کے لیے تو ماں باپ دونوں ہی ضروری ہوتے ہیں۔'' نتا نے اپنی طرف

سے کوئی راہ نکالنے کی کوشش کی۔

''اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ہی کو چاہیے سب ہی کے لیے ضروری ہے۔ میں نہیں جی رہی ماں باپ کے بغیر۔ آپ نے زندگی نہیں گزاری ماں باپ کے بغیر اور اب بیٹے کے بغیر بھی جی رہی ہیں جو آپ کی تمام اُمیدوں کا حاصل تھا۔ زندہ رہنے کے لیے کسی فارمولے کی نہیں بس زندگی کی ضرورت ہے۔'' روبی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''یقین نہیں آتا کہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔ بتا دیتا تو کیا فرق پڑتا۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے سلوک سے تنگ آ کر ''پہلی'' کے پاس چلا گیا ہے۔ ننا نے بڑی سادگی سے خیال آرائی کی۔ روبی نے ننا کو بہت کچھ بتا دیا تھا مگر ''ماہ رُخ'' کے حوالے سے کچھ نہیں بتایا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیوں ماہ رُخ کے لیے دل میں اتنی گنجائش پا رہی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ اِدھر اس کے منہ سے نکلا اور اُدھر ننا ماہ رُخ کے اپارٹمنٹ میں۔ لاحاصل بحث، لاحاصل گفتگو...... یہی نتیجہ نکلنا تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے ننا کے چہرے کا جائزہ لیا اور عجیب سے انداز میں مسکرا پڑی۔ ''وہ پہلی کے پاس کبھی نہیں جائے گا۔ کسی صورت نہیں جائے گا۔ یہ تو مجھے اٹل یقین ہے۔'' وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ طنزیہ بولی۔

''مگر تم ہی تو بتا رہی تھیں کہ اس نے پہلی کو طلاق نہیں دی......'' ننا اب واقعی اُلجھ گئیں۔

''ہاں...... مگر وہ اسے سزا کے طور پر ضد میں اپنے نکاح میں رکھے گا۔ نہ خود اس کے پاس جائے گا نہ کسی کو جانے دے گا۔'' روبی نے اپنی شرٹ کھینچ کر سلوٹیں مٹاتے ہوئے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''ہیں...... یہ تو ظلم پر ظلم ہے۔'' ننا تو روبی کے قہقہے پر حواس باختہ سی ہو گئیں۔

''خرچہ پانی بھی دیتا ہو گا جب طلاق نہیں دی......'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں...... خرچہ بھی نہیں دیتا اور چلو بھر پانی بھی نہیں دیتا کہ ڈوب مریں۔ میں اپنے لیے کافی بنا رہی ہوں ننا۔ آج رات مجھے دیر تک جاگنا ہے۔ اپنے ڈاکومنٹس نکالنا ہیں۔ ڈرافٹ تیار کرنا ہے۔ میں نے اخبار میں دو تین جگہیں تلاش کی ہیں۔ کل ٹرائی کروں گی۔'' اس نے فیصلہ سنا دیا۔ ننا گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

''ویسے اللہ نہ کرے روپے پیسے کا کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ابھی...... تمہارا ''کھاتہ'' (اکاؤنٹ) تو کھلا ہے ناں...... پیسے تو پڑے ہوں گے؟'' وہ اب ذرا ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''بارہ لاکھ چالیس ہزار ہے میرے اکاؤنٹ میں۔'' روبی نے کچن میں گھس کر جواب دیا۔

''اوئی...... تو بیٹے کیا ضرورت ہے تمہیں اس حال میں خوار ہونے کی......؟''

ننا تو پہلی مرتبہ سن رہی تھیں کہ روبی کے اکاؤنٹ میں اتنی بھاری رقم موجود ہے۔ انہیں تو اپنے بھاگتے دل کو پکڑنا مشکل ہو گیا۔ باقاعدہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ننا! کوئی محرم ڈھونڈ لیں۔ ''حج'' پر بھجوا دوں گی آپ دونوں کو۔ مجھے اس بھاری رقم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کسی کا حق مار کر مجھے دیا ہے۔ سب خیرات کر دوں گی۔''

ننا کے بوڑھے دل میں اتنی ہیوی (Heavy) خیرات کا حوصلہ نہیں تھا۔ دھپ سے دوبارہ بیٹھ گئیں۔

''ارے...... حواس کھو بیٹھی ہے یہ لڑکی تو۔'' وہ سوچ رہی تھیں اور ہاتھ کلیجے پر رکھا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆

مومنہ کو ایک گاؤن سا پہنا دیا گیا جو عموماً آپریشن سے پہلے پہنایا جاتا ہے۔ گیلے

کپڑے ماہ رُخ کے حوالے کر دیے گئے تھے۔ اب اسے ایک شاپنگ بیگ درکار تھا کپڑوں سے بڑی عجیب سی اسمیل آ رہی تھی۔ گاڑی میں اسی طرح رکھ دینے سے گاڑی میں یہ بو سرائیت کر جانے کا خطرہ تھا۔ تابندہ بیگم نے تو کہیں نماز ادا کرنے کی جگہ ڈھونڈ لی تھی۔ وہ کپڑے لیے باہر لاؤنج میں آئی تو رمیض بڑے انہماک سے T.V دیکھنے میں مگن تھا۔ ماہ رُخ اس کے سامنے ہوئی تو وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

''چلیں......؟'' اس نے ماہ رُخ سے پوچھا۔

''وہ پھوپھو کو ڈرپ لگی ہے۔ تین گھنٹے تو رُکنا پڑے گا تقریباً۔ آپ کو بہت زحمت ہوئی آپ جانا چاہیں تو چلے جائیں۔ بہرحال آپ کا شکریہ تو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے جو......''

''ارے بس بس...... بہت ہو گیا۔ آپ کی امی اتنا شکریہ ادا کر چکی ہیں کہ مزید گنجائش نہیں۔'' اس نے ماہ رُخ کی ستواں ناک پر دمکتی لونگ کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے لاابالی انداز میں کہا۔

''کیا وہ ہوش میں ہیں؟ میں ان کی خیریت پوچھ سکتا ہوں؟'' رمیض کا ذہن تو مکمل طور پر مومنہ کی طرف لگا ہوا تھا۔

''جی...... جی! وہ اب مکمل ہوش میں ہیں۔ مگر چپ چپ سی ہیں۔ شاید بہت زیادہ Shocked ہیں۔ آپ آئیے میرے ساتھ۔ ہاں مگر مجھے پہلے یہ کپڑے کہیں رکھنا ہوں گے۔'' ماہ رُخ نے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کی طرف اس کی توجہ دلائی۔

''میں گاڑی مین رکھ آتا ہوں۔'' رمیض کی پھرتی اور گرم جوشی کمال پر تھی۔

''نہیں اس طرح نہیں۔ گاڑی میں کارپٹ پر رکھنے سے گاڑی میں اسمیل پھیل جائے گی۔ کہیں سے کوئی شاپنگ بیگ اگر مل جائے تو......''

''لائیں مجھے دیں۔ ادھر کینٹین سے میں لے لیتا ہوں۔ بہت شاپر مل جائیں گے۔ میں دو منٹ میں رکھ کر آتا ہوں۔ آپ یہیں ویٹ کیجیے۔'' اس نے ماہ رُخ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنی خدمات پیش کیں۔

''چابی تو آپ ہی کے پاس ہے ناں......'' ماہ رُخ کو ایک دم خیال آیا۔

''شیور...... میرے پاس ہی ہے۔ میں اس طرح کیسے جا سکتا ہوں آپ کو چھوڑ کر آؤں گا۔''

''تھینک یو ویری مچ......'' اتنی دیر میں پہلی مرتبہ ذرا ہوش و حواس میں اس نے رمیض کا چہرہ دیکھا۔

اوہ خدایا...... کیا مردانہ حسن تھا۔ ایک ایک نقش سے جیسے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اسے معروف فلموں کے نامور ہیروز یاد آنے لگے۔ ایسا چہرہ جیسے مصور نے ایک ایک نقش انہماک و اہتمام سے بنایا ہو۔

وہ اپنی محویت پر جیسے خود ہی خجل ہو گئی اور نگاہ چرا کر رمیض کو مومنہ کے کپڑے تھما دیے۔

رمیض نے تو ہوش سنبھالتے ہی ہر دیکھنے والی نگاہ کی بلائیں حاصل کی تھیں۔ ماہ رُخ کی چند لمحے کی محویت اس کے لیے معمول کی بات تھی۔

اس کے لیے تو اس کا چہرہ اگنور کر دینا ایک واقعہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو کسی طرف دیکھنے، توجہ دینے کا عادی ہی نہیں تھا۔ اسے شعور تھا جہاں وہ ہوتا ہے تو ہر نگاہ اسے دیکھتی ہے۔ اسے کبھی اس وہم نے پریشان ہی نہیں کیا کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ رمیض جا رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی۔

اتنا حسین لڑکا...... اتنا خوش اخلاق، اتنی انسانیت۔ اس طرح کے حسن کے مالک

لوگ تو بہت پراؤڈ اور سیلفش (خود غرض) ہوتے ہیں۔

یقیناً اس کا تعلق کسی اچھی فیملی سے ہے۔ ورنہ آج کل کون کسی کے لیے اتنا وقت نکالتا ہے۔ وہ سچ مچ رمیض کے اخلاق سے بے حد متاثر تھی اور قدرے حیران بھی۔ وہ ستون سے ٹیک لگا کر اس کے انتظار میں کھڑی ہو گئی۔

حسین چہرے ہمیشہ پہلی بار مارجن ضرور لیتے ہیں۔ وہ الگ بات کہ واسطہ تعلق پڑنے کے بعد کردار کی بہت سی بدصورتیاں ظاہری حسن کے آئینے کو دھندلا کر رکھ دیتی ہیں۔

اب تک دو مردوں سے اس کا عملی طور پر سابقہ پڑ چکا تھا۔ دونوں وجیہہ قد اور بہت پرکشش تھے۔ مگر کسی کی انا...... کسی کا کردار انہیں بے قیمت سا کر گیا۔ آصف تو ویسے ہی نشے کے زیرِ اثر رہتا تھا۔ اپنی بنیادی خصوصیات کے ساتھ تو کبھی سامنے ہی نہیں آیا۔ ہمیشہ نفس کی تسکین کے راستے سوچتا ہوا اس کے قریب بیٹھا۔

وقار بہت مضبوط نظر آتا تھا۔ اس میں ایک محسوس ہونے والی انا تھی۔ وہ اسے کبھی بہت زیادہ ٹوٹ کر، کھل کر نہیں ملا۔ پیار دیا، محبت دی، تحائف دیے، مسکرایا بھی ہنسا بھی۔ مگر اس میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ اسے محدود ہونا پڑتا تھا۔ پھر وہ موڈی بھی بہت تھا۔ مرضی کے خلاف کچھ ہوا تو لمبی خاموشی اختیار کر لی۔ یہ بھی بہت بڑا مینٹل ٹارچر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ مزید محتاط ہوتی گئی۔

اس نے اتنی زیادہ ''اخلاقیات'' ابھی تک کسی مرد میں نہیں دیکھی تھیں۔ وہ بھی اتنا حسین لڑکا اور اتنا ذمہ دار اور بااخلاق......''

حسین چہروں کا خاصہ ہے وہ ہر ملنے والے کو سوچ دینے کے لیے آتے ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے ''حسن ارزاں ترین سفارش ہے۔''

اس کی سوچ میں دل کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لمبی مدت سے مرا ہوا دل ایک حادثے کے تحت ایک دم زندہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی ذات تو کہیں رہن رکھی ہوئی تھی۔

اور مہاجن ...... ایک نمبر کا سود خور۔ وہ تو انسان دیکھنے کو جیسے ترس گئی تھی۔ انسانیت کے مظاہرے نے رگ رگ میں تحیر سا بھر دیا تھا۔ جس میں روح کو ایک طرح سکون بھی مل رہا تھا کہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ دنیا انسانیت سے کبھی خالی نہیں ہوئی۔ جس دن انسانیت ناپید ہو گی وہ دن اس دنیا کا شاید آخری دن ہوگا۔ وہ یہیں تک سوچ پائی تھی کہ رمیض واپس آ گیا۔

''چلیں......؟'' وہ آ کر اپنی دھن میں بولا۔ اسے کیا علم کہ وہ سوچ کی کن سرحدوں پر جا کھڑی ہوئی ہے۔

''کہاں......؟'' وہ واقعی چونک پڑی۔

رمیض نے اب قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ پرنٹڈ شلوار قمیض اور شفون کے دوپٹے میں ملبوس ماہ رُخ بہت قابلِ توجہ لگ رہی تھی۔ وہ قابلِ توجہ تھی...... تب ہی تو دو مرد اسے آزمانے کو بڑھے تھے۔ مگر رمیض کی تو ساری توجہ مومنہ کی طرف تھی۔ حسین سے حسین چہرے میں اب اس کے لیے کوئی کشش نہیں تھی۔

''وہ کیا نام ہے آپ کی شاید آنٹی......''

''پھوپھو ہیں میری......'' ماہ رُخ نے وضاحت کی اور دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے قدم بڑھا دیے۔

''ویسے بڑی زیادتی ہے۔ ڈونٹ مائنڈ'' رمیض کے انداز میں اس مرتبہ ہلکی سی شوخی تھی۔ ماہ رُخ نے حیران سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بھئی اتنی چھوٹی سی لڑکی کو پھوپھو کہنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی کو چڑا رہا ہو۔'' اس نے وضاحت کے ساتھ کہا۔

''اب کیا کریں وہ ہیں ہی پھوپھو۔ وہ 5th میں تھیں اور میں فرسٹ میں۔ میں تب بھی ان کو پھوپھو کہتی تھی۔'' ماہ رُخ نے اب ذرا مسکرا کر جواب دیا۔

''یعنی آپ سے قریباً چار پانچ سال بڑی ہیں۔'' اب وہ غور سے ماہ رُخ کو دیکھ رہا تھا۔ لہجے میں ذرا سی فکرمندی بھی تھی۔

''ان کی ایکچوئیل عمر کیا ہوگی اس وقت؟'' وہ بے ساختہ انداز میں پوچھ بیٹھا تھا۔

''بری بات...... خواتین سے عمر نہیں پوچھتے۔ یہ بہت بڑی بداخلاقی ہے۔ جو خاتون جس ایج (Age) کی نظر آئے وہی اس کی ایکچوئل عمر ہوتی ہے۔'' ماہ رُخ پر نفسیاتی لحاظ سے اچھے چہرے کا خاموش اثر تھا۔ اس کے لہجے میں نرمی اور لطافت خود بخود اُتر آئی تھی اور یہ کسی شعوری کوشش کا عمل نہیں تھا۔

رمیض دھیرے سے ہنس دیا ''ویری انٹرسٹنگ...... ایکسپیرئنس بندہ آہستہ آہستہ ہی Gain کرتا ہے۔'' وہ بولا

دونوں قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے اس طرف آئے جہاں مومنہ کو ٹریٹمنٹ دی جا رہی تھی۔ مومنہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ اس کے آدھے جسم پر سفید چادر بھی پڑی ہوئی تھی۔ ماہ رُخ اس کے چہرے پر قدرے جھک کر بولی۔

''پھوپھو......!''

مومنہ نے جیسے اپنے کسی دھیان سے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور مبہم سا مسکرائی۔

''کیسا فیل کر رہی ہیں......؟'' ماہ رُخ نے اس کا ہاتھ تھام کر پیار سے پوچھا۔

''افس۔ او۔ کے...... تم پریشان مت ہو۔'' وہ بھاری سی آواز میں بول رہی تھی۔

''شکر خدا کا...... آپ کی آواز سن کر سکون سا مل گیا۔''

ماہ رُخ نے پرسکون انداز میں کہا۔ پھر ایک نظر رمیض پر ڈالی جو بہت دلچسپی سے ان کی بات چیت سن رہا تھا۔

''پھوپھو! یہ رمیض ہیں۔ وہ جو لہروں سے جنگ لڑ کر آپ کو نکال کر باہر لائے تھے۔'' ماہ رُخ نے مومنہ کی توجہ رمیض کی طرف مبذول کی۔

مومنہ نے اب رمیض کی طرف بہت توجہ سے دیکھا۔ ابھی ذہن پوری طرح جاگا نہیں تھا اس لیے اس نے رمیض کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

پھر وہ دھیرے سے مسکرائی ''تھینک یو...... میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔'' وہ بہت آہستہ آواز میں بولی۔

''آپ کو بھولنے ہی نہیں دوں گا۔'' رمیض جیسے فلرٹ بندے کے پاس برجستہ جملوں کا بہت اسٹاک تھا۔'' بڑی برجستگی اور شوخی سے بولا تھا۔

مومنہ نے اب اسے مزید غور سے دیکھا جیسے اس کی ادا کو بہت انجوائے کیا۔

''ویری فنی (Very Funny)'' وہ مسکرائی۔

''ہاں مجھے اتنا تو یاد ہے کہ سمندر کے ٹھنڈے یخ پانی میں دو گرم ہاتھوں نے مجھے تھاما تھا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ مجھے تو یوں محسوس ہوا تھا کہ زندگی مجھے خدا حافظ کہہ رہی ہے۔'' گھنٹوں کی خاموشی کی وجہ سے اب مومنہ کی آواز میں نمایاں بھاری پن تھا۔

''بس پھوپھو اب ایسی باتیں نہ کریں۔ ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی۔'' ماہ رُخ نے بڑے پیار سے مومنہ کے بال سنوارے۔

رمیض بہت غور سے دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے اسٹینڈ میں جھولتی گلوکوز کی تھیلی پر نظر دوڑائی۔ مومنہ کی نظریں رمیض کی نظروں کی بھاگ دوڑ دیکھ رہی تھیں۔

''تم نے انہیں کیوں روکا ہوا ہے ماہ رُخ...... ان کو اپنے بھی بہت ضروری کام ہو

کیسے ہیں۔ ان کا ایڈریس لے لو۔ میں ایک مرتبہ خود چل کر شکریہ ادا کرنے ان کے گھر جاؤں گی۔''

''اتنے تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ شکریہ وکریہ بہت ہو چکا اب ایزی (Easy) فیل کریں اور ساتھ ہی کلیئر کر دیتا ہوں مجھے کسی نے نہیں روکا۔ میں خود رُکا ہوا ہوں۔ وہ کیا نام ہے......'' رمیض ماہ رُخ کا نام بھول گیا۔ رُک کر ماہ رخ سے نام پوچھنے لگا۔

''ماہ رُخ......'' ماہ رُخ نے آہستگی سے جواب دیا۔

''ہاں......مس ماہ رُخ کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ یہ ڈرائیو کرنے کے قابل نہیں تھیں سو میں آپ کو یہاں لے آیا اور ابھی آپ کو گھر بھی ڈراپ کروں گا۔ کیونکہ ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' اس نے ماہ رُخ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ارے نہیں......اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پھوپھو کو باتیں کرتا دیکھ کر میں شاید پہلے سے زیادہ فل آف انرجی ہو گئی ہوں۔ اس وقت تو میں ''کرین'' آپریٹ کر سکتی ہوں۔'' ماہ رُخ کے لہجے میں درحقیقت تازگی اور توانائی تھی۔



بقیہ حصہ جلد دوئم میں پڑھیں۔

دلِ آباد

دوم



رفعت سراج

''مگر مجھے ادھورے کام کرنے کی عادت نہیں ہے۔ میں آپ کو گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھوں گا تب میری تسلی ہوگی۔ اتنی رات کو آپ تین خواتین کار میں ہوں گی۔ ایک طویل سنسان ویران علاقے سے گزر کر آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گی۔ آج کل یہ بھی بڑا رِسکی ہے۔ حالات بہت خراب ہیں۔ پٹرول پمپ پر لائن میں کھڑی ہوئی کار چھین لی۔ سب دیکھ رہے تھے لیکن کچھ نہیں کر سکے۔ میں بہت بولڈ ہوں مگر Arm (ہتھیار) کے سامنے تو میں بھی کچھ نہیں کر سکا...... دوپہر کا وقت تھا رات بھی نہیں تھی۔''

رمیض اپنی مزید خدمات کی Logic بیان کر رہا تھا اور ماہ رُخ اس کے احساسِ ذمہ داری پر عش عش کر رہی تھی۔

مومنہ نے بھی اس جذبے پر بہت اچھے جذبات کے تحت رمیض کی طرف دیکھا۔ یہ سینس آف ڈیوٹی آج کی جنریشن میں بہت کم نظر آتا ہے۔ اس نے متاثر ہو کر سوچا تھا۔

اسی لمحے تابندہ بیگم ان کے قریب چلی آئی تھیں۔ مومنہ کی کھلی آنکھیں دیکھ کر بہت محبت سے مسکرائیں اور آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' وہ سیدھی ہو کر بے ساختہ کہہ رہی تھیں۔ رمیض مومنہ کو بہت توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

''چمکتی ہوئی بے داغ جلد، چھوٹی سی ستواں ناک، خوبصورت بولتی ہوئی آنکھیں، دودھیا بازو جن پر ہلکا سا بھی رواں نہیں تھا نہ کوئی داغ اور نشان بلکہ بازو کے بالکل مرکز میں ایک سیاہ تل یوں جگمگا رہا تھا جیسے گھپ اندھیرے میں جگنو چمکتا ہے۔

''یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ حیرت ہے اتنی سمارٹ اور کار آمد لڑکی کو ابھی تک کسی نے پکڑا نہیں......؟'' وہ سوچ رہا تھا۔ •



نمو سبرینہ کے سر میں بادام روغن کا مساج کر رہی تھی۔

''تم مساج کر رہی ہو اور نیند سے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔ اتنا سکون مل رہا ہے۔'' مسز سبرینہ علوی نے بے اختیار اس کا گردش کرتا ہاتھ تھام کر کہا۔

''سر درد میں مساج سے بہت فرق پڑتا ہے ممانی جان......'' نمو نے اپنا کام جاری رکھا اور مزید جذبے سے ہاتھوں کو گردش دینے لگی۔

''یہ سر درد تو اب قبر تک ساتھ ہی جائے گا۔ پتہ نہیں رمیض اس وقت کہاں ہوگا۔'' بولتے بولتے سبرینہ کی آواز بھرا گئی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا ممانی جان...... حادثے تو گزر جانے کے لیے ہی آتے ہیں۔ وہ بزرگوں کی طرح سمجھانے لگی۔''

''ماشاء اللہ...... کتنی سمجھدار ہو تم۔ خود کو سمجھانا آتا ہے۔ حالانکہ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔'' سبرینہ اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے سراہ رہی تھیں۔

اس سے پیشتر وہ کچھ بولتی۔ انجم علوی بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ سبرینہ اور نمو پر ایک سنجیدہ نظر ڈال کر بہت فارمل انداز میں بلکہ دبی زبان میں سلام کیا۔ گھر میں داخل ہو کر سلام کرنا یہ ان کے معمول کی بات تھی مگر آج انداز میں فاصلے بڑھانے والا تکلف تھا۔ نمو فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''نمو بیٹا! ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔'' وہ بریف کیس رکھتے ہوئے بولے۔

نمو تو جیسے کسی خدمت کے لیے منتظر ہی تھی۔ فوراً باہر چلی گئی۔ ماموں کی خدمت سے تو اسے یوں بھی روحانی مسرت کا احساس ملتا تھا۔

''کھانا کھائیں گے؟'' سبرینہ نے بیڈ سے پاؤں نیچے لٹکا کر اُترنے کا ارادہ کیا۔

''نہیں...... کھا کر آیا ہوں۔ بس ایک کپ چائے بنوا دو۔'' ان کے انداز میں گہری سوچ کا عکس اور ٹھہراؤ سا تھا۔ کئی دن بعد وہ سبرینہ سے نارمل موڈ میں بات کر رہے تھے۔ چائے کا کہہ کر تو انہوں نے باور کرا دیا تھا کہ وہ جھگڑا کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

ٹائی اور کوٹ صوفے پر ڈال کر پھر خود بھی بیٹھ گئے۔ سبرینہ محسوس کر رہی تھیں کہ وہ کوئی بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ پھر ان کے مہربان انداز سے تو وہ خوفزدہ سی ہو گئی تھیں کہ وہ کوئی دھماکہ نہ کر ڈالیں۔

''کل ولید کمال کے پیرنٹس شادی کی تاریخ لینے آ رہے ہیں اور بہت جلدی کی

تاریخ...... اگلے ہفتے کا کوئی بھی دن جو تمہیں مناسب لگے سوچ لو۔ تمہارے ہاتھ میں شادی کی تیاری کے لیے صرف پانچ دن ہیں۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ پانی کا گلاس پکڑے نمو دروازے پر ہی رُک گئی تھی۔

''ہیں......؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ...... پانچ دن میں کیا ہوگا۔ ہماری تو بالکل بھی تیاری نہیں ہے۔'' سبرینہ کے تو جیسے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ غیر اختیاری طور پر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

''مثلاً کیا تیاری......؟ ابھی دن ڈیسائیڈ کر لو۔ کل میں کارڈ چھپنے کے لیے دے دیتا ہوں۔ پرسوں خاص خاص لوگوں کو انویٹیشن پہنچ جائے گا۔ سب سے ضروری تو یہی کام ہوتا ہے۔ اتنے ہوٹل ہیں کوئی نا کوئی ہال تو مل ہی جائے گا۔ بارات ریسپشن کا بھی کوئی مسئلہ نہیں اور کیا ضروری تیاری ہوتی ہے؟'' انجم علوی گریبان کا بٹن کھولتے ہوئے بہت پُرسکون انداز میں پوچھ رہے تھے۔

''حد کرتے ہیں آپ۔ خالی ہاتھ رُخصت کریں گے نمو کو۔ اس کے کپڑے جیولری اور جہیز میں جو ضروری چیزیں دی جاتی ہیں......''

''سب چیزیں بازار میں بھری پڑی ہیں۔ دو تین ریڈی میڈ سوٹ وغیرہ لے لینا باقی میں کیش دے دوں گا۔ بعد میں اپنی پسند سے جو لینا ہوگا وہ خود ہی لے لے گی۔'' انجم علوی کیوں کہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکے تھے اس لیے ان کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

اس جواب کے بعد سبرینہ کے اعصاب خود بخود ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ آہستگی سے دوبارہ بیٹھ گئیں۔

''آخر اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں وہ لوگ......'' انہوں نے تھکے تھکے لہجے میں یوں سوال کیا جیسے ہار مان لی ہو۔

''تمہیں پتہ ہے کہ ولید اتنی جلدی کیوں کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ تو اس نے خود کو خطرے میں ڈال کر نمو کو بچا لیا۔ وہ آرمڈ بندوں کے ساتھ آئی تھی۔ لے جاتی نمو کو......

کیا کر لیتے ہم۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اچھا ہوا ولید کی طرف سے پہل ہو گئی۔ ورنہ تو میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ بس نمو کو فوراً رخصت کر دوں۔ تمہارے بیٹے کی وجہ سے اب یہ ہر وقت خطرے میں ہے۔'' انجم علوی کے لہجے میں تلخی اترنے لگی تو نمو جھٹ کمرے میں داخل ہو گئی تاکہ بات بس اسی انداز پر رک جائے۔ انجم علوی درحقیقت اس کو سامنے پا کر سنبھل سے گئے اور پانی کا گلاس لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

''ٹھیک ہے...... میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔'' سبرینہ الجھی الجھی سی باہر چلی گئیں۔

انجم علوی نے گلاس نمو کے ہاتھ سے لے کر پانی پیا اور گلاس نمو کو واپس کر دیا جو نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

''تم پریشان تو نہیں ہو...... کوئی فون وون تو نہیں آیا......؟'' انہوں نے ایک نظر نمو کے چہرے پر ڈال کر پوچھا۔

''نہیں...... مجھے تو بس آپ کی فکر رہتی ہے ماموں جان'' نمو نے آہستگی سے جواب دیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تم جا کر آرام کرو۔ کچھ ضروری باتیں ہیں وہ تمہاری ممانی صبح تم سے کر لیں گی۔''

انجم علوی یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور شرٹ کے باقی بٹن کھولنے لگے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ چینج کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ نمو جلدی سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

''بیٹا! آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ لگتا ہے بہت اچھے ہاتھوں نے آپ کی تربیت کی ہے۔'' رمیض تینوں کو گھر پہنچا کر واپسی کے لیے باہر نکل رہا تھا۔ بلکہ پلٹ پلٹ کر اس کمرے کی طرف بھی دیکھ رہا تھا جہاں مومنہ کو لٹا کر لائٹ آف کر دی گئی تھی۔ ماہ رخ کچن میں شاید چائے کافی کی تیاری میں مصروف تھی۔ تابندہ بیگم نے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ کچھ کھا پی لے۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا کہ آپ

لوگ آرام کریں۔ چائے کافی ادھار رہی۔ تابندہ بیگم کے لیے یہ خوشخبری تھی کہ وہ کسی وقت ادھار چکانے بھی آئے گا۔ ماں ہونے کے ناتے اچھے لڑکے میں دلچسپی ایک فطری سی بات تھی۔

''بیٹا! اتنی رات کو کیسے جاؤ گے۔ یہاں سے تو اچھا خاصہ فاصلہ ہے۔'' وہ فکرمند سی ہو کر پوچھ رہی تھیں۔ ابھی تک اپنی پریشانی میں ایسی الجھی ہوئی تھیں کہ خیال ہی نہ آیا تھا کہ اتنی رات کو وہ جائے گا کیسے؟ وہ بھی اتنی دور ویرانے میں۔

''آنٹی! اس شہر میں کنوینس کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی ٹیکسی تو مل ہی جائے گی۔''

''مگر بیٹا! اس وقت تو ٹیکسی والا بہت کرایہ مانگے گا۔ اچھا خاصہ دور ہے تمہارا ٹھکانہ......'' وہ سچ مچ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔

''کوئی مسئلہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے لے لے گا۔ اس سے زیادہ تو نہیں لے سکتا۔'' رمیض نے ان کی بات کاٹ کر بڑی لاپرواہی اور شاہانہ انداز میں کندھے اچکا کر کہا۔

''اے...... ہے پورے چھ سو روپے۔ بیٹے برا مت ماننا۔ کرایہ تم مجھ سے لے لو۔ ہم نے تمہیں بہت تکلیف دی۔ اب خرچہ بھی کرائیں۔''

''آپ تو مجھے شرمندہ کر رہی ہیں آنٹی...... بس پلیز اب مجھے اجازت دیں۔'' اس نے اتنا کہہ کر قدم آگے بڑھا دیے۔

''آپ گاڑی لے جائیے۔ کل دن میں چھوڑ دیجیے گا۔ اس وقت تو کنوینس کا مسئلہ بھی نہیں ہوگا۔'' ماہ رخ بحث طویل ہوتی دیکھ کر کچن سے باہر آ کر بڑی سادگی سے بولی۔

کسی انجان بندے پر اتنا بھروسہ بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ چند گھنٹے کی شناسائی ہے اور آپ گاڑی دے رہی ہیں۔'' رمیض دل ہی دل میں خوش تو بہت ہوا کہ دوبارہ ادھر آنے کا ایک بڑا مضبوط بہانہ ہاتھ آیا تھا۔

''جو بچہ اپنی جان پر کھیل کر کسی کی جان بچا سکتا ہو اس سے زیادہ لائق بھروسہ کوئی

ہوسکتا ہے۔ اب آپ کے پاس دو راستے ہیں یا تو یہ کہ آپ گاڑی لے جاؤ یا پھر صبح تک یہیں رک جاؤ۔ اللہ مالک ہے۔''

''میں رُک نہیں سکتا آنٹی...... سوری! مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا۔''

''تو پھر آپ گاڑی لے جائیں۔'' ماہ رُخ نے قطعی انداز میں کہا اور گاڑی کی چابی لینے کمرے میں چلی گئی۔

ایک لمحے کو تابندہ بیگم کا دل یونہی کسی اندیشے سے دھڑکا تو سہی مگر انہوں نے خود کو سمجھا لیا۔ ڈیڑھ دو لاکھ کی گاڑی مومنہ کی زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں اور پھر...... یہ بچہ تو صورت سے ہی اچھے گھر کا لگتا ہے۔ اسی لمحے ماہ رُخ آ گئی۔

''یہ چابی اور یہ کاؤنٹر فائل۔ رات کا وقت ہے کوئی راستے میں چیکنگ کے لیے روک بھی سکتا ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اتنا قابل بھروسہ دکھائی دیتا ہوں۔'' رمیض نے اب ماہ رُخ کی طرف بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''خود پر کیا اعتبار نہیں ہے آپ کو......'' ماہ رُخ نے سادگی سے مسکرا کر پوچھا۔

''حالات ہی ایسے ہیں۔ آج کل تو لوگ اپنے بیٹے پر اعتماد نہیں کرتے۔'' رمیض نے بے ساختہ انداز میں کہا تھا۔

''آپ اب میرے بیٹے ہیں اور میں اپنے بیٹے پر اعتماد کر رہی ہوں۔'' تابندہ بیگم نے بڑی شفقت سے مسکرا کر رمیض کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''تھینک یو آنٹی...... بی یو۔'' رمیض نے ہاتھ بلند کر کے لہرایا۔

''پلیز! اب آپ لوگ ریسٹ کریں۔''

اتنا کہہ کر وہ نیچے اُترنے کے لیے تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

''بہت تکلف نہیں کر ڈالا آپ نے؟'' سہیل تازہ اخبار کھولے بیٹھے تھے۔

سمن جلدی جلدی ناشتے کے لوازمات لا کر سامنے رکھ رہی تھی۔ وہ اس کا چہرہ بڑی

چاہت سے دیکھتے ہوئے شرارت سے کہہ رہے تھے۔

سمن نے اپنے دراز گیلے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا اور دھیرے سے ہنس پڑی۔

''اب تو آپ کی خاص مہمان کی طرح ہی خاطر مدارت ہوا کرے گی۔ پتہ نہیں کب کو آنا ہو گا۔''

''یہ یقین رکھنا...... کچھ بھی کر رہا ہوں گا، کہیں بھی ہوں گا...... لیکن تمہارے پاس آنے کی ترکیب ہی سوچ رہا ہوں گا......''

''یہ سب تم نے اتنی جلدی کیسے بنا لیا بھئی!'' سہیل گرم گرم حلوے پر نظر ڈال کر سراہنے والے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

''اتنی جلدی کہاں...... آپ سو رہے تھے تب سے لگی ہوئی ہوں۔ یہ قیمہ بھرے پراٹھے بھی ہیں اور حلوہ پوری بھی۔ بس آپ شروع کر دیں ٹھنڈا ہو جائے گا سب۔'' وہ خالی پلیٹ سہیل کے سامنے رکھ کر بولی۔

''میں اکیلے شروع ہو جاؤں۔ تم ناشتہ نہیں کرو گی......؟'' سہیل نے اخبار تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

''آ رہی ہوں چائے لے کر۔'' سمن کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''تم کہو تو فل ٹائم کوئی ماسی دیکھوں......؟ بہت کام کرنا پڑتا ہے تمہیں۔'' سہیل کو اچانک خیال آیا۔

''میں ادھر اکیلی ہی تو ہوں۔ کام میں مصروف ہو جاتی ہوں تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ کوئی نوکرانی رکھ بھی لی تو وہ بس پڑی سوتی رہے گی۔ فضول میں ساتھ آٹھ ہزار کا خرچہ کرنے کا کیا فائدہ؟'' سمن چائے کی کیتلی پکڑے کچن سے آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس کا ایک اور فائدہ بھی ہو گا سمن...... تمہاری تنہائی بھی ختم ہو جائے گی۔ اکیلے تن تنہا رہنا بھی کوئی مذاق بات نہیں۔'' وہ پلیٹ میں حلوہ نکالتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''نیا ہے میرے پاس......'' سمن نے پلیٹ میں پراٹھے کا ٹکڑا توڑ کر رکھا۔

''نیا......؟ تمہارے پاس......؟'' سہیل کو جیسے بہت نرالی خبر ملی۔ بری طرح چونک کر سمن کی شکل دیکھی۔

''بھئی! میرا مطلب ہے وہ آتی ہے میرے پاس اور آتی رہے گی۔ وہ مجھ سے دور نہیں ہے۔ میں جب اسے کہوں گی وہ آ جائے گی۔'' سمن نے اعتماد اور اطمینان سے جواب دیا۔

''لیکن بہت دیر تک شاید ایسا ممکن نہ ہوگا۔'' سہیل کے منہ سے جیسے بالا رادہ کچھ نکل گیا۔ سمن نے قدرے اُلجھن بھرے انداز میں ان کی طرف دیکھا اور بڑی حیرت سے پوچھا۔

''کیوں...... یہ آپ کس بیس (Base) پر کہہ رہے ہیں؟''

''بھئی! ایک دن تو اس کی بھی شادی وادی ہو جائے گی۔'' پھر وہ تمہارے لیے تو فارغ نہیں ہوگی۔ شوہر، بچے...... ایک خاتون کی ٹھیک ٹھاک مصروفیت ہوتے ہیں۔'' سہیل باوجود کوشش کے اس سے نظر ملا کر بات نہیں کر پا رہے تھے۔

''وہ شادی نہیں کرے گی۔ اس کی ذمہ داریاں ہی ایسی ہیں کہ وہ شادی کے بندھن کو نباہ نہیں پائے گی۔ حالانکہ ایک دوست ہونے کے ناطے میری دلی خواہش ہے کہ وہ ایک مکمل عورت بن کر زندگی گزارے۔ مگر وہ تو شادی کے بارے میں سوچتی تک نہیں ہے۔ کئی مرتبہ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔''

''لیکن کہا جاتا ہے شادی کرتے نہیں ہیں شادی ہو جاتی ہے۔'' سہیل نے پیک سے ایک ٹشو پیپر کھینچتے ہوئے بظاہر لاپرواہی اور پُر مزاح انداز میں کہا۔

''اچھا ہے ہو جائے۔ سچے ساتھی کی رفاقت عورت کو بہت قوت دیتی ہے۔ میرا خیال ہے نیا جیسی پریکٹیکل لڑکی شادی شدہ حیثیت میں زیادہ اعتماد اور حوصلے سے کام کر سکتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے تو اس سے بہت ہمت ملتی ہے۔''

''ناشتے کے بعد اسے فون کرتی ہوں اور کہتی ہوں سہیل آئے ہوئے ہیں تم بھی

آج لنچ ہمارے ساتھ کرو...... حمزہ آ جائے گا۔'' سمن کیتلی سے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے بڑی سادگی سے محبت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''رہنے دو...... فی الحال میرا موڈ نہیں ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ آج کوئی میرے اور تمہارے بیچ میں آئے۔'' سہیل قدرے گڑبڑائے پھر سنبھل کر بڑی ہوشیاری سے بات بنائی۔

''چلیں...... جیسے آپ کی مرضی۔ مگر آپ نے آج کی بات کی ہے تو کیا کل چلے جائیں گے؟'' سمن سہیل کے جانے کے خیال سے یک دم اُداس سی ہوگئی اور چائے کا کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔

''نہیں...... فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ صدیوں کی تھکن طاری ہے جسے اُتارے بغیر کیسے چلا جاؤں؟'' سہیل نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا تھا۔

☆☆☆☆☆

''بس یوں سمجھو جیسے آسمان سے کوئی فرشتہ اُترا تھا۔ قربان جاؤں تیری رحمت کے۔'' تابندہ بیگم نے دونوں ہاتھ پھیلا کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے تشکرانہ انداز میں کہا۔ وہ مومنہ کے قریب بیٹھی بڑی محبت سے اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''ارے اس وقت تو میری یہ بچی چار مردوں کے برابر ہے۔ اللہ اسے بری نظر سے بچائے۔''

''امی! پھوپھو لفظ ''بچی'' سن کر بہت خوش ہو رہی ہیں۔'' ماہ رُخ مومنہ کے لیے فرمائشی گرین ٹی لے کر آ رہی تھی۔ شرارت سے بولی۔

''ارے...... میری تو بچی ہی ہے۔ اولاد کی طرح تو پالا ہے اسے۔ گھونگھٹ اُٹھایا تو یہ سامنے کھڑی تھی۔ گود میں بھر لیا تھا۔ اللہ نیک نصیب بنائے۔ بس اب تو یہی تمنا ہے کہ اپنے گھر کی ہو جائے۔ شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ اب تو سب کہہ رہے ہیں کہ اپنی پسند ہی سے کر لے۔'' تابندہ بیگم نے مومنہ کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا جو تابندہ بیگم کی باتوں پر بس مسکرائے جا رہی تھی۔

"کھلی چھٹی ہے پھوپھو...... کچھ تو کرلیں۔" ماہ رُخ نے گرین ٹی کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔

مومنہ آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"سارے جسم میں درد کی لہریں اُٹھ رہی ہیں بھابی جان...... حالانکہ میں نے تو زیادہ ہاتھ پاؤں بھی نہیں مارے تھے۔ لہروں میں اتنی تیزی تھی کہ میں تو فوراً ہی بے بس ہوگئی تھی اور کلمہ پڑھ لیا تھا۔" مومنہ نے نڈھال سے لہجے میں کہا اور تابندہ بیگم کے شانے سے سر ٹکا دیا۔

"ہاں میری تو خود آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ بڑی ہمت دکھائی بچے نے۔ اللہ اس کی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔ آمین"

"گیارہ بج رہے ہیں۔ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا فون نمبر بھی نہیں لیا میں نے۔" ماہ رُخ کو ایک دم جیسے کچھ خیال آیا۔

"آجائے گا۔ صبح تم تو گھر پہنچا ہوگا۔ سو رہا ہوگا۔ وہ اس طرح کا بچہ نظر نہیں آتا۔ خاندانی دکھائی دیتا ہے۔" تابندہ بیگم پرسکون لہجے میں درحقیقت بہت اعتماد سے کہہ رہی تھیں۔

"میں گاڑی کی وجہ سے پریشان نہیں ہوں امی...... گاڑی پھوپھو سے زیادہ نہیں ہے۔ ویسے بھی پھوپھو کو مجھ غریب کی مہران پسند نہیں۔ کہتی ہیں کیا "رکشہ" لیے پھرتی ہو۔" ماہ رُخ اچانک دھچکے کے بعد اچھی صورت حال کو بہت انجوائے کر رہی تھی۔ ہر ہر ادا میں خوشی کا عکس تھا۔

"میں نے بہت کہا اسے چلو ایکسچینج کرا دیتی ہوں۔ کہتی ہے یہاں ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں میں اپنے "رکشہ" ہی میں سیٹ ہوں۔" مومنہ نے مسکرا کر کہا اور کپ اُٹھا لیا۔

"بہرحال وہ بہت اچھے گھر کا بچہ ہے۔ اچھی سے اچھی گاڑی ہوگی اس کے پاس۔" تابندہ بیگم کے انداز میں اسی طرح سکون اور اعتماد تھا۔

"بالکل پتلی سی کھچڑی بنا لینا ماہ رُخ۔ یہ بتا رہی تھی کہ پیٹ سیٹ نہیں ہے۔ میں ذرا

ایک جوڑا دھو کر پھیلا دوں دھوپ کا وقت ہے جلدی سوکھ جائے گا۔" تابندہ بیگم اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولیں۔

"امی! میں ابھی دو منٹ میں دھو کر پھیلا دیتی ہوں۔ بس آپ کو تو چین ہی نہیں۔" ماہ رُخ نے جیسے انہیں اُٹھنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"اس معاملے میں تو سدا کی وہی ہوں۔ گھر میں عورت روز کپڑے دھونے آتی ہے مگر اپنے کپڑے میں خود ہی دھوتی ہوں۔" وہ ماہ رُخ کا اصرار نظر انداز کر کے اُٹھ ہی گئیں۔

"میری وجہ سے کیا سب پتلی کھچڑی کھائیں گے۔ ہوسکتا ہے لنچ ٹائم میں وہ رمیض بھی آجائے۔ تھوڑا سا کڑھائی یا پلاؤ ولاؤ بنالو۔" مومنہ نے گرین ٹی کا گھونٹ بھر کر ماہ رُخ سے کہا۔

"مومنہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ کھچڑی کے ساتھ کچھ بھنا وُنا کرلو۔ گوشت تو ہے ناں فریزر میں......؟" تابندہ بیگم واش روم کی طرف بڑھتے بڑھتے رک کر پوچھنے لگیں۔

"سب کچھ ہے امی آپ فکر نہ کریں۔" ماہ رُخ نے انہیں تسلی دی اور اُٹھ کر کچن کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆☆☆

"اچھا نانا خدا حافظ...... دعا کیجیے گا"

"دعائیں ہی دعائیں ہیں...... اللہ تمہیں کامیاب کرے۔ پتہ نہیں کیا سوجھی ہے تمہیں" نانا اپنی سبزی چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور روبی کے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ آنکھوں میں نمی سی اُترنے لگی۔

"بہت اچھی کمپنی ہے نانا...... اگر بات بن گئی تو مزہ آجائے گا۔ بہت اچھی تنخواہ کے ساتھ ساتھ سہولتیں بھی بہت ہیں۔"

"پیسے کا تو خیر کوئی مسئلہ نہیں۔ خیر اچھی بات ہے تمہارا جی بہل جائے گا۔ ویسے بھی ان دنوں تمہیں خوش رہنا چاہیے۔ اللہ تمہیں ہمت دے۔" نانا نے خود کو سنبھال کر بڑے

پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''اس جی کو ہی تو بہلانا ہے اب۔ عقل تو ٹھکانے ہے مگر یہ جی......'' روبی بولتے بولتے رک گئی جیسے خود پر قابو پا رہی ہو۔

''اس نے تو تمہیں نہیں چھوڑا...... غصہ تو تم دکھا رہی ہو۔ وہ تو ہمارے ساتھ بہت محبت سے......''

''محبت کا نام نہ لیں نتا...... یہ وہ لفظ ہے جس سے کسی کو بے وقوف بنانے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ ایک اُلجھا ہوا بندہ ہر وقت اپنے آپ سے جنگ کرتا ہوں، اپنے ضمیر کے سامنے کھڑا ہوا، وہ کسی کو سچی خوشی دے ہی نہیں سکتا۔ ایسا ادھورا نامکمل انسان تو دوسروں کی زندگی کو زنگ لگا دیتا ہے۔'' روبی نے دروازہ کھولا اور بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''نتا کے سینے سے جیسے ہوک اُٹھنے لگی۔ کچھ کہنا محال ہوا۔ میں تو یونہی ایک عام سی لڑکی ہوں۔ ماہ رُخ آپی کو دیکھیں۔ کتنی پیاری، کتنی خوبصورت، خاندانی لڑکی ہیں۔ جب یہ شخص ان کا نہیں ہو سکا تو میرا کیا ہوگا'' وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ پھر ایک دم پلٹی۔

نتا دروازہ بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا چکی تھیں۔ اسے پلٹتا دیکھ کر رُک گئیں۔

''آپ ماہ رُخ آپی کے پاس اسی طرح جایا کریں جیسے پہلے جاتی تھیں۔ ہمارا ان کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔'' وہ بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''کس منہ سے جاؤں......؟'' نتا نے آزردہ سے لہجے میں کہا۔

''اسی منہ سے...... ہم نے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جو منہ چھپاتے پھریں۔ میرا خیال ہے میری طرح انہیں بھی آپ کی اور آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' روبی اتنا کہہ کر تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گئی۔

''وہ بلیک کیری پر مسٹرڈ کرتی پہنے ہوئے تھی۔ پاؤں میں نگوں سے مرصع سینڈل تھے۔ کاندھے پر بلیک لیدر کا بیگ جھول رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ لڑکی صرف میرڈ ہی نہیں بلکہ پریگنینٹ بھی ہے۔

آنکھ سے اوجھل ہونے تک نتا چوکھٹ تھامے اسے دیکھتی رہیں۔

☆☆☆☆☆

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ کھڑکیوں پر پردے تھے۔ وقت کا اندازہ کسی بھی طرح سے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ تو اس کے موبائل پر رِنگ ہوئی تو اس کی گہری نیند ٹوٹی تھی۔ اس نے موبائل اُٹھا کر وقت اور کالر دونوں کو دیکھا۔ کال عمیر کی تھی اور وقت دوپہر بارہ بجے کا تھا۔

''مائی گاڈ...... بارہ بج گئے۔'' وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی اور سر جھٹک کر یاد کرنے لگا کہ سونے سے پہلے کیا ہوا تھا اور وہ اتنی دیر تک کیسے سوتا رہ گیا۔ چند لمحوں بعد ایک فلم سی ذہن کے پردے پر چل پڑی۔ وہ فوراً بستر سے اُتر آیا اور آگے بڑھ کر کھڑکیوں سے پردے ہٹائے، پٹ کھولے۔ باہر تیز دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ سمندر کی لہروں پر دھوپ کا عکس ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے آنچل پر گوٹا کناری۔

چند لمحے باہر کا منظر دیکھنے کے بعد اس نے اب کھل کر زور سے انگڑائی لی اور چند قدم چل کر کمرے کا دروازہ کھول کر بابا کو آواز دی جو باہر ریت سے چائے کا برتن رگڑ رگڑ کر چمکا رہا تھا۔

برتن چھوڑ کر دوڑا چلا آیا ''جی چھوٹے صاحب......؟ آپ نہا دھو لیں۔ میں آپ کا ناشتہ تیار کرتا ہوں۔ یہ گاڑی تو میں نے صبح ہی دھو ڈالی تھی۔ بالکل چمکا دی ہے۔ اندر سے بھی صاف کر دی ہے۔'' بابا نے قریب کھڑی وائٹ مہران کی طرف اشارا کر کے کہا۔

''گاڑی...... اوہ...... مائی گاڈ!! یہ گاڑی بھی تو کھڑی ہے۔ اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ یار! کیا سوچ رہی ہوں گی وہ معصوم خواتین کہ گاڑی لے کر رفو چکر ہو گیا اور شاید گاڑی پار کرنے کے چکر میں سارا ڈرامہ کر رہا تھا۔ یہ تو مسئلہ ہو گیا۔ میرے پاس تو ان کا کوئی کونٹیکٹ نمبر ہی نہیں کہ کم از کم فون پر ہی ان کو تسلی دے دیتا کہ آپ کی امانت محفوظ ہے اور میں لیٹ ہو رہا ہوں۔ اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے پھر گاڑی

کی طرف دیکھا۔

''بابا بس آپ ایک کپ چائے بنالیں۔ میں پانچ منٹ میں چینج کر کے آ رہا ہوں۔''اب اس پر عجلت طاری ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''شام کو کپڑے ذرا اچھے سے پہن لینا۔تمہارے سسرال والے تاریخ لینے آرہے ہیں۔اس ہفتے تم ٹھیک ہونا......کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا......؟''سبرینہ علوی نمو کے کمرے میں کھڑی بات کررہی تھیں۔

''مسئلہ......کیا مسئلہ ممانی جان؟''نمو نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بھئی!نماز روزے کی حالت میں تو ہوگی ناں......؟''انہوں نے اشارۃً بات کی۔

''جی......''نمو کی نظریں جھک گئیں۔

''چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ویسے سچویشن دوسری ہوتی تو اس میں بھی ہمارا قصور تو نہیں تھا۔ایمرجنسی تو ان کی طرف سے ڈکلیئر ہوئی ہے......لیکن اچھا ہی ہے۔شکر ہے ولید شادی کے لیے جلدی کر رہا ہے۔خدانخواستہ جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر گیا اس Base پر رشتہ ہی ختم کر دیتا تو ہم کیا کر لیتے۔تمہارے جیسی سادہ سی لڑکی کو اپر کلاس میں رشتہ ملنا بہت ہی مشکل ہے۔اتنی الٹرا ماڈرن لڑکیاں قدم قدم پر ملتی ہیں کہ جہاں کوئی کام کا لڑکا دیکھا اُچک لیا۔خیر یہ تمہاری گڈ لک اور تمہارے ماموں کی گڈ وِل ہے۔بہت میچور اور سمجھدار لڑکا ہے۔بیٹا تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔''وہ بولتے بولتے یک دم ڈپریشن میں چلی گئیں۔

نمو جو ولید کے ذکر پر ذرا محجوب اور محتاط سی کھڑی تھی ایک دم جیسے تڑپ کر سبرینہ کے پاس آئی۔

''آپ حوصلہ رکھیں ممانی جان......!یہ گھر رمیض بھائی کا ہے اور وہ اپنے گھر ضرور آئیں گے۔یہ صرف وقتی ٹینشن ہے۔''وہ سبرینہ کو سنبھالنے لگی۔

''ہاں......!سب کچھ اسی کا ہے۔مگر اولاد آنکھوں سے اوجھل ہو تو ماں خود کو نہیں

سمجھا سکتی۔''ایک بے قراری سی تو ہے ہر پل۔جانتی ہوں اس کے بڑے اچھے اچھے بچوں سے تعلقات ہیں۔جوان ہے اپنا پیٹ بھرنے کے راستے نکال سکتا ہے۔مگر دکھائی نہیں دیتا تو......خیر......اچھی بات ہے تم اچھا سوچتی ہو۔بڑا حوصلہ رہتا ہے تم سے۔مگر ایک ہفتے بعد تو میں بالکل اکیلی ہوں۔اتنے بڑے گھر میں کیا کروں گی اکیلی......''

نمو کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔وہ بے بس اور خاموش کھڑی تھی۔

''تم ایسا کرنا......ولید کو کہنا وہ رمیض کے آنے تک یہاں رہے۔''وہ بڑے بے ساختہ انداز میں کہہ بیٹھی تھیں۔پھر جیسے اپنے ہی جملے پر خجل سی ہو کر بولیں۔

''وہ تو خود اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہے۔اس کی ماں اسے خود سے دور کرنے کا حوصلہ کہاں سے لائے گی۔ماشاءاللہ بہت خوش قسمت ماں ہے کہ ولید جیسا بیٹا ملا ہے۔''

''ممانی جان!رمیض بھائی بھی کوئی برے انسان نہیں ہیں۔بس اپنی لاپرواہی کی وجہ سے پھنس گئے ہیں۔ورنہ تو آج کل لڑکے کیا نہیں کر رہے۔اچھی اچھی فیملی کے لڑکے ڈاکے ڈالتے ہیں،نشہ کرتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کچھ......''

''یہ باتیں تم اپنے ماموں کو سمجھاؤ۔تاکہ ان کے دل میں بیٹے کے لیے کچھ جگہ نکلے۔''سبرینہ علوی نے جیسے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''کسی مناسب موقع پر میں ان کو کہوں گی۔بہر حال ماموں جان بھی رمیض بھائی کی طرف سے فکرمند ضرور ہوں گے۔مگر ظاہر نہیں کرتے یا وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ اصلاح کے لیے سزا ضروری ہوگئی ہے۔''نمو نے بڑی متانت سے ماموں کا دفاع کیا۔

''ہاں مگر......اب خطرات زیادہ ہیں۔اگر غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔کچھ بھی تھا گھر میں نظر آتا تھا۔تسلی تو رہتی تھی۔''

سبرینہ نے اسی طرح دکھی و مغموم لہجے میں جواب دیا۔نمو اب خاموش سی ہو کر رہ گئی جیسے اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہو۔

''چلو خیر......اب اس حادثے کو فیس تو کرنا ہی ہے۔یہ بھی بہت ہے کہ اس موٹی کے فون آنا بند ہو گئے ہیں۔اُمید ہے اب انجم بھی ذرا Cool ہو کر غور کریں گے۔''

"تم شام کے لیے تیاری کرنا شروع کرو۔ وہ لوگ چھ بجے تک پہنچ جائیں گے۔ کل دن میں تمہیں شاپنگ کے لیے لے جاؤں گی۔ تمہارے ماموں نے کہا ہے کہ دو تین سیٹ اور چوڑی کنگن تمہیں دلا دوں۔" سبرینہ نے خود کو سنبھال کر موضوع بدل کر بات شروع کی۔

"یہ بہت ہو جائے گا۔ ماموں جان سے کہیں اتنا خرچہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سیٹ اور بس کنگن بہت ہیں۔" نمو نے شرمندہ سے لہجے میں منع کیا۔

"بیٹا! ہماری عزت کی بھی تو بات ہے۔ لوگ تو یہی کہیں گے ناں کہ بیٹی ہوتی تو انجم علوی بے حساب لٹا دیتے۔ بھانجی کو ایسے ہی رُخصت کر دیا۔" سبرینہ نے گہری سانس لے کر اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔

لفظ "رُخصت" پر نمو کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے سبرینہ کے وجود کو اپنی بانہوں میں کس لیا۔

"میں نے آج تک اتنی اچھی ممانی نہیں دیکھی۔ آپ نے تو مجھے محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ میری ماں نہیں ہے۔ کبھی کوئی روک ٹوک نہیں کی۔" نمو کی آواز بھرا گئی۔

"میں تو شاید تمہاری وجہ سے اچھی ہو گئی ہوں نمو...... تم نے جس طرح سے اس گھر کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میں نے کوئی بیٹی پیدا نہیں کی۔" سبرینہ واقعی بڑے پیار سے کہہ رہی تھیں جو نمو کے اس گھر سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کے خیال سے مزید اُمڈ اُمڈ کر آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

رمیض نے اپنے حلیے پر نظر ڈال کر بڑے اعتماد سے سوچا۔

"میں کسی اسپینش ینگ مین سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔ بس محترمہ کی (Mother hood) ممتا سے خود کو بچانا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کی ایج (Age) کیا ہو سکتی ہے؟ تیس بتیس سال...... ممکن ہے پینتیس سال۔ نو سال تو بڑی ہو گی لیکن نو سال بھی بہت ہوتے ہیں۔ وہ ذرا سا فکر مند ہوا پھر خود بخود مسکرا دیا۔ یہ ایک چیلنج ہو گا

میرے لیے۔ اس کو پھنسانا واقعی مشکل ہو گا۔ خیر...... محاذ پر جا کر دیکھتے ہیں۔ وہ دوسری والی بھی ٹھیک ہے۔" اس نے اِدھر اُدھر کار کی چابی تلاش کرتے ہوئے سوچا۔

"مگر زیادہ چارم نہیں ہے۔ پیسہ ویسہ کچھ خاص نہیں ہو گا اس کے پاس۔ اسپین جا کر ڈیڈی کو فون پر بتاؤں گا کہ اسپین سے بات کر رہا ہوں تو ان کی کیا حالت ہو گی۔ وری انٹرسٹنگ......" وہ اپنے ہی خیال سے لطف اندوز ہوا۔

"شادی کے دس سال بعد محترمہ خاصی بور ہو سکتی ہیں۔ میں دوسری شادی کر سکتا ہوں۔ بس ایک بار اسپین میں اُتر کر کشتیاں جلا کر تو بیٹھ جاؤں۔" اس نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے اُڑن قالین پر بھی گویا پاؤں رکھ دیے۔ چابی اُنگلی میں نچاتا کمرے سے باہر آیا۔

"بابا! وہ کمرے ٹھیک سے صاف کر دینا۔ میں ذرا لیٹ آؤں گا۔"

"آج بھی آپ اِدھر ہی رہیں گے......؟" بابا نے یونہی پوچھ لیا۔

"میری مرضی...... میرا ہٹ ہے۔ آپ کو کوئی تکلیف ہے؟" رمیض کے شاہانہ مزاج پر سوال پتھر بن کر لگا۔

"چھوٹے صاحب......! میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ آپ کی جگہ ہے آپ مالک ہیں۔ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ آپ کو یہاں تکلیف ہو گی شاید۔ کوٹھی میں تو ہر طرح کی سہولت ہوتی ہے۔" بوڑھا چوکیدار رمیض کی بدلحاظی پر بری طرح سٹپٹا گیا۔

"مجھے یہاں بہت آرام ہے۔ میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" رمیض اتنا کہہ کر کار کی طرف بڑھ گیا۔ بوڑھے چوکیدار کی نگاہ میں گہری سوچ کا عکس تھا۔

☆☆☆☆☆

"شاداب......! تم کالج کیوں نہیں گئے آج۔ بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں۔"

نیا شاداب کے کپڑے تہہ کر کے کمرے میں رکھنے آئی تو بستر پر دراز شاداب موبائل ہاتھ میں لیے شاید کوئی نمبر تلاش کر رہا تھا۔

"وہ چھٹیاں بھی آپ کی وجہ سے ہوئی ہیں۔" شاداب نے سپاٹ لہجے میں ٹکڑا توڑ

جواب دیا اور پھر موبائل کے بٹن پش کرنے لگا۔

"میں نے تمہیں سکھایا ہے کہ مہمانوں پر [illegible] تا تو......" نیا نے بھی تلخی سے کہا۔

"آپ کیا مجھے سکھائیں گی؟ آپ کو تو خود بھی کچھ نہیں پتہ۔" شاداب نے اس کی طرف دیکھے بغیر رکھائی سے جواب دیا۔

"کیا نہیں پتہ...... میں Complexed نہیں ہوں۔ جس جگہ ہوں جس حال میں ہوں حقیقت پسندی کے ساتھ ہوں۔ نہ حسرتیں ہیں نہ جھوٹے خواب۔ اس دنیا کو اسی طرح دیکھ رہی ہوں جیسے دیکھنا چاہیے۔ تم بھی حقائق کو فیس کرو اگر کوئی بہت نعمت یافتہ ہے تو ہذا من فضل ربی ہے۔"

"ہر کوئی نہیں ہے ہذا من فضل ربی...... یہی تو سمجھ نہیں آپ کو۔ انسانوں کا خون پی کر اکاؤنٹ بھرتے ہیں۔ پھر محل بنا کر ہذا من فضل ربی کی تختی لگاتے ہیں۔" شاداب بپھر کر بستر سے اُتر گیا۔

"تو پھر جو جیسا کرتا ہے اُس کا انجام بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ حقوق غصب کرنے والے ہمیشہ سچی خوشی سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے ناں...... اس نے تمہیں ان پر نگہبان نہیں بنایا۔ تم اپنے کیریئر کی فکر کرو۔ تمہارا اسٹرونگ کیریئر ہو گا تو ہر جگہ تمہیں عزت ملے گی اور تمہاری بہت سی شکایتیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔" نیا ہنوز بہت تحمل سے بات کر رہی تھی۔

"کہیں وڈیرہ خون آشام بلا بنا بیٹھا ہے کہیں سرمایہ دار...... جونک بن کر خون پی رہا ہے۔ جب محنت کی منصفانہ تقسیم ہی نہیں ہے تو مسئلے کیسے حل ہوں گے۔" شاداب اسی طرح برہمی سے بات کر رہا تھا۔

"تنظیمیں بنا کر چندے بھتے لے کر کیا مسائل حل ہو جائیں گے؟" نیا نے اب قدرے تلخی سے کہا۔

"اسٹال لگانے والا بھتہ دے، ریڑھی والا بھتہ دے، دکان دار بھتہ دے، مار تو مسلسل غریب کو پڑ رہی ہے۔ تم نوجوان کیا کر رہے ہو۔ ان بے بس و مجبور لوگوں کے

لیے۔ جو محلوں میں بیٹھے ہیں ان کو احساس دلانے کے لیے کچھ کیوں نہیں کرتے......؟ فضول سے لڑکوں میں اپنا وقت ضائع کر کے تم کون سا انقلاب برپا کرو گے......؟" نیا نے ڈانٹنے والے انداز میں پوچھا۔

"انقلاب ایسے نہیں آتا آپا...... انقلاب خون مانگتا ہے۔" شاداب نے بڑے پرجوش اور لیڈرانہ انداز میں کھٹ سے جواب دیا تھا۔

"بے گناہوں کا خون بہتا ہے بس...... جن کے پاس دولت ہے وہ تو پرندوں کی طرح فضا سونگھ کر سرمایہ باہر منتقل کر دیتے ہیں اور ایز گٹ کنٹرول لسٹ لاگو ہونے سے پہلے ٹکٹ کٹا کر ملک سے فرار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بھائی بیٹے فالتو نہیں ہیں جو عیاشوں کی عیاشیوں کی قیمت ادا کرتے پھریں۔ اپنا ذہن کیریئر کی طرف لگاؤ۔ ایم بی اے کے بعد میں تمہیں اسٹڈی کے لیے باہر بھجوا دوں گی۔ زندگی میں نام، مقام، عزت دیکھو گے تو خود بخود زندگی سے پیار ہو جائے گا۔"

نیا نے اب شاداب کے قریب آ کر پیار سے اس کی پشت سہلائی۔ اکلوتا بھائی تھا جس پر جوانی ٹوٹ کر آئی تھی۔ جو بڑا گھبرو اور بہت خوبصورت تھا۔ خاندان بھر کے لڑکوں میں کھڑا نمایاں دکھائی دیتا تھا۔ اس کی بیوہ ماں کا خواب، تمام عمر کی پونجی۔ وہ بہت زیادہ جذباتی ہو کر اسے مشتعل کر کے کسی نقصان سے دوچار ہونے کا حوصلہ نہیں رکھ سکتی تھی۔ پھر چھوٹے بھائی سے کیا انا کی جنگ......

"آپا! زندگی سے پیار کسے نہیں ہوتا مگر بے اصولی کی زندگی بھی تو کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ ہر انسان اپنی جگہ خاص اور اہم ہے۔ طاقت اور دولت کے بل بوتے پر زندہ رہنے کا حق چھین لینا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس کے بعد کوئی حد نہیں رہتی۔ احتجاج کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھنا بہت بڑی بزدلی ہے۔" شاداب پر رویہ کے مشفقانہ انداز کا خاطر خواہ اثر تو ہوا تھا۔ اب اس کے انداز میں دھیما پن تھا۔

"تمہاری باتیں سچی ہیں شاداب...... مگر سمجھداری، احتیاط یہی عقلمندی ہے۔ ماشاء اللہ تم پڑھائی میں شروع سے ہی بہت اچھے ہو اور اب تو منزل قریب ہے۔ امی کی

خاندان میں کتنی عزت ہے کہ ان کا بیٹا ڈاکٹر بننے والا ہے۔ تم تو ہماری بیوہ ماں کا سرمایہ ہو۔ ماں کی طرف دیکھ کر بھی سوچا کرو۔"

"کوشش تو کرتا ہوں کہ ماں کی خاطر کچھ کروں۔ مگر پتہ نہیں کیسی قسمت ہے۔ نرمی سے چلنے والی ہوائیں اچانک آندھیاں بن جاتی ہیں۔"

"آپا......! آپ کو ایک بات بتاؤں۔" شاداب کے لہجے میں ایک عجیب سی شکستگی اُتر آئی تھی۔

"ہاں...... ہاں! ہر بات کیا کرو مجھ سے۔ کم سے کم دل کا بوجھ ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی ماں بہنوں پر تمہیں ہر کسی سے زیادہ اعتماد کرنا چاہیے۔"

نیا تو اس کی بات سننے کے لیے بے تاب ہوگئی۔ بڑا خاص واقعہ تھا کہ شاداب اس سے اپنے دل کی بات کرنے جا رہا تھا۔

"آپا......! آپ کو سن کر حیرت ہوگی۔ میرے دو تین کلاس فیلوز جو بہت Rich فیملیز سے تعلق رکھتے ہیں۔ سپر ہائی وے پر ڈاکے مارتے تھے۔"

"ہائے میرے اللہ......!" نیا تو بری طرح دہل گئی۔

"میڈیکل کے اسٹوڈنٹ......!!" اس نے شدت حیرت سے مغلوب ہو کر پوچھا۔

"جی......! میڈیکل کے اسٹوڈنٹ۔ جو گریس مارکس لے کر پروموٹ ہوتے رہے اور دولت مند باپ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے میڈیکل کالج میں پہنچ گئے۔" شاداب کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"وہ جو جونیئر کلرک بننے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ وہ میڈیکل کالج میں آ کر ہم محنت کرنے والوں کو ہر طرح سے ذلیل ثابت کرتے ہیں۔ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ مجھے جسے وہ لوئر مڈل کلاس کا خوفزدہ سہما ہوا لڑکا سمجھتے تھے اپنے ساتھ واردات کرنے کے لیے لے گئے اور اسے ایڈونچر کا نام دیا۔ انہوں نے میرے سامنے ایک عورت سے اس کا پرس موبائل اور جیولری چھینی۔ میں تو ہتھے سے اُکھڑ گیا اور کہا میں ابھی پولیس اسٹیشن جا کر تمہاری رپورٹ کرتا ہوں تو وہ مجھے اسلحے سے ڈرانے

لگے۔" وہ بولتے بولتے سانس لینے کو رکا۔

نیا جیسے سانس روکے سن رہی تھی۔ منہ کھلا تھا بند کرنا بھول گئی تھی۔

"میں نے ٹریفک پولیس سے فوری ہیلپ لی اور ان لڑکوں کی کمپلین کی۔ انہیں کار سمیت گرفتار کرا دیا۔"

"یا اللہ......! کیوں کیا تم نے ایسا۔ وہ تو کریمنل تھے کچھ بھی کر سکتے تھے۔" نیا نے خوفزدہ ہو کر اس کا شانہ ہلا کر کہا۔

"آگے تو سنیں......" شاداب نے اس کے تاثرات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

"پولیس مجھے بھی ساتھ لے گئی تھی۔ اس رات میں گھر نہیں آیا تھا۔ ساری رات پولیس اسٹیشن میں گزر گئی۔ صبح وہ لڑکے اپنے گھر چلے گئے۔ مجھے نہیں پتہ کیسے...... مجھے پولیس نے روکا ہوا تھا کہ تمہارے کوئی انکل تمہیں لینے آئیں گے اور انہوں نے تاکید کی ہے کہ مجھے پولیس اسٹیشن سے اکیلا نہیں جانے دیں۔ میں بہت حیران تھا کہ میرے کون سے انکل ہیں جو اتنے مہربان ہو رہے ہیں۔" وہ بولتے بولتے پھر رُک گیا۔

"پھر......؟" نیا نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر ایک سیٹھ صاحب تشریف لائے۔ دروازے سے پہلے ان کی "توند" داخل ہوئی پھر خود......" شاداب نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"مجھے کہا...... بیٹا! مجھے اپنا انکل سمجھو۔ آؤ میرے ساتھ۔ میں کچھ سمجھا نہیں ان کے ساتھ باہر آیا تو دیکھا سامنے بہت بڑی لینڈ کروزر کھڑی تھی جس میں فل یونیفارم ڈرائیور اور دو گن مین تھے۔ ڈرائیور نے سیٹھ صاحب کو دیکھ کر دروازہ کھولا۔ سیٹھ صاحب نے پہلے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب میں بیٹھ گیا تو خود میرے برابر میں بیٹھ گئے اور پوچھا میرا گھر کہاں ہے...... میں نے بتا دیا۔ بولے میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دوں گا صرف دو باتیں کرنا ہیں تم سے۔ میں نے کہا جی فرمائیے......

ایک دم ان کا لہجہ بدل گیا "ہاں ہم بکنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہم فرمانے والے لوگ ہیں۔"

''الو کے پٹھے...... جاہل انسان...... !کروڑوں ٹیکس دیتے ہیں اس غریب ملک کو۔ ہمارے ٹیکسوں سے تمہارے نلکوں میں پانی آتا ہے، سڑکیں بنتی ہیں۔ یتیم خانے پلتے ہیں۔ تمہیں اسپتالوں میں ایڈ ملتی ہے۔ جہاں جا کر آپریشن کرانے لیٹے جاتے ہو۔ پرائیویٹ اسپتال میں جا کر پتہ کرو ایک چھوٹے سے آپریشن پر کتنا خرچہ آتا ہے......؟ ہمارے بچے ذرا سا شغل میلہ کر لیتے ہیں تو تم انہیں تھانے میں ذلیل کراتے ہو......؟ اُلٹا کیس بنوا دوں گا تم پر۔ سب ڈاکٹری واکٹری بھول جاؤ گے جیل میں چکی پیسو گے۔

ہم اس ملک میں مفت میں نہیں رہتے۔ خرچہ کر کے رہتے ہیں۔ تمہاری طرح چندے خیرات پر گزارا نہیں۔ کنواں کھودتے ہیں تو پانی پیتے ہیں۔ تم لوگوں کا کیا ہے کہیں بھی مر گئے ایدھی والے بیٹھے ہیں ناں کفن دفن کے لیے۔''

ہائے میرے اللہ! نیا کو تو سن کر جیسے چکر آنے لگے۔ اس نے نثار ہونے والی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ جو اتنے بڑے پیٹ کا تھا کہ سب کچھ چھپائے پھر رہا تھا۔

''پھر......؟'' اس نے خود پر قابو پا کر وحشت زدہ سی ہو کر پوچھا۔

''پھر کیا...... اپنے گن مین سے بولے دروازہ کھلوا سے نیچے دھکا دو۔'' ڈرائیور نے اسپیڈ آہستہ کی اور گارڈ نے مجھے باہر دھکیل دیا۔''

''چوٹ تو نہیں لگی تھی؟'' نیا کا جیسے کلیجہ پھٹ گیا۔ اس نے شاداب کے وجود پر نظر دوڑا کر بے ساختہ انداز میں پوچھا تھا۔

''چوٹ تو ایسی لگی ہے آپا جو کسی مرہم سے کبھی ٹھیک نہیں ہو گی۔'' شاداب کے لہجے میں غراہٹ سی تھی۔

''دفع کرو...... ہمیں کیا کچھ بھی کرتے پھریں۔'' نیا کو چھوٹے بھائی پر اب ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔ پھر فوراً ہی کسی خیال کے تحت سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگے۔

''پھر تمہارے پاس سٹل کہاں سے آیا؟''

''اس کا لائسنس ہے آپا...... چوری کا نہیں ہے۔'' شاداب نے اعتماد اور بے

نیازی سے جواب دیا۔

''تمہیں کیا ضرورت ہے اس کی......؟'' نیا نے جیسے چمکارنے کی کوشش کی۔

''مجھے ہی تو ضرورت ہے اس کی۔'' شاداب کے لہجے میں اس کی مخصوص خودسری کا عکس جھلکا۔

اسی لمحے بانو بیگم حواس باختہ سی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''خیریت ہے ناں......؟'' انہوں نے پریشان ہو کر نیا سے پوچھا۔

''جی امی سب خیریت ہے...... ایسے ہی شاداب سے باتیں کر رہی تھی۔''

''ہاں میں نے سوچا پتہ نہیں کیا مسئلہ ہو گیا۔ تم اُوپر سے اُتر کر ہی نہیں دے رہیں۔''

''امی...... ! آپ کو تو بس پریشان ہونے کا بہت ہی شوق ہے۔'' شاداب نے بے زارکن انداز میں کہا۔

''اپنے گھر میں تو کھل کر جئیں۔'' وہ یہ کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

بانو بیگم نے پھر پرتشویش اور سوالیہ نظروں سے نیا کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے امی...... ایسے ہی ہم اپنی باتیں کر رہے تھے۔ آج شاداب کا موڈ بہت نارمل ہے ایسا کرتے ہیں دوپہر کے کھانے پر یخنی پلاؤ بنا لیتے ہیں۔ شاداب کو بہت پسند ہے۔'' نیا نے مسکرا کر کہا۔

بانو بیگم نے حیرت اور خوشی سے نیا کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کر بولیں۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ میرے بچے خوش ہیں۔'' نیا مسکرا کر باہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

کال بیل کی آواز پر تینوں چونک پڑی تھیں۔ دل دھڑک اُٹھے تھے۔

ماہ رُخ کچھ میں تھی لپک کر باہر آئی تھی۔ تابندہ اور مومنہ نے اسے دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لیے اپنی جگہ بیٹھی رہیں۔

ماہ رُخ نے دروازہ کھولا سامنے رمیض کھڑا تھا۔ تازہ پھولوں کا گلدستہ لیے

ہوئے۔ کریم کلر پینٹ اور بلیک ٹی شرٹ میں گرمی کی تمازت سے چہرہ بھیگا بھیگا لگ رہا تھا۔

’’السلام علیکم......!‘‘ رمیض نے جیسے ماہ رُخ کو چونکایا جو گومگو کی کیفیت میں کھڑی تھی۔

’’وعلیکم السلام......! وہ......بس ایسے ہی......‘‘ ماہ رُخ نے خجل ہو کر اندر آنے کا راستہ دیا۔ ’’پلیز......‘‘

رمیض اندر آ گیا تو ماہ رُخ نے دروازہ بند کر دیا۔ رمیض منتظر تھا کہ ماہ رُخ اس کی رہنمائی کرے کہ کس طرف جانا ہے۔

’’ادھر ہی آ جایئے...... امی اور پھوپھو دونوں بیڈ روم میں ہیں۔ پھوپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے لیٹی ہوئی ہیں۔‘‘ ماہ رُخ اسے لے کر آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

’’خیریت......؟‘‘ رمیض قدرے اُلجھا۔ ماہ رُخ کے جواب دینے سے پہلے تابندہ اس کے استقبال کے لیے سامنے آ چکی تھیں۔

’’السلام علیکم آنٹی!......سوری میں لیٹ ہو گیا۔ آپ سوچ رہی ہوں گی گاڑی تو گئی۔‘‘ رمیض نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

’’میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ بلکہ اگر کچھ سوچ بھی رہی تھی تو اچھا ہی سوچ رہی تھی۔ مجھے پتہ تھا کہ رات بہت دیر ہو گئی تھی اس لیے سو رہے ہو گے۔ اچھا کیا نیند پوری کر لی۔ آؤ......ادھر بیٹھو......‘‘ انہوں نے ایک لائٹ ویٹ چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

مومنہ خاموشی سے بس مسکرا رہی تھی۔ ایک خیر مقدمی سی مسکراہٹ۔ رمیض نے پھولوں کا گلدستہ مومنہ کے سرہانے رکھ دیا اور بہت توجہ سے اس کا چہرہ دیکھا۔

’’کیسی ہیں آپ......؟ اسپین کے اور پاکستان کے گھوڑوں کا فرق پتہ چلا؟‘‘ رمیض کھڑا ہوا اسی طرح شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

مومنہ اس کے مردانہ حسن سے لاشعوری طور پہ متاثر نظر آ رہی تھی۔ اس پر مستزاد اس کی شوخی اور دلفریب مسکراہٹ۔

’’انسانوں کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ گھوڑے تو پھر گھوڑے ہیں۔‘‘ مومنہ نے برجستہ کہا تھا۔ رمیض بے ساختہ ہنس دیا تھا پھر کرسی کھینچ کر مومنہ کے قریب بیٹھ گیا۔

ماہ رُخ اس کے لیے کولڈ ڈرنک لینے چلی گئی تھی۔ تابندہ بیگم بیڈ پر اس کے مقابل بیٹھ چکی تھیں اور نظروں ہی نظروں میں واری صدقے ہو رہی تھیں۔

’’اگر آپ اچھا فیل نہیں کر رہیں تو ڈاکٹر کو دکھا دیں۔‘‘ رمیض نے یوں کہا گویا برسوں کی شناسائی ہو۔

’’ارے نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔ ریسٹ کروں گی تو سیٹ ہو جاؤں گی۔‘‘ مومنہ نے جیسے ممنون ہو کر جواب دیا۔ ماہ رُخ کولڈ ڈرنک کا گلاس لیے اس کے قریب آ چکی تھی۔

’’صرف میرے لیے...... آنٹی! پلیز آپ لیں......‘‘ اس نے بڑے مودبانہ انداز میں گلاس تابندہ بیگم کی طرف بڑھایا۔

’’نہیں بیٹا! میں ہائی بی پی کی مریضہ ہوں یہ کوک وغیرہ نہیں لیتی۔ کبھی کبھی ڈائٹ سیون اپ لے لیتی ہوں۔ تم پیو گرمی میں سفر کر کے آ رہے ہو۔‘‘ تابندہ بیگم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے جواب دیا اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

’’یہ آپ کی امانت......‘‘ اس نے ماہ رُخ کی طرف چابی اور کاؤنٹر فائل بڑھائی۔

’’تھینکس......‘‘ ماہ رُخ نے دونوں چیزیں لے کر شکریہ ادا کیا۔

’’ہم نے تمہیں بہت تکلیف دی۔ مگر ہم تمہاری یہ بھلائی ہمیشہ یاد رکھیں گے۔‘‘ تابندہ بیگم پھر اظہارِ ممنونیت کرنے لگیں۔

’’میں بہت شرمندہ ہو چکا ہوں اب گنجائش نہیں ہے۔‘‘ رمیض نے کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بھر کر پھر شوخی کا مظاہرہ کیا۔ تابندہ بیگم مسکرا کر خاموش ہو گئیں۔

’’آپ کتنے دن مزید رُکیں گی؟‘‘ رمیض مومنہ سے پوچھ رہا تھا۔

"شاید پندرہ بیس دن اور...... کچھ ضروری کام ہیں۔ بس ان سے فارغ ہوتے ہی چلی جاؤں گی۔ میری دوست جس کے ساتھ میں وہاں ہوتی ہوں وہ اپنی نند کی شادی میں اسلام آباد گئی ہوئی ہے۔ وہ آ جائے گی تو اس کے ساتھ ہی جاؤں گی۔ اس کا ہذبینڈ اور دو بچے وہیں اسپین میں ہیں۔ بچوں کی چھٹیاں نہیں تھیں اس لیے ساتھ نہیں لائی تھی۔"

"کب سے ہیں آپ وہاں؟" رمیض اب صرف اپنی دلچسپی کی باتیں کر رہا تھا۔

"سات سال سے" مومنہ نے جواب دیا۔

"اب تو آپ کی وہاں بہت بات ہوگی۔ وہاں انکم ٹیکس Pay کر رہی ہیں آخر......" رمیض نے کھوجتی نظروں سے مومنہ کے مضمحل چہرے کا جائزہ لیا اور کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کر دیا۔

"شکر ہے اللہ کا...... بہت فسیلٹیز (سہولتیں) ہیں۔" مومنہ نے تشکرانہ جذبات کے ساتھ جواب دیا۔

"بڑی لکی ہیں آپ...... ایک خاتون ہونے کے ناتے یہ بہت بڑی کامیابی (Achievment) ہے۔"

"تھینک گاڈ......" مومنہ مسکرائی۔ ماہ رُخ بھی قریب بیٹھ چکی تھی اور دلچسپی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"بہت جلد انشاء اللہ ماہ رُخ بھی میرے پاس آ جائے گی۔ اس کے ساتھ کچھ مسئلے ہیں ورنہ میں اسے ساتھ ہی لے جاتی۔"

رمیض کا دل چاہا کہہ دے کہ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ میں بزنس میں آپ کو بہت ہیلپ دے سکتا ہوں مگر اتنی تو عقل تھی کہ اتنی جلدی یہ بات کرنا بہت عجیب اور نامناسب ہوگا۔

"ہوں...... تو آپ پندرہ بیس دن کی مہمان ہیں بس...... یعنی مجھے آپ کی خیریت پوچھنے آتے رہنا چاہیے۔" رمیض کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا تھا۔

مومنہ نے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ رمیض کچھ زیادہ ہی

اخلاق کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

اتنا حسین پڑھا لکھا، اسٹرونگ فیملی بیک گراؤنڈ رکھنے والا لڑکا کچھ زیادہ ہی خوش اخلاق ہے اور شاید بہت سادہ سادہ بھی ہے۔

"اچھا آنٹی! اب میں چلتا ہوں۔ اس طرف آنا ہوا تو آپ کو ضرور سلام کرنے حاضر ہوں گا۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا تو باوجود اس کے کہ اُٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اسے یقین تھا اسے اصرار کر کے بٹھا دیا جائے گا اور وہی ہوا تابندہ بیگم نے ایک دم سے اُسے ٹوک دیا۔

"ایسے نہیں بیٹا...... ماں باپ سے دور پڑے ہو۔ ہوٹلوں کا کھانا کھاتے ہوگے۔ آج گھر کا کھانا کھاؤ ہمارے ساتھ۔"

"ارے نہیں آنٹی...... تھینک یو ویری مچ۔ عادت ہو چکی ہے ہوٹلنگ کی۔ میں پھر آؤں گا ابھی کچھ ضروری کام ہیں۔"

"نہیں نہیں...... پتہ نہیں تم نے ناشتہ بھی کیا کہ نہیں یا گاڑی پہنچانے کی فکر میں فوراً ہی چل پڑے۔ اب تو تم میرے بیٹے ہو۔ جب بھی یہاں آؤ گے تو کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گے۔" پھر ماہ رُخ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کھانا تیار ہے ماہ رُخ؟"

"جی امی...... کوئی خاص اہتمام نہیں ہے۔ سادہ سا کھانا ہے۔ وہی کھچڑی اور مٹن فرائی۔" ماہ رُخ نے کھڑے کھڑے بڑی سادگی سے مینو بھی بتا دیا۔

رمیض کو سچ مچ بھوک لگ رہی تھی۔ مرضی کا کھانا تیار تھا اصرار سے روکا بھی جا رہا تھا۔ وہ اب انکار نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆

سمن واش روم میں تھی۔ اس کے سیل پر رنگ ہو رہی تھی۔ سہیل ناشتے کے بعد لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ گھنٹی نے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اُٹھا لیا اور کالر کا نام دیکھے بغیر اٹینڈ کر لیا۔

''ہیلو......''

دوسری طرف خاموشی تھی۔ سہیل نے پھر زور سے ہیلو کہا۔

جواب میں خاموشی تھی۔ اب سہیل کی نیند رفو چکر ہوگئی۔ ایک اندیشہ سا دل میں جاگا تھا اور اندیشہ جاگتے ہی رابطہ بھی منقطع ہوگیا تھا۔ وہ فوراً Recieved calls کے آپشن میں چلے گئے اور آنے والی کال چیک کی۔ پھر گہری سانس لے کر موبائل برابر والے تکیے پر رکھ دیا۔

نیا کی کال تھی۔ اس نے یقیناً ان کی آواز پہچان لی تھی اس لیے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ گزرے سالوں میں جانے کتنی مرتبہ انہوں نے نیا کی کالز ریسیو کی تھیں۔ وہ ریسیو کرتے خیر خیریت پوچھتے پھر سمن کو بلا کر بات کرا دیتے۔ وہ کیا محسوس کرنے لگی ہے۔ وہ پہچان بھی گئی تھی تو کیا ہوا کہہ سکتی تھی کہ سمن سے بات کرا دیں۔

کیوں نہیں بولی وہ کچھ......؟

اسے مجھ سے بات کرتے ہوئے نہیں جھجکنا چاہیے۔ اس کا بھائی آزاد ہے، بے خوف ہے۔ اس سے زیادہ اسے کچھ نہیں چاہنا چاہیے۔

''کس کا فون تھا سہیل......؟'' سمن گیلے بال تولیے میں لپیٹے واش روم سے باہر آ کر پوچھنے لگی۔

''وہ میں نیند میں تھا جیسے ہی اٹینڈ کیا ڈسکنکٹ ہوگیا۔''

''ہاں بعض اوقات سگنلز کی وجہ سے مسئلہ ہوجاتا ہے۔ نیا ہی کا ہوگا۔ میں اسے فون کرنے کا سوچ ہی رہی تھی۔'' سمن نے سر پر تولیے کا بوجھ سنبھالتے ہوئے کہا۔

''آپ سونا چاہتے ہیں تو سو جائیں۔ میں موبائل لے کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ کیا پتہ پھر گھنٹی بج جائے۔ میں خود کر لیتی مگر بیلنس بہت کم ہے مشکل سے دو منٹ بات ہو سکے گی۔ شام کو آپ باہر نکلیں تو اسکریچ کارڈ بھی لے آیئے گا۔ ہاں مگر آپ کے موبائل سے اسے فون کر کے دیکھتی ہوں۔ پوچھتی ہوں کیسے فون کیا تھا۔'' سمن نے اِدھر اُدھر سہیل کے موبائل کی تلاش میں نظر دوڑائی۔

''میرے موبائل میں بھی بیلنس نہیں ہے۔ سوچا تھا راستے میں لوڈ کرا لوں گا۔ یاد نہیں رہا۔'' سہیل نے آنے کے بعد پہلا جھوٹ بولا اور انہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ جھوٹ انہوں نے کیوں اور کیا سوچ کر بولا۔

شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی موجودگی میں سمن اور نیا کی بات چیت ہو۔ سمن رک گئی۔ چند لمحے سوچا پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ جاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ سہیل نے اس کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سنی۔

''حیرت ہے نیا نے دوبارہ ٹرائی کیوں نہیں کی۔''

اسی لمحے ان کے تکیے کے نیچے پڑے موبائل کی بیل رنگ ہوئی۔ وہ ایک دم ڈسٹرب ہوگئے کہیں نیا نے تو ان کا نمبر نہیں ملایا۔ جلدی سے موبائل ہاتھ میں لے کر Caller کا نام دیکھا۔ اسکرین پر Home جگمگا رہا تھا۔ حویلی سے فون تھا۔ وہ تذبذب میں پڑ گئے اٹینڈ کریں یا نہیں۔ اگر بی بی جان کر رہی ہیں تو وہ اس وقت تک ٹرائی کرتی رہیں گی جب تک وہ اٹینڈ نہیں کر لیتے۔ یہ سوچ کر انہوں نے کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو......!'' انہوں نے محتاط انداز میں کہا۔

''بی بی جان بات کر رہی ہوں سہیل...... ابا! کدھر ہے ابھی؟'' وہ بہت مہربان انداز میں بول رہی تھیں۔ سہیل اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ سمن دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

''جی بی بی جان!''

''سہیل! نیا سے ملنے گیا تھا یا ابھی تک اس جنم جلی کے پیروں میں پڑا ہے؟'' بی بی جان کی آواز جیسے بھیجا چیرتی آر پار ہوگئی۔

''آپ سمجھیں میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں۔ وہاں ایک مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ سہیل نے سمجھانے کی کوشش کی۔'' ساتھ ہی سامنے دیکھا۔

''مجھے نہیں پتہ...... اسے فوراً حویلی پہنچا۔ لوگ پوچھ رہے ہیں میری ''کنوار'' کہاں ہے۔ اسے لے کر آ۔ اب وہ حویلی کا مال ہے اسے خود بھی عقل ہونا چاہیے کہ شادی کے بعد اسے کدھر ہونا چاہیے۔'' وہ بول رہی تھیں اور سہیل سوچ رہے تھے۔

کتنا سمجھایا ہے بی بی جان کو۔ مگر وہ بی بی جان کہاں جو کسی کی بات سمجھ لیں۔

''ارے تو اس کے ساتھ اُٹھ بیٹھ رہی مہینے میں پتا کھلا تا ہے مجھے۔'' سہیل کی خاموشی نے بی بی جان کو ایک اور تیر چلانے کا موقع فراہم کیا۔

''میں آپ سے بات کرتا ہوں تھوڑی دیر میں۔'' سہیل نے اتنا کہہ کر موبائل سوئچ آف کر دیا مبادا بی بی جان دوبارہ ٹرائی شروع کر دیں۔

''بی بی جان کا فون تھا کیا کہہ رہی ہیں؟'' سمن ان کے قریب آ کر پوچھ رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔ ایسے ہی خیریت لے رہی تھیں، تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' سہیل نے خود کو کنٹرول کر کے اس طرح جواب دیا جیسے واقعی کوئی عام سی بات ہوئی تھی۔

''شکر ہے مجھے تو بی بی جان نے ہر طرح کی فکروں سے آزاد کر دیا۔ شیر آیا...... شیر آیا اور آخر کار شیر آ ہی گیا۔'' سمن گرنے کے انداز میں بیڈ پر دھپ سے بیٹھ گئی اور ہنس پڑی۔

''میں سمجھی آپ کی نئی نویلی دلہن کو آپ کی یاد آئی ہے۔ فکریں تو اب اس بے چاری کے لیے ہیں۔'' سمن نے نظر اُٹھا کر سہیل کے چہرے سے کچھ کھوجنے کی کوشش کی۔

''وہ مجھے کبھی فون نہیں کرے گی۔ میرے اس کے درمیان کوئی جذباتی تعلق نہیں ہے۔ اب تم کوئی اور بات کرو۔'' سہیل نے سمن کی طرف بڑی سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے بات کی۔

''آپ کے یہاں آنے سے بی بی جان بہت ٹینس ہو رہی ہوں گی۔'' سمن اپنی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے زیرِ لب کہہ رہی تھی۔

''واپس چلا جاؤں...... اگر تمہیں بی بی جان کا اتنا ہی خیال ہے۔'' خلافِ توقع اس مرتبہ سہیل کے انداز میں جھنجلاہٹ اور برہمی تھی۔

''جی......؟'' سمن ان کے بدلے انداز پر ہکا بکا سی رہ گئی۔

''حویلی سے اپنا ذہن بالکل ایک طرف ہٹا دو۔ اس لیے کہ اب تمہارا حویلی سے،

حویلی والوں سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ تمہارا گھر ہے اور میں صرف تمہارا ہوں۔ میں تمہارے چہرے پر سکون اور خوشی دیکھنا چاہتا ہوں...... بس۔'' یہ کہہ کر سہیل بستر سے اُتر کر کھڑکی کی طرف چلے گئے۔

خیال کی ہر لہر پتھر سے بھاری تھی۔ ان کے سر میں درد ہونے لگا۔ اپنے دل کی مان کر بھی۔ نادیدہ بوجھ تو ڈھونے ہی پڑ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

رمیض ماہ رُخ کے اپارٹمنٹ سے نکل کر سیدھا عمیر کی طرف پہنچا۔ وہ بہت مصروف تھا۔ کمپیوٹر ویب سائیٹ وزٹ کر رہا تھا۔ رمیض کی رگوں میں جوش و خروش کا آتش فشاں دہک رہا تھا۔ عمیر کے مصروف انداز نے اسے مزید گرم جوش کر دیا۔ اس نے بڑی بے تکلفی سے کمپیوٹر بند کر دیا۔ عمیر کی ساری محویت ٹوٹ گئی۔ وہ گہری سانس لے کر کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر رمیض کو گھورنے لگا۔

''بہت خوش نظر آ رہے ہو؟ معافی مل گئی اسپورٹس کار کے ساتھ......؟'' اس نے رمیض کی طرف بہت غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''گو ہیل معافی...... وِد اسپورٹس کار...... لاٹری کھل گئی ہے میری۔'' رمیض صوفے پر دراز ہو کر تصور میں جانے کیا دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''مبارک ہو۔ لکی تو تم ہو یہ ماننے والی بات ہے۔ مگر مجھے خوشی ہے کہ تم انتقامی کاروائی کے جذبات سے پیچھا چھڑا چکے ہو۔ کرائم از کرائم۔ بندہ ایک دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اب یہ بتاؤ لاٹری کتنے کی نکلی ہے؟ اماؤنٹ ملین میں ہے؟'' عمیر کو لفظ لاٹری سن کر ہی عجیب سی خوشی ہو رہی تھی۔

''کیش فار ریور......'' رمیض نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

''اس لاٹری کا ٹکٹ کہاں ملتا ہے؟'' عمیر سوچ میں حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''یہ ایک گہرا راز ہے۔ مناسب وقت پر بتاؤں گا۔ فی الحال تو مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

"میں کوئی کریمنل کام نہیں کروں گا۔" عمیر نے بلا رعایت ٹکا سا جواب دیا۔

"یار! وہ بہت خوبصورت ہے اور بہت مالدار ہے اور یہ جرم اس کا ہے ہمارا نہیں۔" رمیض نے ایک فیشن میگزین ٹیبل سے اُٹھا کر رول کیا اور عمیر کو کھینچ مارا۔

"نئی ہے؟" عمیر نے جیسے سارا قصہ سمجھ کر گہری سانس لی۔

"بالکل نئی لگتی ہے۔ ابھی ریپر بھی نہیں اُترا۔" رمیض کو جیسے خواہ مخواہ گدگدی ہو رہی تھی۔ کامیابی کے سو فیصد یقین نے اسے پھول کی طرح ہلکا کر دیا تھا۔

"عشق ہو گیا ہے اسے تم سے......؟ پیچھے پڑ گئی ہے ہاتھ دھو کر......؟" عمیر اب کرسی سے اُٹھ کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے ہو گیا ہے۔ یہ عشق 6/6 ہے اندھا نہیں ہے۔" رمیض نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا اس بلیک میلر موٹی سے جان چھوٹ گئی......؟ میں تو تمہیں پہلے ہی کہہ رہا تھا ان احمق عورتوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ صاف کہہ دو میں آغا خاں میں D.N.A کرا کر ثابت کر دوں گا کہ میں شامہ کے بچے کا باپ نہیں ہوں۔ خود ہی میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گی سالیاں......"

"مشورہ تو تمہارا زبردست تھا۔ مگر محنت خرچہ کیے بغیر جان چھوٹ گئی۔ میں تو اب یہ ملک ہی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔" رمیض نے شانِ بے نیازی سے گویا عمیر کو مطلع کیا۔

"یار! اب ختم کرو یہ پزل...... کلیئر بتاؤ...... ہوا کیا ہے؟ کس کنٹری میں سیٹل ہو رہے ہو؟"

"لڑکی خوبصورت ہے۔ ویل آف ہے بس عمر میں شاید مجھ سے آٹھ سال بڑی ہے۔ زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"اتنی بڑی ہے وہ؟ اور لڑکی کہہ رہے ہو......؟" عمر جیسے چیخ پڑا۔

"تو میں کیا کروں؟ وہ لڑکی لگتی ہے۔ مجبوری ہے یار......" رمیض نے جیسے اُلجھ کر

سر کھجایا۔

"شادی کرو گے اس سے......؟" عمیر تو جیسے سناٹے میں آ گیا تھا۔

"وہ عورت ہے اور میں مرد...... کیا شادی نہیں ہو سکتی؟" دنیا کے کس قانون میں شادی کے لیے مرد و عورت کی عمروں کی Limit طے کی گئی ہیں۔" رمیض نے اپنی غرض کے لیے مضبوط ترین دلیل سے بات کی۔

عمیر چند ثانیے ہکا بکا اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر کسی سوچ کے تحت ایک گہری سانس لی اور رمیض کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کیا ہو گیا ہے یار...... اتنی مایوسی؟ کیا تمہیں اچھی لڑکی نہیں مل سکتی۔ وقتی کرائسس کو اتنے بڑے بڑے فیصلے کر کے حل کرو گے؟" وہ ہنوز پلکیں جھپکائے بغیر رمیض کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے سب نے مل کر بے انتہا ذلیل کیا ہے۔ میں بہت معزز بن کر ان کے سامنے آنا چاہتا ہوں۔" رمیض نے فوراً جواب دیا اور سامنے رکھی پلیٹ سے نمکو اُٹھا کر چکھنے لگا۔

"معزز بننے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ تم اپنا کیریئر مکمل کر کے بھی معزز بن سکتے ہو۔ مگر تم شارٹ کٹ ڈھونڈ رہے ہو جو تمہیں منزل پر پہنچانے کے بجائے کسی اندھے موڑ پر بھی پہنچا سکتا ہے۔ تنہائی میں ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔"

"کچھ لوگوں نے مجھے بے وقوف بنا کر مجھے ہر کام سے کھو دیا ہے۔ میں ثابت کرنا چاہتا ہوں مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس پاور اور پیسہ ہو گا تو ان شاطر عورتوں سے بھی اچھی طرح نپٹ لوں گا۔" رمیض نے بڑے مضبوط اور مدلل انداز میں واضح جواب دیا۔

"کوئی بے وقوف بنائے تو بہت غصہ آتا ہے ناں......؟" عمیر نے عجیب سی نظروں سے رمیض کی طرف دیکھا۔

"ظاہری بات ہے۔" رمیض نے لاپرواہی مگر اعتماد سے جواب دیا۔

"تو پھر تم جو اپنے سے دس برس بڑی ایک معزز خاتون کو بے وقوف بنانے جا رہے ہے

ہو۔ کل کو جب اسے پتہ چلے گا کہ ایک لڑکا اسے بے وقوف بنا رہا ہے تو اس کا بھرپور ری ایکشن کیا ہوگا یہ سچویشن بھی سوچ لی تم نے؟''

''میں اس کے ساتھ سنسیئر رہوں گا یار......! جب وہ میری لائف میں اتنا اہم پارٹ Play کرے گی تو میں اسے کیوں بے وقوف بناؤں گا۔'' رمیض اپنی خواہش اور پروگرام پر گویا اچھی طرح غور وخوض کر کے فارغ ہو چکا تھا اور بہت پراعتماد تھا۔''

''یہ تو تم اس وقت سوچ رہے ہو۔ اس لیے کہ تم ہر صورت اپنی خواہش پوری کرنا چاہ رہے ہو۔ جب پریکٹیکل لائف شروع ہوگی تو......''

''یار! کیا تم اسی سال کے بوڑھے بن کر خوفناک نصیحتوں سے مجھے ڈرا رہے ہو۔ ساتھ رہیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔ اچھی ہے...... ڈیسنٹ ہے۔ اس کے ساتھ دل بھی مل سکتا ہے محبت بھی ہو سکتی ہے۔ ڈزن میٹر......''

''یار! میں بھی چند روز قبل تمہاری ہی طرح بڑی لاپرواہی سے جی رہا تھا۔ مگر تم نے ہی مجھے ایک گہری سوچ میں ڈال دیا ہے۔ جب تم شامہ کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کا فیصلہ کر کے میرے پاس آئے تھے تو میں اتنا ٹینس ہوا تھا کہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ ساری رات یہی سوچتا رہا کہ وہ اتنی خطرناک عورتیں ہیں۔ تمہیں جیل پہنچا سکتی ہیں۔ تمہارا سارا کیریئر برباد کر سکتی ہیں۔ ایک کریمنل ہونے کی اسٹیمپ تمہارے ساتھ ہمیشہ کے لیے چپک جائے گی۔ میں نے جان بوجھ کر تمہارا بابو منان سے کونٹیکٹ نہیں کرایا۔ آفٹر آل میں تمہارا دوست ہوں۔ بہت سے مشکل حالات میں تم نے مجھے ہر طرح سے ہیلپ کیا ہے۔ میں نے کبھی تم سے فائننشلی ہیلپ لی تو تم نے کبھی انکار نہیں کیا۔ پیسے دے کر واپس نہیں مانگے بلکہ دے کر بھول گئے۔ میں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا بلکہ اگر تم مائنڈ نہ کرو میں انکل سے جا کر اسپیشلی ریکوسٹ کر سکتا ہوں تمہارے لیے......''

''بس...... عمیر! اس ٹاپک پر بات نہیں ہوگی۔ ایک کروڑ بچانے کے لیے مجھے کچرے کی طرح باہر پھینک دیا۔ پلٹ کر میری خبر نہیں لی۔ یہ تک جاننے کی کوشش نہیں کی

کہ میں زندہ ہوں یا ان شیطان عورتوں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہوں۔'' رمیض ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے میں وہ آگ کا گولہ بن چکا تھا۔ دہکتی آگ کی تپش سے آنکھوں میں سرخی اُتر آئی تھی۔

''رمیض یار! غصے کی کیفیت میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ آنٹی کا دو تین مرتبہ فون آیا تھا میرے پاس......''

''آنٹی کا آیا تھا ناں...... وہ ماں ہیں میری...... اور وہ مجھے کبھی گھر سے نکال بھی نہیں سکتی تھیں۔ میں ممی کی بات ہی نہیں کر رہا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ تمہاری بائیک بالکل خیریت سے ہے۔ ایک دو روز میں واپس......''

''میں تم سے بائیک کی بات ہی نہیں کر رہا۔ جب تک تمہیں ضرورت ہے اپنے پاس رکھو۔ بڑے بھائی دوبئی گئے ہوئے ہیں ان کی فوکسی ہے میرے پاس۔ تم ایزی فیل کرو۔ مگر یار Take Care'' عمیر نے ایک سچے خیرخواہ کی حیثیت سے باقاعدہ جیسے اس کی خوشامد تک کر ڈالی۔

''دیکھو ناں کرائم از کرائم......'' وہ مزید گویا ہوا۔

''یہ کرائم نہیں ہے۔ پروجیکٹ ہے...... او...... کے...... بائے۔ ملتا ہوں پھر تم سے۔'' رمیض اب تیزی سے عمیر کے بیڈروم سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

''مخدوم صاحب! یہ تو نیا تماشہ شروع ہو گیا ہے۔ وہ ڈائن سہیل کو اب حویلی آنے نہیں دے گی۔'' مہرالنساء اپنے سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتی لاؤنج میں داخل ہوئیں اور آتے ہی شروع ہو گئیں۔

''سہیل اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے مہرو۔ اتنے دن بعد گیا ہے...... آ جائے گا۔'' مخدوم صاحب نے حقے کی نے منہ سے نکال کر پرسکون انداز میں جواب دیا۔

''آپ کو عورت کے چلتروں کا اندازہ نہیں...... اور یہ جو عورتیں مسکین سی شکل بنا کر رکھتی ہیں بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ اندر ہی اندر کام دکھا جاتی ہیں۔ آپ نیا کو فون

ملاؤ میں اس سے بات کرتی ہوں۔ بولتی ہوں اسے کہ اپنے گھر واپس آ نہیں تو میں آتی ہوں تجھے لینے۔" مہرالنساء مخدوم صاحب کے مقابل بیٹھ گئیں اور اضطراری انداز میں اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگیں۔

"جلد بازی میں کام خراب ہو جاتے ہیں۔ گڈے گڑیا کا بیاہ نہیں ہوا۔ ایک لڑکی نے بڑی ہمت سے یہ قدم اُٹھایا ہے اور وہ اتنی نا سمجھ نہیں ہے کہ نکاح کا مطلب نہ جانتی ہو۔ تھوڑا صبر کر...... وہ ادھر ہی بسے گی۔ سہیل بھی ادھر ہی نظر آئے گا۔" مخدوم صاحب ہنوز ٹھنڈے اور پرسکون لہجے میں بات کر رہے تھے۔

"آپ بھول رہے ہیں مخدوم صاحب۔ سہیل نے مجبوری میں نکاح کیا ہے اور جو کام مجبوری سے کرتے ہیں وہ پھنسنے کے بعد بھاگنے کے راستے ڈھونڈتے ہیں۔" مہرالنساء جو ہزاروں اندیشوں میں کھیل رہی تھیں اب دلائل کے ہتھیار اُٹھا رہی تھیں۔

"تیری بات سمجھ میں آتی ہے مہرو...... مگر میں اپنے بیٹے کو بھی دیکھتا ہوں۔ وہ بہت ذمہ دار ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرے گا...... بےفکر ہو جا۔"

"آپ نہیں سنیں گے میری۔ پر میں آپ کی بات مانوں گی...... لیکن مخدوم صاحب! ایک بار میری بات تو کرا دیں نیا سے۔ اس میں کیا برائی ہے۔ اپنی بہو کی آواز سن کر ذرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" مہرالنساء نے اب منت کے انداز میں کہا۔

"اس کے گھر والے ڈر جائیں گے۔ اس سے سوال جواب کریں گے۔ تھوڑا اسے آرام دے اِدھر ہی آتی ہے تھوڑے دنوں میں۔" مخدوم صاحب نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"مخدوم صاحب مجھے اس کی خیریت پتہ کرنی ہے۔ ورنہ میں سوتی ہوں نیند کی گولی کھا کر۔ جب تک اس سے بات نہیں ہوگی گولی کھا کر سوتی رہوں گی۔ کسی سے بات نہیں کروں گی۔" اب مہرالنساء نے باقاعدہ ضدی انداز اختیار کیا۔

"سیدھی بات کر تجھے ڈر ہے نیا حویلی سے باہر جا کر اپنے فیصلے پر پچھتا رہی ہوگی اور اِدھر کبھی نہ آنے کا سوچتی ہوگی۔" یہ کہہ کر مخدوم صاحب حقہ گڑگڑانے لگے۔

"جب اتنا جانتے ہیں تو میری تسلی کو اس سے بات کیوں نہیں کراتے۔" مہرالنساء نے تلے کی لیس لگا دوپٹہ پیشانی تک کھینچتے ہوئے ادائے دلبرانہ کے ساتھ کہا۔ ان کو تیقن کی انتہا پر یقین تھا کہ مخدوم صاحب شریف آدمی ہیں کسی عورت کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے مگر لاڈلی بیوی کو بہت غور سے دیکھتے ہیں۔ ایک ایک نقش کی بلائیں لیتے ہیں۔ جتنی توجہ سے بیوی کا چہرہ دیکھتے ہیں اتنی توجہ سے تو پٹواری کا حساب کتاب نہیں دیکھتے۔

ان کا یہ پرانا حربہ کامیاب رہا۔ مخدوم صاحب نے مہرالنساء کا خوبصورت چہرہ بہت محبت سے دیکھا اور ایک لمحے کے لیے حقہ گڑگڑا کر پائپ منہ سے نکال کر منہ سے دھواں نکالا اور بولے "بات کراتا ہوں تیری نیا سے...... آسرا کر۔"

مہرالنساء نے نئی دلہن کی طرح نظر جھکا لی۔ کامیابی کے احساس نے محبوبیت کے رنگ مزید گہرے کر دیے۔

☆☆☆☆☆

نیا سل پر لہسن اور ثابت مرچ کی چٹنی پیس رہی تھی۔ بانو بیگم کھڑی طاہری بنا رہی تھیں۔

"نیا بیٹا وہ ٹیلی فون کا بل بھی جمع کرانا ہے۔ گیس کا تو میں جمع کرا آئی تھی۔ عتیقہ بتا رہی تھی آخری تاریخ چوبیس ہے۔" کھانا بناتے بناتے جیسے بانو بیگم کو ایک دم یاد آیا تھا۔

"کل جمع کرا دیں گے امی...... لاسٹ ڈیٹ کے ساتھ جمع کراؤ تو اکثر نئے بل کے ساتھ دوبارہ لگ کر آ جاتا ہے اور فون One way ہو جاتا ہے۔" نیا نے اُلٹے ہاتھ سے لہراتی بالوں کی لٹیں پیچھے کیں اور پھر اپنا کام کرنے لگی۔

"پیسے ہیں ناں...... ابھی مہینے کے پندرہ دن باقی ہیں پورا آدھا مہینہ" بانو بیگم نے پلٹ کر نیچے فرش پر بیٹھی نیا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ فکر نہ کریں امی...... پیسے ہیں۔ ابھی ایک دکان کا کرایہ بھی نہیں آیا۔ شاداب کو کہوں گی کہ کل پتہ کرے۔" نیا نے چلتے ہاتھ روک کر جواب دیا اور پھر بٹا چلانے لگی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ بانو بیگم نے گھنٹی کی آواز سنتے ہی برنر کی آنچ دھیمی کر دی اور تیزی سے کچن سے باہر نکل گئیں۔

نیا کا ذہن بھی اپنے کام سے ہٹ کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''شاید سمن کا فون ہو......'' اس نے سوچا۔

''ہیلو......جی! میں نیا کی والدہ بات کر رہی ہوں......آپ کون؟''

بانو بیگم کی آواز کچن تک صاف آرہی تھی۔

''جی جی......وہ گھر پر ہی ہے۔ میں بلاتی ہوں آپ ہولڈ کریں۔''

نیا نے یہ جملہ سنا تو اُٹھ کر سنک میں ہاتھ دھونے لگی۔ بانو بیگم اندر چلی آئیں اور بولیں ''تمہارا فون ہے نیا......کسی آدمی کی آواز ہے۔ میں نے پوچھا بھی مگر انہوں نے بتایا نہیں۔ بس یہی کہا کہ نیا گھر میں ہے تو بات کرا دیں۔''

''میں دیکھتی ہوں۔ نیا یہ کہہ کر کچن سے باہر نکل گئی۔ اندیشوں واہموں میں کھیلتی فون تک پہنچی۔ کیا سہیل کا فون ہے؟ مگر وہ کیوں مجھے فون کریں گے؟ وہ سوچتی ہوئی ریسیور اُٹھانے لگی۔

''ہیلو......'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ہونٹوں کو جنبش دی۔

''ہاں کون؟ نیا؟'' دوسری طرف سے مخدوم صاحب کی آواز اُبھری۔ قیامتیں آنکھ موند کر ستا رہی تھیں جاگ پڑیں۔ نیا کو یوں محسوس ہوا ایک دم اس کی توانائی سلب ہو گئی ہو۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ یہ چند دن اندر کی جنگ سے نبرد آزما ہوتے گزرے تھے۔ کسی رات میٹھی نیند نہیں آئی۔ چیختے چلاتے ضمیر کے منہ پر ہاتھ رکھتے رکھتے ہتھیلی سن ہو گئی۔ جس دن سے سمن کے ساتھ بات کر کے آئی تو جیسے سارا اسلحہ ہی ختم ہو گیا۔ ماں کی خاطر خود کو نارمل ظاہر کرنے کی اداکاری نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ خود کو ہر طرح سے مصروف رکھنے کی کوشش کے باوجود یہ حال تھا جیسے کوئی ضروری چیز کہیں رکھ کر بھول گئی ہو اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک رہی ہو۔

''ہیلو......کیا بات ہے نیا۔ ہیلو......میری آواز آرہی ہے؟'' مخدوم صاحب بہت

دھیمے اور پرسکون آواز میں پوچھ رہے تھے۔

''جی......بابا سائیں! السلام علیکم......'' نیا نے بمشکل خود کو سنبھال کر جواب دیا۔

''یہ اپنی بی بی جان سے بات کرو......اور سب خیریت ہے ناں؟'' وہ پوچھ رہے تھے نیا نے ریسیور دوسرے ہاتھ میں تھاما تو ان کا اگلا جملہ نہیں سن سکی۔ اب وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی تھی۔

''ہیلو......کیسی ہے اماں؟ (بیٹی)'' مہرالنساء کی والہانہ گرمجوشی بہت واضح تھی۔

''السلام علیکم بی بی جان!'' نیا نے کمزور سی آواز میں سلام کیا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جیسے ڈوبتے دل کو سنبھالا۔

''وعلیکم السلام......کیسی ہے تو خیریت سے ہے ناں؟ اب تجھے کسی بات سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تو مخدوموں کی بہو ہے۔ اب تیرے پاس زور، طاقت پیسہ سب کچھ ہے اور کچھ دن جاتے ہیں تیری گود میں چاند سا بیٹا بھی کھیلے گا۔ جس دن میرا پوتا تیری گود میں آئے گا میں حویلی کی چابیاں تیرے ہاتھ میں دے دوں گی۔ تو اب زور والوں کی بہو ہے۔ اللہ سائیں نے تجھے زمین سے اُٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا۔ کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' مہرالنساء ایک سانس میں بولتی چلی گئیں۔

نیا کے پاس ان کی کسی بات کا جواب نہ تھا۔ گم صم بیٹھی سن رہی تھی۔

''میں موٹر بھیجتی ہوں جس حال میں بیٹھی ہے چلی آ......ابھی سہیل کو بھی کہتی ہوں کہ فوراً واپس حویلی پہنچے۔ اب تیرے نہانے دھونے کے دن شروع ہو گئے۔ اللہ سائیں تیرا سہاگ سلامت رکھے......جوڑی بنی رہے۔'' مہرالنساء پھر شروع ہوئیں۔

موٹر بھجوانے کا سن کر تو نیا ہڑبڑا کر اُٹھا کھڑی ہوئی۔ اپنے چہار اطراف نظر دوڑائی جیسے خود کو تسلی دے رہی ہو کہ کسی نے کچھ نہیں سنا۔

''وہ بی بی جان......میں خود آجاؤں گی۔ آج کل یا پرسوں تک آپ بالکل فکر مند نہ ہوں۔ میں یہ چاہ رہی تھی کہ کسی طرح امی کو بتا دوں تا کہ میرا حویلی میں رہنا آسان ہو جائے۔ ابھی تک مجھے موقع نہیں ملا۔''

"اماں......! دن صدیاں بن کر گزر رہے ہیں۔ مہرالنساء کو برادری میں گالی پڑتی ہے کہ اس کے پاس وارث نہیں ہے۔ اب میرے سے یہ گالی برداشت نہیں ہوتی۔ تیری گود ہری ہوتے ہی میں برادری کو روٹی کھلاؤں گی۔ شاہ جی کے مزار پر منت مانی ہے میں نے۔ میں کل پرسوں کو نہیں مانتی موٹر بھیج رہی ہوں اپنی ماں کو سمجھا بجھا لے۔ یہ ضرور بتا دینا اب تو حویلی والوں کی ہے۔ تیری ماں بھی تجھے نہیں روک سکتی۔"

"بی بی جان وہ میری بات......"

"اماں اب کوئی بات نہیں۔ تیرے کو حوصلہ نہیں تو میری بات کرا دے اپنی ماں سے۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے۔ اس کی بیٹی بیٹھے بیٹھے رانی بن گئی ہے۔ ساری دنیا کی مائیں خواب دیکھتی ہیں کہ ان کی بیٹیاں محلوں میں بیاہی جائیں۔ تیری ماں کو تو بیٹھے بیٹھے سب کچھ مل گیا ہے۔ تیرے بھائی کا خیال نہ ہو تو حویلی سے دو نوکر تیری ماں کی خدمت کو بھیج دوں۔ شاباس (شاباش) تیاری رکھ۔ میں موٹر بھیج رہی ہوں۔" اس نے مہرالنساء کو جواب دینے کے لیے منہ کھولا تو ایئر پیس سے ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی۔ مہرالنساء نے فون بند کر دیا تھا۔

نیا رسیور سینے سے لگائے جیسے سناٹے میں کھڑی رہ گئی۔ چپکے سے کوئی بہانہ بنا کر گھر سے نکل جانا بہت آسان تھا مگر حویلی سے آئی ہوئی موٹر میں بیٹھ کر جانا بہت مشکل تھا۔ رات گئے دروازے پر گاڑی لینے آئے گی...... شاداب گھر پر ہوگا۔ سوچتے ہی اسے جیسے جھرجھری سی آ گئی۔ اس نے آہستگی سے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ عتیقہ ابھی گھر نہیں پہنچی تھی۔ شاداب بھی نہیں تھا۔ کیا اس تنہائی سے فائدہ اٹھا کر وہ ماں کو ہمراز بنا لے؟ وہ خود سے پوچھنے لگی۔

بانو بیگم کی سماعتیں کمرے کی طرف متوجہ تھیں۔ جب دیر تک کوئی آواز نہیں ابھری تو وہ سل پر بکھری چٹنی پر نظر ڈال کر حیران سی کمرے میں چلی آئیں کہ فون تو بند ہو گیا نیا کیا کر رہی ہے۔ نیا نے کیوں کہ بی بی جان لفظ بہت آہستہ آواز میں ادا کیا تھا تاکہ ماں نہ سن لے اسی وجہ سے بانو بیگم یہی سمجھ رہی تھیں کہ وہ فون پر کسی مرد سے بات کر رہی ہے۔

ان کا ذہن بس اس کی جاب کی طرف ہی جا سکتا تھا کہ وہ اتنی بھاگ دوڑ کر رہی ہے۔ شاید اسی سلسلے میں کسی نے کونٹیکٹ کیا ہے۔

اب کمرے میں آ کر جو اسے گم صم فکر مند دیکھا تو حواس باختہ ہو گئیں۔

"کیا ہوا نیا؟ کس کا فون تھا...... شاداب کی طرف سے تو خیریت ہے ناں؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

نیا ایک دم سنبھل گئی۔ بلکہ ایک دم ماں کے سامنے پا کر گڑبڑا گئی۔

"وہ سب خیریت ہے امی۔ آپ پریشان نہ ہوں...... ایک منٹ میں وہ چٹنی پیالی میں نکال کر سل تو دھو دوں۔" اسے قدرت کی طرف سے کچھ غور و خوض کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

وہ بانو بیگم کو اسی طرح حیران پریشان چھوڑ کر کچن میں چلی آئی۔

بانو بیگم کو اگرچہ اس کے جملے سے قدرے تقویت تو پہنچی مگر چند لمحے پہلے کی گم صم کیفیت ان کے ذہن سے نہیں نکل پائی تھی۔ شاداب کی طرف سے تو ہر وقت ہی دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

آہستہ قدموں سے چلتی وہ خود بھی کچن میں چلی آئیں۔

نیا بری طرح الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ پیالی میں چٹنی اتار رہی تھی۔ بانو بیگم نے ایک سوچتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور دوسری دم پر رکھی ہوئی طاہری کی طرف۔

"میں باہر چارپائی پر لیٹتی ہوں نیا...... کچن سے باہر آتے ہوئے چولہا بند کر دینا۔" وہ بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹنے کی کوشش میں لگ گئی تھیں۔ بس ایک خیال ٹھہر گیا تھا کہ نیا ان سے کچھ چھپا رہی ہے۔

بھائی کی خاطر تو جان بھی حاضر ہوتی ہے۔ میں نے تو مٹی کے برتن کا سودا کیا ہے۔ اس کے بعد سے کسی معجزے کی منتظر ہوں کہ سہیل کو مجھ پر ضرور رحم آ رہا ہوگا۔ وہ ضرور کچھ سوچ رہے ہوں گے۔ حویلی سے باہر آنا مجھے ایک مہلت لگ رہا تھا مگر ایک ہفتہ گزر گیا کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ سل کو رگڑ رگڑ کر دھوتے ہوئے خیالات کی یلغار کی زد میں تھی۔

بی بی جان نے کہہ دیا ہے تو موٹر ضرور آئے گی۔ کوئی زلزلہ یا طوفان موٹر کو آنے سے روک سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تو کوئی راہ نہیں۔ اس نے بیٹھے بیٹھے ہی باقی ماندہ پانی پھینک کر برتن سلیب پر رکھا اور گھٹنوں پر دونوں ہاتھوں کا زور ڈال کر یوں اُٹھی جیسے اُٹھنا محال ہو۔

موٹر کی تو صفائی بھی شروع ہو گئی ہو گی۔ اس نے گویا چشم تصور سے دیکھا عتیقہ اور شاداب کسی بھی وقت آسکتے ہیں۔ مجھے امی سے بات کر لینا چاہیے۔ یہ ایک مہلت ہے۔ شاید کچھ ہو جائے...... لیکن امی کا بی پی شوٹ کر گیا تو......؟ اس خیال نے پھر اسے متذبذب کر دیا۔ مگر وہ بادل نخواستہ کچن سے باہر چلی آئی۔

بانو بیگم پیڈسٹل چلا کر چارپائی پر دراز ہو چکی تھیں۔ ان کی شہادت کی اُنگلی ہونٹوں پر اور نظر آسمان کی طرف تھی۔ بلا کی محویت تھی جو اُن کے شدید فکر مند ہونے کی غماز تھی۔

نیا آہستہ آہستہ چلتی ماں کے پیروں کی طرف آکر بیٹھ گئی۔

بانو بیگم نے چونک کر پاؤں سمیٹ لیے اور نیا کی طرف دیکھا۔ نیا سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی کہ بات کس طرح شروع کرے۔

''پتہ نہیں کیوں میرے دل میں ایک وہم سا آرہا ہے کہ کوئی بات ہے۔ تمہارے چہرے پر بہت کچھ لکھا ہے جو مجھ سے پڑھا نہیں جا رہا۔'' بانو بیگم کے لہجے میں عجیب سی تھکن اُتر رہی تھی۔

''امی...... مجھے حویلی سے آکر آپ سے بہت ضروری بات کرنا تھی مگر موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ ایک آس سی تھی کہ شاید مجھے آپ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے اور مسئلہ حل ہو جائے۔'' نیا نے آہستہ آواز میں گویا تمہید باندھی۔

''یا اللہ خیر......!'' بانو بیگم ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھیں۔

''شاداب کے گھر آنے کے بعد اب کیا مسئلہ رہتا ہے۔ شکر ہے وہ گھر آچکا ہے۔ اپنے کالج جا رہا ہے۔ تم کس مسئلے کی بات کر رہی ہو؟'' بانو بیگم وحشت زدہ نظروں سے نیا کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''امی......!'' نیا پھر رُک گئی پھر جیسے بڑی سی گٹھلی نگلی۔

''امی...... ایک بہن نے بھائی کی زندگی اور آزادی کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔ بظاہر اس میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا بلکہ......'' نیا بولتے بولتے پھر رک گئی۔

بانو بیگم نے دیوانہ وار نیا کا چہرہ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی طرف موڑا۔

''نیا مجھے معموں میں مت اُلجھاؤ۔ میں تمہاری ماں ہوں مجھ سے صاف صاف بے دھڑک بات کرو۔''

''امی......! ماں سے بڑھ کر سچا دوست کوئی ہوتا ہی نہیں۔ مگر ماں بیمار بھی تو ہے۔''

اب نیا کی آواز آنسوؤں سے رُندھنے لگی۔

''ماں واری جائے...... اتنی بیمار اور کمزور نہیں ہوں نیا کہ اولاد مشکل میں پھنس جائے تو میں اسپتال میں جا کر لیٹ جاؤں۔ یہ انصاف نہیں ہے کہ میرے بچے بوڑھے بن کر سب کچھ جھیلیں اور میں بچہ بن کر اپنی جان بچاؤں۔ بولو بیٹی کیا مسئلہ ہے۔ میں قدم قدم تمہارے ساتھ ہوں۔ بتاؤ میرا بیٹا...... زندہ ماں کے سامنے تم کیوں بوجھ اُٹھائے پھر رہی ہو۔ ماں کس لیے ہوتی ہے......؟'' بانو بیگم نے نیا کو شانے سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''امی......!'' نیا کے گلے میں آنسوؤں کے گولے اٹک گئے۔ اس نے بمشکل آنسو پیے۔

''امی...... میں نکاح کر چکی ہوں۔ مجھے شاداب کی آزادی کے لیے یہ قید قبول کرنا پڑی۔ امی وہ شاداب کو ویرانے میں مار ڈالتے۔ امی میں جوان بھائی کو عمر بھر رونے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ بھائی چلا جاتا تو ماں بھی کھو جاتی۔'' اتنا کہہ کر نیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بانو بیگم کا منہ جتنا کھلا تھا کھلا رہ گیا۔

وہ چند لمحے پتھرائی نیا کو گھورتی رہیں جو ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔ اس کی سسکیوں نے جیسے ان کے ساکت وجود کو تحریک دی۔ انہوں نے ایک گہری سانس کھینچی۔

''آفرین ہے بیٹی تجھ پر...... جہاد پر گئی تھی شہید ہوگئی۔ اتنا بڑا بوجھ اُٹھا کر سارے کام کرتی پھر رہی ہے۔ آفرین ہے تیری ہمت پر۔ میں نے تجھ سے پہلے ہی پوچھ لیا تھا کہ یہ زور آور مقتدر لوگ، یہ وڈیرے اور خانزادے پرلے درجے کے عیاش ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی بڑی انوکھی مگر کچھ سکون دینے والی بات ہے کہ انہوں نے تجھے ''حرم'' میں جمع نہیں کیا۔ اتنے بڑے وڈیرے نے ایک معمولی حیثیت کی لڑکی سے نکاح پڑھا لیا......؟ پچاس برس تو بڑے ہوں گے تم سے مخدوم صاحب......؟'' وہ درد کی لہریں دباتے ہوئے اب بالکل سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''بڑے مخدوم سے نکاح نہیں ہوا ہے امی......'' نیا نے آنسو دوپٹے سے پونچھتے وضاحت کی اور پھر آنکھیں رگڑنے لگی۔

بانو بیگم پر حیرت کا ایک اور پہاڑ ٹوٹا جو پہلے پہاڑ سے بڑا تھا۔ وہ تو کوشش کے باوجود ''پھر'' نہ کہہ پائیں بس نیا کو تکنے لگیں۔

''مخدوم سہیل سے نکاح ہوا ہے۔ حویلی والوں کو ہر صورت وارث چاہیے اور سمن کے ماں بننے کی کوئی اُمید نہیں۔ ہوسکتا ہے چار پانچ مہینوں بعد اس کا ایک میجر آپریشن ہو اور اس کی یوٹرس نکال دی جائے۔ دوسری صورت میں کینسر کا خطرہ ہے۔'' نیا اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''اتنے بڑے رئیسوں کو کوئی بیٹی نہیں دے رہا تھا جو کسی کی بیٹی کو اغوا کر کے اپنے بیٹے سے نکاح پڑھا دیا۔ تم تو بے بس تھیں بھائی ظلم کا شکار تھا مگر مخدوم سہیل تو بے بس نہیں تھے حویلی سے نکل جاتے تو کوئی انہیں رسیوں سے باندھ کر تو نکاح نہیں پڑھاتا۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ تمہاری اور سمن کی کتنی پرانی اور پکی دوستی ہے۔ انہوں نے تو تمہارے منہ پر ہمیشہ کے لیے لک مل دی ناں کہ سہیلی نے سہیلی کا سہاگ چھین گیا؟'' بانو بیگم اب کمزور اور شکستہ لہجے میں بات کر رہی تھی۔ ایسی ناگہانی تھی کہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا ردِعمل کریں۔

سینے پر ہنوز ہاتھ رکھا ہوا تھا جیسے دل کو سنبھال رہی ہوں۔

''یااللہ! رہتی دنیا تک کیا فرعون اسی طرح ستم ڈھاتے رہیں گے؟''

انہوں نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر بڑے کرب سے کہا۔

''یہ تو تمہارے دل کی تسلی ہے نیا کہ تمہارا مخدوم سہیل سے نکاح ہوگیا ہے۔ مگر دنیا کو کیسے یقین دلاؤ گی کہ تم سہیل کی منکوحہ ہو داشتہ نہیں۔'' بانو بیگم نے اتنا کہا اور جیسے ایک دم بکھر کر رونے لگیں۔ اب ضبط محال تھا۔ بیٹی کے ہاتھوں میں مہندی دیکھ کر جو وسوسے جاگے تھے وہ سچے نکل آئے۔ بڑا مخدوم نہ سہی چھوٹا مخدوم ہی سہی عزت تو گئی۔

''امی......!'' نیا اب گھبرا گئی کہ امی کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔

''مجھے رونے دو نیا...... کھل کر ماتم کرنے دو۔ ان دونوں کے آنے سے پہلے جی بھر کے رونے دو۔ ارے شاداب کو کیسے قابو میں کریں گے۔ یااللہ! ہم پر رحم کر۔ یااللہ! میں بہت کمزور ہوں مجھے اتنا نہ آزما'' بانو بیگم ماتمی انداز میں رو رہی تھیں جس کا نیا کو پہلے ہی اندازہ تھا۔ وہ بے بس اور خاموش تھی۔

اسی وقت کال بیل بج اُٹھی۔ بانو بیگم نے ہڑبڑا کر دوپٹے سے چہرہ پونچھنا شروع کر دیا اور نیا کی طرف دیکھ کر بولیں ''میں باتھ روم میں جاتی ہوں۔ عتیقہ پوچھے تو بولنا نہا رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے کامن باتھ روم کی طرف بڑھ گئیں اور نیا گیٹ کی طرف۔

وہ جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں پونچھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

بھابی جان! پھر میں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔ مجھے چار دن بعد اسلام آباد تو جانا ہی ہے۔'' مومنہ نے سوٹ کیس میں کپڑے لگاتی تابندہ بیگم کے قریب آ کر کہا۔

''ہاں تو چلو...... اپنے بھائی بھتیجوں سے بھی ملاقات کر لو۔ پھر پتہ نہیں کب آؤ۔'' تابندہ بیگم نے خوش ہو کر کہا اور اپنی دُھلی ہوئی شرٹ تہہ کرنے لگیں۔

''امی...... ابھی سے جا رہی ہیں۔ میں نے تو آپ کی وجہ سے پورے پندرہ دن کی چھٹیاں لی تھیں۔'' ماہ رُخ بھی کچن سے نکل کر ان کے پاس چلی آئی۔

''تمہارے باپ کی مہربانی کہ انہوں نے آنے دیا۔ اب شروعات ہو ہی گئی ہے تو

کسی بہانے سے پھر چلی آؤں گی۔ تمہیں یہاں سکون سے رہتا بستا دیکھ لیا ہے دل کو اطمینان ہوگیا ہے۔ اللہ تمہیں ان مشکلوں سے نکالے۔ آمین'' تابندہ بیگم نے شرٹ کیس میں رکھ کر ماہ رُخ کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''سکون سے......؟'' ماہ رُخ کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''آپ دونوں چلی جائیں گی تو یہ گھر کتنا سونا ہو جائے گا۔ اس نے کپڑے سوٹ کیس میں لگانا شروع کر دیے جو تابندہ بیگم گیلری سے اُتار کر لائی تھیں۔

''اللہ تمہارے سونے آنگن میں بہار لائے۔ جب تک تمہیں تمہارے بال بچوں کے ساتھ نہیں دیکھ لیتی میرے نصیب میں خوشی کہاں...... آٹھ پہر صرف تمہارے لیے ہی سوچتی رہتی ہوں۔'' تابندہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''انشاء اللہ اسے بہت جلد وقار سے نجات مل جائے گی تو میں اس کی شادی کے لیے کوشش کروں گی۔ دو تین فیملیز وہاں اسپین میں بھی ہیں۔ دو پاکستانی اور ایک انڈین مسلم۔ اور یہ اچھا ہی ہوگا کہ اب اس کی شادی پاکستان سے باہر ہو۔ گزرا ہوا برا وقت تب ہی اس کے ذہن سے نکل پائے گا۔'' مومنہ نے ذرا فاصلے پر پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''انشاء اللہ......''

''تیری شادی......؟'' ماہ رُخ کے ہونٹوں پر اُداس و تلخ مسکراہٹ اُبھری۔

''دوسری...... پہلے صرف نکاح ہوا تھا۔ تم رخصت نہیں ہوئی تھیں۔'' مومنہ نے تصحیح کی۔

''دل کو بہلانے کے لیے غالب یہ خیال اچھا ہے۔'' ماہ رُخ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔

''ہمیں صرف تمہاری خوشی چاہیے۔ تم ہمیں اُلجھاؤ مگر ہم نہیں اُلجھیں گے۔ تمہارے مفروضوں کے ساتھ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔'' مومنہ نے سرفروشی انداز میں ماہ رُخ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جیتی رہو مومنہ...... اللہ تمہیں بہت دے۔ بڑی ڈھارس ہے تم سے۔ فکر ہے کہ تم اپنا بھی سوچ لو۔'' تابندہ بیگم نے اپنا کام روک کر بڑی محبت سے مومنہ کی طرف دیکھا۔

''بھائی جان! میری طرف سے تو آپ بے فکر رہا کریں۔ میں تو عورت کے بھیس میں مرد ہوں اور یہ بڑا ٹیکنیکل کیس ہے۔'' مومنہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی شادی کی بات ہنسی میں اُڑائی۔

''اگر تم نے چلنا ہے تو تیاری کر لو۔ تمہارے بھائی کے رات سے تین فون آچکے ہیں۔ سیٹ بھی بک کرا دی ہے۔ تھوڑی بھاگ دوڑ سے ہو سکتا ہے اسی فلائٹ میں تمہیں بھی سیٹ مل جائے۔'' تابندہ بیگم نے اب سوٹ کیس بند کر دیا۔

''ہاں میں فون کر کے پتہ کرتی ہوں۔'' مومنہ اُٹھ کر فون کی طرف بڑھی۔

''میں تمہارے ابا جان سے بات کروں گی۔ انشاء اللہ وہ تم سے ملنے ضرور آئیں گے اور پھر اب مومنہ بھی وہاں جا کر کچھ بتائے گی تو ان پر ضرور اثر ہوگا۔ وہ تو تمہارے الگ تھلگ رہنے پر خفا ہیں اور کسی بات پر انہیں غصہ نہیں۔'' تابندہ بیگم نے گم صم کھڑی ماہ رُخ کو اپنے گلے سے لگا کر پیار سے کہا۔

''تماشہ سا بن گیا تھا امی...... آخر کب تک ماں باپ کو پریشان کرتی۔'' ماہ رُخ کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب آ گیا۔

''ارے جس نے تمہارا یہ حال کیا ہے اللہ پوچھے گا اسے۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔'' تابندہ بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

مومنہ نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ ماہ رُخ آہستہ سے ماں سے الگ ہو کر آنسو پونچھنے لگی۔

☆☆☆☆☆

نمو کچن میں مصروف تھی۔ انجم علوی ابھی آفس سے نہیں لوٹے تھے۔ سبرینہ انجم علوی کی ہدایت کے مطابق مہمانوں کی فہرست تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے خاص طور پر نمو کو تاکید کی تھی کہ ان کی کوئی کال آئے تو کہہ دے کہ وہ سو رہی ہیں۔ انہیں کسی بھی طرح ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی فون کی گھنٹی بجی اس نے لاؤنج کی طرف دوڑ

لگائی اور اپنے مخصوص انداز میں ریسیور اٹھا کر ''جی ہیلو'' کہا۔

دوسری طرف ولید کمال تھا۔ نمو پر تو جیسے اس کی آواز نے لرزہ سا طاری کر دیا۔ وہ ٹپٹا سی گئی۔ ولید کمال سلام کر کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ نمو خود کو سنبھالنے لگی تو وقفہ طویل ہو گیا۔

''ہیلو...... میری آواز آ رہی ہے؟'' ولید کمال نے اُلجھ کر پوچھا۔

''جی...... جی آ رہی ہے۔ جی...... کہیے......'' نمو نے بدحواس ہو کر جواب دیا۔

''میں کہہ چکا...... سلام کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس کے انداز میں اب قدرے شگفتگی تھی۔

''وہ ماموں جان گھر پر نہیں ہیں اور ممانی جان اپنے بیڈ روم میں شاید سو رہی ہیں۔'' وہ پیشانی پر چمکتی بوندیں دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

''یہ میرے سلام کا جواب ہے؟'' وہ اسی طرح شگفتگی سے پوچھ رہا تھا۔

''جی...... وعلیکم السلام...... وہ...... اب آپ کو فون نہیں کرنا چاہیے۔ وہ میرا مطلب ہے کہ......''

''بس بارات لے کر پہنچوں اور اپنے گھر لے جا کر بات کروں......؟'' ولید کمال نے مصنوعی سنجیدگی سے پھر سوال کیا۔

''وہ آپ سمجھتے کیوں نہیں اچھا نہیں لگتا ناں......''

''مجھ سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا؟'' ولید کمال نے پھر سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں نہیں...... یہ بات نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ وہ...... آپ سمجھ کیوں نہیں رہے۔'' نمو کو جیسے ٹوٹ کر حیا آ رہی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا تھا کہ تمہاری آواز سنوں خیر خیریت پوچھوں۔ سو فون کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد دل چاہے گا تو پھر کروں گا رات کو دو بجے دل چاہے گا تو بھی کروں گا۔ صبح تک کرتا رہوں گا۔ کوئی مجھے روک کر دکھائے۔'' ولید کمال نے اس کی حالت کا اندازہ لگا

لیا تھا لہٰذا تنگ کرنے لگا۔

نمو خاموش رہی اور اپنے اوسان بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''رمیض کے نکمے پن نے میرا کام تو بہت آسان کر دیا ورنہ آپ کے ماموں جان نے تو ایک سال کا ٹائم لیا تھا۔ شاید وہ مجھے چیک پوائنٹ پر رکھنا چاہتے تھے۔''

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ کوئی اور وجہ ہو گی۔'' نمو نے گھبرا کر اس کی بات کاٹ دی۔

''وہ اصل میں ماموں جان چھ ماہ کے لیے ترکی جانا چاہ رہے تھے وہاں بھی ان کا بزنس سیٹ اپ ہے ناں۔ اس وجہ سے کہہ دیا ہو گا'' نمو جیسے صفائی پیش کرنے لگی۔ پہلے دن سے اسے بس ولید کمال کا یہ بات بات پر شک کرنا ہی کھٹک رہا تھا۔

''چلو اچھا ہوا تم نے وضاحت کر دی۔ ورنہ مجھے تو بہت عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے۔'' اس مرتبہ ولید کمال کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''اور تمہارے رنگیلے کزن کی کیا خبریں ہیں؟ پیسے ویسے مانگنے کے لیے فون تو کر رہا ہو گا آنٹی کو......؟'' ولید کی سوچتی ہوئی آواز ایئر پیس میں اُبھری۔

نمو کو ''رنگیلے کزن'' لفظ سن کر عجیب سی اذیت تو محسوس ہوئی مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''میرے سامنے تو ان کا کوئی فون نہیں آیا۔ ممانی جان کے موبائل پر آیا ہو تو میں کہہ نہیں سکتی۔''

''فون تو خیر اس نے لازمی کیے ہوں گے۔ پیسے کے بغیر تو وہ رہ ہی نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے تم بہت اسٹرونگ کیریکٹر ہونے کی وجہ سے بچ گئیں۔ ورنہ وہ ہاتھ صاف کرنے میں دیر نہ لگاتا۔ ایک نمبر عیاش ہے۔ اگر مجھے کنفرم ہو گیا کہ وہ موٹی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کی بیٹی کے ہونے والے بچے کا باپ رمیض ہے تو میں زمین آسمان ایک کر کے اسی لڑکی سے اس کی شادی کراؤں گا۔ میری آنکھوں کے سامنے پیدا ہونے والے ہر بچے کا باپ کنفرم ہو گا۔ اسی وجہ سے بھی میں شادی جلدی کر رہا ہوں۔ بے گناہ انسانوں کو

دیمک لگانے والوں کا میں نمبرایک دشمن ہوں۔''

''تم آ جاؤ میرے گھر میں۔ پھر میں دیکھتا ہوں اس راجہ اندر کو۔'' ولید کمال ایک خاص کیفیت میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ نمو حیرت و خوف سے پتھر بنی جا رہی تھی۔

''اگر یہ آنے والا نیا انسان کنفرم اسی کی اولاد ہے تو اسے Own کرنا پڑے گا اور تم ہر مرحلے میں میرا ساتھ دو گی۔ میرے لیے یہ بات بہت ہی اطمینان کا باعث ہے کہ ایک اسٹرونگ کیریکٹر لڑکی میری بیوی بن رہی ہے۔ مجھے کبھی اپنے بچوں کا D.N.A کرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' وہ اسے سراہ رہا تھا یا دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

نمو کی تو انجانے خوف سے ٹانگیں کانپنے لگیں۔

''ابھی میں اس سے اتنی دور ہوں تو یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ ساتھ ہوں گے تو......'' وہ خوفزدہ ہو کر سوچ رہی تھی۔

''کس سوچ میں پڑ گئیں......؟ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم سے میں سنسر کر کے باتیں نہیں کرتا۔ جو دل میں آتا ہے کہہ دیتا ہوں۔''

نمو کا دل چاہا کہ کہہ دے مجھ سے اتنی خوفناک باتیں نہ کیا کریں۔ میرے اعصاب میں اتنا بوجھ اُٹھانے کی قوت نہیں۔ مگر کہہ نہ سکی۔ البتہ بروقت جان چھڑانے کی ایک ترکیب سوجھ گئی۔

''وہ ممانی جان آ رہی ہیں...... اچھا خدا حافظ۔'' اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور قریبی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر گہری گہری سانس لینے لگی۔ سارے وجود میں ایک عجیب سے خوف کی لہر دورہ کر رہی تھی۔ ولید کمال کے جملے کانوں میں جیسے آگ لگا رہے تھے۔ یہ تو ایک نیا طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا۔ یہ شخص تو نفسیاتی مریض ہے، اپنا رول ہے۔ اسے رمیض یا اس گھر کے مسئلوں سے کیا لینا دینا......؟ یہ تو فوراً ہی ماموں جان کی نظر میں اپنا مقام کھو دے گا۔ پھر میرا کیا ہوگا......؟

وہ شکستہ اعصاب کے ساتھ خیالات کی یلغار سے نبرد آزما تھی۔

انتہائی شکی مزاج انسان تو اپنے آس پاس ایک عذاب برپا کر کے رکھتے ہیں۔ اس

کے سارے لطیف جذبے خوف کی آگ میں بھڑ بھڑ جل رہے تھے۔ صرف چند دن کا تعلق تھا اس کے اور ولید کے درمیان۔ کیا میں عمر بھر اس کی یہی اول فول سنتی رہوں گی؟

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا ہوا سر تھام لیا۔ گھٹن کی شدت کے لمحات نے اس پر منکشف کیا کہ ماں کیا ہوتی ہے؟

آج اس کی ماں زندہ ہوتی تو وہ ان کی گود میں سر رکھ کر ہر بات ان سے کر لیتی اور اس کی ماں...... ایک اکیلی ماں...... پوری فوج کی قوت بن کر اس کے مفادات کا تحفظ کرتی۔ اس کی ساری بلائیں اپنے سر لینے کو تیار ہو جاتی۔ تب ہی تو کہتے ہیں کوئی رشتہ ماں کا نعم البدل نہیں ہے۔

ایک ماں کی کمی سب سے بڑی کمی ہے۔ اسے اب اپنی اتنی بڑی محرومی پر رونا آ رہا تھا وہ بمشکل خود کو سنبھال رہی تھی۔

اسے اس بات کی کوئی خوشی نہیں تھی کہ ولید کمال اس کو مضبوط کردار لڑکی کا سرٹیفکیٹ دے رہا تھا۔ اس کے لیے تو یہ بات سوہانِ روح تھی کہ وہ روزِ اوّل سے اس کا کیریکٹر چیک کر رہا تھا۔ خیال کی ایک ایک لہر اسے یقین دلا رہی تھی کہ آگے انگاروں کا سفر درپیش ہے۔

☆☆☆☆☆

''آپا...... آپ کو امی اُوپر چھت پر بلا رہی ہیں۔'' نیا نہا کر باتھ روم سے باہر آئی تو عتیقہ نے ماں کا پیغام دیا۔

نیا نے سر پر لپٹا تولیہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالا۔ شام سے ایک سوچ تو لگی ہوئی تھی۔ ذہن مہر النساء کے فون کے بعد کہیں اور جا ہی نہیں رہا تھا۔ شام رات میں ڈھلنے لگی تھی۔ طوفان چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت اس کی ماں کی کیا حالت ہو رہی ہوگی۔ ساتھ ہی یہ اندیشہ تھا کہ ان کی حالت نہ بگڑ جائے۔ شاداب ابھی تک گھر نہیں آیا تھا مگر اس کی آمد کا ایک دھڑکا سا تو تھا۔

کیا کرے وہ...... کیا سہیل سے کونٹیکٹ کرے کہ وہ اس خطرناک صورتِ حال

میں اپنا رول ادا کریں۔ آخر ان کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہے۔ ظالموں کے سامنے انہوں نے بھی تو سرینڈر کیا ہے۔ اب ہر تکلیف دہ صورت حال میں ساتھ کھڑے ہونا ان کی ذمہ داری ہے۔ یہ میرا اکیلی کا تو بھگتان نہیں۔ کیوں نکاح پڑھوایا تھا؟ بھاگ جاتے...... روپوش ہو جاتے...... اب خیال تلخ ہونے لگے اور کڑواز ہر نس نس میں اُترنے لگا۔

وہ آہستہ قدم چلتی زینے تک آئی۔

شاید امی نے کچھ سوچا ہو۔ اس نے اتنا سوچ کر زینہ طے کرنا شروع کیا۔ اُوپر چھت پر آئی تو دیکھا بانو بیگم بان کی چارپائی پر سر کے نیچے تکیہ رکھے لیٹی ہیں۔ قدموں کی چاپ پر انہوں نے زینے کی طرف دیکھا نیا کو دیکھ کر ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور تکیہ پر پڑا دوپٹہ اُٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔

''آؤ نیا...... اب تو رات ہو رہی ہے۔ مجھے بتاؤ اگر حویلی سے گاڑی آ گئی تو کیا کرنا ہوگا۔ میں تو حیرت وصدمے سے کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہی۔ اتنی بڑی قیامت برپا ہو گئی اور میرے فرشتوں کو خبر نہیں۔ یہ تو کسی گھرانے میں موت سے بھی بڑا حادثہ ہے۔ مرنے والا مر جاتا ہے۔ اپنی آخری آرام گاہ میں جا سوتا ہے۔ جو پیچھے زندہ رہ جاتے ہیں اللہ انہیں صبر دے دیتا ہے موت کی حقیقت کو ہر ذہن قبول کر لیتا ہے۔ مگر کسی کی بیٹی...... اپنی عزت کا سودا کر لے تو دنیا نہ بھولتی ہے نہ معاف کرتی ہے۔'' بانو بیگم بڑے کرب سے کہہ رہی تھیں۔

''امی شاداب کے غائب ہو جانے کے بعد آپ اس کی زندگی کی بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار تھیں۔ کیا کرتی میں اس کی زندگی بچانے کے دو راستے ہوتے تو میں یہ نکاح کی قید کسی صورت کبھی قبول نہ کرتی...... اور اس شخص سے تو نکاح کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جو میری اکلوتی اور عزیز دوست کا شوہر ہے۔'' نیا نے اب روبوٹ کے انداز اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''ہائے...... کتنے ظالم ہیں۔ لوگوں کی مجبوریاں خرید کر خوشیوں کے محل سجاتے ہیں۔ یا اللہ! تو نے ان کی رسی کیوں دراز کی ہوئی ہے؟ کسی کی بربادی ان کی خوشی کیوں

بن جاتی ہے؟ کتنی ہمت والی ہے میری بچی۔ اپنی جھولی کے سارے سکھ پھینک کر آ گئی اور ماں پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ہائے میری بدنصیب بچی۔'' بانو بیگم نے اب پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ نیا گھبرا کر قریب بیٹھ گئی۔

''امی......! پلیز یہ نہ کریں۔ عقیقہ سن لے گی۔ شاداب بھی آتا ہوگا۔ امی! خود کو سنبھالیں۔ شاداب کو قید سے چھڑانے اور موت سے بچانے کے لیے یہ انتہائی قدم ضرور اُٹھایا گیا تھا لیکن امی یہ شادی نہیں ہے۔ میں اور مخدوم سہیل اس شادی کو آگے لے کر چلنے کو تیار نہیں ہیں۔ بااختیار لوگوں کی ضد کے سامنے یہ ایک وقتی مصلحت تھی جو ایک بے گناہ انسان کی زندگی بچانے کے لیے ضروری ہو گئی تھی۔''

''امی......! آپ اپنی بیٹی کا یقین کریں۔ میں آج بھی وہی ہوں جو حویلی جانے سے پہلے تھی۔ مجھے نہ کسی نے جائز ہاتھ لگایا یا نہ ناجائز...... نکاح ہو جانے کے بعد مجھے یقین سا ہے کہ میں مخدوم سہیل کے تعاون سے اس عذاب سے جان چھڑا لوں گی۔''

نیا نے ماں کو کاندھوں سے تھام کر ان کے سر سے اپنا سر لگا لیا۔

''امی......! سمن کے ساس سسر نے صرف ایک وارث حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔ جب انہیں مجھ سے بھی اپنا وارث نہیں ملے گا تو مجھ سے بھی اسی طرح بے زار ہو جائیں گے جس طرح سمن سے ہو گئے ہیں۔ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ پھر وہ مخدوم سہیل کی تیسری شادی کرنے کے لیے زمین آسمان ایک کرنے لگیں گے۔''

بانو بیگم اب بے یقینی کی کیفیت میں نیا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں امی......! میں آپ سے غلط بیانی نہیں کر رہی۔ یقین کریں اگر مجھے یہ یقین ہو جاتا کہ میں پھنس گئی ہوں تو میں دو نوالے منہ میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ رات کو میں سو نہیں سکتی تھی۔ روٹین کے کام نہیں کر سکتی تھی۔'' مخدوم سہیل نے اپنا آپ سمن کے لیے وقف کر دیا ہے وہ کسی اور کے کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔

''پلیز امی! آپ خود کو سنبھالیں۔ اچھی دوست بن کر میرا ساتھ دیں۔ اپنی بیٹی پر

اعتماد کریں۔ تھوڑا سا وقت گزرنے دیں حویلی والے خود ہی مجھ پر حویلی کے دروازے بند کردیں گے۔"

"لیکن اس دوران اگر تمہارا کوئی بہت اچھا رشتہ آ گیا......؟" بانو بیگم کے لیے جیسے نکاح کا پھندا ان کے اپنے گلے کے لیے تھا۔ بڑی کمزور سی آواز میں پوچھ رہی تھیں۔ نیا کی باتوں نے انہیں خاصہ سنبھالا تھا۔ اب بے بسی اور وحشت کی کیفیت کے بجائے قدرے سکون تھا۔

"تو سہیل مجھے فوراً ڈیوورس کردیں گے۔ امی انہیں مجھ سے یا کسی بھی لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں اور پھر میں اگلے چار سال تک کسی صورت بھی شادی نہیں کرسکتی۔ مجھے عتیقہ کی شادی پہلے کرنا ہے۔ میری شادی کا تو آپ سوچا ہی نہ کریں۔" نیا اُٹھ کر بالوں کو تولیے سے آزاد کرنے لگی۔

"ماں ہوں کیسے نہ سوچا کروں......؟" وہ ٹھنڈی سانس لے کر آہستہ سے بولیں۔

"امی......! آپ شاداب سے کوئی بھی بہانہ بنالیں۔ آج مجھے حویلی ہر صورت جانا ہوگا۔ اگر میں آج حویلی نہیں گئی تو ایسی مشکل آسکتی ہے جو ہمیں اور اُلجھا دے۔ ویسے بھی مخدوم سہیل سمن کے پاس آئے ہوئے ہیں۔ وہ حویلی میں ہیں بھی نہیں۔ آپ شاداب سے کہہ دیں میں ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد گئی ہوئی ہوں۔ دو چار روز میں آجاؤں گی۔ اس نے گیلے بال اُنگلیوں سے سلجھاتے ہوئے بڑی عجلت کے انداز میں کہا۔ ماحول میں اُترتی رات کی سیاہی......ایمرجنسی ڈکلیئر کررہی تھی۔ نیا کے ہر انداز میں ایک عجلت سی جھلکنے لگی تھی۔

"اور عتیقہ اس کو کیا بولوں......؟" بانو بیگم نے بڑی یاسیت سے نیا کی طرف دیکھا۔

"میرے جانے کے بعد آپ اس کو یہ سب کچھ بتا دیجیے گا۔ وہ شاداب کے خوف سے آنکھوں میں آنسو بھی نہیں لائے گی اور سب کچھ جاننے کے بعد وہ خاموش رہے گی۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔"

"شاداب یہ بھی تو پوچھے گا کہ آپا کس کام کی ٹریننگ کے لیے گئی ہیں۔ کس قسم کی

ڈیوٹی ہے......تو کیا بتاؤں اس کو؟"

"کہہ دیجیے گا کہ میں نے ایک بہت بڑی انشورنس کمپنی جوائن کرلی ہے۔ باقی بعد میں، میں خود اس سے نپٹ لوں گی۔"

"مجھے تم پر بھروسہ ہے نیا......کوشش کرنا یہ ہمیشہ قائم رہے۔" بانو بیگم نے جیسے ہتھیار ڈال کر کہا تھا۔

"انشاءاللہ امی......آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" مخدوم سہیل تو پہلی فرصت میں اس بندھن کو توڑنا چاہتے ہوں گے۔ ان کو میری مشکلات کا بھی احساس ہے اور میری عزت کا بھی۔ وہ بہت ذمہ دار انسان ہیں انہوں نے بھی صرف شاداب کی زندگی کے لیے یہ وقتی پھندا قبول کیا تھا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں اور یہ سوچیں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔"

نیا نے آگے بڑھ کر ماں کے شانے پر بہت محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو......تمہاری باتوں نے جیسے مجھے جیتے جی مرنے سے بچالیا۔" بانو بیگم کی آنکھیں پھر ڈبڈبانے لگیں۔

"یہ یقین بھی کتنی بڑی نعمت ہے کہ میری بیٹی میرے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولے گی۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر جذباتی انداز میں ہتھیلی پر بوسہ دیا۔

نیا کو یوں محسوس ہوا جیسے منوں بوجھ اس کے سر سے اُترا ہو۔

☆☆☆☆☆

ماہ رُخ ماں اور مومنہ کو ایئرپورٹ چھوڑ کر گھر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ کال بیل بج اُٹھی۔ ڈرائیونگ کی تھکن پھر اس پر سے زینہ کی چڑھائی وہ بس صوفے پر بیٹھنا ہی چاہتی تھی کہ کال بیل نے اسے بیٹھنے نہیں دیا۔

پتہ نہیں کون آگیا......ذہن ایک دم نتا کی طرف گیا۔ یا تو نتا ہوں گی یا کسی نے غلطی سے بجادی ہے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو روبی ایک سائیڈ پر کھڑی تھی۔ بلیک ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس بڑا سا بیگ کاندھے پر لٹکائے۔

ماہ رُخ تو ہکا بکا ششدر سی اپنی جگہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ دل زور زور سے دھڑکا وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھی۔ آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہی تھی۔

''اندر آنے کو نہیں کہیں گی......؟'' روبی نے مسکرا کر سکوت توڑا۔

''اوہ......پلیز!!'' ماہ رُخ ایک دم گڑبڑا کر اسے راستہ دینے لگی۔

روبی اندر داخل ہوئی اور ماہ رُخ نے دروازہ بند کر دیا۔ روبی سیدھی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ بیگ کاندھے سے اُتار کر سنٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ ماہ رُخ کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ آہستہ خرامی سے چلتی لاؤنج تک آئی تھی اور پھر بڑی حیران نظروں سے روبی کی طرف دیکھ رہی تھی اور اضطراری کیفیت میں اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑ رہی تھی جیسے روبی کی آمد نے کوئی قیامت برپا کر دی تھی۔ وہ خواہ مخواہ احساسِ جرم کی شدت سے شرمسار ہوئی جاتی تھی جیسے روبی اسے کٹہرے میں کھڑا کرنے آئی ہو۔

''آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں......؟ میں آپ سے لڑنے نہیں آئی۔ آپ میری دوست ہیں۔ بس......اس کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں ہے آپ سے۔ پلیز! آپ بیٹھ جائیں۔''

''آپ نے مجھ سے کچھ نہیں لیا آپی......بلکہ میں نے ہر طرح سے آپ کا حق مارا ہے۔ گنہگار تو میں ہوں۔ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔'' روبی بہت سکون سے اور دوستانہ لہجے میں بات کر رہی تھی۔

ماہ رخ کو جیسے ان دیکھا جال کٹنے کا احساس ہوا۔ وہ اب آزادی سے سانس لے کر روبی کے مقابل بیٹھ گئی۔

''کیا لو گی؟ کولڈ یا چائے کافی......؟'' وہ خود اپنی آواز سن کر خود کو زندگی کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ اس نے جیسے بات برائے بات کی۔ انداز میں ہنوز سوچ کا گہرا پن تھا۔

''کچھ بھی نہیں......آج کولڈ بھی بہت لیا ہے اور چائے کافی بھی۔ آپ تکلفات میں مت پڑیں۔ میں آپ کی وہی روبی ہوں جو ایک فراڈ کا انکشاف ہونے سے پہلے

تھی۔'' روبی نے ہاتھ بڑھا کر اپنا بیگ اُٹھایا اور زپ کھول کر ہیئر برش نکالا اور بیگ واپس ٹیبل پر رکھ کر بالوں میں برش چلانے لگی۔

ماہ رُخ پھر سے حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اتنی حیران مت ہوں......اُلجھن ہو رہی ہے مجھے۔ چھوڑ دیا اسے آپ نے بھی اور میں نے بھی۔ اب کوئی ٹینشن نہیں۔ آپ بھی آزاد ہیں اور میں بھی......بلکہ یہ اپارٹمنٹ جس میں میں رہ رہی ہوں وقار نے میرے نام سے خریدا تھا۔ آپ اسی اپارٹمنٹ میں آ جائیں میرے ساتھ۔ چھوڑ دیں یہ کرائے کا اپارٹمنٹ۔ وقار کی ہر چیز پر جتنا حق میرا ہے اتنا ہی آپ کا......آپ کیوں بیئر (برداشت) کریں یہ سب کچھ؟''

روبی بول رہی تھی اور ماہ رخ پہلے سے زیادہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

آپ تو ایک کونہ پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ چھٹی کا دودھ یاد نہ دلایا تو میرا نام بھی روبی نہیں۔ ایسے جھنڈے لہراؤں گی اس کے نام پر کہ لوگ زندہ باد کے نعرے لگائیں گے۔'' روبی نے جذبات کی شدت سے بے اختیار ہو کر بالوں میں جلدی جلدی برش چلایا۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو روبی۔ ایک کمزور عورت مرد کا کتنا کچھ بگاڑ سکتی ہے......؟ اسے تو خاک میں ملانے کے لیے ایک ننگی گالی ہی کافی ہے۔'' ماہ رُخ نے اب تلخ مسکراہٹ کے ساتھ روبی کو ٹوکا تھا۔

''یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔ اس زمانے کی جب عورت کو دو وقت کی روٹی کی وجہ سے ہر طرح ایکسپلائٹ کیا جاتا تھا۔'' روبی نے تندی سے ماہ رُخ کا موقف مسترد کر دیا۔

''مگر عورت کی عزت ہر زمانے میں، ہر دور میں اہم رہی ہے۔ شریف عورت اور کمرشل عورت میں ہمیشہ فرق رکھا جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی انقلاب پارسا عورت اور کمرشل عورت کو برابر نہیں بنا سکتا۔ روبی عورت کو اس عزت کی بڑی سے بڑی قیمت بھی ادا کرنا پڑ جائے تو ادا کرنا چاہیے۔ ایک عورت خود اپنی پارسائی کی گواہی نہیں دے سکتی۔

اس کے ساتھ رہنے والے مرد جن میں ہر رشتہ شامل ہے اگر اس کی پارسائی کی گواہی نہ دیں...... ایک گالی کے بعد لوٹ کا مال بن جاتی ہے۔ پھر احتیاط کرو روبی۔'' ماہ رُخ کے لہجے میں خلوص بھی تھا اور انجانے اندیشے بھی۔ وہ روبی کے بے خوف اور فیصلہ کن انداز سے درحقیقت خوفزدہ سی ہوگئی تھی۔

''آپی یہ سب باتیں ان لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں جو بہت آرام سے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور صرف ایک بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے مزے خراب نہ ہو جائیں اور وہ جن جھولوں میں جھول کر مست ہو رہے ہیں ان کی مستی میں کوئی کرکری نہ ہو جائے۔ آپی! جو لوگ جینے کا راستہ ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں ان کی سائیکالوجی بہت مختلف ہوتی ہے۔ خوف زدہ ہو کر کسی کونے میں دم سادھ کر بیٹھ جانے سے تو ظالم کو فل سپورٹ ملتی ہے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔'' روبی کے انداز میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں آئی۔

''اس سے تمہیں کیا ملے گا؟ کوئی روحانی مسرت...... کوئی مادی فائدہ؟'' ماہ رُخ نے بڑے وقار اور اعتماد سے پوچھا۔

''روحانی مسرت......'' روبی نے برجستہ کہا۔

پھر مزید گویا ہوئی ''میرے ردِعمل سے ایک شور تو برپا رہے گا۔ کوئی لائف انجوائے کرنے کے لیے خود کو آزاد محسوس نہیں کرے گا۔ احتجاج کی ناگوار چیخیں اس کے کانوں کے پردے پھاڑتی رہیں گی۔ وہ خوشیاں منانے کے لیے میدان صاف نہیں پائے گا۔'' روبی نے بھی اسی طرح اعتماد سے جواب دیا۔

''لیکن کوئی اگر اتنا بے حس ہو چکا ہو کہ احتجاج کو کسی کے پاگل پن سے زیادہ اہمیت نہ دے تو ہمارا اپنا تماشہ بن کر رہ جائے گا۔'' ماہ رُخ اپنی فطرت کے مطابق محتاط تھی۔

''آپ کی سمجھ میں میری بات نہیں آئے گی آپی...... آپ دیکھتی جائیے میں کرنے کیا جا رہی ہوں۔ پھوپھو کہاں ہیں؟'' روبی نے جان لیا کہ وہ ماہ رخ کو فی الحال سمجھا نہیں سکتی یا اس کی سمجھ میں اس کا پروگرام آ ہی نہیں سکتا تو اس نے بات کو وہیں روک کر

مومنہ کی بابت پوچھا۔

''میری امی آئی ہوئی تھیں لاہور سے۔ پھوپھو ان کے ساتھ چلی گئی ہیں۔ آ جائیں گی دو چار روز میں۔'' ماہ رُخ جواب دیتے ہوئے روبی کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک غیر ارادی لاشعوری عمل تھا۔ یہ وہ چہرہ تھا جسے اس شخص نے بڑی چاہت سے بارہا دیکھا تھا جس شخص نے اس کی زندگی کو بھی چند دنوں کے لیے باغ و بہار کیا تھا۔ روبی کا وجود اس کے لیے بہت خاص تھا۔ اس نے اس سبزہ زار سے پھول سمیٹے تھے جہاں وہ پھول توڑنے کے لیے بس ہاتھ بڑھا کر رہ گئی تھی اور دامن خالی رہا تھا۔

یہ اپنی جنگ میں مجھے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ مگر میں تو خود محاذ کھولے بیٹھی ہوں۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مگر مبہم مسکراہٹ اُبھری جسے چھپانے کے لیے وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''ایک منٹ میں تمہارے لیے سوفٹ ڈرنک لاتی ہوں۔ شاید وقتی طور پر گرمی کم ہو جائے۔'' ماہ رُخ فی الحال گہری اور فیصلہ کن باتوں سے بچنا چاہتی تھی۔

''پہلے آپ میری باتوں کا جواب دیں۔'' روبی کے انداز میں بچوں کی سی ضد تھی۔

''ساتھ ساتھ تمہاری ہر بات کا جواب تو دے رہی ہوں۔'' وہ فریج کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے پرسکون انداز میں بول رہی تھی۔

''میں آپ کو اس گھر سے لینے آئی ہوں۔ آپ میرے ساتھ رہیں گی۔'' روبی نے اضطراری انداز میں اپنا بیگ اُٹھایا پھر واپس رکھ دیا اور ماہ رُخ کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ تمہاری انتقامی کاروائی کا غالباً پہلا مرحلہ ہے......؟'' ماہ رُخ نے کچن میں داخل ہو کر فریج کا ڈور کھولتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔ ایسی مسکراہٹ جس کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔

''آپی! میں آپ کو یوز نہیں کروں گی۔ آپ تو جنگ میں استعمال ہونے والی شے ہی نہیں ہیں۔ معاف کیجیے گا۔ میں وقتی طور پر آپ سے دور ضرور ہو گئی تھی مگر آپ کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس Base پر میں آپ سے بہت زیادہ اٹیچ منٹ فیل کرنے لگی

ہوں۔ میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی غم وغصہ نہیں ہے۔ کوئی نگیٹو فیلنگز نہیں ہیں۔ میں تو آپ کو ہر طرح سے ایزی کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کی خاموشی آپ کی مظلومیت، یہ الگ کیس ہے میرے لیے...... آپ مجھ سے بدگمان مت ہوں۔''

''نہ آپ اس کے پاس جانا چاہتی ہیں، نہ میں اب اسے قبول کر سکتی ہوں۔ میں کوئی گیم نہیں کھیل رہی آپ کے ساتھ۔'' روبی بڑے جوش میں اٹھ کر اس کے پاس کچن ہی میں چلی آئی۔

''تھینک یو روبی...... تمہارا جذبہ میرے لیے بہت قابل قدر ہے۔'' ماہ رُخ نے پلٹ کر روبی کی طرف دیکھا۔ وہ گلاس میں کوک ڈال رہی تھی۔

''ہمیں ایک دوسرے سے بہت سپورٹ رہے گی۔ ہمیں کسی رشتے کی دوری کا احساس نہیں ہوگا۔'' روبی نے بڑی اپنائیت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اس کا مطلب ہے کچھ دنوں بعد وقار کی تیسری بیوی کو بھی تم اپنے گھر میں لے آؤ گی۔'' ماہ رُخ نے دوسرے گلاس میں کوک ڈالتے ہوئے پُرمزاح انداز میں کہا۔

''مجھے اس کی تیسری چوتھی پانچویں بیوی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ میری دوست ہیں یہ سب کچھ پتہ ہونے سے پہلے کہ آپ وقار کی پہلی بیوی ہیں۔''

''مجھے اتنی اہمیت مت دو روبی...... تم جو اپنے لیے بہتر سمجھتی ہو وہ کرو۔'' ماہ رخ نے وہیں کھڑے کھڑے گلاس روبی کو تھما کر بڑی سنجیدگی مگر اپنائیت سے کہا۔

''کیوں کیوں......؟ آپ اور میں تو انجانے میں مزید قریب ہوگئے ہیں۔ پہلے ہم صرف دوست تھے۔ اب رشتے داری بھی ہوگئی ہے۔'' روبی ماہ رُخ کے قدم بہ قدم ساتھ چلتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہی تھی۔

ماہ رُخ بے ساختہ ہنس پڑی۔ درحقیقت اس کی ہنسی میں بڑی بے ساختگی تھی۔

''رشتے داری، مگر یہ رشتے داری کتنی خوفناک ہے......؟'' وہ ہنسی روک کر کہہ رہی تھی۔

''یہ رشتہ اس وقت خوفناک ہوتا ہے جب ایک مرد کے ساتھ اس کی دو بیویاں رہتی

ہیں۔ اب یہ رشتہ بڑا ہلکا پھلکا ہے اس لیے کہ دھاندلی کرنے والا مرد ان کے ساتھ نہیں ہے۔'' روبی نے بڑے مضبوط لہجے میں برجستہ جواب دیا تھا۔

''یہ بات نہیں ہے روبی...... شاید وقار اپنی جگہ درست ہے۔ شادی خون کا رشتہ نہیں ہوتی یہ تو اعتماد کا رشتہ ہوتی ہے۔ اگر اعتماد اور بھروسہ ہے تو یہ ایک مضبوط بندھن ہے اگر اعتماد و بھروسہ نہیں تو اس رشتے کی کوئی حیثیت نہیں۔''

''اکثر تنہائی میں میرے اندر سے آواز اُبھرتی ہے کہ میرے بڑوں نے حقائق چھپا کر واقعی غلطی کی تھی۔ خبر ہولناک ہو اچانک ہو، حقائق پوشیدہ ہوں تو انسان کی سوچ لامحدود اُڑان بھرتی ہے۔ اس کے ذہن میں ہر طرح کا خیال آ سکتا ہے۔''

''یعنی آپ وقار کو گلٹی قرار نہیں دیتیں؟'' روبی نے تیزی سے بات کاٹ کر برجستہ سوال کیا تھا۔

''پھر آپ نے اس کے خلاف سوٹ کیوں فائل کیا۔ اگر آپ سوٹ فائل نہ کرتیں تو میں بھی شاید آخری سانس تک بے خبر رہتی۔'' روبی نے مزید کہا۔

''میں پھوپھو کو قائل نہیں کر سکی۔ ان کی لوجک یہ ہے کہ وقار نے انتہائی قدم اُٹھانے سے پہلے حقائق جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ یہ مردانہ اصول کے منافی ہے۔ مرد کو ہر فیصلے سے پہلے حقائق جاننے کی جستجو کرنا چاہیے۔ جذباتیت تو صرف عورت کو سوٹ کرتی ہے اور اسے مارجن بھی دیا جا سکتا ہے۔' ماہ رخ نے بہت دھیمی آواز میں سر جھکا کر وضاحت کی۔

''ٹھیک کہتی ہیں پھوپھو...... کسی انسان کی زندگی کو بے سوچے سمجھے اندھیروں میں دھکیل دینا یہ تو ناقابل معافی جرم ہے۔''

''کیا وقار پہلے ٹرائل میں حاضر ہوئے تھے۔'' روبی نے چہرہ ماہ رُخ کی طرف موڑ کر بہت غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......!'' ماہ رخ نے مجرم کے انداز میں سر جھکا کر ''ہاں'' کہا۔

''بہت نفرت تھی اُن کی آنکھوں میں میرے لیے۔ میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی

کہ مجھے زندگی میں اتنی شدید نفرت کو بھی فیس کرنا ہوگا۔'' ماہ رُخ اسی طرح سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

''اس کے حساب سے آپ غلط تھیں تو طلاق دیتا۔ پانچ سال سے آپ کو باندھے ہوئے ہے۔ اس دوران آپ کی کہیں اور شادی ہو سکتی تھی۔ آپ بھی کہیں نارمل لائف گزار رہی ہوتیں۔'' روبی کے لہجے میں اب بہت تلخی تھی۔

''شادی کا ذکر تو بس تم رہنے دو۔ میرے ذہن میں دور دور تک اس طرح کی کوئی سوچ نہیں ہے۔'' ماہ رُخ نے تھکی تھکی آواز میں جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کو وقار سے سچ مچ محبت ہے۔ آپ اس کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتیں......'' روبی نے کسی وکیل کی طرح بے رحمانہ جرح کی۔

ماہ رخ نے اب سر اُٹھا کر روبی کی طرف دیکھا اور دھیرے سے مسکرائی۔

''فرض کرو اگر مجھے وقار سے محبت ہوتی بھی تو تمہارے سامنے کیسے اعتراف کر سکتی تھی۔ تم بھی تو وقار کی محبت کی دعویدار ہو۔'' وہ روبی کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''دعویدار تھی...... ہوں نہیں...... میری سمجھ سے باہر ہے ایک مرد دو عورتوں سے ایک جیسی محبت کیسے کر سکتا ہے؟'' روبی نے بڑے آف موڈ میں جواب دیا۔

''اس نے ایک وقت میں ایک ہی عورت سے محبت کی ہے۔ مجھے چھوڑنے کے بعد تمہیں چاہا تھا اور تم نے اپنے چاہنے والے کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔'' ماہ رُخ نے بولتے بولتے روبی کے شانے پر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اسی بات پر تو جنگ ہے۔ ایک عورت جو اس کی زندگی میں مجھ سے پہلے آئی تھی۔ وہ اس کی میموری سے کیسے نکل سکتی ہے۔ جس کے ساتھ وہ ہنسا بولا اور قربت کی انتہا تک پہنچا۔ اب یہ قسمت کی بات ہے کہ اس پہلی محبت کی نشانی کوئی بچہ سامنے نہیں آیا جو کہ پیدا ہو سکتا تھا۔ وہ ایک بچے کا باپ بن کر مجھے دھوکہ دیتا پھر بھی خود کو ان میرڈ ظاہر کرتا۔ میرے ساتھ رہتے ہوئے کبھی اپنے بچے کی یاد میں کھو جاتا، کبھی بچے کی ماں کو سوچتا۔ ایک زبانی محبت کے دعوے کے علاوہ مجھے تو اس سے کچھ بھی نہیں مل رہا تھا۔ میرے پیور

(Pure) جذبے کسی کھوٹے انسان پر کیوں ضائع ہوں؟ میں اس پر کمپرومائز نہیں کر سکتی۔'' روبی کا انداز حتمی و قطعی تھا۔

''تم بے حد ذہین اور حساس ہو روبی...... کسی عام عورت کے لیے شاید ایسے کیس میں گنجائش نکل جاتی ہو مگر تم جیسی لڑکی کو نہ ہینڈل کیا جا سکتا ہے نہ قائل۔'' ماہ رُخ نے ہاتھ پکڑا گلاس سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''شکر ہے آپ کی سمجھ میں میرا مسئلہ آیا۔''

''تھوڑا سا نرم کر لو خود کو سمجھا کر ورنہ ٹوٹ جاؤ گی۔ محبت بھی رزق ہے روبی جو کہ نصیب سے ہی ملتا ہے۔''

روبی نے چہرہ موڑ کر ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہم دونوں جب تک زندہ ہیں ایک دوسرے سے بے حساب باتیں کریں گے۔ میں چلتی ہوں بہت تھکی ہوئی ہوں فریش ہونا چاہتی ہوں۔''

روبی نے اپنی ٹی شرٹ کھینچ کر سیٹ کرتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''روبی......! کیا تم پرگنٹ ہو؟'' وہ گڑبڑا کر پوچھ رہی تھی۔

روبی نے سر جھکا کر اپنا جائزہ لیا اور بے معنی سا مسکرائی۔

''کیا فیل ہونے لگا ہے...... 5th منتھ (پانچواں مہینہ) اسٹارٹ ہے۔'' وہ بولی پھر سوچتے ہوئے بولی۔

''نہیں...... شاید 5th month کمپلیٹ ہو گیا ہے۔ ٹھیک سے یاد نہیں ابھی اُوپر جا کر اپنی فائل چیک کرتی ہوں۔''

''رات کو نیند نہیں آئی تو پھر یہاں آ کر باتیں کروں گی۔ بہت دیر ہو گئی ہے نا پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

دروازہ تھوڑا سا کھول کر پیچھے کھڑی ماہ رُخ کو دیکھا جو سچ مچ جیسے سناٹے میں کھڑی تھی۔

"بائے......"

ماہ رخ نے اپنے دھیان سے چونک کر زبردستی کی الوداعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔ روبی ایک لمحے میں باہر راہداری میں غائب ہوگئی تھی۔

ماہ رخ نے گہری سوچ کے ساتھ دروازہ بند کیا۔ اس کے قدم زمین نے پکڑ لیے۔ وہ وہیں کھڑی ہو کر گہرے خیالات میں ڈوب گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

گھر میں نمو کی رسم اُبٹن تیار تھیں۔ چند پڑوس کی خواتین اور کچھ حلقہ احباب میں سے لڑکیاں و خواتین مدعو تھیں۔ انجم علوی کے کزنز وغیرہ صوبہ سرحد میں آباد تھے۔ سبرینہ علوی کا میکہ کوئٹہ میں آباد تھا۔ کچھ رشتے دار شادی سے ایک دن پہلے متوقع تھے۔

سبرینہ نے نمو کو سختی سے تاکید کر ڈالی کہ بس اب وہ ٹِک کر اپنے کمرے میں بیٹھ جائے اور صرف اپنی دیکھ بھال کرے۔ اس کی بارات میں "جینٹری" آئے گی۔ لوگ ولید کمال کی دلہن کو پہلی بار دیکھیں گے۔ اظہارِ خیال کریں گے۔ بس خود کو فریش رکھو۔ سمجھ لو کہ آج سے تم پر اس گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

پوش ایریا میں بسنے والی خواتین کی طرح سبرینہ علوی بھی ظاہرداری کو بہت اہمیت دیتی تھیں۔ پھر ان کے ذہن میں یہ سوچ بھی تھی کہ ولید کمال جیسے مضبوط حیثیت والے بندے کو تو ہر کوئی اپنی بیٹی دینے کا خواہش مند ہوگا۔ یہ تو سانولی سلونی نمو کی لک ہے کہ اسے اتنا اچھا گھر اور اچھا رشتہ مل گیا۔ اس رشتے میں بہرحال انجم علوی کی P.R کا بڑا عمل دخل تھا۔

نمو انجم علوی کی سگی بھانجی تھی۔ مگر انا و عزت کا سوال تو سبرینہ کے لیے بھی تھا۔ نمو کی شادی کہیں بھی ہوتی مدعوئین کی اکثریت کا تعلق تو پوش ایریا ہی سے تھا اور حقیقت یہ تھی کہ انجم علوی مڈل کلاس سے اپر مڈل کلاس میں جتنی جلد پہنچے تھے اس سے کم مدت میں وہ سپر کلاس میں انٹر ہوئے تھے۔ سبرینہ سے شادی اس زقند کی بنیاد تھی۔

نمو شاید مدتوں بعد اس طرح فارغ بیٹھی تھی۔ عجیب سی بے چینی لاحق ہو رہی تھی کہ

کسی طرح کسی کام میں لگ جائے اور کچھ نہیں تو اپنا کمرہ ہی ٹھیک کرنے لگے جو چیزیں اُٹھائی جا سکتی ہیں یا دھکیل کر ادھر اُدھر کی جا سکتی ہیں وہ ان کی جگہ بدل کر کمرے کی Look چینج کر ڈالے۔ گنتی کی اس کی دو دوست تھیں انہوں نے بھی شام کو پہنچنا تھا۔

دل چاہنے کے باوجود وہ کچھ نہ کر سکی۔ اس لیے کہ سبرینہ نے بڑی سختی سے منع کیا تھا کہ اب کوئی تھکانے والا کام نہیں کرنا۔ دلہن کا چہرہ بالکل فریش نظر آنا چاہیے۔

وہ بے زار سے انداز میں نیم دراز ہو کر چھت کو گھورنے لگی چند ہی لمحوں بعد ذہن کبھی رمیض کی طرف کبھی ولید کی طرف دوڑنے لگا۔

ولید کے فون کے بعد وہ آہستہ آہستہ ذہنی تناؤ کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے اس بات سے شدید اُلجھن ہو رہی تھی کہ آخر ولید کو رمیض کے معاملے میں اتنا حساس ہونے کی ضرورت کیا ہے؟ رمیض اگر برا کر رہا ہے تو فیس بھی خود ہی کر رہا ہے۔

یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ "آ او پڑوسن لڑیں" اسے کب کی سنی ہوئی مثل بے ساختہ یاد آئی۔

ولید کا اس کھیل میں کوئی کردار تو نہیں وہ کیوں رمیض کے پیچھے پڑنا چاہ رہا ہے؟ وہ سوچ میں گم تھی کہ سبرینہ دروازہ کھول کر اندر چلی آئیں۔

نمو انہیں دیکھ کر فوراً اُٹھ بیٹھی اور سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ سبرینہ اس کے بیڈ پر بس جیسے ٹک گئیں۔

نمو غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جیسے اندازہ لگانا چاہ رہی ہو کہ وہ کس موڈ یا کیفیت میں اس کے پاس آئی ہیں۔ اپنی طرف سے اس نے بولنے میں پہل نہیں کی۔

"نمو......" بالآخر سبرینہ کی گم صم سی آواز اُبھری۔

"جی ممانی جان...... خیریت ہے ناں" کسی انجانے اندیشے سے اس کا دل دھڑکا۔

"نمو...... رمیض جب سے گھر چھوڑ کر گیا ہے میرا فون اٹینڈ نہیں کر رہا۔ میں نے ایک مرتبہ کسی اور کے نمبر سے ٹرائی کیا تھا تو اس نے اٹینڈ کر لیا تھا مگر میری آواز سنتے ہی کاٹ دیا۔ پھر میں نے بہت مرتبہ ٹرائی کی یعنی اسی وقت مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی۔

پھر میں نے اسے SMS کر دیا مگر اس نے رسپونس نہیں کیا۔'' وہ بولتے بولتے جیسے
سانس لینے کو رکیں۔

نمو ہنوز انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو بیٹا...... اب تم یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہو۔ نکاح ہوا اور تم پرائی ہوئیں۔
تمہارے ماموں جان نے تمہیں بھانجی نہیں بیٹی بنا کر پالا ہے اور میں جانتی ہوں وہ تم
سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ جب تم اس گھر میں آئی تھیں اس وقت انہوں نے مجھے صاف
صاف کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے اس بچی کو اگنور کیا یا مس بی ہیو کیا تو میرے اور تمہارے
درمیان ایسے فاصلے پیدا ہو جائیں گے جو ہمیں ساتھ رہنے والے دو اجنبی بنا دیں گے۔
یہ میری بہت پیاری بہن کی نشانی ہے۔ بس میں اسی دن سے بہت محتاط ہو گئی تھی۔ پھر
تمہاری اپنی عادتیں اتنی اچھی تھیں کہ تم آہستہ آہستہ میرے دل میں جگہ بناتی چلی گئیں اور
مجھے پھر یاد ہی نہیں رہا کہ تم انجم کی بہن کی بیٹی ہو یا میری بہن کی۔'' اتنا کہہ کر سبرینہ پھر
خاموش ہو گئیں۔

نمو ہنوز اُلجھی ہوئی سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سلسلے میں یہ تمہید باندھ رہی ہیں۔ مگر وہ صبر سے انتظار کر رہی تھی۔

''نمو یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ اس وقت تمہارے ماموں کے دل میں تمہارے لیے
اسپیشل Feelings ہیں۔ تم رمیض کے سلسلے میں ان سے بات کر کے دیکھو۔ دیکھو سب
لوگ پوچھیں گے رمیض کو۔ ساری دنیا کو پتہ ہے کہ وہ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ تم بس اتنا کرو
کہ رمیض کو ان سے معافی دلوا دو۔ باقی بعد کا میں خود سنبھال لوں گی۔ پھر اب تو میڈم
عالیہ بھی خاموش ہو چکی ہے۔ تمہارے ماموں کے غصے میں بھی کمی آ رہی ہو گی۔''

''نمو...... جب سے وہ اس گھر سے گیا ہے میں سوئی نہیں۔ یہ ایک ایسی آنچ ہے جو
چوبیس گھنٹے میرے دل کو چھوتی رہتی ہے۔ ٹرنکولائزر بھی بعض اوقات فیل ہو جاتی ہیں۔''
بولتے بولتے سبرینہ کی آواز آنسوؤں سے رُندھنے لگی۔ اب ساری بات نمو کی سمجھ میں آ
چکی تھی اس نے گہری سانس یوں لی جیسے دیر سے روکی ہوئی تھی۔

''ممانی جان...... پلیز آپ پریشان نہ ہوں۔ میں موقع محل دیکھ کر ماموں جان
سے بات کرتی ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ اب خود بھی چاہ رہے ہوں کہ رمیض بھائی گھر آ
جائیں۔ مگر شاید اپنی انا کی وجہ سے کچھ ظاہر نہ کر رہے ہوں۔'' نمو نے بڑے سلیقے سے
سبرینہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ یوں بھی وہ اپنی شادی کے سلسلے میں سبرینہ کی ان
تھک بھاگ دوڑ اور مصروفیت سے بہت متاثر تھی۔ بالکل ایک سگی ماں کا کردار ادا کر رہی
تھیں۔ بڑی ذمہ داری سے اس کے جہیز کی ایک ایک چیز کو اہمیت دے رہی تھیں۔
بازاروں کے کئی کئی چکر لگا رہی تھیں۔ نمو کے کریم النفس مزاج پر ان کے اس خلوص اور
محبت کا گہرا اثر تھا ان کے لیے اس کے دل میں ایک طرح سے محبت کے سوتے اُبل
رہے تھے۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ رمیض کو پلک جھپکتے ان کے سامنے لا کر کھڑا کر
دیتی۔ وہ کھسک کر سبرینہ کے قریب ہوئی اور بہت پیار سے ان کا شانہ تھام لیا اور بولی:

''ممانی جان میں جو کچھ کر سکتی ہوں کروں گی...... آپ پلیز خود کو سنبھالیں''

''گھر تو گھر ہوتا ہے نمو جان...... وہ کہیں بھی ہے گھر کے احساس سے تو دور ہے۔
کتنے نخرے دکھاتا تھا کھانے میں۔ اب تو بس پیٹ کی آگ بجھاتا ہو گا۔ وہ اپنی آنکھیں
ہتھیلیوں سے صاف کرتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہہ رہی تھیں۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ اُمید تو ہے کہ رمیض
بھائی بھی اب خود کو سنبھال لیں گے اور محتاط ہو جائیں گے۔ پھر ماموں جان بھی آہستہ
آہستہ سب کچھ بھول کر نارمل ہو جائیں گے۔'' وہ دھیمی آواز اور پرسکون لہجے میں حتی
الامکان سبرینہ کو ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ مگر میں پھر تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔'' سبرینہ
نے گردن موڑ کر نمو کو بڑی محبت سے دیکھا۔

''میرا کیا احسان ممانی جان...... احسان مند تو مجھے ہونا چاہیے آپ نے مجھے
اس گھر میں صرف جگہ نہیں دی مکمل گھر کا احساس دیا۔ مجھے کبھی ماں باپ کی کمی کا احساس
نہیں ہونے دیا۔ اس گھر کو چھوڑنے کے خیال ہی سے میرا دل گھبرانے لگتا ہے۔'' نمو یہ

کہہ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔

سبرینہ نے ذرا اپنے بیٹھنے کا زاویہ تبدیل کیا اور نمو کو گلے سے لگا لیا۔ اُن کی آنکھوں سے بھی خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ نمو کو رونے سے منع کرنا چاہتی تھیں مگر حلق میں آنسوؤں کے پھندے لگ رہے تھے۔ بولنا محال تھا۔ بس چپ چاپ اس کی پشت پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

سبرینہ نے نمو کو اشارا دے دیا تھا کہ انجم علوی کمرے میں اکیلے ہیں۔ وہ اُوپر ٹیرس میں ٹھنڈی ہوا میں بیٹھی ہیں وہ جا کر ان سے بات کر لے۔ بہت اچھا موقع ہے۔

نمو تو جیسے منتظر ہی تھی تیزی سے انجم علوی کے بیڈروم کی طرف بڑھی۔

انجم علوی دوستوں کو دینے والے کارڈز چیک کر رہے تھے کہ کوئی خاص رہ نہ گیا ہو۔ نمو دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی جو مکمل بند نہیں تھا تقریباً آدھا کھلا ہوا تھا۔

''بہت مصروف ہیں ماموں جان......؟'' اس نے جیسے اپنے کام میں مگن انجم علوی کو چونکا دیا۔

انہوں نے گلاسز کے اُوپر سے جھانک کر قدرے حیرت سے نمو کی طرف دیکھا۔ وہ ایزی چیئر پر گود میں کارڈز لیے بیٹھے تھے۔

''نمو...... آؤ بیٹا۔ کوئی خاص مصروفیت نہیں۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔'' وہ بڑی شفقت سے مسکرا کر بولے۔

''کام تو کوئی نہیں ماموں جان۔ بس آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنا تھی۔'' نمو نے ذرا ہچکچاتے ہوئے مختصر تمہید باندھی۔

''بولو...... اتنا تکلف کیوں بھئی! کیا بات ہے بیٹا۔'' انہوں نے سارے کارڈ ہاتھ میں لے کر انہیں مرتب کرتے ہوئے بہت محبت بھرے لہجے میں کہا۔

نمو کو ان کے لب و لہجے اور انداز سے بڑی تقویت پہنچی۔ بات کرنے کا حوصلہ سا

ہوا۔ وہ آہستگی سے چلتی ان کے بالکل قریب کھڑی ہو گئی۔ انجم علوی اب اس کے ایک ایک انداز پر متوجہ تھے۔ قدرے اُلجھن کا تاثر بھی چہرے پر نمایاں ہو رہا تھا۔ نمو نے کھنکار کر گلہ صاف کیا۔

''ماموں جان...... وہ رمیض بھائی کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے ''شہ سرخی'' جمائی تاکہ انجم علوی خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیں۔

''کہو......'' اس مرتبہ انجم علوی کا لہجہ بہت سپاٹ تھا۔

''وہ ماموں جان...... گھر میں تقریب ہو رہی ہے اور وہ......''

''یہ خوشگوار تقریب سوگوار تقریب میں بھی تبدیل ہو سکتی تھی خدانخواستہ۔ لوگ ہتھیار لے کر گھر پر چڑھ دوڑے۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ بات دب گئی۔ سنڈے کو ہونے والی یہ تقریب جس کا تم ذکر کر رہی ہو اس کے بغیر بھی بہت اچھی طرح ہو جائے گی۔ میں اتنے اہم موقع پر Highly Risk نہیں لے سکتا۔ یہ عزت میں نے لاٹری کے ٹکٹ سے حاصل نہیں کی ہے۔ تمہاری ممانی کے غیر ضروری لاڈ پیار نے اسے نہایت غیر ذمہ دار بنا دیا ہے۔ باپ کی دولت نے اسے بے عمل کر دیا ہے۔ میری سختی اس کے دور تک کے فائدے کے لیے ہے۔ اسے اندازہ لگانے دو کہ عیش و آرام کی زندگی حاصل کرنے کے لیے کیا پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ باپ کی بے حساب دولت بھی ایک عیاش انسان کی پوری زندگی کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ میرے مرنے کے بعد قابل رحم زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ چار چھ مہینے کی قابل رحم زندگی گزار کر سبق سیکھ لے۔'' انجم علوی کے لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے ماموں جان ان کو اچھا خاصہ سبق مل گیا ہے اور وہ کبھی بھول کر بھی......'' نمو نے بولنا چاہا تو انجم علوی نے بہت وقار اور سنجیدگی سے اس کی بات کاٹ دی اور بولے:

''بیٹا...... اکثر اولاد ماں باپ کی اسی کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتی ہے کہ ماں باپ ہیں معاف کر دیں گے۔ چند دن بعد سب کچھ بھول بھال کر اس اُمید پر کہ ماں

باپ ہیں معاف تو ہر حال میں کریں گے۔ پھر اپنی من پسند زندگی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اسے کچھ زندگی کی سختیاں سہنے دو۔ غور و فکر کے دور ادیے سے گزرنے دو۔ مجھے اُمید ہے......"

"ماموں جان...... معاف کیجیے گا وہ مزید گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ غلط ہاتھوں میں جا سکتے ہیں۔ اب دیکھئے ناں...... نہ وہ فون اٹینڈ کرتے ہیں نہ خود کال کرتے ہیں۔ مجھے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگتا ہے کہ کہیں اُس موٹی نے انہیں اغوا تو نہیں کر لیا۔ کیوں کہ ان کے گھر سے جانے کے بعد اس کا بھی تو کوئی فون نہیں آیا۔" نمو نے بڑی سادگی اور معصومیت سے جیسے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ...... اس کو اغوا کر کے کیا اُسے نیلام کرے گی۔ اغوا کرتی تو فوراً ہی میرے پاس فون آ جاتا کہ بیٹا چاہیے تو پانچ کروڑ دو۔ ورنہ جان سے جاتا ہے۔ چار کروڑ کا اضافہ میں محتاط انداز میں کر رہا ہوں۔ ایک کروڑ کی ڈیمانڈ تو وہ کر ہی رہی تھی۔ بیٹا ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ اسی لیے تمہیں اور تمہاری ممانی کو میرا یہ فیصلہ نہایت ظالمانہ لگ رہا ہے۔

دولت مندوں کے بیٹے جو کچھ کرتے پھر رہے ہیں وہ میرے علم میں ہے۔ میں ہر صورت اپنا بیٹا بچانا چاہتا ہوں۔

ایک بیٹا ہے میرا...... سب کچھ اسی کا ہے۔ اپنی قبر میں لے کر نہیں جاؤں گا لیکن مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیے جسے نہ میری ان تھک محنت کی قدر ہو اور نہ میری عزت کی۔ زحمت دینے والی اولاد نعمت نہیں ہوتی۔ شامت اعمال ہوتی ہے، سزا ہوتی ہے۔ ایک عیاش انسان کسی کا رشتہ دار نہیں ہوتا وہ صرف اپنے نفس کا رشتے دار ہوتا ہے۔ اُس کے پلے ہوئے نفس کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے کہاں سے وقت نکالے۔ بیٹا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اپنی ممانی کی سفارش کرنے کی ضرورت ہے۔" ان کے آخری الفاظ پر نمو اپنی جگہ خجل سی ہو گئی۔

"مجھے احساس ہے تمہاری ممانی کس آگ میں جل رہی ہے لیکن فرض کرو

خدانخواستہ رمیض کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا، کوئی ایسا مسئلہ ہو جاتا کہ اس کی زندگی بچانے کے لیے اس کو کسی عضو (Organ) سے محروم ہونا پڑتا تو سبرینہ ڈاکٹر سے کیا کہتی۔ نہیں اس کو ہاتھ یا پاؤں سے محروم نہیں کرو...... مرنے دو؟" وہ اب بہت حتمی اور ٹھوس انداز میں نمو سے پوچھ رہے تھے۔

نمو کے پاس واقعی ان کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا۔ البتہ اتنی بات اسے ضرور سمجھ آ گئی تھی کہ انجم علوی کا فیصلہ غصہ کی شدت کا نتیجہ نہیں ہے وہ رمیض کو بہت اچھی طرح جیتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور باپ ہونے کے ناطے بہت سختی سہہ رہے ہیں۔ اذیت ناک مرحلہ طے کر رہے ہیں۔ کیسا روح فرسا انکشاف تھا کہ دکھ نے باپ کو چٹان بنا دیا۔ کتنی شدت تھی اس دُکھ میں۔ نمو کی حساس طبیعت پر یہ انکشاف ایک قیامت تھا۔

وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ ضد غصے اور کروڑوں کے نقصان کے خیال سے وہ انتہائی مشتعل ہو گئے ہیں اور کچھ سوچنا سمجھنا چاہتے ہی نہیں ہیں۔

"اپنی ممانی سے کہنا شادی میں کوئی رمیض کا پوچھے تو بس یہ کہیں کہ اسٹڈی کے لیے باہر گیا ہوا ہے۔"

نمو سمجھ گئی کہ انجم علوی جانتے ہیں کہ وہ سبرینہ کے فورس کرنے پر ان کے پاس آئی ہوگی۔

"چائے پئیں گے ماموں جان......؟" نمو نے آہستہ آواز میں پوچھا ساتھ باور کرا دیا کہ وہ کمرے سے جا رہی ہے۔

"اوہ...... نو...... بس اب سونے کا پروگرام ہے۔ کل بہت کام ہے۔" وہ کارڈز پر نظریں دوڑاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

نمو خاموشی سے باہر نکل گئی۔ دُکھ اور ناکامی کے احساس سے چال بوجھل تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کے ٹھیک دس بجے دروازے پر پراڈو آ کر ہارن دے رہی تھی۔
نیا جلدی سے ایک بیگ لے کر کمرے سے باہر آئی اس نے وائٹ کاٹن کا سوٹ

پہنا ہوا تھا جس پر سفید کشیدہ کاری کا ہم رنگ دوپٹہ تھا۔ آرکنڈی کا کڑک دوپٹہ سنبھالتے ہوئے اس نے نگاہ اُٹھائی تو سامنے عتیقہ تھی جو انتہائی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپا...... کہاں جارہی ہیں؟'' حیرت کے غلبے سے اس کے الفاظ لڑکھڑا رہے تھے۔

ایک ضروری کام سے شہر سے باہر جارہی ہوں۔ امی کو سب پتہ ہے وہ تمہیں بتا دیں گی۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں۔

عتیقہ نے پریشان نہ ہونے کی تاکید کے باوجود بے حد پریشانی سے اُسے دیکھا۔

''آپا...... ایک دم اچانک...... کیا ضروری کام آیا۔ وہ بھی اس وقت؟'' عتیقہ کی چھٹی حس جیسے اسے وحشت زدہ کررہی تھی۔

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔ تم جاؤ نیا...... میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے کہ تم تیار ہو آرہی ہو۔ ٹھنڈے پانی کی بوتل مانگ رہا ہے۔ عتیقہ فرج سے بوتل نکال کردے دو۔'' بانو بیگم اچانک سامنے آکر کہہ رہی تھیں۔

عتیقہ نے اسی طرح پریشان ہوکر ماں کی طرف دیکھا اور فرج سے پانی کی بوتل لینے چلی گئی۔ بانو بیگم نے نیا کو گلے سے لگالیا۔

''خدا حافظ...... اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ دل تو سدا کا بے ایمان ہے۔ بہت سے وہم ستا رہے ہیں مگر اپنی بیٹی پر اعتماد بھی ہے۔ کتنی سخت آزمائش ہے۔ بھائیوں کی خاطر بہنیں کیا کچھ نہیں کرتیں مگر تمہارا تو بڑا سخت امتحان ہوا ہے۔'' بانو بیگم کی بولتے بولتے آواز رُندھ گئی۔

''امی...... آپ بالکل پرسکون رہیں۔ یوں سمجھیں بس میں سیر و تفریح کرنے جا رہی ہوں۔ حویلی میں، میں بالکل محفوظ ہوں۔ وہاں وہ لوگ ہیں جنہیں میری عزت بہت عزیز ہے۔ وہاں مجھے پھولوں میں تولا جارہا ہے۔'' نیا نے دلی کرب چھپا کر ماں کو بہت مضبوط لہجے میں تسلی دی۔

عتیقہ پانی کی بوتل لے کر آگئی تھی۔ بانو بیگم نیا سے الگ ہوکر آنکھیں پونچھنے لگیں جو عتیقہ کے لیے بہت تشویش ناک بات تھی مگر وہ خاموش تھے جیسے سمجھ نہ آرہی ہو کہ کیا

بات کرے۔

''شاداب تو نہیں آیا ناں ابھی تک؟'' نیا نے قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ عتیقہ پانی کی بوتل لے کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔ نیا چونکہ آدھے گھنٹے سے کمرہ بند کیے تیاری میں مصروف تھی اس لیے اس نے شاداب کا پوچھا تھا۔ انداز بہت محتاط اور آواز بے حد آہستہ تھی۔

''نہیں ابھی تک نہیں آیا'' بانو بیگم نے آہستگی سے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

نیا گیٹ کی طرف چل پڑی۔ عتیقہ اس کے پیچھے اسی طرح حیران پریشان چل رہی تھی۔ بانو بیگم نے گیٹ کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ نیا آگے بڑھتی چلی گئی اور گیٹ سے باہر نکل کر پلٹ کر دیکھا جہاں حواس باختہ سی عتیقہ بوتل کو کسی اثاثے کی طرح سینے سے لگائے کھڑی تھی۔ بانو بیگم اس کے پیچھے رُک گئی تھیں۔

ڈرائیور جیپ سے نیچے اُتر کر کھڑا ہوا تھا۔ نیا کو دیکھ کر آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا۔ عتیقہ عتیقہ نے کسی روبوٹ کی طرح بوتل بھی اس کی طرف بڑھا دی۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھول کر بیگ رکھا اور ایک طرف ہوگیا۔

نیا آگے بڑھی اور جیپ میں بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے دروازہ بند کردیا۔ نیا نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور ماں اور عتیقہ کو دیکھ کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ پھر ایک دم شیشہ اُوپر کردیا اور جیسے ہمت جواب دے گئی۔ سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ جیپ کا اگلا دروازہ بند ہونے پھر اسٹارٹ ہونے کی آواز اس نے سنی اور پھر جیپ کو آگے بڑھتا محسوس کیا مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔

زندہ دلوں کا کوئی سا شہر ہو
شہر میں قبرستان بھی ہوتے ہیں
جہاں سینکڑوں مردے ابدی نیند سوتے ہیں
ان کے آس پاس ہی کہیں
کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں

جو جیتے جی مثل مردہ ہوتے ہیں
جانے کب کی پڑی ہوئی تم نے حافظے کے کسی چور روزن سے جھانکا
باہمت کہاں ہوتے ہیں لوگ...... باہمت بننا پڑتا ہے۔ایک باہمت نظر آنے والا انسان بہت سی زندگیوں کی ڈھارس ہوتا ہے۔

نیا کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔اسے چند دن کے لیے ایک خودغرض مہاجن کے پاس اپنی ذات رہن رکھنا تھی۔

☆☆☆☆☆

رمیض ہٹ میں بیڈ پر لیٹا ہوا ان گنت بے ترتیب خیالات میں کھویا ہوا تھا۔آنے والی صبح کا انتظار بڑا اذیت ناک تھا۔اسے فوری طور پر ایک مضبوط ڈھارس کی طلب ہو رہی تھی۔جی چاہتا تھا کہ مومنہ کے پاس اُڑ کر پہنچے اور ڈھیر ساری بے معنی باتیں کرے تاکہ اسے اندازہ ہو جائے کہ وہ اس لڑکی کو جیتنے میں کامیاب ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جب یہ چمکتا ہوا امکان سامنے نہیں آیا تھا وہ قدم قدم پر اُلجھ جاتا تھا مگر اب صرف ایک دُھن لاحق تھی کسی طرح اس سرزمین کی حدود سے باہر نکل جائے۔

جب برسوں بعد واپس آئے تو اس انداز میں جیسے جنگ میں جیتے ہوئے علاقے کا تفصیلی جائزہ لینے آیا ہو۔اس کے ساتھ جنگی مجرم کا سلوک کرنے والا کوئی نہ ہو۔ ہر شخص اس کے ہاتھ چومنے کا تمنائی نظر آئے۔ یہ دربدری یہ ذلت، ایک حسین، مغرور، عیش و آرام کی زندگی گزارنے والے نوجوان کے لیے نہایت اذیت ناک تھی۔ وہ مومنہ کو ہر صورت جیتے گا۔اس نے تو شاید خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا کہ اتنا خوبرو جوان ساتھی بھی اسے مل سکتا ہے۔

کل میں ضرور جاؤں گا...... اگر چڑیا اُڑ گئی تو شاید زندگی میں ایسا گولڈن چانس دوبارہ نہ ملے۔اس نے اضطراری انداز میں پہلو بدلا اور موبائل اُٹھا کر وقت دیکھا۔

ماحول پر پراسرار تاریکی کا راج تھا۔سمندر کی لہروں کا شور سکوت طاری ہونے نہیں دیتا تھا۔رات کے دو بجنے والے تھے اور اس کی آنکھوں میں نیند کا نام ونشان نہیں تھا اور ہٹ

میں چہل قدمی ناممکن تھی۔سمندر کے سامنے کھڑے ہونے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔

اس نے موبائل تکیے کے نیچے رکھ کر سونے کی کوشش کی اور تقریباً اوندھا ہو گیا۔معاً کھلی کھڑکی سے ایک ہولناک نسوانی پکار نے اس کا دل ہلا کر رکھ دیا۔ پہلے تو اسے کچھ سمجھ ہی نہ آئی کہ رات دو بجے یہ آواز کہاں سے آئی۔

ابھی وہ سیدھا ہو کر سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ چیخ دوبارہ اُبھری مگر صرف چیخ نہ تھی مدد کے لیے پکار بھی تھی۔

اب تو جیسے وہ چھلانگ مار کر بیڈ سے اُترا۔ بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ سلیپر پہننے کی کوشش کی تو وہ بیڈ کے نیچے سرک گئے پاؤں مارنے سے بھی نہ نکلے۔اس نے بیٹھ کر ہاتھ سے نکالنا چاہے تو چیخ نے پھر لرزا کر رکھ دیا۔

”یااللہ! میری مدد کر...... یا علیؑ......“ اس مرتبہ آواز اتنی زیادہ بلند تھی کہ لہروں کو چیرتی سمندروں پر دور تک سفر کرتی محسوس ہوئی۔ رمیض کے انداز میں بلا کی عجلت تھی۔

”یااللہ......! اتنی رات کو کس نے سمندر کی سیر کا مشورہ دیا تھا؟“ اس نے سلیپر بیڈ کے نیچے سے نکال کر پاؤں میں پھنسائے اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔بابا کی چارپائی خالی نظر آئی۔اس نے بس اتنا ہی دیکھا تھا کہ لڑکی کی آواز پھر ساحل پر دور تک دوڑتی چلی گئی۔

”نہیں......نہیں......سمندر میں پھینک دو مجھے۔کتو! میں تمہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گی......میری لاش اُٹھاؤ گے یہاں سے۔“

رمیض نے جیسے دوڑ لگانا چاہا۔ پیچھے سے چوکیدار بابا نے اس کے کاندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر جیسے قدم بڑھانے سے روکا۔

”چھوٹے صاحب......! آپ اندر جا کر آرام کریں۔ یہ کسی ڈوبتے کو بچانے والا کیس نہیں ہے۔ یہاں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ جو لڑکی اُٹھا کر لاتے ہیں ان کے پاس ہتھیار بھی ہوتے ہیں۔آپ بے سوچے سمجھے اپنی زندگی کو داؤ پر مت لگائیں۔“

"بابا مرجائے گی وہ......اگر سمندر میں کود گئی۔"

"کودنے دیں......عزت بچا رہی ہے تو شہید کہلائے گی۔" چوکیدار بابا نے بڑے وقار اور اعتماد سے جواب دیا۔

"ہیں......؟ کمال کرتے ہو تم۔ ہماری آنکھوں کے سامنے کوئی مرنے جا رہا ہو تو مرنے دیں؟" رمیض نے حیرت سے پلٹ کر بہت غور سے چوکیدار کا چہرہ دیکھا۔

"آپ نہتے اور اکیلے......آج کوئی اور ہٹ بھی آباد نہیں۔ آپ لڑکی کو بچانے کے قابل نہیں ہیں۔ پتہ نہیں وہ کتنے ہیں۔"

چوکیدار بابا بول رہا تھا اور لڑکی کی ہولناک چیخیں بدستور تھیں۔ رمیض نے ایک نظر چوکیدار بابا پر ڈالی اور دونوں ہاتھ سے گھیرا بنا کر ہونٹوں کے اطراف رکھا اور بلند آواز سے پہنچا۔

"کون ہو تم لوگ......؟ کوسٹ گارڈ کے بندے بس پہنچنے ہی والے ہیں۔ میں نے وائرلیس پر انہیں مطلع کر دیا ہے۔" وہ چلا کر بول رہا تھا اور چوکیدار بابا نے اس کا دایاں بازو پوری قوت سے پکڑا ہوا تھا جیسے کسی شرارتی بچے کو آگے بڑھنے سے روکا جا رہا ہو۔

معاً ایک کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ پھر کوئی بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ توجہ گہری ہوئی تو پتہ چلا ایک لڑکی سرپٹ بھاگتی ہوئی انہی کی طرف آ رہی ہے۔ اس نے شاید آواز سن کر بھاگنے کی سمت متعین کی تھی۔ چاند غروب کی منزلوں پر تھا۔ بادلوں سے بھرا آسمان، کوئی کوئی ٹمٹماتا ستارہ، تاریکی سی تاریکی تھی۔ تاحد نگاہ پھیلے ہوئے سمندر میں کہیں دور پہنچے ہوئے جہاز کی ننھی منی سی روشنیاں۔ اُس سے زیادہ روشنی کا امکان معدوم تھا۔

لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور انہیں دیکھ کر بھی رُکی نہیں بلکہ دیوانہ وار دوڑتی چلی گئی جیسے کوئی پناہ گاہ ڈھونڈ رہی ہو۔

کار روانہ ہو چکی تھی۔ رمیض بھاگتی ہوئی لڑکی کے پیچھے دوڑا۔ کیوں کہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکی وحشت زدہ ہے اور بے سوچے سمجھے دوڑتی چلی جا رہی ہے۔ رمیض نے

ہی جست میں اسے جا لیا اور اس کا ایک بازو دبوچ لیا۔ لڑکی اب آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ رک تو گئی مگر بازو چھڑانے کے لیے مزاحمت کرنے لگی۔

"کون ہو تم ذلیل انسان......؟ چھوڑو مجھے۔" وہ خونخوار شیرنی کی طرح غرائی۔

رمیض اب اس کے مقابل آ گیا۔ چوکیدار بابا بھی آہستہ قدموں سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے اسے تسلی ہو کہ اب مزید کچھ نہیں ہوگا۔

رمیض نے ساحل پر پھیلی اس چمک سے چراغ کا کام لیا جو تاریکی کا زور توڑتی ہے۔ اس نے لڑکی کا چہرہ دیکھا جو رمیض کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑانے کے لیے بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔

"اوہ......" رمیض کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "تمہارے چہرے پر تو خون لگا ہوا ہے۔ مگر زخم کا اندازہ نہیں ہو رہا......"

"مجھے نہ چوٹ لگی ہے نہ میرے چہرے پر زخم ہے یہ تو اس کے کمینے کا خون ہے جس کا بازو میں نے اپنے دانتوں سے اُدھیڑ دیا تھا۔" لڑکی اپنی ہتھیلی سے چہرہ پونچھتے ہوئے پھر غرائی۔

غراہٹ میں اتنی وحشت تھی کہ رمیض بھی خوفزدہ سا ہو کر اس کی طرف مزید غور سے دیکھنے لگا۔ اس کا ہاتھ لڑکی کے بازو پر ڈھیل پڑ گیا۔

لڑکی نے بازو جھٹکے سے چھڑایا اور بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر رمیض نے لمحوں میں پھر اسے قابو کر لیا۔

"بے غیرت انسان دیکھ رہا ہے کہ میری شکل پر کسی کا خون لگا ہوا ہے۔ پھر بھی میرے ساتھ بدتمیزی کر رہا ہے۔ چیر پھاڑ کر پھینک دوں گی تجھے۔ تین تین کے قابو میں نہیں آئی......تو اکیلا کیا کر لے گا۔" وہ واقعی درندوں کی طرح غراتی محسوس ہوئی۔ ایک لمحے کو تو سچ مچ رمیض جوانی کی ساری چوکڑی بھول گیا۔ خوف کی ایک لہر ریڑھ کی ہڈی میں اُتر گئی۔ مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ اپنی گرفت ڈھیلی نہیں پڑنے دی۔

"اتنی شیر خواں اور بہادر ہو تو کیوں چیخ رہی تھیں......؟ کیوں اللہ سے مدد مانگ

رہی تھیں......علی کا نعرہ لگا رہی تھیں......؟ خود کو سنبھالو اور مجھے بتاؤ تمہیں کہاں پہنچنا ہے......؟"

چوکیدار بابا قریب آ چکا تھا۔ ایک بوڑھے ضعیف آدمی کو قریب پا کر لڑکی کے جیسے اوسان بحال ہونے لگے۔ اب اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور بڑی آہستگی سے رمیض کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا اور بقائی ہوش وحواس رمیض کی طرف دیکھا اور نڈھال آواز میں بولی "پانی......!" اتنا کہا اور زمین پر بیٹھ گئی۔ اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا جیسے چکر آ رہے ہوں۔

"وہ سامنے ہٹ ہے۔ وہاں پانی بھی ہے اور تھوڑا بہت کھانے کو بھی۔ ہمت کرو...... وہاں تک چلو اور اپنا چہرہ دھولو۔" رمیض بڑے متفکر انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب میں نہیں اُٹھ پاؤں گی۔ پلیز مجھے دو گھونٹ پانی دے دو۔ میرے حلق میں لوہے کی کیلیں چبھ رہی ہیں۔" وہ نڈھال لہجے میں گویا ہوئی۔

"کیا نام ہے تمہارا......؟"

"کیوں بتاؤں تمہیں......؟ میں گلناز، مہناز، شہناز کوئی بھی ہوں۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟" لڑکی نے پھر پتھر پھوڑے...... پانی کا احسان بھی نہیں مانا۔

چہرہ پر لگا خون اب جمنے کے قریب تھا جس کی وجہ سے چہرہ کوئی واضح شناخت نہیں بن پا رہا تھا۔ رمیض بے بس ولاجواب سا اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

چوکیدار بابا ایک جگ اور گلاس اُٹھائے تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آ گیا تھا۔ چلتے چلتے ہی جگ سے گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا۔ لڑکی کے قریب آ کر پانی سے لبالب بھرا گلاس اس کے سامنے کیا۔

"لو بیٹا پانی پیو......"

لڑکی نے گلاس تھامتے ہی منہ سے لگا لیا اور ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ پانی حلق سے اُترتے ہی جیسے اس کے اوسان بحال ہو گئے۔ اب اس نے بڑے سکون اور

آرام سے گلاس چوکیدار بابا کی طرف بڑھا دیا تھا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

بابا نے گلاس ہاتھ میں لے کر اس سے پوچھا "اور پانی دوں بیٹا؟"

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بابا نے پھر گلاس بھرا اور اس کی طرف بڑھایا۔

رمیض اب بالکل خاموش تھا اور سوچتی ہوئی نظروں سے لڑکی کا جائزہ لے رہا تھا۔

لڑکی نے دوسرا گلاس بھی خالی کر دیا اور گلاس واپس کرتے ہوئے بولی۔

"بس......" اور ایک دم ریت پر سیدھی لیٹ گئی۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر آنکھیں بند کر لیں جس سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ تھکن سے نڈھال ہے۔

اس کے اس طرح ریت پر لیٹ جانے سے رمیض کو بڑی بے چینی سی لاحق ہوئی لیکن لڑکی سے بات کرتے ہوئے عجیب سی ہچکچاہٹ ہو رہی تھی کہ اُدھر اس نے کچھ کہا اور وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"بیٹا...... وہ دیکھو سامنے جگہ ہے۔ ادھر چارپائی پر لیٹ جاؤ۔ پانی بھی ہے۔ یہ خون مون دھولو۔ زیادہ جم گیا تو دیر سے صاف ہوگا۔ تم ہماری بیٹی کی طرح ہو۔"

"خبردار......! کوئی رشتہ مت بنانا مجھ سے۔" لڑکی ایک لمحے کو آنکھیں کھول کر غرائی۔ پانی پلانے والوں کے لیے کوئی جذبہ احسان مندی نہیں تھا۔

"آپ چھوڑیں بابا...... میں ادھر پولیس یا کوسٹ گارڈ کا کوئی بندہ دیکھتا ہوں۔ پھر اسے جو کرنا ہوگا خود ہی کر لے گا۔" رمیض نے جان بوجھ کر یہ جملہ بولا تھا تاکہ لڑکی کے فوری تاثرات سے اندازہ لگا سکے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

بلکہ اسے حیرت تھی کہ رات گئے پولیس موبائل اس طرف گشت کرتی دکھائی دیتی تھی۔ آج دور دور تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

لڑکی نے پٹ سے آنکھیں کھول کر رمیض کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا چمکتا ہوا سفید رنگ تاریکی میں بہت واضح تھا۔

"اگر تم نے پولیس کو بلایا تو میں سمندر میں چھلانگ لگا دوں گی۔ مجھے پولیس کے حوالے کرنے سے بہتر ہے کہ اسی ریت پر پڑے پڑے مرجانے دو۔ تم لوگ اب یہاں

سے چلے جاؤ۔ میں ذرا خود کو سنبھال لوں پھر خود ہی چلی جاؤں گی......'' یہ کہہ کر رمیض کی طرف گھور کر دیکھا اور بولی۔

''جاؤ...... چلے جاؤ یہاں سے۔''

چوکیدار بابا کے دل میں ترس اور رحم کے جذبات اُبل رہے تھے۔ ایک نوجوان اور نڈھال لڑکی کو وہ اس طرح چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''بیٹا...... شاباس (شاباش) اُٹھو...... ادھر غلط غلط لوگوں کی ٹولیاں آتی رہتی ہیں۔ ہوش میں نہیں ہوتے۔ اکیلی لڑکی کو ادھر بہت خطرہ ہے۔'' وہ اسے بچوں کی طرح چمکارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''گھر میں خطرہ ہے، روڈ پر خطرہ ہے، ساحل پر خطرہ ہے۔ خطرے کا کیا مطلب ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے۔ وہ تو کب سے کھڑی ہے۔'' لڑکی کے منہ سے نکلنے والا ایک ایک لفظ زہریلا تھا۔

''بیٹی......! دیکھو تمہارے ہاتھ منہ پر خون لگا ہوا ہے۔ کسی پولیس والے کی نظر پڑ گئی تو وہ تمہیں گرفتار کر کے لے جائے گا۔ کون وکیل بنے گا تمہارا......؟'' بابا کے لہجے میں دکھ اور ہمدردی کا گہرا تاثر تھا۔ رمیض بہت غور سے دونوں کے مکالمے سن رہا تھا۔

لڑکی یہ سنتے ہی اُٹھ بیٹھی اور بابا کی طرف دیکھا اور یوں ہاتھ بڑھایا جیسے اُٹھنے کے لیے سہارا مانگ رہی ہو۔

بابا کی تو جیسے ''مامتا'' اُبل پڑی۔ جگ گلاس ایک طرف پھینک اسے سہارا دے کر اُٹھانے لگا۔

رمیض کو Help کرنے کے خیال ہی سے خوف آیا کہ کہیں ہاتھ لگاتے ہی لڑکی دوبارہ ریت پر نہ لیٹ جائے۔ اس نے خاموشی سے جھک کر جگ گلاس اُٹھا لیا۔ بابا لڑکی کو لے کر آگے بڑھنے لگا۔ رمیض پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

اب صبح کاذب کی سفید چمک ماحول پر واضح ہونے لگی تھی۔

دو منٹ بعد وہ ہٹ میں پہنچ چکے تھے۔ ہٹ کے بیرونی حصے میں بابا کی چارپائی

پڑی ہوئی تھی۔ لڑکی چارپائی دیکھتے ہی آگے بڑھی اور گرنے کے انداز میں چارپائی پر لیٹ گئی۔

''بیٹی پہلے یہ خون دھو لو......'' بابا نے جیسے خوشامد سی کی۔

''دھو لوں گی...... مجھے کچھ دیر سکون سے لیٹی رہنے دو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں محفوظ ہوں...... میں زندہ ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ لڑکی کی آواز میں جیسے تھکن ٹوٹ رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔

رمیض نے اشارے سے بابا کو کہا کہ وہ وہاں سے ہٹ جائیں اور خود بھی اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے بازو اور ہاتھوں پر بھی خون کے دھبے تھے۔ وہ دھونے جا رہا تھا۔ ایک لاابالی انتہائی غیر ذمہ دار نوجوان کے لیے یہ حادثہ بہت ہولناک تھا جو اس کے چودہ طبق روشن کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

عتیقہ بانو بیگم کے بستر پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں۔ قوتِ گویائی سلب ہو رہی تھی۔

''دیکھو عزت وشرافت کے پردے میں کیسے کیسے شقی وظالم چھپے ہوئے ہیں۔'' بانو بیگم چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھیں۔ گہرے سانس کھینچ کر گویا ہوئیں۔

عتیقہ کی آنکھوں کی پتلیاں متحرک ہوئیں۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا...... کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زبان پتھر کی ہو رہی تھی۔

''پریشان مت ہو عتیقہ۔ اللہ نے تمہاری بہن کو پتھر کا جگرا دیا ہے۔ بہت ہمت والی ہے میری بیٹی۔ انشاء اللہ غیب سے اس کی مدد ہوگی۔ ماں کی دُعائیں لیتی ہے۔ مخدوم سہیل بہت سوجھ بوجھ والے اور ذمہ دار انسان ہیں۔ شاداب کو زندہ سلامت سامنے لانے کے لیے انہوں نے اپنی عزت خطرے میں ڈال دی۔ اللہ ان کی مشکلیں آسان کرے۔ وہ کیا کم مصیبت اُٹھا رہے ہیں۔'' بانو بیگم عتیقہ کی کیفیت سمجھتے ہوئے اسے تسلی دے رہی تھی۔

''امی ہم ایک بہت بڑے جال میں پھنس چکے ہیں۔اتنی آسانی سے آپا کی جان نہیں چھوٹے گی۔آپ اور آپا خود کو دھوکہ دے رہی ہیں۔شاداب کو اگر ذرا سی ہوا بھی لگ گئی تو وہ حویلی پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دے گا۔آپ کو پتہ ہے ناں اس کے اندر آگ بھری ہوئی ہے......''

''جنہوں نے اتنے جتن کر کے سہیل بھائی کی دوسری شادی کی ہے وہ اتنی آسانی سے آپا کو چھوڑ دیں گے۔سمن آپا کو جس دن پتہ چلا صدمے سے اسی دن مر جائیں گی۔''

عتیقہ اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالتے ہوئے بہت خوفزدہ اور کمزور آواز میں بات کر رہی تھی۔

''ہم ڈر جانے والی عورتیں ہیں عتیقہ...... جو کچھ نہیں کر پاتیں تو اندیشوں سے دہلتی رہتی ہیں۔ نیا سے حالات کی سختی نے عورت پن چھین لیا ہے۔ وہ اس گھر کا مرد ہے بیٹی...... میری اولاد ہے وہ۔ میں سمجھتی ہوں وہ بہت جلد اُن ظالموں کے چنگل سے نکل آئے گی۔ سہیل سمن سے اندھا عشق کرتے ہیں۔ وہ ہے ہی اتنی پیاری۔ سہیل نے ہمارے بچے کی خاطر سمجھو ہمارا ساتھ دیا۔ وہ ماحول کے پلے بڑھے ہیں۔ انہیں پتہ ہوگا کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ ورنہ اتنی آسانی سے وہ تیار ہو جاتے...... وہ بھی نیا سے نکاح کے لیے جوان کی بیوی کی بچپن کی سہیلی ہے۔

نیا نے جب مجھے بتایا تو میں تو جیسے کھڑے کھڑے مرنے لگی تھی۔ مگر اللہ میری بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اس نے فوراً مجھے سنبھال لیا۔

''امی...... امی......! شاداب کی طرف دیکھیں، سوچیں...... وہ تو اتنا پاگل ہے کہ اسے یہ بات سمجھ نہیں آئے گی کہ یہ سب کچھ اس کی آزادی اور زندگی کے لیے کیا گیا ہے۔ اس کے ذہن میں صرف اور صرف ایک بات جم جائے گی کہ صاحب اختیار نے ہماری فیملی کو بلیک میل کیا ہے۔ اس بات کو تو وہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

''اب تم مجھے نہ ہولاؤ۔ انشاء اللہ ایسا کچھ ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اسے کون بتائے گا...... میں بتاؤں گی یا تم......؟''

اسی لمحے گیٹ کا آٹومیٹک لاک کھلنے کی آواز آئی۔ عتیقہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ یہ

ایک بے اختیاری انداز تھا۔ خود ہی خجل سی ہو گئی تھی۔

''تم جاؤ...... آرام کرو۔ میں پوچھ لیتی ہوں اسے کھانے پینے کا۔ اس وقت آتا ہے تو کبھی کبھار ہی کھانا کھاتا ہے۔'' بانو بیگم اُٹھتے ہوئے بولیں۔

عتیقہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھ گئی جو اس کا اور نیا کا مشترکہ بیڈ روم تھا۔

☆☆☆☆☆

نیا حویلی میں داخل ہوئی تو انتہائی رات کی گہری خاموشی ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ پوپری (ملازمہ) جیسے اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اُونگھ آ گئی ہوگی نیا کو سامنے پا کر اس نے بمشکل اپنی نیند بھری آنکھیں کھولی تھیں اور سلام کے بعد روٹی مانی کا پوچھا۔

نیا نے اسے ایک گلاس تیز گرم دودھ لانے کو کہا۔ اسے واقعی بہت سخت بھوک لگ رہی تھی مگر وہ اب کچھ کھانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے کھانے سے زیادہ آرام کرنے کی جلدی تھی۔ صبح کی جاگی ہوئی تھی اور اب نئی صبح ہونے کو تھی۔

''میں بی بی جان کو بتاتی ہوں...... اور دودھ لے کر آتی ہوں۔'' پوپری باہر کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''نہیں نہیں...... بی بی جان کو مت اُٹھاؤ اس وقت۔ سونے دو نہیں......'' نیا نے اسے منع کیا۔

''بی بی جان بولتی تھیں بھلے کسی ٹیم (ٹائم) آئے میرے کو ضرور اُٹھا دینا۔ نہیں اٹھاؤں گی تو میرے کو ڈانٹیں گی۔'' پوپری نے وجہ بتائی اور چلی گئی۔

''اوہ میرے خدا......! ابھی وہ آئیں گی تو پتہ نہیں اُٹھ کر کب جائیں گی۔ خود کو تو تین چار گھنٹوں کی نیند ہو گئی ہوگی۔'' نیا نے بے زاری سے دوپٹہ بیڈ پر پھینکتے ہوئے سوچا۔ ابھی تک اس نے کمرے کی نئی آرائش کا جائزہ نہیں لیا تھا۔

کسی طرف دھیان جا ہی نہیں رہا تھا۔ اب تو بی بی جان کی آمد کے احساس سے عجیب سی جھنجلاہٹ بھی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ ایک پرشکوہ کرسی پر پاؤں اُٹھا کر بیٹھ گئی

اور بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ مگر فوراً ہی کھولنا پڑیں۔ مہر النساء واری صدقے ہوتی ہوئی اندر آ چکی تھیں۔ نیا فوراً کھڑی ہوگئی۔ مہر النساء نے گلے لگانے کے نام پر اسے اچھا خاصہ دبوچ لیا جیسے کوئی برسوں کا بچھڑا ملا ہو۔

"مولا سائیں تیرا شکر ہے۔ میری بہو کی صورت دکھائی۔ توبہ کبھی یہ وہم آتا کبھی وہ کوئی میرا خزانہ نہ چھین لے۔ شکر ہے تو اب اپنے گھر میں ہے۔ دیکھ میں نے تیرا کمرہ کیسک سجدایا ہے۔ سارا فرنیچر بدل دیا ہے۔ اس منحوس (سمن) کی ایک ایک نشانی حویلی سے باہر پھینک دی ہے۔ تیرے واسطے ایک ایک شے نئی منگائی ہے۔ پسند آیا تجھے اپنا کمرہ......؟" وہ اس کی پیشانی چوم کر اس سے پوچھ رہی تھیں۔

تب نیا نے جیسے مارے باندھے کمرے میں نظر دوڑائی۔ واقعی کمرے میں ایک ایک چیز نئی تھی اور بہت قیمتی تھی۔

"ارے......! یہ تو نے کیا پہنا ہوا ہے۔" مہر النساء کی توجہ اب نیا کے لباس پر گئی تو یوں بولیں جیسے کوئی بڑا صدمہ پہنچا ہو۔

"تو ادھر اسکول کی اُستانی ہے......؟ اللہ میرے بیٹے کو لمبی عمر دے۔ تیرے پاس رنگ والے کپڑے نہیں تھے۔ خبردار! آئندہ تو نے کالا سفید کپڑا پہنا۔ الماری کھول کر دیکھ پورے بیس جوڑے تیار کرائے ہیں...... درزی، کاریگر سب حویلی میں بٹھاتی ہوں۔"

مہر النساء نے وارڈروب کھول کر مختلف ملبوسات کا نظارہ کرایا۔

تھکن سے چور نیا کو وہ پرشکوہ ملبوسات چیتھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بمشکل خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی۔

"اچار ڈالنے کو بلا تو لیا ہے۔ اب تھوڑی دیر سانس تو لینے دیں۔" اس نے کوفت بھرے انداز میں سوچا۔

"روٹی مانی کھائے گی......؟ سب کچھ تیار ہے وہ پوپری مشین میں دو منٹ رکھے گی اور کھانا گرم ہو جائے گا۔ (ان کا اشارا مائکروویو اوون کی طرف تھا)۔

میں نے پوپری سے گرم دودھ لانے کے لیے کہا ہے۔ ابھی کچھ نہیں کھاؤں گی۔ تھکن سے میری بری حالت ہے بلکہ اب تو چکر آ رہے ہیں۔" اب برداشت کی حد ہوگئی تھی وہ کہے بغیر رہ نہ سکی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اماں...... (بیٹی) تو آرام کر ساری رات تو کٹ گئی تھوڑی دیر میں تو سویرا ہوتا ہے۔" وہ اتنا کہہ کر وارڈروب کے پٹ بند کرنے لگیں۔

"تیرے واسطے سونے والے کپڑے بھی بنائے ہیں۔ یہ کپڑے اُتار کر رنگ پھول والا کپڑا پہن۔ یہ کپڑے ادھر کسی نوکرانی کو دے دے۔ اللہ سائیں نے تیرے کو بھوت (بہت) دیا ہے۔ ٹھیک......؟ اب میں چلتی ہوں تو آرام کر۔ یہ لے پوپری بھی آگئی۔ دودھ پی کر سوجا۔" مہر النساء نے جاتے جاتے بھی پانچ منٹ مزید لگا دیے۔

نیا سر تھام کر دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

پوپری نے دودھ کا گلاس مرصع تپائی پر رکھ دیا اور بولی "اب میں جاؤں؟"

"خدا کے لیے......" نیا نے جیسے ہاتھ جوڑ دیے۔

پوپری کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے دیکھتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی نیا جھٹکے سے اُٹھی اور دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی سارے وجود میں سکون اُترنے لگا۔ بند کمرہ اب اسے گوشہ عافیت لگنے لگا۔

☆☆☆☆☆

لڑکی بغیر دوپٹے کے تھی۔ اس نے گہرے رنگ کا شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ بالکل بے سدھ لیٹی تھی۔ رمیض آس پاس ہی ٹہل رہا تھا۔ اس نے بابا کو چائے بنانے کا کہہ دیا تھا۔ کچن سے برتن کھڑکھڑانے کی آواز آ رہی تھی۔

لڑکی کو اب سکون ملا تو جے ہوئے خون سے اسے خود ہی اُلجھن ہونے لگی جو جمنے کے بعد سخت کھچاؤ پیدا کر رہا تھا۔ یوں بھی جذبات کی آندھی کافی حد تک رُک چکی تھی۔

لڑکی کسمسانے لگی تو رمیض تیزی سے قریب چلا آیا۔

لڑکی اب آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"ادھر ہاتھ منہ دھونے کی کوئی جگہ ہے......؟" وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور رمیض کی طرف دیکھ رہی تھی جو اسی کی طرف بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جما ہوا خون ڈارک دھبوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اب تاریکی بھی آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھی۔ مگر دھبوں کی وجہ سے اس کے چہرے کے نقوش واضح محسوس نہیں ہو رہے تھے۔

"باتھ روم ہے یہ پہلے کمرے کے ساتھ" رمیض نے ہاتھ کے اشارے سے سمت بتائی۔ لڑکی چارپائی سے اُتر آئی۔ وہ نہایت متناسب جسم کی مالک تھی۔ قد بھی بہت آئیڈیل تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا......؟" رمیض نے بلا ارادہ متجسس انداز میں پوچھا۔

"نشاط افزاء......" لڑکی نے خلافِ توقع بہت نرمی اور سکون سے جواب دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

رمیض کی اُردو خاصی کمزور تھی۔ نشاط افزاء کے معنی میں تو نہ اُتر سکا مگر نام کا صوتی تاثر بہت خوبصورت تھا کانوں کو بہت بھلا لگا تھا۔ دل میں اُمنگ تو جاگی کہ نام کا مطلب بھی لگے ہاتھوں پوچھ ڈالے مگر لڑکی کی ایک ہیبت سی تھی کہ کہیں پھاڑ کھانے کو نہ دوڑے۔ وہ خاموشی سے اسے اس طرف جاتا دیکھتا رہا جہاں اس نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا تھا۔ لڑکی آہستہ قدموں سے چلتی کمرے میں داخل ہوگئی۔

"توبہ توبہ استغفر اللہ...... قیامت کی نشانی ہے۔" چوکیدار اپنے کانوں کی لویں چھو کر توبہ استغفار کرنے لگا۔

"یہ تو خود قیامت ہے" رمیض سوچ کر رہ گیا بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

"اس لڑکی کے لیے چائے وغیرہ بنا لو بابا...... بسکٹ پاپے تو ہوں گے تمہارے پاس۔ پتہ نہیں بھوکی بھی ہو" رمیض نے ایک دم اپنے خیال سے باہر آ کر چوکیدار سے کہا اور خود اپنی بے قراری چھپانے کے لیے ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

بابا رمیض کا حکم سنتے ہی کچن کی طرف بڑھ گیا۔ رمیض کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ کمرے میں داخل ہو کر لڑکی سے بات چیت کرے۔ وہ عجیب بے کلی اور ذہنی خلفشار

میں مبتلا ہو چکا تھا۔ لڑکی چائے پی کر کہاں جائے گی؟ ایک یہ سوال پیدا ہو رہا تھا۔ پہلے تو یہ پتہ لگانا ہے کہ وہ غنڈوں میں کیسے پھنس گئی تھی وہ بھی عین تہجد کے وقت۔ یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ وہ زبردستی کہیں سے اُٹھائی گئی ہے اور اپنی عزت بچانے کے لیے اس نے خون خرابہ تک کر ڈالا۔

وہ اضطراری انداز میں اپنے بالوں میں اُنگلیاں چلا رہا تھا اور مسلسل ٹہل رہا تھا۔

کچن سے برتنوں کی کھڑ کھڑ سنائی دے رہی تھی اور وہ بار بار اس کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں نشاط افزا ہاتھ منہ دھونے گئی تھی۔ ایک ایک لمحہ بمشکل سرک رہا تھا۔ ذہن میں ایک ہلچل سی تھی جو کسی ایک خیال پر ٹھہرنے نہیں دے رہی تھی۔

خدا خدا کر کے نشاط افزا کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔ ابھی بھی نیم تاریکی کی صورت حال تھی پو پھٹنے میں دیر تھی۔ کمرے میں لائٹ جل رہی تھی بس ایک جھلک روشنی میں اس کی دکھائی دی اور وہ فوراً باہر آ گئی تھی۔ ایک جھلک بھی قیامت تھی۔ اب ایک بے انتہا حسین لڑکی اس کے سامنے تھی چہرے کو غالباً بہت زیادہ رگڑا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا سفید رنگ بہت زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔ اس نے فل آستین کی قمیض پہنی ہوئی تھی جو بالکل فٹ تھی۔ دوپٹہ تو شاید کھینچا تانی کی نذر ہو گیا تھا شاید اسی وجہ سے وہ خاصی کانشس سی نظر آ رہی تھی۔ رمیض اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"آپ اندر کمرے ہی میں تشریف رکھیں بابا چائے بنا رہے ہیں۔ چائے پئیں بسکٹ کھائیں اور پھر جہاں آپ کہیں میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں" رمیض نے اس کے حسن سے نظر چراتے ہوئے بڑے دوستانہ اور پُر اخلاق انداز میں کہا۔

نشاط افزا نے نظر اُٹھا کر رمیض کی طرف دیکھا۔ برابر کی چوٹ تھی اس کے مدمقابل ایک مردانہ وجاہت وحسن کا مجسمہ ایستادہ تھا۔ نیم تاریکی میں بھی اس کی کشش نمایاں تھی۔

"آپ کسی تکلف میں نہ پڑیں۔ اگر ہو سکے تو مجھے اوڑھنے کے لیے کوئی چادر دے دیں۔ پھٹی پرانی...... چاہے بیڈ شیٹ ہو۔ پھر میں چلی جاؤں گی۔ میں ان پر زیادہ دیر تک

قابو نہیں پا سکتی تھی مگر آپ کی بروقت مدد میرے لیے عمر بھر کا احسان بن گئی۔'' نشاط افزا
کی آواز میں اس مرتبہ گہری تھکن کا تاثر تھا۔

رمیض بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ جتنی حسین تھی اتنا ہی حسن اس کے انداز سخن میں تھا۔ آواز اگرچہ بہت دھیمی تھی مگر لہجے میں بڑی خوبصورت کھنک سی تھی۔ اس کے انداز گفتگو سے پہلا تاثر محو ہو گیا تھا۔ وہ لفظ احسان ادا کر کے واضح کر رہی تھی کہ وہ ایک متوازن اور شائستہ لڑکی ہے۔ دوپٹہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا جھجکنا ایک حیادار لڑکی ہونے کی علامت تھا۔

بابا اگرچہ اپنے کام میں مصروف تھا مگر ان دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ اس نے لڑکی کے بے پردہ ہونے کو یوں بھی محسوس کر لیا تھا۔ لڑکی نے چادر اوڑھنے کی بات کی تو وہ فوراً چادر تلاش کرنے کمرے میں چلا گیا۔ شریف ان پڑھ بندہ تھا ہر لڑکی کو بیٹی کی جگہ پر رکھ کر سوچنے والا سادہ لوح اور پر خلوص انسان۔ تھوڑی تلاش بسیار کے بعد اس نے گھسی ہوئی ہلکے وزن کی جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی چادر نکال ہی لی اس لیے کہ جو بیڈ شیٹ روزانہ استعمال ہو رہی تھیں۔ وہ بہت چوڑی اور بھاری تھیں۔ وہ چادر لے کر باہر آیا اور خاموشی سے نشاط افزا کی طرف بڑھا دی جو اس نے اتنی بے تابی سے ہاتھ بڑھا کر لی جیسے کوئی بہت بڑی نعمت اس کے ہاتھ لگی ہو اور فوراً ہی کھول کر سر سے اوڑھ کر اچھی طرح لپیٹ لی۔ اب اس کے چہرے پر بہت سکون اور اعتماد تھا۔ جیسے تپتی دھوپ میں چلتے چلتے گھنے درخت کی چھاؤں مل گئی ہو۔

''بابا چائے تیار ہے تو لے آؤ۔'' رمیض اس کے سحر سے بمشکل باہر نکلتے ہوئے کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بابا سے بولا۔

''ابھی لایا صاحب......'' بابا نے قدم روکے اور پلٹ کر رمیض کو مؤدبانہ جواب دیا۔

''پلیز! آپ یہ چائے وائے کا تکلف نہ کریں۔ بس مجھے ایسی جگہ پہنچا دیں جہاں سے مجھے کوئی رکشہ وغیرہ مل جائے۔ میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔'' نشاط افزا نے

[illegible] لب و لہجے میں رمیض کو چائے کے لیے منع کیا۔ وہ اب مکمل طور پر خود کو سنبھال چکی تھی۔ رمیض جو ابھی تک بہت اُلجھا ہوا تھا ایک دم گڑبڑا کر بولا۔

''چائے تو بابا بنا چکا ہے۔ میرے پاس بائیک ہے اگر اس پر بیٹھنا پسند کریں تو جہاں آپ کہیں گی میں چھوڑ آؤں گا۔ آئی مین...... آپ کے گھر......'' رمیض نے جیسے فوراً وضاحت کی۔ لڑکی اتنی پر اعتماد تھی کہ وہ بار بار گڑبڑا رہا تھا اور یہ اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا۔ وگرنہ ایک سے ایک خوبصورت و دولت مند لڑکی کو ایک منٹ میں گھما کر رکھ دیتا تھا یا تو یہ وجہ تھی کہ لڑکی کا پہلا امپریشن بہت جارحانہ تھا۔

''گھر......؟'' لڑکی کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ اُبھری جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ پھر جیسے سنبھل کر چادر سنبھالتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے...... بس آپ اس ویرانے سے مجھے باہر نکال دیں اتنا بھی بہت ہے۔'' بابا نے چارپائی کے قریب ایک بوسیدہ سا اسٹول لا کر رکھ دیا تھا اور جلد ہی چائے کے دو کپ اور ڈبل روٹی کے چار سلائس ٹرے میں رکھ کر لے آیا تھا۔

''پلیز......!'' رمیض نے چائے کی طرف اشارا کر کے اسے چارپائی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ لڑکی قدرے ہچکچائی پھر چند قدم آگے بڑھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

لمحہ لمحہ روشنی بڑھ رہی تھی اور لڑکی کے خدوخال واضح ہو رہے تھے۔ دیکھنے کے قابل چہرہ تھا۔ رمیض کے لیے نظر بچانا ایک مرحلہ تھا۔ وہ ابھی تک کھڑا ہوا تھا اس کے بیٹھنے کے لیے آس پاس کوئی کرسی یا اسٹول نہیں تھا۔ چارپائی پر کیسے بیٹھ سکتا تھا۔ لڑکی نے نظر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ دوسرا کپ غالباً آپ کے لیے ہے۔''

''جی...... جی......'' رمیض پھر بوکھلا گیا۔ ایک لمحے میں سوچ کہیں سے کہیں چلی جاتی تھی۔ آگے بڑھا اور چائے کا کپ اُٹھا لیا۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا مگر حال یہ تھا کہ غفلت یا نیند کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ لڑکی در حقیقت بھوک محسوس کر رہی تھی۔ تب ہی اس نے بے چون و چرا ایک سلائس چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کر دیا۔ رمیض کی طرف

سے کسی اصرار کا انتظار نہیں کیا۔ لڑکی سلائس بھی کھا رہی تھی ساتھ ساتھ سر پر ڈھلکتی چادر بھی سنبھال رہی تھی۔ اس دوران رمیض نسبتی خاموش رہا اس کے باوجود کے ہزاروں سوال ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔

لڑکی نے صرف ایک سلائس کھا کر چائے پینا شروع کر دی۔ اب وہ نظریں نہیں اُٹھا رہی تھی۔ ذہن کو بھی کچھ سکون ملا اور پیٹ کو بھی تو چہرے پر گہری سوچ کا عکس واضح ہونے لگا جیسے وہ کچھ دیر قبل گزرے ہوئے واقعات کی طرف متوجہ ہو گئی ہو۔

اس نے بڑی عجلت میں چائے ختم کی تھی اور رمیض کی طرف یوں دیکھا تھا جیسے جاننا چاہ رہی ہو کہ اسے چائے ختم کرنے میں کتنا وقت لگے گا۔

رمیض اس کی عجلت کو محسوس کر رہا تھا اگرچہ اس کے کپ میں چائے باقی تھی مگر اس نے کپ اسٹول پر رکھ دیا۔ وہ ہنوز کھڑا ہوا تھا۔ نشاط افزا نے جیسے جان بوجھ کر اس کا کھڑا رہنا نظر انداز کیا تھا۔ بیٹھنے کو کہتی بھی تو کہاں۔ اپنے برابر میں بٹھانا تو اسے گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک منٹ میں بائیک کی چابی لے کر آتا ہوں۔ کپ رکھ کر اس نے کہا تھا اور فوراً کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور جیسے چند لمحوں میں اُلٹے پاؤں باہر واپس آ گیا تھا۔ نشاط افزاء نے ابھی ہٹ کا جائزہ لینا شروع ہی کیا تھا کہ وہ واپس بھی آ چکا تھا۔

"آپ نے یہ ہٹ کرائے پر لیا ہوا ہے۔" یہ نشاط افزا کی طرف سے پہلا سوال تھا۔

"میرا اپنا ہے۔" رمیض نے نظر چرا کر جواب دیا۔

نشاط افزا نے اب بہت توجہ سے مگر لمحے بھر کے لیے رمیض کی طرف دیکھا اور خاموشی سے رمیض کی تقلید میں قدم بڑھا دیے۔ ہٹ کی دیوار کے ساتھ عمیر کی بائیک کھڑی تھی جو رمیض کے لیے بہت بڑی نعمت بنی ہوئی تھی۔

اس نے بائیک کو سیدھا کیا۔ سیٹوں پر نمی سی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ کسی خشک کپڑے سے صاف کرے پھر نشاط افزا کی طرف دیکھا اور کِک لگانے لگا۔

سمندر کی جھاگ جھاگ چمکتی لہروں کی وجہ سے ماحول میں ایسی تاریکی نہیں تھی جو اس

وقت سمندر سے دور کے علاقوں میں ہو سکتی تھی۔ بائیک اسٹارٹ ہوئی اور اس نے نشاط افزا سے کہا۔

"آیئے......" اور اتنا کہہ کر پہلے خود بیٹھ گیا۔

نشاط افزا بہت محتاط انداز میں رمیض کے پیچھے بیٹھ گئی۔ وہ بہت احتیاط کر رہی تھی کہ رمیض سے ٹچ نہ ہونے پائے۔

"کیونکہ آپ نے بیڈ شیٹ اوڑھی ہوئی ہے اس لیے چیک کر لیں کہ اِدھر اُدھر لٹک نہ رہی ہو ٹائر میں پھنس گئی تو مسئلہ ہو سکتا ہے۔" رمیض نے بائیک موو کرنے سے پہلے تاکید کی۔ تب نشاط افزا نے واقعی گڑبڑا کر آگے پیچھے سے چادر سمیٹ کر گود میں بھر لی۔

"چلیے......" وہ آہستگی سے بولی۔

رمیض نے بائیک آگے بڑھائی۔ بابا سامنے کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ رمیض نے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"بابا! بس میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

بابا نے سر ہلا دیا۔ رمیض نے اب بائیک کو ریس دی۔ نشاط افزا نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

☆☆☆☆☆

سہیل بہت گہری نیند میں تھے۔ سمن بھی ان کے پہلو میں کروٹ کے بل میٹھی نیند لے رہی تھی۔ ان کے موبائل پر رنگ ہوئی تھی۔ صبح کے چار بجے رہے تھے۔ چہار سو رات کی سی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ فون کی بیل نے ان کو جگانے کے ساتھ ساتھ ہزار اندیشوں کو بھی جگا دیا۔ سمن بھی کسمسائی تھی۔

ایک نظر سمن پر ڈالتے ہوئے انہوں نے اپنا موبائل اُٹھا کر کالر (Caller) کا نمبر دیکھا اور بری طرح چونک پڑے یہ تو نیا کے گھر سے کال آ رہی تھی۔ وہ ایک دم بیڈ سے اُتر گئے اور بڑی تشویش سے ایک مرتبہ پھر موبائل کی طرف دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے نیا کو......؟ کیوں اس وقت فون کر رہی ہے۔ اسے تو مجھ سے زیادہ

محتاط ہونا چاہیے۔‘‘

وہ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے تھے۔ رنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ ثمن کے مکمل جاگ جانے کا خطرہ تھا۔ انہوں نے ریسیو رپش کیا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

’’ہیلو......‘‘ وہ دبی ہوئی آواز میں بولے۔ پیشانی پر پڑی لکیریں گہری ہونے لگیں۔

’’ہاں...... سہیل...... بیٹا! میں نیا کی امی بات کر رہی ہوں۔‘‘ بانو بیگم بھی بہت دبی ہوئی آواز میں بات کر رہی تھیں جیسے چھپ کر بات کر رہی ہوں۔

سہیل کے کان میں تو جیسے ایک دھماکہ ہوا تھا۔ ’’نیا کی امی......!!‘‘ انہوں نے گردن موڑ کر بیڈروم کی طرف دیکھا جیسے خود کو تسلی دینا چاہ رہے ہوں کہ ثمن نے کچھ نہیں سنا وہ ہنوز سو رہی ہے۔ پھر قدم بڑھا کر بالکنی کی طرف چلے گئے اور چہرہ اس رُخ پر کر لیا کہ اگر ثمن بیڈروم سے نکلے تو فوراً دکھائی دے۔

’’بیٹا! میری آواز آ رہی ہے ناں؟‘‘ بانو بیگم اسی طرح دبی ہوئی آواز میں بول رہی تھیں۔

’’جی...... جی آ رہی ہے۔ فرمایئے میں سن رہا ہوں۔‘‘ انہوں نے بہت آہستہ آواز میں کہا اور ہمہ تن گوش ہو گئے۔

’’بیٹا! آپ کی حویلی سے گاڑی آئی تھی۔ نیا حویلی چلی گئی ہے۔ آپ اس وقت کہاں ہیں؟‘‘ وہ بہت فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

’’آنٹی! میں کراچی میں ہوں اپنے گھر۔ آپ فکرمند نہ ہوں نیا بخیریت آپ کے پاس واپس آ جائے گی۔‘‘ وہ بانو بیگم کو تسلی دے رہے تھے اور ذہن ادھر ادھر قلابازیاں لگا رہا تھا۔ بہرحال تشویش کی بات تو تھی۔

’’بیٹا! اب ہماری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے اور اس گھر کا سکھ بھی۔‘‘ بانو بیگم بولتے بولتے روہانسی ہو گئیں ساتھ ہی سہیل پر واضح کر دیا کہ وہ بے خبر نہیں اور تمام حالات کا علم ہے۔ ظاہر ہے سہیل سمجھ سکتے تھے کہ نیا ماں کو اعتماد میں لے چکی ہے۔

ایک عجیب سی شرمندگی نے ان کو گھیر لیا۔ ایک لمحے کو تو سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ جواب

دیں کیا بولیں۔ بمشکل خود کو سنبھالا اور کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا جیسے جملہ تولنے کے لیے مہلت لے رہے ہوں۔

’’آنٹی! آپ میرا اعتبار کریں۔ آپ کی عزت میری عزت ہے۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں۔ پہلی فرصت میں آپ کے اور نیا کے سر سے بوجھ اُتار دوں گا۔ جو کچھ بھی ہوا میں اس پر خوش نہیں ہوں۔ مگر آپ ہی کے گھر کے سکون کے لیے میں نے اور نیا نے یہ کمپرومائز کیا۔ مگر یہ لمبا نہیں جائے گا۔ اس لیے کہ میں بھی یہ سلسلہ زیادہ دن تک آگے چلانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ جو کچھ بھی ہے میں ثمن کے ساتھ خوش ہوں اور اپنے مقدر پر صبر کرتا ہوں۔ ثمن بے گناہ ہے میں اسے مفت کے عذاب میں نہیں ڈالوں گا۔ میری صرف ایک بیوی ہے جس کا نام ساری دنیا کو پتہ ہے۔ آپ بالکل اطمینان سے سو جائیں کچھ نہیں ہوگا۔ نیا بہت جلد آپ کے پاس ہوگی۔‘‘ وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بانو بیگم کو دلاسہ دے رہے تھے۔

’’میں آپ کو جانتی ہوں بیٹا...... مجھے پتہ ہے آپ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہے۔ مگر بیٹا کنواری بیٹی گھر سے اتنی دور پڑی ہو تو...... آخر ماں ہوں بیٹا۔ سمجھ رہے ہیں ناں آپ؟‘‘ بانو بیگم پر سہیل کے پرسکون اور مہذب لہجے کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

’’وہ بالکل محفوظ ہے۔ بابا سائیں اور بی بی جان نے اسے بیٹی مان لیا ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھیں گے۔ انشاء اللہ چند دنوں میں یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ کبھی حویلی نہیں جائے گی۔‘‘ سہیل نے پھر تسلی آمیز کلمات سے بانو بیگم کو سہارا دیا۔

’’اچھی بات بیٹا...... آپ سے بات کر کے واقعی بڑی تسلی ہوئی۔ بہت سکون ملا۔‘‘ نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔

’’آپ اب آرام سے سو جائیں۔ بالکل فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔‘‘ سہیل نے سامنے دیکھتے ہوئے اسی طرح دبی ہوئی آواز میں کہا۔

’’خدا حافظ بیٹا...... اللہ آپ کو خوش رکھے۔‘‘ اتنا کہہ کر بانو بیگم نے فون رکھ دیا۔

سہیل نے موبائل مٹھی میں دبا کر رُخ موڑا اور اُفق پر نظریں جما دیں جہاں سپیدۂ

سحر نمودار ہونے کی علامتیں واضح ہو رہی تھیں۔

بی بی جان سے بھی حد ہے۔ ان کی بے حساب جذباتیت نے کتنی زندگیوں کو مشکل میں ڈالا ہوا ہے۔ مگر انہیں کبھی احساس نہیں ہوگا۔ وہ اب کڑھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

شکر ہے ثمن گہری نیند سو رہی ہے۔ ورنہ کتنی مشکل ہو جاتی۔ موبائل سوئچ آف کر دیتا تو بانو بیگم کا لمحہ لمحہ اذیت ناک ہو جاتا۔ ایک دم سے نیا کوڈ ورس بھی نہیں دے سکتا۔ پھر بی بی جان کو کیسے سنبھالوں گا؟ وہ اپنی پیشانی اُنگلیوں سے دباتے ہوئے سوچتے ہوئے شل سے ہو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

وہ اسے اس روڈ پر لے آیا تھا جہاں چوبیس گھنٹے ٹریفک رواں دواں رہتا ہے۔ اگرچہ فجر سے کچھ پہلے خاصی خاموشی ہوتی تھی مگر کوئی نہ کوئی ٹرالر ٹینکر گزرتا ہی رہتا تھا۔ پو پھٹنے کے آثار نمایاں تھے۔ کچھ ہوٹل بند تھے۔ اکا دکا کھلے ہوئے تھے جن کے سامنے سوزوکی کیری اور ایک دو رکشے کھڑے ہوئے تھے۔ رکشے دیکھ کر نشاط افزا ایک دم پرجوش سی ہو گئی اور بڑی پرجوش آواز میں بولی۔

''بس یہیں اُتار دیجیے مجھے...... یہ رکشہ نظر آ رہا ہے۔ میں اسی میں چلی جاؤں گی۔''

''کہاں؟'' رمیض نے برجستہ پوچھا تھا اور بائیک روک دی تھی۔

''جہاں بھی مجھے جانا ہے۔ آپ کو بھلا اس بات سے کیوں دلچسپی ہو کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ مگر اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہوں گے کہ کسی محفوظ ٹھکانے پر ہی جانا چاہتی ہوں گی۔ ورنہ ڈوب مرنے کے لیے سمندر تو سامنے ہی تھا۔'' بولتے بولتے اُس کے لہجے میں تلخی اُتر آئی۔

رمیض ایک دم محتاط ہو گیا۔ نیند دُور تھی تجسس تو جاگے ہوئے تھے۔ وہ تو اسے اس کی منزل پر خود چھوڑنے کا خواہش مند تھا کہ پتہ تو چلے وہ کس بستی کی باسی ہے؟ بائیک رُکتے ہی وہ اُچھل کر اُتر گئی تھی اور چادر سنبھالتے ہوئے رمیض کی طرف دیکھا تھا۔

''اب آپ چلے جائیں...... آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے مجھے بھیڑیوں

سے بچایا اور یہاں تک لے کر آئے۔'' اس نے بہت سپاٹ مگر پروقار لہجے میں رمیض کا شکریہ ادا کیا۔

''مگر پہلے یہ تو پتہ کر لیں کہ اس رکشے کا مالک کہاں ہے؟ وہ آپ کو آپ کی منزل تک چھوڑنے پر رضامند بھی ہے یا نہیں۔ پتہ نہیں کس قسم کا آدمی ہو...... آپ اس کے ساتھ اکیلی سفر کریں گی۔ یہاں تک بھی سوچیں۔'' رمیض نے اس کے پرنور صبیح چہرے پر نظریں جما کر قدرے فکرمندی سے کہا۔

''جب تین تین بھیڑیوں سے نمٹ سکتی ہوں تو یہ اکیلا کیا کر لے گا۔'' نشاط افزا کے لب و لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

''کہتی تو ٹھیک ہے۔ مگر زیادہ خود اعتمادی بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔ ہے تو ایک لڑکی ہی......'' رمیض نے پھر تشویش بھری نظروں سے اس کے حسین چہرے کا نظارہ کیا۔ کیا چہرہ تھا نظر تسکین کا ہر مرحلہ طے کر جاتی تھی۔

نشاط افزا نے چادر سنبھال کر قدم رکشے کی طرف بڑھا دیے۔ رمیض نے بڑی بے بسی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر ایک دم جیسے کوئی خیال آیا۔

''ایکسکیوز می مس......!!'' اس نے ذرا بلند آواز سے اسے متوجہ کیا۔

نشاط افزا رک گئی اور پلٹ کر رمیض کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں اُلجھن بھی تھی اور سوال بھی۔

''وہ آپ کے پاس کرائے کے پیسے ہیں۔'' اس نے اس لیے پوچھا کہ وہ اسے خالی ہاتھ ملی تھی۔ کوئی پرس یا بیگ وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔

''ہو جائیں گے......'' اس نے بے نیازی سے کہا اور پھر رکشے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''ہو جائیں گے......؟'' رمیض نے اُلجھتے ہوئے سر کھجایا۔ پھر ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔

''ہو گا کوئی انتظام...... فکر اُسے ہونا چاہیے۔ وہ رکشے میں جا رہی ہے۔ میں تو نہیں

اس نے کندھے جھٹکے اور اپنی بائیک کی طرف پلٹ گیا۔ مگر اچانک کوئی خیال آیا اور بڑھتے قدم رُک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ نشاط افزا رکشے کے پاس کھڑی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ غالباً وہ رکشہ ڈرائیور کو تلاش کر رہی تھی۔ رمیض نے سوچا کہ جب یہاں تک اسے لے ہی آیا تھا تو رکشہ ڈرائیور سے خود بات کر کے کرایہ طے کر کے اسے رکشے میں بٹھانا چاہیے تھا۔ اس طرح نشاط افزا کو بھی مورل سپورٹ ملتی اور رکشہ ڈرائیور اسے کوئی لاوارث سی لڑکی نہ سمجھتا۔ یہاں تک سوچ کر اس نے نشاط افزا کی طرف قدم بڑھا دیے۔ ابھی تک رکشہ ڈرائیور کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

وہ نشاط افزاء کی پشت پر پہنچ کر کھنکھارا۔

''آپ ابھی تک گئے نہیں......؟'' اس نے یوں پوچھا گویا خبر لے رہی ہو۔

''میں نے سوچا میں رکشہ ڈرائیور سے خود بات کر کے آپ کو بٹھا دوں۔ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ آپ مجھے بتائیں جانا کہاں ہے۔ پھر میں اس سے کرائے وغیرہ کی بھی بات کرتا ہوں۔ آپ کو پتہ ہے میٹر سے تو یہاں کوئی چلتا نہیں ہے۔ اپنی مرضی سے کرایہ لیتے ہیں۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ...... میں خود بات کر لوں گی۔'' نشاط افزا نے لمحے بھر میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ رمیض شرمندہ ہو کر جیسے چکرا سا گیا۔

''پلیز! آپ جائیں۔ اب میں ایسی جگہ کھڑی ہوں جہاں سے مجھے آسانی سے کنوینس مل جائے گی۔''

رمیض پھر بھی تذبذب میں رہا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیسے اسے قائل کرے۔

''میں جانتی ہوں میں بہت خوبصورت لڑکی ہوں۔ کوئی بھی ملنے والا مجھے اپنی ''بہن'' کبھی نہیں بنائے گا۔ راہ چلتی حسین لڑکی کو کوئی اپنی بہن نہیں سمجھتا موقع کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ میں بہت بہادر لڑکی ہوں۔ سب کچھ کر سکتی ہوں اس لیے کہ مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جن کو جان پیاری ہوتی ہے وہ قدم قدم پر ڈرتے ہیں۔ اب آپ تشریف لے جائیں اور اپنے خوبصورت ہٹ میں میٹھی نیند سو جائیں۔ رات بھر

کے جاگے ہوئے ہیں۔'' نشاط افزا نے اچھی خاصی کچی کر دی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کوئی لڑکی اس کے مردانہ حسن سے مرعوب نہیں ہوئی تھی۔ اسے صرف اپنے حسن کا ادراک تھا۔

وہ آہستہ قدموں سے شرمندہ شرمندہ اپنی بائیک کی طرف پلٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے جو اکا دکا لوگ صبح کی اوّلین دھندلی روشنی میں نظر آ رہے تھے وہ بہت توجہ سے رمیض اور نشاط افزا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کا دیکھنا رمیض کو کانشس کر رہا تھا۔ مگر نشاط افزا پر کوئی اثر نہیں تھا۔

''زندگی سے دلچسپی نہیں ہے'' نشاط افزا کے اس جملے میں قیامتیں اور کہانیاں چھپی ہوئی تھیں۔

اتنی حسین لڑکی کو زندگی سے دلچسپی نہیں ہے؟ جسے ایک نظر کوئی دیکھ لے تو عمر بھر نہ بھلا پائے۔ مختصر مدت میں یہ بات تو واضح ہو چکی تھی کہ وہ ''شمع محفل'' نہیں ہے ''چراغ خانہ'' ہے اور انتہائی پُراعتماد اور باوقار لڑکی ہے۔

بڑی سی بوسیدہ بیڈ شیٹ میں لپٹی اپنے قدموں پر نہایت مضبوطی سے کھڑی تھی۔ رمیض نے ٹی شرٹ کی جیب سے بائیک کی چابی نکالی۔ آگے بڑھ کر بائیک اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی۔ وہ کِک لگا رہا تھا مگر نظر مستقل نشاط افزا پر تھی جو ابھی تک رکشہ ڈرائیور کو نظروں ہی نظروں میں تلاش کر رہی تھی۔

بائیک اسٹارٹ ہو گئی تھی مگر وہ ہنوز تذبذب میں تھا۔ پھر ایک خیال نے اسے پرجوش سا کر دیا۔ اس کی پشت پر بلند عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ اس نے اپنی پشت کی لوکیشن کا جائزہ لیا اور بائیک پر بیٹھ گیا۔ نشاط افزا ہنوز اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

رمیض نے بائیک کا رُخ سامنے بنی ہوئی عمارت کے پچھلے حصے کی طرف موڑ دیا اور چند لمحوں میں عمارت کے عقب میں پہنچ کر بائیک روک کر انجن بند کیا اور بائیک سے اُتر آیا۔ عمارت کے اس حصے میں آٹو ورکشاپ کا کچرا نما سامان بکھرا ہوا تھا وہ احتیاط سے پاؤں رکھتا ایسی جگہ پر آ کھڑا ہو گیا جہاں سے وہ جھانک کر نشاط افزا کو دیکھ سکتا تھا۔ بڑا اسمیل سے اُسے الرجی تھی مگر اسے خود پر حیرت ہوئی۔ اس وقت وہ سب کچھ برداشت

کررہا تھا۔

روشنی بڑھ چکی تھی اگرچہ سورج نمودار نہیں ہوا تھا۔قریبی مسجد میں فجر کی نماز ہونے کے بعد درود وصلاۃ پڑھنے کی آواز آنا شروع ہو چکی تھی۔اس کی نظر مسلسل نشاط افزا پر تھی جو اپنی اُڑتی ہوئی چادر کو سنبھالتے ہوئے ہنوز رکشہ ڈرائیور کا انتظار کررہی تھی۔

معاً اسے ایک گیم شیم عمر رسیدہ بابا ٹائپ کا پٹھان ڈرائیور رکشے کی طرف آتا دکھائی دیا۔وہ سیدھا نشاط افزا کی طرف آیا تھا اور بڑے مگن انداز میں اپنی قمیص کے دامن سے ہاتھ بھی پونچھتا جاتا تھا۔اس نے قریب آکر ہاتھ پونچھنا تمام کیا اور دامن کو دو تین مرتبہ جھٹکا۔گویا قمیص کی سلوٹیں نکال رہا ہو۔

نشاط افزا نے چادر سے اپنا چہرہ بہت اچھی طرح چھپایا ہوا تھا اور چادر کو بہت اچھی طرح پکڑا ہوا تھا۔مگر اس کے خوبصورت سپید ہاتھ اس کے چہرے کا حسن ظاہر کررہے تھے۔اب پتہ نہیں وہ سچ مچ کا ''بابا'' تھا یا بابا کے بھیس میں کوئی ''مردِ جواں'' تھا۔آج کل تو بہت سے لوگوں کے چالیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اچھے خاصے بال سفید ہو جاتے ہیں۔صبح کے ابتدائی اُجالے میں ڈرائیور کے خدوخال کا دور سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔

بہرحال شاید معاملہ طے ہو چکا تھا کیونکہ نشاط افزا اب رکشے میں بیٹھ رہی تھی۔

رمیض کے جذبات میں ایک جوش سا بیدار ہوا۔بائیک اسٹارٹ کی اور عمارت کے عقب سے نکل آیا۔

رکشہ اسٹارٹ ہو کر ہاکس بے سے بالکل مخالف سمت میں بھاگنے لگا تھا۔رمیض نے رکشے کو مزید آگے بڑھنے دیا۔جیسے ہی اسے خطرہ ہوا کہ رکشہ کسی موڑ پر غائب بھی ہو سکتا ہے اس نے بائیک رکشے کے پیچھے لگا دی۔

☆☆☆☆☆

صبح سویرے کا وقت صاف ستھری سڑک اِکا دُکا ٹریفک......رکشہ کسی مست ہاتھی کی طرح جھومتا جارہا تھا۔

''بیٹی! تمہارا گھر اے ادر......؟'' رکشہ ڈرائیور نے بیک مرر میں نشاط افزا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔جو ایک ہاتھ سے رکشے میں لگی اسٹیل کی راڈ پکڑے ہوئے تھی دوسرے ہاتھ سے اپنی اُڑتی ہوئی چادر دبوچے ہوئے تھی۔

نشاط افزا رکشہ ڈرائیور کا سوال سن کر یوں بیٹھی رہی جیسے بہری ہو اور کچھ سنائی نہ دے رہا ہو۔

ڈرائیور کو جیسے خوش فہمی تھی کہ یہ تنہا مسافر عورت اس کا سوال سنتے ہی بولنا شروع کر دے گی۔وہ اس کی خاموشی پر حیران ہوا پھر سوچا شاید رکشے کے شور میں لڑکی نے اس کا سوال ہی نہیں سنا۔

''سویرے سویرے ادھر کدر آتا ہے؟'' ڈرائیور درحقیقت ''بابا'' تھا۔ستر بہتر سال اس دنیا میں گنوا چکا تھا۔نوجوان لڑکی کے لیے اس کے احساسات وہی تھے جو کسی نیک شریف بوڑھے انسان کے ہو سکتے ہیں۔

''تم اُونچا سنتا ہے؟'' ڈرائیور نے مرر میں دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔اس لیے کہ اسے اپنے دوسرے سوال کا جواب بھی نہیں ملا تھا۔

''بزرگو! آپ نے مجھے ایک سو پچاس روپے کرایا بتایا ہے۔میں آپ کو پورے ایک سو پچاس روپے ہی دوں گی۔ایک روپیہ کم نہیں کراؤں گی۔آپ بس رکشہ چلایئے ......میں غیر مردوں سے سوال جواب نہیں کرتی۔خواہ وہ کسی عمر کے ہوں۔'' نشاط افزا نے انتہائی سپاٹ لہجے میں بات کی تھی۔

ڈرائیور کو شاید پہلی مرتبہ زندگی میں ٹکا سا جواب ملا تھا۔اس نے تو جیسے بہت ہی بے عزتی محسوس کی تھی۔خجل سا ہو کر چپ ہو رہا۔بہرحال وہ نشاط افزا کے اس جملے سے بہت متاثر ہوا کہ وہ غیر مردوں سے بات نہیں کرتی۔

یہ فطری سی بات ہے کہ ایک شریف مرد شریف عورت کی دل سے عزت کرتا ہے۔

اب طے ہو گیا تھا کہ اس نے بس خاموشی سے رکشہ چلانا ہے۔وہ الگ بات کہ شرمندگی کے احساس سے جسم میں ایک کیمیائی ردِعمل تو ہوا جس کے سبب زبان میں کھجلی ہوئی کہ کم

ازکم یہ تو کلیئر کردے کہ وہ اسے اپنی بیٹی سمجھ کر بات کر رہا تھا۔ ایک مزدور کی انا دولت مند سے زیادہ شارپ ہوتی ہے۔

''آپ تو ہمارا بیٹی جیسا ہو۔ آپ کو اچھا نہیں لگتا تو آپ کا مرضی ہو۔'' اتنا کہہ کر ڈرائیور یوں پرسکون ہو گیا گویا پیٹ کے درد کی دوا کھاتے ہی شفا مل گئی ہو۔ نشاط افزا نے دائیں طرف سر لگا کر آنکھیں موند لیں۔ گویا اسے ضمانت مل گئی کہ اب کوئی اسے خیال کی دنیا سے زبردستی کھینچ کر باہر نہیں نکالے گا۔ وہ بے تکان اُڑ سکتی ہے۔ رکشے کے گیئر لگ رہے تھے تو وہ بھی بھراتے لے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

رکشہ تو جیسے بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑا چلا جا رہا ہو۔

رمیض کی بائیک میں تو ایندھن تھا مگر پیٹ کا ایندھن تو دیر ہوئے ختم ہو چکا تھا۔ وہ تو پریشان ہو گیا کہ آخر یہ رکشے میں کیا کسی دوسرے شہر جا رہی ہے۔ دس منٹ رکشہ سیدھا چلتا پھر ایک موڑ کاٹتا پھر سیدھا چلنا شروع کر دیتا۔ بادلوں کے گھرے ٹکڑے، بپنی دھوپ کی راہ میں مزاحم تھے جیسے صبح ہی ہو کر نہیں دے رہی تھی۔ البتہ نرم ریشمی سی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے احساسات میں خوش گواری پیدا کر رہے تھے۔ وہ بہت محتاط تھا اور رکشے سے بہت فاصلے پر تھا۔ اتنا کہ رکشہ موڑ کاٹنے لگے تو اسے واضح دکھائی دے۔ اب رُوٹ تو اسے سمجھ آ رہا تھا۔ کراچی یونیورسٹی کی طرف کا سفر تھا جہاں شہر کی بنسبت رونق و ہلچل کا عنصر ہمیشہ کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ اس طرف آنا فانا ہی کنکریٹ کا جنگل اُگ آیا تھا۔ آس پاس ہر طرف تا حد نگاہ زیر تعمیر بنگلوز اور اپارٹمنٹ نظر آتے تھے جن میں سے کچھ آباد بھی ہو چکے تھے۔ مگر تعمیر اور آبادی کے تناسب میں واضح فرق تھا۔

رکشہ کا تعاقب کرنے سے اسے کراچی یونیورسٹی کے مزید شارٹ کٹس کا علم ہوا۔

ساہوکار ہر وقت ''بچت'' سوچتا ہے تو مزدور کیوں نہ سوچے؟

اس کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ سفر مہم بن جائے گا۔ اسے خود پر غصہ بھی آنے لگا۔ آخر اتنا تجسس پانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مگر یہ سب اس نے بے اختیار ہو کر کیا

تھا۔ دنیا میں ہر روز ہزاروں لاکھوں ڈرامے ہوتے ہیں جن کے بے حساب کرداروں میں سے ایک وہ بھی تھی۔ مگر یہ کردار نہایت ہی دلچسپ تھا۔ وہ دلچسپ کردار جو حسن کی دولت سے مالا مال بھی تھا۔ حسن کو نظر انداز کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر اتنا بے اختیار نہ ہوتا تو باپ گھر سے کیوں نکالتا؟ راستہ اس کی سمجھ میں آ چکا تھا۔ اب وہ ذرا پرسکون ذہن کے ساتھ بائیک چلا رہا تھا۔ انتظار تھا تو یہ کہ رکشہ رُکتا کہاں ہے؟

بادلوں کے باوجود اب اتنی روشنی تو پھیل چکی تھی کہ ہر شے واضح دکھائی دے۔ اس لیے اب وہ پہلے سے زیادہ محتاط تھا کہ رکشہ ڈرائیور نے اگر محسوس کر لیا کہ کوئی رکشہ کا پیچھا کر رہا ہے تو وہ ردعمل کیے بغیر نہیں رہے گا اور نشاط افزا کے سامنے اتنی ذلت وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

آخر کار طویل پھٹ پھٹ کا سفر انجام پذیر ہوا۔ رکشہ ایک بالکل نئے نکور تعمیر شدہ بنگلے کے سامنے رُک چکا تھا۔ کاہی سبز اور وہائٹ کلر کی ٹائلیں دور ہی سے چمک رہی تھیں۔ مین گیٹ لکڑی کا تھا جس پر نہایت دیدہ زیب مشینی کٹ ورک تھا۔ بنگلے کی تعمیر ایک بڑے قطعہ اراضی پر ہوئی تھی۔ چار پانچ بالکنیاں اور دو بڑے بڑے ٹیرس تھے۔ بالکنیوں اور ٹیرس کے کٹہرے مین گیٹ سے میچ کرتے ہوئے تھے۔ بنگلہ لگژری نہیں سپر لگژری دکھائی دیتا تھا۔ جس کی تعمیر پر دل کھول کر پیسہ خرچ کیا گیا تھا۔

وہ ایک زیر تعمیر پروجیکٹ کی آڑ میں کھڑا ہو کر یہ سب دیکھ رہا تھا۔ بائیک اس نے قریب ہی کھڑی کر دی تھی۔

اس نے دیکھا کہ نشاط افزا نے رکشے سے اُتر کر ڈرائیور سے کچھ کہا اور فوراً گیٹ کے پاس جا کر کال بیل یا انٹرکام کا بٹن پش کرنے لگی۔

ایک دو منٹ کے انتظار کے بعد گیٹ کھلا اور ایک ماسی ٹائپ کی عورت نے گیٹ سے باہر سر نکالا اور فوراً ہی اندر کر لیا۔ نشاط افزا گیٹ کے اندر چلی گئی۔ چند منٹ مزید گزرے جو بڑے شاق گزرے رکشہ ہنوز کھڑا تھا۔ رمیض نے دیکھا کہ وہی جھانکنے والی عورت گیٹ سے باہر آئی تھی اور رکشہ ڈرائیور کو کرائے کے پیسے دے رہی تھی۔

وہ رکشے سے دور ہٹی اور رکشہ اسٹارٹ ہو گیا۔ رمیض نے ابھی کچھ غور و خوض کرنا تھا ابھی اس کا فوراً پلٹنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ رمیض نے روڈ کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ رکشہ پھٹ پھٹ کرتا اس کے قریب سے گزر گیا۔ رکشہ دور ہوتے ہی اس نے جیسے کھل کر سانس لی اور اپنے بالوں میں اُنگلیاں چلاتا ہوا پتھر، سریے، بجری سے بچتا بچاتا نسبتاً صاف جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے اس گھر کی طرف دیکھتا رہا جہاں نشاط افزا داخل ہوئی تھی پھر اس نے اِدھر اُدھر گردن گھما کر لوکیشن کا جائزہ لیا اور اس طرف قدم بڑھا دیے جہاں بائیک کھڑی کی تھی۔ بھوک کی شدت نے اب پیٹ میں آگ لگا دی تھی۔ دماغ ہر طرف سے ہٹ کر پیٹ میں آ کر ٹھہر گیا تھا۔ گرم گرم حلوہ پوری کا حسن نشاط افزا کے حسن پر حاوی ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

سہیل کو تو بانو بیگم کے فون کے بعد نیند ہی نہیں آئی تھی۔ اگرچہ بستر پر دراز ہو گئے تھے مگر کروٹیں بدل بدل کر عاجز آ گئے نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ کچھ دیر بعد اذانوں کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ وقت کا اندازہ ہوتے ہی وہ بستر سے اُتر گئے۔ نہائے دھوئے پھر نماز پڑھی۔ سمن بھی اتنی دیر میں اُٹھ گئی تھی۔ وہ نماز کی بڑی پابند تھی۔ صبح سویرے مخصوص وقت پر اس کی خود بخود آنکھ کھل جاتی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ سہیل باقاعدہ نہا دھو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ شادی کے بعد سہیل کبھی اس سے پہلے بیدار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ وہی ان کو اُٹھاتی تھی۔

سہیل چونکہ جائے نماز پر تھے اس لیے اس نے کوئی بات نہیں کی اور کپڑے اُٹھا کر واش روم میں چلی گئی۔ دس پندرہ منٹ اسے واش روم میں لگے۔ نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ باہر آتے ہی اس نے گیلے بال تولیے سے آزاد کیے اور فوراً دوپٹہ لپیٹ کر جائے نماز بچھانے لگی۔ سہیل بالکنی میں کھڑے نظر آ رہے تھے مگر اسے نماز کی جلدی تھی۔ سو اس نے کوئی بات کیے بغیر نماز ادا کرنا شروع کر دی۔

سہیل اسے نماز ادا کرتا دیکھ کر آہستہ قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئے اور اپنے

اور سمن کے لیے چائے تیار کرنے گے۔

ان کا ذہن مستقل حویلی میں چک پھیریاں کھا رہا تھا۔ بابا سائیں کے جاہ و جلال سے خاموشی سے زیادہ بی بی جان کی جذباتی فطرت سے ڈر لگتا تھا۔ اس وقتی ڈرامے کا ڈراپ سین خاموشی سے ہو جانا چاہیے۔ اس سے قبل کہ سمن کا اعتبار کرچی کرچی ہو۔ ناقص انجینئرنگ کی وجہ سے ڈھے جانے والی عمارت دوبارہ بن سکتی ہے مگر اعتبار و اعتماد کی تعمیر صرف ایک مرتبہ ہوتی ہے۔ جب ان کی کوئی اٹیچ منٹ یا وابستگی ہی نہیں کسی کے ساتھ تو وہ سمن کو ہمیشہ کے لیے شک کی مریضہ کیوں بنائیں؟

خدانخواستہ اگر کوئی حادثہ ہو جاتا ہے تو سمن کے لیے تو جان لیوا ہو گا کہ سامنے وہ شوہر ہے جس پر اسے اندھا اعتماد ہے اور ساتھ ہی اس کے نیا کھڑی ہے۔ جس نے دوستی کا شعور و مان دیا ہے۔

وہ ٹی بیگ دو کپس میں رکھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ فی الحال تو یہی حل ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر چلے جائیں۔ سمن کو ساتھ لے کر۔ بی بی جان کو مہینہ دو مہینہ کا بولیں سمن کے ساتھ جانے کا ذکر نہ کریں۔ بانو بیگم کے فون کے بعد تو ان کے ذہن میں کوئی حل نکالنے کے لیے ایک عجلت سی پیدا ہو چکی تھی۔ ظاہری بات ہے جب اس نئے زبردستی کے رشتے کو لے کر چلنا ہی نہیں ہے تو معاملات کو طول کیوں دیا جائے۔ وہ اڑتی پڑتی نظر نماز پڑھتی سمن پر ڈالتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ انہوں نے جتنی دیر میں چائے تیار کی اور باہر لاؤنج میں سینٹر ٹیبل پر رکھی سمن سلام پھیر چکی تھی۔

''ارے آپ نے کیوں چائے بنائی میں نماز پڑھ کر بنا لیتی۔'' سمن کھڑی ہو کر قمیض آگے پیچھے سے درست کرتے ہوئے بولی۔

''ٹی بیگ اور ایوری ڈے کی چائے بنانا کون سا مشکل کام ہے۔ آپ کے لیے بھی چائے تیار ہے بیگم صاحبہ......'' سہیل نے اُلجھے ذہن کو بڑی چابکدستی سے سنبھال کر شوخی سے کہا۔

''مجھے دس منٹ تو مزید لگ جائیں گے آپ کپ پر ساسر ڈھانپ دیجیے ورنہ چائے

ٹھنڈی ہو جائے گی۔" ثمن نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا اور فوراً نیت باندھ لی۔

سہیل نے کپ کے نیچے رکھی ساسر کپ پر ڈھانپ دی اور اپنا کپ اُٹھا کر چیئر پر بیٹھ گئے۔ ان کی نظریں نماز ادا کرتی ثمن پر تھیں اور آہستہ آہستہ چائے کے سپ لے رہے تھے۔ ثمن کی طرف دیکھنا اس کی بے ساختہ اداؤں کو تولنا ان کے لیے بڑا خوش کن عمل تھا۔ کیا چہرہ تھا نگاہوں کی زد میں آتے ہی ان کی تمام تھکن اُتار دیتا تھا۔ اُلجھنیں نکڑ پر کھڑی جھانکتی تھیں۔ قریب نہیں آ پاتی تھیں۔

یہ وجود تو میرے روحانی سکون کی ضمانت ہے۔ بی بی جان! میں تو اس کے بغیر پاگل ہو جاؤں گا۔ آپ کے لیے بہو بدلنا آسان ہے میرے لیے بیوی بدلنا ناممکن ہے۔ کاش! آپ سمجھ سکتیں انہوں نے تصور میں ماں سے خطاب کیا۔

ان کی چائے ختم ہوئی۔ ادھر ثمن نے نماز مکمل کر کے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔

انہوں نے چائے ختم کر کے کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔ ثمن مختصر دعا کر کے جائے نماز تہہ کرنے لگی۔ نکھری نکھری آسودہ سی۔ دراز بالوں کی گیلی لٹیں اِدھر اُدھر سے جھانکتی اس کے حسن سادہ کی دلکشی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ بڑا سا دوپٹہ بھی بالوں کی لٹوں کو چھپانے کے لیے ناکافی تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟" ثمن کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ تھی۔ نظر چراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"خود کو یقین دلا رہا ہوں۔ یہ پیاری سی لڑکی صرف میری ہے۔" سہیل نے شوخی سے اور برجستہ کہا۔

"کوئی شک ہے کیا؟ مجھے تو ١٠٠٪ یقین ہے کہ یہ شاندار سا مخدوم صرف میرا ہے۔ ثمن جائے نماز رکھنے اندر جا رہی تھی۔ لمحہ بھر کو رک کر حیا آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور جھپاک کمرے میں چلی گئی۔

سہیل نے زندگی کو پوری قوت سے رگ و پے میں دوڑتا ہوا محسوس کیا۔ مسکرا دیے۔
ثمن لمحوں میں واپس آ گئی تھی اور سہیل کے قریب پڑی چیئر پر بیٹھ کر کپ کے اُوپر

ڈھانپی ہوئی ساسر ہٹانے لگی تھی۔

"آپ کے اس ١٠٠٪ یقین کا کریڈٹ بھی اسی شاندار سے مخدوم کو جاتا ہے میری جان!" سہیل نے براہِ راست ثمن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تنہائی میں پھنسی ہوئی اس لڑکی کو آپ بہت چھیڑنے لگے ہیں۔" ثمن نے ادائے دلبرانہ سے کہا اور چائے کا کپ اُٹھا کر اس میں پڑا ٹی بیگ ڈپ کرنے لگی۔

"یہ حسین تنہائی بہت مشکل سے ملی ہے۔ ادھر حویلی میں چار مالک اور چوبیس نوکرانیاں" سہیل نے اپنی بات کے اختتام پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"اور چوبیس میں سے چار دلہن پر فرشتوں کی طرح مامور۔ دلہن کب اُٹھی، آج نہائی یا نہیں؟ ایک تو باقاعدہ پوچھ گچھ بھی کر لیا کرتی تھی کہ آپ نے وہی رات والے کپڑے پہنے ہوئے ہیں چھوٹے مخدوم کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......" ثمن نے نظر جھکا کر مسکراتے ہوئے بتایا۔

"یعنی آپ کے کپڑوں کی تبدیلی تھرمامیٹر کا نعم البدل تھی۔ جس سے چھوٹے مخدوم کی صحت مندی اور فٹنس کا پتہ چلتا تھا۔" اس مرتبہ سہیل واقعی دل سے ہنسے۔ ثمن اسی طرح شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ چائے کا سپ لیتی رہی۔

"ناشتہ کتنے بجے تک کریں گے۔" ثمن نے فوراً بات کا رُخ موڑ دیا۔ اسے تو سہیل کے ساتھ کھل کر خوشیاں مناتے ہوئے بھی خوف آنے لگا تھا کہ ان خوشیوں کو اس کی اپنی ہی نظر نہ لگ جائے۔ بہت وہمی ہو گئی تھی۔

"آٹھ بجے تک...... بس...... فی الحال ذرا ریسٹ کروں گا۔ آج بہت صبح سویرے آنکھ کھل گئی تھی۔" سہیل نے چیئر سے اُٹھتے ہوئے پھر ایک پیار بھری نظر ثمن کے چہرے پر دوڑائی۔

"ہاں شاید مس کال آئی تھی۔ گہری نیند میں مجھے محسوس تو ہوا تھا۔ فون کا جہاں فائدہ ہے وہاں اس طرح کی بے آرامی بھی ہے۔ آپ کی نیند تو ویسے ہی کچی ہے۔" ثمن چائے کا گھونٹ بھرنے لگی۔

’’گیارہ بجے تک میں ضروری کام نپٹا نے نکل جاؤں گا۔‘‘ سہیل آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

’’کون سے ضروری کام؟‘‘ سمن نے چونک کر پوچھا۔

’’وہی چاول اور سیزن فروٹ ایکسپورٹ والا کام دیکھنا ہے۔ نئے آفس کی رنوویشن دیکھنا ہے۔ پاسپورٹ آفس جانا ہے۔‘‘ سہیل نے باہر کی مصروفیات گنوائیں۔

’’پھر تو آپ کو رات ہی ہو جائے گی۔‘‘ سمن بولی پھر جیسے اچانک کوئی خیال آیا۔

’’ایسا کریں...... آپ مجھے نیا کے گھر ڈراپ کرتے جائیں۔ آج کل وہ بھی فارغ ہے۔ اکثر دوپہر کو بوریت ہوتی ہے۔‘‘ سمن نے بڑے پرجوش انداز میں کہا۔

لمحے بھر کو تو سہیل چکرا کر رہ گئے۔ بڑی کٹھن صورت ہو گئی تھی۔

’’وہ...... نیا کے گھر...... اس کی تو شاید کہیں جاب لگ گئی ہے۔‘‘ وہ بات بنانے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ ساتھ ساتھ چہرے کے تاثرات کو بھی کنٹرول کر رہے تھے۔

’’مجھے پتہ ہے ابھی وہ کہیں نہیں جا رہی۔‘‘ سمن کے لہجے میں یقین واعتماد تھا۔

’’وہ بول رہی تھی۔‘‘ سہیل راہِ نجات ڈھونڈ رہے تھے۔

’’اوہ ہاں...... میرا خیال ہے تمہیں ابھی نیا کے بھائی کے سامنے نہیں جانا چاہیے۔ وہ چند دن پہلے ہی بابا سائیں کی جیل سے باہر آیا ہے۔ جوشیلا نوجوان ہے۔ اس کے اندر حویلی کے خلاف لاوا پک رہا ہوگا۔ وہ کسی انتہا پر بھی جا سکتا ہے۔‘‘ سہیل کو عین وقت پر معقول جواز میسر آ گیا اور سمن واقعی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

اور گہری سانس لے کر چیئر کی بیک سے ٹیک لگا لیا۔

’’تو کیا اب میں کبھی نیا کے گھر نہیں جا سکوں گی؟‘‘ وہ نڈھال سی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

’’فی الحال تو ہرگز نہیں۔ وہ ریوالور کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی کس قسم کی ایکٹوٹیز ہیں۔ ہم سب ہی کو بہت احتیاط کرنا ہوگی۔‘‘ سہیل نے اب بہت سنجیدگی سے جواب دیا۔

’’اوہ...... میرے خدایا!‘‘ سمن کے اعصاب فوراً ہی شل ہو گئے۔ اس نے پھر سے آنکھیں موند لیں۔

سہیل بیڈروم میں چلے گئے۔ بات فی الحال بن گئی تھی۔

’’کیسے سنبھالے گی نیا شاداب کو...... کتنا بوجھ اُٹھائے گی آخر۔ نکمے بھائی کے لیے جوانی برباد کر رہی ہے......؟‘‘ سمن گہرے دکھ میں اُترنے لگی۔

☆☆☆☆☆

’’کیا بات آج آپا نظر نہیں آ رہیں؟‘‘ شاداب ڈائننگ کی چیئر کھینچتے ہوئے ادھر اُدھر نظر دوڑا کر پوچھ رہا تھا۔

عتیقہ اندر کمرے میں جلدی جلدی ڈرائیر سے اپنے بال سکھا رہی تھی۔ لمحے بھر کو اس کے ہاتھوں کی گردش رک گئی۔ اس نے ڈرائیر کا سوئچ آف کر دیا اور ہمہ تن گوش ہو گئی کہ ماں کی طرف سے کیا جواب آتا ہے۔

’’وہ میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔ تم بھی تو دیر سے آتے ہو۔ وہ دو تین دن کے لیے اسلام آباد گئی ہوئی ہے۔ اس نے کوئی انشورنس کمپنی جوائن کر لی ہے۔ ٹریننگ کے لیے گئی ہے۔‘‘ بانو بیگم کو جھوٹ بولنے کی پریکٹس نہیں تھی۔ گرم گرم پراٹھا چمٹے میں اُٹھائے باہر آ رہی تھیں۔ وہیں اپنی جگہ رُک گئیں اور خود کو سنبھال کر جواب دیا۔

مگر فوراً باہر آنے کی ہمت نہیں ہوئی پلٹ کر پراٹھا ہاٹ پاٹ میں رکھ دیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگیں۔ اصل میں شاداب کے بولنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

’’یہ کون سی انوکھی انشورنس کمپنی ہے جو کراچی جیسے شہر میں ٹریننگ کا بندوبست نہیں کر سکتی۔‘‘ شاداب کو جیسے اچنبھا ہوا۔ آملیٹ کی پلیٹ اپنے سامنے کھسکاتے ہوئے بولا۔

’’اللہ جانے...... آئے گی تو پوچھ لینا۔‘‘ بانو بیگم نے جان چھڑانے کی کوشش کی اور دوسرا پراٹھا بنانے کی تیاری کرنے لگیں۔ وہ سوال و جواب کے تمام مرحلے کچن ہی میں طے کر لینا چاہتی تھیں۔

’’ٹرین سے گئی ہیں؟‘‘ شاداب اُلجھ رہا تھا۔

''نہیں ہوائی جہاز سے۔'' بانو بیگم نے بڑی حاضر دماغی سے کام لیا۔

''واہ...... یہ تو بڑی مزے کی جاب ملی ہے آپا کو۔ مفت میں پلین کی سیریں ہوں گی۔'' شاداب نے حیرت چھپاتے ہوئے بے معنی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''نوکری تو نوکری ہوتی ہے۔ قربانیاں دے رہی ہے تمہاری بہن اس گھر کی خاطر۔'' بانو بیگم نے بیلن رکھ کر ہاٹ پاٹ اُٹھایا اور باہر آگئیں۔ اب وہ مکمل طور پر خود کو سنبھال چکی تھیں۔

''میں کوشش کر رہا ہوں کہ آپا کی قربانیوں کا سلسلہ زیادہ لمبا نہ ہو اور آپ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں۔'' شاداب نے ماں کے چہرے سنجیدگی سے نظر ڈال کر کہا۔

''کیا کوششیں کر رہے ہو؟ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ ایک سال باقی ہے۔ ڈاکٹر بن جاؤ گے تو خود بخود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ گے۔ خدانخواستہ فیل ہو گئے تو تمہاری بہن کی ساری محنت دھری کی دھری رہ جائے گی۔

''یہ ڈگری تو میں سوشل اسٹیٹس کے لیے لینا چاہتا ہوں۔ آپ کو کیا پتہ لاکھوں ایم بی بی ایس خوار پھر رہے ہیں اس ملک میں۔ آپ پتہ نہیں کیا خواب دیکھ رہی ہیں۔'' ماں کے ہاٹ پاٹ ٹیبل پر رکھتے ہی اس نے ہاٹ پاٹ کا ڈھکن اُٹھاتے ہوئے نہایت تلخی سے کہا۔

''یہ تو نصیب کی بات ہے۔ اسی ملک میں لاکھوں ڈاکٹر لاکھوں کما رہے ہیں۔'' بانو بیگم نے فوراً جواب دیا۔ اسی وقت عتیقہ کمرے سے باہر چلی آئی۔

''جس کلر کی عینک آنکھوں پر چڑھا کر دنیا کو دیکھو گے دنیا اسی رنگ کی دکھائی دے گی۔ کبھی اچھا بھی سوچ لیا کرو۔ وقت ایک سا نہیں رہتا۔'' وہ اس کے مقابل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بہت ٹھہرے ہوئے پرسکون لہجے میں گویا ہوئی۔

''جس ملک میں صرف ایک ہی کلر کے شیشے ڈھلتے ہوں۔ عینک میں بھی وہی فٹ کیے جائیں گے۔ خوابوں کی دنیا سے باہر تشریف لے آئیں۔ حقیقت کو فیس کریں۔ اس ملک میں وہیل اور شارک مچھلیوں کی اجارہ داری ہے جن کے جبڑے ہر وقت کھلے ہوئے

ہم جیسی مچھلیوں کو ہڑپ کرنے کے لیے۔''

''ملک ملک کی رٹ لگاتے رہتے ہو۔ ملک مٹی کے ٹکڑے کو نہیں کہتے۔ میں اور تم ملک ہیں۔ آئینہ ہیں اس ملک کا۔ دولت مندوں سے جیلس ہو تم۔ محنت کرو۔ کیا خبر تمہارا شمار بھی اس ملک کے دولت مندوں میں ہونے لگے۔'' عتیقہ کی مداخلت بانو بیگم کے لیے مہلت تھی۔ وہ تو لپک جھپک کچن کی طرف دوڑ گئیں۔ تعاقب میں شاداب کا زبردست قہقہہ تھا۔

''میں تو صرف ایک ہی صورت میں دولت مند ہو سکتا ہوں۔ چوری کی بجلی سے کارخانہ چلاؤں...... ٹیکس بچانے کے لیے وکیلوں کو رشوت دوں۔'' وہ قہقہہ روک کر بولا۔

''میرا خیال ہے تمہیں کسی سائیکاٹرسٹ Consaltation کی ضرورت ہے۔ اگر زندگی سے پیار ہے تو اپنے علاج پر توجہ دو۔

''ایسے بیماروں کی کھیپ تیار ہو رہی ہے اس ملک میں۔'' شاداب نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا۔ نیا کا معاملہ ایک طرف جا پڑا تھا شاداب کی رو بہک چکی تھی۔

''جلنا کڑھنا، لعن طعن کرنا کبھی کسی مسئلے کا حل ہوا ہے؟'' عتیقہ نے بڑی رسانیت سے پوچھا۔ اسے اس بات کا مکمل شعور تھا کہ سراپا احتجاج شاداب کو کنٹرول کرنے کا آسان راستہ یہی ہے کہ اس سے نرمی اور سکون سے بات کی جائے۔

''یہ کڑھن...... یہ آگ ہی تو انقلاب کی بنیاد بنتی ہے۔ ہر کام کی کوئی Base تو ہوتی ہے۔'' اب شاداب کے انداز میں بھی دھیما پن تھا۔ وہ نوالہ توڑتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

''یہ تو ٹھیک ہے شاداب میں تم سے اس معاملے پر کبھی اختلاف نہیں کروں گی کہ جہاں ناانصافی، جبر و دباؤ کا دور دورہ ہو وہاں سے سچی خوشی اور سکون کا احساس رُخصت ہو جاتا ہے لیکن اس دور میں برپا ہونے والا ہر انقلاب خون اور لاشیں مانگتا ہے۔ اب تو انقلاب کا مطلب ہی Bloodshed ہے۔ حالانکہ انقلاب تو اسلام آنے کے بعد بھی آیا تھا۔ بغیر خون خرابے کے مکہ فتح ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے تدبر، فراست، برداشت

سے کام لیتے ہوئے کوئی پلاننگ کر لی جائے تو اس کا بھی پوزیٹو رزلٹ آ سکتا ہے۔"

"اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا آپا......" شاداب نے اپنی طرف سے عتیقہ کو لاجواب کیا تھا۔

"لیکن پیغمبرؐ نے بحیثیت انسان ہی وہ انقلاب برپا کیا تھا۔ ان کے اصحاب انسان ہی تھے فرشتے نہیں تھے۔ انہوں نے بھی وہی ہتھیار یوز کیے تھے جو اس وقت استعمال ہو رہے تھے۔ پیغمبرؐ نے معجزوں اور کرامت سے فتوحات حاصل نہیں کی تھیں۔ وہ تو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے خود کو ماڈل بنا رہے تھے۔" عتیقہ نے بہت نرم اور محبت آمیز لہجے میں مضبوط دلائل سے بات کی۔

بانو بیگم جو پراٹھے لیے ان کی طرف آ رہی تھیں بیٹی کی مدبرانہ بات پر عش عش کر اُٹھیں۔ لاشعوری طور پر ایک سمجھدار بیٹی کی ماں ہونے کے ناطے افتخار محسوس کیا۔ ان کی اپنی رگوں میں جیسے توانائی دوڑنے لگی۔

"امی......! چائے...... میں لیٹ ہو رہا ہوں۔" شاداب نے پراٹھا ہاٹ پاٹ میں رکھتی ماں کو متوجہ کیا۔

"آپا......! آپ کی باتیں بہت لوجیکل ہیں۔ مگر آپ ایک بات ہمیشہ کے لیے اپنے ذہن میں بٹھا لیجیے کہ اکثریت کی سوچ اور عمل "انسانی رویے" طے کرتی ہے۔ ظلم اور بے ضمیری کی کثرت نے پوزیٹو سوچ رکھنے والے نوجوانوں کا ایک رویہ طے کر دیا ہے اور ہے احتجاج۔ بس...... جو کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے جینا چاہتا ہے جیے۔ ہم شیر کی طرح ایک دن جینا چاہتے ہیں ہماری ایک دن کی زندگی لوگ خراب نہ کریں۔"

بانو بیگم جو فوراً ہی چائے لینے کچن میں چلی گئی تھیں۔ شاداب کے آخری جملے پر جیسے ان کا دل بیٹھ گیا۔ بے اختیار انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"اللہ! میرے بیٹے کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اللہ جیتا رکھے۔ انہوں نے بڑے جذبے سے دعا کی۔"

"ناسمجھی کی عمر ہے۔ انشاء اللہ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ آ جائے گی عقل۔" انہوں

نے جیسے خود کو تسلی دی اور دو کپ چائے لے کر دونوں کے قریب آ گئیں۔

"عتیقہ تم کتنے بجے نکلو گی؟ شاداب کے ساتھ ہی چلی جاؤ۔"

"نہیں امی میں پوائنٹ سے جاؤں گی۔ مجھے اس کے ساتھ بائیک پر بہت ڈر لگتا ہے۔" عتیقہ نے فضا خوشگوار بنانے کی نیت سے شگفتہ انداز میں کہا۔

"جو ڈرتا ہے وہ مرتا ہے۔" شاداب نے برجستہ کہا۔

"اللہ نہ کرے۔" اتنی دیر میں بانو بیگم نے دونوں کی بات چیت میں پہلی مداخلت کی۔ شاداب ہنس دیا۔ شاداب کے ہنستے ہی جیسے گھر کے در و دیوار ہنس پڑے۔

بانو بیگم نے کھل کر سانس لیا۔ عتیقہ کو بھی اعصابی تناؤ سے نجات ملی۔

"ایک تو آپا اتنے پیسے خرچ کرتی پھرتی ہیں ایک موبائل نہیں خرید سکتیں۔" شاداب کا ذہن پھر نیا کی طرف چلا گیا۔

"آپا پیسوں کی وجہ سے موبائل نہیں لے رہیں۔ آپا کو موبائل پسند نہیں۔ کہتی ہیں فضول کی باؤنڈنگ ہے۔ میرے کون سا کاروبار چل رہے ہیں جو کونٹیکٹ کا مسئلہ ہو۔ نہ ڈھیروں دوستیاں ہیں کہ باتیں بنانے کو دل چاہے۔ ساری عمر میں ایک دوست بنائی یعنی سمن آپا۔ ان سے رات کو فرصت میں کر لیتی ہیں باتیں۔"

شاداب کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر رہ گیا۔ اس نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"چھوٹی آپا! میرے سامنے ان محترمہ کا نام نہ لیا کریں۔ میرے ذہن میں آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے چیئر کھسکائی اور اپنے کمرے سے ضروری چیزیں اُٹھانے زینے کی طرف بڑھ گیا۔ ماحول میں ایک دم پر ہول سناٹا طاری ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

ماہ رخ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی۔ آج اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ الارم بجا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر آف کر دیا۔ اپنے حساب سے یہ سوچا کہ جاگ گئی ہے۔ بس ابھی اُٹھتی ہے گہری نیند کا زور تھا۔ پھر غافل ہو گئی۔ وہ تو شاید سامنے والے اپارٹمنٹ کا

دروازہ بہت زور سے بند ہوا تھا۔ ایک زور کی آواز گونجی تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھی تھی۔ ناشتہ کرنے کا تو ٹائم نہیں تھا۔ بس جلدی سے واش روم کی کاروائی میں لگ گئی۔ برش وغیرہ کیا۔ اب بالوں میں برش چلا کر کیچر لگایا ہی تھا کہ کال بیل بج اُٹھی۔

مزید تاخیر کے احساس سے رگ و پے میں ایک کوفت سی اُتر گئی۔ یا اللہ! کون آ گیا؟ ایک تو وہ نئے M.D روز بیگم سے جھگڑا کر کے آتے ہیں۔ ایک ہزار لکیریں پیشانی پر لیے آفس میں انٹری دیتے ہیں۔ گھر میں دل ہی نہیں لگتا سویرے سویرے آفس میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کی تو پھر آج کئی دنوں بعد حاضری تھی۔

وہ سوچتی اُلجھی دروازے تک آئی احتیاط کے ضمن میں پوچھ لیا۔

”کون......؟“ کان جواب کی طرف لگے تھے۔

”آپی کھولیں......“ روبی کی آواز آئی۔

”اللہ! آج صبح صبح...... چلو خیر اس سے تو کہہ سکتی ہوں کہ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔“

اس نے کھٹاک لاک کھول کر دروازہ وا کر دیا۔ سامنے روبی ایک ٹرے اُٹھائے کھڑی تھی۔ لاشعوری طور پر اسے روبی کو اندر آنے کے لیے راستہ دینا پڑا۔

”یہ فریش جوس اور سینڈوچ ہے۔ آپ کو مجھ سے پہلے جانا ہوتا ہے۔ اس لیے اب آپ کا ناشتہ میں بنایا کروں گی۔“

”یہ کیا کرنے لگی ہو روبی...... کیوں ایکسٹرا برڈن لے رہی ہو۔ بہر حال میں تم سے آ کر بات کروں گی لیٹ ہو رہی ہوں۔ کار کی ونڈ اسکرین صاف کرنے کا بھی ٹائم نہیں ہے۔ سوری...... ہاں مگر میں یہ جوس ضرور پیوں گی۔ کیونکہ آئندہ دو گھنٹے تک کچھ کھانے پینے کا آسرا نہیں۔“ اس نے کھڑے کھڑے ٹرے سے جوس کا گلاس اُٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

”کتنی بھی لیٹ ہو رہی ہوں کار سکون سے چلایئے گا۔ سن لیجیے گا بے بھاؤ آفس جا کر...... سننے میں کیا جاتا ہے۔ لوگ تو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے Object ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ آپ جائیں میں لاک کر دوں گی۔“ روبی نے بھرپور تعاون کا

مظاہرہ کیا۔

ماہ رُخ پر اتنی عجلت سوار تھی کہ اس وقت نکل بھاگنے کے علاوہ کوئی سوچ نہیں تھی۔ اس نے جیسے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا اور ٹرے میں رکھ کر صوفے پر پڑا اپنا ہینڈ بیگ اُٹھایا۔

”تھینک یو روبی...... Take care“ وہ یہ کہتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔

”کار کی چابی اور موبائل رکھ لیا آپی......؟“ روبی نے پوچھا کہ پتہ چلا کار کی چابی لینے واپس آ رہی ہے گرتی پڑتی۔

”ہاں ہاں...... سب ہے۔ بائے...... اللہ حافظ“۔

وہ لمحوں میں زینے کی طرف غائب ہو گئی۔ روبی نے گہری سانس کھینچی اور ٹرے ٹیبل پر رکھ کر دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی اور سینڈوچ پر ڈھانپی ہوئی پلیٹ اُٹھا کر ایک طرف رکھ دی۔ پھر سینڈوچ اُٹھا کر کھانے لگی۔ ساتھ ہی نظریں اپارٹمنٹ میں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ صفائی، حسن، سلیقہ ایک ایک شے سے واضح تھا۔

”توبہ...... آپی کے مقابلے میں تو میں ایک دم پھوہڑ ہوں۔ ان کی تو Taps بھی ایسے چمکتی ہیں جیسے آج ہی سینٹری کا کام ختم ہوا ہو۔ تمہاری قسمت ہی خراب ہے وقار......“

محبوب اور دشمن سر پر سوار رہتے ہیں۔ کل کا محبوب آج کا دشمن تھا۔ پل پل کسی حوالے سے دھیان میں آ جاتا تھا۔

رُوبی کا منہ بنا ہوا تھا جیسے سینڈوچ کڑوا ہو گیا ہو۔

☆☆☆☆☆

نیا وارڈروب کھولے کھڑی تھی۔ اسے مہرالنساء کی تاکید کے مطابق کوئی بھاری کام دار سوٹ معہ جیولری کے پہننا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ سب سے ”کم وزن“ کا کون سا سوٹ ہے۔ کئی گھنٹوں تک بھاری کپڑے زیب تن کیے رکھنا اس کے لیے کسی سزا سے کم نہیں تھا۔ بہر حال ایک پرپل سوٹ پر اس کی نظر ٹھہر گئی جس پر صرف ریشم کے بیل بوٹے

پڑے ہوئے تھے۔ کپڑا بھی بہت نرم اور لچکدار تھا۔ اس نے سوٹ اُتار کر ہینگر اِدھر اُدھر گھما کر اس کی سلائی کڑھائی کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی ساتھ ہی ہینڈل گھوما۔ دروازہ ابھی تک لاکڈ تھا۔

نیا نے آگے بڑھ کر لاک کھولا...... چٹخنی گرائی۔ سامنے مہرالنساء کھڑی تھیں۔ نہائی دھوئی نکھری نکھری۔ کشیدہ کاری سے مزین فیروزی سوٹ کانوں میں موتیے کے بڑے بڑے بالے، گلے میں دس تولے کی بھاری سی چین۔ ہاتھوں میں پھولوں کے کنگن سونے کی چوڑیوں کے ساتھ۔ کیا نئی نویلی دلہن کی تیاری تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

''نیند ہو گئی اماں...... ٹھیک سے تو سوئی ناں؟ جلدی سے تیار ہو جا۔ تیرے بابا سائیں ناشتے پر تیرا انتظار کرتے ہیں۔'' انہوں نے نیا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''جی بس میں دس منٹ میں تیار ہوتی میں۔'' نیا نے کپڑے ہینگر سے نکالتے ہوئے کہا۔

''یہ کپڑے پہنے گی۔ خیر پہن لے۔ سہیل آئے گا تو وہ عنابی سوٹ پہننا۔ سہیل حویلی میں ہوگا تو سیدھے سادے کپڑے نہیں پہنے گی۔ تجھے خیال کرنا ہوگا۔ اس ناگن کا زہر اس کی نس نس میں دوڑ رہا ہے۔ تجھے یہ زہر نکالا ہے۔ جوان خوبصورت چھوکری ہے تو کوئی اس ناگن سے کم ہے؟ بیٹھا ہے کئی دن سے اُس کرم جلی کے قدموں میں۔ دکھ میں کیا کرتی ہوں۔ آج رات تیرے پاس ہوگا مجھے زیادہ دیر بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ اس ناگن کا توڑ کر کے رہوں گی۔ قرآن اُس کے سر پر رکھ کر پوچھوں گی کہ بتا تو نے میری نئی بہو کا حق ادا کیا یا اس ڈائن کو یاد کر کے روتا رہا؟'' وہ ذرا سانس لینے کو رُکیں۔

''تیری گود سے پوتا لینا ہے۔ میرا نام مہرالنساء ہے۔ دیکھتی ہوں کیسے جیتتی ہے مجھ سے۔'' مہرالنساء نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر عزمِ صمیم ظاہر کیا۔ نیا کے تو حواس جاتے رہے۔ اسے یوں لگا جیسے اس مرتبہ تو وہ واقعی ہر طرف سے آگ میں گھر گئی ہے۔

پھر وہ آگے بڑھیں اور گم صم سی نیا کو گلے سے لگا لیا۔

''میرا دل کہتا ہے تو بھاگوان ہے۔ حویلی کو تیری کوکھ سے ایک نہیں ست (سات) وارث ملیں گے۔ انشاءاللہ...... میری مراد ضرور پوری ہوگی۔''

یہ کہہ کر انہوں نے نیا کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

''جلدی سے نہا دھو کر تیار ہو جا۔ ادھر ناشتے پر تیرا انتظار ہوتا ہے۔ تیرے بابا سائیں تیری وجہ سے اوطاق میں نہیں بیٹھے۔ شاباش......''

مہرالنساء اس کی پشت پر تھپکی دے کر اپنا دوپٹہ سر پر ٹھیک سے ٹکاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

یہ جو ہر وقت چوتھی کی دلہن بنی رہتی ہیں۔ انہی کے ہاں ایک بیٹا ہو جائے۔ پتہ نہیں کتنے دکھیاروں کی جان چھوٹے۔ نیا کے غصے میں عجیب بے بسی تھی۔ وہ وارڈ روپ کا پٹ بند کر کے کپڑے اُٹھا کر ڈریسنگ + واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆

سہیل پاسپورٹ آفس میں داخل ہی ہوئے تھے کہ ان کے موبائل پر رِنگ ہونے لگی۔ انہوں نے بریف کیس نیچے ٹائلڈ فرش پر رکھ کر جیب سے موبائل نکالا اور نمبر دیکھ کر گہری سانس لیا۔ حویلی سے فون تھا۔

وہ اُلجھن میں پڑ گئے کہ کال ریسیو کریں یا نہیں۔ انہیں سو فیصد یقین تھا کہ بی بی جان کی کال ہوگی اور وہ انہیں آنے کے لیے کہیں گی۔ نیا کو تو حویلی جا کر ان سے کونٹیکٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

انہوں نے کچھ سوچ کر کال ڈسکنکٹ کر دی۔

مگر اسی وقت رنگ دوبارہ ہونے لگی۔ وہ سوئچ آف بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سمن ان سے رابطہ کرتی رہتی تھی۔ موبائل آف ہونے کی اطلاع پر اس کے دل میں اندیشے و وسوسے جاگنے کا خطرہ تھا۔ دل کہتا تھا اُس دکھی لڑکی کو مزید ہراساں نہ کیا جائے۔ وہ پاسپورٹ آفس انتہائی ضروری کام سے آئے تھے۔ اگر بی بی جان اسی طرح گھنٹیاں

بجاتی رہیں؟ یہ سوچ کر انہوں نے مارے باندھے کال رسیو کی۔

"جی۔ السلام علیکم!" ان کی آواز دھیمی اور لہجہ سپاٹ تھا۔

"وعلیکم السلام! سہیل...... فون کیوں نہیں اُٹھاتا تھا میں تو پریشان ہوگئی۔ گاڑی تو نہیں چلا رہا تھا؟ تیرے کو بولتی ہوں غلام بخش کو اپنے ساتھ رکھا کر۔ ادھر پڑا مفت کی روٹیاں توڑتا رہتا ہے۔ حویلی میں ڈریوروں (ڈرائیور) کی کمی نہیں ہے۔"

"جی بی بی جان...... سوچوں گا اس پر۔ حویلی میں سب خیریت ہے......؟" سہیل نے نسبتاً ایک گوشہ تنہائی نظروں ہی نظروں میں ڈھونڈ لیا اور بات کرتے ہوئے اس طرف بڑھے۔ بریف کیس اب ہاتھ میں تھا۔

"خیریت ہی خیریت ہے ابا (بیٹا) تیری نئی نویلی ذال (بیوی) حویلی میں بیٹھی تیرا انتظار کرتی ہے۔ اس واسطے تجھے فون کیا ہے کہ رات سے پہلے حویلی آ جا۔ آگے سے میرے کو کوئی نئی بات نہیں سننا...... سمجھ لے۔" مہرالنساء بولتے بولتے اپنے مطلب کی بات پر آ گئیں۔

"آج...... آج تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سہیل کا سارا وجود انکار بن گیا۔ لہجے میں بے مروّتی سی اُتر آئی۔

"کیوں......؟ اس بانجھ کے سر میں درد ہے بیٹھ کر دباتا ہے کیا؟" مہرالنساء کی شاہانہ طبع برہم ہوگئی۔

"بی بی جان یہ بات نہیں۔ شہر میں بہت کام ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی پاسپورٹ آفس میں کھڑا آپ سے بات کر رہا ہوں۔" سہیل بہت ضبط سے کام لے کر پرسکون لہجے میں ماں سے بات کر رہے تھے۔ بہت محتاط تھے۔ جانتے تھے ان کی شاہانہ مزاج ماں اپنی بات منوانے کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہے۔

"پاسپورٹ...... ارے میں مرگئی۔ تو اس ڈائن کے ساتھ دھرتی چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ ارے میں مرگئی۔ ارے لٹ گئی۔" مہرالنساء کی طرف سے یہ آخری جملہ آیا اور رابطہ منقطع ہوگیا۔

سہیل کے سامنے تو ساری کائنات گول گول چکر کھانے لگی۔ پاسپورٹ آفس کا ذکر کرتے ہوئے ان کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ صورت حال درپیش ہو جائے گی۔ ان کا ذہن اپنے کام سے قطعی ہٹ گیا۔ وہ حویلی کی صورتِ حال چشم تصور سے دیکھ رہے تھے۔

حویلی کے پندرہ بیس ملازم اور نوکرانیاں۔ مخدوم عبدالرب اور قسمت کی ماری نیا...... درمیان میں حشر اُٹھائی مہرالنساء۔

"اوہ...... میرے خدا!" وہ قریب پڑی ایک کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

بریف کیس اپنے پیروں کے قریب رکھ لیا کہ اس ٹینشن والی کیفیت میں کہیں وہ اپنا بریف کیس نہ بھول جائیں جس میں ان کے قیمتی ڈاکومنٹس تھے۔

انہیں ۱۰۰٪ یقین تھا کہ چند منٹوں کے اندر اندر ان کے فون کی گھنٹی بجنے والی ہے اور یہ فون مخدوم صاحب کا ہوگا۔

اس لیے انہوں نے مطلوبہ بندے کے روم میں جانے کے لیے کوشش ہی نہیں کی اور یوں بیٹھ گئے جیسے یہاں صرف حویلی کے فون رسیو کرنے آئے تھے۔ پانچ منٹ بھی بمشکل گزرے تھے کہ حویلی سے فون آ گیا۔

انہیں یقین تھا کہ یہ کال مخدوم صاحب کی ہے۔ انہوں نے گہرا سانس لے کر کال رسیو کی۔

"جی بابا سائیں...... السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام...... تیرے موبائل میں بات کرنے والے کی فوٹو آ جاتی ہے ابا (بیٹا)؟" وہ سلام کا جواب دے کر بڑی شفقت اور رسانیت سے پوچھ رہے تھے۔

"مجھے اندازہ تھا کہ آپ ہی کی کال ہوگی۔ تھوڑی ہی دیر پہلے بی بی جان سے بات ہو رہی تھی۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ پاسپورٹ آفس میں ہوں اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ میں ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ انہیں سمجھائیں بابا سائیں میں ان کے ساتھ ایسی زیادتی نہیں کروں گا۔ جب میں سمن کے ساتھ زیادتی کرنا گناہ سمجھتا ہوں

تو بی بی جان تو پھر ماں ہیں۔ ماں سے بڑھ کر تو کوئی نہیں ہوتا۔ ماں بھی وہ جو مجھے اپنی زندگی سے زیادہ چاہتی ہے۔"

"شاباس شاباس (شاباش) بیٹا! تو تو ہماری حویلی کا تاج ہے۔ اللہ سائیں تیرے کو لمبی حیاتی دے۔ ابا..... ابھی ماں زندہ ہے۔ اس کو بھی خوش کیا کر۔ بعد کو یاد کرے گا اور پچھتائے گا۔ وہ تیرے کو بلا رہی ہے آجا۔ میں اور تیری ماں تجھے سمن کے پاس جانے سے تو نہیں روکتے ناں؟" مخدوم عبدالرب اب بیگم کے جذبات کی ترجمانی کرنے لگے۔

خون کا رشتہ، اپنائیت کا اظہار۔ سمن کے حقوق کی ضمانت۔ سہیل لڑکھڑا سے گئے۔ دل چاہا سب کچھ چھوڑ چھاڑ ماں باپ کے قدموں میں جا بیٹھیں۔ مگر دوسرے ہی لمحے خوف کی لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر گئی۔

"وہاں تو نیا ہے۔ نیا کا تصور اتنا ہی خوفناک تھا جتنا کہ کسی بچے کے نزدیک بھوت کا تصور۔"

"بابا سائیں! کچھ دفتری کاموں میں اُلجھا ہوا ہوں جیسے ہی فارغ ہوتا ہوں پہنچتا ہوں آپ کے پاس۔ آپ فکر نہ کریں مجھے ہر وقت خیال رہتا ہے آپ کا بھی اور بی بی جان کا بھی۔"

"دفتری کام مہینہ رُکے رہے تو؟ تو مہینے بعد آئے گا؟" مخدوم صاحب نے اب ذرا تنک مزاجی سے سوال کیا۔

"دو چار دن لگ جائیں گے بابا سائیں......"

"بابا کل تو اتوار ہے۔ اتوار کو تو سرکاری چھوٹی ہوتی ہے کل سارا دن حویلی گزار کر پرسوں سویرے شہر نکل جانا۔ دفتر سے نکل کر سیدھے حویلی پہنچو۔ تیری بیوی اور تیری ماں دونوں تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ خدا حافظ"

مخدوم صاحب نے حکم صادر کر دیا تھا۔ خدا حافظ کا مطلب ہی یہی تھا۔ عجیب بددلی سی طاری ہو گئی تھی۔ نظروں میں سمن کا مطمئن مسکراتا چہرہ گھومنے لگا۔ اس خیال سے کہ

سہیل ابھی کئی دن اس کے ساتھ ہیں۔ اس کے چہرے پر کتنا سکون پھیلا ہوتا ہے۔ ان کے ایک دم سے چلے جانے کا سن کر وہ کتنی اُداس ہو جائے گی۔ وہ آہستہ قدموں سے مطلوبہ آفس کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

رمیض کئی گھنٹے بے خبر سوتا رہا تھا۔ موبائل اس نے آف کر دیا تھا۔ بابا کو تاکید کی تھی کہ جب تک وہ خود نہ اُٹھے اسے نہ جگایا جائے۔

اور اب خود بخود آنکھ کھل گئی تھی۔ گرم گرم حلوہ پوری کھانے کے بعد نیند بھی بڑی مستی بھری آئی تھی۔ پیٹ بھر کھانا اور جی بھر کے سونا۔ ایسی فل عیاشی کے بعد ذہن بالکل صاف ہو چکا تھا، تھکن اُتر چکی تھی۔ بیٹری چارج ہو گئی تھی۔

اس نے زور سے انگڑائی لی اور موبائل آن کر دیا۔ موبائل آن ہوتے ہی عمیر کا sms وصول ہوا "زندہ ہو؟" اس نے مسکرا کر Reply کیا۔

"ابھی ابھی زندہ ہوا ہوں۔ آٹھ گھنٹے کے لیے مرا تھا۔ Sms send کر دیا اور موبائل رکھ کر بھرپور انگڑائی لی اور چھلانگ مار کر بیڈ سے اُتر گیا۔

آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے سرکائے۔ پٹ ذرا ذرا سے کھولے۔ یوں محسوس ہوا گویا سمندر کی لہریں ہٹ میں داخل ہو گئی ہوں۔ آج بڑی طغیانی تھی شام رات میں ڈھلنے کے قریب قریب تھی لہروں کی جھاگ جھاگ سفیدی بہت واضح تھی۔

وہ چند لمحے ٹکٹکی باندھ کر لہروں کا جوش و خروش دیکھتا رہا۔ پھر جیسے ذہن ایک دم سے چل پڑا۔ آدھی رات کے بعد ملنے والی خونخوار حسینہ ذہن کے پردے پر مسکرائی۔ سویرے سویرے کا ایڈونچر فلم کی صورت چل پڑا۔ لڑکی حسین ہے، پراسرار ہے۔ دوستی کی جا سکتی ہے۔ شادی تو اسی سینئر حسینہ سے کروں گا، کچھ بھی ہو۔ ہنی مون اسپین کے عجائبات دیکھتے ہوئے مناؤں گا۔

"چلو یار......! بوریت دور کرنے کا اچھا راستہ مل گیا ہے۔ پھر لڑکی کو پٹانا بھی تو ہے۔ +30 کی لڑکی کو پٹانا کوئی آسان کام تو نہیں۔ بہت ٹیڑھی کھیر ہے ٹائم لے گی۔

خیر اُمید اچھی ہو تو ٹائم بھی اچھا گزر جاتا ہے۔

اسی وقت sms کی ٹون رنگ ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر موبائل اُٹھا کر دیکھا۔ پھر عمیر کا sms تھا۔ اس نے دیکھے بغیر موبائل بیڈ پر پھینک دیا۔ فکر نہ کر یار تجھے نئی Honda 70 گفٹ کروں گا۔

اس وقت عمیر کا sms مداخلت بے جا کی طرح تھا۔ رمیض کرسی پر پڑا ٹاول اُٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

انجم علوی اور سبرینہ کسی خاص دوست کو انویٹیشن دینے گئے ہوئے تھے۔ نمو اپنی وارڈ روب کھولے کپڑے چھانٹ رہی تھی۔ سبرینہ تاکید کر کے گئی تھیں کہ کئی سالوں کے جمع شدہ اسٹاک میں سے بہت خاص کپڑے الگ کرو اور باقی سب ایدھی کے اپنا گھر پہنچا دو۔ اب تمہارے پاس اتنے نئے ڈریس ہوں گے کہ ان کپڑوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

وہ ڈیڑھ گھنٹے سے اسی کام میں مصروف تھی۔ اس گھر سے ہمیشہ کے لیے رُخصت ہونے کے احساس نے ایک اُداسی سی طاری کی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں سبرینہ کا جملہ گونجنے لگا۔

نمو تو بہت لکی ہے۔ ولید کا گھر دیکھے گی تو اپنی قسمت پر ناز کرے گی۔ پھر چار بہنوں کا اکلوتا بھائی۔ نہ دیورانی نہ جٹھانی۔ بہنیں اپنے اپنے گھر کی۔ ماشاء اللہ سے لاٹری نکلی ہے تیری۔ صرف کل کا دن ہے اور پرسوں؟ یہاں تک سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ایسے ماموں ممانی کس کو ملتے ہیں جنھوں نے ماں باپ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ سبرینہ نے شوہر کی رشتے دار ہونے کے ناطے کبھی اس کے معاملے میں تنگ دلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ چھوٹی چھوٹی گولڈ کی جیولری تو وہ اس کے لیے یوں لاتی تھیں جیسے روٹین کی چیزوں کی شاپنگ کی جاتی ہے۔ اتنا تو بس سگی ماں ہی کرتی ہے۔ جو کچھ خریدنے نکلے

تو اسے بیٹی یاد آ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے سبرینہ سے دلی محبت تھی۔ انجم علوی سبرینہ پر برہم ہوتے تو اس کی ساری ہمدردیاں سبرینہ کے ساتھ ہو جاتیں۔

آنسو ایک تواتر کے ساتھ بہنے لگے پھر آہستہ آہستہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ اپنا کام بھی کرتی جاتی تھی اور بہتے آنسو بھی پونچھتی جاتی تھی۔

اسی وقت دروازہ ناک ہوا اور ملازمہ (حمیدہ) ماسی کارڈلیس لیے اندر داخل ہوئی۔

بی بی کوئی صاحب ہیں آپ کا پوچھ رہے ہیں۔ وہ نمو کے آنسو دیکھ کر پریشان سی ہو گئی تھی۔ کارڈلیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اُلجھن بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نمو پر شدید جذبات کا غلبہ تھا اس نے یہ پوچھے بغیر کہ کس کا فون ہے کارڈلیس ماسی حمیدہ سے لے کر کان سے لگا لیا۔

’’ہیلو......‘‘ وہ خود کو کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔

’’کون......؟ نمو؟‘‘ دوسری جانب ولید کمال تھا اس کی آواز پر حیرت کا تاثر غالب تھا۔ نمو تو ایک دم گڑبڑا گئی جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

’’جی......جی......‘‘ ساتھ ساتھ جی جی بھی کہا۔

’’رو رہی ہو؟‘‘ ولید کمال اُلجھن میں پڑ گیا تھا۔

’’وہ نہیں بس ایسے ہی......‘‘ نمو کو بات بنانا مشکل ہو گیا۔

’’کیوں رو رہی ہو......کیا تم خوش نہیں ہو؟‘‘ ولید کمال کی سوئی جیسے ایک جگہ اٹک کر رہ گئی تھی۔

’’نہیں نہیں......وہ ایسے ہی بس اپنی مرحومہ امی یاد آ گئی تھیں۔ یونہی رونا آ گیا‘‘

’’کتنی خوش قسمت ہو تم......آنسو بہانے کے لیے ایک اچھی یاد تو ہے تمہارے پاس۔ میری آنکھوں میں تو کبھی آنسو ہی نہیں آتے۔ خون اُترتا رہتا ہے۔‘‘ بولتے بولتے اس کے لہجے میں درندے کی غراہٹ محسوس ہونے لگی۔

نمو پر لرزہ سا طاری ہونے لگا۔ وہ لب بستہ کھڑی رہ گئی۔ منتظر کھڑی ماسی کو ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کے لیے کہا۔

''اچھا چھوڑو...... ایک بہت بور میٹنگ سے فارغ ہوا تھا سوچا دیکھوں تم کیا کر رہی ہو۔ کل کا دن تو دیوار چین بن رہا ہے جو آج اور پرسوں کے درمیان حائل ہے۔''
نمو کے پاس اس کی اس بات کا جواب نہیں تھا۔ جی بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

''سن رہی ہو؟'' ولید کمال نے یقین کرنا چاہا کہ رابطہ بحال ہے۔

''جی......'' وہ بے بسی سے جی کہہ کر رہ گئی۔

''اور وہ تمہارا چاکلیٹی ہیرو قسم کا کزن گھر واپس آ گیا؟ اس موٹی کے فون وون تو نہیں آ رہے؟''

''شادی ہو جانے دو۔ پھر میں انکل سے ڈیٹیل میں بات کروں گا۔ رمیض کی شادی اسی موٹی کی لڑکی سے کراؤں گا...... اگر وہ سچی ہے۔''

وہ بول رہا تھا نمو کے جذبات میں آندھیاں سی اُٹھنے لگیں۔ آخر یہ ہے کون؟ کیوں رمیض بھائی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ جو کر رہے ہیں خود بھگت رہے ہیں۔ بڑی عجیب سچویشن ہو گئی تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

اس نے بہتر یہی سمجھا کہ رابطہ منقطع کر دے۔ پھر جو بعد میں ہو گا دیکھ لے گی۔ اس نے رابطہ منقطع کر کے کارڈلیس بیڈ پر اُچھال دیا۔ ایک عجیب سی کوفت اس کے حواس پر طاری ہونے لگی۔

دولت مند ہے، پرکشش خوبرو جوان ہے، بہادر ہے، سب کچھ ہے۔ پھر ایسا کیوں لگتا ہے کہ اس کے ساتھ زندگی کا سفر کانچ پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے طے ہو گا؟

☆☆☆☆☆

رمیض واش روم سے نکل کر اپنا گیلا سر ٹاول سے خشک کر رہا تھا۔ مومنہ سے ملاقات کا جوش تھا۔ نشاط افزا کے ویرانے میں بنے ٹھکانے پر جا کر بہت کچھ جاننے کی کھوج تھی۔ جذبات میں بڑا جوش تھا۔ اسی لمحے چوکیدار بابا نے دروازے پر دستک کے ساتھ آواز بھی دی۔

''چھوٹے صاحب! مہمان آئے ہیں۔''

رمیض ایک لمحے کو چکرا سا گیا...... مہمان......؟ اس سے ملنے کون آ سکتا ہے؟ اس نے تو عمیر تک کو ابھی اپنے ٹھکانے کی ہوا نہیں لگائی۔ عمیر کو بتانے کا سیدھا سا مطلب یہ تھا کہ ہٹ پر ہر وقت چھ بے فکرے نوجوان بیٹھے دکھائی دیں۔ اس نے حیران سا ہو کر بے اختیار دروازہ کھولا تھا۔

سامنے انجم علوی کے بہت پرانے دوست آصف خان صاحب کھڑے تھے۔ جواب کافی عرصے سے پشاور میں سیٹل تھے ان سے فیملی ٹرمز تھے۔ ان کے بچوں کے ساتھ رمیض بھی کھیلا تھا اور نمو بھی۔ ان کے دو جڑواں بچے رمیض اور نمو سے بہت چھوٹے تھے جن سے وہ کھلونوں کی طرح کھیلتے تھے۔ رمیض بڑی بری طرح Shocked ہوا تھا۔

''اس...... السلام علیکم انکل......'' اس نے بے اختیار سلام کیا تھا۔ ان کے ساتھ بڑی سی بوسکی کی چادر میں لپٹی ان کی بیگم آمنہ بھی تھیں ساتھ پندرہ سولہ کے نوعمر بچے۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔

''وعلیکم السلام...... حیران ہو رہے ہو؟ یہاں دیکھ کر؟ بھئی! تمہارے باپ نے نمو کی شادی میں بلایا ہے۔ بچے کہنے لگے نہ ہم ہوٹل میں ٹھہریں گے ناں انکل کے گھر میں۔ پورے پانچ دن سی سائڈ پر رہیں گے۔ سمندر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اصل میں یہ شادی میں نہیں تفریح کرنے آئے ہیں۔'' آصف خان نے رمیض کو کھینچ کر گلے سے لگا لیا تھا۔ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ رمیض کی آنکھوں کے سامنے تو نیلے ہرے پیلے لال ستارے ناچ رہے تھے۔ تمہارا باپ بھی بس پہنچنے والا ہو گا۔ انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈال کر کہا۔ میں نے ایئرپورٹ سے باہر آ کر اسے کونٹیکٹ کیا تھا۔ گاڑی تو خیر اسی نے بھیجی تھی۔ تمہارا ڈرائیور ہی ہمیں یہاں چھوڑ گیا ہے۔'' آصف خان اپنی دُھن میں بولتے چلے جا رہے تھے۔ رمیض کی یہ حالت کہ بھاپ بن کر اُڑ جائے۔ مہمان کیا قیامت کی خبر ساتھ لائے تھے کہ والد محترم بھی بس تشریف لانے ہی والے ہیں۔ یقیناً وہ ہٹ کا معائنہ کرنے اور بابا کو ضروری ہدایات دینے آ رہے ہوں گے۔ آصف خان ان کے

جگری دوست تھے۔ ان کے بچوں کی فرمائش تھی جو درحقیقت ساحل سمندر پہنچ کر خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ بہت پرجوش نظر آ رہے تھے۔ ان کی توجہ رمیض اور ہٹ سے زیادہ جھاگ جھاگ سمندر پر تھی۔

"بہت عرصے سے بچوں کو ٹال رہا تھا۔ کیا کروں کاروباری دھندے ہی پھنسا کر رکھتے ہیں۔ مگر بھئی نمو کی شادی پر تو آنا فرض تھا۔ ہماری گودوں کی کھیلی ہوئی بچی ہے۔ ہماری تو اولاد جیسی ہے۔" وہ دل کھول کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

رمیض جی جی کرتا بگٹٹ اپنی ضروری چیزیں لینے اندر کی طرف بھاگا۔ آصف خان نے بڑے تعجب سے اس کی بھاگ دوڑ دیکھی۔

رمیض ایک بیگ اُٹھا کر کچھ ضروری چیزیں ہاتھ میں اُٹھا کر جلد ہی باہر آ گیا تھا۔

"اچھا انکل مجھے اجازت دیجیے۔"

"وہ نمو کی شادی ہے ناں...... گھر میں بہت کام ہے۔ خدا حافظ" اتنا کہہ کر وہ بائیک کی طرف بھاگا۔

آصف خان حیرت و اُلجھن سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہی تو میں سوچ رہا تھا گھر میں شادی ہے موصوف باپ کا ہاتھ بٹانے کے بجائے سمندر کے نظارے کر رہے ہیں۔ وہ اپنی باپردہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔

"ارے بھئی! کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے۔ زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے ذرا لااُبالی ہے۔" اب انہوں نے بائیک کو ریس دیتے ہوئے رمیض کی طرف ہنستے ہوئے دیکھا۔ چند منٹوں میں رمیض ان کی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

رمیض نے ایک سگنل پر پہنچ کر ہی دم لیا تھا اور کھل کر سانس لی تھی۔ ستارے کچھ زیادہ ہی گردش میں ہیں۔ کئی ہفتوں سے "یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟" بھی نہیں دیکھا کہ بندہ pre- plaining ہی کر لے۔"

اب اسے بائیک کا رخ موڑ کر کس طرف جانا چاہیے؟ وہ چوراہے پر کھڑا سوچ رہا تھا

[illegible] میں نظر دوڑا رہا تھا۔ سگنل گرین ہو چکا تھا۔ دائیں بائیں پیچھے زور زور سے ہارن بجنے لگے۔ تب وہ خیالات سے چونک کر جیسے ہوش میں آیا اور بائیک آگے بڑھائی۔

وہ جتنی لمبی ناک باپ کو دکھانا چاہ رہا تھا اتنی ہی کچی ہو گئی تھی۔ انکل اور بابا کے سامنے خوب عزت افزائی کریں گے۔ والد بزرگوار نے آج تک بے عزتی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے تو نہیں دیا۔ نمو کی شادی ہو رہی ہے۔ چلو اس بہانے یہ بھی پتہ چل گیا۔ اُسے تو عدنان خشوگی مل گیا ہم بھی مومنہ فرام اسپین سے کم پر شو نہیں دکھائیں گے۔ انشاء اللہ...... اس نے نئے سرے سے عزمِ صمیم کیا۔ چلو پھر اس وقت انہی کے دیدار سے یہ کوفت مٹائی جائے۔ اس نے بائیک کا رُخ ماہ رُخ کے اپارٹمنٹ کی طرف موڑ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

"ننا! آپی کو بلا کر لے آئیں یہ اتنی مزیدار نہاری میں ان کے ساتھ کھاؤں گی۔" روبی گیلے بالوں پر ڈرائیر چلاتے ہوئے بولی۔

ننا نے بڑی بے بسی سے روبی کی طرف دیکھا اور گہری سانس کھینچی۔

"بیٹا! کچھ عقل سے کام لو۔ کیوں سوکن کو سہیلی بنا رہی ہو۔ کچھ کر لو سوکن سوکن ہی رہتی ہے۔ کہنے والے بڑی پتے کی باتیں کہہ گئے ہیں اور ان کے جانے کے بعد نئے تجربات کے انبار لگ چکے ہیں اور اس نئی "کنسائنمنٹ" پر جو کہنا ہے ہمیں کہنا ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ آپی میری سوکن ووکن نہیں ہیں۔ وقار کے ساتھ نہ میں کمپرومائز کروں گی نہ وہ۔ ہم دونوں کی زندگی سے وقار جا چکے۔" روبی نے قطعی انداز میں ننا کو جواب دیا جسے سن کر ان کی پیشانی کی شکنیں مزید گہری ہو گئیں۔

"کدھر سے چلے گئے وقار میاں؟ تم دونوں کی زندگی سے اس کا نام جڑا ہوا ہے یہ تو خود کو دھوکہ دینے والی باتیں ہیں۔"

"ہماری طرف سے بات ختم ہو چکی۔ جو دل میں نہیں وہ کاغذ میں رہ کر کیا کرے گا۔" روبی نے ڈرائیر سوئچ آف کرتے ہوئے بہت خراب موڈ میں جواب دیا۔

"اور وہ جو تم اس کی نشانی اُٹھائے پھر رہی ہو؟ بیٹی کچھ ہوش کی دوا کرو۔" نانا عاجز سی ہو کر بولیں۔

"نشانی نہیں...... ذمہ داری۔" میں نے وقار کے ساتھ شادی کی تھی۔ میں خوش تھی۔ یہ میرے غلط فیصلے کی نشانی ہے۔ مگر میری ذمہ داری بھی ہے۔ میں بہت خوش ہو کر اسے ویلکم کہہ رہی ہوں نانا...... خیر چھوڑیں بہت زور سے بھوک لگ رہی ہے۔ میری پیاری نانا...... میری پیاری سی سوکن کو بلا لائیں۔ اس کے بغیر میرا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔" اس نے نانا سے چھیڑ چھاڑ کی۔

"اتنا بڑا صدمہ اُٹھایا ہے۔ لگتا ہے بچی کے دماغ پر اثر پڑا ہے۔ یا اللہ! اس معصوم بے خطا پر رحم کرنا۔ ماں باپ نہیں، سرپرست نہیں، شوہر نہیں۔ میں بوڑھی جان کب تک بیٹھی ہوں۔" نانا باہر نکلتے ہوئے بڑی دلسوزی سے روبی کے لیے دعا کر رہی تھیں۔

روبی اُٹھ کر کچن میں چلی گئی اور ہانڈیوں کے ڈھکن اُٹھا کر نانا کی تیاری دیکھنے لگی کہ آج دن بھر انہوں نے کن ڈشز پر محنت کی۔ ابھی تک اس نے نانا سے "مینو" نہیں پوچھا تھا صرف اپنی تیز بھوک کا ذکر کیا تھا جس پر نانا نے کہا تھا۔ "کھانا تیار ہے" تیز بھوک کے دوران ایسا جملہ سننے کو ملے تو لگتا ہے دنیا کے حسین ترین الفاظ نے سماعت کو سعادت بخشی ہے۔ وہ فرائی قیمہ اور ماش کی خشک دال کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

ماہ رُخ اگلے دن کے لیے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ کوئی پسندیدہ دفن شدہ سوٹ یاد آیا تو وارڈ روب کھنگال ڈالی۔ دوپٹہ اور شلوار مل گئی مگر نازک اور نرم سے کپڑے کی شرٹ مل کر نہ دی۔ اسے بھی جیسے کوئی خبط سا ہو گیا تھا۔ صبح یہی سوٹ پہننا ہے۔

"ورکنگ وومن" کے ساتھ اکثر یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ بہت دل سے کوئی ڈریس لیا جاتا ہے۔ اگلے دن پہن بھی لیا جاتا ہے اس کے بعد وہ کپڑوں کے ڈھیر میں جا چھپتا ہے۔ نظر نہیں آتا تو باری بھی دور چلی جاتی ہے۔

اس وقت ماہ رُخ کو T.v دیکھتے دیکھتے اچانک یاد آ گیا تھا۔ وہ T.v آف کیے

بغیر سوٹ تلاش کرنے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اللہ...... شرٹ آخر کہاں چلی گئی۔ میں تو اپنے کپڑے خود واش کرتی ہوں کہ یہی سوچ لیا جائے کہ واشر مین کے پاس کہیں گم ہو گئی ہو گی۔

وہ سوچتے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو بازو میں سمیٹ کر بیڈ تک آئی اور یوں پٹخا جیسے کوفت وبھڑاس نکالنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

دو چکروں میں اس نے شیلف کے کپڑے بیڈ میں لا پٹخے اور اب گہری سانس کھینچ کر کپڑوں کو نظر ہی نظر میں تول رہی تھی کہ کال بیل بج اُٹھی۔

اس کا دھیان روبی کی طرف ہی گیا۔

اُف کیا کروں اس بے وقوف لڑکی کا۔ لگتا ہے کرائسس میں اس کا دماغ متاثر ہو گیا ہے۔ روبی سے کوئی تکلف تو تھا نہیں کہ کمرے کی حالت پر توجہ جاتی۔ ماہ رُخ نے دروازہ کھول دیا تھا۔

سامنے نانا کھڑی تھیں۔ ماہ رُخ ایک لمحے کو گڑبڑا سی گئی۔ نہ جانے کیوں اسے نانا سے عجیب سی جھجک سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے نظر چراتے ہوئے بہت شائستگی سے انہیں سلام کیا اور انہیں آنے کے لیے راستہ دیا۔

نانا نے سوچتی نظر ماہ رُخ کے چہرے پر دوڑاتے ہوئے ماہ رُخ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

"جیتی رہو...... سوتو نہیں رہی تھیں۔" انہوں نے لاؤنج میں قدم رکھ کر پلٹ کر پیچھے آتی ماہ رُخ سے پوچھا۔

"ابھی سے کہاں نانا...... ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔ اس شہر میں بارہ بجے سے پہلے سوتا کون ہے" ماہ رُخ نے نانا کی موجودگی سے ہونے والی پراسراری فضا کو ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی اور قدرے شگفتگی سے جواب دیا۔

"یہ تو تم ٹھیک بولیں۔ مگر بیٹا برا مت ماننا یہ نری نحوست ہے۔ فضل مشغلوں میں رات گنوانا پھر صبح کی نماز نکال دینا۔ سویرے سویرے اُٹھنے کی اپنی الگ خوشی ہے جو

موتیوں میں نہ تولی جائے۔ پر خوشی تو تب ناں جب نیند پوری ہو۔ مار یہ نیند پوری نہ ہونے کا تو عذاب ہے۔ لوگوں میں برداشت ہی ختم ہوگئی۔ ایک ذرا سی بات پر مرنے مارنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور یہ تم نے سال بھر کے کپڑے جمع کر کے ڈھوڈالے؟“ بولتے بولتے ننا کی نظر بیڈ پر بکھرے کپڑوں پر پڑی تو تعجب سے پوچھنے لگیں۔

”ارے نہیں ننا! ایک چھوٹی سی نازک سی شرٹ گم ہوگئی ہے۔ وہ ڈھونڈ رہی ہوں۔ ایک تو اس کا کلر اتنا لائٹ ہے کہ آسانی سے نظر بھی نہیں آئے گی۔ میں نے سوچا اس بہانے کپڑے ہی ٹھیک سے لگا دوں۔ کیا خبر کل کوئی اور سوٹ یاد آجائے۔“ ماہ رُخ نے اپنی طرف سے حتی الامکان کوشش کی کہ ننا کو حالات کی تبدیلی کا احساس نہ ہو پائے۔ وہ پہلے کی طرح Feel کریں۔

”ایک تو تم بچیوں کو بس ایک ہوکا سا ہو گیا ہے کپڑوں کا۔ دو دو ہزار کا سوٹ ایک مرتبہ پہنا اور لٹکا دیا۔ ہمارے زمانے میں عید بقر عید پر نئے اور اچھے کپڑے بنتے تھے جو شادی بیاہوں میں بھی کام آ جایا کرتے تھے۔ گرمی سردی کے ایک دو جوڑے بن گئے جو پرانے ہوتے گئے گھر میں چلانے لگے۔ سنوارنا، سنبھالنا بھی آسان۔“ ننا نے پھر ”اپنے زمانے“ کی تاریخ کے اوراق پلٹے۔

”ننا اس زمانے میں لڑکیاں کہاں نوکریوں پر جاتی تھیں۔ جب بندہ روز گھر سے نکلتا ہے تو یہ کپڑے، دوپٹے بھی ضروریات ہی بن جاتے ہیں۔“ ماہ رُخ نے کپڑے اُلٹ پلٹ کر شروع کیے۔

”بات تمہاری بھی ٹھیک ہے۔ آج تو جیسے ہر عورت نوکری پر جا رہی ہے۔ کوئی شوق میں کوئی مجبوری میں۔ اب روبی ہی کو دیکھ لو۔ اسے نوکری کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پھر دوسرے جی سے ہے۔ کچھ مہینوں کی بات ہے گود میں اللہ رکھے ہنستا کھیلتا بچہ ہوگا۔ کیسے سنبھالے گی؟ میرا تو سوچ سوچ کر دل گھبراتا ہے۔ میں بوڑھی جان کتنا کر پاؤں گی؟“ ننا اب زیادہ فکر مند نظر آنے لگیں۔ ایک لمحے کو خاموش ہوئیں تو فوراً احساس ہوا کہ وہ کس کے سامنے روبی اور بچے کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔

”چلیں ہم خیالات مٹانے کے انداز میں آگے بڑھیں۔ لاؤ...... میں سنگواتی (نمیٹتی) ہوں تمہارے سنگ۔ کب تک لگی رہوگی۔ رُوبی اُدھر دستر خوان بچھائے بیٹھی ہے اس نے مجھے دوڑایا کہ آپی کو بلا کر لاؤ میرے ساتھ کھانا کھائیں گی۔
اے لو...... میں اِدھر اُدھر کی باتوں میں بھول ہی گئی۔“ انہوں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ماہ رُخ نے چونک کر ننا کی طرف دیکھا۔

”یہ روبی کو کیا ہو گیا ہے۔ کیوں مجھے اتنی اہمیت دینے لگی ہے......؟ آپ اسے کہیے میں کھا چکی ہوں۔ وہ میری طرف سے پریشان نہ ہوا کرے۔“ ماہ رُخ نے نظریں چراتے ہوئے ایک شرٹ دوبارہ سے تہہ کرنا شروع کر دی۔

”اے بیٹی! میں تو خود سوچتی ہوں۔ دنیا کا سب سے ٹیڑھا رشتہ ہے تم دونوں کے بیچ۔ بلکہ سب سے بڑا جلاپا عورت کا۔

جب مجھے پتہ چلا مانو میری تو راتوں کی نیندیں ویران ہوگئیں۔ حیرت کا یہ عالم کہ دماغ کو جیسے تالا لگ گی۔ بیوی بہت بڑا جگرا اور بہت بڑا پیٹ ہے۔ سب کچھ سما کر روبی سے سہلایا بہتایا کرلیا۔“ جانے کب کی رُکی ہوئی بات آج مناسب موقع دیکھ کر ننا کے ہونٹوں سے پھسل پڑی۔ ماہ رُخ کے ہونٹوں پر ایک اُداس سی مسکراہٹ اُبھری اور معدوم ہوگئی۔

”میرا وقار سے رشتہ ہی کیا تھا جو میں روبی سے ڈسکس کرتی اور اسے ڈسٹرب کرتی۔ میری کہانی تو ختم ہو چکی تھی ننا......“ ماہ رُخ نے کپڑوں میں ہاتھ مار کر نئے سرے سے اپنی شرٹ کی تلاش شروع کی۔

”کہاں سے کہانی ختم ہوئی۔ اس کے نکاح میں تو تب ہی تو کوَرٹ (کورٹ) میں گئی ہو؟“ ننا نے بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

ماہ رخ نے کافی تہہ شدہ کپڑے اُٹھا کر وارڈ روب کی سلف میں رکھنے کے لیے اُٹھائے تو کپڑوں سے کچھ پھسلا اور چھنا کہ ہوا۔

ننا نے بدحواس ہو کر نیچے دیکھا ایک فوٹو فریم چور چور ہوا تھا۔ انہوں نے ماہ رُخ سے پہلے ہاتھ بڑھا کر اُٹھا لیا۔

ماہ رُخ کی وقار کے ساتھ شادی کی تصویر تھی۔ وقار نے ماہ رخ کو شانوں سے تھاما ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بہت جاندار مسکراہٹ تھی جو ثنا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ماہ رُخ تو یوں دم بخود کھڑی رہ گئی جیسے رنگے ہاتھوں چوری کرتی پکڑی گئی ہو۔ اس کی نظریں فریم کے شیشے کے ٹکڑوں پر جمی ہوئی تھیں۔ فریم ثنا کے ہاتھ میں تھا جس پر کچھ شیشے کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔

ماہ رُخ کے چہرے پر بڑی دل آویز مسکراہٹ کا عکس تھا نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ جبکہ وقار مکمل طور پر سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے خوشیوں کے عکس کیمرے نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیے تھے۔ ثنا تو خود جیسے اپنی جگہ پتھر سی ہو کر رہ گئی تھیں۔

ماہ رُخ نے بہت جلد اپنے حواس واوسان سنبھال لیے تھے۔ آہستگی سے ثنا کے ہاتھ سے فریم لے لیا۔

''یہ اس گھر میں دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ جب وہاں سے نکلنے لگی تو جلدی میں اُتار کر کپڑوں میں رکھ لی تھی۔ پھر یاد ہی نہیں رہی۔'' ماہ رُخ نے مجرموں کی طرح گویا صفائی پیش کی۔

''کتنا خوش نظر آ رہا ہے وقار اس فوٹو میں...... ڈیڑھ دو برس میری آنکھوں کے سامنے رہا مگر اتنا خوش چہرہ میں نے اس کا کبھی نہیں دیکھا۔

نصیبوں کی بات ہے بیٹا...... آہ...... انسان دوڑ دھوپ تو خوشیوں کے لیے ہی کرتا ہے۔ مگر ملتی تو نصیب ہی سے ہیں۔

چلو بیٹا...... کیا گزری باتوں کو یاد کر کے روئیں...... جو ہوا سو ہوا۔ جتنا سوچیں اتنا کڑھیں۔ اللہ ہدایت دے وقار میاں کو...... میری بچی تو کہیں کی نہ رہی۔ بے خطا بے قصور'' بولتے بولتے ثنا کی آواز بھرا گئی۔

ماہ رُخ خاموشی سے کارپٹ پر اکڑوں بیٹھی شیشے سے ٹکڑے چن کر فریم کے اُوپر ہی رکھی جا رہی تھی۔ ثنا کی آنسو بھری آواز پر اس نے سر اُٹھا کر ثنا کی طرف دیکھا۔

''یہ تو سب روبی کی جذباتیت کی وجہ سے ہوا ہے ثنا۔ وقار نے تو رُوبی کو نہیں

چھوڑا۔'' اس نے اتنا کہہ کر پھر ٹکڑے چننا شروع کر دیے۔

''بیٹی دھوکہ تو ہوا ہے ناں اس کے ساتھ۔ وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ وقار نے اسے پہلے پسند کیا محبت کی پھر گھر میں بسا لیا۔ پتہ چلا اس کے دل میں تو کوئی اور بس رہا ہے۔''

''کہاں بس رہا ہے ثنا...... میں یہی تو روبی کو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان آنکھوں میں میرے لیے جو نفرت کے شعلے بھڑک رہے ہیں روبی نے وہ نہیں دیکھے۔'' ماہ رُخ نے ثنا کی بات کاٹ کر قدرے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''اگر وقار کو روبی سے محبت کی نسبت ماہ رُخ سے نفرت زیادہ ہے تو اس کی روح پر قبضہ تو ماہ رُخ کا ہے؟'' روبی ادھ کھلے دروازے سے اندر آتے ہوئے برجستہ کہہ رہی تھی۔

ماہ رُخ اور ثنا تو اپنی اپنی جگہ خجل سی ہو کر رہ گئیں۔

''ثنا! آپ تو یہاں آ کر مذاکرات ہی کرنے بیٹھ گئیں۔ میرے پیٹ میں چوہے شور مچا مچا کر دم توڑ گئے۔'' روبی کو دونوں کے پریشان چہرے دیکھ کر جیسے ترس آ گیا۔ فضا کو ذرا خوشگوار بنانے کے لیے اس نے دل پر جبر کر کے شگفتگی کا مظاہرہ کیا۔

''ماہ رُخ تو کھانا کھا چکی ہے۔ کپڑے پھیلا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ بس یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔''

''ارے کیا فریم ٹوٹ گیا؟ کس کی تصویر ہے؟ آپ ہی کی ہوگی۔'' روبی نے پریشان حال سی ماہ رخ کے ہاتھ میں کرچی کرچی ہونے والا فریم دیکھ کر بے ساختہ کہا۔

''دکھایئے...... فریم ٹوٹا ہے تصویر تو نہیں ٹوٹی۔'' روبی نے اتنی بے ساختگی سے ہاتھ بڑھایا تھا کہ ماہ رُخ کے پاس کوئی راہِ فرار نہ رہی اس نے خود اس کی طرف تصویر بڑھانے کی کوشش بھی نہیں کی اور روبی نے بڑے اشتیاق سے تصویر کا شکستہ فریم اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

ثنا حواس باختہ سی ہو کر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگیں اور ماہ رُخ مجرموں کی طرح نظریں جھکا کر کھڑی تھی۔ روبی کی پہلی نظر میں اشتیاق تھا دوسری نظر منجمد ہو گئی۔ ایک

سایہ سا اس کے چہرے پر لہرایا اور اس نے کمال مہارت سے خود کو سنبھال لیا۔

''بہت اچھی تصویر آئی ہے دونوں کی۔ جو کچھ دل میں تھا چہروں سے صاف ظاہر ہے۔ جس لمحے یہ تصویر بنی دولہا کی سوچ صرف ایک طرف فوکس تھی۔ خیر! آپ نے بہت سنبھال کر رکھی۔ رکھنا بھی چاہیے یہ تصویریں تو بڑی یادگار ہوتی ہیں۔'' روبی نے تصویر ماہ رُخ کے ہاتھ میں تھمانے کے بجائے کارنر ٹیبل پر رکھ دی اور ننا کی طرف دیکھ کر بولی۔

''چلیں...... دروازہ کھلا چھوڑ آئی ہوں۔''

ننا تو جیسے کوئی ان دیکھی زنجیر کٹنے کی منتظر تھیں۔ گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگیں۔ ماہ رُخ اپنی جگہ خاموش کھڑی تھی۔

''آپی آپ کا کوئی قصور نہیں...... اور قصور میرا بھی نہیں اس لیے ہمیں ایک دوسرے سے شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس کو شرمندہ ہونا چاہیے وہ قیامت تک نہیں ہوگا۔ Take it easy'' اس نے بڑے اپنائیت بھرے انداز میں ماہ رُخ کا شانہ دبایا اور بولی۔

''میں چلتی ہوں بہت بھوک لگ رہی تھی۔ صبح کو آٹھ بجے آپ اُوپر آجایئے گا۔ آپ کو ناشتہ تیار ملے گا۔ اگر آپ نہیں آئیں تو میں سمجھوں گی آپ کا دل مجھ سے صاف نہیں ہے اور آپ وقار کا بدلہ مجھ سے لے رہی ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے خاموش کھڑی ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور بے معنی سا مسکرا کر جانے کے لیے پلٹ گئی۔ پلٹتے ہوئے اس نے لاشعوری طور پر تصویر کی طرف دیکھا تھا۔ کلیجے سے جیسے ہوک سی اُٹھی تھی۔

ماہ رُخ نے روبی کے باہر جانے کے بعد بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا انتظار کیا۔ پھر چند منٹ بعد دروازہ لاک کرنے کمرے سے باہر چلی گئی۔

ابھی اس نے ٹوٹے ہوئے فریم کے ٹکڑے چننا تھے جو اس کے ذہن کی طرح دور دور تک بکھرے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆

''سہیل! آخر ہوا کیا ہے۔ آپ کا صبح تک حویلی جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بی بی جان کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟'' سمن سہیل کو تیار ہوتا دیکھ کر ڈپریشن میں جا رہی تھی۔ دل کو جیسے پھڑکنی سی لگی ہوئی تھی۔

''سمن! جب میں حویلی سے تمہارے پاس آتا ہوں تو اُدھر بے حساب سوال تیار ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے حویلی جاتا ہوں تو تم سوالنامہ لے کر کھڑی ہو جاتی ہو۔ اگر وہ لوگ مجھے صرف بیٹا اور حویلی کا وارث سمجھتے ہیں تو خدا کے لیے تم تو مجھے انسان سمجھو۔ تمہیں تو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نئی آنے والی کو تو نگاہ بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے۔ اس کا لٹکتا ہوا آنچل تک نہیں چھوا۔''

سہیل بہت زیادہ ذہنی دباؤ کا شکار تھے کہ آخر انسان تھے۔ جذبات و احساسات کی تیز و تند آندھیاں ان کو بھی ہلا سکتی تھیں۔ اب جھنجلا کر قدرے برہمی سے کہہ رہے تھے۔ سمن سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''وہ بس آپ کو جاتا ہوا دیکھ کر عجیب وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ یونہی منہ سے نکل گیا تھا۔ سوری......!'' سمن نے اپنی فطرت کے مطابق فوراً ہی فضا میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اور ہمیشہ کی طرح اس سہمی ہوئی چڑیا پر سہیل کو رحم آ گیا۔ فوراً اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ آگے بڑھ کر سمن کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

''سمن میری جان ہے۔ سمن کو ہمیشہ یقین ہونا چاہیے۔''

سمن اپنی عادت کے مطابق رونے کے قریب ہوگئی۔ مگر چند لمحے بیشتر کی سہیل کی جھاڑ جھپاڑ یاد آئی تو فوراً خود کو کنٹرول کر لیا اور سہیل کا بازو ہٹا کر ان کا بیگ بند کرنے لگی۔

ایک گہری سوچ اس کے چہرے سے واضح ہونے لگی۔ جیسے اس کا ذہن ماحول سے کٹ کر دور کہیں اُڑان بھر رہا ہو۔

بیگ کی زِپ کھینچتے ہوئے اس نے سہیل کی طرف دیکھا اور بڑے پروقار لہجے میں

بولی ”سہیل! میری آخرت برباد نہ کریں۔“
سہیل نے بری طرح چونک کر سمن کی طرف دیکھا تھا۔
”وہ جو آئی ہے وہ بھی میری آپ کی طرح ایک انسان ہے۔ آپ نے ماں باپ کی محبت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تو اُس کا کیا قصور ہے؟ اسے زندگی سے وہ سب کچھ چاہیے جو مجھے آپ کو سب کو چاہیے۔ میری آپ کی لو میرج ہے تو اس کا کیا قصور۔ میں ماں نہیں بن سکتی اس کا کیا قصور......
میں نے تو آپ کو ریکوسٹ کی تھی کہ میری آپ کی تنہائی میں کسی تیسری کا ذکر نہ ہو۔ مجھے تو اس کا نام بھی نہیں پوچھنا۔ سہیل! میں آپ کو ہرا بھرا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اپنی طرح بنجر نہیں۔“ سمن اپنے آنسوؤں کو حتی الامکان کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی اسی لیے سہیل سے رُخ موڑ کر بات کر رہی تھی۔
اس نے پھر سہیل کو ضمیر کی آواز پر متوجہ کر دیا تھا جبکہ وہ ساری عمر بہرے بن کر جینا چاہتے تھے۔
”تم میری سمن بن کر رہو۔ ”عظیم عورت“ بننے کی ضرورت نہیں...... یہاں کوئی تمہاری عظمت کو سلام پیش کرنے والا نہیں۔“
”سہیل! آپ کی ذات کا...... میرے آنگن کا بٹوارا تو ہو گیا ہے۔ اب غم کے دریا تو آئیں گے جو پار کرنا ہوں گے۔ بس اس طرح کے کمزور لمحے ہمارے درمیان آتے رہیں گے۔ مگر آپ ان کی پرواہ نہ کریں۔“ سمن کے لہجے میں ایک مضبوطی اور ٹھہراؤ تھا۔
”کاش میں زندگی بھر آپ کا چہرہ مسکراتا ہوا دیکھوں۔ وہ کہاں کی محبت ہوئی جو ہونٹوں سے مسکراہٹ ہی چھین لے۔“ سمن نے ایک طرف رکھا ہوا رومال اُٹھا کر ان کی طرف بڑھایا اور سہیل نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔
”کاش محبت کا دعویٰ کرنے والی مائیں بھی اس طرح سوچ لیا کریں تو دنیا میں سسکتی روحوں کا اضافہ نہ ہو۔“ وہ سوچ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

ماہ رُخ کو آخر کار مطلوبہ شرٹ مل گئی۔ پرپل کا سب سے لائٹ شیڈ، نازک سی نیٹ اور بہت سوفٹ کپڑے کی لائننگ۔ اسے گمشدہ لاپتہ شرٹ ملنے سے یوں لگا جیسے کسی کو اچانک بڑا انعام ملا ہو۔ ذہن ایک دم ریلیکس ہو گیا۔
اب جلدی جلدی اس نے پہلے کپڑے سمیٹنا شروع کر دیے۔ دماغ میں سکون ہوا تو ہاتھوں میں برق دوڑنے لگی۔ اب بس یہی تھا سوٹ پریس کرے ہینگر کرے اور عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے۔
اسی وقت کال بیل کی آواز نے پھیلا ہوا گہرا سکوت توڑ دیا۔ ماہ رُخ کی ساری پھرتی رفو چکر ہو گئی۔ اس کے ہاتھ دائیں بائیں لٹک گئے۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں وال کلاک کی طرف دیکھا۔
”اگر روبی کو نیند نہ آیا کرے گی تو مجھے بھی جاگنا پڑے گا؟“ اس کا دھیان روبی ہی کی طرف گیا۔ ورنہ اس کے کون سا رشتہ دار گھنٹیاں بجاتے تھے۔
وہ مرے مرے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اس نے خود پر جبر کرتے ہوئے دروازہ کھولا تھا اور اُچھل کر دو قدم پیچھے ہو گئی تھی۔ سامنے رمیض اپنی پوری مردانہ وجاہت کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔
”السلام علیکم!“ اس نے مسکرا کر بڑے دل پذیر انداز میں سلام کیا تھا۔
”جی...... وعلیکم السلام...... وہ آپ؟ اس وقت......؟“ وہ مارے بدحواسی کے بے ربط ہونے لگی۔
”آپ کو اس وقت میرا آنا ناگوار گزرا؟ سوری! ٹھیک ہے میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔ اپنی پھوپھو کو اور مدر کو میرا سلام کہیے گا۔“ رمیض اس کا جواب سنے بغیر اپنی بات کر کے پلٹنے لگا۔
”وہ یہ بات نہیں۔ پلیز! آپ تشریف لائیے۔ وہ میں اس وقت کسی کا آنا دراصل Expect نہیں کر رہی تھی اس لیے منہ سے نکل گیا۔ پلیز! ڈونٹ مائنڈ۔ آیئے......“ اس نے ایک طرف ہو کر رمیض کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

رمیض اس وقت نخرے کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اتنی دور آ کر مومنہ سے ملے بغیر جانا اس کے لیے بڑی کوفت کی بات تھی۔ ماہ رُخ سے سگنل ملتے ہی وہ یوں اندر داخل ہوا کہ کہیں ماہ رُخ اسے واقعی اندر آنے سے منع نہ کردے۔

ماہ رُخ نے اس کے اندر آنے کے بعد دروازہ بند کیا اور اس کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں پہنچ گئی۔

"پلیز! تشریف رکھئے۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ رمیض بے قراری سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"وہ...... بڑی خاموشی ہے گھر میں؟ آنٹی سوگئی ہیں کیا؟" دل کے چور نے مومنہ کا نام زبان پر آنے نہیں دیا۔

"امی اور پھوپھو تو چلی گئیں۔" ماہ رُخ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے سادگی سے کہا۔

رمیض کو جیسے جھٹکا لگا۔ اس نے بڑی اُلجھن و حیرت سے ماہ رُخ کی طرف دیکھا تھا۔

"چلی گئیں...... مگر کہاں؟" مومنہ کے لیے تو اس کے ذہن میں فوراً "اسپین" آیا تھا۔ مایوسی کی شدت نے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کردیا۔

امی تو لاہور میں ہوتی ہیں۔ وہ میرے ساتھ نہیں ہوتیں اور پھوپھو کو اسلام آباد ضروری کام سے جانا تھا۔ وہ تو دو تین دن میں واپس آ جائیں گی۔" ماہ رُخ نے وضاحت و صراحت کے ساتھ جواب دیا۔

"اوہ......" رمیض نے جیسے کھل کر سانس لی۔

"آپ کیا لیں گے؟ کولڈ یا چائے کافی؟" ماہ رُخ نے آدابِ میزبانی نبا ہے۔

"اوہ...... نو...... تھینکس...... کچھ بھی نہیں۔ میں رات کو چائے کافی بہت کم لیتا ہوں۔ کولڈ کا بھی موڈ نہیں۔" رمیض نے اب اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

گھڑی پر نظر ڈالنا ایک معنی خیز لاشعوری اشارہ ہوتا ہے۔ ٹائم دیکھنے والا گویا یہ ظاہر کررہا ہوتا ہے کہ اب مجلس میں نہ گرمی ہے نہ دلچسپی۔

پھر جیسے اسے اچانک کوئی دھیان آیا۔ اس نے ماہ رُخ کی طرف بڑی سوچتی نگاہ

سے دیکھا تھا۔

"آپ...... اکیلی رہتی ہیں؟ وہ آپ کی پھوپھو تو اسپین میں ہوتی ہیں۔" رمیض نے ماہ رُخ کی طرف گہری نگاہ سے دیکھ کر کہا۔

"اٹس...... ویری...... ویری...... پرسنل۔ مگر کیوں کہ آپ ہمارے محسن ہیں اس لیے میں Avoid کروں گی۔" ماہ رخ نے بڑے وقار اور اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

"Very kind of you میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ وہ گھر کی گہری خاموشی کو فیل کر کے By the way پوچھ لیا تھا۔ مجھے اجازت دیجیے۔ ویسے ہی ایک کام سے اس طرف آیا تھا سوچا آپ کی مدد سے سلام دعا کرتا چلوں۔ آپ کی پھوپھو آ جائیں گی تو پھر چکر لگاؤں گا۔" رمیض نے اُٹھتے ہوئے باور کرایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ کر نہیں جا رہا۔

"جی بہتر...... میں پھوپھو کو بتا دوں گی۔" ماہ رُخ نے سنجیدگی سے کہا۔ رمیض دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا۔

اس نے ایک بار پھر پلٹ کر خاموش، صاف ستھرے گھر پر ایک لاشعوری نگاہ دوڑائی تھی۔ آنکھوں میں سوال تو تھے مگر اب جرأتِ سوال نہ تھی۔ چار کمروں کا خوبصورت اپارٹمنٹ...... امی لاہور میں...... پھوپھو اسپین میں اور یہ چار کمروں میں چکر کاٹنے والی اکیلی لڑکی۔ امیزنگ...... وہ دروازہ کھولتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

دروازے سے باہر نکل کر اس نے ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور ہاتھ اُٹھا کر مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہا اور لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ماہ رُخ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے دروازہ بند کردیا۔

کیوں آیا تھا؟ اب اسے یہاں نہیں آنا چاہیے۔ ایک جوان، حسین لڑکا، مردانہ وجاہت کا شاہکار...... رئیس زادہ، میری چادر تو پہلے ہی تار تار ہے۔ ابھی تو رفوگری کی فرصت مہلت بھی نہیں ملی۔

بابا جان اور بھائی نے اسی وجہ سے تو میرا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ مگر میں ہر وقت کی

چبھتی نظریں اپنوں کے بے مہر رویے برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ اس نے ٹائم مینٹل ٹارچر سے بچنے کے لیے تو تنہائی قبول کی ہے۔

اُجڑتی رہوں۔ باپ کی دہلیز پر جاتی رہوں۔ ناکردہ گناہوں کے باعث ذلیل، حقیر سمجھی جاتی رہوں۔ میری قوتِ برداشت کی بھی تو کوئی حد ہوگی ناں؟ وہ ادھر ادھر لائٹس آف کرتے ہوئے دکھ سے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''ایک کوڑی کی حیثیت نہیں ہے اس کی۔ وہاں ہٹ میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا نواب زادے نے۔ اس گھر سے نکل کر ایک وقت کی روٹی نہیں کھا سکتا۔ حرام خوری کی عادت پڑ چکی ہے۔'' انجم علوی جھاگ اُڑا رہے تھے۔

''وہ تو ابھی تک یہ سوچ کر دل کو سمجھاتے رہے تھے کہ باہر ٹھوکریں کھا کر کچھ عقل آ رہی ہوگی۔ شخصیت میں ''انقلاب'' برپا ہونے والا ہے۔ ماں باپ کی نصیحتیں و فصیحتیں یاد آ رہی ہوں گی۔ ''سچی توبہ'' کر رہا ہوگا۔ پتہ چلا وہ تو ساحل سمندر پر مزید عیاشی ہو رہی ہے۔'' یہاں تک سوچ کر تو انجم علوی کا B.P شوٹ کرنے لگا تھا۔

نمو پس دیوار تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سبرینہ گناہ گار کی طرح نظریں جھکائے کھڑی تھیں۔ کچھ کہنے کے لیے ہمت مجتمع کر رہی تھیں۔

''یہ کبھی راہِ راست پر نہیں آئے گا۔ کچھ دنوں میں سنو گی کہ ڈاکے مارنے لگا ہے۔'' وہ اپنا کوٹ دُور اچھال کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بولے۔

''اللہ نہ کرے۔'' سبرینہ کا کلیجہ دہل گیا۔

''جس بندے کو بغیر محنت کے روپیہ اُڑانے کی لت لگ جائے وہ اسمگلر بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ اسمگلر کو بھی ہاتھ پاؤں ہلانا پڑتے ہیں۔ دماغ لڑانا پڑتا ہے۔ جان خطرے میں ڈالنا پڑتی ہے۔ سب سے آسان کام ڈاکہ ڈالنا ہے۔ ایک ریوالور کا خرچہ کرنا پڑتا ہے بس اس کے بعد مال ہی مال......''

''آپ کو ملا تھا وہ ہٹ پر......؟'' سبرینہ نے ہمت کر کے لب کشائی کی۔

میرے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ آصف بہت خوش ہو کر بتا رہا تھا کہ تمہارے بیٹے سے ملاقات ہوگئی وغیرہ وغیرہ۔ میں نے چوکیدار سے پوچھا تو اس سے پتہ چلا کہ موصوف تو وہاں کئی دن سے لوٹیں لگا رہے ہیں۔

''ایک انڈا...... وہ بھی گندہ۔'' انجم علوی ٹائی پھینک کر شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے بڑبڑائے۔ پس دیوار نمو ایک اذیت سے گزر رہی تھی اسے سبرینہ پر بہت رحم آ رہا تھا کہ ماں ہونے کے ناطے انہیں بلاوجہ اتنی اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے۔

''انجم آپ یقین کریں......''

''کوئی شک نہیں ہے مجھے۔ یقین ہی یقین ہے کہ میں ایک بدکردار اولاد کا باپ ہوں۔'' انجم علوی طیش کے عالم میں سبرینہ کی بات کاٹ کر بولے تھے اور جھپاک ڈریسنگ میں گھس گئے تھے۔

شاہانہ نے بہت دیر سے روکی ہوئی سانس خارج کی اور اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''یا اللہ! رحم کر مجھ پر......'' یہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

نمو انہیں اچانک سامنے پا کر بوکھلا سی گئی جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔

سبرینہ نے اس کی طرف دیکھا ''تم کیوں اپنے کمرے سے آ گئیں۔ مایوں کے بعد لڑکیاں ایک جگہ ٹک کر بیٹھ جاتی ہیں۔ کام کر کر کے ساری اپنی Look برباد کر لو گی۔ دلہن کے چہرے پر فریش نیس ہونی چاہیے۔ ابھی تھوڑی دیر میں لڑکیاں پہنچنے والی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ آج ساری رات ڈھولکی پر گیت گائیں گے۔''

وہ اپنے ملنے جلنے والوں کی بچیوں کی بات کر رہی تھیں۔

''چھوڑیں ممانی جان...... یہ گانا بجانا...... ویسے بھی ماموں جان کا موڈ خراب ہے۔''

''ان کا موڈ تو ایسے ہی رہے گا۔ کنواری بچی کی شادی ہے۔ کسی طلاق یافتہ یا بیوہ کی تو نہیں۔ تمہاری مرحومہ ماں کو بھی جواب دینا ہے۔ تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ لڑکی ایک بار دلہن بنتی ہے اور اللہ ہر لڑکی ایک بار ہی دلہن بنائے اور اس کو ہنستا بستا رکھے۔ آمین۔''

''ہٹ سے نکل کر پتہ ہیں کہاں گیا ہوگا۔ کہاں ٹھوکریں کھا رہا ہوگا۔'' وہ خود کلامی میں بولتی ہوئی لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔ دکھ سے نمو کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

☆☆☆☆☆

سہیل حویلی میں داخل ہوئے تو مہرالنساء جیسے منتظر ملیں جو انتظار کا ایک ایک لمحہ جیسے گن رہی تھیں۔ سہیل کو دیکھتے ہی جیسے انہیں نئی زندگی ملی تھی۔ گلے لگا کر پیار کیا اور بولیں

''میرے کو یقین تھا میرا سہیل میری بات رکھے گا۔ میرے باغ کا اکیلا پھول ہے۔'' وہ پھر سہیل کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''تیرے بابا سائیں ابھی ابھی اندر سونے کے لیے گئے ہیں۔ تو بول اُٹھاؤں کہ سویرے گلے ملے گا؟'' وہ اپنی بے پایاں خوشی کے حصار میں قید ہو کر سہیل سے پوچھ رہی تھیں۔

''بابا سائیں کو آرام کرنے دیں بی بی جان! اور آپ بھی آرام کریں۔'' سہیل نے کلائی پر بندھی ریسٹ واچ پر نظر دوڑا کر آہستگی سے کہا۔

''اچھی بات...... تو بھی اپنی کنوار کے پاس جا بیٹھی تیرا انتظار کرتی ہے۔ روٹی مائی کا بولوں پوپری کو۔ تیرے کمرے میں ہی رکھ دے گی۔ انہیں ایک دم خیال آیا کہ پتہ نہیں سہیل نے رات کا کھانا بھی کھایا یا نہیں۔''

''نہیں بی بی جان! مجھے بھوک نہیں ہے۔ بس صبح ناشتہ کرلوں گا۔'' وہ بڑی بے دلی سے بات کر رہے تھے۔ اگلے مرحلے میں وہ نیا کے سامنے تھے اور اس کے سامنے جاتے ہوئے ایک احساسِ جرم انہیں اپنے شکنجے میں کس رہا تھا۔ کچھ بھی نہیں کر سکا میں اب تک......

وہ مظلوم لڑکی کب سے بیڑیاں پہنے میرے سامنے فریادی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ وہ نیا کے ٹھکانے کی طرف بڑھ رہے تھے اور مہرالنساء اپنے سر پر آنچل ٹکاتے ہوئے خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

نیا کو خبر مل چکی تھی کہ سہیل رات کو پہنچ رہے ہیں۔ بی بی جان کے تیور نے اس کو اندر سے سہا دیا تھا مگر اس نے کوئی راستہ تو ڈھونڈنا ہی تھا۔

اسے سیدھا سیدھا راستہ یہی نظر آیا کہ سہیل کے آنے سے پہلے وہ سوتی بن جائے اسے یقین تھا سہیل اسے سوتا پا کر کبھی اسے جگانے یہ متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ دروازہ کھلنے سے پہلے وہ آنکھیں کھولے سوچ میں گم لیٹی تھی۔ دروازے کا ہینڈل گھومتے ہی اس نے کروٹ لے کر پٹ سے آنکھیں بند کرلیں۔

سہیل نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔ نیا نے محسوس کیا وہ دروازے کے پاس ہی کھڑے ہیں قدم نہیں بڑھا رہے۔

پھر اس نے وارڈ روب کی طرف جاتا محسوس کیا۔ چند منٹوں بعد وہ واش روم میں چلے گئے۔ اس نے پھر آنکھیں کھول دیں اور قدرے سکون سے سانس کھینچا۔ اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام ونشان نہیں تھا۔ نیند کیسے آتی...... شدید اعصابی تناؤ تھا۔ کبھی ذہن اپنے گھر میں پہنچ جاتا اور شاداب کی طرف سے فکر ہونے لگتی۔

کبھی بی بی جان کے عزائم کی طرف چلا جاتا تو دل وحشت سے پھڑ پھڑانے لگتا۔ اس نے عشاء کی نماز کے ساتھ دو نفل برائے مشکل کشاء بھی پڑھ ڈالے تھے۔ بے بسی میں صرف اللہ ہی یاد رہتا ہے۔

اس کو تشویش بس اتنی تھی کہ بی بی جان نے سہیل کو قسمیں وسمیں دے کر نہ بھیجا ہو اور سہیل کسی کمزور لمحے کی گرفت میں نہ آ گئے ہوں۔ خاصی دیر خود سے اُلجھتی رہی یہاں تک کہ سہیل واش روم سے باہر آ گئے۔ نیا نے فوراً آنکھیں بند کرلیں اور دم سادھ لیا۔ کوئی خاص آہٹ یا حرکت نہیں ہوئی۔ بس سہیل نے ٹیبل لیمپ آف کر کے گھپ اندھیرا کر دیا تھا۔ اس اندھیرے سے نیا کو جہاں سکون سا ملا وہاں اک خوف سا بھی سرسرایا۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

اسے محسوس ہوا کہ سہیل بیڈ کے قریب آ گئے ہوں۔ اس کے تو جیسے اوسان جاتے رہے۔ سہیل نے بیڈ سے تکیہ اُٹھایا تھا وہ بیڈ پر بیٹھے نہیں تھے۔ بیٹھتے تو نیا کو پتہ

چلی جاتا۔ دوسرا تکیہ اس کے تکیہ کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ سہیل نے کھینچ کر اُٹھایا تو اسے صاف محسوس ہوا۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی ہی اس لیے تھی کہ اس کی پول نہ کھل جائے کہ وہ جاگ رہی ہے۔

اب کمرے میں گہرا سکوت چھا چکا تھا۔ نیا نے ہمت کر کے زاویہ تبدیل کیا اور مندی مندی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ اندھیرے کی وجہ سے اسے اندازہ کرنے میں ذرا وقت لگا کہ سہیل بھاری بھرکم صوفے پر لیٹ چکے ہیں۔ اک دم پرندے پر جال گرا تھا۔ ایک دم ہی جیسے کسی نے کاٹ دیا۔

☆☆☆☆☆

بس ذرا سی دقت ہوئی تھی۔ ظاہری بات ہے بندہ کسی جگہ صرف ایک مرتبہ آیا ہو تو اسے مشکل ہو سکتی ہے۔ پہلی مرتبہ جب آیا تھا صبح کی نوخیز چمک فضا پر حاوی تھی۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔

اس نے بولڈلی کال بیل کا بٹن پش کیا تھا۔ گھبرانا، جھجکنا، ڈرنا، یہ تو اس کے خمیر ہی میں نہیں تھا۔ غیر ضروری خود اعتمادی کی وجہ سے تو آج 'گھر بدر' تھا۔ جیب میں کیش نہیں تھا کہ کسی اچھے ہوٹل میں چند دن قیام کر سکتا۔ یوں بھی مقامی شہری کو ہوٹل میں کمرہ ملنا یوں بھی بہت مشکل ہوتا ہے۔

تھرڈ کلاس ہوٹل میں وہ رہ نہیں سکتا تھا۔ گیسٹ ہاؤس میں رہنا بھی استطاعت سے باہر تھا۔

اس گھپ اندھیرے میں اسے یہ واحد آسرا دکھائی دیا تھا۔ اپنی عقل پر اعتماد، سامنے والا بے وقوف۔ اس کی بنیادی نفسیات ہی یہی تھی۔

''کون......؟'' ایک عورت کی مردوں کی طرح بھاری آواز گیٹ کے عقب سے باہر آئی۔

''پلیز! ایک منٹ گیٹ کھولیے۔'' رمیض نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''نام بتائیے......'' عورت کی آواز میں بے مروّتی تھی۔

''جی آپ مجھے نہیں جانتیں۔ نشاط افزا مجھے جانتی ہیں۔ پلیز آپ ایک منٹ کے لیے ان سے بات کرا دیجیے۔''

''نام بتائیے'' اس مرتبہ آواز کی کرختگی میں قدرے کمی تھی۔

''رمیض...... ہاکس بے کے ہٹ کا مالک۔'' رمیض کے اعتماد میں کوئی کمی نہیں تھی۔

رمیض کے جواب کے ساتھ ہی سکوت طاری ہو گیا تھا۔

رمیض بے قراری سے ٹہلنے لگا۔ شک و یقین کی جنگ نے اندر قیامت کا اضطراب برپا کر دیا تھا۔ شاید آج رات چھت کے نیچے بسر ہو جائے۔

شاید وہ صفاچٹ انکار کر دے۔ وہ ایسی ہے صاف انکار کر سکتی ہے۔ انکار کر دیا تو پھر کہاں جائے۔ پھر عمیر کے پاس یا فہد کے پاس۔

ایک تو وہ ''پھوپھو'' بھی اسلام آباد چلی گئیں ورنہ کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جاتا۔ وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا پھر آس بھری نظروں سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

اسے نشاط افزا کے گھر میں صرف آج رات کا قیام ہی تو نہیں چاہیے۔ وہ تو اس کی انا کو بری طرح للکار چکی ہے۔ اس نے رمیض کے بے مثال مردانہ حسن پر ایک نگاہِ غلط ڈالنے کی بھی غلطی نہیں کی تھی اور یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی لڑکی نے اسے ''مالشیئے'' سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اسی لمحے پس در صدا اُبھری۔

''جی کون......؟'' آواز نشاط افزا کی تھی۔ رمیض کا دل بلیوں اُچھلا اس نے جلدی جلدی سے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

''میں...... رمیض...... وہ ہاکس بے والا......''

''کیوں آئے ہیں اس وقت......؟'' حسب توقع تڑاک سے سوال آیا۔

''پلیز! آپ گیٹ کھول کر تو بات سن لیجیے۔ میں اکیلا ہوں اور میرے پاس کسی قسم کا کوئی اسلحہ وغیرہ نہیں ہے۔'' اس نے کسی فریادی کے انداز میں جواب دیا۔ چند لمحے کے سکوت کے بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔ سامنے سفید کاٹن کی سفید ہی فرل لگی نائٹی میں نشاط افزا کھڑی تھی۔ اس نے شانوں پر سیاہ رنگ کا دوپٹہ پھیلایا ہوا تھا۔

نفیس اور قیمتی نائٹی اس پر اس کا چمکتا ہوا چہرہ جیسے ماحول میں پوشیدہ نور اسی کے چہرے پر مرتکز ہو رہا ہو۔ رمیض کی نظریں اس پر پڑیں اور وہ دم بخود سا دیکھتا رہ گیا۔

"میں اسی لیے کسی کے سامنے آتے ہوئے کتراتی ہوں۔ دیکھنے والا یا تو پتھر کا بن جاتا ہے یا پھر کسی سرزمین کی طرح مجھے فتح کرنے کی پلاننگ کرنے لگتا ہے۔ کام بتایئے؟" اس نے تو یوں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں تھیں گویا کبھی راستے میں بھی نہ ملی ہو۔ رمیض کا تو سارا دم خم ہی ٹوٹ گیا۔

"مجھے ایک رات کا Stay چاہیے۔ میں اس وقت بہت مشکل میں ہوں۔ Believe me" نشاط افزا نے اب بری طرح چونک کر رمیض کی شکل دیکھی تھی۔

حیرت و عجب سے اس کی کملی روشن آنکھیں مزید پھیل گئی تھیں۔ کسی مصور کا قلم توڑ شاہکار بن گئی تھی۔ رمیض کا دل تو پنجرے میں بند پنچھی کی طرح پھڑپھڑانے لگا۔

"آپ کے ہٹ میں کیا سیلاب آ گیا ہے؟ وہ آپ ہی کا ہے ناں؟" اب وہ گہری سانس کھینچ کر ایک ٹیچر کے بارعب انداز میں مخاطب ہوئی۔

"یہی سمجھ لیں......" رمیض نے نظر جھکا کر جواب دیا۔

"یہ کون ہے بے بی......؟ کیوں آیا ہے۔" وہی کرخت آواز والی عورت نشاط افزا کے عقب میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"آپ کو بتایا تھا ناں اس رات ایک لڑکے نے جان بچائی تھی اور میری مدد کی تھی اور وہ جو پھٹی ہوئی چادر تھی ناں وہ بھی انہوں نے ہی دی تھی۔"

"چادر لینے آئے ہے؟" کراری آواز میں سوال ہوا۔

"لاحول ولا قوۃ......" رمیض ٹپٹا کر رہ گیا۔ وہ بوسیدہ سیلن زدہ چادر تو اسے کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آ سکتی تھی۔

"نہیں دادا......اپنے احسان کا بدلہ لینے آیا ہے۔" نشاط افزا نے رمیض کی طرف ٹکٹکی باندھ کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

رمیض کو اب پہلے سے زیادہ زوردار جھٹکا لگا تھا۔

"دادا" اس نے آنکھیں پھاڑ کر عورت کی طرف دیکھا کہ یہ "دادا" کیوں ہے "دادی" کیوں نہیں......؟

"پیسہ مانگتا ہے۔ دس بیس ہزار روپے دے کر جان چھڑا۔" کرختگی سے فیصلہ کن جواب آیا۔

"ایک رات رُکنے کو بولتا ہے دادا...... پیسہ ویسہ نہیں مانگتا۔" رمیض حیران پریشان دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا۔ اتنی آسانی سے دس بیس ہزار مل سکتے ہیں۔ کون سی دنیا کی بات چیت ہو رہی تھی۔

"یعنی......" عورت نے رمیض کو سر سے پاؤں تک گھورا۔

"جیب میں پیسہ لے کر آیا ہے۔" "اڈا" سمجھ کر آیا ہے؟ بازار لگا ہے اِدھر؟" اس نے نشاط افزا کو ہاتھ سے ایک طرف دھکیلا اور خود دروازے کے مرکز میں آ کر رُک گئی۔

"رستہ پکڑو......نہیں تو کھولتی ہوں کتے۔" اس نے بری طرح گرج کر کہا۔ رمیض کی تو جیسے تھرتھری چھوٹ گئی۔

"ارے......رے کیا کہہ رہی ہیں آپ...... آج رات میرے پاس ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں تو آپ کے لان میں بنچ پر بھی سو سکتا ہوں۔ میں آپ سے پراپر بیڈروم نہیں مانگ رہا۔ مجھے میرے والد نے گھر سے نکال دیا ہے۔ میں صبح اپنی ماں سے کونٹیکٹ کر کے کیش لے لوں گا۔ پھر کسی گیسٹ ہاؤس میں کمرہ کرائے پر لے لوں گا۔ آپ کو نظر بھی نہیں آؤں گا دوبارہ" رمیض نان اسٹاپ بولنے لگا۔ ایک تو قوی الجثہ مردنما عورت پھر اس کا خونخوار لہجہ اس پر مستزاد خوفناک دھمکی۔ کتے چھوڑنے کی دھمکی شوٹ کر دینے کی دھمکی سے زیادہ اثر انگیز تھی۔ شکاری کتوں کی درندگی کا تصور ہی اتنا دل ہلا دینے والا تھا کہ وہ مصلحت و جھوٹ سے آزاد ہو گیا۔

"اوہ...... باپ نے نکال دیا ہے۔ پلا پلایا خوبصورت جوان بیٹا۔ انسان دس ہزار کا گدھا بھی لیتا ہے تو اس کو باندھ کر رکھتا ہے۔ رات کو اُٹھ کر دیکھتا ہے رسی ڈھیلی تو نہیں بندھی۔ درخت بادام سے بھرا وہی بھی سڑک کنارے۔ مطلب یہ کہ بادام

کڑوے ہیں۔ چل اندر آ۔ تو تو بندوق اُٹھا کر ڈاکے بھی نہیں مار سکتا۔ ابھی تک باپ کے مال پر پل رہا ہے۔"

"دادا" نے اس بری طرح ڈپٹ کر کہا کہ رمیض ایک جست میں اندر تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے اندر بلا لیا گیا ہے۔ بالکل خلافِ توقع ردِعمل تھا۔ عورت نے نشاط افزا کو اندر جانے کا اشارا کیا۔ گیٹ لاک کیا اور پلٹ کر رمیض کی طرف دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر سوچ اور سنجیدگی تھی۔

"چل آ میرے ساتھ......" عورت نے اس طرف قدم بڑھائے جس کی مخالف سمت نشاط افزا جا رہی تھی۔ رمیض پلٹ کر نشاط افزا کی طرف دیکھنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆

نیا کو ٹھیک سے نیند تو نہیں آئی تھی مگر نفس کی کمزوری کے ثبوت کے طور پر نیند کے جھٹکے لگے ضرور تھے۔ جونہی اذان کی صدا گونجی پٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اذان کی آواز نے روحانی قوت کے زور پر اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔ مسئلوں میں چہار طرف سے گھرا انسان اللہ کے احساس کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں ہوتا۔ اس باقوت احساس ہی کے کمال سے انسان فوراً موت کو گلے لگانے کا فیصلہ نہیں کرتا اور اچھی اُمید کے سہارے بوجھل وقت کو برداشت کر لیتا ہے۔ وہ دس منٹ تک ایک ہی زاویے سے بیٹھی رہی۔

سہیل صوفے پر گہری نیند میں تھے۔ بالکل چت لیٹے تھے دونوں ہاتھ سینے پر یوں بندھے تھے جیسے کسی سے مودبانہ پیش آ رہے ہیں۔

نیا نے صرف ایک غیر ارادی نگاہ ان پر ڈالی تھی۔ صبح کی آمد سے اندھیرے کا راج ٹوٹ چکا تھا۔ اب اندھیرے میں نئی صبح کی روشنی کی معمولی سی مداخلت ہو چکی تھی۔ اس لیے سہیل ایک نگاہ ہی میں واضح دکھائی دیے تھے۔

جلے پاؤں کی بلی بن کر وہ وضو کے ارادے سے واش روم کی طرف بڑھی تو یوں محسوس ہوا جیسے سہیل کے وجود میں حرکت ہوئی ہو۔ خواہ مخواہ دل دھڑک اُٹھا۔ اس کی

احتیاط یہ برتا کہ اس نے واش روم کا دروازہ محتاط انداز میں پہلے کھولا اور لائٹ بعد میں جلائی تاکہ پہلے سے روشن واش روم کی لائٹ سہیل کو محسوس نہ ہو۔

وضو کر کے اس نے پہلے لائٹ بند کی بعد میں دروازہ۔ جائے نماز اس کے بیڈ کے سرہانے ہی پڑا تھا۔ اس نے دوپٹہ لپیٹ کر جائے نماز بچھائی اور نماز ادا کرنے لگی۔ نماز کے بعد دُعا کا مرحلہ آیا تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا مانگے۔ بے بسی کے باقوت احساس کے علاوہ کوئی احساس نہ تھا۔

اپنے مرحوم باپ کا چہرہ یاد آیا۔ بیماری کے آخری لمحوں میں ان کے چہرے کی بے بسی پھر ان کا دنیا سے چلے جانا پھر اپنی بھاری ذمہ داریاں...... دوشیزگی کے سارے خواب ریزہ ریزہ...... جوان جسم بوڑھا دل۔ قدم بہ قدم امتحان، خوف اندیشے۔ جوان بھائی کو جیتا جاگتا دیکھنے کے لیے زندگی سے زیادہ بوجھل قیمت۔

وہ سجدے میں گر کر آنسو بہانے لگی۔ وہ صرف خاموش آنسوؤں کی زبان میں اللہ کے دستِ غیبی کی تھپکی چاہتی تھی۔ ایک دریا سے پار ہو کر دوسرے دریا کو پار کرنے کے لیے۔ اسے ماں کی تڑپ اور بے بسی نے بھی ان کمزور لمحوں میں ستایا کہ کیسے کٹی ہو گی ان کی رات۔

روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔ اس نے خوف سے اپنی سانس تک روک لینا چاہی کہ مبادا سہیل جاگ پڑیں۔ اس نے منہ کیا ہوا تھا مگر دل تو جیسے سیلاب کی طغیانی کی طرح اس کے وجود کو ہلا رہا تھا۔

اتنے کشٹ...... اتنی قربانیاں...... پھر بھی ہر لمحہ رُسوائی اور ذلت کا خطرہ۔ ان کو میری اذیت کا اندازہ کیوں نہیں ہوا۔ انہوں نے میری زنجیریں توڑنے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔ اس کا ذہن سہیل سے شکوے شکایتیں کرنے لگا۔ وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ کسی لمحے ہچکی آواز میں ڈھل جاتی تھی۔

رو رو کر وہ نیم جاں ہو گئی جیسے برسوں کے رُکے ہوئے طوفان راہ پا گئے تھے۔ اسی لمحے سہیل کے ہاتھ کا باز واس نے اپنے اُلٹے بازو پر محسوس کیا۔

اس کمرے میں اور زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے ایک مضبوط مردانہ ہاتھ کا دباؤ اور لمس کیا تھا۔ دُکھ فوراً خوف میں ڈھل گیا۔ جی چاہا اسی طرح سجدے میں پڑی پڑی مر جائے۔

سہیل نے پوری قوت سے اس کو جائے نماز سے اُٹھایا۔ خوف کی انتہا تھی کہ وہ مزاحمت کے قابل بھی نہ رہی تھی۔ اس گریہ زاری نے شرمندگی کی ریت میں الگ دھنسا دیا تھا۔ ہمیشہ خود کو مضبوط ثابت کرنے والے لوگ بھی کمزور ثابت ہو جائیں تو بڑی ذلت اور شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔

بات بات پر سب کے سامنے رو پڑنے والی خواتین خوش بھی بہت رہتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود کو جھوٹی انا کے خول میں نہیں چھپایا ہوتا۔ ایک واضح راستے پر چلتی ہیں جب دل چاہتا ہے رو لیتی ہیں۔ جب دل چاہتا ہے ہنس پڑتی ہیں۔

اب وہ سہیل کے سامنے سرو قد مگر نظریں جھکائے کھڑی تھی اور سسکیاں بھر رہی تھی۔ وہ کھڑی ہوئی اور سہیل نے فوراً اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

"کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں...... میں پہلی فرصت میں فی الفور آپ کو آزاد کر سکتا ہوں نیا...... مگر مجھے ڈر ہے کہ مقصد میں ناکامی کے احساس سے بی بی جان کچھ ایسا نہ کر بیٹھیں کہ میں قیامت تک کے لیے آپ سے شرمندہ ہو جاؤں۔ آپ بہت بہادر اور باہمت لڑکی ہیں اس سے مجھے بھی بہت حوصلہ ہے۔ دیکھیں میں تو دوسری شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ دوسری شادی کرنے کے لیے برادری میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ مجھے کرنا ہوتی تو میں کر لیتا اور آپ تک بات ہی نہ پہنچتی۔ میں تو خود چاہتا ہوں کہ آپ اپنی زندگی جئیں۔ آپ کا اپنا گھر ہو۔ آپ کے بچے ہوں...... آپ ایک آئیڈیل زندگی گزاریں۔

مجھے آپ کو مردوں کی طرح مصائب سے لڑتے دیکھ کر دلی دُکھ ہوتا ہے۔ آپ بھی ایک نوجوان لڑکی ہیں۔ آپ کا بھی دل ہے...... جذبات ہیں...... خواب ہیں۔" وہ بڑے دھیمے، شائستہ اور ہمدردانہ لہجے میں بول رہے تھے۔

ان کا اپنا دل پذیر طرزِ کلام تھا۔ یہ سنتے ہی جیسے نیا کے دل پر نئے سرے سے چوٹ پڑی جیسے کسی نے انجانے میں زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ جانے کیوں اس وقت احساسِ بے بسی کیوں قیامت خیز تھا۔

شاید اس لیے کہ ایک مضبوط، جی دار صاحب کردار مرد ایک عورت کے سامنے کھڑا تھا۔ جو کوئی سا بھی نقاب پہن لے فطرت میں اندر سے ہمیشہ ایک عورت ہی رہتی تھی۔ سہیل نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے انجانا سا احساسِ جرم انہیں نرم بنا رہا تھا۔ نیا نے لاشعوری طور پر ان کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

بغیر کسی خاص جذبے کے انہوں نے جیتے جاگتے انسان کی طرح اپنی اُنگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے اور اسے شانوں سے تھام کر بیڈ تک لائے اور اسے آہستگی سے بٹھا دیا اور خود بڑے اعتماد سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

"کیوں مجھے احساسِ جرم میں مبتلا کر رہی ہیں۔ آپ ہی نے لیے تو کر رہا ہوں سب کچھ۔" نیا دبی دبی سسکیاں لیتی رہی۔ وہ جیسے بات کرنے کے قابل ہی نہیں تھی۔

"مجھے خود ہر وقت کی ٹینشن ہے کہ کسی طرح جلد سے جلد یہ ڈرامہ ختم ہو۔ اس لیے کہ آپ ایک لڑکی ہیں۔ یہ کاغذی رشتہ ہے مگر صرف مجھے آپ کو اور شاید آپ کی والدہ کو پتہ ہے۔ خدانخواستہ بات یہاں سے نکل کر شہر میں چلی گئی تو آپ کی زندگی عذاب بن جائے گی اور شاداب آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"جان سے مار دے گا وہ مجھے......" اب نیا نے سسکی لیتے ہوئے بمشکل کہا۔

"خدا نہ کرے کہ ایسی نوبت کبھی آئے۔ خدانخواستہ کوئی ایسی بات ہوئی تو میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ ایسی نوبت اگر آ گئی تو اس میں میری ذمہ داری برابر کی ہوگی اور میں ضمیر کی ملامت کے ساتھ زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔" اتنی حوصلہ افزا بات سن کر نیا کے خون میں برق سی دوڑی۔ دیر بعد سکون کا سانس خارج ہوا۔

"نیا! پوری برادری میں ہم پانچ پڑھے لکھے مرد ہیں۔ ایک میرے سب سے

چھوٹے ماموں، دو سیکنڈ کزن۔ ایک میری پھوپھی کا بیٹا اور ایک میں میرے چچا [illegible] سے اسلام آباد میں سیٹل ہیں اور تینوں کزن یورپ میں ہیں۔ مجھے بی بی جان جانے نہیں دیتیں ورنہ میں تو کب کا جا چکا ہوتا۔ پڑھے لکھے کا مطلب آپ یہ سمجھیں کہ ہم سب نے۔ ہارورڈ، برکلے وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ ورنہ تھوڑا بہت تو برادری کے اکثر لوگوں نے پڑھا ہے۔ خواتین کی تعلیم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سمن ہماری برادری کی پہلی گریجویٹ عورت ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اور دوستانہ احساس دیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''سمن''...... چھن...... کہیں زور سے چھن کر کے کوئی ساغر ٹوٹا۔ وہ ایک لمحے میں چونک کر کھڑی ہوگئی۔

سہیل نے حیرت سے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ جیسے کچھ سمجھ نہ آئی ہو۔

''سوری...... آئی ایم...... رئیلی ویری سوری۔ پتہ نہیں بعض اوقات ہم کیوں خود کو اتنا کمزور سمجھنے لگے ہیں۔ پریشان کر دیا میں نے آپ کو۔

انسان قدرت کی ایسی تخلیق ہے جو جتنی بااختیار ہے اتنی ہی بے اختیار ایسے لمحے کسی بھی انسان پر آ سکتے ہیں...... آ جاتے ہیں۔'' سہیل گھٹنوں پر زور ڈال کر کھڑے ہوتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

بات میں بہت وزن تھا...... ذات میں بھی...... وہ کسی کمزور لمحے کی زد میں نہیں آئے۔ خوبصورت جوان لڑکی کے پہلو سے دامن جھٹک کر کھڑے ہوگئے تھے۔ آنے والے دنوں کے لیے وہ پھر ڈھارس بن رہے تھے۔ نیا نے جیسے دیر بعد کھل کر سانس لیا تھا۔

''بی بی جان نماز سے فارغ ہو کر باغ میں چلی جاتی ہیں۔ آپ چاہیں تو ان سے باتیں کریں چاہے تو سو جائیں۔'' سہیل نے بڑے پروقار انداز میں باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ نیا نے ان کی پشت کی طرف دیکھا اور بے معنی سا مسکرا پڑی۔

صبح سویرے بی بی جان کے پاس جانے کا مطلب یہ تھا کہ کوئی جھوٹی کہانی پہلے سے تیار کر لی جائے۔ سہیل کمرے سے باہر جا چکے تھے۔ دروازہ آہستگی سے بند ہوا تھا۔

نے سر پر بندھا ہوا دوپٹہ کھول کر ایک طرف رکھا اور بیڈ پر دراز ہوگئی۔

جی بھر کر رونے سے ایک فائدہ ہوا تھا کہ طبیعت بہت ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔ اس نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆

''روبی تم یہ سب مت کرو۔ مجھے عجیب سا لگتا ہے۔'' ماہ رُخ نے گیلے بال ٹاول سے آزاد کرتے ہوئے جیسے منت کی۔

روبی ناشتے کی ٹرے سے جو وہ اپنے اپارٹمنٹ سے تیار کر کے لائی تھی۔ ناشتے کے لوازمات چھوٹی سی چار کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل پر لگا رہی تھی۔

''چھوڑیں آپی...... ڈر ڈر کر احتیاطیں کر کر کے آپ نے اپنا کباڑہ کر لیا ہے۔ سنا نہیں جو ڈرتا ہے وہ مرتا ہے۔ اب ہم دوست نہیں میاں بیوی ہیں۔'' روبی بڑے معروف انداز میں کہہ رہی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ......'' ماہ رُخ تو اس بے تکے جواب پر سٹپٹا کر رہ گئی۔

''یہ نہ کرو...... وہ نہ کرو...... یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے۔ بس یہی سوچ کر اپنی انرجی ویسٹ کرتے رہو۔ اگر سوچنا ہی ہے تو یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ابھی چھپّر پھٹے گا سونے کی اشرفیاں گریں گیں یا ابھی پروں والا گھوڑا آسمان سے اُترنے والا ہے۔ ہم اس پر سوار ہو کر بغیر ٹکٹ کے دنیا گھوم کر آئیں گے۔''

روبی بول رہی تھی۔ ماہ رخ کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ حیرت انگیز طور پر اسے روبی پر ڈھیر پیار آ گیا۔ وہ آگے بڑھی اور روبی کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ روبی نے چونک کر اور پلٹ کر ماہ رُخ کی طرف دیکھا۔

''کتنی باہمت ہو تم ماشاء اللہ...... کتنی جلدی خود کو سنبھال لیا ہے۔'' ماہ رُخ نے واقعی اس کو دل سے سراہا تھا۔

''ہاں لوگ تو بغیر ہتھیار کے جان سے مارنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی کام ہم خود بھی تو کر سکتے ہیں۔ دو حملہ آور...... ایک قاتل، ایک مقتول اور جنگ کے دوران یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کون قاتل ہوگا اور کون مقتول......''

"میں جنگ کر رہی ہوں آپی...... اس فراڈ کو سبق سکھانا میرا مشن ہے۔" روبی کے لہجے میں انتہا پسندی کا گہرا تاثر تھا۔

ایسا کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ ماہ رخ کے جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔

اس نے بہت محبت اور ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی "انتقام کی آگ تو ایسے ہی خوشی کے ہر احساس کو ہڑپ کر جاتی ہے۔ تم کیوں......"

"چھوڑیں آپی...... بدلہ لینے کی اپنی ایک لذت ہے اور جب یہ یقین ہو کہ ہم اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ نہیں ہیں۔ ظالم نہیں مظلوم ہیں۔"

"خیر چھوڑیں یہ بحث کبھی ختم نہیں ہو سکتی اس لیے کہ آپ اور میں مختلف انداز میں سوچتے ہیں۔ جلدی سے آ جائیے۔ ناشتہ کرتے ہیں سب ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"میں تمہاری ذمہ داری نہیں ہوں روبی کہ تم محنت کر کے کما کر لاؤ اور مجھ پر خرچ کرو۔" ماہ رُخ جھجکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اپنا مال خرچ نہیں کر رہی آپ پر...... آپ کے میاں کا مال کھلا رہی ہوں آپ کو۔ جو آپ کا حق ہے۔" روبی نے برجستہ کہا اور سلائس پر مارجرین لگانے لگی۔

"جب اس نے میرا حق نہیں پہچانا تو تم پر بھی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔" ماہ رُخ نے اب قدرے اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور پھر اب تم جس حالت میں ہو تمہیں تو خود ہیلپ کی ضرورت ہے۔" ماہ رُخ نے ایک نظر اس کے سراپے پر ڈال کر آہستہ آواز میں کہا۔

"فی الحال میں خود کو بالکل فٹ محسوس کر رہی ہوں جب مجھے ہیلپ کی ضرورت ہو گی تو آپ کو بتا دوں گی۔" روبی نے ناشتے کے لوازمات اس کی طرف سرکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ ماہ رُخ لاجواب سی ہو کر ناشتہ کرنے لگی۔

"وقار پتہ نہیں کہاں ہے۔ پاکستان میں ہے یا باہر چلا گیا؟" وہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"مجھے دونوں نہیں رکھنا۔ شفیع صاحب آپ پہلے میری بات تو سن لیں۔ روبی کو میں خود سے چھوڑنا نہیں چاہتا وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ میں اپنے بچے کی خاطر بہت کچھ برداشت کر سکتا ہوں۔ مگر میں ماہ رخ کو مین ٹین نیس کیوں دوں؟ اس نے تو میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ مین ٹین نیس کی شرائط وفادار اور فیئر عورت کے لیے ہوتی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اب دوسری طرف سے جواب سننے لگا۔

چند لمحے بعد گہری سانس لے کر کہتا ہے "شفیع صاحب! جتنا مین ٹین نیس ماہ رُخ کے وکیل نے Claim کیا ہے وہ اماؤنٹ میں آپ کو بطور آپ کی فیس دے دوں گا مگر اس کو مین ٹین نیس نہیں دوں گا۔ بس آپ اس بات کو ذہن میں رکھ کر کورٹ میں جائیں۔ میں آپ کا بہت تھینک فل ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے سر...... ایڈوانس تھینک یو...... خدا حافظ۔" وقار نے موبائل آف کیا اور سامنے دیوار کی طرف گھورنے لگا۔

"روبی تم معصوم اور بے گناہ ہو۔ میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔ میں تمہیں غور کرنے کی مہلت دے رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔" وہ سوچ رہا تھا اس کی آنکھوں میں قطعی پن تھا۔

"روبی جیسی بیوی تو قسمت سے ملتی ہے۔ میں اسے اتنی آسانی سے کھو دوں؟" سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆

رمیض نے گہری نیند سے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔ نئی چمکدار دھوپ کھڑکیوں کے شیشوں سے چھن کر کمرے میں روشنی پھیلا رہی تھی۔

وہ چند لمحے تو جیسے کچھ سمجھ ہی نہیں پایا کہ وہ کہاں ہے۔ خالی الذہن سا کمرے میں نظر دوڑانے لگا۔ پھر جلد ہی ٹائم اور اسپیس کے حواس سے رابطہ قائم ہو گیا۔ گزشتہ رات کی پوری فلم ذہن کے پردے پر چل پڑی۔ سب سے پہلے "دادا" کسی "بھوت" کی طرح نمودار ہوئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا اور اب پورے ہوش و حواس میں

کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرے کی آرائش سے مکینوں کی ''کلاس'' کا پہلی نظر میں اندازہ ہو رہا تھا۔

بے حد قیمتی پردے...... جو بڑی سی اٹالین طرز کی کھڑکی پر نظر آ رہے تھے۔ مکینوں کی مالی پوزیشن کا ٹھیک پتہ دے رہے تھے۔ سامنے ڈریسنگ اور ڈریسنگ کے اندر نظر آنے والا واش روم کا شیشم کا منقش دروازہ اور اس کا امپورٹڈ ہینڈل ثبوت تھا کہ اندر ایک شاندار لگژری باتھ روم کا نظارہ ہے۔ شاندار واش روم اس کی کمزوری تھے۔ اس نے اپنے گھر کا واش روم بھی بڑا شاہانہ تیار کرایا تھا جس کی وسعت ایک نارمل بیڈ روم کے برابر تھی۔ چالیس ہزار کا تو صرف Couch تھا جس پر وہ باتھ لے کر باتھ گاؤن لپیٹ کر اخبار پڑھتا تھا۔ اس کے دل سے ایک آہ سرد نکلی۔ اپنا عزیز از جان واش روم جو یاد آ گیا تھا۔ بلیک سینٹری اور بلیک ٹائلوں والا وہ واش روم جس میں داخل ہوتے ہی خوابوں کی دنیا کا سفر شروع ہو جاتا تھا۔

اب یہ واش روم کھول کر دیکھتے ہیں...... مگر بہت زیادہ شاندار بھی ہوا تو کیا ہوگا۔ اسے یہاں رُکنے کون دے گا۔ وہ تو شاید رات کی وجہ سے اسے وقتی پناہ دے دی گئی تھی اس کے احسان کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

اور پھر وہ ڈر کے مارے سچ بھی بول چکا ہے کہ اسے اس کے باپ نے گھر سے نکال دیا ہے۔ جس بندے کو اس کا باپ گھر سے نکال دے وہ تو ویسے ہی مشکوک ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر مایوسی طاری ہو گئی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بیڈ سے اُتر آیا۔ اب وہ بہت سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ دل تو اس بے آرامی اور مشقت سے اتنا گھبرانے لگا تھا کہ چاہتا تھا کہ دوڑ کر باپ کے پاؤں چھو کر معافی مانگ لے اور دنیا بھر کی حسیناؤں پر لعنت بھیجے۔ جن کی وجہ سے وہ در در کا بھکاری بن گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے واش روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ اندر وہائٹ ٹائلوں سے آراستہ واش روم کا نظارہ قابل دید تھا۔ دودھیا شیشوں سے بنا شاور روم اتنا خوبصورت تھا کہ وہ دم بخود سا دیکھتا رہ گیا۔ وہائٹ سینٹری بشمول باتھ ٹب وہائٹ اور

گولڈن کے امتزاج والی Taps۔

دیواروں پر تین مختلف سائز کے تاولز، شیمپو، کونون۔ ٹالکم پاؤڈر، سوپ سے لے کر سیزر اور نیل کٹر تک موجود تھا۔ چاروں کونوں میں رکھے مصنوعی سرسبز پودے۔ واش بیسن پر سجے مصنوعی پھولوں والے خوبصورت کرسٹل کے گلدان۔

اس نظارے کے بعد ایک جست میں اس کا ذہن نشاط افزا کی طرف دوڑا۔

اتنا حسن...... اتنی دولت۔ مگر غضب کا غرور، قیامت کا غصہ۔ شاید یہ اس نے حفاظتی دیوار خود تعمیر کی تھی۔ قدرت نے گلاب کا پھول بنا کر اس کے ساتھ کانٹے لگائے اور اشارے کی زبان میں کہا گلاب کے ساتھ کانٹا بے معنی نہیں۔

یا پھر یہ کہ میری خوبصورت تخلیق کا احترام کرو۔ کھٹ سے مت توڑو۔ ذرا احتیاط سے حسن تو ویسے ہی امتحان ہے۔ سربستہ راز بھی ہو تو کیسے ذہن کچھ اور سوچے۔

☆☆☆☆☆

''نمو تمہیں ٹھیک بارہ بجے پارلر پہنچنا ہے۔ کپڑے وپڑے میں نے رکھ لیے ہیں۔ زیور میں شام کو خود لے کر آؤں گی۔ آج کل بہت احتیاط کرنا ہوتی ہے۔ میں نے تمہاری ساس سے کہا بھی تھا کہ آج کے دن کے لیے کوئی میچنگ آرٹیفشل جیولری لے لیں۔ بولیں ولید نہیں مان رہا کہ اتنا اہم دن اور مصنوعی زیور۔ تم نے دیکھا ہے ناں...... اصلی روبی (Ruby) لگے ہیں۔ تین لاکھ سے کم کا سیٹ نہیں ہے۔ کنگن تک اس نے اصلی اور میچنگ کے بنوائے ہیں۔'' سبرینہ اپنی دُھن میں بڑے سے سوٹ کیس میں کپڑے اُلٹ پلٹ کرتی بولے جا رہی تھیں۔

نمو جواب میں خاموش رہی۔ کہتی بھی تو کیا کہتی۔ سوٹ کیس بند کر کے وہ نمو کی طرف بڑھیں۔ جو گم صم خاموش ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ تھاما اور پیشانی چوم لی۔

''اللہ سے دعا ہے ولید ہمیں تمہیں اسی طرح چاہتا رہے۔ ہمیشہ خوش رکھے۔ اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔ ماشاءاللہ! بہت اچھا لڑکا ہے۔ آج کے دور میں اتنا اچھا رشتہ

بس نصیب ہی سے ملتا ہے۔'' وہ بڑے جذبے سے کہہ رہی تھیں۔

نمو ولید کے ذکر پر نظریں جھکا کر رہ گئی۔ آج اس کے اور ولید کے درمیان بس آٹھ دس گھنٹوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

سبرینہ نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر مہندی دیکھی اور بچوں کی طرح خوش ہو کر بولیں ''ماشاءاللہ! بہت پیارا رنگ آیا ہے۔ تم دلہن بن کر بہت پیاری لگو گی۔ کیونکہ میں نے تمہیں کبھی میک اپ میں نہیں دیکھا۔ چار دن اُبٹن لگا تو تمہارا روپ نکھر گیا۔ میری بہت سی دُعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔ اب رمیض کے جانے کے بعد تو تم مجھے بالکل اولاد ہی کی طرح لگنے لگی ہو۔'' خوشی کی انتہا پر پھر ایک سوہانِ روح خیال نے گھات میں بیٹھے دشمن کی طرح حملہ کیا۔

نمو نے اب چونک کر نظریں اُٹھائیں اور آہستہ سے بولی ''رمیض بھائی بہت اچھی طرح ہی رہ رہے ہوں گے ممانی جان...... ورنہ وہ تکلیف دہ زندگی تو ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ تکلیف میں ہوتے تو اب تک ماموں جان سے معافی مانگ چکے ہوتے۔'' نمو نے بڑے مدلل انداز میں کہا۔

''بہت آرام سے رہ رہا ہوگا؟ کمال ہے کیا اسے ماں بھی یاد نہیں آتی ہوگی؟ وہ ماں جو اس کی وجہ سے ہمیشہ تمہارے ماموں کی لعن طعن سنتی رہی۔'' پھر ایک دم کسی خیال کے تحت سنجیدہ ہو گئیں اور بولیں ''نمو! اس کے اکاؤنٹ میں مشکل سے پچیس تیس ہزار تھے۔ وہ مجھ سے دس ہزار روپیہ مہینہ لیتا تھا اور کہتا تھا کہ ممی بہت مشکل سے ہزار پندرہ سو بچاتا ہوں۔ اس نے اپنی مرضی کا کھانا پیا کیا ہوگا یا ہوٹل میں رہا ہوگا تو اب اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں بچی ہوگی۔ دوستوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہوگا۔'' آخری جملے تک آتے آتے ان کے لہجے میں گہرا کرب جھلکنے لگا۔

''اوہ...... چھوڑو...... آج تمہاری خوشی کا دن ہے۔ میں نے پھر تمہیں سوچ میں ڈال دیا۔'' سبرینہ کو ایک دم سے احساس ہوا کہ انہوں نے فضا کو پھر بوجھل کر دیا ہے۔ بڑے ظرف سے مسکرا کر نمو سے کہا اور آہستہ قدموں سے باہر چلی گئیں۔

نمو نے گہری سانس لے کر اس سوٹ کیس کی طرف دیکھا جس میں اس کے بری کے کپڑے آئے تھے اور درجن بھر زیورات کے ڈبے۔ بڑے سائز کا امپورٹڈ سوٹ کیس تھا۔ پتہ نہیں یہ تحائف خوشیوں کا پیام ہیں یا......

شادی کا دن آ گیا تھا مگر ابھی تک اُن لمحوں میں ٹھہری ہوئی تھی جہاں ولید نے اپنی انتہا پسندی کی جھلک دکھا کر ہمیشہ کے لیے سہا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

رمیض کمرے میں بیڈ کے قریب رکھی ایک نہایت آرام دہ کرسی پر جھولے لے رہا تھا۔ ذہنی طور پر بہت اُلجھا ہوا تھا۔ خود سے باہر جانے کی ہمت نہیں تھی۔ ایک تو ''دادا'' اس پر مستزاد وہ غضبناک حسینہ۔ اس پر بھی قیامت وہ خونخوار شکاری کتے۔

ابھی تک کسی نوکر تک کی آہٹ آس پاس نہیں اُبھری تھی۔ بھوک کی شدت سے آنتیں کٹی جاتی تھیں۔

یا اللہ! میں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔ ایک تو وہ ''پھوپھو'' انہیں بھی ابھی اسلام آباد جانا تھا۔ اگر وہ ہوتیں تو میں ادھر پھنس ہی نہیں سکتا تھا۔

بھوک کی شدت انسان کو کسی اور طرف سوچنے نہیں دیتی۔ ہری ہری سوجھنا تو بھرے پیٹ کی مستیاں ہیں۔ بھوک کی شدت نے اب آنتوں کو بل دینا شروع کر دیے تھے۔ اس نے خونخوار نظروں سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ یار کیسے لوگ ہیں۔ احساس نہیں کہ ایک بندہ رات سے کمرے میں قید ہے۔ سارا پیسہ گھر پر لگا دیا ہے۔ مہمان کے کمرے میں دو چار فروٹ بھی نہیں رکھ سکتے۔ وہ بے بسی اور غصے کی شدت سے مزید ادھ موا ہو گیا۔ مٹھیاں یوں بھنچ گئیں جیسے ساری توانائی ہاتھوں میں اُتر گئی ہو۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کیا تھی کوئی خوشیوں بھرا گیت تھا۔ اس نے فوراً اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ضعیفی کی آخری حد پر پہنچا ہوا ملازم جس کی پلکیں تک سفید ہو چکی تھیں مؤدبانہ کھڑا ہوا تھا۔

''صاحب! ناشتہ کب کریں گے۔ ابھی یا تھوڑی دیر بعد۔ ویسے ناشتہ بالکل تیار

ہے۔'' وہ نظر اُٹھائے بغیر پوچھ رہا تھا۔

ناشتے کی گردان اس پر یہ بھی کہنا کہ تھوڑی دیر بعد...... رمیض بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایک منٹ دیر کیے بغیر لے آؤ۔ مجھے جلدی نکلنا ہے۔''

بوڑھا ملازم جس کی کمر تک جھک رہی تھی سر جھکائے پلٹ گیا۔

ظالم...... ''درندہ نسل'' لوگ۔ انگریز نے ریٹائرمنٹ کے لیے ساٹھ سال کی عمر طے کی تھی۔ اُس وقت جب چیزیں سستی اور خالص ملتی تھیں۔

اور اب اینگرو یوریا والی گندم کھاتے ہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی...... سارے ''مشغلوں'' سے ذہن ہٹا ہوا تھا تو انسانیت جاگ پڑی تھی۔ اس نے اب کھڑکی کی طرف قدم بڑھائے۔

لان میں چمکیلی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ مالی پانی ڈالتا کچرا اُٹھاتا نظر آ رہا تھا۔ معاً وہ چونک پڑا۔ رنگین چھتری کے نیچے بیٹھی نشاط افزا بڑے سائز کا انگلش کلرفل میگزین لیے بیٹھی تھی۔

سفید کرتے اور تنگ چوڑی دار پائجامے، آرگنڈی کے سفید چنے ہوئے دوپٹے میں وہ کچھ ایسا نظارہ پیش کر رہی تھی اگر خالی پیٹ نہ ہوتا تو کھڑکی کی گرل توڑ کر بھاگ کر اس کے قریب جاتا اور حیرت سے قدرت کے اس شاہکار کو ہر زاویے سے دیکھتا۔ وہ اس طرح تیار بیٹھی تھی جیسے کسی پارٹی میں جا رہی ہو۔ پاؤں میں سلیپر تک سفید تھے۔ فل میچنگ تھی۔ حتیٰ کہ اُنگلی میں بڑے سے اوپل کی انگوٹھی تک جگمگا رہی تھی۔ اسی وقت آنتوں نے پھر بل بھرا۔ اس نے بے اختیار اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ایک ضعیف سروس کر رہا ہے۔ وہ تو ناشتہ اسی طرح لائے گا جیسے گدھے کی پیٹھ پر سوار ہو کر آ رہا ہو۔ اس نے جھلا کر سوچا۔ نشاط افزا کی روشنیاں غائب ہو گئیں۔ وہ آناً فاناً فلم کا نگیٹو بن گئی۔

اور اسی لمحے دستک جاں فزا بھی سنائی دی۔ لاک کھلا ہوا تھا۔ بوڑھا بابا دستک دے کر فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ چھوٹی سی راؤنڈ شیپ ٹرالی دھکیلتا ہوا۔ اس

نے ٹرالی تو سیٹر کے سامنے کھڑی کر دی اور اگلے حکم کا منتظر ہوا۔ رمیض اب ٹرالی کی طرف مریدوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ اس نے بابا کی طرف دیکھے بغیر اسے جانے کا اشارا کیا۔ وہ فوراً پلٹ گیا۔

رمیض صوفے پر بیٹھ گیا۔ سب چیزیں ڈھکی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک ایک کر کے ڈھکن ہٹانا شروع کیے۔

آملیٹ، ہاف فرائی، دہی، شہد، پراٹھا، سلائس، مارجرین، اس کی تو اتنی مدت بعد اتنا پرتکلف ناشتہ دیکھ کر خوشی سے حالت غیر ہونے لگی۔ نفس کا غلام خودغرض انسان ہر قسم کی بھوک اس کی کمزوری ہوتی ہے۔ انہی لوگوں کو رشتے بوجھ لگتے ہیں۔ کیوں رشتہ ذمہ داری کا نام ہے اور نفس پرست خودغرض انسان پہلے اپنا فائدہ دیکھتا ہے پھر اپنی توانائی خرچ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے کہ روحانی مسرت زندگی کا سب سے بڑا منافع ہے۔

اس نے پہلے تو جلدی جلدی نگلا تاکہ پیٹ کے انگاروں پر کچھ ٹھنڈے چھینٹے پڑیں۔ اس کے بعد سکون سے مزے لے کر کھانے لگا۔ جیسے ہی بھرے ہوئے اعصاب پرسکون ہوئے دماغ نے چہار سمتوں میں کام شروع کر دیا۔ اب گرم ناشتے کے مزے میں ''دادا'' نے پہلی مداخلت کی۔ اس نے خوف و ٹینشن سے نجات پانے کے لیے شیطان سے کونٹیکٹ کیا جو آس پاس ہی رہتا تھا۔ اس کی خدمت کے لیے ہمیشہ مستعد و تیار......

چند سیکنڈ میں اس نے زبردست کہانی تیار کر لی۔ اسے یقین تھا اس کہانی کے بعد اس گھر میں لنچ، ڈنر، ناشتہ مسئلہ نہیں رہے گا۔ شاید اسے یہ بیڈروم بھی Allot ہو جائے۔ اس کی آنکھوں میں اعتماد، یقین اور کامیابی کی اُمید کا گہرا تاثر تھا۔

شامہ، مدحت، وغیرہ وغیرہ وہ فضول سی لڑکیاں ہی اسے اس منزل تک لائی تھیں۔ دُھول اور غبار تھیں۔ اسی دھول اور غبار میں یہ حسین پھول کھلا تھا۔ رہی مومنہ اسے تو وہ کسی صورت ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ وہ ایمرجنسی لائٹ ہے بلکہ اب تو وہ اس کا

ملک وہی اس کا شہر، وہی اس کی گلی اور وہی اس کا گھر ہے۔

میرے باپ نے دولت کے غرور ہی میں تو مجھے ٹھوکر ماری ہے۔ میرا دل بس اب یہی چاہتا ہے اس گھر میں تب جاؤں جب بلیک مرسڈیز یا پراڈو اسپیشل ایڈیشن میری اپنی ملکیت ہو۔ خزانے بھرے پڑے ہیں اور بیٹے کو بھوکا مارتے ہیں۔ بھوک کی آگ میں ہی نفرت کے الاؤ روشن ہونے لگے۔

☆☆☆☆☆

ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں آئی میرا تو دل ہول رہا ہے۔ بانو بیگم سارے کاموں سے فارغ ہو کر اکیلے خاموش گھر میں بیٹھی سوچ رہی تھیں۔

میری بیٹی بہت باہمت ہے مگر ہے تو عورت ذات۔ سہیل یہاں ہیں تو سہیل کی ماں نے اسے کیوں بلا لیا؟ کیسی عورت ہے۔ بہو کی دشمنی میں جیسے اوسان گنوا بیٹھی ہے۔ سہیل سے بات کرتی ہوں کہ وہ کوشش کریں کہ نیا شام تک گھر واپس آ جائے۔ وہی کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ اب اُلجھن سے نکل کر فیصلہ کن پوزیشن میں آ گئیں اور فون کی طرف بڑھیں۔ نمبر ان کو زبانی یاد نہیں تھا۔ پہلے قریب پڑی عینک آنکھوں پر ٹکائی اور پھر ڈائری میں سہیل کا موبائل نمبر تلاش کیا اور دیکھ دیکھ کر محتاط انداز میں ملانے لگیں۔ حویلی میں شاید سگنل کا مسئلہ تھا۔ رابطہ بار بار منقطع ہو رہا تھا۔ جو ایک آس سی بندھی تھی، ٹوٹنے لگی۔

وہ سمن سے حویلی کا نمبر لے سکتی تھیں مگر نہیں لے سکتی تھیں۔ وہ حویلی کا نمبر مانگتیں تو لامحالہ سمن پریشان ہو کر وجہ پوچھتی۔ نیا کا پوچھتی۔ نیا سے بات کرانے کو کہتی۔ وہ پھر اچھی اُمید سے ٹرائی کرنے لگیں۔ ایک دو رنگ پاس ہوئی رابطہ پھر منقطع ہو گیا۔

ایک عجیب سی بے بسی کے احساس نے انہیں گھیر لیا۔ آنکھوں میں نمی سی اُترنے لگی۔ انہوں نے جیسے ہار سی مان کر ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆

سہیل اوطاق میں مخدوم عبدالرب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے موبائل پر ایک نمبر رِنگ کے ساتھ اُبھرتا تھا۔ پھر رابطہ منقطع ہو جاتا تھا۔ ذرا سا ذہن پر زور ڈالا تو

محسوس ہوا کہ جیسے یہ نمبر جانا پہچانا ہے۔

انہوں نے نمبر پر کال بیک کی تو وہی صورت حال تھی۔ اسکرین پر Retry چمکنے لگتا تھا۔

انہوں نے موبائل واپس جیب میں ڈالا اور لینڈ لائن سہولت حاصل کرنے کے لیے دور کونے میں رکھے مرصع اور قیمتی فون سیٹ کی طرف بڑھے۔ بار بار نمبر دیکھنے کی وجہ سے نمبر حافظے میں اُتر گیا تھا۔ انہوں نے ڈائل کیا فوراً لگ گیا۔ رِنگ پاس ہو رہی تھی۔ تیسری رِنگ پر دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

''ہیلو......'' بانو بیگم کی آواز اُبھری ایک لمحے کو تو سہیل بری طرح چکرا گئے کہ جواب میں کچھ کہیں یا فون بند کر دیں۔

لمحوں میں شکوک و وہم کے جھکڑ چلنے لگے۔

اوہ......شاید نیا کی امی نے سمن کو فون کیا ہوگا۔ اسی سے پتہ چلا ہوگا کہ میں حویلی میں ہوں۔ نیا بھی اِدھر ہی ہے۔ یہ تو مسئلہ ہو گیا۔ کہیں سمن سے کوئی بات نہ کر بیٹھی ہوں۔ یہ سوچ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔

بے چاری بہت پریشان ہوں گی۔ انہیں بتا دینا چاہیے کہ نیا خیریت سے ہے۔ انہوں نے پھر نمبر Redial کیا۔ رِنگ پاس ہونے لگی۔ بانو بیگم نے اٹینڈ کیا اور ہیلو ہیلو کرنے لگیں۔

سہیل ان کی آواز سنتے ہی پھر ڈبل مائنڈڈ ہو گئے۔ کہیں حویلی میں میری موجودگی سے وہ کچھ اور نہ سمجھنے لگیں۔ نیا نے ہی تو بتایا ہے کہ وہ ہائپر پیشنٹ ہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی انہوں نے پھر ریسیور رکھ دیا۔ رابطہ ہونے سے زیادہ اس وقت رابطہ نہ ہونا اچھا ہے۔ میرا تو انہیں پتہ ہی نہیں چلنا چاہیے۔

میں ابھی نیا کو اندر جا کر کہتا ہوں کہ وہ اپنی امی کو خود فون کر لے۔ انہوں نے فاصلے پر بیٹھے مخدوم عبدالرب کی طرف دیکھا جو مہمانوں کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ چند لمحے کچھ سوچا اور اوطاق سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆

شاداب آج دن چڑھے تک سوتا رہا تھا اور گھر سے باہر بھی نہیں گیا تھا۔ بانو بیگم نے پوچھا تو کہنے لگا کہ تھرڈ پروفیشنل کی تیاری کر رہا ہے۔ کالج میں آج کل ٹائم بہت ویسٹ ہو رہا ہے۔ البتہ عتیقہ کالج گئی ہوئی تھی۔

وہ امی کے لیے دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ دو مرتبہ فون کی گھنٹی بجی اور دونوں مرتبہ ان کا دل دھڑکا کہ شاید نیا کا فون ہو۔ دونوں مرتبہ اُٹھایا مگر کوئی کچھ بولا نہیں۔ شاداب نے اچانک کچن میں جھانک کر پوچھا۔

''امی! کس کا فون تھا......؟''

''پتہ نہیں...... دونوں مرتبہ آواز کسی کی سنائی نہیں دی۔''

شاداب یہ سن کر تیری کی طرح فون سیٹ کی طرف گیا اور C.L.I چیک کیا۔ اس کی اپنی سرگرمیاں کچھ اس طرح کی تھیں کہ وہ C.L.I کی سہولت لیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے آنے والی دونوں کالز کے نمبر چیک کیے۔ ایک ہی نمبر تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور سیدھا ہو گیا۔ کال کراچی سے باہر کی تھی۔ اس کا ذہن فوراً نیا کی طرف گیا۔ مگر فوراً ہی اُدھر سے ہٹ بھی گیا کہ اسلام آباد کا کوڈ نہیں تھا اس کو میسر اطلاع کے مطابق نیا اسلام آباد میں تھی۔

شاید کوئی رانگ نمبر تھا۔ اس نے سوچا۔

اور لنچ کے لیے چیئر پر آ کر بیٹھ گیا۔ بانو بیگم نے سالن رکھ دیا تھا اب چنگیز میں گرم گرم چپاتی لے کر کچن سے نکل رہی تھیں۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ بانو بیگم حسب عادت چونک پڑیں۔ فون کی گھنٹی انہیں بہت زور سے چونکاتی تھی۔

شاداب فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں دیکھتا ہوں امی......''

''روٹی ٹھنڈی ہو جائے گی بیٹا...... میں دیکھتی ہوں تم سکون سے کھانا کھاؤ۔'' اس وقت درحقیقت انہیں فون کی گھنٹی سن کر کوفت ہوئی تھی۔ گرم کھانا چھوڑ کر ریسیور پکڑ لو واپس آؤ تو ہر چیز ٹھنڈی۔ کھانے کے دوران فون کی گھنٹی بجنے پر ان کی طرف سے اس طرح کے جملے آتے تھے۔

مگر شاداب فون کے پاس پہنچ چکا تھا۔ رنگ پاس ہو رہی تھی نمبر فلیش ہو رہا تھا اس نے بڑے تعجب کے ساتھ نامعلوم نمبر اٹینڈ کیا۔

''ہیلو......؟''

دوسری طرف نیا کی آواز اُبھری۔ ''کون...... شاداب......؟ آج تم اس وقت گھر پر ہو؟''

شاداب تو جیسے نیا کی آواز سن کر حیرت سے اُچھل پڑا۔ ''آپا! آپ کہاں سے بات کر رہی ہیں؟ آپ اسلام آباد میں ہیں۔ نمبر کسی اور شہر کا ہے۔ پہلے بھی کیا آپ نے ٹرائی کیا تھا؟'' وہ اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

بانو بیگم شاداب کی بات سن کر بڑے پرجوش مگر قدرے خوف و پریشانی کی کیفیت میں شاداب کے قریب آ گئی تھیں۔

''لاؤ مجھے دو میں بات کرتی ہوں۔ تم کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' انہوں نے جیسے زبردستی ریسیور شاداب کے ہاتھ سے لیا تھا۔

''ہیلو......'' انہوں نے بڑی بے تابی سے ہیلو کہا۔

جواب میں کان میں ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ انہوں نے فکرمند ہو کر ریسیور کی طرف دیکھا جیسے سمجھ نہ آئی ہو کہ ہوا کیا ہے۔

انہوں نے بڑی بے دلی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور ایک آس پر وہیں کھڑی رہیں کہ شاید گھنٹی دوبارہ بجے۔ دو تین منٹ کے انتظار کے بعد وہ سر جھکائے آہستہ قدموں سے کمرے سے باہر چلی آئیں مگر ایک دم ہی حواسوں میں آ گئیں۔ شاداب اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔ کھانا جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔

''کیا ہوا کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟'' انہوں نے فکرمند ہو کر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اندیشے سانپ کی طرح سرسرانے لگے۔

''آپا کہاں گئی ہیں؟'' شاداب کی آواز سپاٹ لہجہ سرد تھا۔

''وہ بتایا تو ہے تمہیں......''

''غلط بتایا تھا۔ یہ کال اسلام آباد سے نہیں آئی۔ ورنہ تو خیر میں پتہ کر لوں گا کہ یہ نمبر کہاں کا ہے میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ لوگ غلط بیانی کیوں کر رہے ہیں؟ مجھ سے کیوں چھپا رہے ہیں۔ چھپانے کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں کو کوئی خطرہ ہے مجھ سے۔ پتہ نہیں کیا گیم کھیل رہے ہیں آپ لوگ...... یا تو آپا نے بھی آپ سے غلط بیانی کی ہے یا آپ کو پتہ ہے اور چھپا رہی ہیں۔ آپا پڑھی لکھی ہیں۔ انہیں پتہ ہے گھر میں فون پر C.L.I فسیلٹی لی ہوئی ہے سب پتہ چل جاتا ہے۔ جھوٹ چھپ نہیں سکے گا۔ صرف اسی صورت میں چھپ سکتا تھا کہ وہ کونٹیکٹ ہی نہ کریں۔ میں اس گھر میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک آپ لوگ مجھ سے سچ بولنا شروع نہیں کرتے۔''

بانو بیگم حواسوں میں ہوتیں تو ایک جھوٹ نبھانے کے لیے دس جھوٹ اور بول سکتی تھیں مگر ان کا تو B.P شوٹ کر رہا تھا وہ تو جھوٹ کیا سچ بولنے کے قابل بھی نہیں تھیں۔ شاداب نے ناراض نظروں سے ماں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور سیدھا باہر کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی بائیک اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ بانو بیگم بمشکل اپنے چکراتے سر کو تھام کر بیڈ تک آئی تھیں۔

☆☆☆☆☆

نیا کے اعصاب سن ہو چکے تھے۔ بار بار ایک بازگشت سی گونجتی تھی یہ کیا ہوا؟

اوہ میرے خدایا...... امی بے چاری تو بس گئیں کام سے۔

شاداب کیوں گھر پر تھا؟ وہ آج گیا کیوں نہیں۔ یہ بات کیوں میرے ذہن میں نہیں آئی کہ گھر میں فون پر C.L.I لگا ہوا ہے۔ ڈائل یا رسیو ہر کال کا نمبر محفوظ ہوتا ہے۔

سہیل نے بڑی حیرت سے نیا کی طرف دیکھا تھا کہ وہ بات بھی نہیں کر رہی تھی۔ مگر فون کے پاس سے ہل بھی نہیں رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے آواز دے ڈالی۔

''نیا......!'' آواز میں تفکر کا عکس اور اُلجھن کا تاثر تھا۔

نیا چونک کر پلٹی۔ ''جی......'' اس نے خالی خالی نظروں سے سہیل کی طرف دیکھا۔

''خیریت ہے ناں...... آنٹی کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ درحقیقت بہت فکرمند ہو گئے۔ نیا جواب میں خاموش رہی۔

''میں آپ سے بات کر رہا ہوں مس انیقہ۔'' سہیل کے انداز میں بلا کی احتیاط اور تکلف تھا۔

انیقہ...... کسی مدت بعد اپنا اصل اور مکمل نام سنا تھا۔ اس نے ویران سی نظریں اُٹھا کر سہیل کی طرف دیکھا۔

''وہ...... مجھے ڈر ہے کہ آج رات تک شاداب یہاں پہنچ جائے گا۔ مگر بی بی جان کو سمجھا دیجیے گا۔ میرے اکلوتے بھائی کو خراش بھی نہیں آنا چاہیے۔ ورنہ میں ہر طرف آگ لگا دوں گی اب۔'' نیا خوف کی انتہا سے گزر کر ہر خوف و مصلحت سے آزاد ہو گئی۔

''میرے پاس کھیلنے کے لیے اب کوئی کارڈ نہیں بچا۔'' نیا سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''کیا مطلب...... آنٹی نے اسے کیوں بتایا۔ کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں ابھی بابا صاحب کے پاس اوطاق میں اسی لیے گیا تھا کہ ان سے بات کروں کہ کسی طرح آج رات تک وہ آپ کو آپ کے گھر بھیجنے کا بندوبست کریں۔ مگر وہاں کچھ گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔

پلیز! مجھے بتائیں یہ شاداب کا کیا مسئلہ ہوا ہے۔ اس کو کس نے بتا دیا اور وہ یہاں کیوں آ رہا ہے۔ اسے عقل سے کام لینا چاہیے۔ کیوں بھول گیا کہ ایک با اختیار شخص اس کو اپنے اختیار رسوخ کا نظارہ دکھا چکا ہے۔'' سہیل نے اپنا آئیڈیل ضبط اس لمحے کو مال مفت کی طرح دے دیا جو کسی درندے کی طرح جبڑا کھولے منتظر کھڑا تھا۔

''آپ اسے کونٹیکٹ کریں اور سمجھائیں۔ نہیں تو خود اسے مطلع کر کے حویلی سے چلی جائیں۔ اپنے ماں باپ کو میں ہینڈل کر لوں گا آپ اس فرسٹریشن کے پیشنٹ کو کنٹرول کریں۔'' سہیل کی طرف سے اتنی بے لحاظی و بے مروّتی کا وہ مر کر بھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔

یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ بھی نہیں رُکے تھے اور وسیع و عریض لاؤنج سے ایک لمحے میں باہر نکل گئے تھے۔ نیا پر تو قیامت چاروں طرف سے ٹوٹی تھی۔ ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

''چچ چچ...... اتنا ظالم باپ...... اے ہے...... شاباش ہے تمہاری ماں کو کس جنات کی نسل کے ساتھ اس نے گزارا کیا۔'' دادا کا دل پگھلانے کے لیے اسے اپنی ماں کا تین مرتبہ سر پھاڑنا پڑا۔ دو مرتبہ اپنی ٹانگ اور ایک مرتبہ ہاتھ تڑانا پڑا۔

''اے...... کوئی بہت اُونچا نشہ کرتا ہے تمہارا باپ۔'' دادا جیسے دور کی کوڑی لائی۔

''نہیں نہیں وہ نشہ تو نہیں کرتے۔'' اپنے کریم النفس باپ کی تصویر مزید بدصورت بناتے ہوئے ایک لمحے کو اسے خود بھی شرم آ گئی لیکن اتنا شاندار اور پراسرار ٹھکانہ ہتھیانے کے لیے وہ اس سے بھی زیادہ کچھ کرنے کی ٹھانے بیٹھا تھا۔

''ارے ہٹاؤ...... جو نقشہ تم نے کھینچا ہے وہ تو پکے نشیوں کا ہے۔'' ''یہ چونڈا'' ہم نے دھوپ میں سفید کیا ہے؟'' انہوں نے اپنے 50 گرام وزن کے جوڑے کی طرف اشارا کر کے بڑی کرختگی سے پوچھا۔

''جی...... جی......'' رمیض اس دہشت ناک رعونت کے سامنے جی جی کر کے رہ گیا۔

''کیا جی...... جی؟ میاں تمہارا باپ ایک نمبر کا عیاش اور ظالم انسان ہے۔ اس نے دو نمبر کام کر کے مال بنایا ہے۔ تمہارے جیسے جوان، خوبصورت، لائق پڑھے لکھے بیٹے کو وہی باپ ٹھکرا سکتا ہے جو ہر وقت آؤٹ رہتا ہے۔ فی الحال تم کوئی نوکری ووکری دیکھو۔ تاکہ کوئی ٹھکانہ بنا کر اپنی ماں کو اس ظالم کی قید سے نجات دلاؤ۔ وہ تو مظلوم تمہاری جوانی سے آس لگائے بیٹھی ہوگی۔'' دادا نرمی اور ہمدردی میں جس قدر بھی صاحب حیثیت تھی وہ اس نے اس کی ماں کو نذر کر دی تھی۔

جھوٹ وہ بولتا آ رہا تھا۔ مگر اتنے خوفناک اور گھٹیا جھوٹ اس نے کبھی نہیں بولے تھے۔ اب اس نے اپنی واحد اثاثہ راڈو کلائی سے اُتاری اور دادا کی طرف بڑھائی۔

''یہ آپ امانت کے طور پر رکھ لیں اور مجھے ہفتہ دس دن یہاں رُکنے کی اجازت دے دیں۔ اس دوران میں کوئی نوکری تلاش کرتا ہوں۔ مزدوری بھی کر لوں گا۔ اگر نوکری نہ ملی...... کچھ تو کرنا ہے ناں'' اس نے بڑی اُداس ومعصوم سی شکل بنا کر کہا۔

''شاباش......'' دادا نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر تھپکی دی۔

وہ تھپکی نہیں جیسے موجوں کا تھپیڑا تھا جس نے اس کے قدم اکھیڑ دیے تھے۔ باوجود اس کے وہ ایک مضبوط جسم نوجوان تھا۔

''محنت مزدوری کرا اور اپنی ماں کو اپنے وحشی باپ سے نجات دلا۔''

''ویسے ایک بات ہے۔ اب پتہ نہیں لڑکے تیری برداشت کیسی ہے۔'' وہ بولتے بولتے تمہید باندھنے لگی۔

''جب بولیے...... آپ تو میرے ساتھ ہمدردی کر رہی ہیں۔ میں بھلا کیوں برا مانوں گا؟'' رمیض کی سعادت مندی کا نظارہ غضب کا تھا۔

''تو اگر کہے تو گم کرا دوں تیرے باپ کو......؟'' دادا کی مکار اور چندی آنکھوں میں قیامت کی سفاکی تھی۔ وہ جان سے مارنے کا اشارا کر رہی تھی۔

رمیض پر تو جیسے چہار سمتوں کے فرشتوں نے لعنت برسائی۔

''اوہ نہیں...... نہیں۔ یہ بہت خراب کام ہوتا ہے۔ انسان کو کبھی یہ کام کرنے کا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ کچھ بھی سہی آفٹر آل میرے باپ ہیں۔'' رمیض نے بڑی جرأت سے جواب دیا تھا۔

''تو بڑا نیک بچہ ہے۔ کرتی ہوں تیرے لیے کچھ۔'' اس کی آنکھوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی شاطر مہرہ ہاتھ میں لے کر چال سوچ رہا ہو۔

''میں ہمیشہ آپ کا مشکور رہوں گا۔'' ایسے پر تکلف اُردو بولنا وبالِ جان لگتا تھا۔ مگر دادا کی خوشی و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ اس چوڑے پاٹ کی ندی کو بھی پھلانگ گیا۔

لیکن دادا کا وہ اشارا جو وہ رمیض کے باپ کو جان سے مارنے کے لیے کر رہی

تھی۔ رمیض کے دماغ میں کانٹا بن کر اٹک گیا تھا۔ اس نے دادا کا از سرِ نو جائزہ لیا۔ ایک سخت بے ڈول جسم کی عورت جس کے چہرے سے سفاکی اور بے رحمی کے علاوہ کوئی تاثر نہیں اُبھرتا تھا۔ اسے فوراً احساس ہو گیا کہ وہ کسی عجیب و غریب دنیا میں گھر گیا ہے۔

ساتھ ہی اسے نشاط افزا کا خیال آیا کہ اتنی حسین و جمیل لڑکی کا ان پیشہ ور مجرموں سے کیا تعلق ہے۔ جبکہ اس نے ایک باحیا اور اپنی عزت کی حفاظت کے لیے ہر انتہا سے گزر جانے کا تاثر قائم کیا تھا اور دادا کا تاثر اس کے بالکل برخلاف تھا۔

مومنہ کی آس نہ ہوتی تو شاید وہ اس وقت یہاں سے فوراً بھاگ جانے کا سوچ رہا ہوتا۔ مگر ابھی اسے بہت آرام دہ ٹھکانے کی سخت ضرورت تھی۔ وہ سو روپے والے کسی ہوٹل کے کمرے میں ایک گھنٹہ بھی نہیں گزار سکتا تھا۔

دادا اسے گہری سوچ میں دیکھ کر کمرے سے جا چکی تھی یا اس کی جہاندیدہ نظروں نے رمیض کے چہرے کے تاثرات سے کچھ پڑھ لیا تھا اور وہ کوئی پیش بندی کرنے کے لیے منظر سے ہٹ گئی تھی۔ اس مشکل وقت سے ہار مان کر باپ کے پاس جا کر معافی مانگنا بہت آسان تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ پھر ساری زندگی اسے باپ کی سخت شرائط کو قبول کر کے گزارنا ہوگی جو اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ فی الحال اس کا پروگرام عمیر سے ملاقات کا تھا۔

☆☆☆☆☆

بارات ٹھیک نو بجے پہنچ گئی تھی جو بڑی حیرت ناک بات تھی اور ٹائم کی پابندی کا یہ شاندار مظاہرہ انجم علوی اور نمو کے ہونے والے سسر کے باہمی تعاون اور انڈر اسٹینڈنگ کا نتیجہ تھا۔

نمو ساڑھے آٹھ بجے سیلون سے تیار ہو کر ہوٹل پہنچ گئی تھی۔ اس کی دو تین کلاس فیلوز دوپہر ہی سے اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔ تینوں میں صرف ایک شادی شدہ تھی جو نمو کو وقفے وقفے سے کامیاب شادی کے کچھ چٹکلے کچھ فارمولے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جس پر غیر شادی شدہ سہیلی نے سخت اعتراض کر کے نمو کے دل کو وہم میں ڈال دیا

کہ شادی کبھی فارمولوں اور تکنیک سے کامیاب نہیں ہوتی۔ بس (Luck) کی بات ہوتی ہے۔

ولید کی طرف سے تو دل پہلے ہی سہما ہوا تھا جب اس کی کلاس فیلو اور دوست نے یہ کہا کہ کوئی شادی ایک مہینہ بھی نہیں چلتی، کوئی تین، چار سال چلتی ہے۔ کوئی آٹھ نو سال۔ کبھی کبھی تو بیس سال بعد بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ جس پر دنیا کو سب سے زیادہ حیرت ہوتی ہے۔

نمو کی دوست کا مقصد نمو کو ڈرانا نہیں تھا۔ فارمولوں کو مسترد کرنا تھا۔ وہ ہوٹل کے اس کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی جو دلہن کے لیے مخصوص تھا۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ نکاح کے لیے آ گئے تھے۔ انجم علوی اور سبرینہ ہمراہ تھے۔ نکاح خواں نے پہلے اجازت طلب کی پھر نکاح پڑھانا شروع کیا۔

"بیٹی نعمت بنتِ ابرار علی آپ کو بعوض پچاس لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت معجل ولید کمال بن سالار حسین کے عقد میں دیا۔ کیا آپ کو قبول ہے؟" تین مرتبہ الفاظ دہرانے کے بعد نمو کی طرف سے "قبول ہے" سننے کے لیے ہر موجود شخص کی سماعت منتظر تھی۔

اور نمو کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مہلت ملی ہے۔ ایک لفظ منہ سے نکالتے ہی کوئی ان دیکھی خوابیدہ قیامتیں جاگ پڑیں گی۔

"بیٹی ذرا بلند آواز سے...... تاکہ موجود لوگ سن لیں۔" اس کی خاموشی سے نکاح خواں کو گمان ہوا کہ شاید اس نے اظہارِ قبولیت بہت آہستہ آواز میں کیا ہے۔

"نمو بیٹا! بولا بیٹا......" سبرینہ کو اس کی خاموشی پریشان کرنے لگی۔ یہ خاموشی سمجھ سے بالاتر تھی۔

اس لیے کہ کئی ماہ مانگنی رہی تھی۔ ولید کمال یا اس کی فیملی سے متعلق نمو نے کبھی کوئی منفی تاثر نہیں دیا تھا۔ اس رشتے پر نمو کی رضامندی حاصل کی گئی تھی۔

"نمو...... بیٹا!" انجم علوی ایک صاحب کو معذرت کے ساتھ ہٹا کر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

نمو جیسے کسی سحر سے ایک دم باہر آئی اور ہڑبڑا کر بولی ''جی...... جی......'' سبرینہ کو اگرچہ کچھ اُلجھن سی تو ہوئی مگر نمو کے جی نے پرسکون سا کر دیا۔ آگے بڑھ کر انہوں نے نمو کو گلے سے لگایا۔ اس کی پیشانی چومی...... مبارک باد دی اور اس شعر کے مصداق کہ

کون رویا ہے کسی اور کی خاطر اے دوست
سب کو اپنی ہی کسی بات پہ رونا آیا

خوشی کے ان لمحوں میں اکلوتا عزیز از جان بیٹا ٹوٹ کر یاد آیا۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکیں اور بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''سبرینہ...... کیا کر رہی ہو۔ پلیز! نمو پریشان ہو جائے گی۔'' انجم علوی نے سبرینہ کا شانہ دبا کر سنجیدگی سے کہا۔

ان کی اپنی حالت یہ تھی کہ اندر سے غم کی انتہا نے ریزہ ریزہ کیا ہوا تھا۔

تھری پیس ڈنر سوٹ۔ چہرے پر بڑا امن فضل ربی کی چمک...... شہر بھر کی جیٹری دوسرے شہروں سے اسپیشلی شادی میں شرکت کے لیے آئے ہوئے کاروباری وغیر کاروباری پرانے دوست ان کے ہمراہ ان کی جوان اولادیں۔ ہجوم شہر یاراں کے درمیان کوئی شہر یار۔ غریب الوطن کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ دل و ذہن کے ان گنت وزن سے جھانک کر اپنی یادیں جگا رہا تھا۔ جوان جنازے کو بڈھے کاندھے پر دیکھ کر کسی نے اُسے دنیا کا سب سے بڑا بوجھ کہا تھا۔ جس کی ذات کا جزو، جس کے جگر کا ٹکڑا، جس کی کل جمع پونجی ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل گئی ہو۔

کوئی اس کے سینے کے خاموش ماتم محسوس کرے تو اسے جذبہ غم کا عرفان حاصل ہو جائے۔ ہر سختی کرنے والے باپ کی نیت اصلاح ہوتی ہے۔ اُسے اُمید ہوتی ہے اس کی اولاد اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اس کا مان رکھے گی اور باپ اس پر پہلے سے زیادہ شفیق و مہربان ہو جائے گا۔ اپنی غلطی پر اصرار کرنے والی اولاد سے زیادہ کوئی ماں باپ کا دل نہیں دُکھاتا۔ انہوں نے دکھ کی شدید لہر کو دبا کر بڑے ضبط و وقار سے سبرینہ کو نمو سے جدا کیا اور نمو کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

آنسوؤں کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں آنکھوں میں سرخی اترنے لگی تھی۔

سبرینہ نے نڈھال انداز میں انجم علوی کے شانے سے سر ٹکا دیا۔ تمام موجود لوگ تسلیاں دلاسے دینے لگے۔ نمو غم کی شدتوں سے نڈھال بے آواز رو رہی تھی۔

''سبرینہ بری بات...... اتنا نہیں روتے۔ خوشی کا موقع ہے۔'' کسی رشتے دار خاتون نے سبرینہ کو ٹوکا اور آگے بڑھ کر اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا اور صوفے کی طرف بڑھیں۔

''اِدھر بیٹھو...... پانی پیو۔ یہ تو تمہاری بڑائی ہے کہ تم نے بھانجی کو اولاد کی طرح پالا اس کے جانے کا دکھ کر رہی ہو۔ مگر بیٹی پرایا دھن ہے۔ بادشاہوں نے نہیں بٹھائیں۔ بلکہ شکرانے کے نفل ادا کرنا چاہئیں کہ اللہ نے ذمہ داری نباہنے اور پوری طرح ادا کرنے کا موقع دیا۔'' وہ خاتون سبرینہ کو بٹھا کر بہت اپنائیت سے سمجھا رہی تھیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں مہر آپا...... آپ......'' سبرینہ کا بھرم بن گیا۔ تشکرانہ گویا ہوئیں

''ارے بھئی! لڑکیاں کہاں ہیں۔ چلو بھئی دلہن کو ہال میں بٹھاؤ۔'' کسی خاتون کی صدا گونجی۔ نکاح خواں اور مرد حضرات انجم علوی سمیت باہر جا چکے تھے۔

☆☆☆☆☆

رمیض شام ڈھلے ہی واپس آ گیا تھا۔ گیٹ اسی ضعیف العمر ملازم نے کھولا تھا اور بنا کوئی بات کیے اسے اندر آنے دیا تھا۔

رمیض سیدھا اپنے ٹھکانے پر چلا گیا تھا۔ بائیک چلا چلا کر اس کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ دھول مٹی کی باقاعدہ تہہ سارے وجود پر جم چکی تھی۔

نہا کر جو سویا تو رات گیارہ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ آنکھ کھلتے ہی اسے خیال آیا کوئی کھانا لے کر آیا نہ کھانے کے لیے بلانے آیا۔ دور دور تک ایک لامتناہی سناٹا تھا۔

وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اُٹھا اور محتاط انداز میں چلتا ہوا سوئچ بورڈ تک پہنچا۔ لائٹ جلائی...... تیزی روشنی پھیلتے ہی آنکھیں چندھیانے لگیں۔ اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ انٹر کام یا گھنٹی سے نظر نہیں آئی۔ صبح اس

کی توجہ نہیں گئی تھی۔

اس کمرے میں ٹھہرنے والے ہر مہمان کا حشر میری ہی طرح کا ہوتا ہوگا؟ اس نے کوفت سے سوچا اسی لمحے دروازے پر بہت نازک سی ٹک ٹک ہوئی جیسے کوئی انگوٹھی سے دستک دے رہا ہو۔ وہ ایک ڈگ بھر کر دروازے تک پہنچا اور دروازہ کھول دیا۔

تیز زرد رنگ کے خوش وضع لباس میں نشاط افزا کھڑی تھی۔ رمیض اسے دیکھ کر یوں پیچھے ہٹا گویا کسی خوفناک شے سے بچ رہا ہو۔ نشاط افزا خاموشی سے اندر آ گئی مگر زیادہ آگے نہیں بڑھی۔ دروازے سے قریب ہی کھڑی تھی۔ رمیض ایک بت کی طرح پوری آنکھیں کھولے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے اس روز میرا پیچھا کیا تھا؟'' اس کے تیور کڑے تھے۔ اندازِ نظر شاہانہ اور پرجلال تھا۔ رمیض نے آہستگی سے نظریں جھکا لیں۔ جواب میں مکمل خاموشی تھی۔

''ایک عام سی شکل کی لڑکی اکیلی ہو تو لوگ اسے گھر کے دروازے تک چھوڑنا اپنا قومی اور اخلاقی فرض سمجھتے ہیں اور لڑکیاں اس پر پھولی نہیں ماتیں کہ لوگ ان کے قدموں میں دل رکھتے ہیں۔ مگر میں وہ لڑکی نہیں ہوں جو کسی مرد کی مہربانی و توجہ کی محتاج ہو۔ سیدھی سی بات ہے بے مثال حسن کے ساتھ دنیا میں آئی ہوں۔ لوگ مجھے دیکھیں گے تو پھر کسے دیکھیں گے؟ لڑکیاں ہوں یا خواتین مجھے دیکھتے ہی سہم جاتی ہیں۔ خوف سے پیلی پڑنے لگتی ہیں لیکن میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ بھی آ گئے پیچھا کرتے ہوئے ایک من گھڑت داستان دادا کو سنا کر یہاں دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔

شیم شیم...... کتنا بودا کتنا کمزور ہو جاتا ہے ایک مرد جب ایک عورت کے پیچھے خوار ہوتا ہے۔ دادا ایک فنکشن میں گئی ہوئی ہیں۔ برائے مہربانی فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیے۔'' نشاط افزا نے چٹکی بجا کر بڑی شانِ استغناء سے اسے نکال جانے کا اشارا کیا۔

''میں نے دادا سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں واقعی بے گھر ہوں۔ وہ ہٹ میرا نہیں میرے والد صاحب کا ہے۔ اب مجھے وہاں مزید رہنے کی اجازت نہیں ہے۔''

رمیض کو اس کے ایک تواتر کے ساتھ بولنے کے دوران اوسان جمع کرنے کا موقع مل گیا

بڑی سنجیدگی، صفا گوئی سے کام کیا تھا۔

''ارے باپ کا مال تو سب کو ہر صورت جائز و حلال ہوتا ہے۔ آپ کے ہاں باپ بیٹے میں ''تیرا میرا'' ہوتا ہے؟ کمال ہے...... بڑی نئی بات سنی ہے۔ ویسے جب کوئی باپ اپنے بیٹے کو بے دخل کرتا ہے تو کوئی بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ کیا کیا تھا آپ نے؟'' نشاط افزا کے لہجے میں غضب کی کاٹ تھی۔ وہ براہِ راست رمیض کو دیکھ رہی تھی۔ رمیض زندگی میں شاید پہلی مرتبہ سچ مچ سہم گیا تھا۔

''میں صبح کو یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' رمیض نے اس کا سوال یکسر نظر انداز کر کے اپنی بات کی۔

''ہاں آپ کو چلے جانا چاہیے۔ جس بیٹے پر سگا باپ اعتبار نہ کرے وہ تو نہایت ہی ناقابلِ اعتبار ہے۔'' نشاط افزا کے اندازِ گفتگو میں صاف گوئی اور سختی بہت واضح محسوس ہوتی تھی۔ جیسے اسے مصلحت و ڈپلومیسی کا شعور ہی نہ ہو۔ نشاط افزا کے ظالمانہ جملے نے جیسے اسے بات کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔

صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ وہ اشارے میں بھی کھانے پینے کی بات کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

''اصل میں آپ کو ساری حقیقت معلوم نہیں اس لیے آپ یا کوئی بھی x.y.z اسی طرح بات کرے گا لیکن میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کل صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آپ ایزی فیل کریں۔'' رمیض نے اپنے جوتے کی ٹو سے ٹائل کی گھسائی کرتے ہوئے سنجیدہ اور غمزدہ انداز میں کہا۔

''آپ مجھے وہ سب کچھ بتا دیں جو آپ کے دل میں ہے۔'' دادا نے تو آپ کے احسانات کو مانتے ہوئے اپنی طبیعت کے خلاف آپ کے ساتھ مہربانی کر ہی ڈالی ہے۔ نشاط افزا بات کرتے رُکی جیسے سانس لے رہی ہو۔ رمیض یوں سانس روکے سن رہا تھا جیسے عدالت میں فیصلہ سنائے جانے کے وقت مجرم کی جان سولی پر ٹنگی ہوتی ہے۔

''دادا تو شاید اب کبھی آپ کو یہاں سے جانے کا حکم نہ دیں اس لیے کہ انہیں

آپ سے ہمدردی ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ آپ ایک نہایت ظالم باپ کے بیٹے ہیں۔ مگر...... میں کسی پر بھی آسانی سے بھروسہ نہیں کرتی اور چاہتی ہوں کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' بولتے بولتے نشاط افزا کا لہجہ انتہائی بے مروّت اور سفاک ہو گیا۔

رمیض نے ساری زندگی میں اپنی مردانہ وجاہت وحسن کی اتنی توہین ہوتے نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ ریڈ پولوشرٹ اور بلیک جینز میں اے کلاس ماڈل دکھائی دے رہا تھا جو شوٹ کے لیے ریڈی ہو۔

یہی تو وہ جمالِ باکمال تھا جس کی وجہ سے پری چہرہ دوشیزائیں اس کے گرد پروانہ وار منڈلاتی تھیں اور اسی وجہ سے تو آج وہ معتوب اور بے گھر وٹھکانہ تھا۔

یہ لڑکی ہے یا قومِ جنہ سے آئی ہوئی جنوں کی ملکہ۔ سنا ہے جنات میں بھی حسن پایا جاتا ہے۔ اسی لیے بچوں کو جن کے بجائے بھوت سے زیادہ ڈر لگتا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہے لڑکی بہت اسٹرونگ ہے۔ یہ اسے بہرحال تسلیم کرنا پڑا۔

''میں یہاں سے کل ہی چلا جاؤں گا۔ اتنا ذلیل ہو کر کہیں رہنے سے بہتر ہے کہ بندہ فٹ پاتھ پر سو جائے۔'' رمیض نے اپنے حساب سے بڑی خودداری کا مظاہرہ کیا۔

''بالکل ٹھیک...... وہ مرد ہی کیا جو سہارے تلاش کرتا پھرے۔''

''بابا آپ کے لیے کھانا لے کر آ رہے ہیں۔ کھانا کھا کر سو جائیں اور صبح جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہاں سے چلے جائیں۔ مجھ سے یا دادا سے ملنے ملانے کا تکلف کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔''

اتنا کہہ کر نشاط افزا جھپاک سے باہر نکل گئی۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی بازگشت کی صورت میں کمرے میں موجود تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کا اندھیرا پھیلتے ہی نیا کی جان سولی پر لٹک گئی تھی۔ مہرالنساء نے ڈنر پر بہت اہتمام کیا تھا۔ کئی دنوں بعد ان کا بیٹا ان کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ وہ بہو بھی موجود تھی

جس نے ان کی زندگی میں اُمیدوں کے دیے روشن کیے تھے۔

مگر نیا کے حلق سے نوالہ نہیں اُتر رہا تھا۔ مہرالنساء کی فرمائش پر اس نے اس وقت چمکدار بھرپور سرخ رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی میچنگ کی جیولری جس کے موتی نگ کا وزن ملا کر تقریباً پچیس تولے کا وزن بنتا تھا۔

سہیل راؤ سلک کے کرتے شلوار میں ملبوس تھے۔ سلور گرے کلر میں بہت خوبصورت سی چمک تھی۔ مخدوم عبدالرب نے بھی بہت اہتمام سے لباس زیب تن کیا تھا۔ ان کی خاص پگڑی میں سبز رنگ کا بڑا سا زمرد جگمگا رہا تھا۔

ڈائننگ کا ماحول بہت پرشکوہ اور شاہانہ لگ رہا تھا۔ چار نوکرانیاں کھانا کھلانے کی ذمہ داری پر مامور تھیں جن کی سربراہ مہرالنساء کی منہ چڑھی پوپری تھی۔

سہیل نے مخدوم عبدالرب کو زمینوں اور مقدمات کی بات چھیڑ کر ہر طرف سے ان کا ذہن بڑی کامیابی سے ہٹا دیا تھا۔ نیا عروسی تیاری میں حشر اُٹھا رہی تھی۔ مگر سہیل نے اسے ایک نظر کی توجہ بھی نہیں دی تھی۔ نہ وہ دیکھنا چاہتے تھے نہ نیا ہی ان کی نظر کی طالب تھی۔

ایک لمحے کے لیے اس کا ذہن شاداب کی طرف سے نہیں ہٹا تھا۔ حالانکہ سہ پہر سے اب تک حویلی میں اس کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔ مگر کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ دل میں بولتے ہیں ان کا قریب یا سامنے ہونا ضروری نہیں۔

''اماں...... کس سوچ میں ہے؟ کب سے پلیٹ میں دو نوالے رکھے بیٹھی ہے۔ تو مہمان ہے؟ گھر ہے تیرا...... میں پیچھے ہوتی ہوں اب تو تو مالکن ہے۔ شاباس...... ٹھیک سے مانی کھا۔'' مہرالنساء نے بیٹے کی موجودگی میں ''اضافی'' چونچلے کیے۔

ماں کے اتنے پیار بھرے لہجے پر سہیل نے ایک غیرارادی نظر نیا پر ڈالی تھی۔ اس کا بجھا بجھا فکرمند چہرہ انہیں ڈسٹرب کر گیا۔ ان کا اپنا ذہن فوراً شاداب کی طرف چلا گیا۔ انہوں نے بے اختیار بلا ارادہ اپنی ریسٹ واچ پر نظر دوڑائی تھی۔

مہرالنساء نے بھنے ہوئے بٹیر کے دو ٹکڑے نیا کی پلیٹ میں ڈالے اور دوسری قاب

اُٹھانے لگیں۔

"اماں...... بس...... یہ بہت ہیں۔" نیا نے فوراً ہاتھ اُٹھا کر انہیں روکا۔

جوان چھوکری ہے بڈھوں کی طرح مانی (روٹی) کھاتی ہے۔ یہ مچھی (مچھلی) دیکھ میٹھے پانی کی ایک دم تازہ......" نیا کے روکنے کے باوجود انہوں نے فش کباب کا بڑا سا ٹکڑا اس کی پلیٹ میں رکھ دیا۔ نیا بڑی بے بسی سے اپنی پلیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔

رسم ورواج کے مطابق سہیل ماں باپ کے سامنے بیوی کو براہِ راست اصرار کر کے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود خاموش رہے۔ اس لیے کہ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ شاداب کی وجہ سے وہ اتنی ڈسٹرب ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اس پر مستزاد وہ بھی اس پر پھٹ پڑے تھے اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے جو بے نقط سنائی تھیں اس وقت نیا فطری طور پر ردِعمل کر رہی ہے۔

نیا نے ایک طرح سے زہر مار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی وقت ایک کونے میں رکھے قیمتی فون سوٹ پر گھنٹی بجنے لگی تھی۔ گھنٹی شروع ہوتے ہی ایک مستعد خادمہ فون کی طرف دوڑی تھی۔

فون کی گھنٹی تھی کہ "بگل حشر" نیا کی تو جیسے روح پرواز کرنے لگی۔ اس نے گھبرا کر سہیل کی طرف دیکھا تھا۔ خادمہ نے فون ریسیو کر لیا تھا۔

"اوتو ابھی مانی کھاتی ہے...... آپ اپنا نام بولو......"

خادمہ کا یہ جملہ سنتے ہی نیا نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور سہیل کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کے بعد بے ہوش ہو جائے گی۔

"کس کا ٹیلی فون ہے سمن؟" مخدوم عبدالرب نے بے نیازی سے نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سائیں کنوار کے بھرا (بھائی) کا فون ہے۔ بولتا ہے بات کراؤ روٹی مانی چھوڑ۔" سمن نے بڑی سادگی سے خبر پہنچائی۔ گویا وہیں سے بارود اُڑایا۔

سہیل ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک کاٹتی ہوئی نظر نیا پر ڈالی تھی۔ مخدوم

عبدالرب اپنی جگہ سے جیسے اُچھل پڑے تھے۔

مہرالنساء نے پلیٹ ایک طرف کھسکائی اور کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئیں۔

"سہیل تو اِدھر بیٹھ میں بات کرتی ہوں۔ اس چھوکرے کی اتنی ہمت حویلی میں فون "بجاتا" ہے۔" وہ غیض وغضب میں بھری ہوئی سہیل کی طرف بڑھیں جو فون سیٹ کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"پلیز...... بی بی جان! مجھے بات کرنے دیں۔ آپ غصے میں بات خراب کر دیں گی۔"

"سہیل ٹھیک بولتا ہے مہرو...... اسے بات کرنے دے۔" مخدوم عبدالرب نے بھی بڑی متانت سے بحیثیت سربراہ ایمرجنسی سچویشن کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔

مہرالنساء رُک تو گئیں اپنی بات پر اصرار بھی نہیں کیا مگر ردِعمل کرنے کے لیے اتنی زیادہ بے تاب تھیں کہ غیرارادی طور پر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھا کر پھر پیچھے ہٹا لیتی تھیں۔ سہیل نے صرف ہیلو کہا تھا اور شاداب کی بات پر متوجہ ہو گئے تھے۔

نیا دم سادھے بیٹھی تھی۔ جان سے پیارا بھائی سر پر کفن باندھ گیا تھا یا آ رہا تھا۔

"میں اوطاق کھلواتا ہوں آپ اُدھر بیٹھیں میں تھوڑی دیر میں آپ سے ملتا ہوں۔" سہیل بہت وقار اور تحمل سے بات کر رہے تھے اور اتنا کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا اور پلٹ کر نیا کی طرف دیکھا تھا۔

مہرالنساء بغور سہیل کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ریسیور رکھتے ہی پھٹ پڑیں۔

"وہ چھوکرا حویلی میں پیر نہیں رکھے گا...... سنا؟"

"وہ چھوکرا نہیں ہے بی بی جان...... نیا کا بھائی ہے۔ آپ نے نیا کا میرے ساتھ نکاح کیا ہے اسے خریدا نہیں ہے میرے لیے۔ نیا کا ہر رشتہ دار حویلی آ سکتا ہے۔" سہیل نے ایک نگاہِ غلط نیا پر ڈال کر قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"اُس چھوکرے کی وجہ سے میرا بلڈ پریشر چڑھ جائے گا۔ فالج گر جائے گا میرے اُوپر" مہرالنساء نے اعلیٰ درجہ کا فساد برپا کیا۔ جو شہر کو اُکسانے کا آخری حربہ تھا۔

سہیل نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے انٹرکام کا بٹن پش کر کے باہر ملازم کو اوطاق کھولنے کا حکم دیا اور ریسیور رکھ کر باپ سے مخاطب ہوئے۔

’’بابا جان! بی بی جان کو سمجھائیں آپ ہی سمجھا سکتے ہیں۔ باقی سب مر چکے ہیں جو ان کو سمجھا سکتے تھے۔‘‘ سہیل بحیثیت انسان اب برداشت کی تمام حدود کراس کر چکے تھے۔

’’مخدوم صاحب! یہ میرے کو سمجھانے کو بولتا ہے آپ اسے سمجھائیں۔ اسے اوطاق میں جانے سے روکیں۔ وہ چھوکرا ہتھیار لے کر گھومتا ہے۔‘‘ اب مہرالنساء کے انداز میں واویلا نہیں خوف تھا۔

’’آسرا کر مہرو...... وہ جو باہر تیرے نمک حلال بیٹھے ہیں وہ بھی ہتھیار سے خالی نہیں ہوتے۔ وہ پستول سے گولی نہیں چلاتے پورا راؤنڈ چلاتے ہیں۔ گن مشین بولتے ہیں اس کو۔‘‘ مخدوم عبدالرب کے انداز میں وقار و ٹھہراؤ اور سکون تھا۔

نیا میں تو جیسے ایک دم کوئی طاقت ور جن اُتر گیا۔ وہ سہیل کی طرف تیزی سے بڑھی اور ان کے سامنے اس طرح کھڑی ہوگئی کہ اب وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے تھے۔ اس نے حشر ساماں نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

’’میرا بھائی کم عمر، کم عقل اور بے سرمایہ کمزور بچہ ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا تو اسی حویلی میں جان دے دوں گی۔ اسی بھائی کو بچانے کے لیے میں نے پھانسی کی کال کوٹھڑی قبول کی تھی۔‘‘

’’کچھ نہیں ہوگا نیا...... ہم بھی اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ وہ نقصان کے سودے کرے اور ہم اسے تعاون کا ماحول فراہم کریں۔‘‘

’’ارے واہ...... اس کو بھائی کی اتنی فکر ہے۔ میرا بھی تو ایک ہی ایک بیٹا ہے۔ مخدوم صاحب کچھ بولیں۔‘‘ مہرالنساء کی تو درحقیقت جان پر بنی تھی۔ ان کا بیٹا ایک سر پھرے دشمن کے سامنے جانے کے لیے تیار تھا۔

مخدوم صاحب اُٹھ کر سہیل کے قریب آئے۔

’’سہیل! تو یہیں بیٹھ۔ ہم خود بات کرتے ہیں اس سے......‘‘

’’نہیں...... نہیں...... سہیل! آپ جائیں پلیز۔ آپ اسے کنٹرول کر سکتے ہیں۔‘‘ نیا ہراساں ہو کر بے اختیار سہیل کا بازو تھام کر بولی۔

’’نہیں جاتا یہ...... میرے بیٹے کے لیے تو پستول لے کر آیا ہوگا۔‘‘ مہرالنساء بھرپور مزاحمت کر رہی تھیں۔

’’بی بی جان! آپ سمجھیں۔ اس کی بہن حویلی کے اندر ہے باہر پندرہ بیس نوکروں کے پاس ہتھیار ہیں۔ وہ اکیلا ہے کچھ نہیں کرے گا۔ ہمیں اس کی بات سننے دیں۔‘‘

’’آرام سے مہرو...... کیوں پریشان ہوتی ہے۔ وہ چھوکرا تو اس وقت ہمارے بس میں ہے۔ ہماری بستی، ہمارا گھر، ہماری زمین...... وہ عقل والا ہوتا تو اِدھر آتا ہی کیوں؟ شاباس (شاباش) آرام سے......‘‘ مخدوم عبدالرب نے اپنے مخصوص انداز میں مہرالنساء کو کنٹرول کیا۔ جس پر نیا کو بھی قدرے اطمینان ہوا وہ چاہتی تھی سہیل موقع پر موجود رہیں۔

مہرالنساء کا موڈ انتہائی خراب ہو چکا تھا۔ سارے لاڈ پیار چونچلے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ انہوں نے کڑے تیور کے ساتھ نیا کی طرف دیکھا جو پتھر کے بت کی طرح ساکت ایک جگہ ایستادہ تھی۔ پھر زور سے خادمہ کو آواز دی۔

’’پوپری...... مائی تو زہر ہوئی۔ میرے واسطے بادام والا کھیر (دودھ) لا...... گرم گرم کھوپڑی میں ہانڈی پکتی ہے۔‘‘

اپنے دلی تاثرات نیا کے کان میں اُتارے بغیر انہیں چین کیسے آ سکتا تھا۔ کیوں کہ سب کچھ اس کے ’’بھائی‘‘ کی وجہ ہی سے ہو رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف گئیں تو نیا نے لاؤنج کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وقت ٹھہر گیا تھا اور سوچ بھی سفر سے گریزاں ایک سنگِ میل پر ٹھہری ہوئی تھی کہ کیا ہوگا؟

☆☆☆☆☆

سہیل اور مخدوم عبدالرب اوطاق میں پہنچے تو شاداب بڑے اضطراری انداز میں

ٹہل رہا تھا۔ وہ بالکل سیاہ لباس میں تھا۔ بلیک جینز ٹی شرٹ میں اس کا دراز قد اور مضبوط جسم بہت نمایاں تھا۔

اس نے دونوں باپ بیٹے کو اوطاق میں داخل ہوئے دیکھا تو ایک جگہ پر رُک گیا۔ اس کی آنکھوں میں خفگی انداز میں بدلحاظی تھی۔ اس نے سلام کا تکلف بھی نہیں کیا۔ چہرہ دوسری طرف موڑ کر ان کی طرف سے بات شروع ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

مخدوم عبدالرب نے کچھ کہنا چاہا سہیل نے ان کا ہاتھ دبا کر گویا خاموش رہنے کی درخواست کی اور شاداب سے مخاطب ہوئے۔

"السلام علیکم! ان کے سلام کرنے پر مخدوم عبدالرب نے خفگی سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ شاداب سلام کے جواب میں خاموش رہا۔ مخدوم عبدالرب کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔ بااختیار و مقتدر کو سلام کا جواب نہیں ملا تھا۔ مذاق بات نہیں تھی۔

"آپ نے اتنی دور آنے کی زحمت کی۔ میں پوچھ سکتا ہوں کیوں؟" سہیل نے بہت نرمی اور وقار سے بات کی۔ البتہ شاداب کو بیٹھنے کے لیے پھر بھی نہیں کہا۔

"اپنی بہن کو لینے آیا ہوں اور انہی سے یہاں آنے اور رُکنے اور گھر والوں سے جھوٹ بولنے کی وجہ بھی پوچھوں گا۔"

"ابا...... وہ عاقل بالغ ہے۔" مخدوم عبدالرب بھڑک اُٹھے اور بولنے لگے۔

سہیل نے ان کا ہاتھ دبایا اور باپ کی بات کاٹ کر بولے "دیکھیں۔ آپ اگر کسی کی جان و عزت کی ضمانت دیتے ہیں تو آپ کی بات مانی جاسکتی ہے۔ نیا آپ کے ساتھ اسی وقت جاسکتی ہیں مگر چونکہ آپ ایک Extremist (انتہا پسند) کے طور پر سامنے آئے ہیں اس لیے کوئی خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔"

"آپ ہوتے کون ہیں؟ وہ میری سگی بہن ہے۔ ہم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ وہ آپ کی نہیں میری ذمہ داری ہیں۔"

مخدوم عبدالرب ضبط کی انتہا پر کانپنے لگے۔ انہی کی اوطاق میں ایک بے حیثیت چھوکرا ان کی اور ان کے وارث کی توہین کر رہا تھا۔

"تیری ذمہ داری...... بے غیرت انسان...... بہن کی محنت مزدوری پر پل رہا ہے اور اسی لیے اسے لینے آیا ہے۔ آسرا کر سب کچھ تیری ماں کو گھر بیٹھے مل جائے گا۔ سیدھا ہو اور اپنے گھر کی طرف منہ کر...... شاباس......" مخدوم عبدالرب اب سہیل کی ہدایات پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

شاداب کا یہ کہنا کہ "آپ ہوتے کون ہیں" چاروں طرف آگ لگا گیا تھا۔

"مگر ہمارا اصلی مال تو آپ کی حویلی میں ہے۔ میری بہن...... میری عزت......"

"جب غیر عورت پر ہتھیار اُٹھاتا ہے تو سوچتا ہے یہ بھی کسی کی عزت ہے؟ غرق ہو ادھر سے......" مخدوم عبدالرب پوری آواز سے دھاڑے۔ انہوں نے شاداب کا جملہ مکمل ہونے نہیں دیا تھا۔

"اس وقت بھی ہماری عزت پر حملہ ہو رہا تھا۔" شاداب نے بے خوفی سے بڑے غصے سے مخدوم عبدالرب کی طرف گھورا۔

"شاداب بات کچھ بھی نہیں ہے۔ ابھی سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔ نیا آپ کے پاس بخیریت بحفاظت پہنچ جائیں گی۔" سہیل نے شاداب کو پرسکون کر کے وہاں سے چلے جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

"اب تو نہیں جاتی۔ آ گیا ہے تو بتا دو اسے حقیقت۔ سن چھوکرے......" مخدوم عبدالرب نے کڑے تیور کے ساتھ شاداب کو مخاطب کیا جوان کی بات پر قہر برساتی نظروں سے اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ شوٹ کر ڈالے۔

"تیرا اب بہن پر کوئی حق نہیں ہے۔ اب اس پر صرف میرے بیٹے سہیل کا حق ہے۔ اس کی ذال (بیوی) ہے۔ زمین جائیداد مہر میں لکھی ہے مفت میں نہیں اُٹھائی ہے۔ اتنا مہر تو آج تک ہماری برادری کی چھوکری کا نہیں لکھا گیا۔"

"بہن کی کمائی کھاتا ہے تو بہن کی فکر ہے۔ فکر ہوتی تو اس کی شادی کرتا۔ بڈھی کر رہا ہے۔ سمن کے ساتھ کی ہے وہ...... تم ماں بیٹے نے ابھی تک اس کی شادی کیوں نہیں کی تھی۔ دھی بیٹی اتنی دیر تک گھر میں بٹھاتے ہیں؟" شاداب پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی

سہیل کو، کبھی مخدوم عبدالرب کو دیکھتا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو اس نے سنا ہے وہ ٹھیک سنا ہے یا سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

سہیل رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑے تھے۔ بات ہی ختم ہو گئی تھی۔ مخدوم صاحب نے کہنے کے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اب تو آگے کنواں پیچھے کھائی والی بات تھی۔ وہ تو قیامت تک بھی نیا کو اپنانے کا نہیں سوچ سکتے تھے اور مخدوم عبدالرب کی انا اور شاہانہ طبع نے آناً فاناً کبھی نہ کٹنے والا ایک جال بن دیا تھا۔

''آپ کے والد صاحب کیا فرما رہے ہیں سہیل بھائی؟'' شاداب تحیر و دکھ کے سمندر میں غوطہ لگا کر اُبھرا۔ ناقابلِ یقین بات سن کر آخری اُمید سہیل کی گواہی تھی۔

''اس سے کیا پوچھتا ہے ہماری بات کا اعتبار نہیں۔ ہمیں کیا تجھ سے ڈر ہے جو جھوٹ بولیں۔'' مخدوم صاحب کے جواب پر شاداب نے اب بہت غور سے دونوں باپ بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس کی انا پر وہ ضرب کاری لگی تھی کہ جوانی کا سارا مان، جوش، غرور ریت کے ذروں کی طرح بکھر گیا تھا۔

''ہم تو بہت پست، بہت چھوٹے لوگ ہیں۔ ہماری تو کوئی عزت ہی نہیں۔ پھر آپ نے میری بہن کو تخت پر کیوں بٹھا دیا۔'' اس نے بہت پرسکون اور ٹھہرے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''ہم تیری باتوں کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں۔ بس یہ سمجھ لے تیری بے وقوفی نے تیری بہن کا مقدر چمکا دیا۔ اب تو سیدھا اپنے گھر کا رستہ لے اور آئندہ اس حویلی میں پاؤں مت رکھنا۔''

پھر سہیل سے بولے ''سہیل! اسے بول کہ فوراً یہاں سے چلا جائے۔ تیری ماں کی حالت خراب ہو رہی ہوگی۔ ہم اس کے پاس جاتے ہیں۔''

اتنا کہہ کر مخدوم صاحب اوطاق سے باہر چلے گئے۔ شاداب کے قریب سے گزرتے ہوئے انہوں نے شاداب پر ایک نظر ڈالنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ ان

کے چرمی جوتوں کی چرچراہٹ آہستہ آہستہ معدوم ہوئی تو شاداب نے سہیل کی طرف دیکھا۔ پھر زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

''آپا آپ کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ آپ میں جاگیرداروں والی کوئی بات نہیں ہے۔ بہت منصف مزاج اور روشن خیال ہیں بر کلے میں تعلیم حاصل کی ہے۔ مگر آپ نے ظلم کا ساتھ دے کر اپنی جاگیرداری پر اسٹیمپ لگوالی۔ واہ...... اور اپنی بیوی کی دوست ہی......''

''بس خاموش ہو جاؤ شاداب...... نہ جانے کتنے لوگ تمہارے پاگل پن کی وجہ سے اب ساری زندگی خوشیوں کو ترسیں گے۔ تمہاری زندگی بچانے کے لیے تمہاری بہن نے اپنی ساری زندگی رہن رکھ دی ہے۔'' اتنا کہہ کر سہیل نے بڑی غضبناک نگاہوں سے شاداب کی طرف دیکھا۔

''سر پھرے، کم عقل لڑکے! بااختیار لوگوں سے اُلجھ کر ٹرائی نہیں ملتی۔ سمندر میں سمندر اُترے گا تو سیلاب آئے گا۔ کوئی ندی نہر سمندر میں گرتی ہے تو پتہ بھی نہیں چلتا۔''

''مجھے آپا سے ملنا ہے...... آخری بار۔ آج کے بعد وہ میری شکل بھی نہیں دیکھیں گی۔'' شاداب نے چند لمحے کی گہری سوچ کے بعد سر اُٹھا کر سرد اور بے تاثر لہجے میں سہیل سے کہا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابھی میرے باپ والے اختیارات میرے پاس نہیں۔ اختیار میرے پاس ہوتا تو نیا حویلی میں نظر ہی نہیں آ سکتی تھی۔''

یہ سن کر شاداب نے پھر سر جھکا لیا اور جوتے کی ٹو سے کارپٹ گھسنے لگا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ پھر دونوں ہاتھ اپنی پشت پر باندھ کر سر اُٹھایا۔

''آپا سے کہیے گا خوب دوستی نبا ہی...... آپا اور سمن کی دوستی زندہ باد۔ ساری دنیا کچھ دنوں بعد یہ نعرہ لگا رہی ہوگی۔ اگر آپ نے یہ سب کچھ میری جاں بخشی کے لیے کیا ہے تو دل چاہ رہا ہے خودکشی کر کے ان کا یہ احسان اُتار دوں۔ مگر یہ سرینڈر رہوگا اور میں آخری سانس تک مقابلہ کرنے کا قائل ہوں۔'' سہیل اس کی طرف بغور دیکھ

رہے تھے اور وہ بڑی بے باکی و شعلہ نگاہی سے براہِ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کر رہا تھا۔

سہیل بھی نظر نہیں چرا رہے تھے۔ ان کے اندر اسی طرح شعلے بھڑک رہے تھے جس طرح شاداب آگ کے گھیراؤ میں تھا۔

اسی کی وجہ سے ان کی محبت کی زندگی میں مکمل گرہن آیا تھا۔ خیال ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔ شاداب نے خود ہی اپنی نظر کا زاویہ بدلا اور آہستہ قدموں سے اوطاق سے نکل گیا۔ سہیل قریب پڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے جیسے ان کے اعصاب قوت کھو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

نمو نے سر اُٹھا کر وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے دو بج رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے اس کی چار نندوں نے کمرہ چھوڑا تھا۔ اتنی زیادہ خوش نظر آ رہی تھیں کہ نمو کو حیرت ہی تھی کہ لے پالک بھائی کی خوشی پر وہ اتنی نہال ہیں۔ چاروں شادی شدہ تھیں۔ جتنی دیر وہ کمرے میں رہیں مختلف ایج گروپ کے بچے بھی آ کر ماؤں کو تنگ کرتے رہے۔ پھر وہ باری باری بچوں کو سلانے لٹانے بھی گئیں مگر جلد ہی واپس بھی آ گئیں۔

نمو کی ساس نے نمو کا چہرہ دیکھ کر جس طرح بچوں کی طرح تالیاں بجا کر اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا تھا وہ نظارہ قابل دید تھا۔ حاضرین نے بہت انجوائے کیا تھا۔ چند ضروری رسموں کے دوران ولید کمال اس کے پہلو میں رہا پھر جو غائب ہوا تو ابھی تک اس کی جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی۔

سارے خوشیوں بھرے ہنگاموں کے دوران ایک مرتبہ بھی خوشی کی کوئی ایسی لہر اندر نہ اُبھری کہ اسے بھی یقین آتا کہ اس کی زندگی میں واقعی خوشی کے لمحات آئے ہیں۔ ولید کمال کا سنجیدہ ڈپریسڈ لہجہ حافظے میں یوں چکراتا گویا سرسبز باغ میں بگولے اُٹھ رہے ہوں۔

طرح طرح کے وہم اس کی خوشی خاک میں ملا رہے تھے۔ اسے یقین سا ہو چلا کہ

ولید کمال اس سے کبھی خوشگوار باتیں نہیں کرے گا۔

ایک آہِ سرد سی سینے سے آزاد ہوئی اور عین اسی لمحے ولید کمال نے کمرے میں قدم رکھا۔ نمو کا دل زور سے دھڑکا اور ہتھیلیوں میں پسینہ اُتر آیا۔ نگاہ اُٹھانے کی تاب نہ تھی بس اس کی بلیک پینٹ تک نظر کی رسائی تھی۔ چند لمحے کھٹر پٹر کی آوازیں آئیں جیسے کچھ ٹیبل پر رکھ رہا ہو۔ اتنی دیر تک وہ پسینے میں بھیگ گئی۔

ایک لڑکی کا اوّلین احساس کہ کوئی اس پر اختیار حاصل کر کے اس کے ساتھ تنہا ہے اسے وقتی طور پر بدحواس کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ بھی نمو جیسی دقیانوسی شرمائی، گھبرائی سی لڑکی۔ جسے ولید کمال کا وہ اوّلین لمس نہیں بھولتا تھا جب میڈم عالیہ اسے اغوا کرنے کے درپے تھی اور وہ اسے اس شیطانیہ سے بچا رہا تھا۔

ولید کمال اب بیڈ کے قریب آ چکا تھا۔ نمو نے محض بدحواسی میں بے اختیار نظر اُٹھائی تھی۔ فوراً ہی جھکا لی تھی۔ وہ آہستگی سے اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم!" اس کی بھاری آواز نے بیکراں سکوت میں ہلچل مچائی۔ ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

نمو اتنی حواس باختہ ہو رہی تھی کہ اس نے جھٹ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ولید کمال نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر ہاتھ چھوڑا نہیں اسی طرح مضبوطی سے تھامے رہا۔ اس کی گرم جوش نظریں نمو کے چہرے پر طواف کر رہی تھیں۔

"کتنی خوبصورت لگ رہی ہو نمو...... حالانکہ میں نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا مجھے بہت خوبصورت بیوی کی تمنا نہیں۔ مگر میری محبت نے تمہیں اتنا خوبصورت بنا دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ امی نے جب مجھے بتایا کہ لڑکی گوری نہیں ہے نمکین سی ہے تو میں نے کہا تھا ہاں مجھے بھی ڈیکوریشن پیس نہیں چاہیے۔" اتنا کہہ کر ولید کمال رُکا اور اس نے ایک مرتبہ پھر نمو کا ہاتھ بڑی گرم جوشی سے دبایا۔

"لیکن جب تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو خوفزدہ ہو گیا کہ یہ لڑکی اتنی اٹریکٹو ہے کہ چھپا کر رکھنا پڑے گا۔ یہ تو میگنیٹ ہے...... مائی گاڈ۔"

نمو پر اس کے سراہنے سے بہت خوبصورت احساسات کا غلبہ ہونے لگا۔ خوف و سراسیمگی کے جذبات ہلکے بادلوں کی طرح چھٹ گئے۔ اس نے دیر بعد کھل کر سانس لی۔ ولید کمال جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مخملی ڈبیہ نکال چکا تھا۔ اس کی نظریں نمو کی خالی اُنگلی کی متلاشی ہوئیں۔ یادگار تحفہ وصول کرنے کا احساس ہی بہت دل پذیر تھا۔

ولید کمال نے اس کی درمیانی اُنگلی سے ایک بڑے نگینے والی انگوٹھی اُتاری اور پھر ڈبیہ کھول کر وہائٹ گولڈ کی پنک ڈائمنڈ کی انگوٹھی نکالی۔ نمو کی نظر خود بخود انگوٹھی کی طرف اُٹھ گئی تھی۔ ولید کمال کی نظر نے نمو کی نظر کا سفر جانچ لیا تھا۔

''یہ اگرچہ ایک بہت قیمتی رِنگ ہے۔ مگر آپ کی پارسائی سے زیادہ قیمتی نہیں۔''

نمو کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا جیسے ریشم کی تار میں کوئی گرہ سی پڑی ہو۔ پارسائی کا ٹائٹل کبھی الفاظ میں نہیں دیا جاتا یا تو قبول کر لیا جاتا ہے یا مسترد۔ پارسائی بے وفائی کی بحث تو کسی حادثے کے بعد شروع ہوتی ہے۔

ولید کمال نے رِنگ اس کی اُنگلی میں پہنا دی پھر چند لمحے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے اچانک نظر اُٹھا کر نمو کا چہرہ دیکھا اور پھر آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اپنا کوٹ اُتارنے لگا۔ نمو کو کچھ محسوس ہو رہا تھا...... احساسات کی تبدیلی کو وہ اس عمیق تنہائی میں بہت اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔ انجانے خوف سے دل لرزنے لگا۔ یوں جیسے ولید کمال کوئی غضب ڈھانے والا ہو۔

ولید کمال نے کوٹ ایک طرف اُچھال دیا اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرنے لگا۔ نمو کی مجال نہیں تھی کہ اس کی طرف دیکھے۔

''ایک کانٹا سا اندر کھٹکتا ہے۔ اب یہ تمہاری صلاحیت کی پرکھ ہوگی کہ اس کانٹے کو کیسے نکالو گی۔'' وہ ٹائی اُتارتے ہوئے خودکلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ نمو بری طرح سہم گئی۔

''تمہارا وہ ''رنگیلا'' کزن...... ایک نمبر کا عیاش۔ بازاری عورتوں سے تعلق رکھنے والا...... تم اتنی اٹریکٹو ہو کہ کوئی جوان کا بچہ تمہیں اگنور کر ہی نہیں سکتا۔''

نمو نے اب خوف و وحشت سے آنکھیں پھاڑ کر بے اختیار ولید کمال کی طرف دیکھا تھا۔ سانس رُکنے لگی تھی۔ ولید کمال اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا اور شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا۔

''حالانکہ میرا دل سچ مچ تمہاری پارسائی کی گواہی دیتا ہے۔ مگر مجھے یہ جاننے کی جانے کیوں اتنی بے چینی ہے کہ تمہارے کزن نے تم پر جال پھینکنے کی بھی کوشش کی......؟ میں نے جب پہلی مرتبہ اسے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ اتنا حسن و جمال Manly Look (مردانہ وجاہت) لڑکیاں تو ایسے ہی شہزادوں کے خواب دیکھتی ہیں۔ تمہارے تو اپنے ہی گھر میں......''

''بس کیجیے۔ اس سے زیادہ شاید مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ مجھے میرے ماموں نے اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس لیے رمیض بھائی مجھے کبھی کزن فیل ہی نہیں ہوئے۔ کیا حسین مردوں کی بہنیں نہیں ہوتیں؟ بیٹیاں نہیں ہوتیں؟'' نمو درحقیقت پھٹ پڑی تھی۔ یہ سب کچھ انتہائی ناقابل برداشت تھا۔

''یہ تو تمہاری معصومیت ہے میں تو اس کی Attempt کی بات کر رہا ہوں۔'' ولید کمال نے اس کی بات ختم ہوتے ہی برجستہ مگر پرسکون انداز میں کہا۔

''آپ کی بھی چار بہنیں ہیں۔ چاروں کی چار بہت خوبصورت ہیں۔ آپ کا ان سے خون کا رشتہ نہیں ہے۔ مگر آپ انہیں بہنوں کی طرح ہی فیل کرتے ہیں۔ یہ بندے کی اپنی سوچ ہوتی ہے کہیں بھی لے جائے۔'' نمو کی انا پر ضربِ کاری پڑی تھی۔ ہر مصلحت کا زور ٹوٹنے لگا۔

''خوب یاد دلایا۔ حالانکہ میں بھولتا نہیں ہوں۔ میرا تو کوئی خون کا رشتہ ہی نہیں ہے۔'' وہ سر جھکا کر مراقبے میں چلا گیا۔

اور چند منٹ اسی طرح آنکھیں بند کیے ساکت بیٹھا رہا۔ پھر اسی طرح بند آنکھوں کے ساتھ خودکلامی کرنے لگا۔

''ہر عظیم خوشی اچانک کالے غبار میں لپٹ جاتی ہے۔ نمو کمرے کی ساری روشنیاں

بجھا دو۔ میرا مقدر سورج کی تخلیق سے پہلے لکھا گیا تھا۔ تم کہاں میرے ساتھ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاؤ گی۔“ نمو آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ خوف کی لہر خون منجمد کر رہی تھی۔

”نمو......!“ اس نے نمو کو یوں آواز دی جیسے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہو۔

”جی......؟“ خوف کی اضطراری کیفیت میں نمو کے منہ سے بے ساختہ ”جی“ نکل گیا تھا۔

”میں نے تمہیں آزاد کیا۔“ ولید کمال کی آواز گویا گہرے کنوئیں سے باہر آ رہی تھی۔ چھت سر پر آ گری تھی۔

نمو نے وحشت بھری نگاہوں سے مراقبے میں جھومتے ولید کمال کی طرف دیکھا اور بیڈ سے اُتر گئی۔ بھاری دوپٹہ دائیں بائیں سمیٹ کر اس نے گود میں بھرا اور دروازے کی طرف دوڑی۔

اس کے قدموں کی دھپ دھپ سے بھی ولید کمال کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

نمو نے دروازہ کھولتے ہوئے ایک مرتبہ پلٹ کر ولید کمال کی طرف دیکھا۔ پھر ہینڈل گھما کر دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکا۔ شادی کے قمقموں کی وجہ سے گھر کے کسی حصے میں بھی اندھیرا نہیں تھا۔ ہر طرف نگاہ جا سکتی تھی۔ ولید کمال کی بے خبری اسی طرح تھی۔

نمو دوپٹہ گود میں بھرے مدد کی تلاش میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ اب اس کے سامنے دو ہزار گز کی قطعہ اراضی پر بنا وسیع و عریض گھر تھا۔ کمرے سے باہر وسیع ہال نما لاؤنج تھا جہاں سے گھر میں اِدھر اُدھر جانے کے کئی راستے نظر آ رہے تھے۔

نمو ہال کے مرکز میں کھڑی ہو کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔ چند منٹوں ہی میں سارا جسم پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ خوب و بے پناہی کا احساس قیامت تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک بند دروازے تک پہنچی۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا سامنے ایک وسیع کاریڈور تھا جو دو راستے دکھا رہا تھا۔ ایک راستہ جو آگے جا رہا تھا دوسرا خوبصورت،

ریلنگ والا زینہ جو اُوپر جا رہا تھا نمو نے دروازہ بند کر دیا۔ شادی کی بھاگ دوڑ سے تھکے ہوئے نفوس گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے بے کراں سناٹے میں اسے اپنی سانس بھی شور کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے مختلف دروازے کھولے جو گھر میں جانے والی گزرگاہوں کی علامت تھی۔

پھر اس نے ہال کے آخری حصے میں بنے چکر دار زینے کی طرف دیکھا جو فرسٹ فلور پر جانے کا راستہ متعین کر رہا تھا۔

وہ زینے کی طرف بڑھی بھاری عروسی لباس قدم قدم مزاحمت کر رہا تھا۔ کتنی مرتبہ وہ اُلجھتے ہوئے لڑکھڑائی۔ اس نے زینہ طے کیا تو سامنے پھر ایک بڑا ہال تھا اور بارہ دری تھی۔ کس دروازے کے پیچھے کیا ہے؟ اب سوال یہ تھا۔

عین اسی لمحے ایک دروازہ کھلا......نمو کی شرم و خوف سے ٹانگیں کانپنے لگیں۔

دروازہ کھلتے ہی باہر آنے والا شخص ولید کمال کے والد تھے۔ منگنی کے بعد اور پہلے اس نے بس سرسری انہیں دیکھا تھا۔ وہ کبھی ہونے والے سسرالیوں کے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔ بس ممانی کے کہنے پر سلام کرنے ضرور جاتی تھی۔ البتہ اس کی نندیں اور ساس خود ہی اس کے پاس آ جاتی تھیں۔

منگنی کچھ زیادہ عرصے بھی نہیں چلی مہینوں میں شادی کی نوبت آ گئی۔

ولید کمال کے والد سعید کمال منگنی کے علاوہ دو مرتبہ ڈنر پر آئے مگر وہ سسرالیوں کی آمد پر ویسے ہی ہولائی بولائی پھرتی تھی اس نے کبھی بہت توجہ و غور سے ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

سعید کمال حیرت کے عذاب سے گزرتے اس کے قریب آ چکے تھے۔ شرم و خوف سے نمو کی بری حالت ہو رہی تھی۔

سعید کمال سفید کرتا شلوار میں ملبوس تھے۔ وہائٹ جالی کی ٹوپی اُن کے سر پر تھی۔ چمکتے دانوں کی سیاہ تسبیح ان کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ رات کے اس پہر عبادت کے حلیے میں نظر آنا اس بات کی علامت تھا کہ وہ شب بیدار، عبادت گزار ہیں اور تہجد کے وقت

اُٹھنے کے عادی ہیں۔

سعید کمال نے حیرت و پریشانی کے عالم میں نمو کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''بیٹا! آپ اس وقت یہاں؟ ولید کہاں ہے؟'' وہ حیرت پر قابو پا کر بڑی شفقت سے پوچھ رہے تھے۔

خوف و سراسیمگی کے عالم میں شفیق و مہربان لہجہ۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کیا بولے۔ کیا کہے..... کیا بتائے۔

سعید کمال اب پہلے سے زیادہ پریشان ہو گئے۔

''بیٹا! حوصلہ رکھو..... آپ اپنے گھر میں ہو۔ میں ولید کا باپ بعد میں پہلے آپ کا باپ ہوں۔ بیٹی بنا کر لائے ہیں ہم آپ کو۔ کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔''

نمو کی ہچکیاں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں اس کے باوجود کہ وہ بولنا چاہ رہی تھی۔

سعید کمال اسے چند لمحے فکرمندی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ پھر گہری سوچ میں پڑ گئے۔

چند لمحے بعد سر اُٹھا کر نمو کی طرف دیکھا اور بولے:

''آؤ بیٹا..... میرے ساتھ اپنے کمرے میں چلو۔ آؤ..... شاباش.....'' انہوں نے پدرانہ شفقت کے ساتھ اپنا بازو پھیلا کر نمو کو حصار میں لے لیا۔

نمو آنسوؤں کی دُھند ہتھیلیوں سے صاف کرتی ہچکیاں روکتی ان کے ساتھ زینے کی طرف بڑھی۔ دوپٹے کا ڈھیر اس کے ایک ہاتھ کے گھیرے میں تھا۔

سعید کمال نمو کی رفتار کے لحاظ سے قدم بڑھا رہے تھے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بھاری شرارے کے ساتھ وہ آسانی سے قدم نہیں بڑھا سکتی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے زینہ اُتر کر اس کے بیڈ روم کے دروازے تک پہنچے اور قدرے ہچکچاتے ہوئے دروازہ کھولا اور نمو کو اسی طرح بازو کے گھیرے میں لیے اندر داخل ہو گئے۔ ولید کمال بیڈ پر چت لیٹا چھت کی طرف گھور رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کے احساس پر اس نے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ نمو کو اپنے باپ کے ساتھ دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ نمو کی نظریں فوراً جھک گئی تھیں۔

''پاپا..... آپ..... آپ.....'' وہ قدرے سراسیمہ سا ہو کر کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا اور ساتھ ہی بیڈ سے اُتر رہا تھا۔

''یہ بیڈ روم سے باہر کیوں آئی ولید..... کیا کہا ہے تم نے.....؟ یہ کیوں پریشان ہے؟'' وہ قدرے خفگی اور سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

''پپ..... پتہ نہیں..... یہ کب باہر چلی گئی۔ میں سمجھا واش روم میں ہے۔'' ولید کمال اب کھڑا ہو چکا تھا اور بہت پریشانی میں نمو کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ کمرے سے باہر گئی اور تمہیں پتہ ہی نہیں چلا.....'' سعید کمال کے لہجے میں ہنوز خفگی کا تاثر تھا۔

''بائی گاڈ پاپا..... آپ اس سے پوچھ لیں۔ میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ بیڈ روم سے باہر جانے کو کیسے کہہ سکتا ہوں؟'' ولید کمال واقعی بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

''بولا بیٹا! کیا بات ہوئی تھی؟ ڈرنے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' سعید کمال نے شفقت سے نمو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''پتہ نہیں انہیں ایک دم کیا ہو گیا تھا۔ بولتے بولتے ایک دم گم ہو گئے آنکھیں بند ہو گئیں۔ کہنے لگے میں نے تمہیں آزاد کیا۔'' اتنا کہتے ہی نمو بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ سعید کمال تو یہ سن کر جیسے سکتے میں آ گئے۔ نمو کا یوں دھواں دھار رونا کوئی معنی رکھتا تھا۔ وہ چند لمحے ساکت سے ولید کمال کی طرف دیکھتے رہے جو اپنی جگہ حیران پریشان بے یقینی کی کیفیت میں نمو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ولید! کیا مذاق ہے؟ اگر یہ واقعی کوئی مذاق کیا گیا تھا تو یہ مذاق نہیں بڑی بے حسی ہے۔''

''پاپا.....! آپ یقین کریں۔'' ولید کمال نے صفائی پیش کرنے کے لیے الفاظ تلاش کیے۔

''پاپا.....! میں نمو سے اس طرح کی بات کیوں کروں گا۔ میں نے اس سے کسی کی زبردستی کی وجہ سے تو شادی نہیں کی ہے۔'' ولید کمال آنسو پونچھتی نمو کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا

تھا۔ نمو ہنوز اسی دھچکے کے زیر اثر تھی۔ اسے ولید کمال کی ہر بات جھوٹ اور ڈرامہ محسوس ہو رہی تھی۔

سعید کمال تذبذب میں پڑ گئے۔ ولید کے انداز میں انہیں سچائی مگر عجیب سی بے بسی نظر آئی تھی۔ ان کا ذہن ادھر اُدھر قلابازیاں کھانے لگا۔

وہ دو قدم آگے بڑھ کر ولید کمال کے مزید قریب ہوئے اور گہری گہری کئی سانسیں اندر کھینچی اور دبی زبان میں بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ لہجے میں خوف و تشویش کا تاثر غالب تھا۔

''تم نے کوئی نشہ آور چیز تو استعمال نہیں کی......؟''

''لاحول ولاقوۃ پاپا...... I hate Alchohal, I hate Drugs''

(میں نشہ سے نفرت کرتا ہوں۔ میں الکحول سے نفرت کرتا ہوں)

مجھے کسی بے ساکھی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اپنی محنت کی کمائی کچرے کے ڈھیر میں پھینکنا پسند نہیں۔

ولید کمال نے بری طرح بدک کر قدرے برا مان کر جواب دیا تھا۔

''شاباش...... مجھے یقین ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔ اس لیے کہ میں نے کبھی تمہیں فضول وقت یا پیسہ ضائع کرتے نہیں دیکھا۔

سعید کمال کے روم روم میں طمانیت دورہ کرنے لگی۔ انہوں نے ولید کمال کا شانہ دبا کر کہا تھا۔ مگر نمو پر نظر پڑتے ہی پھر کچھ یاد آ گیا۔

''تم نے اتنا خوفناک مذاق کیوں کیا...... آج پہلی رات ہے اس کی گھر میں...... اس سے پہلے یہ کبھی یہاں نہیں آئی۔ ابھی اس کے لیے سب کچھ نیا اور اجنبی ہے۔'' سعید کمال نے ناصحانہ انداز میں بات کی۔

''آئی ایم سوری پاپا...... ایسٹلی آج میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری روح میرے وجود کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ میں خود کو بے آواز خلاء میں محسوس کرتا ہوں۔ پاپا...... بالکل تنہا...... جھوٹے سچے ہر رشتے سے آزاد۔ ولید کمال کے

لہجے میں اتنا کرب و بے بسی تھی کہ نمو سب کچھ بھول بھال آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ سعید کمال جیسے رقیق القلب بندے پر جیسے ولید کے الفاظ انگارا بن کر گر رہے تھے۔

انہوں نے کمال حیرت، بے پناہ دکھ کے ساتھ اسے ایک دم سینے سے لگا لیا۔ بیٹا یہ تو کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔ مجھ سے کبھی شیئر کیا ہوتا تو میں تمہاری ٹریٹ منٹ شروع کرا دیتا۔ پتہ نہیں کب سے یہ عذاب بھگت رہے ہو۔ میرے خدایا اچھا اب تم آرام کرو۔ پھر بات کرتے ہیں اور کوئی حل نکالتے ہیں۔''

انہوں نے ولید کمال کو جیسے تسلی دی اور نمو کی طرف متوجہ ہوئے۔

''سوری بیٹا آپ کو بہت زحمت ہوئی۔ آپ بہت تھک چکی ہوں گی آرام کریں۔

ولید تم میرے ساتھ آؤ......''

وہ جاتے جاتے رک گئے اور ولید کمال سے کہا جو سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس نے چونک کر سعید کمال کی طرف دیکھا پھر نمو کی طرف...... چند لمحے کچھ سوچا اور سعید کمال کے عقب میں چل پڑا۔ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ دونوں میں سے کسی نے دروازہ بند کر دیا۔ نمو حیرت زدہ لب بستہ کھڑی تھی۔

☆☆☆☆☆

نیا کیسے سو سکتی تھی۔ کئی گھنٹے گزر چکے تھے وہ خواب گاہ میں تنہا تھی۔ مخدوم عبدالرب اور سہیل کے اوطاق میں جانے کے بعد واویلا کرتی مہر النساء بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں وہ کسی ردِعمل کے انتظار میں کافی دیر لاؤنج میں رہی دو گھنٹے گزر گئے کچھ سامنے نہ آیا۔

خادمائیں بھی سونے چلی گئیں۔ سہیل بھی نظر نہ آئے۔ مخدوم عبدالرب تو بیرونی زینے سے اپنی خواب گاہ میں چلے جاتے تھے۔

شاداب ایک قیامت تھا۔ کچھ تو ضرور ہوا ہوگا۔ یہ سوچتے ہی دل بیٹھ جاتا تھا۔ بالآخر وہ لاؤنج سے اُٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ آتے ہی بھاری زیورات اور کپڑے وجود سے الگ کیے۔ اپنے گھر سے جو سادہ کپڑے پہن کر نکلی تھی وہی پہن لیے۔

وضو کیا عشاء کی نماز پڑھی۔ دو نفل برائے مشکل کشا بھی پڑھ ڈالے۔ دیر تک تسبیح بھی پڑھی۔ گھنٹوں گزر گئے مگر کوئی ذی نفس آس پاس محسوس نہ ہوا۔

تھک کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

اندیشوں واہموں نے نیند ویران کر دی تھی۔ سونے کی خواہش ہی فنا ہو گئی۔ بار بار بس شاداب کا چہرہ سامنے آ جاتا تھا۔

سہیل کا سامنے نہ آنا بہت معنی خیز تھا اور خوفناک اندیشوں کی بنیاد بنا تھا۔

انتظار کی حد ہو گئی۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ بستر سے اُتر کر دیوانہ وار پھر لاؤنج میں آ گئی۔ دن کا سماں پیدا کرنے والی تیز روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ صرف اندھیرے کا احساس ختم کرنے والی مدھم روشنیاں دور تک نظر آ رہی تھیں۔ وہ لاؤنج پار کر کے حویلی کے بالکل بیرونی حصے کی طرف نکل آئی۔ حویلی سے بڑا حویلی کا باغ تھا۔ چہار سو پھیلی ہوئی رات لگتا تھا پھول بھی سو رہے ہیں۔ صبح کی آہٹ سے پہلے آنکھیں نہیں کھولیں گے۔ وسیع و عریض پارکنگ ایریا میں مختلف کاریں اور لگژری جیپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ پارکنگ ایریا کے بالکل آغاز میں شیر نما دو کتے بندھے ہوئے تھے۔ نا کے آگے قدم بڑھاتے ہی انہوں نے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔

کتوں کی آواز پر اُونگھتا ہوا گن مین اپنے کیبن سے فوراً باہر آ گیا اور گن مشین کو یوں تھام لیا جیسے نشانہ باندھ رہا ہو۔ ساتھ ہی وہ ایک حاضر دماغ جاسوس کی طرح اطراف میں نظر دوڑا رہا تھا اور پھر اس نے سادہ کپڑوں اور جیولری میک اپ سے آزاد نیا کو دیکھ لیا اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

نیا بلا کسی رد و کد کے اس کے قریب آئی۔ گن مین بدحواس سا ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ نیا اس کے قریب ہوئی تو اس نے پہچان لیا اور گن زمین پر رکھ کر سلیوٹ کے انداز میں سلام کیا۔ حویلی کے ملازمین بات کرنے میں پہل نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ مالک کی بات سننے کا انتظار کرتے تھے۔ وہ ڈمی کی طرح کھڑا ہو گیا اور نظریں جھکا لیں۔

''وہ کیا نام ہے تمہارا......؟'' نیا نے جیسے بمشکل پوچھا تھا۔

''میر بخش مالکن......'' روبوٹ کے انداز میں جواب ملا۔

''ہاں......وہ میر بخش...... آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ایک مہمان لڑکا اوطاق میں آیا تھا۔ تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟'' نیا نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ واپس شہر چلا گیا مالکن زیادہ نہیں رُکا تھا۔'' اسی انداز میں جواب ملا۔

''واپس...... واپس چلا گیا...... ٹھیک ٹھاک...... خیریت سے ناں؟'' نیا کے اندیشے جان نہیں چھوڑ رہے تھے۔

''بالکل خیریت سے۔ سواری تو اس کے پاس نہیں تھی۔ بس کے اڈے تک جانے میں بہت مشکل ہوئی ہوگی...... پیدل ہی گیا ہوگا بے چارا......'' گن مین اتنا کہہ کر مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

نیا نے بے کراں تاریکی میں دور تک نظر دوڑائی۔ پارکنگ میں کھڑی شاندار گاڑیوں کی طرف نظر دوڑائی۔ جیسے کلیجہ پھٹ گیا۔ اس کا پیارا بھائی اتنا قریب آ کر شاید ہمیشہ کے لیے اس سے بہت دور جا چکا تھا۔

بہرحال یہ جان کر سکون تو ملا تھا کہ سب خیریت رہی اور وہ حویلی کی حدود سے باہر جا چکا ہے۔ اس نے ایک نظر گارڈ پر ڈالی اور آہستگی سے پلٹ گئی۔

☆☆☆☆☆

سہیل گیسٹ روم میں دراز اپنے سیل پر سمن سے باتیں کر رہے تھے۔ نیا پر شدید غصہ آ رہا تھا اس خوف سے کہ کچھ اُلٹی سیدھی بات منہ سے نہ نکل جائے اور نیا مزید کسی نئی مصیبت میں نہ پڑ جائے وہ گیسٹ روم میں آ گئے تھے کہ نیا سے سامنا ہی نہ ہو۔

شاداب کی آمد نے روح کے اندر عذاب اُتار دیے تھے۔ وہ سمن کی میٹھی دل پذیر مدھم سروں جیسی آواز سن کر ان سے نجات کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔

''رات کے اس پہر تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ میں صرف تمہارا ہوں۔'' وہ بہت آہستہ آواز میں کہہ رہے تھے۔

''آپ کی محبت تو میرا اسٹیمنا ہے سہیل۔ ایک حادثہ درمیان میں آنے کے بعد تو

یوں لگ رہا ہے کہ ہمارے رومینس کا ایکشن ری پلے چل پڑا ہے۔'' سمن یہ کہہ کر کھلکھلائی۔

سہیل کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں سی بجیں وہ ایک دم تازہ دم ہو گئے۔ دنیا کی ساری مکروہات پس پردہ چلی گئیں۔

''میری جان ہے سمن...... اور میری جان کی دشمن بھی......'' وہ بہت پیار سے بولے۔

''دشمن......؟'' سمن اٹھلائی۔

''تو اور کیا...... سمن ہے تو زندگی ہے۔ اس کے بغیر زندگی کیا ہے۔''

''سہیل بس کریں۔ ایسی باتیں کریں گے تو انتظار بہت تکلیف دہ ہو جائے گا۔'' وہ بڑے ناز سے بولی۔

''صرف اپنی فکر ہے۔ میرا خیال نہیں کہ تیری میٹھی آواز سن کر کتنا بے آرام ہو جاؤں گا۔ تو پھر صبح آ جائیں۔''

''صبح...... ہاں ٹرائی بیسٹ کروں گا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے نکلوں گا تو تمہارے پاس ہی آؤں گا۔ راستے میں کوئی پڑاؤ نہیں حویلی سے باہر بس سیدھی منزل ہے۔'' وہ محبت سے لبریز لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے اب آپ سو جائیں تا کہ صبح اُٹھ کر وہاں سے نکلنے کی ترکیب سوچیں۔'' سمن نے شوخی سے کہا۔

''او۔کے...... گڈ نائٹ۔'' انہوں نے سمن کے خیال میں کھوئے کھوئے مسکراتے ہوئے سیل آف کر دیا۔

رابطہ منقطع ہوتے ہی خواب گاہ میں اکیلی نیا کی طرف فوراً ذہن نے قلابازی لگائی۔ It none of my bisiness (یہ میرا مسئلہ نہیں) انہوں نے خوبصورت احساس کے درمیان نیا کا تصور یوں محسوس کیا گویا انجانے میں کانٹوں بھری شاخ پکڑ لی ہو۔

☆☆☆☆☆

پھوپھو وہ رمیض ایک دن آیا تھا۔ آپ کا پوچھا پھر یہ بھی پوچھا کہ کب تک آئیں گی اور بڑا اُداس سا ہو کر واپس چلا گیا۔ مجھے تو لگ رہا ہے آج سے پچاس سال پہلے کی سنیل دت اور سادھنا کی لو اسٹوری Based کوئی فل چل پڑی ہے۔ ماہ رُخ شرارت سے کہہ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ مومنہ کے بیگ سے نکالے ہوئے کپڑے بھی اُٹھا رہی تھی۔

''سلی گرل...... اس کی عمر دیکھو اور میری عمر دیکھو۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ تو مجھے پھوپھو کہہ رہا تھا۔'' مومنہ نے جیسے اپنی یادداشت پر زور دیا۔

''جی نہیں۔ وہ مجھ سے آپ کی پھوپھو کہہ کر بات کرتے تھے جناب...... میں تب ہی کھٹک گئی تھی کہ وہ صاحب مجھے کیوں احساس دلا رہے ہیں کہ آپ صرف میری پھوپھو ہیں۔'' ماہ رُخ ہنوز شرارت سے بولی۔

''پٹ جاؤ گی مجھ سے...... اتنا خوبصورت جوان لڑکا اسے کوئی لڑکیوں کی کمی ہے۔ مجھ پر کیوں فدا ہونے لگا۔ اگر دل پھینک ہی ہے تو پہلے تیر آزمائی کرتا۔ ویسے ہی آ گیا ہو گا خیر خیریت پوچھنے۔'' مومنہ ٹہل ٹہل کر اپنے چہرے کا مساج کر رہی تھی۔ ایک گھنٹہ پہلے ہی اسلام آباد سے کراچی پہنچی تھی۔ رات کے پہلے پہر اس نے ماہ رُخ کو ایئرپورٹ آنے سے منع کر دیا تھا اور کیب (CAB) میں آ گئی تھی۔

''وہ تو ہیرو لُک (Look) لڑکا ہے۔ جہاں سے گزرتا ہو گا پتہ نہیں کتنی کھڑے کھڑے گر جاتی ہوں گی۔'' مومنہ ٹہلتے ٹہلتے رُکی اور ہنستے ہوئے بولی۔

''اور ایک پتے کی بات بھی نوٹ کر لو ایسے حسین و جمیل لڑکے اکثر بہت فلرٹی بھی ہوتے ہیں۔ گراتے بہت ہیں اُٹھاتے ایک بھی نہیں۔ مومنہ نے چہرے پر اُنگلیوں کو تیزی سے حرکت دیتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''خیر چھوڑو...... بہرحال میرا تو محسن ہے ہمیشہ یاد رکھو گی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں البتہ تم شاید بھول گئی ہو کہ کل تمہیں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے میں نائٹ کوچ سے آئی ہوں۔ ورنہ صبح دس بجے کی سیٹ بھی مل رہی تھی۔'' مومنہ کو بہت اہم بات یاد آ گئی تو ماحول میں خود بخود سنجیدگی اُترنے لگی۔

"مجھے یاد تھا پھوپھو...... مگر اچھا کیا آپ آ گئیں۔" ماہ رُخ کے انداز بھی بدل گئے قدرے افسردہ نظر آئی۔

"دیکھو ایسی کاروائی کے دوران بندہ ڈانواں ڈول بھی ہو جاتا ہے۔ ہارنے والا کمپرومائز پر بھی اُتر آتا ہے۔ مگر تم خود کو اچھی طرح سمجھا لینا کہ اس ظالم سے کسی بھی صورت میں کمپرومائز نہیں کرنا ہے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" ماہ رُخ نے مومنہ کی بات کاٹ دی۔

"ذلتوں کے اندھیرے میں دھکیلنے والے خون کے رشتوں کو اجنبی بنا دینے والے کو میں اتنا پرسکون کر دوں۔"

"شاباش...... یہی مضبوطی چاہیے۔ ظلم کا احساس دلانے کے لیے اور اپنا حق چھیننے کے لیے" مومنہ نے بے اختیار اس کا رُخسار چوم لیا۔

"اور روبی سے ملاقات وغیرہ ہوتی ہے۔" ظلم کا ذکر ہو اور روبی کا دھیان نہ آئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔

"بہت ہی بے وقوف ہے یہ روبی...... مجھے بڑا ترس آتا ہے اس پر...... وہ تو Expect

روبی کا تصور کرتے ہوئے ماہ رُخ کے ہونٹوں پر اُداس سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر ایک دم سنبھل کر دھیرے سے ہنسی۔

"آج کل ریگولر میرا ناشتہ بنا رہی ہے۔"

"اوہ نو...... یہ تو بڑا تھرلنگ ہے اور ناقابل یقین۔ ایک ظالم شخص کی دو بیویاں پکی سہیلیاں" مومنہ نے اب کچن کی طرف قدم بڑھائے۔ شاید پانی پینے جا رہی تھی۔

"دو بیویاں......" ماہ رُخ کے سینے سے ایک آہ سرد نکلی۔

اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی شاید اس نے سچائی سے نہیں چاہا۔

☆☆☆☆☆

"جی...... جی...... برنی صاحب...... مجھے یاد ہے میں صبح دس بجے تک کورٹ پہنچ

جاؤں گا۔" پھر دوسری طرف کی بات سن کر سیل آف کر دیا۔

"اپنا سب کچھ خیرات کر دوں گا ماہ رُخ...... مگر تجھے ایک کوڑی نہیں دوں گا۔ دھوکہ کرتی ہے اور پھر حق مانگتی ہے...... ہونہہ"

نفرت کے اثر سے جیسے اس کی سانسیں بھی زہریلی ہو گئیں۔

"کل کے بعد میری کوئی پیشی نہیں ہو گی۔ میں اسی ہفتے ہمیشہ کے لیے یہ سرزمین چھوڑ دوں گا۔ البتہ روبی کو مسلسل ناک کرتا رہوں گا۔" وقار نے چھت کی طرف دیکھ کر گہری سانس لی۔ اسے ایک دن میری محبت اور سچائی پر یقین آ جائے گا۔

وقار سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں یقین و اعتماد کا عکس تھا۔

☆☆☆☆☆

صبح سویرے ہی رمیض کی آنکھ کھل گئی تھی اور آنکھ کھلتے ہی اسے پہلا خیال آیا کہ رات اسے صبح صبح یہاں سے چلے جانے کا آرڈر دیا گیا تھا۔

"بڑی احسان فراموش ہے یہ ظالم حسینہ۔ لے جاتے پکڑ کر اس دن اور کرتے اس کا حشر نشر تو پتہ چلتا......"

اب اس پر جانے کی بلکہ نکل بھاگنے کی عجلت سوار ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ خونخوار لڑکی آ کر مزید ذلیل کر ڈالے۔

اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی ضروری چیزیں سمیٹنا شروع کیں۔ خیال آیا اس کا ایک میلا سوٹ واش روم میں ہے۔ بھاگ کر واش روم میں گیا۔ ٹی شرٹ اُتاری پھر جینز اُسے فوراً ہی محسوس ہوا کہ جینز کچھ وزنی سی ہو رہی ہے۔ اس نے دونوں پاکٹ دونوں ہاتھوں سے دبائیں تو واقعی ایک پاکٹ میں کچھ سخت چیز محسوس ہوئی اس نے بے پناہ تجسس کے ساتھ پاکٹ کے اندر ہاتھ ڈالا اور دل نے جیسے سینے کی دیوار توڑنے کے لیے زور لگایا۔ اس کے ہاتھوں نے نوٹوں کے پیکٹ کو فوراً جانچ لیا تھا۔

اس نے پیکٹ نکالا تو جیسے ہر شے گول گول گھومنے لگی۔

ہزار مالیت کے نئے نوٹوں کا پیکٹ تھا یعنی پورے ایک لاکھ روپے۔ رمیض نے

اپنے بازو میں چٹکی کاٹی کہ خواب تو نہیں دیکھ رہا اور پھر دوبارہ آنکھیں پھاڑ کر پیکٹ دیکھا۔ دوسری مرتبہ میں اسے ایک کاغذ بھی نظر آ گیا جو ایک چٹ کی صورت میں ربڑ بینڈ سے پیکٹ پر چپکا دیا گیا تھا۔

اس نے ربڑ بینڈ کھینچ کر چٹ نکالی۔ جلدی میں لکھی گئی تحریر سامنے تھی۔

''آپ کے احسان کا بدلہ...... اگرچہ کہ بہت معمولی ہے۔ کیونکہ احسان کا بدلہ تو بندہ دے ہی نہیں سکتا۔ جتنی جلدی ممکن ہو اس گھر سے چلے جائیں۔ نشاط افزاء''

رمیض نے چٹ کو بہت غور سے دیکھا اور پھر دوبارہ پڑھ کر پرزہ پرزہ کر دی اور نوٹوں کا پیکٹ پینٹ کی جیب میں ٹھونس لیا۔

''چلو...... مزدوری سمجھ کر رکھ لیتے ہیں۔ چوری ڈاکے سے تو بہتر ہے۔'' اس نے خود کو بہلایا...... کہ اس وقت تو بہت نازک دور سے گزر رہا تھا اور سوچ رہا تھا پھر جا کر عمیر یا سعد کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

بہر حال کرارے نوٹوں کی گرمی لہو میں اُتر گئی تھی۔ ذہن میں دور دور تک سکون تھا اس نے یہاں سے نکل کر گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کی پلاننگ شروع کر دی۔

یہ لڑکی مجھے پاگل لگتی ہے...... اور ان فٹ ہونے کی وجہ سے ہی ابھی تک ان میرڈ (غیر شادی شدہ) ہے ورنہ اتنی حسن لڑکی کو کون چھوڑتا ہے۔

کہیں پہلے مل گئی ہوتی تو میں چھوڑتا...... ممی کو لے کر فوراً دادا کے پاس پہنچتا۔ بات منوانے کے لیے مین گیٹ پر بیٹھ جاتا بھوک ہڑتال کرتا۔

خیر...... مجھے تو اسپین سیٹل ہونے کی پلاننگ کرنا ہے۔ پتہ نہیں وہ گھڑ سوار ''پھوپھو'' کراچی تشریف لائیں یا نہیں۔ اب ایک ہی تو ٹارگٹ ہے۔ باقی کچھ بھی نہیں زندگی میں۔

اس نے کمرے سے نکلنے سے پہلے کمرے میں الوداعی نظر دوڑائی۔

چلو آج صبح ٹپ دے کر ناشتہ کرتے ہیں کہیں۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ نئے نوٹوں کے پیکٹ میں بہت توانائی ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

شاداب ...... قدر کرنا چاہیے تمہیں اس بہن کی جس نے تم پر اپنی زندگی اپنی خوشیاں قربان کر دیں۔ بانو بیگم شیر کی طرح بپھرے ہوئے بیٹے کو بمشکل سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں جو غصے کی شدت سے ذہنی توازن کھو رہا تھا۔

ٹھیک ہے آپا اُس وقت مجبور ہو گئی تھیں جب حویلی سے واپس یہاں آ گئی تھیں۔

تب انہوں نے سب کچھ کیوں نہیں بتایا...... کیوں چھپایا مجھ سے۔

اس لیے کہ تم ہر وقت مرنے مارنے کے لیے تیار رہتے ہو اور کسی کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ عتیقہ جو بہت پریشان سی کمرے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی ماں بیٹے کا بحث مباحثہ سن رہی تھی بولتی ہوئی باہر آ گئی۔

''صرف تمہیں زندہ دیکھنے کے لیے ہم سب یہ مشکلیں اُٹھانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ بات اتنی بڑھی ہوئی نہیں تھی۔ سہیل بہت خاموشی سے مناسب موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سن کے علاوہ کسی بھی دوسری عورت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔'' بانو بیگم اب خفا خفا انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''تم فضول میں اتنا ہنگامہ کر کے آ گئے۔ آپا نے آ جانا تھا دو چار روز میں۔'' عتیقہ نے بھی فوراً گرہ لگائی۔

''بے وقوف بنایا جا رہا ہے آپ لوگوں کو...... اگر یہ سب کچھ محض ڈرامہ ہے تو مخدوم سہیل اپنی بیوی کو کراچی میں اکیلا چھوڑ کر حویلی میں کیوں بیٹھے ہیں۔ پتہ نہیں کب ہوش آئے گا آپ لوگوں کو۔'' بولتے بولتے آخری جملہ شاداب نے بڑبڑاہٹ کی صورت ادا کیا۔

''ہاں تو ان کے ماں باپ نے بلایا ہوگا۔'' بانو بیگم نے اسی طرح خفگی سے جواب دیا۔

''میرے خدایا...... کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو......؟'' شاداب نے جیسے اپنے بال نوچ ڈالے۔

''عیاشیوں کے ''اڈے'' پر بیٹی پہنچی ہوئی ہے آپ کی اور آپ کا اطمینان

دیکھیے۔'' وہ بمشکل سانس کو کنٹرول کر کے بولا۔ شدتِ غضب سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

''اطمینان کی وجہ حویلی کے لوگ نہیں ہیں میری اپنی بیٹی ہے۔'' میری بیٹی کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولتی۔

''امی...... امی...... آپا جیسی بے حیثیت لڑکی کو وہ کیوں اتنی عزت دے رہے ہیں جس کے بھائی کو وہ جان سے مار دینے کا جذبہ رکھتے تھے۔ آپ کیوں سمجھنا نہیں چاہ رہیں۔ انہوں نے مجھے مینٹل ٹارچر دینے کے لیے یہ سب پلان کیا ہوگا۔''

''اتنے اہم نہیں ہو تم کہ وہ عمر بھر تمہیں ہی فوکس کیے رہیں...... تمہی کو سوچتے رہیں۔'' عقیقہ سے برداشت نہیں ہوا ایک دم چیخ کر بولی۔

''تم کون سا ان کی کھڑی فصلیں جلا رہے ہو...... مال کا نقصان کر رہے ہو۔'' وہ مزید بولی۔ اور اپنے لیے ایک کپ چائے بنانے کی نیت سے کچن میں چلی گئی۔ اس کا سر درد کرنے لگا۔

''اچھا آئیڈیا ہے۔ سرمایہ دار، لینڈ لارڈ سارے وسائل پر قبضہ کر کے دولت کا Flow اپنی طرف رکھیں گے تو ہم عنقریب ایسا ہی کریں گے۔ اگر ہم نے کسی کی فصلیں جلانے کا آغاز کیا تو سب سے پہلے مخدوم عبدالرب کی فصلوں کو آگ لگائیں گے۔ مگر پہلے آپا کو تو وہاں سے نکال کر لے آؤں۔ پھر بتاتا ہوں ان کو...... بھائی کی جان بچا کر بڑا احسان کیا ہے ناں انہوں نے...... ان کا احسان بھی تو اُتارنا ہے۔'' وہ ایک دم پلٹ کر پاؤں پٹختا ہوا باہر کی طرف چلا گیا۔

بانو بیگم لب بستہ کھڑی تھیں۔ خیال بے ربط الفاظ گم ہو چکے تھے۔ باہر بائیک اسٹارٹ ہوئی تو وہ چونک پڑیں۔ بڑی بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

نمو کی فجر سے کچھ پہلے آنکھ خود بخود لگ گئی تھی۔ جس حلیے حال میں تھی اسی طرح سو گئی تھی۔ اس وقت تک ولید کمال کمرے میں نہیں آیا تھا۔

مگر وہ اس وقت چونک کر جاگ پڑی تھی کیوں کہ اس نے گہری نیند میں محسوس کیا کہ دو مردانہ ہاتھ اسے چھو رہے تھے۔ اس کی جیولری اُتار رہے تھے۔

وہ بری طرح ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ ولید کمال اس کی طرف دیکھنے سے احتراز کر رہا تھا اور بڑی تندہی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ نمو کے بیٹھتے ہی اس نے بھاری دوپٹہ کھینچا تو نمو اپنی جگہ سے اُچھل کر دوسری طرف آ پڑی اور اس نے بدحواسی اور بوکھلاہٹ میں ولید کے بڑھے ہوئے ہاتھ روکے اور خوفزدہ سی ہو کر دوپٹے کی پنیں نکالنے لگی۔ ولید کمال معاملہ سمجھ کر بڑے صبر سے پنیں نکالنے کا منظر دیکھنے لگا۔

نمو نے پنیں نکال کر دوپٹہ جسم سے الگ کیا تو ولید کمال نے اس کے ہاتھ سے لے کر گٹھڑی بنا کر دور صوفے پر اُچھال دیا...... اور اس کے گلے میں پڑے زیورات اُتارنے لگا۔

انداز میں بڑی وحشت وعجلت تھی۔ نمو کا خوف سے خون خشک ہو رہا تھا۔ وہ ڈر کے مارے اس کی طرف دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی۔

ولید کمال نے تمام زیور اُتار کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ نمو سہمی سکڑی بیٹھی تھی جیسے بکری چھری پھرنے کے لیے تیار ہو۔

ولید کمال بیڈ سے اُترا...... نئی صبح کی چمکدار کرنیں کمرے میں اُتری ہوئی تھیں۔ ولید کمال نے پہلے رات سے روشن برقی روشنیاں گل کیں پھر گہرے نیلے پردے دریچوں پر پھیلا دیے۔ کمرے میں اب نیلگوں روشنی پھیل گئی تھی۔ ماحول ایک دم خوابناک ہو گیا تھا۔

نمو کی حالت غیر سے غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ولید کمال دوبارہ بیڈ پر بیٹھ چکا تھا۔

''گھر میں بیوی لانے کے بعد دیکھنا ہوتا ہے یہ عورت بیوی ہونا Deserve بھی کرتی ہے یا نہیں۔'' ولید کمال کا برٹ لہجہ اور ظالم سرگوشی نمو کے اعصاب منجمد کرنے لگی۔

ایک پارسا دوشیزہ کے پندار کا شیشہ ریزہ ریزہ کر دیا گیا تھا۔

نیا کی آنکھ ایک کھٹکے سے کھلی تھی۔ سہیل وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال رہے

تھے۔ نیا ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند بمشکل آئی تھی بہت دیر سے آئی تھی۔ اس لیے ایک دم حواسوں میں آنا آسان نہ تھا۔ آنکھوں میں گویا کنکر چبھ رہے تھے۔

سہیل نے ہینگر سے کپڑے اُتارتے ہوئے ایک نظر نیا پر ڈالی۔

چند لمحے کچھ سوچا۔ ہینگر خالی کر کے دوبارہ وارڈ روب میں لٹکایا اور کھنکار کر جیسے نیا کو متوجہ کیا۔ نیا بے اختیار ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''اب آپ اس حویلی کی مالکن ہیں...... آپ کے سمجھدار بھائی نے ڈھنڈورے پیٹ دیے ہوں گے۔ ہو سکے تو آپ اس پاگل کا نفسیاتی علاج کرائیں۔

آپ کی شادی کہیں بھی ہوتی تو پہلی شادی ہوتی اور اب مجھ سے نجات پا کر جہاں بھی جس سے بھی آپ کی شادی اگر ہوئی تو دوسری شادی ہوگی۔ وہ جیسے سانس لینے کو رُکے۔ ایک پڑھی لکھی ذمہ دار لڑکی سے مجھے اتنی حماقت کی اُمید نہیں تھی۔ اب لہجے میں تلخی تھی۔ بہرحال دیکھتے ہیں اب حالات کیا موڑ اختیار کرتے ہیں۔ فی الحال تو اب آپ حویلی ہی میں ہیں بی بی جان کو بھی سکون مل جائے گا کہ آپ اب یہاں سے نہیں جائیں گی۔ البتہ میں جا رہا ہوں...... اپنی بیوی کے پاس۔'' انکا انداز واضح اور دو ٹوک تھا۔

''بی بی جان نماز کے بعد دوبارہ سو جاتی ہیں ابھی وہ سو رہی ہوں گی...... اور میں ان کے اُٹھنے سے پہلے حویلی چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔'' وہ واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

نیا ایک ڈمی کی طرح ساکت بغیر ردِ عمل کیے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ جس روپ میں اس وقت نظر آ رہے تھے وہ خواب میں ان کا یہ روپ نہیں سوچ سکتی تھی۔ اسے احساس نہیں تھا کہ محبت قربانیاں دینے کا حوصلہ گر بخشتی ہے تو وہیں خود غرض بھی ہوتی ہے۔ ہمیشہ صرف اپنے محبوب کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ البتہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ سہیل سمن سے محبت نہیں عشق کرتے ہیں۔ اگر سمن ان کے لیے معشوق کا درجہ نہ رکھتی تو آج حویلی میں ان کی دوسری بیوی نیا کے بجائے برادری کے کسی بااثر خاندان کی کوئی

رہی تھی۔

اسے سہیل کے لب و لہجے نے اتنا دکھ نہیں پہنچایا جتنا احساسِ جرم میں مبتلا کیا۔ جب بات کھل گئی ہے تو وہ کیوں حویلی کے خود غرضوں کو خوشیاں فراہم کرے۔ واپس چلی جائے...... بھائی کیا جان سے مار دے گا؟

سہیل کے واش روم سے باہر آنے تک وہ بھی انتہائی فیصلہ کر چکی تھی۔ مضبوط فیصلہ طے پاتے ہی اس کی ساری پژمردگی ہوا ہو چکی تھی۔ رگ و پے میں برق دوڑنے لگی تھی۔ شاداب پر سب کچھ کھل جانا تو بہت بہتر ہو گیا۔

شاداب پر سب کچھ کھل جانا تو بہت بہتر ہو گیا۔ یہ ہر وقت کے خوف اور ڈھک چھپ سے تو کم از کم جان چھوٹی۔ اسے ظالموں کا یہی حشر ہونا چاہیے جو اپنے وقتی مفادات کی خاطر جیتے جاگتے انسانوں کی زندگیاں استعمال کرتے ہیں۔ ایک عزم اس کے چہرے سے کرنوں کی طرح چمکنے لگا۔ وہ بیڈ سے اُتر آئی اور اپنی ضروری چیزیں اِدھر اُدھر سے سمیٹنے لگی۔

سہیل واش روم سے باہر آئے تو وہ جانے کی مکمل تیاری کر چکی تھی۔ سہیل کے اندر دوڑتی خفگی نے انہیں نیا کی تیاری کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ وہ اپنی شرٹ کی آستینیں فولڈ کرتے ہوئے آئینے کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور برش اُٹھا کر بال بنانے لگے۔ آئینے میں نیا چادر لپیٹتی نظر آئی اس نے جیولری ایک طرف ڈھیر کی ہوئی تھی۔ چادر اوڑھ کر وہ جیسے سہیل کو مخاطب کرنے کے لیے شش و پنج میں مبتلا نظر آئی پھر کھنکار کر گلا صاف کیا اور آہستگی سے گویا ہوئی۔

''بی بی جان نے یہ زیورات مجھے پہننے کے لیے دیے تھے۔ میں یہاں رکھ رہی ہوں۔ آپ چیک کر سکتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر اس نے اپنا چھوٹا سا سفری بیگ اُٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

سہیل اب بری طرح چونک کر حیران سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں خاک نہیں آیا کہ نیا زیورات کا ذکر کر کے پھر بیگ اُٹھا کر چادر اوڑھے جا کہاں

رہی ہے۔

''نیا......ایک منٹ......کہاں جارہی ہو؟'' وہ جیسے اسے دروازہ کھولتا دیکھ کر ایک دم حواسوں میں آگئے۔

''اپنے گھر......اپنی پریشان ماں کے پاس۔'' نیا نے وہیں کھڑے کھڑے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور باہر نکلنے لگی۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا......شاداب وہاں قصائی بنا تمہارا انتظار کررہا ہوگا۔'' وہ ایک جست میں اس کی طرف بڑھے اور اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کیا اور نیا کو زور سے جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔

''وہ قصائی ہے یا جلا......میرا بھائی ہے۔ مجھے ڈر ہے وہ احساسِ بے بسی سے پاگل ہوکر خودکشی نہ کرلے۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ اس کی جان پیاری ہے۔ آپ مجھے روکنے والے ہوتے کون ہیں......اپنے خودغرض والدین کی اتنی پرواہ......اور میرے گھر والے بھاڑ میں جائیں۔'' وہ قہرآلود نظروں سے سہیل کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''وہ سب ٹھیک رہیں گے...... انشاء اللہ انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ مگر وہ تمہارا سرپھرا بھائی جو ہر وقت Armed (مسلح) رہتا ہے تمہیں شوٹ کرسکتا ہے۔'' سہیل نے اب رسانیت سے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''موت اور پیدائش کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ اگر میری زندگی کا خاتمہ بھائی کے ہاتھوں لکھا ہے تو اسے کون ٹال سکتا ہے۔'' نیا نے ضد اور بے خوفی سے کہا۔

''تم دنیا سے چلی جاؤ۔ بھائی کو بہن کا قاتل مشہور کردو۔'' سہیل نے اسی طرح صبروضبط کا مظاہرہ کرکے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اسے امی سے ساری حقیقت پتہ چل چکی ہوگی۔ وہ نہیں مارے گا مجھے جان سے اور ہاں میں آپ کے ماں باپ کو خوشیاں دینے کی پابند نہیں ہوں۔ انہوں نے میرے بھائی کو آزاد کرکے احسان کیا۔ وہ ظلم کررہے تھے انہوں نے احسان اپنی ذات پر کیا ہے۔ ورنہ یتیموں اور بیوہ کی آہ پڑجاتی ان پر......'' نیا نے اتنا کہہ کر پھرجانے کے لیے

قدم بڑھائے۔

سہیل نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

''تم میرے لیے حویلی میں عذاب چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ ذرا سکون اور مصلحت سے کام لوگی تو سب مسئلے حل ہوجائیں گے۔ بی بی جان یہ سب برداشت نہیں کرسکیں گی وہ ہائپر پیشنٹ''

''اعلیٰ درجے کا غرور وتکبر...... بہت سی فزیکل بیماریوں کی وجہ ہوتا ہے۔ انہیں انسانیت کا سبق سکھائیں بہت سے امراض سے نجات مل جائے گی۔'' نیا نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور آگے بڑھی۔

سہیل نے اس سے بھی زیادہ پھرتی سے آگے بڑھ کر چٹخنی بھی لگادی اور لاک بھی پش کردیا۔ ''سمن کو مجھ سے دور کردیا جائے گا۔ دوسرا نکاح کرکے میں نے تمہاری دوست کو تحفظ دیا ہے۔ تم کم از کم اس کا تو سوچو۔'' سہیل نے اب اسے سمن کی طرف متوجہ کیا۔

''اس کے لیے آپ سوچیں۔ آپ نے اس سے لومیرج کی ہے وہ آپ کی ذمہ داری ہے۔''

''تم سارے حالات سے واقف ہو۔ دیکھو میں شہر جاکر شاداب سے ملوں گا۔ اسے ساری سچویشن سمجھاؤں گا اور حالات کنٹرول میں نظر آتے ہی تمہیں فون کردوں گا۔''

سہیل نے نکاح سے پہلے اور بعد میں اسے کبھی تم کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا مگر اس وقت ان کی کیفیت بڑی بے اختیاری سی تھی۔ دو چار مرتبہ کی ''تنہائیاں'' دبے پاؤں تبدیلیاں لائی تھی۔ سہیل اس وقت ہر مصلحت بالائے طاق رکھ کر بات کررہے تھے۔

نیا انہیں اس وقت اپنی سب سے بڑی دشمن نظر آرہی تھی اور دشمن کے ساتھ تکلفات نہیں برتے جاتے۔

دو طرح کے رشتے انسان کی روح بلاٹنگ پیپر کی طرح اپنے اندر جذب کرتی

ہے۔ ایک سچی محبت کا رشتہ اور ایک دشمنی کا تعلق۔

سہیل پر اس وقت دو طرح کے خوف کا غلبہ تھا۔ ایک یہ کہ شاداب نیا کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ دوسرے نیا کے اس طرح حویلی چھوڑ دینے سے وہ سمن کے ساتھ شہر میں سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔ وہ ایک با اختیار جاگیردار کی اولاد تھے اندازہ کر سکتے تھے کہ باپ کا اختیار انہیں کہاں اور کب بے بس کر سکتا ہے۔ وارث کی تڑپ ان سے کچھ بھی کروا سکتی ہے اور وہ یہ بات نیا کو نہیں سمجھا پا رہے تھے۔

نیا خفگی سے چہرہ دوسری طرف موڑے خاموش کھڑی تھی۔

سہیل چند لمحے سر جھکائے کسی خیال کی گہرائی میں ڈوبے رہے۔ وہ ایمرجنسی سچویشن میں اپنے ذہن کو استعمال کر رہے تھے۔

سوچتے سوچتے انہوں نے سر اُٹھایا اور بہت اعتماد اور سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''میرا تم سے نکاح ہو چکا ہے نیا...... اگر تم اس وقت میری بات نہیں مانو گی اور شاداب کے ردِعمل سے بچ بھی جاؤ گی تب بھی میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ میرے اندر چہار طرف آگ لگانے کی ہمت نہیں ہے۔ طلاق کے لیے تمہیں شاید بہت انتظار کرنا پڑے گا۔''

''نہ دیں طلاق...... مجھے کون سا شادی کرنا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ کر چٹخنی گرانے لگی۔

''شادی تو تمہاری ہو چکی ہے۔ البتہ میں تیسری شادی نہیں کروں گا...... تیسری شادی کا مطلب ہے سمن سے لامحدود دوری۔ جس کو وہ برداشت نہیں کر سکے گی مر جائے گی۔'' سہیل آہستگی اور بردباری سے کہہ رہے تھے۔

''مجھے یقین ہے آپ اُسے مرنے نہیں دیں گے۔'' نیا نے دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل گھمایا۔

سہیل نے چٹخنی دوبارہ لگا دی...... اور نیا کا بازو تھام کر اپنی طرف موڑا۔ نیا پھر ناکامی کا سامنا ہونے پر جل بھن کر خاک ہونے لگی۔ اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں

اُبھر آئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ اٹل کھڑی تھی۔ سہیل کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

سہیل نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے وجود کے ساتھ لگا لیا۔ جس پر نیا بری طرح بدحواس ہو کر ان کی گرفت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی تم بہن بھائی ہر طرف آگ لگانے پر تل چکے ہو۔ مگر میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ وارث کے لیے تیسری شادی ہرگز نہیں کروں گا۔ بی بی جان کو تم سے اس حویلی کا وارث چاہیے...... اگر اُن کی قسمت میں وارث ہے تو پھر تم سے ہی ملے گا۔

نیا کی روح جیسے قفس عنصری کی طرف سے پرواز کرنے لگی...... مزاحمت کی بھی قوت نہ رہی۔ سہیل کی آنکھوں میں انتہا پسندی کی سرخی تھی۔

☆☆☆☆☆

''ارے بیٹا کیا بتاؤں...... دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ تم بھی اسے بے یار و مددگار چھوڑ گئے ہو......'' نّنا دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھیں۔

''نّنا اس کی ذہنی حالت تباہ ہو رہی تھی۔ میں اس لیے کچھ عرصے کے لیے اس کے سامنے سے ہٹ گیا کہ وہ خود کو سنبھال لے اور کچھ عقل سے کام لینے کے قابل ہو جائے۔'' وقار دکھ اور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''وہ اتنی صبح صبح آفس چلی گئی؟ آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ گھر میں نہیں ہے؟'' وقار نے پوچھا۔

''کیا بتاؤں بیٹا...... شاید صدمے سے دماغ پر اثر ہو گیا ہے۔ سوکن کے لیے ناشتہ بنا کر لے جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ناشتہ کرتی ہے۔'' نّنا نے جیسے دہائی دی۔

''سوکن؟'' درحقیقت وقار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اُلجھ کر پوچھنے لگا

''ماہ رُخ کی بات کر رہی ہوں بیٹا۔'' نّنا نے محتاط لہجے میں ماؤتھ پیس میں کہا۔

وقار چند لمحے کے لیے سکتے کی کیفیت میں رہا اور فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس تھا جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔

"میں سارا معاملہ سمجھ گیا ہوں نتا...... روبی بہت کم عمر اور سادہ ہے اور ماہ رُخ نے مجھ سے بدلہ لینے کے لیے اسے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہت شاطر اور چالاک ہے وہ اور اس کی پھوپھی مکمل زہریلی ناگن...... یہ سب ان دونوں کی سازش ہے کہ روبی کا گھر کبھی آباد نہ ہو۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا بیٹا کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ...... مجھے تو ماہ رُخ میں آج تک کوئی چالاکی نظر نہیں آئی۔ البتہ سمجھدار ہے روبی کے مقابلے میں۔" نتا نے ذرا ہچکچاہٹ کے انداز میں دل کی بات کی۔

"کمال کرتی ہیں نتا آپ۔ شکلیں اتنی معصوم نہ ہوں تو ہم جیسے دھوکہ کیسے کھائیں۔" وقار نے زہر خند مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"سب کچھ بھول جاؤ بیٹا...... روبی کو سنبھالو۔ خیر سے کچھ دنوں میں تمہارے آنگن میں بہار آجائے گی۔ بیٹا زندہ ہوتے ہوئے اپنی اولاد کو اپنی شفقت و محبت سے محروم رکھنا بہت بڑا ظلم ہے۔"

"نتا میں نے روبی کو نہیں چھوڑا نہ چھوڑوں گا...... آپ اسے سمجھائیں...... وہ اعتبار نہیں کر رہی مجھ پر۔ دشمنوں کی بات پر یقین کر رہی ہے۔" وقار نے دکھ اور تاسف سے پر لہجے میں جیسے گلہ کیا۔

"برا مت ماننا بیٹا...... "کورٹ" کا کاغذ تو اس کے ہاتھ میں آیا ناں...... کچھ ہوا تو بات کورٹ کچہری تک پہنچی۔ چھپانے سے تو شک پیدا ہوتا ہے قدرتی بات ہے۔"

نتا نے روبی کی طرف سے وکیل صفائی کا رول ادا کرنے کی بڑی جرأت مندانہ کوشش کی۔

"مانتا ہوں میں...... مگر میں تو اسے اس قابل ہی نہیں سمجھتا تھا کہ ذکر کروں اور اپنی بیوی کو سوچ دوں...... میں تو روبی کو ہر طرح سے ایزی رکھنا چاہتا تھا نتا......" وقار کے لہجے میں بے بسی اور سچائی کا تاثر واضح تھا۔

"اور یہ بات اس بے وقوف کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ اس مرتبہ نتا کے لہجے میں شکستگی

تھی۔ نتا میں اس ملک سے اب بہت عرصے کے لیے جا رہا ہوں۔ آخری مرتبہ ٹرائی کر رہا ہوں۔ روبی سے کہیں مجھے روکنا چاہتی ہے تو روک لے۔ روکے گی تو رک جاؤں گا۔ ماہ رُخ کو اس کی خاطر بہت کچھ دے کر اس کی آنکھوں کے سامنے ماہ رُخ کو طلاق کے پیپرز بھی دے دوں گا۔"

"نتا...... میں تیسری شادی نہیں کروں گا...... میری بیوی صرف روبی ہے جو میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اور مجھے پہلے سے بھی زیادہ عزیز ہو چکی ہے۔" یہ کہہ کر وقار نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

نتا پر اس جملے کا اثر اتنا گہرا تھا کہ وہ ریسیور رکھنا بھول گئی تھیں۔ کسی نادیدہ نشانے پر نگاہ تھی چہرے کی شکنیں اتنی گہری تھیں جیسے پتھر پر کھنچی لکیریں۔

☆☆☆☆☆

ولید کمال بے خبر سو رہا تھا اور نمو اسے ایک ٹک گھورے جا رہی تھی۔ وحشت کی آندھیوں میں گھرا ہوا ولید کمال اس وقت ایک نئے چہرے کے ساتھ سامنے تھا۔ گہری نیند جیسے کوئی معصوم بچہ دنیا کی مشقتوں کے شعور سے بہت پرے سو رہا تھا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ نمو چونک پڑی۔

اس نے اپنے حال پر ایک نظر کی اور آہستگی سے بیڈ سے اُتر آئی۔ شب خوابی کے نرم ملبوس پر اس نے عروسی دوپٹہ اوڑھ لیا اور دروازے کے قریب آکر آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"کون......؟" اس کے انداز میں عجیب تکلف و احتیاط سی تھی۔

"میں...... تمہاری ممی...... دروازہ کھولو بیٹا۔" پس در ولید کمال کی والدہ تھیں۔

نمو نے جھوٹ دروازہ کھول دیا اور بڑے شرمندہ شرمندہ سے انداز میں نظریں جھکا کر سلام کیا۔

تابندہ کمال کے ہونٹوں پر نرم و شفیق مسکراہٹ تھی مگر آنکھیں مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ سارا جہاں کے تفکر کا حاصل جیسے ان کی ایک نگاہ میں تھا۔

"جاگ رہی تھیں......؟ میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"اوہ......نہیں...... بالکل نہیں" نمو کو معاً احساس ہوا وہ تو جیسے راہ میں دیوار بن کر کھڑی ہوئی ہے۔خجل سے انداز میں ایک طرف ہوگئی۔

تابندہ کمال نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور ساتھ ہی ایک نظر سوئے ہوئے ولید کمال پر ڈالی۔ پھر نظر جھکائے کھڑی نمو کی طرف دیکھا اور نرمی سے اس کا بازو تھام لیا۔نمو نے سوالیہ سی نظریں ان کے چہرے پر دوڑائیں تو وہ بہت اپنائیت سے مسکرائیں اور اسے تھام کر صوفے کی طرف بڑھیں۔

پہلے نمو کو صوفے پر بٹھایا پھر خود اس کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ ایک نظر پھر سوئے ہوئے ولید کمال کی طرف دیکھا اور بہت آہستہ آواز میں بولیں۔

"بیٹا! میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔سعید نے مجھے بتایا کہ تم رات بھر بہت پریشان رہی ہو۔ میں تو جیسے ایک دم مرسی گئی کہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔ Belive me میں نے جان بوجھ کر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ ولید کو ایک دم سے ہوا کیا۔ اس کی مرضی نہ ہوتی تو ہم اس کی شادی زبردستی تو نہیں کر سکتے تھے ناں...... آج کل تو لڑکیوں کی زبردستی نہیں کر سکتے۔" وہ گویا اپنی صفائی پیش کر رہی تھیں۔انجانے سے احساسِ جرم میں مبتلا تھیں۔

نمو کو تابندہ کمال سے کوئی گلا نہیں تھا ابھی اس کا ذہن کسی تجزیے کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا نہ ہی کسی کی زیادتی کا احساس ابھی جاگا تھا۔ ابھی تو جیسے اس نے حیرانی کے سنگ میل ہی کو عبور نہیں کیا تھا۔ رات سے اب تک کسی حیرت کدے میں کھڑی تھی۔

"اوہ......ممی آپ کیوں گلٹی فیل کر رہی ہیں۔ میرے ذہن میں آپ کے خلاف کچھ بھی نہیں ہے۔" نمو ان کی پریشان صورت دیکھ کر بے اختیار بولی تھی۔

"تھینک یو...... یہ تمہاری نیکی ہے کہ تم ہمارے خلاف کچھ نہیں سوچ رہیں۔ یقین کرو تمہارے پاپا اتنے ٹینس ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔ کہہ رہے تھے کہ اس بچی کی پہلی رات تھی

اس گھر میں وہ ہم لوگوں کے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ ماشاء اللہ وہ بہت مضبوط اعصاب ہیں۔تم پر تو انہوں نے اپنی پریشانی ظاہر بھی نہیں کی ہوگی۔" تابندہ کمال جیسے نمو کا دل صاف کرنے کا تہیہ کر کے اس کے پاس آئی تھیں۔ بولتے ہوئے نمو کے چہرے کے تاثرات بھی نوٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"پلیز ممی...... آپ ایزی فیل کریں۔ ولید نے خود بھی مجھ سے بہت بہت معذرت کی تھی۔" نمو کی نرم دلی کسی کی پریشانی زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی تھی اسے تابندہ کمال کو پرسکون کرنے کے لیے بالآخر جھوٹ بھی بولنا پڑا۔

"اوہ تھینک گاڈ...... ولید بہت نائس ہے۔" تابندہ کمال نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔

"جی...... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نمو نے ساس کو تقویت پہنچانے کے لیے پھر ایک جملہ کہہ دیا۔ تابندہ کمال نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

"اس گھر میں آنے کے بعد تمہارا کوئی مسئلہ صرف تمہارا مسئلہ نہیں۔ ہم سب کا ہے۔ کوئی بھی بات ہو کسی بھی وقت کرنا چاہو تو میں حاضر ہوں۔

دیکھو ناں تین بیٹوں کی شادیاں کر چکی ہوں۔ ایک رہ گئی ہے کل کو وہ بھی اپنے گھر چلے جائے گی۔ پھر اس گھر میں میں اور تم ہی تو ہوں گے۔ بیٹا پیارا ہوتا ہے تو بہو بھی بیٹی ہی ہوتی ہے۔" وہ اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔

"کچھ بھی سہی محبت و اپنائیت کے احساس نے تنہائی کی وحشتوں سے نمو کو پرے کر دیا تھا۔ سعید کمال، تابندہ کمال اس کے ماموں ممانی کا نعم البدل دکھائی دے رہے تھے۔

"آرام کرنا چاہو تو آرام کرو۔ فریش ہونا چاہو تو تمہاری مرضی۔ میں چائے کے ساتھ کچھ بھجوا دیتی ہوں۔تم نے رات کو کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔ سبرینہ نے مجھے بتایا تھا اسی لیے میں نے کمرے میں دودھ کے ساتھ فروٹ بھی رکھ دیا تھا۔ مگر لگتا ہے تم نے کچھ کھایا نہیں۔" انہوں نے فروٹ باسکٹ پر نظر دوڑائی۔

"بیٹا خود کو اذیت مت دو...... یہ تمہارا گھر ہے۔ تمہارا اپنا گھر...... کوئی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔" تابندہ کمال نے گہری نیند سوئے ہوئے ولید کمال کی طرف

دیکھتے ہوئے نمو کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

ولید کی گہری نیند کی وجہ سے وہ مسلسل دبی آواز میں بات کر رہی تھیں۔

نمو بھی آہستگی سے ان سے الگ ہو گئی۔ محبت شفقت اپنائیت کے احساس نے بہرحال اسے ایک تکلیف دہ گھٹن سے نجات ضرور دی تھی۔ وہ کھل کر سانس تو لے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

نیا گم صم سی آنکھیں پھاڑے کسی نادیدہ نشاں کو گھورے جا رہی تھی۔ بال یوں بکھرے ہوئے تھے جیسے ماتم کر کے بیٹھی ہو۔ ساری دنیا دور تک ویران نظر آ رہی تھی۔ اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ جیسے نہ کوئی مسئلہ تھا نہ مسئلے کا حل ڈھونڈنے والی بپھری ہوئی خیال کی موجیں۔

سہیل نہا دھو کر اب آئینے کے سامنے کھڑے بال بنا رہے تھے۔ چوری چوری ایک نگاہ بیٹھی ہوئی نیا پر بھی ڈال لیتے تھے۔ ان کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ انسان کی روح میں بیدار ہونے والے کسی جذبے کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

”میں کراچی جا رہا ہوں...... آپ اپنا خیال رکھیے گا۔“

سہیل کی آواز نے سکوت توڑا اور نیا کی آنکھوں کی پتلیاں متحرک ہوئیں۔ اس نے پلک جھپکائے بغیر سہیل کی طرف دیکھا۔

”میں آپ کے کسی عظیم نقصان کی تلافی تو نہیں کر سکتا لیکن جس بھائی کی زندگی بچانے کے لیے آپ نے انتہائی قدم اُٹھایا تھا اس پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں کراچی جا کر اس سے ضرور ملوں گا۔ آپ کے سچ مچ کے شوہر کی حیثیت سے۔ آپ کی والدہ کو بھی بتا دوں گا کہ آپ کی شادی شدہ بیٹی اپنے گھر میں ہے۔ محفوظ ہے...... سمن سے زیادہ حیثیت ہے اس کی حویلی میں۔“ وہ برش رکھ کر اس کے قریب آتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ نیا اسی طرح ایک ٹک گھورے جا رہی تھی۔ سب الفاظ اپنے معنی کے ساتھ اس کے اندر جذب ہو رہے تھے مگر ردِعمل کی اس میں سکت نہیں تھی۔ میں اب دو تین دن سے

زیادہ کراچی میں نہیں رُکوں گا۔

”یہاں بھی اب میری بیوی ہے۔ اس کے حقوق بھی ثابت ہیں۔ میں اپنے ضمیر کی آواز دبانے کی بالکل بھی اہلیت نہیں رکھتا۔“ وہ بولتے بولتے رُکے۔ نرمی سے نیا کے رُخسار کو چھوا۔

”اللہ سے توفیق مانگتا ہوں کہ وہ مجھے اس پل صراط سے گزرنے کی ہمت دے۔ آمین اپنی اس خود غرضی کا تاوان زندگی بھر ادا کرتا رہوں گا۔ آپ تنہا نہیں ہیں...... ہوتا یہی ہے۔ جنگ کے بعد ریلیف کیمپ بنتے ہیں۔ اللہ حافظ“ اتنا کہہ کر سہیل فوراً کمرے سے باہر نکل گئے۔ دروازہ بند ہوتے ہی نیا کی آنکھوں کی پتلیاں پھر متحرک ہوئیں۔ اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر آنکھوں سے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ گردن سے لڑھکتے گریبان بھگونے لگے۔ ایک وڈیرے کی داشتہ......

یہ لکھا تھا میرے نصیب میں......؟

”اللہ سائیں نے میری سن لی......“ مہر النساء سہیل کے منہ سے یہ سن کر نیا اب کہیں نہیں جائے گی۔ حویلی ہی میں رہے گی خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں۔

اس پر مستزاد یہ تسلی کہ وہ صرف دو دن کے لیے شہر جا رہے ہیں پرسوں رات تک واپس آ جائیں گے۔

انہیں نیا پر رہ رہ کر پیار آنے لگا جس نے سہیل کو سمن سے دور کرنے کا آغاز کر دیا تھا۔ سہیل نے برائے نام ناشتہ کیا تھا۔ مخدوم عبدالرب اور مہر النساء نے ناشتے پر نیا کو بلانا چاہا تو سہیل نے منع کر دیا کہ وہ بہت دیر سے سوئی ہے۔ رات بھر پریشان رہی ہے۔ اسے سونے دیں مہر النساء کے لیے تو جیسے سہیل کے منہ سے نکلنے والے ایک ایک حرف میں خوشخبری تھی۔ چہرے پر خوشیوں کی چمک تھی۔ مخدوم صاحب کے سامنے محبوبانہ اداؤں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

سر پر ڈھلکتا آنچل سنبھالنا...... نظر جھکا کر زیرِ لب مسکرانا...... نظر چرا کر بات کرنا اس عمر میں بھی وہ مخدوم صاحب کے دل کو ہر پل بے قرار رکھنے میں کامیاب تھیں۔

اوطاق میں نشست طویل ہو جاتی تو وہ انٹر کام پر رابطہ کر کے آرام کرنے کا مشورہ دیتیں۔ جب تھکے تھکے اندر پہنچتے تو بادام کا شربت اپنے ہاتھ سے پیش کرتیں۔ زندگی بھر انہوں نے مخدوم صاحب کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ ان کے علاوہ بھی کچھ سوچ سکیں۔

جاگیر کے کاموں سے دور دراز جانا ہوتا تو دوسرے ہی دن مہر النساء کو اپنا جوان مرحوم بیٹا یاد آنے لگتا۔ وہ ڈپریشن میں چلی جاتیں رونا دھونا کرتیں۔ دور بیٹھے مخدوم صاحب کو کام سنبھالنا نپٹانا مشکل ہو جاتا...... گرتے پڑتے حویلی پہنچتے۔

عورت کے چلتر تو سادہ مزاج عورتیں نہیں سمجھ پاتیں...... مرد خاک سمجھے گا۔ انہی کے ریا و مکر کا نتیجہ تھا کہ حویلی میں آج ان کے بیٹے کی دوسری بیوی موجود تھی اور بیٹے کے سامنے خود کو ایک دُکھی غمزدہ ماں ظاہر کرنے میں کامیاب تھیں۔

''ابا...... چ شہر تو جا رہا ہے پر احتیاط کرنا...... وہ سرپھرا پاگل لڑکا ہتھیار لے کر پھرتا ہے۔'' مہر النساء نے سہیل کو جانے کے لیے قدم بڑھاتے دیکھا تو بازو تھام کر خوفزدہ انداز میں تاکید کی۔

''بی بی جان! موت اپنے وقت پر آتی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں وہ کچھ نہیں کرے گا۔ اس کا سر بھی جھک گیا ہے اور آنکھ بھی۔'' سہیل نے تسلی دی۔

''پھر بھی...... ناسمجھ کم عقل چھوکرا ہے...... احتیاط کرنا۔'' مہر النساء نے بے قرار نظروں سے سہیل کے چہرے کی بلائیں لیں۔

''ٹھیک ہے...... میں احتیاط کروں گا مگر آپ اپنے ذہن پر زور مت ڈالیے۔ پھر آپ کا بی پی شوٹ کر جاتا ہے سب پریشان ہوتے ہیں۔'' انہوں نے ماں کو بہت نرم اور محبت بھرے لہجے میں تاکید کی۔ بہر حال چاہنے والی ماں کے سامنے وہ لاجواب ہو جاتے تھے۔ انہوں نے ایک نظر آس پاس پر ڈالی اور باہر چلے گئے۔

☆☆☆☆☆

رمیض نے بیدار ہوتے ہی اپنا سیل فون آن کیا اور ایک طرف رکھ کر زوردار انگڑائی لی۔ اس گیسٹ روم میں آئے اسے آٹھ گھنٹے ہو رہے تھے بہت خوبصورت

خوابناک کمرہ تھا۔ ہلکا فیروزی اور آسمانی رنگوں کا حسین امتزاج تھا۔ آسمانی دیواریں وہائٹ دروازے و کھڑکیاں۔ کارپٹ و پردے ہلکے فیروزی رنگ کے بیڈ شیٹ کی Base آسمانی تھی جس پر بڑے بڑے فیروزی کلر کے پھول پڑے ہوئے تھے۔ تمام آرائشی اشیاء میں بھی انہی رنگوں کا امتزاج تھا۔

کاش ہر مہینے اسی لاکھ روپے کا پیکٹ آتا رہے اور میں اس کمرے کا کرایہ دے کر ''آرام فرماتا'' رہوں...... اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ اُبھری۔ ساتھ زمانے بھر کا حسین مگر پر جلال چہرہ بھی منظر پر طلوع ہوا۔

خوش رہو آباد رہو نشاط افزاء خدا تمہیں مجھ سے اور مجھ جیسوں سے ہمیشہ بچائے رکھے۔ اس سے زیادہ اچھی دعا میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر زور سے انگڑائی لی مگر میسج ٹون نے انگڑائی کا سارا زور توڑ دیا۔ اس نے ایک دم خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور ذہن میں عمیرا اور فہد کو سوچتے ہوئے سیل اُٹھا کر دیکھا اور بری طرح چونک پڑا۔ یہ تو اس کی ماں کا sms تھا۔ دل بہت زور سے دھڑکا۔ اس نے دھڑکتے دل سے open کیا۔ لکھا تھا۔

''رمیض! بس بہت ہو گئی بیٹا اپنے باپ سے معافی مانگ لو۔ نمو بھی چلی گئی۔ میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ رمیض مجھے کسی بھی وقت برین ہیمرج ہو سکتا ہے۔ شدید اعصابی دباؤ کا شکار ہوں۔ میری موت کا پچھتاوا کرنے سے بہتر ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے رہو۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں...... ممی''

رمیض نے ایک مرتبہ پڑھ کر دوبارہ پڑھا۔ پھر سہ بارہ بھی پڑھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ماں نے اسے یاد کیا ہے۔ وہ تو ان کی طرف سے برے گمان کر کے فارغ ہو چکا تھا کہ وہ اس کی ماں ہی نہیں ہیں۔ وہ اس کو در بدر ہونے سے بچانے کے لیے بہت کچھ کر سکتی تھیں۔ اس کے ساتھ انہیں بھی وہ گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ مگر انہوں نے خود کو بے آرام کرنا پسند نہیں کیا۔ وہ اولاد کی خاطر لگژری لائف کو ٹھوکر مارنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔ کیا کیا تھا میں نے؟ دنیا کی اولادیں تو پتہ نہیں کیا کچھ کرتی پھر

رہی ہیں۔ وہ ماں کا sms پڑھتے ہی اُلجھ گیا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے sms نکالا اور پڑھا۔ لاشعوری طور پر تو اسے اچھا لگا تھا کہ ماں نے یاد کیا ہے۔ وہ چند لمحے سیل کو گھورتا رہا۔ پھر ایک طرف رکھ کر اُٹھ بیٹھا۔

معافی مانگوں یعنی مان لوں کہ وہ دو نمبری ٹھیک ہے اور میں غلط۔ اس کے ہونٹوں پر اب ایک تلخ وطنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

ڈیڈی کو یہ ماننا چاہیے کہ ان کا بیٹا بہت خوبصورت ہے۔ لڑکیاں اسے دیکھتے ہی پاگل ہو جاتی ہیں۔ اس نے بیڈ سے اُترتے ہوئے خود کو ڈریسنگ کے قد آدم آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچا۔

ممی بھی یقیناً یہی سمجھ رہی ہوں گی کہ میں پیسے مانگنے کے لیے ان کی منت سماجت کرنے ضرور پہنچوں گا۔ ہونہہ مجھے نہیں چاہیے آپ لوگوں کا پیسہ ویسہ...... ذرا سے پیسے لو دس ہزار باتیں سنو۔ مارے احسان مندی کے صحیح بھی سنو غلط بھی سنو۔

پتہ نہیں آج کیسے یاد آ گئی۔ یاد کرنے سے پہلے بھی مجازی خدا سے اجازت لی ہوگی۔ وہ زہخند کے ساتھ آگے بڑھا۔ پردے سرکائے ایک لمحے کے لیے باہر جھانک کر دیکھا۔ چہرے پر عجیب سی خوشی نمودار ہوئی۔ لائف انجوائے کرنے کے لیے چمکتا ہوا دن بانہیں پھیلائے منتظر تھا۔

☆☆☆☆☆

نیا نے دروازے پر پڑنے والی دستک پر چونک کر دیکھا تھا اور محتاط انداز میں پوچھا تھا۔

''کون......؟''

''میں ہوں پوپری ناشتہ لائی ہوں۔'' باہر سے پوپری کی آواز سنائی دی۔ وہ گہری سانس کھینچ کر صوفے سے اُٹھی اور سر پر بندھے ٹاول کو ایک ہاتھ سے سنبھالتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ پھر ایک دم جھجک کر دو قدم پیچھے ہوگئی۔ پوپری کے ساتھ مہرالنساء بھی پھولوں کا زیور پہنے مسکرا رہی تھیں۔

اس نے طوہاً کرہاً سلام کیا۔

مہرالنساء نے آگے بڑھ کر بڑے پیار سے گلے لگایا اور پیشانی چوم لی۔

''خیر سے نہا دھو کر فارغ ہوگئی۔ اللہ سائیں سہاگ سلامت رکھے اور مجھے سات پوتوں کا منہ دکھائے۔''

ان کی دعا میں خواہش کی شدت تھی اور جیسے اس شدت میں بہت حدت تھی۔ نیا کا سارا وجود تپنے لگا۔ وہ زبردستی مسکراتے ہوئے ان سے الگ ہوگئی۔

''بال بعد میں سکھا...... پہلے گرم گرم ناشتہ کر لے۔ رات بھی تو نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا تھا۔'' مہرالنساء نے دلار سے کہا ساتھ ہی طائرانہ نگاہ کمرے میں دوڑائی اور چہرے پر ایک سوچ سی اُبھری۔

''اس بانجھ کے پلے کیا دھرا ہے۔ تجھے جتن کرنے ہوں گے۔ میرے دل کو اچھا نہیں لگتا کہ وہ تجھے چھوڑ کر بار بار شہر جائے۔ لگتا ہے کالا علم کرایا ہے میرے بیٹے پر۔ ہونہہ خوبصورت ہے...... تو کیا تو خوبصورت نہیں''

اب آئے سہیل تو مہینے سے پہلے نہ جانے دینا۔ بڑی مہربانی تیرے بھائی کی سارا معاملہ ہی نپٹا گیا۔ اپنے پوتے کا منہ دیکھوں گی تو تیرے بھائی کا دیا ہوا دکھ بھی بھول جاؤں گی۔

نیا کے اندر زہر میں بجھی تلوار نے جیسے قتل وغارت گری مچا دی۔ بھائی بہن اور دکھی ماں سامنے آ کھڑے ہوئے۔ سینے سے ہوک سی اُٹھنے لگی۔

اس نے صوفے پر بیٹھ کر ٹرالی سے خالی پلیٹ اُٹھالی اور مہرالنساء کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

وہ اتنی گہرائیوں میں اُترنے کی صلاحیت نہیں رکھی تھیں کہ رویے ان پر فوری اثرانداز ہوں۔ نیا کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر واپس باہر کی طرف چل پڑیں۔

نیا نے سر پر فرشتے کی طرح مسلط پوپری کو بھی باہر جانے کا اشارا کیا اس وقت وہ تنہائی میں صرف اپنی دنیا میں رہنا چاہتی تھی۔

پوپری اشارا پاتے ہی باہر چلی گئی۔ ساتھ ہی اس نے دروازہ بھی بند کر دیا۔
نیا نے سکون کا سانس لیا اور اپنے لیے چائے تیار کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆

”ناراض ہو؟“ ولید کمال اس پر جھکا پوچھ رہا تھا۔
نمو نے خفگی کی شدت چھپانے کے لیے نظریں جھکائے رکھیں اور خاموش رہی۔
”دیکھو پریکٹیکل لائف شروع ہو چکی ہے۔ اب ہم میاں بیوی ہیں۔ ہمیں کھل کر محبت کرنے اور......“ کہہ کر وہ جان بوجھ کر رُکا۔ نمو نے بے ساختہ نظریں اُٹھائیں نظر میں سوال تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اور......؟
”اور زور زور سے لڑنے کی بھی...... چلو لڑنا شروع کرو......“ وہ اس کے گال کو اُنگلی سے چھو کر بولا۔
”کسی کی زندگی کو تماشہ بنانے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔“ نمو نے اب خفا خفا لہجے میں کہہ دیا۔
”چیخ کر بولو...... ہم لڑ رہے ہیں۔“ ولید کمال شرارت سے کہہ رہا تھا۔
نمو اس کے اختیار سے باہر ہونے کے جتن کرنے لگی۔
”چڑیا جال میں پھنس چکی ہے۔“ ولید کمال نے اس کی کوشش ناکام بناتے ہوئے کہا۔
عورت کو چڑیا ہی سمجھتے ہیں انسان سمجھیں تو کوئی بات بھی ہو۔
”مذاق کر رہا ہوں یا...... دھوپ چھاؤں کی ساتھی ہو...... بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ بھی اس شیورٹی کے ساتھ کہ میں صرف تمہارا ہوں۔“ وہ اس پر جھکے ہوئے بہت دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔
”بہت مقناطیسی جملہ تھا...... ایسا جملہ جسے سننے کے بعد ہر عورت چاروں شانے چت ہو جاتی ہے۔“
”آپ کا کیا بھروسہ...... جانے کس وقت تین مرتبہ کہہ دیں کہ میں نے تمہیں آزاد کیا“ نمو نے پھر خفا خفا انداز میں کہا۔

”خدا نہ کرے...... اتنی مشکل سے اور قسمت سے سچے موتی جیسی لڑکی ملی ہے۔ میرا دماغ خراب ہے جو اس طرح کے کلمات کہوں گا۔“ ولید کمال نے اب سنجیدگی سے کہا۔
”رات دماغ خراب ہو گیا تھا......؟“ نمو نے خفگی سے صرف ایک نگاہ ولید کمال کے چہرے پر ڈالی۔
”میں نے رات ایسا کچھ کہا تھا...... اوہ مائی گاڈ...... میری میموری میں دور دور تک ایسی کوئی بات نہیں۔“ ولید کمال نے فکرمندی سے نمو کا چہرہ دیکھا۔
نمو نے دونوں اپنے سر پر مارے، اور ایک قوت سے اس کا بازو ہٹا کر اُٹھ بیٹھی۔
”ہٹیں ایک طرف...... پتہ نہیں کیا ہیں...... ممی کہہ گئی ہیں پارلر جانے کی تیاری کرو۔“ نمو کا انداز اتنا جلا بھنا اور بے ساختہ تھا کہ ولید کمال نے اس کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔ نظر میں بہت اپنائیت اور پیار تھا۔
”اوہ شیور...... ولیمے کی تیاری شروع کر دینا چاہیے۔ آج کے دن دولہا دلہن کے چہرے پڑھے جاتے ہیں۔ اچھی والی کتاب بن کر بیٹھنا۔“ ولید کمال نے نمو کے دراز بال اپنی ہتھیلی پر پتنگ کی ڈور کی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔
نمو اُٹھتے اُٹھتے دھپ سے بیٹھ گئی۔ چہرے پر بے بسی کے ساتھ ساتھ سکھ کا سایہ بھی تھا۔

☆☆☆☆☆

”دیکھا وہ کورٹ میں پیش نہیں ہوا بیماری کا بہانہ لکھ کر دے دیا۔“ مومنہ نے اپنا بیگ کھول کر جانے کیا ڈھونڈنا شروع کر دیا۔
ماہ رُخ جواب میں خاموش رہی اور چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں چلی گئی۔ اس کے پاس مومنہ کی بات کا درحقیقت کوئی جواب نہ تھا۔ کورٹ میں جو ایک رش اور اپنی باری کا انتظار کرنے کا جاں گسل مرحلہ ہوتا ہے اس نے تھکا مارا تھا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے مومنہ نے خود ڈرائیو کی تھی اس کے باوجود اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

اسی وقت کال بیل رنگ ہوئی تھی۔ مومنہ نے ماہ رُخ کا انتظار نہیں کیا اور خود اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے سرخ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس روبی کھڑی تھی۔ مومنہ کو دیکھ کر مسکرائی اور سلام کیا۔

اخلاقیات کے مظاہرے نے مومنہ کو بے بس کر دیا۔ وہ بھی زبردستی مسکرائی اور روبی کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

روبی اندر آ گئی مومنہ نے دروازہ بند کیا ہی تھا کہ کال بیل پھر رنگ ہوئی۔ مومنہ کے چہرے پر سوال سا اُبھرا کہ اب کون آ گیا؟

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور بری طرح چونک پڑی۔ سامنے رمیض کھڑا مسکرا رہا تھا۔ مومنہ کے تاثرات فوراً بدل گئے۔ اس کے چہرے پر گرم جوشی کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔

''اوہ...... آپ...... آیئے آیئے......'' اس نے دل سے اس کا سواگت کیا۔

روبی فاصلے پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ایک حسین و جوان لڑکا...... جس کی شکل اور حلیہ اس کی ''کلاس'' بتا رہا تھا۔ روبی کے لیے بڑا چونکانے والا مرحلہ تھا۔ وہ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم...... پھر کہہ رہا ہوں ''پھوپھو'' نہیں کہوں گا۔ میں نے جوان بچوں کی اتنی ینگ پھوپھو دیکھی ہی نہیں تو کیسے کہہ دوں۔'' وہ بڑی شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''تو میں کب اصرار کر رہی ہوں۔ مت کہیں پھوپھو...... آنٹی کہہ دیں۔'' مومنہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے جوابی شوخی کا مظاہرہ کیا۔

''آپ کے ساتھ کوئی نفسیاتی پرابلم ہے۔ آپ کو آنٹی پھوپھو بننے کا اتنا شوق کیوں ہے؟ اس سے پہلے بھی بہت کچھ بننا بہت ضروری ہوتا ہے اُس طرف آپ کی توجہ ہی نہیں۔'' رمیض آگے بڑھتے ہوئے اسی طرح شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔

روبی اسی طرح حیرت و دلچسپی سے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ماہ رُخ بھی اپنا کام بھول کر رمیض کی آواز سن کر کچن سے باہر آ چکی تھی۔ رمیض کی آمد نے روبی کی آمد کی اہمیت

کو فوراً کم کر دیا تھا اس لیے کہ رُوبی کا آنا روٹین کا حصہ تھا۔

اب رمیض کی نظر روبی پر پڑ چکی تھی۔ ایک فیشن ایبل، ماڈرن اور انتہائی خوبصورت نئی لڑکی کو دیکھ کر وہ چونکا اور پلٹ کر مومنہ کی طرف دیکھا۔

''ایک اور بھتیجی......؟'' اس نے شرارت سے پوچھا اور ماہ رُخ و روبی پر نظر ڈالی جیسے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''جی...... آپ کو آخر میرے پھوپھو بننے پر اتنا اعتراض کیوں ہے؟'' مومنہ نے اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے پوچھا۔

''میری طرف سے آپ ساری دنیا کی پھوپھو بن جائیں مجھے چھوڑ کر۔ رمیض کو تو ایک دم بڑا رنگین ماحول مل گیا تھا۔ ایک ہی وقت میں تین خوبصورت لڑکیاں۔

''کیوں آپ کو چھوڑ کر کیوں...... کیا پروگرام ہے آپ کا......'' روبی سے اب ضبط نہ ہوا۔ ایک اجنبی حسین نوجوان اس پر اس کی قیامت شوخیاں۔ لامحالہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ ہے کون...... جو اجنبی بھی محسوس نہیں ہو رہا۔ دیکھا بھی پہلی بار ہے۔

مومنہ کو رمیض کا بے تکلف و بے باک انداز بہت چبھ رہا تھا۔ مگر وہ اسے مارجن دینے پر مجبور تھی۔ ایک وہ اس کا محسن تھا دوسرے وہ رئیس کی اولاد ہونے کی وجہ سے غیر ضروری حد تک خود اعتماد تھا۔ عموماً سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والوں میں عجیب سی لاپرواہی ہوتی ہے بہت سے کامپلیکسز (Complexes) سے دور ہوتے ہیں۔ سوچ میں گہرائی نہیں ہوتی جو چھوٹے بڑے مسائل میں گھر جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

''چائے یا کافی؟'' مومنہ نے رمیض کے مقابل بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے پہلے نئے مہمانوں سے تعارف تو کرائیں یہ بعد کی باتیں ہیں۔'' رمیض نے رُوبی کی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی دوست ہیں ہماری......'' مومنہ نے روبی کی طرف دیکھا اس کی نظر میں قدرے سنجیدگی تھی۔

''نائس ٹو میٹ یو......'' رمیض نے مسکرا کر روبی کی طرف دیکھا جو اس کی دوسری طرف بیٹھی اپنی جگہ اُلجھی ہوئی بیٹھی تھی کہ یہ نوجوان ہے کون؟

روبی نے جواب میں صرف مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور ٹیبل پر رکھے ہوئے مومنہ اور ماہ رُخ کے شولڈر بیگز پر نظر ڈال کر بولی۔

''کہیں جا رہے ہیں آپ دونوں یا کہیں سے آئی ہیں؟''

''کہیں سے آئے ہیں۔ اب یہ مت پوچھنا کہاں سے آئے ہیں...... بس یوں سمجھو وہاں سے آئے ہیں جہاں اللہ کسی دشمن کو نہ لے جائے۔'' مومنہ نے بالوں سے کچر نکال کر دوبارہ ٹھیک سے لگاتے ہوئے بڑی سنجیدگی اور معنی خیزی سے کہا۔

''اتنی بری جگہوں پر بھی جاتی ہیں آپ لوگ؟'' رمیض نے برجستہ کہا۔

''لوگ مجبور کر دیتے ہیں'' مومنہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

روبی نے سوالیہ نظروں سے ماہ رُخ کی طرف دیکھا جو مومنہ کے پہلو میں بیٹھ چکی تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''پھر بھی کوئی نام تو ہوگا...... اس جگہ کا۔'' روبی کے انداز میں تجسس بھی تھا اور اصرار بھی۔

''کورٹ'' اُردو میں عدالت کہتے ہیں۔'' مومنہ روبی کو سامنے پا کر ویسے بھی ڈسٹرب ہو جاتی تھی۔ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

''کورٹ......؟'' رمیض کو درحقیقت جھٹکا سا لگا۔ اُلجھن بھری نظروں سے مومنہ اور ماہ رُخ کو باری باری دیکھا۔

''ماہ رُخ کے خلع کا مقدمہ چل رہا ہے۔ جان نہیں چھوڑ رہا اس بے چاری کی۔ شہ رگ میں دانت گاڑے خون پی رہا ہے۔'' مومنہ اب جیسے پھٹ پڑی۔ ماہ رُخ نے گھبرا کر مومنہ کی طرف دیکھا اور پھر مجرموں کی طرح نظریں جھکا لیں۔ اُسے سمجھ نہیں آئی کہ مومنہ نے رُوبی اور رمیض کے سامنے سچ کیوں بولا۔ بلکہ کچھ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

''خ...... خلع'' رمیض نے حیرت سے ماہ رُخ کی طرف دیکھا۔

''(Is she Married) یہ...... شادی شدہ ہیں......؟'' رمیض نے بڑی فکرمندی سے پوچھا۔

''یہ تو کچھ بھی ''شدہ'' نہیں...... نہ شادی شدہ، نہ طلاق شدہ۔'' مومنہ نے تلخی سے کہا۔

روبی جیسے سناٹے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اندر سے ایک سوال اُبل اُبل کر زبان پر آنا چاہ رہا تھا۔ جو وہ کرنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ بے مہر...... ظالم...... کیا کورٹ میں پیش ہوا تھا؟

مومنہ نے شاید جان بوجھ کر روبی کو کچھ سنانے کے لیے، ایسا کیا تھا۔

روبی اسی گم صم سی کیفیت میں ایک دم کھڑی ہو گی...... اور بیگ کاندھے پر لٹکا لیا۔

''میں چلتی ہوں...... ایکچوئلی آج میں نے آفس سے چھٹی کی تھی۔ مجھے ننا کے ساتھ چیک اپ کے لیے جانا ہے۔''

ماہ رُخ تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں تھی۔ چاہنے کے باوجود روبی کو چائے کے لیے نہ روک سکی۔ پتھر بنی اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

روبی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُنگلیوں کو لہراتی خدا حافظ کہتی باہر چلی گئی۔ ماحول پر عجیب سی سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔

روبی کے جاتے ہیں مومنہ نے رمیض کی طرف دیکھا ''یہ ماہ رُخ کے شوہر کی دوسری بیوی ہے۔'' اس نے کہا اور گویا رمیض کے سر پر بم پھوڑا ماہ رُخ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ رمیض کے سامنے مومنہ کا سب کچھ کہہ دینا اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مومنہ کو ہوا کیا ہے۔

''یہ...... یہ ماہ رُخ...... ان...... ان...... ان کی بات کر رہی ہیں آپ......؟'' رمیض جیسے کسی طلسمی اور نہ سمجھ میں آنے والے جہاں میں آ پھنسا تھا۔

''جی...... جی...... اسی کی بات کر رہی ہوں۔'' مومنہ نے بہت سکون سے جواب دیا۔

''وہ...... آپ چائے پئیں گے یا کافی......؟'' ماہ رُخ کو وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہو

رہا تھا۔

''ایسا کرو...... کافی بنالو......'' مومنہ نے جیسے اس کی جان چھڑائی۔ ماہ رُخ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں سے ہٹ گئی۔

''یہ ایک بندے کی...... دو بیویاں ہیں؟'' رمیض واقعی بہت حیران پریشان تھا۔ خلع کا مقدمہ...... ایک ساتھ بیٹھی ہوئی دو بیویاں...... کچھ بھی تو واضح نہیں تھا۔

''تیسری چوتھی بھی ہو سکتی ہیں جو کہیں چھپا کر رکھی ہوئی ہوں گی۔'' مومنہ نے بڑے ہی سکون سے جواب دیا اور عجیب سے انداز میں مسکرانے لگی۔

''اوہ...... Mean (مطلب) عیاش بندہ ہے۔'' رمیض جیسے معاملہ سمجھ گیا۔

''عیاش نہیں ہے...... بے حس، بے ضمیر انسان ہے۔'' مومنہ نے تلخی سے کہا۔

''ایک ہی بات ہے۔ آپ تو خیریت سے ہیں ناں؟ آپ کے ساتھ اس قسم کے مسائل نہیں ہیں۔'' رمیض کو اپنے ''پروجیکٹ'' کی فکر پڑ گئی۔ وہ بہت تشویش بھری نظروں سے مومنہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس بظاہر کنواری کے پیچھے تو کوئی کہانی نہیں......؟

''میں بالکل خیریت سے ہوں...... اور آئندہ بھی خیریت سے رہنے کا پروگرام ہے۔ چھوڑیں اب اس قصے کو...... انشاء اللہ بہت جلد ماہ رُخ کو خلع کی ڈگری مل جائے گی۔ پھر میں اس کی شادی کر کے سکون سے اسپین میں اپنا بزنس دیکھوں گی۔'' مومنہ نے اب بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کی۔ وہ اب گہری سوچتی ہوئی نظروں سے رمیض کی طرف دیکھ رہی تھی۔

رمیض کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ وہ پھوپھو ہو کر اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہے۔ ماہ رُخ کے والدین کہاں ہیں...... جن کی وہ ذمہ داری ہے۔

وہ تو بس ''اسپین'' سن کر ہی سب کچھ بھول بھال گیا۔

''اس وقت کون دیکھ رہا ہے آپ کا بزنس......؟ آئی مین آپ یہاں ہوتی ہیں تو وہاں کون Care Taker ہوتا ہے؟''

''میری دوست اور اس کا ہزبینڈ...... وہ میرے بزنس پارٹنر ہیں۔ ورنہ میں اتنے

آرام سے یہاں کیسے رہ سکتی تھی۔''

''اپنے اس بزنس میں آپ مجھے بھی انوالو کر لیں۔ میں باہر کسی ملک میں بزنس کرنے کی پلاننگ کر رہا ہوں۔'' دل کی بات کو آخر زبان پر لانے کا زریں موقع مل ہی گیا۔

''آپ کے فادر بھی تو باہر بزنس کرتے ہیں۔ آپ ان کو help کیوں نہیں کرتے؟'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے اس بزنس میں انٹرسٹ نہیں ہے۔ میں ذرا آرٹسٹک مائنڈ بندہ ہوں۔ اصل میں ان کی شراب بنانے کی فیکٹری ہے۔ مجھے یہ بزنس ہی حرام لگتا ہے۔'' رمیض نے سوچ لیا تھا آج اسپین جانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا خواہ ان گنت جھوٹ بولنے پڑیں۔ ماں کا sms تو ویسے ہی خطرے کی گھنٹی تھی۔ گھر واپس جانا...... معافی مانگنا باپ کی شرائط پر بے رنگ زندگی گزارنا۔ یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

''اوہ...... تو یہ بات ہے...... بہر حال اپنا اپنا خیال ہوتا ہے۔ آپ اچھا سوچتے ہیں بہت اچھی بات ہے...... لیکن ڈونٹ مائنڈ آج تک آپ کے سارے عیش اُسی فیکٹری کی وجہ سے ہی تھے۔'' مومنہ نے اپنی صاف گوئی کی فطرت کے بموجب جواب دیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... لیکن انسان اپنی پیدائش پر اختیار نہیں رکھتا۔ اُس باپ کے گھر میں پیدا ہونا میرے اختیار کی بات نہیں تھی لیکن اب میں اپنے لیے خود فیصلے کر سکتا ہوں۔'' رمیض نے بڑے اعتماد سے کہا۔ اس وقت اس کی جیب میں کرنسی تھی وہ خود کو بہت محفوظ تصور کر رہا تھا۔ خود بخود ایک شانِ بے نیازی جھلک رہی تھی۔

''مجھے آپ کے خیالات سے بہت خوشی ہوئی۔ عیش و آرام کے عادی لوگ بہت کم باپ کی دولت سے بے زاری ظاہر کرتے دیکھتے جاتے ہیں...... گڈ'' مومنہ نے بڑے اُستادانہ مشفق انداز میں اسے شاباشی دی۔

''بہر حال میں ضرور سوچوں گی کہ میں آپ سے اپنے کام میں کیا ہیلپ لے سکتی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی اور اعتماد سے بات کی۔

رمیض کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ منزل بہت قریب نظر آنے لگی تھی۔ ایک خوبصورت

Independent لڑکی اور اسپین ...... اور کیا چاہیے تھا۔

مومنہ سوچ رہی تھی کہ ماہ رُخ کی وقار سے جان چھوٹے تو رمیض جیسا ساتھی اسے ملنا سارے دکھوں کا مداوا بن سکتا ہے۔ اب اس کی خصوصی توجہ رمیض کے لیے مختص ہو رہی تھی۔ ماہ رُخ کافی کے تین مگ ٹرے میں رکھے ان کے قریب چلی آئی۔ وہ دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ مگر خاموش تھی ...... وہ دونوں ایسے موضوع پر باتیں کر رہے تھے جس میں اس کے حصہ لینے کی گنجائش نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆

سمن مٹن فرائی بنا رہی تھی۔ ہونٹوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں دیے سے جل رہے تھے۔ سہیل واش روم سے باہر آ کر بالکنی میں چلے گئے تھے۔

سمن کا اندازہ تھا وہ اس کو ڈھونڈتے ہوئے کچن میں آ جائیں گے۔ اس سے خوبصورت باتیں کریں گے۔ اس کا دل بہلائیں گے۔ اندیشوں سے ہمہ وقت کانپتے دل کو ڈھارس دیں گے۔ اور وہ سب کچھ بھول جائے گی۔ مگر اس نے سہیل کو بالکنی میں سر جھکائے جاتے دیکھا تو فکر مند سی ہو گئی۔ آج سہیل اسے کچھ خاموش خاموش سے محسوس ہو رہے تھے۔ اس سے بات کرتے کرتے کہیں کھو جاتے تھے۔ پھر چونک پڑتے تھے۔ شدت سے چاہنے کے عمل میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان اپنے محبوب کے احساسات کو اپنے ہی احساسات کی طرح پڑھتا ہے۔ کیونکہ چاہنے والی دو روحوں کا قالب ایک ہی ہوتا ہے۔ اس نے چمچ چلاتے ہوئے برنر کی آنچ بالکل دھیمی کر دی اور آہستہ قدموں سے کچن سے نکل کر بالکنی کی طرف بڑھی۔

سہیل ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے نیچے بارونق روڈ پر نظریں دوڑا رہے تھے۔ وہ اپنے دھیان میں اتنا گم تھے کہ سمن کی آمد کو محسوس ہی نہ کر سکے۔

سمن نے انہیں متوجہ کرنے کے لیے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

سہیل نے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور سنبھل کر مسکرا دیے۔

"ہو گئی کوکنگ ...... ؟" وہ یوں مسکرا رہے تھے جیسے سمن کا دل رکھ رہے ہوں۔

"ہو گئی ...... آپ یہاں آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں تو سوچ رہی تھی کچن میں آ کر مجھ سے باتیں کریں گے۔ دور تو ہو ہی جاتے ہیں۔ ایک چھت کے نیچے بھی دور دور ......"

سمن نے جیسے گلہ کیا۔

"ارے نہیں ...... میں نے سوچا تم بھی کچن کا کام ختم کر چکی ہو گی اور یہیں آ جاؤ گی۔ میں یہاں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" سہیل نے شادی کے بعد شاید پہلی مرتبہ نظر چرا کر بات کی تھی۔ سمن کو نظر چرانا تو محسوس نہیں ہوا بس یہ ضرور محسوس ہوا کہ دونوں کے درمیان کچھ نیا اور انوکھا ہے ...... کیا ہے؟ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"کھانا کھائیں گے ...... ؟" یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"نہیں ابھی تو بالکل بھوک نہیں ہے۔ اگر تمہیں بھوک لگ رہی ہے تو کھا لیتے ہیں۔" سہیل نے رواں دواں ٹریفک پر نظر دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے بھی بھوک تو بالکل نہیں ہے۔ اگر ابھی آپ کے ساتھ بیٹھ جاتی تو زبردستی کھاتی۔" سمن نے پیار سے سہیل کا بازو تھام کر اپنائیت کا احساس منتقل کیا۔

"اور طبیعت ٹھیک رہی ناں ...... پھر ڈپریشن میں تو نہیں گئیں ...... ؟" سہیل جیسے روبوٹ کی طرح حال چال پوچھ رہے تھے لہجہ تاثر سے عاری تھا۔ نہ کچھ منفی نہ مثبت۔

"شکر ہے ...... بالکل ٹھیک رہی ...... آپ کا انتظار یہ ایک بہت خوبصورت معروفیت ہے۔" سمن کے ہونٹوں پر پُراعتماد اور بھرپور مسکراہٹ اُبھری۔

"کیا کیا بنا لیا ...... میرا مطلب ہے ڈنر کا Menu کیا ہے؟"

"مٹن فرائی ...... پلین رائس ہیں ...... نگٹس ہیں اور ہرا بھرا رائتہ ......" سمن نے بھی جھٹ مینو بتا دیا۔

"اوہ ...... بہت زبردست اور سادہ Menu ہے۔ مگر میں سوچ رہا تھا پہلے ایک ضروری کام سے فارغ ہو جاتا۔ مگر پھر دیر ہو جائے گی تم بھوکی بیٹھی رہو گی۔" سہیل اُلجھے اُلجھے انداز میں بات کر رہے تھے۔

"کیا مطلب کیا باہر جائیں گے......" سمن نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔

"ہاں...... ایک بہت ضروری کام ہے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔" سہیل نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں ساتھ چلتی ہوں۔ کوئی حرج تو نہیں؟" سمن پھر دوری کے احساس سے بے قرار ہو گئی۔

"نہیں...... تم ساتھ نہیں جا سکتیں صرف مرد ہوں گے۔ تم بور ہو جاؤ گی۔" سہیل نے پھر نظر چرا کر جواب دیا۔ وہ جب جب نظر چراتے تھے سمن کے دل کا بوجھ بڑھ جاتا تھا مگر وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ٹھیک ہے...... آپ پھر جلدی چلے جائیں تا کہ وقت سے واپس آ جائیں۔" سمن نے طوعاً کرہاً ان کا جانا قبول کیا۔

سہیل یوں وہاں سے ہٹے جیسے بس وہ اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ جانے کی بات کریں سمن مان جائے اور وہ فوراً گھر سے نکل جائیں۔

سہیل بالکنی سے جا چکے تھے مگر سمن کو سوچ لگی تھی۔ چاہنے والی بیوی کے سینے میں دل نہیں ایک میٹر ہوتا ہے۔ اس کی ریڈنگ غلط نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆☆

کمال کرتی ہیں پھوپھو آپ...... آپ کی ابھی ایک شادی بھی نہیں ہوئی آپ اپنے لیے کیوں نہیں سوچتیں...... لاحول ولا قوۃ" ماہ رُخ نے برا مان کر مومنہ کی طرف سے پیٹھ کر لی۔

دونوں ایک بیڈ پر لیٹی سونے سے پہلے کی بات چیت میں مصروف تھیں جو تمام دن کا خلاصہ ہوتی ہے۔

"شادی میری ضرورت نہیں تمہاری ضرورت ہے ماہ رُخ۔ سب کے گلے اور دکھ دور ہو جائیں گے۔ کب تک اپنوں کے سرد رویوں کو برداشت کر سکو گی۔ آج تمہاری کسی اچھی جگہ شادی ہو جاتی ہے تو سب لوگ ماضی بھول بھال جائیں گے۔ نہیں تو تم فیصلہ کر دو

کہ اکیلی نہیں رہو گی۔ میں تمہیں بھائی بھابی کے پاس چھوڑ کر ہی جاؤں گی۔ یہ تنہائیاں تمہیں نفسیاتی مریض بنا دیں گی۔" مومنہ کا انداز دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔

"اور امی بابا مجھے ہر وقت اپنے سامنے دیکھ کر دُکھ سے بیمار ہو جائیں گے۔" ماہ رُخ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ تمہارے الگ تھلگ رہنے سے دکھی ہیں۔ اندر ہی اندر گھل رہے ہیں۔ تم اپنے ماں باپ کا دکھ نہیں سمجھ رہیں۔ میں بھائی میاں سے مل کر بات کر کے آئی ہوں مجھ تم سے زیادہ پتہ ہے۔" مومنہ نے اب بہت دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے میں امی بابا کے پاس ہمیشہ رہنے کے لیے سوچ سکتی ہوں مگر تیسری شادی کسی بھی صورت میں نہیں کر سکتی...... اسی وجہ سے میں وقار سے طلاق لینے کا سوچتی بھی نہیں تھی کہ مجھے کون سا تیسری شادی کرنا ہے جو میں طلاق کے لیے اپنا وقت اور پیسہ برباد کروں۔"

"جو ایک یا دو مرتبہ ہوتا ہے ہمیشہ نہیں ہوتا...... یہ تو قسمت کی بات ہوتی ہوے کہ کب ریلیف ملتا ہے۔" مومنہ نے اب بہت اپنائیت سے کہا۔

"بار بار شادیاں کرنے والی اور بازاری عورت میں کیا فرق رہ جاتا ہے پھوپھو......؟" ماہ رُخ نے تلخی سے کہا۔

"پاگلوں والی باتیں...... دیکھو رمیض بہت اچھا لڑکا ہے۔ اسپین میں بزنس کرنے کی باتیں سوچ رہا ہے۔ ایسا تنہا اور شریف، نیک خیالات رکھنے والا لڑکا بہت نصیب سے ملتا ہے۔" مومنہ نے اسے قائل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

"اور دیکھو...... وقار دو تین مرتبہ اور پیش نہیں ہوا تو تمہیں ویسے ہی خلع کی ڈگری مل جائے گی۔ میں رمیض کے لیے بالکل سنجیدہ ہوں۔" مومنہ نے کروٹ لے کر ماہ رُخ کا بازو زور سے دبا کر کہا۔

☆☆☆☆☆

"سنا میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ مجھے بالکل بھی تجسس نہیں کہ اس نے فون پر

آپ سے کیا باتیں کیں۔'' روبی غصے کی شدت سے جیسے کانپنے لگی تھی۔

''بیٹا! جوش ذرا دیر کی آندھی ہوتی ہے۔ زندگی تو ہوش میں کاٹنا ہوتی ہے۔'' نانا نے بہت تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اس نے آخر مجھے سمجھا کیا تھا؟ میرے ساتھ رہتے ہوئے کسی اور کے ساتھ رہتا تھا۔ محبت ہو یا نفرت یہ انسان پر آسیب کی طرح پنجے گاڑے ہوتی ہے نا..... وہ ایک دن بھی میرا نہیں تھا۔'' روبی کے انداز میں ضد اور غصے کی کیفیت غالب تھی۔

''یوں نہ کہو..... لڑیا پٹولے کی طرح تمہارا خیال رکھتا تھا۔''

''ہاں گڑیا سمجھ کر ہی کھیل رہا تھا۔ انسان تو سمجھا ہی نہیں تھا۔'' روبی پھر پھنکاری۔

وہ واش روم سے باہر آئی تو نانا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ بالآخر بول پڑیں تھیں۔ وقار کا رابطہ کرنا ہی ان کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ رابطہ کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ روبی کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔

''تم سوکن کی باتوں میں آ کر اس کی دشمن ہو رہی ہو۔ وہ تو اسے کھو چکی۔ اسے برا ہی کہے گی۔'' نانا نے اپنی دانست میں بڑی وزنی دلیل دی۔

''آپ سے کس نے کہہ دیا کہ ماہ رُخ آپی اس کے خلاف باتیں کرتی ہیں؟ وہ تو میرے سامنے اس کی کوئی بات ہی نہیں کرتیں۔ میں ہر طریقہ آزما چکی ہوں وہ اپنی زبان پر وقار کا نام تک نہیں لاتیں۔ مجھے اب ان پر غصہ آنے لگا ہے کہ وہ پھٹ کیوں نہیں پڑتیں۔ وہ روتی کیوں نہیں..... نفرت کی بات نہیں کرتیں۔ محبت کی بات نہیں کرتیں، گلہ نہیں کرتیں، مطالبہ نہیں کرتی، دست بردار نہیں ہوتیں۔ میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ ان میں کوئی حس کیوں نہیں ہے۔'' روبی جذبات کی شدت سے بے اختیار ہو رہی تھی۔

''اتنی بھی سیدھی نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔'' نانا تو اس وقت سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں اُتر پڑی تھیں۔

''کورٹ میں گھسیٹ رہی ہے ناں وقار میاں کو.....؟'' نانا نے اپنے حساب سے پھر ترپ کا پتہ پھینک کر ابرو چڑھا کر روبی کی طرف یوں دیکھا جیسے روبی کو ڈھیر کر دے

میں تنہا ہو گئی ہوں۔

''یہ سارا کارنامہ مومنہ پھوپھو کا ہے۔ ان کے آنے سے پہلے کچھ کیوں نہیں کیا ماہ رُخ آپی نے؟'' روبی نے ٹاول سے بال آزاد کر کے جھٹکنا شروع کر دیے۔

''مجھے کچھ پتہ نہیں تھا..... مگر آپی کو خاموش تنہا زندگی گزارتے دیکھ کر میرا دل بہت بے قرار ہوتا تھا۔ ایک نیک با کردار لڑکی..... اس کے ساتھ کسی رشتے کسی تعلق کا بندھن کیوں نہیں..... نوکری کرتی ہے۔ ایک روٹی بناتی ہے۔ اکیلی بیٹھ کر کھاتی ہے۔ نماز پڑھتی ہے سو جاتی ہے۔ بہت رحم آتا تھا ان پر مگر وہ کچھ نہیں بتاتی تھیں۔'' مسکرا کر کوئی دوسری بات شروع کر دیتی تھیں۔

''اس کے باوجود اُن کے گونگے دکھ میرے اندر اس طرح اُترتے تھے جیسے خشک مٹی پر بارش کے پہلے قطرے جذب ہوتے ہیں۔'' روبی کہتے کہتے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ نانا تو سب کچھ بھول بھال حواس باختہ سی روبی کی طرف لپکیں۔

''ارے بیٹا خود کو سالو (سنبھالو) ارے میں تو تمہارے بھلے کی بات ہی کر رہی تھی۔'' وہ جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنے لگیں۔

''اتنا ظالم ہے یہ شخص..... اتنی نیک معصوم لڑکی کو ہر طرف سے خالی کر دیا۔ اپنا دکھ تو مجھے یاد ہی نہیں رہتا۔ اُن کے دکھ پر مر جانے کو جی چاہتا ہے.....'' روبی کا رونا نانا سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ خود بھی رونے لگیں۔

''اب اگر اس پتھر کا فون آئے تو اسے میری طرف سے کہہ دیجیے کہ وہ ماہ رُخ آپی سے معافی مانگے۔ ان کو گلے سے لگا کر یہاں سے لے جائے۔ لٹی ہوئی خوشیاں انہیں لوٹا دے۔ ان کو پھر سے مسکرانا سکھا دے۔'' روبی بری طرح روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

''باؤلی ہوئی ہو..... تمہارا سہاگ.....''

''نہیں ہے میرا سہاگ..... میرا صرف پچھتاوا ہے۔ ملال ہے۔ روگ ہے.....'' روبی پاگلوں کی طرح چلائی۔ نانا غیر اختیاری طور پر خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

''یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔ میں اس غم سے چور لڑکی کے سامنے اپنی خوشیوں کی باتیں کرتی تھی...... وقار کی باتیں کرتی تھی۔ کیسے کیسے میں نے نمک چھڑکا ہے ان کے زخموں پر روبی دوزانو کارپٹ پر بیٹھی دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپے۔'' تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی......روتے روتے جیسے اسے چکر آ گئے۔

وہ ایک طرف کو جھکی اور سر صوفے سے ٹکا دیا۔ اب وہ بس اپنی ہچکیاں کنٹرول کر رہی تھی۔ سارا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ جو ہنوز بہہ رہے تھے۔

ننا کے دل پر اس کی تڑپ اور بے قراری جیسے چھریاں چلا رہی تھی۔ اب وہ منہ کھولتے ہوئے خوفزدہ تھیں کہ مبادا پھر کچھ منہ سے نکل جائے اور روبی پھر قیامت اٹھا دے۔ سہمی ہوئی بے بسی سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

''ثمن......! میں ایک مہینے کے لیے لندن جا رہا ہوں۔'' سہیل ثمن کے پہلو میں دراز بڑی آہستگی سے حشر اٹھا رہے تھے۔ ثمن ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور غور سے سہیل کو دیکھنے لگی۔

''لیکن کیوں......؟ میں بھی تو آپ کے ساتھ جا سکتی ہوں...... پہلے بھی کئی بار جا چکی ہوں۔'' وہ اندیشوں سے نڈھال ہو کر بے ربط ہو گئی۔ سانس بھی جیسے تھم سی گئی تھی۔

''نہیں وہاں میں تمہیں وقت نہیں دے سکوں گا۔ میں ڈبل ایم بی اے کی تیاری کر رہا تھا کہ مجھے پاکستان آنا پڑا۔ میں اسٹڈی کے لیے جا رہا ہوں۔ میرا زیادہ وقت یونیورسٹی و لائبریری میں گزرے گا۔'' سہیل نے یہ کہہ کر بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

''تو یہاں بھی تو میں اکیلی ہوں...... وہاں رات کو تو گھر آیا کریں گے۔ روز تو ملیں گے۔ یہاں تو اب درمیان میں کئی کئی دن آ جاتے ہیں۔'' ثمن نے بے قرار ہو کر سہیل کا بازو ان کی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کی تڑپ نے سہیل کو تڑپا کر رکھ دیا۔

''بہت مشکل پیپرز ہوتے ہیں ثمن...... توجہ بٹ جاتی ہے۔ تم وہاں ہو گی تو آدھا

دھیان تو تمہاری طرف ہی لگا رہے گا۔'' انہوں نے اب رسانیت سے سمجھایا۔

''سچ سچ! اکیلے جا رہے ہیں؟'' ثمن نے اب سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ وہ محبت ہی کیا جسے اندیشوں کے طوفان کا سامنا نہ ہو۔

''بالکل اکیلا جا رہا ہوں۔ وہ اتنی اہم کیسے ہو سکتی ہے کہ اس کی خاطر تم سے جھوٹ بولوں۔'' سہیل نے خلاف توقع بڑے نارمل انداز میں جواب دیا جبکہ ثمن ان کی طرف سے بڑی پرجوش یقین دہانی کی منتظر تھی۔

''یہ اچانک آپ کو ڈبل ایم بی اے کی کیوں سوجھی...... آپ کو ضرورت کیا ہے آپ کو کون سا کیریئر بنانا ہے؟'' ثمن بری طرح الجھ گئی۔

اسے وحشت سی ہو رہی تھی کہ سہیل نے ''اس'' کے ذکر کے بعد اس سے محبت و لگاوٹ کا اظہار کیوں نہیں کیا۔ بس سیدھا سا جواب دے دیا۔ وہ کئی دن بعد آئے تھے۔ بہت سی یقین دہانیاں اور تجدید عہد وفا بہت ضروری تھا۔

''چلو اب سو جاؤ...... باقی باتیں صبح کریں گے۔'' سہیل نے اس سے نظر چرا کر اپنا بازو پھر سے آنکھوں پر رکھ لیا۔

''ہیں؟'' ثمن کو پھر ایک ڈھچکا لگا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے سہیل کو دیکھا۔

''آپ یہاں سونے آئے ہیں......؟'' لہجے سے خفگی ظاہر تھی۔

''ہاں...... واقعی سونے آیا ہوں۔ کئی دن سے سو نہیں سکا۔'' سہیل کی طرف سے پھر بے رحم اور سچا جواب آیا۔ ثمن کا دل جیسے بیٹھ گیا۔

''کک کیوں...... کیوں نہیں سوئے...... جاگتے رہے......؟''

''ہاں...... اب یہاں سے جا کر حویلی میں نیند نہیں آتی۔'' سہیل نے بڑا سادہ سا جواب دیا۔

''وہاں نیند نہیں آتی تو کیا کرتے ہیں۔'' ثمن نے اندیشوں سے لرزتی آواز میں بہت آہستگی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں...... کتابیں پڑھتا رہتا ہوں......'' انہوں نے بازو آنکھوں سے ہٹائے

بغیر جواب دیا۔

''وہ......وہ کتابیں پڑھنے دیتی ہے۔'' ثمن نے آہستگی سے کہا اور چند بے آواز آنسو زخساروں پر لڑھک آئے جو اندھیرے میں سہیل کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔

''اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ مجھے Dominate کرے۔ اچھا اب تم بھی سو جاؤ......'' یہ کہہ کر انہوں نے کروٹ لے لی۔

ثمن چند لمحے ان کی طرف دیکھتی رہی اُنگلیوں کی پوروں سے آنسو جھٹکتی رہی۔ پھر ایک دم دونوں ہاتھوں سے سہیل کا بازو تھام لیا۔

''اُس کا حق ہی تو اسے دیا ہوگا۔ کیوں مجرموں کی طرح چہرہ چھپا رہے ہیں؟ وہ تو بے قصور ہے اُس کا بھی تو سب کچھ آپ ہی ہیں۔''

سہیل کی روح جیسے وجود کی سلاخوں سے ٹکریں مارنے لگی۔ کیا موڑ تھا زندگی کا وہ خاموش دم سادھے اسی طرح لیٹے رہے۔

''آپ کی خاموشی بہت معنی خیز ہے۔ مگر یہ خاموشی بہت باتیں کر رہی ہے۔ اچھا کیا آپ نے کچھ محسوس کرا دیا۔''

''میں تو خود چاہوں گی کہ مجھے کئی دنوں تک آپ نہ چھوئیں۔ کیوں کہ مجھے کئی دن تک خود کو سمجھانا ہے......سنبھالنا ہے۔ اللہ کرے آپ کو اچھی سی نیند آ جائے۔'' ثمن کہتے ہوئے بیڈ سے اُتر گئی اس کا لہجہ ہر تاری سے عاری تھا۔

سہیل کو خود ہی حیرت کا جھٹکا لگا تھا کہ ثمن کے بیڈ سے اُترتے ہی انہیں کوئی زنجیر کٹنے کا احساس ملا تھا۔ دیر بعد انہوں نے کھل کر سانس لی تھی۔

ثمن بے آواز قدموں سے باہر چلی گئی تھی۔ دروازہ کھلنے کا تو احساس ہوا تھا۔ بند ہونے کا نہیں......دروازے کی طرف ان کی پشت تھی۔

☆☆☆☆☆

''ابھی تک نہیں آیا'' بانو بیگم نے گھڑی کی طرف دیکھ کر اندیشوں سے چور آواز میں عتیقہ سے کہا۔

''وہ تو اکثر دیر سے آتا ہے امی...... یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ سو جائیں......'' عتیقہ نے ماں کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا۔ وہ تاریک کمرے میں ٹیبل لیمپ جلائے اسٹڈی میں مصروف تھی یا خود کو مصروف کیا ہوا تھا۔ بے قراری تو اس کے دل کو بھی تھی۔

ٹیبل لیمپ کی روشنی ٹیبل کی سطح پر تھی اور کھڑی ہوئی بانو بیگم کا چہرہ کمرے کی لائٹ آف ہونے کی وجہ سے غیر واضح تھا۔ عتیقہ ان کے کرب و اضطرار کے عکس نہ جانچ سکی اور دوبارہ سر جھکا کر قلم چلانے لگی۔

''ایک سال رہتا ہے۔ بہت اچھا چل رہا تھا پڑھائی میں۔ ایک سال بعد ڈاکٹر بن سکتا ہے۔'' بانو بیگم کی بات چیت ان کے ذہنی انتشار کا مظہر تھی۔

''انشاء اللہ ضرور بنے گا۔ اسے خود بھی پتہ ہوگا کہ وہ اپنے کیریئر کی کس منزل پر کھڑا ہے۔ امی وہ جذباتی اور کم عمر ہے مگر بے وقوف تو نہیں ہے۔'' عتیقہ نے ماں کو بھرپور تسلی دی۔

''جذباتی پن ہی تو سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ جذبات میں آ کر انسان بہت کچھ ایسا کر جاتا ہے کہ عمر بھر کے پچھتاوے لگ جاتے ہیں۔'' بانو بیگم نے اتنی مضبوط بات کی کہ عتیقہ لاجواب سی ہو کر خاموش رہی۔

''عتیقہ!'' بانو بیگم نے لمحاتی توقف کے بعد عتیقہ کو مخاطب کیا۔

''جی امی......'' وہ پھر سر اُٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''دیکھو شاداب حویلی میں بہت ہنگامہ کر کے آیا ہوگا۔ وہ خود سے تو کبھی بتائے گا نہیں مگر مجھے خود اندازہ ہے۔''

''شکر خدا کا خیریت سے واپس تو آ گیا ہے۔ آپا کی وجہ سے وہ لوگ اسے کچھ کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔'' ثمن آپا کی ساس نے تو ہزار جتن بعد اپنے بیٹے کی دوسری شادی کی ہے۔ وہ کوئی گڑبڑ اب تو ہرگز نہیں کریں گے۔ پہلی کی بات اور تھی۔''

''میں اس وقت ان کی طرف سے پیش آنے والے کسی خطرے پر بات نہیں کر رہی ہوں۔ نیا کی بات کر رہی ہوں۔ شاداب کے جانے سے اب وہ وہاں قید ہو گئی ہے۔ حویلی

والے اسے یہاں آنے نہیں دیں گے۔" بانو بیگم نے اپنا اندیشہ بیان کرنا شروع کیا۔

"امی...... "آپا بہت ذہین ہیں وہ آنے کا راستہ نکال لیں گی۔" وہ سہیل بھائی کی بیوی بن کر حویلی میں کبھی نہیں رہیں گی۔ ان کا کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ پھر وہ ان کی عزیز دوست کے شوہر ہیں۔ آپا کی طرف سے آپ فکرمند نہ ہوں۔" عتیقہ نے بہت وثوق اور اعتماد سے بانو بیگم کو تسلی دی۔

"اپنی بیٹی پر تو مجھے پورا اعتماد ہے۔ مگر حویلی کے لوگ بہت ظالم ہیں۔ دل بہت گھبرا رہا ہے۔" بانو بیگم کی پریشانی اسی طرح تھی۔

"سہیل بھائی بھی ہیں حویلی والوں میں۔ وہ تو خود بیچارے آپا کی اور اپنی جان چھڑانے کی ترکیبیں سوچ رہے ہوں گے۔ وہ سمن آپا کے علاوہ کسی لڑکی کو ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ تسلی رکھیں......" عتیقہ نے اسی طرح یقین سے کہا۔

"ہاں خیر...... سہیل کی وجہ سے ایک اچھی آس تو رہتی ہے دل میں۔" بانو بیگم نے بہرحال اعتراف کیا اور قدرے پرسکون نظر آنے لگیں۔

پھر آہستگی سے عتیقہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کمرے سے باہر جانے کی نیت سے پلٹ گئی تھیں۔

"امی آپ سو جائیں...... شاداب آ جائے گا۔ میرے جاگتے ہوئے آ گیا تو میں اسے کھانے کا پوچھ لوں گی۔" عتیقہ نے جیسے ان کو تسلی دی۔ بے فکر کیا۔

"اچھا...... ٹھیک ہے۔ جیتی رہو"

☆☆☆☆☆

"پتہ نہیں کیا نمو...... بعض اوقات انسان کو اس کی سوچ سے زیادہ مل جاتا ہے یونہی اتفاق سے...... پھر خود کو یقین دلانے میں خاصہ وقت لگ جاتا ہے۔" ولید کمال نمو کے پہلو میں دراز جیسے دور کہیں خوابوں کے جہاں کی سیر کر رہا تھا۔ رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔

رات کے آنگن میں دبے پاؤں صبح اُتر رہی تھی۔ ولید کمال کی دھیمی بھاری

خوابناک آواز اور اپنائیت کا احساس دیتی قربت نمو کی جھولی خوشیوں سے بھر رہی تھی۔ شادی کے بعد جو احساسِ تکمیل کسی ذی شعور کی لاشعوری طلب ہوتا ہے وہ اس احساس میں بالکل بھیگ چکی تھی۔ وہ چند دن پہلے گزرنے والی وہ روح فرسا رات بھولنے لگی۔ بلکہ اس کے بعد ملنے والی محبت کی شدت کا احساس اس حادثے کو قطعی غیر اہم کر رہا تھا۔ اس کا نازک ہاتھ ولید کمال کے مضبوط بازو کو نزاکت سے گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا وہ سیرابی کے اس مقام پر ہے جہاں صرف ایک دعا کی ضرورت ہوتی ہے کہ اللہ ان خوشیوں کو ان محبتوں کو ہمیشہ قائم دائم رکھنا۔

"نمو تم کیا میری اذیتوں میں کاٹی ہوئی راتوں کا انعام ہو......؟" اس نے بہت پیار سے نمو کے چہرے پر بکھری لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے اسی طرح مخمور آواز میں کہا۔

اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ دونوں چونک کر خوابوں کی دنیا سے باہر آ گئے۔ نمو فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگی۔ ولید نے دروازے کی طرف چہرہ موڑ کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

"ہاں بیٹا...... ایک منٹ کے لیے ذرا بات سننا۔ پس در سعید کمال کی آواز سنائی دی۔

نمو اور ولید نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ولید نے ہاتھ بڑھا کر اپنی شرٹ اُٹھائی۔

"ایک منٹ پاپا...... کھول رہا ہوں۔" اس نے عجلت کے انداز میں شرٹ پہنتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ چہرے پر فکرمندی کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ نمو جلدی سے دوپٹہ وغیرہ سنبھال کر بیڈ سے اُتر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

ولید نے دروازہ کھول دیا تھا۔

سعید کمال نے ہاتھ بڑھا کر ولید کے کندھے پر رکھ دیا۔ ولید کمال کی تشویش انتہا کو پہنچ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا کوئی اہم اور ناگوار خبر ہے۔

”خیریت تو ہے پاپا......؟“

”خیریت ہے بیٹا...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“

اتنا کہہ کر وہ یوں رُکے جیسے اگلا جملہ بولنے کے لیے خود کو تیار کر رہے ہوں۔

”باہر پولیس آئی ہے بیٹا......“

”پولیس......!! مگر کیوں......؟ میں نے یا آپ نے کوئی قانون توڑا ہے؟ کیا کیا ہے ہم لوگوں نے......“ سعید کمال نے ایک لمحے خاموش ہو کر ولید کی طرف دیکھا۔

پھر بولے ”کسی میڈم عالیہ کو جانتے ہو......؟“

ولید پر نام سن کر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے فوراً انکار میں گردن ہلا دی۔

”نہیں...... میں کسی میڈم عالیہ کو نہیں جانتا۔ میں نے تو یہ نام ہی پہلی بار سنا ہے۔“

دور کھڑی نمو کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

میرے خدایا! وہ منحوس یہاں بھی پہنچ گئی۔ مال کے حصول کی وحشت نے اسے بالکل ہی پاگل کر دیا ہے۔

وہ ناتجربہ کار سادہ مزاج لڑکی ابھی دنیا کو اس طرح سے سمجھی ہی کہاں تھی جس طرح سے دنیا سمجھ میں آتی ہے اور جس طرح سے دنیا کو سمجھنا چاہیے۔

کثرتِ مال کی خواہش جب جنون و وحشت کی شکل اختیار کرتی ہے تو ظلم، تکبر، خود غرضی کے شعلے چار سو بھڑکنے لگتے ہیں اور ان وحشت زدہ لوگوں کی بھڑکائی آگ میں ان گنت انسان خواہ مخواہ دُکھ صدمات اور نقصانات سے گزرتے ہیں۔

انسان جب اپنی بقاء کا ضامن صرف مال کو سمجھنے لگتا ہے تو یہی مال اس کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔

دولت عزت کا باعث ہوتی ہے۔ دنیا کی زینت ہے مگر وہ دولت جو ظلم، لوٹ مار، استحصال اور بددعاؤں کی ناپاکیوں، غلاظتوں سے پاک ہو۔

آج میڈم عالیہ اپنی عیاشیوں کا تحفظ کرتی ایک اور پرسکون، شریف گھرانے میں آگ لگانے پہنچ گئی تھی۔

نمو اس سے پیشتر کچھ کہنے کے قابل ہوتی ولید کمال اور سعید کمال وہاں سے آگے بڑھ چکے تھے۔ نمو جیسے جست لگا کر دروازے تک پہنچی اور سر باہر نکال کر اطراف کا جائزہ لیا۔ دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ اس کی حالت خراب ہونے لگی۔ اس کا بیڈ روم فرسٹ فلور پر تھا۔ صورتِ حال جاننے کے لیے اس کا گراؤنڈ فلور پر جانا ضروری تھا۔

دکھ اور شرم سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ یہ سب رمیض کے پھیلائے ہوئے جال تھے۔ آج سسرال میں ناگہانی ذلت اس کی وجہ سے آئی تھی۔ رمیض اس کا حوالہ تھا۔ انجم علوی کا بیٹا تھا۔

اتنے دن خاموشی سے گزر گئے تو سب نے یہی سوچا تھا کہ میڈم عالیہ کو ولید نے سبق سکھایا ہے۔ اب وہ کبھی انجم علوی کے گھر کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کرے گی لیکن ایک عیاش عیش و عشرت کی کمی کے احساس ہی سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور جب مطلوبہ ممکنہ دولت دسترس میں آنے کا یقین ہو تو مال کی ہوس میں مبتلا انسان ہار نہیں مانتا اور شاید یہی وجہ تھی کہ میڈم عالیہ نے ہار نہیں مانی تھی۔ اتنے دن کی خاموشی گویا اس طوفان کا پیش خیمہ تھی جو آج برپا ہوا تھا۔

وہ مخمصے میں پڑ گئی نیچے جائے یا نہیں۔ جذبات اتنے شوریدہ ہو رہے تھے کہ بس نہیں چلتا تھا ایک جست میں نیچے پہنچ جائے۔

یا اللہ...... آخر پولیس کیوں آئی ہے۔ کیا ولید کو گرفتار کرنے...... مگر کیوں؟

کیا ہو رہا ہے اس معاشرے میں جرائم پیشہ لوگ اپنی شرائط پر جیتے ہیں اور بے گناہ گنہگاروں کی طرح۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو تھام لیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ گزرنے والا ایک ایک لمحہ قیامت تھا۔ یا اللہ نیچے کیا ہو رہا ہے۔ ایسی بے قراری تھی جس کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ شرم اور خوف سے نیچے جانے کی تو ہمت ہی نہیں تھی۔ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو گئیں۔ یہ ایک وسیع آراستہ لاؤنج تھا مگر داخلی حصے میں جہاں وہ کھڑی تھی بیٹھنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ سوائے سائے کے پودے کے جو ایک بڑے سے آرائشی گملے میں گڑا ہوا تھا۔ وہ بے دم انداز میں وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

اسی لمحے اسے محسوس ہوا کوئی اُوپر آ رہا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ ہمت کر کے کھڑی ہوتی تابندہ کمال اس کے سامنے آ چکی تھیں۔

نمو تو جیسے مجرم کی طرح کانپنے لگی۔

تابندہ بیگم گم صم کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نمو کو اس اندازِ نظر سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ جیسے کسی جرم کا فیصلہ سنانے کی گھڑی سر پر آ کھڑی ہوئی ہو۔

''یہ میڈم عالیہ کون ہے نمو......؟'' وہ بالکل سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ گہرے سکوت میں گویا ہلچل پیدا ہوئی۔

''ممی...... پلیز آپ ممانی جان سے بات کریں۔ میں آپ کو شاید سمجھا نہیں پاؤں گی۔'' نمو نے گلے میں اٹکی کوئی گٹھلی حلق سے نیچے اُتاری۔

''دیکھنے میں تو آپ لوگ بہت شریف لگتے ہیں۔ مگر یہ عورت...... پولیس کے چھاپے...... یہ سب کیا ہے نمو؟'' تابندہ کمال بہت زیادہ Shocked دکھائی دے رہی تھیں۔

نمو تو یہ سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ احساس ذلت اور بے بسی کی کیفیت میں صرف اس کا اتنا ہی اختیار تھا۔

''میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔ پلیز آپ ممانی جان سے بات کریں اور یہ سچ ہے کہ میرے ماموں جان بے حد شریف اور عزت دار انسان ہیں۔'' اس نے بری طرح روتے ہوئے کہا۔

''میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں نمو...... میں ایسی ذلت کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی...... کہ رات کے ساڑھے تین بجے پولیس میرے بیٹے اور شوہر کو گرفتار کر کے لے جائے گی۔ خود ہی سوچو...... یہ کوئی مذاق بات ہے؟

پلیز اپنے ماموں کو فون کرو کہ وہ گھر پر آ کر مجھ سے ملیں۔ تابندہ کا انداز بالکل اجنبی تھا۔'' مسز تابندہ کمال اُلجھے اُلجھے انداز میں اسے ایک کٹھن کام دے کر دوبارہ نیچے چلی گئیں اور نمو تو یہ سن کر ہی حواس کھو چکی تھی کہ ولید کمال اور سعید کمال کو پولیس گرفتار کر

آ گئی ہے۔

وہ تو پہلے ہی مری ہوئی تھی اس پر مسز تابندہ کی اجنبیت...... وہ خود بخود گھسیٹتی کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسے پہلی فرصت میں انجم علوی سے رابطہ کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆

''وہ لڑکا واپس کیوں نہیں آیا......؟'' دادا مشتبہ نظروں سے نشاط افزاء کو گھور رہی تھی۔

''مجھے کیا پتہ...... میری اس سے کوئی دوستی ہے جو اس کے آنے جانے کا پوچھوں۔'' نشاط افزاء نے بے رُخی سے کہا۔

''وہ بے ٹھکانہ تھا۔''

''کیا خبر جھوٹ بول رہا ہو'' انشاء افزاء نے دادا کی بات تیزی سے کاٹ دی۔

''کیوں جھوٹ بولے گا۔ یہاں پناہ لینے آیا تھا۔ میں کمرہ دیکھ کر آ رہی ہوں۔ کوئی چیز چوری نہیں ہوئی۔ اس کمرے میں ہاتھی دانت کے دو قیمتی گلدان رکھے ہوئے ہیں وہ اپنی جگہ موجود ہیں۔ جو آسانی سے چرائے جا سکتے تھے۔'' دادا ہنوز نشاط افزاء کو گھور رہی تھی۔

''آپ مجھ سے کیوں چھان بین کر رہی ہیں۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور کیوں کرتی...... وہ کیا لگتا ہے میرا؟'' نشاط افزاء بھی بڑے اعتماد اور بے مروّت لہجے میں بات کر رہی تھی۔

''واش روم میں یہ کاغذ کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر تھی جو وہ پھاڑ کر وہیں پھینک کر چلا گیا۔'' دادا نے اپنے مردانہ ہاتھ کی مٹھی کھول کر نشاط افزا کے سامنے کی۔

ایک لمحے کے لیے نشاط افزا کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ اس نے کن انکھیوں سے دادا کے پھیلے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

''دادا! مجھ سے چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اس قید خانے سے سمجھوتہ کر چکی ہوں۔ بھاگنا ہوتا تو کب کی بھاگ جاتی۔ آپ کے وفادار تو مجھے اُٹھا کر لے گئے

تھے۔ میں خود دوبارہ یہاں آئی ہوں۔ آپ کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آ رہی؟ یہ حسن خوبصورتی میرے لیے عذاب جاں ہے۔ قدرت نے آپ کو میرا پہریدار بنا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ بقول آپ کے اگر کسی نے مجھ سے شادی کرنے کی غلطی کر بھی لی تو عمر بھر کے لیے سکون سے محروم ہو جائے گا۔ ہر وقت اسی فکر میں رہے گا کہ کیسے دنیا سے چھپا کر رکھوں۔" نشاط افزاء نے دادا کی طرف سے پشت کر کے بڑے کرب سے کہا۔

دادا نے سوچتی ہوئی نظر نشاط افزاء کی پشت پر دوڑائی۔ تاثرات قدرے تبدیل ہوئے جیسے یقین آ گیا ہو کہ نشاط افزاء کو رمیض کے بارے میں واقعی کوئی علم نہیں۔

"بہر حال...... بہت کام کا لڑکا ہاتھ لگا تھا۔ اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ بلکہ مجھے لگتا ہے وہ کسی کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔ اب یہ خیال رکھنا ہے کہ ڈاکہ ڈالنے یہاں نہ پہنچ جائے۔ گھر بار کا اندازہ لگا کر تو چلا گیا ہے" دادا کو اب نئے وہم ستانے لگے۔

"بہت خیال رکھنا ہو گا نشاط...... اب اگر آ جائے تو گیٹ مت کھلوانا۔ چاہے کتنا ہی اصرار کرے منت خوشامد کرے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" نشاط افزاء کے لہجے میں جیسے عزم تھا۔ دادا کو جیسے خاصی تسلی ہو گئی۔ وہ کاغذ کے پرزوں کو مٹھی میں دبوچ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ نشاط افزاء کو الجھن ستا رہی تھی کہ دادا ان ٹکڑوں کو خزانے کی طرح کیوں سنبھال رہی ہے۔ پھینک کیوں نہیں دیتی۔

یقیناً وہ ماہر سراغ رساں کی طرح ٹکڑے جوڑ کر تفتیش کرنا چاہ رہی ہو گی۔ نشاط افزاء کو اتنا تو اطمینان تھا کہ سادہ بغیر لائن کے کاغذ کے ٹکڑے جوڑ کر پڑھنا آسان نہیں ہو گا کہ اس نے بہت رف اور مسخ خط میں وہ سطریں لکھی تھیں اور یہ بھی اس نے دیکھ لیا تھا کہ رمیض نے بڑی فرصت اور بڑے اہتمام سے وہ کاغذ پرزہ پرزہ کیا تھا۔ دادا کی چوڑی ہتھیلی پر بکھرے کاغذ کے پرزے "پرزہ پرزہ" کے بجائے "چور چور" لگ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

"بھابی آپ یقین کریں اپنی ساکھ عزت کی خاطر ہی میں نے اپنی اکلوتی اولاد کو عاق کیا ہے۔" انجم علوی ندامت سے سر جھکائے تابندہ کمال سے بات کر رہے تھے۔ سبرینہ کی تو حالت بہت ہی خراب تھی۔ ان کو اندازہ تھا کہ اب انجم علوی نے ساری بھڑاس انہی پر نکالنا ہے۔ انہیں تو بات کرنا محال تھا۔ نیا نیا سمدھیانہ تھا۔ احساس ذلت سے گویا زمین میں دھنسی جا رہی تھیں۔

"آپ کو یہ سب باتیں شادی سے پہلے بتا دینا چاہیے تھیں۔ پھر ہم فیصلہ کرتے کہ شادی کرنا ہے یا نہیں۔" تابندہ کمال اس اچانک پیش آ جانے والے حادثے سے سنبھل نہیں پا رہی تھیں۔ درحقیقت ان کی حالت بہت قابل رحم تھی۔

"ولید کو سب معلوم ہو چکا تھا۔ بلکہ جس دن انجم نے اسے گھر سے نکالا اس دن ولید ہمارے ہاں آیا ہوا تھا۔" سبرینہ نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"کمال ہے، ولید نے گھر میں کیوں نہیں بتایا۔ اس کی تو ارینج میرج ہو رہی تھی کوئی لو افیئر تو نہیں تھا نمو کے ساتھ۔" تابندہ کمال نے حیرت زدہ ہو کر جیسے خود کلامی کی۔

"اس نے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ بات اتنی بڑھ سکتی ہے۔ ہم نے بھی نہیں سوچا تھا۔" انجم علوی نے شرمسار سے لہجے میں نظر جھکا کر کہا۔

"حالانکہ آپ لوگوں کو سوچنا چاہیے تھا۔ آپ کے بیٹے کے کریمنل (جرائم پیشہ) لوگوں کے ساتھ ٹرمز تھے آپ اتنے بے فکر کیسے ہو گئے۔" تابندہ کمال اس وقت صدمے کی حالت میں تھیں جو نہ کہتیں کم تھا۔

"اسے خود بھی پتہ نہیں تھا کہ اس لڑکی کا تعلق جرائم پیشہ لوگوں سے ہے۔ وہ ایم بی اے کر رہا تھا اس کے پاس اتنا زیادہ وقت نہیں تھا کہ وہ دوسری ایکٹویٹیز میں پڑتا۔" سبرینہ نے یہ جملہ تابندہ کمال کے لیے نہیں صرف شوہر کو سنانے کے لیے کہا تھا۔

"آپ گھر میں ہوتی ہیں آپ کو کیا پتہ کہ وہ پڑھنے جاتا ہے یا کہیں اور" تابندہ کمال نے اب بڑا گہرا طنز کیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... اتنا تو ہر ماں کو اندازہ ہوتا ہے کہ بچہ پڑھ رہا

ہے یا نہیں۔ اس کے کلاس فیلوز گھر آتے تھے جن میں دو تین وہ ہیں جن سے ہمارے فیملی ٹرمز ہیں۔'' سبرینہ نے ڈرتے ڈرتے شوہر کی طرف دیکھا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی یہاں سے نکل کر پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ چند گھنٹوں میں سعید بھائی اور ولید گھر میں ہوں گے۔'' انجم علوی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے ان کی تقلید میں سبرینہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

''اللہ کرے جیسا آپ کہہ رہے ہیں ایسا ہی ہو۔ مگر جرائم پیشہ لوگ ناحق ہمارے پیچھے تو پڑ گئے ہیں۔ ہر وقت کے دھڑکے تو لگ گئے ہیں۔'' تابندہ کمال بھی مارے باندھے کھڑی ہو کر خفا خفا انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''اللہ بہتر کرے گا بھابی...... میں بیٹے کو جان سے نہیں مار سکتا۔ بے دخل کر سکتا تھا سو کر دیا۔'' انجم علوی نے شکستہ سے لہجے میں کہا۔ پھر ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''نمو کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں ہو گی۔ ایک آپ ٹھہریں...... میں بلاتی ہوں۔'' تابندہ کمال نے قدرے رواداری کا مظاہرہ کیا جس سے ان کا خاندانی ہونا ثابت ہوتا تھا۔

''ٹھیک ہے...... رہنے دیجیے۔ میں دونوں کو لے کر گھر آتا ہوں۔ پھر ملاقات ہو جائے گی۔'' وہ یہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گئے۔ سبرینہ نے آگے بڑھ کر تابندہ کمال کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور نادم لہجے میں گویا ہوئیں۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔ ہماری وجہ سے آپ کو جو زحمت اُٹھانا پڑی میں شاید کبھی تلافی نہ کر پاؤں گی۔ مگر کوشش ضرور کروں گی کہ آئندہ ہماری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔'' تابندہ کمال نے بھی زبردستی کی مسکراہٹ سے ان کی معذرت کا خاموش جواب دیا۔

''آپ چاہیں تو نمو کے پاس رُک جائیں۔ بہت رو رہی تھی وہ...... حوصلہ دیں اسے۔ بہت کمزور دل کی لگتی ہے۔'' تابندہ کمال نے سبرینہ سے تکلفاً کہا۔

''آتے ہیں ہم آپ کے پاس...... انجم اکیلے ہیں۔ ظاہر ہے پریشانی تو ہے ناں۔'' سبرینہ نے نہ رُکنے کی وجہ بتائی۔

''چلیں ٹھیک ہے۔ جو آپ بہتر سمجھیں۔'' تابندہ کمال ان کے پہلو میں چلتے ہوئے اپنی دانست میں بہت اخلاق کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

رمیض کو اپنی میٹھی نیند دنیا کی ہر شے سے زیادہ پیاری تھی۔ دل بھر کر سیر ہو کر مرضی کا کھانا کھانے والے لوگ سوتے بھی جی بھر کر ہیں۔ اسی لیے وہ سونے سے پہلے اپنا موبائل آف کرنے کا عادی تھا۔ مگر سامنے والے کمرے میں کسی کا موبائل مسلسل بج رہا تھا جس سے اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔

خدا معلوم برابر والے کمرے میں موبائل کا مالک کہاں گیا ہوا تھا۔ واش روم میں تھا یا باہر نکلا ہوا تھا۔

اس نے اتنی پیاری و عزیز نیند کے خفا ہو جانے پر بڑی بے زاری سے اپنا موبائل اُٹھا کر آن کیا تھا اور ٹائم دیکھا تھا۔ نئی تاریخ کی صبح ہو چکی تھی۔ چھ بج رہے تھے۔

صرف چھ بجے جاگ جانے کا مطلب تھا کہ جیسے وہ سرے سے سویا ہی نہیں۔ وہ جھلا کر موبائل پھر آف کرنے والا تھا کہ میسج ٹون رنگ ہوئی۔ اس نے اسی کوفت و بے زاری کی کیفیت میں میسج اوپن کیا اور چونک پڑا۔ آج پھر اس کی ماں کا میسج آ گیا تھا۔ وہ بے دلی سے پڑھنے لگا۔ آخری لائن تک پہنچتے پہنچتے اسے اتنی زور کا جھٹکا لگا تھا کہ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ سبرینہ نے لکھا تھا۔ ''رمیض میں نے تمہیں گھر آنے اور ڈیڈی سے معافی مانگنے کے لیے کہا تھا مگر خدا کے لیے اب گھر مت آنا۔ تمہارا باپ تمہیں اب نہیں چھوڑے گا۔ رات میڈم عالیہ نے ولید اور اس کے فادر کو ایک جعلی F.I.R کٹوا کر گھر سے گرفتار کروا دیا ہے۔ تمہارے ڈیڈی صبح چار بجے سے پولیس اسٹیشن گئے ہوئے ہیں۔ واپس جس موڈ میں آئیں گے اس کا تمہیں بھی اندازہ ہے اور مجھے بھی۔ ممی''

وہ آنکھیں پھاڑے موبائل کو گھور رہا تھا۔

"نمو کی تو شادی ہو چکی ہے۔ وہ تو اب ولید کے گھر ہی میں ہو گی۔ یہ میڈم عالیہ
ولید کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟"

"یہ ولید بھی تو ایک نمبر کا احمق انسان ہے کیا ضرورت تھی اسے میڈم عالیہ پر فائر
کرنے کی۔ اب بھگتے...... میں نے تو اسے فائر کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔" وہ دھپ
سے پھر لیٹ گیا اور تکیہ دبوچ کر کروٹ لے لی۔

بہت خوش فہمی تھی ممی کو کہ وہ مجھے گھر آنے اور معافی مانگنے کے لیے کہیں گی اور میں گھر
پہنچ جاؤں گا...... ہونہہ...... میرا باپ اپنی دولت پر بہت پراؤڈ ہے۔ وہی ان کی دنیا ہے
وہی اولاد۔ مجھے بھی ایسے باپ کی ضرورت نہیں جسے مجھ سے زیادہ اپنی دولت پیاری ہو۔

یہاں تک سوچنے کے بعد وہ دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا مگر ذہن کے کسی
گوشے میں نیند کی موجودگی کی اطلاع نہیں تھی۔

ولید اور اس کے والد کی گرفتاری کوئی مذاق بات نہیں تھی۔ جس کی سیدھی سیدھی
ذمہ داری اس پر آ رہی تھی۔ میڈم عالیہ تو اسے ڈھونڈتی ہوئی گھر پہنچی تھی۔ یہ شامہ دیکھنے
میں کیسی الھڑ مٹیار اور معصوم لگتی تھی۔ ایک نمبر کی 420 کسی سے پریگنٹ تک ہو چکی ہے
اور بچے کو میرے باپ کی دولت کا وارث بنانا چاہ رہی ہے۔ توبہ توبہ کس قدر گری ہوئی
لڑکی نکلی۔ اس نے نہایت حقارت سے گویا شامہ پر تھوکی اور زعم پارسائی سے گردن میں
کلف لگ گیا۔

میں کمپنی انجوائے کرتا ہوں۔ ایک نہایت خوبصورت ول ڈریسڈ لڑکی جب ساتھ
ہوتی ہے تو بندے کا بڑا رعب پڑتا ہے۔ Value امپروو (Improve) ہوتی ہے
مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا لڑکیاں اتنا گھٹیا پن بھی دکھا سکتی ہیں۔

ولید کمال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا باپ بہت بارسوخ ہے۔
آج ہی کی ڈیٹ میں گھر واپس پہنچ جاؤ گے۔

یہاں تک سوچ کر گویا اس نے اپنے بیمار نڈھال ضمیر کو ایک تھپکی دی اور تکیے سمیت
دوسری طرف کروٹ بدلی۔

اور وہ بے خبر کی احمق و بے وقوف لڑکی...... اس کی آنکھوں سے دریا بہہ کر
سیدھے بحیرہ عرب میں گر رہے ہوں گے۔ پاکستان میں سیلاب اکثر اس لڑکی کی وجہ سے
آتے ہیں۔ توبہ...... توبہ...... کس قدر شوق ہے اس کو رونے دھونے کا۔ اب ذہن کا انتشار نمو کی
طرف منتقل ہو گیا۔

آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا مگر بری طرح ناکامی کے بعد جھنجھلا کر
اٹھ بیٹھا۔ ایسی کی تیسی...... چلو بوٹ بیسن پر جا کر گرم گرم حلوہ پوری کا ناشتہ کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ثمن سہیل کے واش روم سے باہر آنے سے پہلے ناشتہ ٹیبل پر لگا چکی تھی۔ رات
سے اس نے گہری خاموشی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ لاؤنج میں ایک پرانا اخبار لے کر
بیٹھ گئی تھی۔ سہیل واش روم سے باہر آئے۔ ایک محتاط نگاہ ثمن پر دوڑائی جیسے تیر انداز
نشانہ جانچ رہا ہو کہ کمان کھینچی جائے یا انتظار کیا جائے۔

وہ ڈریسنگ کی طرف بالوں میں برش کرنے کے ارادے سے بڑھے تو لاؤنج میں
بیٹھی ثمن نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

ثمن نے ان کا واش روم سے باہر آنا محسوس کر لیا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے بے تاثر
سے لہجے میں گویا ہوئی۔ "ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"ایک منٹ آ رہا ہوں" وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلاتے ہوئے بولے۔
ثمن اخبار رکھ کر چائے کی تیاری کے لیے کچن میں چلی گئی۔

سہیل باہر آئے تو ثمن نظر نہ آئی۔ البتہ جدید طرز کے گول شیشے کی ڈائننگ ٹیبل پر
ناشتے کے لوازمات تیار نظر آئے۔ کچن سے آتی برتنوں کی کھٹر پٹر کی آواز بتا رہی تھی کہ
ثمن کچن میں ہے۔

"ثمن میرے ساتھ بیٹھو۔ تمہارے ہوتے ہوئے میں نے کبھی اکیلے ناشتہ کیا
ہے۔" وہ بہت نرمی اور سنجیدگی سے گویا ہوئے تھے۔

"میں چائے لے کر آ رہی ہوں آپ شروع کریں۔" وہ وہیں سے بولی۔

''آپ جائیے چائے لے کر میں انتظار کر رہا ہوں۔'' ان کا انداز قطعی تھا۔

سمن کی طرف سے خاموشی رہی۔ سہیل اُٹھ کر بالکنی کی طرف چلے گئے اور رواں ٹریفک پر نظر دوڑانے لگے۔ صبح سویرے کا عالم تھا اس لیے ٹریفک بہت کم تھا۔ سارا منظر کھلا کھلا سا تھا ٹریفک کم ہونے کی وجہ سے وہ چیزیں بھی بہت نمایاں تھیں جو دوسرے وقت میں آسانی سے نظر نہیں آتی تھیں۔

عجیب موڑ تھا زندگی کا۔ سچائی اور خلوص کے ہوتے ہوئے مجرموں کے انداز میں سر جھکا ہوا تھا۔

زندگی میں دو خوبصورت ذہین عورتوں کا عمل دخل ہو چکا تھا اور دونوں دور دور محسوس ہو رہی تھیں۔ اپنائیت اور قربت کا احساس نہ دیا جا رہا تھا نہ لیا جا رہا تھا۔ سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ جیسے تیز دھوپ میں پھٹا ہوا سائبان۔

''سہیل! آ جائیں۔'' سمن کی آواز نے تصور کی دنیا سے باہر نکالا۔ وہ اپنا موڈ سنبھالتے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھے۔

سمن چائے کی کیتلی ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سہیل کی نظر براہ راست تھی۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اب اس چہرے کو دل بھر کے دیکھنا بھی ایک مرحلہ ہے۔

''پھر آپ کب تک فلائی کریں گے۔'' سمن نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے یوں رسمی سے انداز میں بات شروع کی گویا وہ دیر سے اسی موضوع پر بات کر رہے تھے۔

''ابھی سیٹ تو کنفرم نہیں ہے۔ U.K سے آنے والے ایک لیٹر کا انتظار ہے۔ جیسے ہی آتا ہے اس کے دو چار روز بعد فلائی کر جاؤں گا۔''

سہیل نے بھی اسی طرح نارمل انداز میں جواب دیا۔

محبتوں کی ٹھنڈی ہوائیں ایک دم سے تپنے لگی تھیں۔ ہر طرف گرما کی لو کا احاطہ تھا۔ محبت کا سب سے بڑا دکھ جدائی کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ محبت کا سب سے بڑا زخم شراکت ہے۔ اللہ کے ساتھ شراکت ناقابل معافی جرم ہے اور انسان کے لیے شراکت اس کے منصب انسانیت کی سخت ترین آزمائش۔

شراکت کا احساس محبت کے لطیف احساس سے محرومی کا دوسرا نام ہے۔ جب تک شراکت کا اندیشہ تھا کشتی ہچکولے کھا کر بھی محو سفر رہی۔ شراکت کا یقین ہوتے ہی بھنور نے آن گھیرا۔

سمن خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ وہ سادہ مزاج منافقت کی مسکراہٹ سے سہیل کو بہلانے میں ناکام ہو رہی تھی۔ جس کے آنسو اک پل میں گرنے لگتے تھے۔ وہ اس وقت بڑے وقار سے اپنے دل میں جمع کر رہی تھی۔

''یہ آملیٹ لیں ناں...... کیا رات کا سالن پلیٹ میں ڈالے بیٹھے ہیں۔'' اس نے جیسے کسی پُرتکلف مہمان کو انٹرٹین کیا تھا۔

''لے رہا ہوں۔ تمہارے پاس آ کر مجھے کسی بات کی جلدی نہیں ہوتی۔'' سہیل نے اس کی خاموشی کو مفہوم پہنا کر بڑے دل سے دلجوئی کی۔

سمن یوں مسکرائی جیسے کسی بچے کے معصوم جھوٹ پر ماں مسکرانے لگتی ہے اور سہیل کے لیے چائے تیار کرنے لگی۔

''آپ حویلی کب تک جائیں گے؟'' اس نے چائے کا کپ سہیل کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا اور اپنی چائے میں شکر ملانے لگی۔

''ابھی چلا جاؤں۔'' سہیل نے اس کی بے رحم اجنبیت کو پگھلانے کے لیے لطیف سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''میں آپ سے کبھی جانے کے لیے کہہ سکتی ہوں۔ ویسے ہی پوچھ رہی تھی کہ بی بی جان نے آپ کو کیا ڈیڈ لائن دی ہے واپسی کی؟'' سمن نے بھی اب زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

''میں آج تک ان کی دی ہوئی ڈیڈ لائن کے مطابق حویلی نہیں پہنچا۔'' سہیل نے اب تھوڑا سا آملیٹ اپنی پلیٹ میں نکال کر مسکرا کر کہا۔

''میں آپ کے ساتھ حویلی جاؤں گی۔'' سمن نے جیسے کسی بارودی سرنگ کو آنچ دکھائی تھی۔

سہیل کو اتنے زور کا دھچکا لگا کہ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں واپس رکھ دیا اور دم بخود سے سمن کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں آہستہ آہستہ انتظار کو بڑھنے نہیں دوں گی اور پھر میرا جرم کیا ہے جو میں آپ کو ترسوں اور انتظار کی سولی پر لٹکی رہوں۔ میں اسی کے ساتھ حویلی میں رہوں گی۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو بہت جلد آپ کے دل پر اس کا قبضہ ہو جائے گا۔'' اس نے ایک لمحہ کو رُک کر جیسے آنسو پیے۔

''جو اذیت مقدر میں ہے وہ حویلی میں رہ کر کیوں نہ اُٹھاؤں؟'' وہ اب ذرا رُکی۔

''اندیشے جان لیوا ہوتے ہیں سہیل...... آنکھوں کے سامنے بہت کچھ برداشت ہو جاتا ہے۔'' اس کا انداز آخری کیل ٹھونکنے کا سا تھا۔

سہیل ششدر سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

سمن کے رخساروں پر آنسو تواتر سے لڑھک رہے تھے۔ ان آنسوؤں نے سہیل کو فوراً سنبھلنے پر مجبور کر دیا اور ذہن نے تیزی سے نازک صورت حال سے نپٹنے کی دوڑ دھوپ شروع کی۔ ''ذرا اعتبار نہیں رہا مجھ پر...... تمہیں چھوڑنا...... تم سے منہ موڑنا بہت آسان ہے سمن! تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ میں جو بھاگ بھاگ کر تمہارے پاس آتا ہوں۔ یہ کیا ہے؟ حویلی میں بی بی جان کی بہو رہتی ہے اور اس گھر میں میری بیوی۔'' ان کی دھیمی آواز اور نپا تلا لہجہ بہت پر اثر تھا۔ سمن کو جیسے یہی سننا تھا اور وہ شاید تجدید وفا کے گرم جوش الفاظ کے لیے ہی گویا جتن کر رہی تھی۔ ایک طمانیت کا احساس اس کے چہرے سے چھلکنے لگا۔

''تمہارے سیدھے بازو پر بہت اُوپر کی طرف ایک بہت خوبصورت تل ہے اور گردن پر پیچھے کی طرف بالوں میں چھپا ہوا ایک زخم کا چھوٹا سا نشان۔ تم میری بیوی ہو۔ تمہارے کچھ حسین راز صرف میرے پاس ہیں۔ جبکہ بی بی جان کی بہو کی آنکھوں کا شیڈ بھی مجھے یاد نہیں۔ ہمیں وہی کچھ یاد رہتا ہے جو ہم یاد رکھنا چاہتے ہیں۔'' سہیل نے اب بہت ہی اطمینان سے چائے کا کپ اُٹھا کر اور مسکرا کر سمن کی طرف دیکھا۔ جو نئے سرے سے حوصلہ پکڑ رہی تھی۔ جیسے وہ دلدل میں دھنستے دھنستے بھر بچ گئی ہو۔ کسی غیبی ہاتھ نے اسے تھام کر دھنسنے سے بچا لیا ہو۔

''چائے ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ میں آپ کے لیے دوسری چائے لاتی ہوں۔'' محبت کے بہت سے مرحلوں میں چائے کرکردار لاجواب ہے۔

سہیل بے ساختہ مسکرا دیے۔ سمن کو اظہار محبت کی ہمیشہ پیاس رہتی تھی اور جب وہ کھل جائے تو وہ حواس باختہ سی ہو جاتی تھی۔ اس کی یہی بے ساختہ اور فطری ادائیں تھیں جو ہر آن ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہونے کا احساس دلاتی تھیں۔

''تمہیں اپنی خوش قسمتی کا یقین کیوں نہیں آتا سمن......؟ ایک مخدوم زادہ...... رئیس ابن رئیس...... حسین جواں مرد صرف تمہارا ہے۔ جبکہ ہزاروں نظروں کی سلامی اس کو ملتی رہی۔ تم سے فرصت ملتی تو سلام کے جواب دیتا۔ احمق لڑکی...... کب اعتبار کرے گی میرا۔'' سہیل کی شوخی و لطافت کمال تھی۔ آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے ایک گہری اپنائیت کے احساس سے ان کا لہجہ مقناطیسی ہو گیا۔ جیسے انتیس کو چاند نظر آ گیا ہو۔

جیسے لمحوں میں برسنے والے بادل آ گئے اور پھوار پڑنے لگی۔ جیسے ٹھوکر لگتے ہی سنبھلنے کو دیوار پر ہاتھ جا پڑا ہو۔ صرف اور صرف محبت کی طلبگار عورت کو بہلانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ مرد کے پاس یہ ہتھیار نہ ہوتا تو ایک ہی مرد پر کئی عورتیں اعتبار کے مرحلے کیسے طے کرتیں۔ ایک مرد کئی عورتوں کا منظورِ نظر کیسے بن پاتا۔ وہ عورتیں جو کسی مرد کی زندگی میں مرحلہ وار داخل ہوتی ہیں۔

سمن پھر سے تازہ دم ہو گئی۔ تجدید وفا ہی بہار کا موسم ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ کیلنڈر سے بہار کا موسم پتہ نہیں کرتے۔ ان کی زندگی میں بہار کی آمد کسی بھی دن کسی بھی وقت ہو جاتی ہے۔ سہیل نے ٹوٹ کر یقین دلایا تھا۔ اسے ٹوٹ کر یقین آ گیا تھا۔ پھر ''من کلر'' مل گیا تھا جو کئی دن تک درد میں افاقے کے لیے کافی تھا۔ وہ اب سہیل کے لیے گرم چائے لینے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ایڈووکیٹ جنرل سندھ سے میری بات ہو گئی ہے۔ بھائی آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ یہ بہت بارسوخ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ بلیک میلنگ، اغوا برائے تاوان، جوئے کے اڈے، کالج گرلز کو کال گرلز بنانا، بہت طویل فہرست ہے ان لوگو......" انجم علوی وردہ کمال کو تسلی دینے پھر گھر آ گئے تھے۔ ولید اور سعید کمال سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ ایک ایک پل کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ بار بار گھڑی دیکھتے تھے۔

"چلیں ٹھیک ہے آئی مصیبت ٹل رہی ہے۔ مگر ناحق ایک داغ تو لگ گیا ناں......" وردہ کمال کے لہجے میں کرب بھی تھا اور ملال بھی۔

"میں بہت شرمندہ ہوں اور ہمیشہ شرمندہ رہوں گا کہ آپ کو ہماری وجہ سے اتنی تکلیف اُٹھانا پڑی۔ مگر ولید اور سعید صاحب بہت آرام سے ہیں۔ میری بروقت بھاگ دوڑ سے وہ مزید زحمت سے بچ گئے۔ کسی نے ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی۔ وہ خود آپ کو بتائیں گے۔" انجم علوی تھکن سے نڈھال تھے اور اپنی بچی کھچی توانائی تابندہ کمال کو پرسکون کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔

نمو فاصلے پر سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"ان لوگوں کی آپ سے دشمنی کی وجہ کیا بنی......؟ آپ کا ان لوگوں سے کیسے ٹکراؤ ہوا؟" وردہ کمال قدرے پرسکون ہو چکی تھیں۔ انجم علوی سے پوچھ رہی تھیں۔

نمو نے گھبرا کر انجم علوی کی طرف دیکھا جیسے خوف ہو کہ وہ پھٹ پڑیں گے۔ اپنے غیر ذمہ دار اور عیاش بیٹے کی وجہ سے۔ انجم علوی نے کمال ضبط کیا مگر الفاظ انگارہ تھے۔

"بچوں کی تربیت بہت محنت اور ٹائم مانگتی ہے۔ برامت مانیے گا۔ اگر وہ کریمنل لوگوں کی کمپنی جوائن کر چکا تھا تو یقیناً وجہ آپ کی بے خبری ہے۔ میرا مطلب ہے آپ دونوں میاں بیوی کی۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ شیر خوار بچوں سے بھی زیادہ بڑھتے بچوں کی مصروفیات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" وردہ کمال نے بڑی صاف گوئی سے بات کی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں جو عورت ماں سے زیادہ بیگم صاحبہ بنی رہے......"

"معاف کیجیے انجم بھائی......" وردہ کمال نے فوراً انجم علوی کی بات کاٹ دی۔

انجم علوی اور نمو حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"جب کسی مرد کو یہ پتہ چل جائے کہ اس کی بیوی اپنی ڈیوٹیز ٹھیک سے ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تو پھر اس کو برڈن لینا چاہیے۔ بچے کی ایکٹیویٹیز پر نظر رکھنا آپ کا بھی فرض ہے۔ کس کے لیے پیسہ بنانے کی بھاگ دوڑ کریں گے؟ اپنی اولاد کے لیے ہی ناں......" نمو نے لاشعوری طور پر گویا دیر بعد کھل کر سانس لیا۔ ماموں کی ممانی کے لیے ہر وقت کی تنقید و لعن طعن اسے پریشان رکھتی تھی۔

آج کسی نے انجم علوی کو بھی احساس دلانے کی کوشش کی تھی کہ باپ صرف پیسہ بنانے کی مشین نہیں ہوتا۔ اس کی بھی کچھ اہم ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ماں تو بچے کی تربیت کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے لیکن باپ کی توجہ بھی گھر کے ماحول پر مکمل ہونا چاہیے۔ انجم علوی کے لیے یہ اچانک حملہ تھا وقتی طور پر وہ لاجواب ہوئے۔ بڑی سرعت سے ماضی کی فلم Rewind ہو کر لمحوں میں ڈسپلے ہوئی۔ ماضی کے سب اہم منظروں کے رنگ گہرے ہو گئے۔ حیرت کے تاثرات بھی ہر ہر منظر پر تبدیل ہوئے۔ بڑے جز بز سے ہو کر انہوں نے باوقار وردہ کمال کی طرف دیکھا۔

"اس کی کوچنگ، سوئمنگ، انسٹیٹیوٹ گھر واپسی سارا شیڈول میرے نوٹس میں ہوتا تھا۔ میں اس وقت بھی اس کے تمام Stages کی پروگریس بتا سکتا ہوں۔ اس کو کبھی بیڈ کمپنی میں نہیں دیکھا۔" وہ اپنے مزاج کے خلاف صفائی پیش کرنے پر مجبور تھے۔

"دو...... وہ...... ایکچوئلی کوئی لڑکی...... آئی مین اس کی گرل فرینڈ کی وجہ سے یہ مسئلہ سامنے آیا۔" انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں نے گرل فرینڈ کے لیے اسے Allow ہی کیوں کیا۔ پتہ تو ہے آپ کو آج کل ترقی کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔" جب تک ولید اور سعید کمال نے گھر نہیں پہنچنا تھا وردہ کمال کے بے اختیار جذبات کنٹرول ہونا مشکل تھے۔ احساسِ ذلت نے عجیب بے کلی پیدا کی ہوئی تھی اور لاشعوری طور پر انجم علوی کو تنقید کا نشانہ بنا کر وہ جیسے

اس بے کلی سے نجات حاصل کرنے کی راہ ڈھونڈ رہی تھیں۔

''بچے اچھے انسٹیٹیوٹ میں جاتے ہیں تو اپنی ہی کلاس کے بچوں سے دوستیاں بناتے ہیں۔ ہم کس طرح سے انہیں Isolate بنا کر ایک طرف بٹھا سکتے ہیں۔'' انجم علوی سر جھکائے بہت سکون اور شائستگی سے جواب دے رہے تھے اور نمو کے سامنے گویا احساسِ توہین سے حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس صورت حال کو نمو نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ یوں بھی اس کا دل تو ہمیشہ ماموں کی طرف جھکا رہتا تھا۔ وہ آہستگی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وردہ کمال جانے کیا سمجھ کر چونک پڑیں۔ ''کہاں جا رہی ہو نمو؟'' وہ اُلجھ کر پوچھ رہی تھیں۔

''کہیں نہیں ممی...... ماموں جان کے لیے چائے بنواتی ہوں۔ پتہ نہیں صبح سے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے بیٹا......''

''اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اس وقت کسی چیز کی طلب نہیں۔ میں بس سعید صاحب کا Wait کر رہا ہوں۔ گاڑی میں بھجوا چکا ہوں۔ سعید صاحب ہی نے مجھے کہا تھا کہ میں بھابی اور نمو کے ساتھ رہوں۔ وہ بہت پریشان ہوں گی۔'' انجم علوی کا انداز اب قدرے شکستہ سا تھا۔ وردہ کمال کی جھاڑ پونچھ نے ان کے ذہن کے کچھ بند روزن کھول ڈالے تھے۔

''تھینک یو انجم بھائی......! نمو تم شاکر سے چائے کے لیے کہہ دو۔ مجھے تو بس اب یہ ٹینشن ہے کہ آسیہ کے آنے سے پہلے یہ لوگ گھر آ جائیں۔ ایک بچی کو بھی پتہ چل گیا تو سب کو پتہ چل جائے گا۔ خواہ مخواہ پریشان ہوں گی۔''

وردہ کمال اپنی غیر شادی شدہ بیٹی کا ذکر کر رہی تھیں جو بڑی بہن کے گھر رات رُک گئی تھی۔ نمو نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی اور لاؤنج سے باہر چلی گئی۔ انجم علوی اپنے سیل پر تازہ ترین صورت حال پتہ کرنے لگے۔ وردہ کمال پھر گہری سوچ میں ڈوب چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆

''شاداب رات کس وقت آیا تھا عتیقہ؟'' بانو بیگم دبی آواز میں پوچھ رہی تھیں۔ دونوں اس وقت کچن میں تھیں۔ عتیقہ چائے بنا رہی تھی۔ بانو بیگم آٹے کا پیڑا ہتھیلی پر رکھے پراٹھا بنانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ چہرے پر تفکرات کا جال بچھا تھا۔

''پتہ نہیں امی...... رات تین بجے تک تو نہیں آیا تھا۔ میں تو بس لیٹتے ہی سو گئی تھی۔'' عتیقہ نے کپ میں قہوہ نکالتے ہوئے جواب دیا۔ گہری فکر کی نشانیاں اس کے چہرے پر بھی نقش تھیں۔

اسی لمحے شاداب کے زینہ اُترنے کی آواز آئی۔ اس کے قدموں کی دھپ دھپ نے دونوں کو اپنی اپنی جگہ محتاط کر دیا۔ شاداب نے کچن میں جھانکا۔

''میں جا رہا ہوں امی......'' اس کا لہجہ سپاٹ و سرد تھا۔ بانو بیگم نے پیڑا تھالی میں رکھا اور تڑپ کر باہر کی طرف بڑھیں۔

''ناشتہ تو کر لو۔ رات کھانا کھایا تھا...... بہت دیر سے آئے تھے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھیں۔ عتیقہ بھی ان کی پشت پر آ کھڑی ہوئی۔

''جب تک آپا اس گھر میں واپس نہیں آ جاتیں۔ میں اس گھر میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ کوئی مجھ پر احسان کرنے کی کوشش نہ کرے۔ میرے اندر آگ بھڑک رہی ہے۔ آپ لوگوں کو کھانے کی پڑی ہے۔ کیسی ماں ہیں آپ...... آپ کی بیٹی گھر میں نہیں ہے اور آپ کو پکوان تیار کرنے کی پڑی رہتی ہے۔'' وہ بکتا جھکتا آگے بڑھا۔

''بیٹا بات تو سنو......'' بانو بیگم اس کے پیچھے لپکیں۔

''کوئی بیٹا ویٹا نہیں ہوں میں آپ کا۔ اگر میں آپ کا بیٹا ہوں تو مجھ سے سب کچھ کیوں چھپایا گیا؟'' وہ ہاتھ میں پکڑا والٹ جینز کی پچھلی جیب میں پھنساتے ہوئے غرایا۔

''اس لیے کہ ہم سب تمہیں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری عمر بھر کی پونجی ہو تم۔''

''ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے جسے لوگ اپنے مفادات کے لیے استعمال کریں۔'' وہ یہ کہہ کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

بانو بیگم بے بسی سے اپنی جگہ کھڑی اسے دیکھنے لگیں۔ شاداب نے گیٹ کھولا اور

اپنی بائیک باہر نکال کر گیٹ دوبارہ بند کر دیا۔ عتیقہ آہستہ قدموں سے ان کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی اور آہستگی سے اپنا ہاتھ ان کے شانے پر رکھ دیا تھا۔ بانو بیگم نے اپنے دھیان سے چونک کر عتیقہ کی طرف دیکھا۔

''چھوڑیں امی......! مت پریشان ہوں۔ آپا آ جائیں گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''حویلی والوں سے جھگڑا کر کے آ گیا ہے۔ وہ اب بھیجیں گے اسے۔'' بانو بیگم کے لہجے میں شکستگی ومایوسی تھی۔

''آپا خود آ جائیں گی۔ وہ کیوں رہیں گی وہاں......؟ انہوں نے کون سا سہیل بھائی سے لو میرج کی ہے؟ ان کو بھی شاداب کا پتہ ہے۔ وہ جانتی ہیں ان کا حویلی میں موجود رہنا کتنا خطرناک ہے۔'' عتیقہ مسلسل انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پتہ نہیں میرا دل تو گھبرا رہا ہے۔''

''اس لیے کہ آپ کا دل کمزور ہو چکا ہے۔ آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔ آپا کا فون ضرور آئے گا۔ انہیں ایک پل چین نہیں ہوگا۔'' عتیقہ نے پھر سمجھایا۔

''اگر وہ کسی طرح آ بھی گئی تو سمن کی ساس پھر اسے لینے آ جائے گی۔ نیا نے سب کچھ بتایا تو ہے۔ ان کی وجہ سے تو وہ حویلی میں بیٹھی ہے۔'' بانو بیگم کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

''میں اپنے سیل پر آپا سے بات کرتی ہوں۔ وہ بتا دیں گی کہ وہ گھر کب تک پہنچ رہی ہیں۔ ابھی تک تو میں انہیں اس لیے فون نہیں کر رہی تھی کہ ہماری بات چیت اگر سمن آپا کی ساس کے کانوں میں پڑ گئی تو مزید کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔''

''تو پھر ابھی اسے فون کرو۔ اسے بتا دو کہ شاداب نے ایک قیامت برپا کر کے رکھی ہوئی ہے۔''

''ہاں ہاں...... ابھی ملاتی ہوں۔ آپ بیٹھیں تو سہی۔ میں فون سے حویلی کا نمبر نکالتی ہوں۔'' عتیقہ نے انہیں شانوں سے پکڑ کر صحن میں بچھی چارپائی پر بٹھا دیا اور

پیڈسٹل چلا دیا۔
بانو بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا جیسے انہیں چکر آ رہے ہوں۔ عتیقہ اندر کمرے کی طرف اپنا سیل اور حویلی کا نمبر لینے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''وہ وقت دور نہیں کہ بس وہ صرف تیرا ہوگا۔ اللہ سائیں تیری گود ہری کرے۔'' مہرالنساء نیا کے کمرے میں بیٹھی گویا اس کی دل جوئی کر رہی تھیں۔

نیا نے خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔ پھر سر جھکا لیا۔ ماں کی پریشانی کے سگنل اس کی روح پر اُتر رہے تھے۔ وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ بس نہیں چلتا تھا کہ پر لگا کر ماں کے پاس اُڑ کر پہنچ جائے۔

''تیرا بابا سائیں ایسے ہی تو مجھے سر پر نہیں بٹھاتا۔ اس کے وارث کی ماں ہوں۔ میرا سہیل...... اللہ اسے دشمنوں کی نظر سے بچائے، سارے برادری کے چھوکروں میں ہیرا ہے۔ باہر ملک میں جا کر پڑھائی کی ہے۔ انگریزوں سے اچھی انگریزی بولتا ہے۔'' مہرالنساء کے انداز میں فخر و ناز کا گہرا تاثر تھا۔

نیا نے پھر نظریں اُٹھائیں۔ بھاری زیورات ولباس سے آراستہ مہرالنساء کے چہرے پر زمانے بھر کا سکون تھا۔ بہت دل کھول کر مسکرا رہی تھیں جیسے دور تک اب کوئی فکر نہ ہو۔

''تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔ قسمت کی بہت تیز ہے تو۔ حویلی کی رانی بن گئی اور سہیل جیسا لائق سائیں مل گیا تجھے۔'' وہ پھر اپنی دھن میں گویا ہوئیں۔

''جس بہن کا بھائی جیتے جی اس سے دور ہو جائے کوئی حد نہیں اس کی بدنصیبی کی۔ آپ نے مجھ سے میرا بھائی چھین لیا ہے۔'' نیا اب خود پر قابو نہ رکھ سکی۔

مہرالنساء ایک دم جیسے سوتے سے جاگ پڑیں۔ حق دق نیا کی شکل دیکھنے لگیں۔ جیسے کچھ سمجھ نہ آئی ہو۔ چہرے کے نرم تاثرات مسکراہٹ سمیت غائب ہو گئے۔ چند لمحے ہکا بکا اس کی شکل دیکھتی رہیں۔ پھر ایک دم غضب ناک ہو کر اپنی ران پر زور سے ہاتھ مارا۔

''خیر نہیں مناتی بھائی زندہ ہے۔ ماں کے قدموں میں بیٹھا ہے اور اس بھائی کی چہرے تو [illegible] ہے۔''

نیا ایک دم بوکھلا گئی۔ وہ بہت محتاط رہنا چاہتی تھی۔ مگر اللہ نے ہر شے کی حد مقرر کی ہے۔ اس کی بھی برداشت کی حد ہو گئی تھی۔ بلا ارادہ منہ سے کچھ نکل گیا تھا۔

اس کے سامنے وہ عورت بیٹھی تھی جو اپنے اختیارات کو جی بھر کر استعمال کرنا جانتی تھی۔ اس نے فوراً صورتِ حال کنٹرول کرنے کے لیے حکمت عملی طے کی۔

''وہ...... معاف کیجیے بی بی جان۔ بس وہ بھائی ہے ناں...... خیال آ ہی جاتا ہے۔ آپ کے بھی بھائی ہوں گے۔ آپ کو ضرور یاد آتے ہوں گے۔''

''جان دیتی ہوں میں بھائیوں پر۔ مگر وہ تیرے بھائی کی طرح نہیں ہیں۔ زور طاقت والے ہیں ہتھیاروں سے نہیں ڈراتے۔ وہ کل کا چھوکرا۔ کوئی ادب تمیز نہیں ہے اسے۔'' مہر النساء نے تیزی سے نیا کی بات کاٹ دی تھی۔ پیشانی پر لاتعداد بل پڑے ہوئے تھے۔ نیا کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔ جیسے نئے سرے سے زخم تازہ ہو گئے تھے۔ نیا اپنی غیر ارادی حرکت پر بہت پچھتا رہی تھی کہ اس نے کیا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ دے دیا۔ جبکہ ان پر کسی ردعمل کا اظہار دور تک فائدہ مند نہیں تھا۔ جان تو اگر چھڑا سکتا تھا کوئی تو وہ اللہ تھا اور وسیلہ ہر صورت سہیل نے بننا تھا۔

''جی...... جی۔ واقعی اس نے غلط حرکت کی تھی۔'' نیا کو ہر صورت ان کا موڈ بحال کرنا تھا۔ سہیل کی واپسی تک وہ صورتحال کو کنٹرول میں رکھنا چاہتی تھی۔

''یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسی ماں مجھے ملی۔ آپ نے جتنا پیار مجھے دیا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ مجھے اب کسی بات سے دلچسپی نہیں۔ بس میں تو ہر وقت آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ بولتے بولتے مہر النساء کے بدلتے ہوئے تاثرات بھی نوٹ کرتی جا رہی تھی تاکہ پتہ لگے وہ اداکاری میں کتنی کامیاب رہی ہے۔

''اب تو میرا اور آپ کا ہمیشہ ہمیشہ کا ساتھ ہے۔'' اس نے اب ترپ کا آخری پتہ پھینکا۔ مہر النساء کے چہرے پر خوشی و اطمینان کی چمک پیدا ہوئی۔ انہوں نے بہت

چاہت سے نیا کی طرف دیکھا۔

''تو بہت سمجھدار ہے۔ میرے کو بھروسہ ہے تو سہیل کو اپنا بنا لے گی اور جس دن سہیل نے کہا اسے سمن کی پروا نہیں اس روز حویلی میں گھی کے چراغ جلاؤں گی۔'' وہ بے اختیار سی ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھیں اور نیا کی پیشانی چوم لی اور ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر غور سے دیکھنے لگیں۔

''کیسی سٹھی (پیاری) مٹھی صورت ہے۔ انشاء اللہ میرا پوتا اتنا خوبصورت ہوگا کہ دنیا دیکھے گی۔'' ان کے لہجے میں چاہت، ارمان، خواب بہت کچھ تھا۔ اس جملے پر نیا چونک پڑی تھی۔ سوچ کا ایک رنگ اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گیا۔ وہ پھر لڑکی سے آناً فاناً بوڑھی عورت بن گئی جس کی روح پر ان گنت لمحوں کے تجربات پکے رنگوں کی طرح جذب تھے۔

اس کی نگاہ خالی ہو گئی۔ حسن گمان، حسن خیال مٹنے لگے۔ چہار سو اندھیرے کی چہار دیواری کھنچ گئی اور اس حد میں بے آواز بین شروع ہو گئے۔

''بی بی جان! شہر سے فون آئی ہے۔'' اسی وقت پوپری اندر داخل ہوئی تھی۔ لمحوں تک محدود سناٹا کھٹ سے ٹوٹ گیا۔ نیا نے انجانے خوشے سے لرز کر پوپری کی طرف دیکھا۔

مہر النساء کو فون ریسیو کرنے کا بہت شوق تھا۔ متعلقہ، غیر متعلقہ کال اتنی گرم جوشی سے اٹینڈ کرتی تھیں جیسے وہ واقعی گھنٹی بجنے کی منتظر تھیں۔ جھٹ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کس کی فون ''آئی'' ہے۔ تیرے کو ہزار بار کی سمجھایا ہے ناں کہ نام ضرور پوچھا کر۔'' وہ تشتم پشتم دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ملامت کے انداز میں گویا ہوئیں۔

''وہ جی آپ کے لیے فون نہیں ہے۔ کنوار (دلہن) کے لیے آئی ہے۔'' پوپری نے گھبرا کر وضاحت کی۔

''کسی چھوکرے کا فون ہے؟'' انہوں نے کڑے تیور کے ساتھ پوپری کو گھورا۔

''نہیں...... چھوکری ہے۔ بولتی ہے میں کنوار (دلہن) کی سہیلی ہوں۔ آشا نام بولتی

ہے۔'' پوپری نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

مہرالنساء نے پلٹ کر نیا کی طرف دیکھا۔ ''تیری کسی سہیلی کا نام آشا ہے؟'' انہوں نے اب عام انداز میں پوچھا تھا۔ فون ریسیو کرنے کی عجلت تو اب ختم ہو چکی تھی۔

نیا کا ذہن اب بڑی سرعت سے کام کر رہا تھا۔ شاید سمن کا ہو۔ مگر وہ مجھے حویلی میں تو فون نہیں کرے گی۔ سہیل اسے کچھ بتانے کی بھیانک غلطی کبھی نہیں کریں گے۔ اس کی محبت کی برتری تو ثابت کر کے اس حویلی سے روانہ ہوئے ہیں۔ اس کے سینے سے ہوک سی اُٹھی۔ (کیسے کھڑے کھڑے لٹ گئی میں)

پھر دوسرا خیال کسی کوندے کی طرح لپکا...... اوہ...... یقیناً عتیقہ کا فون ہوگا۔ یہ فون تو آنا ہی تھا۔ شاداب نے تو ہر طرف جیسے شعلے بھڑکا دیے ہوں گے۔ مجھے حالات بتانے کے لیے فون کیا ہوگا۔

''یا اللہ! کسی بری خبر سے بچانا۔ یا اللہ! میری ماں پر رحم کرنا۔'' باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے مہرالنساء کی طرف دیکھا۔ اسے کہنے ہی والی تھیں کہ جا کر سہیلی کا فون سن...... انہوں نے ایک طرف ہو کر گویا اسے باہر جانے کا اشارا دیا۔

☆☆☆☆☆

اس نے لاؤنج میں آ کر بہت محتاط انداز میں ریسیور کان سے لگایا۔ رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ فون پر اگر انتظار کروایا جائے تو دوسری طرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ ٹرخا دیا گیا ہے۔ وہ سوچنے لگی۔ دماغ کو ایک دھن تو لگ گئی تھی کہ کس کا فون تھا۔ وہ صبر اور اُمید سے انتظار کرنے لگی کہ شاید دوسری طرف سے دوبارہ ٹرائی ہو۔ بہت قیمتی فون سیٹ تھا جو ایک خوبصورت ڈیکوریشن پیس کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اُونچا سا گولڈن ٹچ کا کریڈل اور ریسیور کے ایئر پیس اور ماؤتھ پیس مکمل گولڈن تھے۔ جدید فون سیٹ نہیں تھا جس میں سی ایل آئی اسکرین ہوتی ہے۔ ورنہ وہ نمبر دیکھ کر خود ہی کال بیک کر لیتی نہ کہ انتظار کرتی۔ گھنٹی پھر بجنے لگی۔ اس نے دھڑکتے

دل کے ساتھ ریسیور اُٹھایا اور محتاط انداز سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ماؤتھ پیس میں بولی ''ہیلو......!''

''عتیقہ بات کر رہی ہوں آپا۔'' اس کا خیال ٹھیک نکلا۔ کال عتیقہ ہی کی تھی۔

''ہاں عتیقہ...... کیسی ہو؟ کہاں سے بات کر رہی ہو۔'' اس نے بہت آہستہ آواز میں پوچھا۔

''گھر سے اپنے سیل سے۔ گھر کے فون سے تو بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ اگر شاداب نے سی ایل آئی پر چیک کر لیا کہ ہم نے آپ کو خود کونٹیکٹ کیا تھا تو نئے سرے سے قیامت اُٹھا دے گا۔''

''پلیز آپا! خدا کے لیے کسی طرح سے آپ جلدی گھر آ جائیں۔ شاداب کچھ کر بیٹھے گا۔ اس نے گھر میں کھانا پینا بھی بند کر دیا ہے۔'' عتیقہ ایک تواتر سے بولتی چلی گئی۔

نیا متفکر چہرے کے ساتھ سن رہی تھی۔ عتیقہ کے خاموش ہوتے ہی اس نے رُکی ہوئی سانس خارج کی اور خالی خالی نظروں سے دیوار کو گھورنے لگی۔

''عتیقہ...... میں اس وقت کتنی بے بس ہوں بتا نہیں سکتی۔ ایک عظیم الشان سینٹرل جیل میں قید ہوں۔''

''انہوں نے...... انہوں نے آپ کو قید کر دیا ہے آپا؟'' عتیقہ نے بدحواس ہو کر پوچھا۔

''جس جگہ سے بندہ اپنی مرضی سے باہر نہ جا سکے وہ جگہ قید خانہ ہی تو ہوتی ہے۔'' اس نے خود کو سنبھال کر نارمل لہجے میں جواب دیا۔

''سہیل بھائی کہاں ہیں؟'' عتیقہ بے حد پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''وہیں...... جہاں انہیں ہونا چاہیے۔'' نیا نے اسی طرح سکون سے جواب دیا۔

''کیا مطلب...... وہ یہیں آئے ہوئے ہیں۔ سمن آپا کے پاس؟'' عتیقہ نے متفکر لہجے میں سوال کیا۔

نیا نے ''ہوں'' پر اکتفا کیا۔ اس ہوں میں ایک مکمل کتاب کا متن تھا۔

''یہ کیا تماشہ ہے۔ وہ آپ کو حویلی سے نکالے بغیر یہاں آ کر بیٹھ گئے ہیں؟ آپ نے ان سے بات نہیں کی تھی؟ انہیں آپ کی تکلیف کا احساس نہیں؟ میں بات کرتی ہوں ان سے۔'' عتیقہ غصے سے جذباتی ہونے لگی۔

''مخدوم سہیل وہاں بیٹھ کر کچھ نہیں کر سکتے عتیقہ......اور تمہیں یہ بھی پتہ ہے کہ کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے۔ میں یہاں خوشی سے نہیں بیٹھی ہوں۔ البتہ یہ اطمینان رکھو کہ کوئی مجھے تکلیف نہیں دے رہا۔ میں صبر سے انتظار کر رہی ہوں۔'' نیا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں بات کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے آپا۔ مگر شاداب کی وجہ سے جو ٹینشن ہے یوں سمجھئے ایک ایک پل عذاب ہے۔'' عتیقہ نے فکر مندی سے کہا۔

''تم اگر نہ بھی بتاؤ تو مجھے کیا اندازہ نہیں ہو سکتا......؟''

''یہ سہیل بھائی کو کیا مصیبت آئی تھی۔ آپ کو وہاں اکیلا چھوڑ کر اپنی لاڈلی بیگم کے آنسو پونچھنے یہاں آ کر بیٹھ گئے۔ ان کو ہم لوگوں کی پریشانی کا احساس نہیں ہے۔ اتنے آرام سے لے رہے ہیں سب کچھ۔'' عتیقہ ایک دم جھنجھلا کر بھڑک کر بولی۔

''وہ بھی چھو منتر تو کچھ نہیں کر سکتے۔ حویلی کے لوگوں سے نمٹنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔'' نیا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ لیں امی سے بات کریں۔'' اس کی بات گویا مکمل ہوئی ماں کو موبائل تھما دیا۔

''ہیلو......'' بانو بیگم کی تھکی تھکی کمزور آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''السلام علیکم امی......'' نیا نے اپنے بے قرار دل کو بمشکل سنبھالا۔ ماں کی آواز سن کر اسے نئے سرے سے سارے نقصانات یاد آ گئے۔ نظر کسی مجرم کی طرح جھک گئی۔ یوں لگا ماں کو سب کچھ پتہ چل گیا ہے اور وہ اس سے گلے مل کر بے حساب رونا چاہتی ہے۔

''جیتی رہو۔ خیریت سے ہو بیٹا......'' بانو بیگم کو جیسے بیٹی کی آواز سنتے ہی قرار مل گیا۔

''جی......شکر ہے میں تو خیریت سے ہوں۔ بس آپ لوگوں کی طرف سے فکر لگی ہوئی ہے۔ خاص طور پر شاداب کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔''

''ہاں بیٹا......غضب ہی ہو گیا۔ وہ تو جیسے آگ کا گولہ بنا ہوا ہے کہ رئیس خان نے اپنے اختیار کا ناجائز استعمال کر کے ہمیں ذلیل کر دیا ہے۔ گھر میں تو اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔'' بانو بیگم بہت دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

''جی امی کوئی اسے کیسے سمجھائے کہ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ اسے انا، انتقام کی آگ میں جھونک دینا کوئی عقلمندی نہیں۔''

''میں نے تو بھائی کو زندہ دیکھنا چاہا تھا۔ ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔ اور میں آج بھی سب کچھ بہت حوصلے سے اس لیے برداشت کر رہی ہوں کہ میرا بھائی زندہ تو ہے۔ میری ماں کو اپنے زندہ بیٹے سے کوئی اچھی آس تو ہے۔'' نیا نے بمشکل اپنے آنسوؤں کو روکا اور فوراً لائن کاٹ کر ریسیور Held up کر دیا تاکہ عتیقہ دوبارہ کونٹیکٹ نہ کرے۔ پھر ہتھیلیاں گود میں رکھ کر اپنی روح کی چیخوں کو روکنے کے جتن کرنے لگی۔ آنسو بڑی روانی سے گالوں پر بہہ رہے تھے اور گریبان بھگو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

رمیض خاصی دیر سے کال بیل کا بٹن پش کر رہا تھا مگر اندر سے کوئی رسپانس نہیں آ رہا تھا۔

''دونوں گھر پر نہیں ہیں۔ اس نے اپنی بیک پر نسوانی آواز سنی تو اپنے دھیان سے چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا۔ روبی بلیک کرتی اور جینز میں ملبوس ہاتھ میں ایک شاپر پکڑے مسکرا رہی تھی۔

''اوہ......السلام علیکم......'' رمیض قدرے خجل سا ہو کر مسکرایا۔

''پھوپھو کو ایئرپورٹ چھوڑنے گئی ہیں آپی۔ وہیں سے آفس چلی گئی ہوں گی۔ آیئے ہمارے ساتھ ناشتہ کیجیے۔ میں آپ کو اپنی نیا سے ملواتی ہوں۔'' روبی نے اسے ماہ رُخ کا اہم مہمان جان کر آداب میزبانی نبھائے۔

''اے......ایئرپورٹ......غالباً آپ مومنہ کی بات کر رہی ہیں۔ جو ماہ رُخ کی پھوپھو ہیں۔''

"جی جی...... بالکل وہی۔ عنقریب وہ جگت پھوپھو ہو جائیں گی اور اپنی اس ترقی پر پھولی نہیں سمائیں گی۔" روبی نے شاپر دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔

"Mean?" رمیض کو ذو معنی باتیں کہاں سمجھ آتی تھیں۔

"بھئی سب کی پھوپھو بن جائیں گی تو ہر لڑکا ان کا بھتیجا ہوگا۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی شادی کا خطرہ نہیں ہوگا۔ سب بھتیجے ہوں گے تو شادی کس سے کریں گی اور یہی ان کی اسٹریٹیجی ہے کہ ان کی شادی کبھی نہ ہو۔ آیئے آپ...... میں آپ کو ایک کپ گرم چائے پلواتی ہوں اور اپنی ننا سے آپ کی مڈبھیڑ کراتی ہوں۔ جو ہر وقت اسی انتظار میں رہتی ہیں کہ کوئی مہمان گھر میں آئے اور وہ کوئی ڈش بنائیں۔" روبی نے قدم بڑھا دیے تھے۔

"لیکن آپ تو چائے کی بات کر رہی ہیں۔" رمیض نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے پہلو میں چلنے لگا۔

"چائے تو کوئٹہ رنگین ہوٹل کی طرح ننا کے گھر میں چوبیس گھنٹے Available ہے۔ مہمان کی ایک کپ چائے ہمارے ہاں ایک اچھی ڈش کا پہلا مرحلہ ہے۔ کچھ سمجھ آئی؟"

روبی کا اعتماد و شوخی و برجستگی رمیض کو بہت مزے کی لگ رہی تھی۔ مگر اسے ایک دم خیال آیا کہ وہ تو مومنہ کی بات کر رہا تھا اور روبی نے اس کے ایئرپورٹ جانے کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ جیسے چونک کر حواسوں میں آ گیا۔

"وہ آپ بتا رہی ہیں کہ وہ ماہ رُخ مومنہ کو ایئرپورٹ ڈراپ کرنے گئی ہیں۔"

"مسٹر...... ڈراپ نہیں See off" روبی نے زینہ چڑھتے ہوئے وضاحت کی۔

"وسس...... سی...... سی آف" مارے بوکھلاہٹ کے رمیض بے ربط ہونے لگا۔

"پھوپھو کو بہت ایمرجنسی میں اسپین جانا پڑ گیا۔ یہاں سے دوبئی گئی ہیں۔ وہاں سے دوسری فلائٹ لیں گی۔" روبی اسے لے کر اپنے فلور کی راہداری میں داخل ہوئی اور

تیزی سے ایک دروازے کی طرف بڑھی۔

"یہ رہا ہمارا غریب خانہ۔" اس نے کال بیل کا بٹن پش کرتے ہوئے رمیض کی طرف دیکھا جو پتھر کا انسان بن چکا تھا۔

"اسپین...... اسپین...... اسپین" سماعت سے ٹکرانے والی ہر آواز صرف اسپین کا صوتی تاثر دے رہی تھی۔ جیسے اس ایک لفظ کے علاوہ سماعت ہر لفظ کو قبول کرنے سے انکار کر رہی ہو۔

روبی کی توجہ رمیض سے زیادہ دروازہ کھلنے پر تھی۔ ورنہ وہ نوٹ کر لیتی تو چونک پڑتی۔ دروازہ کھلا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ ننا کی آواز بھی سنائی دی۔

"ارے دو جی بستے ہیں اس گھر میں۔ سارا بازار چھاننے بیٹھ گئیں۔ اسی لیے کہتی ہوں دفتر سے آتے ہوئے لیتی آیا کرو۔ مارا اُوپر نیچے کی اُترائی چڑھائی۔ اپنی سوکن سے کہو ہمیں اپنا فلیٹ دے دے اور خود اُوپر آ جائے۔ ایک منزل کا تو فرق پڑے گا۔ ان دنوں میں یہ بار بار اُترنا چڑھنا......"

"ننا...... ننا...... پلیز اسٹاپ۔ ساتھ مہمان لائی ہوں۔ کچھ تو خیال کریں۔"

ننا کو جیسے ایک دم بریک لگ گئے۔ دروازہ کھول کر انہوں نے بجائے اس کے کہ آنے والوں کو راستہ دیتیں۔ سر باہر نکال کر مہمان کو دیکھنا ضروری خیال کیا۔ رمیض پر نظر پڑتے ہی ہونق ہو گئیں اور پوری آنکھیں کھول کر رمیض کی طرف دیکھا۔ خوبصورت زرد رنگ کی ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس ایک حسین جوان لڑکا۔

"ننا پلیز اندر تو آنے دیں۔" روبی نے ٹوکا۔

ننا نے ہڑبڑا کر راستہ دیا مگر ان کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ انہوں نے غور سے روبی کی طرف دیکھا۔ بے حساب اندیشے ان کی نگاہوں میں سرسرا رہے تھے۔

"السلام علیکم" رمیض نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔

اپنے عظیم لاڈ پیار کا اظہار جیتے رہو یا جیتی رہو کہہ کر کرنے والی ننا نے بڑے سرد انداز میں سلام کا جواب دیا۔ رمیض کے اندر داخل ہوتے ہی روبی نے ہاتھ میں پکڑا

شاپر نتا کو تھما دیا اور رمیض کو لے کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"تشریف رکھیے۔" اس نے شگفتگی کے ساتھ رمیض کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

"تھینک یو" رمیض نے بیٹھ کر بلا ارادہ ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔

"نتا...... اچھی سی چائے بنالیں۔"

"ناشتہ تو کریں گے ناں......؟" روبی کو اچانک خیال آیا۔ خود اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔

"اوہ...... نو میں ناشتہ کر چکا ہوں۔ تھینکس اے لاٹ......" رمیض لاؤنج کی آرائش کا جائزہ لیتے ہوئے سنبھل کر مسکرایا۔

"نو تکلف...... یوں سمجھیے آپ ماہ رُخ آپی کے گھر ہی میں بیٹھے ہیں۔"

"اے بیٹی......! مہمان کا کچھ تو بتاؤ۔ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے پہلے تو نہیں دیکھا" نتا کا تجسس اب بے اختیاری کے مرحلے پر تھا۔

"یہ مومنہ پھوپھو کے رشتہ دار ہیں نتا...... ان کے گھر آئے تھے۔ میری ان سے ملاقات آپی کے گھر میں ہو چکی ہے۔ یہ وہاں کھڑے ہوئے تھے میں اُوپر لے آئی کہ پتہ نہیں کتنا سفر کر کے آئے ہوں گے۔ ذرا اُوپر بیٹھ کر دم لے لیں۔"

"اچھا اچھا...... رشتہ دار ہیں۔ مومنہ کے بھتیجے ہوں گے۔" نتا کی مکمل تسلی ہو گئی اور فطری خوش اخلاقی کا مظاہرہ ہوا۔

"پتہ نہیں نتا...... بھانجے بھتیجے یا بھائی کیا ہیں۔ مجھے تفصیلات نہیں پتہ۔" روبی نے جیسے جان چھڑائی۔ حقائق نتا کو بتانا ایسا ہی تھا جیسے پورا اخبار پڑھ کر سنانا۔ نتا اپنی ابتدائی تیاری کر کے ذرا دیر کو کچن سے باہر آئیں۔

"خیر سے شادی شدہ ہو بیٹا......؟"

"اوہ...... تھینک گاڈ۔ ابھی بچا ہوا ہوں۔" رمیض نے شرارت سے روبی کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"اللہ جلدی سہرے کے پھول کھلائے۔ ماں باپ تو یہیں رہتے ہوں گے۔

کراچی میں کس جگہ ہو بیٹا آپ؟" نتا مکمل تعارف کے بغیر گرم جوش آؤ بھگت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔

"جی میرے پیرنٹس U.S میں ہوتے ہیں۔ میرے فادر بزنس کرتے ہیں۔ میں فی الحال یہاں ہوں یہاں بزنس سیٹ اپ بنا رہا ہوں۔"

"اے ہے بہت ہی بے عقلی کی بیٹا۔ ٹھنڈے ملک کو چھوڑ کر یہاں آن بیٹھے۔ پانی بجلی کا مسئلہ، مہنگائی قیامت، پیٹ سے بم باندھ کر پھرنے والے جگہ جگہ۔ جہاں جا کر کھڑے ہو یہی دھڑکا کہ بم نہ پھٹ جائے۔" نتا نے رمیض کے احمقانہ فیصلے پر جیسے ماتم کیا۔

"دوسرے لوگ بھی تو رہ ہی رہے ہیں۔" رمیض نے اپنی بات کرتے ہوئے تائید طلب نظروں سے روبی کی طرف دیکھا۔

"وہ تو مجبوری ہے۔ بے بسی ہے۔ تمہاری تو کوئی مجبوری نہیں۔ مار تم سے کہاں اتنی گرمی برداشت ہوگی۔" نتا واپس کچن میں جاتے ہوئے بولیں۔

"ہو ہی جائے گی۔" رمیض نے زیر لب کہا اور مسکرا کر روبی کی طرف دیکھا۔

"اسی وقت کال بیل رنگ ہوئی۔" روبی کے چہرے پر کوفت کے اثرات نمایاں ہوئے۔

"سوئپر آیا ہوگا نتا۔" اس نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے نتا کو مخاطب کیا۔

"ہاں آ گیا چار دن بعد۔ جب گھر کچرا گھر بننے لگے۔ ایک نمبر کے حرام خور مہینہ الگ لیں چائے کے پیسے روز مانگیں۔ ٹوکری بعد میں پکڑتا ہے پہلے چائے کے پیسے مانگتا ہے۔" نتا بڑبڑاتی ہوئی ڈسٹ بن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"بہت رونق ہے ان سے گھر میں۔" رمیض نے نتا کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا اور سائیڈ ٹیبل سے میگزین اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ ساتھ ہی روبی سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک نظر اس نے روبی پر دوڑائی اس نظر میں بڑے سنجیدہ سوال تھے۔

"اس دن مومنہ نے بتایا تو میں واقعی بہت حیران ہوا۔ ایک شخص کی دو بیویاں اور

اتنی اچھی دوست۔ امیزنگ...... بائی داوے یہ انٹرسٹنگ سٹوری شروع کیسے ہوتی ہے“

”بس رہنے دیں آپ...... بہت مشکل سے سنبھلی ہوں۔“

”ارے بیٹا دیکھو کون آیا ہے۔“ ثنا کی مداخلت نے بات کا ربط توڑ دیا۔ کیوں کر انداز میں ایک جوش تھا۔ بے اختیار دونوں نے انٹرنس کی طرف دیکھا تھا۔

روبی تو بھونچکی سی ہو کر یوں اُٹھ کھڑی ہوئی جیسے اسپرنگ کے زور پر اُچھلی ہو۔ سامنے اپنے بریف کیس سمیت وقار کھڑا تھا۔

وقار کی آنکھوں میں حیرت، دُکھ اور ایک عجیب محسوس ہونے والی اذیت تھی جسے وہ بمشکل برداشت کر رہا تھا۔ اس نے پہلے مرحلے میں اپنا بریف کیس کارپٹ پر رکھ دیا۔

روبی کی تو جیسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ایک دم سے ہو کیا گیا۔ رمیض باری باری سب کے چہرے بار بار دیکھ رہا تھا۔ روبی کی واضح حالت اسے بہت اُلجھا رہی تھی اور چکرا کر رہی تھی۔

وقار گرے سوٹ میں تھا۔ ریڈ ٹائی اور اپنے نفیس اور گریس فل ہیئر اسٹائل میں بہت ”کلاس کی شے“ نظر آ رہا تھا۔ اس کا انداز اسے ”صاحب“ بتا رہا تھا۔ اس کا بریف کیس بہت قیمتی، اسٹائلش اور امپورٹڈ تھا۔

رمیض نے معاً بڑی حاضر دماغی سے خود کو سنبھالا۔ چند قدم آگے بڑھا اور معانقے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

”ہیلو......“ وہ ساتھ ہی وقار کے اثرات دیکھ رہا تھا۔

”کون ہے یہ؟ اور میرے گھر میں کیا کر رہا ہے؟“ وقار نے رمیض کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کر کے بڑی بدلحاظی و سرد مہری سے ثنا سے سوال کیا۔ نظریں روبی پر جمی ہوئی تھیں۔

رمیض کے سر پر جیسے بم پھٹا...... ”میرے گھر میں؟“

رمیض کو ماحول سے خطرے کی بو آنے لگی۔ اس کی چھٹی حس گڑبڑ کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے کھسیائے انداز میں اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔

”میں چلتا ہوں...... بائے“

”آپ تشریف رکھئے۔ اپنا انٹروڈکشن تو کرائیے۔ ایسے کیسے جا سکتے ہیں آپ۔“

وقار نے اپنا کوٹ اُتارتے ہوئے سخت اور بے مروّت نظروں سے رمیض کو دیکھا۔

رمیض کے تو گویا ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اس نے گھبرا کر روبی کی طرف دیکھا۔ روبی نے جزبز سی ہو کر نظر دوسری جانب موڑ لی۔

”ارے بیٹا...... یہ تو دو گھڑی کے مہمان ہیں۔“

”آپ خاموش ہو جائیں بڑی بی......“ وقار نے ثنا کو بڑی بی کہہ کر گویا ان سے اعلانِ لاتعلقی کر دیا۔ ایک لمحے کو تو روبی کو بھی خوف سے جھرجھری آ گئی۔

ثنا تو اپنی بے عزتی پر اتنی خوفزدہ ہوئیں کہ قوتِ گویائی ہی سلب ہو گئی۔ اُنہوں نے خوفزدہ انداز میں پیچھے کی طرف قدم کیے۔ جیسے موقع ملتے ہی بھاگ کھڑی ہوں گی۔

”میں کہہ رہا ہوں تشریف رکھئے۔“ وقار گھر کا مالک تھا۔ استحقاق اور مالکانہ کروفر نے اسے سب موجود لوگوں میں امتیاز دیا ہوا تھا۔ سب کمزور تھے اور وہ قوی۔ یہ کہہ کر وہ خود پہلے بیٹھ گیا۔

رمیض کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ابھی تو اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ اس پر شک کیا جا رہا ہے۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بیٹھ گیا۔

ثنا ہنوز سہمی ہوئی سی اپنی جگہ کھڑی تھیں۔ اب منہ کھولنے کی ہمت نہیں تھی۔ اب ان کی حیثیت صرف تماش بین کی تھی۔

”صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ نصیب خراب ہوں تو عورت کو عزت راس ہی نہیں آتی۔“ وقار نے قہر آلود نظروں سے روبی کی طرف دیکھا۔

”خبردار! اگر میرے کردار پر حملہ کیا۔ میں ماہ رُخ نہیں ہوں۔“ روبی اب سراپا احتجاج بن کر چلائی۔ رمیض کے سامنے اتنی بے عزتی۔ چور خود شور مچانے لگا تھا۔ روبی جو دھوکے، دکھ سے ویسے ہی چور چور رہتی تھی اتنی سنگین الزام تراشی پر مرو اور مارو والی کیفیت میں آ گئی۔

وقار اس احتجاج پر فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اس نے روبی کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے اور زور سے جھٹکا دیا۔ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔

رمیض اس صورت حال پر بری طرح بدحواس ہو چکا تھا۔ اس نے وقار کی طرف دیکھا اور بہت خفا خفا انداز میں گویا ہوا۔

"مسٹر......! آپ یہ زیادتی نہیں کر سکتے۔ بال چھوڑیے ان کے۔ اپنی گری ہوئی سوچ کی وجہ سے کسی بے گناہ کو آپ یہ تکلیف نہیں دے سکتے۔ میں کہہ رہا ہوں چھوڑیے۔"

"عیش کر رہا ہے اس عورت کی وجہ سے۔ تو اس کی حمایت نہیں کرے گا تو پھر کون کرے گا۔" وقار نے روبی کے بالوں کو زور سے جھٹکا دے کر چھوڑ دیا اور غرا کر بولا۔

"میں نے تو اس گھر میں ابھی ایک کپ چائے نہیں پی۔ کون سے عیش کی بات کر رہے ہیں آپ...... ایک نمبر کے عیاش تو خود ہیں۔ ایک پروجیکٹ کے دو اپارٹمنٹس میں دو بیویاں رکھی ہوئی ہیں۔ دو چار کہیں اور بھی ہوں گی۔" رمیض کی انا بھی اس بے عزتی پر پھن لہرانے لگی۔ اپنی دانست میں منہ توڑ جواب دیا۔

وقار اب تیزی سے آگے بڑھا اور رمیض کا گریبان دبوچ لیا۔ "ایک کپ چائے نہیں پیا تو نے (گالی) اور ساری ہسٹری معلوم ہے؟"

رمیض نے روبی اور ننا کی طرف دیکھا اور وقار کی گرفت سے اپنا گریبان چھڑانے لگا۔ "ہسٹری تو مجھے نیچے پتہ چلی تھی۔ اس گھر میں آج پہلی بار آیا ہوں۔ پاگل خانے سے فرار ہوئے ہو۔" رمیض نے پھر اپنا گریبان چھڑانے کی جدوجہد کی جو وقار نے پوری قوت سے پکڑا ہوا تھا۔

"بیٹا......! یہ بچہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اللہ گواہ ہے یہ آج یہاں پہلی مرتبہ آیا ہے۔" ننا کو بالآخر حق بات کہنے کا حوصلہ مل ہی گیا۔ یہ اور بات کہ اب بھی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"ارے تمہیں تو مفت کی روٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس سازش میں تو ماسٹر مائنڈ تمہارا

ہو گا۔ ایک نمبر کی سیاست دان بڑھیا ہے۔ بغیر محنت کے عیش و آرام کی زندگی ملی ہوئی ہے۔" وقار نے اب زور سے رمیض کے گریبان کو جھٹکا دے کر چھوڑ دیا اور روبی کی طرف بڑھا۔

"سچ سچ بتاؤ گی تو آج ہی سب کچھ فائنل ہو جائے گا۔" وہ روبی کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور روبی پیچھے ہٹ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری مس روبی آپ کو میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔ میں جا رہا ہوں۔ آپ اس درندے کو پہلی فرصت میں پاگل خانے میں جمع کرائیں۔ اس کی وجہ سے آپ لوگوں کی جان کو سخت خطرہ ہے۔"

رمیض نے اپنی ٹی شرٹ کا کالر درست کرتے ہوئے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ وقار نے شدت غضب سے اسے گھورا اور چیتے کی سی پھرتی دکھاتے ہوئے اس پر جھپٹا اور اس کا بازو پوری قوت سے دبوچ کر ایک زناٹے کا تھپڑ رمیض کے گال پر رسید کیا۔

"چوری بھی اور ڈھٹائی بھی۔" وہ بولا اور ساتھ ہی دوسرا تھپڑ رسید کیا۔ تھپڑ میں اتنی قوت تھی کہ رمیض نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ اسے تو کبھی اس کے باپ نے بھی نہیں مارا تھا اور آج بے سبب بے خطا کوئی اس کو تھپڑ رسید کر رہا تھا۔ اتنی بے عزتی......!! اس کی شریانوں میں گویا لاوا اُبلنے لگا۔ اس نے قہر برساتی نظروں سے وقار کی طرف دیکھا۔

روبی لاشعوری طور پر بیچ بچاؤ کرانے کی نیت سے آگے بڑھی تھی لیکن اس سے قبل کہ وہ ان دونوں کے قریب پہنچتی رمیض نے وقار پر گھونسوں کی بارش کر دی۔

"ابھی ٹھیک کرتا ہوں تمہارا یہ پاگل پن۔ کسی کی کوئی عزت نہیں ہے تمہاری نظر میں؟" وہ ایتھلیٹ اور کراٹے کا ماہر تھا۔ اس پر سے اچھی صحت اور قد کاٹھ۔ وقار توازن قائم نہ رکھ سکا نیچے گر گیا۔

ننا ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھیں "ارے...... بس بیٹا...... کوئی عقل کی بات کرو۔ اس مار پیٹ سے کیا ملے گا۔ پہلے حقیقت تو جان لو۔" وہ رمیض کے قریب آ گئیں اور نرمی

سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''بیٹا...... ! جاؤ تم اپنے گھر جاؤ۔ یہ میاں بیوی ہیں۔ زندگی بھر کا ساتھ ہے۔''

''یہ تو بہت بڑا شکاری ہے۔ دو خوبصورت لڑکیوں کو ایک وقت میں بے وقوف بنا رہا ہے۔'' رمیض نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے اور ہانپتے ہوئے کہا۔

لہجے میں طنز کی کاٹ اور بلا کی تلخی تھی۔ اس نے نتا کی بات کاٹ دی تھی۔

''نتا ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ چلے جائیں۔ آئی ایم سوری کہ آپ کی اتنی انسلٹ ہوئی۔'' روبی کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت رمیض کے چلے جانے ہی میں عافیت ہے۔ وہ اپنی بکھری زلفوں کو سمیٹ کر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ کہیں نہیں جائے گا۔ میری عزت سے کھیل کر زندہ سلامت چلا جائے گا؟''

وقار نے پھر رمیض پر حملہ کر دیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ لی۔ رمیض کو اتنے شدید حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ توازن بگڑتے ہی گر گیا۔ ساتھ ہی وقار بھی گرا تھا مگر اس کے ہاتھوں کی گرفت ہنوز رمیض کی گردن پر تھی۔ رمیض جنونی گرفت میں تھا۔ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے پھڑپھڑانے لگا۔ روبی اور نتا قریب آ کر وقار کو اس سے الگ کرنے کی جدوجہد کرنے لگیں۔ مگر وقار تو جیسے کسی غیر مرئی قوت کے زیرِ اثر تھا۔ معاً اس نے صوفے پر پڑا فلور کشن اُٹھا لیا اور رمیض کے منہ پر رکھ کر دبانے لگا۔ رمیض ٹانگیں اور ہاتھ پٹخنے لگا۔ روبی تو یہ صورتِ حال دیکھ کر جیسے ہوش کھونے لگی۔ کسی بھی وقت رمیض کی سانس بند ہو سکتی تھی۔

اس نے پوری قوت سے پیچھے کی طرف سے وقار کا کالر دونوں ہاتھوں سے کھینچا تھا۔ نتا نے حسبِ استطاعت وقار کو کھینچنا شروع کیا۔ بہرحال چار ہاتھوں کی بھرپور مزاحمت وقار کو اتنا تو ڈسٹرب کر رہی تھی کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ دوسری طرف رمیض بھی زندگی بچانے کے لیے اپنی تمام تر قوتِ مزاحمت استعمال کر رہا تھا۔ جیسے ہی وقار کی گرفت ذرا سی ڈھیلی محسوس ہوئی وہ تڑپ کر اس کے قابو سے نکل آیا۔ وقار ابھی تک نتا اور روبی کی مزاحمت سے دوچار تھا۔

رمیض بجائے اس کے کہ جان بچ جانے پر فوراً راہِ فرار اختیار کرتا اس نے مشتعل ہو کر وقار پر حملہ کر دیا۔

''مجھے پاگلوں سے نمٹنا آتا ہے۔ جان سے مار رہا تھا مجھے۔'' اس نے وقار پر لاتوں گھونسوں کی بوچھار کر دی۔

''ارے بیٹا...... ! چھوڑو...... بھاگ جاؤ۔ جاؤ میرا بچہ...... چلے جاؤ یہاں سے۔ ارے میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' نتا نے اس کی منت سماجت شروع کر دی۔

''اماں اس شخص کے سر پر خون سوار ہے۔ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو یہ روبی کو جان سے مار سکتا ہے۔ آپ روبی سے کہیں فوراً یہاں سے چلی جائے اور پولیس کو فون کرے۔'' رمیض نے اپنا ہاتھ روکے بغیر ہانپتے ہوئے کہا۔

اس دوران وقار نے اسے دبوچ لیا ''ہاں...... کرو پولیس کو فون۔ بلاؤ پولیس کو۔ بیوی کو آشنا کے ساتھ گرفتار کرواتا ہوں۔ میرے پاس تو پولیس کو دکھانے کے لیے نکاح نامہ ہے۔ اُلو کے پٹھے تیرے پاس کیا ہے؟'' وقار نے اب رمیض کو گھونسوں پر لے لیا۔

''روبی میں آپ سے کہہ رہا ہوں آپ یہاں سے چلی جائیں۔ یہ آپ کو جان سے مار دے گا۔ پلیز اماں...... آپ روبی کو یہاں سے لے جائیں۔'' رمیض اب دفاعی پوزیشن پر آ کر بات کر رہا تھا۔ وقار کے ہاتھ میں جیسے برق دوڑ رہی تھی۔

''اماں اگر آپ یہاں سے روبی کو لے کر نہیں جائیں گی تو میں بھی یہاں سے نہیں جاؤں گا چاہے یہ شخص مجھے جان سے مار دے۔'' رمیض نے اب چلاتے ہوئے کہا۔

''واہ...... اسے کہتے ہیں سچا عشق۔ کتنی فکر ہے روبی کی۔ روبی کی خاطر جان دے سکتا ہے۔ اور میں اس کی جان لے کر ہی رہوں گا۔'' وقار نے غرا کر کہا۔

نتا تو ویسے ہی خوفزدہ تھیں۔ انہیں یہی محسوس ہو رہا تھا اگر وقار نے رمیض کو چھوڑ دیا تو روبی کی شامت آئے گی اور جو اس وقت وقار کی کیفیت تھی وہ کسی انتہائی واقعے کی پیش گوئی کر رہی تھی۔ جبکہ روبی کو صرف یہ خوف تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی کسی کو جان سے مار سکتا ہے۔

''کس بات کا انتظار کر رہے ہیں آپ......؟ کیا موت کا۔'' رمیض حلق پھاڑ کر چیخا۔ وقار نے اس کی ناک پر گھونسا مارا تھا۔ رمیض کی ناک سے خون بہنے لگا تھا۔ روبی نے بڑی بے بسی سے نتا کی طرف دیکھا۔ نتا نے فوراً روبی کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتی ہوئی باہر کی طرف چلیں۔

''اے وہ بچہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ روز خبریں آتی ہیں۔ شک کی وجہ سے آئے روز عورت کے قتل کی خبریں اخبار میں آتی ہیں۔ وقار اس وقت ہوش میں نہیں ہے بیٹا۔'' نتا روبی کو پوری قوت سے گھسیٹتی ہوئی جا رہی تھیں۔

''شک نہیں یقین بڑھیا۔ ابھی تیرے سامنے اس کے عاشق نے جان کی بازی لگائی ہے۔'' وقار نے تابڑ توڑ گھونسوں کی بارش کی۔ رمیض ناک سے خون بہنے کی وجہ سے قدرے کمزور پڑ رہا تھا مگر مزاحمت جاری تھی۔

نتا روبی کو لے کر دروازے سے باہر چلی گئی تھیں۔ ''ارے تم دوسرے جی سے ہو۔ اس کا کیا بھروسہ۔ دو جانوں کا خون اس کے ذمہ لگ جائے گا۔'' وہ دروازے سے باہر پاؤں رکھتے ہوئے بولی تھیں۔

دونوں کے جاتے ہی وقار کا آدھا اُبال جیسے بیٹھ گیا۔ جس کو رد عمل دیکھنا چاہیے تھا وہ منظر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

''شادی کرنا چاہتے ہو روبی سے؟'' وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

''بھئی میں کیوں کسی کی بیوی سے شادی کروں؟ شہر کی ساری لڑکیاں مر گئی ہیں کیا'' رمیض نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا۔

''ہوں تو صرف عیاشی کا پروگرام تھا؟'' وقار کسی درندے کی مانند غرایا۔

''مجھے لڑکیوں کی کوئی کمی ہے جو تیسری منزل کی سیڑھیاں چڑھوں؟ مسٹر اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔ نیک عورتوں پر شک کرتے ہو۔ کسی دن سچ مچ کوئی کمرشل (بازاری) عورت مل گئی تو سارے اگلے پچھلے حساب صاف ہو جائیں گے۔''

''عاشق تو خیر تم سچے ہو۔ اپنی معشوقہ کو نیک ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی دے رہے ہو۔''

رمیض کی بات پر وقار نے ایک طنزیہ قہقہہ لگایا تھا۔

''شہر کی ایک سے ایک حسین لڑکی میرے اشارے کی منتظر ہے۔ مجھے کسی سیکنڈ ہینڈ عورت سے دلچسپی نہیں۔'' رمیض نے جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھتے ہوئے حقارت سے کہا تھا۔

''میں نے تمہیں اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میں پکڑا ہے۔''

''ایک بزرگ خاتون بھی اس چھوٹے سے گھر میں موجود تھیں۔'' رمیض نے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے تھے۔ مگر بہت محتاط تھا کہ جانے کس گھڑی وقار پھر حملہ کر دے۔

''اس بڑھیا کو تو بس مفت کی روٹی چاہیے۔ اسی نے روبی کو خراب کیا ہوگا۔ مجھے یہی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں روبی کو اتنا منا رہا ہوں۔ وہ کیوں نہیں مان رہی۔ اب بات سمجھ آئی ہے کہ اسے اب مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ وہ تو مجھ سے الگ رہنے کے لیے باقاعدہ کوشش شروع کر چکی ہے۔''

''جلتے کڑھتے رہو۔ شک کی آگ میں ایک دن خود ہی جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔ یہی تمہارا مقدر ہے۔'' رمیض نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے تمسخرانہ کہا۔

وقار اب خاصے نڈھال انداز میں کھڑا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ رمیض کا خون نکال کر اندر بھڑکتے شعلوں پر پانی کے ٹھنڈے چھینٹے پڑ گئے ہوں۔

رمیض اس لیے دیر کر رہا تھا کہ روبی اور نتا اس پروجیکٹ سے کسی طرح باہر نکل جائیں۔ ورنہ خون بہنے سے ایک دم اس کو کمزوری کا احساس ہونے لگا تھا اور وہ فوراً یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

''میرا بہت بہت شکریہ ادا کرو مسٹر۔ کریمنل کی اسٹیمپ سے بچ گئے۔'' رمیض نے اتنا کہا اور باہر نکل گیا۔

وقار نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے لاؤنج پر نظر دوڑائی جو کسی محاذ کا آخری منظر پیش کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

نمو کی دھڑکنیں انتظار کے گیت الاپ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر قبل فون آیا تھا کہ ولید اور سعید کمال گھر پہنچنے والے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ خوشی نے خوف کا پیراہن بھی اوڑھ لیا تھا کہ ولید نہ جانے کس موڈ اور انداز میں گھر میں داخل ہوگا۔ انتظار میں وقت ٹھہرا ہوا لگتا ہے۔ ساری رات جاگتے گزری تھی۔ اب نئے دن کی چمک دار دھوپ کا چہار سو بسیرا تھا۔

صرف ایک رمیض بھائی کتنے بے قصور انسانوں کے دکھوں کے ذمہ دار ہیں۔ اس نے گہرے دکھ میں ڈوب کر سوچا۔ پتہ نہیں ولید کا ری ایکشن کیا ہوگا۔ ایک تو ان کو سمجھنا بھی آسان نہیں۔ ایک پل میں کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔ دل میں اندیشے سرسرانے لگے۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ولید اندر داخل ہوا۔ نمو ہڑبڑا کر بیڈ سے اُتر گئی۔ یہ اس کی بدحواسی اور غیر اختیاری حرکت تھی۔ اس نے ولید کی طرف دیکھا۔ شب بیداری کی تھکن، بکھرے بال نڈھال سی چال۔ ولید نے ایک نظر نمو پر ڈالی اور آگے بڑھ کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔ جیسے میلوں پیدل چل کر گھر آیا ہو۔

سلیپر بھی اس نے اِدھر اُدھر چھوڑ دیے تھے۔ نمو کو اور کچھ تو سجھائی نہ دیا سلیپر اُٹھا کر ایک طرف رکھنے لگی۔ ولید کمال کی خاموشی سے اسے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آئی۔ ڈرتے ڈرتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''وہ آپ کے لیے ناشتہ...... چائے وغیرہ۔'' اس نے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ ہی لیا۔

''ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دو۔'' ولید نے تھکی تھکی آواز میں بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔

نمو کی جیسے جان میں جان آ گئی۔ جلدی سے کونے میں رکھے چھوٹے سے فرج سے پانی کا جگ نکالا۔ بڑی پھرتی سے گلاس بھرا اور ولید کے قریب آ کر اسے متوجہ کیا۔

''یہ...... پانی''

ولید نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی

نظروں میں جیسے تپش سی تھی۔ نمو کے چہرے سے حدت پھوٹنے لگی۔ اب اس کی مجال نہیں تھی کہ نظر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھے۔

''میری بے عزتی دس بار ہو جائے میں دس مرتبہ معاف کر سکتا ہوں۔ مگر پاپا کی کوئی انسلٹ کرے تو میں معاف نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس شخص نے ہی تو میرے چہرے سے گالی کی کالک مٹائی ہے۔''

نمو کی پھر ٹانگیں کانپنے لگیں۔ گلاس کا وزن پہاڑ جتنا ہو گیا۔ ولید کمال اُٹھ بیٹھا تھا اور گلاس لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ نمو نے گلاس اسے تھما دیا۔ اس نے گلاس تھام کر پھر نمو کی طرف دیکھا۔ نمو نے جھٹ پلکوں کی جھالر گرا لی۔

ولید کمال نے آہستہ آہستہ کر کے آدھا گلاس پانی پیا۔ پھر گلاس واپس نمو کو تھما دیا۔

''نمو......!'' وہ گلاس لے کر پلٹی ہی تھی کہ ولید کمال نے اسے آواز دی۔ وہ رُک گئی اور وہیں کھڑے کھڑے ولید کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تمہیں اب تک اتنا اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ میں نارمل بندہ نہیں ہوں۔ Extremest یعنی شدت پسند یا انتہا پسند کہہ سکتی ہو اور یہ میری فطرت ہے اور یہ بھی تم جانتی ہو بندے کی عادت بدل سکتی ہے فطرت نہیں۔ ہر Creation (تخلیق) کی ایک بیلنس Equation یا فارمولا ہوتا ہے۔ جس میں مداخلت کی ہی نہیں جا سکتی۔

نمو حواس باختہ ہو کر ایک ٹک اسے گھورنے لگی۔ یہ طولانی تمہید شاید طوفانی جھگڑوں سے پہلے کا ٹھہراؤ تھی۔ انجانے اندیشوں سے دل کانپنے لگا۔

''زیادہ سے زیادہ یہ میرے ساتھ کیا کر سکتے ہیں؟'' ایک اندیشے نے فوراً دل کے سب سے نرم گوشے پر ڈنک مارا۔

''تمہیں یہاں سے اپنی ضروری چیزیں لینا ہوں تو اُٹھا لو اور ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو۔''

''ضروری چیزیں'' میرے ساتھ چلو۔ وہ چند لفظوں سے پہیلی بوجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"جانا کہاں ہے؟" اس نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔

"وہیں جہاں سے آئی تھیں۔" ولید کمال کا لہجہ ہر تاثر سے عاری تھا۔ وہ درست اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔

"کیوں......؟ کیا ماموں جان نے بلایا ہے۔" کچھ سراسیمگی سی اندر وجود میں پھیلی تو تھی مگر شک کی اذیت سے نجات پا کر یقین کی کھلی دوزخ میں گرنے کو ترجیح دے رہی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں تیار ہو جاؤ۔ میرا اتنا کہنا کافی نہیں؟" ولید کمال کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے بالکل پاک بالکل سپاٹ تھا۔

"مجھے یہاں سے کوئی ضروری چیز نہیں لینا۔ میں تیار ہوں"

طاقتور دشمن کا زبردست حملہ سامنے پا کر نہتا انسان آخری کوشش تو ہر حال میں کرتا ہی ہے۔ حالانکہ اس کو اپنی کمزوری کا شعور ہوتا ہے۔ اس نے بھی جواب میں اس انا کا مظاہرہ کر ڈالا تھا جو ہر مثبت سوچ رکھنے والے کی پونجی ہوتی ہے۔ اس نے یہ کہہ کر ایک چادر اُٹھائی اور اوڑھنے لگی۔

ولید کمال اُٹھ بیٹھا تھا اور سر جھکائے کسی خیال میں گم تھا۔

"چلیے......" اس مرتبہ اس کا لہجہ سرد و اجنبی تھا۔

"وہ تمہارا ایک ہینڈ بیگ بھی تو ہوتا ہے جو تم باہر نکلتے ہوئے لازمی لیتی ہو۔"

"چھوڑیں اسے۔ مجھے اس بات کی جلدی ہے کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس لیے آپ فوراً اُٹھ جائیں۔"

ولید نے اب چونک کر اس کے تیور جانچنے کی کوشش کی اور اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگا پھر جیسے فوراً ہی کچھ یاد آ گیا۔ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ممی پاپا سے ملنا چاہو تو مل آؤ......"

"وہ آپ کے کچھ نہیں لگتے تو میرے کیا لگتے ہیں؟" خلافِ توقع نمو کی طرف سے بہت عظیم دھماکہ ہوا تھا۔ وہ بیوی ہی کیا ہوئی جو شوہر کے احساسات کے ساتھ ساتھ نہ ہو۔

"مجھے گالی مت دو۔ میں تو آل ریڈی گالی ہوں۔" وہ اب زور سے چیخا۔

"میں باہر پورچ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

نہتا کمزور انسان بساط بھر اپنا دفاع تو کرتا ہے۔ ولید کمال کی آنکھوں میں وحشت سی ناچنے لگی۔ وہ گاڑی کی چابی کارنر ٹیبل سے اُٹھا کر فوراً ہی نمو کے تعاقب میں چل پڑا تھا۔

☆☆☆☆☆

روبی نے نیچے اُترتے ہی پی سی او سے ماہ رُخ کو فون کیا تھا کہ وہ فوراً گھر پہنچے یا اپنے اپارٹمنٹ کی چابی کسی طرح پہنچائے۔ ماہ رُخ تو یہ سنتے ہی بدحواس ہو گئی تھی۔ ادھوری بات تو یوں بھی ایک عذاب ہی ہوتی ہے۔ اس نے فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ کہاں بیٹھ کر ماہ رُخ کا انتظار کیا جائے۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ وقار فوراً ہی نیچے نہ اُتر آئے اور انہیں سامنے پا کر ایک تماشہ کھڑا کر دے۔ اس کی ذہنی حالت کی ابتری کا اسے اور نانا کو بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔ گراؤنڈ فلور پر ماربل اور ٹائلوں کا بڑا سا شوروم تھا۔ ان کے سامنے شوروم کے ایک ملازم نے شٹر اُٹھایا تھا اور اب شیشے کے دروازے کا لاک کھول رہا تھا۔ اندر ایک روم میں رکھی ہوئی کافی کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ اچھی انتظار گاہ ہو سکتی ہے۔ یہاں سے اُوپر جانے والے اور آنے والے واضح طور پر دکھائی دے سکتے تھے۔ نانا اور روبی شوروم کے ملازم کے لیے انجان چہرے نہیں تھے۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا روبی نے نانا کو اشارا کیا کہ اُدھر چلیں۔

نانا کا دم تو بس ناک میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ بڑھاپے کے اعصاب بھیگے اسفنج کی طرح نچڑ گئے تھے۔ گویائی تو جیسے سلب ہو گئی تھی۔ خالی خالی وحشت زدہ آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ معصوم بچے کی طرح روبی کے پیچھے چل پڑیں۔ ملازم نے انہیں اندر آتے دیکھا تو حیرت سے چونک پڑا۔ صفائی کرنے کے لیے ڈسٹر اُٹھا رہا تھا واپس رکھ دیا اور ان کے قریب آیا۔

"جی......فرمائیے"

"کوئی خاص بات نہیں ہے نہ ہی ہم کسٹومر ہیں۔ وہ نانا کو چکر آ رہے ہیں ایک دم

سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتیں تھوڑی دیر بیٹھنا چاہتی ہیں۔'' روبی نے بولتے بولتے نتا کو بازو سے پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ٹھیک ہے۔آپ بیٹھیں......اماں کے لیے پانی لاؤں؟'' ملازم نے ہمدردی سے نتا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

نتا نے اشارے سے جیسے درخواست کی کہ واقعی انہیں سخت پیاس لگی ہے۔ملازم پانی لینے کولر کی طرف چلا۔روبی نتا کے برابر بیٹھ گئی۔اس کی نظریں مسلسل باہر دیکھ رہی تھیں۔اندر ابھی تک اس نے بس اتنا دیکھا تھا کہ اسے کون سی کرسی پر بیٹھنا ہے۔وہ بری طرح چونک پڑی۔رمیض ایک ٹیکسی کو روک کر کھڑکی میں جھکا ٹیکسی ڈرائیور سے بات کر رہا تھا۔اس کے کپڑوں پر خون لگا ہوا تھا اور ناک پر رومال رکھا ہوا تھا جو خون سے رنگین ہو چکا تھا۔

پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف سے لوگ رمیض کے گرد جمع ہو گئے۔روبی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔اگر رمیض نے ان ہمدرد لوگوں کو بتا دیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والا اُوپر اپارٹمنٹ میں ہے۔پھر خود ہی اس نے اس خیال کو جھٹک دیا کہ ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔وقار تو اپارٹمنٹ کا مالک ہے۔وہ تو اُلٹا رمیض کو گرفتار کرا سکتا ہے۔ڈاکے یا حدود کا کیس اس پر بنوا سکتا ہے۔رمیض جیسا ذہین بندہ ایسی حماقت ہرگز نہیں کرے گا۔پھر اس نے دیکھا لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی تھی۔روڈ پر ٹریفک رواں دواں تھی۔اب وہاں نہ ٹیکسی تھی نہ رمیض تھا۔

روبی نے ایک گونہ سکون کا سانس لیا تھا۔نتا کے حواس پٹ تھے۔بے دھیانی میں پانی پی رہی تھیں جو باچھوں سے گر بھی رہا تھا۔

ملازم لڑکا ادھر ادھر اپنا کام کرتا پھر رہا تھا۔بکھری چیزوں کو ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

نتا نے ایک نظر اس پر ڈال کر کانپتی ہوئی آہستہ آواز میں کہا ''بیٹا! اس نے کہیں اس معصوم بے گناہ بچے کا خون نہ کر دیا ہو۔ارے بڑی رُسوائی ہو گی۔''

''وہ یہاں سے جا چکا ہے نتا آپ پریشان نہ ہوں۔'' روبی نے تسلی دی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ یہاں سے جا چکا ہے؟'' نتا کو اچنبھے نے آ لیا۔

''ابھی میری آنکھوں کے سامنے ٹیکسی میں بیٹھ کر گیا ہے۔''

''یا اللہ! تیرا شکر ہے۔بڑا احسان کیا میرے مالک نے۔'' نتا نے کھل کر سکون کا سانس لیا۔

''ماہ رُخ کو کہیں ہماری وجہ سے مصیبت نہ اُٹھانی پڑ جائے۔بچی ویسے ہی دکھوں کی ماری ہوئی ہے۔''

''ہم پر کون سا خوشیوں کے پھول برس رہے ہیں؟ میں اس سے اچھی طرح نمٹ لوں گی۔میں ماہ رخ نہیں ہوں جو دم سادھ کر کونے میں بیٹھ جاؤں۔اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔'' روبی دانت پیس کر کہہ رہی تھی۔

''کیا کرو گی تم......؟'' نتا سہم کر پوچھنے لگیں۔

''رمیض سے دوستی...... یہ شخص شریف عورتوں کی قدر نہیں کرتا۔اس کا پھر یہی علاج ہے۔'' روبی کے انداز میں ارادے کی مضبوطی بہت واضح تھی۔

''اوئی......توبہ استغفار کرو۔'' نتا کا تو صدمے سے دل ہی بیٹھ گیا۔

''وہ بھی کریں گے۔سب کچھ کریں گے مرنے سے پہلے پہلے۔'' روبی نے برجستگی سے کہا۔نتا کے تو رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔

روبی ہنوز باہر دیکھ رہی تھی۔ایک دو گاڑیاں پروجیکٹ کی پارکنگ کی طرف گئی تھیں مگر ماہ رُخ کی وہائٹ مہران کا ابھی دور دور پتہ نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

سہیل واش روم میں تھے۔ان کے موبائل پر وقفے وقفے سے رنگ ہو رہی تھی۔ثمن ناشتہ ٹیبل پر لگا رہی تھی۔تیسری مرتبہ بیل ہوئی تو وہ کمرے میں چلی گئی تاکہ فون اٹینڈ کر کے بتا دے کہ تھوڑی دیر بعد کریں۔آپ کا مطلوبہ بندہ واش روم میں ہے۔یہی سوچ کر اس نے فون اُٹھا لیا تھا۔آنے والی کال کا نمبر بھی نہیں دیکھا اور اٹینڈ کر لیا۔

''ہیلو......'' اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

دوسری طرف سے بی بی جان کی آواز آئی۔ غالباً سمن کی آواز ٹھیک سے انہوں نے سنی نہیں تھی۔ ان کے لیے یہ کافی تھا کہ ان کی کال ریسیو ہوئی۔ وہ تو نان اسٹاپ شروع ہو گئیں۔

''ابا (بیٹے) کیا پروگرام ہے؟ کنوار کی مرجھائی صورت دیکھی نہیں جاتی۔ کب تک اُس جنم جلی کے پاؤں دباتا رہے گا۔ آج رات تیرا انتظار کرتی ہوں۔ ایسی گلاب کی پتی جیسی نازک اور ہری بھری ذال (بیوی) دی ہے تجھے رب سائیں نے...... نعمت سے منہ موڑتے ہیں گناہ ہوتا ہے۔''

اس سے زیادہ سننے کی تاب سمن میں نہیں تھی۔ اس نے سیل آف بھی نہیں کیا۔ آہستگی سے وہیں رکھ دیا جہاں سے اُٹھایا تھا۔ سیل سے بی بی جان کی آواز بہت آہستگی سے برابر آرہی تھی۔ پھر شاید انہیں کچھ محسوس ہو گیا تھا۔ اب ہیلو ہیلو کی آواز آرہی تھی۔ سمن کمرے سے باہر آ گئی۔

گلاب کی پتی جیسی نازک...... ہری بھری...... یہ تو ایک دوشیزہ کا قیامت خیز نقشہ کھینچا گیا تھا۔ اس کے دل کو کیسے کچھ نہ ہوتا۔

اس کے کمرے سے باہر آتے ہی اسے محسوس ہوا کہ سہیل بھی واش روم سے باہر آ گئے ہیں۔ وہ انجان سی بن کر اپنا کام کرنے لگی۔ ذہن میں ابھی تک بی بی جان کی آواز گونج رہی تھی۔ جانے کس لمحے سہیل دبے پاؤں اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔

''ناشتہ تیار ہے؟'' انہوں نے بہت آہستہ آواز میں پوچھا۔ وہ جو نہ جانے کس دھیان میں تھی اپنی جگہ سے اُچھل پڑی اور اپنی بے ساختگی پر خود ہی کھسیا گئی۔

''جی...... جی...... بالکل تیار ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا اور ہاٹ پاٹ اُٹھا کر باہر نکل گئی۔ سہیل اس کے پیچھے چل پڑے۔

''فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ دیکھا تھا کس کا فون تھا۔'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''نہیں...... میں کچن میں کام کر رہی تھی۔ ایک مرتبہ گئی تھی کمرے میں مگر لائن ڈسکنکٹ ہو گئی تھی۔'' اس نے جانے کیوں جھوٹ بولا۔ ہاٹ پاٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے

بولی تھی۔ سہیل نے ایک دم اسے کندھوں سے تھاما اور اس کا رُخ اپنی طرف کر لیا۔

''ایسی کوئی خوفناک بات کی تھی بی بی جان نے کہ تمہیں جھوٹ بولنا پڑا؟'' سمن نے چونک کر بدحواسی میں سہیل کی طرف دیکھا اور فوراً نظریں جھکا لیں۔

''بتاؤ مجھے کیا کہہ رہی تھیں بی بی جان؟'' سہیل کے انداز میں اصرار تھا۔ اپنی جانِ آرزو کو بہت والہانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''وہ میں نے غلطی سے ریسیو کر لیا تھا مگر کچھ سنا نہیں۔ فوراً ہی کاٹ دیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ حویلی والے مجھ سے تو بات نہیں کریں گے۔'' سمن نے اب ذرا اعتماد سے کہا۔

''ہوں...... چلو ٹھیک ہے مان لیا۔ اب آؤ ناشتہ کرتے ہیں۔ پھر مجھے ضروری کام نپٹانے ہیں۔''

''آپ حویلی فون کر کے پتہ تو کر لیں وہ کیوں فون کر رہے تھے۔'' سمن نے خالی پلیٹ سہیل کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''ناشتہ کر لوں...... پوچھ لوں گا۔ تمہیں ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں۔'' سہیل کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

پھر باؤل میں دہی لے کر چمچ سے کھانے لگے اور ایک نظر سمن پر ڈال کر بولے

''سمن! ایک آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن میں۔ اگر تم اُلٹا سیدھا نہ سوچنے کی ضمانت دو تو بتاؤں۔'' سہیل بہت سوچ سوچ کر مخاطب تھے۔

''آئیڈیا...... کیسا آئیڈیا؟'' سمن چونکی۔

''دیکھو مجھے لندن میں چھ ماہ بھی لگ سکتے ہیں اور اس سے زیادہ بھی۔ تم بالکل اکیلی تنہا ہو جاؤ گی۔ تمہیں تمہاری خالہ کے پاس شہداد پور نہ چھوڑ دوں؟ وہ بھی خاصی بوڑھی ہو چکی ہیں۔ پھر وہاں تمہاری کزنز وغیرہ کے کافی گھر ہیں۔ بہت آرام سے یہ وقت کٹ جائے گا۔''

وہ بول رہے تھے اور سمن ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو ناں تمہاری کوئی مصروفیات نہیں ہیں۔ بالکل اکیلی ہو۔ خالہ کے بڑے گھر

میں تم بہت مصروف ہو جاؤ گی اور پھر خالہ پھر خالہ ہیں۔ اپنی ہیں۔"

"کیا یہ مجھے چھوڑنے کا پہلا مرحلہ ہے۔" سمن نے ان کی بات تیزی سے کاٹ کر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"لاحول ولا قوۃ...... اب تمہارے دل میں محبت کے بجائے صرف بدگمانی کا بسیرا ہے۔ میں تو تمہیں بوریت و خاموشی سے بچانے کے لیے ایسا سوچ رہا ہوں۔ اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا تم اپنی سگی خالہ سے نہیں ملیں۔ وہ تو یہی سمجھتی ہوں گی ناں کہ سہیل نے اپنا مطلب نکالا۔ اب پوچھتا بھی نہیں ہے اور نہ ہی سمن کو آنے دیتا ہے۔ دوسرے مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ حویلی کے لوگ یا نیا کا بھائی شاداب تمہیں یہاں آ کر پریشان نہ کرے۔"

حاصل کلام سامنے آ گیا۔ سمن اس تمہید طولانی کی گہرائی میں اُتر گئی۔ سچائی کی بہر حال اپنی خاموش اور غیر مرئی قوت ہوتی ہے جو براہِ راست احساسات کو متاثر کرتی ہے۔ اسے اعتبار آ گیا کہ سہیل اس کی بھلائی کو مدنظر رکھ کر کچھ پلان کر رہے ہیں۔ خالہ کا ذکر ہوا تو سچ مچ خالہ بھی شدت سے یاد آ گئیں۔

"جی ٹھیک ہے۔ میں سوچتی ہوں۔ کوشش کروں گی کہ خالہ کو اپنے ساتھ یہیں لے آؤں۔ مگر وہ اپنے گھر سے دور رہنے پر مشکل سے تیار ہوں گی۔ ان کے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ان کی جان ہیں۔ اس بات پر پھولی نہیں سماتیں کہ وہ اتنے بڑے کنبے کی سربراہ ہیں۔" سمن نے اب مسکرا کر سہیل کو دیکھا تھا۔

اس کی مسکراہٹ نے سہیل کو پرسکون کر دیا۔

"آج شام کو چلیں؟" اس پر بچوں کی طرح کی معصومانہ عجلت طاری ہو گئی۔ رشتے ہیں ہی ایسی شے۔ دور بھی ہوں تو خون میں دوڑتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ تو اپنے مصائب کے ساتھ خالہ کے سامنے جاتے ہوئے خوفزدہ ہوتی تھی کہ بوڑھی خالہ جنہوں نے ماں بن کر پرورش کی وہ اس کی عذاب زندگی کی تفصیلات سنیں گی تو برداشت نہیں کر سکیں گی۔

"آج نہیں...... آج تو مجھے واپس آتے آتے رات ہو جائے گی۔ انشاء اللہ کل چلیں گے۔"

"واپس اِدھر ہی آئیں گے ناں؟" اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

سہیل نے نوالہ بناتے بناتے رُک کر گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"اُدھر جاؤں گا تو بتا کر جاؤں گا۔" آہستگی سے کہہ کر وہ اپنی پلیٹ پر جھک گئے۔

سمن اب خاموش ہو گئی اور سہیل کے لیے چائے بنانے لگی۔

☆☆☆☆☆

"کچھ بتاؤ تو روبی...... آخر ہوا کیا ہے؟" ماہ رُخ لاک کھول کر گھر میں داخل ہوتے ہی پلٹ کر روبی کی طرف دیکھنے لگی۔ ساتھ ہی نتا کے چہرے پر بھی نظر ڈال رہی تھی جو بالکل ست کھڑی تھیں اور خاصی نڈھال نظر آ رہی تھیں۔

"آپی بیٹھ کر ذرا سانس لینے دیں اور پلیز ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دیں۔" روبی گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ ماہ رُخ بہت زیادہ پریشان تھی مگر خود کو سنبھال رہی تھی۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ انجانے خوف سے دل کی دھڑکن بڑھی ہوئی تھی۔ نتا کے ساتھ شوروم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا۔ فطری سوال یہ اُٹھتا تھا کہ اس نے اپنے گھر پر بیٹھ کر اس کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ مسافروں کی طرح نیچے کیوں بیٹھی ہوئی تھی۔ گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے اس نے گلاس میں پانی ڈالا اور روبی کے پاس آ گئی اور گلاس اس کی طرف بڑھا کر اس کی بند آنکھوں کی طرف دیکھا۔

"روبی......! پانی"

روبی نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور گلاس تھام کر فوراً منہ سے لگا لیا اور ماہ رُخ کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ماہ رُخ اس کی تمام کیفیت جانچ رہی تھی۔

"اتنی پیاس لگی ہوئی تھی۔ کہیں سے پیدل چل کر آ رہی ہو؟" اس سے رہا نہ گیا بول پڑی۔ ساتھ ہی نتا کی طرف دیکھا۔

"آپ کے لیے پانی لاؤں نتا؟"

"ہاں بیٹا......! مہربانی ہوگی۔ میں خود اُٹھ کر پی لیتی۔ مانو ٹانگوں میں جان ہی نہیں ہے۔ یا اللہ! میرے بڑھاپے پر رحم کر۔" اپنی بات کہہ کر انہوں نے رحم کی دعا بھی کی جس سے ماہ رُخ کی تشویش میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ نتا کے لیے پانی لینے کچن میں چلی گئی۔

"اے بیٹا......! تم تو بہت ہمت والی بچی ہو۔ خود کو سالو (سنبھالو)" نتا روبی سے کہہ رہی تھیں۔ نتا کی آواز ماحول میں جذب ہوئی۔ ماہ رُخ کے مزید اوسان جاتے رہے۔ برق رفتاری سے پانی گلاس میں اُنڈیلا اور اسی تیزی سے نتا کے پاس آئی اور پانی کا گلاس تھما دیا۔ پھر روبی کی طرف دیکھا۔

"روبی اگر تم آرام کرنا چاہو تو اندر جا کر لیٹ جاؤ۔" اس نے گہری نگاہ سے روبی کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپی......! میری چابیاں، ہینڈ بیگ سب اُوپر ہے۔ میں بالکل خالی ہوں اس وقت۔" روبی کی آواز جیسے بہت دور سے آئی۔

"ڈور لاک تو نہیں ہے ناں؟ میں جا کر لے آتی ہوں......اور تو کچھ نہیں لانا؟" ماہ رُخ کی سمجھ میں تو کچھ نہ آیا بس یہی پلے پڑا کہ روبی کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"ارے غضب خدا کا اُدھر مت چلی جانا۔ خون سوار ہے اس پر تمہاری جان کا تو ویسے ہی دشمن ہے۔" نتا بری طرح بلبلا کر تڑپ کر بولیں۔ ان کے انداز میں اتنی بے ساختگی تھی کہ ماہ رُخ ہونق سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

خاک پلے نہیں پڑا۔ اس لیے کہ وقار کی طرف فوراً تو اُس کا ذہن جا ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے حساب سے وقار اس گھر سے ہمیشہ کے لیے جا چکا تھا۔ جیسے اس کی زندگی سے یک لخت نکل گیا تھا۔

"کس پر خون سوار ہے؟ کس کی بات کر رہی ہیں۔ گھر میں کوئی گھس آیا ہے؟"

آج کل کے حالات میں اسی قسم کی بات ذہن میں آ سکتی تھی۔

"ارے اس کا گھر ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں۔ یہ دکھیا بچی۔ دو بولوں کے بندھن سے بندھی تھی تو اس کے گھر میں بیٹھی تھی۔" نتا ایک سانس میں بولتی چلی گئیں۔ ماہ رُخ کو تو جیسے ایک زور کا جھٹکا سا لگا۔

"وقار کی بات کر رہی ہیں؟" اس نے بے یقینی کی کیفیت میں پوچھا۔

"ارے تو اور کون ہمارا رشتہ دار دھرا ہے یہاں۔ ارے اللہ نے بڑا رحم کر دیا بچے کی جان بچ گئی۔ میں اور روبی اگر اسے پکڑ کر نہ کھینچتے تو بچہ گیا تھا اپنی جان سے۔ دم گھونٹ دیتا وہ تو اس کا۔ ارے کسی کا جوان پلا پلایا بچہ۔" نتا اپنے ہاتھ ملتے ہوئے ہل ہل کر تاسف کا اظہار کر رہی تھیں۔

"نتا آپی کو کیوں اُلجھا رہی ہیں۔ ان کو ساری بات تو بتائیں۔ ان کو کیا سمجھ آ رہی ہوگی کہ آپ کس "بچے" کی بات کر رہی ہیں۔" روبی جیسے چڑ کر بولی تھی اور واقعی ماہ رُخ حیرت کی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔

"تم خود ہی بتا دو۔ میرا دماغ تو کام ہی نہیں کر رہا۔" نتا نے بڑی بے بسی سے روبی کی طرف دیکھا اور پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

"آپی پلیز آپ بیٹھ جائیں۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ کیا عذاب اُترا ہے آج صبح صبح۔" روبی نے ماہ رُخ کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

ماہ رُخ میکانکی انداز میں اس کے سامنے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ وہ بے تاب اور بے صبر ہو رہی تھی۔ وقار قصے میں موجود تھا اتنا پتہ چلنے کے بعد اس کی حالت تو غیر ہونا ہی تھی۔ دل و ذہن جیسے جھگڑوں کی ضد پر تھے۔ اس نے روبی کی درخواست پر اس لیے بلا تامل عمل کیا تھا کہ جیسے ہی وہ بیٹھ جائے گی روبی بولنا شروع کر دے گی۔

روبی نے ماہ رُخ کی طرف ایک نظر دیکھا اور رمیض کی آمد سے لے کر اپنے اور نتا کے گھر سے بھاگنے تک کی ساری کہانی بیان کر دی۔

اس دوران نتا بھی کچھ بولنے کو کئی بار بے قرار ہوئیں مگر روبی نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں

بولنے سے روک دیا۔ اس لیے کہ تنا کے جملے واقعے کی تفصیلات کا حصہ نہیں تھے۔ ذاتی جذبات کے اظہار کی کوشش تھے۔

ماہ رخ پتھر کے بت کی طرح ساکت و خاموش بیٹھی، پلکیں جھپکائے بغیر ایک ٹک روبی کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے تو رشتوں کے ہوتے ہوئے خود کو تنہا کرلیا تھا۔ روبی کا تو سچ مچ دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی پرورش کرنے والے دیارِ غیر میں بسے ہوئے تھے جو حقیقی سرپرست تھیں وہ تو دنیا ہی سے جا چکی تھیں۔ روبی کی بے وارثی و دربدری پر تو جیسے دل دکھ سے پھٹنے لگا۔ ایک دم اسے رمیض کا دھیان آیا اور غم و غصے سے شریانوں میں طوفان اُٹھنے لگا۔

''اس لڑکے کو مصیبت کیا ہے۔ یہ اِدھر آتا ہی کیوں ہے۔ احسان کیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہم اسے ہر وقت گارڈ آف آنر پیش کرتے رہیں۔ روبی نے اگر تکلفاً اسے گھر چلنے کو کہہ بھی دیا تھا تو اسے نہیں جانا چاہیے تھا۔ روبی سے اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ جب دیکھو منہ اُٹھائے آرہا ہے۔ اس کو کوئی کام وام نہیں ہے۔ یہ سب رمیض کی وجہ سے ہوا ہے تنا...... اسے اُوپر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اصولاً تو اسے میرے گھر بھی نہیں آنا چاہیے۔ چلو میں یہ سوچ کر اسے چھوٹ دے دیتی ہوں کہ پھوپھو اس کی احسان مند ہیں اور اس کو کمپنی دے رہی ہیں لیکن اور روبی تمہیں کیا پڑی تھی جو اسے چائے کے لیے اُوپر لے گئیں۔''

''آپ کا مہمان سمجھ کر اور یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں کتنی دور سے آیا ہے۔ غلط بندہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔''

''تمہاری اس مصیبت کا اصل ذمہ دار رمیض ہے۔'' ماہ رُخ کی سوئی گویا ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

''چھوڑیں آپی اس بہانے دریا کی گہرائی کا تو پتہ چل گیا۔ فضول کی ایک کھینچا تانی چل رہی تھی۔ معاملہ ایک طرف تو ہو گیا۔ جان چھوٹی میری۔'' روبی نے برجستہ اور تلخ لہجے میں کہا۔

''آرام سے اپنے گھر میں تو بیٹھی تھیں۔ ساکھ اور بھرم تو تھا۔ اس لڑکے نے تو تمہاری سب سے قیمتی شے چھین لی۔ ایک شکی انسان کو شک پر مضبوط کر کے یقین تک پہنچا دیا۔ اب وہ دھڑلے سے کہہ سکتا ہے کہ اس نے اپنے گھر میں اپنی بد کردار بیوی کو ایک نوجوان کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''توبہ توبہ...... یااللہ! تیرا ہی آسرا۔'' تنا اس جملے پر جیسے سر سے پاؤں تک لرز اُٹھیں۔

''میں ایک شخص کے ساتھ عرصے سے رہ رہی ہوں۔ اسے میرے کردار کا کوئی اندازہ نہیں۔ اعتبار اور بھروسے کے سہارے ہی یہ کاغذی بندھن آگے بڑھتا ہے۔ میں تو ایسے انسان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہ کروں جو میرے کردار پر شک کرنے میں ذرا دیر نہ لگائے۔'' روبی کے لہجے میں انتہائی نفرت تھی۔

''میں آپ کی طرح ہار نہیں مانوں گی آپی۔ میں اس سے ایسا بدلہ لوں گی کہ آئندہ وہ کسی لڑکی کو اپنانے کے خیال ہی سے توبہ توبہ کرنے لگے گا۔ مجھے نہیں پتہ رمیض کون ہے۔ مجھے نہیں پتہ آج کیا ہوا، کیوں ہوا۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں اس نے مجھے دنیا کی سب سے غلیظ گالی دی ہے۔'' روبی کے لہجے میں نفرت کا وہ زہر تھا کہ اس کی سانسوں سے ماحول میں زہر پھیلنے لگا۔ ماہ رُخ اتنا سوچ کر ہی شل ہو گئی کہ اب وہ روبی کو نہیں سمجھا سکے گی۔ اسے جو زخم لگا ہے اس کا مرہم ملنا ممکن نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

''یار! اب تمہیں کچھ سوچنا چاہیے۔'' فہد رمیض کے قریب بیٹھا بہت فکرمندی اور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''کیا مطلب...... مثلاً مجھے کیا سوچنا چاہیے؟'' رمیض نے نڈھال سے لہجے میں سوال کیا۔ اس کو ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ ہاسپٹل تک پہنچتے پہنچتے اتنی زیادہ بلیڈنگ ہو گئی تھی کہ اسے چکر آنے لگے تھے۔ جبکہ وہ ایک آئیڈیل صحت کا مالک تھا۔ ہاسپٹل پہنچنے سے پہلے اس نے فہد کو فون کر دیا تھا اور فہد نے ہاسپٹل پہنچنے میں ذرا دیر نہ لگائی تھی۔

''مثلاً یہ تو تم نے دیکھ لیا، آزما لیا کہ تمہارے فادر بہت سخت ہیں۔ اتنے مہینے گزر

جانے کے باوجود انہوں نے تم سے کوئی کونٹیکٹ نہیں کیا۔ نہ کسی بہانے سے تمہاری خیر خبر لی......اور مجھے اس پر بہت حیرت بھی ہے۔ آفٹر آل باپ ہیں۔''

''شک تو مجھے بھی ہے ان کے باپ ہونے پر مگر میں اپنی ماں کو گالی نہیں دے سکتا۔ میری ممی بہت اچھی ہیں۔ بہت مہربان بہت لوِنگ اور بہت شریف۔''

''توبہ استغفار...... اس طرح کی بات تو تمہیں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس افسوس اس بات کا ہے کہ وہ اتنے سخت کیوں ہو رہے ہیں۔''

''تو پھر میں بھی تو ثابت کر رہا ہوں کہ میں بھی انہی کی اولاد ہوں۔ یہ ضد یہ سختی ہمیں وراثت میں ملی ہے۔'' رمیض نے برجستہ کہا۔

''نہیں رمیض...... بہر حال وہ تمہارے فادر ہیں۔ تمہیں ان کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہیے۔ وہ خود بخود نرم پڑ جائیں گے۔'' فہد نے اسی طرح سنجیدگی سے کہا۔

''یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ سوری......'' رمیض کی نڈھال آواز میں ہٹ دھرمی کی قوت مکمل تھی۔

فہد نے سوچتی ہوئی ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ پھر گہری سانس لے کر سائیڈ میں رکھی ٹرالی سے فریش جوس کا گلاس اُٹھا کر رمیض کے قریب آیا اور کہا ''یہ جوس پی لو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے تمہیں زیادہ سے زیادہ جوس پینا ہے۔ تمہارا بی پی کافی لو (Low) ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اسے سہارا دے کر اُٹھانے لگا۔

☆☆☆☆☆

''نمو......! تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ بیٹا میں تمہاری ممانی نہیں ہوں ماں ہوں۔'' سبرینہ صدمے سے نڈھال لہجے میں بہت آہستہ آواز میں کہہ رہی تھیں۔

نمو نے بس نظریں اُٹھا کر انہیں دیکھا پھر اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

''نمو......! تمہاری ساس نے ضرور تم سے کچھ کہا ہوگا۔ وہ بہت خراب موڈ میں مجھ سے بات کر رہی تھیں۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ ضرور تمہیں کچھ نہ کچھ کہیں گی۔''

''میں آپ کو بالکل سچ بتا رہی ہوں۔ ممی نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ آپ ان کی طرف سے بدگمان نہ ہوں۔'' نمو نے فوراً وضاحت کی۔ اسے درحقیقت اپنی ساس سے کوئی گلہ نہیں تھا جتنے دن اس گھر میں رہی انہوں نے بہت پیار دیا۔

''اچھا......'' سبرینہ پھر گم صم ہو گئیں۔ چند لمحے سوچ میں ڈوبی رہیں پھر کوئی دھیان آیا تو چونک کر نمو کی طرف دیکھا۔

''تو آتے ہوئے تم اپنی ساس سے مل کر نہیں آئیں؟''

''نہیں۔ اتنا موقع ہی نہیں ملا۔ ممی شاید اپنے بیڈ روم میں تھیں۔'' نمو نے بے تاثر آواز میں جواب دیا۔ وہ جیسے کسی ایک خیال پر اس طرح ٹھہر گئی تھی کہ اس پر کسی بولتے ہوئے بت کا گماں ہوتا تھا۔

''یہ تو بہت برا ہوا نمو۔ انجم تو میرا جینا دوبھر کر دیں گے۔'' اب سبرینہ کے لہجے میں شکستگی اُتر آئی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں ممانی جان......! میرے سامنے ماموں جان اگر آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کریں گے تو میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

''ہاں مجھے تم سے بہت ڈھارس ہے۔ رمیض نے تو مجھے بہت کمزور کر دیا ہے۔'' سبرینہ بولتے بولتے آبدیدہ ہو گئیں۔

نمو اتنے عظیم دکھ کے حصار میں تھی کہ اپنے اور دوسروں کے آنسو قدر و قیمت کھو چکے تھے۔ جیسے عظیم نقصان اُٹھانے کے بعد چھوٹے چھوٹے نقصانات سے تکلیف ہونا بند ہو جاتی ہے۔ پھر چھوٹے نقصان بچے کی معصوم اور بے سروپا بات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس لیے وہ اپنی کیفیت پر قائم رہی اور خاموش رہی۔

اسی وقت ملازم نے لاؤنج میں آ کر بتایا کہ رمیض صاحب کے دوست آئے ہیں اور فہد نام بتا رہے ہیں۔ نمو اور سبرینہ کو جیسے زور سے کرنٹ لگا تھا۔

''فہد...... وہ کیوں یہاں آیا ہے۔ وہ تو رمیض کا ایسا دوست ہے جس سے کوئی بات چھپی رہ ہی نہیں سکتی۔ اسے تو علم ہوگا کہ رمیض اب یہاں نہیں ہوتا۔'' سبرینہ بے

اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھیں اور حواس باختہ سی ہوکر کہہ رہی تھیں۔

''ارے فہد آیا ہے......نمو......! فہد کیوں آیا ہے۔ اللہ کرے کوئی اچھی خبر لے کر آیا ہو۔'' پھر ملازم سے بولیں ''ارے شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ اسے یہیں لے آؤ۔''

ملازم فوراً چلا گیا۔ سبرینہ اضطراری کیفیت میں اپنی انگلیاں مروڑنے لگیں۔ نمو بھی اب مکمل ہوش و حواس میں حیران پریشان سی بیٹھی تھی۔

دو منٹ سے بھی کم عرصے میں فہد لاؤنج میں داخل ہوا اور ایک نظر دونوں پر ڈال کر اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......آؤ بیٹا......! مجھے تو تمہارا نام سن کر ہی پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ ہاتھ بالکل ٹھنڈے برف ہو رہے ہیں۔ خیریت ہے ناں بیٹا......؟ رمیض سے ملاقات ہوتی ہوگی۔ ٹھیک ہے ناں......'' وہ بغیر سانس لیے بولتی چلی گئیں۔ نمو بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور بڑی گہری نظروں سے فہد کا جائزہ لے رہی تھی۔ بلکہ سراپا تشویش تھی۔

''ارے آنٹی! آپ تو ایک دم سے پریشان ہوگئیں۔ ایزی فیل کریں۔ میں تو آپ کے پاس بہت ضروری کام سے آیا ہوں۔ بائیک چلا چلا کر حالت خراب ہو رہی ہے۔ پلیز پہلے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلوائیں۔'' فہد نے سبرینہ کو مطمئن کرنے کے لیے خود کو مکمل ہشاش بشاش پوز کرنے کی کوشش کی اور بیٹھ گیا۔

''نمو......! فہد کے لیے جلدی سے کولڈ ڈرنک لے آؤ۔ پھر بعد میں کچھ کھانے پینے کے لیے لے آنا۔'' بیٹے کے دوست کو سامنے پا کر گویا ان کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

''ارے نہیں آنٹی بس کولڈ ٹھیک ہے۔ ایکچوئلی مجھے جانے کی جلدی ہے۔'' فہد نے فوراً ٹوک دیا۔

''جلدی کیوں ہے......کہاں جانا ہے؟'' سبرینہ نے ٹھٹک کر فہد کا چہرہ دیکھا۔

''آپ کو لے کر جاؤں گا اکیلا نہیں جاؤں گا۔'' فہد نے آہستہ سے کہا۔ نمو کے بڑھتے قدم رُک گئے۔ اس نے پلٹ کر فہد کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر باہر نکل گئی۔ نمو کا

شمار ان لوگوں میں تھا جو بے شمار سوالات اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ پوچھنے میں عجلت سے کام نہیں لیتے۔ اسے پتہ تھا کہ جو بھی بات ہوگی سبرینہ پہلی فرصت میں اس کو بتا دیں گی۔ اپنے اُوپر جو افتاد پڑی تھی ابھی اعصاب پر پہلے ہی بوجھ تھا۔ فوراً ہی نئے واقعے نے زیر بار کر دیا تھا۔

''بیٹا بتاؤ تو سہی......تمہارے ساتھ مجھے جانا کہاں ہے۔ میرا تو بس بی پی شوٹ کرنے لگا ہے۔ تمہیں قسم ہے سچ سچ بتاؤ رمیض خیریت سے ہے ناں......'' اب سبرینہ خود کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت سے قطعی محروم ہو چکی تھیں اور بے قراری سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر فہد کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''آنٹی رمیض بالکل خیریت سے ہے۔ خدانخواستہ کوئی سیریس بات نہیں ہے۔ بس ایک چھوٹا سا حادثہ ہو گیا تھا۔ بلیڈنگ ہوئی تو کمزوری ہو گئی۔ ہاسپٹل میں اسے ڈرپ لگی ہوئی ہے۔ اس نے تو مجھے منع کیا تھا کہ آپ کو کچھ نہ بتاؤں مگر مجھے لگا کہ آپ سے چھپانا اب بہت غلط بات ہوگی۔''

فہد بول رہا تھا اور سبرینہ صدمے اور دکھ سے پتھر بنی فہد کو گھور رہی تھیں۔ ہونٹ مسلسل پھڑپھڑا رہے تھے مگر کچھ بول نہیں پا رہی تھیں۔ فہد ان کی حالت دیکھ کر واقعی گھبرا گیا۔

''I swear آنٹی رمیض بالکل خیریت سے ہے۔ میں آپ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔ آپ میرا یقین کریں آنٹی......اور پلیز خود کو سنبھالیں۔''

''مگر تم نے خود کہا ہے کوئی چھوٹا سا حادثہ ہوا ہے اور بلیڈنگ بھی ہوئی ہے۔ فہد کے یقین دلانے کے باوجود سبرینہ بے یقینی کی کیفیت سے نکل نہیں پا رہی تھیں۔''

''یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر کوئی سیریس بات نہیں ہے۔ میں تو اب دل سے یہ چاہتا ہوں آنٹی کہ پلیز آپ کوئی رول ادا کریں۔ اسے واپس گھر لے آئیں۔''

نمو نے اندر آتے آتے بہت کچھ سن لیا تھا۔ اب اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے

ہونے لگے تھے۔ اس نے آہستگی سے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور سبرینہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک سوچ اُبھری پھر اس نے قطعی انداز میں سبرینہ سے کہہ دیا۔

''ممانی جان......! پلیز۔ آپ فہد کے ساتھ چلی جائیں۔'' اور فہد کو ایک گلاس اُٹھا کر تھما دیا۔

''میرے بچے کو ڈرپ لگی ہے۔ جانے کتنا خون بہہ گیا ہے۔ یہ سن کر بھی میں رک جاؤں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا پرس اور موبائل میرے کمرے سے لا دو اور ڈرائیور سے کہو گاڑی ریڈی کرے۔''

نموان کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے لاؤنج پر جانے لگی۔ سبرینہ نے اسے متوجہ کیا۔

''نمو......!'' نموان کی آواز پر پلٹی اور سبرینہ کو غور سے دیکھنے لگی۔

''اپنے ماموں سے کہہ دینا میں اس گھر میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہوں گی۔ اگر انہیں منظور نہیں تو مجھے فون پر بتا دیں میں پلٹ کر پھر اس گھر میں نہیں آؤں گی۔'' نمو نے گھبرا کر فہد کی طرف دیکھا۔

پھر خود کو سنبھال کر بولی ''آپ فکر نہ کریں ممانی جان میں ماموں جان کو سمجھا لوں گی۔ آپ ٹینس نہ ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

سبرینہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا ہوا سر پکڑ لیا۔

☆☆☆☆☆

سہیل سمن کو اس کی خالہ کے پاس شہداد پور چھوڑ کر صبح سویرے واپس آئے تھے اور نماز پڑھ کر سو گئے تھے۔ اکیلے گھر میں ایسا سکون محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیوں کے بوجھ جھٹک کر بستر پر لیٹے ہوں۔ جانے کتنے دنوں بعد حقیقی نیند آئی تھی۔ دوپہر کا ایک بجنے والا تھا جب کال بیل کی مسلسل آواز سے ان کی نیند ٹوٹی تھی۔

''کون آ سکتا ہے......'' جیسے ہی ذہن سے نیند کا پردہ ہٹا سوال پیدا ہوا۔ اندیشے تو اب زندگی کا لازمہ ہو گئے تھے۔

''اوہ خدایا...... کہیں بی بی جان تو نہیں آ گئیں۔ وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی ہیں۔'' اس خیال کے ساتھ ہی وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ کال بیل مسلسل بج رہی تھی۔ وہ ننگے پاؤں ہی دروازے کی طرف بڑھے اور عجلت بھرے انداز میں دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلا اور انہیں زور سے جھٹکا لگا۔ سامنے شاداب کھڑا تھا۔

ایک تو نیند سے جاگے دیر نہیں ہوئی تھی۔ دوسرے شاداب کی آمد اچانک افتاد تھی۔ جیسے چکرا کر رہ گئے اور غیر ارادی طور پر شاداب کو اندر آنے کے لیے راستہ دے دیا۔ شاداب اندر آنے کے بجائے اسی جگہ کھڑا سہیل کو گھورتا رہا۔

''اندر آ جاؤ شاداب......'' اب سہیل کو بولنا پڑا۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔ آپ سے ضروری بات کرنا ہے وہ یہاں بھی ہو سکتی ہے۔''

''اندر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔ اگر شوٹ کرنے آئے ہو تو دوسری بات ہے۔ گولی یہاں کھڑے ہو کر بھی چلائی جا سکتی ہے۔'' سہیل کے انداز میں بے خوفی بھی تھی اور سادگی بھی۔

''آپ کا زندہ رہنا تو بہت ضروری ہو گیا ہے مخدوم صاحب......! میں آپ کو صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ آج رات ہر صورت میری بہن کو گھر پہنچا دیں۔ ورنہ......''

''ورنہ......؟'' سہیل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ورنہ میں وہ سب کچھ کروں گا جو کر سکتا ہوں۔ بڑے بڑے نقصان ہوں گے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ آپ کی زمین پر کھڑی فصلوں کو آگ لگا دوں۔ مگر پھر سوچا آپ لوگوں نے تو صدیوں لوگوں کا خون پی کر دولت کے انبار یورپ کے بینکوں میں جمع کیے ہوئے ہوں گے۔ کروڑ دو کروڑ کے نقصان سے آپ کو کیا فرق پڑے گا۔ اتنا تو آپ مہینے میں بینکوں سے پرافٹ لے لیتے ہیں۔''

''پھر اب کیا سوچا......؟'' سہیل بہت سکون سے پوچھ رہے تھے۔

''وارث کی ہوس میں پاگل ہونے والوں کو ہمیشہ کے لیے پرسکون کر دوں گا۔ زمین، جائیداد، مال و دولت ہر طرح کے غموں سے آزاد کر دوں گا۔'' شاداب بہت

آہستہ آواز میں غرایا۔

''اس سے تمہاری اپنی ذات کو کتنا فائدہ پہنچے گا۔ تمہاری آستین میں لگا ہوا خون تمہیں چین سے سونے دے گا۔ دو بندے دنیا سے چلے جائیں گے۔ دنیا سے تمام مسائل ختم ہو جائیں گے۔'' سہیل اب قدرے تلخ لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''آپ کو کیا پتہ...... حویلی میں پلنے والے دو اژدہے جب ہمیشہ کی نیند سو جائیں گے تو سینے میں بھڑکتے الاؤ ایک دم ٹھنڈے ہو جائیں گے۔'' شاداب رُک کر مسکرایا اور سہیل کی طرف دیکھ کر پھر گویا ہوا ''اس کے بعد جو سکون کی نیند ملے گی اس نشے کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔''

میرے ماں باپ کو قتل کرنے کی دھمکی دے رہے ہو اور چاہتے ہو کہ میں آرام سے تمہاری بات مان لوں......؟'' اتنا کہہ کر سہیل نے ہونٹ کاٹتے ہوئے چند لمحے کچھ سوچا پھر ایک نظر شاداب پر ڈال کر گویا ہوئے۔

''دولت مند اکثر بزدل ہوتے ہیں۔ وہ بہت لمبی زندگی چاہتے ہیں تاکہ اپنی دولت کو زیادہ سے زیادہ انجوائے کر سکیں۔''

''لیکن میں بزدل نہیں ہوں۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی۔ کس طرح؟ یہ صرف اللہ کو پتہ ہے۔ تم ایسا کرو پولیس سے Help لو۔ اپنی بہن کے اغوا کی ایف آئی آر کٹواؤ۔ میں نکاح کے کاغذات لے کر پولیس اسٹیشن پہنچتا ہوں۔ تم اپنا کام کرو...... میں اپنا کام کرتا ہوں۔ او کے؟'' سہیل کے لہجے کا دھیما پن شاداب کے وجود میں جلتی آگ کو مزید ہوا دے رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ اسے ایک دھمکی سمجھ کر اگنور کر رہے ہیں۔ آپ کی مرضی......''

''شاید آج رات ہی آپ کو زندگی کی سب سے دھماکہ خیز نیوز مل جائے۔ خدا حافظ''

''تمہیں اپنی قوت کا اندازہ تو ہو ہی چکا ہے۔ بلوچستان میں جو چٹانی پتھر توڑے تھے وہ تمہارے اثر و رسوخ کی گواہی ہیں۔'' سہیل نے تمسخرانہ کہا۔

''وہ سب کچھ بے خبری میں ہو گیا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔'' شاداب کے لہجے میں

اعتماد و عزم تھا۔ سہیل ایک لمحے کے لیے اس کے زیر اثر آ گئے۔ مگر فوراً مخدومی انا نے ان کو سہارا دے دیا۔

''ٹھیک ہے...... پھر اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔'' انہوں نے بے نیازی سے کہا اور دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر کی طرف چلے گئے۔ نہ خدا حافظ کہا نہ شاداب کو اندر آنے کے لیے کہا۔

''جو میں سمجھ پایا ہوں۔ اس کا مطلب ہے آپ آپا کو گھر واپس بھیجنے سے انکار کر رہے ہیں......؟'' شاداب نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

''ماشاء اللہ بہت سمجھدار ہو۔'' سہیل نے رک کر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

''ویسے تمہاری ضمانت کرانے والا کوئی ہے؟ کیونکہ اس کا بندوبست بھی پھر مجھے ہی کرنا ہوگا۔ آخر تم میری بیوی کے سگے بھائی ہو۔'' سہیل نے بہت دھیمے پن سے آگ لگائی۔

شاداب نے شدتِ جذب سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''مجھے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ کی طرح زندگی اتنی پیاری نہیں ہے کہ لوگوں کا احسان اُٹھا کر زندہ رہوں۔''

''لگتا ہے۔'' سہیل نے پھر جان جلائی۔

''خدا حافظ......'' شاداب نے سلگتی نظروں سے سہیل کی طرف دیکھا اور فوراً پلٹ گیا۔ اس کے وہاں سے ہٹتے ہی سہیل نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

غصے اور دکھ سے اس کی عقل پر پتھر پڑ چکے ہیں۔ ہونہہ دھمکی دینے آیا تھا۔ ابھی بچہ ہے۔ اس کو سامنے والے کی قوت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہتھیار لے کر حویلی میں جائے گا۔ احمق نہیں تو۔ سہیل جھلا کر سوچ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

''رمیض...... رمیض!! بیٹا کیا مل رہا ہے تمہیں۔ بیٹا ضد سے صرف نقصان ہوتا ہے۔'' سبرینہ تو رمیض کی حالت دیکھ کر جیسے صدمے سے پاگل ہو گئیں۔ اتنا نڈھال

کمزور نظر آ رہا تھا کہ وہ بے اختیار رو پڑیں۔

''میں تمہیں اب اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارا باپ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں بگاڑا ہے تو پھر ٹھیک ہے اپنے بگڑے ہوئے بیٹے کے ساتھ رہوں گی۔ سمجھ لو آج سے میں نے بھی وہ گھر چھوڑ دیا۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ممی آپ میری وجہ سے اتنا Exterme پر جا کر کیوں سوچتی ہیں۔ میں مرد ہوں فٹ پاتھ پر بھی سو سکتا ہوں۔ آپ کو لے کر کہاں جاؤں گا۔'' رمیض اتنے عرصے بعد ماں کو سامنے پا کر خود بخود موم ہو رہا تھا۔

''وہیں جہاں تم رہ رہے ہو۔ مگر میں تمہیں بتا رہی ہوں اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ میری ایک ہی اولاد ہے۔ میں اسے دنیا کی ٹھوکروں میں چھوڑ دوں۔ جو دولت میرے بیٹے کے کام نہیں آ رہی وہ میرے کس کام کی۔'' سبرینہ آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''آنٹی پلیز! آپ اتنی اموشنل نہ ہوں۔ پہلے انکل سے بات کریں۔ میرا خیال ہے اب وہ ضرور کچھ سوچیں گے۔ پلیز!'' فہد دونوں ماں بیٹے کی بحث سن کر بے اختیار درمیان میں کود پڑا۔

''میں ان سے اب کوئی بات نہیں کروں گی۔ میں نے بہت صبر سے انتظار کیا۔ نمو کی شادی پر ان پر دباؤ ڈالا۔ میرے کہنے پر نمو نے ان سے بہت اصرار کیا۔ بس بہت ہو گیا۔'' سبرینہ کے انداز میں قطعیت تھی۔

''تو میں بات کر لیتا ہوں۔'' فہد نے اپنی خدمات پیش کیں۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ تم بات کرو۔'' سبرینہ آسانی سے رضامند ہو گئیں۔

''میں ڈیڈی سے معافی نہیں مانگوں گا۔ انہوں نے میری انسلٹ کی ہے۔ وہ بھی ولید کمال کے سامنے جسے میں ۱۰۰٪ Dislike کرتا ہوں۔ پتہ نہیں پہلے دن سے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی میرے اندر آگ سی لگ جاتی ہے۔'' رمیض نے دوٹوک اور فیصلہ کن انداز میں اپنے دل کی بات کی۔

سبرینہ ایک دم خاموش ہو گئیں۔ ذہن فوراً گھر کی طرف چلا گیا جہاں نمو کے خاموش ماتم قیامت برپا کیے ہوئے تھے۔

''بیٹا تمہاری وجہ سے بہت مسئلے پیدا ہو رہے ہیں۔ ابھی کل ہی جو کچھ ہوا وہ تو بہت ہی برا ہوا۔'' سبرینہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا ہوا......؟ کیا ہو رہا ہے میری وجہ سے۔ جب میں اس گھر میں نہیں ہوں تو پھر کیا ٹینشن ہے؟'' رمیض بظاہر جھلا کر کہہ رہا تھا۔ مگر دل ہی دل میں فکر مند بھی ہو رہا تھا۔

''ولید کمال نمو کو گھر چھوڑ گیا ہے۔ میں تو اب ویسے بھی تمہارے باپ کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ شکر ہے کہ گھر سے نکلنے کا بہانہ مل گیا۔ یہاں آنے سے پہلے یوں لگ رہا تھا کہ میں چاروں طرف سے آگ میں گھر گئی ہوں۔'' سبرینہ روتے روتے کہہ رہی تھیں۔ بولتے بولتے ذرا رُکیں پھر آنچل سے ناک پونچھی اور بولیں ''اور نجات کا کوئی راستہ نہیں بچا۔'' یہ کہہ کر وہ باقاعدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

فہد خاموشی سے باہر چلا گیا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سبرینہ پرسنل بات کر رہی ہیں اور شاید اس کی موجودگی میں ضروری احتیاط کر رہی ہیں۔

رمیض اب دم بخود سا سبرینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''ممی پلیز آپ مجھے صاف صاف بتائیں۔ میں بہت ٹینس ہو رہا ہوں۔ میں نے کبھی آپ کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' وہ پریشان ہو کر بولا۔

''وہ موٹی میڈم عالیہ نے ولید اور اس کے فادر کو گرفتار کروایا تھا۔ تمہارے ڈیڈی نے بہت بھاگ دوڑ کر کے اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ان کو گھر تو پہنچا دیا مگر ولید شاید بے عزتی برداشت نہیں کر سکا اس نے نمو کو چھوڑ دیا ہے۔'' سبرینہ نے بتایا اور اپنی آنکھیں آنچل سے رگڑنے لگیں۔

''لیکن میڈم عالیہ ان کو کیوں گرفتار کرانے لگی۔ ان لوگوں سے میڈم عالیہ کا کیا تعلق؟'' رمیض کی سمجھ میں بات نہ آئی تو جھلا گیا۔

"ولید نے ہمارے گھر میں ان کے گارڈ پر فائرنگ کی تھی۔"

"ہاں تو کیوں کی تھی فائرنگ۔ بہت سورما بنتا ہے۔ اسے ضرورت کیا تھی اس معاملے میں کودنے کی۔" رمیض بری طرح بگڑ کر بولا۔

"اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرتا۔ وہ نمو کو اغوا کر کے لے جا رہی تھی۔ تم بھول گئے ہو۔ ایک بے قصور لڑکی جو اس کی منگیتر بھی تھی کیسے اسے اغوا ہونے دیتا۔ وہ غلط لوگ ہیں۔ غنڈہ گردی کرتے ہیں تو کیا کریں۔ خاموش رہیں اپنی عزت برباد ہونے دیں؟" سبرینہ نے بات کرتے کرتے اس سے سوال بھی کیا۔

رمیض ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس کی سمجھ اب کچھ کام کرنے لگی تھی۔ اس کی خاموشی اس کے قائل ہونے کی ترجمانی کر رہی تھی۔

"نمو گھر پر ہے۔" طویل خاموشی کے بعد اس نے تھکے ہارے لہجے میں پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ اب کہاں جائے گی؟" سبرینہ آنسو پونچھ کر اب قدرے مطمئن نظر آ رہی تھیں جیسے ڈھیروں آنسو بہا کر دل کا کوئی بوجھ اُتر گیا ہو۔

رمیض کے چہرے پر وہ سنجیدگی تھی جو کسی آنکھ نے اس کے چہرے پر کبھی نہیں دیکھی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی ماں نے بھی نہیں۔ وہ اتنا خود پسند اور خود مگن تھا کہ اس نے کبھی یہ سوچنے کی بھی تکلیف نہیں کی تھی کہ دنیا میں بے شمار لوگ ایک لمحے کی خوشی کے لیے بھی ترستے ہیں۔ اسے ہمیشہ اپنی خوشی اپنے آرام سے غرض رہی۔

اس نے سبرینہ کی طرف ایک سوچتی ہوئی نظر ڈالی اور جیسے کچھ کہنے کے لیے ہمت جمع کرنے لگا "وہ...... می...... نمو تو بہت رو رہی ہو گی۔ اسے تو اُس وقت بھی رونے کا بہت شوق تھا جب اس کے پاس رونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی تھی۔"

سبرینہ کو اس کے لہجے میں کچھ نیا پن محسوس ہوا تھا۔ چونک کر رمیض کی طرف دیکھا۔ پھر نظر جھکا کر آہستہ آواز میں گویا ہوئیں "نہیں...... اُس نے کمال صبر کیا ہے۔ میں تو خود حیران رہ گئی۔ ہو سکتا ہے وہ اتنی Shocked ہوئی ہے کہ سکتے میں آ گئی ہے۔" وہ اپنے طور پر تجزیہ کرنے لگیں۔

"اچھا...... بالکل بھی نہیں روئی؟" رمیض کو یقین نہ آیا۔

"تم گھر چلو گے تو بات سنبھل جائے گی۔ نمو اپنے گھر چلی جائے گی۔ شکر ہے کہ خدانخواستہ طلاق تو نہیں ہوئی۔" سبرینہ نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

"میں تو اسے اب ولید کے گھر واپس جانے نہیں دوں گا۔ اس نے ایک معصوم بے گناہ لڑکی کی انسلٹ کی ہے۔ وہ اسے خرید کر لے گیا تھا کہ جب دل چاہے اسے ہرٹ کرے، ذلیل کرے۔ میری غلطی ہے مجھے شوٹ کر دے۔ نمو بہت گریس فل اور پارسا لڑکی ہے۔ وہ ہمیشہ ریزرو رہی ہے۔ آج کل کی لڑکیوں کی طرح نہیں ہے۔"

رمیض لاشعوری طور پر جذبات میں آ کر نمو کی ہمدردی میں بول رہا تھا اور سبرینہ حق دق اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار انہیں یوں محسوس ہوا تھا کہ واقعی رمیض کا نمو سے کوئی رشتہ یا تعلق ہے۔

وہ چند لمحے مبہوت سی اُس کی شکل دیکھتی رہیں۔ پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"اتنی اچھی تھی تو باہر کیوں جانے دیا۔ جب اس کے رشتے آتے تھے تب کچھ کیوں نہیں بولے۔ کم از کم وہ اس اندوہناک حادثے سے تو بچ جاتی۔"

"میں نے کبھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا می۔ وہ میرے لیے صرف فیملی ممبر تھی۔ میں اس کی تعریف کر رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں تو کبھی بھول کر ایسا خیال نہیں آیا۔"

"اور اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اسے جانے نہیں دوں گا۔" سبرینہ نے غور سے رمیض کی طرف دیکھا "اپنی پوزیشن گھر میں پتہ ہے ناں...... باپ نے بھی گارڈین بننے سے انکار کر دیا ہے۔" سبرینہ نے دکھ سے چور آواز میں مزید کہا۔

رمیض ایک لمحے کے لیے لاجواب سا ہو کر خاموش ہو گیا۔ وہ درحقیقت بڑی سنجیدگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اس نے نظریں اُٹھائیں۔

"نمو مجھے برا بھلا تو بہت کہہ رہی ہو گی۔" اس نے کھوجتی نظروں سے ماں کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

"وہ بے چاری تو بالکل خاموش ہے۔ کسی کو کچھ نہیں کہہ رہی۔ حتیٰ کہ ولید کمال کو بھی نہیں۔"

"ممی......! شاید دکھ کی وجہ سے اس سے بولا نہیں جا رہا۔ کہیں اسے زیادہ ہی Shock نہ لگ گیا ہو۔ وہ سائیکو بھی ہو سکتی ہے۔" رمیض نے کہا۔

"اللہ نہ کرے۔ شاید اس گھر میں تمہارے جانے سے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔" سبرینہ نے پھر اسے گھر کی طرف متوجہ کیا۔

"میں صرف اس لیے گھر جانے کو تیار ہوں کہ ولید کمال کو سبق سکھانا ہے۔ اس نے ایک بے قصور لڑکی کو مینٹل ٹارچر کیا ہے۔ نمو جیسی بیوی اسے ملنے کا مطلب ہے کہ اس کی لاٹری نکل گئی تھی۔ کتنی ایکٹو اور خدمت گزار ہے۔ سارا دن مشین کی طرح کام کرتی ہے۔ بہت ہی Hard worker ہے۔" رمیض کو نمو کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کا سن کر دلی ملال ہو رہا تھا۔

"اتنی خوبیاں ہیں اس میں پھر بھی تم نے کبھی نہیں سوچا۔"

"بہر حال غصہ تو مجھے ولید پر بہت ہے۔ اس نے نمو کی توہین بھی کی ہے اور ناقدری بھی۔" بولتے بولتے رمیض یوں رک گیا جیسے کوئی بات ذہن میں آئی ہو۔ مگر زبان سے کہنا محال ہو رہا ہو۔

"آپ لوگوں نے بھی تو کبھی مجھے اس کی طرف متوجہ نہیں کیا تھا۔" ردوکد کے بعد اس نے کہہ دیا۔

"تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے یا باپ کو بزنس میں Help کر رہے ہوتے تو ہو سکتا ہے ہم سوچ لیتے۔" سبرینہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

"میرے ذہن میں یہ بات کبھی کبھی آتی تھی۔ مگر میں سوچتی تھی رمیض تو اس کو کالی کہہ کر مذاق اُڑاتا ہے۔ اسے شاید بہت خوبصورت بیوی کی خواہش ہے۔" سبرینہ نے آہستگی سے اپنی بات مکمل کی۔

رمیض خاموشی سے سنتا رہا۔ اس دوران یوں خاموش تھا جیسے تانا بانا بن رہا ہو اور

کسی اُلجھن میں پڑا ہوا تھا۔

"پھر کیا سوچا تم نے؟ گھر چلو گے یا مجھے بھی ہمیشہ کے لیے گھر سے محروم کر دو گے؟" سبرینہ نے اس کی نرم سی خاموشی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے پھر اس سے صلاح لی۔

رمیض کے ذہن پر ایک کاری ضرب پڑی تھی۔ پہلے دن سے ایک شخص اسے اچھا نہیں لگا تھا اور آج ثابت ہو رہا تھا کہ کیوں اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ فطرت سے خراب انسان ہے ورنہ ایک بے قصور لڑکی کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہ کرتا۔

"ممی...... میں آپ کے ساتھ گھر جانے کو تیار ہوں۔ آپ ڈیڈی سے بات کر لیں۔ اس لیے کہ میں اپنی وجہ سے آپ کو بے گھر نہیں کر سکتا۔" اس نے جیسے زیر لب انداز میں بات کی تھی۔

سبرینہ اس کی طرف بے یقینی سے دیکھنے لگیں۔ وہ تو سوچ رہی تھیں کہ ابھی تو انہیں اس کے ساتھ بہت جھک مارنا ہوگی۔ گھر سے دور کہیں اسی کے ساتھ رہنا ہوگا۔ سکون کی سانس سینے سے خارج ہوئی تو لگا برسوں سے رُکی ہوئی تھی۔

یہ اطمینان، خوشی ایک ماں کے لیے انمول تحفہ ہے کہ اس کی اولاد اس کا احساس کرتی ہے۔ کاش وہ یہ کام پہلے کر چکی ہوتیں۔ شاید انہیں اس ہتھیار کے موثر ہونے پر بھی یقین نہیں تھا۔

ماں کا احساس کر کے رمیض نے ماں کی نظر میں اپنی عزت تو بڑھائی تھی مگر حقیقت میں اصل وجہ نمو تھی۔ ولید کمال سے شدید نفرت تھی۔

کچھ جذبے بے نام ہوتے ہیں۔ جانے کہاں کس درخت کی گھنی چھاؤں تلے پڑے سوتے رہتے ہیں۔ کسی حادثے کی کریہہ اندوہ ناک چیخ انہیں جگا دیتی ہے...... جاگتے ہی اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ انسان کی پوری ذات پر غالب آ جاتے ہیں۔

رمیض بھی ایک بے نام طاقتور جذبے سے اتنا مغلوب ہو گیا کہ ضد و انا کی حیثیت پرچھائیں سے زیادہ نہ رہی۔

وہ جو مجھ سے زیادہ

میرے اندر رہتا ہے

اشارے سے پہلے

میری بات سمجھتا ہے

وہ میرا نہیں پھر بھی

مجھ سے تو یہی کہتا ہے

رمیض نے نظر اُٹھا کر اندازہ لگایا کہ ڈرپ کتنی دیر میں ختم ہو سکتی ہے۔

"ٹھیک ہے رمیض میں چلتی ہوں۔ تمہارے ڈیڈی سے بات کر کے دو گھنٹے تک تمہارے پاس آؤں گی۔ تم ریڈی رہنا"

سبرینہ نے آگے بڑھ کر رمیض کی پیشانی چوم لی۔ اس نے آج ماں کو بڑا مان دیا تھا۔

"او۔ کے ممی......" رمیض نے ماں کی طرف بھرپور اپنائیت کی نظر سے دیکھا۔

"فہد کو ساتھ لے جائیں ممی۔ اس کی بائیک تو ہمارے گھر کھڑی ہوگی۔ آپ کے ساتھ کار میں آیا تھا ناں......"

"ہاں کار اسی نے ڈرائیو کی تھی۔" سبرینہ نے ایک مرتبہ پھر اپنے بیٹے کے بالوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"یہ جوس ختم کر ڈالو۔ پیلا زرد چہرہ ہو رہا ہے۔" انہوں نے محبت بھرے انداز میں تاکید کی اور روم سے باہر چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆

"میری قسمت میں ایسی ہی عورتیں رہ گئی ہیں۔" وقار اپنے دوست اسد کے گھر میں بیٹھا دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔ روبی بھابی تو تمہارے ساتھ بہت خوش تھیں۔ تم ان سے مطمئن تھے۔" اسد نے بے یقینی اور دکھ کی کیفیت میں کہا۔

"میں نے سنا نہیں ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ چوبیس پچیس سال کا جوان

خوبصورت ہینڈسم لڑکا...... جس کی بہت آؤ بھگت کی جارہی تھی۔ میرے ہی گھر میں تماشہ...... میرے ہی پیسے سے عیاشی۔ ایک منٹ نہیں رکھوں گا۔ ماہ رُخ کو تو میں نے لٹکایا تھا مگر اسے تو ہی طلاق کے پیپر بھجوادوں گا۔" وقار نے بمشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

"جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کرو وقار...... کیا خبر حقیقت کچھ اور ہو۔" اسد نے ٹھنڈے دماغ سے سوچ بوجھ کی بات کی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں اسد...... میں بتا رہا ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے اور موصوف باقاعدہ ڈھٹائی سے روبی کو فیور بھی کر رہے تھے۔ میں نے تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ نکسیر پھوڑ دی۔" وقار نے اپنا ردِ عمل بھی بتا دیا۔

"یہ تم نے کیا کیا...... اگر بات آگے بڑھ جاتی اور وہ مر جاتا۔" اسد نے فکرمندی سے کہا۔

"بہت اچھا ہوتا۔ وہ آگ جو سینے میں اب بھی بھڑک رہی ہے ٹھنڈی پڑ جاتی۔"

"نہیں یار...... تمہاری مصیبت اور بڑھ جاتی۔ ایک قاتل کا لیبل لگنا روز کی موت ہے۔ اچھا سنو......!" بات کرتے کرتے اسد نے خصوصی طور پر متوجہ کیا جس کا مطلب تھا وہ کوئی حتمی بات کرنے جا رہا ہے۔

"ہوں......" وقار کے ہوں میں ایسی بیزاری تھی جس کا مطلب ہوتا ہے "بکتے رہو" میں نے تو جو کرنا ہے سو کرنا ہے۔

"ٹھیک ہے جو تم نے سوچا ہے کر ڈالو۔ مگر میرے کہنے سے ایک مرتبہ چھان بین ضرور کر لو۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اکثر جلد بازی کے سودے نقصان پر ختم ہوتے ہیں۔ ساری زندگی کسی ملال میں کٹ جانے سے بہتر ہے کہ ذرا صبر سے کام لے لیا جائے۔"

"کوئی شک و شبہ ہو تو چھان بین کروں۔ آنکھوں دیکھی بات کیسے جھوٹی سمجھوں۔ تم سمجھ نہیں رہے۔ وہ مجھ سے انتقام لے رہی ہے۔ ایک خوبصورت لڑکے سے دوستی کر کے مجھے جلا رہی ہے۔" وقار نے بڑے وثوق سے کہا۔

"لیکن تم تو اچانک پہنچ گئے تھے۔ جلانے کی کوشش تو تب ہوتی جب وہ جان بوجھ

کر کسی بہانے سے لڑکے کو تمہارے سامنے لاتی۔'' اسد نے پھر بردباری سے سمجھایا۔

''اس کو پتہ تھا ایک دن مجھے پتہ تو چل ہی جائے گا۔ تیاری کر رہی ہوگی۔ اب اس لڑکے کو تو یہ نہیں بتایا ہوگا کہ وہ اسے بے وقوف بنا رہی ہے۔'' وقار نے پھر اسی ٹون میں جواب دیا۔

''چلو یہ تو مان رہے ہو کہ وہ اس لڑکے کے ساتھ سیریس نہیں ہیں۔ صرف تمہیں جلا ہی رہی ہیں۔'' اسد نے کسی منجھے ہوئے وکیل کی طرح نکتہ اُٹھایا۔

''کوئی مرد مذاق میں بھی اپنی بیوی کی کسی لڑکے سے آزادانہ دوستی برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر ایک بیوی اور بازاری عورت میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟'' اتنا کہہ کر جیسے اس نے سانس لی۔

''پلیز! تم بس میری اتنی Help کرو۔ کل میرا اپارٹمنٹ خالی کرادو۔ بروکر سے کہہ کر سارا سامان سیل کردو۔ اُس گھر کی کوئی نشانی بھی میں اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔'' وقار نے اتنا کہہ کر نڈھال سے انداز میں صوفے کی بیک سے ٹیک لگالی اور آنکھیں بند کرلیں۔ آخری جملہ صدیوں کی تھکن سمیٹے ہوئے تھا۔

☆☆☆☆☆

سہیل نے شاداب کے سامنے خوف کھانے یا پریشانی ظاہر کرنے سے مقدور بھر پرہیز ضرور کیا تھا۔ مگر آج کل کے سرپھرے لڑکوں سے کچھ بعید بھی نظر نہیں آتا تھا۔ شاداب کے جانے کے بعد حویلی کی طرف سے ایک سوچ تو لگ گئی تھی۔

خدانخواستہ کسی عظیم نقصان کے بعد بھی نیا نے آزاد ہونا ہے۔ تو پھر یہ کام پہلے کیوں نہ ہوجائے۔ ایک جھماکہ سا ذہن میں ہوا تھا۔ دل چاہا اُڑ کر حویلی جائیں اور نیا کو آزاد کردیں اور ماں کو سمجھائیں کہ وارث سے زیادہ اپنے سر کے تاج کا خیال کرو۔

فوراً ہی اندیشہ جاگا کہیں بابا جان شکار کے لیے نہ نکلے ہوئے ہوں۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے فوراً موبائل اُٹھایا اور حویلی کا نمبر ملایا۔

فون پرانی ملازمہ پوپری نے اُٹھایا تھا۔

''بی بی جان سے بات کرائیں۔ اب تو جیسے ایک ایک لمحہ بھاری لگ رہا تھا۔''

بی بی جان بھی آس پاس ہی تھیں۔ فوراً ہی ریسیور سے آواز اُبھری تھی۔

''ابا (بیٹا)...... خیریت ہے ناں...... ابھی تک اُدھر ہی بیٹھا ہے۔ میرے دل کو وہم آتے ہیں۔ تو حویلی سے باہر ہوتا ہے تو میری نیند ویران ہوجاتی ہے۔''

''بی بی جان......! آپ پریشان مت ہوں رات تک حویلی پہنچ جاؤں گا۔'' بی بی جان کی طرف سے لفظوں کا سمندر اُبل رہا تھا جس کے سامنے بند باندھنا ایک مرحلہ ہوتا ہے۔

''آج رات...... شکر...... تو یہ بتانے کے لیے تو نے ماں کو فون ملائی ہے۔ جیتا رہ۔ خوش رہ۔'' مہرالنساء کے لہجے میں اب ایک مان سا تھا۔ خوشی سے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

''جی...... جی! بابا جان حویلی میں ہیں یا کہیں باہر نکلے ہوئے ہیں؟'' انہوں نے جلدی سے مطلب کی بات کی۔ مبادا بی بی جان پھر کوئی کہانی شروع نہ کردیں۔

''آج تو کچہری لگائی ہے تیرے بابا نے۔ صبح سے اوطاق میں بیٹھا ہے۔ گوٹھ والے اس کا بھیجہ کھا رہے ہیں۔ تین گلاس بادام کا شربت پلا چکی ہوں صبح سے۔ زمینیں سنبھالنا کوئی مذاق ہوتا ہے ابا (بیٹا) نیا کو بلاتی ہوں۔ تیرے انتظار میں بیٹھی ہے۔''

''ٹھیک ہے...... میں اوطاق میں ملاتا ہوں۔'' سہیل نے قدرے سکون کا سانس لیا۔

''میرے کو پیغام دے۔ کیا خبر اوطاق میں اُٹھاتا ہے کہ نہیں۔'' مہرالنساء نے اپنی خدمات پیش کیں۔

''کچہری لگی ہے تو منشی رب نواز تو ان کے ساتھ ہوگا۔ وہ فون اُٹھاتا ہے۔ اللہ حافظ'' سہیل نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کردیا اور اوطاق کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

نیا کے ذکر پر انہوں نے سنی ان سنی کردی تھی۔ مگر ایک خلش سی ستانے لگی تھی۔ منشی رب نواز نے کال ریسیو کی اور سہیل کی آواز سن کر ہی فون مخدوم عبدالرب صدیقی کو تھما دیا تھا۔

''سلام ابا (بیٹا)'' مخدوم صاحب بیٹے کی کال اٹینڈ کرتے ہی جیسے تروتازہ ہو گئے۔ساری تھکن اُتر گئی۔

''جی بابا جان! السلام علیکم...... خیریت سے ہیں''

''خیریت ہی خیریت ہے ابا...... تو آرام سے ہے ناں؟''

''جی شکر ہے۔میں شاید آج رات تک حویلی پہنچ جاؤں گا۔آپ کا کہیں باہر کا پروگرام تو نہیں ہے؟''

''کیسا پروگرام...... ملک سے باہر کی بات کرتا ہے یا حویلی سے باہر کی۔'' وہ شگفتگی سے پوچھ رہے تھے۔

''کمال کرتے ہیں ملک سے باہر جائیں گے تو کم از کم مجھے تو بتا کر جائیں گے۔ میرا مطلب ہے شکار وغیرہ کا تو پروگرام نہیں ہے؟''

''تو چلتا ہے شکار کو تو بنا لیتے ہیں پروگرام۔'' جیسے بیٹے کے لاڈ اُٹھا رہے تھے۔

''یعنی ابھی کوئی ایسا پروگرام نہیں ہے۔ٹھیک ہے۔'' سہیل اب مکمل طور پر پرسکون ہو گئے۔''ٹھیک ہے بابا جان۔آپ میرے حویلی پہنچنے تک کوئی پروگرام نہ بنائیں۔باقی باتیں آ کر کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے دوسری طرف کا جواب سننے کا انتظار بھی نہیں کیا اور فون بند کر دیا۔اعصابی تناؤ خود بخود ختم ہو گیا۔اب ذہن واضح طور پر کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

نمو نظر نہیں آ رہی ولید...... ! کیا بات ہے وہ کھانا نہیں کھائے گی؟'' سعید کمال نے ٹیبل پر نظر دوڑا کر پوچھا۔

''وہ گھر پر نہیں ہے۔'' ولید کمال نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''گھر پر نہیں ہے۔کہاں گئی ہے؟ کس وقت گئی پتہ ہی نہیں چلا۔'' مسز کمال کی حیرانی انتہا پر تھی۔ان کے لیے بہت زیادہ خلاف توقع وخلاف معمول بات تھی کہ نمو کہیں جائے اور ان سے مل کر نہ جائے۔

''وہ اپنے گھر گئی ہے۔'' ولید کمال نے مختصراً بات کی اور پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔

''بھئی کب گئی؟ کس کے ساتھ گئی؟ کچھ پتہ تو چلے۔'' مسز کمال تو اب ازحد فکرمند ہو گئی تھیں۔کھانا وانا ہر چیز سے ان کی توجہ ہٹ گئی تھی۔

''میرے ساتھ گئی تھی۔میں چھوڑ کر آیا ہوں۔'' ولید کمال نے اسی طرح سپاٹ بے تاثر لہجے میں بتایا۔

''تو جب تم اسے لے کر جا رہے تھے تو بتانے میں کوئی حرج تھا۔بہت جلدی میں تھے؟'' مسز کمال نے اُلجھی ہوئی کیفیت میں قدرے خفگی سے کہا۔

''بتا دوں گا۔پہلے آپ کھانا تو کھا لیں۔آج تو لنچ بھی بہت لیٹ ہو رہا ہے۔'' ولید کمال نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔اس کے چہرے سے کچھ کھوجنا ناممکن تھا۔

''توبہ میری تو بھوک ہی مر گئی۔یہ نمو اتنی جلدی میں کیوں گئی۔مجھ سے چھپانے والی بات ہے تو بھی کہہ دو۔'' انہوں نے پلیٹ سے مکمل طور پر ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''وہ...... آپ سے کچھ چھپ سکتا ہے یا کچھ چھپایا جا سکتا ہے؟'' کہہ رہا ہوں ناں بتا دوں گا۔'' اس مرتبہ ولید کمال کے انداز میں قدرے جھلاہٹ تھی۔

''بھئی! جب کہہ رہا ہے کہ بتا دے گا تو پریشانی کیا ہے۔آرام سے لنچ کرو۔اپنے گھر ہی گئی ہے ناں...... تو فکر کی کیا بات ہے۔'' سعید کمال لاحاصل تکرار سے عاجز آ کر بالآخر مخل ہوئے۔

وردہ کمال نے گہری سانس لی۔ایک نظر ولید کی طرف دیکھا اور خاموشی سے چمچ اُٹھا کر پلیٹ سے چاول لے کر کھانے لگیں۔مگر اندر کی فکرمندی کا عکس چہرے پر نمایاں تھا۔یوں کھا رہی تھیں جیسے کوئی کام بے دلی سے نمٹایا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

آپ کوئی فیصلہ سنا دیں تاکہ ہم ماں بیٹا کسی کنارے لگیں۔

''دھمکی دے رہی ہو؟'' انجم علوی نے گہری نگاہ سبرینہ کے چہرے پر دوڑائی اور پوچھا۔

"نہیں...... مجھے بھی تو بیٹے کا راستہ دیکھنے کا حق ہے۔ سب کچھ کر کے دیکھ لیا۔ خود بھی اندر ہی اندر سلگتے کڑھتے ہوں گے۔" سبرینہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ظاہری بات ہے۔ اولاد تو ہے۔ دل و دماغ سے اس کا خیال ہر وقت ہی چپکا رہتا ہے۔ اسے کھرچ کر جان تو نہیں چھڑا سکتے۔" انجم علوی بولتے بولتے رکے اور سانس لے کر بولے۔ "مگر اس کی ڈھٹائی بھی تو دیکھو۔ باپ سے معافی مانگنے نہیں آیا۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"اسے اُمید نہیں ہوگی کہ باپ معاف کر دے گا۔ دنیا کی اولاد غلطی کرتی ہے۔ دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال کر تو نہیں پھینک دیتے۔ آپ نے تو حد ہی کر دی ہے۔" سبرینہ چونکہ انتہائی فیصلہ کر چکی تھیں۔ ہر قسم کے خوف سے چھٹکارا پا لیا تھا Do and die والی کیفیت کا غلبہ تھا۔ اس لیے آج جو جی میں آ رہا تھا بول رہی تھیں۔

اور شاید انجم علوی نے بھی بھانپ لیا تھا۔ وہ خود بھی مزید دھچکوں کے متحمل نہیں ہو رہے تھے۔ ہر وقت کی اندرونی جنگ نے انہیں شل کر دیا تھا۔ آج سبرینہ بھی فیصلہ کن بات کر رہی تھیں۔ یہ ایک انتہائی صورتِ حال تھی جو اب ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ جبکہ ابھی تک سبرینہ نے ان سے نمو کے گھر واپس آنے والے واقعے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

"ٹھیک ہے اسے گھر لے آؤ۔ میں اپنا بندوبست کر لوں گا۔" انجم علوی تھکے تھکے نڈھال لہجے میں کہہ رہے تھے۔

سبرینہ نے بے یقینی کی کیفیت میں ان کی طرف دیکھا تھا مگر خوشی میں کر کری تھی۔ انجم علوی کا یہ کہنا کہ اپنا بندوبست کر لوں گا بہت معنی خیز تھا۔ سیدھا سا مطلب تو یہی سمجھ میں آتا تھا کہ رمیض گھر آ جائے گا تو وہ اس گھر سے چلے جائیں گے۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟" سبرینہ اجازت پانے کے بعد اب دوبارہ محتاط ہو کر بات کر رہی تھیں۔ کچھ طویل رفاقت کی مروت بھی ہوتی ہے۔ بہر حال شوہر نے بہت اچھی طرح بیوی کو رکھا تھا۔ سبرینہ کے دل میں کوئی حسرت نہیں رہنے دی تھی۔ نہ بھی شوہروں کی طرح اخراجات کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ شور شرابا کیا تھا۔ سبرینہ کے ان کہی خواب و خواہشات مدعا زبان پر لانے سے پہلے ہی پوری کر دی گئی تھیں۔

بیٹے کی محبت میں انہوں نے فیصلہ کن بات صرف اس لیے کی تھی کہ انجم علوی اب ان کے جذبات کا پاس کریں۔ اپنے اندر تبدیلی لائیں۔ کچھ سوچیں، طوفان کی توڑ پھوڑ کے بعد بحالی کا عمل شروع کریں۔

"میں تمہیں یہ اعتماد و یقین دینا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارا گھر ہے۔ بیٹے کی حماقتوں کی وجہ سے میں تمہیں در بدر کیوں کروں؟ اگر میری اپنے بیٹے کے ساتھ کیمسٹری میچ نہیں ہوتی تو میں اس سے دور رہ کر اپنا کام کروں۔ فضول اسٹریس (Stress) نہ لوں۔ میں مرد ہوں کہیں بھی بہت اچھی طرح سے رہ سکتا ہوں۔" انجم علوی نے نرمی اور سکون سے جواب دیا جیسے وہ کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔

"یہ تو وہی آپ کی انا ہے۔"

"انا تمہارے بیٹے میں ہے۔ باپ کی مہربانیاں بھول گیا۔ سزا یاد رکھے ہوئے ہے۔" انجم علوی نے سبرینہ کی بات کاٹ کر اب دبی دبی برہمی کا مظاہرہ کیا۔

"تم اسے لے آؤ۔ پُرسکون ہو جاؤ۔ اسے انسان بنانے کی کوشش کرو۔ باقی باتیں بعد کی ہیں۔"

"اس وقت مجھے ایک کپ کافی پلوا دو۔ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔" انجم علوی نے سر درد کی بات کر کے جیسے سبرینہ کو مزید کچھ بولنے سے روک دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

مغرب کا جھٹپٹا تھا جب سہیل حویلی میں داخل ہوئے۔ نیا کے پاس وقت گزاری کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ حویلی کی لائبریری جو صریحاً سہیل کی وجہ سے وجود میں آئی ہوگی، میں جا کر اپنے مذاق کی کتاب تلاش کرے اور مطالعہ کرے۔ اس وقت بھی وہ نماز ادا کر کے لائبریری کی طرف جا رہی تھی جو حویلی کے عظیم الشان لاؤنج میں ملحق تھی۔ خبر تو اسے دن ہی میں مل گئی تھی کہ سہیل آج رات تک حویلی پہنچیں گے مگر وہ رات ہونے سے قبل ہی پہنچ جائیں گے اسے یہ توقع نہیں تھی۔ بلکہ بہت حیران کن بات تھی کہ وہ سمن کے

پاس جا کر حویلی واپس آنے میں کبھی جلدی نہیں کر سکتے تھے۔

لاؤنج میں دونوں آمنے سامنے ہوئے، نگاہیں چار ہوئیں۔ سہیل کا چہرہ کسی اجنبی کا چہرہ ہی محسوس ہوا۔ رُخصت ہوتے وقت یہ قیامت کی اجنبیت نہیں تھی۔ نیا نے آہستگی سے سلام کیا تھا کہ کچھ تو کرنا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' چہرے سے زیادہ لہجہ برف تھا۔

''جی میں ٹھیک ہوں'' نیا نے اُلجھن بھری نظروں سے دیکھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اپنے تو کبھی محسوس نہیں ہوئے تھے مگر اجنبی بھی نہیں لگے تھے۔

''آپ شاید لائبریری جا رہی ہیں؟'' انہوں نے اس کے قدموں کے رُخ سے اندازہ کیا۔

''جی...... جا تو رہی تھی۔'' نیا نے کچھ کہنا چاہا مگر سہیل نے اسے کہنے نہیں دیا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ آپ اپنا کام کیجیے۔ میں بی بی جان کے پاس ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر زینہ چڑھ گئے۔

نیا سوچتی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ایک خیال آیا اور بے ساختہ اور طنزیہ مسکرا پڑی۔ سمن کے پاس سے آ رہے ہیں آخر۔ موڈ تو خراب ہوگا۔ سمن رُخصت کرتے وقت روتی بھی بہت ہوگی۔ اک پل میں آنسو بہتے ہیں اس کے لیکن سمن کے پاس جانے سے پہلے۔

مجھے بھی تو ایک احساس دے کر گئے تھے۔ لٹ جانے کا احساس۔ میں تو اب اس بیڈروم میں جاتے ہوئے ایک قیامت سے گزروں گی۔ سہیل کی موجودگی میں اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔ بس بہت ہوگئی احتیاط۔ اب بی بی جان جتنا مرضی شور مچائیں۔ خالی کر کے رکھ دیا مجھے۔ دور تک اندھیرے بچھا دیے۔ اپنی نظر میں کتنی بے حیثیت ہو چکی ہوں۔ کسی کی بڑی سے بڑی آرزو میری روحانی اذیت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس نے بمشکل آنسو پیے اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆

رمیض گھر کے پورچ میں کھڑا گھر پر یوں نظر دوڑا رہا تھا جیسے اتفاق سے کسی انجان بستی میں داخل ہو گیا ہو جہاں کی ہر شے نئی اور نرالی ہو۔ یہ وہی گھر ہے جس میں کھیلتے کودتے بڑا ہوا تھا۔ وہ جیسے خود سے پوچھ رہا تھا۔

''کھڑے کیوں ہو؟ میں تمہارے ڈیڈی کی اجازت سے تمہیں یہاں لائی ہوں۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔'' سبرینہ نے اُلجھن بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا تسلی دی۔

''آں...... ہاں۔ کچھ نہیں ممی...... بس ویسے ہی۔'' اس نے سٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور عجلت کے انداز میں آگے بڑھا۔ سبرینہ آہستہ قدموں سے اس کے پیچھے چلنے لگیں۔ لاؤنج کے دروازے پر رک کر جیسے اس نے ماں کے قریب آنے کا انتظار کیا۔ ایک عجیب سی جھجک اسے جکڑ رہی تھی۔ سبرینہ قریب آئیں تو اس نے پہلے انہیں اندر جانے کا عندیہ دیا اور ایک طرف ہو گیا۔ سبرینہ نے قدرے حیرت و اُلجھن میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر چند لمحے کچھ سوچا اور لاؤنج میں داخل ہو گئیں۔ رمیض نے اندر پہنچ کر پھر چار جانب گہری نظروں سے دیکھا۔

''تمہارا کمرہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم نہیں تھے مگر وہاں روٹین کی صفائی ہوتی تھی۔ ہر چیز اسی طرح صاف ستھری ملے گی تمہیں۔'' سبرینہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار بھری نظروں سے دیکھا اور مسکرانے لگیں۔

رمیض نے پہلے نظریں چرائیں پھر ماں کی طرف دیکھا۔ ''ٹھنڈا پانی تو پلوائیں ممی۔'' اس کی آواز میں نقاہت تھی۔ زخموں پر بینڈیج تھی اور چہرے پر زردی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں قریبی صوفے پر آہستگی سے بیٹھ گیا۔

''ارے مجھے تو تمہارے گھر آنے کی خوشی میں خیال ہی نہیں رہا۔ میں تمہارے لیے ایپل جوس منگواتی ہوں۔ مگر پہلے تم پانی پی لو۔''

''احمد......!'' انہوں نے نئے ملازم کو آواز دی۔ پھر دوبارہ بھی دی اب ان کے انداز میں عجلت و بے قراری تھی۔

''احمد تو بازار گیا ہوا ہے ممانی جان۔'' نمو دور ہی سے بولتی ہوئی آ رہی تھی۔ اندر

داخل ہوتے ہی جیسے اسے کرنٹ لگا تھا۔ ایک لمحے کو تو جیسے وہ رمیض کو پہچانی ہی نہیں۔ تھکا تھکا، ڈھیلا ڈھالا پژمردہ۔ جگہ جگہ بینڈیج تھی۔ اس نے دہل کر بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

رمیض اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا۔ شادی شدہ ہونے کی کوئی علامت اس میں دکھائی نہ دے رہی تھی۔ بالکل سادہ لباس، خالی اور سونی کلائیاں۔

پھر اسے ایک دم کچھ احساس ہوا۔ سنبھلا پھر مسکرایا۔

''کیسی ہو مس زحمت...... کیا پہچانا نہیں'' اس کے لہجے میں خود بخود تازگی سی اتر آئی۔ ایک لاشعوری احساس جو آگہی سے کوسوں دور تھا۔

''گھر سے باہر نکل کر چہرے تو نہیں بدل جاتے۔ کیوں نہیں پہچانوں گی؟ السلام علیکم!'' نمو نے بڑی متانت سے جواب دے کر سلام بھی کر لیا۔

بہت کچھ نوکِ زباں پر آ کر رک گیا۔ مثلاً تم تو زندگی کا وہ زخم ہو جو سدا بہار پھول کی طرح ہے۔ دربدری کی ذمہ داری تک تم پر ہے۔

رمیض نمو کی خاموشی اور تکلف کو بہت واضح محسوس کر رہا تھا مگر احساسِ جرم اسے مزید بات چیت سے روک رہا تھا۔

''ممانی جان کچھ اور چاہیے تو بتائیں۔'' نمو نے بے تاثر آواز میں یوں پوچھا جیسے اسے وہاں سے جانے کی جلدی ہو۔

''نہیں نہیں کچھ نہیں چاہیے۔ تم آرام کرو۔ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' سبرینہ نے فوراً کہا اور نمو یوں باہر کی طرف بھاگی جیسے یہی چاہ رہی تھی۔

''بہت چینج لگ رہی ہے نمو۔ بولتی تو پہلے بھی کم تھی مگر آج تو......''

''ولید نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے اور ابھی تمہارے ڈیڈی کو پتہ نہیں ہے کہ ولید نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔'' سبرینہ نے رمیض کی بات کاٹ کر برجستہ کہا تھا۔

''اور جب ڈیڈی کو پتہ چلے گا تو وہ مجھے پھر سے عاق کر دیں گے۔'' رمیض نے تلخی

مسکرا کر کہا۔

''خدا نہ کرے۔ کوئی حل نکالیں گے۔ توڑ پھوڑ کی حد ہو جائے تو پھر نئے سرے سے تعمیر کا وقت آتا ہے۔ ایک پل کا بھروسہ نہیں اور اپنے ہاتھوں اتنی اکھاڑ پچھاڑ۔ اب سب کو مل کر اپنے اپنے سکون کے لیے سوچنا چاہیے۔'' سبرینہ نے بولتے بولتے رک کر رمیض کے تاثرات ملاحظہ کیے اور گہری سانس لینے کے بعد بولیں۔ ''جاؤ بیٹا تم اپنے کمرے میں ریسٹ کرو۔ میں جوس سوپ وغیرہ بھجواتی ہوں۔ شاباش......'' ان کے انداز میں حتمی پن اور گہری سنجیدگی تھی۔

رمیض کے پاس وہاں سے اٹھنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

''عتیقہ بیٹا! یہ تو ایک قیامت برپا ہو گئی۔'' بانو بیگم ہاتھ پاؤں چھوڑے لیٹی تھیں۔

''امی ہونے والی بات تو ہو گئی۔ اب یہ سوچنا ہے کہ ہم کریں کیا۔'' عتیقہ شکستہ لہجے میں بات کر رہی تھی۔

''میرا دماغ تو میرا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ شاداب کو سنبھالنا اب میرے بس کی بات نہیں رہی۔ نیا کی بات کا اس پر کچھ اثر ہو جاتا تھا مگر اب تو وہ نیا کی بھی نہیں سنے گا۔ یا اللہ! مجھ پر رحم کر دے۔ میرے گناہوں کو بخش دے۔'' بانو بیگم آنکھوں پر دوپٹہ رکھ کر بلک بلک کر رونے لگیں۔

''ارے کب سے گھر سے نکلا ہوا ہے کوئی خبر نہیں۔ یا اللہ! میرا ایک بیٹا ہے تجھے تیری رحمت کا واسطہ۔ میرے بچے پر اپنا رحم کر۔ میں ایک بیمار کمزور عورت کہاں جاؤں کیا کروں؟'' وہ روتے روتے بول رہی تھیں۔ عتیقہ لب بستہ بیٹھی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ماں کو کس طرح بہلائے یا تسلی دے۔

''ارے عتیقہ پتہ تو کر۔ کہاں مارا مارا پھر رہا ہے میرا بچہ۔'' وہ ایک دم آنسو روک کر عتیقہ سے بولیں۔

''امی میں اس کے موبائل پر کئی مرتبہ ٹرائی کر چکی ہوں۔ رنگ جا رہی ہے مگر وہ

اٹینڈ نہیں کر رہا۔" عتیقہ نے بے بسی کی کیفیت میں جواب دیا۔

"ہائے میرے اللہ!" بانو بیگم نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا کرتا پھر رہا ہے یہ لڑکا۔ یہ مجھے مار ڈالے گا۔ آخر دوسروں کے بچوں کی طرح چین سے کیوں نہیں رہتا۔ کیسی آگ لگی ہوئی ہے اس کے اندر۔" بولتے بولتے ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"اماں آپا ساتھ خیریت کے گھر واپس آ جائیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عتیقہ کے پاس سوائے جھوٹے دلاسے کے کچھ نہ تھا۔

"ارے بھائی کی خاطر میری بچی گھر سے بے گھر ہے۔ شاداب نے کوئی اُلٹی سیدھی حرکت کی تو وہ اور مشکل میں پھنس جائے گی۔" بانو بیگم پھر اندیشے سے لرزنے لگیں۔

"امی سہیل بھائی آپا کے ساتھ مزید ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ ان کی شخصیت حویلی والوں سے بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو کسی بڑی مصیبت سے بچانے کے لیے ہی تو آپا سے دکھاوے کا نکاح کیا ہے۔" عتیقہ خود نڈھال تھی لیکن ماں کو پرسکون کرنے کے جتن کر رہی تھی۔

"ہاں بس اللہ سے اُمید ہے کہ وہ سہیل کو ہماری نجات کا وسیلہ بنائے گا۔ یہی اُمید مرنے سے بچا رہی ہے۔ مگر شاداب...... اُس کے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں ہیں۔ اللہ اسے اپنی پناہ میں رکھے۔" بانو بیگم کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی۔

"آمین" عتیقہ نے زیرلب کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی میں آپ کے لیے ٹیبلٹ لاتی ہوں۔ اس سے آپ کو جلدی نیند آ جائے گی۔ گہری نیند اس وقت آپ کی سب سے بڑی دوا ہے۔" یہ کہہ کر وہ رُکی نہیں آگے بڑھ گئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اگر مجھے اس وقت نیند نہ ملی تو میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" وہ حلق سے ٹپکتے آنسو پینے لگیں۔

☆☆☆☆☆

"روبی......! اب اس حال میں تمہیں جاب نہیں کرنا چاہیے۔" ماہ رخ بڑی ہمدردی سے روبی کو دیکھ رہی تھی۔ روبی بہت نڈھال نظر آ رہی تھی اور ماہ رُخ کے بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

"بالکل ٹھیک بولیں۔ میں تو پہلے دن سے اس کی نوکری کے خلاف تھی۔ ان دنوں تو بہت آرام کی بلکہ سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔" نتا نے جو کھڑی ہوئی تھیں جھک کر روبی کے بال بڑے پیار سے سنوارے۔

بیڈ روم کی چار دیواری سے نکل کر میں خود کو سنبھال لیتی ہوں۔ ورنہ اب تک پاگل ہو چکی ہوتی۔ رہا سکون...... وہ تو اب مر کر ہی ملے گا۔" روبی کی آنکھیں بند تھیں اور آنکھوں کے گوشوں پر آنسو چمک رہے تھے۔

"زندگی اتنی بے قیمت نہیں ہوتی روبی...... کہ ایک ناقدر شناس اور بدگمان شخص پر قربان کر دی جائے۔ ہمت سے کام لو۔ تم نے میرا صبر نہیں دیکھا؟ تمہارے گھر میں بیٹھ کر تمہاری اور وقار کی محبت کے تذکرے سنتی تھی۔ تمہارے لہجے میں وقار کے لیے جو پیار ہوتا تھا اسے کتنے حوصلے سے محسوس کرتی تھی۔ تمہارے ساتھ مسکراتی تھی۔ تمہاری خوشی کو ہر طرح سے شیئر کرتی تھی۔ کبھی تمہیں اپنے دکھڑے نہیں سناتی تھی کہ یہ خوشی سے سرشار لڑکی میرے دکھوں کی وجہ سے اپنی خوشی کا اظہار کرنے سے نہ رک جائے۔ میرے سامنے خوشیاں مناتے ہوئے خواہ مخواہ شرمندہ نہ ہو۔" ماہ رُخ بمشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے بہت محبت واپنائیت سے روبی کو سمجھا رہی تھی۔

"آپ بہت گریٹ ہیں آپی۔ میں تو آپ کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہوں۔" روبی نے ماہ رخ کا ہاتھ تھام کر اپنی بھیگی آنکھوں پر رکھ لیا۔

"جو جینے کا راستہ ڈھونڈ لیتا ہے اسے کوئی نہ کوئی نام دے دیا جاتا ہے۔ یہ تمہاری خوبی ہے کہ تم مجھے گریٹ کہہ رہی ہو۔" ماہ رُخ نے ہاتھ چھڑا کر روبی کے بال سنوارے۔

"دعا کریں آپی خدا مجھے آپ جیسا باہمت اور حوصلہ مند بنا دے۔ دنیا میں قیامت برپا ہو جائے اور مجھے کوئی فرق نہ پڑے۔"

"جو کچھ بھی حاصل کرنا ہوتا ہے اس کے لیے پہلے نیت کرنا ہوتی ہے روبی۔ ہمت چاہو گی تو ہمت بھی مل جائے گی۔"

"ریزہ ریزہ وجود، ریزہ ریزہ خواب۔ یہ تو وہ ہے جو ہمیں دوسروں نے دیا ہے۔ ہم کسی کو کیا دے سکتے ہیں۔ بس یہ سوچو......" ماہ رُخ نے بڑے پیار سے روبی کے رُخساروں پر ہاتھ پھیرا۔

"اللہ کی شان ہے۔ دنیا نے شاید ہی سوکنوں میں ایسا پیار اور دوستی دیکھی ہوگی۔" ننا یہ نظارہ دیکھ کر عش عش کر اُٹھیں۔

"ہم سوکنیں کہاں ہیں ننا۔ ہمارے درمیان اب کوئی مرد نہیں۔ ہم تو ہچکولے کھاتی کشتی کے دو سوار ہیں۔ بیچ بھنور دو ہم سفر۔" ماہ رُخ نے مسکرا کر ننا کی طرف دیکھا۔

"جیتی رہو۔ اللہ تمہاری ہر مشکل دور کرے۔ اس بے سہارا بچی کے لیے تو تم ایک گھنے درخت کا سایہ بن گئی ہو۔" ننا نے برجستہ کہا۔

یہ قدرت کے فیصلے ہیں ننا۔ ہم انسان ان دیکھی ڈور میں بندھی پتلیاں...... جو کام ذمے لگائے گئے ہیں وہی کر رہے ہیں۔" ماہ رُخ نے مسکرا کر کہا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے کپ گلاس وغیرہ اُٹھانے لگی۔

"اسے کہتے ہیں جوانی میں بڑھاپا۔ کیا تجربے کی بات کہی ہے۔" ننا نے گویا داد دی۔ روبی بھیگی اور سوچتی آنکھوں سے ماہ رُخ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"وقار! اپارٹمنٹ تو سمجھو سیل ہوگیا۔ اور سارا سامان بھی۔ اب روبی بھابی کی چیزیں آئی مین ان کے کپڑے، جیولری وغیرہ تو ان کو دو گے ناں یا وہ بھی......" اسد نے وقار سے پوچھا۔ جو اسی کے گھر کے گیسٹ روم میں ٹھہرا ہوا تھا۔

"سمندر میں پھنکوا دو۔" وقار سوٹ کیس سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے بے زاری سے بولا۔

"دے دو یار انہی کو...... یا تیسری کے لیے سنبھال کر رکھو گے؟" اسد نے بڑی

بےباکی سے پوچھا تھا اور وقار نے چونک کر اسد کی شکل دیکھی تھی۔ پھر فوراً نظریں جھکا کر گویا ہوا تھا۔ "ہونہہ تیسری...... ایک ٹوٹا ہوا، بکھرا ہوا انسان کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ اب میں کسی کے جگمگاتے خوابوں کی تعبیر بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ جب جذبے طاقتور اور زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں تو خواہشات بھی لامحدود ہوتی ہیں۔ زندگی مختصر لگتی ہے۔ موت کے نام سے خوف آنے لگتا ہے۔ جب جیتے جی مر رہے ہوں تو کیا موت کیا زندگی۔" وقار نے تلخی سے کہہ کر سوٹ کیس بند کر دیا اور تہہ شدہ تولیہ جھٹک کر کھولنے لگا۔

"ہمارے احساسات ہمارے آقا ہوتے ہیں۔ اس وقت تمہیں سمجھانا بہت مشکل ہے۔ تم فریش ہو جاؤ پھر چائے پیتے ہیں۔" اسد جیسے ہار مان کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

وقار جواب میں خاموش رہا۔ اسد کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

نیا اسٹڈی میں خواہ مخواہ کتابیں اُلٹ پلٹ کرتے کرتے اوبھ گئی۔ مطالعے کے لیے ذہن بنا ہوا ہو تو لکھا بھی سمجھ آتا ہے۔ کتابوں میں درج الفاظ تو بس اسے رینگتے کیڑے مکوڑے ہی دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔ ہلکی روشنی تاریکی میں ڈھل گئی۔ اس نے دوپٹہ اُتار کر کرسی کی پشت پر لٹکایا اور صوفہ کم بیڈ پر دراز ہوگئی۔ غم و غصے کی کیفیت بھرے بادلوں کی طرح برسنے لگی۔ ذہن حویلی سے نکل کر فوراً جست لگا کر شاداب کی طرف پرواز کر گیا۔

یا اللہ! کیا قیامت برپا کی ہوئی ہوگی شاداب نے۔ امی اور عتیقہ تو اس سے نمٹ ہی نہیں سکتیں۔ وہ تو خواہ مخواہ انقلابی بنا ہوا تھا اور اب تو اس کے پاس ایک مضبوط بہانہ ہے سرمایہ داروں، وڈیروں سے ٹکرانے کا۔ کیا کچھ نہ کر رہا ہوگا۔

یہاں تک سوچتے سوچتے اس کا ذہن شل ہوگیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

شکر ہے کہ مخدوم سہیل آ گئے۔ اب وہ مجھے روک ہی نہیں سکتے۔ وہ حد پار کر چکے اور میرے سارے خوف اپنی موت آپ مر گئے۔ اب دیکھتی ہوں وہ مجھے یہاں رکنے پر

کس طرح مجبور کرتے ہیں؟ اس نے شدتِ جذبات سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ بھائی کی زندگی کے لیے روز مرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب مرنا ہی ٹھہرا تو حویلی میں کیوں مروں؟

بکھرے ہوئے خیالات یکجا ہو کر قوت بن جاتے ہیں۔ قوت کا زور اتنا شدید تھا کہ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بے قراری و اضطراب کمال پر تھا نہ وہ بیٹھ سکتی تھی نہ لیٹ سکتی تھی۔ نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

وہ اضطراری کیفیت میں دوپٹہ اُٹھا کر ننگے پاؤں ہی لائبریری سے باہر آ گئی۔ چہار سو خاموشی کا عالم تھا۔ وہ دیوانہ وار مخدوم سہیل کے بیڈ روم کی طرف بڑھی تھی اور بغیر جھجک کے ہینڈل گھما دیا تھا۔ اس حویلی میں گزری ہوئی کربناک اور دھندلی صبح اس کی یادداشت میں انگاروں کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ اسے اپنے وجود سے ہر آن مخدوم سہیل کے وجود کی مہک آتی تھی جو اسے سوکھی لکڑی کی طرح بھڑ بھڑ جلا رہی تھی۔

وہ درانہ اندر داخل ہوئی۔ مخدوم سہیل بیڈ پر نیم دراز اپنے موبائل پر کسی سے باتیں کرنے میں اتنے محو تھے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے میں قدرے تاخیر ہوئی یا شاید نیا کی طرف ان کی سوچ جا ہی نہیں پائی تھی۔ انہوں نے بڑی لاپرواہی سے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ایک دم حواس باختہ انداز میں اٹھ بیٹھے تھے۔

نیا نے ان کی طرف بڑی غضبناک نظروں سے دیکھا تھا اور وہ اس طرزِ نگاہ سے لامحالہ پریشان ہوئے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے نیا برق رفتاری سے ان کی طرف بڑھی اور ان کا موبائل جھپٹ لیا۔ یہ اچانک افتاد تھی۔ سہیل کچھ سمجھ نہیں پائے۔ ایک دم بیڈ سے اُتر گئے اور فکر و تشویش سے اس کی طرف دیکھا۔

”کسی کو فون کرنا ہے؟“ وہ نرمی سے گویا ہوئے۔

نیا نے جیسے ان کی بات ہی نہیں سنی۔ اس نے موبائل کا ڈائل آپشن چیک کیا۔ اس کی آمد سے قبل وہ سمن سے بات کر رہے تھے۔ نیا نے ڈائل ٹائم دیکھا پھر وال کلاک کی طرف نگاہ کی اور موبائل بیڈ پر پھینک دیا۔

”ایک معشوقہ بسی ہوئی ہے اس دل میں۔ کسی اور عورت کی کبھی جگہ نکل ہی نہیں

سکتی۔“ نیا کسی [illegible] کی تپش کمرے میں دورہ کرنے لگی۔ سہیل نے اُلجھی ہوئی نظروں سے نیا کی طرف دیکھا۔

”پھر مجھے کیوں بے عزت کیا؟ مجھے کیوں میری نظروں میں گرا دیا۔ ہمیشہ کے لیے کسی باوفا، سچے ساتھی کی اُمید سے محروم کر دیا۔ تنہا کر دیا ہمیشہ کے لیے۔ کیا میں زندگی میں کسی کی ہو سکتی ہوں؟ کسی کو اپنا بنا کر حلف اُٹھا سکتی ہوں کہ مجھے آج تک کسی مرد نے نہیں چھوا؟“ آخری جملہ بولتے بولتے اُس کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی۔

مخدوم سہیل ششدر سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔ واقعہ سخت تھا مگر تاب لاتے ہی بنتا تھی۔ سامنے کھڑی ایک ذی روح کی کربناک چیخیں بارود کے دھماکے بن کر گویا ان کے پرخچے اُڑا رہی تھیں۔ نیا کے دکھ بنا کسی رکاوٹ کے سفر کرتے ہوئے ان کے دل میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ وہ کوشش کے باوجود خود کو سنبھال نہیں پا رہے تھے۔ مگر احساسِ جرم و ندامت کی بیڑیوں سے ان کے پاؤں کی حرکت محال تھی۔ نیا کی ہچکیاں انہیں جیسے کھڑے کھڑے ہلاک کر رہی تھیں۔ قیامت کی بے بسی تھی۔ لب بستہ کھڑے رہنے پر مجبور تھے۔

”ہم مصلحتوں کے مارے بزدل لوگ ہیں۔ میرا بھائی ٹھیک ہو کر بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ سچ بولتا ہے۔ آپ جیسے بااختیار لوگ ہم لوگوں کا خون پی کر ہی تو پلتے ہیں نکالیے مجھے اس سونے کے پنجرے سے۔ ورنہ میں اب پوری حویلی میں آگ لگا دوں گی۔ میرا بھائی بیگار کیمپ سے زندہ واپس آ گیا مگر اب روز مر رہا ہے۔ میری ماں کی بچی کھچی زندگی داؤ پر لگ گئی ہے۔ اپنی پارسا معصوم بہن کی پیشانی کی کالک بن گئی ہوں۔ اتنا احساس نہیں کہ کسی کا عمر بھر کا سرمایہ لوٹ لیا ہے۔ بیٹھے سکون سے اپنی معشوقہ سے باتیں بنا رہے ہیں؟“ نیا نے وحشیانہ انداز میں آگے بڑھ کر ان کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ مخدوم سہیل نے اس کے ہاتھوں کی گرفت سے اپنا گریبان چھڑانے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی۔ اسی طرح خاموش لب بستہ نظریں جھکائے کھڑے رہے۔

”مخدوم سہیل میں برباد ہو گئی۔ کچھ تو بولیے۔ اپنے جرم کا اعتراف تو [illegible]

پھر بلک بلک کر رو پڑی۔

سہیل نے اب ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ بکھرے بال نڈھال...... بچوں کی طرح بلکتی ہوئی نیا نے جیسے ہارے ہوئے کھیل کا پانسہ پلٹ دیا۔

احساسِ جرم سے نجات کی خواہش زندگی کی ہر قیمتی خواہش پر حاوی آ گئی۔ انہوں نے آہستگی سے نیا کے بازو کو پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے بالوں پر بوسہ دیا۔

نیا سہیل کے اس ردِعمل کے لیے تیار نہیں تھی۔ تڑپ کر ان کی گرفت سے نکل گئی۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ اور کتنا ذلیل کریں گے؟ وہ غصے کی شدت سے کانپنے لگی۔“

”عزت دے رہا ہوں تمہیں۔ وہ عزت جس کی تم مستحق ہو یا تو مجھے تم سے نکاح ہی نہیں کرنا چاہتے تھا۔ جب کر لیا ہے تو تمہیں عزت دینا اور دلوانا میری ذمہ داری ہے۔“

سہیل پھر اس کی طرف بڑھے۔

”آپ بھول رہے ہیں۔ ہمارا نکاح کسی کی جان بچانے کی ایک کوشش تھی۔ ایک گھر کو راکھ ہونے سے بچانے کے لیے ایک وقتی کارروائی تھی۔“ نیا نے غضب ناک ہو کر سہیل کو گھورتے ہوئے کہا۔

”مرد و عورت کی صرف جسمانی ساخت ہی مختلف نہیں نیا...... نفسیات بھی مختلف ہے۔ مرد و عورت کے درمیان کوئی ایک کمزور لمحہ آنے والے بے شمار لمحوں کی بنیاد بن جاتا ہے۔

جس عورت پر حق جتانے کی آزادی ہو اس کی قربت میں ذہن اس احتیاط کا پابند نہیں ہوتا جس احتیاط کی ضرورت نامحرم عورت کے لیے ہمارے لاشعور میں اُتری ہوئی ہے۔

تمہاری روتی ہوئی آنکھیں، تمہارا دکھ اس دل پر غالب آ گئے جس دل میں صرف ایک تصویر سجی ہوئی ہے۔“ اس مرتبہ سہیل کی آواز خاصی دھیمی تھی۔

”میں نے بس یونہی تمہاری دل جوئی کرنا چاہی تھی۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کا پورا پورا تاوان ادا کروں گا۔“ سہیل اب نیا کے اور قریب آ گئے اور نیا پیچھے ہٹ گئی۔

”تمہارا سب سے پہلا حق وہ عزت ہے جس کی تم اصولی طور پر حق دار ہو اور میں بحیثیت شوہر تمہاری معصومیت اور پارسائی کی گواہی دیتا ہوں۔ تنہائی میں بھی اور مجمعے میں بھی اور وعدہ کرتا ہوں تمہیں وہی عزت ملے گی جو مخدوم خاندان کی عورت کو دی جاتی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے نیا کے گال کو یوں چھوا جیسے اسے اپنائیت کا احساس دے رہے ہوں۔ مگر اس کا گال چھوڑ کر وہ فوراً ہی کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔ نیا کی قوتِ گویائی سچائی کی قوت کے مقابل زیر تھی۔

☆☆☆☆☆

”شادی کا بندھن ایک جھٹکے سے نہیں توڑا جاتا۔ یہ بندھن توڑنے کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے ہمیں اس حادثے سے بہت بڑا دھچکا لگا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نمو سے بدلے لیے جائیں۔ وہ تو بے قصور ہے۔“ وردہ کمال ولید کو بہت محبت و سمجھداری سے قابو کر رہی تھیں۔

”تو میں کب اسے چھوڑ رہا ہوں۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بے قصور ہے۔ بس چند دنوں کے لیے اسے سامنے سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی احساسِ ذلت کی آندھیاں اُٹھنے لگیں گی۔“ ولید کمال نے آہستگی سے جواب دیا۔

”چلو دو چار دن بعد تم خود اسے جا کر لے آنا۔ وہ لوگ تو شاید ہم سے اس ٹاپک پر بات ہی نہیں کریں گے۔“

”دو چار دن کی بات نہیں ممی۔ آپ نمو سے کہہ دیں کہ وہ چند مہینے وہیں رہے۔“ ولید کمال نے صاف گوئی سے بغیر رد و کد جواب دیا۔

”چند مہینے......!! یہ کیسے ممکن ہے......؟“ وردہ کمال درحقیقت کچھ سمجھی نہیں۔

”اس دنیا میں کیا ممکن نہیں۔ ہم نے کون سا اللہ سے فرمائش کی تھی کہ ہمیں اس دنیا میں آنے کا شوق ہے۔“ یہ کہہ کر ولید کمال تیزی سے اُٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

وردہ کمال حیران پریشان ہکا بکا بیٹھی تھیں۔

☆☆☆☆☆

''پھوپھو...... آپ؟ اچانک...... پرسوں ہی تو آپ سے بات ہوئی۔ تب تو آپ نے اپنے آنے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔'' ماہ رُخ حیرت، خوشی، بے یقینی کی کیفیت میں مومنہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ارے راستہ رُکائی لے کر ہی کیا اندر آنے دو گی؟'' اس نے ماہ رخ کے گال پر پیار کر کے شوخی سے کہا جو ادھ کھلے دروازے میں اٹکی ہوئی تھی۔ ماہ رُخ شرمندہ ہو کر سامنے سے ہٹ گئی۔

''آپ نے حیران جو کر دیا ہے۔''

''خوش نہیں ہوئیں مجھے دیکھ کر؟'' مومنہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے مصنوعی خفگی سے گھورا۔ ماہ رُخ اس کا سوٹ کیس دھکیلتی اس کے پیچھے آنے لگی۔

''خوشی کی وجہ ہی سے تو کہہ رہی ہوں۔ اگر خوشی کی وجہ سے میں مر جاتی؟'' ماہ رُخ نے شرارت سے جواب دیا۔

''غم سے بھی لوگ ادھ موئے ہوتے ہیں۔ تم خوشی کی وجہ سے پوری کی پوری کیسے مر جاتیں؟'' مومنہ تھکے تھکے انداز میں دھپ سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑی سنجیدہ شکل بنا کر پوچھ رہی تھی۔

ماہ رُخ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ''واقعی لگتا ہے دنیا میں رونق ہی آپ کے دم سے ہے۔'' ماہ رُخ نے بہت محبت سے مسکرا کر مومنہ کی طرف دیکھا۔

''جتنی دیر کے لیے زندگی ملی ہے اتنی ہی گزاریں گے۔ اب رو کر گزاریں یا ہنس کر۔ یار! پانی وانی تو پوچھ لو۔ اب کھڑی میری آرتی ہی اُتارتی رہو گی؟'' مومنہ نے ماہ رُخ کو پھر شریر انداز میں ٹوکا اسے خود ماہ رخ کو دیکھ کر ایک روحانی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ لہجے میں بے پناہ پیار تھا۔

''اوہ سوری...... پانی تو میں لا رہی ہوں مگر ساتھ ساتھ بتا دیں کچھ کھانا بھی پسند فرمائیں گی۔''

''کھانا تو بھوک لگنے کی مجبوری ہے۔ پسند کی تو شاپنگ ہوتی ہے یا شادی''

''توبہ...... آپ سے تو حد ہے۔'' ماہ رُخ جیسے سر پیٹتی کچن میں چلی گئی۔

''ماہ رُخ بیٹا...... مہمان آئے ہیں؟'' نانا باہر باتوں کی آواز سن کر سوتے سے اُٹھ کر لاؤنج میں چلی آئیں۔

مومنہ ماہ رخ کے بیڈ روم سے نانا کو باہر آتا دیکھ کر اتنی حیرت زدہ ہوئی کہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''نانا...... آپ؟''

''ارے مومنہ...... بیٹا کب آئیں۔ میں بھی کہوں یا اللہ اتنی رات کو ماہ رُخ کس سے باتیں کر رہی ہے۔''

''السلام علیکم......!'' اب مومنہ نے خود کو سنبھال کر طریقے سے سلام کیا مگر حیرت اپنی جگہ بدستور تھی۔ ماہ رُخ پانی لے آئی تھی۔ مومنہ کی نظریں سوالیہ انداز میں ماہ رُخ کی طرف اُٹھی تھیں۔ بند بیڈ روم سے نانا کا اتنی رات کو باہر آنا حیرانی ہی نہیں تھی پریشانی بھی تھی۔

''آپ پہلے پانی پی لیں سانس لے لیں۔'' ماہ رُخ نے ادھورے جملے سے بات بنانے کی کوشش کی۔

نانا نے ماہ رُخ کی طرف دیکھا۔ ماہ رخ مومنہ کو اشارے سے خاموش رہنے کی تاکید کر رہی تھی۔ نانا نے اس کا اشارہ دیکھ لیا مگر بڑی دانشمندی سے انجان سی بن گئیں اور ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

''خیریت سے آئیں بیٹا؟'' انہوں نے مومنہ کی طرف دیکھ کر محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''خیریت کہاں نانا...... بس بہت ایمرجنسی میں آئی ہوں۔ ایک محنتی ایماندار بندہ فوراً اسپین پہنچانا ہے۔ میری دوست کے ہزبینڈ کی اچانک ڈیتھ ہو گئی ہے۔ وہ بہت اچھی طرح سب کچھ سنبھال رہے تھے۔ میں تو بہت مشکلات میں گھر گئی ہوں۔ سالوں کا بنایا ہوا سیٹ اپ ہے مذاق بات نہیں ہے۔'' مومنہ اب بہت سنجیدگی سے بات کر رہی تھی۔

''یہ تو کوئی تجربہ کار کاروباری ہوتا چاہیے۔ کاروبار ہر کسی ہوتا کس کے بس کی بات تو نہیں ہوتی۔'' ننا نے کہا۔

ماہ رُخ مومنہ کی بات سن کر خاصی پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اسی لمحے جبکہ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی روبی نیند بھری آنکھوں کے ساتھ باہر آ گئی۔

مومنہ تو اس کی شکل دیکھ کر بھونچکی رہ گئی۔

''روبی......!!'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''السلام علیکم......'' روبی نے آگے بڑھ کر مومنہ کے گال پر بوسہ بھی دیا۔

''یہ...... میرا مطلب ہے روبی......؟'' مومنہ حیران ششدر ماہ رُخ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ اب میرے ساتھ ہی رہتی ہے پھوپھو۔ تفصیلات بعد میں پوچھ لیجیے گا۔ بہت رات ہو گئی ہے آپ اب آرام کریں۔ روبی کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' ماہ رُخ کو یہی کچھ سجھائی دیا۔

''وہ تو میں دیکھ رہی ہوں بلکہ یہ مجھے بیمار کے بجائے زخمی نظر آ رہی ہے۔'' مومنہ نے بے اختیار روبی کا ہاتھ تھام لیا جو عنقریب بچے کو جنم دینے والی تھی اور اس کا سراپا اس بات کا کھلا اعلان بھی کر رہا تھا۔

''بس اب رہنے دیں۔ آپ سے کچھ چھپایا تو نہیں جا سکتا۔'' ماہ رُخ نے کہا۔

''بیٹھو روبی......'' مومنہ نے اپنے پہلو میں اس کی جگہ بنائی۔ اس کی حیرانی بدستور تھی۔

''پھوپھو آپ کو یقیناً یہ سب کچھ دیکھ کر بہت دھچکا سا لگا ہوگا۔ مگر آپ اطمینان رکھیں میں چند دنوں کے لیے آپی کے پاس ہوں۔'' روبی سر جھکائے مجرموں کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

مومنہ نے اب پریشان ہو کر ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور روبی کی خاطر بڑی رواداری سے بولی ''ارے نہیں تم پریشان مت ہو۔ یہ تو قدرتی سی بات ہے۔ تمہیں

رات کو یہاں سوتا ہوا دیکھ کر پریشانی سی تو ہوئی وہ بھی اس لیے کہ تمہارا اپنا گھر چند قدم پر ہے۔'' اس نے وضاحت سے کہا۔

''اپنا گھر......؟ کبھی تھا۔ اب کوئی گھر نہیں ہے۔ فی الحال تو دربدر ہیں۔'' روبی کے لہجے میں ایک محسوس ہونے والا کرب چھپا ہوا تھا۔

''چلو خیر...... یہ باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ تم جا کر آرام کرو اور کوئی بوجھ اپنے ذہن پر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔'' مومنہ نے روبی کے کاندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر بڑی اپنائیت سے کہا۔

''پھوپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں روبی...... تم آرام کرو۔'' ماہ رُخ نے بھی روبی سے کہا۔

''مجھے تو ایک طرح سے شرمندگی ہو رہی ہے کہ اتنی رات کو میں نے تم سب کو ڈسٹرب کر دیا۔'' مومنہ نے روبی کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر اُلجھن تھی مگر وہ خود کو بہت مہارت سے سنبھال رہی تھی۔

ننا گہری خاموشی کے ساتھ حیرت انگیز طور پر خاموش تھیں۔

''ننا آپ بھی آرام کریں۔'' ماہ رُخ نے ننا کو گہرے دھیان سے چونکا دیا۔

''اچھی بات بیٹا...... اللہ تمہاری مشکلیں آسان کرے۔ اور اس نیکی کا اجر تمہیں بہت جلد دے۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ کیسے بے گھروں کو سر چھپانے کا آسرا دیا۔ ورنہ ہم کہاں جاتے۔'' ننا اُٹھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہہ رہی تھیں۔ مومنہ نے پھر لاشعوری طور پر ماہ رُخ کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

نمو سر جھکائے گہری سوچ میں گم تھی۔ حیرت کے اُس مقام پر تھی جہاں دور تک اپنے سوالوں کے جواب نہیں ملتے۔ رات دھیرے دھیرے نوید سحر کی طرف بڑھ رہی تھی اور نمو کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا تاثر نہیں تھا۔ بدقسمتی کی کوئی انتہا ہے۔ نہ بچپن میں اپنا آنگن، نہ ماں کی نظر سے گرتے دعاؤں کے آبشار، نہ باپ کا مان۔ شوہر ملا تو نیم پاگل۔ آخر اس کا ہوگا کیا؟ کیا بنے گا؟ ماموں، ممانی کا خلوص و محبت کتنی دیر

تک ساتھ ہے؟

"سبرینہ! تمہیں یہ گھر اور تمہارا بیٹا مبارک ہو۔ میں اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔"

اُوپر لاؤنج سے انجم علوی کی تیز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ دہل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ ابھی تک وہ انجم علوی کے سامنے نہیں گئی تھی اور اسے یقین تھا کہ سبرینہ نے بھی اس کے بارے میں انجم علوی کو کچھ نہیں بتایا۔ اگر انہیں بتایا جاتا تو وہ ایک سیکنڈ کی تاخیر کیے بغیر آ کر اس سے سب تفصیلات معلوم کرتے اور شاید کوئی قیامت ہی برپا کر دیتے۔

"انجم آپ زیادتی کر رہے ہیں اب۔" سبرینہ کی آواز میں بے بسی تھی۔

"وہ میرے سامنے کبھی شرمسار ہوا؟ اس نے باپ سے معافی مانگی۔ اس نے کبھی باپ کے لیے جذبۂ تشکر کا اظہار کیا؟ وہ باپ جس نے اسے شہزادوں کی طرح رکھا۔" انجم علوی کی آواز بہت بلند نہیں تھی مگر خفگی کا تاثر ہنوز تھا۔

"معافی مانگ لے گا۔ جب بھی آپ کے سامنے آئے گا۔ ابھی اس کی حالت بہت خراب ہے۔ آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔" سبرینہ نے جیسے پھر منت کی۔

نمو بری طرح پھنس گئی تھی۔ اُوپر اپنے کمرے میں جاتی تو لاؤنج سے گزرنا تھا۔ اگر انجم علوی اپنی رو میں بولتے ہوئے نیچے آ جاتے تو سامنا لازمی ہوتا۔ حقیقت زیاد عرصے چھپ تو نہیں سکتی تھی مگر اس وقت جو گھر میں صورت حال تھی نمو کی طرف سے بڑ خبر انجم علوی کے لیے ایک اور اذیت ناک صورت حال کا باعث بن سکتی تھی۔ پھر کچھ انتہائی بات ہوتی پھر رمیض بری طرح پھنس سکتا تھا۔ آخر اسی کی وجہ سے ہی تو آج د ولید کمال کے ردِ عمل کو بھگت رہی تھی۔ انجم علوی کے لیے تو یہ بہت بڑا تازیانہ تھا۔

"انجم وہ آپ سے معافی بھی مانگے گا اور اس طرح اس گھر میں رہے گا جس طرح آپ چاہتے ہیں۔ بیٹے کا احساس اپنی جگہ مگر آپ میرے شوہر ہیں۔ میری زندگی میں آپ کی اہمیت ہے۔ آپ سے بیٹے کا مقابلہ نہیں ہے۔" سبرینہ پوری ہوش مندی

انجم علوی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"آپ کسی صورت گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔" اب سبرینہ کا لہجہ قطعی اور فیصلہ کن تھا۔

"ہائیں...... کیا ماموں جان گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟" نمو کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

کسی طرح اگر ممانی جان نے اس وقت ماموں جان کو روک بھی لیا تو اس کو گھر میں بیٹھا پا کر اور جان کر کہ ولید نے اسے ایک طرح سے اپنے گھر سے نکال دیا ہے وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر بیٹھیں گے۔ نمو کا خوف و ہراس کی کیفیت میں ذہن بڑی تیزی سے چلنے لگا۔

اس نے کوئی لو میرج نہیں کی ہے۔ اس کے ساس سسرا سے بیاہ کر لے گئے ہیں۔ وہ صرف ولید کی نہیں بلکہ اس کے ماں باپ کی بھی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی ساس سے بات کرے گی۔ صبح خود یہاں سے چلی جائے گی اور ان سے اپنا اور اپنے ماموں کا قصور پوچھے گی۔ ایک خیال تیزی سے آیا اور ٹھہر گیا۔

انتہائی صورتِ حال میں اس کے وجدان نے کام کر دکھایا تھا۔ اس کو ولید جان سے مار دے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ وہ یہاں نہیں رہے گی۔ اپنے پیارے ماموں کو نئی آزمائش میں نہیں ڈالے گی۔ محبت کی قوت نے آن کی آن میں ایک کمزور لڑکی کو مضبوط بنا دیا اور یہ سوچ کر اندر کی جنگ فوراً تھم گئی جو گھنٹوں سے برپا تھی۔

☆☆☆☆☆

"اوہ...... یہ شخص تو بہت شقی القلب ہے۔ اسے اپنے ہونے والے بچے کا بھی خیال نہیں آیا۔" مومنہ کو تو ایک کھوج لگی تھی وہ سب کچھ جانے بغیر کیسے سو سکتی تھی۔ دونوں ڈرائنگ روم میں کشن سر کے نیچے رکھے کارپٹ پر دراز تھیں کہ بیڈروم میں تو ننا اور روبی سو رہی تھیں۔

"وہ ذہنی مریض ہے پھوپھو۔ وہ نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اس کا ٹھکانہ پرسکون گھر نہیں بلکہ ہاسپٹل ہونا چاہیے۔" ماہ رُخ نے اب اپنا مکمل تجزیہ اختصار کے ساتھ پیش کر دیا۔

''ہر وہ انسان جو حقائق جانے بغیر عجلت میں بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے ابنارمل ہے اور بدقسمتی سے دنیا میں یہی لوگ اکثریت میں ہیں۔ نارمل لوگوں کی اکثریت ہوتی تو دنیا میں دور تک امن دکھائی دیتا۔'' مومنہ گہرے تاسف کے حصار میں تھی۔

''اب تم کیا سوچتی ہو۔ روبی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہو؟ اور اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس کی ہمدرد بننا چاہتی ہو۔'' مومنہ نے چند لمحے سوچنے کے بعد خود کلامی کے انداز میں بات کی۔

''پھوپھو اس کی حالت تو دیکھیں۔ معاف کیجیے گا اگر ہم سرا پکڑنے کی کوشش کریں تو اس کی اس حالت کے ذمہ دار بھی ہیں۔ بلکہ میں ہوں۔'' ماہ رُخ نے اپنے حساب سے انصاف کی بات کی۔

''واہ...... ہم کیوں ہیں؟ ذمہ داری صرف اور صرف وقار پر آتی ہے۔ اس نے روبی کے سامنے خود کو کنوارا کیوں پیش کیا۔ اس نے اپنی پہلی شادی اور شادی کے بعد کی اکھاڑ پچھاڑ روبی کو کیوں نہیں بتائی۔ تم نے تو اپنی جان کو فالتو سمجھا ہوا ہے۔ ہر الزام اپنے سر لینے کو تیار بیٹھی ہوتی ہو۔'' مومنہ نے ماہ رُخ کو زبردست جھاڑ پلائی۔

مومنہ کا جواب اتنا مکمل تھا کہ ماہ رُخ کے پاس اب کوئی جواب نہ تھا۔

☆☆☆☆☆

جب تک انجم علوی اور سبرینہ کی بحث جاری رہی نمو دم سادھے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ جیسے ہی چہار سو گہرے سناٹے نے ڈیرہ ڈالا نمو نے گہری سانس لے کر سامنے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

رات کے دو بجنے والے تھے۔ وہ کلاک سے نظریں ہٹا کر چند لمحے کچھ سوچتی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھی اور فون سیٹ کی طرف بڑھی۔ اس کے چہرے پر وہ سکون ظاہر تھا جو کسی فیصلے پر پہنچنے کے بعد خود بخود چہرے پر جھلکنے لگتا ہے۔ جو اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ اب اندر کوئی جنگ نہیں۔ اکھاڑ پچھاڑ ختم ہو چکی۔ اس نے آہستگی سے نمبر پش کیے۔ وہ وردہ کمال کو کونٹیکٹ کر رہی تھی۔

رات کے اس پہر تو نیند ہر طرف قدم جماتی ہے اسی لیے کال ریسیو ہونے میں وقت لگا تھا۔ بہرحال دوسری طرف ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

''ہیلو......'' ایئر پیس میں سعید کمال کی پُروقار آواز اُبھری۔ آواز میں نیند کا کوئی تاثر نہ تھا۔

''السلام علیکم...... بابا جان! نمو بات کر رہی ہوں۔'' وہ محتاط انداز میں بولی۔

''وعلیکم السلام...... بیٹا! خیریت؟ اس وقت......؟'' اب سعید کمال کی آواز میں فکرمندی کا تاثر تھا۔

''بابا جان! ممی سے بات ہو سکتی ہے؟'' نمو نے بمشکل نئے سرے سے اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ویسے تو سب خیریت ہے ناں بیٹا......؟'' سعید کمال کو رات کے اس پہر اندیشے ستانے لگے تھے۔ اتنی رات کو نمو کا فون آنا کوئی خاص بات ہی کا موجب تھا۔

''جی...... آپ پریشان نہ ہوں۔ بس مجھے ممی سے ضروری بات کرنا ہے۔'' نمو کو سعید کمال سے کھل کر بات کرنے میں حجاب مانع تھا۔

''ایک منٹ ہولڈ کرنا۔ میں بات کراتا ہوں۔ اصل میں میں نے لاؤنج میں اٹینڈ کر لیا تھا۔''

نمو خاموشی سے وردہ کمال کی آواز اُبھرنے کا انتظار کرنے لگی۔

''ہیلو......'' وردہ کمال کی نیند میں ڈوبی آواز نے نمو کو اپنے دھیان سے چونکا دیا۔

''السلام علیکم ممی......'' اس نے خود کو سنبھال کر نارمل انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا...... خیر ہے اتنی رات کو؟'' وردہ کمال پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''ممی آپ نے تو پوچھا تک نہیں کہ میں اچانک ماموں جان کے ہاں کیسے آ گئی۔ آپ سے کیوں نہیں ملی؟'' نمو کے لہجے میں اب کوئی مصلحت نہیں تھی۔

''میں نے ولید سے پوچھا تھا۔ کہنے لگا میں خود چھوڑ کر آیا ہوں۔ مجھے اس کا موڈ

بہت خراب لگ رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اسے نہیں کریدا۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ اس نے رات والے واقعے کے بعد اپنے غصے کا اظہار ضرور کیا ہوگا۔ مگر تم پریشان مت ہو میں ایک دو روز میں خود تمہیں آ کر لے جاؤں گی۔"

"ممی......! آپ کو آنے کی ضرورت نہیں۔ میں صبح صبح خود آ جاؤں گی۔ میں ماموں جان کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ اس وقت تو میں نے صرف آپ سے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے کہ میرے آنے پر آپ کو یا بابا جان کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟ ولید جو بھی کریں وہ میں فیس کرنے کو تیار ہوں۔"

"شاباش۔ یقین کرو تمہاری بات سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ گھر بسانے والی لڑکی میں یہی جذبہ ہونا چاہیے اور تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ مجھے یا سعید کو تمہارے اپنے گھر واپس آنے پر اعتراض ہوگا۔ تمہیں اپنی مرضی سے بہو بنا کر لائے ہیں۔ تمہارا تماشا بنائیں گے تو ہمارا اپنا تماشہ بنے گا۔ میں تو بس ولید کی وجہ سے تھوڑی احتیاط کر رہی تھی کہ تمہیں مزید کوئی پریشانی نہ ہو۔ کوئی دکھ نہ پہنچے۔" وردہ کمال کے لہجے کی اپنائیت نے نمو کے سر سے گویا منوں بوجھ سرکا دیا۔

"شکریہ ممی......اب مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں اب پرسکون ہوں۔" نمو نے ہلکی پھلکی کیفیت میں جواب دیا۔

"یہ تمہارا گھر ہے نمو......تمہیں یہاں آنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ولید کا غصہ تو برداشت کر سکتے ہیں، زیادتی نہیں۔" وردہ کمال کے لہجے میں بڑے پن کا استحقاق واضح تھا۔

"ٹھیک ہے ممی۔ میں صبح آ جاؤں گی۔"

"او کے میری جان......اطمینان رکھو ہم کسی کے بدلے کسی اور سے لینے والے لوگ نہیں ہیں۔ میرے اپنے آگے بھی بیٹیاں ہیں۔"

"ایک بار پھر شکریہ ممی۔" نمو کے لہجے میں دلی تشکر کی کیفیت کا اظہار تھا۔

☆☆☆☆☆

"مجھے پہچانو بابا......میں ایک مرتبہ صبح سے کچھ پہلے یہاں آئی تھی۔ اس ہٹ میں ایک لڑکا بھی تھا جس کا یہ ہٹ ہے۔" نشاط افزا ننگے پاؤں ننگے سر کھڑی ہٹ کے چوکیدار سے مخاطب تھی۔ اس کی آواز میں لرزش سی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"اوہ......اچھا اچھا......ام کو یاد آیا۔ تمہارے پیچھے کوئی بدمعاش لگا تھا۔ چھوٹے صاحب نے ان کو بھگایا تھا۔ پھر تم کو ادر لے کر آیا تھا۔" چوکیدار بابا کو فوراً یاد آ گیا۔

"ہاں ہاں......میں وہی ہوں۔ مجھے تمہارے چھوٹے صاحب سے بات کرنا ہے۔" نشاط افزا کے انداز میں عجلت تھی۔

"او تو اِدھر نہیں ہے۔ تم بیٹھو پانی مانی پیو۔" چوکیدار بابا نے جلدی سے حق میزبانی نبھایا۔ اور بوسیدہ سی چارپائی کی طرف اشارا کیا۔

وہ نشاط افزا کا حال حلیہ دیکھ کر بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

"میری بات کراؤ چھوٹے صاحب سے۔ جلدی کرو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔" نشاط افزا پر کمال کی عجلت سوار تھی۔

"اس کا تو نمبر امارا پاس نہیں ہے۔ بڑے صاحب کا ہے۔ آپ بولو تو اس سے بات کراتا اے۔" چوکیدار نے پریشان نظروں سے نشاط افزا کے سراپے کو دیکھا۔

"ہاں ہاں اسی سے بات کراؤ۔" نشاط افزا نے اسی سابقہ پر عجلت انداز میں کہا۔

"پر اِدر تو امارا پاس ٹیلی فون نہیں ہے۔ صاحب نے موبائل فون دیا تھا۔ پھر ادر مہمان آیا او تو چوری ہوا۔" چوکیدار بابا کے لہجے میں کام نہ آنے پر ندامت سی تھی۔

"میرے پاس فون ہے۔ تم مجھے نمبر دو میں ملاتی ہوں۔" نشاط افزا نے بغل میں دبا ہوا چھوٹا سا پرس نکال کر جلدی سے کھولتے ہوئے کہا۔

"تم اِدھر بیٹھو ام بار (باہر) کا بتی جلاتا ہے۔" چوکیدار نے اندر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں......بتی مت جلانا۔ میں موبائل کی لائٹ میں نمبر پڑھ لوں گی۔" نشاط افزا نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہا۔

چوکیدار نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

سبرینہ بیڈروم میں جا چکی تھیں۔ انجم علوی نڈھال سے انداز میں ابھی تک اُوپر لاؤنج میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ جیسے کوئی حتمی فیصلہ کر کے ہی وہاں سے اُٹھنا چاہتے ہوں۔

موبائل جیب میں وائبریٹ ہوا۔ وہ بری طرح چونک پڑے۔ رات کے تین بجے کس کا فون آ گیا؟ انہوں نے اُلجھتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا اور نمبر دیکھا۔ نمبر نیا تھا۔ انہوں نے گہری سانس لی۔ رانگ نمبر ہوگا۔ وہ تو جانے پہچانے نمبر پر بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ انجان نمبر پر کیا گرم جوشی دکھاتے۔ انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔ رابطہ منقطع ہوتے ہی سیل پھر وائبریٹ ہوا۔ انہوں نے بے زارکن انداز میں کال رسیو کی۔

''ہیلو......'' ان کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

''السلام علیکم...... آپ انجم انکل بات کر رہے ہیں؟''

رات کے آخری پہر ایک نہایت دل پذیر نسوانی آواز سماعت سے ٹکرائی تو تمام برف پڑے حواس سرگرم ہو گئے۔

''آپ......؟ معاف کیجیے میں آپ کو پہچان نہیں پایا۔''

لفظ انکل نے انہیں بہت محتاط کر دیا تھا۔ اب بڑی نرمی سے پوچھا تھا۔

''انکل مجھے آپ کی Help کی ضرورت ہے۔ مجھے آپ کے گھر آنا ہے اور میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں۔'' آواز کی دوشیزگی پر سراسیمگی کا تاثر تھا۔

''میرے گھر......؟ اس وقت؟ آپ کہاں سے بات کر رہی ہیں۔ اپنا تعارف تو کرائیے۔'' انجم علوی تو محاذ پر روانہ ہونے والے سپاہی کی طرح فل الرٹ ہو چکے تھے۔

''انکل آپ سے ملوں گی تو اپنا تعارف بھی کرا دوں گی۔ ویسے اس وقت میں آپ کے ہٹ میں ہوں۔'' دوشیزہ نے اب قدرے اعتماد سے بات کی۔

''م...... میرے ہٹ میں۔ اور کون ہے آپ کے ساتھ؟'' انجم علوی گھبراہٹ میں بے اختیار کھڑے ہوئے پھر دوبارہ بیٹھ گئے۔

''کوئی نہیں انکل۔ میں ہوں اور آپ کا چوکیدار۔'' دوشیزہ نے جواب دیا۔

''پلیز انکل! مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دے دیجیے۔ ورنہ میں سمندر میں کود کر اپنی جان دے دوں گی۔'' اب دوشیزہ کے لہجے میں قطعی پن اور دھمکی تھی۔

سمندر بھی ہٹ کے سامنے ہی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ان کے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا۔ جس نے پہلی چھلانگ ہی رمیض کی طرف لگائی۔

''بیٹا......! کیا آپ رمیض کی دوست ہو؟'' ان کے لہجے میں ہچکچاہٹ سی تھی۔

''نہیں...... نہ میں اس کی دوست ہوں نہ دشمن۔ وہ اتنا خاص نہیں ہے کہ میں اس کے لیے غور و خوض کرتی یا اس سے دوستی کی تمنا کرتی۔'' اُدھر سے سرد لہجے میں بڑا پتھریلا جواب آیا۔

انجم علوی حیرت کے جھٹکے سے جیسے ہل کر رہ گئے۔ یہ واحد لڑکی تھی جس کی نظر میں حسین جواں مرد رمیض کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان کی ایک ایک حس اس لڑکی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ بیٹا جس کے مردانہ حسن کی وجہ سے وہ آئے دن مختلف عذابوں سے گزرتے تھے۔ اس لڑکی کی نظر میں کچھ بھی نہیں تھا۔

''آپ کا اس وقت یہاں آنا بہت مشکل ہوگا۔ آپ ہٹ میں تشریف رکھئے اور بیٹا اگر میں واقعی آپ کی کوئی Help کر سکا تو ضرور کروں گا۔''

انجم علوی کو یہ معلوم ہوتے ہی کہ اس لڑکی کو رمیض سے کوئی دلچسپی نہیں فوراً اُس کی مدد کا خیال ہوا۔ بیٹے کی طرف سے ذہن پر تنی کدورت کی چادر سرک کر ایک طرف ہو گئی۔ اب سامنے ایک تنہا بے یار و مددگار لڑکی تھی جو رات کے آخری پہر ان سے مدد مانگ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''شاداب بیٹا! اب اپنے دماغ کو ٹھنڈا کر لو۔ بہن پر بھروسہ کرو جو تمہاری وجہ سے وہاں قیدی بنی ہوئی ہے۔'' بانو بیگم نڈھال سے انداز میں شاداب کو سمجھا رہی تھیں جو نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر دھول میں اٹا ہوا بے ترتیب بالوں میں عجیب وحشت

زدہ نظر آ رہا تھا۔

''امی......! وہ آپا کو اب کبھی یہاں نہیں آنے دیں گے۔ مجھے نہیں چاہیے یہ شرمناک زندگی......اور بہن کا احسان۔ میں کیوں سر جھکاؤں آخر۔ میں نے کیا کیا ہے جو بلیک میل ہوتا رہوں؟'' شاداب نے پاؤں سے جرابیں کھینچتے ہوئے تلخی سے جواب دیا جس کے آخر میں سوال بھی تھا۔

''بیٹا مشکل سے نجات کے لیے ٹھنڈے دماغ سے کام لینا پڑتا ہے۔ ذرا صبر کرو نیا خود یہاں واپس آنے کے لیے راستے ڈھونڈ رہی ہوگی۔ اس نے کون سا اپنی خوشی سے یہ زنجیر پہنی ہے۔'' بانو بیگم نے نرم لہجے میں بولتے ہوئے شاداب کے دھول میں اُٹے ہوئے بالوں میں اُنگلیاں پھیریں۔

''امی ہم لوگ اسی طرح سہمے ہوئے لوگوں کی طرح صبر کرتے رہیں گے تو ان ظالموں کو سبق کون سکھائے گا؟'' شاداب جھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''یہ صدیوں کے اندھیرے اور تم اکیلے؟'' بانو بیگم نے شکستہ لہجے میں کہا۔

''کوئی ایک ہی پہل کرتا ہے۔'' شاداب نے برجستہ کہا اور قدم آگے بڑھائے۔

''میں اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان گاہ پر چڑھانے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔'' بانو بیگم نے بے بسی سے کہا۔

''آپ جیسے کم ہمت اور خوفزدہ لوگوں کی وجہ سے یہ لوگ پھل پھول رہے ہیں۔ آپ میرے راستے مشکل نہ بنائیں۔ آپا کو کہہ دیں جتنی جلدی گھر واپس آسکتی ہیں آجائیں۔ ورنہ میں کچھ کرکے دکھادوں گا۔'' شاداب نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور زینہ چڑھنے لگا۔

بانو بیگم کے چہرے پر بے بسی کمال کو چھونے لگی۔

''نہا دھو کر کھانا تو کھاؤ گے ناں؟'' انہوں نے پوچھا ساتھ ہی ایک ٹھنڈی سانس بھی سینے سے آزاد کی۔

''آپ کا کیا خیال ہے میں رات تین بجے تک بھوکا مرتا ہوں۔ بہت اچھا کھانا

کھایا تھا۔ اب آپ آرام کریں۔'' شاداب نے آخری اسٹیپ پر قدم رکھا اور پلٹ کر ماں کو جواب دیا۔ بانو بیگم کو ایک سکھ کا احساس ہوا۔

ایک ماں کی سب سے بڑی پریشانی یہی ہوتی ہے کہ اس کی اولاد بھوکی ہو۔

☆☆☆☆☆

نیا ایک تک چھت کو گھور رہی تھی۔ وہ اپنے بیڈ پر لیٹی کتنی دیر سے سوچ رہی تھی۔ سہیل اسے اپنے ہونے کا احساس دے کر، اکیلا چھوڑ کر جانے حویلی کے کس کمرے میں تھے۔ اس کے دماغ میں بس ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا کہ سہیل نے تو کہہ دیا کہ وہ اسے اپنا چکے ہیں اور جو انہوں نے کیا ہے اس کا تاوان دینے کے لیے تیار ہیں لیکن معاملہ تو اب سمن کا تھا۔ سمن بھی تو ان کی زندگی میں شامل تھی۔ سمن کو وہ کیسے قائل کریں گے، کیسے سمجھائیں گے؟ اور کیا سمن ان کی بات پر یقین کرلے گی۔ سمن کو کیا یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ ایک چاہنے والا مرد کسی اور عورت کے ساتھ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آسکتا ہے اور جو مرد کمزور لمحے کی گرفت میں آجائے کیا وہ قابل اعتبار ہوتا ہے۔ بے اعتباری کا یہ احساس سمن کو مار ڈالے گا۔ وہ تو اب تک صرف اور صرف سہیل کی محبت کے سہارے جی رہی تھی اور بڑے حوصلے سے جی رہی تھی۔ سب کچھ سہہ رہی تھی صرف ایک محبت کے یقین پر۔ اس کی تو جمع پونجی لٹ جائے گی۔ وہ کیا کرے گی؟ لیکن میرا کیا قصور ہے؟ میں نے سمن کے ساتھ کوئی بے وفائی نہیں کی۔ میرے بھائی کا معاملہ تھا۔ میں نے سہیل کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب تو نہیں دیکھا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا کیا اس میں میرا کوئی قصور ہے اور کیا سمن میری بات کا اعتبار کرلے گی؟

☆☆☆☆☆

سامنے رمیض کا باپ تھا۔ وہ رمیض جب برے وقتوں میں سب سے پہلے خیال ہی رمیض کا آیا تھا۔ سامنے رمیض کی بجائے رمیض کا باپ کھڑا تھا۔

''آپ کہاں سے آئی ہو بیٹا؟'' انجم علوی نے نشاط افزاء سے سوال کیا۔

''انکل میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ ابھی میرے ذہن میں ایسی آندھیاں

چل رہی ہیں کہ میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے کسی عذاب سے گزر رہی ہوں۔" نشاط افزا کے لہجے میں ایک محسوس کرنے والا کرب تھا۔

"او کے بیٹا! آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیے۔ وہاں پر رمیض ہے، اس کی ماں ہے اگر آپ کو مجھے کچھ بتاتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے تو آپ اپنی ہر بات رمیض کی ماں سے کہہ سکتی ہیں۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں آپ کی مدد کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔" انجم علوی اس کے حسن کے سر سے بے پروا نہیں تھے۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ حسن سب سے ارزاں سفارش ہے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو الگ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس سے جان چھڑانے کا نہیں سوچ رہے تھے بلکہ ان کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کہ اس لڑکی کی مدد کر دینی چاہیے۔ جو کہ اس حال میں تھی کہ مدد کیے جانے کی مستحق دکھائی دیتی تھی۔

"تھینک یو انکل......!" نشاط افزا نے کہا۔

"آپ میرے ساتھ آؤ بیٹا اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" انجم علوی نے کہا

"میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی انکل......" نشاط افزا نے متشکرانہ لہجے میں کہا۔

☆☆☆☆☆

"وہ نیچے مہمان آئے ہیں۔" انجم علوی سبرینہ کا کاندھا ہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

سبرینہ نے چونک کر نیند بھری آنکھوں سے انجم علوی کی طرف دیکھا "مہمان...... اس وقت......!!! اس وقت کون سے مہمان آ گئے؟ کچھ بتائیں تو سہی۔ صرف مہمان کہہ رہے ہیں۔ مہمان کا کوئی نام تو ہوگا؟" وہ اپنے ذہن پر تنی نیند کی چادر ہٹاتے ہوئے پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھیں۔

"آؤ...... نیچے چلتے ہیں۔ تم خود دیکھ لو کون مہمان ہیں۔ پھر اس مہمان سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنا ہیں۔ وہ مجھے کرنا ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے ہوں تو بہتر ہے؟"

"یا اللہ......! کیا پہیلیاں سی بجھوا رہی ہیں۔ خدا کے لیے مجھے کچھ بتائیں میں پریشان ہو رہی ہوں۔ کیا رمیض کے......؟" وہ بولتے بولتے جھجک کر رُک گئیں۔ خوف ان کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ انجم علوی کی طرف دیکھتے ہوئے کترا رہی تھیں۔

"ہاں...... ان مہمان کی آمد رمیض ہی کی وجہ سے ہے لیکن اس وجہ سے نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ میرا خیال ہے باقی باتیں ہم اس کے سامنے ہی کرتے ہیں اور تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جلدی سے نیچے آ جاؤ۔" انجم علوی نے اتنا کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

سبرینہ حیران پریشان انہیں جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ پھر اک دم ہڑبڑا کر بستر سے اُتر آئیں۔ انہوں نے اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھیں۔ اب ان پر اتنی عجلت سوار ہو چکی تھی کہ وہ ڈریس تبدیل کرنے والے مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہوں نے وارڈ روب سے ایک شال نکالی اور عجلت بھرے انداز میں اس کو کھول کر جھٹکا اور لپیٹ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

نشاط افزاء چاروں طرف نظریں گھمائے گھر کی عمارت کا، گھر کے اسٹیٹس کا بنظر غائر جائزہ لے رہی تھی۔ اُسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ اس ملک کے دو فیصد گھرانوں میں سے ایک گھرانے میں پہنچ چکی ہے اور یہ امر اس کے لیے باعث اطمینان تھا کہ ان لوگوں میں وہ رئیسوں والی تمکنت اور بے ضمیری محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بہت خوبصورت ڈیکوریشن پیسز، ناچتی ہوئی ایک گڑیا، اُس کے پاؤں میں بندھے ہوئے گھنگھرو جو ٹیبل پر ہلکے ہلکے موو کر رہی تھی۔ دور ایک سونے کے کلر کا خوبصورت سا گھوڑا جس کے اُوپر ایک تیرانداز بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر تیرانداز کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسی لمحے انجم علوی زینہ اُتر کر نیچے آ گئے۔ وہ ایک دم سنبھل گئی۔

"بیٹا......! آپ ایزی فیل کریں۔ میری مسز آ رہی ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں، آرام سے بیٹھیں۔ ہم آپ کی بات سنیں گے اور جو آپ کی مدد ہو سکی وہ ضرور کریں گے۔" انجم علوی نشاط افزاء کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

اب ان کی نظر میں وہ بے ساختگی اور حسن جہاں سوز کے لیے حیرانی نہیں تھی۔ اب ان کی آنکھوں میں وہ لحاظ تھا جو کہ ایک باپ کی نگاہ میں بیٹی کے لیے ہوتا ہے۔

''انکل! میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ تو میرے لیے جیسے رحمت کا فرشتہ بن گئے ہیں۔ شاید جس طرح سے آپ مجھے Help کر رہے ہیں اس طرح سے رمیض مجھے Help نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ نے مجھ پر بہت احسان کیا۔'' نشاط افزا نے ہلکی سی لرزتی ہوئی آواز میں انجم علوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! سوری......! میں آپ سے یہ پوچھنا ہی بھول گیا کہ آپ نے کچھ کھانا وانا بھی کھایا ہے یا......''

''ٹھیک ہے انکل آپ پلیز...... اس طرف نہ سوچیں۔ مجھے اسی وقت بالکل کسی چیز کی تمنا نہیں ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ بھوک ہی مری ہوئی ہے۔ بھوک کا، پیاس کا اس وقت احساس اس وقت مجھ سے بہت دور ہے۔ میں تو بس ایک نجات کا راستہ چاہ رہی ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں ایک تاریک سرنگ سے گزر رہی ہوں اور میرے اندر ایک اُمید ہے کہ کچھ دیر بعد میں اس سرنگ کو طے کر لوں گی۔ اس سرنگ سے باہر نکل جاؤں گی۔'' نشاط افزا کے لہجے میں ابھی بھی دھیما پن اور ایک گہری سوچ کا تاثر تھا۔

''انشاء اللہ......'' انجم علوی نے بہت جذبے سے کہا اور انہیں اچھا لگا کہ یہ لڑکی پریشان ہونے کے باوجود اچھی اُمید کے ساتھ ہے۔

اسی وقت سبرینہ تیزی سے بلکہ ایک انداز میں گرتی پڑتی زینہ اترتی نیچے آ گئیں۔ کیونکہ انہوں نے گیلری سے ہی سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی ایک بے پناہ حسین و جمیل لڑکی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کا حسن دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ اب ان کو صرف یہ وحشت تھی کہ انجم علوی ایک اتنی حسین، خوبصورت لڑکی کو لے کر یہاں کیوں آئے ہیں یا وہ لڑکی ان کی وجہ سے یہاں کیوں آئی ہے؟ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟ یہ لڑکی کون ہے؟ انجم علوی کے انداز میں اتنی مہربانی اور اتنا دھیما پن کیوں ہے اس کے لیے؟ انجانے اندیشوں سے ان کا دل کانپنے لگا۔

''یہ کون ہے؟'' وہ اسی خوفزدہ انداز میں انجم علوی سے مخاطب ہوئیں۔

''السلام علیکم آنٹی......'' نشاط افزا کی دل پذیر، دل کش اور پرسوز آواز سبرینہ کو مزید حیران کر گئی۔ وہ تو ان کو آنٹی کہہ رہی تھی۔

انہوں نے بے ساختہ انجم علوی کی طرف دیکھا۔ انجم علوی نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سبرینہ کسی روبوٹ کی طرح بیٹھ گئیں اور ایک ٹک نشاط افزاء کے سراپے اور چہرے کا جائزہ لینے لگیں۔ ان کی حیرت کمال پر تھی۔ نشاط افزا کو دیکھ کر پھر انہوں نے انجم علوی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''بیٹا......! یہ آپ کی آنٹی ہیں اور ان کی موجودگی میں میرے خیال میں آپ اور زیادہ ایزی فیل کر رہی ہوں گی۔ اب آپ ہمیں جو کچھ بتانا چاہیں اور جس قسم کی ہم سے مدد چاہتی ہیں وہ بیان کریں تاکہ ہم جتنی جلدی ہو سکے آپ کا مسئلہ حل کریں اور اگر آپ کے والدین یا کوئی قریبی رشتہ دار جن کے پاس آپ جانا چاہتی ہیں، رہنا چاہتی ہیں۔ اُس سلسلہ میں ہم آپ کی مدد کر سکیں۔ میں تو آپ سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ آپ رمیض سے کیوں ملی تھیں؟ کہاں ملی تھیں؟ کیسی ملی تھیں؟''

''وہ میں آپ کو بتا دوں گی انکل۔ جب میں آپ کو اپنی کہانی سناؤں گی تو اس کہانی میں ہی آپ کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ میں رمیض سے کہاں ملی تھیں، کیسے ملی تھیں، کیوں ملی تھی؟''

''تم...... تم رمیض کی دوست ہو؟'' سبرینہ اب بری طرح حواس باختہ ہو گئیں کہ یا اللہ! کیا اب کوئی نیا عذاب نازل ہوا ہے۔

''نہیں آنٹی! میں رمیض کی دوست نہیں ہوں۔ بس ایک بار اُس نے میری مدد کی تھی اور ایک بار میں نے اس کی مدد کی تھی۔ اس سے زیادہ ہمارا کوئی آپس میں تعلق نہیں اور بہت دنوں سے نہ میں نے اسے دیکھا ہے اور نہ میرا اُس سے کوئی رابطہ ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ وہ جو آپ کا ہٹ ہے وہ میرے لیے نجات کا راستہ بن گیا۔ میں وہاں پہنچی۔ میں یہ سوچ کر وہاں گئی تھی کہ رمیض وہاں ہوتا ہے لیکن چوکیدار سے پتہ چلا کہ

اب وہ یہاں نہیں ہوتا۔ چوکیدار نے انکل سے میری بات کرائی اور میں نے انکل سے اپنی Help کے لیے کہا اور پھر انکل مجھے لے کر یہاں آ گئے۔'' نشاط افزا نے تفصیلاً جواب دیا۔

''اوہ......'' سبرینہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''تو یہ بات ہے'' انہیں اب قدرے اطمینان بھی ہوا کہ یہ لڑکی ان کے بیٹے کے لیے کوئی نئی آزمائش یا نیا امتحان بن کر نہیں آئی۔ اب انہیں تجسس ہوا کہ یہ کون ہے اور ان سے کس قسم کی مدد چاہتی ہے۔ وہ کہاں رہتی تھی؟ وہ کہاں سے آئی ہے؟ وہ شادی شدہ ہے؟ غیر شادی ہے، اس کے ماں باپ کون ہیں؟ اُس پر ایسی کیا مصیبت آئی ہے کہ اسے اتنی رات کو غیروں سے مدد مانگنے کی ضرورت پیش آئی۔ ساتھ ہی ایک سوال ان کے ذہن میں اُبھرا کہ اس نے رمیض کی کیا مدد کی تھی۔ کیا یہ ان دنوں رمیض سے ملی تھی جن دنوں رمیض گھر سے باہر تھا۔ انجم علوی نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ مگر اب وہ رمیض کے بارے میں سوال کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے کہ ان سوالوں سے زیادہ اہم سوال یہ تھا کہ وہ کون ہے؟ اتنا بے مثال حسن، اتنا پروقار شائستہ لہجہ، ایک تمکنت، ایک خاندانی پن، حسن پروقار، عجیب سا ایک شاہانہ پن اس کے انداز نشست میں بھی تھا اور انداز بیاں میں بھی۔ اور حلیہ اس کا کہہ رہا تھا کہ وہ بہت برے حالات سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے۔

''ہاں بیٹا بتاؤ......؟ کچھ بولو؟ رات بہت ہوگئی ہے۔ سبرینہ! میرا خیال ہے کہ تم اسے کچھ کھانے کو دو۔ جو اس کا حال ہے اس سے تو لگتا ہے کہ پتہ نہیں اس نے کب کچھ کھایا ہوگا۔'' انجم علوی نے ہمدردی سے کہا۔

نشاط افزا ان کی طرف دیکھ کر کسی خیال کے تحت چونک پڑی ''ارے......رمیض نے تو یہ کہا تھا کہ اُس کا باپ انتہائی ظالم اور جابر ہے۔ اس کی ماں کو بہت مصیبت میں رکھا ہوا ہے، اس پر تشدد کرتا ہے۔ اس نے اپنے باپ کی کچھ ایسی تصویر کھینچی تھی کہ بس وہ ہلاکو خان اور چنگیز خان کے کچھ قریب قریب بات جاتی تھی اور یہ دونوں میاں بیوی، ان کے درمیان تو کچھ ایسا محسوس نہیں ہوتا۔ تو کیا رمیض نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا؟

لیکن کیوں؟''

''بیٹا کیا سوچنے لگیں؟'' سبرینہ نے اس کو اس کے دھیان سے چونکایا۔

''نہیں آنٹی! کچھ نہیں......بس ویسے ہی۔''

''انجم......! میرا خیال ہے یہ بچی بہت تھکی ہوئی ہے۔ میں اس کو کچھ کھلا پلا کر دیکھتی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ اس کو کچھ آرام کرنے دیا جائے۔ جو بات بھی اس نے بتانی ہے وہ صبح بھی تو بتائی جا سکتی ہے۔ حالانکہ سچ پوچھیں تو مجھے بڑی بے تابی ہے اس کے بارے میں جاننے کی لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں کہ پتہ نہیں کہاں سے آئی ہے؟ اور اس کے پاؤں میں تو چپل بھی نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں اس کے پاؤں پر دھول ہی نہیں کیچڑ بھی لگا ہوا ہے۔'' سبرینہ کی نظر اچانک اس کے پاؤں پر پڑ چکی تھی۔

''میرا خیال ہے تمہاری آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا۔ تم کچھ کھا پی لو اور ریسٹ کرو۔ یہ ہماری تمہارے ساتھ بہت زیادتی ہوگی کہ ہم تمہیں تمہارے بارے میں جاننے کے لیے مزید تھکائیں۔ سبرینہ میرا خیال ہے کہ اسے کوئی نمو کے کپڑے وغیرہ دے دو پہننے کے لیے۔ یہ تھوڑا فریش ہو جائے، دھول مٹی تو اُتارے۔''

''اُف میرے خدایا......! بیٹا! مائنڈ نہیں کرنا تمہیں دیکھ کرنا...... مجھے کوئی بہت زمانوں پہلے ہاتھ کی بنی ہوئی بہت خوبصورت پینٹنگ یاد آ رہی ہے۔ تم کسی پینٹنگ سے کم تو نہیں لگ رہیں۔ حیرت ہے اتنی خوبصورت لڑکی کا اور اتنی پیاری لڑکی کا کوئی والی وارث تو ہوگا۔''

''پھر تم نے وہی باتیں شروع کر دیں۔ پہلے اس کا خیال کرو، اس کو کچھ آرام کرنے کا موقع دو۔ اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے صبح ہونے میں۔''

''انکل نہیں......اب پھر نا میری بات سن لیں۔'' نشاط افزا نے فوراً انجم علوی کی بات کاٹ دی۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ پہلے میری بات سن لیں۔ تا کہ آپ کو جو کچھ بھی پتہ چل جائے گا اس کے بعد آپ جتنی بھی جلدی ہو سکے گا آپ مجھے Help دے سکیں گے اور میں وہاں جلد سے جلد پہنچ سکوں گی جہاں میں جانا چاہتی ہوں۔''

"پھر کیا خیال ہے......؟" سبرینہ نے انجم علوی کی طرف دیکھا۔

"نہیں یہ بچی پریشان ہے۔ یہ اسی طرح کی باتیں کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے اسے آرام کرنے دو۔ بیٹا! آپ آرام کرو۔ کچھ کھا پی لو اور سبرینہ! اسے کچھ کپڑے وغیرہ دو۔" انجم علوی یہ کہہ کر ایک فیصلہ کن انداز میں اپنی بات کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ جس لڑکی کے ساتھ پہلے ہی زیادتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی اسے مزید تنگ کر رہے ہیں یا اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔

سبرینہ نے ایک نظر ایک نظر انجم علوی کی طرف دیکھا پھر نشاط افزا کی طرف دیکھا اور بولیں "آپ ٹھیک کہتی ہے۔ یہ بچی ظاہر سی بات ہے پہلی دفعہ ہمیں ملی ہے تکلف کرے گی۔"

"او کے بیٹا! پھر صبح ملیں گے۔" انجم علوی یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ وہ زینہ چڑھ کر آنکھوں سے اوجھل ہوئے تو سبرینہ نے نشاط افزا کو کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔

نشاط افزا کھڑی ہوگئی۔ "وہ نمو آپ کی بیٹی ہے؟ اور انکل اس کے کپڑوں کی بات کر رہے تھے"

"ہاں...... بیٹی ہی سمجھو۔ وہ میرے میاں کی سگی بھانجی ہے اسے ہم نے ہی پالا ہے۔ ماشاء اللہ اب شادی شدہ ہے اپنے گھر کی ہے۔ آج کل آئی ہوئی ہے۔ صبح اُس سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔"

"جی ٹھیک ہے......" نشاط افزا نے چند لمحے سوچا اور خاموشی سے سبرینہ کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھنے لگی جو زینے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

"رمیض کی وجہ سے......؟" مومنہ ہکا بکا ماہ رُخ کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"رمیض کی وجہ سے رُوبی ان حالوں کو پہنچی ہے......؟ وہ کیسے......؟ رمیض سے اس کا کیا تعلق ہے۔ رمیض تو ہم سے ملا تھا۔ ہمارے گھر آیا تھا۔" مومنہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اس وقت وہ اور ماہ رُخ کار میں تھیں۔ ماہ رُخ ڈرائیو کر رہی تھی اور اُس کو روبی پر بیتی ہوئی بپتا سنا رہی تھی۔

"ہاں...... لیکن رمیض روبی سے ہمارے گھر میں بھی ملا تھا۔"

"اس کا کیا انٹرسٹ ایک شادی شدہ لڑکی سے۔ جو کہ پریگننٹ بھی ہے۔ وہ کیوں اس سے ملنے کی تمنا کرے گا۔ اتنا خوبصورت لڑکا۔ شہر میں کیا لڑکیاں مر گئی ہیں۔ اُسے کوئی لڑکی نہیں مل رہی تھی؟" مومنہ حیران پریشان سوال پہ سوال کیے جا رہی تھی۔

"پھوپھو......! بس وہ...... وہ جو ہونے والی بات ہوتی ہے نا...... وہ کسی بہانے سے ہو ہی جاتی ہے۔" ماہ رُخ نے اسٹیئرنگ موو کرتے ہوئے آہستہ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا بس...... فلسفہ ولسفہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں تو جو مرضی چاہے آرام سے بے وقوف بنا لے۔ جس نے جو کہا تم نے آمنا وصدقنا کہنا لازمی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے پھوپھو...... وہ اصل میں نا ہمارے ہاں ہی آیا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ روبی اُوپر والے فلور پر رہتی ہے۔ گھر لاک دیکھ کر روبی کے پاس گیا تھا۔ وہاں پر وقار نے اس کو روبی کے ساتھ دیکھ کر جانے کیا کچھ سمجھ لیا اور اتنی بری طرح سے اُس کو مارا کہ روبی بتا رہی ہے کہ اُس کی ناک سے اتنا خون بہہ رہا تھا کہ وہ جاتے ہوئے لڑکھڑا رہا تھا۔"

"اوہ...... نو...... مائی گاڈ" مومنہ نے آنکھیں پھاڑ کر ماہ رُخ کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہر وقت کی ضمیر کی طعن طعن نے وقار کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ وہ سچ مچ پاگل ہو چکا ہے۔ شک کا مریض ہے۔ پہلے اس نے تم پر شک کیا تھا۔ تمہاری یقین دہانی کی اس کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں تھی۔ تمہارے بیان، تمہاری سچائیوں کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اب روبی کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکے کو وہاں بیٹھا دیکھ کر اس نے پتہ نہیں کیا کچھ فرض کر لیا۔"

"اب ہمیں اس سے کیا لینا دینا پھوپھو۔ مت کیا کریں اُس کا ذکر۔" ماہ رُخ نے چڑ کر کہا۔

"ارے..... کیوں نہیں لینا دینا؟ بہت کچھ لینا دینا ہے اُس سے۔ تم ہار مان کر بیٹھی ہو مجھے اس کی پروانہیں ہے۔ میں اس کو سبق سکھائے بغیر تو نہیں بیٹھوں گی۔"

"تو پھر کیا ہوگا؟ پھر میرے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور میں خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولنے لگوں گی۔" ماہ رُخ نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ زیادتی کرنے والے کو اگر زیادتی کا احساس نہ دلایا جائے تو ایک خلش زندگی بھر تنگ کرتی ہے۔ اور بھرپور زندگی گزارنے کے لیے اور اپنی روح کو ہلکا پھلکا رکھنے کے لیے حساب کتاب کرنا ضروری ہوتے ہیں۔" مومنہ نے برجستہ جواب دیا۔

"توبہ ہے پھوپھو..... آپ تو بزنس وومین کیا بن گئی ہیں۔ آپ کے تو ہر وقت ہی کھاتے کھلے رہتے ہیں۔" ماہ رُخ نے اب مسکرا کر ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"ہاں..... خوب یاد دلایا تم نے۔ اتفاق سے رمیض کا ذکر خود بخود آ گیا۔ میں تو تم سے اس کی بات ہی کرنے والی تھی۔"

"رمیض کی بات.....!! اب کیا بات ہے؟ ہمیں اُس سے کیا غرض ہے؟"

"پوری بات سن لیا کرو۔" مومنہ نے مصنوعی خفگی سے ماہ رُخ کو گھورا اور اُس کی بات کاٹ دی۔

"سنائیں..... پوری بات سنا دیں" ماہ رُخ نے مسکرا کر کہا اور ونڈ سکرین پر نظریں جما دیں۔ ساتھ ہی ایک نظر سائیڈ مرر پر بھی دوڑائی۔

"تمہیں پتہ ہے نا کہ میں وہاں سپین میں کتنے بڑے مسئلے میں پھنس چکی ہوں۔ اب وہاں پر مجھے یہیں کا کوئی قابل اعتماد، کوئی محنتی، کوئی بڑا Ambitious اور بہت Strong بندہ چاہیے جو وہاں بزنس میں مجھے Help کرے۔ اب وہ میرے دوست کے Husband کے بعد تو جیسے میں اتنی زیادہ Over load ہو گئی ہوں کہ بدحواس ہو رہی ہوں۔ میں نے دیکھا تھا بلکہ محسوس کیا تھا کہ رمیض سپین جانے کے لیے بڑا پرشوق ہے۔ وہ اس ملک سے باہر جانا چاہتا ہے۔ اس وقت مجھے ضرورت نہیں تھی تو میرا انٹرسٹ بھی نہیں تھا تو میں نے اتنی توجہ سے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"اچھا..... تو یہ بات ہے۔" ماہ رُخ اب بات کی تہہ میں پہنچ گئی۔

"ہاں نا..... اب اِدھر اُدھر سے لوگ ڈھونڈنا، اخبار میں ایڈ دینا پھر ان کے انٹرویو کرنا، پھر بھی کوئی کسوٹی نہیں کہ بندہ صحیح ہے کہ نہیں۔ وہاں جا کر اُلٹی پرابلم تو نہیں بن جائے گا میرے لیے۔ میں نے رمیض کے اندر ایک چیز محسوس کی ہے کہ وہ کاہل نہیں ہے محنتی ہے اور ہر وقت جذبے سے بھرپور۔" مومنہ رمیض کا تصور کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"توبہ ہے پھوپھو..... آپ سے بھی حد ہے۔ آپ کیا جانتی ہیں رمیض کے بارے میں؟"

"بھئی اُس نے بتایا تو تھا کہ اُس کے پیرنٹس باہر رہتے ہیں تو پھر....." ماہ رخ نے فوراً مومنہ کی بات کاٹ دی۔ "اس کے پیرنٹس باہر رہتے ہیں پھوپھو.....! تو پھر باہر جانے کے لیے وہ ہم لوگوں کا محتاج تو نہیں ہے۔ وہ تو کبھی بھی باہر جا سکتا ہے۔" ماہ رُخ نے ایک بڑی بھاری دلیل پیش کی۔

"وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے اسے سپین جانے کا شوق ہو۔ اس نے سپین کے بارے میں کچھ ایسا سنا ہو کہ وہ دوسری کسی جگہ جانے کی بجائے سپین جانا پسند کرتا ہو۔ مجھے ایک بار بات تو کر لینے دو اُس سے۔ پھر یہ ہے کہ اگر وہ ایگری ہوگا تو ٹھیک ہے ورنہ میں دوسرا کوئی طریقہ اختیار کروں گی۔ ایڈ وغیرہ دوں گی، کال کروں گی لوگوں کو، انٹرویو وغیرہ کروں گی۔ بندہ تو بس مجھے ایک ہی چاہیے۔ دو انڈین اور تین پاکستانی Servent تو وہاں پر میرے ساتھ ہوتے ہیں۔"

"فی الحال تو اس بے چارے کی خیریت کی دعا کریں جو اتنا زخمی ہو کر یہاں سے نکلا ہے۔ پتہ نہیں بے چارہ کس حال میں ہوگا۔ روبی تو بتا رہی تھی کہ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ بہت Bleeding ہوئی تھی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ایسا ہوا ہوگا..... لیکن اب تک تو کافی ٹھیک ہو چکا ہوگا۔ جب اسے ملیں گے تو دیکھ لیں گے کہ کیا صورتِ حال ہے۔" مومنہ نے لاپرواہی سے سائیڈ مرر کو گھورتے ہوئے کہا "اب کچھ نا کچھ تو کرنا ہے نا....."

''اچھا تو آپ کے پاس کانٹیکٹ نمبر ہے اُس کا؟''

''ہاں ہاں...... میں نے Save کیا تھا۔ بلکہ وہ تو شاید مجھے لگ رہا تھا کہ Avoid کر رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں؟ لیکن میں نے بہر حال اُس سے لے لیا تھا۔'' مومنہ نے ماہ رُخ کو بتایا۔

''تو آپ نے وہاں پہنچ کر یا ویسے اُسے کبھی کال کرنے کی کوشش نہیں کی؟'' ماہ رُخ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

''میں نے کون سا اُسے اپنا دوست بنا لیا تھا جو میں Contact کرتی یا اس کی خیریت پوچھتی اور اُس کے لیے اپنائیت یا تشویش کا اظہار کرتی۔ اس کو احساس دلاتی کہ وہ میرے لیے بہت اہم ہے یا اہم ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا تھا میں نے کون سا یہاں رہنا ہے۔ بس ٹھیک ہے اس نے میری جان پر، میری ذات پر ایک بہت بڑا احسان کیا اور مجھے وہ احسان ہمیشہ یاد رہتا ہے میں بھول ہی نہیں سکتی۔ اب جن حالات میں میں کھڑی ہوں اور جو کچھ کر رہی ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے کام آ سکتا ہے اور میں اس کے ساتھ کوئی بھلائی کر سکتی ہوں۔ ظاہر ہے یہ ایک بہت Atractive جاب ہوگی اُس کے لیے۔ دیارِ غیر میں اُس کو پریشانی نہیں ہوگی۔ وہاں سب کچھ اس کو ملے گا۔ تو بس یہی سوچ کر میں اُسے Contact کرنا چاہ رہی ہوں اور اس سے زیادہ کوئی خاص بات نہیں۔''

''پھوپھو......'' ماہ رُخ نے مومنہ کی بات مکمل ہوتے ہی ایک نظر اُس کی طرف دیکھا۔

''ہوں......؟'' مومنہ نے بھی سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''پھوپھو......! یہ آپ Contact base پر اس سے تعلق قائم کرنا چاہ رہی ہیں۔ آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟'' ماہ رُخ کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''Rubbish'' مومنہ ہنس پڑی۔ ''میں اس سے شادی کیسے کر سکتی ہوں؟ وہ بہت چھوٹا ہے مجھ سے۔ میں Married نہیں ہوں لیکن ایک بہت میچور لڑکی ہوں اور

جس عمر میں لڑکی کی شادی ہو جانا چاہیے وہ عمر تو میں بہت دور چھوڑ آئی ہوں۔'' مومنہ بہت سنجیدگی سے سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

''یہ لیجیے......! شادی کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ ہر عمر میں لوگ شادی کر رہے ہوتے ہیں۔ نہ عورتوں کے لیے عمر کی کوئی پابندی ہے، نہ مردوں کے لیے کوئی عمر پابندی ہے۔ کیا آپ کو نہیں پتہ یہ بات؟ مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہیں آپ'' مومنہ نے ماہ رُخ کی طرف دیکھا اور ایک ہلکی سی چپت لگائی۔

''اور اپنے لیے کیا سوچ رہی ہو؟''

''میں...... میں کیا سوچوں؟ پھوپھو! میں unmarried تو نہیں ہوں۔ دو دو مردوں کی ستائی ہوئی ہوں۔ مجھے تو کسی تیسرے مرد کو آزمانے سے خوف آتا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اگر کوئی نیا مرد میری زندگی میں داخل بھی ہوا تو وہ آصف اور وقار...... ان دونوں سے زیادہ بے رحم اور اذیت ناک ہوگا۔ میرے اندر اب اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ میرے اندر اب مزید ذلتوں کو سہنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ میں نے بے قصور ہوتے ہوئے اتنی ذلتیں سہی ہیں، اتنی شرمندہ ہوئی ہوں کہ شاید قصوروار بھی اتنے شرمندہ نہیں ہوتے ہوں گے۔ آپ میری بات چھوڑیں...... چلیں آپ بسم اللہ کریں۔ آپ رمیض سے Contact کریں۔ پھر اس کے بعد آگے کچھ سوچا جا سکتا ہے۔ کام تو شروع کریں۔ یہ تو بہت بعد کی باتیں ہیں لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے آپ اس پر غور ضرور کیجیے گا۔''

''اچھا بس بس دادی اماں...... اب نصیحتیں، فصیحتیں بند کرو اور دعا کرو کہ وہ جو میرا بارہ سال کا سیٹ اپ ہے اس کو سنبھالا مل جائے۔ میری وہ ایمپائر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ زلزلہ کی زد پر ہے۔ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' مومنہ نے اب بہت تشویش، فکرمندی اور سنجیدگی سے کہا۔

''اللہ نہ کرے۔ اب ایسا بھی نہیں ہے۔''

''ہاں لیکن میری غفلت کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ میں نے وہاں پر کچھ زیادہ ہی

اعتماد اور بھروسے سے کام لیا تھا۔ اب وہ بھروسہ اور اعتماد ہی میری جان کو آرہا ہے۔'' مومنہ نے کہا۔

''آپ تو پھر بھروسہ کرنے جارہی ہیں'' ماہ رخ نے لب بستہ کہا۔

''ہاں تو پھر کرنا تو ہوگا۔ یہی زندگی ہے۔'' مومنہ نے اتنا کہا اور سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆

''کیا کہہ رہے ہو......؟ نمو صبح صبح اپنے گھر چلی گئی......!!'' سبرینہ حیران پریشان خانساماں کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

''جی بیگم صاحبہ......! وہ تو صبح کی نماز کے بعد ڈرائیور کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ آپ ڈرائیور سے پوچھ لیں۔ وہ ان کو چھوڑ کر آیا ہے۔''

''اچھا......!! کوئی اسے لینے نہیں آیا ہوگا یعنی وہ خود گئی ہے۔'' سبرینہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھیں۔

''جی جی...... لینے تو انہیں کوئی نہیں آیا۔ وہ خود گئی ہیں''

''کمال کر دیا اس لڑکی نے...... کچھ بتائے بغیر چلی گئی۔ اچھا تم جاؤ اپنا کام کرو۔''

وہ بڑبڑانے کے بعد خانساماں سے براہِ راست مخاطب ہوئیں۔ خانساماں چپ چاپ کچن کی طرف پلٹ گیا۔

''ضرور اس کی رات کو ولید سے کوئی بات ہوئی ہے۔ ورنہ جو کچھ اس نے بتایا اس حساب سے تو وہاں جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں بن رہا تھا۔ خیر میں اسے فون کر کے پتہ کروں گی۔'' وہ اُلجھے ہوئے انداز میں دوبارہ زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆

''تم کیوں آگئی ہو......؟ تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' ولید کمال آف موڈ میں نمو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیوں نہیں آنا چاہیے تھا......؟ میری شادی ہوئی ہے۔ شادی ہو کے اس گھر میں

آئی ہوں۔ زبردستی تو آ کے نہیں بیٹھی ہوں۔ میرا قصور بتایئے؟ اور ثابت بھی کیجیے۔ پھر اس کے بعد یا تو مجھے طلاق دیجیے یا مجھے شوٹ کر دیجیے۔ میں اپنے ماموں کو بلاوجہ کا کوئی دکھ نہیں دے سکتی۔'' نمو کے انداز میں بے باکی تھی۔

ولید کمال نے حیران نظروں سے نمو کی طرف دیکھا۔ سہمی ہوئی ضروری بات کرتے ہوئے بھی گھبرا جانے والی لڑکی کتنے اعتماد سے بات کر رہی تھی۔

''ماموں کو دکھ نہیں پہنچا سکتی اس لیے کہ ماموں بے قصور ہیں......''

''ارے...... تو میرا کیا قصور ہے؟ ماموں کا پھر بھی قصور ہے...... وہ ایک ایسے بیٹے کے باپ ہیں جس کو کسی کی عزت کا، اپنے ماں باپ کی عزت کا احساس نہیں ہے۔ دل کے کہنے پر چل رہا ہے۔ اسے کسی کے دکھ تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہے۔ اتنا غیر ذمہ دار بیٹا پیدا کیا ہے تو بھگتیں۔ بے قصور تو میں ہوں۔ میری پیدائش بے عزتی کی ہے لیکن میں نے اس بے عزتی سے پیچھا چھڑانے کے لیے بہت محنت کی ہے۔ کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ میری ان سالوں کی محنتوں کو خاک میں ملا دے۔''

''آپ بے قصور ہیں تو پھر میں بھی بے قصور ہوں۔'' نمو نے اسی طرح اعتماد سے جواب دیا۔

''میں چاہتا تھا کہ ان چند دن میں تمہاری صورت نہ دیکھوں تاکہ میرے ذہن میں جو آگ دہک رہی ہے وہ ٹھنڈی ہو جائے۔ تم ہر وقت میرے سامنے رہو گی تو میں اپنی اس ذلت کو بھلا نہیں پاؤں گا۔ کوئی ایسی حرکت کر جاؤں گا جس سے واقعی تمہیں نقصان ہو جو کہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ تم بے قصور ہو۔''

''تو میری صورت مت دیکھیں میں کسی اور کمرے میں چلی جاتی ہوں۔'' نمو نے برجستہ کہا۔

''لیکن مجھے تو ہر وقت یہ احساس رہے گا کہ تم گھر میں ہو۔''

''تو پھر کچھ طے کر لیجیے۔ چھوٹے چھوٹے دُکھ پہنچا کر بڑے دکھ پر بات ختم کرنے سے بہتر ہے کہ بڑے دُکھ تک پہنچنے سے پہلے پہلے ہی بات ختم کر دی جائے۔'' نمو سابقہ

پراعتماد انداز میں بولی۔

''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا نمو...... ! مجھ سے ہمدردی محسوس کرو۔ مجھے اپنا سمجھو اور جیسا میں کہتا ہوں ویسا چلو۔'' ولید کمال نے بے بسی سے کہا۔

''آپ اسی گھر میں رہتے ہوئے جو سلوک چاہے میرے ساتھ کر لیجیے لیکن میں ماموں کے گھر میں جا کر نہیں بیٹھ سکتی اور اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو اپنے ممی بابا کے سامنے بیٹھ کر کوئی فیصلہ کر لیجیے۔'' نمو نے اتنا کہا، آگے بڑھی اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

ولید کمال ایک بدلی ہوئی نمو باہر جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

''یہ نمو تو بہت صبح صبح اُٹھ جاتی ہے۔ آج ابھی تک سو رہی ہے۔'' رمیض کچن میں کھڑا ہوا خانساماں سے پوچھ رہا تھا۔

''چھوٹے صاحب! وہ تو گھر پر نہیں ہیں...... صبح ہی صبح چلی گئی تھیں۔'' خانساماں ناشتہ کی تیاری میں مصروف جواب دے رہا تھا۔''

''کہاں چلی گئی ہے؟'' رمیض نے حیرانی سے پوچھا۔

میں تو رات بھر یہی سوچتا رہا کہ شاید ابھی اس کا سامنا کرنا ہوگا۔ شاید ابھی کوئی چھوٹی بڑی جنگ بھی ہوگی۔ شاید اس پر احسان جتائے جائیں گے اور اس کو بہت ذلیل کیا جائے گا لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا باپ کب گھر آیا۔ وہ تو ایک دستک کے انتظار میں دیر تک جاگتا رہا کہ شاید ابھی دستک ہوگی اور اسے باپ کے سامنے پیش ہونے کے لیے بلایا جائے گا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ نمو سے بات ہی نہیں ہو سکی۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ جانے کیوں اسے نمو کی تکلیف پر تکلیف کیوں محسوس ہو رہی تھی۔ اسے کیوں یہ احساس تنگ کرتا رہا کہ نمو کی شادی شدہ زندگی خراب کرنے کا ذمہ دار وہ ہے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتا ہے۔ وہ کچھ پوچھ ہی نہ سکا اور وہ چل بھی دی۔ چلو خیر اچھا ہوا۔

''کوئی اسے لینے آیا تھا؟'' اس نے سوچنے کے بعد خانساماں سے سوال کیا۔

''نہیں چھوٹے صاحب...... کوئی بھی لینے نہیں آیا تھا۔ وہ تو صبح کی نماز کے بعد ڈرائیور کے ساتھ خود ہی چلی گئی تھیں اور مجھے وہ کہہ گئی تھیں کہ گھر والوں کو بتا دوں کہ میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔'' خانساماں نے مؤدبانہ جواب دیا۔

''اوہ...... اپنے گھر'' رمیض کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

ہوں...... تو ولید کمال کو شاید اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے نمو سے فون پر کچھ اس طرح کی بات کی ہوگی کہ نمو کو گھر جانے کا حوصلہ ہو گیا۔ چلو خیر یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ورنہ باپ کے سامنے دوسرا مقدمہ بھی پیش کر دیا جاتا اور وہ دوہرے جرم کا مجرم قرار دیا جاتا۔ رمیض نے اتنا سوچا اور سکون کی گہری سانس لی۔ پھر بغیر کچھ بولے کچن سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

نشاط افزاء غسل کر کے نمو کے بہت خوبصورت سوٹ میں ملبوس واش روم سے باہر آئی تو دیکھا سامنے سبرینہ بیٹھی ہوئی تھیں جیسے وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم آنٹی!'' نشاط افزا نے سر پر بندھے تولیے کو سنبھالتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا...... !'' صبح کی سنہری روشنی میں وہ نشاط افزا کے حسن کا دوسرے زاویے سے جائزہ لے رہی تھیں جو نہا دھو کر اس پھول کی طرح نکھری ہوئی تھی جو کھلتے ساتھ ہی بارش میں نہا گیا ہو۔

کتنے حسین چہرے انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھے تھے۔ وہ خود بھی بہت خوبصورت تھیں لیکن نشاط افزا کے حسن میں کچھ ایسا تھا جو اسے لاکھوں کروڑوں میں امتیاز دے رہا تھا۔ اس کے حسن میں اتنا رُعب تھا کہ فوراً بات کرنے کی جیسے ہمت ہی نہ ہوتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اسے جی بھر کے پہلے دیکھا جائے پھر اس کی شان میں کچھ کہا جائے اور خدا کی اس ثنائی کو جتنا زیادہ سراہا جائے اتنا ہی جیسے شکر کا حق ادا ہو کہ اللہ نے ہمارے دیکھنے کے لیے اس زمین پر کیسا کیسا حسن عطا فرمایا۔ حسن خاموش بھی ہو تو خوش کلام ہوتا

ہے۔ساعتوں میں بن بولے گھنٹیاں سی بجتی رہتی ہیں۔کچھ چہرے حسین ہوتے ہیں لیکن جب بولتے ہیں تو ان کا حسن کچھ دھندلا جاتا ہے مگر یہ لڑکی خاموش رہے تو غضب، کچھ بول پڑے تو بھی غضب۔اسے تو اپنا آپ چھپانا اور بچانا کتنا مشکل ہوا ہوگا۔گرمی پر بھی جوانی آتی ہے تو وہ بھی حسین ترین لگتی ہے۔اور یہ...... یہ لڑکی اِک انسان ہے، جوان بھی ہے اور بے مثال حسن بھی رکھتی ہے۔اس نے کیسے کیسے اپنے آپ کو بچایا ہوگا۔اس کی تو ایک جھلک کسی کو بھی آسانی سے دیوانہ بنا سکتی ہے۔یہ تو وہ ہے جسے دیکھتے ہی پانے کی تمنا کی جائے۔وہ اس کی طرف مبہوت نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

''بیٹا......! آپ کا نام کیا ہے؟ کمال ہی ہو گیا۔رات کو اتنی ساری باتیں ہو گئیں اور میں نے نام تک نہیں پوچھا۔'' سبرینہ نے اپنائیت بھرے لہجے میں سوال کیا۔

''میرا نام نشاط افزا ہے...... آنٹی'' نشاط افزا نے ان کے مقابل بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''واہ...... نام رکھنے والے نے بھی حق ہی ادا کر دیا۔کتنا خوبصورت نام ہے۔ایسا لگتا ہے تم کسی شاعر کے گھر میں پیدا ہوئی ہو گی۔'' سبرینہ نے خوشگوار کیفیت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''نہیں میں کسی شاعر کے ہاں پیدا نہیں ہوئی۔میں تو ایک سرکاری سکول کے ہیڈ ماسٹر کے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔میرے ابا لٹریری تھے۔ان کو شاعری، ادب سے بہت شغف تھا۔شاید اسی وجہ سے انہوں نے اتنے اہتمام سے میرا نام رکھا'' نشاط افزا نے زبردستی کے انداز میں مسکرا کر کہا۔

''اور بہت خوب رکھا۔میں داد دیتی ہوں تمہارے باپ کو......''

''مرحوم باپ کو......'' نشاط افزا نے ان کی بات کاٹ کر فوراً کہا۔

''تمہاری عمر کیا ہوگی؟...... نشاط افزا'' سبرینہ نے اس کے حسن جہاں سوز کو جی بھر کر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میری عمر اکیس سال ہے آنٹی'' نشاط افزا نے اب سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہاری انگیج منٹ وغیرہ ہو چکی ہے؟'' سبرینہ کو ایک دم خیال آیا کہ اتنی حسین لڑکی کو تو پیدا ہوتے ہی لوگ اپنے بیٹے کے لیے مانگ لیتے ہیں۔اکیس سال تک دیکھنے والوں نے کیوں انتظار کیا۔

''نہیں آنٹی...... میری انگیج منٹ وغیرہ نہیں ہوئی۔''

''کسی کو پسند بھی نہیں کیا؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کسی نے تمہیں اپنی چاہت و محبت کا احساس دلانے کی بھی کوشش نہیں کی۔وہی نا جیسے کہ رشتہ مانگنے سے پہلے کا مرحلہ ہوتا ہے۔سمجھ رہی ہو نا میری بات؟'' سبرینہ جو اس کے حسن سے بہت مرعوب نظر آ رہی تھیں اور یہ ان کی مجبوری تھی۔وہ لاشعوری طور پر ایسا کرنے پر مجبور تھیں۔

''نہیں آنٹی...... جو خوبصورت پھولدار پودا ہوتا ہے نا اور جس پر بہت پیارے پیارے پھول کھلنے لگتے ہیں۔مالی اس کے گرد ایک باڑ سی لگا دیتے ہیں تاکہ ان پھولوں کو نوچنے والے ہاتھ آگے نہ بڑھ سکیں۔بس میں جن کے ساتھ رہی انہوں نے میرے اردگرد خاردار تاروں کی ایسی ہی باڑ بنا دی۔بس...... اور کیا پوچھنا چاہتی ہیں آپ؟''

''بہت کچھ......'' سبرینہ نے فوراً کہا۔''تمہارے انکل اُٹھ چکے ہیں۔میں، تمہارے انکل اور تم ابھی ناشتہ کی ٹیبل پر بیٹھیں گے۔تم جو کچھ بتانا چاہو گی ہمیں بتا دینا۔کیونکہ انجم بتا رہے تھے کہ تمہیں Help کی ضرورت ہے۔پھر انشاء اللہ تعالیٰ جو بھی کچھ ہم سے ہو سکا ہم تمہاری مدد کریں گے۔اگر تمہارا کوئی اپنا ہے تو ہم تمہیں اس کے پاس پہنچانے کا اپنا اخلاقی فرض ادا کریں گے۔ٹھیک ہے بیٹا......! اب تیار ہو جاؤ۔میں آپ کو بلواتی ہوں۔ہم ناشتہ کی ٹیبل پر بات کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے آنٹی......'' نشاط افزا گہری سوچ میں ڈوب چکی تھی۔اپنے دھیان سے چونک پڑی اور سبرینہ کو جواب دیا۔

☆☆☆☆☆

''کنوار تو ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہے۔'' پوپری نے آ کر مہر النساء کو مطلع کیا۔

''ایسے ہی بیٹھی ہے...... کیا مطلب ہے تیرا؟'' مہر النساء نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرا مطلب ہے وہ رات والے کپڑے پہنے ابھی تک بیٹھی ہے۔ نہ نہائی ہے نہ دھوئی ہے، نہ نیا کپڑا پہنا ہے۔"

"اچھا...... کیا کر رہی ہے؟" مہرالنساء نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں اپنے بستر پر لیٹی ہے۔"

"اور سہیل......؟" مہرالنساء نے پوپری کا جواب سن کر سوال کیا۔

"سائیں تو مجھے نظر نہیں آئے۔ وہ تو شاید باتھ روم میں ہوں گے۔" پوپری نے اپنے اندازے سے بات کی۔

"اچھا اچھا...... سہیل نہا دھو رہا ہوگا نا...... اس کے بعد ہی تو پھر وہ کنوار جائے گی۔ نہائے گی، دھوئے گی، نئے کپڑے لتے پہنے گی۔ تو اس کو بول کر آ...... دیر نہ کر مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ میں اپنے بہو بیٹے کے ساتھ ہی ناشتہ کروں گی۔" مہرالنساء نے کہا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگیں۔ جیسے ان کو خیال آ رہا ہو کہ سہیل اور نیا اب فاصلے پر نہیں رہے اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔

☆☆☆☆☆

نیا باغ میں کھلنے والی کھڑکی کی گرل تھامے باہر جھانک رہی تھی۔ سہیل آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ نیا اپنے دھیان میں اتنی محو تھی کہ اسے سہیل کی آمد کا احساس نہ ہو سکا۔ سہیل نے باہر جھانکتی ہوئی نیا پر ایک نظر ڈالی اور آہستگی سے دروازہ بند کیا اور ہلکے سے کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔ نیا اپنے دھیان سے چونک پڑی اور سہیل کو سامنے پا کر ایک لمحہ کے لیے وہ گھبرا سی گئی۔ بے اختیار اس نے کھڑکی کی گرل سے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔ سہیل آہستگی سے اس کی طرف بڑھے۔ نیا انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر محتاط ہو گئی بلکہ گھبرا سی گئی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ سہیل اُس کی طرف مزید بڑھے۔ نیا بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔ سہیل بے اختیار مسکرا پڑے۔ نیا کو ان کی مسکراہٹ سے حیرت بھی ہوئی اور اُلجھن بھی۔ کیا ہوتے ہیں مرد بھی۔ یہ وہی تو مرد ہے جس کی محبتوں اور وفاؤں کا سمن آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی ہے اور اسے ایک اٹوٹ یقین ہر وقت

مضبوط بنائے رکھتا ہے کہ اسے اپنے شوہر کی سچی، پرخلوص، بے لوث محبت حاصل ہے۔ سہیل اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نیا نظریں اُٹھانے کے قابل نہیں تھی۔ رات سہیل اسے قید خانے کی زنجیریں ٹوٹنے کی خوشخبری سنا کر گئے تھے اور رات سے اب تک وہ بس یہی سوچ رہی تھی کہ یہ زنجیریں ٹوٹنے کی خوشخبری ہے یا کوئی بہت خوفناک خبر ہے۔ ایسی خبر جو سمن کے لیے جیسے ایک قیامت تھی۔ ایسی ٹوٹ پڑنے والی قیامت جس میں بچاؤ کا کوئی راستہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ وہ تو رات سے اب تک صرف سمن کو سوچ رہی تھی کہ جب سمن کو پتہ چلے گا کہ اس کے آنگن کا بٹوارا کرنے والی اس کی اپنی دوست ہے تو کیا بیتے گی اُس پر اور کیا وہ وضاحتیں سننا چاہے گی؟ تو کیا وہ وجہ جاننا چاہے گی؟ وہ تو بس اُس سے ایک سوال کرے گی۔ نیا! تم سے دوستی میری اتنی بڑی غلطی تھی کہ میری دنیا ہی لٹ گئی۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا، اولاد نہیں تھی، ماں باپ نہیں تھے، ایک سہیل کی محبت کا سہارا تھا جس کے سہارے زندگی کچھ ہلکی لگتی تھی۔ تم نے یہ محبت بھی مجھ سے چھین لی۔ اگر اسے ساری دنیا مل کر یہ یقین بھی دلائے کہ سہیل صرف اُسی کے ہیں۔ نیا کے ساتھ ان کا بندھن مصلحت کا ہے اور سمن کے ساتھ محبت کا۔ تو کیا سمن اعتبار کرے گی؟ کبھی بھی نہیں۔ جب محبت کے بھرم ٹوٹتے ہیں تو سارے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ ساری نصیحتیں کھوکھلی باتیں لگتی ہیں اور ساری تسلیاں فریب دکھائی دیتے ہیں، ریاکاری محسوس ہوتے ہیں۔ یہ اُس نے کیا کیا؟ لیکن ایک طرف دوست تھی تو ایک طرف بھائی۔ اس نے تو اپنے بھائی کے لیے ایک ایسا قدم اُٹھایا تھا کہ جس کی منزل کا اسے خود بھی پتہ نہیں تھا۔ اُس نے سہیل کی محبت نہیں کی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ سہیل تو صرف سمن کے ہیں۔ اگر وہ مصلحتاً اسے اپنا لیتے ہیں تو وہ ان کے خالی وجود کا کیا کرے گی؟ ایک عورت کو سب سے پہلے مرد کا دل چاہیے ہوتا ہے جس میں اس کی اپنی تصویر سجی ہو۔ اس ایک احساس کے ساتھ تو ایک عورت ساری ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھا کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہے۔ اعتبار کا یہ احساس نہ ملے تو زندگی تو خود ایک بوجھ ہے۔ کیا ہے ایک عورت؟ ماں باپ کے گھر میں پلنے والی، احتیاط سے شیشے کی طرح سنبھالی جانے والی۔ پھر ساری زندگی یہ

سنتا کہ وہ جہاں پیدا ہوئی ہے وہ لوگ اس کے میزبان ہیں۔ وہ تو اس گھر میں مہمان ہے۔ وہ تو اس گھر کے مکینوں کے پاس کسی کی امانت ہے اور یہ امانت ایک دن کسی کو سونپا ہے اور جس کی یہ امانت ہے اُس کا گھر بار اُس کی زندگی ہے۔ اس گھر بار میں ہی اس کی خوشیاں ہیں۔ اس گھر بار میں ہی اس کا سب کچھ ہے لیکن جب ایک لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر سے بھی محروم ہو جائے اور اُس آنگن سے بھی جس کے خواب ہوش سنبھالتے ہی اس کی آنکھوں نے بنے ہوتے ہیں۔ کیا کرے وہ؟ نیا سوچ رہی تھی۔

سہیل نے آہستگی سے اُس کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ نیا نے بنا کچھ سوچے سہیل کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹا دیا۔ ''میں نے کبھی سنا تھا۔ پتہ نہیں کس سے سنا تھا'' اُس نے آہستگی سے کہا اور سہیل سے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا سنا تھا؟'' سہیل آہستگی سے پوچھ رہے تھے اور اس کی طرف بغور دیکھ رہے تھے۔

''یہی کہ مرد تکیے کے سانپ ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں کب ڈس لے۔'' نیا نے یہ کہہ کر ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور سامنے پڑی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

سہیل کو اس کی بات سن کر جیسے ایک زور کا جھٹکا لگا۔ ان کو اس جملے سے جیسے خوف سا آیا۔ اس جملے نے کھڑے کھڑے ان کی تصویر پر ایسے رنگ بکھیر دیے تھے کہ تصویر بری طرح مسخ ہو گئی تھی۔

''تکیے کا سانپ ہوتا ہے...... کب ڈس لے؟ کچھ سمجھ نہیں آیا۔ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' سہیل اب سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

''کچھ نہیں۔ آپ تو رات کو یہ کہہ کر چلے گئے کہ آپ نے مجھ پر رحم کھا لیا۔ آپ کو مجھ پر ترس آ گیا اور آپ ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن آپ نے سمن کا سوچا؟ محبت کرنے والا دل دلیلیں نہیں سنتا، وضاحتیں نہیں مانتا۔ جب ٹوٹتا ہے تو اپنے کان بند کر لیتا ہے۔ کچھ نہیں سننا چاہتا۔ میں اور آپ کیا سمن کو سمجھا سکیں گے؟ کیا اپنی اپنی مجبوریوں کا یقین اور احساس دلا سکیں گے؟ وہ مر جائے گی سہیل

وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکے گی۔ کیا ہے اُس کے پاس صرف آپ کی محبت کے اعتماد کے سوا؟'' نیا کی بولتے بولتے آواز بھرا گئی۔

سہیل اس کے تیز و تند جملوں کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگے۔ نیا غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ یہ جملے، یہ الفاظ، یہ باتیں آٹھ پہر ان کے ذہن میں، ان کے کانوں میں گونجتے رہتے تھے لیکن نیا کے ساتھ جو انجانے میں زیادتی ہو گئی تھی، وہ زیادتی بہت بڑی تھی۔ کیونکہ وہ زندگی بھر کے لیے ضمیر کی ایک خلش تھی۔

وہ چند لمحے ایک خیال میں ڈوبے رہے۔ جیسے مناسب جواب کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔ نیا کی بات سچی تھی اور سچ ہمیشہ دل کو چھو لیتا ہے لیکن سچ کے بھی جواب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات سچ کے جواب میں سچ بولنا ایک بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔ وہ ایک سفاک سچ بولنے کے لیے ہمت کر رہے تھے۔ نیا ان کی خاموشی کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اب کچھ نہیں بولنا چاہتی تھی۔ اُس نے جو کہنا چاہا تھا وہ کہہ دیا تھا۔ اب اُسے صرف یہ سننا تھا کہ سہیل اس کی بے رحم سچائیوں کے جواب میں کیا جواب دیتے ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی جواب ہے؟ سہیل چند لمحے نیا کی طرف دیکھتے رہے پھر کھنکار کر گلا صاف کیا جیسے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں اُس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہوں۔

''تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے نیا...... لیکن ایک بے رحم سچ جو شاید کسی مرد کے لیے بولنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ یہ سچ بول دیتا ہے تو سچی محبت اُس سے دور چلی جاتی ہے۔ حالانکہ اُس کا یہ سچ محبت کو ذبح کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔'' سہیل اتنا کہہ کر رُک گئے۔

نیا نے حیرت سے نظریں اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا ''ایسا کون سا سچ ہے جس کے لیے اتنے اہتمام ہو رہے ہیں'' اُس نے سوچا۔

سہیل نے پھر آہستگی سے اپنی بات شروع کی ''نیا...... ! میری بات غور سے سنو! مرد اور عورت میں شاید یہی فرق ہے کہ عورت ایک مرد کی عزت اور غیرت کی علامت ہوتی ہے۔ جبکہ مرد کسی ایک عورت کی عزت اور غیرت کی علامت نہیں ہوتا۔ میری بات

اس طرح سے سمجھو کہ اگر ایک مرد دو عورتوں کو یا دو سے زیادہ عورتوں کو Shelter کرتا ہے اور ان کی بھلائی کا خواہشمند ہوتا ہے اور ان کے نقصانات اس کے اپنے نقصانات ہوتے ہیں۔ تو وہ مرد کئی عورتوں کو نبھا سکتا ہے۔ رہی محبت کی بات......! تو محبت تو گھر میں پالنے والے جانور تک سے ہو جاتی ہے۔ تو ایک رشتہ جس کا نام بیوی ہے۔ جب کسی ایک مرد کے لیے وابستگی کا احساس دیتا ہے اور ایک عورت کسی ایک مرد کی پوری آمادگی کے ساتھ ہو جاتی ہے تو جواب میں اسے مرد سے بھی بہت کچھ ملتا ہے اور رہی محبت......تو محبت کے پیمانے نہیں بنائے جا سکتے۔ یہ تو ایک احساس کا نام ہے نیا۔ آج تم سے ہمدردی ہے، انسیت ہے۔ شاید کل محبت بھی ہو جائے۔ کیونکہ محبت اعلان کر کے نہیں کی جاتی۔ محبت کے ڈھنڈورے نہیں پیٹے جاتے۔ نقارے بجا کر محبت کی موجودگی کا احساس نہیں دلایا جاتا۔ یہ تو ایک جذبہ ہے جو محسوس کیا جاتا ہے۔ جب دو چاہنے والے لفظوں کے ذریعے ایک دوسرے کو محبتوں کا یقین دلا رہے ہوتے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ وہ محبت بھی کر رہے ہوں۔ محبت الفاظ کی پابند نہیں ہے یہ صرف ایک احساس کا نام ہے۔ میں سمن سے محبت کرتا ہوں اور تم بھی جانتی ہو کہ میں سمن سے محبت کرتا ہوں۔ میں سمن کو بہت اہتمام سے اپنی زندگی میں لے کر آیا تھا۔ تم حادثاتی طور پر میری زندگی میں آ گئی ہو۔ دیکھو! برا ماننے میں جلدی مت کرنا۔ آج محبت اگر نہیں بھی ہے تو کل ہو سکتی ہے۔ سمن سے بھی، تم سے بھی۔ بہ یک وقت دونوں سے۔ دونوں کے فائدے میرے فائدے، دونوں کے نقصان میرے نقصان، دونوں کی تکلیف میری تکلیف، دونوں کی خوشی میری خوشی۔ دیکھو! بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ تم صبر سے میرے ساتھ چلو اور وہ سب کچھ مانگنے میں جلدی نہ کرو جو جلدی کرنے سے ملتا نہیں ہے۔ قسمت میں ہو تو ضرور ملتا ہے۔"

نیا اب لب بستہ حیرت سے ان کی طرف ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ سچائیاں پوری قوت سے حملہ آور تھیں۔ سہیل نے بڑی ہوشمندی اور ذہانت سے اپنی سچائی بیان کر دی تھی۔ کیونکہ سچائی خود ایک دلیل ہوتی ہے اور دل کو چھوتی ہے اور مان لیتی ہے۔ اگر دماغ

پناہ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نہیں نہیں کی تکرار کر رہا ہوتا ہے تو دل سپر ڈال چکا ہوتا ہے۔ آمادہ ہو چکا ہوتا ہے۔ مان لیتا ہے۔ اُس معصوم بچے کی طرح جسے اپنی ماں پر اندھا بھروسہ ہوتا ہے۔ اگر ماں جھوٹ بھی بولے تو وہ اپنی ماں کو دنیا کی سب سے سچی عورت ہی مان رہا ہوتا ہے۔ سچائی اور محبت یہ دونوں جذبے اس کائنات کے خالص اجزاء ہیں اور تمام منفی جذبے اس کائنات کا غبار ہیں۔

سہیل نے نیا کو لاجواب کر دیا تھا۔ انہوں نے واضح طور پر اسے یہ سمجھا دیا تھا کہ فی الحال محبتوں اور مصلحتوں سے آگے ایک اور سلسلہ ہے۔ وہ ہے آنے والے دنوں میں ناقابل تلافی نقصان کا احساس۔ فی الحال اس نقصان سے بچنے کا کوئی راستہ ڈھونڈنا چاہیے۔

"میرا خیال ہے بی بی جان ناشتے پر ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔ آؤ......میرے ساتھ چلو۔" سہیل نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

نیا اپنی جگہ پتھر کا بت بنے بیٹھی تھی۔ سہیل کی آواز نے بھی اس بت میں کوئی ارتعاش پیدا نہیں کیا۔ سہیل نے دروازہ کھولتے ہوئے پلٹ کر نیا کی طرف دیکھا۔ ان کی بات کا نیا پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ چند لمحوں انہوں نے کچھ سوچا اور باہر نکل گئے۔ دروازہ اسی طرح کھلا چھوڑ دیا۔ نیا اسی طرح ٹکٹکی باندھے ہوئے دیوار کو گھور رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

رمیض بند کمرے میں پڑے پڑے اُکتا گیا تھا۔ ابھی بھی اُس کے زخموں میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ بمشکل ہمت کر کے بیڈ سے اُترا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے بند دروازے کو دیکھا اور گھر میں پھیلے ہوئے سناٹے کو محسوس کیا۔ شاید سب ابھی تک سو رہے ہیں اور حیرت کی بات ہے وہ بھی سو رہی ہے۔ یعنی نمو...... جو صبح کے انتظار میں ساری رات نہیں سوتی۔ بے وقوف لڑکی...... پتہ نہیں کس چیز سے بنی ہے۔ ہر وقت مصروف رہتی ہے۔ لگتا ہے اس کے اندر وہ پرزہ ہی نہیں ہے جو انسانوں کو تھکنے کا احساس دلاتا ہے۔ وہ نمو کے بارے میں سوچتا ہوا آگے

بڑھ رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ لاؤنج میں آ نکلا۔ لاؤنج میں پہلا قدم رکھتے ہی وہ پتھر ہو گیا۔ اُس کے سامنے نشاط افزا بیٹھی تھی۔ یہ چہرہ وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ وہ جتنی حسینائیں اُس کی زندگی میں آئی تھیں اور جن کی خوبصورتی کی وجہ سے وہ ان کو آرام سے بے وقوف بناتا تھا اور جو یہ سمجھتی تھیں کیونکہ وہ خوبصورت ہیں اس لیے ایک حسین نوجوان لڑکا ان کے پیچھے پاگل ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ صرف اُسی لڑکی کے پیچھے پاگل ہو سکتا تھا جو اُس کی ٹکر کی ہو، اس کے مقابلے کی ہو۔ کم از کم اُس جتنی خوبصورت تو ہو۔ ہر خوبصورت لڑکی جس کو وہ بے وقوف بنا چکا تھا صرف اس وجہ سے ہی اس کے ہاتھوں آسانی سے بے وقوف بنتی تھی کہ وہ زعم حسن میں مبتلا ہوتی تھی۔ اور یہ...... یہ جس کا وہ مہمان بھی رہا ہے جس نے اُس کی مدد بھی کی ہے۔ یہ...... یہ اُس کے گھر میں کیا کر رہی ہے؟ یہ یہاں کیسے آئی؟ وہ نشاط افزا کو دیکھ کر حیران ہونے سے زیادہ خوفزدہ تھا۔ اللہ اللہ کر کے تو اس کے دن پھرے اور اس کے باپ نے اس کو گھر میں پناہ دی۔ اُس کو پھر سے اپنایا۔ یہ تو اس کا مزید بیڑہ غرق کرنے آ پہنچی ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کو یقین دلائے گا بھی تو اب تو یقین نہیں آئے گا ان کو۔ کسی صورت نہیں مانیں گے وہ اور وہ جو اس کی محسن بھی ہے۔ جس نے صرف اُس کو اس گھر سے جانے کے لیے نہیں کہا تھا بلکہ اُسے کیش بھی دیا تھا۔ اُس کے دیے ہوئے کیش میں سے کچھ بچے ہوئے نوٹ ابھی تک اُس کے پاس تھے۔ نشاط افزا کی نظر بھی اُس پر پڑ چکی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ رمیض کی طرح اس کے چہرے پر کوئی حیرت نہیں تھی۔ صرف ایک شناسائی کا تاثر تھا۔ وہ رمیض کو حال سے بے حال دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے کے اُوپر سوجن تھی۔ اُس کی ناک پر زخم کا نشان تھا۔ کئی جگہ پر بینڈیج لگی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ حیران تو نہیں تھی پریشان ضرور تھی کہ رمیض کو کیا ہو گیا؟

"السلام علیکم......" اُسے یہی سوجھا کہ سلام کر لیا جائے اور اس خاموشی کو توڑ دیا جائے جو رمیض کی طرف سے تو ٹوٹتی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"وہ...... تم...... وہ" رمیض کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن بس ہکلا کر رہ گیا۔

"جی...... آپ نے مجھے پہچان تو لیا ہوگا۔ اس لیے کہ جو کوئی مجھے ایک دفعہ ملے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ مجھے بھول جائے۔"

پھر وہی زعم حسن، پھر وہی غیر ضروری اعتماد، پھر وہی غرور، یہ لڑکی تو ویسی کی ویسی ہی ہے لیکن یہ اس کے گھر میں کیا کر رہی ہے۔ یہ اس گھر میں پہنچی کیسے؟

"آپ وہاں کیوں کھڑے ہیں؟ بیٹھتے کیوں نہیں؟ کیا پریشان ہو گئے ہیں مجھے دیکھ کر؟ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب آپ میرا مسئلہ حل نہیں کریں گے بلکہ آپ کے والد صاحب مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ مجھے Help کریں گے۔"

"و...... والد صاحب......!" رمیض کی خوف سے جیسے گھگھی بندھ گئی۔ لو بھئی اب ہوا ہے پورا بیڑہ غرق۔ یہ تو ڈیڈی سے بھی مل چکی۔

"تم نے کس قسم کی Help مانگی ہے میرے والد سے؟ کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟" اب رمیض کے اندر ایک جوش و خروش پیدا ہوا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ نشاط افزا کا بازو پکڑے اور گھسیٹتا ہوا مین گیٹ تک لے جائے اور کہے کہ سیدھی چلی جاؤ۔ مڑ کے بھی اس گھر میں مت آنا لیکن وہ یہ سب کچھ نہ کر سکا نہ کہہ پایا۔

نشاط افزاء اُس کی حالت دیکھ کر مزید حیران ہوئی۔ اُس کی گھبراہٹ دیکھ کر تو حیران پہلے ہی ہو رہی تھی۔ وہ کیوں اتنا ڈر رہا ہے؟ میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کہی جو اُس کے لیے خوف کا باعث ہو۔

"آپ پریشان مت ہوں۔" نشاط افزا نے رمیض کو تسلی دی۔

"ارے واہ...... پریشان کیسے نہ ہوں؟ تم میرے گھر میں پہنچ کیسے گئیں؟ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟ میرا تم سے کیا تعلق ہے؟ اور تم تو مجھے اپنے گھر سے بھگا چکی تھیں۔"

"وہ میرا گھر نہیں ہے مسٹر رمیض...... آپ اُس گھر میں چند دن رہے میری وجہ سے۔ یہ سچ ہے لیکن وہ گھر میرا نہیں ہے۔ میرا گھر نہ اس صوبے میں ہے نہ اس شہر میں۔" نشاط افزا بہت پرسکون انداز میں بات کر رہی تھی۔

رمیض ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اسے نشاط افزا کی بات بالکل بھی سمجھ نہیں آئی۔ جس گھر میں وہ رہ رہا تھا اس میں اس نے نشاط افزا کے انداز دیکھے تھے۔ وہ اسی طرح رہ رہی تھی جیسے کوئی اپنے گھر میں رہتا ہے۔

''مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ ایک دم بکھر کر دوں گا۔ پلیز...... مجھ سے صاف صاف بات کرو۔ تم کون ہو؟ اور پھر میرے گھر میں کیا کرنے آ گئی ہو؟'' رمیض بہت بے مروّتی اور چڑ کر بات کر رہا تھا۔

نشاط افزا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی ''میں فی الحال غیر محفوظ ہوں۔ پناہ کی تلاش میں تمہارے گھر تک آ گئی ہوں۔ میں نے تمہارے والد سے Contact کیا تھا۔''

''میرے والد سے......!!'' رمیض کی تو اب حالت خراب ہو گئی ''کیا کہا ہے تم نے میرے والد سے؟''

''کچھ نہیں'' نشاط افزا اسی طرح پرسکون انداز میں بولی۔

''میں نے ان سے یہی کہا کہ وہ میری Help کریں اور مجھے اس شہر سے اپنے شہر جانے تک اخلاقی مدد فراہم کریں۔''

''تم کون سے شہر جانا چاہتی ہو؟ اور تم نے میرے والد سے کس حوالے سے بات کی؟ کیا کہا تم نے اُن کو؟ کیا بتایا؟ تمہارا ان سے contact ہوا کیسے؟'' رمیض ابھی تک بہت بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

''بس میں نے تمہارے ہٹ پر پہنچ کر تم سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ مدد تو میں نے تم سے ہی لینا چاہی تھی لیکن پتہ چلا تم تو وہاں نہیں رہتے۔ تمہارے چوکیدار نے میری بات تمہارے والد سے کرا دی۔ میں نے تمہارے والد کو سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''سب کچھ بتا دیا...... کیا بتا دیا؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا بتایا ہے تم نے انہیں؟'' رمیض ابھی تک خوف اور پریشانی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس نے نشاط افزا کی بات کاٹ دی تھی۔

''کوئی ایسی بات نہیں کی کہ تم پر کوئی الزام آئے۔ تمہاری گرفت ہو، تمہیں کچھ کہا جائے، تمہیں کسی غلطی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ میں نہ تمہیں پریشان کروں گی نہ تمہارے والد کو پریشان کروں گی۔ میں ایک لڑکی ہوں اس وقت بالکل غیر محفوظ ہوں۔ مجھے یہاں سے نکلنے میں تم مدد دے سکتے ہو تو دو۔ ضروری نہیں کہ تمہارے والد ہی میری مدد کریں تم بھی میری مدد کر سکتے ہو۔ تم مجھے یہاں سے نکالنے میں میری مدد کرو۔ میں کسی طرح سے...... کسی طرح سے بھی یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔'' نشاط افزا نے رمیض سے کہا۔

''تم کہاں جانا چاہتی ہو؟''

''میرا تعلق صوبہ سرحد سے ہے۔ پشاور شہر سے۔ جبکہ ہمارا بیک گراؤنڈ قبائلی ہے لیکن میرے دادا برسوں پہلے پاکستان بننے سے پہلے اپنے قبیلے سے نکل کر پشاور شہر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے بہت جدوجہد کی اور تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ڈاکٹر تھے۔ انہوں نے اسی طرح سے میرے والد کو بھی تعلیم دینے کی کوشش کی لیکن میرے والد کا رجحان میڈیکل کی طرف نہیں تھا۔ اس لیے وہ اُستاد بن گئے۔ ایک سکول میں پڑھانے لگے اور اسی سکول میں وہ پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ میری والدہ بھی ٹیچر تھیں، میرے چچا بھی ٹیچر تھے۔ یوں سمجھیں کہ میرے خاندان میں صرف میرے دادا کے علاوہ باقی سب کا تعلق ٹیچنگ سے ہے۔''

نشاط افزا اُس انداز میں بات نہیں کر رہی تھی جس انداز میں وہ اب تک رمیض سے بات کرتی آئی تھی۔ جو اس نے اپنا تاثر قائم کیا تھا، ایک پراؤڈ لڑکی کا، ایک بدلحاظ لڑکی کا۔ اس وقت وہ کوئی اور ہی نظر آ رہی تھی۔ پہلے والی نشاط افزا تو ہرگز نہیں تھی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے۔ خدا کے لیے تم میرے والد سے بات کرو اور پہلی فرصت میں یہاں سے چلی جاؤ۔'' رمیض نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''پہلی فرصت میں......'' نشاط افزا معنی خیز انداز میں مسکرائی ''مجھے تو ایک ایک پل کاٹنا دوبھر ہے۔ میرا بس چلے تو کوئی مجھے پر لگا کر یہاں سے اُڑا دے اور میں سیدھی اپنے شہر چلی جاؤں۔''

''اچھا...... ایک بات تو بتاؤ۔'' رمیض اُلجھے ہوئے انداز میں نشاط افزا کی بات کاٹ کر بولا ''تو تم جس گھر میں رہ رہی تھیں یہ کون لوگ ہیں؟''

''یہ میرے رشتہ دار ہیں۔''

''رشتہ دار ہیں......! تو پھر تم غیر محفوظ کیوں ہو؟ ہم تو تمہارے کچھ نہیں لگتے۔ وہ تو تمہارے رشتہ دار ہیں۔ ان سے زیادہ تمہارا کون خیال رکھ سکتا ہے'' رمیض اسی طرح سے پریشانی اور گھبراہٹ میں بات کر رہا تھا۔

''میں تمہیں اس لیے کچھ نہیں بتاؤں گی کہ تمہیں بتانے کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ میں تمہارے گھر سے چلی جاؤں گی اور پھر کبھی پلٹ کر تمہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی۔ مجھ سے کچھ اور مت پوچھو اور مطمئن ہو جاؤ کہ تمہیں میری ذات سے اور کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''ٹھیک...... اوکے'' رمیض نے اس کی بات سن کر اسی طرح اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

پھر اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر کھڑا ہو گیا ''ہاں ٹھیک ہے۔ پلیز...... تم ڈیڈی سے بات کر و اور جتنی جلدی یہاں سے جا سکتی ہو جاؤ۔ اب میں مزید ٹینشن افورڈ نہیں کر سکتا۔ میری طبیعت بھی اس وقت ٹھیک نہیں ہے اور میں وہ رمیض بھی نہیں ہوں جو تم سے ہٹ میں ملا تھا۔'' رمیض نے ایک نظر اُس حسن بے مثال پر ڈالی جو اس وقت اس پر کوئی تاثر چھوڑنے کی بجائے خوف میں ہی مبتلا کر رہا تھا۔ پھر تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

نشاط افزا اس کی پشت کی طرف دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں میں ایک گہری سوچ تھی لیکن کوئی اس سوچ کو پڑھ کر الفاظ دینے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆

سہیل رات کی تنہائی میں گہری خاموشیوں میں پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے۔ سمن کو فون کرنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔ اس لیے کہ وہ سمن سے جھوٹ نہیں بول سکتے

تھے۔ وہ سمن کو کیسے بتاتے کہ ابھی تک وہ انگلینڈ نہیں گئے حویلی ہی میں ہیں۔ اور یہ سنتے ہی سمن کے ذہن میں یہی آنا تھا کہ سہیل اس وقت اپنی دوسری بیوی کے پاس ہے۔ اور پھر...... اور پھر اس نے ایک دوزخ کے اندر آٹھ پہر جلنا تھا۔ نہ وہ انہیں بار بار فون کر کے تنگ کرتی نہ وہ ان کو یہ کہتی کہ میں رو رہی ہوں۔ وہ ان سے کچھ بھی نہ کہتی۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر وہ بتا بھی دیں گے کہ وہ ابھی حویلی میں ہیں تو وہ بار بار فون کر کے ان کی چوکیداری نہیں کر رہی ہو گی۔ وہ نہیں پوچھے گی اُسے سہنا آتا ہے۔ اس نے آج تک صرف سہا ہے۔ وہ دل کہاں سے لاتے جو سمن کو آٹھ پہر تڑپا پائیں۔ انہوں نے خاموشی ہی میں عافیت جانی۔ اگر وہ سمن سے دور تھے تو نیا سے بھی قریب نہیں تھے۔ حالانکہ ایک تعلق، ایک رشتہ کے حوالے سے وہ نیا کے پاس جا سکتے تھے۔ اس کی تنہائیوں پر ان کا حق تھا کہ جب چاہیں اس تنہائی کو توڑ ڈالیں۔ ایک محفل کا رنگ دیں، اُس محفل کا جس میں ان دونوں کے دلوں کی دھڑکن باتیں کر رہی ہو۔ نہیں، میں سمن کو اتنی بڑی اذیت نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ اُس کا قصور ہی کیا ہے۔ کیا اسے میں یہ بھی بتاؤں کہ میں انگلینڈ نہیں گیا ابھی تک یہیں پھنسا ہوا ہوں۔ وہ ان کی مجبوریوں کو سمجھنے کے بجائے یہی سمجھے گی کہ شاید میری دوسری بیوی مجھے جانے نہیں دے رہی۔ سمن نے جو محبت، خلوص بلکہ عشق کی انتہا کا آغاز دکھایا وہ اتنا انمنٹ تھا کہ کوئی بھی اس کو آسانی سے مٹا نہیں سکتا تھا۔ تنہائی ملتے ہی سب سے پہلے سمن ہی تو ان کے پاس آ کے کھڑی ہوتی تھی۔ ان کی تنہائی آج بھی سمن سے آباد تھی۔ نیا کے سامنے انہوں نے بہت کچھ کہا۔ تمام سچائیاں بیان کر دیں۔ ایک بے رحم سچ بھی بول دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتے اُس پر رحم کھاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہر ہر لمحہ ان کو یہی محسوس ہوتا تھا کہ سمن ان کی پشت پر آ کھڑی ہوئی ہے اور چپکے سے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ وہ پلٹ کر دیکھیں گے، وہ نظریں جھکا کے مسکرائے گی اور وہ بے اختیار اسے گلے سے لگا لیں گے۔ محبت کا احساس تو آج تک ابھی تک سمن ہی سے وابستہ تھا۔ وہ زندگی کے ایسے موڑ پر کھڑے تھے کہ چاہنے والے کو دکھ بھی نہیں دے سکتے تھے اور نہ ہی کسی بے قصور کو۔ سب سے زیادہ

قابلِ رحم تو وہ خود تھے۔ ایک طرف ماں، ایک طرف چاہنے والی محبوب بیوی اور ایک طرف ایک مظلوم لڑکی۔ ایک جوش و جذبات کی مٹی سے گندھا ہوا سرکش نوجوان جسے ابھی دنیا سے بہت کچھ چاہیے تھا لیکن اپنی جان کا دشمن ہو رہا تھا۔ اتنے سارے عذاب اور ایک اکیلے ان کی جان۔ وہ کھڑے ہوئے تھے یہاں تک سوچتے سوچتے شل ہو گئے اور پاس پڑی بید کی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔ چند لمحے گہری سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد سہیل کے اندر ایک جذبہ پوری قوت سے بیدار ہوا اور اس نے ان کے اندر نئے سرے سے توانائی بھر دی۔ بالکل ایسے ہی جیسے موت کے منہ میں جانے والے کی زندگی کے لیے آخری کوشش۔ انہیں یہاں سے فوراً چلے جانا چاہیے یہاں نہیں رُکنا چاہیے۔ وہ حویلی سے دور ہوں گے۔ نیا اور سمن سے دور ہوں گے تو بہت سارے مسئلوں کا حل نکالنے کا کوئی راستہ ملے گا۔ شاید کوئی ایسی راہ نظر آ جائے جہاں پر سمن ان کے ساتھ ہو ان کی مجبوریوں کو بھی سمجھ رہی ہو اور محبت کی خاطر اتنا بڑا دل کر لے کہ ان کے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔ پھر وہ ضرور کوئی ایسا راستہ نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے جہاں پر نیا بھی محفوظ اور سمن بھی ٹوٹنے سے بچ جائے۔ یہاں سے نکلتے ہی، لندن پہنچتے ہی سب سے پہلے سمن کو اپنے پاس بلائیں گے۔ وہ یہاں کے ماحول سے، یہاں کے لوگوں سے دور ہو گی تو پھر ایک دن وہ کوئی ایسا ماحول بنا کر جب سمن پورے حوصلے کے ساتھ ان کے سچ سننے کے قابل ہو تو وہ سب کچھ اُسے بتا دیں گے۔ یقیناً سمن ان کے لیے گھٹ گھٹ کر جینے کا راستہ چننے کی بجائے کوئی ایسا راستہ نکالے گی جہاں سے ان کو تازہ اور ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ملنے کی آس ہو۔ سمن کبھی بھی ان کو گھٹ گھٹ کر جینے نہیں دے گی۔ جس طرح کہ وہ نہیں چاہتے کہ وہ گھٹ گھٹ کر پوری زندگی گزارے۔ سمن ان پر ضرور رحم کھائے گی، ان کی مجبوریوں کو سمجھے گی اور وہ انکشاف جسے وہ سمجھ رہے ہیں کہ سمن کے لیے قیامت ہو گا اور شاید موت کا راستہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے سمن وہاں بیٹھ کر جب یہ سب کچھ سنے تو اس کے اندر وہ حوصلے ہوں جو سچ کو برداشت کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور زندگی سے منہ بھی موڑنے نہیں دیتے۔ یہ خیال آتے ہی سہیل کے اندر

جیسے چابی بھر گئی اور انہوں نے سوچا بلند سے بلند بلکہ شاید کل یا شاید پرسوں تک وہ حویلی سے چلے جائیں گے اور نیا کو یہ سب کچھ بتا کر نہیں جائیں گے۔ اس پر یہی ظاہر کریں گے کہ وہ چند دن کے لیے یہاں سے جا رہے ہیں، واپس آئیں گے۔ نیا کی طرف سے تو انہیں اطمینان تھا کہ بابا صاحب اور بی بی جان کی موجودگی میں وہ حویلی سے باہر تو جا ہی نہیں سکتی۔ مسئلے کا اچانک حل نکل آیا تھا۔ ان کی پوری روح کے اندر ایک سکون سا اُتر آیا اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسئلے کا حل نہ نکلے آدمی زندگی اور موت کے درمیان دیوانہ وار بھاگ رہا ہوتا ہے۔ موت دور کھڑی ہو گئی تھی زندگی بالکل قریب نظر آنے لگی تھی۔ وہ کل ہی چلے جائیں گے اور وہ حویلی میں ایک دن بھی نہیں رُکیں گے۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

''دولت میری زندگی کا عذاب بن گئی ہے۔'' نشاط افزا سر جھکائے انجم علوی سے بات کر رہی تھی۔

''دولت......! کس کی دولت کی بات کر رہی ہو بیٹا؟ آپ تو کہتی ہو کہ آپ کا کوئی نہیں ہے۔ آپ کو پناہ چاہیے۔ آپ کو یہاں سے جانا ہے۔ دور کہیں جانا ہے۔ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے۔'' انجم علوی اُلجھ رہے تھے۔

''انکل! میں نے آپ کو بتایا تا کہ جب میں بہت چھوٹی تھی تو ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گئی تھی اور جہاں سے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ میرا مطلب ہے جن لوگوں کے پاس سے میں آپ کے پاس آئی ہوں وہ میرے ماموں ممانی ہیں مگر سوتیلے ماموں۔ میرے نانا نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد انہوں نے میری نانی سے شادی کی تھی جن سے صرف ایک اولاد یعنی میری امی پیدا ہوئی تھیں۔ میرے نانا میری امی سے بہت پیار کرتے تھے۔ کیونکہ پہلی بیوی سے ان کے دو بیٹے تھے اور یہ بھی ایک حادثہ ہی سمجھئے کہ ایک ایکسیڈنٹ میں ان کے بڑے بیٹے کا انتقال ہو گیا تھا۔ میرے نانا کے پاس اس زمانے کے لحاظ سے بڑی معمولی سی زمین تھی جو انہوں نے میری امی اور میرے ماموں کے درمیان تقسیم کر دی تھی۔ امی کے حصے میں جو زمین آئی

اس وقت اس کی کوئی ویلیو نہیں تھی لیکن ایک دن اچانک پتہ چلا کہ وہاں پر کوئی شوگر مل بن رہی ہے اور وہاں کی زمینوں کے دام بڑھ گئے ہیں۔ وہاں پوری ایک کالونی بس رہی تھی۔ ظاہر ہے بہت بڑا پراجیکٹ تھا۔ میری امی کی زمین پر سے مین شاہراہ کا گزر تھا جو اس وقت نقشے پر تھی اور آج حقیقت میں موجود ہے۔ وہ زمین جو اس وقت لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی تھی اُس کی قیمت ایک کروڑ تک پہنچ گئی۔ میرے ماموں نے جو ان تمام حالات سے باخبر تھے اور میرے چچاؤں کو اس کی کوئی بھنک نہیں تھی۔ جب اس زمین کا پتہ چلا کہ اس کی اتنی ویلیو ہوگئی ہے۔ وہ میرے چچا کے پاس آئے بہت اپنے بن کر کہ یہ میری مرحوم بہن کی نشانی ہے اور آپ کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور اپنے بال بچوں کے ساتھ بڑی مشکل سے گزارا کرتے ہیں۔ میں اس بچی کا ماموں ہوں، میں اس کا سرپرست بننے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ میں اس کو اچھی تعلیم دلواؤں گا۔ بڑی ہوجائے گی تو خود ہی اس کی شادی کردوں گا۔ میرے چچاؤں کے اندر کوئی چالاکی، مکاری نہیں تھی نہ ان کو کوئی برے وہم آرہے تھے یا شاید وہ بھی میری ذمہ داری کو بوجھ سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ لوگ بھی سفید پوش لوگ تھے۔ ایک لڑکی کی ذمہ داری اسے پال پوس کر پھر اس کی شادی کی ذمہ داری بہرحال ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ میرے ماموں نے بڑی ہوشیاری سے مجھے وہاں سے نکال لیا اور بہت پیار سے میری پرورش کرنے لگے۔ میرے چچاؤں کی طرح مجھے بھی علم نہ تھا کہ میری ماں کے نام کوئی قیمتی زمین ہے اور وہ زمین اُس وقت جو اس کی ویلیو تھی، اُس کے بدلے میں گورنمنٹ نے جو امی کو زمین دی تھی اُس کی ویلیو بھی وہی تھی۔ آج اس زمین کی مالیت کئی گناہ زیادہ ہوچکی ہے۔ میرے چچاؤں کا انتقال ہوچکا ہے۔ صرف ایک چچا میرے جو بہت بیمار رہتے ہیں اور ریٹائرڈ ٹیچر ہیں وہ موجود ہیں۔ میں ان کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ اس زمین نے مجھ سے چین کی ایک ایک سانس چھین لی ہے۔'' نشاط افزا بولتے بولتے سانس لینے کے لیے رُکی۔ انجم علوی بڑے غور سے اُس کی بات سن رہے تھے۔

''اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ میری شادی اپنے اس بیٹے کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو مجھ

سے عمر میں تقریباً پچیس سال بڑا ہے۔ ایک حادثے میں اپنی بینائی سے محروم ہوچکا ہے۔ بس انہوں نے ایک طرف ڈالا ہوا ہے۔ اُس سے شادی کا مقصد صرف یہ ہے کہ میری دولت اُن کے بیٹے کے پاس پہنچ جائے اور ان کے بیٹے کے پاس پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دولت پر اختیار حاصل کرلیں گے۔ انہوں نے مجھے قیدیوں کی طرح پالا ہے انکل۔ مجھے آپ کے سامنے یہ کہنا اچھا تو نہیں لگ رہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو حسن دیا ہے وہ میرے لیے نعمت نہیں ایک عذاب بن گیا ہے۔ میرے ماموں ممانی نے مجھے دنیا سے چھپا کر رکھا کہ میرا میل جول لوگوں کے ساتھ ہوگا تو لوگ میرا رشتہ مانگنے آئیں گے اور ظاہری بات ہے کہ ایک خاص عمر میں ایک لڑکی بھی شادی کے خواب دیکھتی ہے۔ کہیں کوئی میرے پیچھے نہ پڑ جائے، کہیں میں کسی کی محبت میں گرفتار ہو کر محبت کی شادی نہ کر بیٹھوں۔ ان کو ظاہری بات ہے کہ اسی طرح کے خوف ستاتے ہوں گے جو انہوں نے مجھے اس طرح سے قیدی بنا کر پالا۔ میرے ماموں کے پاس ویسے ہی بے حساب دولت ہے۔ مگر شاید جن کے پاس بے حساب دولت ہوتی ہے انہی کے اندر دولت کی وحشت ناک بھوک بھی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات کہ میرے ماموں کی یہ تمام دولت کالا دھن ہے۔ وہ دو نمبر کام کرتے ہیں، کرنسی کا ہیر پھیر کرتے ہیں، وہ ٹیکس بچاتے ہیں، یہ ساری دولت ان کی حلال کی کمائی نہیں ہے۔ کبھی ان کے پاس جب باپ کی طرف سے وراثت میں تھوڑی بہت دولت آئی تھی اس تھوڑی بہت دولت کو ہی انہوں نے بے حساب دولت میں بدلا تھا۔ یہ بے حساب دولت ان کو مطمئن نہیں کررہی۔ ان کو اپنے بیٹے کی معذوری سے بھی سبق حاصل نہیں ہورہا۔ پتہ نہیں ان کو کس نے بتادیا ہے کہ ساری دنیا ختم ہوجائے گی مگر وہ زندہ رہیں گے اور ان کو زندگی گزارنے کے لیے، صدیوں تک زندہ رہنے کے لیے ایک لامحدود دولت چاہیے۔ بولتے بولتے نشاط افزا کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ میں نے قیدی بن کر زندہ رہنا قبول کیا اس آس پر کہ کبھی تو اس قید سے میری جان چھوٹے گی لیکن اب تو حد ہوگئی ہے۔ میں ایک معذور شخص سے وہ بھی جو عمر میں مجھ سے پچیس سال بڑا ہے، کیسے شادی کرلوں؟ بس آپ [illegible]ے چچا تک پہنچا دیجیے۔ آپ

یقین کیجیے میرے ماموں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان کا بڑا اثر و رسوخ ہے اور آپ کو تو پتہ ہی ہوگا کہ اس ملک میں ایک بے حساب دولت رکھنے والا کتنا بااثر ہو سکتا ہے۔ میں جس طرح سے وہاں سے نکلی ہوں بتا نہیں سکتی۔ مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا کہ میں وہاں سے نکل آئی ہوں۔ طرح طرح کے ملنے جلنے والے لوگ، ہر طرح کے جرائم میں ملوث پیشہ ور لوگ ان سے میل جول رکھتے ہیں۔ انہی کے ملنے والوں نے مجھے ایک مرتبہ اغوا بھی کر لیا تھا۔ ماموں سے میرا رشتہ مانگ رہے تھے ماموں نے انکار کیا تو ان کی دوستی دشمنی میں بدل گئی۔ انہوں نے مجھے اُٹھا لیا اور رمیض سے ملاقات کا سبب بھی یہی حادثہ بنا۔ وہ مجھے اُٹھا کر، لانچ میں ڈال کر کہیں لے جانا چاہ رہے تھے۔ بس خدا نے میری مدد کی۔ پتہ نہیں کس وجہ رمیض ان دنوں آپ کے ہٹ میں رہ رہا تھا۔ اس نے اس دن میری مدد کی۔ یوں سمجھئے کہ اللہ کو مجھ پر رحم آ گیا تھا۔ اُس نے رمیض کو فرشتہ بنا کر مجھ تک پہنچایا اور رمیض نے بڑے حوصلے اور بڑی ذہانت سے ان لوگوں کا مقابلہ کیا۔ میں واپس چلی گئی اس لیے کہ اس وقت مجھے واپس ہی جانا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اس وقت میرے ذہن میں اتنا خوف بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے اس وقت اپنے ماموں ہی نجات دہندہ نظر آ رہے تھے۔ حالانکہ اس دن بھی میں چاہتی تو کہیں اور بھاگ سکتی تھی۔ اس دن بھی یہ خوف تھا کہ میں جاؤں گی کہاں؟ اور ماموں نے تو میرے اغوا ہونے کے بعد ہر طرف لوگ دوڑا دیے ہوں گے۔ وہ تو پاگلوں کی طرح مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ بہر حال میں واپس چلی گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد رمیض میرے گھر آیا۔ شاید اس نے میرا پیچھا کیا تھا۔ اس نے مجھ سے پناہ مانگی چند دن کے لیے۔ میری ممانی جن کو سب دادا بولتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کہ ان کو دادا کیوں بولتے ہیں۔ بہت خوفناک، وحشت ناک خاتون ہیں۔ میرے ماموں پر بھی حکومت کرتی ہیں۔ بہت زور آور خاتون ہیں۔ انہوں نے رمیض کو بھی اپنے جرائم پیشہ لوگوں میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی اور میں نے رمیض کو وہاں سے بھاگ دیا تھا۔ رمیض نے تو میری ممانی کو بڑی عجیب سی کہانی سنائی تھی۔ اُس نے بتایا تھا کہ میرا باپ بہت ظالم ہے۔ میری ماں پر ظلم کرتا ہے، مجھ پر ظلم کرتا ہے اس لیے

میں نے وہ گھر چھوڑ دیا لیکن پتہ نہیں اس وقت بھی مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں لیکن اس نے مجھ پر مہربانی کی تھی۔ میں اسے جرائم پیشہ لوگوں کے حوالے کیسے ہونے دیتی۔ میں نے اسے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔'' نشاط افزا بولتے بولتے ہانپنے لگی۔

انجم علوی جیسے سانس روکے ہوئے اس کی داستان سن رہے تھے۔ اُس لڑکی کے لیے ایک جذبہ تشکر ان کے دل میں لاشعوری طور پر بیدار ہوا کہ اس لڑکی نے مہربانی کا جواب مہربانی سے دیا۔ ان کے بیٹے کو خطرناک جرائم پیشہ گروہ میں داخل ہونے سے بچا لیا تھا۔ یہ تو اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس احسان کا بدلہ تو پھر یہی ہے کہ اس کی بھرپور مدد کی جائے اور اس کو وہاں پہنچا دیا جائے جہاں یہ جانا چاہتی ہے۔

''بیٹا......! آپ مجھے اپنے چچا کا ایڈریس دیں۔ پشاور میں میرے ملنے جلنے والے دوست احباب ہوتے ہیں۔ وہاں کسی سے بھی میں بات کر کے ان کا ٹھکانہ، پتہ، حالات وغیرہ معلوم کرا سکتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس فون نمبر ہے تو آپ خود بات کر لیں پہلے اور میری بات کرا دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جیسا مجھ سے ہو سکے گا جس حد تک بھی ہم آپ کی مدد کر سکیں گے ضرور کریں گے۔ بلکہ ہمیں آپ کی مدد کر کے خوشی ہوگی۔ اس لیے کہ بس جان کر یا انجانے میں بہر حال آپ نے ہم پر بہت بڑا احسان تو کیا ہی ہے۔'' انجم علوی شکریے کے لہجے میں نشاط افزا سے بات کر رہے تھے۔

''احسان......! میں نے کیا احسان کیا ہے آپ پر؟ میں تو اپنے قابل نہیں ہوں۔ خود اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ میں کسی پر کیا احسان کروں گی؟'' نشاط افزا کو انجم علوی کی بات پر حیرت ہوئی تھی۔

''بیٹے! بات یہ ہے کہ میں نے تو اپنے بیٹے کو خود سری، سرکشی کی سزا دینے کے لیے زمانے کے سرد و گرم دکھانے کے لیے اُس کو گھر سے باہر کیا تھا تا کہ وہ بھی دنیا دیکھے، وہ بھی دیکھے کہ دھوپ میں جل کر روزی کیسے کمائی جاتی ہے اور آسائشات کے بغیر زندگی کیسی لگتی ہے لیکن یہ کتنی خطرناک بات ہوئی تھی کہ وہ اس سزا سے گزرتے گزرتے اُس

جگہ پہنچ گیا تھا جہاں مضبوط جرائم پیشہ لوگ جیسے اس کا انتظار کر رہے تھے یا اس جیسے لوگوں کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ نے اس کو وہاں سے نکلنے میں مدد دی۔ جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بچالیا۔'' انجم علوی واقعی بڑے ممنون لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں نے انجانے میں کوئی اچھا کام کر دیا ہے۔ البتہ اس وقت مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میری وجہ سے آپ کسی نقصان سے بچ گئے۔ اور رہی میرے چچا کے فون نمبر کی بات تو کمال بات کی ہے آپ نے۔ میں نے آپ کو بتایا کہ میں تو ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ وہ مجھے میرے چچا سے بات کیوں کرنے دیتے؟ اس لیے کہ جو گلٹی فیل کرتا ہے وہ اپنے بندوبست میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ احساس جرم اسے بہت محتاط رکھتا ہے۔ وہ لوگ اتنے محتاط تھے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مجھے چچا سے بات کرنے دیتے یا مجھے ان سے رابطے میں رکھتے۔ ہاں ایڈریس البتہ میں آپ کو ان کا دے سکتی ہوں۔'' نشاط افزا نے انجم علوی کو جواب دیا۔

''چلو شکر ہے ایڈریس تو ہے نا آپ کے پاس۔ آپ مجھے ایڈریس دیجیے۔ وہاں پر میرے ایک بہت قریبی دوست ہوتے ہیں۔ میں ان کو یہ ایڈریس Send کر دیتا ہوں اور ان کے ذمے یہ Duty لگا دیتا ہوں کہ وہ آپ کے چچا کو تلاش کریں اور مجھ سے ان کی بات کرا دیں۔ جب میری ان سے بات ہوگی تو لازمی میں آپ کی ان سے بات کراؤں گا۔ پھر ہم طے کرلیں گے کہ آپ کو ان تک کس طرح سے پہنچانا ہے۔ ٹھیک ہے بیٹا......!'' بڑے محبت بھرے شفیق انداز میں نشاط افزا سے کہا۔

ایک تو وہ کم عمر لڑکی تھی۔ دوسرے حسن بے مثال یوں بھی انسان کو نرمی سے سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ حسن میں بڑی قوت ہے، چاہے وہ حسن کلام ہو یا چہرے کا حسن۔ ضروری نہیں ہے کہ حسین چہرے کو صرف ایک نیت سے دیکھا جائے۔ شریف لوگوں کے ہاں اپنی اولاد کے ہم عمر بچے اپنی اولاد ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کو اسی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ نشاط افزا نمو کی عمر کی تھی اور انہیں نمو ہی کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ وہ

دینے لگے ماشاء اللہ میری نمو بہت خوش قسمت ہے اس لیے کہ ماں باپ سے محروم ہونے کے باوجود وہ میرے پاس آ گئی تھی اور میں نے اپنی بہن کی نشانی کو کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ میری اپنی اولاد نہیں میری بھانجی ہے۔ اور یہ لڑکی کس قدر حسین ہے اور کتنی مظلوم ہے۔ انہیں نشاط افزا پر رحم آنے لگا۔

''ٹھیک ہے انکل......! میں آپ کو ان کا ایڈریس لکھ کر دے دیتی ہوں۔ آنٹی! اگر مجھے کوئی کاغذ قلم دے دیں۔ جو کچھ بھی میری میموری میں یا میرے حافظے میں ہے وہ میں لکھ دیتی ہوں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔ خدا کرے میں اس شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' نشاط افزا بولتے بولتے جیسے رو پڑی تھی۔

انجم علوی کے دل پر چوٹ سی پڑی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور بڑی شفقت سے نشاط افزا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا'' بیٹے! آپ بالکل محفوظ ہیں۔ جب تک آپ اپنے چچا کے پاس نہیں پہنچ جاتیں، میرے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ آپ بالکل ایزی فیل کریں۔ ٹھیک ہے بیٹا! میں آپ کی آنٹی کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔'' اتنا کہہ کر انجم علوی وہاں سے چل دیے۔

نشاط افزا گم صم ان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ رمیض! اتنا شاندار، اتنا مہربان باپ تمہارا۔ اور تم نے ان کے بارے میں کس قدر جھوٹ بولا۔ لیکن کیوں؟ اس بات کا جواب فی الحال نشاط افزا کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

''تم نے بہت اچھا کیا نمو کہ چلی آئیں۔ مردوں میں عموماً بہت انا ہوتی ہے۔ بہت egoest ہوتے ہیں، بے انتہا انا پرست۔ اور ولید تو شروع ہی سے میرے لیے پرابلم تھا۔ لیکن کیونکہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور اسے سچ مچ اپنا بیٹا ہی جانا تھا۔ مجھے پتہ ہے، مجھے ولید نے بتایا تھا کہ وہ تمہیں منگنی کے بعد سب کچھ بتا چکا ہے۔ مجھے یہ سن کر وقتی طور پر پریشانی تو ہوئی تھی کہ کہیں تمہارے ماموں ممانی تک بات پہنچ گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس رشتے سے ہی انکار نہ کر دیں لیکن ولید نے مجھے بتایا کہ نمو اس طرح کی حرکت

نہیں کرے گی۔ وہ میرے ساتھ بالکل Sincere ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ تمہاری تعریف کر رہا تھا اور یقین کرو میں بے انتہا خوش ہو رہی تھی کہ شکر ہے وہ میرے انتخاب سے مطمئن ہے۔'' وردہ کمال نمو کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیے ہوئے بیٹھی بہت پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''ممی! ولید کو علاج کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ بس ایک حد تک ہی ان کے مسائل سے واقف ہیں۔ میں ان کی تنہائی کی ساتھی ہوں اور میں بہت کچھ دیکھ رہی ہوں۔ ممی! وہ ذرا سی دیر میں ساری دنیا سے کٹ جاتے ہیں۔ ان کی آنکھ میں جو وحشت ناچتی ہے۔ باخدا وہ آپ نے نہیں دیکھی ہوگی۔ مجھے ان کی طرف سے بہت فکر ہے اور میری طرف سے تو آپ بالکل مطمئن رہیے۔ میں انہیں اپنا بنا چکی ہوں، اپنا مان چکی ہوں۔ اپنے بزرگوں، اپنے بڑوں کے فیصلہ پر میں نے سر جھکایا تھا۔ میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر خوش ہوں، راضی ہوں۔ مجھے ولید سے بہت ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان کا علاج ہو، وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں۔ اس لیے کہ ممی وہ تو بالکل بے قصور ہیں۔ انہیں اس اذیت کی آگ میں نہیں جلنا چاہیے۔ نمو کی بولتے بولتے آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔'' وردہ کمال نے بے اختیار نمو کی پیشانی چوم لی۔

''شکر ہے مالک کا، جتنا بھی احسان مانو کم ہے کہ ولید کو تم جیسی سمجھدار، ہوشمند اور محبت کرنے والی بیوی ملی جو اس کو بوجھ سمجھنے کی بجائے اس کے قریب ہو رہی ہے، اس کی بہتری کی خواہش مند ہے۔''

''تھینک یو!...... ممی!''

''ہاں میری جان! بس جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ سانپ گزر جائے تو لکیر پیٹنے سے فائدہ بھی کیا ہے۔ جب انسان کسی دوسرے انسان سے بدلہ لے رہا ہوتا ہے تو اسے مل بھی کیا جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ سامنے والے کا سکون برباد کر رہا ہے یا حساب برابر کر رہا ہے لیکن سکون برباد کرنے سے خود کو بھی کہاں سکون ملتا ہے۔'' وردہ کمال نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ممی! اور میں ہمیشہ یاد رکھوں گی آپ کا ظرف، آپ کا بڑا

پن، آپ کی یہ مہربانی۔''

''نہیں نمو......! ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔ تم ہماری اپنی ہو۔ آج ہم تمہارے لیے دل بڑا کریں گے۔ کل تم ہماری کسی غلطی کی پردہ پوشی کرو گی۔ کسی کو کیا خبر کہ آنے والے وقت میں اس کے لیے کیا لکھا ہے۔ بس پتہ نہیں کیوں ایک وقتی طور پر میری ذہنی حالت ایسی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ میں نے زندگی میں کبھی اس طرح کی ذلت سے گزرنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہوا جیسے اچانک کوئی بہت بڑا حادثہ پیش آ جائے اور اس وقت جبکہ ہر وقت سکون ہی سکون ہو۔ بس بیٹا بھول جاؤ۔ ہم بھی بھلانے کی کوشش کریں گے۔ ہمارے لیے یہی کیا کم ہے کہ تم ہمارے بیٹے کو سنبھال رہی ہو اور وہ کچھ برداشت کر رہی ہو جو عام حوصلے والی لڑکی کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں تمہارے لیے دعا کروں گی اور کوشش کروں گی کہ کسی طرح ولید کو تیار کر لوں کہ وہ اپنا علاج کروانے پر راضی ہو جائے۔ دیکھو نا جب تک مریض خود اپنے آپ کو مریض تسلیم نہ کرے اس کا علاج ہو نہیں سکتا۔ ہم کب تک اُسے ڈھکا چھپا کر کے دوائیاں کھلائیں گے بچوں کی طرح۔ پہلے تو وہ ایڈمٹ کرے کہ ہاں اسے پرابلم ہے۔ اور یہ بھی ایڈمٹ کرے کہ اچھی طرح سے جینا اور صحت مند زندگی گزارنا اس کا انسانی حق ہے۔ اسے ذہنی اور جسمانی ہر لحاظ سے صحت مند ہونا چاہیے۔''

''اور ممی یہ کام آپ کو کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ ابھی میری ان کے ساتھ وہ انڈرسٹینڈنگ نہیں ہے۔ اعتبار اور محبت کے رشتے میں ابھی اتنا دم نہیں ہے جتنا آپ کے اس کے رشتے میں ہے۔ آپ اسے آہستہ آہستہ اپنے انداز میں کسی طرح سے کہیں گے تو مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کی بات پر غور کریں گے۔'' نمو نے ہچکچاتے ہوئے درخواست کے انداز میں بات کی۔

''ہاں ہاں...... تم اس کی فکر نہ کرو۔ ظاہر ہے جو ٹینشن تمہیں ہے وہ ہمیں بھی تو ہے۔ ہم کب چاہیں گے کہ جسے ہم نے اتنے ناز و نعم سے پالا ہے جو ہمیں اتنا پیارا ہے وہ ابنارمل زندگی گزارے۔ زندگی کی سچی خوشیوں سے محروم ہو کر زندگی گزارے۔ بیٹا! تم

فکر نہیں کرو بلکہ میں سعید سے بات کرتی ہوں۔ سعید کا اپنا ایک انداز ہے بات کرنے کا اور سعید کو وہ بہت زیادہ Regard کرتا ہے۔ سعید کے سامنے زیادہ بحث بھی نہیں کرتا۔ ہم مل جل کر کوشش کرتے ہیں کہ اسے سنبھال لیں۔'' وردہ کمال نے نمو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دینے کے انداز میں کہا اور لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔

نمو ان کے جانے کے بعد سوچنے لگی کہ اب میں لاؤنج سے نکل کر کہاں جاؤں۔ کمرے میں جاؤں جہاں وہ نیا کھاتہ کھول کے بیٹھا ہوگا۔ پھر نئے چبھتے ہوئے طعنوں کے تیر اُس پر حملہ آور ہوں گے۔ پھر دل جگہ جگہ سے کاٹ کو محسوس کرے گا۔ پھر اس کاٹ سے ٹیسیں اُٹھیں گی۔ پھر وہ خود کو سمجھائے گی۔ پھر وہ خود کو بہلائے گی۔ یہاں تک سوچتے سوچتے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کیا جینا ہے یہ جینا جس زندگی میں صرف سہنا ہی سہنا ہو اس زندگی کو زندگی نہیں آزمائش کہتے ہیں۔ مجھے ایسے کون سے اعزاز سے نوازا جانا ہے جو میں سہنے والی زندگی کے ساتھ خوشی خوشی سمجھوتہ کرلوں اور اگر میں ایسا نہ کروں تو پھر کیا کروں؟ نمو نے جیسے اپنا مذاق خود ہی اُڑایا اور بے اختیار ہنس پڑی تھی۔ اپنے آپ پر ہنسنا بڑا دلچسپ کام ہے لیکن بہت مشکل بھی۔

☆☆☆☆☆

''مخدوم صاحب! یہ جان چھڑا کر جا رہا ہے۔ پڑھائی کا بہانہ کر کے جا رہا ہے ولایت۔ یہ واپس نہیں آئے گا۔ مجھے اب اعتبار نہیں ہے۔'' مہرالنساء رو رو کر مخدوم صاحب سے کہہ رہی تھیں اور سہیل اپنا سر پکڑے ہوئے بیٹھے تھے۔

''مہرو...... مہرو! خدا کے واسطے یہ رونا دھونا بند کر۔ صبر سے بات سن۔ یہ اپنے باپ سے جھوٹ نہیں بول رہا یہ میں جانتا ہوں۔ کیونکہ اگر اس نے وہاں جانا ہوتا اس نیت سے کہ واپس نہیں آئے گا تو یہ مجھے بتائے بغیر چلا جاتا اور وہاں پہنچ کر مجھے اطلاع دیتا کہ اب میں یہاں نہیں آؤں گا۔ اپنی اولاد کو نہیں سمجھتی۔ سب کچھ تو مان بیٹھا ہے۔ تیری میری مان تو لی ہے اس نے۔ اب تجھے کون سے وہم تنگ کر رہے ہیں۔ تیری بہو تیرے گھر میں ہے۔ وہ اس گھر سے باہر نہیں جا رہی اور نہیں جائے گی۔'' مخدوم

صاحب مہرالنساء کو عاجز آ کر سمجھا رہے تھے۔ ایک طرح سے سہیل کا بوجھ بٹا رہے تھے جو بی بی جان کا بری طرح سے رونا دھونا دیکھ کر چکرا سے گئے تھے۔

''مخدوم صاحب! ہم نے اس کی دوسری شادی زبردستی کی ہے یہ مت بھولیں۔'' مہرالنساء اسی طرح روتے ہوئے بولیں ''اس نے نہیں قبول کیا۔ اس کی جان اسی میں اٹکی ہوئی ہے وہ جو بانجھ بنجر ہے۔ اس کے دل میں وہی بستی ہے۔ یہ اس کو بھی وہیں بلا لے گا۔ یہ ملک چھوڑ جائے گا۔ بس مجھے اعتبار نہیں ہے میں کیا کروں؟'' مہرالنساء پر کسی تسلی، کسی دلاسے کا اثر نہیں تھا۔

''بی بی جان! آپ دونوں کو اگر چھوڑنا ہوتا تو میں چھوڑ چکا ہوتا۔ آپ میرے ماں باپ ہیں، آپ دونوں کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ آپ نے مجھے پڑھایا لکھایا، میرے ناز نخرے اُٹھائے، مجھے شہزادوں کی طرح رکھا۔ میری ضد پوری کی۔ سمن غیر برادری کی تھی۔ ہمارے ہاں غیر برادری میں شادی نہیں ہوتی لیکن آپ نے میرا خیال کیا۔ سمن سے میری شادی کر دی۔ میں آپ کا کوئی احسان نہیں بھولا۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا اور نہ ہی کبھی دھوکا دوں گا۔ آپ کی تسلی کے لیے کہہ رہا ہوں آپ مجھ سے حلف اُٹھوا لیں۔ میں نیا کو قبول کر چکا ہوں۔ میں اب اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ آپ چاہیں تو میں آپ کی قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اب میں نیا کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ آپ کی بہو ہے، وہ یہیں رہے گی میری بیوی کی حیثیت سے۔'' سہیل ماں کو تسلی دے رہے تھے اس لیے کہ بہت ضروری ہو گیا تھا۔

وہ ہر قیمت پر جانا چاہتے تھے۔ وہ کچھ دنوں کے لیے اس ماحول سے دور چلے جانا چاہتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر وہ اس ماحول سے دور نہیں گئے تو کوئی نہ کوئی غلطی کر سکتے ہیں۔ کوئی بھول چوک ان سے ہو سکتی ہے۔ کسی کا دل توڑ سکتے ہیں۔ اب وہ کسی قیمت پر رکنے کے لیے رضامند نہیں تھے۔ اس لیے حلف اُٹھانے کی بات بھی کر رہے تھے اور ماں کی قسم کھانے کی بھی۔ سہیل کی یہ بات سن کر مہرالنساء آنکھیں پھاڑ کر سہیل کی طرف دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ بے یقینی ایک خوشی کی

کیفیت میں تبدیل ہوگئی۔ وہ اتنی خوش ہوئیں کہ ان سے بات کرنا مشکل ہوگئی۔ پھر ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھیں اور سہیل کو اپنے سینے سے لگالیا۔

''بس بس...... مجھے پتہ ہے تو میرا خون ہے، میرا بیٹا ہے۔ میں تیری ماں ہوں۔ تو کبھی بھی میری قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔ اپنی ماں کی قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔ میں نے اعتبار کیا لیکن بیٹا جلدی آ جانا۔ ماں کے پاس اب رہ ہی کیا گیا ہے۔ تیرا چہرہ دیکھتی ہے تو زندگی بڑھ جاتی ہے۔ تجھے نہیں دیکھتی تو یہ حال ہوتا ہے جیسے پاگل ہوگئی ہوں۔ جیسے کچھ رکھ کے بھول گئی ہوں۔ پتہ نہیں کچھ ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ سہیل! ماں کا خیال کرنا بیٹا۔ جلدی آ جانا۔'' وہ سہیل کی پیشانی چوم کر، نہال ہوکر کہہ رہی تھیں۔

''آپ فکر نہ کریں بی بی جان۔ میں واپس آؤں گا اور شاید پھر دوبارہ نہ جاؤں۔ بس یہ میرے پیپرز ہو جائیں، میرے سر سے ایک بوجھ اُتر جائے گا۔ میں نے بڑی محنت کی ہے۔ اگر میں یہ پیپر نہ دے سکا تو میری سالوں کی محنت بے کار چلی جائے گی بی بی جان!'' سہیل ماں کو سمجھا رہے تھے۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے مہر النساء۔ اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھی ہیں اس نے۔ اب کچھ حاصل وصول بھی تو ہو۔ ہمارے لیے بھی فخر کی بات ہوگی کہ ہمارا بیٹا ولایت پڑھ کے آیا ہوا ہے۔'' مخدوم عبدالرب نے سہیل کی طرف بڑے فخریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مہر النساء سے کہا۔ مہر النساء پر بھی ان الفاظ نے جادو جیسا کام کیا۔ ولایت پڑھا ہوا بیٹا۔ ان کے پاس فخر اور غرور کے لیے بہت سامان تھے۔ اس سامان میں یہ ایک اور اضافہ۔ اور اب تو وہ یوں بھی مطمئن ہو چکی تھیں کہ ان کا بیٹا ان کی قسم کھانے کو تیار تھا انہیں یقین دلانے کے لیے۔

بہت پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں ''سہیل! ماں کو زیادہ انتظار نہ کرانا۔ جلدی آ جانا بیٹا۔ اب ماں کے اندر انتظار کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ تجھے دیکھتی ہوں تو لگتا ہے کہ جی رہی ہوں اور بس تجھے دیکھ دیکھ کر ہی تو جی رہی ہوں۔'' انہوں نے پھر سے سہیل کا سر اپنے سینے سے لگایا اور جھک کر پیشانی چوم لی۔

سہیل کو ایک گونہ سکون کا احساس ہوا۔ شکر ہے ایک بہت سخت اور کڑا مرحلہ انہوں نے طے کر لیا تھا۔ اب رُخصتی کا ایک مرحلہ نیا کے ساتھ تھا۔ اُسے بھی تو بتانا تھا کہ اب وہ کچھ عرصہ تک حویلی میں نظر نہیں آئیں گے۔ بلکہ اس ملک کے کسی شہر میں نظر نہیں آئیں گے۔ وہ سکون سے یہاں رہے اور اگر چاہے تو اپنی ماں کو یہاں بلوا لے۔ انہیں کچھ دن اپنے پاس رکھے اور کیا ہو سکتا تھا؟ وہ اب اس سے آگے تو نہیں جا سکتے تھے۔ وہ شاداب اور اس کی ماں کو نہیں سمجھا سکتے تھے۔ یہ کام تو اب نیا ہی نے کرنا تھا۔ وہ کچھ دیر ماں باپ سے باتیں کرتے رہے پھر اوطاق میں چلے گئے۔ وہاں سے فوراً اُٹھ کر جانا اور نیا کو سمجھانا یا نیا کا سامنا کرنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

سبرینہ دل ہی دل میں نمو کو بہت سراہ رہی تھیں۔ بلکہ ایک طرح سے اس کی احسان مند تھیں کہ اس نے بڑا جرأتمندانہ قدم اُٹھا کر گھر کے اندر ایک اُٹھنے والی قیامت کو روک دیا تھا۔ انجم علوی کو اگر پتہ چلتا کہ ولید کمال اپنی بے عزتی کے بعد نمو کو اس کے گھر واپس چھوڑ گیا ہے۔ وہ تو شاید نئے سرے سے اس گھر میں حشر برپا کر دیتے اور جو نہ ہوتا کم تھا۔ انہیں بڑی حیرت بھی تھی کہ اتنی بزدل سی، بہت جلدی خوفزدہ ہو جانے والی نمو کے اندر اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ اس نے اتنا بڑا قدم اُٹھایا۔ بہرحال وہ بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔ کان ان کے البتہ فون کی گھنٹی کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کسی بھی لمحے نمو کا فون آئے گا۔ ان کے دل سے دعا نکلتی کہ یا اللہ! نمو کا فون آئے تو خیر کی خبر ہو اور کوئی بری خبر نہ سنائے۔ اللہ! ولید کو عقل اور ہوش دے کہ وہ اس بے قصور اور بے خطا بچی کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔ سوچ رہی تھیں کہ دو تین گھنٹے گزر جائیں تو پھر وہ نمو کی ساس ورده کمال کو خود فون کریں گی اور ان سے Request کریں کہ پھر اپنے بیٹے کی طرف سے، اپنی طرف سے ان سے معافی مانگ لیں گی۔ اس لیے کہ رمیض کو وہ جس حال میں گھر واپس لائی تھیں۔ اب ماں ہونے کے ناطے ان میں حوصلہ نہیں تھا کہ وہ رمیض کو پھر کسی مشکل میں ڈال دیں اور باہر دھکے کھانے کے لیے

چھوڑ دیں۔ اتنے دن انہوں نے تڑپ تڑپ کر کاٹے تھے اور جب رمیض سے ملیں تو اسے دیکھ کر تو جیسے بے ہوش ہی ہو گئی تھیں۔ اتنا نازوں کا پالا زخموں سے نیلا، چور چور ان کے سامنے کیسا نڈھال پڑا ہوا تھا۔ انہیں ایک لمحہ کے لیے تو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ آخر انہوں نے انجم علوی کی منت خوشامد کر کے اس کے لیے راستہ نکال لیا تھا لیکن اگر مو واپس نہ جاتی تو شاید انجم علوی اپنے زخمی بیٹے پر بھی رحم نہ کھاتے۔ آخر انسان کتنا سہہ سکتا ہے، کہاں تک سہہ سکتا ہے۔ انجم علوی کو ضرور اپنی اولاد سے محبت تھی لیکن سالوں کی محنت سے بنائی ہوئی عزت بہت مشکل سے سمجھوتے ہوتے ہیں۔ خواہ سامنے اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ ابھی ابھی انجم علوی انہیں کہہ کر گئے تھے کہ وہ جو بچی نشاط افزا لاؤنج میں بیٹھی ہے اُسے ناشتہ وغیرہ کراؤ اور اسے کوئی کاغذ قلم دو۔ وہ کوئی پتہ لکھے گی اس پتہ اس کے پیاروں کو ڈھونڈنا ہے، تلاش کرنا ہے تاکہ اس بچی کو ان کے پاس پہنچایا جا سکے۔ وہ کاغذ قلم لے کر ملازم کو ناشتہ لگانے کی ہدایت کر کے لاؤنج کی طرف جا رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ پتہ نہیں اس نے انجم علوی پر ایسا کیا پڑھ کر پھونکا ہے کہ اتنی محبت اور اتنی نرمی مدتوں بعد وہ ان کے لہجے میں دیکھ رہی تھیں۔ وہ حیران بھی تھیں کہ آخر اتنی خوبصورت لڑکی، اتنی لاوارث سی کیوں ہے؟

☆☆☆☆☆

”شاید مجھے لندن میں تین ماہ لگ جائیں۔ زیادہ بھی لگ سکتے ہیں۔“ سہیل نیا سے بات کر رہے تھے۔

نیا نے ایک نظر ان پر ڈالی اور بڑے سپاٹ لہجے میں ان سے پوچھا ”ثمن کو پتہ ہے کہ آپ لندن جا رہے ہیں؟“

”وہ تو اپنے حساب سے مجھے لندن کے لیے رخصت بھی کر چکی ہے۔“ سہیل بے معنی سا مسکرا کر بولے ”میں اسے اس کی خالہ کے پاس شہداد پور چھوڑ کر آیا تھا اور یہی بتا کر اس کو وہاں چھوڑا تھا کہ چند دنوں بعد میں لندن کے لیے فلائی کر جاؤں گا۔ اب کو اکیلا اپارٹمنٹ میں نہیں چھوڑ سکتا۔“ اتنا کہہ کر وہ رکے جیسے کچھ بولنے کے لیے الفاظ

ترتیب دے رہے ہوں۔

نیا ہمہ تن گوش تھی لیکن یوں ظاہر کر رہی تھی کہ جیسے اسے کوئی دلچسپی نہیں کہ سہیل اس سے کیا بات کر رہے ہیں یا کیا بات کرنے والے ہیں۔

”نیا! اگر آپ چاہیں تو آپ اپنی والدہ کو چند دنوں کے لیے یہاں بلوا سکتی ہیں۔ دیکھیں نا مجھے تو آپ کے وہاں جانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ مسئلہ شاداب کا ہے۔ جب تک اُس کے ہوش ٹھکانے نہیں آ جاتے، جب تک وہ حقیقت کو تسلیم نہیں کر لیتا اُس وقت تک ہمیں احتیاط تو کرنا ہو گی نا۔ دیکھیں خدانخواستہ آپ کو بھی کچھ ہو سکتا ہے اور بلاوجہ وہ بھی کسی اور مشکل میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ اس کا بھی خیال کیجیے، اپنا بھی خیال کیجیے اور......“ اتنا کہہ کر سہیل رُکے۔ نیا نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ اور......

سہیل نے تھوڑا سا رُخ موڑا ”اور...... میرا بھی۔ آخر میں بھی تو بے قصور ہوں۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ نہ میں نے کسی کو سبز باغ دکھائے، نہ میں نے کسی کو دھوکا دیا۔ میں فیوڈرل لارڈز کی اولاد ہوں، یہی میرا جرم ہے، یہی میرا گناہ ہے۔ اُمید ہے کہ آپ میرا خیال کریں گی۔“ سہیل جیسے بڑے انداز سے اس سے درخواست کر رہے تھے۔

”کیا آپ آج ہی چلے جائیں گے؟“ نیا نے چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھا۔

”ہاں...... بلکہ ابھی۔ میری ساری تیاریاں مکمل ہیں۔ میں شہر جا رہا ہوں۔ سیٹ کی کنفرمیشن ملتے ہی وہاں سے لندن کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ خدا حافظ کہنے آیا ہوں۔ ایک نیا رشتہ، ایک نئی زنجیر پہن کر جا رہا ہوں۔ بھولوں گا نہیں واپس آؤں گا۔ خدا حافظ!“ سہیل نے نہ اُسے چھوا، نہ چھونے کی کوشش کی۔ نہ اس سے مزید قریب ہوئے۔ جہاں آ کر کھڑے ہوئے تھے وہیں تک آ کر بات کی اور وہیں سے پلٹ گئے۔ دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے جہاں تک نظر آئے نیا کی نظروں نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ لب بستہ کھڑی تھی۔ نہ جذبات تھے، نہ الفاظ۔ یوں لگ رہا تھا دل بھی خالی اور ذہن بھی۔

☆☆☆☆☆

رمیض اپنے کمرے میں واقعی بہت سہما ہوا، ڈرا ہوا بیٹھا تھا۔ نشاط افزا کو اپنے گھر میں دیکھ کر جو اس کی حالت ہوئی تھی وہ ناقابل بیان تھی۔ اسے تو یوں لگ رہا تھا کہ پھر سے قیامت آنے والی ہے جو آج سے کئی مہینے پہلے آئی تھی اور اس نے در بدر دھکے کھائے تھے۔

''یا اللہ! کتنے اطمینان سے بیٹھی ہے۔ اُس کی تو بات بھی ہو چکی ہے۔ پتہ نہیں اس نے ڈیڈی کو کیا کیا بتایا ہوگا۔'' رمیض اپنے خیالوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ اس کے موبائل پر رِنگ ہوئی۔ اس نے گھبرا کر جیسے کہ کسی خطرے کی آس لگائے بیٹھا تھا اور وہ گھڑی آ گئی۔ اس بری طرح چونک کر اس نے موبائل اُٹھایا تھا اور نمبر دیکھا تھا جیسے پتہ نہیں کیا خاص بات ہوئی ہے یا ہونے والی ہے۔ اندر سے وہ اس قدر ڈرا ہوا تھا کہ بس...... ایک پتہ پھڑکنے سے بھی جیسے اس کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ نشاط افزا نے سچ مچ اسے بہت خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بس اب برا وقت پہلے سے بھی زیادہ برا ہوگا اور بہت قریب ہی ہے۔ وہ نمبر دیکھ رہا تھا۔ یہ تو کوئی unknown نمبر تھا۔ Caller کا نام نہیں آ رہا تھا صرف نمبر آ رہا تھا۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے اٹینڈ کیا اور اٹینڈ نہ کرنے کے باوجود اٹینڈ کیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس وقت اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ ہو سکتا ہے فہد نے پھر چار مہینے بعد سم چینج کر لی ہو اور مجھے رِنگ کر رہا ہو یہی بتانے کے لیے کہ اس کا نمبر چینج ہو گیا ہے آئندہ میں اسے اس نمبر پر کال کیا کروں۔ اُس کا ذہن فہد کی طرف ہی جا سکتا تھا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز اُبھری۔

''ہیلو......'' وہ آواز ایک دم سے پہچان میں نہیں آئی لیکن بالکل اجنبی بھی محسوس نہیں ہوئی۔

وہ مخمصے میں پڑ گیا لیکن اس کے منہ سے ہیلو نکلا تھا۔ ''کیسے ہو فرشتے؟ خیریت سے ہو؟ انسان تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کر رہے؟'' دوسری طرف سے وہی نسوانی آواز شوخی سے سوال کر رہی تھی۔ رمیض بری طرح چونک پڑا۔ اُس نے آواز پہچان تو لی تھی لیکن بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

''جی...... آپ کون؟'' اس نے پوچھا۔

''میں مومنہ بات کر رہی ہوں۔''

''مومنہ......! تو پھر'' خود کلامی کے انداز میں بولا۔ نام انجانا نہیں تھا لیکن اس وقت وہ ذہنی طور پر بہت زیادہ اپ سیٹ اور غیر حاضر تھا۔ اس لیے فوراً نہ پہچان پایا۔

''ارے بھئی مومنہ...... جس کو تم نے تیز و تند موجوں کے تھپیڑوں سے بچایا تھا۔ وہی مومنہ...... ابھی بھی یاد نہیں آیا۔ حیرت ہے اتنی جلدی بھول گئے۔ اب اتنے بوڑھے بھی نہیں ہو کہ حافظہ اتنا کمزور ہو گیا ہو۔'' مومنہ اب ڈانٹنے کے انداز میں بولی۔

''اوہ......'' رمیض کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''آپ...... آپ تو اسپین چلی گئی تھیں۔'' اس نے پہچان لیا تھا اور اب بڑے دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''کیا مطلب......؟ میں تو اسپین جاتی رہتی ہوں۔ پاکستان آتی رہتی ہوں۔ تم سناؤ کیا کر رہے ہو؟ کہاں پر ہو؟ اور تم سے کس طرح ملاقات ہو سکتی ہے؟ اور کب ہو سکتی ہے؟'' مومنہ فوراً اپنے مطلب پر آ گئی تھی۔ بغیر کسی فارمیلٹی میں جائے بغیر۔

''خیریت...... مجھ سے ملاقات کی آپ کو کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''کیوں...... کیا ضرورت کے تحت ہی کسی کو یاد کیا جا سکتا ہے؟ اور ہو سکتا ہے کہ میں نے واقعی ضرورت کے تحت یاد کیا ہو۔ بتاؤ کب مل رہے ہو؟'' مومنہ نے بڑی بے تکلفی سے پوچھا۔

رمیض اس کے انداز پر بہت حیران سا ہوا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

''آپ کہاں پر ہیں......؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''وہیں پر جہاں پر تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے یعنی ماہ رُخ کے گھر میں۔''

''اوہ...... ماہ رُخ کا گھر'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ماہ رخ کے گھر کے آس پاس ہی تو اس کا حشر ہوا تھا اور زخم ابھی ہرے تھے۔ اُسے خوف سے جھرجھری آ گئی۔

''نہیں۔ میں وہاں نہیں آ سکتا۔''

''کیوں؟ وہاں آنے میں کیا ہرج ہے؟'' مومنہ نے انجان بن کر پوچھا۔ حالانکہ وہ سمجھ گئی تھی۔ کیونکہ ماہ رُخ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

''بس ویسے ہی۔ میری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ آج تو شاید آپ سے ملاقات ہو بھی نہیں سکتی۔ میں بیڈ ریسٹ پر ہوں۔'' رمیض نے اُلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا فلو وغیرہ......'' مومنہ اسی طرح انجان بنی پوچھ رہی تھی۔

''ہاں شاید......'' رمیض نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا اور اپنی ناک پر ہاتھ لگایا جس میں ابھی تک ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے۔ اوکے! تم آرام کرو۔ ایک دو دن بعد پھر ملتے ہیں۔ مجھے تم سے واقعی بہت ضروری ملنا ہے۔ بہت ضروری بات کرنا ہے۔ تمہارے انٹرسٹ کی بات کرنا ہے۔'' مومنہ نے اس کے اندر جیسے ایک جذبہ شوق پیدا کر دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' رمیض سوچتے ہوئے بولا ''میں آپ سے ملاقات ضرور کروں گا۔ مگر وہاں نہیں۔''

''اچھا تو پھر تم بتا دو۔ کہاں ملو گے؟''

''آپ ایسا کیجیے کہ ڈی ایچ اے والے پیزا ہٹ میں آ جائیں۔ وہ جو دو تلوار کے ساتھ کمرشل ایریا کے سائیڈ پر ہے۔ آپ نے دیکھا ہوا ہو گا؟''

''ہاں ہاں......سب کچھ دیکھا ہوا ہے۔ ڈونٹ وری......چلو ٹھیک ہے پھر میں تمہیں فون کر لوں گی اور ٹائم بھی سیٹ کر لوں گی اور باقی سب خیریت ہے نا......؟''

''ہاں۔ خیریت ہے۔'' رمیض نے آہستہ سے جواب دیا۔

مومنہ کے فون نے اسے اُلجھا دیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اس کے انٹرسٹ کی بات کرنا چاہتی ہے۔ وہ کیا ہو سکتی ہے؟ اُس کا ذہن مومنہ سے بات کرتے ہوئے سوچ میں اُلجھا ہوا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے مومنہ سے اپنی بتانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''ٹھیک ہے......'' مومنہ کی آواز اُبھری ''تم آرام کرو۔ جب تم محسوس کرو کہ تم پہلے سے بہتر ہو اور بات چیت ہو سکتی ہے تو مجھے اس نمبر پر کال کر کے بتا دو۔ اوکے......''

مومنہ بڑے دوستانہ انداز میں بات کر رہی تھی۔

''اوکے......میں ضرور آپ سے ملوں گا۔ کیونکہ مجھے بھی شوق ہو رہا ہے جاننے کا کہ میرے انٹرسٹ کی بات کیا ہے؟''

''اللہ حافظ......'' مومنہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

رمیض گم صم کیفیت میں موبائل کو گھور رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ میرے انٹرسٹ کی بات......وہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ وہ غور کرنے لگا لیکن اسے کچھ یاد نہ آیا۔ اس نے اپنا سر تھاما اور آنکھیں موند لیں جیسے اپنی یادداشت پر زور دے رہا ہو کہ اس نے مومنہ سے کبھی اپنی انٹرسٹ کی کیا بات کی تھی؟ لیکن اتنا ضرور تھا کہ مومنہ کی آواز کی تازگی نے اس کے موڈ میں زندگی سی دوڑا دی تھی۔ وہ جو کافی دیر سے ایک دم نڈھال سا سوچوں میں گم تھا، اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی تھی بلکہ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ مومنہ سے آج ہی ملاقات کر ڈالے۔ پھر اس کی توجہ اپنے زخموں پر گئی۔ نہیں......ابھی نہیں۔ وہ زخم دیکھے گی تو میں کیا بتاؤں گا؟ یہ سوچتے کے ساتھ اس نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا۔ لیکن ایک اچھی اُمید نے اس کی ذہنی کیفیت پر اس وقت بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔

☆☆☆☆☆

''نِنا......! ہمیں اپنا انتظام کر لینا چاہیے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مومنہ پھوپھو کو میرا یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا۔'' روبی نِنا کے زانوں پر سر رکھے، آنکھیں بند کیے باتیں کر رہی تھی۔

''ہاں خیر......لگ تو مجھے بھی رہا ہے کہ مومنہ بی بی کو ہمارا ماہ رُخ کے پاس رہنا پسند نہیں ہے۔ منہ سے تو کچھ بھی نہیں بولیں اور شاید بولیں گی بھی نہیں لیکن بیٹا تمہارا اور ماہ رُخ کا جو رشتہ ہے وہ بہت مشکل رشتہ ہے۔ تمہاری طرف کے لوگ ہوں گے یا ماہ رُخ کی

طرف کے لوگ ہوں گے۔ ان کے لیے اس رشتے کو نبھانا، سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔ بڑے دل، بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''لیکن نا...... نیا گھر ڈھونڈنے میں، نئے گھر کا انتظام کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا نا......'' روبی نے خیالوں میں کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''ہاں...... میرا خیال ہے کہ اگر ہم ماہ رُخ سے بات کریں تو شاید وہ ہمارے ساتھ تعاون کرے، ہماری کچھ مدد کرے۔ اب تم اس حال میں کہاں گھر کے لیے دھکے کھاتی پھرو گی۔ دیکھو تو سہی کیسا پیلا زرد رنگ ہو رہا ہے تمہارا۔ ذرا سی دیر میں ہانپنے لگتی ہو۔ کھانا پینا تمہارا ہے نہیں۔ بس یوں ہی تھوڑا سا چک لیا، کسی ایک ٹائم دودھ پی لیا۔ بیٹا! اپنی نہیں تو اس معصوم جان کی تو فکر کرو نا جس کی ذمہ داری تم پر ہے۔ اللہ نے ڈالی ہے۔'' نا روبی کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے سمجھانے لگیں۔

''لیکن پھوپھو کو ہمارا یہاں رہنا کیوں بوجھ لگ رہا ہے۔ میں تو کوشش کرتی ہوں کہ ماہ رُخ آپی کا پیسہ خرچ نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ منگوا کے رکھ لیتی ہوں۔ حالانکہ وہ منع کرتی ہیں لیکن مجھے تو خود اچھا نہیں لگتا۔ اب میں سوچ رہی ہوں کہ اس سے پہلے کہ ہمارے ساتھ پھر کچھ برا ہو جائے، کوئی ہم سے برے لہجے میں بات کرے ہم خود ہی پہلے سے اپنا انتظام کرلیں۔'' روبی اُلجھے ہوئے انداز میں بولی۔

''ہاں بیٹا...... جب ماہ رُخ کے پاس ہم آ کر رُکے تو مجھے ذرا تسلی سی ہوئی تھی۔ دیکھو تمہارا یہ کام باقی ہے۔ بہت اہم ہے۔ خیر سے ساتھ خیریت کے تم فارغ ہو جاؤ پھر ذرا آسانی ہو جائے گی۔ میں سوچ رہی تھی کہ ماہ رُخ کے پاس رہیں گے اور بچے کی پیدائش اگر یہیں ہو جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ شام کو تو کم از کم ماہ رُخ گھر پر ہی ہوتی ہے۔ ایک سہارا سا تو رہتا ہے۔ میں بوڑھی جان، ذرا سی دیر میں میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ نا میں موقع دیکھ کر آج ماہ رُخ آپی سے بات کرتی ہوں کہ وہ تھوڑی سی Help کریں۔ دو کمروں کا یا صرف ایک ہی کمرے کا کوئی اپارٹمنٹ مل

جائے تو ہمارے لیے کافی ہوگا۔ فی الحال تو ہمیں صرف سر چھپانے کے لیے ٹھکانہ چاہیے۔ سجا بنا گھر ہمارے کس کام کا؟ خود کو سجائیں یا گھر کو...... فائدہ کیا ہے؟ کون ہے ہمیں اور ہمارے گھر کو دیکھنے والا۔ خوش ہونے والا۔'' روبی نے یہ کہہ کر بڑے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ آنکھوں سے دو قطرے ٹپکے اور دائیں بائیں بالوں میں گم ہو گئے جو نا بھی نہیں دیکھ سکی تھیں۔ دو قطروں کے علاوہ بہت سے قطرے دل پر گرے تھے اور اسی طرح سے ان کی اذیت تھی جیسے ہیرے کی کنی سے شیشہ کٹ رہا ہو۔

☆☆☆☆☆

''انجم! آپ پتہ نہیں کیا سوچ رہے ہیں؟ لیکن مجھے بہت خوف آ رہا ہے۔'' سبرینہ بہت آہستہ آواز میں اپنے بیڈروم میں انجم علوی سے بات کر رہی تھیں۔

''اچھا...... تمہیں ابھی تک خوف ستاتے ہیں۔ میری اولاد نے تو میرے سارے ڈر اور خوف ہی ختم کر دیے۔ میں تو سمجھو فارغ ہوں۔ وہ کچھ ہو گزرا کہ اب تو کسی چیز سے ڈر ہی نہیں لگتا۔'' انجم علوی ذرا سا جھلا کر بولے۔

''آپ کو تو بس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع چاہیے۔ اتنا تو وہ اپنے آپ کو سنبھال چکا ہے۔ چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے اور میں بھی کوشش کر رہی ہوں کہ آئندہ آپ کو اُس سے کوئی شکایت نہ ہو۔ میں تو آپ سے یہ کہہ رہی ہوں کہ یہ جو آپ نے اتنی خوبصورت، کم عمر لڑکی گھر میں لا کر رکھ چھوڑی ہے۔ اس کا کیا کرنا ہے؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔''

''ہاں...... ڈرتی رہو۔ جب ڈرنا چاہیے تھا تب تو ڈری نہیں۔ اب فضول میں تمہیں ڈر ستانے لگے ہیں۔ بھئی! میں نے اس سے ایڈریس لے لیا ہے نا۔ اب وہ مدد مانگنے آئی ہے۔ کتے بلی کا بچہ نہیں ہے۔ انسان کی بچی ہے، انسان کی اولاد ہے۔ مدد مانگ رہی ہے ہم سے۔ اب اُسے اُٹھا کر کیا روڈ پر پھینک دیں۔ ہمارے صاحبزادے کے اُوپر اس نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم تو اس کی جتنی بھی مدد کرو کم ہے۔'' انجم علوی بڑے عاجز آئے ہوئے انداز میں بات کرنے لگے۔

"کیا احسان کیا ہے اُس نے میرے بیٹے پر؟" سبرینہ ایک دم چونک پڑیں۔

"وہ تو نا...... وہ ساری معلومات کرنا، ہر چیز سے باخبر رہنا وہ تو بس میری ذمہ داری ہے۔ تمہیں تو بس کیا کہوں...... تمہیں پتہ ہے یہ لڑکی جرائم پیشہ لوگوں کے درمیان قید تھی اور رمیض اس سے پناہ مانگنے اس گھر میں چلا گیا تھا جو ان جرائم پیشہ لوگوں کا مرکزی ہیڈکوارٹر ہے۔ اس لڑکی نے تمہارے بیٹے کو وہاں سے فرار کرایا۔ نکلنے کے لیے کہا ورنہ تو پتہ نہیں آج کن ہاتھوں میں پڑا ہوا ہوتا۔" انجم علوی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"ہاں تو پھر دیکھ لیں۔ وہ تو میں آپ کو پہلے ہی سمجھا رہی تھی جوان اولاد کو اس طرح گھر سے باہر دھکے دے کر نہیں نکالنا چاہیے۔ باہر پتہ نہیں کس کس طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ شکر ہے اللہ کا کہ اس نے میرے بیٹے پر رحم کیا، اُس کو بچا لیا۔" سبرینہ کو بھی بہت اچھا موقعہ مل گیا انجم علوی کی غلطی جتانے کا۔

"یہ پتہ میں نے اُس سے لے لیا ہے جو تم لے کر آئی ہو اور جو میرا دوست ہے شعبان...... وہ اس جگہ سے کچھ زیادہ دور نہیں رہتا۔ مشکل سے ایک گھنٹے کی ڈرائیو ہوگی۔ میں اُس کو اس پتہ پر بھیجتا ہوں اور اس نام کے بندے سے جو ریٹائر ٹیچر ہے ملنے کے لیے کہتا ہوں۔ وہ اگر اس بندے سے مل لے گا تو میری بات کرا دے گا اور میں نشاط کی بات کرا دوں گا۔ پھر ان کی مرضی ہے کہ وہ خود آ کر اپنی بھتیجی کو لے جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی اتنی خوبصورت لڑکی کی، جوان لڑکی کی ذمہ داری لینے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ میری تو کوشش ہوگی کہ اگر یہ آج رات اپنے چچا کے پاس جا سکتی ہے Contact ہونے کے بعد تو یہ آج رات ہی چلی جائے۔ تم اطمینان رکھو۔ تم سے زیادہ مجھے فکر ہے۔ بلکہ فکریں ہی فکریں ہیں۔ ابھی تو اس عذاب سے نجات حاصل کی ہے۔ تم نے نمو کو فون کر کے اس کی خیر خیریت پتہ کی تھی؟ مجھے تو بالکل ہی ٹائم نہیں ملا۔ ویسے تو خیر دل کو اطمینان ہے کہ نمو کے سسرال والے بہت اچھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہیں لیکن رمیض کی وجہ سے جو شرمندگی اور ذلت میں نے اُٹھائی ہے یہ میرے ذہن سے کبھی نہیں نکلے گی اور شاید میں زندگی بھر

نمو کے ساس سسر سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکوں گا۔" اتنا کہہ کر انجم علوی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ سبرینہ لاجواب سی ہو کر خاموش ہو گئیں۔

اب وہ جس ٹاپک پر آ گئے تھے سبرینہ اس میں حصہ لے کر بات بڑھانے کا جرم نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ کیونکہ بات آگے بڑھتی اور ایک لاحاصل بحث گرما گرمی پر ختم ہوتی۔ مصلحتاً خاموش رہنا ہی اچھا تھا۔

☆☆☆☆☆

شام کے سات بجنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ نیا بند کمرے میں پڑے پڑے عاجز آ گئی۔ اس نے کتنی بار بڑی ترسی ہوئی نظروں سے پردہ ہٹا کر دریچے کے پار جھانکا تھا۔ حویلی کا وسیع و عریض باغ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ دودھ جیسی سنگی بنچیں اور خوبصورت تالاب جس کے اندر سفید بطخیں تیرتی ہوئی کسی جنت کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ بالکل آخر میں نیلی ٹائلوں سے جگمگاتا ہوا سوئمنگ پول تھا جس میں مغرب کا جھٹپٹا چھاتے کے ساتھ ہی رنگ برنگی روشنیاں جلنے لگتی تھیں اور پانی کا منظر بہت خوبصورت نظر آتا تھا۔ اتنا خوبصورت باغ جس کے رنگ برنگ پھول ہلکورے لیتے ہوئے اسے بتا رہے تھے کہ بہت پیاری نرم ہوا چل رہی ہے اور ہم سرمستی سے ناچ رہے ہیں۔ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھو، ہمیں دیکھو، ہمارا رقص دیکھو۔ یہ زندگی ہے۔ نیا دریچے کے شیشے سے ناک ٹکائے خاصی دیر یہ منظر دیکھتی رہی۔ اس کے دل میں ایک موہوم سی اُمید تھی کہ جانے سے پہلے، حویلی چھوڑنے سے پہلے سہیل ایک مرتبہ اُسے خدا حافظ کہنے آئیں گے۔ کتنی عجیب بات تھی وہ اسے یقین دلا چکے تھے کہ وہ اسے اپنا بنا چکے ہیں، اس کو اپنا چکے ہیں۔ اب کس طرح ہوا کیسے ہوا یہ تمام بحث ختم ہو گئی تھی۔ یاد رکھنے والی بات صرف اتنی تھی کہ وہ سہیل کی ہو چکی تھی۔ جب وہ اسے اپنا چکے ہیں تو پھر وہ اس کمرے میں نظر کیوں نہیں آتے؟ وہ اس سے نظر کیوں چرا رہے ہیں۔ اب تو وہ چور نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ پونچھ لیے ہیں۔ اس کے سامنے پھیلا کر دکھا بھی دیے ہیں کہ دیکھو میرے ہاتھ صاف ہیں۔ اب ان پر کوئی داغ دھبہ نہیں ہے۔ پھر وہ یہاں

کیوں نہیں آتے۔ نیا کے ذہن میں یہ سوال کانٹے کی طرح اٹک رہا تھا۔ کیا وہ اس طرح
سے اسے قبول کر چکے ہیں کہ وہ اسی طرح الگ الگ کمروں میں زندگی گزاریں گے۔
کبھی کبھی ایک دوسرے کو مل لیا کریں گے یا ناشتے کھانے پر ملاقات ہو جایا کرے گی۔ یہ
کیا اپنانا ہوا۔ مجھے ان سے محبت نہیں ہے۔ مجھے محبت کیسے ہو؟ وہ تو میری محبت کبھی بھی
نہیں ہو سکتے۔ وہ تو میری زندگی کا حاصل ہیں۔ میں جیسے مرضی چاہے رہوں، مجھے اختیار
ہے لیکن ان کے اُوپر تو بہت سی ذمہ داریاں ہیں اور وہ اخلاقی ذمہ داریاں ان کو نبھانا
چاہئیں۔ اس طرح آنکھیں چرانے سے کب تک کام چلے گا۔ اب تو وہ پتہ نہیں تین مہینے
کا کہہ کر جا رہے ہیں۔ تین مہینے میں واپس آتے ہیں یا پھر کچھ سوچ کر مزید تین مہینے رُک
جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد مزید تین مہینے اور پھر اُس کے بعد...... نیا نے شل ہو کر
آنکھیں بند کر لیں۔ وہ باغ کو دیکھتے دیکھتے کسی دوزخ کی طرف جا نکلی تھی۔ آنکھ کھولتی
تھی تو سامنے باغ تھا، آنکھ بند کرتی تھی تو دوزخ کے الاؤ تھے۔ ایک دم سے ماں یاد
آئی۔ ماں یاد آئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انسان پر جب مشکل ترین وقت پڑتا
ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتا ہے یا اپنی ماں کو۔ اب اللہ کو تو ہر وقت ہی یاد کر رہی تھی۔ اپنے
نصیب کی لکیریں پڑھتے ہوئے ہر ہر لمحے اُس کا دھیان اللہ کی طرف ہوتا تھا۔ ٹیس اُٹھتی
تھی تو ماں یاد آتی تھی۔ ٹیس بہت زور سے اُٹھی تھی۔ ماں سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اب
آنسوؤں کا پردہ آنکھوں پر پڑ چکا تھا نہ باغ تھا نہ دوزخ۔ بال بکھیرے ماتم کرتی ہوئی
ماں سامنے کھڑی تھی۔ اُس کا ذہن پھر تاریکیوں میں ڈوبنے لگا اور اسے پتہ ہی نہ چلا کہ
سیاہ سوٹ میں ملبوس، سرخ ٹائی کے ساتھ اور گلاب کی کلی کے انداز میں سرخ رومال
جیب میں ٹکائے سہیل کب اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔ اس نے دوپٹے سے ناک
پونچھ کر جب گہری سانس لی تو اسے خوشبو کا احساس ہوا۔ اس خوشبو نے اسے بتایا کہ
کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی ہے۔ وہ چونک پڑی تھی۔ پلٹ کر دیکھا آنسوؤں
سے دھندلائی ہوئی آنکھوں کے سامنے سہیل اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کھڑے
تھے۔ آج ان کا یومِ نجات تھا۔ آج زنجیریں کاٹ کر جا رہے تھے۔ آج کوئی ہچکچاہٹ

اور ردوکد نہیں تھا، آج چہرے پر بڑی تازگی تھی۔ جیسے آج کوئی بے گناہ قیدی لاک اپ
سے نکلا تھا۔ وہ بہت ہلکے پھلکے نظر آ رہے تھے۔

''نیا......! میں تمہیں خدا حافظ کہنے آیا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا، میں جا رہا ہوں لیکن
انشاء اللہ بہت جلد آؤں گا۔ دیکھو! جو ہوا اب اس کو نہیں سوچنا۔ جس لمحے میں کھڑی ہوئی
ہو اور جو لمحہ اس کے بعد ہے ان لمحوں میں اب زندہ رہنا ہے۔ جیسے ہی لمحہ گزرے بھول
جانا اور جو نیا لمحہ ہو اس میں فنا ہو جانا۔ اس کو استعمال کر لینا۔ موجودہ لمحے کو استعمال کرو گی
تو مستقبل کے لیے کوئی راستہ نکلے گا۔ کچھ کرنے کی سوجھے گی۔ ساتھ بیٹھیں گے، حل
نکالیں گے۔ بے موت مرنے سے خود کو بچائیں گے۔ حوصلوں کے ساتھ جینے کی کوشش
کریں گے۔ تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا مطلب یہ ہے کہ تم حال سے کٹی ہوئی ہو۔
ماضی کے کسی لمحے میں رُک گئی ہو۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے نیا...... انشاء اللہ زندگی سزا
کی طرح تو ہو گئی ہے لیکن اس سزا ہی میں تازہ ہوا کے جھونکوں کا بندوبست کرنا ہے۔ خدا
حافظ......'' انہوں نے خود ہی سب کچھ کہا اور خدا حافظ بھی کہہ دیا اور پلٹ گئے۔

''آپ کی تو جان چھوٹی۔ آپ کو تو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ بہت سارے بوجھ
اسی سرزمین پر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ آنے والے خوبصورت، ہلکے پھلکے اور بھاری باتوں
سے عاری لمحات آپ کو اس وقت بہت پُرسکون کیے ہوئے ہیں۔'' نیا نے بھرائی ہوئی
آواز میں بے اختیار کہہ دیا تھا۔

سہیل دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ پلٹ کر نیا کی طرف دیکھا مگر آگے نہیں بڑھے
''سب کچھ سنوں گا نیا۔ تمہارا حق ہے اور میری سزا۔ جب بندہ اقبالِ جرم کر لیتا ہے تو وہ
اپنی سزا سے دوستی کر لیتا ہے۔ میں راضی ہوں...... خدا حافظ'' سہیل یہ کہہ کر کمرے سے
باہر نکل گئے۔

نیا لاجواب سی کھڑی تھی اور حیران تھی کہ اس کی حاضر دماغی کو کیا ہوا۔ اُس کے پاس
الفاظ ختم کیوں ہو گئے؟ وہ اتنی خالی سی کیوں ہو گئی؟

☆☆☆☆☆

''امی! آپا کو تو بادشاہت مل گئی۔ اور جب کسی کو بادشاہت مل جاتی ہے نا تو تمام رشتے اپنی حیثیت کھو دیتے ہیں۔ تاج و تخت میں بڑا دم ہے امی......! آپ کس چکر میں ہیں کہ آپا آپ کو یاد کر رہی ہوں گی۔ ان کو ماں یاد آ رہی ہو گی، بھائی یاد آ رہا ہو گا۔ ارے امی! انہوں نے تو آپ پر اتنا بڑا احسان کر دیا ہے کہ اب آپ انہیں کچھ کہہ ہی نہیں سکتیں۔ مجھے اور آپ کو ہمیشہ ان کا ممنونِ احسان رہنا پڑے گا۔ میں نے اپنا نام تو ویسے ہی شامل کر دیا ہے۔ اگرچہ میں اس احسان کو احسان نہیں مانتا۔'' شاداب ماں سے بڑے طنزیہ تلخ لہجے میں باتیں کر رہا تھا۔

''شاداب مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ تم کسی کا احسان مانتے ہو یا نہیں لیکن میں اپنی بیٹی کا احسان مانوں گی اور میں اس کا احسان ہمیشہ مانوں گی یہاں تک کہ میں قبر کا منہ دیکھ لوں۔ اس لیے کہ میری بیٹی کی قربانی نے مجھے اس جہنم میں جلنے سے بچا لیا۔ وہ جہنم جو آخری سانس تک میرے اندر دہکتا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے سے محرومی کی آگ کا جہنم۔ تم اس کا احسان نہیں مانتے نہ مانو......'' بولتے بولتے بانو بیگم کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ اسی وقت عتیقہ اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔

''شاداب......! بڑے افسوس کی بات ہے۔ تم کو پتہ نہیں دنیا میں کن کن مصیبتوں کے بدلے لینے کے لیے دنیا سے اپنے حساب چکاتے پھر رہے ہو۔ کم از کم اپنی ماں کو تو بخش دو۔ کیا کہہ رہی ہیں تمہیں؟ تمہیں پتہ بھی ہے کہ ان کی طبیعت صحیح نہیں رہتی۔ تم کتنے بے حس اور بے ضمیر ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ امی کو دکھ نہیں ہے۔ آپا کے ہمیشہ کے لیے وہاں حویلی چلے جانے کا۔ سہیل بھائی سے اس طرح سے شادی کرنے کا۔ کچھ تو احساس کرو۔'' عتیقہ جیسے پھٹ پڑی تھی اور اس نے شاداب کو جی بھر کے لعن طعن کی تھی۔ ''ہماری ماں یہ قربانیاں دے دے کر آج اس حال کو پہنچی ہے۔ اور تمہیں مگر کوئی احساس نہیں ہے۔ اگر تمہیں یہ تمام چیزیں، تمام باتیں بہت تنگ کر رہی ہیں اور تم ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو بڑی خوشی سے اس گھر کو چھوڑ کے چلے جاؤ۔''

''چلا جاؤں گا۔ اس لیے کہ آپ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ ذلت

کی زندگی سے موت بہتر ہوتی ہے۔ وڈیروں کے آگے سر جھکا کر جینا میرے لیے انتہائی ذلت آمیز ہے۔ میں ان خون پینے والی جونکوں کے خلاف جہاد کر رہا ہوں اور آپ لوگ ان کے ہاتھ مضبوط کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آج ہم پھنسے ہیں، کل کو کوئی اور مظلوم پھنسے گا۔ مظلومیت کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔'' یہ کہتے ہوئے شاداب نے غصے سے گھورتے ہوئے عتیقہ کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ تمہاری لیڈری بہت سارے لوگوں کو نجات دلا دے گی اور تم سے پہلے دنیا میں ظلم کا نام و نشان نہیں تھا اس لیے کہ تمہارے آنے سے پہلے والے لوگ دنیا سے ظلم کا نام و نشان مٹا چکے تھے! اور اب وہ مر چکے ہیں اور ان کی جگہ اب تم نے لے لی ہے۔ تم اکیلے کیا کر لو گے۔''

''آپ لوگوں کو میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی اور آئے گی بھی نہیں۔'' شاداب بہت برہم لہجے اور اُونچی آواز میں عتیقہ سے بولا۔

''خدا کے لیے تم دونوں چپ ہو جاؤ۔ تم دونوں پھر ایسی بحث میں اُلجھنے جا رہے ہو جس کا کچھ حاصل نہیں ہے۔'' بانو بیگم نے اپنا سر پکڑ کر بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہا۔

عتیقہ تو ماں کی کیفیت دیکھ کر خاموش رہنے پر رضامند ہو گئی لیکن شاداب کے چہرے سے نظر آ رہا تھا کہ اس کے اندر ایک لاوا اُبل رہا ہے۔ عتیقہ چپ چاپ وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کے ہٹتے ہی شاداب نے خون کے گھونٹ پی کر ایک نظر ماں پر ڈالی اور ضبط سے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں اور پاؤں پٹختا ہوا زینے کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆

روبی کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ ماہ رُخ آفس گئی ہوئی تھی۔ مومنہ اپنے کسی ضروری کام سے باہر نکلی تھی اور واپس آئی تو دیکھا کہ روبی نے اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے تھے۔ ننا کی اپنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ مومنہ ایک لمحے کے لیے پریشان تو ہوئی لیکن اس نے مردانہ وار اپنی فطرت کے مطابق صورت حال کا سامنا کیا اور روبی کو سہارا دے کر ننا سے کہا کہ ننا آپ روبی کا ضروری

سامان لے کر میرے پیچھے پیچھے آئیں۔ میں گاڑی کی طرف نیچے جارہی ہوں۔

نتا نے جلدی جلدی روبی کی چیزیں سمیٹنا شروع کیں۔ مومنہ روبی کو لے کر آگے بڑھی۔ اس نے اپنا سارا وزن مومنہ پہ ڈالا ہوا تھا۔ مومنہ برابر روبی سے کہہ رہی تھی کہ وہ ہمت سے کام لے۔ ساتھ ہی اس نے موبائل پر ماہ رُخ سے بھی رابطہ کرلیا تھا۔ یہ بتانے کے لیے کہ وہ روبی کو لے کر ہسپتال جارہی ہے۔ روبی نے مومنہ کو بمشکل ہسپتال کا نام بتایا جہاں پر اس نے رجسٹریشن کرائی ہوئی تھی۔ مومنہ نے نتا کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کے لیے کہا اور اشارے ہی کی زبان میں ان سے کہا کہ وہ روبی کو سنبھالنے میں اس کی مدد کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ روبی زینے سے Slip ہو جائے۔ اس لیے کہ روبی آہستہ آہستہ اپنے ہوش کھو رہی تھی اور اس کا سارا وزن مومنہ پر پڑ رہا تھا۔ نتا آگے بڑھیں اور ایک ہاتھ سے بیگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے روبی کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ دونوں بڑی مشکل سے روبی کو گاڑی تک لانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ مومنہ نے روبی کو پچھلی سیٹ پر لٹایا اور اگلا ڈور نتا کے لیے کھولا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس گاڑی کو اس وقت وہ ہوائی جہاز کی شکل دے دے اور وہ پر لگا کر لمحوں میں ہسپتال پہنچ جائے۔ ماہ رخ نے مومنہ سے کہہ دیا تھا کہ آپ روبی کو ہسپتال لے کر پہنچیں میں آپس سے وہیں آجاؤں گی۔ روبی بے ہوشی میں صرف ایک ہی جملہ بار بار بڑبڑا رہی تھی ”میں نہیں بچوں گی۔ پھوپھو......! آپ دیکھ لیجیے گا میں نہیں بچوں گا۔ میں اپنی کیفیات کئی راتوں سے محسوس کر رہی ہوں اور پھر اس دنیا میں میرے لیے رکھا ہی کیا ہے۔ مجھے یوں نظر آیا کہ بس میری جان چھوٹنے والی ہے۔ میں بہت جلد ہلکی پھلکی ہو جاؤں گی اور نتا دہل دہل کر، پلٹ پلٹ کر روبی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

رمیض کی تو جیسے جان عذاب میں پھنسی ہوئی تھی۔ نشاط افزا تو یہاں بہت آرام سے بیٹھ گئی تھی۔ اس کے ماں باپ کی ہمدردیاں حاصل کر چکی تھی۔ اس کے ماں باپ نشاط افزا کو ریلیف دینے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ اسے ڈر لگ رہا تھا کہ وہ کسی

اور نئی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔ مومنہ کے فون سے اسے تھوڑا حوصلہ تو ہوا تھا۔ یوں لگا تھا جیسے گھٹن کے بعد ٹھنڈی ہوا کا جھونکا کسی سمت سے آیا ہو۔ وہ منصوبے بنانے لگا۔ اس کو پتہ تھا کہ نظریں جھکا کر باپ کی موجودگی میں اس گھر میں رہنا اس کے لیے کتنا مشکل ہوگا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس گھر میں میں واپس آگیا ہوں لیکن اسی گھر سے میں عزت کے ساتھ چلے جانا چاہتا ہوں۔ اس میں اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ باپ کی شرائط کے مطابق اس گھر میں رہتا۔ اب اسے یہ سوچنا تھا کہ وہ کس طرح سے مومنہ کو ملے اور اسے قائل کرلے کہ وہ اسے باہر بھجوا دے یا کسی بھی صورت اپنے ساتھ لے جائے۔ مومنہ کو یہ تو نہیں پتہ تھا کہ رمیض کے ماں باپ اسی شہر میں رہتے ہیں۔ اس کا باپ بہت بڑا بزنس مین ہے۔ وہ اپنے باپ کی شرائط پر اس گھر میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ فطرت تبدیل نہیں ہوسکتی عادت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسے عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اسے تو لگ رہا تھا جیسے یہ اس کا گھر ہی نہیں ہے۔ کسی جیل کی اے کلاس میں ہے۔ کب سے وہ کمرے میں بند بیٹھا تھا۔ کمرے سے باہر جانے کے خیال سے ہی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ یا تو نشاط افزا کا سامنا ہوگا یا باپ کا اور وہ دونوں ہی کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ جلد سے جلد وہ مومنہ سے ملے اور اس گھر سے ہمیشہ کے لیے اس کی جان چھوٹ جائے اور یہ کہہ کر اس گھر سے جائے کہ وہ اپنا مستقبل خود بنانے کے لیے اس گھر کو چھوڑ رہا ہے۔ کچھ بن جائے گا تو واپس آجائے گا۔ اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بہرحال وہ اتنا تو جان چکا تھا کہ باپ کی طرف سے ملنے والے عیش و آرام کی بہرحال قیمت تو ادا کرنا ہوتی ہے۔ آزادی کا وہ احساس تو کبھی نہیں مل سکتا جو انسان اپنی محنت کے بل بوتے پر حاصل کرتا ہے۔ وہ چاہ رہا تھا کہ مومنہ ایک اور کال کرے۔ یہ نہ سوچ کہ اس کے ایک کال کرنے پر وہ گرتا پڑتا دوڑتا چلا آیا۔ آخر اسے مومنہ کے سامنے بھی اپنا بھرم بنانا تھا۔ اسے خوش فہمی تھی بہرحال کہ مومنہ اسے دوبارہ کال کرے گی۔ لڑکیوں کے بارے میں ایسی خوش فہمی ہونا اس کے لیے معمول کی بات تھی۔ کچھ ایسا ہی ہوتا چلا آرہا تھا۔ جو لڑکی اسے ایک بار فون کرتی تھی وہ دوبارہ بھی کرتی تھی۔ اتنی مدارتوں نے اس کے اندر انا تو

پیدا کردی تھی جو قدم قدم پر آڑے آتی تھی اور یہ انا جو انسان کو سکون کا سانس نہیں لینے دیتی۔ انا اور سکون عدم سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اسے بہرحال ایک صبر آزما انتظار سے خود بھی گزرنا تھا۔ اس لیے کہ انا کے شیر کو پچھاڑنے کی اس کے اندر ہمت ہی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆

نشاط افزا نے سارا دن بند کمرے میں گزارا۔ کسی نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔

کھانے پینے کے لیے بھی اسے باہر نہیں نکلنا پڑا۔ سب کچھ نوکر اس کو کمرے ہی میں پہنچا رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی شاید رمیض کسی بہانے سے اس کے پاس آئے۔ شاید وہ اس سے کچھ پوچھے لیکن کتنی حیرت کی بات تھی کہ سارا دن گزر گیا، رات آ گئی۔ رمیض کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ رمیض کی ماں بھی اس کے پاس دوبارہ نہیں آئی تھی۔ کم از کم گھر کی مالکن کو تو فکر ہونا چاہیے کہ ایک اجنبی لڑکی مہمان بن کر اس گھر میں آئی ہوئی ہے۔ اس کی خیر خیریت تو پتہ کرے۔ اسی طرح کی سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد وال کلاک کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور اس کا دل دھڑک اُٹھا۔ دل کے چور نے کہا شاید رمیض آیا ہے۔ گھر والوں کے سامنے اسے میرے پاس آتے ہوئے ہچکچاہٹ ہو رہی ہوگی۔ اب اسے موقعہ ملا ہوگا تو آیا ہے۔ وہ بستر سے اُتری۔ دوپٹہ ٹھیک کیا، اپنے شانوں پر پھیلایا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا لیکن حیرت کا جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ وہ اُچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ سامنے انجم علوی کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے جلدی سے خود کو سنبھال کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......'' انجم علوی بڑی شفقت سے جواب دیتے ہوئے اندر آ گئے۔

''آپ سو تو نہیں رہی تھیں بیٹا......؟''

''نہیں انکل......'' نشاط افزا ایک طرف ہٹتے ہوئے بولی۔

نشاط افزا کو یوں لگ رہا تھا جیسے انجم علوی کوئی خاص بات کرنے سے پہلے تہیہ باندھ رہے ہوں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا ایک بے نام سا خوف جسے وہ خود بھی سمجھ نہیں پا

رہی تھی۔

''بیٹا......! آپ کا کام تو میں نے کل ہی کر دیا تھا۔ اپنے دوست محراب کو فون کر دیا تھا اور آپ کا دیا ہوا ایڈریس بھی اسے دے دیا تھا کہ وہ اس پتے پر جائے اور آپ کے چچا سے ملے اور آپ کی بھی بات کرا دے اور اپنے اس گھر کا فون نمبر بھی دے دیا تھا۔

لیکن بیٹا...... مجھے آپ کو یہ خبر دیتے ہوئے بہت دکھ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کے چچا کے انتقال کو تقریباً ڈھائی سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔

ایک چچا جن کا نام آپ نے حفیظ بتایا تھا وہ پندرہ سال سے ملک سے باہر ہیں۔ باقی کسی رشتے دار کا کوئی اتہ پتہ نہیں ملا۔'' انجم علوی بہت افسردہ لہجے میں نشاط افزا کو افسوس ناک خبر سنا رہے تھے۔

اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ درحقیقت اسے بہت زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اسے تو پوری اُمید تھی کہ آج اس کے چچا سے اس کا رابطہ ہو جائے گا اور وہ رات تک پشاور روانہ ہو جائے گی۔

''اب بیٹا...... یہ آپ کو سوچنا ہے کہ کیا کرنا ہے۔ آپ کہاں جانا چاہیں گی؟ کس کے پاس رکنا چاہیں گی؟ آپ کا ایک احسان تو زندگی بھر ماننا ہی ہے اور اس احسان کے بدلے میں جس قسم کی Help چاہیں گی وہ میں دوں گا۔''

''احسان......؟؟'' نشاط افزا نے گم صم کیفیت میں انجم علوی سے سوال کیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''آپ نے میرے غیر ذمہ دار اور احمق بیٹے کو کریمنل لوگوں کے چنگل میں پھنسنے سے بچایا۔ یہ بہت بڑا احسان ہے مجھ پر......

وہ احمق ہے، لاأبالی ہے، نافرمان ہے۔ جو بھی ہے میری اولاد تو ہے نا...... جسم کا حصہ ہے۔ کاٹ کر ایک طرف تو نہیں پھینکا جا سکتا۔ آپ کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔'' انجم علوی اس کو دلاسے، تسلیاں دے رہے تھے اور ابھی تک کھڑے ہوئے تھے۔

''پلیز...... آپ بیٹھئے نا انکل...... !!'' نشاط افزا نے بمشکل خود کو سنبھال کر صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا...... میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے تو آپ کے دکھ کا شدت سے احساس ہے کہ آپ کی واحد آس بھی ڈوب گئی۔ مگر آپ خود کو اکیلا مت سمجھیں۔ میں ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کو اس گھر سے جانے کے لیے کبھی کوئی نہیں کرے گا لیکن بیٹا زندگی بھر بھی تو آپ اس طرح نہیں رہ سکتیں۔

مجھے تو واقعی کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ آپ ہی مجھے بتائیں کہ آپ کیا کرنا چاہیے......؟ آپ اپنے لیے کیا بہتر سمجھتی ہیں۔ کیونکہ آپ کی زندگی ہے آپ ہی کو گزارنا ہے۔'' انجم علوی نے اپنا جھکا ہوا سر اُٹھا کر ایک نظر نشاط افزا کو دیکھا۔

بری خبر بھی ایسی تھی کہ دور تک اندھیرا تھا۔ نشاط افزا کے حواس جواب دے چکے تھے۔ وہ گرنے کے انداز میں بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

''رمیض کی والدہ اس وقت میرے ساتھ آنا چاہ رہی تھیں لیکن میں نے منع کر دیا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں اس وقت کسی تیسرے فرد کی مداخلت کوئی حل دینے کی بجائے آپ کو اور اُلجھا دے گی۔ آپ آرام سے غور کر لیں۔ میرا مکمل تعاون آپ کو ملے گا۔''

''تھینک یو انکل......'' نشاط افزا نے خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کو تکتے ہوئے کہا۔

''میں سوچتی ہوں اب مجھے کیا کرنا ہے......؟ بس آپ سے اتنی سی درخواست ہے کہ کچھ دن مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔''

''بیٹا......! میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ کوئی آپ کو اس گھر سے جانے کے لیے نہیں کہے گا لیکن آگے کا بھی تو سوچنا ہے۔ کوئی راستہ تو نکالنا ہے نا......'' انجم علوی نے ہاتھ بڑھا کر بڑی شفقت سے اس کا سر چھوا۔

''اب آپ آرام کریں اور پریشان ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر جانے کے لیے بڑھے۔ مگر فوراً ہی رُک کر اُس سے پوچھا ''آپ نے کھانا

کھا لیا بیٹا......؟''

''جی انکل......'' نشاط افزا پر ان کے نرم لہجے اور حسن سلوک کا بہت واضع اثر نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت مودبانہ انداز میں بولی تھی۔ انجم علوی کمرے سے باہر چلے گئے تھے اور نشاط افزا مستقبل کے اندیشوں سے کھیلنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆

صورت حال بہت بگڑ گئی تھی۔ روبی کا فوری آپریشن ہونے کی نوبت آ گئی تھی۔ وہ بہت گھبرا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے تپتی ہوئی دھوپ میں وہ بے سایہ ہو یا صحرا کا سفر درپیش ہو۔ ڈاکٹر روبی کے Husband کا پوچھ رہے تھے۔ نتا نے حاضر دماغی سے کام لے کر ڈاکٹر کو بتایا کہ اس کا شوہر باہر ہوتا ہے اور اس وقت بھی ملک سے باہر ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا تھا کہ دستخط کون کرے گا۔ ماہ رُخ ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ اُس نے فوراً کہا کہ دستخط تو میں کر دوں گی۔

''تم کس حیثیت سے دستخط کرو گی؟ کیا بتاؤ گی ڈاکٹر کو......؟'' مومنہ نے بڑے کڑے تیور کے ساتھ ماہ رُخ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ میں اس کے شوہر کی پہلی بیوی ہوں۔ ہم ایک ہی گھر کے دو فرد ہیں۔'' ماہ رُخ نے جواب دیا تھا۔

مومنہ نے بے اختیار ماہ رُخ کی حاضر دماغی کو سراہا۔ بہر حال یہ مرحلہ تمام ہوا اور روبی آپریشن تھیٹر میں پہنچا دی گئی۔ یہ بہت بھاری رات تھی۔ نتا نے تو باہر برآمدے میں جاء نماز بچھا لی تھی۔ ایک پل کے لیے ان کے آنسو نہیں رُک رہے تھے اور ماہ رُخ باہر لان میں جاء نماز بچھا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس لیے کہ وقت دعا تھا۔ مومنہ اپنے کاندھے پر بیگ لٹکائے ہوئے ٹہل رہی تھی اور بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈال رہی تھی۔ اس وقت سچ مچ اسے روبی پر بہت ترس آ رہا تھا۔ اس وقت روبی کی بے وارثی پر رونا سا آ رہا تھا۔ دنیا میں ماں باپ کی موجودگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ماں باپ کی موجودگی میں ہر دکھ ہلکا محسوس ہوتا ہے۔ یہ بہت مشکل وقت تھا۔ مومنہ سوچ رہی تھی اور اس کا دماغ شل

ہو رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں ٹہل ٹہل کر سن ہو چکی تھیں۔ اسے تو یوں لگ رہا تھا کہ اس کا اعصابی نظام ہی مفلوج ہو چکا ہے۔ کسی قسم کی تھکاوٹ کا تاثر نہیں تھا۔ اسے کسی قسم کے احساس نے کم نہیں کیا تھا۔ نہ تھکن کا احساس نہ نیند کا۔ ذہن بس ایک ہی نکتے پر مرکوز تھا کہ بس کسی طرح سے روبی کی طرف سے اچھی خبر آ جائے۔ اس وقت وہ درگزر اور معافی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ روبی کے لیے اس کے ذہن میں کوئی منفی تاثر نہیں تھا۔ مومنہ کو دوسری سوچ یہ آ رہی تھی کہ روبی ماں بن جائے گی اور اس کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور شاید اولاد کی خاطر وقار اس کے لیے کچھ سوچ گا۔ اس کے لیے نہیں سوچے گا اپنی اولاد کے لیے تو سوچے گا۔ جیسے ہی وقار کو اطلاع ملے گی کہ وہ ایک بچے کا باپ بن چکا ہے اسے خود بخود روبی عزیز ہو جائے گی اور پھر کسی دن وہ آئے گا اور روبی سے معافی مانگے گا اور ماہ رُخ اپنے خساروں کے ساتھ پھر اکیلی رہ جائے گی۔ وہ یہیں تک سوچ پائی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ایک ڈاکٹر اور دو نرسیں اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ مومنہ کا دل دھڑک اُٹھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ خوشخبری سنانے اس کی طرف آ رہی ہیں کہ روبی نے ایک بچے کو جنم دیا ہے اور وہ بالکل خیریت سے ہے۔ دونوں نرسوں نے سر جھکا ہوا تھا اور ان کی چال آہستہ تھی۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر مومنہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی کہ "روبی نے ایک بیٹی کو جنم دیا ہے لیکن اب وہ خود دنیا میں نہیں ہے۔ I am sorry ہم نے بہت کوشش کی۔" اتنا کہہ کر ڈاکٹر نے مومنہ کے کندھے کو زور سے دبایا جیسے مومنہ کو تسلی دے رہی ہے۔ مومنہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر کی شکل دیکھ رہی تھی جیسے اسے اپنی سماعتوں پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ جیسے اس نے کچھ غلط سنا تھا۔

"وہ جو آپ کے ساتھ ایک اور محترمہ تھیں۔ کیا وہ اس وقت ہسپتال میں موجود ہیں؟ ان کو بلائیں تا کہ ہم بے بی ان کے Hand over کریں۔ روبی کو جانڈس کا بھی Effect تھا۔ اس لیے خون دینے کے باوجود بھی ہم ان کی جان بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔" ڈاکٹر نے اتنا کہا اور پھر ایک دفعہ مومنہ کا کاندھا دبایا اور آگے بڑھ گئی۔

نرسیں اپنے چہرے سے ظاہر کر رہی تھیں کہ انہیں بھی جیسے روبی کی Death کا بہت غم ہے۔ اب مومنہ کے لیے ایک عذاب ناک مرحلہ تھا نہ وہ ایک بوڑھی کمزور عورت کو یہ ہولناک خبر کیسے سنائے لیکن بہرحال نانا سے پہلے ماہ رُخ کو بتا دینا چاہیے۔ مومنہ سوچتی ہوئی آہستہ قدموں سے لان کی طرف بڑھی جہاں ماہ رُخ نفل پڑھ کر سلام پھیر چکی تھی اور دعا کر رہی تھی۔ اس نے مومنہ کو بڑی تیزی سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ مومنہ کی چال بہت غیر معمولی ہے اور اس کی چال سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی خبر لے کر آ رہی ہے۔ اس کے ذہن میں کوئی بری خبر نہیں تھی۔ وہ مومنہ کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ اس کے لیے کوئی خوشخبری ہی لے کر آ رہی ہو۔ ماہ رُخ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ مومنہ اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ مومنہ نے ایک دم ماہ رُخ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے سینے سے لگا لیا اور اس نے خبر سنانے کی بجائے ماہ رُخ کو زور بھینچا۔ جس خبر سے ماہ رُخ خوف زدہ تھی ہو گئی۔ اس نے مومنہ کو پوری قوت سے پیچھے کر کے مومنہ کا چہرہ دیکھا۔ مگر اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ماہ رُخ کا دل بیٹھنے لگا۔

"پھوپھو......! آپ کچھ بولتی کیوں نہیں؟ آپ کو تو کچھ بھی بولتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔ آپ تو سب کچھ بڑے آرام سے، بڑی آسانی سے کہہ جاتی ہیں۔ اسے پتہ تھا کہ مومنہ کی خاموشی کسی طوفان کے آنے کی خبر ہے۔

مومنہ نے ایک گہری سانس لی اور ماہ رُخ کی طرف دیکھ کر بولی "جو خبر تم مجھ سے سننا چاہتی ہو سمجھ تو گئی ہو۔ وہ ایک پیاری سی بیٹی ہمارے حوالے کر کے دنیا سے جا چکی ہے۔"

ماہ رُخ نے اس دفعہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ "اتنی محرومیوں اور اتنے امتحانوں کے بعد بھی اسے کچھ نہیں ملا۔ وہ خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے چلی گئی۔ جن انسانوں کی قسمت میں محرومیوں ہوتی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوتیں؟ وہ اسی طرح سے اس دنیا سے خالی چلے جاتے ہیں؟" مومنہ نے ہاتھ بڑھا کر ماہ رُخ کو پھر اپنے گلے سے لگا لیا۔

"خدا کے لیے ماہ رُخ اپنے آپ کو سنبھالو۔ ہمت سے کام لو۔ کتنی ہی بری خبر ہو اس کو سنبھالنا ہی ہوتا ہے۔ مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرتا۔ وہ اولاد جو جسم کا ٹکڑا

ہوتی ہے، جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے اگر مر جائے تو ماں اس کے ساتھ زندہ دفن نہیں ہوتی۔ خود کو سنبھالنا پڑتا ہے۔ زندہ انسان کو ہمت سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ ماں جو جینا نہیں چاہتی اپنی اولاد کے ساتھ ہی اس دنیا سے چلے جانا چاہتی ہے لیکن مرتی نہیں ہے۔ وہ بھی زندہ رہ کر اس زخم کو برداشت کرتی ہے۔'' مومنہ اب بڑے سخت لہجے میں ماہ رُخ کو سمجھا رہی تھی۔ اس لیے کہ اسے خوف سا محسوس ہو رہا تھا کہ ماہ رُخ کے حواس اس کا ساتھ نہ چھوڑ جائیں۔ ماہ رُخ جیسے سانس روک کر مومنہ کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کیا ہوا اس نے بہت زور سے چیخ ماری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جاتے ہوئے لوگ پلٹ کر ماہ رُخ اور مومنہ کی طرف دیکھنے لگے۔ ہسپتال میں دل ہلا دینے والی چیخ کا صرف ایک مطلب ہوتا ہے۔ کسی کو کسی سے سوال کر کے جواب حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ دل لرزا دینے والی ماتمی چیخیں خود بہت سارے سوالوں کا جواب بن جاتی ہیں۔ پلٹ کر دیکھنے والوں کی نظر میں رحم، ہمدردی اور افسوس کے تاثر اُبھرے۔ پھر جو جس طرف جا رہا تھا دوبارہ اس طرف چل پڑا۔

''خود کو سنبھالو ماہ رُخ......''

''میں کیسے سنبھالوں......؟'' ماہ رُخ نے مومنہ کی بات کاٹ کر عجیب دیوانہ وار انداز میں کہا تھا ''وہ چلی گئی...... وہ چلی گئی...... وقار کو بتا دیں کہ وہ چلی گئی۔ وقار نے اسے مار دیا۔ پھوپھو......! کسی گھڑی، کسی لمحے کبھی وقار کا اگر خیال آیا تو قائم ہونے والے ایک تعلق نے میرے دل میں اس کے لیے تھوڑی سی جگہ کا احساس دلایا تھا کہ وہ پڑا ہوا ہے میرے دل کے کسی کونے کھدرے میں اور اسی سابقہ تعلق کی بنیاد پر میں نے کبھی اسے دکھ دینے، اس سے انتقام لینے، بدلے لینے کے منصوبے نہیں بنائے۔ اس سابقہ تعلق نے ایک عجیب لحاظ کا پردہ میرے اور اس کے بیچ قائم رکھا تھا لیکن روبی...... روبی کے جانے کے بعد اب میرے اندر وقار کے لیے صرف نفرتوں کے الاؤ دہک رہے ہیں۔ اس نے ایک معصوم، بے قصور، بے گناہ لڑکی کو مار ڈالا! پھوپھو۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی، اب وہ مجھ سے کوئی اچھی اُمید نہ رکھے۔ اب کوئی مجھ سے اچھی اُمید نہ رکھے۔

پھوپھو! اب میں اسے معاف نہیں کر سکتی۔ مار دیا اس نے روبی کو...... روبی کو مار دیا اس نے۔ بتائیے! اگر اس نے روبی کو مار دیا ہے۔ وہ روبی کا قاتل ہے تو اس کی سزا کب شروع ہوگی؟ اس لیے کہ جب اس کی سزا شروع ہوگی اس دن سے میرے دل کو سکون ملنا شروع ہوگا۔ وگرنہ جب تک وہ اس حادثے کے بعد خوش باش، سکون میں، آرام میں نظر آتا رہا یہ الاؤ ایسے ہوں گے جیسے روز ان پر تیل پڑ رہا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ بھڑک رہے ہیں۔ پھوپھو! اس کو سزا ملنا چاہیے، آج سے ملنا چاہیے، ابھی سے ملنا چاہیے۔ وہ لوگ جو انسانوں کی زندگیوں کو کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، جو اپنی جان سے زیادہ کسی چیز سے پیار نہیں کرتے۔ جن کو اپنی انا، اپنی زندگی، اپنا مال، اپنی دولت، اپنی خوشیاں صرف اور صرف ہر چیز اپنی ہی عزیز اور پیاری ہوتی ہے۔ وہ سامنے والے کو جینے کا حق نہیں دیتے۔ پھوپھو! ان کو سزا آج سے ملنا چاہیے، ابھی سے ملنا چاہیے۔ پھوپھو! میں اس کو بددعا دوں گی۔ آج سے بددعا دینا شروع کروں گی اور آخری سانس تک اسے بددعا دیتی رہوں گی۔''

''ماہ رُخ......! ماہ رُخ......! ہوش کرو۔ کیا پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ سب لوگ ادھر دیکھ رہے ہیں تمہیں۔ کیا تماشہ بنا رہی ہو۔ وہ تمہاری سگی بہن تھی؟ ٹھیک ہے انسانیت کا ایک رشتہ تھا اس کے ساتھ میرا بھی، تمہارا بھی لیکن اس طرح کھلے عام کھڑے ہو کر جو تم ماتم کر رہی ہو اس سے کچھ حاصل ہوگا۔ کیا وہ کچھ ہو جائے گا جس کی تمنا تم اس وقت کر رہی ہو؟ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ ہمت سے کام لو۔ تم نے تو حد ہی کر دی ہے۔'' مومنہ اس کو بازو میں دبوچے ہوئے سرزنش کر رہی تھی لیکن ماہ رُخ کو تو جیسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ کون اسے روک ٹوک رہا تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ اب آگے کیا ہوگا۔ وہ تو بس جیسے پوری دنیا کو تہس نہس کر دینا چاہتی تھی۔ ہنستی کھیلتی، معصومیت کے ساتھ باتیں کرتی روبی بار بار اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو رہی تھی۔ اس کے اندر طوفان کے جھکڑ چل رہے تھے۔

''پھوپھو......! پھوپھو......!''

''بس بس...... ماہ رُخ خدا کے لیے بس کرو...... خدا کے لیے بس کرو۔'' مومنہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''چلو میرے ساتھ۔ ابھی آگے بہت کام کرنا ہے۔ اس وقت تم ہی روبی کی وارث ہو۔ اس وقت آخری منزل تک پہنچانے کا اہتمام تمہیں ہی کرنا ہے۔ اور وہ ابھی نتا...... وہ بوڑھی عورت جو پہلے ہی غم سے نڈھال اور چور چور ہے۔ اس کو بھی یہ بری خبر سنانا ہے۔ اس کو بھی یہ احساس دلانا ہے کہ اسے صبر سے کام لینا ہے۔ کوئی مرنے والے کے ساتھ نہیں مرتا۔ تم میرے ساتھ مل کر یہ کام کرو گی۔ خدا کے لیے ماہ رُخ خود کو سنبھالو۔ خود کو نہیں سنبھالو گی تو پھر کیا کرو گی۔'' مومنہ اپنے اُسی پُراعتماد اور باہمت انداز میں ماہ رُخ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پھوپھو......!'' ماہ رخ نے پھر پھڑ پھڑا کے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

اب مومنہ نے اس کے منہ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔ جیسے سختی سے کہہ رہی ہو کہ اب ایک لفظ بھی تم نہیں بولو گے۔ ماہ رُخ نے بے بسی سے مومنہ کے کندھے پر اپنا سر ٹکا لیا۔ اس کا ذہن دور تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انجم......؟ ایک اجنبی لڑکی جس کا آگے پیچھے کا کچھ پتہ نہیں۔ آپ اس طرح کی بات کر سکتے ہیں؟ یقین کریں مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ کچھ تو سوچیں...... ٹھیک ہے وہ لڑکی بہت حسین ہے، خوبصورت ہے، پڑھی لکھی بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن آپ اپنے بیٹے کے لیے......'' سبرینہ بے حد حواس باختہ نظر آ رہی تھیں۔ آنکھیں پھاڑے انجم علوی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''سبرینہ......!'' انجم علوی کی آواز میں ٹھہراؤ کی کیفیت تھی۔ ''سبرینہ...... ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارا بیٹا میرے اور تمہارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ وہ وقتی طور پر کسی مصلحت کے تحت سرینڈر کیے ہوئے ہے، چپ چاپ اس گھر میں بیٹھا ہوا ہے لیکن جو کچھ وہ بو چکا ہے وہ ابھی اسے، مجھے اور تمہیں کاٹتے رہنا ہے۔ وہ جو اس نے تماشوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہوا تھا ان سے اتنی آسانی سے ہماری جان نہیں چھوٹے

گی۔ اور پھر میری اولاد ہے میں اب دوبارہ رسک نہیں لے سکتا۔ اتنا بڑا خطرہ جس سے اس وقت بھی ہم دوچار ہیں۔ میڈیم عالیہ کی صورت میں۔ اس عورت کے منہ کو خون لگا ہوا ہے، اس کی نظر میری دولت پر ہے۔ وہ اپنے اختیار اور اثر ورسوخ پر بہت بھروسہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ہمیں چین سے نہیں بیٹھنے دے گی اور دوسری بات یہ ہے کہ اس اکھاڑ پچھاڑ کے بعد رمیض...... جس کو سختیاں سہنے کی عادت نہیں ہے وہ پھر کسی ریلیف پوائنٹ کی طرف جائے گا۔ وہ اپنے لیے کوئی آسانی کا راستہ ڈھونڈے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ پھر ہمارے لیے کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرے۔ کوئی ایسی ویسی لڑکی ہمارے سامنے لاکر کھڑی کر دے کہ اس سے ملیے یہ آپ کی بہو ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ Innocent لڑکی جس کے بارے میں ہمیں بہت کچھ پتہ چل چکا ہے۔ جس کی دی ہوئی اطلاعات پر مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے جو اطلاعات مجھے دی تھیں اسی کی بنیاد پر میں نے پشاور میں چھان بین کرائی تھی۔ جو کچھ اس نے بتایا وہ سچ ہے۔ جو نام اس نے بتائے وہ سچ ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ اس کا خاندان شعبہ تدریس سے وابستہ رہا ہے۔ اس کے خاندان کی اکثریت ٹیچر پر مشتمل ہے۔ ان کا پورا ریکارڈ پشاور میں موجود ہے۔ مجھے اس لڑکی پر کوئی شک وشبہ نہیں۔ اپنے بیٹے کو باندھ دو۔ اس بات کا انتظار نہیں کرو کہ وہ اپنا کیریئر بنائے گا، ابھی وہ آگے جائے گا۔ کچھ بھی نہیں کرنا اس نے۔ جو عذاب ہمارے سر پر ہیں وہ اسے کچھ نہیں کرنے دیں گے۔ میری مانو...... چپ چاپ اس کی نشاط افزا سے شادی کرو۔ میں اس کو باہر بھجوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ یہ نشاط افزا کو لے کر باہر چلا جائے۔ تمہیں بھی سکون مل جائے گا اور مجھے بھی سکون مل جائے گا۔ دیکھو! اگر ہم اس کو بغیر شادی کے باہر بھجوا دیتے ہیں تو یہ وہاں پر بھی اسی قسم کی حرکتیں کرتا رہے گا۔ یہ کسی ایک کھونٹے سے نہیں بندھے گا۔ اسے باندھنے کی ضرورت ہے۔'' انجم علوی بڑے مضبوط دلائل کے ساتھ سبرینہ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ انجم علوی کے اس اچانک فیصلے سے سنبھل نہیں پا رہی تھیں۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا انجم...... یہ آپ نے ایک دم اچانک اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر

لیا‘‘ اب انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بڑی بے بسی کی کیفیت میں انجم علوی سے کہا۔

’’تمہارا بیٹا ایک سیکنڈ میں اتنے بڑے بڑے فیصلے کر کے ان کے نتائج ہمیں بھگتنے کے لیے دے چکا ہے۔ اوہ بھئی! میں تو پھر بھی ایک مثبت فیصلہ کر رہا ہوں۔ سب کے بھلے کی بات کر رہا ہوں۔‘‘ انجم علوی اب تھوڑا زچ ہو کر بولے تھے۔

’’لیکن انجم...... وہ ایک بے نام و نشان لڑکی۔ میرا مطلب ہے اس کا نہ باپ ہے نہ ماں ہے......‘‘ سبرینہ ہچکچاتے ہوئے انجم علوی کو سمجھانے لگیں۔

’’میں نے کہا ہے نا...... مجھے اس لڑکی پر بے اعتباری نہیں ہے۔ مجھے ہر اس لڑکی پر بے اعتباری ہو گی جو تمہارا بیٹا میرے سامنے لا کر کھڑا کرے گا۔ میں تمہارے بیٹے کے کسی فیصلے پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ میں اس کی کم علمی اور تجربے کی بنیاد پر اسے بڑے بڑے فیصلے کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس کی طبیعت کے اندر جو لاابالی پن ہے وہ اسے کبھی صحیح فیصلہ نہیں کرنے دے گا۔ اگر آج تم نے میری بات نہیں مانی تو تم دیکھ لینا ہم پھر کسی نئے مسئلے سے دوچار ہو جائیں گے۔ وہ انسان ہی کیا جو اتنی بڑی ٹھوکر کے بعد بھی خود کو نہ سنبھال سکے۔ جس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ بھئی! ہماری اولاد ہے۔ ہم نے ہی سوچنا ہے۔ ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ میں نے جذباتی فیصلہ کیا تھا اس کو عاق کرنے کا، گھر سے نکالنے کا لیکن میں اس پر سے اپنا نام نہیں مٹا سکتا۔ جب میں اپنی غلطی ماننے کو تیار ہوں تو تم میری بات ماننے کو تیار کیوں نہیں ہو؟‘‘ انجم علوی کے انداز میں اب خفگی کا تاثر تھا۔

سبرینہ لاجواب سی ہو کر خاموش ہو گئیں۔ ان کے تصور میں نشاط افزا آ کھڑی ہو گئی۔ ایک مومی مجسمے کی صورت، اتنی حسین لڑکی ان کی بہو کی صورت، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جس جگہ پر بھی وہ اس کو لے کر کھڑی ہوں گی اور اس کا تعارف ان کی بہو کی حیثیت سے ہوگا وہ ان کے لیے بڑی ہی باعث افتخار ہوگا اور سب نے ہی ان سے پوچھنا ہے کہ اتنی حسین و جمیل بہو وہ کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں؟ حسن و جمال کی حد تک تو بات ٹھیک تھی لیکن بالکل انجان لڑکی کے لیے آگے ان کا ذہن کام کرنے سے رُک رہا تھا اور

ان کو اس اہم فیصلہ کی طرف پیش رفت کرنے سے روک رہا تھا لیکن چونکہ وہ ایک نااہل اور نکمے بیٹے کی ماں تھیں اور کسی نکمے اور نااہل بیٹے کی ماں کی دلیل میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور وہ بھی شوہر کے سامنے، وہ شوہر جو ان کو آج تک بڑے اچھے طریقے سے رکھتا چلا آ رہا تھا، جس نے اپنی تمام تر ذمہ داریاں نبھائی تھیں۔ جس کے ہاتھ بالکل صاف تھے۔ جس نے ان کے ساتھ کبھی کسی قسم کی کوئی دھوکے بازی نہیں کی، جھوٹ نہیں بولا، ہمیشہ سے ان کا وفادار رہا۔ ہائی سوسائٹی کو مُوو کرنے کے باوجود جس نے غیر اخلاقی برائیوں سے خود کو ہمیشہ بچائے رکھا۔ جس کی شرافت، پاک بازی کی وہ قسم کھا سکتی تھیں جوان کے ساتھ سو فیصد خالص اور وفادار، وفا شعار رہا۔ اس کے دلائل کے سامنے ان کی کسی دلیل میں دم نہیں تھا۔ وہ رک تو گئی تھیں، خاموش تو ہو گئی تھیں لیکن اس خاموشی کے اندر وہ بے بسی تھی جو لاجواب ہونے کے بعد انسان کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے اور اس خاموشی کا مطلب ہاں ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

وقار موبائل اپنی مٹھی میں دبوچے، سینے سے لگائے پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ ملنے والی خبر ایک حقیقت ہے، کوئی ڈراؤنا خواب نہیں۔ روبی دنیا سے جا چکی ہے، اس کی زندگی سے جا چکی ہے۔ وہ خود کو یقین دلا رہا تھا۔ جب سے لائر نے اس کو مطلع کیا تھا اس کے ذہن نے سوائے روبی کے جانے کے کچھ اور نہیں سوچا تھا۔ حالانکہ لائر نے اس کو صرف یہ اطلاع نہیں دی تھی کہ روبی دنیا میں نہیں رہی بلکہ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اسے ایک بیٹی کا تحفہ دے کر دنیا سے گئی ہے۔ اسی وقت نوکر وقار کے استری شدہ کپڑے لیے کمرے میں داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے اسد بھی آ رہا تھا۔ وقار پر ان دونوں کی آمد نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ جس انداز میں بیٹھا تھا اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اسد کی نظر وقار پر پڑی اور پہلی نظر نے ہی اس کو احساس دلایا کہ کچھ غیر معمولی بات ہے۔ وقار کا بیٹھنے کا انداز جیسے کوئی بری خبر سنا رہا تھا جو بتائے بغیر اسد تک پہنچ گئی تھی۔ بڑی تیزی سے، تیر کی طرح وقار کی طرف بڑھا تھا۔ نوکر

ڈریسنگ کی طرف جا رہا تھا اس نے بھی پلٹ کر اسد کی اس تیزی کو اور افراتفری کو محسوس کیا تھا اور دیکھا تھا اور اپنی جگہ رُک گیا تھا۔ وقار نے اسد کو اپنے بالکل سامنے پا کر جیسے خود کو سمیٹنے اور سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کی پتلیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اسد پر نظریں جما دیں۔ اتنی دیر میں اسد اس کو دونوں کندھوں سے تھام چکا تھا۔

"! خیریت ہے...... اس طرح سے کیوں بیٹھے ہو؟ کیا ہوا ہے؟ یہ تمہارے ہاتھ میں موبائل...... کسی سے کوئی بات ہے؟ یہ تمہاری طبیعت کو اچانک کیا ہو گیا؟" وہ پے در پے سوال کر رہا تھا اور وقار بالکل خاموش ایک ٹک اسد کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"یار! کچھ بولتے کیوں نہیں؟ بتاتے کیوں نہیں ہو؟ کیا ہوا ہے؟ تمہاری شکل پہ لکھا ہے کہ تم نے کوئی بیڈ نیوز Recieve کی ہے۔ مجھے بتاؤ کس کا فون آیا تھا؟" اب اسد وقار کو زور زور سے جھنجھوڑنے لگا۔

"روبی کی...... ڈیتھ ہو گئی ہے۔" وقار کی آواز جیسے گہرے کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اسد نے اپنے ہاتھوں کو وقار کے کندھوں سے ہٹا دیا اور بے یقینی کی کیفیت میں وقار کی شکل دیکھنے لگا۔

"روبی...... ! روبی بھابی!!...... روبی بھابی کی بات کر رہے ہو نا؟ کس نے تمہیں یہ خبر دی ہے؟ کہاں سے ملی ہے تمہیں یہ خبر؟" کوئی بھی انسان اتنی بری خبر کے لیے ذہنی طور پر پہلے سے تیار نہیں ہوتا۔ اسد کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے یا وقار اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں پلکیں جھپکائے بغیر وقار کو دیکھ رہا تھا۔

"ابھی ملی ہے تمہارے آنے سے چند منٹ پہلے۔ لائر کا فون آیا تھا" وقار کی پھر آواز اسی طرح سے نکلی جیسے کہیں دور سے آ رہی ہو۔

"لائر کا...... کس کے لائر کا؟" اسد نے پوچھا۔

"میرے لائر کا...... جو اس وقت ماہ رُخ والے کیس کو ہینڈل کر رہا ہے۔"

"اوہ......" یہ سن کر اسد نے بے ساختہ کہا۔ اتنا تو وہ سمجھ گیا کہ آنے والی خبر غلط نہیں اور اس کے اندر صداقت جو بھی ہے اس پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ وقار کا لائر وقار کو بری خبریں کیوں دینے لگا لیکن حیرت کی بات اس کے لیے صرف اتنی تھی کہ یہ خبر وقار کے پاس لائر کے ذریعے آئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کوئی ایسا بندہ جس کا وقار کے ساتھ کمیونیکیشن گیپ ہے اور وقار کے ملنے جلنے والوں کی بھی جس تک اپروچ نہیں ہے اس نے لائر کو Use کیا ہے اور سمجھ میں آنے والی بات اتنی ہی تھی کہ ایسا ماہ رخ کی طرف سے ہی ہوا ہوگا۔ ہاں، ایک چیز اس کے ذہن میں یہ آئی تھی کہ یہ خبر وقار کے آفس کے Through بھی آ سکتی تھی اگر ماہ رُخ کی ہی طرف سے آنا تھا۔ کیونکہ سب سے آسان راستہ یہ تھا کہ وقار کے آفس میں یہ خبر دی جاتی اور بتا دیا جاتا اس صورت میں یہ خبر وقار تک آٹومیٹک پہنچ جاتی۔ بہر حال اس وقت یہ سوچنے کی بات نہیں تھی کہ کسی نے وقار کو بری خبر سنائی ہے یا بری خبر پہنچائی ہے اس کی غرض و غایت کیا ہے۔ اس کے ذرائع کیا ہیں۔ بلکہ اس وقت تو ضرورت اس بات کی تھی کہ وقار کی اس کیفیت کے بارے میں غور کیا جائے۔ کیا وہ دکھ سے نڈھال ہے؟ کیا اسے اس وقت کسی کی اخلاقی ہمدردی، سہارے، تسلی اور تعزیت کی ضرورت ہے یا وہ روبی سے جان چھوٹنے پر سکون محسوس کر رہا ہے۔ وہ وقار کے بالکل قریب ہو کر بیٹھ گیا اور وقار کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"روبی کے جانے کا دکھ ہے نا وقار......؟ میں کتنا سمجھا رہا تھا تمہیں...... کہ دیکھو! جوش کے بجائے ہوش سے کام لو۔ ایک دم سے بڑے بڑے فیصلے مت کرو۔ شک اور وہم کی بنیاد پر اتنے اہم فیصلے نہیں کرنے چاہئیں۔ بعض اوقات جلد بازی سے ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ زندگی بھر سزا کاٹنا پڑتی ہے۔ اب وہ تو چلی گئیں۔ تم بتاؤ اب تم نے کیا کرنا ہے؟ کیا ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام تمہیں کرنا ہوگا؟ کیونکہ ان کے پاس تو سوائے ایک بوڑھی نانا کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ ان کے ماں باپ بھی نہیں تھے، رشتہ دار بھی نہیں

تھے۔ ویسے تو تجہیز و تکفین کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بہت سارے ٹرسٹ موجود ہیں جو بے وارث کی تجہیز و تکفین کر دیتے ہیں۔ نماز جنازہ پڑھا دیتے ہیں لیکن تم نے انہیں طلاق تو نہیں دی تھی۔ تمہارا اور ان کا ایک رشتہ آخری سانس تک قائم تو تھا۔ یہ تمہاری اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے وقار......'' اسد انسانیت کے ناطے، اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق وقار کو سمجھانے لگا۔

کمرے میں دیر تک خاموشی تھی۔ اپنے دل کی دھڑکنیں اور وال کلاک کے ٹک ٹک کے علاوہ کوئی چیز تحریک و ردعمل پیدا کرنے والی موجود نہیں تھی لیکن ایک ہمدرد، مخلص اور ذمہ دار دوست کے سمجھانے، بولنے بات کرنے سے اس کے اندر ردعمل کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کے اوسان بحال ہونے لگے۔ حواس نے کام کرنا شروع کیا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر خود کو بالآخر سنبھالا۔

'' روبی تو چلی گئی ہے اسد......نشانی چھوڑ گئی ہے۔ پتہ چلا ہے کہ اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا ہے......میری بیٹی کو۔ وہ بچی اس وقت بالکل تنہا ہے۔ ماں دنیا سے جا چکی ہے باپ قریب نہیں ہے۔ اب تم اگر میری کچھ مدد کر سکتے ہو تو یہ کہ مجھے میری بیٹی تک پہنچا دو۔ میرے اعصاب اس وقت بالکل شل ہو رہے ہیں۔ میری قوت عمل بالکل زیرو ہو رہی ہے۔ میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ بس اسد! جہاں تم نے مجھ پر اتنی مہربانیاں کی ہیں ایک یہ بھی سہی۔ مجھے میری بیٹی تک پہنچا دو۔ میں اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ پتہ تو کرو وہ کہاں ہے۔ پہلی فرصت میں مجھے اس کے پاس پہنچاؤ۔ روبی تو اس دنیا سے جا چکی ہے اور جو اس دنیا سے چلا گیا اس کے جانے کے فوراً بعد ہی ہر طرح کے جھگڑے بھی ختم ہو گئے۔ گلے شکوے بھی ختم ہو گئے اور جنگیں بھی ختم ہو گئیں۔ ایک Chapter close ہو گیا۔ اب اس پر افسوس کرنا ہے، پچھتانا ہے۔ جو بھی کچھ اب کرنا ہے وہ تو بعد کی بات ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ کرنا ہے تا کہ اس بچی کو اپنے پاس لانا ہے۔ پتہ نہیں اس وقت وہ کن ہاتھوں میں ہے، کن لوگوں کے پاس ہے۔ خدا کے لیے جتنی جلدی ہو سکے مجھے میری بیٹی کے پاس لے چلو۔'' وقار کی کیفیت اب اس کے

کنٹرول سے باہر تھی۔ وہ بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ اسد نے اس کو پھر اپنے گلے سے لگایا اور اس کی پشت تھپتھپانے لگا۔

'' ہمت سے کام لو۔ بیٹی تو تمہاری ہے تمہیں ہی ملے گی۔ تمہارے علاوہ اس بچی کا دعویدار کوئی ہے بھی نہیں۔ لیکن یار! کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ تم روبی بھابی کے آخری سفر میں دو قدم ان کا ساتھ دے دو۔ تم نے ان کو راستے میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ ضد کر رہی تھیں، غلط کر رہی تھیں کچھ بھی تھا لیکن تمہیں ان کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ بہر حال اب جو ہوا سو ہوا وہ تو ہمیشہ کے لیے تمہارا ساتھ چھوڑ گئی ہیں۔ اب آخری سفر، آخری منزل تک پہنچانے کے لیے تم دو قدم اُٹھاؤ۔ ساتھ چلو میرے تا کہ تمہارا کوئی بوجھ تو کم ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ دو قدم کا ساتھ بھی نہ دے پاؤ اور کچھ دنوں کے بعد کسی نئے پچھتاوے کی آگ میں جلنے لگو۔ بوجھ بڑھانے کا کیا فائدہ یار؟ کچھ کر سکتے ہو تو کر ڈالو۔ چلو میرے ساتھ۔''

اسد نے پوری قوت سے وقار کو کھڑا کرنے کی کوشش کی اور وقار کی کیفیت یوں تھی کہ جیسے وہ بس اب اسد پر ہی انحصار کر رہا ہو اور اس کی قوت ارادی اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔

☆☆☆☆☆

'' ممی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' رمیض کو تو جیسے 440 والٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ تو اُچھل کر بیڈ سے نیچے اُتر کر کھڑا ہو گیا۔

'' اوہ نو......'' اس نے ماں کی طرف خوفزدہ سی پریشان نظروں سے دیکھا۔ اس کی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوا کیا ہے۔

'' بیٹا! بات صرف اتنی ہے کہ اب مجھے اور تمہیں انجم کی بات ماننا ہوگی۔ اس لیے کہ تمہاری وجہ سے ہم بہت ذلتوں سے گزر چکے ہیں۔ نمو اپنے گھر میں جہاں پر اسے خوشیاں ملنا تھیں، جہاں پر اس کو سکون ملنا تھا۔ کیونکہ Deserve کرتی ہے۔ وہ ایک محنتی Sincere اور سادہ لڑکی ہے۔ وہاں پر اس گھر میں اسے ایک مجرم کی طرح زندگی گزارنا پڑ رہی ہے اور اس کے ذمہ دار تم ہو۔ خدا کے لیے اب کچھ سوچو اور ذمہ داری سے سوچو۔ اب تمہارا باپ تمہیں فیصلے سنائے گا تمہارے فیصلے نہیں سنا گا۔ کیونکہ تم جو کچھ

کر کے بیٹھے ہوئے ہو وہ تمہیں right نہیں دے گا۔ کسی بھی قسم کے فیصلے کرنے کا right نہیں دے گا۔'' سبرینہ اسے سمجھانے لگیں۔

''واہ...... ایسے ہی right نہیں دیں گے۔ کیوں بھئی؟ ٹھیک ہے نا بس بندے سے ہو جاتی ہے غلطی۔ ہو گئی تھی مجھ سے غلطی۔ اب میں دوبارہ تو وہ غلطی نہیں کرنے جا رہا۔ کیوں آپ لوگوں کو شک ہے کہ میں اس طرح کا کام دوبارہ کر رہا ہوں۔ ٹھیک ہے...... وہ لڑکی اچھی ہے اور بہت کیوٹ ہے لیکن ممی ابھی میں نے شادی کا فیصلہ نہیں کیا۔ اس طرح سے تو کوئی شادی نہیں ہوتی کہ بندہ اوور نائٹ ہے کسی لڑکی کو اپنا بنا لے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور سوچے بھی نہیں۔'' رمیض اٹکنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بات کس طرح سے سمجھائے اور کس طرح سے اپنے باپ کے اس فیصلے سے اپنا تحفظ کرے، اپنی جان بچائے۔

''کچھ بھی کر لو رمیض...... اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ دیکھو تمہارے باپ نے جو اتنی محنت کی ہے وہ تمہارے لیے کی ہے۔ اس نے یہ ساری محنت کسی Trust کی فلاح و بہبود کی نیت سے نہیں کی تھی۔ تم ان کی اکلوتی اولاد ہو۔ وہ اپنی ہر ہر محنت کا نتیجہ، اپنی ہر ہر محنت کا حاصل تمہیں سمجھتے ہیں۔ تم واحد اولاد ہو ان کی۔ نموان کی بھانجی ہے وہ ان کی وراثت میں حصہ دار نہیں ہے۔ اگر وہ اس کو اپنی خوشی سے کچھ دے دیتے ہیں تو وہ گفٹ ہے۔ اس کا حق یا حصہ نہیں ہے۔ اصل حقدار اور اصل وارث تو تم ہو۔ یہ سب کچھ تمہارا ہے۔ تمہاری عقل میں یہ بات کیوں نہیں آ رہی کہ تمہارا باپ تمہاری بھلائی اور تمہاری بہتری کے لیے ہی سوچے گا۔ وہ تمہیں دکھ دینے والے فیصلے کیوں کرے گا؟'' سبرینہ اب اس کو ذرا سختی سے سمجھانے لگیں۔

''اگر میں ڈیڈی کا یہ بات نہ مانوں تو......؟'' رمیض نے یہ کہتے ہوئے ماں کی طرف سے پشت کر لی۔

''تو میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔ پھر شاید تمہیں ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ کر بوریا بستر اُٹھا کر یہاں سے جانا ہوگا۔ ہم لوگوں سے ہر قسم کا تعلق ختم کرنا ہوگا۔ تمہارا باپ اخبار میں

اشتہار دے دے گا کہ وہ تمہارے کسی کیے دھرے کا، تمہارے کسی لین دین کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ وہ تمہیں عاق کر چکا ہے۔ کوئی شخص اس کے پاس تمہاری Complain لے کر نہ آئے۔ تمہارے لیے ہوئے قرضے وصول کرنے نہ آئے۔ تمہارے کسی دکھ تکلیف کی خبر دینے اس کے پاس نہ آئے۔ وہ تم سے بالکل لاتعلق ہو جائے گا۔ دیکھو! باپ کے اُوپر بھروسہ کرو۔ اس لیے کہ دنیا میں سب سے سچا رشتہ صرف ماں باپ کا ہوتا ہے۔ تمہارا باپ جو کچھ بھی سوچے گا تمہاری بھلائی کے لیے سوچے گا تمہیں اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھ آ رہی۔''

''ممی اتنا آسان ہوتا ہے کسی کو اپنا بنا لینے کا فیصلہ کرنا......؟'' رمیض زِچ ہو کر بڑے خفا خفا موڈ میں پوچھ رہا تھا۔

''بالکل بھی آسان نہیں ہوتا۔ ہاں کھیل میں آسان ہوتا ہے جیسے تم تہمت کو xyz کو شادی کے سہانے سپنے دکھاتے رہے اور اپنا بنانے کا یقین دلاتے رہے۔ یہ فلرٹ کی حد تک تو واقعی بہت آسان ہے۔ حقیقت میں اس طرح کا قدم اُٹھانا مشکل ہوتا ہے لیکن اس وقت جب بندہ اکیلا فیصلہ کر رہا ہو۔ یہ فیصلہ تو تمہارا باپ کر رہا ہے جس کے سامنے صرف اور صرف اس وقت تمہاری بھلائی ہے اور شاید اس لڑکی کا احسان مند بھی ہو رہا ہے جس نے تمہیں کریمنل لوگوں کے ہتھے چڑھنے سے بچایا تھا۔ تم تو اتنے بے وقوف اور پاگل تھے کہ اگر تم ان ہاتھوں میں پہنچ بھی جاتے تو اس وقت تمہیں پتہ چلتا جب تم پوری طرح اس دلدل میں دھنس چکے ہوتے۔ پھر ایک بلیک میلنگ، میڈم عالیہ کی بلیک میلنگ سے بھی بڑی بلیک میلنگ تمہاری زندگی کا عذاب بن جاتی جس سے تم پیچھا نہیں چھڑا سکتے تھے اور اس بلیک میلنگ کا گنہگار صرف تمہیں ہی نہیں سمجھا جانا تھا بلکہ تمہارا باپ بھی کورٹ کچہریوں کے دھکے کھاتا۔ تمہاری ضمانتیں کراتا پھرتا۔ انہوں نے پتہ چلا لیا ہے بیٹا...... نشاط افزا کا تعلق ایک بہت اچھے گھرانے سے ہے۔ نشاط افزا بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس کا بہت اچھا خاندانی بیک گراؤنڈ ہے۔ انہوں نے سب پتہ چلا لیا ہے۔ ان کے لیے اس طرح کی چھان بین کرانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان کا بزنس ساری دنیا میں پھیلا

ا ہے، ان کے Links ہیں۔'' سبرینہ نئے زاویے سے اس کو سمجھانے کی کوشش کر
ہی تھیں۔ ان کے بڑے سولڈ سورسز ہیں۔

''امی میرا ذہن ہی نہیں مان رہا۔ میں ذہنی طور پر تیار ہی نہیں ہوں۔ میں تو کبھی
وچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زندگی میں ایسا وقت بھی آئے گا کہ مجھے چند گھنٹے میں اچانک
ادی کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ آپ ڈیڈی سے کہیں وہ میرے لیے سزا کا کوئی اور راستہ
ال دیں۔ مجھے منظور ہے۔ مگر میں اتنی جلدی بے سوچے سمجھے شادی نہیں کر سکتا۔''

''یہ تو میں ان سے نہیں کہہ سکتی۔'' سبرینہ نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ تو
تمہیں کرنا ہوگا رمیض! اس مرتبہ تم صرف باپ کو ہی نہ کھو گے ماں کو بھی کھو دو گے۔ اس
عمر میں تمہاری خاطر طلاق لیتی ہوئی میں اچھی لگوں گی؟ تمہیں شرم نہیں آئے گی۔ تمہارا
ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرے گا کہ تمہاری غلطیوں کی سزا تمہاری ماں بھگت رہی ہے۔
جس نے تمہیں پیار دیا، محبت دی، دنیا کی دھوپ سے بچانے کے لیے جتن کیے، تمہارے
نخرے اُٹھائے۔ اس لیے کہ تم میری اکلوتی اولاد تھے۔ مجھے تو جو کچھ کرنا تھا تمہارے ہی
لیے کرنا تھا۔ میری تمام محنتوں، ریاضتوں کا یہ صلہ دے کر تم اس گھر سے جاؤ گے؟''
سبرینہ جیسے پھٹ پڑیں۔ اب وہ بہت غصے سے بات کر رہی تھیں۔

''طلاق......!! آپ کو کیوں طلاق دیں گے؟ ان کو جو کرنا ہے میرے ساتھ
کریں۔'' رمیض اب بری طرح سے جھلا کر بولا۔

''اس لیے طلاق دیں گے کہ میں نے ایسی اولاد پیدا کی جس نے انجم علوی کی تیس
چالیس سال کی محنت کو زیرو کر دیا۔ اب تمہارا باپ اپنا غصہ نکالنے کا کوئی بہانہ، کوئی تو
راستہ ڈھونڈے گا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں کریں گے کیا؟ اب بہت ہو گئی ہے رمیض......
اب میں اس سے زیادہ تمہیں سمجھا نہیں سکتی۔ اب اس سے زیادہ تمہارے باپ سے لڑ
نہیں سکتی۔ تم کیا چاہتے ہو کہ ساری دنیا میں میرا تماشہ بنے؟ میرے منہ پر کالک لگے کہ
میں ایک نکمے بیٹے کی ماں ہوں۔ جس نے اپنی ماں کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ تمہارا کیا دھرا
اب میں بھگتنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہیں ہر صورت ہماری بات ماننا ہوگی۔ تم جاؤ اپنے

باپ کو جا کر اپنا فیصلہ سنا دو۔ اب میں تمہارے فیصلے سنانے ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔
تم جو اپنی بچت کرنے کے لیے اپنی ماں کو استعمال کرتے تھے نا...... آج سے تمہارا یہ راستہ
بند ہو گیا ہے۔ تمہیں جو کہنا ہے جا کر اپنے باپ سے ڈائریکٹ کہو۔ سن رہے ہو تم......؟
تمہیں یہ گھر چھوڑنا منظور ہے، تمہیں عاق ہونا منظور ہے۔ جو کچھ بھی تم چاہتے ہو جا کر
اپنے باپ سے کہو۔ اگر وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر دھکے مار کر تمہیں گھر سے نکال دیں تو یہ مت
سمجھنا کہ میں پیچھے پیچھے آ کر ان کی منتیں، خوشامدیں کروں گی۔ اس لیے کہ میں اگر آج
ان کو کسی طرح سے روک بھی دوں گی تو زندگی بھر ان کے طعنے اور تلخ باتیں نہیں سن سکوں
گی۔ اب ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ زخمی ہو گئی ہے میری روح، بوجھ بن گیا ہے یہ تعلق۔
اس کو میاں بیوی کا تعلق کہتے ہیں تمہاری وجہ سے۔ زنجیروں میں جکڑی ہوئی قیدی کی
طرح محسوس ہوتی ہوں خود کو۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی بنتے جا رہے ہیں۔''
سبرینہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

رمیض نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ
گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کی ماں نے اسے بالکل اکیلا چھوڑ دیا۔ اسے رہ رہ کر
نشاط افزا پر غصہ آنے لگا۔ اسے پناہ ڈھونڈنے کے لیے میرا ہی گھر ملا تھا۔ کیا مصیبت
ہے۔ اتنا مال، اتنا پیسہ، اتنی دولت تھی۔ ٹکٹ کٹا کر کسی دوسرے شہر چلی جاتی۔ یہاں
میرے گھر میں آ کر بیٹھ گئی ہے میرے لیے مصیبت بن کر۔ رمیض دانت پیستے ہوئے
بڑبڑا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

''بیٹا! بات یہ ہے کہ میرا بیٹا رمیض کم عمر ہے اور کم عمری کا مارجن میں اس کو دیتا رہا
ہوں لیکن کم عمری کے ساتھ ساتھ اس کے اندر لاابالی پن اور غیر ذمہ داری کا رویہ اب مجھ
سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔ دیکھو بیٹا ایک بات میں
بالکل صاف صاف بتاتا ہوں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کریمنل نہیں ہے۔ اس کا جرائم
پیشہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ کبھی رہا ہے۔ کیونکہ بہت لاڈ پیار میں پلا ہے اس لیے

بہت تن آسان ہوگیا ہے۔ آسائشوں کا عادی ہوگیا ہے۔ وہ اپنی جان کو تکلیف دینا گوارا نہیں کرتا اور اپنی کاہلی، تن آسانی اور عیاشی کی وجہ سے وہ ایسی غلطیاں کر چکا ہے جن کو اس نے بہت چھوٹا سمجھا تھا لیکن ہمارے لیے وہ عذاب بن گئی ہیں اور اب ان عذابوں سے چھٹکارے کے لیے ہم ہاتھ پاؤں مار رہے تھے لیکن میرا بیٹا اگر شرابی، بدکردار یا کریمنل ہوتا تو میں تم جیسے اچھی سوچ رکھنے والی، سلجھی ہوئی، پڑھی لکھی لڑکی کے ساتھ بندھن باندھنا گوارا نہ کرتا۔ اس لیے کہ میں اپنے ضمیر کی لعن طعن برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔'' انجم علوی نے رک کر جیسے سانس لی اور ایک نظر نشاط افزا کے چہرے پر ڈال کر اپنی بات کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔ نشاط افزا کے چہرے پر سوائے حیرت کے کچھ نہ تھا۔ وہ آنکھیں کھولے پلکیں جھپکائے بغیر انجم علوی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

انجم علوی مزید گویا ہوئے ''اس کی غیر ذمہ داریاں اس کا بہت بڑا عیب ہیں۔ جیسے کہ میں نے کہا کہ اس کے اندر ایسی اخلاقی برائیاں نہیں ہیں جو اس کو دلدل میں پھنساتی چلی جائیں۔ اس کا سدھار ممکن ہے۔ ایک سلجھا ہوا ساتھی اس کو راہ راست پر لا سکتا ہے۔ میں تو اس پر سختی اس لیے کر رہا ہوں کہ باپ ہونے کے ناطے سے میں اس کی بھلائی کا خواہش مند ہوں۔ اس کو کامیاب اور باعزت انسان دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ تمنا تو ہر ماں باپ کی ہوتی ہے۔ میری یہ خواہش کوئی انوکھی یا نرالی نہیں بالکل فطری ہے۔ جب میں اس پر سختی کر رہا ہوتا ہوں تو مجھ پر کیا گزرتی ہے میں ہی جانتا ہوں لیکن مجھے یہ کڑوا گھونٹ اس لیے پینا پڑتا ہے کہ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا اور مجھے اپنے بیٹے کی بھلائی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک مخلص ساتھی اس کی ان لا اُبالیوں پر پردہ بھی ڈال سکتا ہے، ان کو دور بھی کر سکتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا بڑا شکر ہے، کرم ہے کہ تمام تر عیش و آرام کے باوجود وہ نشے جیسی لعنت میں مبتلا نہیں ہوا اور کریمنل لوگوں کی کمپنی سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بچائے رکھا۔ نہ اسے جوئے کی عادت ہے، نہ اسے لاٹریوں میں حصہ لینے کا شوق ہے۔ سب سے بڑا عیب، سب سے بڑی بیماری غیر ذمہ داری اور لا اُبالی پن ہے۔ وہ میری اولاد ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ میری اولاد کیا کچھ کر سکتی ہے اور اس

کی ماں کا کردار بھی میرے سامنے ہے۔ وہ ایک باکردار، سلجھی ہوئی، پڑھی لکھی عورت ہے۔ وہ برسوں سے اس گھر کا سسٹم چلاتی آ رہی ہے۔ بس اس سے ایک ہی چوک ہوئی ہے کہ اس نے اکلوتی اولاد کو غیر ضروری لاڈ پیار کر کے نکما بنا دیا۔ اس کو بھی تنقید کا نشانہ بنا تا رہتا ہوں لیکن تنقید بھی کسی مسئلے کا حل تو نہیں ہوتی۔'' بات کرتے کرتے انجم علوی پھر رُک گئے تھے۔ جیسے سوچ میں پڑ گئے ہوں۔ اتنا سب کچھ تو نشاط افزا سے کہہ دیا ہے۔ کیا وہ سب کچھ سننے کے بعد رمیض سے شادی پر رضامند ہو جائے گی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اسے یہ فیصلہ قبول کر لینا چاہیے۔ اسے عارضی پناہ گاہ کو مستقل کرنے کا سوچنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کے پاس اب کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ انہیں اُمید تھی کہ نشاط افزا ان کی بات سنتے ہوئے اس پر غور بھی کر رہی ہے۔ کیونکہ جتنا وہ پھنسے ہوئے ہیں اس سے زیادہ وہ پھنسی ہوئی ہے۔

''لیکن انکل......! رمیض آپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ آپ عزت دار لوگ ہیں۔ میں تو ایک طرح سے بالکل لاوارث ہوں۔ میرا تو کوئی آگے پیچھے بھی نہیں ہے۔ میں آپ کے خاندان کا حصہ بننے کی اہل نہیں ہوں۔'' وہ سر جھکا کر بے معنی انداز میں مسکرائی۔ ''یوں سمجھیے انکل میں Deserve ہی نہیں کرتی۔ میرے اندر کوئی خاص بات نہیں ہے کہ میں اتنے معزز خاندان کا حصہ بن جاؤں۔ میری آپ سے درخواست ہے آپ اتنا آگے آگے کے مت سوچیں اور رہا رمیض کا سوال تو مجھے اُمید ہے آپ اسی طرح سے کوشش کرتے رہے تو وہ سنبھل جائے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے سب پتہ چل جائے گا۔ اسے اپنی برائیاں خود ہی محسوس ہونے لگیں گی۔ یہ کوئی چھوٹا سا فیصلہ تو نہیں ہے انکل...... ساری زندگی کا سوال ہے۔ میں کتنی دیر آپ کے پاس رہی ہوں، آپ نے کتنا مجھے جان لیا ہے۔'' نشاط افزا بہت سنبھل کر اور محتاط انداز میں کہہ رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں اس کے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اندھیرے راستے کے سفر میں کسی نے دیا جلا دیا ہے اور شاید اسے اپنی خوش قسمتی پر یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ اسے اس لمحہ میں رمیض سے بہت ہو گئی تھی۔ شاید اس

لیے کہ اس کو ایک مستقل ٹھکانہ مل رہا تھا۔

انجم علوی نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کہنے لگے "بیٹا! فیصلہ تو ہو گیا ہے۔ تمہارے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہے اور اپنی بھلائی کا آپشن قبول کرتے ہوئے تمہیں بالکل بھی نہیں جھجکنا چاہئے۔ یہ سمجھو کہ میں نے تو اپنے بیٹے کے لیے کسی لڑکی کو منتخب کرنا ہی تھا، میں نے تمہارا انتخاب کر لیا ہے۔" انجم علوی نشاط افزا کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"انکل یہ کچھ زیادہ ہی جلد بازی ہو گئی ہے۔ شادی تو زندگی بھر کا فیصلہ ہوتا ہے۔" نشاط افزا بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔

"بیٹا! میں آپ کی بھلائی اور اپنے بیٹے کی بھلائی بھی سوچ رہا ہوں۔ دیکھو! میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں گا۔ میں اور تم ہم دونوں مل کر رمیض کو سنبھال لیں گے۔ اس کو سنبھالنا بالکل بھی مشکل نہیں ہو گا اس لیے کہ وہ شادی کے بندھن میں بندھنے کے بعد اب اس طرح سے اپنے آپ کو آزاد محسوس نہیں کرے گا۔ جس طرح کی آزادی کو محسوس کرتے ہوئے وہ اپنے دل کے فیصلے پر چلا کرتا تھا۔ شادی انسان میں خود بخود ایک احساسِ ذمہ داری پیدا کر دیتی ہے۔ کسی میں کم، کسی میں زیادہ لیکن یہ بندھن اپنا احساس دلاتا ہے۔ انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی ہے۔ اس کو سکون اور عیش و آرام سے زندگی گزارنے کی عادت ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی تمنائیں بھی نہیں ہیں۔ جب اس کو ہر طرف سے سکون ملے گا ہر طرح کی سزاؤں سے نجات ملے گی، ہر وقت کی لعن طعن سے چھٹکارہ ملے گا۔ یقیناً وہ کچھ بہتر ہو جائے گا۔" انجم علوی نے پھر سمجھایا۔

"ٹھیک ہے انکل! آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ آپ اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں لیکن میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے قابل نہیں سمجھتی۔ آپ جیسے خاندانی، عزت دار لوگ۔ میں کہاں اس قابل ہوں۔ ایک بے وارث، ایک بے نام و نشان سی لڑکی۔ آپ پلیز! میرا کوئی اور بندوبست سوچ لیں۔ دیکھ لیں کہ میں زندگی کے باقی دن...... مجھے نہیں پتہ میری کتنی زندگی باقی ہے۔ کسی کو بھی نہیں پتہ ہوتا لیکن جتنی بھی

ہے میں عزت سے، سکون سے، خاموشی سے اور بالکل تنہا ہو کر گزار دینا چاہتی ہوں۔"
نشاط افزا نے نظریں جھکا کر آہستگی سے کہا۔

"بیٹے! آپ سکون سے نہیں گزار سکتیں۔ آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہے۔ سوچنا بہت آسان ہے لیکن جب آپ باہر کی دنیا میں نکلیں گی اور بالکل تنہا ہوں گی تو آپ کے لیے ایک ایک قدم اُٹھانا بہت بڑا مرحلہ ہو گا۔ دیکھیں! خود غرضی تو ہے میری تھوڑی سی لیکن ایسی نہیں کہ میں اپنے کسی غلط کام میں آپ کو ملوث کر رہا ہوں یا آپ کے لیے کوئی مشکل راستہ ڈھونڈ رہا ہوں اپنی آسانی کے لیے۔ اگر آپ میرے اس فیصلے کو نہیں مانیں گی تو ظاہری بات ہے آپ زیادہ دیر یہاں رُک بھی نہیں سکیں گی۔ پھر آپ نے کہیں جانا ہو گا۔ اور کہاں؟ نہ آپ کو پتہ ہے نہ مجھے۔ اور پھر فرض کر لیں ہم کسی ٹھنڈی چھاؤں میں جا بھی بیٹھتے ہیں۔ آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ سکون سے رہ رہی ہیں، آپ کو کوئی ٹھکانہ مل گیا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جہاں آپ سکون سے بیٹھ گئی ہیں وہاں آپ سکون سے بیٹھی ہی رہیں گی۔ نہیں بیٹا...... آج کے دور میں میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ وہ بھی ایسی لڑکی کے لیے جو خاندانی ہے اور عزت دار ہے۔ جس کا بڑا معزز خاندانی بیک گراؤنڈ ہے۔ میرا ضمیر نہیں مانتا، میرا دل نہیں مانتا۔ بس یہی کہوں گا کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی جیسے اپنی بیٹی بنا لیا ہے اور میں زمانے کے رحم و کرم پر آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ دیکھیں! اگر آپ کا کوئی ایک رشتہ دار بھی آ کر آپ کو اپنی کسٹڈی میں لے لیتا اور ثابت ہو جاتا کہ وہ آپ کا حقیقی کسٹوڈین ہے تو یقین کریں میں آپ کو اپنے گھر میں ایک منٹ بھی مزید نہ رہنے دیتا اور یہی سوچتا کہ عزت کے ساتھ جتنی جلدی ہو سکے آپ اپنے کسی والی وارث کے پاس پہنچ جائیں لیکن بیٹا جب کوئی بھی نہیں سوائے خدا کی ذات کے۔ وہ خدا جو اس وقت آپ کے لیے بہت اچھا راستہ نکال رہا ہے۔ میری بات مان لو بیٹا! اس میں آپ کی دور تک کی بھلائی ہے۔" انجم علوی نے آگے کی طرف جھک کر نشاط افزا کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ رکھا۔ درحقیقت وہ کسی بھی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ آج کے زمانے میں اتنی حسین و خوبصورت، جوان لڑکی کو بے وارثی کی حالت میں

گھر سے باہر نکلنے دینا بہت خطرے کی بات تھی۔ اور وہ تو ان کی محسنہ تھی۔ صورت کا تو اپنا ایک جادو ہوتا ہے۔ نشاط افزا کو تو وہ صورت ملی تھی کہ اس کے حسن کا جادو تو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتا۔ شاید لاشعوری طور پر انجم علوی بھی پہلے مرحلے میں اس کے حسن ہی سے متاثر تھے لیکن یہ حسن ان کو ان کی اپنی ذات کے لیے متاثر نہیں کر رہا تھا۔ وہ تو اس کو اپنی بہو کی روپ میں دیکھ رہے تھے، اپنی بیٹی کے روپ میں دیکھ رہے تھے اور اس کو تحفظ دے رہے تھے۔ اور اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق قدم اُٹھا رہے تھے۔ جس سے ان کے اندر کچھ ہونے سے پہلے ہی ایک روحانی سکون اور خوشی کا احساس اُترنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆

زندگی کس موڑ پر لے آئی تھی۔ جس دروازے پر وہ ایک منٹ کے لیے رُکنا ٹھہرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ آج اس دروازے پر سر جھکا کر کھڑا تھا۔ اس لیے کہ دروازے کے اس پار اس کی اپنی بیٹی موجود تھی جو ماہ رُخ کی گود میں تھی۔ اسے اندیشے ستا رہے تھے کہ اب ماہ رُخ ضرور اس سے انتقام لے گی لیکن کیا وہ اس کی بیٹی اس کے حوالے کرنے سے انکار کر سکتی ہے؟ کس قانون کے تحت۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وقار کو ایک اچھی اُمید نے فوراً حوصلہ دیا اور اس نے کال بیل کا بٹن پش کر دیا۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والی مومنہ تھی۔ وقار کو دیکھ کر وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ وقار کو نہ چاہتے ہوئے بھی سلام تو کرنا پڑا۔

''السلام علیکم......!'' وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلا۔ وہیں کھڑے کھڑے سلام کر رہا تھا۔

''وعلیکم السلام......! کیسے تشریف لائے؟ غلطی سے تو نہیں آ گئے؟'' مومنہ کے لہجے میں ایک محسوس ہونے والی کاٹ تھی۔ جو جگر کے آر پار ہو گئی۔

''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔''

''ہاں......ہم آپ کو دیں گے بھی نہیں'' مومنہ نے فوراً بات کاٹ کر بڑی سرد مہری سے ٹکڑا توڑ جواب دیا۔

''میں اپنی بیٹی کو لینے آیا ہوں۔'' وقار نے بغیر کسی تمہید کے اپنے آنے کا مقصد بیان کر دیا۔

مومنہ نے ابھی تک اسے اندر آنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

''اپنی بیٹی......اوہ......اچھا آپ روبی کی بیٹی کی بات کر رہے ہیں۔ وہ......وہی روبی نا جس کو آپ نے Physicaly اور Mantaly بہت زیادہ ٹارچر کیا تھا۔ وہ جو آپ کے لیے ناقابل اعتبار ہو چکی تھی۔'' مومنہ نے طنزیہ لہجے میں مسکرا کر وقار کی طرف دیکھا۔

''پلیز......آپ گزری ہوئی باتوں کو اس وقت نہ دہرائیں۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں صرف اپنی بیٹی کو لینے آیا ہوں۔''

''ہاں......وہی تو میں کہہ رہی ہوں......'' مومنہ نے فوراً وقار کی بات کاٹ دی ''اس بیٹی کی پیدائش سے پہلے آپ نے اس کی ماں کو اتنا Physicaly ٹارچر کیا تھا کہ وہ پتہ نہیں طرح طرح کے مسائل میں اُلجھتی چلی گئی۔ اس کو بہت سارے Physical problems نے آ گھیرا۔ کیونکہ وہ پریگنٹ تھی۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ ماں اور بچہ دونوں ہی خطرے میں ہیں۔ دونوں ہی کو بچانا مشکل ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ کسی ایک کو بچا لیں جو Possibilities میں آ رہا ہے۔ اس حساب سے تو آپ کو اس بیٹی کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لانا چاہیے۔ آپ سمجھیں کہ یہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی چلی گئی۔ اب آپ کی بیوی بھی نہیں ہے جس پر آپ نے شک کیا تھا۔ وہ اب دنیا کے تمام جھگڑوں سے فارغ ہو چکی ہے۔ دنیا سے منہ موڑ چکی ہے اور یوں سمجھ لیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' مومنہ اپنے مخصوص بے مہر دوٹوک انداز میں بات کر رہی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ کے پاس کیا right بنتا ہے؟ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے؟ آپ میری بیٹی کو کس حساب سے اپنے پاس رکھیں گی؟'' وقار اپنے اوسان قابو میں نہ رکھ

سکا۔ایک دم اُلجھ پڑا۔

"واہ...... حساب کتاب پوچھنے آئے ہیں مسٹر وقار...... پلیز آپ تشریف لے جائیں۔ میں نے تو آپ کو صرف اس لیے مطلع کیا تھا تا کہ اب آپ کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے کوئی لیگل ایشو Proceed کرنے سے پہلے یہ جان لیں کہ آپ کی دوسری بیوی اب دنیا میں نہیں ہے۔کوشش تو آپ نے یہ کی تھی کہ پہلی بھی خودکشی کر کے مر جائے لیکن اللہ نے اس کو ہمت دی اور اس نے یہ بزدلانہ قدم نہیں اُٹھایا۔خدا حافظ......" مومنہ نے یہ کہہ کر دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔وقار نے ہاتھ بڑھا کر سختی سے مزاحمت کی۔

"آپ میری بیٹی کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی جواز نہیں رکھتیں۔بچی میرے حوالے کریں۔"

"ہاں......تو آپ گن پوائنٹ پر لے جائیں اُسے۔یہی کر سکتے ہیں نا......اس سے زیادہ آپ اور کیا کر سکتے ہیں؟"

"میں گن پوائنٹ پر لے کر جاؤں، میں بم بلاسٹ کروں، میں پولیس میں رپورٹ لکھواؤں، میں کورٹ میں جاؤں، میں کچھ بھی کروں...... میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔میرے پاس سارے right ہیں۔اس لیے کہ میں بچی کا باپ ہوں۔آپ ہوتی کون ہیں؟" وقار ایک دم ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

"آپ کے یہی انداز آپ کو چین کا سانس نہیں لینے دے رہے۔سکون سے بات کرنا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں۔بس...... آتا کیا ہے آپ کو؟ ایک گھڑی میں بڑے بڑے فیصلے کر لینا۔اور کچھ سیکھا ہے آپ نے دنیا میں اس کام کے علاوہ......؟" مومنہ نے پھر چڑھائی کی اور دروازہ بند کرنے لگی۔

وقار نے مزاحمت کی اور درانہ اندر چلا آیا۔مومنہ پیچھے ہٹ گئی اور وقار نے دروازہ بند کر دیا۔ننا کمرے سے نکل آئی تھیں۔وہ بہت دیر سے شاید کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔صرف مومنہ کے جواب ہی ان کی سمجھ میں آ رہے تھے۔وقار کی بات وہ سن

نہیں پا رہی تھیں۔ان کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ دروازے پر وقار آیا ہوا تھا۔ان کا انداز ماتمی تھا۔وہ بغیر دوپٹے تھیں، پاؤں میں چپل نہیں تھی۔بال ان کے بکھرے ہوئے تھے۔رو رو کر آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔جیسے ہی ان کی نظر وقار پر پڑی ایک دم چیخ کر آگے بڑھیں اور وقار سے لپٹ گئیں۔

"وقار وہ چلی گئی۔اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گی۔اب وہ کسی کو تنگ نہیں کرے گی۔وہ بہت دور چلی گئی۔"

"ننا......آپ ہٹیں۔کس سے تعزیت کر رہی ہیں۔" مومنہ نے ننا کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف کیا۔

اس دوران ماہ رُخ بھی کمرے سے باہر آ چکی تھی۔ہکا بکا وقار کی طرف دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔خبر ملنے کے بعد وقار نے آنے میں ذرا بھی تو دیر نہیں کی۔فوراً چلا آیا۔کیا تعزیت کرنے آیا ہے؟ کیا کرنے آیا ہے یہ؟ روبی تو جا چکی۔اس کی تو تجہیز و تکفین بھی ہو چکی۔چونکہ یہ دونوں اجازت دے چکی تھیں کہ ان کو فی الحال اس طرح کی کوئی سہولت نہیں ہے کہ وہ روبی کو گھر لے جائیں۔اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کریں، اس کی نماز جنازہ کے لیے لوگوں کو اکٹھا کریں۔بہتر یہ ہے کہ ٹرسٹ والے ہی یہ نیک کام انجام دیں۔وقار کی نظر بھی ماہ رخ پر پڑ چکی تھی مگر اس نے فوراً نظریں چرا لی تھیں۔اس وقت وہ دشمنی اور نفرت کی کیفیتوں سے بہت دور صرف ایک خیال میں بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ اس کی اپنی بیٹی اس وقت دشمنوں کی تحویل میں ہے۔یہ تو طے تھا کہ اس نے تو ماہ رُخ کو اپنے دشمنوں کی فہرست میں لکھ دیا تھا اور اس فہرست سے ماہ رُخ کا نام نکالنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں تھا لیکن اپنی اولاد ماہ رُخ کی گود میں دیکھ کر وہ اپنی انا، اپنا غصہ، سب کچھ تھوک کر مصلحتوں سے کام لینے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔اس وقت ماہ رُخ کو نہ کچھ کہنا چاہتا تھا نہ اس کی کچھ سننا چاہتا تھا۔

"یہ اپنی بیٹی کو لینے آئے ہیں ماہ رُخ" مومنہ نے ماہ رُخ کو مطلع کیا۔

"اپنی بیٹی...... وہ بیٹی جو انہی کے ہاتھوں دنیا سے جاتے جاتے بس رہ گئی۔اللہ

نے اس کو زندگی بخش دی پتہ نہیں کیوں؟ وہ میری دوست کی بیٹی ہے۔ وہ میری اس معصوم دوست کی بیٹی ہے جس نے میرے کیے کی سزا کاٹی ہے۔ وہ بے خطا تھی، بے قصور تھی۔ روبی کی بیٹی میری بیٹی ہے اس کا وقار سے کوئی تعلق نہیں۔''

''آپ لوگ ہوش و حواس سے کام لیں۔'' وقار نے ماہ رُخ کی بات سن کر اب بڑے تحمل سے کہا ''دیکھیں! کنفرم ہے کہ یہ میری بیٹی ہے۔ اگر آپ اسے شرافت سے مجھے نہیں دیں گے تو میں قانونی چارہ جوئی کروں گا اور ظاہر ہے میں اس کا باپ ہوں بڑی آسانی سے مجھے میری بیٹی مل جائے گی۔ آپ لوگ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں؟ اور آگے جا کر بھی اپنا وقت اور پیسہ دونوں ضائع کریں گے۔ مجھے کم از کم آپ سے اتنی کم عقلی کی اُمید نہیں تھی۔'' وقار نے اسپیشلی مومنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ہمیں بھی کورٹس کے دھکے کھانے کا شوق نہیں ہے مسٹر وقار......! اور یہ بھی بتاتی چلوں کہ ماہ رُخ کورٹ میں اپنا نان نفقہ وصول کرنے نہیں گئی ہے۔ کورٹ میں اس کی بے گناہی بھی ثابت ہونا ہے۔ اس کی بے گناہی ثابت ہوگی تو ہم نان نفقہ بھی لیں گے۔ اگر ماہ رُخ کی بے گناہی ثابت نہیں ہوگی تو ہم نان نفقہ بھی نہیں لیں گے، بخش دیں گے آپ کو۔ ہمارا صرف ایک مشن ہے کہ آپ نے ایک پارسا عورت کی بہت توہین کی ہے۔ آپ کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ بات جو آمنے سامنے بیٹھ کر بھی ہو سکتی تھی لیکن آپ آمنے سامنے بیٹھ کر سننے کے لیے تیار نہیں تھے وہی بات ہم لائر سے آپ کو سنوانا چاہ رہے ہیں With proof۔ پورے ثبوت کے ساتھ۔ ہمارے لیے یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی کہ ماہ رُخ بے گناہ، بے قصور ثابت ہو جائے۔ جب وہ بے گناہ، بے قصور ثابت ہو جائے گی وقار...... تو آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت میں نہیں دوں گی۔ کیونکہ میرا مقصد اور میرا مشن صرف اتنا ہے کہ ماہ رُخ بے قصور ثابت ہو۔ اس پر جو داغ آپ نے اپنی جلد بازی کی وجہ سے لگایا ہے وہ دھل جائے۔ جب وہ دُھل جائے گی، جب وہ پاک صاف ہو جائے گی تو مجھے اور خاص طور پر اسے آپ کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے ہم آپ کو نان نفقہ کی رقم بخش دیں۔ ہمیں نہیں چاہیے۔ کیونکہ آخر

وہ چار سال سے آپ کے نان نفقہ کے بغیر ہی رہ رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کوئی رات ایسی نہیں آئی جب وہ بھوکی سوئی ہو یا اللہ نے اسے کھانے کے لیے نعمتیں نہ دی ہوں۔ آپ جایئے...... جا کر کورٹ سے بچی لے لیجیے۔ ہم اتنی آسانی سے بچی آپ کے حوالے نہیں کریں گے۔ وہ بچی جو آپ کی وجہ سے...... آپ کے تشدد کی وجہ سے موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ گئی۔ پلیز...... آپ یہاں سے چلی جائیں۔''

''آپ بات کو بڑھا رہی ہیں۔ بات یہاں پر ہی ختم ہو جائے گی۔ مومنہ......! کچھ تو عقل سے کام لیں۔ کچھ تو ہوش سے کام لیں۔'' وقار نے اب زِچ ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

نتا کی آنکھوں سے زارو قطار آنسو بہنے لگے۔ وقار کی صورت تکتے ہی انہیں کیا کچھ نہیں یاد آیا۔ مومنہ کی طرف انہوں نے دیکھا پھر بڑے زور سے مومنہ کا بازو دبوچ لیا۔

''بیٹا! ختم کر دو جھگڑے۔ جس کے ساتھ جھگڑے تھے جب وہ ہی نہیں رہی تو اب اس کے نام پر مزید جھگڑے پھیلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دیکھو! یہ تو حقیقت ہے کہ بچی تو وقار کی ہے نا...... ماں سے محروم ہوگئی ہے۔ ہم کیوں اسے باپ سے بھی محروم کریں۔ جو اس نے کیا تھا ہو سکتا ہے اس پر اس کو ندامت ہو، پچھتاوا ہو۔ چل کر آیا ہے اپنی بچی کو لینے۔ دے دو...... دیکھو یہ ظلم ہوگا باپ کے ہوتے ہوئے بچی کو باپ سے محروم رکھنا۔ جبکہ باپ اپنی بچی کو اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہے۔ نہ بیٹا نہ...... اتنا ظلم نہ کرو۔ دے دو بچی۔ اس کی امانت اس کے حوالے کرو۔'' نتا گڑگڑانے لگی۔

ماہ رُخ آہستگی سے چلتی ہوئی مومنہ کے قریب آئی ''پھوپھو......! چھوڑ دیں، رہنے دیں، لے جانے دیں انہیں بچی۔ میری بے گناہی ثابت ہونے میں تو ابھی پتہ نہیں کتنے برس لگ جائیں۔ کیونکہ ہمارے ہاں انصاف کا حصول اتنا آسان نہیں ہے کہ ہماری خواہش کے مطابق ہمیں انصاف مل جائے۔ کیونکہ میں بے گناہ ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ایک دن میری بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔ اس لیے میں نئے جھگڑے پیدا نہیں کرنا چاہتی۔ ٹھیک ہے پھوپھو...... نتا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ جس کے جھگڑے وقار کے

ساتھ تھے وہ تو چلی گئی۔ اب اس کے نام پر مزید جھگڑے نہ بڑھائیں۔ دے دیں بچی کو جس کا ابھی ہم نے کوئی نام بھی نہیں رکھا۔ بچی کے باپ کا حق ہے۔ اس بچی کو کیا ہماری بات کا یقین آ جائے گا کہ ہم نے اسے اس وجہ سے اس کے باپ سے دور کیا تھا کہ اس کے باپ نے اسے لاشعوری طور پر، غیر ارادی طور پر جان سے مارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کب ہماری بات کا اعتبار کرے گی؟'' ماہ رُخ نے بہت دل سوز لہجے میں مومنہ کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے سمجھ آ رہی ہے۔ ساری بات سمجھ آ رہی ہے ماہ رُخ...... مگر میں اس شخص کو کچھ احساس دلانا چاہتی ہوں تمہاری وجہ سے کہ روبی دنیا سے چلی گئی ہے مگر تم تو موجود ہو۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں فوراً اس شخص پر رحم کھاؤں۔ تم میرے سامنے کھڑی ہو، تم سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ تمہاری محرومیاں مجھے ہر وقت سلگاتی رہتی ہیں۔ میرے پاس اپنے ذاتی دکھ نہیں ہے مگر تمہارا دکھ مجھے ہر وقت کھاتا رہتا ہے۔ بس میں اس شخص کو کوئی سہولت نہیں دینا چاہتی۔ میں اس پر رحم نہیں کرنا چاہتی۔ میں اس کو کچھ سمجھانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ تنہائیوں میں کچھ سوچا کرے، کچھ غور کرے۔ اس نے بہت ظلم کیا ہے تمہارے ساتھ۔ پتہ نہیں کیوں میں اس کو معاف نہیں کر پا رہی۔ میرے اندر وہ ظرف، وہ حوصلہ نہیں ہے۔ تمہارے خاموش آنسو مجھے ہر وقت سلگاتے رہتے ہیں۔ میں صرف اس کو احساس کی دنیا میں پہنچا دینے کی خواہش مند ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ غور کرے، میں چاہتی ہوں کہ یہ اظہار کرے، اعتراف کرے، اپنی غلطی کا، اپنے ظلم کا جو اس نے تمہارے ساتھ کیا۔'' مومنہ اتنی سنگ دل بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے اُوپر جبر کر کے وقار کو ذہنی اذیت تو دے رہی تھی لیکن نتا اور ماہ رُخ کے جملوں نے اس کا مصنوعی خول ذرا سی دیر میں ہی اُتار دیا۔

''میں ماہ رُخ کو لے کر کمرے میں جا رہی ہوں نتا...... آپ بچی وقار کے حوالے کر دیں اور اسے کہیں کہ یہ ماہ رُخ کا شکریہ ادا کرے کہ جس نے روبی کا ساتھ دیا۔ اگر یہ روبی کا ساتھ نہ دیتی تو وقار کو روبی کے مرنے کی اطلاع کیسے ملتی؟ یہ کیسے پتہ چلتا کہ روبی

نے اس کی بیٹی کو جنم دیا ہے۔ یہ کیسے پتہ چلتا کہ اس کی بیٹی کہاں ہے؟'' مومنہ نے اتنا کہا اور ماہ رُخ کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر بیڈروم کی طرف بڑھ گئی۔

وقار ایک ثانیے کے لیے دم بخود سا مومنہ اور ماہ رخ کی طرف دیکھنے لگا۔ مومنہ کی باتوں میں سچائی کی شدت تھی اور اتنا گہرا تاثر تھا اور اتنی مضبوط دلیل تھی کہ وقار کے دل کو، وقار کی عقل کو تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی ماہ رُخ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

رمیض بڑی بے قراری سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ سبرینہ اسے خیالات کے طوفان میں پھنسا کر جا چکی تھیں۔ وہ بار بار مومنہ کو ٹرائی کر رہا تھا۔ وہ آج ہی رات کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اگر اسے یہ یقین ہو جاتا کہ مومنہ اس کو اس ملک سے باہر لے جانے میں کچھ قدم آگے بڑھتی ہے یا کم از کم ایسے مرحلے تک پہنچا دیتی ہے جہاں سے صاف ظاہر ہو کہ بس وہ چند ہی دنوں میں اس سرزمین کو چھوڑ دے گا تو وہ سکون سے سو جائے گا۔ وہ نشاط افزا سے شادی کرنے سے بھی بچ سکتا ہے۔ وہ ماں باپ کے احسانات سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑا کر ہلکا پھلکا ہو سکتا ہے لیکن اس کی بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بہت دیر سے مومنہ کو ٹرائی کر رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مومنہ نے اپنا فون Powered off کیوں کیا ہوا ہے اور وہ بھی اتنی دیر تک یہ تو کوئی سونے کا ٹائم بھی نہیں ہے۔ کوئی ایسا میٹنگ کا ٹائم بھی نہیں ہے۔ اس وقت کون سے دفتر میں میٹنگ ہو رہی ہوگی۔ زیادہ تر چھ یا سات بجے تک لوگ فارغ ہو ہی جاتے ہیں۔ اگر اس کی بیٹری Low ہو گئی تھی تب بھی اتنی دیر تک تو Powered off ہونے کا جواز نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے وہ سفر میں ہو اُسے بیچ میں موقع نہ ملا ہو۔ طرح طرح کے خیالات اسے اُلجھائے دے رہے تھے۔ کبھی خیال آتا کہ اس کے موبائل کی بیٹری Low ہو گئی ہو گی اس وجہ سے اٹینڈ نہیں ہو رہا۔ کبھی خیال آتا کہ وہ Powered off کرنے کے بعد موبائل آن کرنا بھول گئی ہو گی۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اسے آج رات ہی مومنہ سے Contact کرنا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس آج رات ہی تھی۔ انجم علوی نے کون سا شادی کی تیاریاں

کرنا تھیں۔ انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ میں سادگی سے نکاح کروں گا اور جب مناسب سمجھوں گا اناؤنس کر کے اپنے احباب کو ولیمہ ڈنر دے دوں گا۔ بہر حال میرا ایک ہی بیٹا ہے مجھے کون سا لوگوں کو آئے دن بلانا ہے اور لوگ بھی منتظر ہوں گے کہ جب میں اپنے بیٹے کی شادی کروں گا تو ظاہر ہے بہت دھوم دھام سے کروں گا۔ لوگوں کو بلاؤں گا۔ انہوں نے سبرینہ کو یہ سب کچھ سمجھا دیا تھا اور سبرینہ نے وہ تمام پروگرام رمیض کو بتا دیا تھا۔ رمیض سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا تھا۔ اس کو تو فیصلہ سنایا گیا تھا۔ یہ کہہ کر یہ فیصلہ سنایا گیا تھا کہ تم نے چونکہ ماں باپ اور خاندان کا بہت نام روشن کر لیا اب تمہارا کام ختم۔ اب جو ہمیں کرنا ہے ہم وہ کریں گے اور تمہیں ہمارا کہنا ماننا ہوگا۔ چونکہ اگر تم ایسی غلطیاں کرتے جو تاوان سے، جرمانے سے، معافی سے بھلائی جا سکتیں تب بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن تم نے تو پورے خاندان کی ناموس کو چار چاند لگا دیے۔ بدنامی اور ذلت گھر کی چار دیواری سے پھیل کر سمدھیانے تک پہنچ چکی ہے۔ ہمیشہ کے لیے ان کے سامنے نظریں جھک چکی ہیں۔ اس لیے بس جو ہونا تھا ہو چکا اور بہت ہو چکا۔ بہت بھاری رات آئی تھی۔ رمیض کی زندگی میں اس سے بھاری رات نہیں آئی تھی۔ وہ چاہ رہا تھا کہ بس کوئی معجزہ ہو جائے اور وہ اس گھر سے نکل جائے۔ اسے رہ رہ کر نشاط افزا پر غصہ آ رہا تھا۔ لو اسے تو بیٹھے بٹھائے آرام سے ایک ٹھکانہ مل گیا۔ وہ کیوں منع کرے گی اگر میں اس سے کہہ بھی دوں کہ میں تم سے شادی پر رضامند نہیں ہوں اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ تم بدصورت ہو، نہ تم کرپٹ ہو، کوئی بظاہر تم میں عیب نہیں ہے لیکن میں بغیر سوچے سمجھے اس طرح سے کسی کو اپنا جیون ساتھی بنا ہی نہیں سکتا۔ میرے اندر وہ Ability نہیں ہے۔ میں ایک آئیڈیل پرست آدمی ہوں۔ میں نے اپنے ہونے والے پارٹنر کے لیے بہت کچھ سوچا ہوا ہے۔ میرا ذہن اس لیے شادی کو قبول نہیں کرتا۔ وہ سوچتے سوچتے شل ہو گیا۔ تھک کر ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ اس نے پھر مومنہ کو Contact کرنے کی کوشش کی۔ وہاں سے پھر وہی ریکارڈنگ آ رہی تھی کہ آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔ اب وہ سوچنے لگا کہ اسے ماہ رُخ کے گھر جا کر

پتہ کرنا چاہیے۔ چھوڑو یہ انا ونا کہ مومنہ اسے دوبارہ فون کرے گی۔ اس وقت وہ گلے گلے پھنسا ہوا ہے۔ اس وقت تو جان بچانے کے لیے کوئی معجزہ چاہیے۔ اسے پتہ تھا کہ اب اگر اس نے باپ کے کسی فیصلے سے انکار کیا تو معاملہ اتنا زیادہ بگڑ جائے گا کہ پھر آئندہ کے لیے بہتری کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ یا میرے خدا! میں اتنا پھنس چکا ہوں کہ ایک ذرا سا کھیل، ایک ذرا سی دل لگی گلے ہی پڑ گئی ہے۔ بیڑہ غرق ہو اس میڈم عالیہ کا جس نے تو مجھے جیتے جی ہی مار ڈالا ہے۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ میں زندگی بھر خوشی کے نام کو بھی ترسوں گا۔ مجھے موقع ملے تو میں اس عورت کو شوٹ کر دوں۔ اب اس کا رُخ میڈم عالیہ کی طرف چلا گیا جو اس کی تمام خوشیوں کی بظاہر قاتل تھی۔ جس نے بلیک میلنگ کر کے اس کے مستقبل کے وہ سارے سہانے سپنے دھندلا دیے تھے جن کو دیکھتے ہوئے اس کی روح مسرت سے ناچنے لگتی تھی۔ اب تو یوں لگتا تھا کہ چاروں طرف کبھی نہ ختم ہونے والے اندھیرے ہیں اور وہ اندھیرے کے اس سمندر میں اسی طرح ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا۔ ایک کے بعد ایک نئی آزمائش، نیا امتحان۔ یا اللہ! یہ مومنہ اپنا فون کیوں بند کیے ہوئے ہے۔ پھر سوچ آ کر مومنہ پر رک گئی۔

اسے چلے جانا چاہیے۔ اسے ماہ رُخ کے گھر جانا چاہیے۔ کم از کم کوئی خبر ملے گی تو ذہن کسی نکتے پر تو آ کر ٹھہرے گا۔ کیا ساری رات وہ مومنہ کو ہی ٹرائی کرتا رہے گا۔ اس طرح نہ تو وہ سو سکے گا اور نہ اس کے کسی مسئلے کا حل نکلے گا۔ پھر اس کا ذہن ایک دم سے چند روز پہلے ہونے والے حادثے کی طرف گیا۔ وقار کی خون آشام نظریں اس کو گھورنے لگیں۔ سارا جوش، سارا جذبہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر کہیں مسئلہ نہ ہو۔ پھر کہیں وہ بیٹھا ہوا اس کا انتظار نہ کر رہا ہو۔ وہ تو شکل سے ہی لگ رہا تھا کسی بھی انسان کو بڑی آسانی سے قتل کر سکتا ہے۔ اسے تو ویسے ہی بہت ارمان ہو رہا ہوگا کیونکہ وہ شک کی انتہا کو چھو رہا تھا۔ وہ تو شاید میرا راستہ دیکھ رہا ہوگا۔ پورا میگزین لوڈ کیے بیٹھا ہوگا۔ نہیں نہیں...... فی الحال اسے وہاں نہیں جانا چاہیے۔ اوہ...... میرے خدایا! مومنہ سے رابطہ کیسے ہو؟ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ رات پوری کٹے گی کیسے؟ اس کے سر میں درد ہونے

لگا۔ اتنا نازک مزاج، لاڈ پیار کا پالا ہوا۔ کہاں اتنے بڑے بڑے دقیق مسئلے جن کا دور دور تک کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا سر واقعی پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا تھا۔ سوچ رہا تھا آخر کرے تو کیا کرے۔ باپ نے تو فیصلہ سنا دیا ہے اور اسے یاد رکھنا چاہیے کہ باپ نے اس سے مشورہ نہیں مانگا فیصلہ سنایا ہے۔ کل صبح کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کل دن میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کل رات تک کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ صرف اور صرف ایک چھوٹی سی چمکتی ہوئی اُمید مومنہ کی صورت میں سامنے مسکرا رہی تھی۔ اس کے علاوہ تو اس کے سامنے کوئی راستہ نہ تھا۔ ماں اس کو بتا گئی تھی جو کچھ اس کے انکار کے بعد پیش آنا تھا۔

☆☆☆☆☆

نشاط افزا الگ گیسٹ روم میں بے قرار گھوم رہی تھی۔ اس کی طرف سے تو دنیاوی طور پر انکار ہوا تھا مگر اس انکار کی کوئی وجہ بھی تھی۔ لیکن اسے حیرت اس بات پر تھی کہ رمیض بھی اس سے پرشادی کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے اگر رمیض اس سے شادی پر تیار نہ ہوتا تو انجم علوی اور سبرینہ اس سے اتنے اعتماد سے کیسے بات کرتے؟ اسے کیوں اس طرح سے پر اُمید کرتے کہ وہ اپنے بیٹے سے اس کی شادی کر رہے ہیں۔ وہ تو یہی کہہ رہے ہیں نا کہ وہ اپنے بیٹے سے اس کی شادی کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے بیٹا تیار ہوا ہو گا تو وہ میری شادی کرنے جا رہے ہیں۔ اگر رمیض نے انکار کر دیا ہوتا لیکن رمیض نے انکار کیوں نہیں کیا؟ میرا اور اس کا کوئی جذباتی تعلق، کوئی رشتہ ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہیں ہوا کہ اتنے اہم فیصلے کی گنجائش نکل جاتی لیکن قدرت تو میری مدد کر رہی ہے۔ مجھے تو ایک بہت مضبوط خاندان کا سہارا مل رہا ہے۔ اس کے بعد تو پھر وہ بہت کچھ ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک مضبوط پناہ گاہ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ اسے مل تو رہا ہے۔ اگر کچھ ہوا تو انجم علوی جیسا بااثر شخص کچھ نہ کچھ کر سکتا ہے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد تو میرے سامنے صرف کھائیاں ہیں، دلدلیں ہے، گڑھے ہیں اور دور تک پھیلے ہوئے اندھیرے ہیں۔ وہ کراچی میں ویسے رہ ہی نہیں سکتی لیکن دوسرے شہر رہ کر بھی کہاں رہ سکتی ہوں۔ جو ایک آسرا تھا وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ مجھے یہ موقع نہیں ٹھکرانا

چاہیے۔ مجھے تو اس موقعے سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ یہ تو غیب سے میری مدد ہو رہی ہے کہ اتنے بڑے لوگ، اتنے خاندانی لوگ مجھے اس وقت اپنا بنانے کے لیے تیار ہیں۔ اپنے اکلوتے بیٹے سے میری شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ٹھیک ہے وہ لااُبالی ہے، بے نیاز ہے، لاپرواہ ہے، غیر ذمہ دار ہے لیکن معذور، اپاہج، بدصورت، غریب، کرپٹ تو نہیں ہے۔ میں اس غیبی مدد کو نہیں ٹھکراؤں گی۔ یہ تو اللہ میری مدد کر رہا ہے۔ نشاط افزا کو یوں لگا جیسے وہ پاگل ہو رہی ہے۔ وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی، مسلسل خود کلامی کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور اندیشے ناچ رہے تھے۔ ایسے خوف اور اندیشے جن کو وہ سمجھتی تھی اور جانتی تھی۔ کسی اور کی سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆

سبرینہ نے انجم علوی سے صاف صاف بات تو نہیں کی تھی اور نہ رمیض کے انکار کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے انکار کے بارے میں تو وہ بتا ہی نہیں سکتی تھیں۔ رمیض کا انکار سنانے کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے گھر میں ایک طوفان کھڑا کرنے کی بنیاد مہیا کر دی ہے۔ بس انہوں نے اتنا کہا تھا کہ بہتر ہے آپ رمیض سے ایک دفعہ خود بات کر لیں۔ کیونکہ آپ نے فیصلہ تو کر ہی دیا ہے تو وہ فیصلہ میرے ذریعے سے اسے نہ سنائیں آپ اسے ڈائریکٹ اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو فیصلہ سنا دیں۔ انجم علوی نے چند لمحے اس بات پر غور کیا تھا۔ انہیں یوں لگا تھا کہ کہیں کچھ گڑبڑ ہے۔ سبرینہ ان سے کچھ چھپا رہی ہیں۔ لہٰذا ایک لمحہ میں ہی انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ رمیض کو خود ملتے ہیں، اس کو اپنا فیصلہ سناتے ہیں اور پھر جو بھی اس کا جواب ہوتا ہے اسی وقت جو کچھ بھی کرنا ہو گا کر ڈالیں گے۔ اب اس بات کو آگے لے کر نہیں چلیں گے۔ اس لیے کہ میڈم عالیہ اپنی حرکتوں سے، شرانگیزیوں سے باز نہیں آئی تھی۔ ابھی تو اس نے ذلت کا ایک طمانچہ ان کے منہ پر مارا تھا۔ انہیں پتہ تھا کہ وہ انتقام کی آگ میں اندھی ہو کر مزید کسی کارروائی میں لگی ہوئی ہو گی، جال بن رہی ہو گی۔ جب تک اسے انجم علوی سے کروڑوں روپے نہیں مل جاتے اس کے کلیجے کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ یہی کچھ سوچ کر انجم علوی

رمیض کے کمرے میں آئے تھے۔ ایک مدت بعد آج انہوں نے رمیض کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ انہیں یاد نہیں آرہا تھا کہ اس سے پہلے وہ رمیض کے کمرے میں کب آئے تھے۔ زیادہ تر اس سے ملاقات ڈائننگ اور لاؤنج میں ہی ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے نظریں گھما کر رمیض کے کمرے کا جائزہ لیا۔ رمیض تو نظر نہیں آیا۔ حالانکہ سبرینہ نے بتایا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے اور آج کل تو وہ گھر سے جا ہی نہیں رہا۔ ان کی نظریں واش روم کے بند دروازے پر پڑیں۔ پھر انہیں پانی گرنے کی آواز آئی۔ اچھا تو واش روم میں ہے۔ انہوں نے وہیں دروازے کے قریب کھڑے کھڑے اپنی ریسٹ واچ پر نظر دوڑائی اور ایک کرسی پر بیٹھ کر اس کے واش روم سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔ کمرے میں کوئی بے ترتیبی نہیں تھی۔ شاید وہ آج کل اتنا شل تھا، اتنا نڈھال تھا کہ اس میں بے ترتیبی پھیلانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ جہاں سے اُٹھتا ہوگا وہیں لیٹ جاتا ہوگا۔ وہیں کھاتا ہوگا وہیں سوتا ہوگا۔ باپ ہونے کے ناطے کچھ دل کو ہونے لگا لیکن وہ اچھی طرح جان چکے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے دل کو سخت نہیں کیا تو پھر اس کی ماں تو اس کو سنبھالنے کے قابل ویسے ہی نہیں ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو کہیں ہمیشہ کے لیے کھو نہ دیں۔ ساری عمر کی جمع پونجی ضائع نہ ہو جائے۔ ایک ایک لمحے کو سنبھال رہے تھے، ایک ایک پل کو اپنی مٹھی میں دبوچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پوری مزاحمت کر رہے تھے کہ ان کی جمع پونجی ان کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ کافی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر فوراً ہی ان کی توجہ رمیض کے موبائل کی طرف گئی جو Vibrate ہو رہا تھا۔ ایک بڑی خاص آواز سی Feel ہوئی تھی۔ کیونکہ موبائل گلاس ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور انہوں نے موبائل اُٹھایا اور چونک پڑے۔ کیونکہ سامنے مومنہ کا نام لکھا ہوا آرہا تھا۔ مومنہ! یہ لو...... انہوں نے ایک گہری سانس کھینچی جیسے کوئی نئی بری خبر سننے کے لیے کوئی راستہ بن رہا تھا۔ مومنہ! ایک نئی لڑکی۔ یہ باز نہیں آئے گا۔ یہ اپنی فطرت سے باز نہیں آئے گا۔ یہی بات میں سبرینہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو اس کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ ہوں...... انہوں نے اب ہنکارہ بھرا۔ موبائل ابھی تک Vibrate ہو رہا تھا اور ان کی

نظریں مومنہ کے نام پر گڑھی ہوئی تھیں۔ اچھا بھئی اب اس کی زندگی میں مومنہ آ گئی ہے۔ ٹھیک ہے پوچھتا ہوں اس سے کہ کون ہے یہ مومنہ اور اس کو کیا تکلیف ہے۔ یہ کس حساب میں تم سے دوستی کر رہی ہے۔ اس کے عزائم کیا ہیں اور تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ اچھا ہوا جو بات پتہ نہیں تھی اب وہ بھی پتہ ہو جائے گی۔ فیصلہ کرنے میں مزید سہولت ہو جائے گی۔ اسی لمحے رمیض واش روم کا دروازہ کھول کر ٹاول سے اپنا سر رگڑتا ہوا باہر آیا۔ مدتوں بعد اپنے کمرے میں باپ کو پا کر اس کے تو جیسے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کا تو موبائل بھی اس کے باپ کے ہاتھ میں ہے۔ انجم علوی کو پتہ چل چکا تھا کہ وہ واش روم سے باہر آ چکا ہے۔ انہوں نے سر اُٹھانے کی بجائے صرف نظریں اُٹھا کر رمیض کی طرف دیکھا۔

رمیض ایک دم تیزی سے آگے بڑھا "کیا میری کال آ رہی ہے ڈیڈی؟"

"آئی تھی......" انجم علوی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جی...... ایک منٹ مجھے دکھایئے۔" رمیض نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے باپ کی طرف دیکھا جیسے جانچنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کس کی کال آ سکتی ہے۔ کس نے اسے فون کیا ہوگا۔ کیونکہ اگر فہد کا فون تھا تو ڈیڈی کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہاں فہد کی کال آئی تھی لیکن انہوں نے تو کوئی نام ہی نہیں لیا۔

"رہنے دو۔ یہ فون وون بعد میں کر لینا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے بہت کام ہیں۔ میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو۔" انجم علوی نے سپاٹ لہجے اور دوٹوک انداز میں اس سے بات شروع کی۔ رمیض نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ انجم علوی نے موبائل اس کے ہاتھ میں دینے کی بجائے ٹیبل پر رکھ دیا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ رمیض اسی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا۔ انجم علوی نے ایک گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ اس کی ناک پر زخم کا نشان ابھی تک واضح تھا۔ اس زخم کی نیلاہٹیں ابھی بھی بہت نمایاں تھیں۔

انہوں نے ایک دم اس کے چہرے سے نظر ہٹالی اور کہنے لگے "بیٹھ جاؤ۔ تمہارا گھر

ہے، تمہارا کمرہ ہے۔ بیٹھ کر بات سنو میری۔'' ان کے انداز میں حکم سا تھا۔ رمیض
لاشعوری طور پر ان کے لہجے کے زیرِ اثر آ کر فوراً بیٹھ گیا۔

''دیکھو! تمہاری ماں نے تم سے بات کی ہے۔ تمہیں میرا فیصلہ بھی تمہیں سنا دیا ہے
لیکن اس نے تمہاری طرف سے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ میں تم سے صرف یہ بات
کرنے آیا ہوں کہ تمہیں میرا یہ فیصلہ ماننا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک عاقل بالغ شخص کو کسی
کے ساتھ شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن تیسرے دن جان بچانے کے لیے مردہ حلال ہو
جاتا ہے۔ تم ہماری عزت کو وہ تماشا بنا چکے ہو کہ اب ہم مزید کوئی خطرہ لینے کے موڈ میں
نہیں ہیں۔ بلکہ ہم کوئی خطرہ افورڈ ہی نہیں لے سکتے۔ اس سے زیادہ ذلت میری برداشت
سے باہر ہے'' انجم علوی نے اس سے بالکل صاف صاف بات کی۔ بغیر کسی تمہید کے۔

''وہ تو ٹھیک ہے ڈیڈی لیکن آپ مجھے موقع تو دیں تاکہ میں ثابت کروں کہ وہ تمام
حرکتیں جن سے آپ کو شکایتیں تھیں وہ میں چھوڑ چکا ہوں۔ مجھے آپ مہلت تو دیں۔''
رمیض نے ایک طرح سے باپ سے درخواست کی۔ کیونکہ وہ اس سے بہت اچھی طرح
سے بات کر رہے تھے۔

''بہت ہو چکا۔ اب تم مجھے مزید بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ تم اپنی حرکتیں چھوڑ سکتے
ہو؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ مومنہ کون ہے؟'' انجم علوی نے ایک دم پینترہ بدلا اور
سوال کیا۔

رمیض کے تو دماغ پرخچے اُڑ گئے۔ اتنا کونفیڈنشل معاملہ...... اتنی رازدارانہ
بات...... یہ مومنہ کا پتہ کیسے چل گیا ڈیڈی کو۔

''مومنہ......!'' وہ حواس باختہ ہو کر ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر بات کرو۔ بغیر ڈرے بات کرو، کھل کر بات کرو۔ مجھے بتاؤ یہ
مومنہ کون ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارا اس لڑکی کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ کیا تم نے
اس سے بھی شادی کی کمٹ منٹ کی ہے؟'' انجم علوی پے در پے سوال کرنے لگے۔

''شادی کی کمٹ منٹ؟'' رمیض تو پہلے سے بھی زیادہ بوکھلا گیا۔ ''نہیں ڈیڈی

آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ تو مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔''

''ہاں بیٹا! تم ہو ہی اتنے پارسا۔ اگر کوئی تمہیں کوئی کچھ کہہ دیتا ہے وہ تو تم پر الزام
تراشی ہے۔ تم تو اتنے صاف ستھرے ہو۔ تمہارے متعلق تو کسی کو غلط سوچنا بھی نہیں
چاہیے۔'' انجم علوی اب ایک دم غصے سے بھڑک اُٹھے۔ ''مجھ سے صاف صاف بات کرو
رمیض! یہ مومنہ کون ہے؟''

''ڈیڈی......! کوئی بھی نہیں۔''

''تم مجھے نہیں بتاؤ گے مومنہ کون ہے؟''

''ڈیڈی......! میرا مومنہ سے کسی قسم کا کوئی معاملہ...... کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک
ایکسیڈنٹ میں مجھے ملی تھی۔''

''شاباش...... شاباش...... جو لڑکی تمہیں ملتی ہے وہ تمہیں کسی ایکسیڈنٹ کی وجہ
سے ہی ملتی ہے۔ تم اتنے معصوم، بے خطا، بے گناہ ہو کہ تم نے تو آج تک کسی لڑکی کو
آنکھ اُٹھا کر دیکھا ہی نہیں۔ میاں! زیادہ بیوقوف بنانے کی کوشش کرنے کی ضرورت
نہیں۔ آرام سے بیٹھو۔ میں نے سوچا تھا کہ میں کل نشاط افزا سے تمہارا نکاح پڑھوا
دوں گا۔ پھر آرام سے اپنے دوستوں کو جمع کروں گا اور ولیمہ ریسیپشن دوں گا اور اپنے
بیٹے کی شادی کی خبر ڈکلیئر کروں گا اور سکون سے اپنے کام کروں گا لیکن میرا بیٹا، مجھے
بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ خدا جانے تم کس مٹی سے بنے ہو۔ تم اپنی حالت دیکھو
تمہاری حالت کیا ہو گئی ہے۔ اتنے دھکے، اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی تم نے زندگی
سے کچھ نہیں سیکھا۔ مجھے بتاؤ اللہ کے واسطے مجھے بتاؤ تم اپنے اُوپر کب رحم کھاؤ گے؟
کب تمہیں اپنے اُوپر رحم آئے گا؟''

''ڈیڈی آپ میری بات تو سنیں۔ یقین کریں میری بات کا۔''

''ابھی تمہارے فون پر، سیل فون پر مومنہ نام کی کسی لڑکی کی کال آ رہی ہے۔ میں
نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مومنہ نام لکھا ہوا۔ مومن نہیں لکھا تھا مومنہ لکھا ہوا تھا۔
میں نے جلدی میں نہیں پڑھا بیٹا جی۔ اپنے باپ کو بے وقوف بنا رہے ہو۔''

"ڈیڈی وہ ایکچویلی ایسی بات نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو مومنہ ہے نا......"

"ہاں وہ مومنہ ہے نا وہ بہت ہی بے چاری مصیبت کی ماری ہوئی پھنسی ہوئی تھی، تم نے اس کی مدد کی۔ اب تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تم پر عاشق ہو چکی ہے۔ اب وہ تمہیں بار بار فون کرے گی۔ تمہارے گھر تک آئے گی اور ہمیں بلیک میل کرنا شروع کرے گی۔ ابھی ہم ایک کیس سے فارغ نہیں ہوئے ہیں اور نئی مصیبت میں پھنسنے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں بیٹا کہ واقعی میں آپ کا نکاح ایک دو روز بعد کرتا ہوں لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے آپ کا نکاح آج رات ہی کرنا پڑے گا۔ میں صبح کا انتظار نہیں کروں گا۔ مجھے خوف ہے کہ تم جادو کے زور سے دھواں بن کر کسی کھڑکی کے راستے سے فرار نہ ہو جاؤ۔ اب میں مزید ذلتوں کے سودے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ رمیض! شرافت سے باپ کی بات مان لو۔ ورنہ میں تمہیں اور تمہاری ماں کو ہمیشہ کے لیے بھلانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ سمجھ آئی بات؟ اب خاموشی سے بیٹھو۔ جب میں تمہیں کمرے سے باہر آنے کے لیے کہوں تب کمرے سے باہر آنا۔ تم نے ہماری عزت کا جنازہ نکال کر اس پر فاتحہ بھی پڑھ لی ہے۔ سمجھ آئی بات؟ ابھی اس نئے جنازے کی مٹی گیلی ہے۔ اب ایک تم نیا جنازہ تیار کرنے والے ہو۔ شاباش ہے بیٹا...... وہ تو میں تمہاری ماں کو کہتا چلا آیا ہوں کہ یہ باز نہیں آئے گا۔ اس کا بندوبست کرنا ہوگا جو کہ میں نے کر لیا ہے۔ سمجھے تم؟ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" انجم علوی کا تو ایک دم بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ وہ رمیض کی ایک بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اپنا فیصلہ سنا کر تیزی سے باہر چلے گئے تھے۔ رمیض کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ رہے تھے۔ اب اس کے سامنے دور تک کوئی راہ فرار نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆

ولید کمال آنکھوں پر بازو رکھے بالکل چت لیٹا تھا۔ کافی دیر سے وہ اسی زاویے سے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے نہ نمو کی طرف دیکھا تھا نہ اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ نمو اس کے پہلو میں گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ تو اپنی کشتیاں جلا کر آ گئی

تھی۔ اب تو وہ اس بات کے لیے بھی تیار تھی کہ اگر ولید کمال صرف مینٹلی ٹارچر کرنے کی بجائے اسے جسمانی تشدد کا بھی نشانہ بناتا ہے تو وہ برداشت کرے گی۔ اپنے دکھوں کی نجات کے لیے پہلے ہی سے پریشان حال ماموں کو جا کر اپنی مدد کے لیے نہیں بلوائے گی۔ اب وہ ان کو ہوا بھی نہیں لگنے دے گی کہ اس کے اوپر کیا بیت رہی ہے۔ ولید جو بھی کرے جیسے بھی رکھے وہ صحیح ہے۔ جب انسان ہر طرح کی مدد سے اپنی آس امید ختم کر کے کسی ایک سورس پر آ کر ٹھہر جاتا ہے تو پھر اس کے اندر چلنے والی آندھیاں بھی خود بخود تھم جاتی ہیں۔ اس نے بڑی ہمت کر کے ولید کو پکارا۔

"ولید! آپ جاگ رہے ہیں؟"

"ہوں......" ولید نے صرف ایک ہنکارے کی صورت میں جواب دیا۔

"ناراض ہیں مجھ سے؟ اس لیے کہ آپ مجھے چھوڑ کر آئے تھے اور میں آپ کے پاس واپس آ گئی ہوں۔ میرا قصور یہ ہے؟"

"ہاں" ولید نے خلاف توقع جواب دیا تھا۔ نمو چونک پڑی۔

ہاں...... یعنی جو اس نے وجہ بیان کی ولید اس سے اتفاق کر رہا ہے۔

"میں آپ کے پاس آ گئی ہوں۔ میں نے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ اپنے رشتے کا بھرم رکھا ہے۔ اس رشتے کو مضبوطی دینے کی کوشش کی ہے کیا یہ میری غلطی ہے؟" نمو ولید سے سوال کر رہی تھی۔

"ہاں......" ولید نے پھر ہاں میں جواب دیا۔

نمو کو پھر حیرت کا ایک زوردار جھٹکا لگا "کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ میں تمہیں طلاق دے کر اس گھر میں نہیں چھوڑ کر آیا تھا۔ میں کچھ عرصے کے لیے تمہیں اپنی نظروں سے دور ہٹا دینا چاہتا تھا تاکہ میرے اندر بھڑکنے والے یہ شعلے سرد پڑ جائیں۔ کیونکہ اگر یہ شعلے اسی طرح بھڑکتے رہے اور تم میرے سامنے رہیں تو پھر کوئی ایسا ئل بھی ہو سکتا ہے جس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے خود سے خوف آ رہا ہے۔ میں تم سے محروم بھی نہیں ہو جاتا اور تمہارے

سامنے پاکر پل پل مر بھی رہا ہوں۔ مجھ پر رحم کرو نمو۔ میری نظروں کے سامنے سے
ہٹ جاؤ۔ اپنے آپ کو سمجھا کر کہ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ اللہ نے مجھے عزت دار لوگوں
کے ہاتھوں میں پہنچا دیا۔ میں ساری دنیا کے سامنے بڑا معزز اور بہت زیادہ شریف،
نیک کردار انسان ہوں۔ مجھے اس کھلونے سے کھیلنا اچھا لگ رہا تھا اس لیے کہ مجھے اس
عذاب سے تو چھٹکارا مل رہا تھا نا۔ وہ عذاب جو میری بے گناہی کو نہیں دیکھ رہا لیکن پھر
بھی مجھ پر مسلط ہے کہ میں گناہ کی پیداوار ہوں۔ میری پیدائش غلط ہے۔ میرا بیک
گراؤنڈ نہیں ہے۔ میں ایک بدکردار ماں کی اولاد ہوں۔ تم بتاؤ کسی انسان کے لیے یہ
بہت بڑا عذاب نہیں ہے؟''

''ہاں'' نمو نے اس کا سوال کا جواب دیتے ہوئے ہاں کہہ کر اسے مزید بولنے
سے روک دیا۔ تا کہ اتفاقِ رائے کی وجہ سے وہ کچھ دھیما پڑ جائے۔

''آپ خوامخواہ ایک ایسی آگ میں جل رہے ہیں جو آپ نے محض اپنے
احساسات کی بنا پر اپنے اندر دہکائی ہوئی ہے۔ آپ معصوم ہیں، بے قصور ہیں۔ پہلے بھی
کہا تھا اب بھی کہہ رہی ہوں ہمیشہ کہتی رہوں گی۔ اگر آپ کو میرے دور ہٹ جانے سے،
نظر نہ آنے سے واقعی کچھ ریلیف مل رہا ہے، کچھ سکون مل رہا ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔
میں اسی گھر میں کہیں اور جا کر بیٹھ جاتی ہوں۔ کئی دن تک آپ کے سامنے ہی نہیں آتی۔
یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ میرے لیے تو یہ بہت اچھی خبر ہے کہ آپ میرے معاملے
میں بہت احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ آپ مجھے خود سے جدا کرنے کا کوئی منصوبہ،
کوئی پروگرام نہیں سوچ رہے۔ میرے ساتھ ہی رہنا چاہتے ہیں۔ صرف ایک وقتی طور پر
آپ کو کچھ ریلیف چاہیے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو نظر نہیں آؤں گی تو آپ کو ل
جائے گا۔ تو ٹھیک ہے میں آپ کو نظر نہیں آؤں گی۔ جب آپ کی خواہش ہوگی، جب
آپ کے اندر تمنا جاگے گی کہ میں آپ کے پاس آؤں تو میں آجاؤں گی۔ میں آپ کے
سامنے انا کے مسئلے کبھی بھی کھڑے نہیں کروں گی۔ اس لیے کہ آپ میرے ہیں۔
ہمیشہ کے لیے آپ کو اپنا چکی ہوں۔ میں نے دل سے آپ کو قبول کیا ہے کسی مجبوری سے

نہیں اور آپ کی تمام حقیقتوں اور سچائیوں سمیت۔ میں کیوں آپ سے دستبردار ہوں۔
میں کبھی آپ سے دستبردار نہیں ہوں گی۔ میں آپ کی خاطر ہر مصیبت اُٹھاؤں گی، دکھ
جھیلوں گی۔ اس لیے کہ میرے اندر یہ یقین اُترا ہوا ہے کہ آپ بے قصور ہیں۔ آپ کا
کوئی قصور نہیں ہے۔ دنیا بے قصور انسانوں کو اگر سزا دیتی چلی آئی ہے تو دیتی رہے۔ مجھے
دنیا سے کیا لینا دینا۔ مجھے تو آپ کے ساتھ رہنا ہے، آپ کا بن کر رہنا ہے۔ آپ آرام
سے سو جائیں میں اس کمرے سے چلی جاتی ہوں اور میرا موبائل میرے پاس ہے۔
آپ کو جس لمحے، جس پل محسوس ہو کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں اور مجھے آپ
کے سامنے آنا چاہیے آپ مجھے کال کر دیجیے۔ ایک منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔ اسی گھر میں
تو ہوں گی۔ اس کمرے تک پہنچنے میں مجھے کتنا ٹائم لگ جائے گا۔ شب خیر......'' نمو اتنا
کہہ کر بیڈ سے اُترنے لگی۔

ولید نے ہاتھ بڑھا کر ایک دم اس کی کلائی تھام لی ''نمو! اگر میں تمہیں اتنے دُکھ
دوں، اتنے دُکھ دوں کہ تمہاری برداشت سے باہر ہوں۔ کیا تب بھی تم میرا ساتھ دو گی؟
تب بھی تمہارا دل نہیں چاہے گا کہ مجھ پر تھوک کر چلی جاؤ۔''

''میں آپ پر تھوک کر کیوں جاؤں گی؟ اگر میں آپ پر تھوک کر چلی جاؤں گی تو
باہر کی دنیا مجھ پر تھوکنے کے لیے تیار ہوگی۔ کس کس کو عورت سمجھا سکتی ہے کہ اگر اس پر کسی
نے لعنت بھیج دی ہے، اسے دھتکار دیا ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ میں آپ کا
ساتھ نبھانے کے لیے اس گھر میں آئی ہوں۔ آپ خدا کے لیے اپنے اندیشے، اپنے
خوف ختم کر دیں۔ جتنے بھی میری طرف سے ہیں۔ باقی دنیا کی تو ظاہر ہے نہ میں ٹھیکیدار
ہوں نہ ذمہ دار۔ آپ آرام کیجیے۔''

''نمو......! ایک بات سنو......'' ولید نے پھر اسے بیڈ سے اُترنے سے روکا۔

نمو نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

''سنو......! یہ جو اندر میرے ایک آگ جلتی رہتی ہے۔ اگر اس کی وجہ سے میں کسی
روز سچ مچ پاگل ہو گیا تب تو تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی نا......؟ ایک پاگل کے ساتھ تم

کتنا عرصہ گزار سکو گی......"

"میں آپ کو پاگل پن کی حالت میں چھوڑ کر کیوں جاؤں گی؟ اس دنیا میں کیا پاگلوں کا علاج نہیں ہوتا؟ اگر آپ میری بات مان لیں اور اس آگ سے نجات حاصل کرنے کے لیے خود بھی Willing ہوں اور اپنی قوت ارادی سے کام لیں تو میں آج بھی آپ کو کسی سائیکیٹرسٹ کے پاس لے جاسکتی ہوں، ملواسکتی ہوں۔ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آخر یہ اتنے سارے لوگوں کا علاج دنیا میں ہو رہا ہے۔ اتنا سارا کام ہو رہا ہے نفسیات پر۔ اتنے لوگوں کو ریلیف ملتا ہے آپ کو بھی مل جائے گا۔ وہ کام جو ہم نے کیا ہی نہیں، جس کے نتیجے سے ہم گزرے ہی نہیں ہم اس کے نگیٹو اور پوزیٹو ہونے کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ بس خدا کے لیے آپ اس وہم وگمان کی دنیا سے اپنی جان چھڑا لیں اور میری بات مان لیں۔ یقین کریں آپ ٹھیک ہو جائیں گے میرا دل کہتا ہے اور مجھے اپنے جذبے پر یقین ہے۔ آپ کو اپنی بے گناہی کا یقین آ جانا چاہیے۔ اگر آپ بے گناہ نہ ہوتے تو مجھ جیسا سچا جیون ساتھی اللہ آپ کو کیوں دیتا۔ آپ کے اختیار میں بہت کچھ ہے۔ آپ اپنے دل کی بھڑاس مجھ پر نکال سکتے ہیں اگر آپ کو محسوس ہوتا ہو کہ آپ مجھ پر جسمانی تشدد کریں گے تو آپ کو ذہنی سکون مل جائے گا تو میں حاضر ہوں بیٹھی ہوئی ہوں آپ کے سامنے۔ اب کوشش کیجیے میرے سامنے تو صرف ایک ہی مسئلہ ہے وہ یہ کہ میں کسی طرح سے آپ کو پرسکون دیکھوں۔ چاہے اس کے لیے مجھے کتنی ہی تکلیفیں اُٹھانا پڑیں۔ آزمانا چاہتے ہیں تو آزما کر دیکھ لیں مگر اسی گھر میں۔ میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔ میں اس گھر میں آپ کا نام لے کر آئی ہوں۔ اب یہ نام میری زندگی کا حصہ ہے اور مجھے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے غم ملیں یا خوشیاں سب میری تقدیر ہے۔ سب میرا مقدر ہے۔ میں سب کچھ سہنے کے لیے تیار ہوں۔ آخر آپ کب یقین کریں گے؟ آپ کو جس طرح سے یقین آ سکتا ہے آپ اپنے آپ کو یقین دلائیں۔ میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ آپ مجھے اتنا ماریں، اتنا ماریں کہ لہولہان کردیں۔ مگر میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ اس لیے کہ مجھے پتہ ہے کہ آپ کا دکھ کیا ہے، آپ کے عذاب کیا

ہیں۔ اگر میں ہی آپ کا ساتھ نہیں دوں گی تو پھر دنیا میں کون آپ کا ساتھ دے گا۔ چلیں اُٹھیں اپنے سکون کا بندوبست کریں۔ جو کرنا ہے خدا کے لیے کر ڈالیں۔" اب نمو نے اپنی کلائی چھڑا کر ولید کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"چلیں اُٹھیں...... چلیں۔ کیا کرنا ہے آپ کو؟ جو کرنا ہے کر ڈالیں۔ اندر ہی اندر غصے سے بل نہ کھائیں، پیچ وتاب نہ کھائیں۔ آپ بے بس نہیں ہیں۔ اس کمرے میں آپ کو اتنا اختیار دے رہی ہوں۔ اب جو جیسا جس طرح سے چاہے میرے ساتھ سلوک کریں۔" نمو کو پتہ تھا کہ اس طرح کے لوگوں کے سامنے مزاحمتی رویہ اپنانا معاملے کو طول دینے کے مصداق ہوتا ہے۔ وہ معاملے کو ختم کرنے کے لیے اس گھر میں داخل ہوئی تھی، طول دینے کے لیے نہیں۔ اس نے اپنا ذہن بنا لیا تھا کہ وہ ولید سے ملنے والا ہر دکھ چاہے وہ ذہنی ہو یا جسمانی وہ سہے گی لیکن وہ اسے علاج کے لیے تیار کرے گی۔ کیونکہ نہ وہ اس کا تماشا بنانا چاہتی ہے نہ اپنا۔

"اچھا اگر میں تمہیں اس وقت شوٹ کر دوں۔ میرا مطلب ہے مجھے اتنا غصہ آ جائے کہ میں تم پر فائر ہی کر ڈالوں...... تو؟" ولید گم صم کیفیت میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں شوخی یا شرارت یا مذاق نہیں تھا۔

"تو کیا...... یہ بھی کر ڈالیں۔ کیونکہ مجھے اس گھر سے نکل کر اب شاید قبرستان ہی جانا ہے۔ اب یہ اللہ کی مرضی کہ وہ اب مجھے وہاں کس طرح سے بھیجتا ہے۔" نمو نے بہت آہستگی سے کہا۔ اس کا انداز اتنا دل موہ لینے والا اور سچا تھا کہ ولید کمال نے اسے مزید آزمانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا اور گلے سے لگا لیا۔

"نمو...... اگر تم یہی جذبہ دکھاتی رہیں تو ایک دن مجھے اس آگ سے نجات مل جائے گی۔" اب اس کے لہجے میں نیک اُمید کا تاثر بہت واضح تھا۔

نمو کی پوری روح میں سکون کی لہریں بہنے لگیں۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اُسے اتنی ہمت دی تھی کہ وہ ہر طرح کے جسمانی تشدد کے خوف سے بے خوف ہوگئی تھی اور اس نے ولید کی خاطر بڑے سے بڑا دکھ اُٹھانے کے لیے بھی اپنے آپ کو تیار

کر لیا تھا۔

اسے یہ معلوم تھا کہ شاید ابھی وقتی علاج ہوا ہے۔ شاید ولید پھر کل اسے آزمائے گا۔ پھر اسے کسی نئی آزمائش میں ڈالے گا لیکن اس نے اپنا ذہن بنا لیا تھا کہ اگر اس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ وہ آزمائشوں سے گزرتی رہے تو وہ اس سے جان نہیں چھڑا سکتی لیکن وہ اپنی سی کوشش ضرور کرتی رہے گی ایک وفادار بیوی کی حیثیت سے۔ ولید اس کی ٹھوڑی اُٹھا کر اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھڑکنے والے شعلے ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ نمو کے ایک جرات مندانہ قدم نے بہت بڑے بگاڑ سے، بہت بڑی اذیت سے دونوں ہی کو بچا لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

رات بارہ بجے سے پہلے پہلے رمیض اور نشاط افزا نکاح کے بندھن میں بندھ چکے تھے۔ انجم علوی نے اپنے چار چھ دوستوں کو جوان کے بہت قریبی دوست تھے، گھر بلا لیا تھا اور قاضی کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک اور اتنا تیزی سے ہوا کہ سبرینہ کے تو ہاتھ پاؤں نکاح کے بعد تک پھولے ہوئے تھے۔ بڑی سادگی سے نکاح ہو گیا اور مٹھائی، چائے کافی سے آنے والے دوستوں کی تواضع بھی ہو گئی۔

رمیض اپنی جگہ پر ساقط وصامت بیٹھا تھا۔ اتنی سخت آزمائش سے گزر رہا تھا۔ وہ انسان جواب تک دل کے کہنے پر چلتا چلا آیا تھا۔ جسے جبر نام کی کسی کیفیت کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اچانک ہو گیا تھا وہ بھی جبر اور دباؤ کے تحت۔ وہ بھی پوری زندگی کا فیصلہ۔ وہ دکھ کے اس عظیم لمحے کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔ وہ لمحہ جو کسی انسان کے قریب آتا ہے تو پورے گزرے ہوئے اعمال کی فلم اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگتی ہے۔ وہ دکھ جو آگے تمام خوشیوں کے راستے بند ہونے کی اطلاع دیتا ہے۔ وہ دکھ جو انسان کو آگے اندھیروں کے علاوہ کسی قسم کی کوئی خبر نہیں دے رہا ہوتا۔ وہ دکھ انسان کو اس مقام تک کھڑا کر دیتا ہے جب انسان آگے کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے ماضی کی فلم کو دیکھنے لگتا ہے۔ پوری ماضی کی فلم اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگی۔

ایک لمحہ، ایک وقت وہ بھی آ گیا جب اس کے کانوں میں خودکشی کرنے والی نگہت کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے آج نگہت کی روح نے اس سے انتقام لے لیا تھا۔ اس نے بڑی صفائی سے ایک انسان کا قتل کیا تھا۔ ایسا قتل جس کا اس نے نشان نہیں چھوڑا تھا۔ سارا الزام جان دینے والے پر ہی آیا تھا۔ اسے یوں لگا کہ نگہت کی ماں کی بددعائیں آج کامیاب ہو گئیں۔ آج نگہت کی ماں کی بددعاؤں نے اپنا رنگ دکھا دیا۔ وہ بددعائیں جو قبول ہو گئی تھیں اور کسی مناسب موقع کی منتظر تھیں۔ اس موقع کی جہاں پر رمیض کی گردن پر قدرت نے شکنجے پر کسنا تھا۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ نکاح کے بعد اسے باپ کے دوستوں کی طرف سے بہت مبارکبادیں ملی تھیں اور وہ مبارکبادیں اس کے کانوں میں نگہت کی چیخیں بن کر داخل ہو رہی تھیں۔ آخرکار بہت کم عمری میں وہ اس لمحہ سے گزر گیا۔ وہ خوفناک لمحہ جو مکافات عمل کے آغاز کی گھنٹی بجاتا ہے۔ وہ مبارکبادیں وصول کر کے ماں باپ سے نظریں چراتا ہوا اپنے کمرے میں آ چکا تھا۔ دروازہ لاک کر دیا تھا اور مسلسل ٹہل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی کی عمر بھر کی پونجی آن واحد میں لٹ گئی ہو اور اس کے پاس کچھ عرصہ تک ماتم کرنے کے علاوہ کوئی اور کام نہ بچا ہو۔

☆☆☆☆☆

نشاط افزا گیسٹ روم میں آ کر بڑے سکون سے آنکھیں موند کر لیٹ گئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے سارے بوجھ جنہوں نے اس کے قدموں کو بوجھل کیا ہوا تھا جو اس کے راستے کو بہت طویل بنا رہے تھے وہ سارے بوجھ اُتر گئے۔ پتہ نہیں کتنے دنوں کے بعد اسے خود بخود ایک میٹھی سی نیند آئی۔ انجم علوی کے لیے اس کے دل میں ایک محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

”یہی ہے وہ باپ جس کی برائیاں کر رہا تھا رمیض۔ اُف میرے خدایا! رمیض! تم کیا ہو۔ اتنا اچھا باپ ہے تمہارا۔ جس کے سینے میں انسانیت کے لیے دل دھڑکتا ہے۔ میں نے کسی رئیس، امیر آدمی میں اتنی انسانیت آج تک نہیں دیکھی۔ وہ سکون سے

آنکھیں موندے سوچ رہی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ نکاح کے بعد اب اگلا مرحلہ کیا ہوگا۔ رمیض اور وہ کس انداز میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں گے۔ سبرینہ تو اسے یہ کہہ کر کمرے میں چھوڑ گئی تھیں کہ اب تم آرام کرو صبح بات ہوگی۔ صبح کا مطلب یہ ہوا کہ رمیض سے تو شاید اس کی بات نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا اور نہ ہی کسی قسم کا اشارہ دیا تھا کہ رمیض اس سے ملنے گیسٹ روم میں آئے گا لیکن وہ اپنا ذہن کیوں اُلجھائے؟ یہ کیا کم تھا کہ اس کی غیب سے مدد ہوگئی تھی۔ وہ بے وارث ہوکر جگہ جگہ ٹھوکریں کھانے سے بچ گئی تھی۔ اسے اللہ نے ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھا دیا تھا۔ ٹھنڈی چھاؤں کے خیال سے ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ واقعی بہت دنوں سے نہیں سوئی تھی۔ بلکہ سچی میٹھی نیند تو مدتوں سے نہیں سوئی تھی۔ آج جب اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں تو انکشاف ہوا کہ یہ میٹھی نیند کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے اور کتنے نصیب سے ملتی ہے۔ یہاں تک سوچتے سوچتے اس کے پپوٹے مزید بوجھل ہوگئے۔ اب نیند کے ساتھ مزید مزاحمت نہیں کرسکتی تھی۔ ایک عرصے سے اس میٹھی نیند کو ترس رہی تھی۔ اب اس پیاری سی میٹھی سی نیند کا راستہ کیوں روکتی۔ رمیض کا کیا وہ تو مل ہی گیا۔ وہ آئے یا نہ آئے اسے پریشان ہونے یا اس کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کو تو جو چاہیے تھا وہ مل گیا تھا احساس وتحفظ۔ جس کے لیے اس نیا بھی تک صرف خواب دیکھے تھے۔

☆☆☆☆☆

سمن کا خوشی سے انگ انگ جھوم رہا تھا۔ سہیل کی آواز کانوں میں ایسے لگ رہی تھی جیسے وہ میٹھے ترانے سن رہی ہو۔ سہیل اس کو بتا رہے تھے کہ وہ بخیریت تمام لندن پہنچ گئے ہیں۔ سمن کے سینے سے ایک بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ وہ بوجھ جو محض ایک خوف، ایک اندیشے کی بنیاد تھا۔ وہ بوجھ جس نے اس کے دل کو واقعی بہت بوجھل کیا ہوا تھا۔ ہر ہر لمحے یہ خیال کہ اس کا سہیل کسی اور عورت کے پاس اپنی دوسری بیوی کے پاس ہے۔ پتہ نہیں کس طرح دیکھ رہا ہوگا، پتہ نہیں کیا باتیں کر رہا ہوگا، پتہ نہیں وہ عورت اس کے ساتھ کس طرح سے بات کر رہی ہوگی۔ اسے چھو رہی ہوگی، اس سے بات کر رہی ہوگی۔

شکر خدا کا ان اندیشوں سے جان چھوٹی اُس کی۔ وہ اپنی خالہ کے گھر میں اب اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا اور پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ وہ اکیلی بھی نہیں تھی۔ اب سہیل کی آواز اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی اور پیاری سی خالہ کی موجودگی کا احساس تھا، تنہائیاں مٹ چکی تھیں۔ سہیل بتا رہے تھے کہ تھوڑا سا مسئلہ ہوا تھا فلائٹ لیٹ ہوگئی تھی لیکن وہاں لندن میں ان کے دوستوں نے ان کے ٹھہرنے کے سارے انتظامات مکمل کیے ہوئے تھے اس لیے وہاں پہنچ کر انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس وقت وہ بالکل فریش اور خوشگوار ماحول میں بیٹھے ہوئے اس سے باتیں کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ بہت یاد آ رہی تھی اور یہ ایک جملہ ایک بیوی کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بہت فاصلوں پر بیٹھا ہوا اس کا محبوب شوہر اس کو یقین دلا رہا ہو کہ وہ اس کی یادوں میں کھویا ہوا ہے، اسے یاد کر رہا ہے۔ سہیل نے اس سے بہت ساری باتیں کیں لیکن نہ حویلی کا ذکر کیا اور نہ اپنی دوسری بیوی کا۔ وہ سمن سے صرف اپنی باتیں کرتے رہے۔ وہ سمن کو بتا رہے تھے کہ حویلی میں ان کا دم گھٹ رہا تھا۔ لندن پہنچ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے ہیں اور جیسے ہی وہ دو اہم پیپرز سے فارغ ہوتے ہیں اسے لندن بلانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ لندن میں ہی رہے گی۔ وہ جب تک رہیں کوشش تو وہ کر رہے ہیں کہ جتنا زیادہ عرصہ، جتنا زیادہ وقت وہ لندن میں رہ سکیں، رہیں۔ کیونکہ ان کو حویلی جانے کی کوئی جلدی نہیں ہے لیکن حویلی میں وہ اس لیے بھی جائیں گے کہ وہاں پر ان کے بوڑھے ماں باپ، ان کے پیار کرنے والے، چاہنے والے ماں باپ، ان کا راستہ دیکھتے ہیں، ان کا انتظار کریں گے لیکن وہ پریشان نہ ہو وہ ان سے کبھی دور نہیں ہوگی۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ ہی رہے گی۔ خالہ کے پاس چھوڑنے کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ فلیٹ میں وہ اندیشوں اور وہموں سے پریشان ہوکر کہیں کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھے۔ کہیں مایوسی کی دلدل میں اُتر کر کوئی ایسا قدم نہ اُٹھا بیٹھے جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ خالہ کے ساتھ ہوگی تو تنہائیاں کم ہوں گی اور طرح طرح کے وہم اور اندیشے بھی نہیں ستائیں گے۔ جب کوئی بات کرنے والا نہیں ہوتا تو پھر دیواریں

باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں اور دیواریں وہ باتیں کرتی ہیں جو اپنے نہیں کرتے، خیر خواہ نہیں کرتے، بھلائی چاہنے والے نہیں کرتے۔ دیواریں تو ایسی خوفناک باتیں کرتی ہیں کہ انسان کو ان دیواروں سے خوف آنے لگتا ہے۔ کوئی کہتا ہے دیواروں کے کان ہوتے ہیں لیکن جن کی تنہائیاں بہت لمبی ہوں انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ دیواروں کے صرف کان نہیں ہوتے زبان بھی ہوتی ہے۔ بہت بولتی ہیں دیواریں اور ایسے طاق طاق کر نشانے لگاتی ہیں کہ لاجواب کر دیتی ہیں۔ سمن کو انہوں نے بھرپور تسلی دی تھی۔ وہ ریلیکس ہو گئی تھی۔ اس کے اطمینان کے لیے تو یہی بہت تھا کہ سہیل اس نئی نویلی دوسری بیوی کے پاس نہیں ہیں۔ فون بند ہونے کے بعد وہ برسات میں نہائی ہوئی چڑیا کی طرح چہک رہی تھی۔ اب اسے کوئی غم نہیں تھا۔ دور بیٹھی ہوئی خالہ اس کے خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر زیر لب مسکرا رہی تھیں۔ انہیں پتہ تھا کہ اس کی آج سہیل سے بہت دیر تک بات ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

نیا کی شام سے ہی طبیعت بڑی بوجھل بوجھل سی تھی۔ اسے بھوک بھی Feel نہیں ہو رہی تھی لیکن مہر النساء نے بہت اصرار کر کے پھر بھی اسے بہت کچھ کھلا دیا تھا۔ ہلکی پھلکی چیزوں کا نام دے کر کئی چیزیں اس کے سامنے رکھ دی تھیں اور پیار بھرا دباؤ ڈال ڈال کر اسے کھانے پر مجبور کیا تھا۔ اسے تو یہی لگا کہ رات بارہ بجے تک بھی وہ کھایا ہوا ابھی اس کے سینے پر ہی رکھا ہے معدہ میں گیا ہی نہیں۔ عجیب سی بے چینی اور بے کلی تھی نہ بیٹھے چین پڑ رہا تھا نہ کھڑے۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر وسیع و عریض لاؤنج میں آ کر ٹہلنے لگی تھی۔ جہاں تمام دریچے کھلے ہوئے تھے اور باغ کی طرف سے بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ اسے تھوڑا سا سکون تو ملا لیکن وہ جو ایک بے چینی تھی اس میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی۔ عجیب سی طبیعت ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بس ابھی وہ سب کچھ اُلٹ دے گی۔ اُبکائی آتی تھی لیکن اُلٹی نہیں ہوتی تھی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے شل ہو گئی اور ایک ستون تھام کر کھڑی ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اسے چکر آ رہے ہوں۔ بس اس چکر والی Feeling

کے ساتھ ہی بہت زور سے اُبکائی آئی اور وہ کنٹرول نہیں پا سکی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے سارا کھایا پیا اُلٹ دیا تھا۔ ایک دو نوکرانیاں جو دیر تک جاگتی تھیں اور مہر النساء کی چاکری پر مامور تھیں۔ جن میں سرفہرست پوپری ہوتی تھی۔ انہوں نے عجیب و غریب آواز سنی تو جہاں بھی تھیں وہیں سے دوڑتی گرتی پڑتی چلی آئیں۔ نیا وہیں نڈھال ہو کر بیٹھ گئی تھی اور ابھی تک اس کو اُبکائی آ رہی تھی۔ جبکہ جتنا کچھ نکل سکتا تھا وہ اپنے حلق سے زور لگا لگا کر نکال چکی تھی۔ نوکریاں نے اسے اُلٹی کرتے دیکھا تو گھبرا کر مہر النساء کو بلانے کے لیے دوڑیں۔ مہر النساء ننگے پاؤں، ننگے سر گرتی پڑتی آ گئی تھیں۔

"یہ کیا ہوا؟ اس کی تو طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اس کو تو اُلٹی ہوئی ہے۔ جلدی سے حکیم صاحب کو بلاؤ۔ نہیں نہیں نہیں حکیم صاحب کو نہیں بلاؤ۔ یہ حکیم تو کسی کام کا نہیں ہے۔ بڈھا ہو گیا ہے۔ سر میں درد ہو تو پیٹ کی دوا دے سکتا ہے۔ میری بہو...... نئی نویلی بہو میں اتنا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ جا جا کے مخدوم صاحب کو بول وہ گاڑی لگوائیں۔ میں اس کو ہسپتال لے کے جاتی ہوں۔" انہوں نے پوپری کو حکم دیا اور نیا کو کندھوں سے پکڑ کر اُٹھانے لگیں۔

"چل بیٹا...... اٹھ کے منہ ہاتھ دھو لے، منہ صاف کر لے، کلی کر لے۔ ابھی تیرے کو ڈاکٹر کے پاس لے کے جاتی ہوں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ ہاضمہ ٹھیک نہیں ہو گا تیرا اس واسطے اُلٹی ہوئی ہے۔ ہاں تو غلطی میری ہے نا میں نے تیرے کو زبردستی کھانا کھلایا۔ تو تو میرے کو پہلے ہی بولتی تھی کہ میرا تو دل نہیں کرتا۔ میری شامت نے دھکا دیا تھا۔ بتاؤ یہ کیا ظلم کمایا میں نے۔ نہ بابا نہ توبہ توبہ...... آئندہ میں کبھی تیرے ساتھ زبردستی نہیں کروں گی۔ اپنی خوشی سے کھا۔ دل نہیں چاہے تا کھانا کھانے کو...... روٹی مانی کھانے کو تو دودھ پی لیا کر۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تیری صحت اچھی ہو گی تو کام چلے گا، گاڑی آگے چلے گی۔ چل بیٹی شاباش......" وہ اس کو زبردستی اُٹھا کر واش روم کی طرف لے جانے لگیں۔ نیا اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کے دو بجے کا عمل تھا۔ انٹر کام پر مسلسل گھنٹی بج رہی تھی۔ دیر سے سونے کی وجہ سے انجم علوی اور سبرینہ کی نیند آسانی سے ٹوٹنے والی نہیں تھی۔ بلکہ ان کو سوئے ہوئے ابھی تھوڑی دیر ہی تو ہوئی تھی۔ انٹر کام کی گھنٹی کا مطلب یہ تھا کہ گھر کا کوئی نوکران سے بات کرنا چاہ رہا تھا یا رمیض...... لیکن رمیض کو کیا مسئلہ تھا؟ سبرینہ بھی آنکھیں مل رہی تھیں۔ انجم علوی نے تو فوراً اُٹھ کر انٹر کام کا ریسیور اُٹھا لیا تھا۔ دوسری طرف گیٹ پر تعینات گن مین ان سے مخاطب تھا اور جو کچھ اس نے کہا وہ سنتے کے ساتھ ہی انجم علوی کی تو آنکھوں سے نیند ایسے اُڑن چھو ہوگئی جیسے سوئے ہی نہیں تھے۔ پولیس...... ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

سبرینہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور اپنے بے قابو ہوتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر بولیں ''پولیس......''

انجم علوی انٹر کام پر گن مین سے کہہ رہے تھے ''ہاں...... ایک منٹ ٹھہرو میں آتا ہوں۔'' انجم علوی نے انٹر کام کا ریسیور رکھا اور بڑی تیزی سے اُٹھ کر اپنا ڈریسنگ گاؤن لپیٹنے لگے۔

سبرینہ خوف زدہ اور وحشت بھری نظروں سے انجم علوی طرف دیکھ رہی تھیں ''پولیس...... پولیس کیوں آئی ہے؟'' وہ ہکلاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''ہوگا تمہارے بیٹے کا کوئی نیا کارنامہ'' وہ اب بڑے تلخ لہجے میں بولے تھے۔ ان کی تشویش ان کی آنکھوں سے واضح تھی۔ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑا رہے تھے۔ ''میڈم عالیہ نے پھر کوئی حملہ کیا ہے۔ پھر کوئی سازش کا جال بنا ہے اور میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس بار اس نے کچھ زیادہ ہی پکا کام کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ تم باہر مت آنا میں خود دیکھتا ہوں۔'' وہ سبرینہ کو اپنے انداز میں کہہ کر ایک جھٹکے سے باہر نکل گئے۔ سبرینہ کی تو حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ بھی ایک دم بیڈ سے نیچے اُتریں لیکن ان کو انجم علوی کا حکم یاد آیا۔ وہ دروازے کی چوکھٹ تھام کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کو یوں محسوس ہوا جیسے ان کی ٹانگیں بہت زور سے کانپ رہی ہیں ''یا اللہ! رحم کرنا۔ یا اللہ! ہم پر رحم کر دے۔ یا اللہ!

میرے بچے کو معاف کر دے۔ اس کی خطاؤں کو بخش دے۔ یا اللہ! ہم پر سے یہ عذاب ہٹا لے۔ یا اللہ! ہم مانتے ہیں کہ تیرے بہت گناہگار بندے ہیں۔ ہم سے بہت بھول ہوئی ہے۔ خدایا! تو بڑا رحم کرنے والا ہے ہم پر رحم کر دے۔'' وہ اس وقت بڑی دل جمعی، بڑی توجہ، بڑی دل سوزی سے اللہ کے حضور دعائیں کر رہی تھیں۔ ان کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بس اب کوئی ایسی ویسی خبر آئی تو ان کا ذہن ان کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ وہ کومے میں چلی جائیں گی یا ان کا دل دھڑکنا بھول جائے گا۔ وہ کھڑے کھڑے مر جائیں گی۔ اب وہ کچھ برداشت نہیں کر سکیں۔ اب وہ انجم علوی کو مزید Face نہیں کر سکیں گی۔ وہ چوکھٹ کو پکڑے ہوئے محسوس کر رہی تھیں کہ وہ زیادہ دیر کھڑی نہیں ہو سکیں گے۔ وہ گرنے کے انداز میں وہیں زمین پر بیٹھ گئیں۔ چوکھٹ کے فریم میں وہ اس طرح سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ کسی تجریدی آرٹ کا نمونہ محسوس ہو رہی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے، شب خوابی کا لباس، آنکھوں میں خوف و حراس کی کیفیت، سینے پر ہاتھ رکھا ہوا۔ ایک ایک پل ان پر بھاری تھا۔ پولیس آئی ہے، یا اللہ پولیس آئی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی لفظ، کوئی سوچ، کوئی خیال ان کے ذہن میں حرکت ہی نہیں کر رہا تھا۔ اسی لمحے انہیں محسوس ہوا کہ لاؤنج میں کئی لوگوں کے قدموں کی چاپ اُبھری ہے۔ وہ بوٹوں کی آواز محسوس کر رہی تھیں۔ اُف...... ان کا دل مزید اتھاہ میں ڈوب گیا۔ گویا پولیس اندر آ گئی تھی۔ پولیس اندر کیوں آئی ہے؟ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھیں لیکن ان کو لگ رہا تھا کہ اب وہ بے ہوش ہو جائیں گی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کے کئی نوجوان ان کی آنکھوں کے سامنے یہاں وہاں آتے جاتے دکھائی دینے لگے۔

اب وہ آنکھیں پھاڑے بالکل منجمد ذہن کے ساتھ پولیس کے نوجوانوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کا افسر چھڑی بغل میں دبائے انجم علوی سے باتیں کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن ان کے کانوں نے کیا سنا؟ وہ لوگ تو نشاط افزا کی بات کر رہے تھے۔ نشاط افزا...... رمیض کی یا میڈم عالیہ کی بات نہیں ہو رہی نشاط افزا کی بات ہو رہی ہے۔

انجم علوی بہت پریشان اور گھبرائے ہوئے نظر آ رہے تھے ''جی جی...... وہ یہیں

ہے۔ میں آپ سے کیوں جھوٹ بولوں گا؟ اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن آپ Detail سنیں گے تو میں آپ کو Detail بتاؤں گا نا...... میں نے اسے پناہ نہیں دی۔ میرا اس کے رشتہ داروں سے یا جہاں وہ رہتی تھی ان لوگوں سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ سبرینہ نے دیکھا انجم علوی پولیس افسر کو لے کر گیسٹ روم کی طرف جا رہے تھے۔ مسلسل نشاط افزا کی بات ہو رہی تھی۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ لیڈی پولیس ہاتھ میں ہتھکڑیاں اُٹھائے انجم علوی اور پولیس افسر کے پیچھے جا رہی تھیں۔ ہتھکڑیاں دیکھ کر تو ان کو اتنی زور سے چکر آیا کہ پھر انہیں کوئی ہوش نہ رہا۔ انہیں اتنا یاد ہے کہ انہوں نے چوکھٹ پکڑ کر سنبھلنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ گر گئی تھیں۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا انہیں کوئی ہوش نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

''پھوپھو......! وہ اتنی چھوٹی سی بچی کو کیسے سنبھالے گا؟''

''ہاں...... اب تم اس بچی کے غم میں اپنی جان کو ہلکان کرنا شروع کر دو۔'' مومنہ نے اس کو جھاڑ پلائی۔ ''یہ جس کی بچی ہے اس کا دردِ سر ہے اس کا مسئلہ ہے جیسے مرضی سنبھالے۔ وہ باپ ہے ظاہر ہے وہ بھی اس بچی کے لیے کچھ اچھا ہی سوچ رہا ہوگا۔ کچھ کرنے کی کوشش کرے گا۔ تمہیں اس کے غم میں اتنا ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے سو جاؤ۔''

''سو جاؤں......!! پھوپھو...... چاروں طرف تو روبی کھڑی ہوئی ہے۔ مجھے تو پتہ نہیں کب نیند آئے گی۔'' ماہ رُخ بالکل پاگلوں کی طرح بات کر رہی تھی۔ مومنہ نے چونک کر ماہ رُخ کی طرف دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر تشویش اور فکرمندی کے تاثرات نمودار ہوئے تھے۔ وہ صوفے پر لیٹی ہوئی تھی۔ ایک دم سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور ماہ رُخ کے قریب آئی۔

''ماہ رُخ اپنے آپ کو سنبھالو۔ دیکھو! اگر تم اپنے آپ کو نہیں سنبھالو گی تو صرف اپنا نقصان کرو گی۔ سمجھ آئی بات؟ اور تمہیں اپنے آپ کو اب سنبھالنا ہے۔ حادثہ بہت بڑا تھا، گزر گیا جیسے کہ تمام چھوٹے بڑے حادثے گزر جاتے ہیں۔ خود کو سنبھالو ماہ رُخ! مت

ہلکان کرو۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ رمیض کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مگر اب تو یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہیں بھی ساتھ ہی لے کر جانا پڑے گا۔ تم تو ورنہ اکیلے میں پتہ اپنا کیا حال کر ڈالو گی...... چلو اُٹھو آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں پلو دیتی ہوں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تمہیں نیند کی گولی کے بغیر نیند نہیں آئے گی اور تمہیں گولی دینا ہی پڑے گی۔ تم نے تو پتہ نہیں اپنا کیا حال کر لیا ہے۔ میں تو تمہیں سمجھا سمجھا کے تھک گئی ہوں۔ آخر تم سے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم خود کو سنبھالو اور سکون کی زندگی گزارو۔ تم بھی خوش ہو، تمہیں بھی اپنے حصے کی ہنسی ملے۔'' مومنہ اسے زبردستی اُٹھا کر ایک طرح سے گھسیٹتی ہوئی بیڈروم کی طرف لے جا رہی تھی اور سرزنش بھی کر رہی تھی۔ اسے واقعی اپنا ذاتی غم اور دکھ تو کوئی بھی نہیں تھا لیکن ماہ رُخ نے اسے ہلکان کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں سے کس طرح سے کوئی ایسا حل نکال لائے کہ ماہ رُخ کے ہونٹوں پر ہنسی دیکھے۔

☆☆☆☆☆

''دیکھو وقار! بہت گنجائش ہے جو تمہیں نظر نہیں آ رہی۔ مجھے نظر آ رہی ہے۔ کتنا بڑا احسان ہے ماہ رُخ بھابی کا کہ آج تمہاری بیٹی تمہارے پاس ہے۔ خدانخواستہ روبی بھابی کہیں لاپتہ ہو جاتی اور یہی سب کچھ ہوتا اور وہ تو دنیا سے چلی جاتی اور تمہاری بیٹی جانے کن ہاتھوں میں پہنچتی، کہاں پلتی۔ اب بھی نہیں سوچو گے۔ خدا کے لیے سوچ لو وقار'' اسد بہت دل سوزی سے وقار کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہی ایک بات جو اسے برسوں سے سمجھا رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''لیکن اسد! میں اس دھوکے کو نہیں بھلا پاتا۔ یار! مرد ہو کے میری بات کو محسوس کرو، سوچو۔ تم میری جگہ ہوتے تمہاری کیا ذہنی حالت ہوتی؟''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہارے پاس کوئی ثبوت بھی تو نہیں ہے نا...... تمہیں تمہارے دوست نے خبر دی اور تم نے اس پر یقین کر لیا۔ دوسری پارٹی تمہیں اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی لیکن تم نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔''

''لیکن میں کیوں کوشش کرتا۔ چونکہ میرے دوست نے اگر کوئی بات کی تھی تو ماہ رُخ کی موجودگی میں کی تھی۔ اس کے پیٹھ پیچھے تو نہیں کی تھی۔ مجھے ورغلایا تو نہیں تھا۔ مجھے کوئی خفیہ ذریعہ سے تو یہ اطلاع نہیں ملی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا ماہ رُخ کے سامنے ہوا تھا۔ اتنی جرات کیسے ہوسکتی ہے کسی کی کہ وہ کسی کی بیوی کے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہے کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ تم بھی حد کرتے ہو۔'' وقار پھر اپنا ٹیمپو لوز کر گیا تھا۔

''ہاں بس...... یہی تو تمہاری عقل سوچتی رہی ہے اور یہی تم سوچتے رہے ہو۔ یار اس سے کچھ آگے کا بھی سوچو۔ ٹھیک ہے ہوسکتا ہے کچھ ہوا ہو لیکن بالکل اسی طرح سے نہ ہوا ہو جس طرح سے تمہیں بتایا گیا ہو۔ اگر تمہاری انا تمہیں ماہ رُخ بھابی سے بات کرنے سے روکتی ہے تو میں بات کر لیتا ہوں۔ دیکھو! ابھی گنجائش ہے۔ میں پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں۔ ابھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ مگر تم سارے راستے خود بند کر رہے ہو۔ وقار! اس طرح نہیں ہوتا۔ کسی کی سن بھی لیتے ہیں۔ یار! سننے کے بعد اگر وہی فیصلے کرنا ہے جو تم کر چکے ہو تو زیادہ اچھا نہیں ہوگا؟ تم خود بھی مطمئن ہو جاؤ گے۔ کچھ بھی سہی تم نے فیصلہ کر لیا ہے لیکن اندر تمہارے ایک خلش تو ہے نا...... اس خلش سے چھٹکارے کا صرف یہی راستہ ہے۔'' اسد پھر سمجھانے لگا۔

''وہ میرے خلاف کورٹ میں آچکی ہے۔''

''کورٹ میں آچکی ہے...... کورٹ میں آنے کے بعد بھی سمجھوتے ہو جاتے ہیں۔ بہت سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ قانون کے ذریعے ہی مسئلے حل ہوتے ہوں۔ بہت سارے معاملات ایسے ہوتے ہیں جو کورٹ تک پہنچ جاتے ہیں لیکن کورٹ میں ہی پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں بغیر کسی قانونی مداخلت کے۔ ایسا بھی ہوا ہے۔ کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''یار! مجھے اس بچی کو دیکھ کر بہت کچھ خیال آ رہا ہے۔''

''تم تو اپنے دل کے بوجھ بڑھائے جا رہے ہو۔ تم نے روبی کی نہیں سنی۔ تم نے ماہ رُخ بھابی کی بھی نہیں سنی۔ تم میری بھی نہیں سن رہے ہو۔ اپنے ضمیر کی سن لو۔ اپنے دل کی

سنتے چلے آ رہے ہو۔ ایک مرتبہ اپنے ضمیر کی بھی سن لو۔ مجھے یقین ہے وہ تم سے ضرور کچھ کہتا ہوگا۔ وقار! خدا کے لیے سوچ لو۔ اب میں تم سے آخری بار باقاعدہ لڑ رہا ہوں، جھگڑا کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ میری اور تمہاری دوستی بہت پرانی ہے۔ میں ایک جھٹکے سے تم سے تعلق ختم نہیں کر سکتا اور دوستی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ قدم قدم چلوں اور چلتے ہوئے تمہیں حقیقت کی طرف آنے کے لیے مجبور کرتا رہوں۔ وہ دوستی کیا ہوئی یار کہ بندہ تنگ آ کر دوستی کو چھوڑ دے۔ میں مایوس نہیں ہوا۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔'' اسد کے لہجے میں خلوص تھا، ایک اپنائیت بھری ضد تھی جس نے وقار پر واقعی اثر کیا۔ اس کی گود میں ایک نوزائیدہ بچی سو رہی تھی جس کو اس نے ابھی بڑے جتن سے دودھ پلایا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں صرف اس ایک پوائنٹ پر ویسے ہی خود بخود نرم پڑ رہا ہوں کہ ماہ رُخ نے روبی کا ساتھ دیا اور اس وجہ سے آج میری بیٹی میرے پاس ہے۔ مگر میرے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ میں ماہ رُخ کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاؤں۔ ہاں تمہارا یہ آپشن ٹھیک ہے کہ تم جا کر ماہ رُخ سے بات کر لو۔ پوچھ لو کہ حقیقت کیا تھی۔ اس نے نکاح پر نکاح کیوں کیا تھا۔ اس کی مجبوری کیا تھی۔'' وقار کی بات سنتے ہی اسد کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

''شکر ہے یار! تم نے ایک بات تو مانی۔ میں کل ہی ماہ رُخ بھابی سے ملاقات کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر وہ حق پر تھیں تو انہیں منانے کا مرحلہ بہت سخت ہوگا۔ تم سے بہت بڑی بھول ہوئی ہے وقار۔ اب ہمیں بہت محنت کرنا ہوگی۔'' اسد نے کہا۔

''اس صورت میں نا...... جب میرا شک غلط اور ماہ رُخ حق پر ثابت ہوگی۔ تب نا......''

''ہاں...... تب لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہیں۔ اس لیے کہ وہ اتنے سالوں سے تنہا ہیں۔ انہوں نے اتنے سالوں سے تمہیں تنگ بھی نہیں کیا۔ بقول تمہارے کہ ان کی پھوپھی زیادہ ایکٹو ہے۔ وہ انہیں کورٹ میں لے کر آئی ہے۔ وہ تو تم سے کچھ بھی نہیں مانگ رہی تھیں۔ خاموشی سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے تو تم

سے طلاق بھی نہیں مانگی کہ تم یہ کہہ سکتے کہ وہ تم سے طلاق لے کر نئی شادی کرنا چاہ رہی ہیں۔ چلو خیر اب اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ میں صبح جا کر اپنی سی پوری کوشش کرتا ہوں اور اللہ سے ساتھ ہی دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ تم پر اور اس بچی پر رحم کرے۔ اب تم بھی آرام کرنے کی کوشش کرو جو کہ مشکل ہے کیونکہ تم نے ساری رات اس چھوٹی سی بچی کے ساتھ ماں بن کر گزارنا ہے باپ بن کر نہیں۔" اسد نے یہ کہا اور وقار کے کندھے کو زور سے دبایا جیسے شب خیر کہہ رہا ہوں۔ وقار نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر بچی کی طرف دیکھا۔ اب اس کے ہونٹوں پر اک نرم سی مسکراہٹ اُبھر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

مہرالنساء خوشی سے پاگل ہو رہی تھیں۔ انہوں نے ہسپتال سے ہی مخدوم صاحب کے موبائل پر فون کر کے انہیں سوتے سے جگا دیا تھا۔ وہ بڑی خوشی سے مخدوم صاحب کو خوشخبری سنا رہی تھیں "مخدوم صاحب! مراد پوری ہو رہی ہے۔ خوش ہو جائیں اب آپ کو وارث ملنے والا ہے۔ نیا ماں بننے والی ہے۔ مٹھائی کا انتظام کر کے رکھیں۔ سویرے ہی پورے گوٹھ میں مٹھائی بانٹوں گی اور پورے گوٹھ کو دعوت کھلاؤں گی۔ ساتھ والے گوٹھ کو بھی۔" خوشی سے وہ بے ربط ہوئی جا رہی تھیں۔ الفاظ آگے پیچھے ہو رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ اللہ نے ان کی سن لی ہے اور وہ خوشخبری جس کا انتظار وہ برسوں سے کر رہی تھیں ان کو مل گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

نیا ہسپتال سے آتے ہی سو گئی تھی۔ اس کو انجکشن بھی لگا تھا شاید اسی کا اثر تھا۔ ورنہ اتنی آسانی سے نیند سے کہاں آنا تھا۔ وہ بڑی جلدی گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔ اس کو ڈرپ لگی تھی اور بالکل خالی پیٹ تھی اور کچھ کھانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور چند منٹوں میں ہی غافل ہو گئی اور علی الصبح اس کے موبائل کی گھنٹی نے اسے جگا دیا۔ ذہن فوراً ماں کی طرف گیا۔ یقیناً امی کا فون ہو گیا۔ اتنی صبح کو ماں ہی فون کر سکتی ہے۔ اس وقت سب کو اتنی میٹھی نیند آئی ہوتی ہے کون ہے جو اس کی خاطر اپنی میٹھی نیند

قربان کرے گا۔ اس کا ذہن سمن کی طرف بھی چلا گیا۔ کافی روز ہو گئے تھے اس سے بات نہیں ہوئی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ سمن نے اسے اتنے دنوں سے فون کیوں نہیں کیا۔ اس نے سہیل سے اشارے کنایے میں معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے سہیل سے کہا تھا کہ سمن کو تو پتہ ہی نہیں ہے کہ میرا سہیل کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے۔ پھر وہ مجھے کیوں فون نہیں کر رہی ہے۔ ایک دفعہ تو اس نے سُو لگانے کی بھی کوشش کی تھی کہ کہیں سہیل نے سمن کو بتا تو نہیں دیا۔ سہیل نے اسے ٹالتے ہوئے جواب دیا تھا کہ شاداب والے واقعے کے بعد شاید وہ شرمندگی محسوس کر رہی ہوگی۔ بات کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہی ہوگی۔ ظاہری بات ہے کہ اسے احساس ہے کہ اسی کی وجہ سے تم اتنی سخت آزمائش سے گزری ہو۔ یہی بات سمجھ میں تو آئی تھی لیکن ذہن مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ کچھ بھی سہی سمن رکنے والی تو نہیں تھی۔ پتہ نہیں کیوں فون نہیں کر رہی۔ امی سے بھی بات ہوئی تھی انہوں نے بھی کوئی ایسا ذکر نہیں کیا کہ سمن کا فون آیا تھا اور وہ خیر خیریت پوچھ رہی تھی۔ اس نے نیند بھری آنکھوں سے موبائل پر چمکنے والے نمبر کی طرف دیکھا اور نمبر دیکھتے ہی نیند ہوا ہو گئی۔ کال تو سہیل کی آ رہی تھی۔ لندن اور پاکستان کے ٹائم میں فرق تو تھا کہ وہ یہاں سو رہی تھی اور سہیل وہاں کام کر کے فارغ ہوئے ہوں گے۔ اس نے فون اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف سے سہیل نے جواب میں اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......! آپ خیریت سے پہنچ گئے۔ ٹھیک ہیں؟" نیا نے بڑے سپاٹ لہجے میں ان سے پوچھا تھا۔

"ہاں الحمدللہ میں خیریت سے پہنچ گیا۔ اس وقت آرام کر رہا ہوں۔ سوچا پہلے خاص خاص لوگوں کو اپنے پہنچنے اور خیریت کی اطلاع دے دوں لیکن کمال ہو گیا۔ میں ابھی فون کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ بی بی جان کا فون آ گیا۔ انہوں نے مجھے خوشخبری سنائی ہے۔"

"اوہ......" نیا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ تو بی بی جان نے صبح ہونے کا انتظار نہیں کیا اور پہلی فرصت میں اپنے بیٹے کو فون کر کے اطلاع کر دی تھی۔

نیا "اوہ" کہہ کے خاموش ہوگئی۔ اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ جواب میں کیا بولے اور
کہہ رہے تھے کہ وہ بہت Lucky ہے۔ حویلی والوں نے جن اُمیدوں کے ساتھ اسے
حویلی میں Welcome کیا تھا۔ اس نے ان کی اُمیدوں کو پورا کرنے میں دیر نہیں
لگائی اور ان کے نہ چاہنے کے باوجود حویلی والوں کی مرادیں پوری ہوگئیں۔ کیونکہ شاید
یہ طے ہو چکا تھا اور قدرت کو یہی منظور تھا۔

نیا کو وہ سفاک لمحے یاد آ گئے۔ جب اس کی انا کو کچلا گیا تھا۔ جب وہ پائمالی کے
زخم لے کر گھنٹوں روئی تھی۔ وہ سفاک لمحے کونوں کھدروں سے جھانک جھانک کر
مسکرانے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جسے تم اپنی ہار سمجھ رہی تھیں وہ تو تمہاری جیت نکلی اور
سہیل اسے فون پر کہہ رہے تھے کہ نیا تم اس لیے بھی بہت Lucky ہو کہ آتے ہی
تمہارے قدم حویلی میں جم گئے۔

نیا نے ان کی بات سنتے ہی فوراً کہا "ایسا نہ کہیں۔ اتنی زیادہ خوشیاں نہ منائیں۔
ایسے موسم تو سمن پر بھی آئے تھے۔"

"اللہ نہ کرے۔" دوسری جانب سے سہیل نے بے ساختہ کہا تھا۔ ان کے انداز
میں اتنی عجلت تھی کہ اگر وہ پاس ہوتے تو نیا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے۔

"آئندہ اس طرح کی بات نہ کرنا نیا...... تمہارے لیے اس طرح کے الفاظ منہ سے
نکالنا شاید بہت آسان ہے لیکن یہ الفاظ میری سماعتوں کے لیے بہت بڑا بوجھ ہیں اور
میں یہ بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ دیکھو! تم بند گلی میں آ کھڑی ہوئی ہو۔ جو راستہ
آنے کا ہے وہی راستہ جانے کا ہے۔ اب تمہارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ کوئی
چور راستہ نہیں ہے اور مشکل یہ ہے کہ تم جس راستے سے آ چکی ہے اس راستے سے واپس
نہیں جا سکتیں اور میں تمہیں یقین دلا کر آیا ہوں کہ میں تمہیں روندے جانے کے لیے،
لوگوں کی باتیں سننے کے لیے حویلی سے باہر جانے نہیں دوں گا۔ یہ ایسی خود غرضی ہے جس
پر میرا ضمیر مجھے معاف نہیں کرے گا اور خود غرضی میری مٹی ہی میں نہیں ہے۔ اگر ایسی
بات ہوتی۔ میں خود غرض ہوتا تو سمن آج بھی میرے دل میں اس طرح نہ ہوتی۔ جیسے کہ

ہمیشہ سے رہی ہے۔"

نیا کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ درمیان میں پھر سمن آ گئی تھی۔ بات تو ان
دونوں کی ہو رہی تھی۔ نیا سے اب مزید کچھ بولنا محال ہو گیا۔ اس نے آہستگی سے فون بند
کر دیا۔ اگر وہ خود سے فون بند کر دے گی تو سہیل دوبارہ اسے کال نہیں کریں گے۔ اس
لیے کہ دوبارہ کال تو وہ کرتے ہیں جن کی محبت بھری بات اُدھوری رہ گئی ہو۔ انہوں نے
تو جو کہنا تھا وہ کہہ چکے تھے۔ اب تو بس انہوں نے بات برائے بات ہی کرنا تھی اور وہ
اپنے آپ کو اتنا بھی فضول نہیں سمجھتی تھی کہ لوگ اسے بچوں کی طرح بہلانے کے لیے اپنا
قیمتی وقت استعمال کریں۔ اس نے آہستگی سے موبائل بند کیا اور آنکھیں بند کر کے
دوبارہ سے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆

ماہ رُخ نے آفس سے چھٹی کی تھی۔ رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے مومنہ تو ابھی
تک سو رہی تھی۔ کل اس نے بھاگ دوڑ بھی بہت کی تھی۔ نانا تو صبح ہی اُٹھ گئی تھیں۔ وہ تو
قرآن مجید پڑھ رہی تھیں اور روبی کو پڑھ پڑھ کر بخش رہی تھیں۔ قرآن پڑھنے کے
دوران مسلسل ان کے گالوں پر آنسو پھسل رہے تھے۔ ماہ رُخ نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ
سمجھا اور خاموشی سے ایک کپ چائے بنا کر ان کے پاس رکھ دیا۔ خود لاؤنج میں بیٹھ کر
گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اسے رات کا منظر یاد آ رہا تھا کہ کس طرح وقار اپنی بیٹی کو کتنے
استحقاق کے ساتھ لے کر چلا گیا۔ اتنا بہت کچھ ہو گیا لیکن ماہ رُخ کے لیے اس کی نظر میں
نہ کوئی نرمی تھی، نہ کوئی تشکر۔ اس کی نگاہوں میں وہی اجنبیت تھی اور وہی سفاکی تھی۔ وہ
نہ جانے کتنی دیر اپنے خیالوں میں اسی طرح گم بیٹھی رہی تھی۔ کال بیل کی آواز نے اسے
چونکا دیا تھا۔ اس وقت کون آ گیا؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اپنی جگہ سے اُٹھی۔
آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو حیران پریشان ہو کر اسد کی طرف دیکھا۔ اسد وقار کا بہت
پرانا دوست تھا۔ ایک آدھ مرتبہ ملاقات بھی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ بھی Ship پر ہی ہوتا تھا
اور پاکستان بہت کم آتا تھا۔ وقار اس کا بہت پیار سے ذکر کیا کرتا تھا اور شاید دنیا میں

وقار نے سب سے زیادہ پیار سے اسد ہی کا ذکر کیا تھا۔

"السلام علیکم بھابی!" اسد نے سلام کیا۔

ماہ رُخ چونک پڑی۔ وہ اسے بھابی کہہ رہا تھا۔ بھابی کیا کہا تھا جیسے زخموں پر نمک ہی چھڑک دیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" جواب دینا بھی ضروری تھا۔

"کیا یہیں پر سلام اور جوابِ سلام ہوگا۔ آپ دو منٹ بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گی۔" اسد نے درخواست کے انداز میں کہا۔

"اوہ......سوری" ماہ رُخ ایک طرف ہوگئی اور اسد کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ بری طرح اُلجھ گئی تھی۔ رات وقار آیا تھا اور اب اس کا دوست۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔ ان لوگوں کی کیا پلاننگ ہے اور اسد کا اس کے گھر آنا اسے تو اُلجھن میں ڈالے دے رہا تھا۔ کوئی حساب ہی نہیں بنتا تھا کسی طرح سے بھی کہ اسد اس کے گھر میں آئے اور پھر وہ اس کے گھر میں ہی نہیں آ رہا تھا بلکہ اسے بھابی بھی کہہ رہا تھا۔ ایک ہلکی سی کہیں سے کوئی اُمید سی جاگی تھی جیسے کچھ اچھا ہونے جا رہا ہو۔ مگر اس نے فوراً اس اُمید کو بڑے دباؤ سے دوبارہ سونے پر مجبور کر دیا۔ یہ خوش فہمیاں بھی انسان کی دشمن ہی ہوتی ہیں۔ خوش فہمی کا انجام ہوتا کیا ہے؟ پہلے سے بھی زیادہ ایک اور زوردار دھچکا۔ ماہ رُخ نے گہری سانس لی اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ اسد آگے بڑھ چکے تھے اور منتظر تھے کہ ماہ رُخ انہیں بیٹھنے کے لیے کہے۔ ماہ رخ نے الفاظ کے ذریعے تو نہیں ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا اور اسد فوراً بیٹھ گئے۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اسد نے جیسے تمہید باندھنا شروع کی۔

"جی بس اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں" ماہ رُخ کے اندر سوالات کے سمندر اُبلنے لگے لیکن وہ سوال کر نہیں سکتی تھی۔ سوال کرنا تو اس کا بنتا تھا جو چل کر اس کے گھر آیا تھا۔ اس نے مختصر جواب دینے پر ہی اکتفا کیا۔

"آپ کے ساتھ گھر میں کوئی اور بھی رہتا ہے؟ یا آپ......" اسد نے سوال ادھورا

چھوڑ دیا۔

"جی ویسے تو میں اکیلی ہی ہوتی ہوں لیکن آج کل میری پھوپھو باہر سے آئی ہوئی ہیں۔ اسپین میں ہوتی ہیں، آتی رہتی ہیں پاکستان۔ اس وقت وہ میرے پاس ہیں اور......" اور کہنے کے بعد ماہ رُخ نے ایک نظر اسد کی طرف دیکھا جیسے سوچ رہی ہو کہ جو بات ذہن میں آئی تھی وہ منہ سے نکالے یا روک لے۔

"اور......" اسد بہت دوستانہ اور شفیق انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"اور آپ کو تو پتہ ہے نا کہ وقار نے دوسری شادی کی تھی؟"

"جی......وہ افسوس ناک خبر بھی مجھے مل چکی ہے اور میں اس خبر کو سننے کے بعد اتنا Shocked ہوا کہ بہت کچھ ذہن نے سوچا، بہت سے سوال اُٹھے۔ جی چاہا کہ ان سوالوں کے جواب حاصل کیے جائیں اور یہ زندگی جو بڑی فضول سی گزر رہی ہے۔ اس زندگی میں کوئی ایسا کام ہو جائے کہ کسی کا بھلا ہو جائے۔ کوشش تو بہت عرصے سے کر رہا تھا لیکن بات نہیں بن رہی تھی۔ اب اس حادثے نے کچھ لوگوں کو بڑی سنجیدگی گزرے ہوئے اور موجودہ حالات پر غور کرنے پر آخر کار مجبور کر دیا۔ اسد سر جھکا کر بڑی سنجیدگی سے بات کر رہے تھے۔

"جی......وہ آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟ کہ وقار کی دوسری شادی کی آپ نے بات کی۔"

"جی جی...... میں آپ کو یہی بتا رہی تھی کہ وقار کی جو دوسری بیوی تھیں، جو ہمارا ساتھ چھوڑ کر بلکہ ہم سے منہ موڑ کر ہمیشہ کے لیے خفا ہو گئیں۔ ان کی Custodian کہہ لیجیے آپا کہنا تو عجیب سا لگتا ہے۔ کیونکہ وہ روبی کی ماں ہی کی طرح ہیں اور روبی کا ان کے ساتھ پیار ماں بیٹی والا ہی تھا۔ اس وقت وہ بھی میرے ہی پاس ہیں۔"

"اچھا اچھا......سمجھ آ گئی، ٹھیک ہے......ٹھیک ہے۔"

"میں آپ کے لیے چائے لاؤں یا کافی؟ اگر ٹھنڈے کا موڈ ہے تو وہ بھی Possible ہے۔"

"نہیں نہیں...... تھینک یو۔ اس وقت میرا کچھ موڈ نہیں۔ بس میں ناشتہ کرتے ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ ایک دو کام مجھے اور بھی کرنا تھے وہ کام کرتا ہوا میں آپ کے پاس آ گیا۔ پلیز! کوئی تکلف نہ کیجیے۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھوں گا۔ آپ کا قیمتی وقت نہیں لوں گا۔ بس ایک بہت خاص، بہت ضروری بات کرنا تھی اور وہ بھی اس نیت سے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جھگڑے ختم ہو جائیں۔" اسد نے ہچکچاتے ہوئے ذو معنی لہجے میں بات تو کی لیکن بات واضح نہیں کی۔

"کیسے جھگڑے؟ اسد بھائی! جھگڑے تو ختم ہو چکے۔ آپ کن جھگڑوں کی بات کر رہے ہیں؟"

"وہی...... یہ جو آپ کورٹ میں بھی جا چکی ہیں۔"

"دیکھیں مجھے کورٹ میں جانے کا کوئی شوق نہیں۔ اگر مجھے کورٹ میں جانا ہوتا تو میں اتنے سال انتظار کیوں کرتی؟ مجھے تو جیسے دستبردار ہونے اور بس کچھ دینے ہی کی عادت پڑ گئی ہے۔ وصول کرنے کا تو میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے لیکن میری پھوپھو...... وہ میرے خیالات سے اتفاق نہیں کرتیں۔ ان کے حساب سے مجھ پر ظلم ہوا ہے اور ایک بندے نے محض شک اور غلط فہمی کی بنیاد پر مجھ سے زندگی کی تمام خوشیاں چھین لیں۔ کیونکہ ان سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ وہ میری پھوپھو ہی نہیں میری دوست بھی ہیں اور ہماری آپس میں بہت انڈرسٹینڈنگ بھی ہے۔ کسی کسی جگہ پر اختلاف ہوتا ہے جیسے کہ میں نے کورٹ جانے والے مسئلے پر اختلاف کیا تھا لیکن وہ نہیں مانیں"

"مطلب یہ کہ آپ بالکل بھی Willing نہیں تھیں کورٹ جانے پر" اسد نے تیزی سے بات کاٹ کر کہا۔

"بالکل بھی نہیں لیکن اب ہوں۔ کیونکہ کچھ چیزیں ایسی تھیں جنہیں میں سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی لیکن پھوپھو نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان پر غور کروں اور اس طرح کونے میں چپ چاپ بیٹھنے سے تو سیکنڈ پارٹی یہی سمجھتی ہے کہ بندہ غلط ہی ہے۔ تو بس تھوڑی سی جرات کی کہ کچھ ملے نہ ملے کم از کم بے گناہی ثابت ہو جائے اور حادثے کے طور پر جو

کالک میرے نصیب سے مجھے ملی ہے وہ کالک میرے چہرے سے مٹ جائے۔ کیونکہ وہ کالک، وہ سیاہی ظلم ہے۔ میں اس کی مستحق، سزاوار نہیں تھی۔ بس یہی سوچ کر کہ کچھ ملے نہ ملے...... یہ تو ویسے ہی ایک روٹین کی باتیں ہیں۔ وہ بھی ظاہری بات ہے جب کورٹ میں گئی تو یہ Step بھی لینا تھا، لے لیا لیکن مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہ مجھے نان نفقہ ملے تبھی میری ذات کو، میری روح کو سکون ملے گا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ جیسے ہی میں بے گناہ ثابت ہوتی ہوں مجھے تو ویسے ہی سکون مل جانا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ وقار میں بہت انا ہے۔ وہ کبھی چل کر میرے پاس نہیں آئیں گے۔ اگر میں بے گناہ ثابت بھی ہوتی ہوں تب بھی وہ مجھ سے معافی نہیں مانگیں گے۔ وہ شاید اسی بات کا انتظار کرتے رہیں گے کہ جو ثبوت میں نے عدالت سے حاصل کر لیا ہے وہ ثبوت لے کر میں ان کے پاس بیٹھوں اور وہ مجھ پر ازراہِ کرم ایک مہربانی کی نظر ڈال کر کہہ دیں کہ چلو مان لیا میں نے کہ تم بے قصور ہو اور میں نے تمہیں معاف کیا۔ کیونکہ تم چل کر میرے پاس آئی ہو، میرے پاس بیٹھی ہو۔" بولتے بولتے ماہ رُخ کے لہجے میں لاشعوری طور پر ایک تلخی سی ظاہر ہونے لگی تھی۔

اسد کو سچ مچ اس پر بہت ترس آیا۔ کیونکہ وہ وہی کچھ اس کے سامنے بیٹھ کر بھی ثابت ہو رہی تھی جو وہ مدتوں سے اس کے لیے محسوس کر رہا تھا اور جس کو وقار تسلیم کرنے سے مسلسل انکار کر رہا تھا۔

"ماہ رُخ! بیٹا کون آیا ہے؟" ننا نے شاید بات چیت کی آواز سن کر سوال کیا تھا۔ وہ کمرے ہی میں بیٹھی تھیں اور وہیں سے سوال کر رہی تھیں۔

"ننا! مہمان آئے ہیں۔ کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ آپ اپنا کام کیجیے، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے ننا کو مطمئن کیا۔

"کون مہمان آئے ہیں بیٹا؟ کیا روبی کی تعزیت کے لیے کوئی آیا ہے؟" ننا کی آواز میں یہ جملہ ہوا میں اُڑتا ہوا ایک تیر بن کر اسد کے دل میں پیوست ہو گیا۔

"نہیں ننا! روبی کی تعزیت کے لیے تو جنہیں آنا تھا وہ تو رات ہی کو آ چکے۔ اب

کون آئے گا؟" ماہ رخ بڑی افسردگی سے جواب دیا۔

"جی......اب میں آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ آپ چل کر میرے پاس آئے ہیں کوئی خاص وجہ تو ہوگی۔"

"بالکل خاص وجہ ہے" اسد نے فوراً اس کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کی۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ جھگڑے ختم ہو جائیں اور آپ کورٹ کے فیصلے سے پہلے ہی بے گناہ ثابت ہو جائیں۔"

"میں نے ایسا ہی چاہا تھا کہ میں کورٹ کے فیصلوں سے گزرے بغیر بے گناہ ثابت ہو جاؤں لیکن کسی نے میری بات سننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ایسا روٹھا جیسے میں دنیا ہی سے جا چکی ہوں کبھی پلٹ کر ہی نہیں دیکھا" ماہ رُخ نے ایک اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ اسد کو جواب دیا۔

"بس میں اسی لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ سے پوچھوں کہ وہ شخص جس نے آپ کے اور وقار کی زندگی میں طوفان اُٹھا دیا، چاروں طرف آگ لگا دی۔ اُس کا حوالہ کیا ہے؟ اس نے اتنے اعتماد سے وقار کے سامنے اپنی بیوی کیوں کہا؟ دیکھیں نا یہ کوئی چھوٹی سی بات تو نہیں ہے کہ سامنے کھڑا ہوا کوئی بھی بندہ آ کر کسی شخص کہے کہ یہ تمہاری بیوی نہیں ہے، میری بیوی ہے۔ ایسے تو کوئی نہیں کہتا، کچھ تو ہوا ہوگا؟"

"بالکل ہوا تھا" ماہ رُخ نے اب بڑے پروقار انداز میں جواب دیا۔

اسد ٹکٹکی باندھے ماہ رُخ کی طرف دیکھنے لگا "کیا ہوا تھا؟"

"نکاح ہوا تھا میرا اور رُخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی۔ اس لیے کہ وہ بندہ بہت سی اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھا۔ نشہ، جوا اور دوسرے کرپشن میں وہ ملوث تھا جن پر مجھے واقعی شرم آتی ہے۔ مجھے تو نکاح کے بعد ہی سب کچھ پتہ چلا اور مجھے بہت دکھ ہوا کہ میرے چچا عرفان جو بہت تعریفیں کر کے میرا رشتہ اُس کے ساتھ کر چکے تھے بلکہ میرا نکاح تک پڑھا چکے تھے۔ انہوں نے کوئی چھان بین نہیں کی تھی صرف اس کی دولت دیکھی تھی۔ ایک Event ہوا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس شخص کے ساتھ زندگی کی گاڑی نہیں کھینچ

پاؤں گی۔ میں نے اپنے گھر میں اپنے گھر والوں کو فیصلہ سنا دیا علیحدگی کا۔ میرے ماں باپ نے میرا ساتھ دیا، قانونی چارہ جوئی ہوئی اور میں نے اس سے خلع لے لیا۔ خلع لینے کے بعد میرے چچا مجھ سے، میرے والدین سے ناراض ہو گئے لیکن میں ان کی ناراضگی کو برداشت کر سکتی ہوں مگر جن اخلاقی برائیوں کا شکار وہ شخص تھا میں شخص کے ساتھ تین مہینے بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ خلع تو مجھے اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد بھی لے ہی لینا تھا۔ میں نے سوچا میں اپنے آپ کو مزید آزمائش میں کیوں ڈالوں؟ اور بہت زیادہ بربادی و تباہی کے بعد خلع کیوں لوں، ابھی کیوں نہ لے لوں؟ بس میرے والدین نے ایک غلطی کی اور میں انہی کی غلطی مانتے ہوئے اس سزا کو جو وقار نے میرے لیے طے کی، بہت حوصلے سے برداشت کر رہی ہوں۔"

"آپ کے پاس خلع کے کاغذات اور تمام لیگل کارروائی کے ثبوت موجود ہوں گے؟" اسد دم بخود سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جی بالکل۔ جب Proper ایک لیگل کارروائی ہوئی ہے تو اس کے ثبوت تو ہوں گے اور وہ ہیں میرے پاس۔ اگر وقار نے میری بات سنی ہوتی، مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دیا ہوتا تو اتنا بڑا جہنم نہ دہکتا۔ بے گناہ روبی ہمارے اس کریمنل کھیل کی نظر نہ ہوتی۔ ظاہری بات ہے، میرا قصور تھا، میرے ماں باپ کا قصور تھا، وقار کا قصور تھا۔ وہ بے چاری تو مفت میں ماری گئی" بولتے بولتے ایک دم ماہ رُخ کی آواز بھرا گئی۔

"تو اس شخص نے وقار کے سامنے اتنی بے باکی سے آپ کو اپنی بیوی کہہ دیا۔ اسے کیا خیال نہیں آیا ہوگا کہ آپ کے پاس خلع کے ثبوت موجود ہیں اور آپ وہ ثبوت وقار کو دکھا سکتی ہیں۔ اُلٹا وہ شخص خود وقار کی نظروں میں ذلیل ہو سکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا مجھے کچھ۔ حیرت ہے کہ وہ وقار سے اتنا Close تھا پھر اسے کسی اندیشے اور خوف نے محتاط نہیں کیا۔" اسد اُلجھے ہوئے انداز میں بول رہے تھے۔

"اُسے اپنی ٹرکس، اپنی شاطرانہ چالوں پر بہت اعتماد تھا اور مجھے یہ بات اس طرح سے سمجھ میں آتی ہے کہ اس نے وقار کے ساتھ مجھے دیکھ کر اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا

کرنے کی کوشش کی ہوگی اور اس کوشش میں اس نے اپنے چال باز ذہن سے کچھ نہ کچھ ایسا ضرور کیا ہوگا کہ وقار کو ثبوت دیکھنے سے دلچسپی ہی نہ رہے، وہ کچھ سوچنا ہی نہ چاہے اور یہ وقار ہی آپ کو بتا سکتے ہیں کہ اس شخص نے جو بھی پلاننگ کی تھی۔ میرے اور وقار کے درمیان مغائرت ڈالنے کے لیے جو کچھ بھی کیا تھا وہ طریقہ کار کیا تھا۔ اس نے کیا کیا ٹرکس استعمال کیے تھے کہ وقار نے مجھ سے بات کرنا بلکہ میری صورت تک زندگی میں دوبارہ دیکھنا بھی گوارا نہ کی۔'' ماہ رُخ نے آہستگی سے جواب دیا اور محتاط انداز میں جیسے اسد سے چھپا کر اپنی گالوں پر لڑھکنے والے آنسو انگلیوں کی پوروں سے پونچھنے لگی۔

''اوہ...... تو یہ سب کچھ ہوا۔ وہ شخص ابھی مرا نہیں زندہ ہے۔ اس نے اپنا سیٹ اپ باہر بنا لیا ہے مگر وہ پاکستان آتا رہتا ہے۔ مجھے اس بات کی خبر ہے۔ آپ نے تو مجھے ثبوت فراہم کرنے یا دکھانے کی بات نہیں کی لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کے پاس واقعی ثبوت ہیں اور ضرورت پڑنے پر وہ آپ کسی کو بھی دکھا سکتی ہیں۔ بس مجھے یہی کچھ معلوم کرنا تھا اور پھر اس کے بعد آپ سے ایک سوال کرنا ہے۔'' اسد نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور خاموش ہو گئے جیسے اب انہیں ماہ رُخ کی طرف سے کسی سوال کا انتظار تھا۔

''اب میں آپ کیا سوال کرنا چاہیں گے اور میں آپ سے کیا سوال کروں گی۔ بات تو ختم ہو گئی۔ آپ نے جو کچھ پوچھا میں نے آپ کو بتا دیا۔ اب اور کیا رہ جاتا ہے'' ماہ رُخ نے بڑی سادگی سے اپنی آنکھوں کے آنسو چھپاتے ہوئے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر اسد سے سوال کیا۔

''میں ایک جسارت کر رہا ہوں آپ سے پوچھنے کی کہ آپ اتنا بڑا دل کر سکتی ہیں کہ وقار کو معاف کر دیں اور وہ ایک معصوم بچی اسے ماں بھی مل جائے اور باپ بھی اور آپ کی جو Feelings روبی بھابی کے لیے ہیں یقیناً آپ ان کی بیٹی کو اپنے وجود کا، اپنے جسم کا ایک حصہ بنا کر ہی رکھیں گی۔'' اسد کہہ رہے تھے اور ماہ رُخ آنکھیں پھاڑ کے اُن کی طرف گھور رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسد کیا کہہ گئے ہیں۔ اُسے یوں لگا جیسے بات کچھ اور تھی

اور اُس نے غلطی سے کچھ اور سن لی ہے۔

''آپ نے بہت دیر کر دی۔'' مومنہ ایک دم بیڈروم سے باہر آ گئی اور اس نے جس انداز میں ان کی گفتگو میں حصہ لیا تھا اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دیر سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت سن رہی تھی۔

''اچھے کام دیر سے ہوں تب بھی اچھے ہی ہوتے ہیں۔'' اسد نے برجستہ کہا۔ شاید وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ مومنہ اندر کمرے میں بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''ہاں...... مگر آزمائے ہوئے کو آزمانا بڑی غلطی ہوتی ہے۔ اس شخص پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ جو بغیر کسی ثبوت کے انسانوں کو جیتے جی مرنے کی سزائیں سنانے کھڑا ہو جائے۔ اس کو کیا حق بنتا ہے۔ یہ تو دیوانگی ہے۔ آپ ہی مجھے بتایئے؟ کیا ہم ایسے شخص کا ذہنی توازن درست مان سکتے ہیں جو کسی کی بے گناہی کا ثبوت ہی نہ چاہے اور جسے لوگوں کو سزائیں سنانے کی جلدی ہو۔'' مومنہ بڑے خراب موڈ میں اسد سے بات کر رہی تھی۔

اسے خطرہ محسوس ہوا تھا کہ ماہ رُخ اتنی نرم دل اور اتنی بے وقوف ہے کہ فوراً ہار مان کر کمپرومائز پر آ سکتی ہے۔ اس کا تو یہ سن کر ہی دل پگھل جائے گا کہ وقار اس کے ثبوت ملنے کے بعد اس سے معافی کا خواستگار ہے۔ اُسے تو ویسے ہی ہر کسی کو معاف کرنے کی جلدی پڑی ہوتی ہے اور مومنہ سخت دل، بے رحم یا بے ضمیر نہیں تھی لیکن اس نے ماہ رُخ کو ایک طویل عرصے تک جن دکھوں سے گزرتے دیکھا تھا اُس کی محبت اس کو احتیاط کرنے کی تاکید کر رہی تھی اور جیسے کہ اس نے بول بھی دیا تھا کہ آزمائے ہوئے کو آزمانا بڑی حماقت ہوتی ہے۔

''دیکھیں...... اگر کچھ اچھا ہو جائے اور میں اس کی ضمانت دوں؟''

''آپ اتنی دیر تک تھے کہاں؟ یہ ضمانتیں، یہ گواہیاں بہت پہلے بھی تو ہو سکتی تھیں۔'' مومنہ کے لہجے میں خودبخود ایک طنز جھلکنے لگا۔

''جس دن سے یہ حادثہ ہوا ہے آپ میری بات کا یقین کریں میں وقار کو اسی دن سے سمجھانے اور سوچنے سمجھنے کے لیے بہت تاکید کرتا رہا ہوں۔ بہت زور دیتا رہا ہوں۔

Hard luck کی بات ہے یا میری قسمت کہ میں بھی وقار کی طرح اکثر پاکستان سے باہر ہی ہوتا ہوں۔ بہت ہی کم اتفاق ہوتا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی وقت میں پاکستان ہوں۔ جیسے کہ آج کل۔ آج کل تو ویسے ہی وقار نے اپنا موڈ بنا لیا ہے۔ وہ تو شاید اب شپ کو دوبارہ جائن کرنا ہی نہیں چاہتا۔'' اسد کی دلیل میں بہت وزن تھا۔

مومنہ بہت عرصے بعد کسی کے سامنے لاجواب سی ہوئی تھی۔ کیونکہ سامنے والا سچ بول رہا تھا۔ وہ بیچ میں ایسا کوئی راستہ ہی نہیں دے رہا تھا کہ مومنہ تیزی سے سوال کرتی اور اس کی گرفت کرتی۔

''ٹھیک ہے ہم غور کریں گے۔ کیونکہ ہم بہت ستائے ہوئے ہیں اور یہ ہمارا حق بنتا ہے۔ فی الحال آپ کو ہم کوئی Positive جواب دے کر یہاں سے رخصت نہیں کریں گے۔ آپ کو مہلت دینا ہوگی کیونکہ ہم کورٹ میں جا چکے ہیں۔''

''آپ کورٹ میں جا چکے ہیں اور کورٹ سے واپس آنا بھی آپ ہی کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ کیس تو آپ کی طرف سے دائر ہوا تھا آپ اسے واپس بھی لے سکتے ہیں اور جو اچھے جج ہوتے ہیں وہ مقدمات کو کھینچنے کی بجائے Compromise پر بڑا خوش ہوتے ہیں۔''

''کچھ بھی سہی۔ آپ ہمیں موقع دیں۔ زخم پر زخم کھائے ہیں اور جو حادثہ رات کو ہو چکا ہے اس حادثے نے تو ہمیں جیسے توڑ کر رکھ دیا ہے۔'' مومنہ نے اب ذرا سنبھل کر اسد سے بات کی۔

''چلیں ٹھیک ہے آپ کا بنتا ہے۔ آپ ٹائم لے لیں، مہلت لے لیں لیکن خدا کے لیے جواب ضرور دیں اور میرے آنے کو وقار کا آنا ہی سمجھیں۔ آپ کہیں گی اپنا فیصلہ سنائیں گی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مرتبہ میں نہیں آپ کے دروازے پر وقار آئے گا۔ انشاءاللہ'' اسد نے کہا، اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور کھڑے ہو گئے۔

''میں اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ جو کچھ میں سوچتا تھا سب کچھ اس کے قریب قریب ہی نکلا۔ میں بہت اچھی اُمید لے کر جا رہا ہوں۔ جھگڑوں میں سوائے دکھ کے کچھ نہیں ملتا

اور اگر حقیقتوں کے ساتھ سمجھوتے ہو جائیں تو ہر طرف کچھ نا کچھ بچت ہو جاتی ہے۔ میں نے آپ کا بہت ٹائم لیا ماہ رُخ بھابی لیکن میں بہت ہلکا پھلکا ہو کر جا رہا ہوں۔ کیونکہ میرے ساتھ اچھی اُمید ہے۔'' ایسا لگا کہ اسد نے یہ جملہ خاص طور پر مومنہ کو سنانے کے لیے بولا ہے۔

مومنہ بھی اپنی شرٹ نیچے کی طرف کھینچتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ وہ جو پتھریلی حقیقتوں کی بات کرتی چلی آ رہی ہے۔ اب اس کے ثابت ہونے کا وقت آیا ہے اور پھر وہ کتنی حقیقت پسند ہے اور کتنی ہٹ دھرم۔

اسد دروازے کی طرف بڑھے تو ماہ رُخ انہیں خدا حافظ کہنے کے لیے ان کے پیچھے چلی لیکن اس نے ڈرے ڈرے انداز میں ایک دفعہ مومنہ کی طرف دیکھا تھا لیکن مومنہ نے کوئی سرزنش یا تنبیہ کرنے کی بجائے سر جھکا لیا تھا۔ گویا اس کی طرف سے اجازت تھی کہ وہ اسد کو دروازے تک خدا حافظ کہہ دے۔

☆☆☆☆☆

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ نشاط افزا نے اعتراف جرم کر لیا۔ اوہ میرے خدایا! وہ اتنی بڑی واردات کر کے وہاں سے نکلی تھی؟ اُف میرے خدایا......!'' سبرینہ نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو جیسے تھاما۔

رمیض کے کان بھی جیسے گھر میں ہونے والی ہر قسم کی آہٹوں اور باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ اُس نے اُوپر لاؤنج میں اپنے باپ کی آواز سن لی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ ڈیڈی صبح ہی صبح پولیس اسٹیشن چلے گئے تھے۔ وہ شدت سے منتظر تھا کہ وہ کب پولیس اسٹیشن سے واپس آئیں اور بتائیں کہ اب کیا ہوا ہے۔ نشاط افزا کو پولیس نے کیوں پکڑ لیا۔

سبرینہ نے اپنا سر تھاما ہوا تھا اور رمیض ریلنگ تھامے ہوئے پتھر کا بت بنا ہوا اُوپر سے اپنے ماں باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''ہاں! اُس نے اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ وہ کسی کریمنل شخص کے ساتھ اس کی شادی کرنے والے تھے اور اس کے وہاں فرار ہونے والی رات کے اگلے

ہی دن وہ شادی ہونا طے ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے ماموں ممانی کو جان سے ختم کرنے کا نہیں سوچا تھا لیکن اُس نے Poison اُس شراب کی بوتل میں ملا دیا تھا جو وہ دونوں استعمال کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ دونوں کبھی Over drink نہیں ہوتے تھے۔ اگر نشاط افزا کو یہ یقین ہوتا کہ وہ پیتے پیتے دھت ہو جاتے ہیں تو وہ ان کی شراب میں کچھ ملانے کا نہ سوچتی بلکہ ان کا نشے میں دھت ہونے کا انتظار کرتی اور فرار ہو جاتی۔ اسے بلکہ حیرت بھی تھی کہ وہ دونوں شراب پینے کے عادی تھے۔ دونوں میاں بیوی ایک ساتھ ڈرنک کرتے تھے اور ایک دوسرے کی کمپنی میں اکثر پیتے تھے لیکن کبھی بدمست نہیں ہوتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے بس وہ ایک ہلکا سا سرور چاہنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور اپنی کریمنل کامیابیوں کا ایک طرح سے جشن مناتے ہیں۔ وہ موقع کی تاک میں تھی اور جب اسے یہ پتہ چلا تھا کہ کل کسی بھی وقت اسے نکاح کے بندھن میں باندھ کر رُخصت کر دیا جائے گا تب سے وہ منتظر تھی کہ اسے موقع ملے اور وہ اس بلیک لیبل میں جو سیل نہیں تھی، آدھی تھی بے ہوشی کی دوا ملا دے تا کہ وہ بے ہوش ہو جائیں۔ بوڑھا بابا جو رات کو سو جاتا تھا اور وہ کتے جو رات کو کھول دیے جاتے تھے وہ نشاط افزا سے مانوس تھے۔ نشاط افزا نے ان کو دوبارہ زنجیروں میں باندھ دیا تھا۔ اُسے پتہ تھا کہ ان کتوں کو کس ٹرک سے قابو میں کیا جاتا ہے۔ ان کو دوبارہ زنجیروں میں باندھنے کے لیے کھانے کو کیا دیا جاتا ہے۔ ان کو کیسے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ وہ سنبھالتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور وہ کتے تو شاید رکھے ہی اُسی کے لیے گئے تھے۔ اس نے Poison نامی ٹیبلٹ ایک شاپنگ کے دوران جبکہ اس کی ممانی اس کے ساتھ تھیں ان کو تھوڑا سا اِدھر اُدھر لگا کر اور اپنے لیے سر درد اور کف سیرپ کا بہانا بنا کر وہ شیشی اس نے حاصل کی تھی۔ حالانکہ اس وقت اس کی شادی کی بات نہیں ہوئی تھی لیکن اسے خطرہ تھا کہ ایک دن ایسا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بہت کچھ سنتی رہتی تھی اور اس کے لیے دیکھنے کو بھی بہت کچھ تھا جو اکثر اس کو راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔ اُس نے کتنی مشکل سے وہ Poison کی شیشی حاصل کی تھی۔ اس میں سو ٹیبلٹ تھیں جس میں سے تقریباً چالیس یا پینتالیس کے قریب اس نے

شراب کی بوتل میں ڈال دی تھیں۔ جس وقت وہ یہ کارروائی کر رہی تھی اس کا ماموں واش روم میں تھا اور اس کی ممانی لان میں ٹہل ٹہل کر موبائل پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔

''تو یہ کیسے ثابت ہو گیا؟ پولیس کو کیسے پتہ چلا کہ وہ Poison نشاط افزا ہی نے ملایا۔'' سبرینہ نے اپنے سوئے ہوئے ذہن کو جگانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بڑا بنیادی سوال اُٹھایا۔

''اس لیے کہ اس رات اس گھر میں بوڑھا ملازم، نشاط افزا اور دو پلے ہوئے چوکیدار کتے موجود تھے اور ان کے علاوہ گھر میں نہ کوئی آیا تھا نہ کوئی گیا تھا۔ پولیس اس بات کا اطمینان کر چکی ہے کہ اس رات باہر سے گھر میں کوئی نہیں آیا اور بوڑھے ملازم کو جب حراست میں لیا گیا تو اس بوڑھے کمزور آدمی نے پولیس کے سوالوں کا کہاں مقابلہ کرنا تھا۔ اس نے تو دو تین سوالوں کے بعد ہی صاف صاف بتا دیا تھا کہ اس نے نشاط افزا کو اس کے ماموں کے بیڈ روم میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اس بیڈ روم میں کسی کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا اور نشاط افزا اس رات ننگے پاؤں گھر سے نکلی تھی اور اس نے کافی دور تک ننگے پاؤں سفر کیا پھر اس نے ایک ٹیکسی ہائر کی تھی ہمارے ہٹ تک آنے کے لیے۔ پاؤں کے نشان اس جگہ پر جا کر ختم ہو رہے تھے جہاں سے اس نے ٹیکسی ہائر کی تھی اور اس ٹیکسی ہائر ہونے کے بعد آگے پولیس نے کیا سوچا، کس طرح سے کارروائی کی، کیسے سراغ لگایا، ٹیکسی والے کا کیسے پتہ چلا؟ یہ تو پولیس کے مسئلے ہوتے ہیں۔ یہ ان کی کانفیڈنشل ہوتی ہے ہمیں تو نہیں بتائیں گے نا وہ۔ یہ ان کا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے۔ بہر حال بوڑھے کی یہ گواہی کہ اس رات نشاط افزا ماموں کے بیڈ روم میں گئی تھی اور اس کے علاوہ اور کوئی نہیں گیا تھا یہ بتانے کے لیے بہت تھا کہ اب ان دونوں میں سے کوئی ایک قاتل ہے یا تو وہ بوڑھا ملازم یا نشاط افزا۔''

''لیکن اس نے قتل کہاں کیا؟ اس نے تو بے ہوش کرنے کے لیے دوائی ملائی تھی۔'' سبرینہ نے کہا۔

رمیض اب تیزی سے نیچے اُتر کر آیا" بے ہوشی کی دوا ملائی تھی۔ اس کو پتہ تھا کتنی ٹیبلٹ بے ہوش کریں گی اور کتنی ٹیبلٹ جان لے لیں گی۔ اس نے تو بے سوچے سمجھے اس کے اندر وہ Poison ڈال دیا۔ شراب میں تو ویسے ہی نشہ ہوتا ہے۔ پھر اس میں Poison ڈال دیا ہوگا۔ وہ تو شراب کے بجائے ویسے ہی زہر بن گئی ہوگی۔" اس نے باپ کو جتانے والے انداز میں کہا تھا اور اس کے چہرے پر خفگی کا تاثر تھا۔ اس وقت وہ بہت سکون محسوس کر رہا تھا کیونکہ وہ اپنے ماں باپ کی طرح نرم دل تو نہیں تھا۔ اس کو یہ خوشی ہو رہی تھی کہ جیسے انجانے میں اس نے اپنے باپ کو شکست دے دی اور اس کے باپ نے اس کے سامنے ہار مان لی۔ اب اس کا باپ اپنا فیصلہ سنانے کے بعد اپنی تمنا پوری کرنے کے بعد مزید کسی اور بات کے لیے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ اسے تو یوں لگا جیسے کھڑے کھڑے اس کی زنجیریں کٹ گئی ہوں۔ وہ ان دیکھی زنجیریں جو وہ چل رہا تھا اور وہ پاؤں میں مسلسل چھن چھن بج رہی تھیں۔ اسے تو بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی بلا سے نشاط افزا سے اس کا نکاح ہوا اور وہ فوراً Arrest ہو گئی۔ اس کی تو جان چھوٹی۔ اب اس کا باپ زندگی میں اس کو کبھی فیصلے نہیں سنائے گا۔ آزادی کا یہ احساس اسے نئی زندگی دے رہا تھا۔ انجم علوی رمیض کی بات پر خاموش رہے۔ رمیض بڑی ڈھٹائی سے ان کے مقابل آ کر بیٹھ گیا تھا۔ کیونکہ اب وہ خوف کی آخری حدود سے گزر آیا تھا۔ اس کا وہ فطری اعتماد لوٹ آیا تھا جو ایک طرح سے ڈھٹائی تھی، بے حسی تھی لیکن وہ اسے اعتماد سمجھتا تھا۔

"جب اس نے اعترافِ جرم کر لیا ہے تو اسے سزا بھی ہو جائے گی اور اب آپ یہ چاہیں گے کہ ہمارے گھر کی نیک نامی میں مزید اضافہ ہو کیونکہ آپ تو یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے خاندان کا نام ڈبو دیا ہے۔ اس کو ذلت سے دوچار کیا ہے۔ اب آپ کیا یہ خبر اخبار میں لگائیں گے۔ کیا محسوس ہوگا آپ کو اگر کسی طرح سے یہ خبر اخبار میں لگ جاتی کہ جناب انجم علوی کی بہو کو اتنے سال قید اور اتنے جرمانے کی سزا سنا دی گئی ہے۔"

"بکواس بند کرو" انجم علوی اتنی بری طرح سے دھاڑے تھے کہ سبرینہ اُچھل کر

اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں مگر فوراً ہی بیٹھ گئی تھیں۔

ہاں...... رمیض کو ایک دم اتنی بدتمیزی پر نہیں اُترنا چاہیے تھا۔ وہ تو فوراً ہی باپ سے حساب کتاب کرنے کھڑا ہو گیا۔ سبرینہ نے دل ہی دل میں Realize کرنے کی کوشش کی اور سوچا کہ اگر انجم علوی مزید بھڑکتے ہیں تو وہ انہیں کنٹرول کرنے کی کوشش کرے گی۔

انجم علوی اُٹھے اپنی جگہ سے۔ انہوں نے رمیض کو گریبان سے پکڑا اور جھٹکا دے کر اپنے مقابل کھڑا کر لیا "مسٹر......! میڈم عالیہ ہو یا نشاط افزا، میرے گھر کا راستہ دکھانے والے تم ہو، سمجھے......؟ تم بہت سارے لوگوں کو دھوکہ دیتے آ رہے تھے، اپنے ماں باپ کو دھوکہ دیتے آ رہے تھے۔ کیا ہوا جو ایک دھوکہ میں نے بھی کھا لیا؟ اور اپنی مرضی سے کھا لیا لیکن تم یہ بھول رہے ہو کہ نشاط افزا میری رشتہ دار نہیں ہے۔ میرے کسی دوست، کسی شناسا کی بیٹی نہیں ہے۔ وہ مظلوم بن کر میرے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے اپنا وہ احسان بھی گنوایا تھا جو اس نے تم پر کیا اور میں مانتا ہوں کہ وہ واقعی احسان ہے۔ کیونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کا تعلق کریمنل لوگوں سے تھا اور ان کریمنل لوگوں سے اس نے تمہیں بچایا تھا۔ تم یہاں پر اپنی ان بدتمیزیوں پر غور کرنے کی بجائے اُلٹا میرے سامنے بدتمیزی کر رہے ہو؟ نشاط افزا کون ہے؟ میرے گھر میں کیسے آئی؟ کس کے حوالے سے آئی؟"

"آپ چھوڑیں...... یہ بیچارہ پریشان ہو گیا۔ اصل میں بات ہی اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ پولیس......"

"تم خاموش رہو۔ سبرینہ! اگر مائیں اپنی ذمہ داریوں کو اس وقت سے سمجھنا شروع کر دیں جب ایک نوزائیدہ بچہ ان کی گود میں آتا ہے تو وہ خود بھی اتنے بڑے بڑے عذابوں میں مبتلا نہ ہوں اور ان سے وابستہ لوگوں کو بھی اتنے بڑے بڑے عذابوں میں مبتلا نہ کریں۔ ان پر زندگی کی ایک ایک سانس کو بھاری نہ بنائیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ کہیں پر بھی، کسی جگہ پر بھی جب کوئی بگاڑ ہوتا ہے تو اس کی ذمہ دار ایک عورت ہوتی

ہے۔ جسے ماں بننے کا شوق تو ہوتا ہے لیکن وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا نہیں جانتی۔ اکلوتا بیٹا، اکلوتی اولاد...... کیا مطلب ہوتا ہے کہ ہم اکلوتی اولاد کو معذور بنا دیں، ان کو ذلت آمیز زندگی کی طرف جانے پر مجبور کر دیں۔ ہمارے لاڈ پیار ان کو کیا دیتے ہیں؟ عیاش بناتے ہیں، کاہل بناتے ہیں، غیر ذمہ دار بناتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ تمہارے پاس صرف ایک اولاد ہے۔ تمہارے پاس کرنے کو کوئی اور کام نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ساری Facilities provide کی تھیں اور جو بات میں تم سے کہتا چلا آ رہا ہوں اس وقت بھی کہہ رہا ہوں کہ تم نے اپنی ذمہ داری نہیں نبھائی۔ تمہاری اس غیر ذمہ داری کی سزا قدرت تمہیں دے رہی ہے اور مجھے بھی۔ آج یہ شیر بن کر مجھ پر غرا رہا ہے کہ میں نے اس کا نکاح نشاط افزا سے کر دیا۔ میں ایک مجرمہ کا سسر کہلا رہا ہوں۔ آج تک میں تم سے یہ کہتا آ رہا ہوں کہ تم بھی اپنے بیٹے کے ساتھ چلی جاؤ۔ چونکہ ایک غلطی میں نے بھی کر دی ہے۔ حالانکہ اس غلطی کی بنیاد بھی تمہارے بیٹے ہی نے مہیا کی ہے۔ مگر میں اس کا کفارہ اس طرح سے ادا کر رہا ہوں کہ میں تم دونوں کو اس گھر میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ لات مار رہا ہوں میں اس گھر پر اور نشاط افزا جو واقعی مظلوم ہے، جس نے ان کریمنل لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، جس کی بے گناہی کا ثبوت میرے پاس ہے، جس کے خاندانی ہونے کا ثبوت میرے پاس ہے۔ میں نے اس کی ساری چھان بین کروائی تھی۔ میں اس کی ضمانت کے لیے کوشش کروں گا اور جب تک اس کی ضمانت نہیں ہو جاتی، جب تک وہ جیل سے باہر نہیں آ جاتی۔ میں چین کا سانس نہیں لوں گا۔ وہ میری بہو ہے میں نے اس کو اپنی خوشی سے بہو بنایا ہے۔ اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے طلاق دے کر فارغ کرے گا تو کان کھول کر سن لو کہ اگر اس نے نشاط افزا کو طلاق دی یا اسے طلاق کے کاغذ بھجوائے تو میں اسے اپنی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سے عاق کر دوں گا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا۔ ٹھیک ہے میں نے جلدی میں فیصلہ کیا تھا لیکن میں اس کی طرح بے ضمیر و بے حس نہیں ہوں۔ سمجھ آئی بات......؟ اور یہ بات میں دہراؤں گا نہیں۔ نشاط افزا کو میں نے اپنی بہو بنایا ہے وہ میری بہو ہے۔ میں نشاط افزا کے علاوہ کسی لڑکی کو اپنی بہو کے روپ میں کبھی قبول نہیں کروں گا۔ نشاط افزا رمیض کی وجہ سے میرے گھر میں

آئی اور اتفاق سے وہ غلط نہیں نکلی۔ وہ بے خطا ہے۔ اس نے اقدام غلط نہیں کیا تھا۔ اُس نے اپنی عقل سمجھ کے مطابق ان کو گہری بے ہوشی دینے کی کوشش کی تاکہ وہ وہاں سے فرار ہو سکے اور وہ لوگ بہت دیر بے ہوش رہنے کی وجہ سے اور Poison خون میں پھیلنے کی وجہ سے اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ ایک ارادی قتل نہیں تھا۔ ایک بے بس نے زنجیریں توڑنے کی کوشش کی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ آج بھی اپنے بیٹے کو بہت سارے قصور پر، بہت ساری غلطیوں کا ذمہ دار ٹھہراؤں گا نشاط افزا کو نہیں۔ میں جا رہا ہوں اس کی ضمانت کی کوششیں کرنے۔ اُمید ہے کہ تم لوگ اب مزید کسی حماقت کا ارتکاب نہیں کرو گے اور رمیض! یہ شاید قدرت کی طرف سے تمہارے لیے سزا ہے کہ تمہیں میرے وسیلے ہی سے سہی، وہ بیوی ملی ہے جس کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔ بات آ رہی ہے سمجھ میں......؟ ایک دھبہ، ایک داغ قدرت کی طرف سے اس پر ضرور لگا ہے لیکن وہ اس داغ اور دھبہ لے کر اکیلی اس دنیا میں نہیں جیے گی۔ اس کے نام کے ساتھ تمہارا نام لگا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج کے بعد میری اور تمہاری ناراضگی بھی اس بات پر ختم ہو گی کہ تم اپنی اس سزا کو دل سے قبول کر لو۔ خدا حافظ......" انجم علوی نے ایک جھٹکے سے زمین پر رکھا ہوا اپنا بریف کیس اُٹھایا اور لاؤنج سے باہر چلے گئے۔ رمیض اور سبرینہ اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ان کی قوت گویائی بھی سلب ہو گئی ہے اور قوتِ سماعت بھی۔

انجم علوی کا ان کو اچھی طرح پتہ تھا کہ وہ اپنی بات، اپنے فیصلے سے ایک انچ نہیں ہٹتے۔ فیصلہ کرنے میں وقت لگا دیتے ہیں لیکن فیصلہ کرنے کے بعد کبھی فیصلے کو بدلتے نہیں۔ انہیں پتہ تھا، دونوں کو پتہ تھا کہ انجم علوی جو کچھ کہہ کر گئے ہیں وہ دھمکی نہیں ہے۔ نشاط افزا کسی طرح سے بھی ان کے دل پر چڑھ چکی ہے۔ اتنا بڑا حادثہ ہونے کے بعد بھی وہ اس کو غلط نہیں کہہ رہے بلکہ اُلٹا اس سے ہمدردی کر رہے ہیں۔ اس کی ضمانت کرانے جا رہے ہیں۔ انجم علوی جا چکے تھے۔ کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز دونوں نے سنی تھی لیکن دونوں ایک دوسرے سے نظر چرائے بالکل خاموش بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆☆

نیا، مہر النساء اور مخدوم عبدالرب کے ساتھ ناشتہ کی ٹیبل پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی کہ اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ موبائل اُس نے کارنر ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ پوپری نے موبائل کی رنگ سنی تو نیا کی طرف یوں دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا اُٹھا کر دوں؟ نیا نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے کہا کہ موبائل مجھے دو۔ ایک نظر اُس نے مہر النساء اور مخدوم عبدالرب کے خوشیوں سے جگمگاتے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ پھر نمبر دیکھا اور بری طرح چونک پڑی۔ کافی دنوں کے بعد آج سمن نے کال کی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس وجہ سے اس کو کال نہیں کر رہی تھی۔ بات ہو تو بات پتہ چلے۔ اس سے رہا نہیں گیا حالانکہ وہ مہر النساء کے سامنے سمن سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن اتنے دنوں کے بعد سمن کی کال دیکھ کر اس سے رہا نہیں گیا اور اس نے بے اختیار کال اٹینڈ کر لی تھی۔

''ہیلو......'' دوسری طرف سے سمن کی آواز ہی سنائی دی وہ بھی ہیلو ہی کہہ رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' نیا نے سلام کرنے میں پہل کی۔

''اوہو...... بڑے سلام دعا ہو رہے ہیں بھئی! کیسی ہو؟'' رات لندن سے جو سہیل نے فون کیا تھا اُس کا اثر ابھی تک سمن کے لب و لہجے سے نظر آ رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں'' اُس نے محتاط انداز میں مہر النساء اور عبدالرب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بس...... مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔ شکر ہے! تم کوئی ٹینشن مت لینا۔ شاداب تو گھر پہنچ گیا ہے تمہیں پتہ بھی چل گیا ہو گیا سہیل سے......'' نیا بہت محتاط اور ہچکچاتے ہوئے انداز میں سمن سے بات کر رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ ناشتے کی ٹیبل سے ایک دم سے اُٹھ کر رازدارانہ انداز میں کہیں اور جا کر بھی بات نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کوئی ایسا راستہ نکالنا تھا کہ سمن سے بات بھی ہو جائے اور کوئی مسئلہ بھی نہ ہو۔ کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نہ نکلے کہ مخدوم زادی اور مخدوم صاحب دونوں کو اس سے کوئی شکایت اور گلہ پیدا ہو اور ماحول میں بدمزگی کے آثار دکھائی دینے لگیں۔

''ہاں...... مجھے پتہ ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ میں نے تمہیں فون نہیں کیا تو تم نے بھی

مجھے فون نہیں کیا اور میں اتنے دنوں سے یہی دیکھ رہی تھی کہ تمہارا فون آتا ہے یا نہیں آتا۔ لگتا ہے تم ناراض ہو۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ ظاہری بات ہے شاداب نے بھی بیچارے نے مفت میں اتنی تکلیفیں اُٹھائیں۔ اس کی ذمہ داری تو مجھ پر ہی ہوتی ہے نا؟'' سمن اب ہمیشہ کی طرح بہت جلدی اپنا قصور ماننے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

''نہیں......نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے سمن۔ بس پتہ نہیں کیا...... کچھ تھا ایسا کہ بات نہیں ہو پائی۔ اچھا یہ بتاؤ میں نے اگر تمہیں فون نہیں کیا تو تم نے کون سا مجھے فون کر ڈالا؟'' نیا نے اُلٹا شکوہ کیا۔ اس کے منہ سے سمن کا نام نکل گیا تھا۔ مہر النساء اور مخدوم عبدالرب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہروں پر کوفت اور بیزاری کے تاثرات نمودار ہو گئے۔ نیا مزید محتاط ہو گئی۔

''بس ویسے ہی ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ اپنی نظروں میں بے وقعت تھی، ریزہ ریزہ ہو کر بکھری ہوئی تھی، اتنی ریزہ ریزہ ہو کر بکھری ہوئی تھی کہ بس یوں سمجھ لو کہ سمٹنے میں ٹائم لگ گیا۔'' سمن نے بڑا مبہم سا جواب دیا۔

''کیوں؟ سہیل تو تمہارے ساتھ ہیں۔ پہلے کی طرح تمہارا خیال رکھنے والے۔ پھر کیوں بکھریں تم؟ کیا ہوا؟'' نیا کو انجان بن کر سوال تو کرنا تھا کہ مجبوری تھی۔

''سہیل کی دوسری شادی ہو گئی ہے نیا......'' سمن اسے مطلع کر رہی تھی۔

''اچھا ہاں...... چلو خیر وہ تو ایسا ہونا ہی تھا لیکن تمہیں کیا فرق پڑتا ہے کہ سہیل تو تمہارے ہی ہیں ناں'' نیا نے آئیں بائیں شائیں والا جواب دے کر کوشش کی کہ فون جتنی جلدی ہو سکے بند ہو جائے تاکہ وہ بعد میں کہیں الگ تھلگ ہو کر، تنہائی پا کر سمن کو فون ملائے اور پوچھے، بات کرے اور بعد میں وجہ بھی بتا دے کہ اس نے کس وجہ سے فون کال مختصر کر دی تھی اور فون بند کر دیا تھا۔

''اب ہمیں کسی کا ڈر نہیں پڑا'' مہر النساء تو سمن کے فون کا سنتے ہی تپ چکی تھی۔ اپنی جذباتی عادت سے مجبور ہو کر بے ساختہ بول پڑیں۔

''اللہ کا شکر ہے۔ اللہ نے ہماری سن لی۔ بانجھ بنجروں سے ہمیں اللہ نے نجات

دی۔'' وہ چونکہ نیا سے بہت قریب بیٹھی تھیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی بلند آواز سے بولی ہوں اور سمن تک آواز نہ پہنچی ہو۔ نیا کا تو جیسے دل بیٹھ گیا۔ اُس نے گھبرا کے فوراً لائن کاٹ دی تھی۔ مہرالنساء نے نیا کے ہاتھ سے موبائل لینے کی کوشش کی اور بولیں ''ادھر لا میں بات کرتی ہوں۔ بس ختم ساری احتیاطیں وحتیاطیں۔ سہیل کو پڑی ہے اپنی بیوی کی تو کرتا رہے فکر۔ ہمیں کوئی فکر نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے اللہ نے ہمیں ساری فکروں سے فارغ کر دیا۔ اب نہیں ڈرتے ہم کسی سے بھی۔ نہ سہیل سے نہ سہیل کی پہلی بیوی سے۔ ہماری بہو ہمارے پاس ہے ہمارے وارث کے ساتھ ہے اور سہیل سے بھی ہم نمٹ لیں گے۔ جائے گا بڑا چھوڑ کے وہ، کس کس کو چھوڑ کے جائے گا۔ ماں کو چھوڑے گا، باپ کو چھوڑے گا، اولاد کو بھی چھوڑ دے گا۔ اب نہیں پڑا ہمیں کسی کا ڈر۔'' وہ جذباتی انداز میں بولتی چلی گئیں اور نیا ایک ٹک ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

اسی وقت اس کے موبائل پر دوبارہ رنگ ہوئی۔ اس نے موبائل کی طرف دیکھا۔ پھر سمن کی کال آئی تھی۔ اس کا دل بیٹھ گیا اور دل کا چور اسے ڈرانے لگا کہ اگرچہ سمن نے مہرالنساء کی آواز سن لی ہے تو یقیناً اب اس نے یہ پوچھنے کے لیے فون ملایا ہے کہ مہرالنساء میرے پاس کیوں بیٹھی ہیں یا میں مہرالنساء کے پاس کیسے چلی گئی اور وہ اب کیا جواب دے گی۔ وہ تو سمن کو یہ خبر سنا چکی ہے کہ شاداب واپس گھر چلا گیا ہے اور خیریت سے ہے۔ اس نے اب کال اٹینڈ نہیں کی۔ رابطہ بھی نہیں کاٹا Silence پر کر دیا تاکہ بیل ہوتی رہے اور اپنے معینہ وقت پر خود بخود بند ہو جائے۔ اس نے اشارے سے پوپری کو بلایا اور موبائل دے کر کہا ''اسے ٹیبل پر رکھ دو۔''

''دیکھا مخدوم صاحب! لائن ہی کاٹ دی آواز سن کر۔ ارے اس کا تو دل بیٹھ گیا ہوگا۔'' مہرالنساء کے سارے پرانے زخم جیسے تازہ ہونے لگے۔ خون کھولنے لگا۔ سب سے زیادہ تو خون اس بات پر کھولتا تھا کہ سہیل ابھی تک ان کی من چاہی نئی نویلی بہو سے تو دور تھا اور سمن کے گن گا رہا تھا۔ یقیناً وہ لندن سے پہلے سمن کو فون کرتا ہوگا پھر ماں باپ کو۔ اتنا ان کو یقین تھا۔

''پاگل ہوگئی ہے مہرو! اب چھوڑ اس کا پیچھا۔ مت اپنی جان جلا۔ تیری اللہ نے سن لی، تیری مرادیں پوری ہوگئیں اب چھوڑ دے اس کا پیچھا۔ کیوں اپنی جان جلاتی ہے اپنی صحت برباد کرتی ہے۔ شکرانے پڑھا کر۔ آج اللہ نے یہ خوشی سنائی ہے، آگے بھی خوشیاں سنائے گا۔ تو جیت رہی ہے۔ تو کس بات پہ کڑھے گی۔ تجھے اللہ نے کسی چیز کی کمی دی ہے۔'' مخدوم صاحب بڑے لاڈ سے مہرالنساء کو سمجھانے لگے۔

''بس مخدوم صاحب! کیا کروں میں؟ اس کا نام سنتی ہوں تو سر سے لے کر پاؤں تک میرے اندر تو ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ بھلے یہاں سے چلی گئی ہے بھلے نظر نہیں آتی مگر سب مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کو کیسے کھویا، کیسے پایا۔ سب اس کے کرتوت یاد آنے لگتے ہیں مجھے۔ میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے، غصہ آنے لگتا ہے۔''

''اچھا چھوڑ بہو کو ناشتہ کرا۔ اللہ نے خوشی کی خبر دی ہے بہو کے ناز نخرے اُٹھا۔ تیرے پاس اتنی کہاں فرصت کہ تو اپنی جان جلاتی پھرے۔ اللہ نے تجھے کام دے دیا ہے۔'' مخدوم صاحب نیا کی صورت دیکھتے ہوئے جو اس وقت بالکل گم صم کیفیت میں ہے، ماحول بدلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''پوپری! مخدوم صاحب کو ٹھنڈی لسی لا کر دے۔ کھڑی منہ کیا دیکھتی ہے۔'' مہرالنساء نے بھی ایک طرح سے مخدوم صاحب کے لاڈ پیار کا قرضہ اُتارا۔ ہاتھ کے ہاتھ۔

وہ دونوں آپس میں جو کچھ بھی باتیں کر رہے تھے وہ نیا کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔ کیونکہ اب اس کی سماعت کے اندر سوائے شائیں شائیں کے کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے بہت خوف آ رہا تھا کہ اب سمن کے ساتھ اس کی کیا بات ہونا ہے اور اسے جواب کیا دینا ہے۔ اس نے برائے نام ناشتہ کیا۔ مہرالنساء کو دکھانے کے لیے جوس پی لیا۔ تاکہ وہ ناشتے کے لوازمات لے کر تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کے بیڈ روم میں نہ پہنچ جائیں۔ خاموشی سے کرسی کھسکا کر اجازت لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بی بی جان! میری نیند پوری نہیں ہوئی۔ ساری رات جاگی ہوں آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے اپنے انداز میں مہرالنساء سے اجازت لی۔

"ہاں ہاں! امی جا کے تو آرام کر۔ تجھے بہت آرام کی ضرورت ہے۔ صحت دیکھ تو نے کبھی زندگی میں کوئی ڈھنگ کی چیز بھی کھائی پی تھی؟ ایسے ٹائم میں تو اپنا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ بتاؤ کتنی کمزور ہو رہی ہے۔ بھائی کا غم کھانے کے علاوہ آج تک اس نے کچھ کھایا ہی نہیں ہے۔"

اپنے حساب سے انہوں نے بڑی پھلجھڑی چھوڑی تھی جو برچھی کی طرح جا کر نیا کے سینے میں آر پار ہو گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے اپنا موبائل اُٹھا کر مٹھی میں دبوچ لیا تھا اور سر جھکا کر ڈائننگ سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کے موبائل پر پھر رنگ ہوئی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے موبائل کی طرف دیکھا۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ اب بھی سمن نے ہی اسے کال کی ہے لیکن اس مرتبہ اسے جھٹکا سا لگا۔ اس مرتبہ سمن کی کال نہیں تھی۔ اس کے ماں نے اسے یاد کیا تھا۔ اس نے بے اختیار کال اٹینڈ کی اور ماں کو سلام کیا۔ کیونکہ اسے اُمید تھی، یقین بھی تھا کہ گھر سے کال آئی ہے یقیناً امی ہی کی آواز پہلے سنے گی۔

"السلام علیکم......امی!" اس نے ماں کو سلام کیا۔

"جیتی رہو......خوش رہو۔ اللہ تمہیں سکون سے رکھے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" انہوں نے بیٹی کی آواز سنتے ہی دعائیں دینا شروع کر دیں۔

"اور بیٹا سب خیریت ہے نا؟"

"جی امی......اللہ کا شکر ہے۔ سب خیریت ہے۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے لیکن سچ یہی ہے کہ حویلی میں مجھے ان لوگوں نے پھولوں کی طرح رکھا ہوا ہے۔ میرے اتنے لاڈ پیار، اتنے ناز نخرے اُٹھاتے ہیں کہ امی اگر آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو آپ اپنے سارے دکھوں کو بھول جائیں۔ نیا نے ماں کو بھرپور انداز میں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا......! لیکن ایک ماں کے لیے کیا یہ دکھ کم نہیں کہ اس کی بیٹی کو بٹا ہوا آنگن ملا ہے۔ چلو خیر......اب میں بوجھل باتیں کر کے تمہیں مزید پریشان نہیں کروں

گی۔ اس وقت میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ سمن کا فون آیا تھا ابھی ابھی۔ وہ تمہارا پوچھ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میری ابھی موبائل پر نیا سے بات ہو رہی تھی۔ اور موبائل پر باتوں کے دوران اس نے بی بی جان کی آواز بھی سنی ہے۔ اسے سمجھ تو نہیں آئی کہ بی بی جان کیا بول رہی تھیں لیکن وہ اتنے یقین سے کہہ رہی ہے کہ اس نے بی بی جان ہی کی آواز سنی ہے۔"

نیا اتنا سنتے ہی گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ تو آخر وہ قیامت آ ہی گئی۔ اب ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے ایک لاکھ جھوٹ بولنے کے مرحلے آ ہی گئے۔ کیا کرنا چاہیے؟ کیا وہ سہیل کو بتائے کہ ایسا کچھ ہوا ہے؟ کیا کرے؟ ظاہر ہے سہیل ہی کو سنبھالنا ہو گا۔

"ہیلو......نیا! کیا سوچنے لگیں بیٹا؟ تم ایسا کرو سمن کا نمبر تو تمہارے پاس ہو گا۔ تم اس سے بات کر لو بیٹا وہ بہت پریشان ہو رہی ہے۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی ہے کہ نیا ابھی تک حویلی میں کیا کر رہی ہے؟ اب بتاؤ میرے پاس کیا جواب ہے اس کا؟ میں تو اس کو کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ شکر ہے کہ شاداب بھی گھر سے باہر نکلا ہوا ہے۔ اگر اس نے سمن کی کال اٹینڈ کر لی ہوتی وہ تو پھٹ پڑتا۔ بتا دیتا اسے سب کچھ۔" بانو بیگم ایک تواتر سے نیا سے بات کرنے لگیں۔

"امی......! کوئی بھی سچ ہو، کوئی بھی حقیقت ہو۔ کتنے دن چھپائی جا سکتی ہے۔ اب مجھے اس ذلت سے تو گزرنا ہی ہے، مجھے شاید سمن سے یہ گالی ایک دن سننا ہی تھی۔ میں نے اس کی پیٹھ میں چھرا اتارا ہے......"

"پاگل ہو گئی ہو......" بانو بیگم نے فوراً اس کی بات کاٹ دی "سمن کو سب پتہ ہے کہ انہوں نے ہمارے بیٹے کو اُٹھا لیا تھا۔ اسے ٹارچ سیل میں رکھا تھا اور اس کی زندگی بچانے کے لیے، اس کی زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے تم حویلی میں گئی تھیں۔ سہیل سے شادی رچانے کے لیے گھر سے نہیں نکلی تھیں۔ جب ایک ماں کو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے، تمہاری بہن کو سمجھ میں آ سکتی ہے تو تمہاری دوست کو سمجھ میں کیوں نہیں آ سکتی؟ وہ

کیوں تمہیں الزام دے گی؟ اگر تم کہو تو میں اس سے بات کرتی ہوں۔'' بانو بیگم نے ایک دم جذباتی ہو کر نیا کو ٹوک دیا تھا۔

''ٹھیک ہے امی...... میرا خیال ہے میری اور سمن کی یا سہیل اور سمن کی بات ہونے سے پہلے آپ کی اور سمن کی بات ہو جائے۔ پھر جو کچھ بھی وہ آپ سے کہے، جو بھی آپ سے بات کرے پلیز...... وہ آپ مجھے فوراً بتایئے۔ کیونکہ پھر مجھے بھی تو کچھ سوچنا ہے اور یہ بھی تو طے کرنا ہے کہ مجھے اور سمن کو اب کس طرح سے ایک دوسرے کو Face کرنا ہوگا۔ ہم جب بھی ملیں گے تو کس طرح ملیں گے اور امی یقین کریں میری تو ہمت ہی نہیں ہے۔ میں تو شاید مرنا پسند کروں لیکن اپنے منہ سے سمن کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ امی! میرے پاس تو وہ الفاظ ہی نہیں ہیں اور مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔ سمن بہت کمزور دل کی، بہت کمزور اعصاب کی ہے۔ خدانخواستہ وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھے۔ اس وقت تو سہیل بھی لندن میں ہیں۔''

''سہیل لندن میں ہیں......!!'' بانو بیگم نے فوراً اُس کی بات کاٹی۔

وہ نیا کی بات بہت تحمل، بہت غور سے سن رہی تھیں اور ساتھ ساتھ تجزیہ بھی کر رہی تھیں اور سوچتی بھی جا رہی تھیں کہ اگر وہ سمن سے بات کریں گی تو کس طرح سے شروع کریں گی اور کیا کچھ اسے بتائیں گی اور کس طرح سے اسے سنبھالیں گی۔ اب جب یہ سنا کہ سہیل لندن میں ہیں تو ان کے تو ویسے ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ خدانخواستہ کوئی بات ہو جاتی ہے تو یہاں نمٹنے کے لیے کون بیٹھا ہے۔

''امی......! یہ زیادہ بہتر ہے۔ آپ اس کو چھوڑیں کہ سہیل یہاں ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر وہ ہوتے بھی تو کیا ہو جاتا۔ پلیز! آپ سمن سے بات کریں۔ اس کو سنبھالنے کی کوشش کریں۔ پھر مجھے بتائیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ کیونکہ مجھے بہت کچھ سوچنا ہے، بہت کچھ کرنا ہے۔ امی! وہ میری پیاری دوست کہیں اتنے بڑے انکشاف کے بعد صدمے سے مر نہ جائیں۔ امی! اس طرح سے بات کریں کہ جیسے وہ بھی آپ کی بیٹی ہے۔'' بولتے بولتے نیا ایک دم پھوٹ کر رونے لگی۔ اب وہ ضبط نہیں کر سکتی تھی

اس کے لیے تو یہ احساس ہی بہت تھا کہ وہ سمن کو اُلٹی چھری سے ذبح کرنے جا رہی ہے۔ اپنی ماں کو اُلٹی چھری سے ذبح کرنے کا مشورہ دے رہی ہے۔ بس اتنا بول پائی تھی اور آنسوؤں کی طغیانی نے اس کو مزید بولنے سے روک دیا تھا وہ بری طرح تڑپ تڑپ کے رو رہی تھی۔ بانو بیگم نے اس کے رونا دھونا سن کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اب وہ بات نہیں کر پائے گی۔ اس لیے انہوں نے چپ چاپ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔ رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ نیا گھٹنوں میں سر دیے اس بری طرح رو رہی تھی جیسے کسی پیارے کی موت پر ماتم کیا جاتا ہے۔ شاید آج اس کی دوستی کے تابوت میں آخری کیل لگنا تھی۔ اندر سے خود بخود ماتم برپا ہونا شروع ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

نیا رو دھو کر ہلکی پھلکی ہو گئی۔ اس کی سماعتیں منتظر تھیں کہ کب اس کے سیل فون کی گھنٹی بجتی ہے اور سمن کی کال آتی ہے اور وہ اسے لعن طعن کرنا شروع کرتی ہے۔ اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی، اس کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں تھے کہ جس سے وہ سمن کو دلاسے یا تسلی دیتی یا جو زخم اس کو لگا تھا اس پر مرہم رکھتی۔ وہ بے قرار رہی، گھنٹہ دو گھنٹہ، تین گھنٹے۔ حتیٰ کہ شام ڈھلنے لگی، رات کے آثار نمودار ہو گئے لیکن سمن کی کال نہیں آئی۔ اسے حیرت تھی کہ اس کی امی نے بھی اس کو کال نہیں کی۔ اسے ایک دم خیال آیا کہ امی کی کال تو آ جانی چاہیے تھی۔ امی کو تو بتا دینا چاہیے تھا کہ ان کی سمن سے کیا بات ہوئی اور سمن نے ان سے کیا کہا۔ اس نے یہ سوچتے ہی فوراً ماں کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بجنے لگی۔ جس تواتر سے گھنٹی بج رہی تھی اس سے کہیں زیادہ زور سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ بہرحال کال اٹینڈ ہو گئی اور ماؤتھ پیس میں اس نے بہت آہستگی سے السلام علیکم امی کہا لیکن دوسری طرف عتیقہ تھی۔

وہ کہہ رہی تھی ''اسلام علیکم آپا...... کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں عتیقہ...... اللہ کا شکر ہے بالکل خیریت سے ہوں اور بہت آرام میں ہوں۔ مجھے امی سے بات کرنا تھی۔ امی نے مجھے فون کرنا تھا پتہ نہیں انہوں نے مجھے

ابھی تک فون کیوں نہیں کیا؟ امی ہیں کہاں؟'' وہ پوچھنے لگی اور انجانے اندیشوں سے اس کا دل کانپ کانپ جا رہا تھا۔

''امی یہیں ہیں کچن میں، میں بلاتی ہوں آپ ہولڈ کیجیے۔'' عتیقہ نے کہا اور اس کی آواز خاموش ہوگئی۔

چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد بانو بیگم کی آواز اُبھری ''ہیلو......''

''جی امی...... نیا بات کر رہی ہوں۔ میں کب سے آپ کے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔ کیا سمن سے آپ کا رابطہ نہیں ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''ہوا تھا رابطہ اور بات بھی ہوئی تھی۔''

''اچھا...... پھر آپ نے مجھے فون کر کے کیوں نہیں بتایا؟ میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ آپ کی بات ہو جائے تو آپ فوراً مجھے کال کیجیے گا۔''

''میں سوچ رہی تھی کہ شاید تم خود ہی مجھے کال کرو گی۔ کیونکہ میرے پاس بتانے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں تو فون کیا کرتی۔''

''کیا مطلب......؟ آپ کی سمن سے بات نہیں ہوئی۔''

''بات ہوئی تھی بیٹا۔ میں نے اس کو سب کچھ بتا دیا۔'' بانو بیگم بولیں۔

''پھر......پھر......'' پھر سے آگے نیا سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''پھر یہ کہ بیٹا اس نے میری بات بڑی خاموشی سے سنی اور پھر اس نے فون بند کر دیا۔ میں ہیلو ہیلو کرتی رہی۔''

''فون بند کر دیا......! اوہ میرے خدایا! لگتا ہے وہ تو یہ سب کچھ سن کر بے ہوش ہو گئی ہوگی۔ اسی لیے فون پر آپ کو اس کی بات سنائی نہیں دی۔'' نیا کو اتنا سننے کے بعد جیسے چکر آنے لگے۔

''اُف میرے خدایا...... پتہ نہیں کیا حالت ہو رہی ہوگی سمن کی۔ ٹھیک ہے امی......! میں خود اسے فون ملاتی ہوں۔ اب جو ہو سو ہو۔ جو کچھ بھی وہ کہے گی سننا تو پڑے گا لیکن میں اس کی خیریت پوچھتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اسے کچھ ہو نہ گیا ہو۔ خدانخواستہ

وہ ہاسپٹل میں نہ ہو۔'' نیا نے تیزی سے کہا اور فوراً لائن کاٹ دی اور جلدی سے سمن کو فون ملانے لگی۔ اس وقت اس کے دل میں کوئی خوف و اندیشہ نہیں تھا اسے سمن کی فکر پڑ گئی تھی۔

بانو بیگم کا یہ کہنا کہ اس نے بات ہی نہیں کی اور رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ اس کو یہ بتانے کے لیے بہت تھا کہ سمن کی ضرور حالت خراب ہو گئی ہوگی وہ بات کرنے کے قابل نہ رہی ہوگی۔ اس نے سمن کا نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ بیل ہوتی رہی لیکن فون اٹینڈ نہیں ہوا۔ اس نے دوبارہ کال ملائی۔ پھر رنگ ہوئی...... ہوتی رہی مگر کال اٹینڈ نہیں ہوئی۔ تین چار مرتبہ اس نے ٹرائی کی لیکن اس کی کال اٹینڈ نہیں ہوئی۔ اب تو وہ بالکل بے دم ہو گئی کہ یقیناً کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہے۔ فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہی۔ لگتا ہے اس کی حالت بہت خراب ہے اور شاید بہت سنگین بھی۔ نیا نے بے دم انداز میں فون ایک طرف ڈال دیا اور بیڈ پر گر گئی۔ اب اس کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا اور اس کو سمجھ بھی نہیں آ رہی تھی کہ اگر سمن کی حالت بگڑ گئی ہے تو وہ کس طرح سے اس کو سنبھالے گی۔ اس سے رابطہ کیسے ممکن ہوگا۔ وہ سوچتے سوچتے شل ہو گئی مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔ سارا دن اس نے سولی پر لٹکے گزارا۔ وہ اس بات کی منتظر تھی کہ بانو بیگم فون کر کے اسے کچھ بتائیں گی لیکن اسے ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ بانو بیگم کو خود فون کر کے کچھ پتہ کرنے کی کوشش کرتی کہ کیا بات ہوئی؟ کیا معاملہ ہوا؟ لیکن جب شام ہو گئی اسے یوں لگا کہ اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ اتنی دیر میں تو بہت ساری خبریں ادھر ادھر ہو سکتی ہیں۔ پھر کیا بات ہے بات آگے کیوں نہیں بڑھ رہی۔ کہیں سے بھی کوئی فون نہیں آ رہا۔ تب اس نے بانو بیگم کو فون ملا لیا۔ وہ بڑی گہری سوچوں میں اُلجھ چکی تھی۔ اس کا ذہن اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ ایک دم اسے خیال آیا کہ وہ سہیل کو فون کر کے سب کچھ بتا دے لیکن سہیل اتنی دور جا چکے ہیں وہ کیا کر لیں گے۔ وہ ایک دم سے آ کے سمن کو سنبھال تو نہیں لیں گے اور شاید سمن تو اب ان کے ہاتھ سے ہی گئی۔ یہاں تک سوچ کر نیا نے آنکھیں موند لیں اور اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ گویا وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

انجم علوی کو نکلے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ اب تو رات سر پر آ گئی تھی مگر نہ ان کی کوئی فون کال آئی تھی نہ وہ خود آئے تھے۔ سبرینہ انجانے اندیشوں سے لرز لرز کر آدھ موئی ہو چکی تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں۔ رمیض اپنے کمرے میں تھا۔ دو تین مرتبہ اس کا اور ان کا آمنا سامنا ہوا تھا لیکن کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ کترا کر گزر گیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے روک کر بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن جیسے ہی رات کا اندھیرا پھیلنا شروع ہوا ان کے دل کو طرح طرح کے وہم ستانے لگے۔ اب ان سے رہا نہ گیا۔ بس فوراً رمیض کے بیڈروم کا دروازہ دھڑ دھڑ کر کے بجا دیا۔ رمیض نے پریشان ہو کر دروازہ کھولا تھا مگر سامنے ماں کو دیکھ کر جیسے قدرے سکون کا سانس لیا تھا۔

''توبہ...... ممی! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں سمجھا ڈیڈی آئے ہیں۔ اب پتہ نہیں کیا خبر لے کر آئے ہیں جو اس انداز میں دروازہ بجا رہے ہیں۔ خیریت ہے......؟''

''خیریت کہاں؟ تمہارے ڈیڈی کا تو کچھ پتہ ہی نہیں چل رہا۔ کب سے نکلے ہوئے ہیں۔ فون تک نہیں آیا۔''

''آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ قاتلہ کی ضمانت کے لیے نکلے ہوئے ہیں اور قتل کی ضمانت کرانا کوئی مذاق بات نہیں ہوتی۔ جائیں آپ آرام سے سو جائیں۔ آ جائیں گے ڈیڈی۔ ہم نے تو ان کے سامنے سر جھکا دیا ہے نا...... اب تو وہ گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ اگر فون پر بات ہو تو بتا دیجیے گا کہ میں گھر پر ہی ہوں، کہیں نہیں گیا۔'' رمیض یہ کہہ کر دروازہ کھلا چھوڑ کر واپس پلٹ گیا اور ایزی چیئر پر بیٹھ کر جھولنے لگا۔ وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اب ماں کے ساتھ بات کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی موضوع نہیں ہے اور وہ اپنی بات ختم کر چکا ہے۔

سبرینہ کمرے کے اندر آ گئیں ''بیٹا! کچھ بھی سہی۔ ظاہری بات ہے پریشانی تو ہوتی ہے نا...... باہر نکلے ہوئے ہیں، پولیس کیس ہے۔ کوئی خیر خبر نہیں۔ میں تو بہت پریشان ہو رہی ہوں۔ میں نے ایک دو دفعہ ٹرائی کی مگر انہوں نے تو اپنا موبائل ہی آف

کیا ہوا ہے۔ اس وجہ سے تو مجھے اور زیادہ پریشانی ہوئی اور میں تمہارے پاس چلی آئی۔'' سبرینہ رمیض کو کہنے لگیں۔

''ممی! آپ ویسے ہی پریشان ہو رہی ہیں۔ ڈیڈی نے موبائل اس وجہ سے آف کیا ہوگا کہ وہ لوگوں سے رابطے کر رہے ہوں گے۔ اتنی ضروری ان کی بات چیت ہو رہی ہے۔ ان کو کہاں فرصت ہے۔ پلیز! آپ آرام سے اپنے کمرے میں جائیں۔ آ جائیں گے ڈیڈی کہیں نہیں جائیں گے'' وہ اب جھنجھلا کر بولا۔

''تمہیں کچھ بھی feel نہیں ہو رہا رمیض۔ اتنا کچھ ہو گیا۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟ تم بھی تو کچھ سوچ رہے ہو گے نا۔ مجھے بتاؤ تم کیا سوچ رہے ہو؟'' سبرینہ دیوانگی میں اس سے باتیں کرنے لگیں۔

رمیض کو ان کی ذہنی حالت پر سچ مچ شبہ ہوا۔ اسے لگا جیسے اس کی ماں کا ذہنی توازن بگڑ رہا ہے۔ ان کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی ہے۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور ماں کو کندھوں سے تھام لیا۔ ''کچھ بھی نہیں ہوگا ممی...... ڈیڈی اُس کی ضمانت کرا کر ہی گھر آئیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اس وقت نشاط افزا کا سب سے بڑا ہمدرد میرا باپ ہے اور وہ بہت با اثر ہے، بارسوخ ہے۔ آپ کو بھی پتہ ہے اور دنیا کو بھی پتہ ہے۔ وہ کچھ نا کچھ کرا کر ہی گھر واپس لوٹیں گے۔ آپ دیکھ لیجیے گا جب وہ گھر میں آئیں گے تو آپ کو یہی خبر سنائیں گے کہ انہوں نے نشاط افزا کی ضمانت کرا لی ہے۔ بس...... آپ پتہ نہیں کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں اور مجھے بھی پریشان کر رہی ہیں۔ پلیز! مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور آپ بھی آرام کریں۔ میں Already بہت Exast ہو چکا ہوں۔ اب نہ مجھ سے کچھ بولا جا رہا ہے اور نہ مجھ میں کچھ سننے کی طاقت ہے۔ خدا کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔'' وہ انہیں دروازے کی طرف لے کر بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سبرینہ بے بس ہو کر خاموش ہو گئیں اور وہ اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔



نیا کئی راتوں سے بے آرام تھی اور آج جب دل کھول کر روئی تو ایسا لگا جیسے ہلکی

پھلکی ہوگئی ہو۔ کروٹ کے بل لیٹتے ہی اسے اُونگھ آ گئی تھی۔ وہ بالکل بے خبر ہوگئی تھی اس لیے کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ اُس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ سمن کو اس نے کئی مرتبہ ٹرائی کیا تھا مگر سمن نے اس کی کال اٹینڈ نہیں کی تھی اور سمن کا کال اٹینڈ نہ کرنا اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی، گال کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ لیا اور چند لمحوں میں اسے اونگھ نے آ لیا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر سوئی تھی اور کتنی دیر اس کی آنکھ لگی تھی۔ اُسے بس یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے دروازے پر دستک دی ہو۔ یہی خیال آیا کہ شاید رات کے کھانے پر کوئی اسے بلانے آ گیا اور ساتھ ہی یہ بھی محسوس ہوا کہ شاید وہ چند سیکنڈ ہی سو پائی ہے۔ وہ بڑی بے دلی سے، بڑی کوفت سے نڈھال انداز میں اُٹھی اور بڑی کمزور آواز میں اس نے پوچھا تھا کون ہے؟ مگر سوال کے بعد جواب نہیں ملا تو وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ آہستگی سے آگے بڑھی اور دیکھنا چاہا کہ آخر دروازے پر وہ کون ہے جو اس کے سوال کا جواب نہیں دے رہا۔

اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا تھا لیکن جھٹکا بڑے زور کا لگا تھا۔ سچ مچ اسے چکر آ گیا تھا۔ اس کے سامنے تو سمن کھڑی تھی۔ اس نے بے یقینی کی کیفیت میں اپنی آنکھیں ملیں جیسے یہ اس کی نظر کا دھوکا ہے۔ کیونکہ دوپہر سے اس کے اعصاب پر سمن سوار ہے اور اس لیے ہر کسی کے چہرے میں اب اسے سمن کا چہرہ دکھائی دینے لگا ہے۔ وہ اسی طرح کھڑی آنکھیں مسلتی رہی، سمن کی طرف دیکھتی رہی۔ اعصاب مفلوج ہو چکے تھے، ٹانگیں سن ہو چکی تھیں، وہ جنبش کرنے کے قابل نہیں تھی۔ سمن چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے خود کو بڑی سی سیاہ چادر میں لپیٹا ہوا تھا۔ پورا وجود اس کا اس چادر میں چھپا ہوا تھا۔ صرف چمکتا ہوا چہرہ چادر سے ظاہر تھا۔ سمن نے ہاتھ بڑھایا نیا خوف زدہ ہو کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

''مجھ سے ڈر رہی ہو؟''

یہ واقعی سمن ہے۔ کیونکہ وہ سمن کی آواز سن رہی تھی۔ اگر چہرے میں کسی اور کا چہرہ نظر آ سکتا ہے تو کیا آواز بھی بالکل ویسی ہی لگتی ہے۔ وہ وحشت زدہ سی ہو کر پھر سے سمن

کی طرف دیکھنے لگی۔ سمن دھیرے سے آگے بڑھی اور اس نے نیا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

''نیا......! میں سمن ہوں۔ اس طرح سے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے؟ کچھ بول کیوں نہیں رہیں؟ تم کیا سمجھ رہی ہو کہ میں تم سے لڑنے آئی ہوں، گلے شکوے کرنے آئی ہوں۔ بے وقوف نہیں تو۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔'' سمن اتنا کہہ کر رُک گئی۔

''کیا اچھا ہوا؟'' سوال ذہن میں اُبھرا لیکن ہونٹوں تک نہیں آیا۔ وہ وحشت زدہ نظروں سے اُسی طرح سمن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سمن نے اس کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں سمیٹا اور اسے لے کر بیڈ کی طرف بڑھ گئی اور بڑی آہستگی سے اسے بیڈ کے کنارے پر ٹکا دیا۔

''نیا......! خود کو سنبھالو۔ تم نے کوئی چوری کی ہے، ڈاکہ ڈالا ہے؟ کیوں گھبرا رہی ہو مجھ سے؟ خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔ مجھ سے بات کرو، میں تم سے بات کرنے آئی ہوں۔'' سمن اس کی ٹھوڑی چھو کر بڑی نرمی سے بات کرنے لگی تھی اور نیا کو اس کی نرمی سے مزید خوف آنے لگا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ سمن حویلی کیسے آ گئی؟ اس کو اندر کس نے آنے دیا؟ یہ تو بے چاری حویلی میں آ ہی نہیں سکتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہو۔ مسلسل اعصاب پر دباؤ رہنے کی وجہ سے اس وقت میری غیر معمولی حسیات جاگ گئی ہوں اور مجھے کچھ کا کچھ دکھائی دینے لگا ہو۔ اُسے مختلف قسم کے شکوک نے آ گھیرا۔ سمن نے اسے ابھی تک اپنے گلے سے لگایا ہوا تھا۔ وہ اسے بڑی نرمی سے تھامے ہوئے تھی۔

''نیا...... پلیز! خود کو سنبھالو۔ مجھے تو جب خالہ جان نے یہ سب کچھ بتایا یقین کرو کہ میں ایک لمحے کے لیے نہیں بیٹھ سکی۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ مجھے پر لگیں اور میں تم تک پہنچوں۔ نیا! تم جتنے عرصے سے سہیل کے نکاح میں ہوں۔ اتنے عرصے سے تم ایک ایسے قید خانے میں بند ہو جس میں اک چھوٹا سے روزن بھی نہیں جہاں سے روشنی کی کوئی کرن یا ہوا کا کوئی جھونکا آ سکتا ہو۔ تم تو دن رات خوف اور اندیشوں میں مرتی رہیں اور میں نے تو یہ عرصہ اس لیے سکون سے گزار لیا کہ مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا اور

جب پتہ چلا تو واقعی ایک لمحے کے لیے تو میرے ذہن نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور میں پتھر بن گئی تھی لیکن قدرت کو شاید ابھی میری موت منظور نہیں۔ اس نے مجھے سنبھال لیا۔ میرے دل میں خیال ڈالا کہ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ اس جگہ پر کسی بھی عورت نے آنا تھا۔ شکر ہے کہ نیا آ گئی۔ یہ تو میری بہت بڑی بچت ہو گئی۔" سمن بول رہی تھی اور نیا چہرہ اُٹھا کر حیرت کی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔

"نیا! یقین مانو میری بہت بڑی بچت ہو گئی۔ سہیل کی زندگی میں تمہارے بجائے اگر کوئی اور عورت آ جاتی۔ جیسے کہ میں سمجھ رہی تھی کہ آ گئی ہے تو دن رات کے یہ اندیشے میری ایک دن جان لے لیتے۔ مجھے ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ سہیل اب پرائے ہوئے، اب پرائے ہوئے۔ جتنا مجھے سہیل پر یقین ہے اتنا ہی بھروسہ مجھے تم پر ہے۔ تم مجھ سے سہیل کو نہیں چھینو گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ یہ سب کچھ بہت مجبوری میں ہوا۔ شاداب کا غائب ہونا، ٹارچر سیل میں پہنچنا، تمہارا بلیک میل ہونا۔ کیا مجھے یہ سب کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا؟ اتنی بھی کوڑھ مغز نہیں ہوں میں۔ کاش! کہ تم مجھے اعتماد میں لے لیتیں۔ کاش کہ تم مجھے کچھ بتا دیتیں اور میں تمہیں اسی وقت ہی ایک گھٹن سے نجات دے دیتی۔ اگر تم انکار کر رہی ہوتیں تو میں تمہارے پاؤں پڑ جاتی کہ نیا مجھے بچا لو۔ دیکھو اگر تمہارے بدلے کسی اور عورت نے میری جگہ پر قبضہ جما لیا تو سہیل تھوڑے دن تک تو شاید میرے رہیں لیکن ہمیشہ کے لیے میرے نہیں رہیں گے۔ اگر آنے والی عورت ان کے بچوں کی ماں بن گئی تو سہیل غیر محسوس طور پر مجھ سے دور ہو جائیں گے۔ کیونکہ کوئی بھی رشتہ اولاد کے رشتے سے زیادہ مضبوط نہیں ہوتا۔ نیا! تم نے تو انجانے میں میری بہت بڑی مدد کر دی۔ اللہ نے میری بہت بڑی مدد کی۔ تم نے مجھے بے موت مرنے سے بچا لیا۔ نیا! تم نے اتنی بڑی قربانی دی ہے اس قربانی کی قدر میرے علاوہ کوئی کر بھی نہیں سکتا۔ اگر مجھے پتہ چلتا کہ بابا صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے تو یقین کرو میں حویلی آ کر تمہارے پاس پہنچتی، تمہارے پاؤں چھو کر تم سے درخواست کرتی کہ نیا تم سہیل سے نکاح کر لو۔ اس لیے کہ مجھے تمہاری دوستی، تمہارے پیار پر اتنا بھروسہ ہے کہ کچھ بھی ہو جائے گا، تم سہیل کے

بچوں کی ماں بھی بن جاؤ گی لیکن سہیل کو مجھ سے ہمیشہ کے لیے کبھی بھی نہیں چھینو گی۔ میں تو اتنے عرصے میں ہزار دفعہ مری، ہزار دفعہ جئی۔ کاش کہ سہیل ہی مجھے بتا دیتے لیکن وہ تو بس...... مجھے ایسے سنبھالتے ہیں جیسے کہ میں Crystel ہوں۔ انہوں نے زندگی میں مجھے اتنا پیار دیا۔ اپنے خاندان سے مجھے عزت دلوائی۔ میری خاطر اپنے خاندان والوں سے، اپنے ماں باپ سے برے بنے۔ اتنا کچھ دینے والے کے لیے کیا میں کچھ بھی نہیں کر سکتی؟ کیا میرا فرض نہیں بنتا کہ میں ایک چاہنے والے شوہر کو خوشیاں دوں۔ اس کو سکون دوں۔ اگر وہ وارث کا حقدار ہے تو اس کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالوں۔ کیونکہ یہ تو اس کا بنیادی حق ہے۔ ہم عورتوں کی تنگ دلی نے بعض سادہ سے مسئلوں کو بھی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہمارے دل بہت چھوٹے اور تنگ ہوتے ہیں۔ ہم غیروں کے لیے قربانیاں بڑی آسانی سے دے دیتے ہیں اور اپنوں کو ہر وقت آزماتے ہی رہتے ہیں۔ ہر وقت اندر سے یہی ڈیمانڈ آتی ہے کہ ان سے ہمیں کچھ نا کچھ ملتے رہنا چاہیے۔ نہیں نیا! یہ تو بڑے غیر فطری رویے ہیں۔ یقین کرو جب سے مجھے پتہ چلا تھا کہ سہیل کی زندگی میں دوسری عورت آ گئی ہے میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ میں رات کو پوری نیند نہیں سوئی۔ ہاں! جب مجھے لندن سے سہیل کا فون آیا تا کہ وہ لندن پہنچ چکے ہیں اس رات میں بہت سکون سے سوئی۔ پتہ نہیں مجھے اتنا سکون کس وجہ سے ملا تھا۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ مجھے اس وجہ سے وہ سکون محسوس ہوا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ نئی آنے والی عورت سہیل کے پاس نہیں ہے۔ اُف میرے خدایا! یہ کیسی آگ ہے، یہ کیسی آنچ ہے جو عورت کو اتنا بے کل رکھتی ہے۔

نیا! تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟ میں ہی بولے جا رہی ہوں۔ تمہیں پتہ ہے کہ جب میں حویلی کے گیٹ پر آئی تو مخدوم صاحب کے ہرکارے دوڑے ہوئے اندر گئے اجازت لینے کے لیے کہ میرے لیے گیٹ کھلنا چاہیے یا نہیں؟ اور میں بھی یہ سمجھ رہی تھی کہ گیٹ کھلوانے کے لیے مجھے بڑی جدوجہد کرنا پڑے گی۔ پتہ نہیں کیا کچھ سننا پڑے گا لیکن حیرت ہوئی کہ مخدوم صاحب خود گیٹ تک آئے اور انہوں نے گیٹ کھولنے کا حکم دیا۔

میں اندر آئی اور میں نے بابا سائیں کو سلام کیا اور انتظار کرنے لگی اب وہ مجھ پر برسیں گے اور لعن طعن کریں گے لیکن بابا سائیں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ تو نے دل بڑا کیا ہے۔ سہیل کو کسی اور عورت کے پاس جانے کی اجازت دی ہے۔ ہم تجھے کیوں بے عزت کریں گے لیکن بس تو یہ یاد رکھنا کہ حویلی کی مالکن تو وہی ہے جو حویلی کو وارث دے گی۔ باقی ہمیں اس سے کوئی شکایت ہے نہ گلا اور نہ تیرے ساتھ کوئی جھگڑا۔ تو اس حقیقت کو قبول کرلے اور جس جگہ بیٹھی ہے اس جگہ آرام سے بیٹھی رہ۔ ہمارا حال احوال پوچھنے آنا ہے، ہماری دعا لینی ہے تو ہم تیرے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ تیرے اُوپر حویلی کے دروازے بند نہیں کریں گے۔''

نیا نے اب خاصی دیر بعد پلکیں جھپکیں۔ مخدوم صاحب نے جو کچھ سمن سے کہا اس سے اس کے دل کو ایک عجیب سا حوصلہ ملا۔ چلو اتنا تو پتہ چلا کہ سمن کے ساتھ اس حویلی میں دھتکاری ہوئی عورت کا سا سلوک نہیں ہوگا۔ اسے اس کا حق دیا جائے گا، چاہے کم ہی سہی اس سے اس کا حق اور مرتبہ تو نہیں چھینا جائے گا۔ وہ سہیل کی بیوی ہے اسے سہیل کی بیوی رہنے کی اجازت ہے۔ نیا نے جانے کتنی دیر بعد رُکی ہوئی سانس اپنے سینے سے خارج کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، اس نے سمن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''سمن وقتی طور پر دل بڑا تو کرلیا ہے لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں۔ چلو وہ جو ایک تلوار سر پہ لٹکی رہتی تھی اس سے تو جان چھوٹی۔ یہ تو میں بھی سوچتی تھی اور یقیناً سہیل بھی سوچتے ہوں گے کہ حقیقت زیادہ دیر تک چھپائی نہیں جاسکتی۔ قدرت خود حقائق کو آشکار کرنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔ گناہ کی باتوں پر تو قدرت نے پردہ ڈالنے کا کہا ہوا ہے لیکن ہم نے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ سبھی ایک دوسرے کے لیے جیسے قربانیاں دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ چند خود غرض لوگوں کی وجہ سے قربانیاں دینے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ قدرت نے تو شاید ہم پر رحم کردیا۔ سمن تم نے بڑی ہمت کی۔ شہداد پور سے اکیلی آگئیں؟''

''اکیلا تو بس...... پیدل کا راستہ ہو تو کھلتا ہے۔ جب سواری میں بیٹھ گئے تو پھر سو پچاس آدمی کے ساتھ ہی ہوتے ہیں اور جب بندہ کچھ ٹھان لے تو اس کے اندر کوئی خوف، کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ عجیب سی بے باکی اس کے اندر پیدا ہوجاتی ہے اور وہ فیصلہ کن ہوجاتا ہے۔ فیصلہ کن ہوتے ہی سارے اندیشے دم توڑ دیتے ہیں، سارے خوف بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے سوچا میں تم سے اگر فون پر بات کروں گی تو بس گھنٹے بھی بات ہوتی رہے گی تو بات ادھوری رہے گی۔ میں تو تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کروں گی۔ میں تو تمہیں گلے سے لگا کر بات کروں گی۔

نیا! تم نے شاداب کے لیے...... اپنی ماں کے لیے قربانی دی تھی نا لیکن انجانے میں تو یہ قربانی تم نے میرے لیے دی ہے۔ تم نے مجھے روز روز کی موت سے بچالیا ہے۔''

سمن اس کا گال چھو کر بڑے پیار سے کہہ رہی تھی۔

''یہ تو تم ابھی سوچ رہی ہو سمن۔ اس لیے کہ تم نے سہیل کو میرے ساتھ بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''اور دیکھوں بھی نہیں۔'' سمن نے فوراً بات کاٹ دی تھی۔ ''میں تو حویلی بس تمہیں ملنے کے لیے آؤں گی۔ کبھی کبھی جب میرا دل چاہے گا اور پھر جب تمہاری گود میں کوئی پھول کھلے گا تو میں تمہیں مبارک باد دینے کے لیے آؤں گا۔ میں تمہارے دن رات دیکھنے کبھی نہیں آؤں گی کہ وہ سہیل کے ساتھ کیسے گزر رہے ہیں۔ اب دیکھو نا تم اتنا کچھ سہہ رہی ہو، اتنی بڑی بڑی قربانیاں دے رہی ہو اور سہیل برابر مجھے کہے جارہے ہیں کہ صرف میں ان کے دل میں ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوگا زیادہ دیر تک ایک دن تم بھی ان کے دل میں ہوگی۔ کوئی اپنی قربانی کی وجہ سے کسی کے دل میں جگہ بنالیتا ہے۔ کوئی اپنی محبتوں کی وجہ سے کسی کے دل میں جگہ بنالیتا ہے۔ دل تو کئی لوگوں کا ٹھکانا بن سکتا ہے۔ مختلف وارداتیں ہوسکتی ہیں اور پھر کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ دل میں چپکے سے آ جانے والے لوگ کب دل پر قبضہ بھی جمالیں۔ اگر کسی دن سہیل کے دل پر تمہارا قبضہ ہو بھی گیا تو وہ کون سا مجھے بتائیں گے۔ میں تو یہی سمجھتی رہوں گی نا کہ سہیل صرف میرے

ہیں۔ کیا ہو گیا لوگ اتنے دکھ اُٹھا رہے ہیں۔ اتنے دکھ سہہ کر جی رہے ہیں۔ میں خود کو دھوکہ دے کر جی لوں گی۔'' سمن بولتے بولتے رک گئی تو نیا نے محسوس کیا کہ وہ جان بوجھ کر رُکی ہے۔ کیونکہ اس کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب آنے لگا تھا۔

نیا نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو سمن نے نظریں چرا لیں۔ نیا کی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہ سمن کے آنکھوں کے گوشوں کو بھیگتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ، بے اختیار سمن کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

''سمن......! سنا تو یہی ہے کہ دو عورتیں ایک دوسرے کی کتنی بھی ہمدرد ہوں، کتنی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہوں۔ اگر کسی ایک مرد کی بیویاں بن جائیں تو رشتہ خلوص باقی نہیں رہتا اور دونوں کے درمیان ایک کبھی نہ مٹنے والی لکیر کھنچ جاتی ہے۔ لیکن دیکھتے ہیں......''

''اب یہ تو سہیل پر بھی ہے نا کہ وہ اپنے ایک اکلوتے دل میں ہم دونوں کو کس طرح سے ٹکائیں لیکن فی الحال میرے سامنے تو دور تک اُجالا ہے۔ میرے تو سارے اندیشے ہی ختم ہو گئے۔ میں بالکل پُرسکون ہو گئی ہوں۔ واقعی مجھے لگ رہا ہے کہ میرا بٹوارہ نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ اب مجھے مزید ذلتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور سہیل ہمیشہ کے لیے میرے ہو چکے ہیں۔ اب میں چلوں گی۔'' سمن اتنا کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نیا نے کس کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اس وقت......اس وقت جاؤ گی تم؟''

''ہاں......تو کیا ہوا؟ آئی بھی تو ہوں نا اندھیرے میں اکیلی۔ جا بھی سکتی ہوں۔ میں صرف حویلی والوں کو یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ انہیں مجھ سے کسی قسم کا کوئی خوف محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ اب حویلی میں میری وجہ سے فساد نہیں ہو گا۔''

''نہیں نہیں...... میں تو ہرگز تمہیں اس وقت نہیں جانے دوں گی۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جانا ہی ہے تو صبح چلے جانا۔ کیا میرے ساتھ چند گھنٹے گزارنا بہت مشکل لگ رہا ہے؟'' نیا نے بڑے معنی خیز لہجے میں اُس سے کہا۔

دل کے بوجھ ہٹے تو تھے لیکن کچھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اب اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ حادثے پر حادثہ پھر سب سے بڑا حادثہ۔ وہ ایک قیامت جس کے برپا ہونے نے زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔ آ کر گزر بھی گئی تھی۔ اب تو خوف ہی ختم ہو گیا تھا۔ بس ایک مرحلہ تھا جب سہیل کو پتہ چلنا تھا کہ اب کوئی راز راز نہیں رہا۔ سارے پردے اُٹھ چکے ہیں اور سمجھوتوں پر سمجھوتے ہو رہے ہیں۔

''نہیں نیا......! میں نہیں رُکوں گی۔ میری ایک اپنی آپ سے بھی کمٹ منٹ ہے اور حویلی والوں سے بھی۔ مگر میں آتی رہوں گی۔ کیونکہ تمہارے ہوتے ہوئے اب مجھے یہ خوف تنگ نہیں کرے گا کہ حویلی پر میرا حق نہیں ہے۔ میں اس حویلی میں ہمیشہ آؤں گی ایک حقدار کی حیثیت سے آؤں گی لیکن بس اب مجھے جانے دو۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سمن...... کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔''

''سوال پیدا ہوتا ہے نیا...... سن تو لو نا کہ ہوا کیا ہے؟''

''کچھ اور بھی ہوا ہے؟ یا اللہ! رحم کرنا۔'' نیا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''میں تمہارے پاس آنے سے پہلے کافی دیر اوطاق میں بابا سائیں کے ساتھ بیٹھی ہوں اور ان سے میری اس طرح کی بہت سی باتیں ہوئی ہیں کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بڑی شفقت سے میرے سر پر کئی مرتبہ ہاتھ بھی رکھا۔ میں نے بابا سائیں سے کہا کہ بابا سائیں! میں نیا سے مل کر واپس چلی جاؤں گی۔ انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ صبح چلی جانا۔ مگر میں نے کہا نہیں میں بس اچانک آ گئی تھی۔ آئندہ آؤں گی تو بتا کر آؤں گی۔ بی بی جان سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے تو خواہش ظاہر کی تھی بابا سائیں سے کہ میں بی بی جان کو سلام کرنا چاہتی ہوں لیکن انہوں نے مجھے روک دیا۔ کہنے لگے تیری بی بی جان کو پہلے ہم سنبھالیں گے پھر تیری بات کرائیں گے۔ تو غم نہ کر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تو ٹھیک ہے تو آگے سب ٹھیک ہوتا چلا جائے گا۔ پھر مجھ سے کہنے لگے کہ تو ہماری بہو ہے۔ ہم نے تجھے دھتکارا نہیں ہے۔ ہم تو صرف تجھ سے ایک ہی مطالبہ کر رہے تھے کہ تو سہیل کو دوسری شادی کی اجازت دے دے۔ جو تو نے

دے دی۔ ہمارا تیرا جھگڑا تو ویسے ہی ختم ہو گیا۔ ہم تجھے بسوں میں دھکے نہیں کھلائیں گے۔ تو ہماری بہو ہے تجھے میرا ڈرائیور اس حویلی کی سب سے مہنگی جیپ میں بٹھا کر تجھے تیری منزل تک چھوڑ کر آئے گا اور تو جب مرضی اس حویلی میں آ جا تجھے کوئی نہیں روکے گا۔'' سمن ایک سرخوشی کی کیفیت میں نیا کو بتا رہی تھی اور نیا اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اتنے بڑے بڑے معجزے ہو گئے۔ کمال ہی ہو گیا۔

''نیا......!'' سمن نے ایک قدم بڑھایا پھر رُک گئی اور نیا کو مخاطب کیا۔ نیا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''نیا......! بہت ممکن ہے کہ ہمارے درمیان ایسا وقت بھی آئے کہ سہیل کے معاملے پر ہمارے اندر فطری طور پر جذبہ رقابت پیدا ہو لیکن اس لمحے میں تم بھی خود کو سنبھالو گی اور میں بھی۔ دیکھو! یہ سفر کچھ اسی طرح سے ہی کٹ پائے گا۔ میں تو تمہاری قربانیوں کو سلام کرنے آئی تھی۔ نیا! تم نے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ نیا! تم تو میری ہمیشہ کی خوشیوں کی ضمانت ہو۔'' سمن جو جانے کے ارادے سے آگے بڑھ رہی تھی، پھر پلٹی اور آگے بڑھ کر نیا کو گلے سے لگا لیا۔ دونوں کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

بے بسی اور تنہائی کے ان لمحوں میں سبرینہ کو نمو کی یاد شدت سے آئی اور ساتھ ہی یہ خیال بھی کہ نمو نے جانے کے بعد ان کو اپنے پہنچنے پر ایک مختصر سا فون تو کیا تھا پھر کوئی بات نہیں کی۔ نئے دن کی دوسری رات شروع ہو چکی تھی۔ آج سارا دن اور ابھی تک نمو کا فون نہیں آیا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ جو کچھ کل رات سے اب تک ہوا ہے وہ نمو سے شیئر کروں۔ دیکھیں نمو کیا کہتی ہے۔ انہوں نے یہ سوچ کر نمو کو فون ملا لیا تھا۔

نمو اس وقت شاید کچن میں تھی اور اس کا انداز بڑا مصروف سا تھا۔ ان کو ایک گونہ سکون محسوس ہوا کہ نمو کو اس گھر میں فی الوقت ایسی کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ورنہ وہ اس وقت کچن میں مصروف ہونے کی بجائے کسی کونے میں Depressed بیٹھی ہوئی ہوتی

اور اس کی باتوں میں Depretion کا تاثر جھلکتا۔ وہ تو بالکل نارمل انداز میں باتیں کر رہی تھی اور ان کی خیر خیریت پوچھ رہی تھی۔

انہوں نے نمو سے کہا ''بہت ساری خاص خبریں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ تم گھر کب آؤ گی؟''

نمو بڑی حیران ہوئی تھی۔ ''ممانی جان! خاص خبریں؟ اللہ کرے اچھی خبریں ہوں۔ تو آپ فون پر ہی سنا دیں نا۔ آنا جانا تو ہوتا رہے گا۔ وہ تو میں آتی رہوں گی۔ وہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن اب جبکہ آپ نے خاص خبروں کا ذکر کر دیا ہے تو پھر یہ رات کیسے کٹے گی؟ ساری رات مجھے بے چینی رہے گی کہ وہ کون سی خاص خبریں ہیں۔ بس اچھا پہلے یہ تو مجھے بتا دیجیے کہ وہ اچھی خبریں ہیں نا؟''

نمو کی یہ بات سن کر سبرینہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں۔ کیونکہ ابھی تک ان خبروں کو انہوں نے بھی کوئی نام نہیں دیا تھا۔ خبریں بس خبریں ہی تھیں۔ انہوں نے نمو کو اس وقت پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہہ دیا ''ہاں......! اچھی ہی سمجھ لو، بری نہیں ہیں۔''

''پکی بات......؟'' نمو نے پوچھا۔

''ہاں...... پکی بات۔''

''اور رمیض بھائی ٹھیک ہیں؟ ان کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' نمو رمیض کا حال احوال پوچھنے لگی۔ کیونکہ اسے تو کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ اس کے وہاں ہوتے ہوئے ہی ایک حادثہ ہوا تھا اور نشاط افزا وہاں آئی تھی۔ وہ تو اپنی ٹینشن میں تھی اور جلد سے جلد وہاں سے نکل کر ولید کے پاس آنے کے لیے بے چین تھی۔ اس گھر میں نشاط افزا کی موجودگی کا نمو کو پتہ نہیں چلا تھا۔ نشاط افزا کو نمو کے سامنے نہیں لایا گیا تھا اور نمو انجم علوی کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی اور کسی چور دروازے سے وہاں سے فوراً بھاگ جانا چاہتی تھی۔

''پھر بھی کچھ بتائیں تو سہی......؟''

''وہ تمہارے رمیض بھائی کا نکاح کر دیا ہے ہم نے۔''

''ہیں......! کیا کہہ رہی ہیں۔ پھر کسی کو پکڑ لائے تھے کیا؟'' نمو نے مذاق کیا۔

''نہیں وہ کسی کو نہیں پکڑ کے لایا تھا۔ بس تمہارے ماموں نے کسی کو پکڑ کر اس کا نکاح کر دیا۔''

''ہائے اللہ......! کسی کو بھی پکڑ کر......'' نمو کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ''ایسے کیسے ہو سکتا ہے ممانی جان...... آپ مذاق نہیں کریں۔ پلیز! مجھے بتائیں نا...... کیا ہوا ہے؟ اصل بات کیا ہے؟''

''اصل بات یہی ہے نمو بیٹا کہ رمیض کا نکاح ہو گیا ہے لیکن ابھی انشاء اللہ تعالیٰ تقریب باقی ہے۔ ولیمہ ریسپشن ہم دیں گے۔ بہت ساری باتیں ایسی ہیں بیٹا جو میں تمہیں فون پر نہیں بتا سکتی۔ تم آ ؤ گی تو پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔''

''ارے واہ......! اتنی اچھی خبر سنائی آپ نے...... یہ تو بہت ہی اچھا ہو گیا لیکن ممانی جان! کیا میں اس قابل بھی نہیں تھی کہ نکاح میں شریک ہو جاتی؟'' اب نمو نے اُداس ہو کر شکوہ کیا۔ اسے ایک دم احساس ہوا کہ اتنا بڑا Event ہوا اور کسی نے اسے پوچھا تک نہیں۔

''نہیں بیٹا......! بات صرف اتنی ہے کہ نکاح بہت ایمرجنسی میں ہوا اور کل رات ہوا اور نکاح سے کئی گھنٹے پہلے تک گھر میں کسی کو بھی نہیں پتہ تھا کہ آج رات رمیض کا نکاح ہو جائے گا۔''

''کس سے ہوا ہے؟ کون ہے؟ کیسی ہے؟''

''اچھی ہے...... بہت خوبصورت ہے۔ خیر وہ تو تم دیکھ ہی لو گی۔ اب میں تمہیں کیا سناؤں اور کیا بتاؤں؟ تم کون سا اتنی دور ہو کہ آ نہ سکو۔ کسی وقت ٹائم نکال کر آ جانا اُس سے بھی مل لینا۔''

''مل لینا......!!'' نمو کو حیرت کا جھٹکا لگا ''کیا رُخصتی بھی ہو گئی......؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں...... رُخصتی بھی ہو گئی۔ بس ہونے والے سارے کام ہو ہی گئے۔ فی الحال تو بس اتنا ہی بتا سکتی ہوں۔ میں نے تو یہ دیکھنے کے لیے فون کیا تھا کہ کیا تم کل آ سکو گی؟

تمہارا آنا ممکن ہو گا؟''

''ہاں ہاں...... اب تو مجھے ایک بے چینی لگ گئی ہے۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ ابھی اُڑ کر پہنچ جاؤں۔'' نمو بڑے پر جوش انداز میں بولی۔

''ولید کیسا ہے؟'' سبرینہ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہیں ممانی جان...... آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ممانی جان! بس اب تو جی کر دکھانا ہے اور جو خود کو مارنے پر تلے ہوئے ہیں ان کو زندگی کی طرف لوٹانا ہے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے ہمت دے اور مجھ پر ایسی آزمائش نہ ڈالے جو میری طاقت سے زیادہ ہو۔'' نمو اب سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''آمین......'' سبرینہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

وہ بڑی عجیب Situation میں پھنسی ہوئی تھیں۔ دل تڑپ رہا تھا کہ کسی طرح نمو کو سب کچھ بتا دیں لیکن پتہ نہیں کچھ ایسا تھا جو آڑے آ رہا تھا ان کو بولنے سے روک رہا تھا۔ اب وہ نمو کو یہ کیسے بتاتیں کہ جو ان کی بہو بنی ہے ابھی وہ پولیس کی حراست میں ہے۔ جب وہ گھر آ جائے گی تو میں تمہیں بلواؤں گی اور تمہیں اس سے ملواؤں گی۔ یہ سب کچھ کہنا اتنا آسان نہیں تھا۔ حالانکہ جب انہوں نے فون کیا تھا تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نمو کو سب کچھ بتا دیں گی لیکن جب بات شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ جو بات وہ بتانے کے لیے بے تاب ہو رہی تھیں وہی بات تو سب سے زیادہ مشکل ہے بتانا۔

''اچھا بیٹا......! خدا حافظ۔ کوشش کرو کہ کل تم سے ملاقات ہو جائے۔ گھر میں سب کو میرا اسلام کہنا۔ ولید کو بھی...... اور بیٹا اپنا خیال رکھنا'' سبرینہ نے معمول کے انداز میں تکلفات نبھانے والی باتیں کیں اور فون بند کر دیا اور نئی سوچ میں ڈوب گئیں۔ ان کا رواں رواں دعا کر رہا تھا ''یا اللہ! عزت رکھ لینا۔''

☆☆☆☆☆

رمیض بڑی گہری نیند میں تھا۔ اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ لوگ سوتے ہوئے موبائل کو Vibration پر ڈال دیتے ہیں اور وہ اس کے اُلٹ کرتا تھا۔ یعنی جب تک جاگتا رہتا تھا اس کا موبائل Vibration پر ہوتا تھا اور جب سونے لگتا تھا تو Ring tone آن کر دیتا تھا۔ کیونکہ ایک تو اس کو ہر وقت یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کوئی اہم کال مس نہ ہو جائے اور وہ اہم کال کیا ہو سکتی تھی یہ تو شاید اسے خود بھی نہیں پتہ تھا۔

اُس نے آنکھیں کھولے بغیر اُٹھایا اور کان سے لگالیا۔ دوسری طرف نمو تھی۔

''السلام علیکم! چھپے رُستم'' نمو کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

اب اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ نمو کی شوخی اور نمو کا انداز اُسے اُلجھانے لگا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟ زندہ ہو یا مر چکی ہو؟''

''ہاں...... مر چکی ہوں۔ اس وقت عالم بالا سے بات کر رہی ہوں مگر یہاں ایک مسئلہ ہے۔ نیٹ ورک میں زیادہ تر Error ہی آیا رہتا ہے۔ اگر میری بات بیچ میں کٹ جائے یا لائن ڈراپ ہو جائے تو پلیز آپ میرے نمبر پر کال کر لیجیے گا۔''

''تم اپنا موبائل ساتھ لے کر گئی ہو۔ عالم بالا والے تو تمہیں بڑی حیرت سے دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ موبائل والا مردہ کہاں سے آ گیا۔'' رمیض نے بھی اس کی شوخی کے جواب میں شوخی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اس وقت واقعی بار بار نازل ہونے والے ڈپریشن سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور نمو کی آواز کی شوخی سے اُس کو بہت ڈھارس ملی تھی۔

''بہت بہت مبارک ہو۔ اکیلے اکیلے نکاح کر لیا کسی کو بتایا بھی نہیں۔''

''اوہ...... کیوں دل دکھا رہی ہو؟ گناہ ملتا ہے۔ بڑی ملانی بنتی ہو۔ دنیا میں سب سے بڑا گناہ دل دکھانا ہے۔ سمجھ آئی بات؟ عبادت گاہوں کو ڈھانے سے اتنا گناہ نہیں ملتا جتنا گناہ کسی کا دل دکھانے سے ملتا ہے۔ دل دکھانے سے بھی اور دل توڑنے سے بھی۔''

''پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟ اور زیادہ پوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھے ممانی جان سے سب پتہ چل گیا ہے۔''

''سب پتہ چل گیا ہے؟'' اب رمیض ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ''کیا پتہ چل گیا ہے۔''

''یہی کہ ماموں نے آپ کو کان سے پکڑ کر آپ کا نکاح پڑھوا دیا ہے۔ اچھا ہوا آپ کو باندھ دیا۔ توبہ...... آپ نے بھی تو حد کر دی تھی۔ آزادی کو لوگ انجوائے کرتے ہیں لیکن اتنا بھی نہیں جس طرح کہ آپ کر رہے تھے۔ میں نے تو بھئی سکون کا سانس لیا ہے کہ شکر آپ بھی کسی بندھن سے بندھے، کسی کھونٹے سے لگے۔''

''کھونٹے سے لگتے نہیں ہیں بندھتے ہیں۔ بندھن سے بھی بندھتے ہیں اور کھونٹے سے بھی بندھتے ہیں۔'' رمیض نے اسی آف موڈ میں Correction کی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اب وہ اپنے دل کی بھڑاس نمو کے سامنے نکال دے اور بتا دے کہ اس کے لاڈلے ماموں نے اس کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے لیکن مسئلہ پھر یہی تھا کہ وہ کہاں سے بات شروع کرتا اور کہاں پر بات ختم کرتا۔ یہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بات شروع کرے گا تو امر یکی زنبیل ہی کھول ڈالے گا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے گی۔

''تم کب آؤ گی؟''

''کیوں؟ اب آپ کو میرا کیوں انتظار ہے؟ آپ کو اتنی فرصت ملے گی کہ آپ مجھے ٹائم دیں، مجھ سے بات کریں، میرا مذاق اُڑائیں، مجھ پر پھبتیاں کسیں۔'' نمو نے اس کو چڑایا۔

''یار! آ جاؤ دو چار گھنٹے کے لیے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ بہت ساری باتیں کرنا ہیں''

''لینگویج۔ اب میں شادی شدہ ہوں۔ میرے میاں کے سامنے اس طرح کی لینگویج استعمال کرنے سے پرہیز کیجیے گا۔'' نمو نے فوراً ٹوکا۔

''اوہ ہاں...... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم ایک خبطی انسان کی بیوی بن چکی ہو۔ پتہ نہیں کیا ہے وہ شخص مجھے تو بہت ہی عجیب لگتا ہے۔ بلکہ میں تو تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں بھئی! تم ایک ایسے شخص کے ساتھ رہتی ہو تمہیں تو ٹرافی ملنی چاہیے۔ ہر وقت ہی جیسے

وہ آگ پر ہی بیٹھا رہتا ہے۔ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔"

"ہوں...... یہی شکایت ان کو آپ سے ہے۔ مجھ سے پوچھتے ہیں وہ تمہارا کزن + بھائی سیدھے منہ بات کیوں نہیں کرتا؟ اسی لیے میرا وہاں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

"اچھا بات سنو......! تم آ جاؤ۔ پرومس...... میں تمہارے میاں کو گلے سے لگا کر بات کروں گا۔" رمیض واقعی نمو کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا تھا۔ ایک عجیب سی جھنجھلاہٹ اس پر طاری تھی۔ اس جھنجھلاہٹ کے ساتھ ساتھ بے بسی کا عالم بھی عجیب تھا۔ کوئی نہیں تھا جو اس کے مسئلے کو سمجھتا۔ اس کے ساتھ شیئر کرتا۔ اس کو تسلی دیتا۔ اس کو کوئی ایسی بات کہتا جس سے اس کے ذہن کو سکون ملتا۔ آگے کے لیے بھی اچھی اُمید جاگتی۔

"تو پھر آ رہی ہو نا صبح کو؟"

"کوشش کروں گی۔ اس لیے کہ اب میں ولید کے بغیر کہیں بھی جانا نہیں چاہتی۔ چاہے وہ میرا میکہ ہی کیوں نہ ہو؟"

"کیوں اس نے تم پر کیا پابندی لگائی ہے؟ وہ ہوتا کون ہے تم پر پابندی لگانے والا؟"

"پھر وہی...... لینگویج۔ وہی تو سب کچھ ہوتا ہے۔ میرا شوہر ہے اور جناب اب آپ بھی شوہر بن گئے ہیں۔ دیکھتی ہوں پابندیاں لگاتے ہیں یا کھلی چھٹی دیتے ہیں۔ ابھی چند دنوں میں ہی آٹے دال کا بھاؤ پتہ چل جائے گا۔ ملتی ہوں کل آ کے بھابی جان سے۔"

"بھابی جان......! ہونہہ...... بھابی جان ہوں گی تو ملو گی نا؟"

"ہیں..... کیا مطلب؟" نمو چونک پڑی "ممانی جان تو کہہ رہی تھیں کہ تمہیں ملواؤں گی تم آ نا...... کہیں گئی ہوئی ہیں کیا؟" نمو نے سوال کیا۔

"بہت خطرناک جگہ گئی ہوئی ہے۔ آپ کے ماموں جان گئے تو ہیں ان کو کالی پانی سے چھڑانے۔ اب دیکھیے ہوتا کیا ہے۔ ابھی تک تو کوئی خاص خبر نہیں آئی۔"

"کالا پانی......؟"

"اچھا چھوڑو...... میرے منہ سے کچھ ایک جملہ بھی نکل گیا تو پھر مجھے پتہ ہے اس کے بارے میں مجھے سارا اخبار پڑھ کر سنانا ہوگا اور تم وہاں بیٹھ کر میرا دماغ کھا جاؤ گی۔ سامنے آ کر بیٹھو گی تو پھر بات ہوگی۔ خدا حافظ" رمیض نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور دوبارہ سے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر نیند تو موقع ملتے ہی جیسے رسی تڑوا کر بھاگ گئی تھی۔ اسے طرح طرح کے خیالوں نے پھر آن گھیرا۔ سب سے پہلا خیال تو یہی آیا کہ انجم علوی ابھی تک گھر آئے ہیں یا نہیں آئے؟ اگر آ گئے ہیں تو کیا نشاط افزا ضمانت کے بعد رہا ہو کر ان کے ساتھ آ گئی ہے؟ یا ابھی کارروائی Process میں ہے۔ وہ اپنا سر جھٹک جھٹک کے اپنے حساب سے خیالات جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر جتنا زیادہ سر کو جھٹکتا تھا خیالات اتنی ہی شدت سے اسے اپنی گرفت میں لے لیتے تھے۔ اس نے سر کے نیچے سے تکیہ نکالا اور اپنے سر کے اُوپر رکھ کر زور سے دبایا۔ یوں لگا جیسے وہ خیالات کے سگنل کو اپنی طرف آنے سے روک رہا ہو۔

☆☆☆☆☆

"چلو شکر ہے کہ بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا اور اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں کہ اللہ نے حویلی میں تمہارے پاؤں جمانے کا بندوبست کر دیا۔ اس لیے کہ وارثوں کی تمنا میں ہر وقت پریشان رہنے والے مخدوموں کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے اور میرے لیے بھی کہ میری بیٹی کو پاؤں کے نیچے زمین میسر آ گئی ہے اور حویلی سے اس کا رشتہ اتنا مضبوط ہونے والا ہے کہ بس...... کہ سارے اندیشے اپنی موت آپ مر جائیں گے اور سب سے بڑھ کر تم نے جو خوشخبری مجھے سنائی ہے۔ اس میں میرے لیے ایک بات بہت سکون والی ہے کہ شاداب جو ہر وقت حویلی والوں کے خلاف زہر اُگلتا رہتا ہے، انگارے چباتا رہتا ہے۔ جب اسے یہ پتہ چلے گا تم حویلی کے حوارث جنم دینے والی ہو تو اس کی سوچ میں بہت تبدیلی آئے گی۔ اس لیے کہ اب حویلی میں صرف مخدوم اور مخدوم صاحب کی بیگم نہیں ہوگی۔ اس حویلی میں اس کی بہن اور اس کی بہن کی اولاد بھی ہوگی۔

مجھے اُمید ہے بلکہ یقین ہے کہ اب وہ شعلوں کو ہوا دینے کے بجائے ضرور عقل سے کام لے گا۔ اب اتنا بھی بچہ نہیں ہے۔ جذبات کی تند آندھی کتنی ہی تباہ کن کیوں نہ ہو۔ آخر کار ایک دن اُترنا ہوتی ہے۔ شاید یہ آنے والی نئی زندگی شاداب کے اندر ایک نئی روح پھونک دے۔ اس کی سوچ کو بدل ڈالے۔ آمین......" بانو بیگم بہت عرصے بعد آج بہت پرسکون ہو کر نیا سے بات کر رہی تھیں۔

دو خوشخبریاں ایک ساتھ ملی تھیں۔ ایک تو یہ کہ سمن نے کچھ سہنے کا عزم کر لیا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ بہت جلد نانی بننے والی ہیں۔ ان کو نانی بننے کی خوشخبری اتنی جلدی ملنے کی اُمید نہیں تھی۔ یہ واقعی بہت خلاف توقع خبر تھی۔ اس خبر کے اندر تو بہت سکون تھا۔ بہت سے لوگوں کے لیے سکون تھا۔ خاص طور پر شاداب کو اب ہینڈل کرنا آسان نظر آ رہا تھا۔ نیا ماں کی باتیں بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

"ٹھیک ہے امی میرے لیے تو یہی بہت ہے کہ مجھ سے وابستہ ہر رشتہ سکون سے جیے۔ میں کسی کے سکون کے لیے جو کچھ کر سکتی ہوں کر جاؤں۔ امی...... ایک انسان کی زندگی ضروری تو نہیں ویسی ہی ہو جیسی کہ اکثر لوگوں کی ہوتی ہے۔ کوئی انسان سب سے الگ بھی تو ہو سکتا ہے۔ کسی انسان سے اللہ تعالیٰ خاص کام بھی تو لے سکتا ہے۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ شاید مجھے بنایا ہی اسی لیے گیا تھا کہ میری ذات سے کچھ لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے۔ کچھ لوگوں کو ریلیف مل جائے۔ میں خالی نہیں ہوں امی......! اس لیے کہ دینے والے کبھی اپنے آپ کو خالی محسوس نہیں کرتے۔ جن لوگوں کو دینے کی عادت پڑ جائے انہیں ہر وقت اپنا برتن بھرا ہوا محسوس ہوتا ہے۔" اس سے قبل کہ نیا کا دل بھر آتا اور اس کے آنسوؤں میں رندھی ہوئی آواز ماں کے کانوں تک جاتی اور ماں تڑپ جاتی۔ اس نے بہت آہستہ سے خدا حافظ کہہ کے ریسیور رکھ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

"تم مجھے یہ سمجھانا چاہ رہے ہو کہ غلطی میری ہے۔ میں نے جذبات میں آ کر ایک ایسا قدم اُٹھایا تھا جس کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کی زندگی مشکل میں پڑ گئی ہے لیکن

یار! تم اپنے آپ کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ ایک شخص جس نے ایک لڑکی سے محبت کی شادی کی ہو۔ اس کو بے انتہا چاہا ہو، اس پر اندھا اعتبار کیا ہو اور اچانک کسی طرح سے یہ پتہ چلے کہ میں نے اسی لڑکی کے ہاتھوں زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ کھایا ہے تو مجھے یہ بتاؤ کیا کسی انسان کی ذہنی حالت اس کے کنٹرول میں رہ سکتی ہے؟ اتنا بڑا دھچکا اُٹھانے کے بعد کوئی انسان اپنا توازن قائم رکھ سکتا ہے۔ کیا وہ اتنی گنجائش نکال سکتا ہے کہ وہ Investigation کرے، چھان بین کرے، سچ اور جھوٹ کو الگ کرنے کے لیے محنت کرے۔ یار! بیوی کے معاملے میں ہر انسان بہت حساس ہوتا ہے۔ چاہے کم کمانے والا ہو یا زیادہ، چاہے غیرت مند ہو یا بے غیرت لیکن بیوی کے معاملے میں ہر مرد بہت Touchy ہوتا ہے، بہت حساس ہوتا ہے۔" وقار بہت کرب سے سر جھکائے اسد سے باتیں کر رہا تھا جو اس کو ساری صورتحال بتا چکا تھا اور اس کو Force کر رہا تھا کہ وہ ابھی اُٹھ کر اسی وقت جائے اور ماہ رُخ سے معافی مانگے۔

"تمہیں معافی مانگنے کا عمل بہت کٹھن لگ رہا ہے شاید وقار...... لیکن معافی ایک ایسا عمل ہے جس سے انسان میں دور دور تک ایک ایسا سکون اُتر آتا ہے جس کو دولت کی کوئی حد بھی مہیا نہیں کر سکتی۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے اسد...... میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم غلط ہو لیکن زیادتی تو میرے ساتھ ہوئی تھی نا۔ ایک ایسی لڑکی جس کا پہلے سے نکاح ہو چکا تھا۔ اگر مجھے یہ بتا دیا جاتا کہ اس کا نکاح ہوا تھا رُخصتی نہیں ہوئی تھی اور وہ سارے حقائق بتا دیے جاتے۔ کیونکہ وہ میرا دوست تھا اس کے بارے میں بہت کچھ مجھے پتہ تھا۔ اگر ماہ رُخ مجھے اسی لمحے حقائق بتا دیتی تو میں تھوڑا سا غور و خوض کرتا لیکن میں ماہ رُخ کی بات پر اعتبار کر لیتا۔" وقار نے پھر کہا۔

"وقار! جو ہونے والی بات تھی وہ ہو چکی۔ جو حادثے ہونا تھے ہو کر ختم ہو گئے۔ جن جن دکھوں سے گزرنا تھا ان سے گزر آئے۔ اب یہ جو زندگی کی سانسیں چل رہی ہیں۔ یہ جو ابھی آگے کا سفر باقی ہے یہ ابھی ہمارے ہاتھ میں ہے اس کو سنبھال لو یار۔ ایک انا کا

مسئلہ ہی تو ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر لیتے ہیں۔ اُٹھو! بچی کو ماہ رُخ کی گود میں ڈال دو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دو کہ ہاں میں ظالم ہوں۔ میرے ہاتھ صاف نہیں ہیں۔ میں نے تم پر دکھوں کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ میں نے روبی کی جان لے لی۔ یہی تو کہنا ہوگا نا...... اعتراف جرم تو کرنا ہوگا نا...... تو کر ڈالو۔ بعض اوقات صرف اعتراف جرم کر لینے سے ہی انسان کی جان چھوٹ جاتی ہے۔ اس کے اندر کی جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر ایک سکون اُتر آتا ہے۔ وہ آنے والے دنوں میں اپنی خوشیوں کا تحفظ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بڑا کڑا مرحلہ ہے لیکن اس کڑے مرحلے سے گزر جانے کے بعد سارے مرحلے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو وہ اکیلی رہ رہی ہیں۔ آج بچی تمہارے پاس اکیلی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بچی کی وجہ سے کسی دن تمہارے ذہن میں یہ خیال آ جائے کہ میں کسی اچھی سی عورت سے نکاح کر لیتا ہوں۔ جو میری بیوی اچھی بنے یا نہ بنے اس بچی کو ہی ماں کا پیار دے دے۔ تو وہی عورت کیوں نہیں جو سچ مچ اس بچی کو ماں کا پیار دے سکتی ہے۔ جو روبی بھابی کی وجہ سے اس بچی کو اپنے گلے سے اپنی اولاد کی طرح لگا سکتی ہے۔" اسد نے پھر سمجھایا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو اسد...... میں تمہاری کسی بات سے اختلاف کب کر رہا ہوں لیکن یار مجھے تھوڑا سا دکھ تو منانے دو۔ وہ دکھ جس کا میں اکیلے ذمہ دار نہیں ہوں۔"

"پھر تم اپنی صفائیاں پیش کیے جا رہے ہو۔ پھر تمہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ تم غلط نہیں ہو دوسرے لوگوں کی بھی غلطی ہیں۔"

"صحیح ہے۔ دوسرے لوگوں کی بھی غلطی ہے اور ان کو بھی ماننا ہوگی۔ جب دونوں طرف غلطیاں مان لی جاتی ہیں تو دور دور تک کے جھگڑے نمٹ جاتے ہیں۔ بہت بڑے بڑے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔"

"یار...... پہلے اپنی ذات کے لیے انسان جنگ کر رہا ہوتا ہے لیکن جب سامنے اولاد ہوتی ہے تو وہ اپنے تمام نفع و نقصان کا رُخ اپنی اولاد کی طرف موڑ لیتا ہے۔ وہ ہر قدم اُٹھاتے ہوئے یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ اس کی اولاد کو فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا۔

اب تمہیں جو کچھ بھی سوچنا ہے اپنی بھلائی کے لیے بعد میں اور اپنی بیٹی کے لیے اپنی اولاد کے لیے پہلے۔ دیکھو! وقار اس بیٹی کو ماں مل جائے گی اور ایک طرح سے تم اپنی غلطیوں کا تاوان بھی ادا کر دو گے۔ کچھ بھی تو ہاتھ سے نہیں گیا۔ سب کچھ اپنی جگہ موجود ہے۔ بس اس اذیت ناک، اس کڑوی انا کا مرحلہ ہی تو طے کرنا ہے۔ گزر جاؤ اس سے۔ یہ اسی طرح صدیوں تمہیں اٹکا کے رکھے گی اور تمہاری جھولی ہمیشہ خالی رہے گی۔"

"اسد! ماہ رُخ نے مجھے شک کا مریض بنا دیا تھا۔ ماہ رُخ سے شادی ہونے سے پہلے میری اس طرح کی ذہنی کیفیت پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اگر میں شک کا مریض نہ بنتا تو میں روبی پر شک کرنے میں اتنی جلدی نہ کرتا۔ ماہ رُخ کے بعد تو جیسے میرا عورت پر سے اعتبار ہی ختم ہو گیا تھا۔" وقار نے اسد سے بہت آہستہ آواز میں بات کی جیسے کہ کوئی مجرم اعتراف جرم کرتے ہوئے اپنی آواز بہت نیچی کر لیتا ہے۔

"میں وہی تو کہہ رہا ہوں نا...... اب تم بس اسی بات کو پیٹتے رہو گے کہ اتنے فیصد قصور میرا تھا، اتنے فیصد قصور اُس کا تھا۔ بابا! غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں۔ ہر قتل ارادی قتل نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان قتل نہیں کرنا چاہتا لیکن قتل ہو جاتا ہے۔ اس نے دور دور تک کسی انسان کی جان لینے کا سوچا نہیں ہوتا لیکن جان لے لیتا ہے۔ قاتل یہی کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس نے قتل نہیں کرنا چاہا تھا۔ ان میں اکثر قاتل ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے واقعی ارادی قتل کیا ہوتا ہے لیکن انہی میں سے کچھ قاتل وہ ہوتے ہیں جنہوں نے کبھی کسی انسان کی جان لینے کی بات نہیں سوچی تھی۔ ارادہ نہیں کیا تھا، گناہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن ہو گیا۔ اب وہ جو چیز ہو جاتی ہے اس کو پیٹتے نہیں رہتے۔ کیا یہ عقل مندی ہے؟ کیا یہ ہوشمندی ہے کہ جب تک قبر کا منہ نہ دیکھیں خدا سے توبہ کرنے کی بجائے ہر وقت اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتے رہیں، اپنی غلطیوں کو محسوس کرتے رہیں، اپنی غلطیوں کو بار بار دہراتے رہیں کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے یہ کیا ہم نے وہ کیا۔ بتاؤ؟ یہ تمام باتیں کیا انسان کو کوئی ریلیف دیتی ہیں؟ اس کی جان چھڑا دیتی ہیں؟ اس کے مسئلے حل کر دیتی ہیں؟ میرے یار! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بہت کچھ ہوا ہے۔ اس میں

کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ جو کچھ تھوڑا سا وقت ہمیں ملا ہے ہم اس کو غلطیوں کو یاد کرنے کی بجائے کیوں استعمال کریں، ہم ایسا تاوان کیوں نہ Pay کر دیں، ہم ایسا ہرجانہ کیوں نہ ادا کر دیں کہ ہمارا آگے کا سفر ہلکا پھلکا ہو جائے۔ چلو اُٹھو میرے ساتھ۔'' اسد نے وقار کو بازو سے پکڑ کے زور لگا کے اُٹھانا چاہا۔

''کہاں......؟''

''وہیں جہاں غلطیوں کے تاوان ادا کیے جائیں گے اور تاوان کے بعد گردنیں چھوٹ جائیں گی اور زندگی کے بوجھ اُتر جائیں گے اور آگے کا سفر آسان ہو جائے گا۔ اُٹھو شاباش! میں صرف وہاں تمہیں دروازے تک لے کر جاؤں گا۔ میں اندر نہیں جاؤں گا۔ اندر جانے کا حوصلہ تمہیں کرنا ہوگا۔ اس پھنکارتی ہوئی ناگن کی طرح کی انا کی گردن دبوچ کر اس کا سر کچلنا ہوگا تب کہیں جا کے تمہارے آگے کا وقت تمہارے ہاتھ میں آ جائے گا۔ وہ وقت جو جانے کتنا ہے اس لیے کہ کسی کو نہیں پتہ ہوتا کہ باقی اس کی کتنی زندگی رہ گئی ہے۔ اب جتنی بھی رہ گئی ہے چلو آؤ اس کے تو بوجھ اُتاریں۔ آخر کب تک یہ بوجھ اُٹھا کر خود کو گھسیٹتے رہو گے؟''

☆☆☆☆☆

''شاداب! بس ایک بات یاد رکھو اور باقی سب کچھ بھول جاؤ'' بانو بیگم شاداب کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں جو بیگ اُٹھائے گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''امی......! بس آپ اپنی یہ نصیحتیں سنبھال کر رکھیں۔ یہ میرے کسی کام کی نہیں ہیں۔ مجھے جو روگ لگا ہے وہ کسی نصیحت سے دور نہیں ہو جائے گا۔ مجھے سوچنے دیں کہ میرے زخم کا علاج کیا ہے اور مجھے کہاں سے ملے گا۔''

''بیٹا! وہی بات میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔ تم اگر ایک منٹ بیٹھ کر میری بات سن لو تو شاید تمہارا اور میرا دونوں کا مسئلہ حل ہو جائے۔''

''اب کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''

''شاداب! تمہاری بہن حویلی کے وارث کو جنم دینے والی ہے۔ اب یہ تو اللہ ہی کو

پتہ ہے کہ آنے والا نیا انسان بیٹی ہے یا بیٹا لیکن بیٹی ہو یا بیٹا دونوں ہی ورثہ میں شامل ہوتے ہیں۔'' بانو بیگم نے اب بہت آہستہ آواز میں کہا تھا۔

شاداب چونک کر ایک دم پلٹا ''کیا کہہ رہی ہیں امی آپ؟ کس کی بات کر رہی ہیں؟ آپا کی بات کر رہی ہیں؟'' وہ ایک دم حواس باختہ سا ہو کر ماں کی شکل دیکھنے لگا۔

شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عنقریب اس کو اس طرح سے کوئی خبر مل سکتی ہے۔

''ہاں بیٹا! میں نیا کی بات کر رہی ہوں۔ اس لیے کہ حویلی والوں نے دل و جان سے تمہاری بہن اپنی بہو بنایا ہے۔ وہ کہتی ہے امی اگر شاداب کہتا ہے تو میں حلف اُٹھا کر کہنے کو تیار ہوں کہ حویلی والے مجھے اس طرح سے رکھے ہوئے ہیں جیسے کسی پھول کو چھوا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے مجھے اتنا آرام، اتنا پیار دیا ہے اور اتنی عزت دی ہے کہ آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں نے سمن کو وہاں برسوں رہتے ہوئے دیکھا ہے لیکن جو عزت اور پیار مجھے حویلی والے دے رہے ہیں وہ میں نے کبھی سمن کے لیے وہاں نہیں پایا۔ بی بی جان مجھے ہر وقت اپنے ساتھ سائے کی طرح رکھتی ہیں۔ میرے ناز نخرے اُٹھاتی ہیں۔ میرے چھوٹے چھوٹے سے بھی آرام کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ برا بھی تو ہو سکتا تھا۔ شاداب کی ایک جذباتی غلطی کی وجہ سے بہت برا بھی ہو سکتا تھا۔ کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ کچھ اچھا ہو گیا اور بہت سارے لوگوں کی جان چھوٹی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کر دیا۔ ہم آگے تک نقصان کے سودے کرتے چلے جاتے تب بھی کیا ہوتا۔ سودے ہوتے رہتے، دکھ بڑھتے رہتے اور زندگی گزرتی رہتی۔''

''امی......امی!! یہ آپا نے کیا کیا؟'' شاداب آئیں بائیں شائیں ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا بولے۔

''بیٹا! اس کی شادی ہوئی ہے سہیل سے۔ پورا گاؤں، پورا گوٹھ اس بات کا گواہ ہے کہ سہیل نے نیا سے دوسری شادی کی ہے۔ جو کچھ ہوا کوئی غلط نہیں ہوا۔ اب وہ اس حویلی کا حصہ ہے۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ اب اپنی بہن کی خاطر، اُس کی اولاد کی خاطر

کچھ سوچو۔ میری خاطر تو شاید تم کبھی نہ سوچو۔ بیٹا! بہن کا گھر بس گیا ہے کسی بھی طرح سے۔ اب وہ اپنے گھر کی تو ہے۔ کون بھائی ایسا ہوگا جو اپنی بہن کے گھر کو اپنے ہاتھوں سے جا کر آگ لگا دے۔ تم ان لوگوں سے نہیں ملنا چاہتے، ان لوگوں کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے تو مت دیکھو لیکن جو کچھ تم ان سے بدلے لینے کے لیے سوچتے رہتے ہو آج ان تمام خیالات کو، ان انتقامی سوچوں کو جھٹک کر اس گھر سے نکلو۔ میں صرف تمہاری ماں نہیں ہوں، میں نیا کی بھی تو ماں ہوں۔ مجھے تمہارا بھی کچھ اچھا سوچنا ہے تو اپنی بیٹی کا بھی تو سوچنا ہے۔ بس مجھے تم سے یہی کہنا تھا کہ باز آ جاؤ۔ انتقام کے سلسلوں میں سوائے آگ کے اور کیا رکھا ہوتا ہے۔ وہ آگ جو انسان کی قبر تک اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ دیکھو! انا کا مسئلہ بناؤ گے تو پھر بڑے بڑے نقصان ہو جائیں گے۔ ماں کی بات پر غور کرو گے، بہن کی ہمدردی میں سوچو گے اس کی قربانی کا احساس کرو گے تو یہ دن رات کی جو تم اذیت اُٹھا رہے ہو، انتقام کے منصوبے سوچ سوچ کر اس اذیت سے تمہیں نجات مل جائے گی بیٹا۔ میں نے تو جو تم سے کہنا تھا، جو خبریں سنانا تھیں، جتنا سمجھانا تھا سمجھا دیا، کہہ دیا۔ اس سے زیادہ اب میں کچھ کر بھی نہیں سکتی۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو، اللہ تمہیں ہدایت دے اور اللہ تمہیں نیک توفیق دے۔'' بانو بیگم بولتے بولتے شاداب کے ساتھ گیٹ تک پہنچ گئی تھیں اور شاداب گیٹ کھولنے کے لیے گیٹ پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا دیں۔ بانو بیگم سر جھکا کر واپس اندر کی طرف پلٹ گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆

''کیا کہہ رہی ہو نمو......؟ واقعی!!'' ولید کمال کو جیسے یقین نہیں آیا۔

''میں آپ سے کوئی مذاق کروں گی؟ جھوٹ بولوں گی؟ چلو نا میرے ساتھ ہم رمیض بھائی کو مبارک باد دے کر آتے ہیں۔ سچی مجھے تو رات بھر نیند نہیں آئی۔ میں تو بس یہی سوچتی رہی کہ کس طرح سے بس اس گھر میں جاؤں اور سب کو مبارک باد دوں۔''

''لیکن یار! میری ایک بات تو سنو......تم تو اس گھر کا ایک حصہ ہو، فیملی ممبر ہو،

رمیض کا نکاح ہو گیا اور کسی نے تم سے صلاح مشورہ نہیں کیا اور کسی نے تمہیں بلایا نہیں۔ اتنا تو تمہارا حق بنتا ہے۔'' ولید کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں......وہ تو بس ایمرجنسی میں کچھ ہوا ہے۔''

''ایمرجنسی میں کچھ ہوا ہے......؟'' ولید کی پھر سمجھ میں نہیں آیا۔

''بھئی!......جتنی بھی ایمرجنسی میں ہوا ہے، نکاح تو ہوا ہے۔''

''بس وہ رات کو چونکہ بہت لیٹ Hours میں ہوا تھا......تو......''

''کیوں؟ کیا لڑکی کے ماں باپ میں سے کوئی بیمار ہے۔ خدانخواستہ آخری سانسیں لے رہا تھا اور اس کی فرمائش پر اتنی افراتفری میں نکاح کرنا پڑا۔'' ولید اُلجھ کر پوچھ رہا تھا۔

''اب یہ تو وہاں جائیں گے تو پتہ چلے گا لیکن آپ کو تو خوش ہونا چاہیے نا کہ آخر رمیض بھائی بھی شادی شدہ ہو گئے، ان کا نکاح ہو گیا''

''اس کی اپنی پسند سے ہوا ہے......؟'' ولید نے پوچھا۔ وہ اس وقت شاور لے کر واش روم سے باہر آیا تھا اور اپنے بالوں کو ٹاول سے خشک کر رہا تھا۔

نمو کب سے انتظار کر رہی تھی یہ خوشخبری سنانے کے لیے۔ اس لیے کہ وہ انجم علوی کے گھر جانے کے لیے بہت بے تاب تھی لیکن یہ بھی چاہ رہی تھی کہ وہ ولید کے ساتھ وہاں جائے۔ اس نے ولید سے کمٹ منٹ کی تھی کہ وہ اس کے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔ حتیٰ کہ اپنے ماموں کے گھر بھی نہیں جائے گی۔ وہ جہاں جائے گی اس کے ساتھ جائے گی۔

''چلو......ٹھیک ہے۔ ابھی تھوڑا سا کام نمٹا لوں......ضروری۔ پھر چلتے ہیں دے کر آتے ہیں مبارک باد۔ مگر یار یہ تو بڑی سونی سونی شادی ہے، نہ کوئی مٹھائی نہ کچھ اور......''

''ماموں جان کہہ رہے ہیں کہ وہ ولیمہ بڑا دھوم دھام سے کریں گے۔ ممانی جان مجھے بتا رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ نکاح ہو گیا ہے ٹھیک ہے لیکن ہم ایک تقریب ضرور کریں گے۔ ہمیشہ دوسروں کے ہاں آج تک جاتے رہے ہیں۔ تو اپنے بیٹے کو اب اتنی

خاموشی سے تو فارغ نہیں کر دیں گے نا کچھ تو اہتمام کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہوٹل میں ولیمہ ریسیپشن ہوگا۔ سچی میرا تو اتنا دل چاہ رہا ہے کہ میں جلدی سے جا کر رمیض بھائی کی دلہن دیکھ لوں کہ وہ کیسی ہے؟ ایک عجیب سی مجھے تو بے چینی لگ گئی ہے۔'' نمو کے اندر ایک بچگانہ سی بے تابی ولید کو واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی اور خود بھی اسے اس اچانک خبر سے حیرت تو ہوئی تھی لیکن ایک عجیب سا سکون بھی محسوس ہوا تھا۔ اسے یہ بات سمجھ نہیں آ سکتی تھی کہ رمیض کے نکاح کی خبر آنے تک یہ سکون کہاں چھپا بیٹھا تھا اور خبر ملتے ساتھ ہی کس کونے سے نکل کر آ گیا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ وہ جو انسان خود ہی اپنے خیالات کے جال میں پھنسا رہتا ہے۔ وہم وگمان سے، آئیڈیا سے، اندازوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ جب ان اندازوں اور وہم وگمان سے جان چھوٹتی ہے تو واقعی ایک روحانی سکون انسان کے اندر اترتا ہے۔ ابھی کھڑے کھڑے ولید کو اس کا تجربہ ہوا تھا۔ اس نے چور نظروں سے نمو کی طرف دیکھا۔ اب وہ نمو کو یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ تمہارے کزن کے نکاح کی خبر سن کر جتنی خوشی تمہیں ہو رہی ہے اس سے کہیں زیادہ سکون میں محسوس کر رہا ہوں۔ حالانکہ میں نے کچھ دیکھا نہیں تھا میرے پاس کوئی خبر نہیں تھی لیکن کچھ تھا میرے اندر ایک کانٹا سا چبھتا تھا۔ ابھی ابھی وہ نکلا ہے۔

''کیا سوچ رہے ہیں......؟ جلدی کریں نا...... اچھا میں وعدہ کرتی ہوں میں زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھوں گی۔ بس ہم مبارکباد دے کر آ جائیں گے نا اور دلہن دیکھ کر......''

''دلہن بھی آ گئی ہے؟ تم تو کہہ رہی ہو کہ نکاح ہوا ہے۔''

''ہاں...... بھئی! نکاح ہوا ہے نا اور رخصتی بھی ہو گئی ہے تبھی تو ولیمے کی بات کر رہی ہوں میں......''

''اچھا...... چلو ٹھیک ہے، چلتے ہیں۔ تم تیاری کر لو اور بات سنو! تم نے میری امی کو یہ خبر سنائی یا ابھی تک صرف خود ہی انجوائے کر رہی ہو۔ امی کو پتہ چلے گا تو انہیں افسوس نہیں ہوگا کہ تم نے اتنی اہم خبر ان سے چھپائی۔''

''ہاں...... یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ آپ تیار ہوں میں ابھی می کو بتا کر آتی

ہوں۔'' نمو اس وقت بہت خوش نظر آ رہی تھی اور تیزی سے کمرے سے باہر بھاگنے والے انداز میں نکلی تھی۔

☆☆☆☆☆

''نیا! میں پہنچتے ہی اس لیے تمہیں فون کر رہی ہوں کہ میں تمہیں تاکید کرنا بھول گئی تھی کہ خدا کے لیے ابھی سہیل کو مت بتا دینا کہ مجھے سب کچھ پتہ چل گیا ہے اور میں تم سے ملی ہوں۔'' سمن کہہ رہی تھی۔

''لیکن...... میں اپنی حد تک تو تم سے کمٹ منٹ کر سکتی ہوں کہ نہیں بتاؤں گی لیکن تم حویلی آئی تھیں۔ بابا سائیں سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ بابا سائیں بی بی جان کو تو بتائیں گے نا کہ سمن آئی تھیں۔ کیونکہ بابا سائیں بی بی جان کو ہر طرح کی اطلاع دے بھی سکتے ہیں اور بی بی جان کو ہینڈل بھی کر سکتے ہیں۔ اگر سہیل کو بی بی جان یا بابا سائیں سے پتہ چلا تو...... وہ تو وہاں پر بہت Distrub ہو جائیں گے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میرے ذریعے یا تمہارے ذریعے ان کو یہ حقائق پتہ چلیں۔ دیکھو نا وہ اتنی دور بیٹھے ہیں اور پیپر دینے گئے ہیں۔ اگر وہ وہاں پر اتنی بری طرح سے Disturb ہوں گے تو جس کام کے لیے گئے ہیں وہ کیسے کر پائیں گے؟'' نیا سمن کو کہنے لگی۔

''نہیں...... نیا تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔ ان کو اعتماد میں لو، ان سے کہو کہ سہیل جب پاکستان آ جائیں گے پہلے میرے پاس یا پہلے تمہارے پاس تو ہم ان کو خود بتا دیں گے۔ ان کو وہاں پر پریشان نہ کریں۔ ایسی کوئی خبر نہ دیں کہ وہ جس کام کے لیے گئے ہیں اس سے ہٹ کر ان کو پاکستان آنے کی جلدی پڑ جائے۔ دیکھو نا! اتنا انہوں نے کام کیا ہے۔ اتنی بھاگ دوڑ کی ہے، اتنی محنت کی ہے۔ تو ٹھیک ہے وہ اپنا کام پورا کر لیں اور یہ جو گھروں کے مسئلے ہوتے ہیں، انسانوں کے مسائل ہوتے ہیں یہ تو ہمیشہ سے چلتے آ رہے ہیں اور چلتے رہیں گے۔ پتہ ہے کیا مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ سہیل اعصابی دباؤ کا شکار ہو کر کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس طرح کی خبر ان کو ملے گی تو وہ اس پر فوراً یقین نہیں کریں گے۔ طرح طرح کے اندیشے ان کو ستائیں گے۔ کبھی بابا سائیں کی طرف

سوچیں گے، کبھی بی بی جان کی طرف سوچیں گے کہ کہیں انہوں نے ایسا نہ کیا ہو، ویسا نہ کیا ہو۔ تو بس تم خدا کے لیے...... ان تک ابھی یہ خبر نہ پہنچنے دو کہ میں حویلی آئی تھی اور تم سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اچھا بابا ٹھیک ہے...... میں بات کرتی ہوں بابا سائیں سے اور بول دیتی ہوں کہ سہیل جب پاکستان آئیں گے تو ہم انہیں خود بتا دیں گے۔ وہ سہیل کو نہ بتائیں کہ ثمن یہاں آئی تھی۔ ٹھیک ہے نا...... اب تو خوش ہو؟"

"میں تو بہت خوش ہوں۔ حالانکہ میرے اس سچ پر کسی کو یقین نہیں آئے گا لیکن میں واقعی خوش ہوں۔ اس لیے کہ میری جان چھوٹی۔ وہ اندیشہ جو مجھے گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا کہ آنے والی نئی عورت بہت جلد سہیل کو مجھ سے دور کر دے گی۔ کیونکہ وہ سہیل کے وارث پیدا کرے گی۔ اس اندیشے سے میری جان چھوٹ گئی ہے۔ نیا! میں بہت خوش ہوں۔ شاید دنیا میں میں واحد عورت ہوں جو اپنے شوہر کی شادی پر اتنی مطمئن اور خوش ہوں۔" ثمن کہہ رہی تھی۔ نیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس مسکراہٹ کے اندر ایک ملال بھی تھا اور اُداسی بھی۔

☆☆☆☆☆

نمو جب تمام صورت حال جاننے کے بعد رمیض کے کمرے کا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی تو رمیض اپنے کانوں پر ہیڈ فون لگائے کسی گیت کی دُھن پر دھیرے دھیرے تھرک رہا تھا۔ نمو کو پتہ تھا کہ اگر وہ آہستہ آواز میں سلام کرتی ہے، متوجہ کرتی ہے تو وہ نہیں سن پائے گا۔ کیونکہ اس کے کانوں پر ہیڈ فون کا پہرہ ہے۔ وہ آگے بڑھی اور ٹیبل پر پڑے ہوئے اس کے موبائل فون سے ٹیبل کی سطح کو اس نے بجایا۔ ٹھک ٹھک کی زور سے آواز اُبھری۔ رمیض نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور نمو کو سامنے دیکھ کر اپنے کانوں سے ہیڈ فون ہٹا دیا۔

"ارے...... تم کب نازل ہوئیں؟ پتہ ہی نہیں چلا۔ بس دے تو دی تھی مبارک باد فون پر۔ بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے آپ کے ماموں جان نے۔ اب اتنی تکلیف

کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے بڑی زحمت کی...... مس زحمت" وہ بہت چبا چبا کر بول رہا تھا۔

"ہاں...... جو کچھ کیا میرے ماموں جان نے کیا۔ آپ تو ننھے فرشتے ہیں، آپ سے تو بھول چوک کا امکان ہی نہیں ہے۔ ساری دنیا غلطیاں کرتے ہے آپ کے علاوہ۔ سب لوگ بھول چوک کر جاتے ہیں آپ سے ممکن نہیں۔ آپ جیسا صاف ستھرا انسان شاید ہی اس دنیا میں پیدا ہوا۔ ٹھیک ہے نا......"

"اچھا...... اب تم اپنے ماموں کی حمایت میں پورا آدھا گھنٹہ تقریر کرو گی۔ بابا! میں نے مبارک باد وصول کی۔ آپ کے آمر اور جابر ماموں جان کے فیصلے کے سامنے سرینڈر کر دیا۔ اب آپ لوگوں کو مجھ سے اور کیا چاہیے؟" رمیض نمو کو دیکھ کر اپنی اصلی اور حقیقی دلی کیفیت چھپا نہ سکا اور جیسے پھٹ پڑا۔

"جی...... میرے ماموں جان نے تو بڑا نیک کام کیا۔ بہت اچھا کام کیا۔ آپ یہ بتائیے یہاں تک پہنچتے پہنچتے آپ نے کیا کچھ کیا ماموں جان کے لیے؟ ابھی تک تو ماموں جان ہی کر رہے ہیں۔"

"نمو خدا کے لیے...... خدا کے لیے...... بس خاموش ہو جاؤ۔ کس طرح سے اپنے آپ کو سمجھا رہا ہوں اور سنبھال رہا ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" رمیض ایک دم چڑ کر بولا۔

"جی...... آپ کو پتہ چلا؟ خود کو سنبھالنا، سمجھانا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ آج سے پہلے آپ نے یہ کام نہیں کیا۔ آپ کے بدلے میں یہ کام دوسرے کر رہے تھے۔ رمیض بھائی! مجھے ممانی جان سے سب کچھ پتہ چل گیا۔ آپ یقین کیجیے کہ میں اتنی زیادہ Shocked ہوں کہ میرے پاس الفاظ ہی نہیں کہ میں آپ کو اپنے اندر کی کیفیات بتا سکوں۔ میں تو بس آپ کو یہ کہنے آئی ہوں کہ رمیض بھائی زندگی احساس ذمہ داری میں ہوتی ہے اور جو لوگ یہ ڈیوٹی ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں ان کو بڑے بڑے جرمانے ادا کرنے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے ہرجانے ان کے ذمے لگ جاتے ہیں۔ رمیض

بھائی! وہ تمام معصوم لڑکیاں جن کے دلوں سے آپ کھیلتے رہے۔ آپ کے نزدیک ایک کھیل تھا۔ مگر ان میں سے کئی ایسی تھیں جو آپ کے ساتھ Sincere تھیں۔ جب وہ آپ سے مایوس ہوئی ہوں گی جب ان پر انکشاف ہوا ہوگا کہ انہوں نے اتنی بڑی چوٹ کھائی۔ کوئی ان کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ تو پھر انہوں نے بھی تو اپنے آپ کو سمجھایا ہوگا اور ایک تو اپنے آپ کو سمجھا ہی نہیں سکی۔ رمیض بھائی! میرے ماموں کے اُوپر آپ الزامات کے کیچڑ مت ڈالیں۔ الزام تراشی کرنے سے نہ انسان کی جان بچ جاتی ہے اور نہ اس کے حادثات رُکتے ہیں۔ میرے لیے یہ بہت اذیت ناک خبر ہے کہ میرے رمیض بھائی کی بیوی ضمانت پر رہا ہو کر زندگی گزارے گی۔ پولیس اسٹیشن میں اس کے خلاف ایف آئی آر کٹی ہوئی ہے۔ وہ کتنی ہی پارسا، معصوم اور نیک ہے لیکن ایک داغ اس کے چہرے پر لگا ہے اور یہ داغ دار چہرہ قدرت نے آپ کے لیے منتخب کیا ہے۔ کیونکہ اگر ماموں جان اپنی مرضی سے اس کو کہیں سے لائے ہوتے یا ماموں جان سے ان کا کوئی رشتہ یا تعلق ہوتا تو آپ ماموں جان کو اس کا الزام دے سکتے تھے۔ وہ لڑکی جو اس وقت آپ کی بیوی ہے اور عدالتی کارروائی سے گزر رہی ہے اس کے اس گھر میں پہنچنے کے ذمہ دار بھی آپ ہیں۔ آپ اپنی شکست اور نا کامیوں کا بدلہ اس سے لینے کا نہ سوچیے۔ اس لیے کہ کوئی کسی سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ شاید قدرت آپ سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔ آپ پر کوئی قرضہ چڑھا ہوا تھا وہ قدرت نے آپ سے لے لیا۔ اب آپ یہ الزام تراشیوں کا سلسلہ بند کر دیں اور جو کچھ پیش آیا ہے اس پر غور کریں۔ یہ بات مجھے، ماموں جان کو ممانی جان کو اور آپ کو پتہ ہے۔ ہم چار بندوں کے علاوہ کسی بھی پانچویں بندے کو جب یہ بات پتہ چلے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ہم چاروں میں سے کسی نے بتایا ہے۔ خاموش ہو جائیے اور ڈھونڈورے مت پیٹیے، یہ ڈھونڈورے، یہ نقارے صرف ماموں جان کو رُسوا نہیں کریں گے۔ اب یہ ڈھونڈورے اور نقارے آپ کے لیے بجیں گے۔ کیونکہ نشاط افزا آپ کی بیوی ہے۔ تہمت کی بددعا ہے اور بہت سے دکھی دلوں کی آہ ہے۔ پھر بھی شکر ادا کیجیے کہ نیک ماں باپ کی وجہ سے آپ کو ایک پارسا لڑکی ملی ہے۔

اس نے اپنی عزت کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک دینے کی کوشش کی ہے۔ آپ نشاط افزا کا صرف یہ رُخ دیکھیں گے تو آپ کے دل کو سکون مل جائے گا۔'' نمو نے رمیض کی طرف دیکھا اور دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ ''رمیض بھائی! میرے ساتھ ولید بھی آئے ہیں۔ وہ آپ کا Wait کر رہے ہیں اور آپ کو مبارک باد دینا چاہتے ہیں۔ میں ان کو یہی کہہ کر لائی ہوں۔ نیچے آئیے آپ! اگر آپ کو اپنی ذرا سی بھی پروا ہے اور اگر آپ کو واقعی اپنی Ego اور اپنی عزت بہت پیاری ہے تو نیچے آئیے، ولید سے ملیے۔ میں ان کو لے کر آئی ہوں وہ آپ کو گلے سے لگا کر مبارک باد دیں گے۔ ساری زندگی میں آپ کے حکم پر چلتی رہی ہوں۔ آپ کی بات کے سامنے اپنی بات نہیں رکھی۔ آج آپ کو میری سننا ہوگی، صرف ایک بات ماننا ہوگی۔ اُٹھیں چلیں......'' نمو کے انداز میں اصرار تھا۔

رمیض چند لمحے سوچتا رہا پھر آہستگی سے بولا ''تم چلو۔ میں چینج کر کے آ رہا ہوں۔''

☆☆☆☆☆

وقار بچی کو ماہ رُخ کی گود میں دے رہا تھا۔ ماہ رُخ نے بچی کو لینے کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے اور وہ ایک ٹک وقار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ برسوں بعد اس نے وقار کا وہ چہرہ دیکھا تھا جو چند ہی دنوں میں خواب بن کر رہ گیا تھا۔

مومنہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی بڑی بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ دلائل سے لوگوں کی سوچوں کے دھاڑے موڑنے کی بڑی زبردستی اہلیت رکھتی تھی لیکن ابھی تک دنیا میں ایسی کوئی دلیل ایجاد نہیں ہوئی جو دل کو کسی دلیل سے قائل کر سکے۔ ماہ رُخ کے چہرے پر جو ایک مسکراہٹ کی چمک تھی۔ اس نے بچی کو وقار کے ہاتھوں سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور بچی کی پیشانی پر ایک بوسہ دیا تھا۔

ننا دم کیا ہوا پانی لے کر اپنی دُھن میں کمرے سے باہر آئی تھیں لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر گلاس ان کے ہاتھ سے گرتے گرتے رہ گیا تھا۔ ان کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ ایک ٹک یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ سامنے وقار تھا، ایک دم سے وقار کا چہرہ روبی کے چہرے میں تبدیل ہو گیا اور ننا کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے اپنے دل پر ہاتھ

رکھ لیا تھا۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا ''ہاں مالک! تیری مرضی۔ جیسے تو چاہے اور جو تو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ یہ دکھ، یہ غم، یہ آزمائش، یہ تو سارے جینے کے لوازمات ہیں۔'' انہوں نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور خاموشی سے دوبارہ اس طرف پلٹ گئیں جہاں سے آئی تھیں۔

وقار نے ماہ رُخ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ماہ رُخ نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ وقار کے اس فطری اور بے اختیار عمل نے وہ ساری کھائیاں، وہ سارے سمندر، دریا، ساری خلیجیں پاٹ دی تھیں۔ بعض اوقات مسیحاؤں کی ساری بھاگ دوڑ کا نتیجہ سپر ہو جاتا ہے اور ایک لمس دست شفا بن جاتا ہے۔ اس نے نظریں اُٹھا کر وقار کی طرف دیکھا۔ وقار کی نگاہ میں ادا کیے جانے والے تمام تاوان، تمام ہرجانوں کی ضمانت موجود تھی۔ صحرا کے طویل اور بے سمت سفر کے اختتام پر ایک قطرہ آب بھی سمندر محسوس ہوتا ہے اور وقار تو بادل کا سائبان لیے کھڑا تھا۔

تمت بالخیر

(ختم شد)